وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور بلاشبہ ہم نے آسان کر دیا ہے اس قرآن کو نصیحت کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

عُمدۃ البیان فی تفسیر القرآن

المعروف **تفسیر المدنی** (الکبیر) جلد چہارم

(از قلم حقیقت رقم)

شیخ التفسیر حضرت مولانا **ابو طاہر محمد اسحاق خان** صاحب المدنی

(حفظہ اللہ و رعاہ و تقبل مساعیہ و جعل أخراہ خیرا من أولاہ)

دار العلوم الاسلامیہ بکشمیر الحرۃ پلندری، ضلع سدھنوتی آزاد کشمیر، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور بلاشبہ ہم نے آسان کر دیا ہے اس قرآن کو نصیحت کے لیے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

عُمدة البيان
"فی تفسیر القرآن"

(المعروف) { تفسیر المدنی (الکبیر)

(ترجمہ وتفسیر)

از قلمِ حقیقت رقم { شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی

(حفظہ اللہ ورعاہ وتقبل مساعیہ وجعل اخراہ خیرا من اولاہ)

ناشر

دار العلوم الاسلامیہ بکشمیر الحرۃ

پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان

(Palandri Dist Sudhnoty (A.J.K) Pakistan.)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

نام کتاب	:	"عُمدة البيان فی تفسير القرآن"
تالیف	:	شیخ التفسیر حضرت مولانا ابوطاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی دامت برکاتہم العالیہ
باہتمام	:	پروفیسر مولانا محمد طاہر خان صاحب آل مدنی حفظہم اللہ
صفحات	:	787
تعداد اشاعت	:	گیارہ سو (۱۱۰۰)
سن اشاعت	:	ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ بمطابق دسمبر 2008ء
مطبع	:	حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور، پاکستان
ناشر	:	دار العلوم الاسلامیہ پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان
تصحیح	:	مولانا محمد سہیل فاروق اقرأ ندوۃ الفرقان، جامعہ ندوۃ العلم، لاہور، پاکستان

297-16
159
141586

استدعاء

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق، کتابت، تصحیح، طباعت اور جلد سازی میں پوری احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

مگر اس سب کے باوجود اگر بشری تقاضوں کی بناء پر کوئی غلطی رہ گئی ہو، یا کہیں صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ اِن شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

ناشر

دار العلوم الاسلامیہ بکشمیر الحرۃ

پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان

(Palandri Dist Sudhnoty (A.J.K) Pakistan.)

اِہداء و انتساب

اُس وحدہٗ لاشریک سبحانہٗ وتعالیٰ کے حضور اور اُسی کے نام

❁— جس کا میں بندہ ہوں اور جس کے فضل وکرم اور رحمت وعنایت میں میرے جسم وجاں کا رواں رواں ڈوبا ہوا ہے، اور جس کا شکر ادا کرنا میرے بس میں نہیں۔ اور جس سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق وعنایت سے اس کی کتاب حکیم کے ترجمہ و تفسیر کی یہ خدمت، اور عظیم الشان سعادت نصیب ہوئی ہے۔ فَالْحَمْدُ لَهٗ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّ بَعْدَ كُلِّ شَیْءٍ
ورنہ ـــ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم سحر یہ تیری مہربانی ہے

❁— پس اسی کے حضور دست بدعا اور سراپا عرض والتجا ہوں کہ وہ محض اپنی شان کریمی سے اس بندۂ ناچیز کی اس طالب علمانہ کوشش کو شرف قبولیت سے نواز کر اسے نفع عام اور راقم آثم کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ بنا دے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَيْهِ بِعَزِيْزٍ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ، وَلَا حَدَّ لِجُوْدِهٖ وَكَرَمِهٖ وَهُوَ بِالْاِحْسَانِ جَدِيْرٌ۔
نیز یہ کہ اس کار عظیم کے دوران جو بھی کوئی تقصیر وکوتاہی راقم آثم سے سرزد ہوئی ہو۔ خواہ اس کا تعلق نیت وارادہ سے ہو، یا عمل واداء سے، اس کو اپنی رحمت وعنایت سے معاف فرما دے کہ وہ غفور بھی ہے، اور رحیم بھی، تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

❁— اور اس کو اپنی بارگاہِ اقدس واعلیٰ میں قبول فرما کر اسے راقم اثم کیلئے، راقم کے والدین مرحومین، اور دوسرے اعزہ و اقارب کے لئے، راقم کی بیوی اور بچوں کے لئے، بہنوں اور بھائیوں اور دوسرے تمام رشتہ داروں کیلئے خیر وبرکت اور دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ اور ابدالآباد تک باقی رہنے والا صدقۂ جاریہ بنا دے، آمین ثم آمین۔

❁— نیز اس کو راقم کے اساتذہ ومشائخ، اہل مسلک اور جملہ اہل حق، اور اہل ایمان کیلئے رحمتوں برکتوں اور دارین کی فوز و فلاح اور سعادت وکامرانی کا ذریعہ بنائے اور اس سے حق اور اہل حق کا بول بالا ہو۔ اور ان کے مقابلے میں اہل کفر وباطل میں سے جن کے نصیب میں ہدایت ہو ان کو ہدایت ورحمت کے نور سے نوازنے کا ذریعہ بنا دے، اور جن کے نصیب میں یہ نور ملنا مقدر نہ ہو، ان کو خائب وخاسر اور ناکام ونامراد کر دے۔ آمین ثم آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ
وَاِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ، وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ، وَعَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ وَهُوَ عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِهٖ بِهٖ جَلَّ وَعَلَا، وَهُوَ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْهُمْ لِاَنْفُسِهِمْ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

وانا عبده العاصي ولرحمته الرّاجي محمد اسحاق خان (عفا الله عنه و عافاه و جعل عقباه خيرا من اولىه) أحدُ طلبة العلم. المقيم بدبي (السطوة) الامارات العربية المتحدة ١٢ صفر ١٤١٧ھ الموافق ٢٧ يونيو ١٩٩٦ء يوم الخميس،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء وسید المرسلین، نبینا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین، ومن اھتدی بھدیہ ودعا بدعوتہ الی یوم الدین. وبعد

❁ یہ بندۂ ناچیز محمد اسحاق خان ولد سردار خانولی خان، ولد سردار نواب خان، علیہم شآبیب الرحمۃ والغفران۔ جو کہ آزاد کشمیر، پاکستان کے ایک پسماندہ اور دور افتادہ مگر مردم خیزی میں امتیازی مقام اور خاص شہرت رکھنے والے خطہ ''منگ'' کا رہنے والا ہے۔ برادرانِ اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ قرآنِ حکیم کے ترجمہ وتفسیر کے جس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کا آغاز ایک عرصہ قبل کیا تھا وہ ربع صدی سے بھی زیادہ عرصے کی طویل محنت اور جہدِ مسلسل کے بعد اب جا کر پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے والحمد للہ رب العالمین۔ اَلَّذِیْ لَاتَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوْفِیْقٍ مِّنْہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی

❁ اس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کے سلسلہ میں جن امور کا التزام کیا گیا۔ اور جن خطوط پر اس سلسلہ میں محنت کی گئی ان سب کا ذکر تفصیل کے ساتھ مقدمۂ تفسیر میں کر دیا گیا جو کہ الگ ایک مستقل کتاب کی شکل میں عرصہ قبل چھپ چکا ہے۔ والحمد للہ اس لئے اس کے اعادہ وتکرار کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش اس وقت تو صرف اس عملِ جلیل کی قبولیت عند اللہ کی دعا کی اپیل ودرخواست ہے اور بس اس دوران جو بھی کوئی کوتاہی راقم اثم سے سرزد ہوگئی ہو۔ خواہ اس کا تعلق ارادہ ونیت سے ہو۔ یا عمل واداء سے اللہ تعالیٰ اس سب کی بخشش فرما کر اس قرآنی خدمت کو اپنی بارگہ اقدس میں قبول فرمالے۔ اور اس کو پوری دنیا میں نورِ حق وہدایت کی اشاعت کا ذریعہ بنادے آمین ثم آمین یاربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین واکرم الاکرمین۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرما کر اس کو راقم اثم اور راقم کے جملہ متعلقین کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والا ایسا صدقۂ جاریہ بنادے۔ جس سے دنیا ساری میں نورِ توحید کا اجالا ہوجائے اور شرک وبدعت کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ اور حق اور اہلِ حق کا بول بالا ہو آمین ثم آمین یاربَّ العالمین وانہ سبحانہ وتعالیٰ ولی ذالک والقادر علیہ جل وعلاشانہ

وانا عبدہ الضعیف المفتقر الی رحمتہ جلَّ وعلا فی کلِّ حین واٰن وبکل حالٍ من الاحوال **محمد اسحاق خان** (عفا اللہ عنہ وعافاہ)

یکے از خدّامِ علم واھلِ علم مقیم دبی ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ ۶ نومبر ۲۰۰۳ء

بروز جمعرات سات بجے شام سطبوہ دبی (قُبَیْلَ اذانِ العشاء) والحمدُ للہِ جلَّ وعلا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

"عمدةٌ في البيان والتفسير"

من كلمات فضيلة الشيخ محمد عبدالله احمد ناصر الموزعي من اليمن

اشرق النور في دروب المسير	فتجلى للباحث المستنير
و تحلي اليراع فيه سرورا	بالمعاني و أجمل التصوير
و عقود الجمان في الدهر أضحت	تتسامي بدقة التعبير
إن هذا التفسير عذب جميل	طيب النشر في رياض السطور
تتغذى منه العقول بديعًا	بالتسالي وروعة التحرير
للكتاب العزيز خير بيان	ليس فيه شوائب من قصور
أوضح الحكم في الوقائع فقها	بينًا بالدليل و المأثور
وروى سيرة الأوائل فيه	قصصًا بالصحيح و المشهور
ونعيم الجنان فيه حديث	ذو شجون يزهو بريا العبير
والوعيد الشديد للناس إن هم	خالفوا منهج العلي القدير
والصفات الحسان لله والأسماء	سبحانه عديم النظير
وحديث الإيمان بالله نور	في الحشايا يوحي بشرح الصدور
في مجال الإرشاد قد صاغ درا	يتلألأ بالنصح و التذكير
سريا دهر في الوجود بهاء	أبديًا بعالم نحرير
سهرت عينه الليالي فنالت	كل فضل بجهده المشكور
فبدى للأنام فيه كتاب	قد توشي باحرف من نور
حقه أن يقال فيه لعمري	"عمدة في البيان والتفسير"

ذاك الحديث العزب الرقراق	والعلم والايمان والأخلاق
يتناثر الإيمان من أوصافه	و الحب و الأنوار و الإشراق
لا تعجبوا من حسن منطقه فذا	أنس المجالس شيخنا إسحاق

دار العلوم الاسلامية بكشمير الحرة

پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان

اپنی اس تفسیر سے متعلق برادرانِ اسلام کی خدمت میں

تین اہم گزارشیں

ا اس بندۂ ناچیز نے اپنی اس تفسیر کی تحریر وتسوید کے دوران ہر مرحلے پر یہ دعاء بھی کی اور کوشش بھی کہ یہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے ہو، اور اس میں ریاء وسمعہ کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔ لیکن نفس وشیطان کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ ۔ اس لئے برادرانِ اسلام سے اس بارہ اس مخلصانہ دعاء کی اپیل و درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو خالص اپنی رضا کیلئے قبول فرمالے۔ اور اس ضمن میں جو بھی تقصیر وکوتاہی اس بندۂ ناچیز سے سرزد ہوئی ہو اس کو معاف فرمادے، خواہ اس کا تعلق نیت وارادہ سے ہو، یا عمل واداء سے۔ فَاِلَیْہِ نَتَضَرَّعُ اَنْ یَّجْعَلَهٗ خَالِصًا لِوجهه الكريم. وَان يَّجْعَلَهٗ اَخْلَصَ مَايكونُ، وَاَحَبَّ مَايَكُوْنُ، وَانْفَعَ مَايكون. وَاَوْسَعَ مَايَكُوْنَ، وَاَبْقٰى مَايَكُوْنَ، اِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ وتعالٰى سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ وعلٰى مَايَشَاءُ قدير،

ب جبکہ دوسری گزارش اس بارہ میں حضرات اہل علم سے یہ ہے کہ اس میں جو کوئی تقصیر وکوتاہی ان کی نظر سے گزرے، یا اسکی اصلاح اور بہتری سے متعلق جو بھی کوئی رائے اور تجویز ان کے سامنے آئے، اس سے آگہی بخشیں تاکہ اس سے استفادہ کیا جاسکے۔ اور آئندہ ایڈیشن میں اسکی روشنی میں اصلاح کی جاسکے۔ کیونکہ بندہ بہرحال محتاج دعاء واصلاح ہے، وَالْكَمَالُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لاشريك لَهٗ ۔ وَهُوَ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ، لِمَايُحِبُّ ويريد، وعلى مايُحِبُّ ويريد، سبحانه و تعالٰى، وَجَلَّ وَ عَلَا،

ج اور تیسری گزارش اس ضمن میں ہر اس شخص سے جو کہ دل دردمند رکھتا ہو، یہ ہے کہ وہ اسکی کوشش کرے۔ اور اس کوشش میں حتی المقدور حصہ لے، کہ یہ تفسیر ہر شخص کے پاس اور ہر ہر گھر میں پہنچے، تاکہ قرآن وسنت کا نورِ مبین ہر ہر گھر میں پھیلے۔ اور ہر ہر گھر اور ہر ہر دل نور قرآن وسنت سے منور ومعمور ہو۔ کہ یہ دین حق کا ہم پر حق بھی ہے۔ اور امتِ مسلمہ اسکی سب سے زیادہ محتاج بھی ہے۔

وبـاللّٰه التوفيق لمايحب ويريد، وعلى مايحب ويريد، بِكُلِّ حالٍ من الاحوال، وفي كل موطنٍ من المواطن في الحياة، وهو الهادي الى سواء الصراط ١٠ ربیع الثانی ١٤٢٦ھ ٢٢ مئی ٢٠٠٥ء

وانا عبدہٗ العاصی ولرحمتہ الراجی محمد اسحٰق خان (عفا اللہ عنہ وعافاہ)
مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدہنوتی، آزاد کشمیر۔ پاکستان

والحمد للہ رب العالمین قبل کل شئی وبعد کل شئی

فہرست عنوانات (جلد چہارم)

عنوانات	صفحہ
حضرت موسیٰ کی طرف سے آخری موقعہ کی تعیین،	۳۷
مکارمِ اخلاق کا ایک نہایت عمدہ اور بے مثال نمونہ،	۳۸
حضرت موسیٰ کا حضرتِ خضر پر پھر اعتراض،	۳۸
حضرتِ موسیٰ وخضر علیہما السلام کی جدائی اور مسئلہ حیاتِ خضر،	۳۹
لفظِ وراء کا معنیٰ ومطلب؟	۴۰
بے قصور لڑکے کے قتل کی حکمت کا ذکر وبیان،	۴۱
دیوار کی اصلاح ومرمت کی حکمت کا ذکر وبیان،	۴۲
سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۴۲
قصۂ ذوالقرنین کا کچھ ذکر وبیان،	۴۳
ذوالقرنین کیلئے ضروری وسائل کی فراہمی کا ذکر وبیان،	۴۴
ذوالقرنین کی مغربی مہم کا ذکر،	۴۴
سکندر کے کامل اقتدار اور مکمل کنٹرول کا ذکر وبیان،	۴۵
ظالموں کے لئے سزا کا اعلان وقرار،	۴۵
ظالموں کی اصل سزا ان کے رب کے یہاں،	۴۶
اصل دولت ایمان ویقین کی دولت،	۴۶
ذوالقرنین کی مشرقی مہم کا ذکر وبیان،	۴۷
ہمیں اسکے تمام حالات کی پوری خبر تھی،	۴۸
ذوالقرنین کی تیسری مہم کا ذکر وبیان،	۴۸
ذوالقرنین کا ایک اور وحشی قوم سے واسطہ،	۴۸
حفاظتی دیوار کی تعمیر کا مطالبہ،	۴۸
سدِ سکندری کی تعمیر اور اہلِ بدعت کے ایک مغالطے کا جواب،	۴۹
سدِ سکندری اور اس سے متعلق بعض اہم باتوں کا ذکر،	۴۹
ذوالقرنین کا جذبۂ شکر وتواضع،	۵۱
سدِ سکندری کے فنا وزوال کا ذکر وبیان،	۵۲
فتنۂ یاجوج وماجوج کا ذکر وبیان،	۵۲
نفخِ صور اور حشر کا ذکر وبیان،	۵۴
دوزخ کی پیشی کافروں کیلئے،	۵۴
دوزخ اصل میں کافروں ہی کیلئے ہوگی،	۵۵
کفر وعناد کا نتیجہ دائمی دوزخ۔ والعیاذ باللہ،	۵۵
مشرکوں کی مشرکانہ ذہنیت کی بیخ کنی،	۵۶
سب سے بڑے خسارے والوں کی نشاندہی،	۵۶
برائی کو اچھائی سمجھنا محروموں کی محرومی،	۵۸
کافروں کے عملِ بے وزن اور بے حقیقت،	۵۹
اہلِ جنت کبھی وہاں اکتائیں گے نہیں،	۵۹
کلماتِ رب سے مقصود ومراد؟	۶۰
رب کے کلمات کبھی ختم نہیں ہوسکتے،	۶۰
پیغمبر کو اپنی بشریت کے اعلان واظہار کا حکم وارشاد،	۶۱
شرک کی ممانعت اور ایک عظیم الشان وظیفہ کی تعلیم وتلقین،	۶۲
سورۃ مریم (۱۹)	
آدابِ دعا میں سے ایک اہم ادب، اخفاء،	۶۳
اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ رحمت ہی کی امید رکھنے کا درس،	۶۴
دینی وراثت کے بارے میں فکر واندیشہ کا درس،	۶۵
پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اولاد اللہ ہی سے مانگتے ہیں،	۶۵
لائق اور قابل بیٹے کی دعاء ودرخواست،	۶۶
آلِ یعقوب کی میراث سے مراد؟	۶۶
پاکیزہ اولاد کی دعاء ودرخواست،	۶۷

عنوانات	صفحہ
حضرتِ زکریا علیہ السلام کو عظیم الشان بیٹے کی خوشخبری،	۶۸
حضرتِ زکریاؑ کے سوال کا جواب برائے ازالۂ استبعاد،	۶۸
حضرتِ زکریا علیہ السلام کے اطمینان کے لئے خود ان کے وجود سے دلیل،	۶۹
حضرتِ زکریاؑ کی طرف سے نشانی کی درخواست،	۶۹
محرابِ زکریا سے مراد حجرۂ عبادت،	۷۰
فرزندِ زکریا حضرتِ یحییٰ کا ذکر،	۷۰
کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم وارشاد،	۷۱
حضرتِ یحییٰ کے لئے بچپن ہی سے حکم کی نوازش،	۷۱
حضرتِ یحییٰ کے لئے رحمدلی کی خاص عنایت ونوازش،	۷۲
لفظِ (حنان) کا معنیٰ ومطلب؟	۷۲
حضرتِ یحییٰ کے لئے پاکیزگی کی عنایت کا ذکر وبیان،	۷۲
حضرتِ یحییٰؑ کی صفتِ تقویٰ وپرہیزگاری کا ذکر وبیان،	۷۳
حضرتِ یحییٰؑ کیلئے اول تا آخر سلامتی ہی سلامتی،	۷۳
قصۂ مریم وعیسیٰ کے ذکر وبیان کا حکم وارشاد،	۷۳
حضرتِ مریم کی اپنے گھر والوں سے علیحدگی کا ذکر وبیان،	۷۴
حضرتِ مریم کی طرف روح القدس کے بھیجنے کا ذکر،	۷۴
فرشتے کا مریم کے سامنے ظہور انسانی شکل میں،	۷۵
فرشتے کی طرف سے مریم کو بیٹے کی خوشخبری،	۷۵
استعجابِ مریم کا جواب اور اس کا ازالہ،	۷۶
حضرتِ عیسیٰ قدرت وعنایتِ خداوندی کا ایک منفرد مظہر ونمونہ،	۷۶
حضرتِ عیسیٰ کا وجود ایک عظیم الشان رحمتِ خداوندی،	۷۷
حضرتِ مریم کے حمل اور آپ کی کنارہ کشی کا ذکر،	۷۷
حضرتِ مریم کی طرف سے اظہارِ افسوس،	۷۸

عنوانات	صفحہ
رحمتِ خداوندی سے سرفرازی کے لئے بہانے کی ضرورت،	۷۸
حضرتِ مریم کیلئے سامانِ تسکین وراحت کی فراہمی،	۷۹
حضرتِ مریم کو سکوت وصُمات کے روزے کی ہدایت،	۸۰
قوم کا حضرتِ مریم پر اچنبھا اور اعتراض،	۸۰
ہارون کی بہن کا مطلب؟	۸۰
حضرتِ مریم کا اپنی قوم کو جواب اشارے کے ذریعے،	۸۱
حضرتِ عیسیٰ کا ماں کی گود میں معجزانہ کلام،	۸۱
کتاب ونبوت سے سرفرازی کا اظہار واعلان،	۸۱
حضرتِ عیسیٰ کا اپنے بارے میں خاص عنایات خداوندی کا ذکر وبیان، علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام،	۸۲
نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کا ذکر وبیان،	۸۲
اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا،	۸۳
حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی ہر قسم کی سرکشی سے براءت کا ذکر وبیان،	۸۳
حضرتِ عیسیٰ کی اصل حقیقت اور حیثیت کا ذکر وبیان،	۸۴
اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہ کا ذکر وبیان،	۸۴
بلاشبہ اللہ وحدہ لاشریک ہی رب ہے سب کا،	۸۵
سیدھا راستہ توحید ہی کا راستہ ہے،	۸۵
توضیحِ حق کے باوجود لوگوں کے باہمی اختلاف کا ذکر،	۸۵
کافروں کیلئے بڑی ہولناک خرابی، والعیاذ باللہ،	۸۶
بے وقت کا سننا ماننا بے سود ولاحاصل، والعیاذ باللہ،	۸۷
یومِ حسرت کے بارے میں خبردار کرتے رہنے کا حکم وارشاد	۸۷
مالک اور وارث سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۸۸
سب کا رجوع اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی طرف،	۸۸

عنوانات	صفحہ
اُسوۂ ابراہیمی کی تذکیر و یاددہانی،	۸۹
سیدھی راہ پیغمبر کی اتباع ہی سے نصیب ہوسکتی ہے،	۹۰
حضرت ابراہیم کی دردمندی و دلسوزی کا ایک نمونہ ومظہر،	۹۰
مشرک باپ کی موحد بیٹے کو قتل اور سنگساری کی دھمکی،	۹۱
مشرکوں سے علیحدگی اور کنارہ کشی کا درس،	۹۱
حضرتِ ابراہیم کی دردمندی اور دلسوزی کا ایک اور نمونہ ومظہر،	۹۲
مشرکوں سے علیحدگی اور اظہارِ بیزاری کا درس،	۹۲
مشرکوں اور ان کے شرک سے علیحدگی کی برکات کا ذکر و بیان،	۹۳
حضرتِ موسیٰ کی نداء و پکار کا ذکر،	۹۴
حضرتِ ہارون کی نبوت سے سرفرازی کا ذکر،	۹۵
حضرتِ اسماعیل اور ان کی ایک امتیازی صفت کا ذکر،	۹۵
شرفِ نبوت و رسالت سب سے بڑا شرف،	۹۶
حضرتِ ادریس علیہ السلام کے رفع کا مطلب؟	۹۷
حضراتِ انبیائے کرام کی شانِ عبدیت وخشیتِ خداوندی،	۹۸
برے جانشینوں کا برا انجام۔ والعیاذ باللہ،	۹۸
نیکوکاروں کیلئے ہمیشہ رہنے والی جنتوں کی خوشخبری،	۹۹
جنت میں سلامتی ہی سلامتی کا دور دورہ ہوگا،	۱۰۰
اہلِ جنت کیلئے رزق کا ذکر،	۱۰۰
پیغمبر کیلئے سامان تسلیہ وتسکین،	۱۰۰
اللہ کا کوئی ہمسر نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۱۰۱
منکرین کا بعث بعد الموت پر تعجب،	۱۰۱
انسان کا خود اپنا وجود بعث بعد الموت کیلئے ایک ٹھوس دلیل،	۱۰۲
حشر کی قطعیت کا ذکر و بیان،	۱۰۲
مجرموں کی مجرمانہ حاضری کا ذکر و بیان،	۱۰۲
گمراہ کن لیڈروں کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان،	۱۰۳
دوزخیوں کے بارے میں پورا علم اللہ ہی کو،	۱۰۴
ہر کسی کو دوزخ کے اوپر سے گزرنا ہوگا،	۱۰۴
منکرین کے ایک زعمِ باطل کی تردید،	۱۰۵
دنیاوی مال و دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیارِ قبول نہیں،	۱۰۵
سرکشوں کیلئے خدائے رحمان کی سنتِ امہال کا ذکر،	۱۰۶
راہِ راست والوں کی ہدایت میں ترقی واضافہ،	۱۰۶
باقیات صالحات سے مراد اور انکی اہمیت؟	۱۰۷
منکرینِ آخرت کے ایک زعمِ باطل کا ذکر و بیان،	۱۰۸
منکرین کے ایسے زعمِ باطل کی تردید وتغلیط،	۱۰۸
منکرین کے عذاب میں اضافے کا ذکر و بیان،	۱۰۹
منکرین ومتکبرین کے کبر وغرور پر ایک تازیانہ،	۱۰۹
مشرکوں کا اپنے معبودانِ باطلہ پر بھروسہ واعتماد،	۱۱۰
مشرکوں کے اس مشرکانہ زعم وگھمنڈ کی صریح تردید،	۱۱۰
شیطان کا کام اکسانا، بڑھکانا۔ والعیاذ باللہ،	۱۱۱
مجرموں کو ان کے انجام کے بارے میں آگہی،	۱۱۱
پرہیزگاروں کے اِنعام واکرام کا ذکر و بیان،	۱۱۲
مجرموں کا حشر پیاسے جانوروں کی طرح۔ والعیاذ باللہ،	۱۱۲
مشرکانہ تصورِ شفاعت کی نفی وتردید،	۱۱۲
کائناتِ خداوندی کی غیرت کا ایک نمونہ ومظہر،	۱۱۳
سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت میں ہے،	۱۱۴
اللہ کے نیک بندوں کیلئے خاص عنایتِ خداوندی کا ذکر و بیان،	۱۱۴
قرآنِ حکیم ذریعۂ انذار وتبشیر،	۱۱۵
تاریخ سے سبق لینے کی تعلیم وتلقین،	۱۱۵

عنوانات	صفحہ
سورۃ طٰہٰ (۲۰)	
پیغمبر کیلئے دلنواز تسلی کا ذکر و بیان علیہ الصلوٰۃ والسلام،	۱۱۷
قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان تذکرہ و یاددہانی،	۱۱۸
قرآن حکیم خالص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے،	۱۱۸
''استواء علی العرش'' سے مقصود و مراد؟	۱۱۹
اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت و حکمت کا بیان،	۱۱۹
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا ذکر و بیان،	۱۲۰
﴿واخفی﴾ سے مقصود و مراد؟	۱۲۰
معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے،	۱۲۱
اللہ ہی کے لئے ہیں سب اچھے نام،	۱۲۱
حضرتِ موسیٰ کے عبرتوں بھرے قصے کی تذکیر و یاددہانی،	۱۲۲
حضرتِ موسیٰ کے ذکر کا آغاز عطائے نبوت سے،	۱۲۲
حضرتِ موسیٰ کے لئے نورِ الٰہی کی تجلی،	۱۲۳
حضرتِ موسیٰ کے لئے حق تعالیٰ کی رحمتوں بھری نداء و پکار،	۱۲۳
حضرتِ موسیٰ کو جوتے اتارنے کا حکم و ارشاد،	۱۲۵
حضرتِ موسیٰ کے لئے خلعتِ نبوت و رسالت سے سرفرازی کا اعلان،	۱۲۵
حضرتِ موسیٰ کو نماز قائم کرنے کا حکم و ارشاد،	۱۲۶
قیامت نے بہرحال آکر رہنا ہے،	۱۲۷
قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس،	۱۲۷
قیامِ قیامت کا اصل مقصد جزائے عمل،	۱۲۸
قیامت کی فراموشی باعثِ ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۱۲۸
تطویلِ کلام بربنائے لذت و انبساط،	۱۲۹
﴿مآرب اخریٰ﴾ سے مقصود و مراد؟	۱۲۹
حضرتِ موسیٰ کے لئے معجزۂ عصا کا ذکر،	۱۳۰

عنوانات	صفحہ
حضرتِ موسیٰ کے خوف کے ازالے کیلئے ارشاد،	۱۳۰
حضرتِ موسیٰ کے لئے ید بیضا کا معجزہ،	۱۳۰
حضرتِ موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم و ارشاد،	۱۳۰
حضرتِ موسیٰ کی دعا کا ذکر و بیان،	۱۳۱
عقدۂ لسان کے ازالے کی دعا و درخواست،	۱۳۲
حضرتِ ہارون کو شریکِ کار بنانے کی دعاء و درخواست،	۱۳۲
ذکر و تسبیح کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان،	۱۳۲
امِ موسیٰ کی طرف وحی کا مطلب؟،	۱۳۳
حضرتِ موسیٰ کی حفاظت کے لئے قدرت کا کرشمہ،	۱۳۳
حضرتِ موسیٰ کی حفاظت کا انتظام محبت کے ذریعے،	۱۳۴
حضرتِ موسیٰ کی حفاظت کی تدبیر کا ذکر و بیان،	۱۳۵
حضرتِ موسیٰ کی پرورش کے لئے ایک تجویز،	۱۳۵
اختِ موسیٰ کی تجویز کی فوری منظوری،	۱۳۵
حضرتِ موسیٰ کی پرورش کے لئے شاہی انتظام،	۱۳۶
دعوتِ حق کے سلسلے میں نرمی برتنے کی تعلیم و تلقین،	۱۳۷
حضرتِ موسیٰ و ہارون کو فرعون سے زیادتی کا اندیشہ،	۱۳۷
فرعون کی سرکشی کے خطرے کا ذکر،	۱۳۸
اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرتِ موسیٰ و ہارون کو تسلی،	۱۳۸
فرعون سے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ،	۱۳۹
حضرتِ موسیٰ کی طرف سے اپنے رب کی تعریف،	۱۴۰
ہر چیز کی مناسب ہدایت کا انتظام،	۱۴۰
ایک نہایت معقول اور پُر وقار جواب،	۱۴۱
توحید خداوندی کے بعض ارضی اور سماوی دلائل کا ذکر و بیان،	۱۴۱
اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کے بعض عظیم الشان مظاہر،	۱۴۲

عنوانات	صفحہ
انسان اور اس کے چوپایوں کی خوراک کا انتظام،	۱۴۲
عقلمندوں کے لئے دعوتِ غور وفکر،	۱۴۳
انسان کے مبدأ وآغاز کی تذکیر و یاددہانی،	۱۴۳
انسان کو اس کے انجام اور اسکی انتہاء کی تذکیر و یاددہانی،	۱۴۳
انسان کو بعث بعد الموت کی تذکیر و یاددہانی،	۱۴۴
فرعون کی ایک شر انگیز سیاسی چال،	۱۴۵
فرعون کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کو مقابلے کا چیلنج،	۱۴۵
مقابلے کے لئے جشن کے دن کا تقرر،	۱۴۶
مقابلے کے لئے چاشت کے وقت کا تقرر،	۱۴۶
میدانِ مقابلہ میں حضرتِ موسیٰ کا ایک موثر تنبیہی خطاب،	۱۴۷
فرعونیوں کے خفیہ صلاح مشورے،	۱۴۷
طریقۂ مثلیٰ کا مفہوم اور اس سے مراد؟	۱۴۸
جادوگروں کا حضرتِ موسیٰ سے مقابلے کا فیصلہ،	۱۴۸
مقابلے کا دن فیصلے اور غلبے کا دن،	۱۴۹
موسیٰ کا جادوگروں کو اطمینان بھرا جواب،	۱۴۹
جادو کا اثر محض خیال تک اور بس،	۱۵۰
حضرت موسیٰ کے ایک طبعی خوف کا ذکر،	۱۵۰
حضرتِ موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی،	۱۵۰
جادوگروں کا برملا اعلان ایمان،	۱۵۱
فرعون کو بوکھلاہٹ کا ذکر و بیان،	۱۵۱
فرعون کی سخت دھمکی کا ذکر و بیان،	۱۵۲
اہل ایمان کا فرعون کو قوتِ ایمانی سے لبریز جواب،	۱۵۳
سدا بقاء اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے،	۱۵۳
کامیابی کی اساس و بنیاد ایمان اور عملِ صالح،	۱۵۴
جنت سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ تزکیہ و پاکیزگی،	۱۵۵

عنوانات	صفحہ
حضرتِ موسیٰ کو مصر سے کوچ کا حکم وارشاد،	۱۵۵
موسیٰ کے لیے سکون واطمینان کا پیغام،	۱۵۵
فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کا ذکر،	۱۵۵
بُری قیادت کا بُرا نتیجہ۔ والعیاذ باللہ،	۱۵۶
بنی اسرائیل کے لیے تنبیہ وتذکیر،	۱۵۶
تورات کی نعمت سے سرفرازی کی تذکیر و یاددہانی،	۱۵۷
بنی اسرائیل کو سرکشی سے کام لینے سے ممانعت،	۱۵۷
راہِ نجات کی تعیین ونشاندہی اور اسکے تقاضوں کا ذکر،	۱۵۷
استقامت ذریعۂ نجات وسلامتی،	۱۵۸
حضرتِ موسیٰؑ کی عجلت سے متعلق سوال کا جواب،	۱۵۸
بنی اسرائیل کے ابتلاء اور گوسالہ پرستی کے شرک کا ذکر و بیان،	۱۵۹
حضرتِ موسیٰ کا غضبناک حالت میں واپس لوٹنا،	۱۵۹
حضرتِ موسیٰ کا اپنی قوم پر عتاب،	۱۶۰
عتاب میں شدتِ مزید کا ذکر،	۱۶۱
قوم کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کے حضور معذرت،	۱۶۱
اُوندھے پن اور مت ماری کا ایک ہولناک نمونہ ومظہر،	۱۶۱
کفر بالائے کفر کا ارتکاب،	۱۶۲
مشرکوں کی تجہیل وتحمیق،	۱۶۲
حضرتِ ہارون کی اس فتنہ سے بریت کا ذکر و بیان،	۱۶۳
بنی اسرائیل کا حضرتِ ہارون کو جواب،	۱۶۳
حضرتِ موسیٰ کا غصہ اور عتاب حضرتِ ہارون پر،	۱۶۴
حضرتِ ہارون کا جواب اور بیانِ عذر،	۱۶۵
حضرتِ موسیٰ کا خطاب سامری سے،	۱۶۵
سامری کا حضرتِ موسیٰ کو منافقانہ اور شاطرانہ جواب،	۱۶۵
سامری کا اعتراف جرم وقصور،	۱۶۶

عنوانات	صفحہ
سامری کیلئے بڑی ہولناک اور نہایت عبرتناک سزا کا اعلان،	۱۶۶
سامری کے لئے اُخروی سزا کا بھی اعلان،	۱۶۶
اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی اور اس کو محیط ہے،	۱۶۷
گزشتہ قوموں کے حالات کا ذکر تسکین وعبرت کیلئے،	۱۶۷
پیغمبر کے ایک عظیم الشان ذکر یعنی قرآنِ حکیم سے نوازنے کا ذکر،	۱۶۸
قرآنِ حکیم سے اعراض وروگردانی کے ہولناک انجام کا بیان،	
قرآن سے منہ موڑنے والوں کیلئے ہمیشہ کا عذاب۔	۱۶۸
یومِ حشر کی تذکیر ویاددہانی،	۱۶۹
کفار ومنکرین کا حشر نہایت ہولناک شکل میں والعیاذ باللہ،	۱۲۹
دنیاوی زندگی ایک دن کے برابر،	۱۷۰
منکرینِ قیامت کا سوال پہاڑوں کے بارے میں،	۱۷۰
منکرین کا حال قیامت کے روز؟	۱۷۱
مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی نفی،	۱۷۲
خداوند قدوس کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر،	۱۷۲
ظالموں کی ناکامی ونامرادی کا ذکر وبیان،	۱۷۲
وہاں کسی سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی،	۱۷۳
اور نہ ہی وہاں کسی کے حق میں کوئی کمی ہوگی،	۱۷۳
قرآنِ عربی کی نعمتِ عظمیٰ کی تذکیر ویاددہانی،	۱۷۴
بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۱۷۴
اضافۂ علم کی دعاء کی تعلیم وتلقین،	۱۷۴
عہدِ آدم کی تذکیر ویاددہانی،	۱۷۵
حضرتِ آدم علیہ السلام کے نسیان کا ذکر وبیان،	۱۷۵

عنوانات	صفحہ
آدم علیہ السلام کی غلطی قصداً نہیں تھی،	۱۷۵
حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کا نتیجہ تعب ومشقت،	۱۷۶
ابلیسی منطق کے ایک نمونے کا ذکر وبیان،	۱۷۷
معصیتِ خداوندی کا نتیجہ خُلّہ جنت سے محرومی،	۱۷۷
شرم وحیا انسانی فطرت کا تقاضا،	۱۷۸
حضرتِ آدم علیہ السلام سے صدورِ معصیت کا ذکر،	۱۷۸
معصیت باعثِ خسارہ ومحرومی۔ والعیاذ باللہ،	۱۷۹
حضرتِ آدم علیہ السلام کے بارِ دگر اجتباء کا ذکر،	۱۷۹
سلامتی ونجات کی راہ، حق وہدایت کی پیروی واتباع،	۱۸۰
ہدایتِ قرآن سے روگردانی کا نتیجہ وانجام ہلاکت دیتا ہی،	۱۸۰
ہدایتِ قرآن سے محرومی سعادت دارین سے محرومی،	۱۸۱
اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بھلا دینا انتہائی ہولناک جرم،	۱۸۲
آخرت کے ان اندھوں کی فریاد کا جواب،	۱۸۳
آخرت کے عذاب کی ہولناکی کا ذکر وبیان،	۱۸۳
پہلی قوموں کے انجام سے درسِ عبرت کی ترغیب،	۱۸۳
منکرین کی طرف سے مطالبۂ عذاب کا جواب،	۱۸۴
عذاب کا وقت مقرر ہے،	۱۸۴
صبر وبرداشت کی تعلیم وتلقین،	۱۸۵
صبر واستقامت سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ذکر وتسبیح،	۱۸۵
اوقاتِ نماز کی تعلیم،	۱۸۵
استقامت وسیلۂ ظفر وسعادت،	۱۸۶
متاعِ دنیا سامانِ ابتلاء وآزمائش،	۱۸۷
عطیہ واحسان خداوندی ہی اصل چیز ہے،	۱۸۷
تقویٰ وپرہیزگاری ذریعۂ فوز وفلاح،	۱۸۷
منکرین کی فرمائشی معجزوں کے مطالبے کا ذکر وبیان،	۱۸۸

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
پیغمبر کی صداقت صُحُفِ اُولیٰ سے،	۱۸۸	باطل پرستوں کو ان کے ہولناک انجام سے آگہی،	۲۰۳
انسان کی بے قدری اور ناشکری کا ایک نمونہ ومظہر،	۱۸۹	توحید خداوندی کا ذکر وبیان،	۲۰۳
منکرین ومعاندین کیلئے آخری جواب، نتیجہ وانجام کا انتظار،	۱۹۰	فرشتوں کی شانِ عبودیت کا ذکر وبیان،	۲۰۴
فیصلہ کن مرحلے کے انتظار کا درس،	۱۹۰	فرشتوں کا کام شب وروز تسبیح،	۲۰۴
سورۃ الانبیاء (۲۱)		آسمان کے بعد زمینی خداؤں کی تردید،	۲۰۵
یومِ حساب کی تذکیر ویاد دہانی،	۱۹۲	زندہ کرنا خداوندِ قدوس ہی کی صفت وشان ہے،	۲۰۵
غفلت ولاپرواہی بیماریوں کی بیماری۔ والعیاذ باللہ،	۱۹۳	اِبطالِ شرک کیلئے ایک ٹھوس عقلی دلیل اور قطعی برہان،	۲۰۵
اعراض وروگردانی باعثِ ہلاکت ومحرومی۔ والعیاذ باللہ،	۱۹۳	اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبے سے پاک ہے،	۲۰۵
کلامِ نصیحت کو گرانی سے سننا باعثِ خسارہ ومحرومی،	۱۹۴	اس سے کوئی کچھ پوچھ نہیں سکتا،	۲۰۶
اہلِ باطل کی اہلِ حق کیخلاف سرگوشیوں کا ذکر وبیان،	۱۹۴	سب کی بازپرس کا حوالہ وذکر،	۲۰۶
کفار کا بشریتِ پیغمبر پر اچنبھا اور اس کا انکار، والعیاذُ باللہ	۱۹۵	شرک کے حامیوں سے دلیل کا مطالبہ،	۲۰۷
اللہ ہی کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے،	۱۹۶	اکثر لوگ جاہل ہیں۔ والعیاذ باللہ،	۲۰۸
شاعر سے یہاں پر مقصود ومراد؟	۱۹۶	توحید کی ایک اہم نقلی دلیل،	۲۰۸
فرمائشی معجزوں کی طلب ہلاکت وتباہی کی راہ۔ والعیاذ باللہ،	۱۹۷	اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں،	۲۰۸
لوگوں کیلئے رسول ہمیشہ انسانوں ہی کو بنایا گیا ہے،	۱۹۷	اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کے ایک اہم پہلو کا ذکر وبیان،	۲۰۹
پیغمبر بشری تقاضوں سے مُعَرّیٰ نہیں ہوتے،	۱۹۸	اللہ والوں کی شانِ خوف وخشیت کا ذکر وبیان،	۲۰۹
حد سے بڑھنے والوں کا انجام ہلاکت۔ والعیاذ باللہ،	۱۹۸	اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں ہے،	۲۱۰
قرآن حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال نصیحت،	۱۹۹	توحید ومعاد کی دلیل کائنات سے،	۲۱۰
تکذیب وانکارِ حق کا نتیجہ بہر حال ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ	۱۹۹	ہر چیز کی زندگی پانی سے،	۲۱۰
ظالموں کا بُرا انجام اور انکی تحقیر وتذلیل،	۲۰۰	آیاتِ ارضی میں غور وفکر کی دعوت،	۲۱۱
ظالموں کے طنز وتضحیک،	۲۰۱	آسمان کی نشانیوں میں دعوتِ غور وفکر،	۲۱۲
ظالموں کا بے وقت کا اقرار واعتراف،	۲۰۱	ہر کُرہ اپنے فلک میں تیرے جارہا ہے،	۲۱۲
کائنات کی تخلیق کوئی کھیل تماشا نہیں،	۲۰۱	اس دنیا میں خلود ودوام کسی کے لئے بھی ممکن نہیں،	۲۱۳
کائنات کی تخلیق بے مقصد نہیں ہوسکتی،	۲۰۲	موت کا مزہ ہر جاندار نے بہر حال چکھنا ہے،	۲۱۳
کارِ عبث شانِ خداوندی کے لائق نہیں،	۲۰۲	سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف،	۲۱۳

عنوانات	صفحہ
اہلِ کفر و باطل کا کام اہلِ حق کا مذاق اڑانا۔ والعیاذ باللہ،	۲۱۴
مشرکوں کی مشرکانہ حمیت کا ایک نمونہ ومظہر،	۲۱۴
مشرکوں کی خدائے رحمان کے بارے میں بے حسی،	۲۱۵
انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے،	۲۱۶
جلد بازوں کیلئے ایک تنبیہ،	۲۱۶
دولتِ ایمان ویقین سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ،	۲۱۷
قیامت بالکل اچانک آئے گی،	۲۱۷
منکرین کیلئے پھر کوئی مہلت ممکن نہ ہوگی،	۲۱۸
اہلِ باطل کی طرف سے اہلِ حق کا مذاق واستہزاء،	۲۱۸
خدائے رحمٰن کی گرفت وپکڑ کی تذکیر ویاددہانی،	۲۱۹
رب کی یاد سے اعراض وروگردانی باعثِ ہلاکت وتباہی،	۲۲۰
مشرکوں کے خودساختہ معبودوں کی بے بسی کا ذکر وبیان،	۲۲۰
مشرک کو اللہ کی پناہ نہیں مل سکتی،	۲۲۰
منکرین ومکذبین کے اعراض واستکبار کی اصل وجہ،	۲۲۱
منکرین قدرت کے شکنجۂ گرفت میں۔ والعیاذ باللہ،	۲۲۱
منکرین کے دلوں پر ایک دستک،	۲۲۲
پیغمبر کا کام انذار وتبلیغ ہے اور بس،	۲۲۲
منکرینِ حق بہرے ہیں۔ والعیاذ باللہ،	۲۲۳
قیامت کا قیام ظہورِ عدل کیلئے،	۲۲۳
قیامت کا روز پورے بدلے کا روز،	۲۲۳
اور ہم کافی ہیں حساب لگانے والے،	۲۲۴
حضرتِ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے بعض اہم انعام کا ذکر وبیان،	۲۲۴
تقویٰ وپرہیزگاری وسیلۂ نجات وسرفرازی،	۲۲۵
منکرین کے دل ودماغ پر ایک دستک،	۲۲۵
رشد وہدایت میں حضرتِ ابراہیمؑ کا خاص مرتبہ ومقام،	۲۲۶
حضرتِ ابراہیمؑ کا اپنی مشرک قوم سے خطاب،	۲۲۶
مشرک قوم کا حضرتِ ابراہیمؑ کو مشرکانہ جواب،	۲۲۷
اعلانِ حق سے مشرکوں کے اندر کھلبلی،	۲۲۷
حضرت ابراہیمؑ کا ڈنکے کی چوٹ اعلانِ توحید،	۲۲۸
وجود کائنات توحید خداوندی کی ایک اہم اور نمایاں دلیل،	۲۲۸
حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے بت شکنی کا اعلان،	۲۲۹
مشرکوں کی تجہیل وتحمیق کے ایک اور معرکے کا انتظام،	۲۲۹
ابراہیم کو سب لوگوں کے سامنے حاضر کرنے کا حکم،	۲۳۰
حضرتِ ابراہیمؑ کی مشرکوں کے ضمیروں پر ایک اور دستک،	۲۳۰
حضرتِ ابراہیم کی ضربِ حق کا مشرکوں پر اثر،	۲۳۱
مشرکوں کا اپنے ظلم کا اقرار واعتراف،	۲۳۱
مشرکوں کے اوندھے پن کا ذکر وبیان،	۲۳۱
معبودانِ من دونِ اللہ کی بے حقیقتی کا اظہار وبیان،	۲۳۲
حضرتِ ابراہیم کا مشرکوں پر بھرپور وار،	۲۳۲
معبودانِ باطلہ کی کمالِ بے بسی کا ذکر،	۲۳۲
مشرکوں کی تحقیر وتذلیل ان کے منہ پر،	۲۳۳
مشرکوں کو عقل سے کام لینے کی دعوت،	۲۳۴
حضرتِ ابراہیمؑ کو جلا دینے کا حکم،	۲۳۴
مشرکوں کی مت ماری کا ایک اور مظہر اور نمونہ،	۲۳۴
حضرت ابراہیمؑ کیلئے قدرت کی کارسازی کا ذکر وبیان،	۲۳۴
حق اور اہلِ حق سے دشمنی کا انجام ہولناک ذلت وخسارہ۔ والعیاذ باللہ،	۲۳۵
حضراتِ انبیاء ورسل بھی اللہ ہی کے محتاج،	۲۳۶
حضرتِ ابراہیم کی ہجرت کا تذکرہ وبیان،	۲۳۶

عنوانات	صفحہ
حضرات انبیاء ورسل کو بھی اولاد اللہ ہی دیتا ہے،	۲۳۸
حضراتِ انبیاء ورسل اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں،	۲۳۸
حضرتِ نوح نے بھی اللہ ہی کو پکارا،	۲۳۸
نوح کے نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی،	۲۳۸
کفر وانکار کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۲۳۹
حضرتِ داؤد وسلیمانؑ کے ایک سبق آموز قصے کا ذکر وبیان،	۲۴۰
نوازشِ علم کی عنایت کا ذکر وبیان،	۲۴۰
حضرتِ داؤدؑ کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر کا ذکر،	۲۴۱
سب کچھ اللہ کی طرف سے،	۲۴۲
حضرتِ داؤدؑ کے لئے زرہ سازی کی تعلیم کی عنایت،	۲۴۲
شکر گزاری کی تعلیم وتلقین،	۲۴۳
حضرتِ سلیمانؑ کے لئے تیز ہواؤں اور جنوں کی تسخیر کا ذکر،	۲۴۳
حضرتِ سلیمانؑ کے لیے جنوں کی خدمات،	۲۴۴
دورِ حاضر کے سائنس دانوں کے لئے ایک تنبیہ وتذکیر،	۲۴۴
حضرت ایوبؑ کے حاجت روا بھی اللہ تعالیٰ ہی،	۲۴۵
حضرتِ ایوبؑ کے لیے انعامات کا ذکر وبیان،	۲۴۲
نصیحت ویاد دہانی عبادت گزاروں کیلئے،	۲۴۶
صبر واستقامت ذریعۂ ظفر وکرامت،	۲۴۷
قصۂ یونس کا ذکر وبیان،	۲۴۷
حضرت یونس نے بھی اللہ ہی کو پکارا،	۲۴۸
ایمان والوں کے لئے نجات کی خوشخبری،	۲۴۹
حضرتِ زکریاؑ کی اپنے رب سے اولاد کی دعا،	۲۴۹
حضراتِ انبیاء ورسل ہر حال میں اللہ ہی کو پکارا کرتے تھے،	۲۵۰
حضرتِ مریم بتول کا ذکر جمیل،	۲۵۰
حضرتِ عیسیٰ اور مریم قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی،	۲۵۰
لفظ ''امت'' کا معنی ومفہوم اور حضراتِ انبیاء کے ایک امت ہونے کا مطلب؟	۲۵۱
تمام انبیاء ورسل کا دین ایک ہی دین تھا،	۲۵۲
عبادت وبندگی اللہ وحدہ لاشریک ہی کا حق ہے،	۲۵۲
خداوندِ قدوس کے دین میں تفریق کا شکوہ،	۲۵۳
خدا کے دین میں تفریق کرنے والوں کے لئے تنبیہ وتذکیر،	۲۵۳
ایمان باللہ قبولیت عند اللہ کے لئے اولین شرط،	۲۵۴
کسی کی محنت کی ناقدری نہیں ہوگی،	۲۵۴
انسان کے اعمال لکھے جا رہے ہیں،	۲۵۴
کسی تباہ ہونے والی بستی کے لئے واپس لوٹنا ممکن نہیں،	۲۵۵
یاجوج ماجوج کے غلبہ وظہور کا ذکر،	۲۵۶
قیامت کے بارہ میں تنبیہ وتذکیر،	۲۵۶
قیامت کی ہولناکی کا ذکر۔ والعیاذ باللہ،	۲۵۶
کافروں کی انتہائی یاس وحسرت کا ذکر وبیان،	۲۵۷
راہِ حق وہدایت سے منہ موڑنا ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ،	۲۵۷
معبودانِ باطلہ اور انکے پجاری دونوں جہنم میں،	۲۵۸
کفار ومشرکین کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیش رہنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ،	۲۵۸
دوزخیوں کے حالِ بد کی منظر کشی۔ والعیاذ باللہ،	۲۵۹
اچھے انجام والوں کیلئے عظیم الشان بشارت وخوش خبری،	۲۵۹
اہلِ ایمان کے لئے فزعِ اکبر سے حفاظت کی بشارت،	۲۶۰
مومنین صادقین کے لئے فرشتوں کے استقبال کی خوشخبری،	۲۶۰
جس دن آسمان کی بساط کو لپیٹ دیا جائے گا،	۲۶۱
ایک نئے جہان کی تخلیق وتکوین،	۲۶۱

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
ذکر اور زبور سے مقصود و مراد؟	۲۶۲	قدرت کے ایک اور عظیم الشان مظہر کا ذکر و بیان،	۲۷۵
نیک لوگوں کے لئے ارضِ جنت کی وراثت کی خوش خبری،	۲۶۳	اللہ ہی حق اور سچ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۲۷۵
صالحون سے مراد اللہ تعالیٰ کے نیک بندے،	۲۶۳	اللہ ہی زندہ کرتا ہے مردوں کو،	۲۷۶
بعثتِ پیغمبر سب جہانوں کے لئے رحمت،	۲۶۴	اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے،	۲۷۶
تسلیم و رضا کی تعلیم و تلقین،	۲۶۴	وقوعِ قیامت ایک قطعی اور یقینی حقیقت،	۲۷۶
مشرکوں اور منکروں کو آخری اور فیصلہ کن تنبیہ،	۲۶۵	اللہ کے بارے میں جھگڑنے کی بدبختی کا ذکر و بیان،	۲۷۷
آئندہ سے متعلق معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے،	۲۶۵	منکرین کے جھگڑے بغیر کسی سند اور دلیل کے،	۲۷۷
پیغمبر کی دعا اور منکرین کو وداع،	۲۶۶	اعراض و استکبار کا نتیجہ ضلال و اضلال۔ والعیاذ باللہ،	۲۷۸
پیغمبر بھی اللہ ہی کی مدد کے محتاج ہیں	۲۶۶	ہٹ دھرم منکرین کیلئے بڑی رسوائی۔ والعیاذ باللہ،	۲۷۸
سورة الحج (۲۲)		اللہ تعالیٰ ظلم کے ہر شائبہ سے پاک ہے۔ سبحانہ تعالیٰ،	۲۷۹
تقویٰ و پرہیز گاری کا حکم و ارشاد،	۲۶۸	ابنائے دنیا کا مطمح نظر متاعِ دنیا اور بس،	۲۷۹
قیامت کی ہولناک گھڑی کی تذکیر و یاددہانی،	۲۶۹	طالب دنیا کا حال ابتلاء و آزمائش کے موقع پر؟	۲۸۰
زلزلۂ قیامت سے یہاں پر مراد؟	۲۶۹	مذبذب شخص کی آزمائش میں ناکامی و محرومی۔ والعیاذ باللہ	۲۸۰
حادثۂ قیامت کی شدت اور ہولناکی کا ایک منظر،	۲۶۹	مذبذب شخص کی دنیاوی محرومی کا ذکر،	۲۸۰
اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہوگا،	۲۶۹	مذبذب انسان کی اخروی محرومی کا ذکر و بیان،	۲۸۱
اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑنے والوں کا ذکر،	۲۷۰	کھلے خسارے کی تعیین اور اسکی نشاندہی،	۲۸۱
شیطانِ سرکش کی پیروی کے ہولناک جرم کا ذکر و بیان،	۲۷۰	غیر اللہ کو پکارنا انتہاء درجے کی گمراہی۔ والعیاذ باللہ،	۲۸۱
شیاطین کا کام اضلال و افساد۔ والعیاذ باللہ،	۲۷۱	غیر اللہ کو پکارنا موجبِ ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۲۸۲
شیطان کی دوستی کا انجام دوزخ۔ والعیاذ باللہ،	۲۷۱	پیشوا اور پیرو دونوں نانجار، والعیاذ باللہ،	۲۸۲
امکانِ بعث کی دلیل خود تمہاری اپنی جانوں سے،	۲۷۲	جنتیوں کیلئے عظیم الشان نہریں،	۲۸۳
انسان کو اسکے مادۂ تخلیق کی تذکیر و یاددہانی،	۲۷۲	اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے،	۲۸۳
خود اپنی جانوں میں غور و فکر کی دعوت،	۲۷۳	اللہ سے مایوس اور بدگمان ہونے والوں کو سخت تنبیہ،	۲۸۳
انسان پر رحمِ مادر کے اندر کی عنایات خداوندی کا ذکر و بیان،	۲۷۳	اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھنے والوں کی تجہیل و تحمیق،	۲۸۴
انسان کے مراحلِ حیات میں عظیم الشان سامان غور و فکر،	۲۷۴	ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت و اختیار میں،	۲۸۵
امکانِ بعث کی دلیل زمین سے،	۲۷۴	اصل فیصلہ قیامت ہی کے روز،	۲۸۶

عنوانات	صفحہ
کائنات ساری اللہ کے حضور سجدہ ریز،	۲۸۶
سورج وچاندی کی سجدہ ریزی کا ذکر و بیان،	۲۸۶
انسانوں کی سجدہ ریزی کا ذکر و بیان،	۲۸۷
عذاب کے حقداروں کا ذکر و بیان،	۲۸۷
راندۂ درگاہ بدبختوں کے حال و مآل کا ذکر و بیان،	۲۸۷
اللہ کی مشیت سب پر حاوی و غالب،	۲۸۸
کافروں کیلئے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے ہیں،	۲۸۸
کافروں کے عذاب کی شدت اور ہولناکی کا ایک منظر،	۲۸۹
جنت سے سرفرازی محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے،	۲۹۰
اہلِ جنت کے خاص شاہانہ اعزاز و اکرام کا ذکر،	۲۹۱
اہلِ جنت کے لباسِ شاہی کا ذکر و بیان،	۲۹۱
پاکیزہ قول کی ہدایت ایک عظیم الشان نعمت و عنایت،	۲۹۲
صراطِ حمید سے مقصود و مراد؟	۲۹۳
اللہ کی راہ سے روکنا ایک سنگین اور ہولناک جرم ہے،	۲۹۴
مسجد حرام کا مقیم اور باہر سے آنے والا ایک برابر ہیں،	۲۹۴
بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم و ارشاد،	۲۹۵
حضرتِ ابراہیم کو اعلانِ حج کا حکم و ارشاد،	۲۹۶
حضرتِ ابراہیم کی دعوت و پکار کا نتیجہ و اثر،	۲۹۷
لفظِ ﴿ضامر﴾ کا معنی و مفہوم؟	۲۹۷
بیت اللہ کی شانِ محبوبیت کا عالم،	۲۹۸
حج کی دنیوی برکات و منافع کا ذکر،	۲۹۸
ایامِ معلوم سے مقصود و مراد؟	۲۹۹
قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کا حکم و ارشاد،	۲۹۹
احرام کی پابندیوں سے آزادی کی اجازت و رحمت،	۳۰۰
بیت عتیق کے طواف کا حکم و ارشاد،	۳۰۰

عنوانات	صفحہ
شرک کی ہلاکت خیزی کی توضیح کیلئے ایک تمثیل کا ذکر و بیان	۳۰۱
"شعائر اللہ" کا مفہوم اور اس سے مراد؟	۳۰۲
تقویٰ اور پرہیزگاری کا اصل تعلق دل سے،	۳۰۳
قربانی کے جانوروں سے منافع حاصل کرنے کی اجازت،	۳۰۳
ہدی کی قربانی کی جگہ ارضِ حرم،	۳۰۴
قربانی کی اصل روح اللہ کا ذکر،	۳۰۴
﴿مخبتیں﴾ کے لئے خوشخبری سنانے کا حکم و ارشاد،	۳۰۵
﴿مخبتین﴾ کی پہلی اور اہم صفت خوف و خشیتِ خداوندی،	۳۰۵
ذبح اور نحر کے وقت ان پر اللہ کا نام لینے کی تعلیم و تلقین،	۳۰۶
قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کی ہدایت،	۳۰۷
شکرِ خداوندی کے ایک اہم داعیے کا ذکر و بیان،	۳۰۷
شکرِ خداوندی کی تعلیم و ترغیب،	۳۰۸
اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل مطلوب صرف تقویٰ ہے،	۳۰۸
نیکوں کاروں کو خوشخبری سنانے کا حکم و ارشاد،	۳۰۸
دغابازی اور ناشکری ایک مبغوض صفت۔ والعیاذ باللہ،	۳۰۹
مظلوموں کو جہاد کی اجازت،	۳۱۰
وعدۂ خداوندی کی توثیق و تقویت کا ذکر،	۳۱۰
جرم بے گناہی کی سزا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا،	۳۱۱
مشروعیتِ جہاد برائے دفعِ شر و فساد،	۳۱۱
اللہ کی مدد کے مستحقین کی نشاندہی،	۳۱۲
اللہ کے وعدے کی توثیق و تقویت،	۳۱۳
فریضۂ نماز کی عظمت و اہمیت،	۳۱۳
فریضۂ زکوٰۃ کی عظمت و اہمیت،	۳۱۴
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظمت و اہمیت،	۳۱۴

عنوانات	صفحہ
سب کچھ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۳۱۵
پیغمبر کیلئے سامانِ تسلیہ وتسکین،	۳۱۵
ظالموں کا آخری انجام ہولناک تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۳۱۶
عبرت پذیری کی تعلیم وتلقین،	۳۱۶
ظلم کا نتیجہ وانجام ہولناک تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۳۱۷
ظالموں بستیوں کی تباہی کا منظر،	۳۱۷
آثار قدیمہ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین،	۳۱۸
عبرت پذیری کی دعوت وترغیب،	۳۱۸
سب سے بڑے اور ہولناک اندھاپے کی نشاندہی،	۳۱۹
منکرین کے استعجال کا ذکر وبیان،	۳۱۹
اللہ تعالیٰ کے وعدے کی قطعیت کا ذکر وبیان،	۳۲۰
خدائی دنوں کے پیمانے کی عظمت کا بیان،	۳۲۱
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف،	۳۲۱
پیغمبر کا کام تبلیغ حق اور بس،	۳۲۱
حق کا مقابلہ کرنے والوں کی ہولناک انجام کا ذکر وبیان،	۳۲۲
پیغمبر کی آرزو وتمنا اور شیطان کی خلل اندازی،	۳۲۲
شیطان کی خلل اندازی کا ذکر وبیان،	۳۲۳
شیطان کی خلل اندازی کے محو وازالے کا ذکر وبیان،	۳۲۳
شیطان کی خلل اندازی باعث فتنہ وابتلاء،	۳۲۴
عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۳۲۴
ظالموں کی محرومی اور ہٹ دھرمی کا بیان،	۳۶۵
باطل کو مہلت ملنے کی ایک اور حکمت وفائدہ،	۳۶۵
ابتلاء وآزمائش اہلِ علم کے لئے مزید پختگی ایمان کا ذریعہ،	۳۲۵
اہل ایمان کیلئے سیدھی راہ کی ہدایت کی بشارت،	۳۲۶
منحوس دن سے مراد؟	۳۲۶

عنوانات	صفحہ
ہجرت کی عظمت وفضیلت کا بیان،	۳۲۷
روزی رساں سب کا اللہ ہی ہے،	۳۲۸
مومنین صادقین کیلئے ایک اور خوشخبری	۳۲۸
اللہ اپنے بندوں کی پشت پر ہے،	۳۲۸
اللہ تعالیٰ کی شان عفو ودرگزر کا حوالہ وذکر،	۳۲۸
اللہ کی قدرت کا ایک عظیم الشان مظہر،	۳۲۹
اللہ ہی حق ہے، سبحانہ وتعالیٰ،	۳۲۹
اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کا ذکر،	۳۳۰
مظاہر قدر میں غور وفکر کی دعوت وترغیب،	۳۳۰
مُردہ زمین کا جی اٹھنا قدرت کا ایک اور عظیم الشان مظہر،	۳۳۲
اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کا حوالہ وذکر،	۳۳۲
سب کچھ اللہ وحدہ لاشریک ہی کا ہے،	۳۳۲
کچھ اور مظاہر قدرت میں دعوتِ غور وفکر،	۳۳۳
انسان کی بے قدری اور ناشکری کا شکوہ،	۳۳۳
پیغمبر کی صداقت وحقانیت کا اعلان واقرار،	۳۳۳
ہر کسی کا ریکارڈ پوری طرح محفوظ،	۳۳۴
اللہ کے سوا ہر معبود بے حقیقت،	۳۳۵
اور ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہیں،	۳۳۵
ابناءِ کفر وشرک کی سماع حق سے ناگواری کا ذکر وبیان،	۳۳۵
کافروں کیلئے ان کے نہایت بُرے انجام کی خبر،	۳۳۶
شرک کی تردید کیلئے ایک حقیقت افروز تمثیل،	۳۳۷
﴿من دون اللہ﴾ کے عموم وشمول کا ذکر وبیان،	۳۳۷
معبودان من دون اللہ کی بے بسی کی تصویر،	۳۳۸
کتنا کمزور ہے طالب،	۳۳۹
اور کتنا کمزور ہے مطلوب،	۳۳۹

عنوانات	صفحہ
اللہ پاک کے بارے میں بے قدری وناشکری باعثِ ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ،	۳۳۹
پیغمبر کی بعثت اللہ پاک کا انتخاب،	۳۴۰
حضراتِ انبیاء ورسل اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں،	۳۴۰
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا ذکر وبیان،	۳۴۱
سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف،	۳۴۲
رب کی عبادت وبندگی کا حکم وارشاد،	۳۴۲
دینِ حنیف میں کوئی تنگی نہیں،	۳۴۲
ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم وارشاد،	۳۴۲
مسلمان کا نام اور لقب اللہ ہی کی طرف سے،	۳۴۳
پہلے بھی اور اس (دین) میں بھی،	۳۴۳
منصب شہادت کی تذکیر ویاددہانی،	۳۴۴
اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم وارشاد،	۳۴۴
اللہ کارساز ہے سب لوگوں کا،	۳۴۴

سورة المؤمنون (۲۳)

عنوانات	صفحہ
ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کی اولین اساس،	۳۴۶
مؤمنوں کی پہلی خاص صفت نماز میں خشوع وخضوع،	۳۴۷
ایمان والوں کی دوسری خاص صفت کا ذکر وبیان،	۳۴۷
اہلِ ایمان کی تیسری خاص صفت، ادائیگیٔ زکوٰۃ کی پابندی،	۳۴۷
ملکِ یمین کی بناء پر تمتع کی اجازت،	۳۴۷
حدود سے تجاوز کرنے والوں کی نشاندہی،	۳۴۸
اہلِ ایمان کی چوتھی خاص صفت امانتوں کی پاسداری،	۳۴۸
اہلِ ایمان کی پانچویں خاص صفت عہد وپیمان کی حفاظت وپاسداری،	۳۴۸
فریضۂ نماز کی اساسی اور کلیدی حیثیت کا ذکر وبیان،	۳۴۹
جنت کے اصل حقداروں کا ذکر وبیان،	۳۴۹
فردوسِ بریں کے وارثوں کا ذکر،	۳۴۹
جنت میں ہمیشہ رہنے کی خوشخبری،	۳۴۹
انسان کے لئے اپنے وجود میں غور وفکر کی دعوت،	۳۵۰
انسان کے مادۂ تخلیق کی حفاظت قرارِ مکین میں،	۳۵۰
ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا کرشمہ،	۳۵۱
تخلیقِ انسانی کے مرحلۂ تکمیل کا ذکر وبیان،	۳۵۱
زندگی کے بعد موت کا آنا ایک طبعی تقاضا،	۳۵۲
بعث بعد الموت کی تذکیر ویاددہانی،	۳۵۲
دلائلِ سماویہ کی طرف توجہ،	۳۵۳
اللہ اپنی مخلوق سے بے خبر نہیں،	۳۵۳
نعمتِ تخلیق کے بعد نعمتِ تربیت کا ذکر وبیان،	۳۵۳
پانی کی سٹوریج کی نعمت کا ذکر وبیان،	۳۵۴
پانی کی حفاظت کا انتظام قدرت کا ایک عظیم الشان انعام واحسان،	۳۵۴
انسان کیلئے اسبابِ معیشت کے انتظام کا ذکر وبیان،	۳۵۵
انسان کی خوراک کے انتظام کا حوالہ وذکر،	۳۵۵
ایک عظیم الشان سالن کی نعمت وعنایت کا ذکر وبیان،	۳۵۶
مویشیوں کے اندر موجود سامانِ عبرت میں دعوتِ غور وفکر،	۳۵۶
دودھ جیسے عظیم الشان مشروب میں دعوتِ غور وفکر،	۳۵۷
چوپایوں کے اندر انسان کیلئے عظیم الشان فوائد ومنافع کا ذکر وبیان،	۳۵۷
ذرائع حمل ونقل میں غور وفکر کی دعوت،	۳۵۷
حضرتِ نوحؑ کی اپنی قوم کو تنبیہ وتذکیر،	۳۵۸

عنوانات	صفحہ
منکرین کا بشریتِ پیغمبر کی بناء پر دعوتِ حق کا انکار،	۳۵۸
منکرین کا بشریتِ پیغمبر کی بناء پر حق کا انکار،	۳۵۹
پیغمبر کی پاکیزہ ہستی پر جنون کا الزام۔ والعیاذ باللہ،	۳۵۹
قومِ نوح کے منکر سرداروں کا اپنی قوم کو مشورہ،	۳۶۰
نوحؑ کی دعا اپنے رب کے حضور،	۳۶۱
قومِ نوحؑ کے عذاب کے فیصلے کا ذکر،	۳۶۱
نعمت سے سرفرازی پر شکرِ خداوندی کی تعلیم وتلقین،	۳۶۲
حضرتِ نوحؑ کی طرف سے بابرکت اتارنے کی دعا،	۳۶۲
ابتلاء وآزمائش خداوندی کے دستور کا ذکر،	۳۶۳
قومِ نوح کی ہلاکت کے بعد نئی قوم کی اٹھان کا ذکر،	۳۶۳
حضرتِ نوحؑ کے بعد رسول کی آمد کا ذکر،	۳۶۳
حضراتِ انبیائے کرام کی دعوت ہمیشہ ایک ہی رہی،	۳۶۴
ہلاکت ومحرومی کے تین بڑے سبب،	۳۶۴
منکرین کا انکار پیغمبر کی بشریتِ طاہرہ کی بناء پر،	۳۶۵
کفر وشرک کا نتیجہ وانجام مت ماری۔ والعیاذ باللہ،	۳۶۵
کفار کا پیغمبر سے استہزاء وانکار،	۳۶۶
منکرین کا بعث بعد الموت کے بارے میں اچنبھا واستبعاد،	۳۶۶
منکرین کے اپنے انکار میں مزید شدت کا ذکر،	۳۶۷
پیغمبر پر افتراء علی اللہ کا نہایت ہولناک الزام، والعیاذ باللہ،	۳۶۷
حضرات انبیاء ورسل کا حاجت روا ومشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے،	۳۶۷
کافروں اور منکروں کے لئے ندامت ورسوائی،	۳۶۸
ظالموں کے لئے لعنت وپھٹکار۔ والعیاذ باللہ،	۳۶۸

عنوانات	صفحہ
ظالموں کی ہلاکت کے بعد نئی قوموں کے وجود میں آنے کا ذکر،	۳۶۸
ہر قوم اپنے وقتِ مقرر پر اپنے انجام کو پہنچ کر رہی،	۳۶۹
ہر قوم نے اپنے رسول کی تکذیب کی،	۳۶۹
تکذیب وانکارِ حق کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ	۳۶۹
منکرین کے لئے عذابِ استیصال کا ذکر وبیان،	۳۷۰
نورِ ایمان سے محرومی ہر خیر سے محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۳۷۰
موسیٰ اور ہارون کی بعثت کا ذکر وبیان، علیہما السلام،	۳۷۰
موسیٰ وہارون کی بعثت خاص نشانیوں، اور کھلی سند کے ساتھ	۳۷۱
اعراض واستکبار محرومیوں کی محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۳۷۱
حق کے مقابلے میں سرکشی باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۳۷۱
بشریتِ پیغمبر کی بناء پر ان پر ایمان لانے سے انکار،	۳۷۲
فرعونیوں کے استکبار کے ایک اور سبب کا ذکر وبیان،	۳۷۲
حضرتِ موسیٰ کو کتاب ہدایت سے سرفراز کرنے کا ذکر،	۳۷۲
حضرتِ عیسیٰ ومریم قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی،	۳۷۳
﴿ربوۃ﴾ کا معنی ومطلب؟ اور ایک قادیانی دجل وتلبیس کا ذکر وبیان،	۳۷۳
حضراتِ انبیاء ورسل کو ایک خاص ہدایت،	۳۷۴
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر،	۳۷۵
تمام انبیائے کرام کی دعوت ایک ہی رہی علیہم الصلوٰۃ والسلام،	۳۷۵
تفریق دین کے جرم کا ذکر۔ والعیاذ باللہ،	۳۷۶
ہر گروہ اپنے ہی ٹکڑے پر مست ہے،	۳۷۷
ہٹ دھرموں سے منہ موڑنے کی ہدایت،	۳۷۷
منکرین کے لئے ان کا مال ودولت کوئی خیر کی چیز نہیں،	۳۷۷
فائزین کی بعض خاص صفات کا ذکر وبیان،	۳۷۸

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اللہ والوں کی شانِ انفاق کا خاص اور امتیازی پہلو،	۳۷۸	قیامت اور حشر کی تذکیر و یاددہانی،	۳۹۲
انابت و رجوع الی اللہ صلاح و اصلاح کی اصل اساس و بنیاد،	۳۷۸	زندگی بخشنا اللہ ہی کا کام اور اسی کی شان ہے،	۳۹۲
اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا،	۳۷۹	اور موت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۳۹۳
منکروں کے دل غفلت میں۔ والعیاذ باللہ،	۳۸۰		
عذاب الٰہی کی مختلف شکلیں،	۳۸۰	عقل سے صحیح کام لینے کی دعوت و ترغیب،	۳۹۳
حق سے محرومی ہر چیز سے محرومی والعیاذ باللہ،	۳۸۱	منکرین کا بعث بعد الموت پر اچنبھا،	۳۹۴
لفظِ ''سامر'' کا معنی و مطلب؟،	۳۸۲	منکرین کی تضاد فکری پر انکو تنبیہ اور توبیخ،	۳۹۴
﴿تہجرون﴾ کا معنی و مطلب؟،	۳۸۲	مشرکوں کے دل و دماغ پر ایک دستک،	۳۹۵
قرآن حکیم کے بارے میں غور و فکر کی دعوت و تحریض،	۳۸۳	ہر چیز کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۳۹۶
منکرین کے دلوں پر ایک دستک،	۳۸۴		
لوگوں کی اکثریت کو حق ناگوار۔ والعیاذ باللہ،	۳۸۴	مشرکین و منکرین قطعی طور پر جھوٹے،	۳۹۶
کائنات کا وجود حق کا مرہونِ منت،	۳۸۵	ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۳۹۶
حق سے اعراض و روگردانی باعث ہلاکت و تباہی، والعیاذ باللہ،	۳۸۶	شرک کا نتیجہ تصادم و تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۳۹۷
		پیغمبر کے کمالِ عبدیت اور شانِ بندگی کا ایک نمونہ و مظہر،	۳۹۷
ہٹ دھرمی کا نتیجہ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۳۸۶	برائی کے جواب میں اچھائی سے کام لینے کی تعلیم و تلقین،	۳۹۸
اور اللہ ہی ہے سب سے بہتر روزی رساں،	۳۸۷	اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوسکتی،	۳۹۸
پیغمبر کی دعوت صراطِ مستقیم کی طرف،	۳۸۷	شیاطین کی اکساہٹوں سے بچنے کا طریقہ،	۳۹۹
عقیدۂ آخرت اصلاحِ احوال کی اصل اساس،	۳۸۷	اہلِ باطل کی بے وقت کی تمنا اور حسرت،	۳۹۹
سرکشوں کے لئے کوئی نشانی کارگر نہیں ہوتی،	۳۸۸	اہلِ باطل کی محرومی و بے بسی کی ایک تصویر،	۳۹۹
تنبیہی عذاب کا تقاضا اپنے رب کے حضور جھکنا،	۳۸۸	قیامت کی نفسانفسی کا ایک منظر،	۴۰۰
تمرد و سرکشی کا نتیجہ ہولناک و فیصلہ کن عذاب۔ والعیاذ باللہ،	۳۸۹	فالحین کی تعیین کی نشاندہی،	۴۰۱
		ناکام و نامراد لوگوں کی تعیین و نشاندہی،	۴۰۱
شکرِ خداوندی کے لئے تحریض و ترغیب،	۳۹۱	دوزخیوں کی انتہائی بدحالی کی ایک تصویر،	۴۰۱
توحید و قدرتِ خداوندی کی ایک عظیم الشان دلیل کا ذکر و بیان،	۳۹۱	تکذیبِ حق جرموں کا جرم۔ والعیاذ باللہ،	۴۰۲
		منکروں کا بے وقت کا اقرارِ جرم،	۴۰۲

عنوانات	صفحہ
دوزخیوں کی تحقیر وتذلیل کا ایک اور منظر،	۴۰۳
اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا باعث ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۴۰۳
صبر کا پھل نہایت عمدہ اور بے مثال،	۴۰۴
منکرین سے ان کی تذلیل کے لیے ایک اور سوال،	۴۰۴
اہل کفر وباطل کی آخرت میں بدحواسی کا ایک منظر،	۴۰۴
منکرین کی ایک اور تذلیل کا ذکر وبیان،	۴۰۵
دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر،	۴۰۵
علم حق کی روشنی سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ،	۴۰۵
انسان کی تخلیق بے مقصد وبے کار نہیں ہوسکتی،	۴۰۶
سب کا رجوع بہرحال اللہ ہی کی طرف،	۴۰۶
عظمتِ خداوندی کا حوالہ وذکر،	۴۰۷
بادشاہِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۴۰۷
اللہ مالک ہے عرشِ عظیم کا،	۴۰۷
مشرک کا حساب اللہ تعالیٰ کے یہاں،	۴۰۸
کافر ومنکر لوگوں کی فلاح ممکن نہیں۔ والعیاذ باللہ،	۴۰۸
ایک عظیم الشان دعا کی تعلیم وتلقین،	۴۰۸
اللہ کی رحمت کا حوالہ وذکر،	۴۰۹
سورۃ النور (۲۴)	
سورۂ نور ایک عظیم الشان سورۃ،	۴۱۰
سورۂ نور کی عظمتِ شان کے دو خاص پہلوؤں کا ذکر وبیان،	۴۱۰
سورۂ نور کی آیاتِ بینات کا ذکر وبیان،	۴۱۱
سبق لینے کی تعلیم وتلقین،	۴۱۱

عنوانات	صفحہ
حدِ زنا کا ذکر وبیان،	۴۱۲
دین کے بارے میں کسی پر ترس نہ کھانے کی ہدایت،	۴۱۲
ایمان کی ایک لازمی تقاضے کا ذکر وبیان،	۴۱۳
عبرت پذیری کا درس،	۴۱۳
زناکاری کے ایک طبعی میلان کا ذکر،	۴۱۴
ایمان کے ایک اہم تقاضے کا ذکر،	۴۱۵
حدِ قذف کا ذکر وبیان،	۴۱۵
حدِ قذف اسی کوڑے،	۴۱۵
اور ایسے لوگ فاسق وبدکار ہیں۔ والعیاذ باللہ،	۴۱۶
اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کی امید،	۴۱۶
لعان کے حکم کا ذکر وبیان،	۴۱۷
لعان والی عورت سے حدِ زنا ٹالنے کا طریقہ،	۴۱۷
اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی یاددہانی،	۴۱۸
براءت ونزاہت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا بیان،	۴۱۹
دشمن کی طرف سے اٹھائے گئے شر میں بھی خیر کا پہلو،	۴۲۰
بڑے مفتری کے لئے بڑا عذاب۔ والعیاذ باللہ،	۴۲۰
بڑے مفتری کے لئے بڑا عذاب۔ والعیاذ باللہ،	۴۲۰
حسنِ ظن سے کام لینے کی تعلیم وتلقین،	۴۲۱
اپنے الزام پر گواہ نہ پیش کرنے والے جھوٹے ہیں،	۴۲۱
اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی تذکیر ویاددہانی،	۴۲۲
بہتان بازی کے خوفناک نتیجے کا ذکر اور اس سے تحذیر،	۴۲۲
بغیر تحقیق کے بات کو آگے پھیلانے کی سنگینی وخطورت کا ذکر وبیان،	۴۲۳
بہتان بازی اور الزام تراشی کی خطورت کا ذکر،	۴۲۳
ایمان کے ایک اور اہم تقاضے کا ذکر وبیان،	۴۲۴

عنوانات	صفحہ
حضرتِ عائشہ کو برا کہنے والا مرتد اور واجب القتل والعیاذ باللہ،	۴۲۴
اللہ تعالیٰ کے احکام وارشادات کا بدیل ممکن نہیں،	۴۲۵
بے حیائی پھیلانے والوں کیلئے دردناک عذاب۔ والعیاذ باللہ،	۴۲۶
اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی تذکیر و یاددہانی،	۴۲۶
شیطان کی پیروی سے ممانعت،	۴۲۶
اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی یاددہانی،	۴۲۷
اللہ تعالیٰ کی توفیق کی بغیر کوئی بھی پاک نہیں ہوسکتا،	۴۲۷
اللہ جسے چاہے پاک کرے،	۴۲۸
عفو ودرگزر سے کام لینے کی تعلیم وتلقین،	۴۲۸
پاکدامن ایماندار عورتوں پر تہمت لگانا باعث لعنت وپھٹکار۔ والعیاذ باللہ،	۴۲۸
یومِ حساب کی تذکیر و یاددہانی،	۴۲۹
اعمال کا پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا،	۴۲۹
پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے،	۴۳۰
پاکیزہ لوگوں کی براءت کا ذکر وبیان،	۴۳۰
پاکیزہ لوگوں کیلئے بخشش کی خوشخبری،	۴۳۰
پاکیزہ لوگوں کیلئے رزقِ کریم کی بشارت،	۴۳۱
سلام واستیذان کی تعلیم وہدایت،	۴۳۱
اجازت نہ ملنے کی صورت میں واپسی کا حکم وارشاد،	۴۳۲
دین کی پیروی میں سراسر خیر ہے،	۴۳۲
بیوتِ غیر مسکونہ سے مقصود ومراد؟	۴۳۲
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کی تذکیر و یاددہانی،	۴۳۳
حفظِ نظر اور غضِ بصر کی ہدایت وتعلیم،	۴۳۳
مومن مردوں کو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم وارشاد،	۴۳۴
مومن عورتوں کو بھی اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم وارشاد،	۴۳۴
ایماندار عورتوں کو ابداءِ زینت کی ممانعت،	۴۳۵
ایماندار عورتوں کو اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالنے کا حکم وارشاد،	۴۳۶
﴿نسائهن﴾ (انکی اپنی عورتوں) سے مراد؟	۴۳۶
مملوکوں کے استثناء کا ذکر وبیان،	۴۳۷
غیر اولی الاربۃ کے استثناء کا ذکر وبیان،	۴۳۷
بےشعور بچوں کے استثناء کا ذکر وبیان،	۴۳۷
زینت کی آواز کے اظہار کی بھی ممانعت،	۴۳۸
اہلِ ایمان کو توبہ کا حکم وارشاد،	۴۳۸
بے نکاحوں کے نکاح کرنے کا حکم وارشاد،	۴۳۹
صالح غلام اور باندیوں کے نکاح کا حکم وارشاد،	۴۳۹
بے نکاحوں کے نکاح پر ان کے لئے مالداری کا وعدہ،	۴۳۹
بے نکاحوں کو پاکدامن رہنے کی ہدایت،	۴۴۰
مکاتبت سے متعلق حکم وارشاد،	۴۴۱
ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی ترغیب وتحریض،	۴۴۱
بدکاری پر مجبور کرنے کی ممانعت،	۴۴۲
بدکاری پر مجبور کرنے کے جرم کی سنگینی کا ذکر وبیان،	۴۴۲
پاکدامن لاچاروں کیلئے بخشش کی بشارت،	۴۴۲
ہدایاتِ قرآنی کو اپنانے کی تعلیم وتلقین،	۴۴۳
عبرت گیری کی تعلیم وتلقین،	۴۴۳
تقویٰ وپرہیزگاری ذریعۂ نجات وسرفرازی،	۴۴۴
اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا،	۴۴۴
نورِ ایمان کی تمثیل اور اس کی عظمتِ شان،	۴۴۵

عنوانات	صفحہ
نورِ ایمان کی عظمتِ شان کی توضیح وتمثیل،	۴۴۵
نورِ ایمان کے لئے بے مثال اور عظیم الشان فانوس کا ذکر،	۴۴۶
عظیم الشان چراغ کیلئے عظیم الشان تیل،	۴۴۶
بے مثال چراغ کا تیل بھی بے مثال،	۴۴۷
نورٌ علیٰ نور کا مصداق؟	۴۴۷
نورِ ہدایت کی دولت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے،	۴۴۸
توضیحِ حق کے لئے ضرب الامثال کا اہتمام،	۴۴۸
کمالِ علم اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۴۴۹
نورِ ایمان سے سرفرازی کے مواقع کی نشاندہی،	۴۴۹
نورِ ایمان سے منور ومعمور خوش نصیبوں کا ذکر،	۴۵۰
خوف وخشیتِ خداوندی بندگانِ خدا کی خاص صفت،	۴۵۰
اہلِ ایمان کیلئے بہترین بدلے کی بشارت،	۴۵۱
اللہ تعالیٰ کی عطاء وبخشش بے حساب،	۴۵۲
اہلِ کفر وباطل کے اعمال کی مثال،	۴۵۲
آخرت کے حساب کی تذکیر ویاددہانی،	۴۵۲
اہلِ کفر وباطل کے باطنی اندھیروں کی تمثیل،	۴۵۳
ایمان کی روشنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مل سکتی ہے،	۴۵۴
کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ومنہمک ہے،	۴۵۴
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف،	۴۵۵
بارانِ رحمت میں دعوتِ غور وفکر،	۴۵۵
رحمت کے ساتھ ساتھ نقمت کی طرف توجہ،	۴۵۶
نفع ونقصان اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۴۵۶
دن رات کا بدلنا قدرت کا ایک اور حیرت انگیز کرشمہ،	۴۵۷
سامانِ عبرت وبصیرت کی نشاندہی،	۴۵۷
ہر جاندار کا وجود نشانِ عبرت وبصیرت،	۴۵۸
جانوروں کی مختلف قسموں میں غور وفکر کی دعوت،	۴۵۸
دو پاؤں پر چلنے والے جانوروں میں سامانِ غور وفکر،	۴۵۸
چار پاؤں پر چلنے والے جانوروں میں سامانِ غور وفکر،	۴۵۹
ابداع وتخلیق اللہ تعالیٰ ہی کی صفت وشان،	۴۶۰
اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کا حوالہ وذکر،	۴۶۰
آیاتِ بینات اور ان کا تقاضا؟	۴۶۰
ہدایت سے سرفرازی کا انحصار مشیتِ خداوندی پر،	۴۶۱
منافقانہ ایمان نہ ہونے کے برابر۔ والعیاذ باللہ،	۴۶۱
اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے سے منہ موڑنا کفر ونفاق ہے۔ والعیاذ باللہ،	۴۶۲
دولتِ ایمان سے محروم لوگوں کے لئے متاعِ دنیا ہی سب کچھ،	۴۶۲
ایسے لوگ ظالم ہیں۔ والعیاذ باللہ،	۴۶۳
سچے مسلمانوں کی صفت وشان،	۴۶۴
سچے مسلمانوں کا انعام فوز وفلاح سے سرفرازی،	۴۶۴
منافقوں کی ایک عمومی نشانی جھوٹی قسمیں کھانا،	۴۶۴
منافقوں کے منافقانہ دعووں کا ایک نمونہ ومظہر،	۴۶۴
اصل مقصود اطاعت وفرمانبرداری ہے،	۴۶۵
اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی عمل چھپ نہیں سکتا،	۴۶۶
رسول کے ذمے صرف تبلیغ حق اور بس،	۴۶۶
بندوں کی ذمہ داری خود ان پر،	۴۶۶
رسول کے ذمے پہنچا دینا ہے اور بس،	۴۶۶
اہلِ حق سے دینِ حق کی تمکین وسربلندی کا وعدہ،	۴۶۷
اہلِ حق کے لئے غلبہ وتمکین کی بشارت،	۴۶۷
کفر وناشکری باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۴۶۹

عنوانات	صفحہ
کافر اور منکر لوگ اللہ کی گرفت وپکڑ سے کبھی باہر نہیں ہو سکتے،	۴۷۰
کافروں کا انجام بہت ہی برا۔ والعیاذ باللہ،	۴۷۰
مملوکوں اور نابالغوں کیلئے خاص ہدایت،	۴۷۰
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم وحکمت کا ذکر اور اس کا تقاضا،	۴۷۱
بلوغ کے بعد بچوں کے لئے بھی بڑوں کا حکم،	۴۷۱
دینِ حنیف کے احکام کی انفرادی اور امتیازی حیثیت،	۴۷۲
بوڑھی عورتوں کے لئے خاص ہدایت،	۴۷۳
بوڑھی عورتوں کے لئے بہتر صورت کی نشاندہی،	۴۷۳
معذوروں کے لئے رخصت ورعایت کا ذکر وارشاد،	۴۷۳
باہمی اکل وشرب سے متعلق بعض آداب کا ذکر وبیان،	۴۷۴
رشتہ داروں کے یہاں سے کھانے پینے کی اجازت وآزادی،	۴۷۵
زیر تولیت گھروں کے استثناء کا ذکر وبیان،	۴۷۵
دوستوں کے گھروں کا استثناء،	۴۷۶
انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں کھانے پینے کی اجازت،	۴۷۶
باہمی سلامتی کی تعلیم وتلقین،	۴۷۶
عقل سے کام لینے کی دعوت،	۴۷۷
آنے کی طرح جانے کیلئے بھی استئذان کی تعلیم،	۴۷۷
استئذان کا ذکر ایمان کی علامت ونشانی کے طور پر،	۴۷۷
اذن واجازت کا دار ومدار پیغمبر کی مرضی پر،	۴۷۹
پیغمبر کی دعاء وپکار کے بارے میں اہلِ ایمان کو ایک خاص ہدایت وتنبیہ،	۴۷۹
اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے تنبیہ وتحذیر،	۴۸۰
کائنات سب اللہ ہی کی،	۴۸۰
اللہ کے بندے ہر حال میں اس کے سامنے،	۴۸۱
یومِ حشر ومعاد کی تذکیر ویاددہانی،	۴۸۱
اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی،	۴۸۱

سورة الفرقان (۲۴)

عنوانات	صفحہ
﴿تبارک﴾ کا معنی ومفہوم؟	۴۸۳
نعمتِ قرآن کی عظمت کی تذکیر ویاددہانی،	۴۸۴
اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں،	۴۸۵
ہر چیز کی تخلیق ایک خاص اندازے پر،	۴۸۵
غیر اللہ کے پجاریوں کی مت ماری کا ایک نمونہ ومظہر،	۴۸۶
منکرین کی طرف سے قرآنِ حکیم پر افتراء ہونے کا الزام،	۴۸۷
منکرین کا قرآن کو قصوں کہانیوں کا مجموعہ قرار دینا،	۴۸۸
قرآن حکیم سراسر نازل شدہ کلام،	۴۸۹
کفار کی طرف سے پیغمبر پر انکے بشری تقاضوں کی بناء پر اعتراض،	۴۸۹
ابنائے دنیا کا مادہ پرستانہ معیارِ شرف وفضیلت،	۴۹۰
نورِ حق وہدایت سے محرومی سب سے بڑی محرومی،	۴۹۱
دنیا دار الامتحان ہے نہ کہ دار الانعام،	۴۹۱
منکرین کا انجام دوزخ کی ہولناک آگ۔ والعیاذ باللہ،	۲۹۲
آتشِ دوزخ کی ہولناکی کی تصویر،	۴۹۳
دوزخیوں کی انتہائی ہولناک حالت کا ذکر۔ والعیاذ باللہ،	۴۹۳
دوزخیوں کی موت کو پکارنے کا ذکر،	۴۹۳
جنت کی دو منفرد وبے مثال نعمتوں کا ذکر،	۴۹۴
مشرکوں کے ہولناک حشر کا ذکر وبیان،	۴۹۴
حشر میں مشرکوں کی تحقیر وتذلیل کے لئے سوال،	۴۹۶

عنوانات	صفحہ
اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنانے والے سخت خسارے میں،	۴۹۷
ایمان ویقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۴۹۸
مشرکوں کی تذلیل وتوبیخ مزید کا ذکر،	۴۹۹
جملہ انبیاء ورسل بشر اور انسان ہی تھے،	۵۰۰
سب لوگ ایک دوسرے کے لئے ذریعۂ ابتلاء وآزمائش،	۵۰۱
مسلمانوں کو صبر کی تلقین،	۵۰۱
عقیدۂ آخرت سے محرومی، محرومیوں کی محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۵۰۲
استکبار باعث محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۵۰۲
استکبار کا نتیجہ تمرد وسرکشی۔ والعیاذ باللہ،	۵۰۳
مجرموں کے لئے ایک تنبیہ وتہدید،	۵۰۴
﴿حجرا محجورا﴾ کا معنی ومطلب؟	۵۰۴
اعمال کا وزن ایمان واخلاص سے،	۵۰۴
قیامت کے آغاز اور ظہور ملائکہ کا ذکر،	۵۰۵
قیامت کے روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی سبحانہ وتعالیٰ،	۵۰۵
ظالموں کی انتہائی یاس وحسرت کا ذکر وبیان،	۵۰۶
صحبت بد باعث محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۵۰۶
رسول کی اپنے رب کے حضور شکایت کا ذکر وبیان،	۵۰۷
رسول کی طرف سے قرآن کو پس پشت ڈالنے کا شکوہ،	۵۰۸
ایک سنت الٰہی اور دستور خداوندی کا ذکر وبیان،	۵۰۹
قرآن حکیم کو بتدریج نازل کرنے کی بعض حکمتوں کا ذکر وبیان،	۵۱۰
مثل سے مقصود ومراد؟	۵۱۰

عنوانات	صفحہ
دوزخیوں کے حال بد کی ایک تصویر،	۵۱۱
حضرت ہارون کی وزارت کا ذکر وبیان،	۵۱۱
تکذیب حق موجب ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۵۱۲
قوم نوح کی ہلاکت وتباہی کا ذکر،	۵۱۲
ظالموں کیلئے دردناک عذاب۔ والعیاذ باللہ،	۵۱۳
اصحاب الرس یعنی کنوئیں والوں سے مراد؟	۵۱۳
قوم لوط کی بستی سے درس عبرت لینے کی تعلیم وتلقین،	۵۱۴
کیا یہ لوگ اسکو دیکھتے نہیں؟	۵۱۴
عقیدۂ آخرت سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم،	۵۱۵
حق اور اہل حق کا مذاق اڑانا محرومی دارین کا باعث۔ والعیاذ باللہ،	۵۱۵
منکرین کے اضطراب وبوکھلاہٹ کا نمونہ ومظہر،	۵۱۶
نتیجہ وانجام کے انتظار کی ہدایت،	۵۱۶
اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا دینے والوں کا حال،	۵۱۷
ہٹ دھرموں اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں،	۵۱۸
لوگوں کی اکثریت حق کو سننے سمجھنے سے عاری۔ والعیاذ باللہ،	۵۱۸
نور حق وہدایت سے محروم لوگ چوپایوں سے بھی بدتر۔ والعیاذ باللہ،	۵۱۸
سورج اور سائے میں سامان غور وفکر،	۵۱۹
سائے کے سمٹنے سکڑنے میں دعوت غور وفکر،	۵۲۰
رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں دعوت غور وفکر،	۵۲۱
ماء طہور میں غور وفکر کی دعوت،	۵۲۲
پانی ذریعۂ حیات وبقا اور وسیلۂ سیرابی،	۵۲۲

عنوانات	صفحہ
حکمتِ تصریف کی توضیح وتشریح،	۵۲۳
حضرت امام الانبیاءؑ کی بعثتِ عامہ کا ذکر وبیان،	۵۲۴
قرآن کے ذریعے جہادِ کبیر کا حکم وارشاد،	۵۲۴
پانی کے دو عظیم الشان ذخیروں کی نعمت میں غور وفکر کی دعوت،	۵۲۴
خلقتِ انسانی میں غور وفکر کا سامان،	۵۲۶
کافر کی اپنے رب کے خلاف پشت پناہی،	۵۲۷
پیغمبر کا کام انذار اور تبشیر ہے اور بس،	۵۲۷
پیغمبر کی دعوت بالکل بے لوث،	۵۲۷
پیغمبر کا کام راہِ حق کی راہنمائی،	۵۲۸
بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر رکھنے کی ہدایت،	۵۲۸
معبود برحق صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے،	۵۲۹
''استواء علی العرش'' کا ذکر اور اس سے مراد؟	۵۲۹
خدائے رحمان کے بارے میں بڑے باخبر سے پوچھنے کی ہدایت،	۵۳۰
منکرین کے عناد اور انکی ہٹ دھرمی کا ایک اور نمونہ ومظہر،	۵۳۱
بدنیتی اور خبثِ باطن کا نتیجہ وانجام محرومی۔ والعیاذ باللہ العظیم،	۵۳۱
اللہ تعالیٰ کی برکت کے بعض مظاہر میں دعوت غور وفکر،	۵۳۲
سورج وچاند کے عظیم الشان نشان ہائے قدرت میں غور وفکر کا سامان،	۵۳۲
تذکر وتشکر کی دو حیثیتوں کا ذکر وبیان،	۵۳۳
خدائے رحمٰن کے بندوں کی امتیازی صفات کا ذکر وبیان،	۵۳۴
عاجزی اور فروتنی کی صفتِ محمود کا ذکر،	۵۳۴
جاہلوں کے ساتھ الجھاؤ سے اجتناب واحتراز کی صفتِ محمود کا ذکر،	۵۳۵
راتوں کے قیام اور سجدہ ریزیوں کی صفتِ محمود کا ذکر وبیان،	۵۳۵
اپنے رب سے عذاب دوزخ سے پناہ مانگنے کی صفتِ محمود کا ذکر وبیان،	۵۳۶
خرچ کے سلسلے میں میانہ روی کی صفتِ محمود کا ذکر وبیان،	۵۳۶
قتلِ ناحق سے بچنے کی صفتِ محمود کا ذکر وبیان،	۵۳۷
دوزخیوں کے عذاب پر عذاب۔ والعیاذ باللہ،	۵۳۸
سچی توبہ کے عظیم الشان اثرات کا ذکر وبیان،	۵۳۸
اللہ کی بخشش ورحمت کا حوالہ وذکر،	۵۳۹
توبہ کا معنی ومفہوم؟ اور اس پر عظیم الشان بشارت کا ذکر،	۵۳۹
لغویات سے پرہیز واجتناب کی صفتِ محمود کا ذکر وبیان،	۵۴۰
آیاتِ قرآن میں غور وتدبر کی صفتِ محمود کا ذکر وبیان،	۵۴۰
فکرِ آخرت کی صفتِ محمود کا ذکر وبیان،	۵۴۱
پرہیزگاروں کی امامت وپیشوائی اور ایک نہایت عبرت ناک واقعہ،	۵۴۱
عباد الرحمٰن کی عظیم الشان صلے وبدلے کا ذکر وبیان،	۵۴۲
صبر واستقامت کی اہمیت وعظمتِ شان کا ذکر،	۵۴۲
جنت کی عظمتِ شان کا ذکر وبیان،	۵۴۳
منکرین ومکذبین کے لئے تہدید ودھمکی،	۵۴۳
سورة الشعراء (۲۶)	
قرآن اپنی صداقت وحقانیت کا گواہ خود	۵۴۵
پیغمبر کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان،	۵۴۵
جبری ایمان نہ مطلوب ہے نہ مفید،	۵۴۶
اعراض وروگردانی محرومیوں کی محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۵۴۶
منکرین ومکذبین کے لئے آخری جواب، نتیجہ وانجام کا انتظار،	۵۴۷

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
زمین کی نشانیوں میں نگاہِ عبرت ڈالنے کی دعوت،	۵۴۷	غلبۂ حق اور شکستِ باطل کا ایک بے مثال نمونہ ومظہر،	۵۶۱
اکثریت ہمیشہ بے ایمانوں ہی کی رہی،	۵۴۸	فرعون کی حد درجہ بوکھلاہٹ اور جادوگروں پر سازش کا الزام،	۵۶۱
رب تعالیٰ کی صفتِ عزیز ورحیم کی تذکیر و یاددہانی،	۵۴۸		
حضرتِ موسیٰ کی داستانِ عبرت کی تذکیر و یاددہانی،	۵۴۹	قوتِ ایمان ویقین کی انقلاب آفرینی کا ایک مظہر ونمونہ،	۵۶۲
ظالموں کے دلوں پر ایک دستک،	۵۴۹	نورِ ایمان ویقین سے پُر جواب،	۵۶۳
حضرتِ موسیٰ کی ایک دعا کا ذکر اور اہلِ بدعت کے ایک مغالطے کا جواب،	۵۵۰	عددی اکثریت کا فرعونی گھمنڈ،	۵۶۳
		فرعون پر ضربِ حق کے اثر کا نتیجہ،	۵۶۳
حضرتِ موسیٰ کے ایک طبعی خوف کا ذکر،	۵۵۱	دستِ غیب کی کارستانی کا ایک نمونہ ومظہر،	۵۶۴
حضرتِ موسیٰ کے لئے تسکین وتسلیہ،	۵۵۱	بنی اسرائیل کی آزادی اور ان کی نعمتوں سے سرفرازی کا ذکر،	۵۶۵
حضرتِ موسیٰ کا فرعون سے ایک اہم مطالبہ،	۵۵۲		
فرعون کا حضرتِ موسیٰ کو متکبرانہ فرعونی جواب،	۵۵۳	انبیاء ورسل کا حاجت روا ومشکل کشا بھی اللہ ہی ہے،	۵۶۶
حضرتِ موسیٰ کا فرعون کو جوابِ حق ترجمان،	۵۵۳	نجات دہندہ سب کا اللہ ہی ہے،	۵۶۶
فرعون کے اظہارِ احسان پر حضرتِ موسیٰ کا بلیغ جواب،	۵۵۴	نشانِ عبرت کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ہدایت،	۵۶۷
فرعون کے تکبر کا ایک اور مظہر ونمونہ،	۵۵۵	رب کی صفتِ عزت ورحمت کا حوالہ وذکر،	۵۶۸
حضرتِ موسیٰ کا فرعون کو مسکت جواب،	۵۵۵	قصۂ ابراہیم کی تذکیر و یاددہانی کا حکم وارشاد،	۵۶۸
فرعون کی بوکھلاہٹ اور اس کے طنز واستہزاء کا ایک نمونہ،	۵۵۵	مشرکوں کا حضرتِ ابراہیم کو مشرکانہ جواب،	۵۶۹
فرعون کی فرعونیت پر ایک ضرب کاری،	۵۵۶	باپ دادا کی اندھی تقلید کا قدیم مرض،	۵۷۰
فرعون کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کو دھمکی،	۵۵۷	بعض اہم صفات باری کا ذکر وبیان،	۵۷۰
معجزۂ عصا کا ذکر وبیان،	۵۵۷	قیامت کے یومِ حساب کی تذکیر و یاددہانی،	۵۷۱
معجزۂ موسوی کی ضرب کاری اور فرعون کی عیاری،	۵۵۷	قوتِ فیصلہ سے سرفرازی کی دعاء ودرخواست،	۵۷۲
جادوگروں کے مقابلے کا ذکر وبیان،	۵۵۸	سچی ناموری سے سرفرازی کی دعاء ودرخواست اور اسکی بے مثال قبولیت،	۵۷۲
ڈکٹیٹروں کے کھوکھلے پن کا ایک نمونہ ومظہر،	۵۵۹		
جادوگروں کے مطالبے اور فرعون کے جواب کا ذکر وبیان،	۵۵۹	جنت کے وارثوں میں شمولیت کی دعاء ودرخواست،	۵۷۳
حضرتِ موسیٰ کے اعتماد ووثوق کا مظہر ونمونہ،	۵۵۹	حضرتِ ابراہیم کی اپنے باپ کی بخشش کے لئے دعاء،	۵۷۴
جادوگروں کی ایک مشرکانہ قسم کا ذکر وبیان،	۵۶۰	قلبِ سلیم سے مراد؟ اور اسکی عظمت واہمیت،	۵۷۴

عنوانات	صفحہ
متقی اور پرہیزگار لوگوں کیلئے انعام واکرام کا ذکر،	۵۷۵
دوزخیوں کے برے انجام کا ذکر۔ والعیاذ باللہ،	۵۷۵
مشرکوں کی تذلیل وتوبیخ کا ایک منظر،	۵۷۶
مشرکوں کے نہایت ہولناک انجام کا ذکر۔ والعیاذ باللہ،	۵۷۷
دوزخ میں گرووں اور انکے چیلوں کے باہمی جھگڑے کا ذکر،	۵۷۸
پیرووں کا اپنی گمراہی کا کھلا اور صاف اقرار واعتراف،	۵۷۹
نشانئ عبرت میں غور وفکر کی دعوت،	۵۷۹
پیغمبر اپنی قوم اور اپنی امت کا بھائی ہوتا ہے،	۵۸۰
پیغمبر کا سب سے بڑا تعارف اسکی رسالت،	۵۸۰
اصلاح کی اولین اساس تقوی وپرہیزگاری،	۵۸۱
پیغمبر کی دعوتِ خالص اللہ کے لئے،	۵۸۲
ابنائے دنیا کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا ایک نمونہ ومظہر،	۵۸۳
پیغمبر کا اصل کام انذار اور بس،	۵۸۳
حضرتِ نوح کی دعا اپنے رب کے حضور،	۵۸۴
حضرتِ نوح کی دعا اپنی قوم کے بارے میں،	۵۸۴
حضرتِ نوح کے نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی،	۵۸۵
نشانئ عبرت میں دعوتِ غور وفکر،	۵۸۵
ایک رسول کی تکذیب سب کی تکذیب۔ والعیاذ باللہ،	۵۸۶
پیغمبر کی دعوت قطعی طور پر بےلوث،	۵۸۷
بےمقصد عمارتیں اور یادگاریں بنانا تمدن کے فساد کی نشانی،	۵۸۷
اللہ کی نعمتوں کی تذکیر ویاددہانی اور ان کے شکر کی تعلیم وتلقین،	۵۸۸
کفر وانکار پر سخت عذاب کا خدشہ۔ والعیاذ باللہ،	۵۸۹

عنوانات	صفحہ
منکر ومتکبر قوم کا حضرتِ ہود کو کافرانہ اور متکبرانہ جواب،	۵۸۹
حضرتِ صالح کی مخلصانہ دعوت کا ذکر وبیان،	۵۹۰
حضرتِ صالح کی طرف سے ان کی قوم کے دلوں پر ایک، دستک	۵۹۱
پیغمبر کو ان کی قوم کی طرف سے نہایت گستاخانہ اور دلآزار، جواب	۵۹۲
پیغمبر کی نبوت کا انکار انکی بشریت کی بناء پر۔ والعیاذ باللہ،	۵۹۲
ناقۂ صالح کی نشانی کا ذکر وبیان،	۵۹۳
جرم پر رضاء اس میں اشتراک کے برابر۔ والعیاذ باللہ،	۵۹۴
قومِ لوط کے اوندھے پن کا نمونہ ومظہر،	۵۹۵
قومِ لوط کی طرف سے اپنے پیغمبر کو دھمکی،	۵۹۶
قوم کے فیصلہ کن دھمکی پر حضرتِ لوط کا بھرپور جواب،	۵۹۶
حضراتِ انبیائے کرام کے تعلق مع اللہ کا ایک نمونہ،	۵۹۷
حضراتِ انبیاء ورسل کے نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں،	۵۹۷
اصحاب الأیکۃ کا ذکر اور ان سے مراد؟	۵۹۸
حضرتِ شعیب کی دعوت وتبلیغِ حق کا ذکر وبیان،	۵۹۹
تاریخ سے سبق لینے کی تعلیم وتلقین،	۵۹۹
قوم کا اپنے پیغمبر کو بیہودہ اور متکبرانہ جواب،	۶۰۰
بشریتِ پیغمبر کی بناء پر انکی نبوت کا انکار۔ والعیاذ باللہ،	۶۰۰
قومِ شعیب کی طرف سے عذاب کا مطالبہ،	۶۰۱
تفویض الی اللہ کا درسِ عظیم،	۶۰۱
قومِ شعیب پر یوم الظلۃ کا عذاب،	۶۰۲
نشانئ عبرت میں غور وفکر کی دعوت،	۶۰۲
قرآنِ حکیم رب العالمین کا کلام،	۶۰۳

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
قرآنِ حکیم کا نزول روح الامین کے ذریعے،	۶۰۳	شعراء کا کام ہر وادی میں بھٹکنا۔ والعیاذ باللہ،	۶۱۶
قرآنِ حکیم کا نزول پیغمبر کے قلبِ مطہر پر،	۶۰۴	شعراء کا کام کہنا کچھ اور کرنا کچھ۔ والعیاذ باللہ،	۶۱۶
قرآنِ پاک کے اتارنے کا اصل مقصد اِنذار،	۶۰۴	ایماندار اور سچے شاعروں کا استثناء،	۶۱۷
قرآنِ حکیم واضح عربی زبان میں،	۶۰۴	ظلم کے بعد بدلہ لینے کی اجازت،	۶۱۷
قرآنِ حکیم پہلی کتابوں میں،	۶۰۵	ظالموں کے لیے تنبیہ وتذکیر،	۶۱۸
قرآنِ حکیم سے متعلق ایک عظیم الشان نشانی کا ذکر	۶۰۵	**سورۃ النمل (۲۷)**	
ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں،	۶۰۶	قرآن اپنی صداقت وحقانیت کی دلیل خود،	۶۱۹
منکروں کے دلوں کے فساد و بگاڑ کی نشاندہی،	۶۰۶	قرآن حکیم سراسر ہدایت وخوشخبری،	۶۱۹
منکروں کی حسرت اور بے وقت کی آرزو کا ذکر،	۶۰۷	ایمان بالآخرت کی خاص اہمیت،	۶۲۰
عذاب کے لئے جلدی مچانے والوں کو جواب،	۶۰۷	برے اعمال کی خوشنمائی ایک مستقل عذاب،	۶۲۰
متاعِ دنیا عذابِ الٰہی کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آسکے گا،	۶۰۸	سب سے بڑے خسارے والے لوگ،	۶۲۱
شیاطین کا اس کتابِ حکیم سے کچھ تعلق نہیں ہوسکتا،	۶۰۸	قرآنِ حکیم کی عظمتِ شان کے ایک اہم پہلو کا ذکر،	۶۲۱
قرآنِ حکیم کی عظمتِ شان اور علوِ مرتبہ ومقام کا تقاضا،	۶۰۹	سرگزشت موسیٰ کے ایک اہم حصے کی تذکیر و یاددہانی،	۶۲۲
شیاطین کے سماعِ قرآن سے عزل وطرد کا ذکر و بیان،	۶۰۹	حضرتِ موسیٰ کیلئے ایک صدائے خیر و برکت،	۶۲۲
اللہ کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے کی ممانعت،	۶۱۰	خوف موسیٰ اور درست عبرت،	۶۲۳
اپنے قریبی رشتہ داروں کے انذار کا حکم وارشاد،	۶۱۰	توبہ سے خطاؤں کی بخشش کی خوشخبری،	۶۲۴
ایمان والوں کے لئے خاص شفقت		اللہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے،	۶۲۴
وعنایت کا حکم وارشاد،	۶۱۱	معجزۂ ید بیضاء کا ذکر و بیان،	۶۲۴
اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین،	۶۱۱	موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم وارشاد،	۶۲۵
اللہ تعالیٰ کی عنایت ونگرانی کا حوالہ وذکر،	۶۱۲	فرعونوں کی طرف سے موسیٰ کے معجزات کا انکار،	۶۲۵
﴿تقلب في الساجدين﴾ کا معنی ومطلب؟	۶۱۲	حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا ذکر،	۶۲۶
شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟	۶۱۳	شکرِ نعمت کا درس اور نمونہ،	۶۲۶
أفاك کا معنی ومطلب؟	۶۱۴	میراثِ داؤدی کا ذکر اور اس سے مقصود؟	۶۲۷
جعل سازوں اور ان کے کام کی نشاندہی،	۶۱۴	تحدیثِ نعمت برائے شکرِ نعمت،	۶۲۷
بے دین شعراء کے پیچھے چلنا گمراہوں کا کام۔ والعیاذ باللہ	۶۱۵	چیونٹی کا دوسرا چیونٹیوں سے سبق آموز خطاب،	۶۲۸

عنوانات	صفحہ
حضرتِ سلیمان کی شانِ انابت ورجوع الی اللہ کا ایک نمونہ ومظہر،	۶۲۹
حضرتِ سلیمان کا اپنی فضائی فوج کا جائزہ اور ہدہد کا قصہ عبرت وبصیرت	۶۳۰
ہدہد کا جواب اور اس میں موجود اہم درسہائے عبرت،	۶۳۰
﴿اوتیت من کل شیء﴾ کا مطلب؟،	۶۳۱
تزیین شیطانی کا ذکر وبیان،	۶۳۱
کائنات کی گواہی خالق کی وحدانیت پر،	۶۳۲
حضرت سلیمانؑ کا خط ملکۂ سبا کے نام،	۶۳۳
مکتوبِ سلیمانی کی عظمتِ شان،	۶۳۳
مکتوبِ سلیمانی کا اختصار اور اسکی جامعیت،	۶۳۴
درباریوں کا مشورہ اور ملکہ کو رائے،	۶۳۵
جنگ سے احتراز کی پالیسی کا فیصلہ،	۶۳۵
ملکہ کا مصالحانہ رویہ اور ہدیہ بھیجنے کا فیصلہ،	۶۳۶
حضرتِ سلیمانؑ کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار،	۶۳۷
حضرتِ سلیمانؑ کی طرف سے فوج کشی کا فیصلہ،	۶۳۷
تختِ بلقیس کو حاضر کرنے کا حکم وارشاد،	۶۳۸
ایک قوی ہیکل جن کی دربارِ سلیمانی میں ایک پیشکش،	۶۳۸
جن کی طرف سے اپنی دیانت وامانت کی یقین دہانی،	۶۳۸
علمِ کتاب رکھنے والے کی پیشکش اور اس کا کارنامہ،	۶۳۹
تختِ بلقیس حضرتِ سلیمانؑ کے سامنے،	۶۴۰
حضرتِ سلیمانؑ کا اظہارِ مسرت وشادمانی،	۶۴۰
نعمت سے سرفرازی ذریعۂ ابتلاء وآزمائش،	۶۴۱
رب کی بے نیازی اور اس کے کرم کا حوالہ،	۶۴۱
ملکۂ سبا کے امتحان کے لئے ایک ترکیب،	۶۴۲
ملکہ کے فہم وفراست کا ایک ثبوت،	۶۴۲
ماحول کے اثرات کا نتیجہ،	۶۴۳
حضرتِ سلیمان کے شیش محل کے اندر ملکہ سبا کی حیرانی،	۶۴۴
ملکہ سبا کا اعترافِ تقصیر اور اعلانِ حق،	۶۴۵
پیغمبر اپنی قوم کے بھائی،	۶۴۵
دعوتِ حق کا نتیجہ وثمرہ حق وباطل کی تفریق وتمیز	۶۴۶
حضرت صالح علیہ السلام کا ان لوگوں سے دردبھرا خطاب،	۶۴۶
بُرے آدمی کی نحوست خود اس کے ساتھ۔ والعیاذ باللہ،	۶۴۷
ایک سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کا ذکر وبیان،	۶۴۷
قومِ صالح کے نو فسادی سرغنوں کا ذکر،	۶۴۷
اصلاحِ احوال کے دشمن گروہ کا ذکر،	۶۴۸
منکرین کی بدبختی کی انتہاء،	۶۴۸
مفسدین کی چال کے مقابلے میں اللہ کی چال،	۶۴۹
درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین،	۶۵۰
علم والوں کے لے بڑی بھاری نشانی،	۶۵۰
نجات دہندہ سب کا اللہ ہی ہے،	۶۵۰
حضرتِ لوطؑ کا اپنی قوم سے دردبھرا خطاب،	۶۵۱
قومِ لوطؑ کے بیہودہ اور متکبرانہ جواب کا ذکر،	۶۵۲
نجات دہندہ سب کا اللہ ہی ہے،	۶۵۲
سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۶۵۳
مشرکوں کے دلوں پر ایک دستک،	۶۵۳
نباتات میں غور وفکر کی دعوت،	۶۵۴
بچھونہ ارضی میں غور وفکر کی دعوت وتحریک،	۶۵۵
پانی کے دو عظیم الشان اور بے مثل ذخیروں کا انتظام،	۶۵۵
منبع شر وفساد کی نشاندہی،	۶۵۵

عنوانات	صفحہ
مضطر کی فریاد رسی اسی وحدہ لاشریک کی شان،	۶۵۶
غفلت ولا پرواہی باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۶۵۶
بحر و بر میں راہنمائی کی رحمت وعنایت کا ذکر،	۶۵۷
بارانِ رحمت کے بارے میں غور وفکر کی دعوت،	۶۵۷
ابداءِ خلق اور اعادۂ خلق کے بارے میں دعوتِ غور وفکر،	۶۵۸
مشرکین سے دلیل کا مطالبہ،	۶۵۸
غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا،	۶۵۹
غیر اللہ کیلئے غیب دانی کے دعویداروں کیلئے ایک تازیانہ،	۶۶۰
﴿اِدّارک علمهم﴾ کا معنی ومطلب؟،	۶۶۱
انکارِ حق کی اصل علت کی نشاندہی،	۶۶۲
منکرین کی بدبختی اور محرومی کا ایک نمونہ،	۶۶۳
درس عبرت لینے کی تعلیم وتلقین،	۶۶۳
پیغمبر کو تسلیہ وتسکین کی تلقین،	۶۶۳
منکرین کے لئے تنبیہ وتحذیر،	۶۶۴
عذاب کیلئے جلد بازی باعثِ تعجب وافسوس،	۶۶۴
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۶۶۵
قرآن حکیم کے ایک احسان عظیم کا ذکر وبیان،	۶۶۵
قرآنِ حکیم سے استفادے کیلئے اولین شرط ایمان،	۶۶۶
رب کے آخری اور عملی فیصلے کی تذکیر و یاد دہانی،	۶۶۶
مُردوں کو سنانا کسی کے بس میں نہیں،	۶۶۷
﴿دابة الارض﴾ سے مقصود ومراد؟	۶۶۸
منکرین کیلئے جانور کے ذریعے اِتمامِ حجت،	۶۶۸
روزِ حشر کی تذکیر و یاد دہانی،	۶۶۹
تکذیبِ حق کے مجرموں سے ایک سوال،	۶۶۹
دن اور رات کے ادلنے بدلنے میں سامانِ غور وفکر،	۶۷۰

عنوانات	صفحہ
ہولِ قیامت کی تذکیر و یاد دہانی،	۶۷۱
ہولِ قیامت کی شدت کی تصویر،	۶۷۱
قیامت کے روز پہاڑوں کا حال،	۶۷۲
نیکی کے کئی گنا اجر وثواب کا وعدہ وبشارت،	۶۷۳
بُروں کے بُرے انجام کا ذکر وبیان۔ والعیاذ باللہ،	۶۷۳
پیغمبر کے مبارک مشن کی وضاحت،	۶۷۴
رب کی فرمانبرداری کا حکم وارشاد،	۶۷۴
پیغمبر کا کام انذار وتبلیغ اور بس،	۶۷۵
سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے،	۶۷۵
غافل لوگوں کے لئے آخری تنبیہ،	۶۷۵

سورۃ القصص (۲۸)

عنوانات	صفحہ
قرآنِ حکیم کی عظمتِ شان،	۶۷۷
قصہ موسیٰ وفرعون کا ذکر عبرت گیری کیلئے،	۶۷۷
ایمان صلاح وفلاح کی اصل بنیاد،	۶۷۸
فرعون کی سرکشی کا ذکر وبیان،	۶۷۸
"لڑاؤ اور حکومت کرو" کی فرعونی سیاست کا نمونہ ومظہر،	۶۷۸
فرعون کے بنی اسرائیل پر ہولناک مظالم کا ذکر وبیان،	۶۷۹
بنی اسرائیل کو پیشوا بنانے کا خدائی فیصلہ،	۶۷۹
فرعونی تدبیر اور اسکے مقابلے میں خدائی تقدیر،	۶۸۰
امِ موسیٰ کی وحی والہام کا ذکر وبیان،	۶۸۰
موسیٰ کی پرورش کا محیر العقول غیبی انتظام،	۶۸۱
فرعونیوں کی مت ماری کا ذکر وبیان،	۶۸۲
فرعون کی بیوی کی رحمدلی کا ایک مظہر،	۶۸۲
امِ موسیٰ کی بے قراری کا ذکر وبیان،	۶۸۳
اللہ تعالیٰ کی کارسازی کا ایک اور مظہر اور نمونہ،	۶۸۴

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
جہالت و بے علمی خرابیوں اور محرومیوں کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ،	۶۸۵	حضرتِ موسیٰ کی معجزۂ عصا سے سرفرازی،	۶۹۹
		پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل،	۷۰۰
﴿اشد﴾ اور ﴿استوی﴾ کا معنی و مطلب؟،	۶۸۵	اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کو تسلی،	۷۰۰
حکم اور علم سے مقصود و مراد؟	۶۸۶	حضرتِ موسیٰ کے لئے ید بیضا کا معجزہ،	۷۰۱
غفلت کے وقت سے مراد؟	۶۸۶	خوف کو رفع کرنے کا طریقے کی ہدایت،	۷۰۱
دو آدمیوں کی لڑائی کے قصے کا ذکر،	۶۸۷	حضرتِ موسیٰ کے لئے دو سندوں کا ذکر و بیان،	۷۰۲
حکمت موسوی کا ایک نمونہ و مظہر،	۶۸۷	راہِ حق میں معاون و مددگار کیلئے دعاء و درخواست،	۷۰۲
حضرتِ موسیٰ کی دعاءِ مغفرت کا ذکر و بیان،	۶۸۸	حضرتِ موسیٰ کو دعاء کی قبولیت کا مژدہ،	۷۰۳
اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کا حوالہ و ذکر،	۶۸۸	فرعونیوں کے کفر و انکار کا ذکر،	۷۰۳
حضرتِ موسیٰ کے عہد و پیمان کا ذکر،	۶۸۹	منکرین کی طرف سے دعوتِ حق پر اظہارِ تعجب،	۷۰۴
قتلِ قبطی کے رازِ سربستہ کا افشاء،	۶۹۰	ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے،	۷۰۵
فرعونی دربار میں حضرتِ موسیٰ کے قتل کے مشورے،	۶۹۰	فرعونی ذہنیت کا ایک نمونہ و مظہر،	۷۰۵
حضرتِ موسیٰ کی دعاءِ نجات کا ذکر و بیان،	۶۹۱	فرعون اور اس کے لشکروں کے ہولناک انجام کا ذکر،	۷۰۷
راہئ حق کے لئے ایک اہم اور بنیادی درس،	۶۹۲	منکرینِ حق دوزخیوں کے امام و پیشوا۔ والعیاذ باللہ،	۷۰۸
رب سے راہنمائی کی امید و درخواست کا درس،	۶۹۲	کتابِ الٰہی بصیرتوں کا سامان اور ہدایت و رحمت کا ذریعہ،	۷۰۸
جذبۂ ہمدردی و خیر خواہی کا ایک نمونہ و مظہر،	۶۹۲	پیغمبر ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے،	۷۰۹
بیانِ عذر اور ازالہ سوءِ ظن،	۶۹۳	شرف رسالت سے نوازنا اللہ تعالیٰ کی صفت و شان،	۷۱۰
پیغمبر کا جذبۂ خیر خواہی و خدمتِ خلق،	۶۹۳	پیغمبر کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی،	۷۱۰
اپنے رب سے خیر کی دعاء و درخواست کا درس،	۶۹۴	پیغمبر کی بعثت کا بڑا اور اہم مقصد انذار،	۷۱۱
حضرتِ موسیٰ کیلئے حضرتِ شعیب کے یہاں سے بلاوا،	۶۹۵	رسول کی بعثت اتمام حجت کیلئے،	۷۱۱
حضرتِ موسیٰ کیلئے ایک اہم پیشکش کا ذکر و بیان،	۶۹۶	انسان کی بے قدری اور ناشکری کا ایک نمونہ و مظہر،	۷۱۲
نکاح موسوی کیلئے ایک شرط کا ذکر و بیان،	۶۹۷	منکرین کا پیغمبر پر ایک لچر اور بے معنی اعتراض،	۷۱۳
خوش معاملگی کا وعدہ و یقین دہانی،	۶۹۷	منکرین کے اعتراض کا جواب،	۷۱۳
تکمیلِ مدت کے مرحلے کا ذکر و بیان،	۶۹۸	ماضی کے منکرین کے حق پر اعتراض کا ذکر،	۷۱۴
حضرتِ موسیٰ کے سفر اور نبوت سے سرفرازی کا ذکر،	۶۹۹	منکرین سے قطع حجت کیلئے ایک فیصلہ کن مطالبہ،	۷۱۴

عنوانات	صفحہ
ظالم نورِ حق وہدایت سے محروم۔ والعیاذ باللہ،	۷۱۵
ہدایت کے تسلسل کا ذکر وبیان،	۷۱۶
اہلِ کتاب کے صالح عناصر کے رویے کی تحسین،	۷۱۶
ایمان، سچے لوگوں کے دل کی پکار،	۷۱۷
مؤمنین صادقین کیلئے دوہرے اجر کی بشارت،	۷۱۷
برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی تعلیم وتلقین،	۷۱۸
سلامتی کے بول کو اپنانے کی ہدایت کا ذکر،	۷۱۸
جاہلوں سے الجھاؤ سے احتراز واجتناب کا درس،	۷۱۹
راہِ حق وہدایت پر ڈال دینا پیغمبر کے اختیار میں نہیں،	۷۱۹
منکرین ومشرکین کی مت ماری اور ٹیڑھی منطق کا ایک نمونہ،	۷۲۱
بیت اللہ کی بعض برکات اوران کے تقاضے کا ذکر،	۷۲۱
﴿ثمرات کل شیء﴾ سے مراد؟	۷۲۲
روزی رسانی کے کرم واحسان کا ذکر،	۷۲۳
اکثر لوگ جاہل۔ والعیاذ باللہ،	۷۲۳
دنیاوی مال ودولت پر اترانا ہلاکت وتباہی کا پیش خیمہ،	۷۲۳
درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین،	۷۲۳
سب کچھ اللہ ہی کیلئے، سبحانہ، وتعالیٰ،	۷۲۴
منکروں کی ہلاکت بعثت پیغمبر اور اِتمام حجت کے بعد،	۷۲۴
ہلاکت ظالموں کے لئے۔ والعیاذ باللہ،	۷۲۵
متاعِ دنیا سب فانی اور عارضی،	۷۲۵
عقل سے کام لینے کی تعلیم وتلقین،	۷۲۶
مومنِ صادق کا مقام اوراسکی عظمتِ شان،	۷۲۶
ایمان سے محروم لوگوں کا انجام بد،	۷۲۷
مشرکوں کی تذلیل کا ایک منظر اورایک تحریف کا جواب،	۷۲۷
مشرکوں اوران کے لیڈروں کے درمیان جوتا بازی کا ایک منظر،	۷۲۸
مجرموں کی طرف سے اقرارِ جرم کا ذکر وبیان،	۷۲۹
گمراہ کن لیڈروں کا اپنے پیروؤں کی پرستش کا انکار،	۷۲۹
مشرکوں کی تعجیز وتذلیل کا ایک اور منظر،	۷۳۰
مشرکوں کی تذلیل وتخجیل کے ایک اور منظر کا ذکر،	۷۳۱
ایمان والوں کیلئے فوز وفلاح کی بشارت،	۷۳۱
خلق واختیار حق تعالیٰ ہی کی شان ہے،	۷۳۲
اللہ تعالیٰ کی شانِ تنزیہہ کا ذکر وبیان،	۷۳۲
اِبطالِ شرک علمِ الٰہی کے کمال کی رو سے،	۷۳۳
ہر تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۷۳۴
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۷۳۴
سلسلۂ روز وشب میں سامانِ غور وفکر،	۷۳۵
سلسلۂ روز وشب میں عظیم الشان دلائلِ قدرت وحکمت،	۷۳۶
روزی اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا نتیجہ،	۷۳۶
روزِ قیامت کی تذکیر و یاددہانی اور مشرکوں کو تنبیہ وتذکیر،	۷۳۷
ہرامت سے ایک گواہ لانے کا ذکر،	۷۳۷
مشرکوں سے دلیل کا مطالبہ،	۷۳۸
حق قطعی طور پر اللہ ہی کے لئے ہے،	۷۳۸
قارون اوراسکی سرکشی کی داستانِ عبرت کا بیان،	۷۳۸
قارون کے مال ودولت کا حال،	۷۳۹
اکڑنے اترانے کی ممانعت،	۷۴۰
مال ودولت کا صحیح مصرف اور حقیقی فائدہ،	۷۴۰
اُخروی زندگی کی کامیابی کے لئے فکر وکوشش کا درس،	۷۴۱
زمین میں فساد پھیلانے کی ممانعت،	۷۴۲

عنوانات	صفحہ
قارون کا غرور و تکبر بھرا جواب،	۷۴۲
تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین،	۷۴۳
مجرموں کیلئے ایک تنبیہ و تذکیر،	۷۴۳
قارون کے ایک بڑے جلوس کا ذکر،	۷۴۴
علمِ حقیقی کی روشنی ہی اصل روشنی ہے،	۷۴۵
روزی کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں،	۷۴۶
ابنائے دنیا کی خام خیالی اور زود پشیمانی کا ایک مظہر و نمونہ،	۷۴۶
دارِ آخرت کے حق داروں کا ذکر و بیان،	۷۴۷
انجامِ کار کامیابی پرہیزگاروں ہی کیلئے یعنی ان بندگانِ صدق و صفا کیلئے،	۷۴۷
نیکی کرنے والے کیلئے بہتر بدلے کا وعدہ،	۷۴۷
برائی کا بدلہ برابر برابر،	۷۴۸
لفظِ "معاد" سے مقصود و مراد؟	۷۴۸
نبوت خالص عطیۂ الٰہی اور موہبتِ ربانی،	۷۴۹
دعوتِ حق پر استقامت اور ثابت قدمی کی ہدایت،	۷۵۰
مشرکوں سے احتراز و اجتناب کا حکم و ارشاد،	۷۵۰
معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۷۵۱
کوئی معبود نہیں سوائے اس وحدہ لاشریک کے،	۷۵۱
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف،	۷۵۱
سنتِ ابتلاء و آزمائش کی تذکیر و یاد دہانی،	۷۵۳
ظالموں کیلئے تنبیہ و تذکیر،	۷۵۴
مخلصین کے لئے سامانِ تسلیہ و تسکین،	۷۵۴
ہر کسی کا عمل اس کے اپنے ہی لئے،	۷۵۵
اہلِ ایمان کیلئے کرم و احسان کا وعدہ و خوشخبری،	۷۵۶
خالق کی اطاعت سب سے مقدم اور سب پر فائق،	۷۵۶

عنوانات	صفحہ
مخلوق کی اطاعت مشروط و محدود،	۷۵۷
منافقوں اور کمزور ایمان والوں کا حال،	۷۵۸
اللہ سے کچھ چھپانا ممکن نہیں،	۷۵۸
نورِ ایمان سے محروم لوگوں کی لاپرواہی کا ایک نمونہ و مظہر،	۷۵۹
محروم الایمان لوگوں کیلئے محرومی پر محرومی،	۷۵۹
حضرتِ نوح کی داستانِ عبرت کا حوالہ،	۷۶۰
حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے،	۷۶۰
قصۂ ابراہیم کی تذکیر و یاد دہانی،	۷۶۱
تقویٰ و عبادت فوز و فلاح کی اصل اساس و بنیاد،	۷۶۲
معبودانِ من دون اللہ کی سب بے حقیقتی کا ذکر و بیان،	۷۶۲
شرک و بت پرستی نرا جھوٹ اور افتراء۔ والعیاذ باللہ،	۷۶۳
معبودانِ من دون اللہ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں،	۷۶۳
سب کا رجوع بہر حال اللہ ہی کی طرف،	۷۶۳
رسول کے ذمے تبلیغِ حق ہے اور بس،	۷۶۴
وجودِ خلق اعادۂ خلق کی دلیل و ثبوت،	۷۶۵
اللہ تعالیٰ کی قدرتِ بے پایاں کا حوالہ و ذکر،	۷۶۵
عذاب کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر۔ سبحانہ و تعالیٰ،	۷۶۶
اللہ کے مقابلے میں کوئی مددگار ممکن نہیں،	۷۶۶
کفر و باطل کا نتیجہ و انجام نہایت دردناک و عذاب۔ والعیاذ باللہ،	۷۶۷
حضرتِ ابراہیم کو اپنی قوم کی طرف سے نہایت ہولناک دھمکی،	۷۶۸
اہلِ کفر و باطل کی دوستی و تعلق محض دنیا کیلئے،	۷۶۹
حضرتِ ابراہیم کا اعلانِ ہجرت،	۷۶۹
اللہ کی راہ میں قربانیوں پر عظیم الشان انعامات کی نوازش،	۷۷۰

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
حضرتِ ابراہیم کے ایک خاص انعام کا ذکر،	۷۷۰	کفر و شرک کی راہ فساد فی الارض کی راہ۔ والعیاذ باللہ،	۷۸۰
حضرتِ ابراہیم کیلئے دنیا و آخرت کی سرفرازی،	۷۷۱	تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین،	۷۸۰
حضرتِ لوط کی اپنی قوم کی اخلاقی حس پر چوٹ،	۷۷۱	محض مادی ترقی نجات اور کامیابی کا ذریعہ نہیں بن سکتی،	۷۸۱
قطعِ سبیل سے مقصود و مراد؟	۷۷۲	استکبار ہلاکت و تباہی کا باعث۔ والعیاذ باللہ،	۷۸۲
فسادِ اخلاق کی حد اور انتہاء،	۷۷۲	انکارِ حق کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۷۸۲
حضرتِ لوط کی دعا اپنے رب کے حضور،	۷۷۳		
رحمت اور زحمت دونوں اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں،	۷۷۴	﴿حاصب﴾ کے عذاب کا ذکر و بیان،	۷۸۲
قومِ لوط کی ہلاکت کا کام،	۷۷۴	﴿صیحۃ﴾ کے عذاب کا ذکر۔ والعیاذ باللہ،	۷۸۳
ظلم کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۷۷۵	﴿خسف ارض﴾ کے عذاب کا ذکر۔ والعیاذ باللہ،	۷۸۳
حضرتِ ابراہیم کے لئے تسلیہ و تسکین،	۷۷۵	﴿غرقابی﴾ کے عذاب کا ذکر و بیان۔ والعیاذ باللہ،	۷۸۳
لوط اور ان کے متعلقین کی نجات و حفاظت کا وعدہ،	۷۷۶	انکار و تکذیبِ حق خود اپنی جانوں پر ظلم۔ والعیاذ باللہ،	۷۸۴
لوط کی بیوی کی ہلاکت اور اس میں درس عبرت و بصیرت،	۷۷۶	شرک اور اہلِ شرک کی تمثیل مکڑی کے جالے سے،	۷۸۵
پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل،	۷۷۷	اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اس کے احاطۂ علم کے اعتبار سے،	۷۸۶
آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،	۷۷۸		
قومِ لوط پر ہولناک عذاب نازل کرنے کی خبر،	۷۷۸		
قصۂ شعیب کا حوالہ و ذکر،	۷۷۹	اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزت و حکمت کا حوالہ و ذکر،	۷۸۷

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ

اس نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں

صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا

کر سکو گے؟ موسیٰ نے کہا اگر میں نے اس کے بعد آپ سے کچھ پوچھا تو

تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫

آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ بلاشبہ آپ میری طرف سے معذوری تک پہنچ گئے ۱۱۹ پھر وہ دونوں چل دیئے

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا

یہاں تک کہ جب وہ دونوں پہنچے ایک بستی والوں کے پاس، تو ان سے کھانا مانگا، مگر انہوں نے ان کی

اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ

مہمان نوازی سے انکار کر دیا، اسی اثنا میں انہوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو کہ گرا

يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ

چاہتی تھی، تو اس (بندۂ خدا) نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا ۱۲۰ اس پر موسیٰ پھر بول اٹھے کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کوئی

اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ

اجرت ہی لے لیتے ۱۲۱ اس پر اس شخص نے کہا کہ یہ جدائی کا وقت ہے میرے اور آپ کے درمیان ۱۲۲ اب میں آپ کو

۱۱۹ حضرتِ موسیٰ کی طرف سے آخری موقعہ کی تعیین: ۔ سو حضرتِ موسیٰ نے آخری موقع کی تعیین کرتے ہوئے حضرتِ خضر سے کہا کہ "اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کچھ پوچھا تو آپ مجھے اپنے سے علیحدہ کر دینا" کہ یقیناً ایسی صورت میں آپ میری طرف سے معذوری کو پہنچ گئے۔ یعنی اب مجھے الگ کر دینے پر آپ معذور ہوں گے اور آپ پر کوئی الزام واعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسے میں آپ بھی معذوری کی انتہاء کو پہنچ چکے ہوں گے اور اس کے بعد میں بھی آپ کے ساتھ نہیں چل سکوں گا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقع دینے سے حجت پوری ہو جائے گی اور حضرتِ موسیٰ کا یہ کلام انتہائی ندامت کی بناء پر تھا کہ مجھے اپنی طرف سے پختہ وعدہ کرنے کے باوجود حضرتِ خضر سے اس طرح بار بار پوچھنا پڑ رہا ہے۔ اسی لیے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کی رحمتیں ہوں حضرتِ موسیٰ پر۔ اگر آپ صبر کر لیتے تو کچھ اور عجائب کا اظہار ہو جاتا۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ سو یہاں سے پھر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ ورنہ حضرتِ موسیٰ نہ اس طرح کرتے اور نہ ان کو ایسی

صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑتا۔ بہر کیف دورانِ سفر جب حضرتِ خضر نے ایک لڑکے کو بلا وجہ قتل کر دیا تو حضرتِ موسیٰ اپنی معروف شانِ جلالی اور اپنے عظیم منصبِ مقدس کی بناپر اس کو ٹھنڈے دل سے برداشت نہ کر سکے۔ اور غصے میں بھر کر حضرتِ خضر سے کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ اور معصوم بچے کو بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یونہی قتل کر دیا۔ یقیناً آپ نے ایک بڑی بے جا حرکت کا ارتکاب کیا تو حضرتِ خضر نے آپ کو یاد دلایا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ تو اس پر حضرتِ موسیٰ نے کہا کہ اگر اس کے بعد میں آپ سے اس طرح کا کوئی سوال کروں تو آپ کو حق ہوگا کہ آپ مجھے اپنے سے علیحدہ کر دیں۔ یقیناً اس صورت میں آپ میری طرف سے معذور ہونگے۔

۱۲۰ مکارمِ اَخلاق کا ایک نہایت عمدہ اور بے مثال نمونہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''انہوں نے شہر میں ایک ایسی دیوار کو پایا جو گرا چاہتی تھی تو اس بندۂ خدا نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا''۔ اپنے ہاتھ سے دبا کر۔ اپنی کرامت کے طور پر۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر وغیرہ)۔ اس لئے جمہور مفسرینِ کرام کے نزدیک یہ کام آپ سے خرقِ عادت اور معجزانہ طور پر صادر ہوا۔ (مراغی، ابنِ کثیر اور صفوۃ وغیرہ)۔ اور یوں دوسرا قول اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس کو گرا کر دوبارہ بنایا۔ ابنِ عباس سے دونوں قول مروی ہیں۔ (صفوۃ وغیرہ)۔ والظاهر هو الاول وعليه الجمهور۔ بہر کیف لفظوں میں دونوں کا احتمال موجود ہے اور دونوں میں دو عظیم درس موجود ہیں۔ پہلی صورت میں یہ ایک معجزانہ عمل ہوگا جو خرقِ عادت کے طور پر آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا گیا۔ اور دوسری صورت میں یہ مکارمِ اخلاق اور خدمتِ خلق کا ایک اعلیٰ نمونہ اور نمایاں عملی مظہر ہوگا۔ اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے ان کی مہمانی کرنے اور ان کو کھانا کھلانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اور یہی شان ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی۔ اللہ ہمیں بھی ایسے مکارمِ اخلاق اور خدمتِ خلق کے جذبۂ صادقہ سے نوازے اور سرفراز فرمائے۔ آمین۔ بہر کیف اس ارشادِ ربانی میں ایک طرف تو اس بستی کے ان کمینے لوگوں کی کمینگی اور بخالت کا یہ نمونہ پیش فرمایا گیا ہے کہ وہ حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ خضر جیسے دو عظیم الشان اور مبارک و مسعود مہمانوں کو کھانا دینے کے لیے بھی تیار نہ ہوئے لیکن دوسری طرف حضرتِ خضر نے ان کی اس کمینگی کے باوجود ان کے گاؤں میں پائی جانے والی اس دیوار کو از خود اور یونہی مفت سیدھا کر دیا۔ اور کسی محنت و مزدوری یا اجرت وغیرہ کا کوئی سوال تک نہیں۔ سو یہ مکارمِ اخلاق کا ایک نہایت ہی عمدہ اور بے مثال نمونہ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور محض اپنے کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۱ حضرتِ موسیٰ کا حضرتِ خضر پر پھر اعتراض: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس پر کوئی اجرت ہی لے لیتے تاکہ اس سے ہم اپنے کھانے پینے کا سامان کر لیتے۔ اور ان لوگوں کیلئے بھی ایک درسِ عبرت ہو جاتا جنہوں نے ہمیں ضرورت و طلب اور مانگنے کے باوجود کھانا تک نہ دیا۔ تو آپ نے ایسا کیوں نہ کیا کہ ان بے قدرے اور ناشکرے لوگوں سے کوئی اجرت ہی لے لیتے جو کہ آپ کے اس عمل کا حق بنتا تھا اور جس کے ہم ضرور تمند بھی ہیں۔ اور ایسے بداخلاق لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ان کا کوئی کام مفت کیا جائے۔ سو ظاہر کے اعتبار سے حضرتِ موسیٰ کا سوال و اعتراض بالکل صحیح اور درست تھا۔ لیکن اصل حقیقت اور باطنِ امر کے لحاظ سے حضرتِ خضر کا عمل درست تھا۔ جیسا کہ آگے کشفِ حقیقت کے بعد واضح ہوا۔ سو اس سے یہ اہم اور بنیادی درس ملتا ہے کہ کسی کے بارے میں محض ظاہر کے اعتبار سے کوئی حکم نہیں لگا دینا چاہیے جب تک کہ اصل حقیقت کی پوری طرح چھان بین نہ کر لی جائے اور حقیقتِ حال پوری طرح واضح نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرتِ عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص اپنا کیس لے کر آئے جس کی ایک آنکھ نکلی ہوئی ہو تو بھی تم اس کے

حق میں کوئی فیصلہ مت کرو یہاں تک کہ دوسرے فریق کی بات بھی نہ سن لو۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دوسرا شخص آئے تو اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہوں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ نورِ حق و ہدایت سے سرفراز و مالا مال رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۲ حضرتِ موسیٰ وخضر کی جدائی اور مسئلہ حیاتِ خضر: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس سے حضرتِ موسیٰ اور خضر کی جدائی ہوگئی۔ سو حضرتِ خضر نے حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ "یہ ہمارے درمیان جدائی کا وقت ہے"۔ یعنی جدائی کے جس وقت کے بارے میں ہمارے درمیان بات طے ہوگئی تھی وہ اب آن پہنچا ہے۔ اس لئے اب ہم ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ حضرتِ خضر کی زندگی کے بارے میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ بہت سے اہلِ علم اور صوفیاء کا کہنا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن محققین کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ حضرت خضر بھی عام لوگوں کی طرح اپنے وقت پر وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ ان کے زندہ رہنے کا قول سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۸۱ یعنی ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ﴾ کے مقتضاء کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس ارشادِ ربانی کے مطابق حضرتِ خضر کے لئے اگر وہ زندہ ہوتے یہ ضروری تھا کہ وہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ پر ایمان لاتے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔ اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی بات ثابت نہیں۔ نیز یہ قول اس مشہور حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں حضور نے فرمایا تھا "لَا يَبْقٰى عَلٰى رَاْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ مِنْ لَيْلَتِهٖ تلک" (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ او کما قال علیه الصلوٰة و السلام۔ یعنی آج روئے زمین پر جو لوگ موجود ہیں ایک صدی گزرنے پر ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ جب حضرتِ امام بخاری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ سے کسی نے حضرتِ الیاس اور خضر۔ علیہما السلام۔ کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ زندہ ہیں؟ تو آپؒ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ کس طرح زندہ ہو سکتے ہیں جبکہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اپنی وفات سے کچھ ہی قبل یہ ارشاد فرمایا تھا۔ پھر آپ نے یہی حدیث پیش فرمائی۔ نیز قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۳۴) یعنی "آپ سے قبل۔ اے پیغمبر!۔ ہم نے کسی بھی انسان کو خلود و دوام کی زندگی نہیں بخشی" سو حیاتِ خضر کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے اور دونوں قول اہلِ علم کے یہاں پائے جاتے ہیں مگر محققین کا قول یہ ہے کہ وہ اب زندہ نہیں۔ بلکہ عام انسانوں کی طرح وہ بھی اپنے وقت پر انتقال فرما گئے۔ اور یہی قول ہمارے نزدیک بھی راجح ہے۔ اور جن احادیث و روایات میں ان کی زندگی و بقا کا ذکر و ثبوت ملتا ہے وہ ضعیف الاسناد اور کمزور ہیں۔ جیسا کہ محقق ابنِ کثیر۔ رحمہ اللہ۔ وغیرہ حضرات نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں اس بارے فرمایا کہ ایسی روایات میں کوئی بھی صحیح نہیں۔ نیز آپؒ نے تاریخ البدایہ والنہایہ میں ایسی تمام احادیث و روایات کو جمع کرنے کے بعد کہا کہ ان میں جو احادیث و روایات مرفوعاً بیان کی جاتی ہیں وہ سب نہایت ضعیف ہیں۔ اور اس حد تک کہ وہ سند نہیں بن سکتیں اور ان سے استدلال صحیح نہیں۔ اور علامہ ابوالفرج ابن الجوزی۔ رحمہ اللہ۔ نے تو اپنی کتاب "عجالۃ المنتظر فی شرح حالۃ الخضر" میں ایسی تمام روایات کے بارے میں فرمایا کہ یہ تمام موضوع اور من گھڑت ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور آپؒ نے علم جرح و تعدیل کے اصول کے مطابق ان تمام روایات اور ان کی اسانید کی پورے علمی انداز میں چھانٹ پھٹک کی۔ رہ گئیں صوفیائے کرام کی حکایات و روایات اور ان کے قصص و مکاشفات تو وہ شرعی طور پر سند نہیں بن سکتیں۔ والعلم عند اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ (روح، قرطبی، ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، جواہر القرآن، اضواء البیان وغیرہ وغیرہ)۔ والحمد للہ تبارک وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین

بِنَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِیْنَةُ

حقیقت بتائے دیتا ہوں ان سب چیزوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا، سو وہ کشتی جو تھی،

فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ

(اس کا معاملہ یہ تھا کہ) وہ کچھ غریب لوگوں کی تھی جو (اس کے ذریعے) اس سمندر میں محنت مزدوری کرتے تھے، تو

اَعِیْبَهَا وَکَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَةٍ

میں نے چاہا کہ میں اسے عیب دار کر دوں، کیونکہ ان کے آگے ۱۲۳ ایک ایسا (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی

غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ

چھین لیتا تھا، رہا وہ لڑکا تو (اس کا قصہ یہ تھا کہ) اس کے والدین ایماندار تھے،

فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ

تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ (بڑا ہو کر) ان کو بھی سرکشی اور کفر میں مبتلا نہ کر دے، تو ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں

۱۲۳ لفظ وراء کا معنیٰ و مطلب؟: - لفظ وراء ویسے تو اضداد میں سے ہے۔ یعنی اس کے معنیٰ ''امام'' یعنی ''آگے'' کے بھی آتے ہیں اور ''خلف'' ''پیچھے'' کے بھی۔ (مدارک وغیرہ)۔ مگر یہاں پر عام طور پر حضرات مفسرین کرام نے اس کو ''امام'' یعنی ''آگے'' کے معنیٰ میں ہی لیا ہے۔ یعنی ان مسکینوں کے آگے جدھر یہ جا رہے تھے ایک ایسا ظالم بادشاہ تھا جو اپنی کسی جنگی مہم کے لیے یا یوں ہی ظلم کی بنا پر ایسی ہر کشتی کو چھین لیتا تھا جو کہ صحیح و سالم ہوتی تھی۔ تو اس بناء پر حضرتِ خضر نے ان کی کشتی کا پھٹہ اکھاڑ دیا تاکہ ان کی وہ کشتی جو کہ ان مسکینوں کا واحد ذریعہ معاش تھی اس ظالم کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اور اس طرح یہ لوگ اسکے ظلم سے بچ جائیں اور اپنے اس ذریعہ معاش سے محروم نہ ہو جائیں۔ بعد میں اس میں یہ لوگ وہ پھٹہ خود ہی لگا دیں گے۔ اس طرح حضرتِ خضر نے ان کے ساتھ ایک بڑی نیکی کی تھی اور ان مسکینوں کی اس کشتی کا پھٹہ نکال کر اس کو ناکارہ اور بے کار بنا دینے کے اپنے فعل کی وجہ بیان کر کے اصل حقیقت کو ظاہر کر دیا۔ سو اس سے یہ درسِ عظیم ملتا ہے کہ اگر دنیا میں مسکینوں غریبوں اور نیک لوگوں کو کوئی مالی یا معاشی نقصان پہنچتا ہے تو اس نقصان کے اندر اُن ہی کا کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو چاہیے کہ اس پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہیں۔ اور اس بات کا یقین رکھیں کہ حق تعالیٰ کا کوئی فیصلہ بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن اس کی ان حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ کرنا کسی بشر کے لیے ممکن نہیں۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الٰی سواء السبیل - سبحانہٗ و تعالیٰ - اللہ ہمیشہ فکر و نظر اور عقیدہ و عمل کی صحیح راہ پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین یا ربّ العالمین -

أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَوٰةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

اس کے بدلے میں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو، اور محبت میں بھی اس سے کہیں بڑھ کر ہو، ۱۲۴

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ

رہی وہ دیوار تو (اس کا معاملہ بھی یہ تھا کہ) وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اس کے

تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ج فَأَرَادَ رَبُّكَ

نیچے ان کا ایک خزانہ مدفون تھا، اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، ۱۲۵ اس لئے تمہارے رب نے

أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا ق رَحْمَةً مِّن

کہ وہ دونوں (جوان ہو کر) اپنی قوتوں کو پہنچ جائیں، اور اپنا دفینہ خود نکال لیں، محض اپنی مہربانی سے چاہا

رَّبِّكَ ج وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ط ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ

اور یہ (سب کچھ) میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا، ۱۲۶ سو یہ ہے حقیقت ان سب باتوں کی جن پر آپ سے

تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ ع ط وَيَسْأَلُونَكَ عَن ذِي الْقَرْنَيْنِ ط

صبر نہ ہو سکا، اور پوچھتے ہیں یہ لوگ آپ سے (اے پیغمبر!) ذوالقرنین کے بارے میں،

۱۲۴ **بے قصور لڑکے کے قتل کی حکمت کا ذکر و بیان:** سو اس بارے خضر نے کہا کہ "اس لڑکے کے ماں باپ نیک تھے۔ اور ہمیں خدشہ ہوا کہ کہیں یہ لڑکا بڑا ہو کر انکو کفر میں نہ ڈال دے۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان کو اس سے کوئی بہتر بچہ دے دے"۔ یعنی ایسا بچہ جو کہ کفر و شرک وغیرہ کی تمام آلائشوں سے بھی پاک و صاف ہو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھی محبت و پیار اور حسنِ سلوک سے پیش آنے والا ہو۔ چنانچہ بعد میں ایسے ہی ہوا کہ بعض روایات کے مطابق ان کے یہاں ایک نیک ایماندار بچہ پیدا ہوا۔ اور بعض کے مطابق ان کے یہاں ایک ایسی پاکیزہ بچی نے جنم لیا جس سے آگے ایک نبی اور اسکی نسل میں آگے کئی نبی پیدا ہوئے۔ (روح، ابنِ کثیر، مدارک وغیرہ)۔ اور ان سے آگے اللہ ہی جانے کتنی ہی مخلوق مستفید و فیضیاب ہوئی ہوگی۔ سو مومنِ صادق کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی قضا پر راضی رہے۔ اور یہ کہ اس کے لئے انجام کار بہتری اسی میں ہوگی خواہ اس کو سمجھ آئے یا نہ آئے۔ نیز یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح فرما دی گئی کہ بچوں کی نعمت سے نوازنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور اسی کی صفت ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور جب حضرتِ موسیٰ اور خضر جیسی عظیم الشان اور جلیل القدر ہستیاں بھی کسی کو اولاد دینے کی مجاز نہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو اس کا اختیار رکھتا ہو۔ سو غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے

ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا فلاں فلاں ہستیاں بھی بچے دے سکتی ہیں۔ اور اس بناء پر وہ طرح طرح کی قبروں اور آستانوں کے پھیرے لگاتے، چکر کاٹتے اور طرح طرح کے شرکیہ اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور راہِ حق و ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

۱۲۵ دیوار کی اصلاح و مرمت کی حکمت کا ذکر و بیان: - سو اس بارے حضرتِ خضر نے کہا کہ "وہ دیوار اس شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اور اس کے نیچے ان دونوں کا ایک خزانہ مدفون تھا۔ اور ان دونوں کا باپ ایک نیک شخص تھا"۔ ظاہر اور متبادر تو اس سے یہی ہے کہ اس باپ سے مراد ان کا حقیقی باپ تھا۔ اور اسی نے یہ خزانہ دفن کیا تھا۔ جیسا کہ بعض علماء نے کہا۔ مگر بعض روایات کے مطابق یہ شخص ان کا دور کا باپ اور ان کا جدِ امجد تھا۔ جس کی ساتویں پشت میں یہ لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ اور بعض میں دسویں پشت کہا گیا ہے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی نیکی اور ان کی صالحیت ان کی اولاد کے کام آتی ہے اگرچہ اتنی دور جا کر ہو۔ (ابن کثیر، فتح القدیر، کبیر اور جامع البیان وغیرہ)۔ اور اسی سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ماں باپ کے برے اعمال کے نتائج بھی بعض اوقات بلکہ بسا اوقات انکی اولاد کو بھی بھگتنا پڑتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ زنا ایک قرض ہے جو آدمی کو یا پھر آگے اسکی اولاد کو چکانا ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور یہ بھی ایک طبعی اور منطقی امر ہے کہ انسان اچھائی یا برائی کا جو بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ دراصل اپنے عمل سے ایک پودا لگاتا ہے۔ خیر کا پودا خیر ہوگا اور شر کا پودا شر۔ اور پودے آگے پھل دینے کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی پودا دو تین ماہ میں پھل دیتا ہے، کوئی پانچ چھ ماہ میں، کوئی سال دو سال میں اور کوئی پچاس ساٹھ سالوں میں وغیرہ وغیرہ۔ پس انسان اپنے عمل کے پودے کا پھل کبھی خود کھائے گا، کبھی اسکی اولاد کھائے گی اور کبھی اسکی آگے والی نسلیں۔ سو نیکی کا نتیجہ و انجام بہر حال نیک ہے اور برائی کا برا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۶ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں: - سو حضرت خضر نے ان رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھانے کے بعد صاف اور صریح طور پر کہا کہ "یہ سب کچھ میں نے اپنی طرف سے نہیں کیا"۔ بلکہ اپنے خالق و مالک کے حکم و ارشاد کے مطابق ہی کیا ہے۔ کیونکہ محض اپنی رائے سے کسی کے جان و مال میں ہاتھ ڈالنا جائز نہیں ہوسکتا۔ پس نہ میں عالمِ غیب ہوں اور نہ مختارِ کل۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کے حکم کا پابند ہوں۔ اسکی طرف سے جب اور جو حکم ملتا ہے میں اسی کی پابندی کرتا ہوں اور بس۔ پس اس سے اہلِ بدعت اور ان کے بڑے تحریف پسندوں کی خود ساختہ منطق کی ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ بہر کیف اس سے خضر نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اسی کے حکم و ارشاد سے تھا۔ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔ اور پھر حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ صحیح بخاری میں ہمام عن ابی ہریرۃ کی سند سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ خضر کو خضر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خشک زمین پر بیٹھتے تو وہ سبزے سے لہلہا اٹھتی (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہر کیف حضرت خضر نے تصریح کر دی کہ ان میں سے کوئی بھی کام میں نے محض اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد سے تھا کہ سب کچھ اسی وحدہٗ لا شریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ کہ خالق و مالک سب کا وہی وحدہٗ لا شریک ہے، سبحانہٗ و تعالیٰ

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي

تو (ان سے) کہو کہ میں تم کو سنائے دیتا ہوں اس کا کچھ حال، ۱۲۷ بلاشبہ ہم نے اس کو زمین میں

الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَاَتْبَعَ

بڑا اقتدار بخشا تھا اور اس کو (ضرورت کے مطابق) ہر قسم کے ساز و سامان سے نوازا تھا ۱۲۸ تو اس نے

سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ

(پہلے مغرب کی طرف) ایک مہم کا سامان کیا، ۱۳۰ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے ڈوبنے کے مقام تک پہنچ گیا، تو اس نے دیکھا کہ وہ

فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا

ڈوب رہا ہے ایک سیاہ چشمے میں ۱۲۹ اور وہاں اسے ایک قوم ملی، (تو اس کے بارے میں) ہم نے

الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ

اس سے کہا اے ذوالقرنین، تم یہ بھی کر سکتے ہو کہ ان کو سزا دو اور یہ بھی کہ ان سے نیک

۱۲۷ قصۂ ذوالقرنین کا کچھ ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ میں اس کا کچھ حال تم لوگوں کو سنا دیتا ہوں۔ نہ کہ سب کا سب اور پورا قصہ۔ کیونکہ قرآنِ حکیم کوئی قصوں کہانیوں یا تاریخ وجغرافیہ کی کتاب نہیں کہ پورا قصہ بیان کرے۔ بلکہ یہ کتابِ عظیم کتاب ہدایت ہے۔ جس کا اصل مقصد بندوں کو راہِ راست سے نوازنا اور ان کو اپنے خالق و مالک سے ملانا ہے۔ اس لئے اس میں قصے کا صرف وہی حصہ بیان کیا جاتا ہے جو کہ اس کے موضوع سے مطابقت رکھتا ہو۔ اور اس اعتبار سے ضروری و مفید ہو۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ اس ذوالقرنین سے مراد یونان کا وہ سکندر نہیں جس کو سکندرِ مقدونی اور سکندرِ رومی بھی کہتے ہیں۔ اور جس نے فارس کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان پر بھی حملہ کیا تھا۔ اور وہ دارا کو قتل کر کے اس کے ملک پر قابض ہو گیا تھا۔ جس کا گزر تین سو سال قبل مسیح میں ہوا تھا اور اس نے اسکندریہ کا شہر آباد کیا تھا۔ سو قرآنِ حکیم میں مذکور ذوالقرنین سے مراد یہ سکندرِ مقدونی نہیں۔ جیسا کہ کئی اہلِ علم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ سکندر مشرک اور آتش پرست انسان تھا۔ جبکہ قرآنِ حکیم میں مذکور سکندر ایک نیک شخص اور صالح مومن تھا۔ بلکہ بعض نے اس کو نبی بھی قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس سے مراد وہ دوسرا سکندر ذوالقرنین ہے۔ جو کہ سکندرِ مقدونی سے بھی کوئی دو ہزار سال قبل حضرتِ ابراہیم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے زمانے میں گزرا۔ جس نے روایات کے مطابق حضرتِ ابراہیم کے ساتھ بیت اللہ کا طواف بھی کیا تھا۔ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر اور اپنی تاریخ

البدایہ والنہایہ میں اس بات کو بڑے پُر وثوق طریقے سے بیان فرمایا ہے۔ قرطبیؒ نے بھی سہیلی سے یہی نقل کیا ہے۔ سو اخبار و روایات کی روشنی میں ظاہر یہی ہے کہ ذوالقرنین دو تھے۔ ایک حضرتِ ابراہیم کے زمانے میں - اور وہی یہاں مراد ہے - اور دوسرا حضرتِ عیسٰی کے قریب کے زمانے میں۔ (کبیر، قرطبی، جامع البیان، فتح القدیر اور معارف القرآن وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین

۱۱۸ ذوالقرنین کے لیے ضروری وسائل کی فراہمی کا ذکروبیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم نے اس کو زمین میں بڑا اقتدار بخشا تھا اور اس کو ہر قسم کے سامان سے نوازا تھا۔ یعنی ان ذرائع و وسائل کی فراہمی جو نظامِ مملکت کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم نے اسکو ضرورت کے مطابق ہر قسم کے سامان سے نوازا تھا''۔ یعنی ﴿کل شیء﴾ کا عموم اپنے ظاہر پر نہیں۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسکو دنیا بھر کی ہر چیز دی گئی تھی کہ ایسا نہ تھا اور نہ ہی یہ ممکن ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد صرف وہ چیزیں ہیں جن کی سکندر کو اپنی حکمرانی کے لئے ضرورت تھی۔ اور یہی بلاغت کا ایک معروف ضابطہ و اصول اور اسلوب بھی ہے اور عقل و نقل کا تقاضا بھی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے ''عُمُومُ کُلِّ شَیْءٍ مَا یُنَاسِبُہ'' یعنی ''ہر چیز کے عموم سے مراد وہی مفہوم ہوتا ہے جو اسکے مناسب ہو''۔ سو حضرت ذوالقرنین کو اپنی حکومت چلانے اور اپنی فتوحات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے جس علم و حکمت، زور و قوت، اسبابِ اقتصاد و معیشت اور سامانِ حرب و ضرب وغیرہ کی ضرورت تھی وہ سب ہم نے ان کو بہم پہنچا دیا تھا۔ اور ان کو اپنی قدرت و عنایت کی بناء پر اس سے نواز دیا تھا۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ اور حضراتِ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس کو ذوالقرنین اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ظاہری اعتبار سے دنیا کے دونوں کونوں یعنی مشرق و مغرب تک پہنچ گیا تھا۔ اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی دنیا کا فرمانروا اور بادشاہ بن گیا۔ اور ظاہری اور باطنی دونوں علوم کی روشنی سے منور و مالا مال ہوگیا۔ (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۷۲ وعمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۳۲۷ وغیرہ)۔ والحمدللہ جل وعلا فانہ ہو الوہاب سبحانہ وتعالیٰ -

۱۱۹ ذوالقرنین کی مغربی مہم کا ذکر: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس نے اپنی فتوحات کے سلسلے میں ''پہلے مغربی سمت کا رخ کیا یہاں تک کہ وہ سورج ڈوبنے کی جگہ تک پہنچ گیا اور اس نے سورج کو دیکھا کہ وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ چشمے میں''۔ یعنی وہاں چونکہ خشکی ختم ہوگئی تھی اور آگے پانی ہی کا ڈل تھا۔ اس لئے ظاہری طور پر دیکھنے میں یونہی لگ رہا تھا جیسا کہ سورج پانی کے دلدل میں ڈوب رہا ہے۔ جیسا کہ آج بھی سمندری سفر کے دوران نظر آتا ہے کہ سورج پانی کے اندر ڈوب رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں ایسے نہیں ہوتا۔ سو ذوالقرنین مغرب کی طرف سفر کرتے کرتے زمین کے اس آخری کنارے پہنچ گیا جہاں اسکے بعد اور کوئی زمین اور آبادی نہیں تھی۔ بلکہ آگے پانی ہی پانی تھا۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ سو وہ چلتے چلتے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں تک انسانی قدم اس زمانے میں پہنچ سکتے تھے۔ اس کے آگے سمندر ہی سمندر تھا۔ سو یہ سکندر کی مغربی فتوحات کا آخری کنارہ تھا۔ جہاں وہ اپنی مہمات کے نئے مرحلے میں پہنچا اور اپنی ایک نئی ہم کو سر کیا۔

حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ

سلوک کرو، ف۱۳۰ اس نے عرض کیا کہ ان میں سے جس نے ظلم کیا و۱۳۱ تو اسے تو ہم ضرور سزا دیں گے، پھر اس کو

اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ

لوٹایا جائے گا اس کے رب کی طرف، تب تو وہ ان کو اور بھی سخت سزا دے گا، و۱۳۲ اور جو کوئی ایمان لا کر

عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ

نیک عمل کرے گا تو اسے بہر حال اچھا بدلہ ملے گا اور ہم بھی اس سے اپنے معاملے میں

اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ؕ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ

آسان (اور نرم) بات کہیں گے و۱۳۳ پھر اس نے ایک (دوسری مہم کے لئے) اور ساماں کیا، یہاں تک کہ جب وہ طلوع آفتاب کے

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ

مقام کو پہنچ گیا، تو وہاں اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا، جس کے لئے ہم نے سورج کے ادھر

۱۳۰ سکندر کے کامل اقتدار اور مکمل کنٹرول کا ذکر و بیان: -- سو قلنا کا لفظ یہاں پر صورتِ حال کی عکاسی اور رویے کی تعبیر کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے۔ یعنی سکندر کی اس فتح کے نتیجے میں جو قوم اسکی رعایا بنی اور اس کے قبضے میں آئی اس کو ہم نے اس طرح ان کے قدموں میں ڈال دیا اور اس کو ان پر ایسا مکمل اختیار و اقتدار اور پورا کنٹرول دے دیا کہ وہ چاہے تو ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کے ساتھ احسان کرے۔ بہر کیف سکندر کو وہاں کی اس قوم کو عذاب دینے اور حسنِ سلوک سے کام لینے کی دونوں صورتوں کا اختیار دیا گیا۔ یعنی اس سے کہا گیا کہ یہ دونوں باتیں تمہارے اختیار میں ہیں۔ تم ان دونوں میں سے جو چاہو کر سکتے ہو۔ خواہ ان کو قتل و قید کرو یا احسان اور فدیہ سے کام لو۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ کیونکہ وہ لوگ کافر اور منکر لوگ تھے۔ اور کفار و منکرین کے ساتھ یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں کہ یا تو ان کو ان کے کفر و انکار پر قتل و قید وغیرہ کی سزا دی جائے یا ان سے حسنِ سلوک کرتے ہوئے ان کو فدیہ وغیرہ کے بدلے میں چھوڑ دیا جائے۔ سو حضرتِ سکندر ذوالقرنین کو ان دونوں باتوں میں اختیار دیا گیا۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ یعنی وہاں کی صورتِ حال ایسی اور اس طرح کی تھی کہ سکندر کو اس قوم پر پورا قبضہ اور اقتدار و اختیار حاصل تھا۔ ان کے ساتھ جو سلوک چاہے کرے۔ سو انہوں نے عدل و انصاف کے طریقے ہی کو اپنایا۔

۱۳۱ ظالموں کے لیے سزا کا اعلان و قرار: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ذوالقرنین نے کہا کہ جس نے ظلم کیا اور وہ اپنے کفر و باطل پر اڑا رہا۔ اور حق کو قبول کرنے اور اس کے آگے جھکنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اور وہ بغاوت و سرکشی اور ضلال و اضلال کی

راہ کو ہی اپنائے رکھنا چاہے گا تو اس کو ہم ضرور سزا اور عذاب دیں گے۔ یعنی ذوالقرنین نے عدل وانصاف کی راہ کو اپنایا۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل اور معارف وغیرہ)۔ اور یہی شان ہوتی ہے عدل وانصاف والے بادشاہوں کی کہ وہ ظلم و بے انصافی کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں اور اچھوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے بھی پورے ہوں۔ اچھائیوں کو فروغ مل سکے اور برائیوں کا قلع قمع ہو سکے۔ بہر کیف ذوالقرنین نے اپنی اس مفتوحہ قوم کے بارے میں کہا کہ میں ان کو ملت ابراہیمی کی دعوت دوں گا تاکہ اس طرح یہ لوگ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز ہو سکیں۔ پس جو لوگ اس سے منہ موڑیں گے ان کو میں ان کے کفروانکار اور ظلم واستکبار کی سخت سزا دوں گا۔ (معارف وغیرہ)۔ اور یہی تقاضا ہے عدل وانصاف کا۔ اور اسی کو ملحوظ رکھنا اصل اور اہم مطلب۔ اور بنیادی مقصد ہے۔

۱۳۲ ظالموں کی اصل سزا ان کے رب کے یہاں: ۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ ظالموں کو اصل سزا ان کے رب کے ہاں ہی ملے گی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ظالموں کیلئے ان کے رب کے یہاں سخت سزا ہے"۔ ایسی سخت کہ اس کی دوسری کوئی نظیر ومثال نہیں ہو سکتی۔ کہ اصل عذاب تو آخرت ہی کا عذاب ہے جو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے ہر باغی اور سرکش انسان کو عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق دیا جائے گا۔ سو ظالموں کو جو دنیا میں عذاب ملتا ہے اسی پر بات ختم نہیں ہو جاتی کہ وہ انکی اصل اور پوری سزا نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ان کے ظلم پر ایک طرح کی تنبیہ اور انکے ظلم کے عذاب کی معمولی قسط ہوتی ہے جو ان کو اس دنیا میں ملتی ہے۔ اصل اور پوری سزا تو بہر حال ان کو آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہاں ہی میں ملے گی جو کہ جزا وسزا کا جہاں ہے۔ اور وہ بڑی ہولناک سزا ہوگی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو پیغام حق وہدایت سے اعراض وانکار اور کفر وشرک پر اصرار دارین کی ہلاکت وتباہی اور محرومی وخسارے کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین

۱۳۳ اصل دولت ایمان ویقین کی دولت: ۔ سو اصل دولت ایمان ویقین کی دولت ہے جو کہ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ سو ذوالقرنین نے ایمان والوں کے ساتھ نرمی کے برتاؤ کا اعلان ووعدہ کیا۔ یعنی پہلے گروہ کے برعکس جن لوگوں نے کفر وسرکشی اور ضلال واِضلال کی بجائے اطاعت وبندگی کا راستہ اختیار کیا، اور انہوں نے صدقِ دل سے ایمان لا کر اعمالِ صالحہ کی راہ کو اپنایا۔ اور اپنے خالق ومالک کی رضاء وخوشنودی کے حصول کو اپنی زندگی کا مقصد ومشن بنایا تو ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے جزائے خیر اور عمدہ بدلہ ہے۔ اور ہم بھی اپنی طرف سے نہ صرف یہ کہ ان پر کوئی سختی نہیں کریں گے بلکہ ان سے ایسی نرم اور آسان بات کہیں گے جو ان کے لئے آسانی اور سہولت کا باعث ہوگی۔ اور ان سے ایسی آسانی کا معاملہ کریں گے کہ اس میں سختی والی کوئی بات نہیں ہوگی۔ سو ایمان وعملِ صالح کی دولت دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ ہے۔ بہر کیف ذوالقرنین نے ایمان والوں کے ساتھ نرم رویہ رکھنے اور نرم پالیسی اختیار کرنے کا وعدہ واعلان کیا اور تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ذوالقرنین اپنی مفتوحہ قوموں کے ساتھ سراپا رحمت وشفقت تھا۔ اور اس نے ان سے بھاری ٹیکس ہٹانے اور خراج کی معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ اور ان آیاتِ کریمات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ مومنِ صادق اور موحد انسان تھا۔ اور تاریخی روایات سے بھی اسکی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ والحمد للہ عزوجل بکل حالٍ مِّن الاحوال

دُونِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذَٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

کوئی آڑ نہیں رکھی تھی، ف۱۳۴ (یہ قصہ) اسی طرح ہے، کہ اس کے پاس جو کچھ بھی تھا ہمیں اس کی پوری خبر ہے، ف۱۳۵

ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِن

پھر اس نے ایک اور ف۱۳۶ (مہم کا) سامان کیا، یہاں تک کہ جب وہ پہنچ گیا دو پہاڑوں کے درمیان تو اسے کچھ

دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوا يَا ذَا

ایسے لوگ ملے جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہ لگتے تھے ف۱۳۷ (پھر شاید کسی ترجمان وغیرہ کے واسطے سے) انہوں نے کہا

الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ

اے ذوالقرنین واقعہ یہ ہے کہ یاجوج ماجوج اس ملک میں بڑا افساد مچاتے ہیں، ف۱۳۸

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ

تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ محصول مقرر کر دیں، اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک

سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي

دیوار بنا دیں؟ اس نے کہا مجھے میرے رب نے جو قدرت دے رکھی ہے وہ بہت ہے اس لئے (مجھے تمہارے چندے وغیرہ کی تو

١٣٤ **ذوالقرنین کی مشرقی مہم کا ذکر و بیان:** - سو اس سے ذوالقرنین کی دوسری مہم اور ایک اور قوم کا ذکر فرمایا گیا اور اسکی یہ مہم مشرقی جانب تھی۔ ﴿سِتْرًا﴾ نکرہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی ان لوگوں کیلئے سورج کی گرمی اور اسکی دھوپ سے بچنے کیلئے کوئی آڑ نہیں تھی کہ نہ ان کے جسموں پر لباس تھے اور نہ ان کے رہنے کو مکان اور نہ ہی درختوں وغیرہ کے سائے جو ان کو سورج کی گرمی وغیرہ سے بچا سکیں۔ بلکہ ان کا حال یہ تھا کہ سورج نکلنے پر وہ زمین کے اندر غاروں میں کہیں چھپ جاتے اور اس کے ڈوبنے پر باہر نکل آتے۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، کشاف، کبیر، مراغی اور صفوۃ وغیرہ)۔ سو اپنی مغربی مہم کی طرح وہ اپنی مشرقی مہم میں بھی اسکی آخری حدود تک پہنچ گیا اور ان کے بارے میں جو یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے درمیان اور سورج کے درمیان کوئی آڑ نہیں تھی تو اس سے اس قوم کے انتہائی وحشی اور غیر متمدن ہونے کی تصویر پیش فرما دی گئی۔ سو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ ایسے وحشی قبائل تھے جو گھر در اور تعمیر و تمدن سے بالکل نا آشنا اور اپنی وحشت کے بالکل ابتدائی دور میں تھے۔ اور بالکل وحشیانہ اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس طرح ذوالقرنین کی آمد ان لوگوں کے لیے باعث خیر و برکت بن گئی - والحمد للہ جل وعلا -

۱۳۵ ہمیں اسکے تمام حالات کی پوری خبر تھی:- کہ زمین وآسمان میں کوئی بھی چیز ہم سے پوشیدہ نہیں۔ ﴿لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ﴾۔ پس جو کچھ ہم نے بیان کیا وہی سچا اور مطابقِ واقعہ ہے۔ سو اس تذییل میں اس طرف اشارہ فرما دیا گیا کہ ذوالقرنین کے پاس اسباب ووسائل اور ساز وسامان وغیرہ کا بہت کچھ ذخیرہ موجود تھا۔ اتنا کہ اسکا احاطہ ہمارے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ نیز اس ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ ذو القرنین کو جو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں وہ سب اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کے فضل وکرم اور اسی کے اِنعام واحسان سے حاصل ہوئیں۔ سو فرمایا گیا کہ اس وسیع اقتدار اور عظیم الشان امانت کو سنبھالنے کے لیے جس عالی ظرفی اور عظیم صلاحیتوں کی ضرورت تھی وہ ان کے اندر بدرجہ تمام وکمال موجود تھیں۔ اور ہم ان سے اور ان کی ان تمام صلاحیتوں سے پوری طرح واقف و آگاہ تھے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرتِ مریم کے بارے میں فرمایا گیا۔ ﴿وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾۔ (الانعام:۵۱)

۱۳۶ ذوالقرنین کی تیسری مہم کا ذکر و بیان:- سو اس سے ذوالقرنین کی تیسری مہم کا ذکر فرمایا گیا جو کہ شمال مشرق کی جانب تھی۔ اور اس سے غالباً کاکیشیا کے وہ پہاڑی سلسلے مراد ہیں جو کہ بحیرۂ کیسپین اور بحیرۂ اسود کے درمیان واقع ہیں۔ کہ انہی کے اس طرف یاجوج ماجوج کی آبادی تھی۔ (جامع البیان، فتح القدیر، المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف یہ ذوالقرنین کا تیسرا بڑا سفر اور ایک نئی مہم تھی جس کا ذکر یہاں فرمایا جا رہا ہے۔ اور بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس مہم جو شخص کا آخری بڑا سفر تھا اور اسی کے دوران وہ کسی کھڈ میں گر کر ہلاک ہوگیا۔ اور اسطرح اس کا قصہ تمام ہوگیا۔

۱۳۷ ذوالقرنین کا ایک اور وحشی قوم سے واسطہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہاں اس نے ایک ایسی قوم کو پایا جو کسی بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہ لگتی تھی"۔ کہ ان کی اپنی زبان کچھ اور تھی۔ اور دوسری قوموں کے ساتھ ان کا کوئی ربط وتعلق تھا نہیں کہ ان کی زبان سمجھتے۔ اور اتنی سمجھ بوجھ کے مالک بھی وہ لوگ نہ تھے کہ اشاروں کنایوں سے بات سمجھ سکتے۔ (المراغی، الصفوۃ، ابنِ کثیر، المحاسن وغیرہ)۔ یعنی وہ لوگ بالکل وحشی اور کم عقل لوگ تھے۔ ورنہ عقل کی روشنی سے انسان اشاروں کنایوں سے بھی سمجھ لیتا ہے۔ بہرکیف انہوں نے کسی ترجمان وغیرہ کے ذریعے اپنی بات ذوالقرنین کے سامنے پیش کر دی۔ (المعارف، المراغی وغیرہ)۔ سو یہ ایک اور وحشی قوم تھی جس سے ذوالقرنین کو اپنے اس سفر میں واسطہ پڑا تھا۔ اور اسی مہم کے دوران اس سدِ سکندری کی تعمیر کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر یہاں فرمایا گیا ہے۔ اور جو اسکی تاریخ کا ایک اہم باب تھا۔

۱۳۸ حفاظتی دیوار کی تعمیر کا مطالبہ:- سو ان لوگوں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لیے دیوار بنانے کا مطالبہ کیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے ذوالقرنین سے کہا کہ "بے شک یاجوج ماجوج اس ملک میں بڑا فساد مچاتے ہیں"۔ قتل وخونریزی کر کے اور لوٹ مار کے ذریعے وغیرہ وغیرہ۔ (ابنِ کثیر، مراغی، جامع وغیرہ)۔ اور یہ ایسے فسادی ہیں کہ یہ آدم خور ہیں۔ آدمیوں کو بھی کھا جاتے ہیں اور کھیتوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ (زاد المسیر، المعارف وغیرہ)۔ جس سے ظاہر ہے کہ ہم لوگ بہت ہی تنگ ہیں۔ لہٰذا آپ اس کا کوئی مداوا کر کے ہم پر احسان کیجئے اور ان آدم خور فسادیوں سے ہماری حفاظت کا سامان کیجئے۔ جو ظاہر میں اگرچہ انسانی نسل سے تعلق رکھتے اور انسان ہی کہلاتے ہیں لیکن اپنی درندگی میں وحشی درندوں سے بھی بڑھ کر ہیں اور ہمارے اندر ان کے مقابلے کی ہمت نہیں۔ سو ہم لوگ چندہ کر کے آپ کو کچھ مال دیں گے۔ آپ ازراہِ کرم ومہربانی ان سے حفاظت کے لیے ہمارے لیے ایک دیوار تعمیر کر دیں۔ تاکہ ہم لوگ ان وحشیوں کے حملوں سے مامون ومحفوظ رہ سکیں۔

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ

ضرورت نہیں البتہ) تم لوگ محنت سے میری مدد کرو ف۱۳۹ تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں ف۱۴۰ تم مجھے لوہے کی

ف۱۳۹ **سدِ سکندری کی تعمیر اور اہل بدعت کے ایک مغالطے کا جواب**:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ذوالقرنین نے اسکے جواب میں ان لوگوں سے کہا کہ "تم لوگ اپنی محنت اور مشقت کے ذریعے میری مدد کرو"۔ تاکہ میں تمہارے لیے تمہاری طلب اور درخواست کے مطابق ایسی ایک دیوار بنادوں یعنی تم لوگ جسمانی قوت ومحنت اور رجالِ کار کے ذریعے مدد کرو۔ اہلِ بدعت کے بعض بڑوں نے استعانت بغیر اللہ کے اپنے شرکیہ عقیدے کے لئے اپنی تحریفانہ ذہنیت سے کام لیتے ہوئے اس ارشادِ ربانی۔ ﴿اَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ﴾۔ سے استدلال کی ناکام کوشش کی ہے۔ ﴿فَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾۔ چنانچہ موصوف اس مقام پر اپنے حواشی تفسیریہ۔ بلکہ تحریفیہ۔ میں لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ بندوں سے مانگنا جائز ہے اور یہ۔ ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾۔ کے خلاف نہیں۔ سو یہ موصوف کی محض ایک خوش فہمی اور مغالطہ انگیزی ہے۔ ورنہ ان سے کوئی پوچھے کہ کیا ذوالقرنین نے اس موقعہ پر مُردوں سے یا غیر حاضر ہستیوں سے مدد مانگی تھی؟ یا اپنے سامنے موجود لوگوں سے؟ اور ان کو اسباب ووسائل کے درجے میں ایسا کرنے کو کہا تھا؟ ممنوع ومحذور تو وہ استعانت واستمداد ہے جو مافوق الاسباب ہو۔ جیسے مشرک لوگ مُردوں وغیرہ سے اور مافوق الاسباب طور پر دوسروں سے مانگتے ہیں نہ کہ اسباب ووسائل کے درجے میں کہ اس کے تو کوئی بھی خلاف نہیں کہ یہ دنیا تو ہے ہی "دارالاسباب"۔ الغرض شرکیہ استمداد جو ظاہری اسباب ووسائل کے بغیر ہو اس سے اس آیتِ کریمہ کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اسباب ووسائل کے درجے میں جس مدد واستمداد کا یہاں ذکر ہے اس کا کسی کو بھی انکار نہیں۔ تو پھر یہ آیتِ کریمہ تمہارے مشرکانہ عقائد کی دلیل آخر کس طرح بن سکتی ہے۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ اس قدر بے باکی سے تم لوگ اللہ کے کلام کی تحریف کرتے ہو اور پھر بھی دعوٰی ہے ایمان وتوحید اور عشقِ رسول کا؟ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ عقیدہ وکردار کے ہر انحراف اور زیغ وضلال کی ہر قسم اور ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

ف۱۴۰ **سدِ سکندری اور اس سے متعلق بعض اہم باتوں کا ذکر**:- سو ذوالقرنین نے ان لوگوں سے کہا کہ "تم میری مدد کرو تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں"۔ جس کو پھلانگ کر یاجوج ماجوج تم تک نہ پہنچ سکیں۔ سو یاجوج ماجوج ایک شرپسند اور غارت گر قسم کی قوم تھی۔ سکندر نے اس دیوار کی تعمیر اور بندش کے ذریعے سے جو کہ انہوں نے ان لوگوں کی اپیل پر تعمیر کی تھی یاجوج ماجوج کی اس یورش اور شرانگیزی کو روک دیا۔ اور ان لوگوں کو یاجوج ماجوج کی ان فتنہ سامانیوں سے محفوظ کردیا۔ رہ گئی یہ بات کہ جغرافیائی حدود کے اعتبار سے یہ قوم اور یہ سدِ سکندری کہاں واقع ہے؟ تو اس پر نہ تو آیتِ قرآنی کی تفسیر موقوف ہے اور نہ ہی دینِ متین کا کوئی بنیادی عقیدہ اور ضروری مسئلہ۔ اگر ایسے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بیان فرمادیتا۔ اس لئے صحت وسلامتی کی راہ یہی ہے کہ "اَبْهِمُوْا مَآ اَبْهَمَهُ اللّٰهُ" کے کلیہ کے مطابق اس کو ایسے مبہم ہی رہنے دیا جائے اور خواہ مخواہ کے قیاسات اور ظنون کی بناء پر قائم کردہ کسی رائے کو آیاتِ قرآنیہ کے قطعی مصداق کا درجہ اور یقینی محمل نہ قرار دیا جائے۔ اسی لئے جن لوگوں نے تاتاری فتنہ کو اس کا مصداق قرار دیا صاحب روح المعانی نے ان کو گمراہی کا مرتکب قرار دیا اور فرمایا کہ یہ نصوصِ حدیث کی مخالفت ہے۔ البتہ اگر تاتاری فتنہ کو یاجوج ماجوج کے فتنے کے مشابہ قرار دیا جائے تو یہ درست ہے۔ اور صاحبِ روح المعانی نے بھی اس احتمال واعتبار کو درست مانا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں نے موجودہ روس اور چین کو یاجوج ماجوج

کا مصداق قرار دیا تو اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یہ فتنہ یاجوج وماجوج کے مشابہ یا اس کے ایک نمونے کے طور پر ہے تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اور اس کی تغلیط کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر اس سے ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ یہ اسی فتنہ یاجوج و ماجوج کا مصداق ہے جس کی خبر نصوصِ قرآن وسنت میں علامتِ قیامت کے طور پر دی گئی ہے تو یہ بالکل غلط اور گمراہانہ بات ہے جس سے نصوصِ قرآن وسنت کا انکار لازم آتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ کیونکہ صحیح احادیث کی رو سے یاجوج ماجوج کا یہ خروج حضرتِ عیسی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کے نزول کے بعد اور ان ہی کے زمانے میں ہوگا۔ اور حضرتِ عیسیٰ۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کا نزول ابھی تک نہیں ہوا۔ بلکہ وہ قیامت کے قریب ہوگا اور خدا ہی جانے وہ وقت کب آئے گا۔ اسی طرح سدِ سکندری کے بارے میں بھی قطعیت اور یقین کے ساتھ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ کہاں واقع ہے؟ اور یہ کہ کیا وہ باقی ہے یا نہیں؟ بعید نہیں کہ وہ پہاڑیوں وغیرہ کے گرنے اور باہم مل جانے کی وجہ سے کسی پہاڑی کی شکل اختیار کر چکی ہو اور کوئی صریح اور قطعی قسم کی نص ایسی موجود نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ وہ دیوار قیامت تک جوں کی توں باقی رہے گی۔ اس کے تا قیامِ قیامت باقی رہنے پر بڑا استدلال اس ارشادِ ربانی سے کیا جاتا ہے۔ ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾۔ اور بنیاد اس استدلال کی یہ ہے کہ یہاں پر ﴿وَعْدُ رَبِّیْ﴾ سے مراد قیامت ہے۔ حالانکہ یہ الفاظِ کریمہ اس بارے میں قطعی نہیں۔ بلکہ اس کا صاف اور واضح مفہوم یہ ہے کہ سدِ سکندری کی یہ روک ضروری نہیں کہ قیامت تک ایسے ہی باقی رہے۔ بلکہ حضرتِ حق۔ جل مجدہ۔ جب چاہیں گے اور ان کے علم میں اس کا جو بھی وقت مقرر ہوگا وہ جب آپہنچے گا تو یہ دیوار منہدم ہو جائے گی۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ یہ بالکل قربِ قیامت کے متصل ہو۔ چنانچہ تفسیر بحرِ محیط میں لکھا ہے "وَالْوَعْدُ یَحْتَمِلُ اَنْ یُّرَادَ بِهٖ یَوْمُ الْقِیَامَةِ وَاَنْ یُّرَادَ بِهٖ وَقْتُ خُرُوْجِ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ" (بحوالہ معارف القرآن)۔ دوسرا استدلال اس سلسلے میں مسند احمدؒ و ترمذیؒ کی اس حدیث سے کیا جاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ یاجوج ماجوج اس دیوار کو کھودتے رہتے ہیں مگر "انشاء اللہ" نہ کہنے کی وجہ سے دوسرے روز وہ ویسے ہی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ "انشاء اللہ" کہیں گے تو دوسرے روز اس کو پار کر لیں گے۔ (ملخص)۔ مگر اول تو محققین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابنِ کثیر نے اس کو "معلول" قرار دیا ہے۔ اور دوسرے اس میں بھی اس امر کی کوئی تصریح نہیں کہ جس روز وہ "انشاء اللہ" کی برکت سے اس کو پار کر لیں گے وہ قیامِ قیامت کے متصل ہی ہوگا۔ نیز اس میں اس کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ وہ سب کے سب اسی دیوار کے پیچھے رکے رہیں گے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کی کچھ جماعتیں اور قومیں اس سے پہلے ہی نکل آئیں۔ سو خلاصۂ بحث و بیان یہ ہوا کہ اول تو سدِ سکندری کی پوری تحدید و تعیین مشکل امر ہے کہ اس طرح کی کئی دیواروں کا ذکر و بیان تاریخ و سیر کی کتابوں میں ملتا ہے۔ دوسرے نصوصِ قرآن وسنت سے اس کی بھی کوئی صاف و صریح دلیل نہیں ملتی کہ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ نیز یہ کہ یاجوج ماجوج کا وہ انتہائی خوفناک اور تباہ کن خروج اور حملہ جو انسانی آبادی کو تباہ و برباد کر دے گا وہ تو یقیناً قیامت کے قریب اور اس کے متصل ہی ہوگا جیسا کہ نصوص و روایاتِ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لیکن اس کے چھوٹے اور ابتدائی نوعیت کے نمونے اس سے پہلے بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ فتنۂ تاتار وغیرہ اور سدِ سکندری کے ٹوٹنے اور اس کے ختم ہو جانے یا قیامِ قیامت تک اس کے باقی و برقرار رہنے کے بارے میں قطعیت اور یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دونوں احتمال موجود ہیں۔ (روح، معارف، مراغی، جامع، محاسن وغیرہ)۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَھُوَ اَعْلَمُ بِمُرَادِ كَلَامِهٖ جَلَّ وَعَلَا۔ مزید تفصیل انشاء اللہ اپنی مفصل تفسیر میں اگر قدرت کو منظور ہوا اور اس کا موقع مل سکا۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ فِیْ كُلِّ حِیْنٍ وَّاٰنٍ۔

حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ

چادریں لا کر دو، یہاں تک کہ جب اس نے پاٹ دیا ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کو، تو کہا کہ اب تم آگ دہکاؤ،

حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ ﴿۹۶﴾

یہاں تک کہ جب اسے لال انگارا کر دیا تو اس نے کہا لاؤ اب میں اس پر انڈیلتا ہوں پگھلا ہوا تانبا،

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

سو (اس طرح یہ ایسی عظیم الشان دیوار تیار ہو گئی کہ) یاجوج ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ ہی اس میں نقب لگانا ان کے بس میں تھا

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ

ذوالقرنین نے کہا یہ ایک خاص رحمت ہے میرے رب کی جانب سے و۱۴۱ پھر جب آ جائے گا میرے رب کے وعدے کا وقت و۱۴۲ تو وہ اس سب کو

دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ

پاش پاش کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ بہر حال برحق ہے، اور اس روز ہم ان کو اس حال میں چھوڑ دیں گے

یَوْمَىِٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ

کہ وہ (سمندر کی موجوں کی طرح) ایک دوسرے میں موجیں مار رہے ہوں گے و۱۴۳ اور پھونک مار دی جائے گی صور میں، پھر اکٹھا

۱۴۱ ذوالقرنین کا جذبۂ شکر و تواضع: سو اتنی بڑی اور اس قدر عظیم الشان دیوار بنانے پر تنگ ظرف لوگوں کی طرح ذوالقرنین نے اپنے لیے کسی طرح کی تعلّی یا کسی عُجب و غرور اور بڑائی کا کوئی اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی عاجزی و فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے اس کو اپنے رب کی رحمت و عنایت قرار دیا۔ چنانچہ ذوالقرنین نے کہا کہ "یہ میرے رب کی رحمت ہے"۔ جو اس نے میرے ذریعے اپنے بندوں پر فرمائی ہے۔ اور وہ یاجوج ماجوج کی لوٹ مار سے محفوظ ہو گئے۔ اور اس طرح ذوالقرنین نے اپنے قول و قرار اور اپنی للّٰہیت کا ایک اور ثبوت فراہم کر دیا۔ سو اس میں انہوں نے نہ کسی تعلّی کا اظہار کیا اور نہ ہی کسی طرح کی بڑائی کا کوئی دعویٰ کیا۔ بلکہ کہا تو یہ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کا نتیجہ و ثمرہ ہے جو اس نے محض اپنے کرم سے اپنے بندوں پر فرمائی ہے۔ اور یہی نشانی ہوتی ہے اللہ کے مخلص بندوں کی کہ وہ جو بھی کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے کرتے ہیں۔ اور ہر خوبی کو اسی کی رحمت و عنایت سمجھتے ہیں۔ اور یہی چیز بندے کی شانِ عبدیت و بندگی کے لائق ہے۔ اور اسی میں اس کا بھلا اور

فائدہ ہے دنیا و آخرت میں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل - سوذوالقرنین نے اس دیوار کی تعمیر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ یہ کرشمہ میرے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا اور ایسی عظیم الشان آہنی دیوار کھڑی ہوگئی جس پر چڑھنا یا اس میں نقب لگانا یاجوج ماجوج کے لیے ممکن نہیں رہا - فالحمد للہ جل وعلا بکل حال من الاحوال - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۴۲ سدِ سکندری کے فنا و زوال کا ذکر و بیان: - سوذوالقرنین نے عجز و انکسار کے ساتھ کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور اس کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے کہ یہ عظیم الشان دیوار بن گئی لیکن یہ ابدی نہیں - بلکہ "جب آپہنچے گا میرے رب کے وعدے کا وہ وقت"۔ جو اس نے اس دیوار کے خاتمے اور یاجوج ماجوج کے خروج سے متعلق فرما رکھا ہے اور جس کا علم اسی کو ہے۔ (معارف، خازن، مراغی، جامع اور محاسن وغیرہ)۔ تو اس وقت وہ اس دیوار کو پاش پاش کر دے گا کہ میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ اور اس نے بہرحال پورا ہو کر رہنا ہے۔ سو یہ دیوار ہمیشہ کے لیے ایسی ناقابلِ شکست نہیں رہے گی بلکہ اس کی یہ شان ایک وقت تک کے لیے ہے۔ کیونکہ ذوالقرنین نے جب یہ کہا کہ میرے رب کا وعدۂ حق پورا ہو کر رہے گا اور جب اس کے وعدے کا وہ مقرر وقت آجائے گا تو اللہ اس سب کو پاش پاش کر دے گا۔ اور یہ تمام اونچ نیچ ختم ہو جائے گی۔ یہ سب بلندیاں پست اور یہ تمام تعمیرات مسمار ہو جائیں گی۔ سو اس سے ذکرِ قیامت کی مناسبت پیدا ہوگئی۔ تو اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و عنایت سے سرگشتگانِ دنیا کی تنبیہ و تذکیر کے لیے یہ ارشاد فرمایا اور اس طرح اِنذار کا وہی مضمون جو اس سورۂ کریمہ کے شروع میں ارشاد فرمایا گیا تھا ایک نئے اسلوب کے ساتھ پھر سامنے آگیا جو کہ نظمِ قرآنی کا ایک معروف اسلوب ہے - والحمد للہ - یہاں تک ذوالقرنین کا قصہ پورا ہو گیا۔ اب آگے قیامت کے احوال کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

۱۴۳ فتنۂ یاجوج و ماجوج کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم ان کو اس دن اس طرح چھوڑ دیں گے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے میں موجیں مار رہے ہونگے"۔ اپنی خوفناک کثرت کی بناء پر۔ جس کی تفصیلات احادیث و روایات میں مذکور و موجود ہیں۔ سو اس کا پورا ظہور تو قربِ قیامت کے موقع پر ہی ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ - (الانبیاء: ۹۶)۔ مگر اس سے پہلے جو مختلف فتنے مختلف ادوار میں ظاہر ہوتے رہے ان کو ان کا نمونہ قرار دیا جائے تو یہ کچھ بعید نہیں۔ جیسا کہ کچھ مفسرینِ کرام نے ان وحشی اور جنگجو قوموں اور قبائل کے بارے میں کہا ہے جو کہ کاکیشیا اور قفقاز وغیرہ کے دور دراز علاقوں میں رہتے تھے۔ اور وہ درہ عمر داریال سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے اور میدانی علاقوں میں آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ جس سے وہاں کے لوگ بہت تنگ اور سخت پریشان تھے۔ تو ذوالقرنین نے وہاں دیوار بنا کر ان کا راستہ بند کر دیا تھا۔ (روح المعانی ج ۱۶ ص ۳۶، فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۷ وغیرہ)۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں چنگیز خان ان بلند و بالا پہاڑیوں سے اپنے جرار لشکروں کے ساتھ نکل آیا تو اس نے ایک طرف تو شمالی چین پر قبضہ جما لیا اور دوسری طرف اسلامی ممالک کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے تو اس نے شاہِ خوارزم کو زیر کیا اور اس کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی کہ وہی دراصل چنگیز خان کے اس غیظ و

غضب کو بھڑکانے کا باعث بنا تھا۔ کیونکہ مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس نے چنگیز خان کے کچھ آدمیوں کو قتل کر کے ان کا مال و اسباب ان سے چھین لیا تھا اور ان کے کچھ علاقے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ جس پر چنگیز خان نے غصے سے بپھر کر شاہِ خوارزم کو لکھا کہ تم کو یہ جرات کیسے ہوئی کہ تم میرے آدمیوں پر ہاتھ اٹھاؤ اور ان کا مال و متاع لوٹو۔ کیا تم سوئے ہوئے فتنے کو جگانا چاہتے ہو؟ اور چھپے ہوئے شرور کو ہوا دینا چاہتے ہو؟ تم اپنے پیغمبر کی اس ہدایت کو بھول گئے ہو کہ تم اپنے مالداروں کو بے وقوفی سے روکو اور اپنے غلط کاروں کو کمزوروں پر ظلم کرنے سے باز رکھو۔ اور کیا تمہیں اپنے رہبر کی یہ نصیحت نہیں پہنچی کہ ترکوں سے اس وقت تک نہیں جھگڑنا جب تک کہ وہ تم سے نہ جھگڑیں۔ تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ برا سلوک کرتے ہو جبکہ تمہارے پیغمبر نے تمہیں اس سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے؟ خبردار! جو فتنہ سویا ہوا ہے اس کو مت جگاؤ۔ میری ان نصیحتوں کو کان کھول کر سن لو اور ان کو اچھی طرح یاد کر لو اور نقصان کی تلافی کر لو قبل اس سے کہ انتقام کا داعی تم پر کود پڑے۔ یاجوج ماجوج کو روکنے والی دیوار کھول دی جائے اور وہ تم پر ہر بلند و پست جگہ سے امڈ آئیں۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ) آخر کار ساتویں صدی ہجری کے وسط تک وہ بغداد تک پہنچ گیا جو کہ اسلامی حکومت کا دار الخلافہ تھا اور دورِ حکومت اس وقت المستعصم باللہ کا تھا۔ اس دوران تاتاریوں نے وہ وہ مظالم ڈھائے کہ تاریخ میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ سات دن تک انہوں نے بلا روک ٹوک بے تحاشا لوٹ مار مچائی اور خونریزی کی۔ کتابوں کے ذخائر کو دریا میں ڈال کر ان کا پل بنایا جس کے اوپر سے وہ اپنے گھوڑوں سمیت گزرتے تھے اور جن کی سیاہی سے دریا کا پانی کئی دنوں تک رنگین رہا۔ اور اس طرح صدیوں سے قائم عباسی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق ام المومنین حضرت زینب بنت جحش سے مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سخت گھبراہٹ کے عالم میں تشریف لائے اور فرمایا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه بڑی خرابی ہے عربوں کے لئے اس بڑے اور ہولناک شر سے جو قریب آ لگا ہے'' اور پھر اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے حلقہ بنا کر اشارہ فرمایا کہ یاجوج ماجوج کو روکنے والی دیوار میں اس قدر شگاف پڑ چکا ہے۔ حضرتِ زینبؓ نے عرض کیا کہ حضرت! کیا ہم اس حالت میں بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جبکہ ہمارے درمیان نیک لوگ موجود ہوں گے؟ تو آپ۔ ﷺ۔ نے فرمایا ہاں۔ جبکہ خباثت۔ اور شر۔ زیادہ ہو جائے گا۔ سو جیسا کہ اوپر گزرا کہ اس طرح کے فتنوں اور شر انگیزیوں کو یاجوج ماجوج کے فتنے کا ایک نمونہ یا پیش خیمہ تو کہا جا سکتا ہے مگر یاجوج ماجوج کا وہ بڑا فتنہ جو دنیا کی ایک بڑی آبادی کو تہس نہس کر دے گا اور جس کا تفصیلی ذکر مختلف احادیث میں آیا ہے وہ قربِ قیامت ہی میں ظاہر ہوگا۔ جیسا کہ اوپر حاشیہ نمبر ۱۴۰ میں تفصیل سے گزرا۔ اور آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے اس ارشادِ گرامی کا مطلب کہ سدِ سکندری میں اس قدر سوراخ ہو چکا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کمزور ہو گئی یا ٹوٹنے کے قریب ہو گئی۔ یا یہ کہ اس میں سے کچھ قبائل یاجوج ماجوج وغیرہ کے نکل کر اس طرف آ گئے۔ جیسا کہ تاتاری فتنہ وغیرہ۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ کَلَامِهٖ جَلَّ وَعَلَا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾

کرلائیں گے ہم ان سب کو چن چن کر، ۱۴۴ اور پیش کردیں گے ۱۴۵ ہم اس روز دوزخ کو ان کافروں کے روبرو ۱۴۶

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا

جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا میری یادِ (دلشاد) سے، اور وہ

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ

سننے کے لئے تیار نہ تھے (میری نصیحت کو،) ۱۴۷ تو کیا کافر لوگ پھر بھی یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ

ع ۱۱ ۱۹ ۲

۱۴۴ نفخ صور اور حشر کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس روز صور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم اکٹھا کرلائیں گے ان سب کو چن چن کر"۔ اور اس طور پر کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اس حشر و اجتماع سے بچ سکے یا کہیں مخفی رہ سکے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ - (الکہف: ۴۷)۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے، ایمان لائے یا نہ لائے، حق اور حقیقت بہرکیف یہی اور صرف یہی ہے کہ سب کو اس روز اکٹھا کر کے میدانِ حشر میں لایا جائے گا تاکہ ہر کوئی اپنی زندگی بھر کے کئے کرائے کا بھرپور صلہ و بدلہ پاسکے۔ اسی لئے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے دوسرے مقام پر اس حقیقت کے اعلان و بیان کا ذکر اس طرح تاکیدی طور پر فرمایا جاتا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ - (الواقعۃ: ۴۹-۵۰)۔ یعنی "کہو ان سے اے پیغمبر کہ یقیناً اگلوں پچھلوں سب کو اکٹھا کر کے لایا جائے گا ایک مقرر دن کے وقت پر"۔ سو کس قدر محروم اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس یومِ عظیم سے غافل ہو کر اپنی متاعِ زندگی کی محدود فرصت کو اس کی تیاری میں صرف کرنے کی بجائے یونہی ضائع کر رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز ان سب کو میدانِ حشر میں اکٹھا کر کے لایا جائے گا اور ﴿جمعًا﴾ کی تاکید سے اس حقیقت کو ظاہر فرمادیا گیا کہ صورِ قیامت سب کو جمع کرلے گا۔ چھوٹے اور بڑے عابد اور معبود اور حاضر و غائب سب اس روز یکجا ہونگے۔ کوئی بھی بچ نہ سکے گا۔ سب کو پکڑ کر لایا جائے گا اور حضرت ابن عباس اور ابوسعید سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ میں کیسے چین سے بیٹھوں جبکہ صاحب قرن یعنی صور والے نے اپنے قرن یعنی صور کو اپنے منہ میں لے کر اپنی پیشانی جھکا رکھی ہے اور اپنے کان اللہ کے حکم کی طرف لگا رکھے ہیں کہ کب اللہ کا حکم ملتا ہے تاکہ صور پھونک دوں۔ صحابہ نے عرض کیا ایسے میں ہمیں کیا کہنا چاہیے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم یوں کہا کرو "حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل علی اللّٰہ توکلنا" (ابن کثیر) باقی نفخ صور وغیرہ جیسے امور ان غیبیات اور متشابہات میں سے ہیں جنکی اصل حقیقت کا اس جہانِ رنگ و بو میں سمجھنا ہمارے بس میں نہیں۔ ہمیں تو ایسے تمام حقائق پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہیے جس طرح ان کا ذکر کتاب و سنت میں ہوا ہے اور بس۔ انکی اصل حقیقت اللہ ہی جانے یا جس کو وہ بتائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۴۵ دوزخ کی پیشی کافروں کے لیے: - سو ارشاد فرمایا گیا "اور پیش کردیں گے ہم اس روز دوزخ کو ان کافروں کے سامنے"۔ یعنی ﴿عَرَضْنَا﴾ کا ماضی کا صیغہ یہاں پر مضارع کے معنی میں ہے۔ اور یہ بلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے کہ مستقبل میں ہونے والی کسی شی، کو ماضی کے صیغے سے تعبیر کیا جائے۔ چنانچہ یہاں پر دوزخ کی اس عرض اور پیشی کو "نعرض" وغیرہ جیسے مضارع کے کسی صیغے سے تعبیر کرنے کی بجائے "عرضنا" ماضی کے صیغے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کو بلاغت میں تحقق وقوع سے تعبیر کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ

حقیقت اس قدر قطعی اور ایسی یقینی ہے کہ گویا کہ یہ واقع ہوگئی ہے۔ اور یہ اسلوب دنیا بھر کی ہر زندہ زبان میں پایا جاتا ہے۔ خود ہماری زبان اور ہمارے محاورے میں بھی اسکے نمونے جا بجا ملتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے یہاں جب کوئی کسی سے کہتا ہے کہ اگلے مہینے میرا آدمی آپ کے پاس فلاں کام کیلئے آئے گا تو کیا آپ وہ کام کردیں گے؟ وہ کہتا ہے ہاں کردونگا۔ آپ مزید اطمینان اور تاکید کیلئے اس سے پھر پوچھتے ہیں کیا آپ میرا کام کردیں گے؟ میں مطمئن ہو جاؤں؟ تو اس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ ہاں بھئی آپ مطمئن ہوجائیں آپ کا کام ہوگیا۔ سو ہو کدھر گیا؟ وہ تو اگلے مہینے میں کرنا ہے۔ سو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ مطمئن ہوجائیں اور یقین کرلیں کہ یہ کام گویا کہ ابھی سے ہوگیا ہے۔ سو اس میں بلاغت کا یہی اسلوب کارفرما ہے۔ اور یہ تحققِ وقوع کی علامت ہے۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ "اس روز دوزخ کو کافروں پر پیش کیا جائے گا" تاکہ وہ اس میں داخل ہونے سے پہلے اس کو دیکھ لیں اور یہ یقین کرلیں کہ انہوں نے اس میں داخل ہونا ہے۔ اور ان کو یقین ہوجائے کہ یہی وہ جہنم ہے۔ جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾۔ (الرحمٰن:۴۳)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۶ دوزخ اصل میں کافروں ہی کیلئے ہوگی: ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ اصل میں کافروں ہی کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ نارِ دوزخ کے بارے میں صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾۔ یعنی "اس کو تیار کیا گیا ہے کافروں کیلئے"۔ اس لئے یہاں کافروں کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ ورنہ دیکھنے کو تو وہ ہر کسی کو سامنے نظر آئے گی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی﴾۔ (النازعات:۳۶)۔ گنہگار مسلمانوں کو اس میں ان کے گناہوں کی بناء پر عارضی طور پر ڈالا جائے گا اور پھر سزا بھگتنے اور گناہوں کی میل سے پاک صاف ہوجانے کے بعد ان کو وہاں سے نکال دیا جائے گا۔ جبکہ کافر اس میں ہمیشہ پڑے جلتے رہیں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ عقل اور دل کے جن اندھوں کو آج وہ جہنم نظر نہیں آرہی اور جس کو آج یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہو رہے اس روز ان کو ہم انکے سامنے کھڑا کردیں گے کہ لو یہ ہے وہ چیز جس کو تم لوگ عقل کی آنکھ سے دنیا میں نہیں دیکھ سکے تھے۔ اب اس کو تجربہ کی آنکھ سے دیکھ لو۔ سو یہ کس قدر کرم ہے اس کتابِ حکیم کا کہ اس نے غیب کے ان عظیم الشان حقائق کو دنیا میں اس قدر واشگاف الفاظ میں بیان فرمادیا تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے۔ قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کو ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہونا پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے خسارے سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۷ کفر و عناد کا نتیجہ دائمی دوزخ ۔ والعیاذ باللہ: سو منکرین کے کفر و عناد کا نتیجہ دائمی دوزخ ہوگا ۔ والعیاذ باللہ ۔ اور جبکہ کفر و انکار کے اپنے اختیاری پردے کی بناء پر وہ لوگ حق کو دیکھنے سے بھی محروم تھے اور سننے سے بھی۔ تو پھر ان کو راہِ حق و ہدایت اور اس کا نور میسر آتا تو کس طرح؟ اس لئے انجام کار ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ کی اس آتشِ سوزاں کا ایندھن بننا پڑے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ العظیم۔ سو کفر و انکار اور عناد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور دائمی ہلاکت و تباہی کی جڑ بنیاد ہے۔ اور اس کا نتیجہ و انجام دوزخ کی ہولناک آگ اور ہمیشہ کا عذاب ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ العظیم ۔ بہر کیف اس ارشاد سے ان کافروں کی صفت بیان فرمائی گئی جو دوزخ کا دائمی ایندھن بنیں گے۔ اور یہی صفت انکی محرومی کی اصل وجہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے کفر و عناد کی وجہ سے انکی مت ایسی ماردی گئی تھی کہ پیغمبر کی تذکیر و یاددہانی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ نہ اس سے انکی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹتے تھے اور نہ ہی ان کے کان کھلتے تھے۔ اور یہ اندھے بہرے بن کر رہ گئے تھے۔ اور جب کسی کے دل آنکھ اور کان وغیرہ کے منافذِ علم و ادراک بند ہوجائیں اس کی ہدایت کا کیا سوال؟ ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِيٓ أَوۡلِيَآءَۚ إِنَّآ أَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ

وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز (وحاجت روا) بنالیں گے؟ ف۱۴۸ بلا شبہ ہم نے تیار کر رکھا ہے دوزخ کو

لِلۡكَٰفِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُم بِٱلۡأَخۡسَرِينَ

کافروں کی مہمانی کے لئے، (ان سے) کہو کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے بارے میں نہ بتادیں جو سب سے زیادہ خسارے میں ہیں

أَعۡمَٰلًا ﴿١٠٣﴾ ٱلَّذِينَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَهُمۡ

اعمال کے لحاظ سے؟ وہ جن کی ساری کوشش اکارت چلی گئی دنیا کی زندگی میں، ف۱۴۹ اور وہ

۱۴۸ مشرکوں کی مشرکانہ ذہنیت کی بیخ کنی: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''کیا کافر لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں گے؟''۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے حضرتِ عزیر و مسیح کے ساتھ کیا۔ اور مشرکینِ عرب فرشتوں کے بارے میں ایسا کہتے اور کرتے تھے۔ اور افسوس کہ اس امتِ مرحومہ کے کلمہ گو مشرک کا بھی آج اپنے بڑوں بزرگوں کے بارے میں یہی کچھ کہنا کرنا ہے۔ وہ ان کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر غائبانہ بلاتا پکارتا، ان کے نام کی نذریں مانتا، نیازیں دیتا، چڑھاوے چڑھاتا، بکرے دنبے کاٹتا اور ان کے پھیرے لگاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اور استفہام یہاں پر انکار و توبیخ کے لئے ہے۔ یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میرے بندوں کے ساتھ تمہاری اس طرح کی یہ دوستی اور تعلق تمہیں نفع دے گا؟ اور تم لوگوں کو میری پکڑ سے بچا سکے گا؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر ایک کو سچا ایمان وعقیدہ اور اس کا اپنا کردار و عمل ہی فائدے دے سکے گا اور بس۔ اور اللہ کے جن پیارے بندوں کے بارے میں انہوں نے اس طرح کی غلط توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اور اس طرح غلو کیا ہے وہ الٹا ان کے خلاف ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان مشرکوں کا اس طرح کرنا خود ان کی تعلیمات اور ہدایات کے خلاف اور منافی ہے۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا، كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾۔ (مریم:۸۱-۸۲)۔ سو اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے کسی بھی ہستی کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجنا پکارنا جائز نہیں۔ اور یہ سب اس ارشادِ ربانی کے عموم میں داخل اور ممنوع ہے۔ (روح، ابنِ کثیر، مراغی، محاسن، قرطبی، خازن، صفوۃ، جامع، معارف اور ماجدی وغیرہ)۔ سو ایسے تمام تصورات غلط، بے بنیاد اور ہلاکت وتباہی کا باعث ہیں۔ سلامتی کی راہ جو کہ عقل ونقل کے عین مطابق ہے یہ ہے کہ انسان ایمانِ صادق کی دولت سے متمتع اور بہرہ مند ہو کر عملِ صالح کی پونجی جمع کرے اور اللہ تعالیٰ کی ان پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کو حاجت روا، مشکل کشا قرار دے کر شرک کرنے کی بجائے ان کو اسوہ اور قدوہ قرار دے کر ان کی اتباع و پیروی کرے۔ وباللہ التوفیق ۔ بہر کیف اس ارشاد سے مشرکوں کی مشرکانہ ذہنیت کی بیخ کنی فرمادی گئی کہ تم لوگوں نے ہمارے بندوں میں سے کچھ کو جو اپنا کارساز و مددگار بنا رکھا ہے کہ یہ کل قیامت کے روز ہماری گرفت و پکڑ سے تمہیں چھڑا سکیں گے تو یہ محض تمہاری خوش فہمی ہے۔ ایسے کافروں اور مشرکوں کے لیے تو ہمارے یہاں جہنم کی ضیافت تیار ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی اور ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۴۹ سب سے بڑے خسارے والوں کی نشاندہی: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ان سے کہو کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے بارے میں بتادیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش اور محنت اکارت

چلی گئی دنیاوی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھیک کر رہے ہیں'' ۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ انسان کی تمام تر کوشش و محنت اور ساری تگ و دو اسی دنیاوی زندگی کو سنوارنے بنانے اور جوڑنے جمع کرنے میں صرف ہو جائے کہ ان کے نزدیک سب کچھ یہ دنیا ہی دنیا ہے ۔ جیسا کہ مادہ پرست لوگوں کا حال ہے کہ ان کا جینا مرنا سب کچھ اسی دنیائے دوں اور اس کے متاع فانی کے لئے ہے اور بس ۔ آخرت کے لئے وہ سوچتے ہی نہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو مادیت سے آگے بڑھ کر روحانیت اور آخرت کے لئے سوچ و فکر تو رکھتے ہیں مگر وہ حق کی روشنی سے محروم ہونے کے باعث طرح طرح کے اندھیروں میں غوطے کھا رہے ہیں ۔ جیسے راہب ، جوگی اور پنڈت ، پادری وغیرہ کہ اپنے طور پر یہ لوگ بھی آخرت کو مانتے اور اس کے لئے محنت و مشقت کرتے ہیں ۔ چنانچہ وہ چلے کاٹتے ، طرح طرح کی ریاضتیں کرتے ، مشقتیں اٹھاتے ، بھوکے پیاسے رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ مگر آخرت میں ان کو اس کا کچھ بھی اجر و ثواب ملنے والا نہیں ۔ کیونکہ وہ صحیح ایمان و یقین کے نور اور حق و ہدایت کی دولت سے محروم تھے اور محروم ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ حضرت عمر فاروق ۔ رضی اللہ عنہ ۔ جب اپنے دور خلافت میں شام تشریف لے گئے تو وہاں آپؓ نے ایک ایسے بوڑھے راہب کو دیکھا جس کا جسم طرح طرح کی ریاضتوں ، مشقتوں اور چلہ کشیوں کی وجہ سے سوکھ کر لکڑی بن چکا تھا ۔ تو اسکو دیکھ کر آپؓ کی آنکھوں میں اس کی اس بے مقصد اور بے فائدہ ریاضت و مشقت سے آنسو آ گئے اور آپ نے اس موقع پر یہ آیاتِ کریمہ تلاوت فرمائیں ۔ ﴿وَجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ، عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ، تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً ، تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ﴾ ۔ (الغاشیہ:۲-۵) ۔ سو سلامتی اور نجات کی راہ ایک اور صرف ایک ہے کہ آخرت کے لئے فکر و کوشش ہو اور حق و ہدایت کی اس روشنی میں ہو جو اللہ پاک نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لئے اپنے پیغمبروں کے ذریعے نازل فرمائی ہے ۔ اور جواب اپنی کامل ، آخری اور دائمی شکل میں قرآن و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی ۔ انشاء اللہ العزیز ۔ اس کے سوا نجات کی دوسری کوئی راہ سرے سے ہے ہی نہیں ۔ سو جن لوگوں نے حق و ہدایت کی اس شاہراہِ اعظم کو چھوڑ کر کسی اور راہ کو اپنایا وہ سراسر خسارے اور ٹوٹے میں ہیں ۔ خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں ۔ اسی لئے جو لوگ دینِ حق میں اپنی طرف سے مختلف قسم کی بدعات کا اضافہ کرتے ہیں وہ سب نصوصِ صریحہ کے مطابق باطل و مردود ہے ۔ ان کو اس طرح کرنے والے ایسے اہل بدعت کے مونہوں پر مارا جائے گا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ خواہ وہ عشق و محبت کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں ۔ کیونکہ نبی اکرم ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کا صاف و صریح ارشادِ گرامی ہے ''مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ '' یعنی جو ہمارے دین میں کوئی ایسی بات شامل کرے گا جو اس میں ثابت نہ ہو تو وہ مردود ہے ۔ (اور اس کو اس کے منہ پر مارا جائے گا) ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ خلاصہ یہ کہ بڑے خسارے میں ہیں وہ مادہ پرست لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس دنیا ہی دنیا ہے ۔ جس کو یہ مل گئی اس کو سب کچھ مل گیا ۔ اس لئے وہ اسی کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ اور اسی طرح وہ لوگ بھی سخت خسارے اور گھاٹے میں ہیں جو آخرت کے لئے عمل تو کرتے ہیں مگر وحی کی روشنی اور پیغمبر کی اتباع کے بغیر کرتے ہیں جس سے وہ زندگی بھر طرح طرح کی محنتیں کرنے کے باوجود آخرت میں محرومی و ناکامی کے اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے حق و ہدایت کے نور سے محروم دوسرے منکر لوگ دوچار ہوئے ۔ جیسے راہب ، پنڈت ، جوگی اور بدعتی چلہ کش وغیرہ ۔ پس سلامتی اور کامیابی کی راہ ایک اور صرف ایک ہے کہ آخرت کے لئے تیاری کی جائے اور ضرور کی جائے ۔ لیکن قرآن و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی میں کی جائے ۔ واللہ الموفق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل ۔ سبحانہ وتعالیٰ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے ۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

سمجھ رہے ہیں کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں، ف۱۵۰ یہ وہ لوگ ہیں

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا

جنہوں نے انکار کر دیا اپنے رب کی آیتوں کا، اور اس کے حضور پیشی کا، جس کے نتیجے میں اکارت چلے گئے ان کے سب عمل، پس

نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ

ان کے لئے ہم قیامت کے روز قائم نہ کریں گے کسی طرح کا کوئی وزن، و۱۵۱ یہ ہے ان کی جزا

جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾

جہنم، اس کفر کے سبب جو وہ کرتے رہے تھے، اور اس مذاق کے عوض، جو وہ میری آیتوں اور میرے رسولوں کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھے،

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ

(اس کے برعکس) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ کام بھی نیک کرتے رہے، ان کی مہمانی کیلئے

الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا

فردوس کے وہ باغ ہوں گے، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان سے نکل کر کہیں جانے کو ان کا جی بھی نہیں چاہے گا ف۱۵۲ کہو (ان

۱۵۰ برائی کو اچھائی سمجھنا محرومیوں کی محرومی - والعیاذ باللہ العظیم: -سو ان سب سے بڑے خسارے والوں کی مزید توصیف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ غلط کار ہونے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھیک کر رہے ہیں"۔ جس کے باعث وہ حق بات کو سننے اور ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ اپنی بری اور غلط روش ان کو اچھی نظر آتی ہے۔ اپنے باطل کو وہ حق اور اچھا سمجھتے ہیں اور عمر رواں کی متاعِ عزیز کو وہ اسی غلط روی میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اور ان کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم اپنا کوئی نقصان کر رہے ہیں۔ اور یہ سب سے بڑا خسارہ ونقصان ہے- وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا- کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا- پس اپنی برائی کو اچھائی سمجھنا بہت بڑی ناکامی اور خرابی کی جڑ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے- ﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا﴾- (فاطر:۸) یعنی کیا اس شخص کی محرومی اور بدبختی کا کوئی ٹھکانا ہو سکتا ہے جس کے لیے اس کے برے عمل کو خوشنما بنا دیا جائے جس سے وہ اس کو اچھا سمجھنے لگے۔ سو برائی کو اچھائی سمجھنا قدرت کی طرف سے ایک عذاب اور نقد سزا ہے جو ایسے بہکے بھٹکے لوگوں کو ان کے اپنے سوءِ اختیار اور خبثِ باطن کی بناء پر

ملتی ہے-والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ و ضلال و سوء و انحراف-اللہ تعالیٰ فکرونظر کے ہر انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے-اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۵۱ کافروں کے عمل بے وزن اور بے حقیقت: -سواس سے تصریح فرما دی گئی کہ کافروں کے کسی بھی عمل کا آخرت میں کوئی وزن نہیں ہوگا۔سوارشاد فرمایا گیا کہ"قیامت کے روز ایسے لوگوں کیلئے کوئی وزن نہیں قائم کیا جائے گا"۔کیونکہ ان کے نیک عمل جب سب اکارت چلے گئے تو پھر وزن ہو تو کس کا؟ سوان کے وہ اعمال جن کو یہ لوگ اپنے زعم اور گمان کے مطابق بہت کچھ سمجھتے تھے اور ان پر ان کو بڑا ناز ہوا کرتا تھا، ان کا وہاں پر سرے سے کوئی وزن ہوگا ہی نہیں۔کیونکہ وزن ہوتا ہے ایمان و اخلاص سے اور اس سے یہ لوگ عاری اور خالی تھے۔آخرت پر ان لوگوں کا سرے سے ایمان ویقین ہی نہیں تھا۔یا اگر کچھ تھا بھی تو ان کے اپنے زعم وگمان کے مطابق تھا۔اور وہ نہ معتبر ہے اور نہ ہی اسکی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و قیمت ہوگی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی ایمان معتبر ہوسکتا ہے اور قدر و قیمت اس کی ہوسکتی ہے جو اسکی رضا کے مطابق اور اسکی شرطوں پر ہو-سبحانہ وتعالیٰ-سواس سے واضح فرمادیا گیا کہ آج تو ایسے ابنائے کفر و باطل اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے اور بڑی چیز قرار دیتے ہیں لیکن قیامت کے روز ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے کہ انہوں نے اپنے کبر وغرور میں مبتلا ہو کر ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا اور دنیائے فانی کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل ہی کو انہوں نے اپنا مطمحِ نظر اور مقصدِ زندگی بنالیا۔جس کی نتیجے میں وہاں ان کے لیے دوزخ ہی کا ٹھکانا ہوگا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال-

۱۵۲ اہل جنت کبھی وہاں اکتائیں گے نہیں: -سوارشاد فرمایا گیا کہ"ان کا کبھی وہاں سے کہیں جانے کو جی نہیں چاہے گا"۔کیونکہ نہ تو اس سے بہتر دوسرا کوئی مقام ان کے تصور میں ہوگا اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔اور نہ ہی وہاں کی نعمتوں سے بڑھ کر کسی اور نعمت کا وہ سوچ بھی سکیں گے۔سوخلود ودوام اور دائمی آرام وراحت جنت کی ایک ایسی ممتاز اور منفرد نعمت ہوگی جس کا اور کہیں پایا جانا ممکن نہیں۔کیونکہ دنیا کی ہر نعمت اور خود دنیا ساری عارضی اور فانی ہے۔نہ اسکی کوئی نعمت دائمی ہوسکتی ہے اور نہ ہی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے والا کوئی شخص۔بلکہ یہاں کی ہر نعمت بھی فانی اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے والا ہر انسان بھی فانی۔جبکہ جنت خود بھی ابدی اور دائمی ہوگی اور اسکی تمام نعمتیں بھی۔نہ اہلِ جنت کو وہاں سے کبھی نکالا جائے گا اور نہ ہی کبھی خود ان کا وہاں سے نکلنے کو دل چاہے گا-اللہ نصیب فرمائے-سواس سے ان خوش نصیبوں کا صلہ وانجام بیان فرمایا گیا ہے جو ایمان ویقین اور عملِ صالح کی دولت سے سرفراز و مالا مال رہے ہوں گے کہ ان کے لیے فردوسِ بریں کی مہمانی تیار ہوگی جس میں وہ ہمیشہ رہنے کے باوجود کبھی اکتائیں گے نہیں۔اس میں ان کے مراتب ودرجات بھی ہمیشہ بلند ہوتے رہیں گے اور وہاں ان کے لیے نعمتیں بھی ان کی خواہشوں کے مطابق برابر بدلتی رہیں گی۔اس لیے وہ ان کو چھوڑ کر اور کہیں جانے کی کبھی خواہش نہیں کریں گے-اللہ نصیب فرمائے اور محض اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت وعنایت سے نصیب فرمائے-اور زندگی میں ہر قدم اپنی رضا وخوشنودی کے مطابق اٹھانے کی توفیق بخشے۔آمین ثم آمین یارب العالمین ویا اکرم الاکرمین۔یا مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ

حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ

ہٹنے پائیں گے، کہو میرے رب کی شان یہ ہے) کہ اگر میرے رب کی باتیں ۱۵۳ لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو یقیناً وہ ختم ہو جائے

الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ

قبل اس کے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہونے پائیں ۱۵۴ اگرچہ اس کی مدد کے لئے ہم ایسا ہی ایک اور سمندر لے آئیں (اور ان کے

۱۵۳ کلماتِ رب سے مقصود و مراد؟:- یعنی اس کے علم، قدرت اور حکمت کی باتیں۔ (روح، ابن کثیر، جامع، مدارک، معارف وغیرہ)۔ سو اگر سمندر کا سارا پانی سیاہی بن جائے اور زمین میں پائے جانے والے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور میرے رب کے علم، اس کی قدرت اور اس کی حکمت کی باتیں لکھنا شروع کردیں تو یہ سب سمندر ختم ہو جائیں گے اگرچہ اس جیسا ایک اور بھی سات سمندر اور لے آئیں۔ لیکن میرے رب کے کلمات کبھی ختم نہیں ہونگے کہ یہ سب کچھ محدود ہے اور میرے رب کے کلمات لامحدود۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو کلماتِ رب سے مراد اللہ پاک۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ کی قدرت وحکمت کی وہ عظیم الشان نشانیاں ہیں جو اس کی ان حکمتوں اور عبرتوں بھری کائنات میں ہر طرف پھیلی بکھری موجود ہیں اور آفاق وانفس سب میں پائی جاتی ہیں۔ سو کیسے ظالم اور کس قدر احمق وبے خبر ہیں وہ لوگ جو دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں جبکہ اس کی عظمت وشان اتنی بڑی اور اس قدر بے مثال ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہم خذ بنواصینا الی ما فیہ حبک ورضاک بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یاذا الجلال والاکرام۔ اللہ نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۵۴ رب کے کلمات کبھی ختم نہیں ہو سکتے:- سو پیغمبر کی زبان سے کہلوایا گیا کہ "میرے رب کے کلمات کبھی ختم نہیں ہونگے"۔ کیونکہ سمندر اگرچہ ایک چھوڑ کئی بھی کیوں نہ ہوں وہ بہر حال محدود ہیں۔ جبکہ حضرتِ حق۔ جل مجدہ۔ کے کلمات اور اس کی صفات اور اس کے کمالات لامحدود ہیں۔ تو پھر محدود کے لئے لامحدود کا احاطہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَيَقِيْنًا وَمَعْرِفَةً وَعِلْمًا وَحُبًّا فِيْكَ وَخُضُوْعًا لَّكَ وَعُبُوْدِيَّةً يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ وَيَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اس معبودِ برحق کو چھوڑ کر دوسرے طرح طرح کے خود ساختہ اور فرضی معبودوں کو پوجتے پکارتے ہیں وہ کتنے ظالم، کس قدر بے انصاف اور کیسے بدبخت ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس ارشادِ عالی سے ان منکروں کے بارے میں پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی ہے جو قرآنِ حکیم کی آیاتِ کریمات کا انکار کرتے اور پیغمبر سے ظاہری اور حسی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ان سے کہو اگر تم لوگ نشانیاں مانگتے ہو تو یہ کائنات اس خالق ومالک کی عظیم الشان نشانیوں سے بھری پڑی ہے جن کو قلمبند کرنے کے لیے سمندر بلکہ ساتوں سمندروں کی روشنائی اور زمین بھر کے درختوں کی قلمیں بھی ناکافی ہیں۔ اور اس بات میں ذرہ برابر کوئی مبالغہ نہیں بلکہ یہ سراسر حق اور حقیقت کا بیان ہے۔ لیکن یہ نشانیاں نظر انہی لوگوں کو آتی ہیں جن کے پاس آنکھیں ہوں۔ اور جو اندھے اور اوندھے بن جائیں انکی آنکھیں کسی طرح نہیں کھل سکتیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ

فہموں سے یہ بھی) کہو کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک بشر (اور انسان) ہوں تم ہی جیسا ۱۵۵ (فرق صرف یہ ہے کہ) میری طرف وحی

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

بھیجی جاتی ہے، اس (مرکزی مضمون) کی کہ معبود تم سب لوگوں کا بہر حال ایک ہی معبود ہے، پس جو کوئی امید (و آرزو) رکھتا ہو اپنے

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

رب سے ملنے کی تو اس کو چاہیئے کہ وہ نیک کام کرتا رہے اور (کسی بھی طور پر) وہ شریک نہ ٹھہرائے اپنے رب کی عبادت (و بندگی) میں کسی کو ۱۵۶

۲ ع ۹ ۳

۱۵۵ پیغمبر کو اپنی بشریت کے اعلان و اظہار کا حکم وارشاد: -سو آنجناب کو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ "ان لوگوں سے کہو (اے پیغمبر!) کہ بلاشبہ میں تم ہی جیسا ایک بشر (اور انسان) ہوں، ہم ہی جیسا"۔ اپنی اصل فطرت اور حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے کہ میں عبداللہ کا بیٹا، آمنہ کی آنکھ کا تارا، خدیجہؓ اور عائشہؓ کا شوہر، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ کا باپ، عربی، قریشی اور ہاشمی ہوں۔ کھانے پینے، خوشی غمی اور شادی بیاہ وغیرہ کے تمام لوازم بشریہ رکھتا ہوں۔ البتہ وحی کے جس شرف سے میرے رب نے اپنے کرم سے مجھے نوازا ہے اس کے باعث اس نے میرا درجہ ومقام اپنی مخلوق میں سب سے بڑا کر دیا ہے۔ ورنہ اپنی اصل کے اعتبار سے میں تم ہی جیسا ایک بشر اور انسان ہوں۔ کسی خدائی صفت کے مجھ میں پائے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس نہ تو میں عالم غیب ہوں نہ مختار کل اور نہ ہر جگہ موجود رہنا میری شان ہو سکتی ہے اور نہ ہی میں نے کبھی اس طرح کا کوئی دعویٰ ہی کیا ہے کہ یہ سب باتیں بشریت کے منافی ہیں۔ تو پھر تم لوگ مجھ سے ایسی نشانیوں کا مطالبہ کس طرح کرتے ہو جن کا تعلق خدائی صفات سے ہے؟ سو دیکھئے کہ کس صراحت و وضاحت کے ساتھ اور ادوات حصر و تاکید کے ساتھ پیغمبر کی بشریت طاہرہ کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ مگر اہل بدعت ہیں کہ اس سب کے باوجود اپنے شرکیہ عقائد پر اڑے ہوئے ہیں اور پیغمبر کی بشریت صادقہ اور عبدیت کاملہ کے انکار پر گویا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اور اس کے لئے وہ اس طرح کی صاف وصریح نصوص کریمہ میں طرح طرح کی تاویلات وتحریفات سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً ان کے بعض بڑوں نے یہاں پر لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ میں محض ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے تم ہی جیسا بشر ہوں مگر ان سے کوئی پوچھے کہ اول تو -﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾- کے ترجمہ میں ظاہری شکل وصورت کی قید آخر ہے کہاں؟ اور یہ آخر کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ اور جب ایسا کوئی لفظ یہاں پر موجود نہیں اور یقیناً موجود نہیں تو پھر یہ ایک بالکل بے جا بات ہے جو خواہ مخواہ قرآن پاک کے ترجمہ میں گھسیڑی جا رہی ہے۔ سو اس طرح ان لوگوں کی یہ بات تحریف کے زمرے میں آتی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور دوسرے یہ کہ کیا تمہارے نزدیک آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے کفار ومشرکین کی طرح تھے؟ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- جس حسن بے مثال کے سامنے چاند کا حسن وجمال بھی شرمائے اس کو تم لوگ کفار ومشرکین کی ظاہری شکل وصورت کے برابر قرار دیتے ہو؟ اور اس کے باوجود دعویٰ یہ رکھتے ہو کہ ہم عاشق رسولؐ ہیں؟ -شرم تم کو مگر نہیں آتی- بہر کیف یہ سب لچر باتیں ہیں جو اس طرح کے لوگ کرتے ہیں -والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ و ضلال وسوء و انحراف- اللہ ہمیشہ راہ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے- اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۵۶ شرک کی ممانعت اور ایک عظیم الشان وظیفہ کی تعلیم و تلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو کوئی اپنے رب کی ملاقات اور اس کے حضور پیشی کی امید رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور شریک نہ ٹھہرائے وہ اپنے رب کی عبادت (و بندگی) میں کسی کو"۔ کہ معبودِ برحق وہی اور صرف وہی ہے۔ پس ہر قسم کی عبادت اسی وحدہ لاشریک کا حق ہے۔ اس میں کسی کو بھی شریک کرنا جائز نہیں۔ نہ اس کی ذات و صفات میں اور نہ اس کے حقوق اختیارات میں۔ پس اس کے سوا نہ کسی کو عالمِ غیب جانے اور نہ مختارِ کل اور نہ ہر جگہ حاضر و موجود مانے۔ اور نہ ہی اسکے سوا کسی کو حاجت روا و مشکل کشا جانے۔ نہ کسی کے لئے سجدہ کرے نہ قیام و رکوع اور نہ ہی کسی اور کے نام کی نذر و نیاز دے وغیرہ وغیرہ۔ کہ یہ سب کچھ اسی وحدہ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ کیونکہ یہ سب عبادت کی مختلف قسمیں اور شکلیں ہیں۔ اور عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہ لاشریک کا حق ہے کہ معبودِ برحق بہر طور وہی اور صرف وہی ہے۔ بہر کیف اس ارشادِ ربانی سے واضح فرما دیا گیا کہ اپنے رب کی عبادت و بندگی میں کسی کو بھی کسی بھی درجے میں شریک نہ ٹھہرائے کہ شرک توحید کی ضد اور تمام اعمال کو برباد کر دینے والی آفت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ العظیم- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی سے سرفرازی اور آخرت کی فوز و فلاح کا دار و مدار تین چیزوں پر ہے۔ نمبر ایک ایمان و یقین کہ اس کے بغیر کسی بھی عمل کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی وزن نہیں۔ نمبر دو صدق و اخلاص کہ جو عمل کرے وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے کرے اور شرکِ جلی اور شرکِ خفی یعنی ریاکاری سے بچ کر رہے۔ اور نمبر تین یہ کہ عمل عملِ صالح ہو۔ یعنی قرآن و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق ہو۔ وباللہ التوفیق۔ یہاں پر حدیث میں ایک عظیم الشان وظیفہ بھی تعلیم فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم- صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا کہ جس نے سورۂ کہف کی تلاوت کی وہ آٹھ دنوں تک فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر اس دوران دجال کا خروج ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی دجال کے فتنے سے حفاظت فرمائے گا۔ اور جس نے سوتے وقت اس کی آخری آیت- ﴿قل انما انا بشر﴾- الخ پڑھی تو اسے ایک ایسا عظیم الشان نور نصیب ہوگا جو اس کے بستر سے لے کر مکہ مکرمہ تک روشن ہوگا اور اس میں ایسے فرشتے ہونگے جو اس کے لیے اسکے اٹھنے تک دعائیں کرتے رہیں گے۔ اور اگر وہ اس آیتِ کریمہ کی تلاوت مکہ مکرمہ میں کرے گا تو اس کے بستر سے ایک ایسا نور بلند ہوگا جو بیت المعمور تک جائے گا اور اس میں ایسے فرشتے ہونگے جو اس کے بیدار ہونے تک اس کے لیے دعا و استغفار کرتے رہیں گے۔ (مدارک التنزیل للامام النسفی)۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید و علی ما یحبُّ ویرید۔

☆—— تحریر ۲۴ صفر ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۹۰ بروز جمعہ، بوقت پونے سات بجے صبح، منطقہ ام ہریر، بر دبی، متحدہ عرب امارات۔

☆—— نظر ثانی ۹ جمادی الاولیٰ، ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۹۷ء بروز جمعہ پونے تین بجے شام، سطوہ، دبی متحدہ عرب امارات، والحمدللہ رب العالمین بکل حال من الاحوال، فھو المحمود از لاً وّ ابداً

☆—— تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹ مارچ ۲۰۰۰ء بروز ہفتہ معمورہ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر والحمدللہ

☆—— تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۷ صفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۹ اپریل ۲۰۰۱ء بروز پیر بوقت پونے تین بجے صبح (وقت سحر اذان سے پونے دو گھنٹے پہلے) سطوہ دبی والحمدللہ رب العالمین بکل حال من الاحوال

☆—— تکمیل چوتھی اور آخری ریڈنگ ۲۲ رجب ۱۴۲۳ ہجری بمطابق ۲۹ ستمبر ۲۰۰۲ بروز اتوار بوقت گیارہ بجے شب، سطوہ، دبی- والحمدللہ رب العالمین، جعل کل شیء وبعد کل شیء وھو اھل للحمد فی الاولیٰ والاخرۃ

☆—— اَللَّمَسَاتُ الاخیر- (Final Touches) ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۱۵ جنوری ۲۰۰۴ء بروز جمعرات بوقت دس بجے شب، مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان- والحمدللہ رب العالمین- بکل حالٍ مِنَ الاحوال، و فی کُلِّ مَوْطِنٍ مِّن المواطن فی الحیاۃ

آیاتھا ٩٨ — ١٩ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ٤٤ — رکوعاتھا ٦

سورۂ مریم مکی ہے اور اس کی اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ②

کاف ھا یا عین صاد یہ ذکر ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے (ایک خاص) بندے زکریا پر فرمائی،

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ

جب کہ اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے سے، ١ (اور) عرض کیا اے میرے پروردگار، میری ہڈیاں تک

الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ

گھل گئی ہیں، اور بڑھاپے سے میرا سر بھڑک اٹھا ہے، اور میں کبھی

بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ

آپ سے دعا مانگنے میں (ناکام و) نامراد نہیں ہوا، ٢ اور میں ڈرتا ہوں اپنے پیچھے اپنے

١ آدابِ دعا میں سے ایک اہم ادب اخفاء:- سو یہ دعا کے آداب میں سے ایک اہم ادب ہے کہ دعا آہستہ اور چپکے چپکے سے کی جائے۔ کیونکہ اول تو انسان جس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے حضور اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے اس کے یہاں سرّ و اخفا سب برابر ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور دوسرے اس لئے کہ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے دعاء کرنا اخلاص کے بھی زیادہ قریب ہے اور ریاء ونمود سے بھی محفوظ تر ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے اپنے کلامِ حکیم میں ہمیں اس طرح صریح طور پر اس کا حکم دیا ہے۔ ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ﴾۔ (الاعراف: ٥٥) یعنی "تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے سے"۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ﴾۔ (الانعام: ٦٣)۔ اس لئے اصل دعاء میں یہی ہے کہ وہ آہستہ آہستہ ہو۔ ہاں اگر بعض دوسرے امور پیش نظر ہوں تو اونچی آواز سے دعاء کرنا بھی درست ہے۔ جیسا کہ اگر دوسروں کو سکھانا اور تعلیم دینا مقصود ہو یا اس لئے اونچی آواز سے دعاء کی جائے کہ دوسرے اس پر آمین کہہ سکیں۔ سو اس طرح کے کسی مقصد کے لئے بلند آواز سے دعاء کرنا بھی اگرچہ جائز ہے لیکن اصل اور افضل یہی ہے کہ دعاء آہستہ عاجزانہ اور پست آواز سے ہو۔ جیسا کہ نصوصِ کتاب وسنت سے ثابت ہے اور حضراتِ علمائے کرام نے اس

کی تصریح فرمائی ہے۔ (روح، قرطبی، بیضاوی، مراغی، ابنِ کثیر اور صفوہ وغیرہ)۔ اور الحمد للہ راقمِ آثم نے اپنی کتاب ''تحفۂ علم و حکمت'' اور دوسری کتاب ''مقدس دعائیں'' میں دعاء سے متعلق اس کے آداب کے بارے میں اور اسکے علاوہ دیگر تمام ضروری اور اہم آداب کے بارے میں بھی کافی سے زیادہ اہم اور ضروری معلومات جمع کر دی ہیں۔ اور یہ دونوں کتابیں کوئی بیس بائیس سال قبل سے چھپ کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور کئی ہزار کی تعداد میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ والحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ محض اپنی شانِ کریمی سے قبول فرما کر ان کو دنیا کے لیے نفع و فائدہ کا ذریعہ اور راقمِ آثم اور راقمِ آثم کے جملہ متعلقین کے لیے قیامت تک باقی رہنے والا صدقہ جاریہ بنا دے۔ جو غلطیاں اور کوتاہیاں اس ضمن میں سرزد ہو گئی ہوں ان کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ویا اکرم الاکرمین

٢ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ رحمت ہی کی امید رکھنے کا درس: ۔ سو حضرتِ زکریا نے ربّ سے عرض کیا ''اور میں کبھی آپ سے دعا مانگنے میں نامراد نہیں ہوا''۔ بلکہ ہمیشہ تیرے لطف و کرم سے سرفراز ہوا۔ اس لئے میں قوی امید رکھتا ہوں کہ اب بھی تو اے میرے مالک مجھے محروم نہیں فرمائے گا۔ سو اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اللہ پاک کے حضور دعاء قوی امید و یقین کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ ''اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ''۔ کہ تم اللہ کو اس طرح پکارا کرو کہ تمہیں دعاء کی قبولیت کا پورا یقین ہوا کرے۔ سو اس میں رب کی رحمت کے بارے میں ہمیشہ پرامید رہنے کا درسِ عظیم ہے۔ اور دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ دعاء میں اللہ پاک کی سابقہ عنایتوں اور کرم نوازیوں کا حوالہ دینا بھی دعاء کی قبولیتِ عنداللہ کے لئے خاص اثر رکھتا ہے۔ اور تیسرے یہ کہ دعاء میں اپنی عاجزی اور انکساری کا بھی جس قدر ہو سکے اظہار و بیان کیا جائے کہ عاجزی کرنے والوں اور بے بسوں کو اس وحدہٗ لاشریک کی رحمت و عنایت بطورِ خاص اپنے دامن میں پناہ دیتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ شَرِّفْنَا بِالتَّوْفِيْقِ وَالْقَبُوْلِ۔ سو حضرتِ زکریا نے اپنی اس دعا میں ایک طرف تو اپنی پیرانہ سالی اور اپنے ضعف و کمزوری کا ذکر کیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے والی چیز ہے اور دوسری طرف اس میں اللہ تعالیٰ کی گزشتہ عنایات کا حوالہ دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا میں کبھی بھی ناکام و نامراد نہیں ہوئے۔ اور یہ چیز بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے والی چیز ہے۔ تاریخی روایات میں وارد ہے کہ حضرتِ معن بن زائدہ کے پاس ایک سائل آیا تو آپ نے اس سے پوچھا ''تم کون ہو؟''، ''من انت ؟ '' تو اس شخص نے کہا میں وہ شخص ہوں جس پر آپ نے فلاں وقت میں احسان کیا تھا۔ تو اس پر حضرتِ معن نے خوش ہو کر کہا کہ خوش آمدید اس شخص کے لیے جس نے ہمارے حضور ہمارے احسان کا وسیلہ پکڑا۔ ''مرحبا بمن توسل الینا باحساننا ''۔ اور اس کے بعد آپ نے حاجت پوری کر دی۔ (تفسیر المراغی)۔ سو محسن کے احسان کو یاد کرنا اس کے احسانِ مزید کا ذریعہ ہے۔ اے مالک جس طرح تو نے اپنے فضل و کرم سے اور محض اپنے فضل و کرم سے اپنی کتاب حکیم کی خدمت اور اس میں مشتغل ہونے کی توفیق و سعادت سے نوازا ہے، اسی طرح اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرما۔ اور اگر کوئی شائبہ بھی اس میں کسی بھی طرح کے کھوٹ کھیٹ کا پایا جاتا ہو اس کو دور کر کے اس کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرما لے اور اس کو راقمِ آثم کے اہل و عیال اور جملہ متعلقین کے لیے ہمیشہ ہمیش جاری رہنے والا صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ

رشتہ داروں سے ف٣ اور میری بیوی بانجھ ہے، ف٤ پس تو (اے میرے مالک!) مجھے اپنے یہاں سے

وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ

ایک ایسا جانشین عطا فرما دے، جو میرا بھی وارث ہو ف٥ اور یعقوب کے خاندان کا بھی ف٦ اور اے میرے رب اس کو ایک پسندیدہ انسان

٣ دینی وراثت کے بارے میں فکر و اندیشہ کا درس:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرت زکریا نے اپنے بعد اپنی دینی وراثت کے بارے میں فکر و اندیشہ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا ''اور میں ڈرتا ہوں اپنے رشتہ داروں سے''۔ کہ وہ میری مسند وعظ و ارشاد کو صحیح طور پر سنبھال نہیں سکیں گے اور علم وحی کی روشنی میں خلقِ خدا کی اصلاح نہیں کر سکیں گے۔ اور دین کی تعلیم و تبلیغ اور اسکے دفاع کے فریضہ کو صحیح طور پر ادا نہیں کر سکیں گے جو کہ ہماری اصل میراث اور حقیقی دولت ہے۔ (محاسن التاویل، المراغی اور المعارف وغیرہ)۔ سو آپ کو اس بارے میں اندیشہ تھا کہ یہ لوگ آپ کے بعد آپ کی اور آلِ یعقوب کی دینی وراثت کو قائم نہیں رکھ سکیں گے جو اس پاکیزہ اور مقدس خاندان کا اصل سرمایہ تھا۔ اس لیے آنجناب کو اس کی فکر تھی کہ خاندان میں کوئی ایسا شخص اٹھے جو اس خاندان کے مشن کو زندہ رکھ سکے۔ اور ان روایات کا امین اور حامل بن سکے جو آلِ یعقوب کا اصلی ورثہ تھیں۔ اور عرض کیا کہ جہاں تک ظاہری اسباب اور حالات کا تعلق اور تقاضا ہے ان کے پیشِ نظر اس آرزو کے برآنے کی کوئی امید اور توقع نہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں اے میرے مالک تیرے حضور اپنی یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ تیری رحمت بہر حال بہت وسیع اور تیری قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور تیری شانِ اقدس و اعلیٰ اسباب و وسائل کی محتاج نہیں۔ اور تیرے اختیار میں سب کچھ ہے۔ پس تو اپنی رحمت و عنایت سے اپنے پاس سے مجھے ایک ایسا وارث عنایت فرما دے جو میری اور آلِ یعقوب کی وراثت کو سنبھال سکے اور اس کو اے میرے رب پسندیدہ اخلاق والا بنانا۔ اور وہ اُن تمام کمزوریوں سے پاک اور بری ہو جو اَب اس خاندان میں در آئی ہیں۔ سو اصل فکر دین و ایمان ہی کی ہونی چاہیے نہ کہ دنیا و مال و دولت کی۔ کہ اصل مقصد دین ہی ہے نہ کہ دنیا کا متاعِ فانی اور حطامِ زائل، وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید

٤ پیغمبر بھی اولاد اللہ ہی سے مانگتے ہیں:- سو حضرتِ زکریا نے اپنے عجز و نیاز کے سلسلے میں مزید عرض کیا ''اور میری بیوی بانجھ ہے''۔ جو پہلے ہی بچے جننے کے قابل نہیں تھی تو اب کیا جنے گی۔ جبکہ اس کی عمر اٹھانوے برس ہو چکی ہے۔ (معارف وغیرہ)۔ سو نظر بظاہر اگرچہ اب اولاد کی کوئی صورت نہیں، لیکن اس کے باوجود اے میرے مالک میں تجھ سے بچے کی یہ درخواست کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ امر نہ تیری رحمت سے کچھ بعید ہے اور نہ تیری قدرت سے خارج کہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور تیری رحمت بے پایاں ہے۔ سو اس سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے کہ جو چاہیں کریں۔ بلکہ ان کا کام اپنے خالق و مالک کے حضور دستِ دعاء پھیلانا ہوتا ہے اور بس۔ اور وہ بھی اپنے خالق و مالک ہی کی عنایت کے محتاج اور اسی کے منتظر ہوتے ہیں۔ اپنی اولاد کیلئے بھی وہ اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اور جب پیغمبر اور حضرتِ زکریا جیسے عظیم الشان پیغمبر جو خود پیغمبر، ان کا بیٹا پیغمبر اور وہ خود خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ اور ان کا ذکر قرآنِ حکیم میں اس قدر اہمیت کے ساتھ

بیان فرمایا گیا۔ تو جب وہ بھی اور خود اپنے لیے بچہ اللہ ہی سے مانگتے ہیں تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو کسی کو اولاد دے یا دلا سکے؟ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر گمراہ اور بھٹکے بھٹکے ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک سے منہ موڑ کر دوسروں سے بچے مانگتے ہیں۔ اور اس کیلئے وہ طرح طرح کے آستانوں اور قبروں کے چکر لگاتے اور وہاں طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعظيم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

٥ لائق اور قابل بیٹے کی دعاء و درخواست:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ زکریا نے عرض کیا "مجھے ایسا بیٹا عطا فرما جو وارث ہو میرا بھی اور آلِ یعقوب کا بھی"۔ یعنی علومِ نبوت میں نہ کہ دنیاوی مال و دولت میں۔ کیونکہ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے یہاں مالی وراثت نہیں چلتی۔ بلکہ وہاں دینی اور علمی وراثت ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا کہ "ہم گروہِ انبیاء جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اس میں میراث نہیں چلتی"۔ پس شیعوں کا اس سے مالی میراث مراد لے کر اپنے خانہ ساز عقائد پر استدلال کرنا باطل و مردود ہے۔ اسی لئے جمہور مفسرینِ کرام نے اس ارشادِ ربانی کا یہی مفہوم و مطلب مراد لیا ہے کہ یہاں میراث سے مراد علمی میراث ہے۔ (روح، قرطبی، ابنِ کثیر اور کبیر وغیرہ)۔ کیونکہ آپ کے خاندان کے لوگ ایسے بگڑ گئے تھے کہ وہ اس میراث کے سنبھالنے کے اہل ہی نہیں رہے تھے۔ بلکہ روایات میں ان لوگوں کے بارے میں یہاں تک وارد ہے کہ وہ لوگ بنی اسرائیل کے سب سے برے لوگ "شرار بنی اسرائیل" بن گئے تھے۔ تو آنجناب کو اندیشہ ہوا کہ یہ لوگ ان کی اچھی اور صحیح جانشینی نہیں کر سکیں گے۔ نہ مسندِ دین و ارشاد کے بارے میں اور نہ ملکی سیاست کے بارے میں۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ اس لیے آپ نے یہ دعا فرمائی۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ سو اولاد دراصل وہی صواب والی ہوتی ہے جبکہ وہ دین و ایمان والی ہو۔

٦ آلِ یعقوب کی میراث سے مراد؟:۔ سو حضرتِ زکریا نے عرض کیا کہ "وہ بچہ ایسا ہو جو وارث ہو سکے آلِ یعقوب کی میراث کا"۔ اگر غور کیا جائے تو یہاں پر دو قرینے ایسے پائے جاتے ہیں جن سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں پر وراثت سے مراد مالی وراثت نہیں۔ جیسا کہ اہلِ زیغ وضلال کا کہنا ہے۔ کیونکہ اگر یہاں مالی اور نسبی میراث مراد ہوتی تو پھر ﴿يَرِثُنِيْ﴾ "جو کہ وارث ہو میرا" کی دعاء کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ مالی میراث تو خود بخود انسان کی اولاد کو ملتی ہے۔ اسی طرح ﴿وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ کا ارشاد یہ معنیٰ لینے کے خلاف ہے کہ آلِ یعقوب کی مالی وراثت کے مستحق تو پہلے ہی سے موجود تھے اور حضرتِ زکریاؑ کے بیٹے کے آلِ یعقوبؑ کا دنیاوی میراث کے اعتبار سے وارث بننے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں تھے۔ پس لامحالہ یہاں پر میراث سے علم و حکمت کی معنوی میراث ہی مراد ہو سکتی ہے جو کہ حضراتِ انبیائے کرام کی اصل اور حقیقی میراث ہوتی ہے۔ اور اللہ والوں کو اصل فکر اسی کی ہوتی ہے کہ ان کی دینی وراثت محفوظ رہے اور ان کے پسماندگان میں ایسے ایسے وارثانِ صدق و صفا اور ایسے جانشین خیر و صلاح موجود رہیں۔ جو ان کی مسندِ دین و ارشاد کو آباد رکھ سکیں۔ اسی لیے بنی اسرائیل کے مورثِ اعلیٰ حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ یعقوب نے اپنی اولاد کو اسی کی تعلیم و تلقین فرمائی تھی۔ اور حضرت یعقوب نے تو اپنی موت کے وقت بھی اسی کی تاکید فرمائی تھی جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۲ اور آیت نمبر ۱۳۳ میں اسکی تصریح موجود ہے۔ سو اصل میراث دین اور علم ہی کی میراث ہے۔ نہ کہ دنیاءِ فانی کی متاعِ فانی۔ اور اس کا حطام زائل

رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ

بنا، ف ک (جواب ملا) اے زکریا ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہوگا، اور

نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ

ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام پیدا نہیں کیا، عرض کیا اے میرے رب میرے یہاں

لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ

لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ میری بیوی بانجھ ہے، اور میں خود پہنچ چکا ہوں

الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ

بڑھاپے کی انتہاء کو؟ ف۸ جواب ملا ایسے ہی ہوگا، ف۹ تمہارے رب نے کہا ہے کہ یہ میرے لئے

ک پاکیزہ اولاد کی دعاء و درخواست: ۔ سو حضرتِ زکریا نے عرض کیا "اور اس کو اے میرے رب ایک پسندیدہ انسان بنانا"۔ اپنے یہاں بھی اور اپنی مخلوق کے نزدیک بھی۔ اقوال کے اعتبار سے بھی اور افعال و کردار کے لحاظ سے بھی۔ سو اس سے یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اولاد دینا بھی اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سب اسی کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں۔ حضرتِ انبیائے کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ بھی اسی کے حضور دستِ سوال دراز کرتے اور اسی سے عرض والتجاء کرتے ہیں۔ سو کس قدر بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کے در کو چھوڑ کر دوسری طرح طرح کی زندہ و مردہ ہستیوں اور خود ساختہ سرکاروں کے آگے جھکتے اور ان کو حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر ان سے بچے مانگتے اور اپنے بچوں کے نام بھی "علی بخش"، "حسین بخش"، "پیر بخش"، "پیراں دتہ"، "علی داد" اور "عبدالحسین" وغیرہ جیسے شرکیہ نام رکھتے ہیں۔ دیتا کون ہے اور نام کس کا رکھتے ہیں؟ سو کس قدر ظلم اور کتنی بے انصافی ہے یہ جو ایسے لوگ اس وحدہٗ لاشریک کے حق میں برتتے ہیں۔ اور کس قدر عظیم الشان اور بے مثال حلم اور کرم ہے حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کا کہ وہ اس سب کے باوجود ان لوگوں کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جا رہا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو جو لوگ جہالت اور نادانی کی بنا پر اس طرح کے شرکیہ نام رکھتے ہیں وہ تو پھر بھی کسی حد تک اور کسی درجے میں معذور قرار دیے جا سکتے ہیں کہ وہ مسکین جانتے نہیں۔ اگر جانتے ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ لیکن جو جان بوجھ کر اور اپنے قصد و ارادہ سے اس طرح کے نام رکھتے ہیں ان کے شرک میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ بہر کیف حضرتِ زکریا نے صرف اولاد کی دعا نہیں کی بلکہ پاکیزہ اولاد کی دعا کی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ

الدُّعَآءِ﴾-(آلِ عمران:۳۸)-یعنی ''اے میرے رب مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما-بے شک تو ہی ہے ہر کسی کی دعا کو سننے والا''-سواولاد وہی اولاد ہے جو دین وایمان کی دولت سے مالا مال اور پاکیزہ خصال ہو-ورنہ کتنی ہی اولادیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کی دشمن اور اسکی تباہی کا باعث بن جاتی ہیں-جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ''ایمان والو تمہاری بیویوں اور اولادوں میں سے کچھ تمہاری دشمن ہیں پس تم ان سے بچ کر رہنا''-(التغابن:۱۴)-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-اللہ تعالیٰ ہر کسی کو نیک اور صالح اولاد ہی عطا فرمائے-آمین ثم آمین-

۸ حضرتِ زکریا کو عظیم الشان بیٹے کی خوشخبری:-سو حضرتِ زکریا کو بیٹے کی خوشخبری سنا دی گئی تو آپ نے عرض کیا کہ ''مالک میرے یہاں کوئی بچہ کس طرح ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں''-جو بچہ ہونے کی حد سے بہت آگے ہے-سو اس طرح بظاہر بچہ ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی-تو ایسے میں بچہ اگر ہوگا تو کس طرح ہوگا؟ اور اس کی کیا شکل ہوگی؟ مجھے واپس جوانی کی عمر میں لوٹا دیا جائے گا اور میری بیوی کو ''عقیم'' کی جگہ ''ولود'' بنا دیا جائے گا یا ایسا کس طرح ہوگا؟ سو اس سے ایک طرف تو اس بشارت کیلئے مزید وثوق حاصل کرنا تھا کہ یہ بشارت عام حالات کے بالکل خلاف تھی-اور دوسرے اس سے استلذاذ بھی تھا یعنی اس خوشخبری کے اعادہ وتکرار سے لطف اندوز ہونا کہ یہ خوشخبری بہت عظیم الشان خوشخبری تھی جو ان کو بڑی دعاؤں اور التجاؤں کے بعد نصیب ہوئی تھی-سو اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دعا جب صحیح مقصد کے لیے صحیح طور پر صحیح وقت میں اور صحیح الفاظ وانداز سے کی جاتی ہے تو اس میں اور اس قبولیت میں کوئی فاصلہ نہیں رہ جاتا-حضرتِ زکریا کی یہ دعا چونکہ ایسی ہی شان کی تھی اس لیے بارگہِ الٰہی سے فوری طور پر شرفِ قبولیت سے مشرف ہوئی-اور آنجناب کو حضرتِ یحییٰ جیسے بے مثال بچے کی بشارت سے نوازا گیا-پس بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے رب کی طرف جھکا اور اسی کی طرف متوجہ رہے اور اسی پر بھروسہ اور اعتماد رکھے-وباللہ التوفیق لما یحب ویرید بکل حال من الاحوال فی الحیاۃ-

۹ حضرتِ زکریا کے سوال کا جواب برائے ازالۂ استبعاد:-یعنی جب حضرت زکریا نے اللہ پاک کے حضور اپنے عوارض اور موانع کا ذکر کیا کہ میرے یہاں بچہ کس طرح ہوگا جبکہ میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے تو اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے آنجناب کو جواب ملا کہ ایسے ہی ہوگا کہ تم دونوں بڑھاپے کی اسی حالت میں ہوؤ گے اور تمہیں بغیر کسی تغیر وتبدیلی کے بچے کی نعمت سے نواز دیا جائے گا-(روح، کبیر، ابنِ کثیر وغیرہ)-یعنی تم اپنی شیخوخت اور بڑھاپے کی اسی حالت میں ہوؤ گے اور تمہاری بیوی بھی عقیم اور بانجھ پن کے اسی حال میں ہوگی جس میں وہ اب ہے-(المراغی وغیرہ)-اور یہ بات لوگوں کے فکر وفہم اور ان کے علم وادراک کے اعتبار سے اگرچہ بہت مشکل بلکہ محالِ عادی کے اعتبار کے درجے میں ہے، لیکن اُس قادرِ مطلق کیلئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں-جس کی شان-﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾-کی ہے-سبحانہٗ وتعالیٰ-آخر جب اس نے خود آپ کو پیدا کر لیا جبکہ آپ کچھ بھی نہ تھے تو اس کے لیے آپ کے بچے کو وجود بخشنا کیونکر اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟-سبحانہٗ وتعالیٰ-

هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ

بڑا آسان ہے، آخر میں اس سے پہلے خود تمہیں بھی پیدا کر چکا ہوں، جب کہ تم کچھ بھی نہ تھے ف۱۰ اس پر زکریاؑ نے عرض کیا

رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ

اچھا تو اے میرے رب، میرے لئے اس پر کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے ف۱۱ ارشاد ہوا تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین (دن) رات تک لوگوں سے

ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ

بات نہیں کر سکو گے، جب کہ تم صحیح سالم ہو گے، چنانچہ وہ اپنے حجرے ف۱۲ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے،

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ

تو انہیں اشارے سے کہا کہ تم لوگ تسبیح کرو (اپنے رب کی) صبح و شام، (پھر جب یحییٰ پیدا ہو کر سن شعور کو پہنچ گئے ف۱۳

۱۰ حضرتِ زکریا کے اطمینان کے لیے خود ان کے وجود سے دلیل: -سو حضرت زکریا کے اطمینان کے لیے آنجناب سے ارشاد فرمایا گیا "اور میں اس سے پہلے خود تم کو پیدا کر چکا ہوں جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے"۔ تو جو نیست سے ہست اور معدوم سے موجود کر سکتا ہے اس کے لئے بوڑھے ماں باپ سے بچہ پیدا کر دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ سو جو ذوات اور اعراض و صفات کو عدمِ محض سے حیطہ وجود میں لا سکتا ہے اس کیلئے تبدیلیِ صفات کیونکر مشکل ہو سکتی ہے؟ وہ قادرِ مطلق جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ عمر کے کسی خاص حصے میں اولاد کا پیدا ہونا مادے یا طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ اُسی قادرِ مطلق کی قدرتِ مطلقہ کا نتیجہ ہے۔ وہ اگر بغیر ماں اور باپ کے پیدا کر سکتا ہے تو بوڑھے ماں باپ سے پیدا کر دینا اس کیلئے کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ -سبحانہٗ وتعالیٰ- سو بندہ جب اپنے آپ کو اس آس و امید پر اپنے رب کے دروازے پر ڈال دیتا ہے کہ میرے لیے بہر حال یہی دروازہ ہے۔ مجھے جو کچھ ملا ہے یہیں سے ملا ہے اور جو کچھ ملے گا وہ بھی یہیں سے ملے گا تو اس کے لیے خدائے رحمان کی رحمت کی گھٹا بالآخر وہاں سے نمودار ہوتی ہے جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور اس شان سے نمودار ہوتی ہے کہ اسباب و ظواہر کے غلام انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں- اللّٰھم فزدنا ایمانا بک ویقینا و صدقا واخلاصا وحبا فیک و خضوعا لک وخشوعا لامرک بکل حالٍ مِّن الاحوال

۱۱ حضرتِ زکریا کی طرف سے نشانی کی درخواست: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ آنجناب نے اس سلسلے میں اطمینانِ مزید کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا "مالک! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے"۔ جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ آپ کے اس وعدہ کا وقت آن پہنچا ہے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ حضرتِ زکریاؑ کو نہ نشانی مانگنے کی ضرورت ہوتی اور نہ بچے کیلئے اس طرح کی دعائیں کرنے کی۔ مگر چونکہ قادرِ مطلق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور عالمِ غیب اور واہبِ مطلق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اس میں کوئی بھی اس کا شریک

نہیں۔ اس لئے وہ جو چاہے، جیسے چاہے، جب چاہے کرے۔ نہ اسکے لئے کچھ مشکل ہے اور نہ اسکی قدرت وحکمت سے باہر کہ اسکی صفت وشان ہے۔ ﴿عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾۔ اس لئے ہر کوئی خواہ وہ کوئی نبی ہو یا ولی اسی کا محتاج اور اسی کے در کا سوالی ہے۔ اور وہی وحدہٗ لاشریک ہر کسی کا حاجت روا و مشکل کشا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہر کیف حضرتِ زکریا نے اطمینانِ مزید کے لیے اس بارے کسی نشانی کے مقرر کیے جانے کی درخواست کی۔ تا کہ ہر پہلو سے اس پر شرحِ صدر ہو جائے۔ سو حضرتِ زکریا کی اس دعا و درخواست کو بھی قبول فرمالیا گیا اور اس کے لیے نشانی یہ مقرر فرمائی گئی کہ تم لگا تار تین روز تک صحیح سالم ہونے کے باوجود لوگوں سے کوئی کلام نہیں کر سکو گے سوائے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا طاری ہو جانا کہ انسان اللہ کی تسبیح اور تہلیل کے سوا عام لوگوں سے کوئی کلام نہ کر سکے ایک رحمانی کیفیت ہی ہے جس میں شیطان کا کسی طرح کا کوئی عمل دخل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ اس بشارت پر مطمئن ہو گئے۔ اور آپ کے قلب مبارک کو تسلی ہو گئی۔

۱۲ محرابِ زکریا سے مراد حجرۂ عبادت:۔ یعنی محراب کے لفظ سے یہاں پر وہ معروف محراب مراد نہیں جو کہ آج کل ہماری مسجدوں میں بالعموم پائے جاتے ہیں کہ یہ محراب تو اسلام میں بھی بہت بعد بنو امیہ کے دور میں شروع کئے گئے۔ بلکہ اس سے مراد وہ خاص کمرے اور عبادت خانے ہیں جو کہ مسجدِ اقصیٰ کے آس پاس موجود ہوا کرتے تھے۔ جن میں عبادت گزار لوگ رہا کرتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی حرم مکی کے ارد گرد ایسے بہت سے کمرے موجود ہیں جن کو وہاں عام طور پر خلوے کہا جاتا ہے۔ جو کہ عبادت گزار حضرات کے رہنے سہنے کے لئے مخصوص ہیں۔ سو حضرتِ زکریا اسی قسم کے کسی حجرے سے باہر تشریف لائے تھے جہاں آپ قیام پذیر تھے۔ ورنہ محراب کا جو معنیٰ ومفہوم ہمارے دور اور ہمارے معاشرے میں پایا جاتا ہے، اسکے اعتبار سے وہاں رہنے، ٹھہرنے اور وہاں سے نکل آنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں بن سکتے۔ اور اسی خاص عبادت خانے کو مصلّٰی بھی کہا جاتا تھا۔ کہ اسی میں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی کو "غرفہ" اور "مقصورہ" بھی کہا جاتا تھا۔ اور اہلِ کتاب کے یہاں اسکو "مذبح" بھی کہا جاتا تھا۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ بہر کیف حضرتِ زکریا پر یہ کیفیت طاری ہوئی تو وہ محرابِ عبادت سے نکل کر باہر آئے تو لوگوں سے کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ صرف اشارے سے لوگوں کو تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنے کی ہدایت فرمائی۔ کہ تسبیح وتہلیل ہی اصل مقصد اور وسیلۂ حیات ہے۔ وباللہ التوفیق

۱۳ فرزندِ زکریا حضرتِ یحییٰ کا ذکر:۔ سو جب حضرتِ زکریا کے وہ فرزندِ گرامی یعنی حضرتِ یحییٰ سنِ شعور کو پہنچ گئے تو ان کو یہ ہدایت فرمائی گئی۔ یہاں پر حذف وایجاز اور اختصار واندماج ہے کہ حضرتِ یحییٰ کی پیدائش سے لے کر بلوغ تک کے تمام مراحل کا تذکرہ چھوڑ دیا گیا۔ (روح، قرطبی، ابنِ کثیر اور فتح القدیر وغیرہ)۔ کیونکہ ایک تو یہ سب کچھ خود بخود معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے اس کو فہمِ سامع پر چھوڑ دیا گیا۔ اور دوسرے اس لئے کہ اس میں یہ درس بھی ہے کہ قرآنِ حکیم کوئی تاریخ اور قصے کہانیوں کی کتاب نہیں کہ قصے کو پورے کا پورا اور بالترتیب بیان کیا جائے۔ بلکہ یہ کتاب کتابِ ہدایت ہے۔ اس میں قصے کا بیان اسی حد تک اور اسی انداز میں ہوتا ہے جس کا تعلق حق وہدایت سے ہوتا ہے اور بس۔ اور تیسرا بڑا درس اس سے یہ ملتا ہے کہ اصل مقصد قصہ گوئی یا مولود اور میلاد کا ذکر و تذکرہ نہیں، بلکہ اصل مقصود تو دعوت وتبلیغِ حق کا وہ کام ہوتا ہے جس کیلئے حضراتِ انبیائے کرام کی بعثت اور ان کی تشریف آوری ہوتی ہے۔ اس لئے اصل مقصود وہی دعوت اور تبلیغ ہوتی ہے مگر اہلِ بدعت ہیں کہ اس اصل مقصد کو پسِ پشت ڈال کر سارا زور محافلِ میلاد منعقد کرنے ہی پر صرف کرتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ والی اللہ المشتکی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہ حق وصواب پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

(تو ان کو حکم ہوا) اے یحییٰ، مضبوطی سے تھام لو تم (ہماری) ۱۴ کتاب کو، اور ہم نے انہیں بچپن ہی میں نواز دیا تھا حکم سے ۱۵ اور انہیں ہم نے اپنی ۱۶ طرف

وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا

سے ایک عظیم رحمدلی ۱۷ بھی عطا کی تھی، اور پاکیزگی بھی ۱۸ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے ۱۹ اور وہ بڑے نیکوکار (اور خدمت گزار) تھے اپنے ماں باپ کے

عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ

ساتھ، اور ان میں کسی بھی طرح کی نہ کوئی سرکشی تھی نہ نافرمانی، سلام ہو اس پر، جس دن کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا، اور جس دن

يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ ۧ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ

اس کو اٹھایا جائے گا زندہ کر کے ۲۰ اور اس کتاب میں (ان کو) مریم کا قصہ بھی پڑھ ۲۱ کر سنا دو، جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر

وقف لازم ع ۵/۴

۱۴ کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم وارشاد: ــ سو حضرت یحییٰ کو کتاب الٰہی مضبوطی سے تھامنے کا حکم وارشاد فرمایا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اے یحییٰ مضبوطی سے تھام لو ہماری کتاب کو"۔ یعنی تورات کو جو کہ اس دور کی کتاب ہدایت تھی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور کتاب مراد ہو جو خاص ان کو دی گئی ہو اور جس کا علم ہمیں نہ ہو۔ (المراغی، المحاسن، فتح القدیر وغیرہ)۔ بہرکیف ان کو حکم دیا گیا کہ ہماری اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑو کہ اسکو پوری محنت سے سیکھو پڑھو اور اسکی تعلیمات وارشادات کے مطابق عمل کرو۔ (روح، معارف اور محاسن وغیرہ)۔ سو اس ارشادِ ربانی میں کامیابی کیلئے دو اہم اور بنیادی باتوں کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ ایک یہ کہ نصاب تعلیم صحیح ہو۔ اور یہ بات اپنی جگہ طے اور واضح ہے کہ صحیح نصابِ تعلیم کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ نورِ وحی سے محرومی کے بعد ــ والعیاذ باللہ ــ اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ اور دوسری بات یہ بھی واضح فرما دی گئی کہ نصابِ تعلیم سے استفادہ اور فیضیابی اسی صورت میں ممکن ہوسکتی ہے جبکہ اس پر صدقِ دل اور پوری محنت اور لگن سے عمل کیا جائے ــ وباللہ التوفیق ــ بہرکیف حضرتِ یحییٰ کو جو کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے کی ہدایت فرمائی گئی تو اس کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ شیطان اور اس کے دوست جو اس کتابِ ہدایت کے ابدی دشمن ہیں وہ تمہیں اس سے برگشتہ کرنے کے لیے پورا زور لگائیں گے اور ہر حربہ استعمال کریں گے۔ اس لیے تم ان کے داؤ پیچ اور حیلوں حوالوں سے خبردار اور محتاط رہنا۔ سو حضرتِ یحییٰ نے اس ہدایتِ خداوندی کی پوری طرح نگہداشت اور پاسداری کی اور اس کو ہر طرح سے نبھایا۔ یہاں تک کہ اس کی خاطر اپنا سر بھی کٹوا دیا ــ علی نبینا و علیه الصلوٰة والسلام ورزقنا حُبَّهٗ والاطاعة

۱۵ حضرتِ یحییٰ کے لیے بچپن ہی سے حکم کی نوازش: ــ سو ارشاد فرمایا کہ "ہم نے ان کو بچپن ہی میں حکم سے نواز دیا تھا"۔ یعنی حکمت اور دین کی سمجھ اور خیر کی طرف توجہ سے۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ آپ کو بچپن میں جب دوسرے بچوں نے ایک مرتبہ اپنے ساتھ کھیلنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا کہ ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ــ "مَا نَحْنُ لِلَّعِبِ خُلِقْنَا"۔ (ابن کثیر، فتح القدیر، المراغی وغیرہ)۔ اور یہ اتنی بڑی حکمت کی بات ہے کہ آج تک دنیا کے بڑے بڑے مفکر اور دانشور بھی اس سے محروم ہیں اگرچہ وہ چاند تک پہنچ چکے ہوں اور مریخ پر ڈورے ڈالنے کی تگ ودو میں لگے ہوں ــ الا ماشاء

اللہ- سو یہ سب لوگ نہ صرف یہ کہ اس اہم حکمت سے غافل و بے خبر ہیں، بلکہ یہ لوگ مادیت کے اس دور میں طرح طرح کے وسائل و ذرائع سے پوری دنیا کو اسی غفلت میں جکڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اس غرض کیلئے وہ طرح طرح کے جال دن رات بُن رہے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اور بعض حضرات نے یہاں پر "حکم" سے نبوت بھی مراد لی ہے کہ آپ کو اور حضرت عیسیٰ کو بچپن ہی میں نبوت سے سرفراز فرمادیا گیا تھا۔ (تفسیر کبیر وغیرہ)۔ مگر جمہور کے نزدیک راجح قول پہلا ہی ہے۔

۱۶ حضرت یحییٰ کے لیے رحمدلی کی خاص عنایت ونوازش: -سو یہ حضرت یحییٰ کیلئے ایک اور خاص نوازش تھی جس سے آپ آنجناب کو نوازا گیا تھا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ " ہم نے ان کو اپنی طرف سے اس عنایت سے بطورِ خاص نوازا تھا"۔ اور یہی شان ہوتی ہے حضرات انبیائے کرام کی کہ ان کو اللہ تعالیٰ اپنی خاص عنایات سے نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے جس کی بناء پر وہ بچپن ہی سے باقی سب دنیا سے الگ اور ان کیلئے ایک نمونہ اور قدوہ بن جاتے ہیں۔ ﴿من لدنا﴾ کے الفاظ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اس صفت سے آنجناب کو بطورِ خاص اور وافر مقدار میں نوازا گیا تھا اور یہ رحمت وشفقت محبت و الفت اور سوز و گداز ہی انسان کے قلب وروح کی حرارت اور اس کی زندگی کی اصل علامت ہے۔ یہ اگر نہ ہو تو انسان انسان نہیں بلکہ پتھر کی ایک مورت ہے۔ اور حضرات انبیاء و رسل نبوت و رسالت کے جس منصب جلیل پر فائز ہوتے ہیں اس کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ وہ شفقت وعنایت کے خاص درجہ و مرتبہ پر فائز ہوں۔ اور حضرت یحییٰ کو اس ضمن میں خاص امتیازی شان سے نوازا گیا تھا۔ سو ان کے اس سوز و گداز اور محبتِ الٰہی کے جوش کا اندازہ آپ کے ان ارشادات سے ہوسکتا ہے جو انجیلوں کے اندر موجود ہیں اور جن کی حرارت آج بھی دلوں کو گرما اور روحوں کو تڑپا دیتی ہے- علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام. اللہ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۱۷ لفظِ ﴿حنان﴾ کا معنٰی ومطلب؟: -سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ یحییٰ کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص رحمت وشفقت عطا فرمائی گئی تھی جس سے آپ خلقِ خدا کے ساتھ شفقت اور رحم دلی سے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ ﴿حنان﴾ اصل میں اس محبت کو کہا جاتا ہے جس میں خاص شفقت اور میلان شامل ہو۔ چنانچہ عرب کہتے ہیں " حنت الناقة علی ولدها" یعنی "اونٹنی نے اپنے بچے پر ترس کھایا اور اس سے پیار کیا"۔ اور اس معنٰی میں وہ کہتے ہیں " حنت المرء ة علی زوجها"۔ اسی لیے عورت کو "حنه" کہا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (ابن کثیر، فتح القدیر اور محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو حضرتِ یحییٰ کو "حنان" کے اس وصف سے بھی بطورِ خاص نوازا گیا تھا۔ اور یہ لفظ محبت وشفقت، الفت وعنایت اور سوز و گداز کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ ایک عام اور معروف ومتداول لفظ ہے۔ اس لیے تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے حضرتِ ابن عباس کی طرف یہ بات کس طرح منسوب کردی کہ مجھے اس کے معنٰی معلوم نہیں۔ جیسا کہ ابن کثیر وغیرہ میں مروی ومنقول ہے۔

۱۸ حضرتِ یحییٰ کے لیے پاکیزگی کی عنایت کا ذکر وبیان: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ " آپ کو بڑی پاکیزگی سے نوازا گیا تھا"۔ یعنی ظاہر و باطن اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے۔ سو آپ معاصی و ذنوب کی ہر میل کچیل سے پاک صاف تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے نہ کبھی کوئی گناہ کیا اور نہ کسی گناہ کا کوئی ارادہ وخیال ہی آپ کے دل میں گزرا۔ سو آپ کے قلبِ مبارک کو اس طرح کے تمام شوائب سے پاک کردیا گیا تھا۔ (معارف وغیرہ)۔ اور زکوٰۃ و پاکیزگی کی یہ صفت دراصل حنان ہی کا پرتو ہے۔ کیونکہ جب کسی کے اندر سوز و گداز کی صفت وکیفیت موجود ہوگی تو وہ اس کے نتیجے میں اخلاق وعقائد اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے پاک وصاف ہوگا اور کسی کدورت و آلائش کا کوئی اثر اس پر باقی نہیں رہے گا۔ نہ اس کے ظاہر میں

نہ اس کے باطن میں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید فی کل آن وحین، وبکل حال من الاحوال،

۱۹ حضرت یحییٰ کی صفتِ تقویٰ و پرہیزگاری کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''آپ بڑے پرہیزگار انسان تھے''۔ چنانچہ آپ نے زندگی بھر کوئی گناہ تو درکنار، کسی گناہ کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔ (المراغی، الصفوۃ، فتح القدیر وغیرہ)۔ اور آپ کی صفت اور شان یہ رہی کہ زندگی بھر اپنے رب کے مطیع وفرمانبردار رہے۔ اسکے اوامر وارشادات پر ہمیشہ کاربند رہے اور اسکے نواہی سے ہمیشہ بچتے رہے۔ سو صفتِ حنان وزکوٰۃ کے بعد صفتِ تقویٰ کا ذکر آپ کی ان دونوں صفتوں کو مزید اجاگر کر رہا ہے۔ کیونکہ ان دونوں صفتوں کا تعلق انسان کے باطن سے ہوتا ہے اور باطن کی اس خوبی اور روشنی کا اظہار اس کے ظاہری اعمال و اخلاق اور صفات و کردار سے ہوتا ہے۔ سو حضرت یحییٰ بڑے ہی متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔ انکی ساری زندگی زہد اور ترکِ دنیا کی زندگی تھی۔ انہوں نے توبہ اور رجوع الی اللہ کی منادی اس زور وشور سے کی کہ اس سے دشت وجبل گونج اٹھے۔ ہیکل میں ان کی تقریر سے دل دہل جایا کرتے تھے۔ دنیا سے ان کا تعلق صرف دینے کے لیے تھا۔ اس سے انہوں نے لیا کچھ نہیں۔ جنگل کے شہد اور ٹڈیوں پر آنجناب کا گزارہ تھا۔ کمبل کی پوشاک سے تن ڈھانکتے اور جس سر کو چھپانے کے لیے انہوں نے اس دنیا میں کوئی چھت نہیں بنائی تھی اس کو خدا کی رضا کے لیے اور اس کی کتاب کی خاطر کٹوا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی پیروی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۲۰ حضرتِ یحییٰ کے لیے اول تا آخر سلامتی ہی سلامتی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ سلام ہو اس پر جس دن کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن اس کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ سو پیدائش، موت اور بعث بعد الموت تینوں مواقع انسانی زندگی میں بڑے اہم مواقع ہوتے ہیں کہ پیدائش کے وقت وہ عالمِ ارواح سے نکل کر اس دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ اور موت کے وقت وہ اس دنیا سے عالمِ برزخ میں منتقل ہوتا ہے اور وہاں سے دوبارہ اٹھنے کے بعد عالمِ آخرت کی حقیقی اور دائمی زندگی کے دار القرار میں پہنچ جاتا ہے۔ سو ان تینوں مواقع پر انسان چونکہ اپنی عاجزی اور بے بسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کا بطورِ خاص زیادہ محتاج ہوتا ہے اس لئے آنجناب کو ان تینوں مواقع میں خاص رحمت وعنایت اور عافیت وسلامتی سے نوازا گیا۔ (روح، طبری، مراغی اور فتح القدیر وغیرہ)۔ سو حضرتِ یحییٰ کی پیدائش کے وقت قدوسیوں نے مبارک وسلامت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور موت وانتقال کے موقعہ پر انہوں نے "اھلا و سھلا" کہہ کر ان کا استقبال کیا۔ اور جس دن ان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اس دن بھی وہ خیر مقدمی نعروں کے ساتھ ان کا استقبال کریں گے۔ والحمد للہ جل وعلا

۲۱ قصہ مریم وعیسیٰ کے ذکر و بیان کا حکم وارشاد: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اس کتاب میں مریم کا قصہ بھی سناؤ''۔ کہ اس میں بھی بڑے درس ہائے عبرت وبصیرت پنہاں ہیں۔ وہ عمران کی بیٹی اور داؤد کی نسل میں سے تھیں۔ بنی اسرائیل کے ایک پاکیزہ گھرانے میں انہوں نے جنم لیا۔ عام روایت کے خلاف لڑکی ہونے کے باوجود ان کو بیت المقدس کی خدمت اور عبادت کے لئے قبول کرلیا گیا اور عیسیٰ جیسے عظیم الشان بیٹے نے بغیر باپ کے ان کے یہاں جنم لیا۔ پھر یہود بے بہود کی بہتان طرازی سے معجزانہ طور پر آپ کی براءت کا قدرت کی طرف سے انتظام فرمایا گیا اور گود کے بچے نے معجزانہ طور پر آپ کی طہارت و پاکیزگی کیلئے بے مثال کلام کیا وغیرہ وغیرہ۔ ''الکتاب'' سے یہاں پر مراد قرآن حکیم ہے۔ جیسا کہ ظاہر ومتبادر ہے۔ اور جمہور مفسرین کرام نے اسی کا ذکر کیا ہے۔ (المراغی، المحاسن، المدارک اور المعارف وغیرہ)۔ مگر اس سب کے باوجود بعض نے کہا کہ یہاں پر ''الکتاب'' سے مراد ''اناجیلِ اربعہ'' ہیں۔ بہر کیف یہاں پر ان کے قصے کے ذکر و بیان کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس میں بھی بڑے درسہائے عبرت وبصیرت ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال،

مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

مشرقی جانب کی ایک جگہ میں جا بیٹھیں ۲۲ پھر انہوں نے ان لوگوں کے سامنے ایک

حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

پردہ ڈال لیا، اس وقت ہم نے اپنا فرشتہ ان کے پاس بھیجا ۲۳ تو وہ ایک پورے انسان کی شکل میں ان کے سامنے

سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ

نمودار ہوا، ۲۴ تب مریمؑ (اسے ایک انسان سمجھ کر) فوراً بول اٹھیں کہ میں تجھ سے (خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو کوئی

تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا

خدا ترس انسان ہے، اس نے کہا (ڈرو نہیں، کہ میں کوئی انسان نہیں بلکہ) میں تو تمہارے رب کا فرستادہ ہوں، (اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ)

زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ

تا کہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں ۲۵ مریم نے کہا کہ میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں،

۲۲ حضرتِ مریم کی اپنے گھر والوں سے علیحدگی کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب جا بیٹھیں"۔ یعنی بیت المقدس کی مشرقی جانب میں اپنے رب کی عبادت و بندگی کے لئے۔ (مراغی، صفوہ، ابن کثیر وغیرہ)۔ اور اسی بناء پر نصاریٰ نے اس مشرقی جانب کو اپنا قبلہ قرار دیا۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی وجہ سے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ اس بات کو جانتا ہوں کہ عیسائیوں نے بیت المقدس کی مشرقی جانب کو اپنا قبلہ کیوں قرار دیا۔ پھر آپؓ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کی جائے ولادت کو اپنا قبلہ قرار دیا۔ (ابن کثیر اور مراغی وغیرہ) بہر کیف اس سے حضرت مریم کی اس خاص حالت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

۲۳ حضرتِ مریم کی طرف روح القدس کے بھیجنے کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے اپنا فرشتہ ان کی طرف بھیجا"۔ یعنی روح القدس۔ جن کو اللہ پاک نے روح پھونکنے کے لئے بھیجا تھا۔ نیز جو کہ وحی لانے پر مامور و مقرر تھے جو کہ اس عالم کے لئے بمنزلہ روح کے ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں آپ کو روح القدس اور روح الامین فرمایا گیا ہے۔ بہر کیف ان کو حضرتِ مریم کے پاس بھیجا گیا تا کہ وہ ان کو بغیر باپ کے معجزانہ طور پر پیدا ہونے والے اس بچے کی خوشخبری سنا دیں۔ تا کہ کہیں یہ نہ ہو کہ وہ اسکی بناء پر غم اور صدمے میں گھٹ کر اپنی جان ہی نہ گنوا بیٹھیں کہ میرے یہاں بغیر باپ کے یہ بچہ کیسے پیدا ہوگا اور میں دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ (المراغی وغیرہ) اور یہی تقاضا تھا ان کی بے مثال عفت و پاکدامنی کا۔

۲۴ فرشتے کا مریم کے سامنے ظہور انسانی شکل میں: - سو وہ فرشتہ آپکے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوا تاکہ آپ ان کو انسانی شکل میں دیکھ کر ان سے مانوس ہوں اور ان کے ذریعے ملنے والے کلام و پیغام اور خوش خبری کو سن کر مان سکیں۔ کیونکہ فرشتے کو اپنی اصل صورت میں دیکھ کر برداشت کر لینا آپ کے بس میں نہ تھا۔ اس لئے حضرتِ جبریل آپ کے سامنے انسانی شکل میں نمودار ہوئے۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ حضرتِ مریمؑ کے پاس ایک کامل وخوبصورت، گھنگھریالے بالوں اور سفید چہرے والے انسان کی شکل میں آئے تھے۔ (بحر، فتح، مراغی اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو اگر ایسے نہ ہوتا بلکہ فرشتہ اپنی اصل اور حقیقی صورت میں ان کے سامنے آجاتا تو یہ اسکو دیکھنے اور اسکی بات سننے اور اس سے بات کرنے کی تاب نہ لاسکتیں۔ اور دیکھتے ہی خوف سے بھاگ کھڑی ہوتیں۔ نیز فرشتے کے انسانی شکل میں ظاہر ہونے میں حضرتِ مریم کے امتحان کا پہلو بھی ملحوظ تھا۔ سو ابتلاء وآزمائش کے اس نازک مرحلے پر حضرتِ مریم نے جس اعلیٰ اور پاکیزہ وعمدہ کردار کا مظاہرہ کیا وہ بے مثال تھا۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہم سب کو ایسے پاکیزہ اور مثالی کردار سے سرفراز فرمائے۔ جو رب کی رضا وخوشنودی کا ذریعہ ووسیلہ ہو آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۲۵ فرشتے کی طرف سے مریم کو بیٹے کی خوشخبری: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے کہا کہ "میں تمہارے رب کا فرشتہ ہوں تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دے سکوں"۔ اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد کے مطابق۔ پس ﴿لِاَهَبَ لَکِ﴾ دراصل اللہ پاک کے کلام کی حکایت ہے۔ تقدیراً اسکی اس طرح ہے "اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ الَّذِیْ قَالَ لِاَهَبَ لَکِ" (القرطبی، روح المعانی، صفوۃ وغیرہ)۔ اور اگر اس کو حکایت نہ بھی مانا جائے تو بھی مطلب بہرحال یہی بنتا ہے۔ کیونکہ لام یہاں پر سبب کیلئے ہے۔ اور اس صورت میں معنیٰ یہ بنے گا کہ میں تمہارے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ تمہارے لئے ایک پاکیزہ لڑکے کا ذریعہ اور سبب بنوں۔ چنانچہ نافع اور ابوعمرو کی قرات میں "لِیَهَبَ لَکِ" ہے۔ (ابنِ کثیر، الفتح، الفتوحات وغیرہ)۔ جمہور مفسرینِ کرام نے اس ارشادِ ربانی کا ایسا ہی مطلب لیا ہے۔ (روح، صفوہ، مراغی، فتح اور جامع وغیرہ)۔ پس اہلِ بدعت کا اس سے اپنے شرکیہ عقیدے کے لئے استدلال کرنا کہ غیر اللہ بھی بچہ دے سکتا ہے، باطل ہوگیا۔ اور پھر جب یہاں حضرتِ جبریلِ امین کا صریح نصِ قرآنی کے مطابق اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جانا مذکور ہے تو اس پر کسی کو از خود قیاس کر لینا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ کیا حضرتِ جبریل کے سوا اور کسی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جانے کے لئے بھی اس طرح کی کوئی نص کہیں موجود ہے؟ اور جب نہیں، اور یقیناً نہیں، تو پھر یہ قیاس کس طرح صحیح اور درست ہوسکتا ہے؟ لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق اور باطل ومردود ہے۔ والعیاذ باللہ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وانحرافٍ فِیْ کُلِّ مَوْقِفٍ مِّنَ الْمَوَاقِفِ وَبِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ۔ سو فرشتے کی طرف سے ہبہ اور بخشش کے اس فعل کی یہ نسبت مجازی ہے محض اسباب کے درجے میں اور وسیلہ وذریعہ کے طور پر۔ ورنہ بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بہرکیف حضرتِ مریم نے جب فرشتے کو انسانی شکل میں دیکھ کر اس سے اللہ کی پناہ مانگی تو فرشتے نے کہا کہ جس خدائے رحمان کی آپ مجھ سے پناہ مانگ رہی ہو میں اسی کا بھیجا ہوا آپ کے پاس آیا ہوں۔ تاکہ آپ کو ایک پاکیزہ خصال فرزند عطا کروں۔ لہٰذا آپ کسی طرح کا کوئی خطرہ اور اندیشہ محسوس نہ کریں اور اس خوشخبری پر مطمئن رہیں جو میں آپکو سنانے آیا ہوں۔

اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ

اور نہ ہی میں کوئی بدکار عورت ہوں؟ کہا ایسے ہی ہوگا ۲۶ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لئے بہت آسان ہے

وَلِنَجْعَلَهُۥٓ ءَايَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا

اور (یہ بھی فرمایا کہ ہم یہ اس لئے کریں گے) تاکہ ہم اس لڑکے کو ایک نشانی بنادیں (اپنی قدرت وعنایت کی) ۲۷ سب لوگوں کے لئے،

۲۶ استعجاب مریم کا جواب، اوراس کا ازالہ: -سو اس سے فرشتے کی طرف سے حضرتِ مریم کے استعجاب کے ازالہ اوران کے سوال کے جواب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ مریم کے استعجاب پر فرشتے نے ان سے کہا کہ ''ایسے ہی ہوگا''۔یعنی عام دستور اور معروف طریقے کے بغیر اور بلاسبب محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔کسی بشر کے مس اور اقتراب کے بدوں محض اللہ پاک کی قدرت وعنایت سے کہ اس قادرِ مطلق کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں-سبحانہٗ وتعالیٰ- اور وہ جب اس سے پہلے تمام انسانوں کے جدِّ امجد اور مورثِ اعلیٰ حضرتِ آدم کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کرچکا ہے تو پھراس کیلئے آپ کے یہاں بغیر باپ کے بیٹا پیدا کردینا کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ وہ قادرِ مطلق ہے جو چاہے اورجیسے چاہے کرے-سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف فرشتے کے جواب سے جب حضرتِ مریم کو اطمینان ہوگیا کہ یہ کوئی انسان نہیں فرشتہ ہے۔اور فرشتے نے آپ کو بچے کی خوشخبری سے بھی نواز دیا تو آپ نے بطورِ تعجب فرشتے سے کہا کہ میرے یہاں کوئی بچہ کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ نہ مجھے کسی بشر نے چھوا ہے اور نہ ہی میں کوئی بدکار عورت ہوں۔تو فرشتے نے کہا کہ تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ ہم ایسے ہی کریں گے تاکہ ہم اس بچے کے بارے میں اپنی قدرت کا ایک اور مظہر دکھائیں اور تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی ایک نشانی بنائیں۔

۲۷ حضرتِ عیسیٰ قدرت وعنایتِ خداوندی کا ایک منفرد مظہر ونمونہ: -سو ارشاد فرمایا گیا ''اور تاکہ ہم اسکو ایک عظیم الشان نشانی بنادیں اپنی قدرت وحکمت کی'' کہ ہم سلسلۂ اسباب ووسائل کے پابند نہیں ہیں۔بلکہ جسکو جس طرح چاہیں پیدا کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس سے پہلے آدم کو مرد اور عورت دونوں کے واسطے کے بغیر پیدا کیا۔اور حوا کو عورت کے توسط کے بغیر محض مرد سے پیدا کیا۔اوراب عیسیٰ کو باپ کے بغیر پیدا کررہے ہیں۔اور باقی تمام دنیا کی اولاد آدم کو ماں اور باپ دونوں کے واسطے سے۔سو اپنی مخلوق میں ہم نے ان چاروں صورتوں کے نمونے دکھادیئے۔(مراغی، محاسن، ابن کثیر وغیرہ)۔پس جو لوگ اس پر تعجب اوراعتراض کرتے ہیں یا کریں گے وہ سب ان کی اپنی کوتاہی اور تنگ نظری کی بناء پر ہوگا، جسکے باعث وہ خود اپنی ہی حرمان نصیبی کا سامان کریں گے-والعیاذ باللہ العظیم- نیز حضرتِ عیسیٰ کی خارقِ عادت ولادت وپیدائش قیامت کی بہت بڑی نشانی ہے۔کیونکہ منکرین کو قیامت کے بارے میں اصل اور بڑا شبہ یہی پیش آتا ہے کہ آخر اسباب کے بغیر لوگ دوبارہ کس طرح پیدا ہوجائیں گے۔سو حضرتِ عیسیٰ کا وجود اس کا کھلا اور واضح ثبوت ہے کہ ہر چیز کا وجود اصل میں اللہ پاک کے کلمہ ''کن'' کا رہینِ منت ہے۔حضرتِ عیسیٰ اسی کلمہ ''کن'' سے وجود میں آئے۔اسی لیے آپ کو انجیل اور قرآن دونوں میں ''کلمۃ اللہ''، ''فرمانِ خداوندی'' فرمایا گیا ہے۔سو حضرت عیسیٰ کی خرق عادت پیدائش قدرت کا ایک عظیم الشان نمونہ تھی۔

مَّقۡضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

اور ایک رحمت اپنی طرف سے ف۲۸ اور یہ ایک طے شدہ بات ہے، سو مریم کو اس بچے کا حمل ہو گیا، تو وہ اسے لے کر ایک دور جگہ ف۲۹

فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ‌ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ

چلی گئیں، پھر پہنچا دیا ان کو دردِ زہ (کی شدت) نے کھجور کے درخت کے نیچے، تب انہوں نے (حسرت بھرے انداز میں)

مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰٮهَا مِنۡ

کہا اے کاش کہ میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے، اور میرا کوئی نام و نشان بھی باقی نہ رہ گیا ہوتا، ف۳۰ تب فرشتے نے ان کو ان کے

تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَ

ایک نشیبی مقام سے پکار کر کہا، غم نہ کرو، تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے، اور

هُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا

ہلاؤ تم اپنی طرف کھجور کے اس تنے کو، ف۳۱ یہ گرائے گا تم پر تر و تازہ

۲۸ حضرتِ عیسیٰ کا وجود ایک عظیم الشان رحمتِ خداوندی:۔سو ارشاد فرمایا گیا "اور تا کہ اپنی طرف سے ایک عظیم الشان رحمت یعنی اپنے ایماندار بندوں کے لیے" کہ آگے چل کر ان کو نبوت و رسالت کے شرف سے مشرف فرمایا جائے گا جس سے اہلِ ایمان کو دنیا و آخرت کی سعادت اور کامیابی نصیب ہوگی۔ جو کہ اللہ پاک کی عظیم الشان بلکہ سب سے بڑی رحمت اور نعمت ہے۔ سو جو اس پر ایمان لائیں گے وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند اور سرفراز ہونگے۔ سو اس بچے کا سامانِ رحمت ہونا تو انہی لوگوں کیلئے ہے جو اس پر ایمان لائیں گے کہ جو ایمان نہیں لائیں گے وہ اپنی شقاوت اور بدبختی ہی میں اضافہ کریں گے۔ البتہ آپ کا نشانی ہونا سب ہی لوگوں کیلئے عام ہے۔ اسی لیے اس کے بارے میں فرمایا گیا ﴿اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ کہ آپ کو نشانی بنائیں سب لوگوں کے لیے۔ بہر کیف حضرتِ عیسیٰ ایک عظیم الشان رحمتِ خداوندی کے مظہر و نمونہ تھے ۔ علیٰ نبینا و علیه الصلوٰۃ والسلام ۔ مگر اس رحمت سے فیضیاب وہی ہو سکیں گے جو ان پر ایمان لائیں گے۔

۲۹ حضرتِ مریم کے حمل اور آپ کی کنارہ کشی کا ذکر:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "حضرتِ مریم کو حمل ہو گیا تو وہ اسکو لے کر ایک دور جگہ چلی گئیں"۔ جنگل یا پہاڑ میں۔ اور یہ غالباً "بیت اللحم" کا وہی مقام ہے جہاں حضرتِ عیسیٰ کی ولادت کا ذکر مشہور ہے۔ اور جو کہ بیت المقدس سے کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور حمل اور وضعِ حمل کے اس قصے کے بارے میں آگے علمائے کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب کچھ عام معمول کے مطابق چھ سات ماہ کے عرصے میں ہوا۔ اور دوسرا یہ کہ سب کچھ خرقِ عادت کے طور پر ایک ہی ساعت میں ہو گیا۔ (الفتوحات الالہیۃ، المعروف الجمل، صفوہ وغیرہ)۔ "قصیّ" کے معنیٰ دور کے ہیں۔ آگے اس امر کی یہاں پر کوئی تصریح نہیں کہ "دور کی اس جگہ" سے مراد کونسی جگہ ہے۔ لیکن جیسا کہ ابھی

اوپر بھی اشارہ گزر رہا ہے انجیلوں کی روایات سے معلوم ہوتا ہے اس سے مراد "بیت اللحم" ہے جہاں پر حضرتِ مریم چلی گئی تھیں۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ مریم کو اس بچے کا حمل ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ ایک دور جگہ چلی گئیں۔

۲۰ حضرتِ مریم کی طرف سے اظہارِ افسوس: ۔ سو حضرتِ مریم صدیقہ کے ان کلمات سے انتہائی حسرت اور ندامت کا اظہار ہوتا ہے کہ "میں مرگئی ہوتی" اور مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا جو میرے لئے فضیحت و رسوائی کا باعث بنے گا۔ حضرتِ مریم صدیقہ۔ سلام اللہ علیہا۔ اپنے فطری شرم وحیا کے غلبے کی وجہ سے اس موقع پر فرشتہ کی بشارت وخوشخبری کو بھی بھول گئیں اور ان درد بھرے الفاظ سے اپنی اندرونی کیفیت کا اس طرح اظہار فرمایا جو کہ آپ کی عفت و پاک دامنی اور شرم وحیا کے کمال کی نشانی اور ثبوت ہے۔ سو یہاں سے دو اہم اور بنیادی باتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ یہود کس قدر خبیث اور کتنی بدباطن قوم ہے، جس کو حضرتِ مریم قدیسہ ایسی پاکیزہ ہستی پر بھی بدکاری کا ایسا ہولناک الزام لگانے میں کوئی شرم نہ محسوس ہوئی۔ اور دوسری بات یہ کہ قرآنِ حکیم کی اس کتابِ مقدس کے دنیا پر کس قدر بڑے اور کتنے عظیم الشان احسانات ہیں کہ اس نے حضرتِ مریم صدیقہ کی جو اور جس طرح صفائی پیش کی اس کا عشر عشیر بھی اور کہیں، حتیٰ کہ خود ان لوگوں کی اپنی بائبل میں بھی نہیں مل سکے گا جو ان پر ایمان کے دعویدار ہیں۔ وللہ الحمد رب العالمین۔ بہر کیف حضرتِ مریم کے ان کلماتِ کریمہ سے آپ کے اندر کی کیفیت اور آپ کے باطن کے مشاعر واحساسات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے کہا کاش کہ میں اس فضیحت و رسوائی کے پیش آنے سے پہلے ہی مرمٹ چکی ہوتی اور ایسی کہ لوگوں کے اذہان اور حافظوں سے بھی محو ہو چکی ہوتی۔ اور یہ طبعی تقاضا تھا حضرتِ مریم قدیسہ کی عفت و پاکدامنی کا۔ جو کہ عفت مآب اور ایماندار خواتین کا اصل اور حقیقی زیور ہوتا ہے۔

۲۱ رحمتِ خداوندی سے سرفرازی کے لیے بہانے کی ضرورت: ۔ سو رحمتِ خداوندی سے سرفرازی کے لیے حیلے اور بہانے کی تعلیم کے طور پر ارشاد فرمایا گیا "اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے اس تنے کو"۔ تاکہ اس طرح آپ کی اپنی محنت کا بھی اس نعمت کے حصول میں کچھ دخل ہو سکے اور کسبِ ید کی فضیلت بھی واضح ہو جائے۔ سو اس سے یہ درس ملا کہ اسباب کی اس دنیا میں انسان کو اپنے مقدور کی حد تک اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔ اسی لئے حضرتِ مریم کو درخت کا تنا ہلانے کا حکم وارشاد فرمایا گیا۔ ورنہ جو ذات خشک تنے سے تازہ کھجوریں عطا فرما سکتی ہے۔ وہ اس کو ہلائے بغیر کیوں نہیں دے سکتی۔ مگر اس میں کسب ومحنت اور اسباب کو اپنانے کا درس دیا گیا ہے۔ نیز اس میں یہ ارشاد بھی ہے کہ جو ذاتِ اقدس خشک درخت سے بغیر موسم کے تازہ کھجوریں عطا فرما سکتی ہے وہ تم کو اے مریم! بغیر مسِ بشر کے بچہ کی نعمت سے بھی سرفراز فرما سکتی ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ دینا اور نوازنا اور ہر طرح کی اور ہر قسم کی دین اور نوازش اسی وحدہٗ لاشریک کی شان اور اسی کا کام ہے۔ پس مومنِ صادق کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اسی سے مانگے اور اپنا بھروسہ اور اعتماد اُسی پر اور صرف اسی پر رکھے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس مختصر سے ارشاد سے ایک طرف تو یہ درس ملتا ہے کہ بندے کو اپنے قلب وباطن اور نہاں و عیاں کا تعلق اپنے خالق و مالک سے صحیح رکھنا چاہیے تاکہ اسکی عنایات سے سرفراز ہوتا رہے کہ اسکی رحمت وعنایت سے سرفرازی کے لیے بس حیلے اور بہانے کی ضرورت رہتی ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے جہاں تک ہو سکے اپنے ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں اور اپنی طرف سے حرکت کرنی چاہیے کہ حرکت میں برکت ہے۔ اور تیسری طرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت ہمیشہ اور ہر وقت جاری وساری ہے۔ وہ اسباب ومسببات کی پابند نہیں ہے۔ اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ

کھجوریں، پس تم کھاؤ پیو اور ٹھنڈا کرو اپنی آنکھوں کو، ۳۲ پھر اگر تمہیں کوئی

الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ

آدمی نظر آئے (اور اعتراض کرے) تو (تو اسکو اشارے سے) کہہ دو کہ میں نے (خدائے) رحمٰن کے لئے (نہ بولنے کے) روزے کی

أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا

نذر مان رکھی ہے، لہٰذا میں آج کسی انسان سے بات نہیں کروں گی، ۳۳ پھر وہ اس بچے کو لئے اپنی قوم کے پاس آئیں، تو وہ لوگ

يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ

(بچے کو دیکھتے ہی) بول پڑے کہ اے مریم، تو نے تو بڑے غضب کا کام کر ڈالا، ۳۴ اے ہارون ۳۵ کی بہن، نہ تو تیرا باپ کوئی برا آدمی

أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ

تھا، اور نہ ہی تیری ماں کوئی بدکار عورت تھی، (تو پھر تو نے یہ غضب کس طرح ڈھایا ہے؟) اس کے جواب میں مریم نے اس بچے کی

۳۲ حضرتِ مریم کے لیے سامانِ تسکین وراحت کی فراہمی: سو حضرتِ مریم کے لیے کھانے پینے اور سکون وراحت کے سامان کی فراہمی کے بعد آپ سے ارشاد فرمایا گیا "پس کھاؤ، پیو اور ٹھنڈا کرو اپنی آنکھوں کو"۔ اپنے اس نورِ نظر کو دیکھ کر جو کہ بڑی عظمت اور شان والا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ان خصوصی کرامتوں اور عنایتوں کو یاد کر کے جن سے اس نے محض اپنے فضل و کرم سے تم کو نوازا ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی سوچو کہ جو خدا خشک زمین سے پانی کا چشمہ جاری کرسکتا ہے، خشک درخت سے تازہ پھلوں کی نعمت سے نواز سکتا ہے، وہ یقیناً بغیر باپ کے توسط کے اولاد کی نعمت سے نوازنے پر بھی قادر ہے۔ پس تم اللہ کے بخشے ہوئے تازہ پھلوں سے کھاؤ، صاف ستھرے چشمے کے اس پانی سے پیو اور اللہ تعالیٰ کی ان عنایات کو یاد کر کے اور اپنے اس پاکیزہ نورِ نظر کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کرو۔ اور اپنے رب کی ان عنایات پر دل و جان سے اس کا شکر بجالاؤ جس نے نور علیٰ نور اور سرور بالائے سرور کا ذریعہ بننے والی ان عظیم الشان نعمتوں سے آپکو نوازا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اطباء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ ایامِ نفاس میں سب سے بہتر اور مفید غذا "رطب" یعنی تازہ کھجور ہے۔ اور پینے کے لیے صاف ستھرا پانی زندگی کی بنیادی اور اہم ضروریات میں سے ہے۔ پھر اولاد زندگی کا ایک عظیم الشان پھل اور سامانِ سکون وراحت ہے۔ پھر ان نعمتوں سے سرفرازی بھی اگر بطورِ اکرام و اعزاز ہو تو یہ ایک اور مہتم بالشان نعمت ہے۔ سو حضرتِ واہب مطلق۔ جل جلالہ۔ کی طرف سے حضرتِ مریم کو تنہائی کے اس وحشتناک ماحول میں ان تمام اہم اور بنیادی نعمتوں سے نواز دیا گیا اور وہ اکرام و اعزاز کے ساتھ اور کرامت کے طور پر۔ فالحمد للہ جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین

۳۳ **حضرتِ مریم کو سکوت وصمات کے روزے کی ہدایت**:- سو اشرار کے شر سے حفاظت کے لیے حضرتِ مریم کو نہ بولنے کے روزے کی نذر کی ہدایت فرمائی گئی تا کہ اس طرح ایک طرف تو آپ کی ان جاہلوں کی دل آزار باتوں سے حفاظت ہو سکے اور دوسری طرف آپ پر اس بچے کے معجزانہ کلام کا اعجاز بھی ظاہر ہو سکے جو کہ ان سب کی بولتی بند کر کے رکھ دے گا۔ سبحان اللہ۔ کیسا آسان نسخہ اور کس قدر عجیب علاج بتایا گیا ہے جاہلوں کی جہالت کے جواب اور ان کے شر سے بچنے کا۔ کہ ان کے سامنے اپنی صفائی بیان کرنے کی بجائے معاملہ کو اپنے خالق و مالک کے حوالے کر کے سکوت و خاموشی کو اپنالو۔ سب معاملہ خود بخود اور بہترین طریقے سے حل ہو جائے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ یعنی جس نے سکوت اور خاموشی کو اپنایا وہ نجات پا گیا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "جوابِ جاہلاں خاموشی" یعنی "جاہلوں کا جواب خاموشی ہے"۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۳۴ **قوم کا حضرتِ مریم پر اچنبھا اور اعتراض**:- سو فرشتے کی طرف سے اس راہنمائی سے سرفرازی کے بعد حضرتِ مریم اس بچے کو لے کر اپنے خاندان والوں میں واپس لوٹیں تو ان کو اس حالت میں دیکھتے ہی وہ سب لوگ ان پر پل پڑے کہ مریم تو نے یہ کیا غضب ڈھایا کہ بغیر نکاح وشادی کے بچے کو جنم دے دیا۔ اور پھر اس کو اس طرح اٹھا کر ہم سب کے سامنے لے آئی ہو۔ تو نے تو ایک بہت ہی بڑی بات اور ناشدنی حرکت کا ارتکاب کیا۔ بتاؤ تم نے یہ کام کیسے کیا اور اس بچے کو کہاں سے اٹھا کر لائی ہو؟ اور اس طرح تم نے اتنی بڑی جراءت اور جسارت کا ارتکاب کیا۔ بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا اور کس طرح کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ حسنِ ظن کی توقع ایسے لوگوں سے ویسے ہی نہیں ہوتی۔ والعیاذ باللہ الذی لا الٰہ الّا ھُو۔

۳۵ **ہارون کی بہن کا مطلب؟**:- اس سے مراد وہ ہارونؑ نہیں جو کہ حضرتِ موسیٰؑ کے بھائی تھے کہ وہ تو اس سے صدیاں پہلے گزر چکے تھے۔ بلکہ اس سے مراد حضرتِ مریمؑ کے وہ بھائی تھے جن کا نام ہارون تھا اور جو بڑے عابد و زاہد اور نیک و صالح شخص تھے اور جن کا زہد و تقویٰ ضرب المثل تھا۔ اور بنی اسرائیل میں اپنے نبیوں کے ناموں پر نام رکھنے کا رواج موجود تھا۔ جیسا کہ ہمارے یہاں بھی موجود ہے کہ لوگ پیغمبروں کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھتے ہیں مثلاً محمد، احمد، مصطفیٰ، یعقوب، یوسف، ابراہیم وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح وہاں بھی تھا۔ اور اگر یہاں ہارونؑ سے مراد وہی ہارون لئے جائیں جو کہ حضرتِ موسیٰ کے بھائی تھے تو یہ بھی درست ہو سکتا ہے۔ اور اس صورت میں حضرتِ مریم کو ان کی بہن کہنا عربوں کے اس معروف دستور و رواج کے مطابق ہوگا کہ وہ نسبت کے لئے اس طرح کی اضافتوں کا استعمال کیا کرتے تھے۔ اور آج بھی کرتے ہیں۔ مثلاً "تمیمی" کو "اخاتمیم" اور "ہمدانی" کو "اخاھمدان" اور اسی طرح "اخاالعرب" اور "اخاالانصار" وغیرہ کہتے تھے اور کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جیسا کہ خود قرآنِ پاک میں بھی فرمایا گیا۔ ﴿ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ﴾۔ وغیرہ۔ بہر کیف ان لوگوں نے حضرتِ مریم کی نسبت حضرتِ ہارون کی طرف کر کے ان کی سرزنش کو اور بھی سخت کر دیا کہ اتنے بڑے نیک اور پاکیزہ بھائی کی بہن ہونے اور اس قدر پاکیزہ نسبت رکھنے کے باوجود تم نے یہ حرکت کیسے کی؟ حضرتِ مریم کے والد ماجد کا نام عمران تھا جو مسجدِ اقصیٰ کے امام تھے۔ اور وہ بڑے عابد و زاہد انسان تھے۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ کا نام "حنہ بنت فاقوذا" تھا۔ (معارف وغیرہ)۔ بہر کیف اس طرح ان لوگوں نے حضرتِ مریم صدیقہ کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ اللہ اشرار کے شرور و فتن سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ

طرف اشارہ کردیا، اس پر ان لوگوں نے کہا کہ ہم گہوارے میں پڑے ہوئے ایک بچے سے کیونکر بات کر سکتے ہیں؟ اتنے میں وہ ۳۶

اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِيْ

(معصوم) بچہ خود بول اٹھا کہ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، ۳۷ اس نے مجھے کتاب بخشی ہے، اور مجھے نبی بنایا ہے ۳۸ اور مجھے برکت والا

۳۶ حضرتِ مریم کا اپنی قوم کو جواب اشارے کے ذریعے :- سو اس سب کے جواب میں حضرتِ مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کردیا اور بس۔ جس سے وہ لوگ اور بھڑک اٹھے کہ کیا اس طرح تم ہمارا مذاق اڑانا چاہتی ہو جو ہماری بات کا صاف اور سیدھا جواب دینے کی بجائے ہمیں اس بچے کے حوالے کرتی ہو؟ جو گہوارے میں پڑا ہے اور بولنے کے قابل بھی نہیں۔ بھلا اس سے ہم کس طرح کوئی بات کر سکتے ہیں؟ مگر حضرتِ مریم نے چونکہ خاموشی کا روزہ رکھا ہوا تھا اس لیے آپ نے ان لوگوں سے زبانی کلامی کوئی بات کرنے کی بجائے اس نومولود کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان تمام تہمتوں اور سب الزامات کا جواب یہ بچہ خود دے گا۔ اسی سے پوچھو۔ مجھے اس بارے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر وہ لوگ اور بڑ بڑائے اور سیخ پا ہوئے، اور اسکو اپنے لئے توہین اور استہزاء قرار دیا کہ اس بچے سے ہم کس طرح بات کریں جو کہ ابھی گود میں ہے۔

۳۷ حضرتِ عیسیٰ کا ماں کی گود میں معجزانہ کلام :- سو اس پر عیسیٰ نے کہا "بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں"۔ سو اس سے آنجناب نے تصریح فرمادی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ نہ کہ خدا یا خدا کا بیٹا۔ جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں۔ اور نہ ولد الزنا ۔جیسا کہ یہودِ بے بہبود بہتان باندھتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- سو اس طرح اس بچے نے معجزانہ طور پر بولنے کے علاوہ بات بھی ایسی کہی کہ اپنی براءت ونزاہت اور اپنی والدہ ماجدہ کی پاکیزگی اور پاکدامنی بھی واضح کردی اور ساتھ ہی ساتھ یہود ونصاریٰ کے دونوں گروہوں کے گمراہوں کی ٹھوس تردید کردی۔ اور ایسی کہ آئندہ کے لیے تمام فتنوں کا دروازہ بند کردیا۔ سو اس طرح اس معصوم اور بے مثال وپاکیزہ بچے نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے لطف وعنایت سے ایسا عمدہ اور فیصلہ کن کلام کر کے ایک طرف تو حق اور حقیقت کو ہمیشہ کے لیے اور پوری طرح واضح کردیا اور اپنے بارے میں آئندہ ہونے والے تمام فتنوں کے دروازے بند کردیے۔ اور دوسری طرف اپنی والدہ ماجدہ مریم قدیسہ کی نزاکت وپاک دامنی اور عزت وعظمت کو چار چاند لگا دیے۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حال۔

۳۸ کتاب ونبوت سے سرفرازی کا اظہار واعلان :- سو اس بچے نے مزید کہا کہ "اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا ہے"۔ یعنی انجیل جو کہ بعد میں عطا فرمائی جائے گی۔ مگر اس امر کے یقینی ہونے کے باعث اور اس کے تحقق ووقوع کی بناء پر اس کو فعلِ ماضی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ (صفوۃ البیان، المراغی اور المعارف وغیرہ)۔ اور یہی بات نبوت کے بارے میں بھی ہے کہ آپ کی نبوت سے سرفرازی بھی طے ہو چکی ہے جو بعد میں ملے گی۔ جبکہ میں اس کی عمر کو پہنچ جاؤں گا۔ لیکن اس کا فیصلہ چونکہ ہو چکا ہے اور یہ ایک طے شدہ اور قطعی امر ہے اس لیے اسکو بھی ماضی کے صیغے سے تعبیر فرمایا۔ یعنی مجھے اللہ نے نبی بنایا۔ یعنی یہ معاملہ طے ہو گیا۔ اور ایسا اپنے وقت پر ضرور ہو کر رہے گا۔

مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ

بنایا ہے، جہاں کہیں بھی میں ہوں گا ف۳۹ اور مجھے تاکید فرمائی نماز اور زکوٰۃ کی، جب تک میں

مَا دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا

زندہ رہوں ف۴۰ اس نے مجھے نیک سلوک کرنے والا بنایا اپنی والدہ کے ساتھ ف۴۱ اور مجھے کوئی سرکش اور بدبخت انسان

شَقِيًّا ۝۳۲ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَ

نہیں بنایا، ف۴۲ اور سلام ہو مجھ پر جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا، اور

۳۹ حضرت عیسٰی کا اپنے بارے میں خاص عنایات خداوندی کا ذکر و بیان: -سو اس سے حضرت عیسٰی کے اپنی خیر و برکت کی عنایت و نوازش کا ذکر و بیان فرمایا گیا۔ سو ماں کی گود میں کیے جانے والے اس معجزانہ کلام میں حضرت عیسٰی نے مزید کہا کہ "میرے رب نے مجھے بڑا برکت والا انسان بنایا ہے"۔ سو میں جہاں بھی رہوں گا اور جہاں بھی جاؤں گا، مجھ سے لوگوں کو خیر و برکت ہی ملے گی اور نفع ہی پہنچے گا۔ اور جس شخص کی عظمتِ شان یہ ہو کیا وہ کبھی غلط نسب کا ہو سکتا ہے؟ -سبحان اللہ- حضرتِ عیسٰی نے اپنے ان سیدھے سادے الفاظ میں کیسی جامع اور پر مغز باتیں کہیں کہ ان سے یہود و نصارٰی سمیت تمام باطل پرستوں کے سب فتنوں کا قلع قمع کر دیا۔ اور اس طور پر کہ آئندہ قیامت تک ہونے والے تمام فتنوں اور جملہ مفاسد کا راستہ بند کر دیا۔ اور حق اور حقیقت کو اس سے پوری طرح واضح فرما دیا گیا اور اس حد تک نکھار کر رکھ دیا گیا کہ کسی کیلئے کسی طرح کا کوئی خفاء و غموض بھی باقی نہیں رہ جاتا سوائے اُن کے جن کے خبثِ باطن نے ان کو اندھا کر دیا ہو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کا وجود باجود سراسر خیر و برکت کا وجود ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ظاہر بات اور کھلی حقیقت ہے کہ انہی سے اللہ کے بندوں کو دین و ہدایت کی روشنی اور وہ دولتِ عظمٰی ملتی ہے جو سراسر خیر و برکت اور تمام خیرات و برکات کا مجموعہ اور ان کا منبع و مصدر ہوتی ہے۔ اور ایسے حضرات جہاں سے گزرتے ہیں راہِ حق و ہدایت کو روشن و واضح کرتے اور دین و حکمت کے لعل و گہر لٹاتے اور بکھیرتے برساتے گزرتے ہیں۔ پھر جو لوگ ان کے آگے دامن پھیلاتے اور ان کی قدر کرتے ہیں وہ اپنی جھولیاں حکمت و نور کی دولت سے بھرتے اور مالا مال ہوتے ہیں۔ اور اپنی دنیا و آخرت کو بنانے سنوارنے کا سامان کرتے ہیں۔ اور جو اُن سے منہ موڑتے اور ان کی ہدایات و تعلیمات سے روگردانی کرتے ہیں- والعیاذ باللہ- وہ خود اپنی حرمان نصیبی کا سامان کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۴۰ نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کا ذکر و بیان: -سو حضرتِ عیسٰی نے اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں مزید کہا کہ "اس نے مجھے تاکید فرمائی نماز اور زکوٰۃ کی جب تک میں زندہ رہوں"۔ کیونکہ نماز وہ عظیم الشان بدنی عبادت ہے جو انسان کے باطن کو پاک کرتی اور اس کو معاصی و ذنوب کی ہلاکتوں سے بچاتی اور محفوظ رکھتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ وہ عظیم الشان مالی عبادت ہے جو ایک طرف تو انسان کو حبِ دنیا کے چنگل اور اسکی محبت سے بچاتی ہے اور دوسری طرف مال و دولت کو پاک کرتی اور اس میں

برکت و بڑھوتری کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور تیسری طرف اس سے انسان کو مسکینوں محتاجوں کی دعائیں ملتی ہیں اور معاشرے میں اُلفت و محبت کی فضاء قائم ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں پر حضرتِ عیسیٰ کی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ میں جب تک زندہ رہوں مجھے ان دونوں عبادتوں کے التزام اور ان کی پابندی کی تاکید و تلقین فرمائی گئی ہے۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں کس قدر عظیم الشان عبادتیں ہیں۔ اسی لیے انکی سخت تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور یہی وہ دو بنیادی عبادتیں ہیں جو انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہیں۔ جبکہ ان کو شریعتِ مطہرہ کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق علی وجہ المطلوب بجالایا جائے۔ سو نماز اور زکوٰۃ دین کی دو اہم بنیادیں ہیں۔ اسی لیے ان کی ہر دین و شریعت میں تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ بندگی رب اور خدمتِ خلق کی روح ہر دین و شریعت میں موجود رہی ہے۔ اور ان دونوں میں سے نماز انسان کا تعلق اس کے رب کے ساتھ صحیح طور پر جوڑتی اور اس کے ظاہر و باطن کو سنوارتی اور منور و معمور کرتی ہے۔ اور زکوٰۃ خلقِ خدا کے ساتھ اس کو صحیح طور پر جوڑتی ہے ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایُحِبُّ ویرید، بکل حالٍ مِّن الاحوال،

۴۱ اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا:۔ سو انہوں نے مزید کہا ''اور اس نے مجھے نیک سلوک کرنے والا بنایا اپنی والدہ کے ساتھ''۔ سو اس میں آپ کی والدہ ماجدہ مریم صِدیقہ ۔ سَلامُ اللّٰہِ عَلَیْھَا ۔ کی پاکیزگی اور عفت و پاک دامنی کا بیان ہے۔ کیونکہ وہ اگر ایسی نہ ہوتیں جیسا کہ یہودِ بے بہبود کا کہنا تھا تو آپ کو ان کے ساتھ اس طرح نیکوکاری اور حسنِ سلوک کی تعلیم و تلقین نہ فرمائی جاتی ۔ عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ والسَّلام ۔ نیز اس میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ حضرتِ عیسیٰ باپ کے توسط کے بغیر صرف والدہ ماجدہ سے معجزانہ طور پر پیدا ہوئے تھے۔ اسی لیے یہاں پر صرف آپ کی والدہ ماجدہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جبکہ حضرتِ یحیٰی کے بارے میں ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَیْہِ﴾ کے کلماتِ کریمہ سے انکے والد اور والدہ دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بہرکیف حضرتِ عیسیٰ نے اپنے اس کلام میں مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کا فرمانبردار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ سو حضرتِ عیسیٰ نے اپنے اس کلام سے واضح فرمادیا کہ ہرچند کہ میری ولادت خرقِ عادت کے طور پر ہوئی اور مجھے میرے مالک نے خاص اِنعامات و اِحسانات سے نوازا لیکن اس سب کے باوجود میں ہوں ایک بیٹا ہی۔ اور بیٹا بھی فرمانبردار۔ نہ کوئی مافوق البشر ہستی ہوں اور نہ کسی خدا کی صفت اور شائبے کا مجھ میں کوئی سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ سو اس سے حضرتِ عیسیٰ نے اپنی اصل حقیقت کو پوری طرح واضح فرمادیا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۴۲ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی ہر قسم کی سرکشی سے براءت کا ذکر و بیان:۔ یعنی حضرتِ عیسیٰ نے مزید کہا ''اور اس نے مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا''۔ یعنی نہ تو میں ایسا ہوں کہ تکبر اور بڑائی کے گھمنڈ میں اپنے رب کی عبادت و بندگی سے منہ موڑلوں اور نہ ہی ایسا شقی اور بدبخت ہوں کہ اپنی والدہ ماجدہ سے بدسلوکی کروں۔ بلکہ اس کے برعکس میں اپنے رب کا بندہ اور اس کا عبادت گزار ہوں کہ اسکی عبادت و بندگی اسکے بندوں پر اس کا حق لازم ہے ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ اور میں اپنی والدہ ماجدہ کا بھی اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوں کہ اللہ کے بعد انسان کے ذمے جو حق واجب ہوتا ہے وہ اسکے ماں باپ ہی کا حق ہے۔ سو حضرتِ عیسیٰ نے اپنے اس معجزانہ کلام سے واضح فرمادیا کہ ان تمام صفات و خصال اور رب تعالیٰ کے انعامات و اِحسانات کے باوجود میری عرفی حیثیت اور شانِ بشریت میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ میں بندہ اور بشر ہی ہوں۔ نیز آنجناب نے اپنے اس ارشاد سے یہ بھی واضح فرمادیا کہ جو ماں باپ کا فرمانبردار نہیں وہ شقی اور بدبخت ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔

يَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ

جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے، یہ ہے ۴۳ عیسیٰ بیٹا مریم کا، ہم عین حق کہتے ہیں اس بات کے بارے میں

الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ

جس میں کہ یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں، اللہ کے شایاں نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے،

وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ

وہ پاک ہے، ۴۴ اس کو جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے، تو وہ صرف اتنا فرماتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو چکا ہوتا ہے،

۴۳ حضرت عیسیٰ کی اصل حقیقت اور حیثیت کا ذکر و بیان: - سو حضرت عیسیٰ کی اصل حقیقت اور حیثیت کی تعیین اور اس کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ ہے عیسیٰ بیٹا مریم کا"۔ جس کی یہ صفت اور شان بیان ہوئی کہ وہ اللہ کے فرمان سے بغیر باپ کے پیدا ہونے والے ایک پاکیزہ انسان اور اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے نہ کہ خدا یا خدا کے بیٹے۔ جس طرح کہ نصاریٰ نے کہا۔ اور نہ ہی حضرتِ مریم صدیقہؑ کی ناجائز اولاد۔ جس طرح کہ یہودِ بے بہبود نے اپنے خبثِ باطن کی بناء پر ان پر اتنا بڑا بہتان باندھا۔ سبحان اللہ۔ کس قدر جامع اور حق اور سچ ہے قرآنِ حکیم کا یہ ارشاد جو کہ حق وحقیقت اور عقل وفطرت کے عین مطابق اور سو فیصد عدل وانصاف کے کانٹے پر تلا ہوا ہے۔ پس اس راہِ حق وصواب سے ہٹ کر جن لوگوں نے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا، انہوں نے بھی بڑے ظلم کا ارتکاب کیا اور جنہوں نے اس کے برعکس آنجناب کے نسبِ طاہر پر لعن طعن کی انہوں نے بڑا ظلم ڈھایا۔ اور اس طرح یہ دونوں ہی گروہ راہِ حق وہدایت سے محروم ہو کر کفر وباطل اور دوزخ کی راہ پر چل پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وہدایت ہی پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۴۴ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہ کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ پاک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ ہر طرح کے نقص وعیب اور ہر ضرورت ومحتاجی سے۔ اور وہ پاک ہے ہر قسم کے شرک اور شوائبِ شرک سے۔ تو پھر اس کی کوئی اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اس کا کوئی شریک کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ نہ اس کا کوئی شریک وسہیم ہے اور نہ اسکی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد۔ اسکی شان۔ ﴿لم یلد ولم یولد﴾۔ کی شان ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس حضرتِ عیسیٰ میں خدائی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ وہ خداوند قدوس کی قدرت کے نمونے اسکی طرف سے بخشی ہوئی پاکیزہ روح اور اس کے کلمہ وفرمان تھے اور بس۔ علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ سو اللہ تعالیٰ اس طرح کی تمام نسبتوں سے پاک اور ان سے اعلیٰ وبالا ہے۔ بیٹوں کی ضرورت وحاجت اس کو ہوتی ہے جو اپنے ارادوں اور منصوبوں کو بروئے کار لانے میں کسی کا محتاج ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے اعلیٰ وبالا ہے۔ وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو صرف اتنا کہنا اور فرمانا ہوتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو چکا ہوتا ہے۔ سو حضرت عیسیٰ کی خرقِ عادت ولادت بھی ان کی الوہیت کی دلیل نہیں، بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کلمہ ٔ کن ہی کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ وہ یوں ہی پیدا ہوں تو وہ اس کے کلمہ ٔ کن سے بغیر باپ کے توسط کے یونہی پیدا ہو گئے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

فَيَكُوْنُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا

اور (عیسیٰ نے یہ بھی کہا کہ) بلاشبہ اللہ ہی رب ہے میرا بھی، اور تمہارا بھی ۴۵ پس تم لوگ اسی کی بندگی کرو (کہ خالص توحید والا) یہی ہے

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ

سیدھا راستہ، ۴۶ پھر بھی مختلف جماعتیں آپس میں ۴۷ اختلاف میں پڑ گئیں،

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ

سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر (و انکار) کیا ایک بڑے دن کے آنے سے، ۴۸ کیا ہی خوب

۴۵ بلاشبہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی رب ہے سب کا: - سو حضرتِ عیسیٰ نے کہا کہ "بلاشبہ اللہ ہی رب ہے میرا بھی اور تم سب کا بھی"۔ پس ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی کا حق ہے کہ سب کا خالق و مالک اور معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحان اللہ۔ حضرتِ عیسیٰ نے کس قدر صاف اور صریح طور پر توحیدِ خداوندی کی دعوت دی اور تبلیغ فرمائی کہ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ لیکن اسکے باوجود آپ کے ماننے کے دعویداروں نے شرک کا ارتکاب کیا۔ یہاں تک کہ دینِ توحید کو دینِ تثلیث بنا دیا۔ والعیاذ باللہ۔ اور انہوں نے تین ایک میں اور ایک تین میں کا وہ بیہودہ گورکھ دھندہ گھڑا جو نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۴۶ سیدھا راستہ توحید ہی کا راستہ ہے: - سو حضرتِ عیسیٰ نے فرمایا کہ "یہی ہے سیدھا راستہ" یعنی توحید کا راستہ کہ رب سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ جس پر چلنے سے اس دنیا میں بھی سکون و سعادت والی زندگی ملتی ہے اور آخرت کی حقیقی اور دائمی کامیابی بھی نصیب ہوتی ہے۔ اور اس سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی اور سب سے بڑا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو حضرتِ عیسیٰ نے صاف و صریح طور پر اور تاکیدی کلمات کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی رب ہے میرا بھی اور تمہارا بھی۔ پس تم سب لوگ اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی کرو۔ سو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی عبادت و بندگی کا یہ راستہ جو کہ توحید کا راستہ ہے یہی نجات و سلامتی کا واحد راستہ ہے۔ ورنہ ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۷ توضیحِ حق کے باوجود لوگوں کے باہمی اختلاف کا ذکر: - سو اس سے حق کے واضح ہو جانے کے باوجود لوگوں کے باہمی اختلاف کا ذکر فرمایا گیا۔ یعنی سو یہ امر پوری طرح واضح ہو گیا کہ حق و ہدایت اور سلامتی و نجات کا راستہ صرف توحید کا راستہ ہے۔ یہ مختلف جماعتیں پھر بھی آپس میں اختلاف میں پڑ گئیں۔ چنانچہ کچھ نے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا اور پھر کفارہ کا خود ساختہ عقیدہ گھڑا۔ اور کچھ نے آپؑ کے نسبِ طاہر میں طعن کیا اور آپ کو ولد الزنا قرار دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ حالانکہ آپ کے بارے میں اصل حقیقت بیان کر دی گئی کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور اسکے سچے

رسول تھے۔ جو باپ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے تھے اور بس۔ اسی لیے آپ کو "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" کہا جاتا ہے۔ اور اس حق کو ماننے اور چاہنے کی توفیق اور سعادت صرف مسلمانوں کو نصیب ہوئی جو کہ عین راہ حق و صواب پر ہیں۔ اور باقی سب بہکے بھٹکے۔ والعیاذ باللہ۔ سو حق و ہدایت صدق و صواب اور توحید و وحدانیت کی اس راہِ نجات سے ہٹ کر یہودِ بے بہبود نے حضرتِ عیسیٰ کی پاکیزہ ہستی کو ولد الزنا اور آنجناب کے گہوارے کے معجزانہ کلام کو ان بدبختوں نے سحر کا کرشمہ قرار دیا۔ اور نبوت سے سرفرازی کے بعد آپ کے معجزات کی بنا پر آپ کو ساحر کہا۔ (معارف القرآن وغیرہ)۔ اور اس طرح ان بدبختوں نے اپنی لعنت کے ٹھپے کو اور پکا کیا جبکہ دوسری طرف اس کے برعکس نصاریٰ نے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا۔ (ابنِ کثیر اور معارف وغیرہ)۔ اور اس طرح وہ راہِ حق و ہدایت سے ہٹ کر کفر و شرک کی راہ پر چل پڑے۔ اور پھر آگے خود عیسائیوں کے اندر مختلف گروہ آپس میں اختلاف میں پڑ گئے۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ کسی نے کوئی عقیدہ گھڑ لیا اور کسی نے کچھ اور۔ سو توحید کی شاہراہِ حق سے منحرف ہونے والے یہ سب ہی گروہ ہلاکت و تباہی کی مختلف پگڈنڈیوں میں پڑ گئے۔ جو کہ اتباعِ ہوٰی کے مختلف مظاہر و شاخسانے ہیں۔ سو اتباعِ ہوٰی مفاسد کی جڑ بنیاد، اور منبع شر و فساد ہے۔ والعیاذ باللہ' اور اسکے بالمقابل اتباعِ حق وہُدٰی سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لمایُحِبُّ ویرید، وعلٰی مایُحِبُّ ویرید، وعلٰی سبیل الدوام والتابید.

۲۸ کافروں کیلئے بڑی ہولناک خرابی، والعیاذُ باللہ: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کافروں کے لیے قیامت کے روز بڑی ہی ہولناک خرابی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑی خرابی ہے کافروں کیلئے ایک بڑے ہی ہولناک دن کے آنے سے۔ یعنی قیامت کے دن کے آنے سے جبکہ سب کچھ سامنے آجائے گا اور ہر کسی کو اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پھل ملے گا۔ سو وہ دن کافروں پر بڑا ہی سخت ہوگا۔ ایسا سخت کہ اسکے عذاب اور اس کی شدت کا اس دنیا میں کسی کیلئے تصور کرنا بھی ممکن نہیں۔ اور وہ ایسا سخت اور اس قدر ہولناک دن ہوگا کہ اس دن انسان کے خود اپنے اعضاء و جوارح اسکے خلاف گواہی دیں گے۔ اور وہ ایسا سخت اور اس قدر ہولناک دن ہوگا کہ کافروں کیلئے اسکے عذاب سے بچ نکلنے کی اور تلافی مافات کی پھر کوئی صورت ان کافروں کیلئے ممکن نہیں ہوگی۔ کیونکہ حیاتِ دنیا کی فرصت انکے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی۔ اور اس روز کافر رہ رہ کر افسوس کریں گے اور مارے افسوس کے اپنے ہاتھ کاٹ کھائیں گے۔ مگر اس کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشادِ ربانی سے سب کفار و منکرین کو بالعموم اور نصاریٰ کو بالخصوص خبردار فرمایا گیا ہے جو حضرتِ عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتے ہیں کہ اس یومِ عظیم میں تمہارے لیے بہت بڑی خرابی ہے۔ جبکہ حضرتِ عیسیٰ اپنے ان جھوٹے اور مشرک پیروکاروں کے خلاف گواہی دیں گے اور ان سے اپنی براءت و بیزاری کا اعلان کریں گے۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیات نمبر ۱۱۶ اور ۱۱۷ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اس لیے تم لوگ اپنی اصلاح کر لو قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہیں ہمیشہ کا عذاب برداشت کرنا پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین

بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ

سنتے اور دیکھتے ہوں گے یہ لوگ (اس دن) جس دن کہ یہ ہمارے پاس آئیں گے و۴۹ مگر آج یہ ظالم (حق سے آنکھ اور کان بند کر کے)

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ

کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور خبردار کرتے رہو ان کو (اے پیغمبر!) حسرت کے اس دن سے و۵۰ جب کہ فیصلہ کر دیا جائے گا

الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ

معاملے کا (عملی اور آخری طور پر،) اور یہ ہیں کہ غفلت میں پڑے ایمان نہیں لاتے، اور بلاشبہ آخرکار

نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع وَاذْكُرْ

ہماری ہی ہو کر رہے گی یہ زمین و۵۱ اور وہ سب بھی جو اس کے اوپر ہیں، اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ان سب نے و۵۲ اور

وقف لازم

ع ۵

۴۹ بے وقت کا سننا ماننا بے سود و لاحاصل، والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کفار و منکرین کا بے وقت کا سننا ماننا بے سود و لاحاصل ہوگا۔ سو ارشاد فرمایا گیا "کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہونگے یہ منکر لوگ اس دن جس دن کہ یہ ہمارے پاس آئیں گے"۔ سو وہاں پر یہ لوگ خوب خوب سنتے اور دیکھتے ہونگے۔ وہاں کے اَحوال و اَھوال کو۔ اور جس کے بعد یہ ایمان بھی لے آئیں گے مگر وہ ایمان قابلِ قبول نہیں ہوگا کہ وہ ایمان بالمشاہدہ ہوگا۔ جبکہ مطلوب و معتبر ایمان بالغیب ہے اور وہ ان کو وہاں میسر نہیں آسکے گا کہ اس کے کمانے اور حاصل کرنے کی جگہ یہ دنیا ہی تھی جو انکے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی۔ ﴿وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ م بَعِيْدٍ﴾۔ تب وہ رہ رہ کر وہاں پر یہ تمنا و آرزو کریں گے کہ اے کاش! ہمیں دنیا میں دوبارہ جانے کا موقع مل جائے تو ہم نئے سرے سے آخرت کی اس ابدی زندگی کے لئے کام کریں۔ مگر اس کا موقعہ اب کہاں اور کیونکر؟ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیاوی زندگی کی یہ فرصت جو آج ہمیں یہاں میسر ہے کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے ایک ایک لمحے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ اور اسی سے یہ اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ محدود کو لہو و لعب اور دوسرے بیکار مشاغل میں ضائع کرتے ہیں وہ اپنا کس قدر ہولناک نقصان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ آج تو یہ منکر لوگ حق بات کو سننے ماننے کو تیار نہیں ہو رہے لیکن جب ان کو اس یومِ عظیم کے مشہدِ عظیم سے سابقہ پیش آئے گا تو اس روز ان کے کانوں کے پردے بھی کھل جائیں گے اور ان کی آنکھوں کی پٹیاں بھی اتر جائیں گی۔ اور اس وقت ظاہر ہو جائے گا کہ ان سے زیادہ کوئی بینا اور شنوا نہیں۔ لیکن بے وقت کی اس بینائی و شنوائی سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے یاس و حسرت کے کڑوے گھونٹ بھرنے اور مارے افسوس کے اپنے سر پیٹنے کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۰ یومِ حسرت کے بارے میں خبردار کرتے رہنے کا حکم و ارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا "اور خبردار کرتے رہو ان کو حسرت کے اس دن سے"۔ جس دن کہ ہر کوئی افسوس کر رہا ہوگا۔ نیک بھی اور بد بھی۔ نیک اس لئے کہ اس نے نیکیاں اور زیادہ کیوں نہ کمائیں اور بد اس لئے کہ وہ بدی سے باز کیوں نہ آیا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرتِ نبی معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ سے مروی ہے۔ اور اس حسرت و یاس کی آخری شکل اور کامل صورت وہ ہوگی جبکہ کافروں اور منکروں کیلئے دوزخ میں

ہمیشہ رہنے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا موت کو ایک دنبے کی شکل میں لا کر اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کو دکھایا جائے گا۔ اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے؟ تو وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے۔ پھر اس کو ان سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا۔ اور دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو سنا دیا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ اسی حال میں رہو جس میں اب ہو۔ اب تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپؐ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ سو وہ دن اہل جنت کیلئے سب سے زیادہ خوشی کا دن ہوگا۔ اللہ ہمیں نصیب فرمائے۔ اور دوزخیوں کے لیے وہ دن سب سے زیادہ حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو حسرت کے اس دن انکی آنکھیں تو کھل جائیں گے اور پوری طرح کھل جائیں گی مگر اس روز توبہ و اصلاح اور سعی و عمل کے سب دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس لیے ان کو خبردار کرو تاکہ اس سے پہلے ایمان و عمل کی دولت سے سرفراز ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۵۱ مالک اور وارث سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم ہی وارث ہونگے زمین کے اور ان سب کے جو اسکے اوپر ہیں"۔ کہ یہ سب لوگ مر مٹ کر ختم ہو جائیں گے۔ اور یہ زمین اور اس کی طرح طرح کی وہ نعمتیں جو اس کے اوپر پائی جاتی ہیں۔ اور جن کے آج یہ مالک بنے ہوئے ہیں وہ سب کچھ یونہی رہ جائے گا۔ اور ان سب نے اس سب ساز و سامان دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر ہماری ہی طرف لوٹنا اور ہمارے ہی پاس واپس آنا ہے۔ تب ہم ہر کسی کو اسکے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ نیکی کا بدلہ نیک اور برائی کا برا۔ اور کسی سے کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو زمین اور اہل زمین سب کا مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ ان سب کی پیشی اسی وحدہٗ لاشریک کے یہاں ہوگی۔ سب کو بہر حال اسی کے حضور حاضر ہونا اور اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ وہاں کوئی نہیں ہوگا جو ان کے کچھ کام آسکے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کی کوئی سفارش کر سکے۔ پس عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس دنیائے فانی کے لیے جینے اور اسکی خاطر جوڑنے اور جمع کرنے کی بجائے آخرت کی اس اصل حقیقی اور ابدی زندگی کو بنانے اور اس کے لیے جوڑنے اور جمع کرنے کی فکر و کوشش کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید و هو الهادی الیٰ سواء السبیل۔ سبحانهٗ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۵۲ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سب کا رجوع بہر حال اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہو گا۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ان سب کو"۔ اہل ایمان تو خوشی خوشی آئیں گے تاکہ اپنے ربِ مہربان کی طرف سے ملنے والی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے فیضیاب و سرفراز ہو سکیں اور اپنے خالق و مالک کے انعام سے متمتع اور بہرہ ور ہو سکیں۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنۡهُمۡ۔ جبکہ کفار و مشرکین کو مجبوراً آنا ہوگا تاکہ وہ اپنے زندگی بھر کے کفر و شرک کا بدلہ پا سکیں۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ سو اس میں ابنائے دنیا کے لیے بڑا درس عبرت و بصیرت ہے کہ جس دنیا کو آج یہ لوگ اپنا مقصود و معبود بنائے ہوئے ہیں اس کو انہوں نے بہر حال چھوڑ کر یہاں سے خالی ہاتھ رخصت ہونا ہے۔ اور اس وقت اور اس موقعہ پر یہ دنیا ان کے کچھ کام نہ آسکے گی۔ پس اس کا وبال ان کی گردنوں پر ہوگا اور بس۔ اور ﴿یُرۡجَعُوۡنَ﴾ کے صیغۂ مجہول سے یہ درس دیا گیا ہے کہ ایسا بہر حال ہو کر رہے گا اور ان کا اس کے مقابلے میں کوئی زور اور بس نہیں چل سکے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین

فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ

(ان کو اے پیغمبر!) اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بھی پڑھ کر سناؤ، بے شک وہ بڑے ہی راست باز اور عظیم الشان پیغمبر تھے ۵۳ (اور

قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ

خاص کر یاد کرو کہ) جب انہوں نے (دردبھرے انداز میں) اپنے باپ سے کہا، ابا جان! آپ کیوں ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں،

وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ

جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں، اور نہ ہی وہ آپ کے کچھ کام آسکتی ہیں؟ ابا جان، میرے پاس ایسا علم

الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

آ گیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، لہٰذا آپ میرے کہنے پر چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا ۵۴

يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

ابا جان، آپ شیطان کی بندگی مت کریں، کیونکہ شیطان تو بلاشبہ (خدائے) رحمٰن کا

عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ

نافرمان ہے، ۵۵ ابا جان، مجھے تو اس بات کا سخت ڈر ہے کہ کہیں آپ پر (خدائے) رحمٰن کی طرف سے کوئی ایسا عذاب

۵۳ **اُسوۂ ابراہیمی کی تذکیر و یاددہانی:** ''بے شک ابراہیم بڑے راست باز اور عظیم الشان پیغمبر تھے''۔ جنہوں نے راہِ حق میں بے مثال قربانیاں دیں اور مصائب برداشت کئے۔ حق کی خاطر اپنے باپ، اپنی قوم اور اپنے ملک سب کو چھوڑا۔ حق کی خاطر وقت کے جابر حاکم سے ٹکر لی اور کسی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جن کے تعمیر کردہ بیت اللہ کا ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود آج تک برابر اور مسلسل و لگاتار طواف کیا جا رہا ہے۔ جو اپنے بعد آنے والے تمام انبیائے کرام کے جدِّ امجد قرار پائے اور جن کی عظمتِ شان کا یہ عالم ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب سب ہی ان کو اپنا مقتداء و پیشوا مانتے ہیں۔ اور مسلمان تو ہیں ہی ملتِ ابراہیمی کے پیروکار۔ اور جن سے منسوب درودِ ابراہیمی ہر مسلمان اپنی ہر نماز میں ہمیشہ پڑھتا ہے۔ جن کی یادگار قربانیوں کے صلے میں صفا و مروہ کی سعی، منیٰ کی قربانی اور رمیِ جمار کو ہمیشہ کے لیے حج و عمرہ جیسی مقدس عبادات کے مناسک و ارکان میں سے قرار دے دیا گیا۔ جن کی نسل میں خاتم الانبیاء و امام الرسل۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو مبعوث فرمایا گیا اور جن کو۔ ﴿فَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾۔ کے امر سے آپ کی ملت کی اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا۔ سبحان اللہ! ۔ کیا کہنے اس عظمتِ شان کے اور کیا ٹھکانے واہبِ مطلق حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی قدر دانی اور اس کی بخشش و عطا کے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ جس کی ہر صفت و شان کی طرح اسکی صفتِ بخشش و عطاء بھی لامحدود اور ناپیدا کنار ہے۔ اللہ ہمیں بھی اپنے کرمِ خاص سے

نوازے۔ یاذ االجلال والاکرام۔ سو اس سے یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ مکہ کو اسوۂ ابراہیمی کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی ہے تاکہ اسکی روشنی میں یہ اپنے عمل و کردار کا جائزہ لے سکیں کہ جس ابراہیم کی نسبت پر یہ لوگ فخر کرتے ہیں وہ کیسے اور کیا تھے اور یہ لوگ کیا ہیں اور کہاں کھڑے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید ، بکل حالٍ مِّن الاحوال

۵۴ سیدھی راہ پیغمبر کی اِتباع ہی سے نصیب ہوسکتی ہے: ۔سو حضرتِ ابراہیم نے اپنے مشرک باپ آزر سے کہا ''اباجان آپ میری پیروی کریں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا''۔ ایسا سیدھا راستہ جو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والا راستہ ہے۔ اور یہ راستہ میں ہی آپ کو بتاؤں گا۔ کیونکہ میرے پاس علم کی روشنی ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ سو معلوم ہوا کہ عظمت اور شرف وفضیلت کا دارومدار علم وآگہی کی روشنی اور اتباعِ حق پر ہے نہ کہ عمر اور سالوں کی کمی بیشی پر۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بزرگی بعقل است نہ بسال۔ تونگری بدل است نہ بمال۔ اور علم سے بھی وہ علم مراد ہے جو وحیِ خداوندی سے مستفاد ہو کہ وہی علم انسان کو راہِ حق وہدایت سے سرفراز وسرشار کرسکتا ہے نہ کہ وہ علم جو انسانی تجربات اور عقلِ انسانی سے حاصل ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ناقص ہے اور اس کا اعتبار بھی تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ یہ نورِ وحی سے منور ہو۔ ورنہ یہ مزید محرومی اور اندھیروں کا باعث بنتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے یہ امر پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ سیدھی راہ پیغمبر کی اطاعت و اِتباع ہی سے نصیب ہوسکتی ہے ورنہ اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم. مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّضَلَالٍ.

۵۵ حضرت ابراہیم کی دردمندی و دلسوزی کا ایک نمونہ ومظہر: ۔سو اس سے حضرتِ ابراہیم کی اپنے مشرک باپ کے لیے دلسوزی و دردمندی کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے۔ سو آپ نے اس سے کہا کہ ''اباجان آپ شیطان کی بندگی مت کریں کہ بلاشبہ شیطان خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے''۔ تو پھر خدائے رحمٰن کا بندہ اس کے دشمن و نافرمان سے تعلق و دوستی کس طرح رکھ سکتا ہے؟ اور اس کے لئے اس کی بندگی و پوجا کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ اور شیطان خدائے رحمٰن کا وہ دشمن ہے جس نے سب سے پہلے خدائے رحمٰن کی نافرمانی اور اسکے حکم وارشاد سے سرتابی کی۔ جبکہ اس نے خدائے رحمٰن کے صاف وصریح حکم کے باوجود حضرتِ آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ اور مزید یہ کہ وہ لعین اپنے اس انکار اور سرتابی پر اڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ خدائے رحمٰن کی طرف سے ہمیشہ کیلئے ملعون اور مطرود قرار پایا۔ سو خدائے رحمٰن کے ایسے عاصی وسرکش اور ملعون ومطرود کی اطاعت وفرمانبرداری اور اسکی عبادت و بندگی جس قدر بڑا ظلم اور ہولناک خسارہ ہوسکتا ہے وہ زبان و بیان کے احاطہ میں آنے والا نہیں۔ والعیاذ باللہ العزیز الرحمان۔ تو پھر آپ اے اباجان اس ملعون کی عبادت و بندگی کس طرح کرتے ہیں۔ سو اس ارشادِ ربانی سے بڑے درسہائے عبرت وبصیرت ملتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ شرک وبت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا و پرستش دراصل شیطان ہی کی عبادت و بندگی اور اسی کی پوجا و پرستش ہے کہ اس کی پٹی وہی پڑھاتا اور ہلاکت و تباہی کی اس راہ پر دنیا کو وہی ڈالتا ہے۔ دوسرا بڑا اور اہم درس اس سے یہ ملتا ہے کہ آزر حضرتِ ابراہیم کے والد ہی کا نام تھا نہ کہ آپ کے چچا کا۔ جیسا کہ یہود نے دعویٰ کیا اور ہمارے بعض مفسرین نے بھی بلاسوچے سمجھے اس کو قبول کرلیا۔ اور پھر سبائیوں اور فرزندانِ شرک وبدعت نے اس کو آگے طرح طرح کی فتنہ سامانیوں کا ذریعہ بنا دیا۔ ہم نے سورۂ انعام کی تفسیر میں اسکی بھرپور طریقے سے تردید کردی ہے۔ والحمد للہ۔ اس لیے یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ اور تیسرا بڑا درس اس سے یہ ملتا ہے کہ ﴿یا ابت﴾ ''اے اباجان'' کے تکرار سے حضرتِ ابراہیم کی اس دلسوزی اور دردمندی کا بھی پتہ چلتا ہے جو حضرتِ ابراہیم کے دل میں اپنے مشرک باپ کے بارے میں پائی جاتی تھی۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید،

الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ

آپڑے کہ آپ (ہمیشہ کے لئے) شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں، (یہ سب کچھ سن لینے کے بعد) اس نے کہا ابراہیم، کیا تم

عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ

میرے معبودوں سے پھر رہے ہو؟ (سن لو! اگر) تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا،

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ

اور تم دور ہو جاؤ مجھ سے ہمیشہ کے لئے ۵۶ ابراہیم نے کہا (اچھا تو) سلام ہو آپ پر ۵۷ (البتہ) میں آپ کے لئے اپنے رب سے بخشش کی

۵۶ **مشرک باپ کی موحد بیٹے کو قتل اور سنگساری کی دھمکی:** - سو حضرتِ ابراہیم کے مشرک باپ نے اپنے موحد بیٹے کو قتل اور سنگسار کرنے کی دھمکی دی اور کہا کہ "الگ ہو جاؤ تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے" تا کہ میں تمہاری شکل بھی دیکھنے نہ پاؤں۔ سو یہ حال اور مآل ہوتا ہے اس شخص کا جس کے رگ و پے میں کفر و شرک کی نحوست و نجاست سرایت کر جاتی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ کل کی طرح آج بھی اسکے نمونے جگہ جگہ اور طرح طرح سے دیکھنے میں آتے ہیں اور آئندہ بھی آئیں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو آج بھی جگہ جگہ اہلِ شرک کی طرف سے اہلِ توحید کے ساتھ اسی طرح کی قسوت اور شدت کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اور ان کو طرح طرح سے ستایا جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو مشرک کے لیے موحد کا وجود نا قابلِ برداشت ہو جاتا ہے اور وہ اس کو دیکھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔ اسی لیے حضرتِ ابراہیم کے باپ نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا۔

۵۷ **مشرکوں سے علیحدگی اور کنارہ کشی کا درس:** - سو حضرتِ ابراہیم نے اپنے مشرک باپ سے علیحدگی اور کنارہ کشی کا اعلان کر دیا اور کہا "لو میں اب آپ سے الگ ہو رہا ہوں" اور یہ میرا آخری سلام ہے۔ سو یہ سلام سلامِ تحیت و اکرام نہ تھا بلکہ سلامِ متارکت و وداع تھا۔ اور اس متارکت و علیحدگی میں بھی آنجناب نے حسنِ تخاطب اور برائی کے بدلے میں اچھائی سے کام لینے کا نمونہ پیش فرمایا کہ مشرک باپ کی طرف سے ملنے والی ایسی قاسیانہ دھمکی کے جواب میں اپنی علیحدگی کا اعلان و اظہار بھی سلامتی کے میٹھے بول سے کیا۔ اور خداوندِ قدوس کے خاص بندوں کی یہی صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ جاہلوں سے الجھتے نہیں۔ بلکہ سلامتی کی بات کہہ کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ - (الفرقان: ٦٣) سو حضرتِ ابراہیم کے اس اسوۂ عمل میں یہ درسِ عظیم پایا جاتا ہے کہ جب کوئی مشرک پوری کوشش کے باوجود اپنے کفر و شرک سے باز آنے والا نہ ہو تو اس سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ اگرچہ وہ اپنا باپ ہی کیوں نہ ہو کہ اصل چیز تو بہر حال دین و ایمان ہی ہے۔ باقی سب کچھ اس کے بعد ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حالٍ من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین

إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۝ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ

[illegible]

اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي

[illegible]

شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ

[illegible]

اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝

[illegible]

وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سب سے علیحدگی و بیزاری کے اظہار و اعلان کا درس ملتا ہے۔ سو حضرتِ ابراہیم نے اپنی مشرک قوم اور ان کے خود ساختہ معبودوں سب سے علیحدگی اور کنارہ کشی کا اعلان کر دیا اور کہا "میں تم سے بھی علیحدہ ہوتا ہوں اور تمہارے ان خود ساختہ معبودوں سے بھی جن کو تم لوگ پوجتے پکارتے ہو" اپنا حاجت روا و مشکل کشا جان کر۔ سو میں ان سب سے الگ ہو کر ایک اللہ ہی کی عبادت و بندگی کرتا رہوں گا جو کہ سب کا خالق و مالک اور معبودِ برحق ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ اور وہ ایسا یکتا ہے کہ نہ اسکی صفتِ خلق و ایجاد میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہے اور نہ ہی اسکی صفتِ امر و ارشاد میں۔ وہ ہر اعتبار سے اور ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کی شانِ اختصاص و امتیاز ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو حضرتِ ابراہیم نے اپنے باپ کے ساتھ تمام تر ہمدردی اور دلسوزی کے باوجود اپنے پیغامِ حق و ہدایت سے متعلق اپنے موقف میں ذرہ برابر کسی لچک یا مداہنت کو گوارا نہیں فرمایا۔ اور ان لوگوں کے رو در رو اور صاف اور صریح طور پر یہ اعلان فرما دیا کہ میں تم سب سے بھی بری و بیزار ہوں اور تمہارے ان تمام خود ساختہ معبودانِ باطلہ سے بھی جن کو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے پکارتے ہو۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں اپنے رب کو پکار کر کبھی محروم نہیں رہوں گا۔ اور اس طرح آپ نے صرف آزر ہی سے نہیں بلکہ اسکے تمام حواریوں ہمنواؤں اور اس کے پورے خاندان سے بھی اعلانِ براءت کر دیا اور ان کے ساتھ انکے خود ساختہ معبودوں کو بھی لات ماردی۔ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام۔

۶۵ مشرکوں اور ان کے شرک سے علیحدگی کی برکات کا ذکر و بیان: ۔ سو مشرک قوم اور اسکے شرک سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنے پر حضرتِ ابراہیم کو ملنے والے بعض اہم انعامات کا ذکر فرمایا گیا کہ جب حضرتِ ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی خاطر اپنے مشرک خاندان کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء اور قدردانی میں آپ کو ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا۔ پس اس سے واضح ہو گیا کہ جو کوئی اخلاص اور صدقِ نیت کے ساتھ حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کے لئے قربانی دے گا اس کو وہ واہبِ مطلق ۔ جل جلالہ ۔ ایسا نوازے گا کہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہاں دیکھئے کہ حضرتِ ابراہیم نے اپنے باپ کی بنی بنائی مشرکانہ گدی کو اپنے رب کی رضا کی خاطر لات ماری تو ربِ شکور و غفور نے آپکو کیسی عظمت اور سچی ناموری سے سرفراز فرمایا۔ جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ اور قیامت تک اور دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں لگاتار اور مسلسل ملنے والے اجرِ غیر ممنون کی جس دولت سے آپ کو نوازا اسکی عظمتِ شان کے کہنے ہی کیا۔ سبحان اللہ۔ ربِ ذوالجلال والاکرام نے اپنے بندے حضرتِ ابراہیم کو کیسی بے مثل ولازوال دولت سے بہرہ مند و سرفراز فرمایا۔ فَيَا لَهُ مِنْ كَرَمٍ وَ عَطَاءٍ مِنْ رَّبٍّ شَكُوْرٍ كَرِيْمٍ ۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ ۔ سو شرک اور مشرک لوگوں کے مشرکانہ اور نجس ماحول سے اپنے رب کی رضا کیلئے اور اپنے دین و ایمان کی خاطر علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنے پر حضرتِ ابراہیم کو ان کے رب نے دین و دنیا دونوں کی عظیم الشان عنایتوں سے سرفراز فرمایا۔ پاکیزہ نسل اور برکت والی اولاد ملی۔ قبولیتِ دعا اور ذکرِ جمیل کی نعمت سے سرفراز فرمایا گیا وغیرہ وغیرہ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب حضرتِ ابراہیم الگ ہو گئے ان مشرکوں سے بھی اور ان کے ان معبودانِ باطلہ سے بھی جن کی پوجا وہ لوگ کر رہے تھے اللہ کے سوا تو ہم نے ان کو اسحاق جیسے عظیم الشان فرزند سے بھی نوازا اور یعقوب جیسے پوتے سے بھی۔ اور مزید یہ کہ ان میں ہر ایک کو ہم نے تاجِ نبوت سے بھی سرفراز کیا۔ سو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر اپنے گھر در اپنے خویش و اقارب اور اپنی قوم قبیلہ کو چھوڑنے اور محض اللہ کی رضا کے لیے مشرکوں اور ان کے مشرکانہ ماحول سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ ایسے ہی نوازتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

ع۱۰

صِدۡقٍ عَلِيًّا ۵۰ۙ وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مُوۡسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ

سچی ناموری سے، اور اس کتاب میں (اے پیغمبر! ان کو) موسیٰ کا قصہ بھی سناؤ، بے شک وہ بھی (ہمارے)

مُخۡلَصًا وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ۵۱ وَنَادَيۡنٰهُ مِنۡ جَانِبِ

ایک چنے ہوئے بندے، اور بھیجے ہوئے پیغمبر اور نبی تھے، اور ہم نے ان کو پکارا طور کی

الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰهُ نَجِيًّا ۵۲ وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ

دائیں جانب سے ۶۱ اور ان کو اپنے قرب سے نوازا راز کی باتیں کرنے کے لئے، اور ہم نے ان (کی مدد) کے لئے

۶۱ حضرتِ موسیٰ کی نداء و پکار کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے موسیٰ کو پکارا دائیں جانب سے"۔ یعنی حضرتِ موسیٰ کے اعتبار سے کہ وہ آپ کی دائیں جانب واقع تھا۔ ورنہ بذاتِ خود پہاڑ کی تو کوئی دائیں اور بائیں جانب نہیں ہوسکتی۔ اور بعض نے کہا کہ یہ لفظ یمین سے نہیں یمن سے ماخوذ و مشتق ہے جس کے معنیٰ خیر و برکت کے آتے ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو اس برکت والے مقام سے پکارا اور اس وادی کو تقدس کا یہ مرتبہ و شرف اس لیے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی جلوہ گاہ ہونے کا شرف بخشا۔ اور یہاں پر حضرتِ موسیٰ سے کلام فرمایا۔ وَالۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰى - بہر کیف اس میں حضرتِ موسیٰ کو عطا فرمائے جانے والے خاص شرف اور مرتبہ کا ذکر ہے کہ جب آپ کا مدین سے مصر واپس جاتے ہوئے وہاں سے گزر ہوا اور آپؑ نے کوہِ طور پر ایک آگ سی جلتی دیکھی تو آپؑ اس سے آگ حاصل کرنے کیلئے وہاں پہنچے تو آگے ہم نے آپ کو منصبِ نبوت اور شرفِ کلام سے نوازا۔ (المراغی، محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور حضرتِ موسیٰ کے اس خاص شرف و امتیاز کی وضاحت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اس موقعہ پر حضرتِ موسیٰ کو قربِ خاص سے نواز کر راز و نیاز اور سرگوشی کے انداز میں کلام فرمایا۔ اور یہ اس لیے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عام طور پر حضراتِ انبیائے کرام سے اپنے مقرب و معتمد فرشتے حضرتِ جبریلِ امین ہی کے ذریعے ہی کلام فرمایا۔ حضرتِ جبریل کے واسطے کے بغیر حضرت حق - جل مجدہ - نے اس سے پہلے کسی سے بھی اس طرح کلام نہیں فرمایا۔ یہ شرف حضرتِ موسیٰ ہی کو حاصل ہوا کہ آپ سے اس طرح بغیر واسطے کے براہِ راست کلام فرمایا گیا۔ بیچ میں تیسرا کوئی حائل نہیں تھا۔ اسی لیے آپ کا لقب "کلیم اللہ" قرار پایا - علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام - اس لیے حضرت موسیٰ کے ذکر کا حکم وارشاد فرمایا گیا۔ والحمد للہ جل وعلا

رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ

ان کے بھائی ہارونؑ کو بھی اپنی مہربانی سے نبی بنا دیا، ۶۲ اور اس کتاب میں (ان کو) اسماعیل کا ذکر بھی سناؤ،

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ

بلاشبہ وہ بھی وعدے کے سچے ۶۳ (اور ہمارے) بھیجے ہوئے پیغمبر تھے، ۶۴ وہ

يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ

اپنے گھر والوں کو (خاص طور پر) حکم دیا کرتے تھے، نماز اور زکوٰۃ کا، اور وہ اپنے رب کے یہاں

۶۲ **حضرتِ ہارون کی نبوت سے سرفرازی کا ذکر:** سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے اپنی رحمت سے آپ کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا"۔ آپ کی اس دعاء کو قبول کرتے ہوئے جو کہ آپ نے اپنے بھائی ہارون کی نبوت کے لئے کی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ، هٰرُوْنَ اَخِي﴾ (۲۹-۳۰)۔ اور اس کے جواب میں آپ کو فرمایا گیا تھا۔ ﴿قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى﴾۔ (۳۶) "موسیٰ آپ کی دعا و درخواست قبول کر لی گئی"۔ سو اس سے بھی حضرت موسیٰ کی عظمتِ شان کے چند اہم پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی دعاء کو اس طرح شرفِ قبولیت سے نوازا دیا گیا۔ اور دوسرے یہ کہ آپ کو ایسی بڑی اور بے مثال سفارش اور دعاء کرنے کی توفیق و سعادت نصیب ہوئی جو آپ کے علاوہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی کہ آپ کی دعاء کی بدولت آپ کے بھائی کو شرفِ نبوت سے مشرف و سرفراز فرما دیا گیا۔ حالانکہ روایات کے مطابق وہ عمر میں آپ سے چالیس سال بڑے تھے۔ (المراغی وغیرہ)۔ تیسرے یہ کہ آپ کے بھائی کو نبی بنا کر راہِ حق میں آپ کا وزیر اور معاون و مساعد بنا دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ والحمد للہ۔ بہرکیف اس ارشاد سے حضرتِ موسیٰ کے لیے حق تعالیٰ کے ایک اور خاص فضل و کرم کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کارِ نبوت کی انجام دہی میں معاونت و مساعدت کے لیے آپ کی دعاء و درخواست پر حضرتِ ہارون کو بھی آپ کا وزیر اور مددگار بنایا گیا۔ اور ان کی یہ مدد محض رضا کارانہ نہیں تھی بلکہ خداوند قدوس کے ایک مامور و مسئول نبی کی حیثیت سے تھی۔ کسی رسول کی مدد کے لیے کسی نبی کا وزیر اور شریکِ کار کی حیثیت سے مقرر کیا جانا ایک ایسا خاص شرف و امتیاز ہے جو حضراتِ انبیاء و رسل کی پوری تاریخ میں حضرتِ موسیٰ کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بہرکیف حضرت ہارون کو بھی شرف نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔

۶۳ **حضرتِ اسماعیل اور ان کی ایک امتیازی صفت کا ذکر:** حضرتِ اسماعیل کا ذکر "صادق الوعد" کی صفت سے فرمایا گیا۔ سو صدقِ وعدہ حضرتِ اسماعیل کی ایک امتیازی شان تھی۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اس وصف یعنی صدق و صفاء میں وہ خاص درجہ اور مقام رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے والدِ ماجد نے جب آپ سے اپنا خواب بیان فرمایا کہ "میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہاری اس بارے کیا رائے ہے"۔ ﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾۔ تو آپ نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنے والدِ ماجد کو جواب دیا کہ "ابا جان آپ اپنا خواب پورا کر لیجئے مجھے آپ انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔ ﴿يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ - (الصافات:۱۰۲)۔ سو یہاں سے صدق و صفائی اور وعدہ وفائی کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسالت و نبوت کے ساتھ اسی صفت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اور قرآن و سنت

کی بے شمار نصوصِ کریمہ میں اس کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ اور نبی اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا کہ "مومن بزدل اور بخیل وغیرہ تو ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا"۔ نیز صحیحین وغیرہ کی روایت میں آپ نے منافق کی تین نشانیاں بتلائیں کہ "جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو وہ اس میں خیانت اور بددیانتی سے کام لیتا ہے"۔ "اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ" اور ہمارے حضور کی سچائی اور وعدہ وفائی کی نبوت ملنے سے پہلے بھی ایسی منفرد اور امتیازی شان تھی کہ اس کا کوئی نمونہ اور مثال بھی کہیں نہیں مل سکتی۔ چنانچہ سننِ ابوداؤد وغیرہ میں حضرتِ عبداللہ بن ابوالحمساء سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے آپ کی بعثت سے پہلے ایک سودا کیا جس میں کچھ ادائیگی میرے ذمے باقی رہ گئی تھی۔ تو میں نے آپ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریئے میں لے کر آتا ہوں۔ مگر بعد میں میں بھول گیا۔ یہاں تک کہ تیسرے دن جب مجھے یاد آیا تو میں وہ لے کر آپ کی خدمت میں اسی مقام پر حاضر ہوا تو آپ کو وہیں انتظار میں پایا۔ تو آپؐ نے فرمایا "جوان تم نے مجھے مشقت میں ڈالے رکھا۔ میں اب تک یہاں تمہارا انتظار کرتا رہا"، "يَا فَتٰى لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ"۔ اسی طرح حضرتِ اسماعیل کے بارے میں منقول ہے کہ آپؑ نے بھی کئی کئی دن تک وعدہ وفائی کے لئے انتظار کیا۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ سال بھر تک انتظار کیا۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر وغیرہ)۔ بہرکیف صدق وصفاء کا خصالِ حمیدہ میں ایک خاص درجہ اور امتیازی مرتبہ ہے۔ اور حضرتِ اسماعیل۔علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام۔ اس میں ایک خاص شان کے مالک تھے۔ اسی لیے یہاں پر رب تعالیٰ نے ان کے اسی خاص وصف کا بطورِ خاص ذکر فرمایا۔ یعنی وہ وعدے کے بڑے ہی سچے اور پابند تھے۔ سو صدقِ وعد مومن کے امتیازی کردار اور اسکی انفرادی شان کی ایک اور جامع تعبیر ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۶۲ شرفِ نبوت ورسالت سب سے بڑا شرف: سو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت ورسالت کا وصف وشرف سب سے بڑا وصف وشرف ہے۔ اسی لیے حضرتِ اسماعیل کے ذکر کے آخر میں اسی کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے حضراتِ انبیائے کرام۔علیہم الصلوۃ والسلام۔ کے ذکر میں بھی ان کی نبوت کا خاص طور پر اور بار بار تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصف یعنی وصفِ نبوت ورسالت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب وصف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ پاک کی طرف سے ملنے والا وہ سب سے بڑا اعزاز وانعام ہے جس سے وہ اپنے کسی بندے کو محض اپنی رحمت وعنایت سے نوازتا ہے۔ اہلِ بدعت کے بعض بڑے اس لفظ کا ترجمہ ہر جگہ غیب کی خبریں بتانے والے سے کرتے ہیں تاکہ اس طرح یہ لوگ علمِ غیبِ کلی کے اپنے شرکیہ عقیدے کے لئے دلیل کشید کرسکیں۔ حالانکہ اس سے ان کا کام بن نہیں سکتا۔ کیونکہ نفسِ علمِ غیب جس کا حصول پیغمبر کے منصب کے لئے ضروری ہوتا ہے اس کا تو کسی کو انکار ہوسکتا ہی نہیں کہ پیغمبر کا معنیٰ ہی ہے "پیغام لانے والا" اور علمِ غیبِ کلی جس کے اہلِ بدعت مدعی ہیں وہ اس سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ پس ثابت کا انکار نہیں اور جس کا دعویٰ ایسے لوگ کرتے ہیں وہ اس سے ثابت ہوتا نہیں۔ بہرکیف حضرتِ اسماعیل اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول تھے اور آپ کو بنوجرہم کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا جنہوں نے مکہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اور حضرتِ اسماعیل نے بھی اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ وہیں ان ہی لوگوں کے ساتھ سکونت اختیار فرمائی تھی۔ (المراغی، المحاسن اور المعارف وغیرہ)۔ اور مشرکینِ مکہ زعم اور گھمنڈ تو رکھتے تھے انکی اولاد اور ان کے وارث وجانشین ہونے کا لیکن تھے ایسے ناخلف کہ آنجناب کے عمل وکردار اور اَخلاق وصفات کے اعتبار سے بالکل صفر۔ بلکہ اسکے برعکس وہ کفر وشرک اور اخلاقِ رذیلہ کی طرح طرح کی گندگیوں میں لتھڑے ہوئے تھے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ویاارحم الراحمین

مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ

ایک پسندیدہ انسان تھے، اور اس کتاب میں (ان کو) ادریس کا ذکر بھی سناؤ. بلاشبہ وہ بھی

صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ ق وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

ایک بڑے ہی سچے پیغمبر تھے، اور ہم نے انہیں ایک بڑے بلند مرتبے تک پہنچا دیا تھا و۶۵ یہ (حضرات جن کا ذکر ہوا)

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق وَ

وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے خاص انعام فرمایا اولاد آدم کے پیغمبروں میں سے، اور

مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ز وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ

ان لوگوں کی نسل میں سے جن کو ہم نے سوار کیا تھا نوح کے ساتھ (انکی کشتی میں،) اور ابراہیم اور اسرائیل کی

اِسْرَآءِيْلَ ز وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ط اِذَا تُتْلٰى

اولاد میں سے، اور (یہ سب) ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت سے نوازا تھا اور ان کو چن لیا تھا (مگر اس قدر مرتبہ و مقام

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة فَخَلَفَ

کے باوجود ان کی شانِ عبدیت و بندگی کا عالم یہ تھا کہ) جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں (خدائے) رحمٰن کی آیتیں، تو یہ (سنتے ہی اس

مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا

کے حضور) سجدے میں گر پڑتے روتے ہوئے و۶۶ پھر ان کے بعد ان کے ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے ضائع کر دیا نماز کو،

الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ لا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

اور وہ پیچھے لگ گئے اپنی خواہشات کے، سو وہ پا کر رہیں گے انجام اپنی گمراہی کا و۶۷ ہاں مگر جنہوں نے توبہ کر لی، اور وہ ایمان لے آئے

السجدۃ ۵

۶۵ **حضرتِ ادریس کے رفع کا مطلب؟:** — سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے ان کو ایک بڑے بلند مرتبے تک پہنچا دیا تھا"۔ یعنی اس رفع سے مراد حسی رفع نہیں بلکہ معنوی رفع ہے۔ جس طرح کہ کئی اصحابِ علم و فضل کا کہنا ہے۔ سو اس "علو" سے مراد مراتب و درجات کی وہ بلندی ہے جس سے آنجناب کو شرفِ نبوت و رسالت اور قرب و زُلفیٰ کے ذریعے نوازا اور سرفراز کیا گیا تھا۔ (مدارک التنزیل، محاسن التاویل اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ جبکہ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد

حسی اور جسمانی رفع ہی ہے کہ حضرتِ ادریسؑ کو جسمانی طور پر آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اور اسی دوسرے قول کی تائید صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شبِ معراج میں حضرتِ ادریس کو چوتھے آسمان میں دیکھا۔ واللہ اعلم۔ اس بارے میں جو ایک خاص قصہ اور جو بہت سی روایات وارد ہیں وہ سب کچھ اسرائیلیات میں سے ہے جن کا کوئی اعتبار نہیں۔ محقق ابنِ کثیرؒ نے ان کی تنقید و تجریح کی ہے۔ بہر کیف حضرتِ ادریس کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور بلندی و مرتبت اور رفعتِ شان کے ایک خاص شرف و مقام سے نوازا تھا۔ اللہ ہمیں ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر ثابت قدم رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۶۶ حضراتِ انبیائے کرام کی شانِ عبدیت وخشیتِ خداوندی: سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ان قدسی صفات حضرات کی شانِ عبدیت و بندگی کا عالم یہ تھا کہ جب ان کو خدائے رحمان کی آیاتِ کریمہ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو یہ سنتے ہی اپنے رب کے حضور روتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ اس کے خوف وخشیت اور شوق و رغبت کی بناء پر۔ اسی لئے اس آیتِ کریمہ پر سجدۂ تلاوت واجب ہے ہر پڑھنے والے اور سننے والے پر۔ بہر کیف اس سے حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی شانِ عبدیت اور خشیتِ خداوندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات اس قدر شرف و مقام اور درجہ وفضیلت رکھنے کے باوجود اپنے رب کی آیات سنتے ہی روتے ہوئے اسکے حضور سجدے میں گر پڑتے تھے۔ سو اللہ پاک کے حضور سجدہ کرتے ہوئے رونا ایک امرِ مطلوب و محمود ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ "قرآن پڑھا کرو اور رویا کرو۔ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کیا کرو"۔ سو اس ارشادِ ربانی سے حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی سرگزشتیں سنانے کے اصل مقصود کو واضح فرمادیا گیا کہ یہ حضرات کیسے تھے اور ان کی شانِ عبدیت و بندگی اور خوف وخشیتِ خداوندی کی کیفیت کیا تھی۔ اور ان کی نسبت کا دعوی اور گھمنڈ رکھنے والے ان کے پیروکاروں کا حال کیا ہے۔ ان کے عمل و کردار کا نمونہ کیا تھا اور ان کے نام لیوا یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی دین دشمنی حق اور اہلِ حق سے عداوت و دشمنی کا حال کیا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین

۶۷ بُرے جانشینوں کا بُرا انجام۔ والعیاذُ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان کے بعد ان کے ایسے ناخلف جانشین بنے جنہوں نے ضائع کر دیا نماز کو اور وہ پیچھے لگ گئے اپنی خواہشات کے۔ سو وہ پہنچ کر رہیں گے اپنی گمراہی کے انجام کو۔ سو برے جانشین اپنی گمراہی کا انجام پا کر رہیں گے۔ آخرت کے عذابِ الیم میں مبتلا ہو کر۔ حالانکہ یہ سب تھے انبیائے کرام کی نسل میں سے۔ پس معلوم ہوا کہ جب تک اپنا ایمان و عقیدہ صحیح اور کردار و عمل درست نہ ہو تو محض بڑوں کی اولاد ہونے سے کچھ نہیں بنتا۔ جس طرح کہ آج کے اہلِ زیغ وضلال کا کہنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ "خلف" کا لفظ جب لام کے سکون کے ساتھ آتا ہے تو اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ برے اَخلاف کے لیے آتا ہے۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کے ساتھ کسی کی نسبت محض وراثت اور خاندان کی بناء پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ان کے لائے ہوئے دین اور انکی پیش کردہ شریعت کے حامل اور اس پر عامل ہونے کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ ان بدبختوں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور یہ خواہشات کے پیچھے لگ کر ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ زیغ وضلال کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

(سچے دل سے،) اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے، تو وہ داخل ہوں گے جنت میں، اور ان کی ذرہ برابر کوئی

شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ

حق تلفی نہ ہوگی، یعنی ہمیشہ رہنے والی ان عظیم الشان جنتوں میں جن کا وعدہ فرما رکھا ہے، (خدائے) رحمن نے اپنے بندوں سے بن دیکھے، و٦٨

اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا

بلاشبہ اس کے وعدہ نے بہر حال پورا ہو کر رہنا ہے، وہاں یہ (خوش نصیب) کوئی بے ہودہ بات نہ سننے پائیں گے،

سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ

بجز سلامتی (کی دلنواز صداؤں) کے، و٦٩ اور وہاں ان کو ان کا رزق صبح و شام ملتا رہے گا، و٧٠ یہ ہے

الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

وہ جنت جس کا وارث بنا دیں گے ہم اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو جو پرہیزگار رہے ہوں گے،

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا

اور (اے پیغمبر!) ہم (فرشتے) تو آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے، اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ ہمارے سامنے ہے، اور وہ

خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ

سب کچھ بھی جو کہ ہمارے پیچھے ہے، اور جو اس کے درمیان ہے، اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں و٧١ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا،

٦٨ نیکوکاروں کے لیے ہمیشہ رہنے والی جنتوں کی خوشخبری: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جنہوں نے توبہ اور رجوع الی اللہ کی راہ کو اپنایا ان کے لیے خدائے رحمان نے بن دیکھی جنتوں سے سرفرازی کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ یعنی ان جنتوں کو انہوں نے دیکھا نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ارشادات کے مطابق ان کو مانتے اور ان پر ایمان رکھتے ہیں کہ اصل مطلوب و معتبر یہی ایمان بالغیب ہی ہے۔ (المراغی، المحاسن، المعارف وغیرہ)۔ اور غیب کی وہ جنتیں ایسی عظیم الشان اور بے مثال ہونگی کہ اس دنیا میں انکی کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔ نہ کمیت میں اور نہ کیفیت میں اور نہ کسی بھی صفت اور شان کے اعتبار سے۔ اور خاص کر اس اعتبار سے کہ وہ ہمیشہ رہنے والی اور دائمی ہونگی۔ نہ ان کیلئے کوئی فنا ہوگی نہ زوال۔ اللہ نصیب

فرمائے۔ اور محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویا ارحم الراحمین ویا ذا الجلال والاکرام۔

۶۹ جنت میں سلامتی ہی سلامتی کا دور دورہ ہوگا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہاں پر وہ کوئی لغو اور بیکار بات نہیں سنیں گے سوائے سلام کے"۔ سو وہاں پر سلامتی ہی سلامتی ہوگی اور وہ سلام ہی کے کلمات سنیں گے۔ وہ آپس میں خود بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ﴾۔ (ابراہیم:۲۳) فرشتے بھی ان کو سلام کر رہے ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَالْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾۔ الآیۃ (الرعد: ۲۳-۲۴) اور اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے بھی ان کو سلام کا شرف نصیب ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾۔ (یس:۵۸)۔ اَللّٰهُمَّ شَرِّفْنَا بِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو اس ارشاد ربانی میں اہلِ جنت کے لیے عظیم الشان بشارت اور خوشخبری ہے کہ آج ان کو اس دنیا میں اعدائے حق اور دشمنانِ دین کی طرف سے دلآزار باتیں سننا پڑ رہی ہیں۔ یہ سب ختم ہو جائیں گی اور ان کو وہاں پر دعاء و سلام کی دلنواز صدائیں ہی سننے کو ملیں گی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ویا ارحم الراحمین

۷۰ اہلِ جنت کے لیے رزق کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہاں ان کو ان کا رزق صبح و شام ملتا رہے گا۔ یعنی ان کو وہاں پر صبح و شام کا کھانا اور جو کچھ وہ چاہیں گے ہمیشہ ملے گا بغیر کسی انقطاع کے۔ اور بدوں کسی کدوکاوش اور محنت و مشقت کے ملے گا۔ اور صبح و شام سے مراد یہاں پر جنت کے صبح و شام ہیں جنکی حقیقت وہیں معلوم ہو سکے گی اور ان کے ان دونوں وقتوں کو کھانے کے درمیان اتنا اور اسی طرح کا فاصلہ اور وقفہ ہوگا جتنا کہ دنیا میں ان کے دونوں وقت کے کھانوں کے درمیان ہوا کرتا تھا۔ ورنہ جنت میں نہ تو اس طرح کے شب و روز ہوں گے اور نہ ہی صبح و شام کے یہ مشہور و معروف سلسلے۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر، صفوہ اور مراغی وغیرہ)۔ اور اہلِ ایمان کے لیے وہاں پر اصل رزق تو خداوندِ قدوس کا دیدار ہوگا اور اس کا سلام و کلام اور اِلتفات و اکرام۔ یہ چیز ان کو وہاں برابر حاصل رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ مگر اس کے ساتھ جنت کی دوسری بیشمار عظیم الشان نعمتوں سے بھی ان کو سرفرازی نصیب ہوگی۔ والحمد للہ جل وعلا

۷۱ پیغمبر کے لیے سامان تسلیہ و تسکین:۔ سو پیغمبر کی اطمینان دہانی اور آپ کے لیے سامان تسلیہ و تسکین کے طور پر آپ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ سو آپ کے پاس آنے میں ہمیں یعنی فرشتوں کو جس دیر اور تاخیر سے واسطہ پڑتا ہے اس کی دوسری حکمتیں ہوتی ہیں جن کا اِدراک و احاطہ حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ ہی کر سکتے ہیں۔ ورنہ ایسا کسی قسم کے نسیان یا بھول چوک کی بناء نہیں ہوتا کہ آپ کا رب اس طرح کے جملہ شوائب سے پاک و مبرا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ یہ کلام حضرتِ جبریلِ امین کی طرف سے ہے جس میں آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو صبر و استقامت کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ نیز اس میں حضراتِ ملائکہ کرام کی حیثیت بھی بتلا دی گئی ہے کہ ہم اپنے اختیار سے کچھ کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ہمارا کام صرف اللہ تعالیٰ کے اَحکام و فرامین کی تعمیل و بجا آوری ہے۔ جب تک اس کا حکم نہ ہو ہم نہ اتر سکتے ہیں اور نہ کوئی وحی لا سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ ہم تو محض اس کے حکم کی بجا آوری پر مامور ہیں۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ

اوران سب چیزوں کا جو کہ ان دونوں کے درمیان ہیں، پس تم اسی کی بندگی کرو، اور پکے رہو اس کی عبادت (وبندگی) پر، کیا

لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ۝۶۵ ع وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ع ۱۵

تمہارے علم میں ہے کوئی ایسی ہستی جو اس کی ہم پایہ ہو؟ و۴۲ک اور (آخرت کا منکر) انسان کہتا ہے کہ کیا واقعی جب میں مرچکوں گا تو پھر زندہ

ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ۝۶۶ اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ

کر کے نکال لایا جاؤں گا؟ و۴۳ک کیا ایسے انسان کو (خود اپنے بارے میں) یہ حقیقت یاد نہیں کہ ہم اس سے پہلے خود اس کو پیدا کر چکے ہیں

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا ۝۶۷ فَوَرَبِّکَ

جبکہ یہ کچھ بھی نہ تھا؟ و۴۴ک پس (سن لیں یہ لوگ کہ) قسم ہے تمہارے رب کی ہم ضرور بالضرور اکٹھا کر لائیں گے ان سب کو بھی، اور ان

لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ

کے شیطانوں کو بھی و۴۵ک پھر ہم حاضر کریں گے ان سب کو جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا پھر ہم چھانٹ کر نکال و۴۶ک لائیں گے ہر گروہ

۴۲ اللہ کا کوئی ہمسر نہیں - سبحانہ وتعالیٰ: - سو استفہام انکاری کے طور پر فرمایا گیا کہ "ہے تمہارے علم میں اس کا کوئی ہمسر"۔ اور جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر عبادت و بندگی اسی وحدہٗ لاشریک کی کرو کہ اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہو سکتا ہے۔ وہ ہر قسم کے شرک اور اسکے شوائب سے پاک ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اور اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کا پیدا کردہ اور اسی کا دیا بخشا ہے۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اور جب اس کا کوئی نظیر و مثیل اور شریک و ہمسر نہیں تو پھر کون ہے جو اس کے ارادے میں اس کا مزاحم ہو سکے؟ یا اس کا ہاتھ پکڑ سکے؟ پس آپ اسی کے بھروسہ واعتماد پر کام کیے جاؤ۔ وہ آپ کی ہر مشکل کو آسان فرما دے گا اور اپنے ہر ارادے کو بروئے کار لے آئے گا کہ اس کی شان بہت بلند و بالا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے اور جیسا چاہے کرے - سبحانہ وتعالیٰ -

۴۳ منکرین کا بعث بعد الموت پر تعجب: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ منکر انسان بعث بعد الموت پر تعجب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو کیا واقعی مجھے پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ یعنی یہ بہت عجیب امر ہے کہ جب میں مرمٹ کر ختم ہو جاؤنگا تو نئے سرے سے زندہ کر کے پھر اٹھایا جاؤنگا۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔ سو منکر انسان چونکہ اپنی محدود قدرت اور ناقص علم کے اعتبار سے دیکھتا اور سوچتا ہے اس لیے اسکو یہ تعجب اور اچنبھا ہوتا ہے کہ مرمٹ جانے کے بعد ان کو دوبارہ کس طرح زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ورنہ حقیقت کے اعتبار سے اس میں تعجب اور اچنبھے کی کوئی وجہ نہیں کہ اس خالق و مالک کی شان - ﴿علی کل شئی قدیر﴾ - کی شان ہے۔ وہ جو چاہے اور جب اور جیسے چاہے کرے۔

اس کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس کے یہاں تو صرف حکم وارشاد فرمانے کی دیر ہوتی ہے اور بس۔ جس چیز کے بارے میں حکم فرمایا وہ ہوگئی۔ سو لوگوں کے دوبارہ اٹھانے کے بارے میں بھی صرف اسکی ایک ڈانٹ اور جھڑکی کی دیر ہوگی اور بس۔ جونہی حکم ہوگا یہ سب نکل کر میدان میں موجود ہونگے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾۔ (النازعات: ۱۳-۱۴)۔ اللہ تعالیٰ یقین کامل کی دولت سے نوازے اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین یارب العالمین

۷۴ انسان کا خود اپنا وجود بعث بعد الموت کے لیے ایک ٹھوس دلیل: سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ انسان کا خود اپنا وجود بعث بعد الموت کیلئے ایک ٹھوس، قوی اور واضح دلیل ہے۔ کیونکہ اس سے واضح فرمادیا گیا کہ جب ہم معدوم سے موجود اور نیست سے ہست کر سکتے ہیں، پردۂ عدم سے نکال کر خلعتِ وجود سے نواز سکتے ہیں، تو پھر دوبارہ پیدا کردینا ہمارے لئے کیا اور کیونکر مشکل ہوسکتا ہے؟ سو انسان اگر صحیح طریقے سے خود اپنی ذات اور اپنی جان ہی کے بارے میں غور وفکر سے کام لے تو اس کو بعث بعد الموت کی قوی، واضح اور ٹھوس دلیل خود اپنے وجود ہی سے مل سکتی ہے۔ سو اسکا وجود خود اسکی دلیل ہے۔ بشرطیکہ انسان اپنے بارے میں صحیح طور پر غور وفکر سے کام لے۔ وباللہ التوفیق لما یحبّ ویرید۔

۷۵ حشر کی قطعیت کا ذکر وبیان: سو حشر کی قطعیت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ "قسم ہے آپ کے رب کی کہ ہم ضرور اکٹھا کرلائیں گے ان کو بھی اور ان کے سب شیطانوں کو بھی"۔ جو ان کو گمراہ کیا کرتے تھے اور جن کے پیچھے لگ کر یہ لوگ اپنے لئے دوزخ کا سامان کیا کرتے تھے۔ سو ان سب کو اس روز ہم اکٹھا کرلائیں گے تاکہ ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ پاسکے اور بھگتان بھگت سکے۔ عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری شکل میں پورے ہوسکیں اور تخلیق کائنات کی حکمت ظہور پذیر ہوسکے۔ اور شیاطین سے مراد عام ہے۔ خواہ وہ شیاطینِ انس ہوں یا وہ شیاطینِ جن۔ ان سب کو اس روز اکٹھا کرکے لایا جائے گا تاکہ وہ اپنے کئے کرائے کا بھگتان بھگتیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شیاطین کے ہر قسم کے شرور سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین، یا اکرم الاکرمین۔

۷۶ مجرموں کی مجرمانہ حاضری کا ذکر وبیان: سو اس سے مجرموں کی جہنم کے گرد مجرمانہ شکل میں حاضری کا ذکر وبیان کیا گیا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب کو حاضر ہونا ہے جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل"۔ کہ شدتِ ہول وخوف کی بناء وہ کھڑے نہیں ہوسکیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَتَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً﴾۔ (الجاثیۃ: ۲۸)۔ یا ان کا یہ حشر انکی تذلیل کیلئے ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں تکبر اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں حق سے منہ موڑا تھا۔ تو اسکے بدلے میں ان کو اس ذلت اور رسوائی سے دوچار کیا جائے گا کہ جزا جنسِ عمل سے ہوگی۔ والعیاذ باللہ۔ "جثی" جمع ہے "جاث" کی جو کہ مشتق وماخوذ ہے "جثوا" سے۔ جس کے معنیٰ دوزانو اور اکڑوں بیٹھنے کے ہیں۔ اور ایسا بیٹھنا مجرموں اور ذلت ورسوائی کا بیٹھنا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جس طرح مجرم لوگ اپنا فیصلہ سننے کے لیے کسی حکمران کے سامنے خوف ودہشت کے مارے محکومانہ اور غلامانہ انداز میں بیٹھتے ہیں۔ سو پوری تاکید کے ساتھ اور قسم کھا کر ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ان مجرموں اور ان کے شیطانوں اور گمراہ کن لیڈروں کو اس طرح اکٹھا کریں گے کہ یہ جہنم کے گرد اس طرح مجرمانہ انداز میں بیٹھے اپنے فیصلے کا انتظار کررہے ہونگے کہ جہنم کے کس وارڈ میں جانے کا حکم صادر ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ واعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى

میں سے ہر ایسے شخص کو جو (خدائے) رحمٰن کے مقابلے میں سب سے زیادہ سرکش بنا ہوا تھا ۷۷ پھر (یہ نہیں کہ اس چھانٹی کے سلسلہ میں

الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا

ہمیں کسی تحقیق کی ضرورت ہوگی کہ) ہم خود ہی خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو سب سے زیادہ حق دار ہوں گے دوزخ میں جھونک

صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا

دیئے جانے کے ۷۸ اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا دوزخ پر سے گزر نہ ہو ۷۹ تمہارے رب کے ذمے ایک لازم اور طے شدہ امر ہے،

مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ

پھر (اس گزرنے کے دوران) ان لوگوں کو تو ہم بچا لیں گے جو (دنیا میں) پرہیزگار رہے ہوں گے، اور ظالموں کو اسی میں پڑا ہوا چھوڑ

فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ

دیں گے گھٹنوں کے بل، اور جب ان لوگوں کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، ہماری آیتیں کھلی کھلی، تو وہ لوگ جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر،

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ

(اپنے دنیاوی مال و اسباب کے بل بوتے پر،) ایسے لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ (ذرا یہ تو بتاؤ کہ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی حالت

۷۷ **گمراہ کن لیڈروں کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان:** -سو اس سے گمراہ کن لیڈروں کی چھانٹی اور ان کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے- والعیاذ باللہ: سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اس روز ہر بڑے سرکش کو ان سب سے چھانٹ کر نکالا جائے گا جو خدا اور اسکے رسول کے سب سے زیادہ مخالف اور سرکش تھے- تاکہ وہ اپنے تمرد و سرکشی کا قرار واقعی صلہ و بدلہ پا سکے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- کہ اس نے اس خدائے رحمٰن کے مقابلہ میں سرکشی کا ارتکاب کیا تھا- والعیاذ باللہ- جس کی رحمتوں اور عنایتوں میں یہ سرتاپا ڈوبا ہوا تھا- سو جو بدبخت خدا اور اس کے رسول کی مخالفت و نافرمانی میں سب سے آگے اور پیش پیش تھے اور وہ حق اور اہلِ حق کے خلاف تحریکیں چلاتے اور لیڈریاں کرتے تھے ان سب کو اُس روز چھانٹ کر الگ کر دیا جائے گا کہ جس طرح انہوں نے دنیا میں لوگوں کو گمراہ کرنے کی مہم میں ان کی قیادت کی تھی اسی طرح اس روز وہ اپنے پیروؤں کی قیادت و پیشوائی کریں گے اور اپنی قیادت و پیشوائی میں وہ ان کو سیدھے لے جا کر جہنم کے اس ہولناک گڑھے میں ڈالیں گے جس کی ہولناکی کا تصور کرنا بھی اس دنیا میں کسی

کے بس میں نہیں۔ سو دنیا میں ضلالت وگمراہی کے قائد اُس روز جہنم میں لے جانے میں بھی ان کے قائد ہونگے۔ جیسا کہ فرعون کے بارے میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾۔ الآیۃ (ہود: ۹۸) یعنی ''قیامت کے روز وہ ملعون اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا یہاں تک کہ وہ ان کو دوزخ میں جھونک کر چھوڑے گا''۔ والعیاذ باللہ جل وعلا من کل زیغ وضلال۔ وبکل حالٍ من الاحوال۔ وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ

۷۸ دوزخیوں کے بارے میں پورا علم اللہ ہی کو: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر ہم خوب جانتے ہونگے کہ کون زیادہ حقدار ہے دوزخ میں جھونکے جانے کا'' کہ ہم اپنے علمِ کامل کے مطابق ان کے ظاہر وباطن کو ایک برابر جانتے ہیں اور ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ کس کا ظلم کتنا ہے اور کس کی سرکشی کس قدر ہے؟ اور کون کس قدر عذاب وسزا کا مستحق ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو اس وحدہٗ لاشریک سے کوئی انسان اور اس کا کوئی عمل اور اسکے ظاہر وباطن کی کوئی کیفیت کسی بھی طرح مخفی نہیں رہ سکتی کہ اسکی شان ہے۔ ﴿ علیم بذات الصدور ﴾۔ یعنی ''سینوں کے بھیدوں کو بھی پوری طرح جاننے والا''۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس بندے کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اس فکر اور کوشش میں رہے کہ اسکے ساتھ اسکے ظاہر وباطن دونوں کا معاملہ صحیح رہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو وہ وحدہٗ لاشریک اگر راضی ہو گیا تو سب کام بن گیا۔ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دوزخیوں کے بارے میں پورا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کس کو سب سے پہلے دوزخ میں جھونکا جائے اور کس کو دوزخ کے کس طبقے میں رکھا جائے۔ سو اس سے مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی جڑ نکال دی گئی۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۷۹ ہر کسی کو دوزخ کے اوپر سے گزرنا ہوگا: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا دوزخ پر سے گزرنا ہو'' کہ اہلِ جنت کو بھی اس کے اوپر سے گزرنا پڑے گا۔ کیونکہ پل صراط کو دوزخ کے اوپر قائم کیا گیا ہوگا مگر مومنِ صادق کے لئے وہ آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور وہ اس کیلئے اسی طرح بردو سلام بن جائے گی جس طرح کہ نمرود کی آگ حضرتِ ابراہیمؑ کے لئے بن گئی تھی۔ اور اہلِ ایمان اس سے بحفاظت پار ہو جائیں گے اور ان کے گزرنے کی رفتار بھی ان کے ایمان ویقین کی قوت وضعف اور اعمال کے درجات کی بناء پر مختلف ہوگی۔ کوئی بجلی کی چمک کی طرح گزر جائے گا۔ کوئی تیز ہوا کی طرح۔ کوئی تیز گھوڑے کی طرح وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ احادیث میں تفصیل سے وارد ہے۔ اور کفر وباطل والے اس کے اوپر سے گر کر واصل بجہنم ہو جائیں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو لفظ ''ورود'' کے بارے میں حضراتِ اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرتِ ابنِ عباس سے مروی ہے کہ ''ورود'' کا لفظ یہاں پر ''دخول'' کے معنیٰ میں ہے۔ سو ہر کسی کو خواہ وہ نیک ہو یا بد اس میں داخل ہونا ہوگا۔ پھر مومن کے لیے تو وہ برد اور سلام بن جائے گی جیسا کہ حضرتِ ابراہیم کے لیے بن گئی تھی۔ اور حضرتِ ابنِ مسعود اور قتادہ وغیرہ کے نزدیک ''ورود'' کا لفظ یہاں پر ''مرور واجتیاز'' کے معنیٰ میں ہے۔ ''الورود المرور علی الصراط'' (مدارک وغیرہ)۔ اور یہی قول راجح لگتا ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ دوزخ کی آگ مومن سے کہے گی کہ تو جلدی جلدی گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے ''جُزْ یا مومن فان نورک اطفا لھبتی'' (المدارک، الصفوۃ، المراغی، ابنِ کثیر اور معارف وغیرہ)۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ

زیادہ اچھی ہے؟ اور کس کی مجلس زیادہ شاندار ہے؟ ف۸۰ حالانکہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی ایسی قوموں کو ملیامیٹ کر چکے ہیں جو دنیاوی ساز و

هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّرِءۡيًا ﴿٧٤﴾ قُلۡ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ

سامان اور ظاہری شان وشوکت میں ان سے بھی کہیں بڑھ کر تھیں، ف۸۱ (ان سے) کہو کہ جو شخص گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے (خدائے) رحمٰن

۸۰ منکرین کے ایک زعم باطل کی تردید: - یعنی ان کے اس زعم کی تردید کہ چونکہ ہمیں دنیا ملی ہوئی ہے اس لیے ہم ٹھیک ہیں۔ سو کفار کا اپنے دنیاوی ساز وسامان کی بناء پر یہ گھمنڈ انکی محرومی اور ہلاکت وتباہی کا باعث ہے۔ سو کفار کا کہنا تھا کہ ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی شان بڑی ہے اور کس کی مجلس شاندار۔ اور صاف ظاہر ہے کہ وہ ہم ہی ہیں کہ ہماری حالت بھی تم سے اچھی ہے اے ایمان والو۔ اور ہماری مجلس بھی تم لوگوں سے کہیں عمدہ اور شاندار ہے۔ سو اگر آخرت ہوئی بھی جیسا کہ تم لوگوں کا کہنا اور ماننا ہے تو وہاں بھی ہمارے ہی ٹھاٹھ باٹھ ہوں گے۔ اور ہمیں وہاں بھی یہ سب کچھ ملے گا جو آج یہاں ملا ہوا ہے۔ کیونکہ اگر ہم غلط ہوتے جیسا کہ تمہارا کہنا ہے تو پھر ہمیں دنیا میں یہ سب کچھ کیوں ملا ہوتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے اس گھمنڈ کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿ وَلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰى ﴾ - سو یہ باطل پرستوں کا بنیادی دھوکا اور قدیم مغالطہ ہے۔ جس کی بناء پر یہ لوگ دنیائے دوں کے متاعِ قلیل اور حطامِ فانی وزائل کو اپنی حقانیت کا معیار سمجھتے ہیں۔ سو اس لحاظ سے مادی ترقی کا یہ پہلو انسان کیلئے اور زیادہ مضر اور خطرناک قرار پاتا ہے کہ اس کی بناء پر وہ نورِ حق وہدایت سے مزید دور اور محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت حق - جل مجدہٗ - کے یہاں اس پوری دنیا کی قدر وقیمت بھی نصِ صریح کے مطابق مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں۔ تو پھر اس کے چند ٹکوں کی اس کے یہاں حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے؟ - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور اس میں سے ملنے والے کچھ ٹکوں کی بنا پر بھول جانا اور راہِ حق وہدایت سے منہ موڑنا اور اعراض کرنا وروگردانی برتنا کس قدر ہولناک خسارے کا باعث ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۸۱ دنیاوی مال ودولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیارِ قبول نہیں: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ نہ تو دنیاوی مال و دولت کا ملنا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے کی دلیل بن سکتا ہے اور نہ ہی یہ اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے چھڑا سکتا ہے۔ سو اس سے پہلے کتنی ہی مالدار اور ترقی یافتہ قوموں کو ہلاک اور ملیامیٹ کر دیا گیا مگر جب ان پر عذاب آیا تو اس وقت ان لوگوں کو ان کا مال اور انکی شان وشوکت اس عذاب کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہ آ سکے۔ سو معلوم ہوا کہ دنیاوی مال ودولت اور شان وشوکت نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے کی دلیل ہے اور نہ ہی یہ اس کی پکڑ سے چھڑا سکتے ہیں۔ بلکہ کام آنے والی اصل اور حقیقی دولت ایمان ویقین اور عمل وکردار کی دولت ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدۡنَا مِنۡهُ وَثَبِّتۡنَا عَلَيۡهِ وَشَرِّفۡنَا بِمَرۡضَاتِكَ وَبِمَا عِنۡدَكَ يَا ذَا الۡجَلَالِ وَالۡاِكۡرَامِ - پس دنیاوی مال ودولت کی بنا پر کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ تاریخ میں ایسی قوموں کی کتنی ہی مثالیں موجود ہیں جو اپنے مال ودولت اور اپنی ظاہری چمک دمک کے اعتبار سے دورِ حاضر کے ان منکرین سے کہیں بڑھ کر تھیں لیکن جب انہوں نے اپنے خالق ومالک سے سرکشی کی تو آخر کار ان کو تباہ وبرباد اور نیست ونابود کر دیا گیا۔ اور اس وقت ان کی وہ مادی ترقی ان کے کچھ کام نہ آ سکی - والعیاذ باللہ العظیم - سو اصل چیز دنیاوی مال ودولت نہیں بلکہ متاعِ ایمان ویقین ہے۔ جو کہ سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق

فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ

اسے ڈھیل دیئے چلا جاتا ہے ۸۲ یہاں تک کہ جب ایسے لوگ اس چیز کو دیکھ لیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہوتا ہے،

إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ط فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ

خواہ عذاب الٰہی ہو یا قیامت کی وہ گھڑی، تو اس وقت انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کا حال

شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ

سب سے برا ہے اور کس کا جتھا سب سے کمزور ہے، اس کے برعکس، جو لوگ راہ راست اختیار کرتے ہیں،

اهْتَدَوْا هُدًى ط وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

اللہ انہیں راست روی میں اور ترقی عطا فرماتا ہے ۸۳ اور باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے یہاں سب سے زیادہ اچھی ہیں

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ

ثواب کے اعتبار سے بھی، اور انجام کے لحاظ سے بھی ۸۴ پھر کیا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جو انکار کرتا ہے ہماری آیتوں کا، اور کہتا ہے کہ

۸۲ سرکشوں کے لیے خدائے رحمان کی سنت اِمہال کا ذکر: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ خدائے رحمان گمراہوں کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ ان کو ڈھیل دیئے جاتا ہے۔ جو کہ تقاضا ہے اس کے بے نہایت حلم اور بے پایاں کرم کا۔ تاکہ جس نے حق کی طرف رجوع کرنا ہو وہ رجوع کر لے اور اپنا معاملہ درست کر لے۔ اور جس نے رجوع نہ کرنا ہو وہ اپنا پلڑا برائیوں سے بھر لے تاکہ آخری اور حتمی انجام کو پہنچ سکے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ج وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾۔ (آل عمران: ۱۷۸)۔ اور تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے اور ان کیلئے عذر و معذرت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ﴾ (فاطر: ۳۷)۔ سو خدائے رحمٰن کی طرف سے دی گئی ڈھیل سے مست اور مغرور ہونے کی بجائے حق کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ وباللہ التوفیق۔ (المحاسن، المعارف اور مراغی وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۸۳ راہِ راست والوں کی ہدایت میں ترقی و اضافہ: سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ راہِ راست اپنانے والوں کو اللہ انکی ہدایت میں مزید اضافہ کرتا اور ترقی دیتا ہے۔ جس سے وہ ہمیشہ خیر کی طرف بڑھتے اور ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اور اسکے نتیجے میں وہ دنیا میں امن و سکون والی پاکیزہ زندگی سے ہمکنار ہوتے ہیں اور آخرت میں دائمی سعادت سے بہرہ ور ہوں گے اپنے خالق و مالک کے فضل و کرم سے۔ سو یہ ہے وہ اصل اور انمول دولت جس سے

حضرتِ حق - جل مجدہٗ - اس دنیا میں اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے نہ کہ دنیا کا وہ فانی مال و دولت جس پر ابنائے دنیا مست و مغرور ہیں۔ اور وہ اس کے کمانے اور جوڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور وہ آخرت سے غافل و بے خبر ہو کر فرصتِ حیات کی متاعِ گرانمایہ کو اسی حطامِ دنیا کے لئے ضائع کر رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھ رہے کہ اس طرح یہ لوگ اپنے لئے کس قدر ہولناک خسارے کا سامان کر رہے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ العظیم - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ منکروں اور سرکشوں کو ڈھیل دیتا اور ان کی رسی دراز کرتا ہے اسی طرح وہ ہدایت اختیار کرنے والوں کی ہدایت میں بھی برابر اضافہ فرماتا جاتا ہے۔ سو عقلمند انسان کے نزدیک دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہوتی کہ کس چیز کا فوری اور وقتی نفع کیا ہے بلکہ اس کی نظر اس پر ہوتی ہے اور اسی پر ہونی چاہیے کہ اجر و ثواب اور مآل و انجام کے اعتبار سے بہتر کام کونسا ہے۔ سو ابنائے دنیا صرف دنیا کے نفعِ عاجل اور فوری و وقتی فوائد کو دیکھتے ہیں اور بس۔ ان کو اسکی کوئی پرواہ نہیں کہ مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ جبکہ بندۂ مومن کے نزدیک اصل چیز آخرت کی اصل اور حقیقی زندگی اور اس کا نفع و نقصان ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - وعلٰی مایُحِبُّ و یرید بکل حالٍ من الاحوال۔

۸۲ باقیات صالحات سے مراد اور انکی اہمیت؟ اس سے مراد ہر وہ نیک عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور آخرت کی حقیقی اور دائمی زندگی کے لئے کیا جائے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ذکر و اذکار وغیرہ وغیرہ۔ جو کہ ہمیشہ باقی رہنے والے اعمالِ صالحہ ہیں اور جو انسان کو دارِ آخرت کے اس ابدی جہان میں کام دیں گے جس کیلئے فناء و زوال نہیں۔ اس لئے حضراتِ اہلِ علم ان باقیات صالحات کی توضیح و تشریح میں فرماتے ہیں "اَیِ الْاَعْمَالُ الصَّالِحَاتُ الَّتِیْ تَبْقٰی لِصَاحِبِهَا ذُخْرًا لَّهٗ فِی الْاٰخِرَۃ"۔ (صفوہ، محاسن اور مراغی وغیرہ)۔ اور ان ہی اعمالِ صالحہ میں سے وہ اَذکارِ مسنونہ بھی ہیں جو کہ نبی اکرم ﷺ - نے اپنی امت کو تلقین فرمائے ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ان کلماتِ شریفہ کو باقیات صالحات میں سے قرار دیا گیا ہے - سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ - سو یہی باقیات صالحات ہیں جو انسان کا اصل سرمایہ اور حقیقی دولت ہیں۔ جو انسان کو آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں کام آئیں گی جبکہ مال و دولت وغیرہ کی وہ عارضی اور فانی چیزیں جو اسی دنیا میں رہ جائیں گی اور یہیں مٹ مٹا کر ختم ہو جائیں گی۔ سو قرآنِ حکیم میں جو اعمالِ صالحہ کو جگہ جگہ باقیات صالحات سے تعبیر فرمایا گیا ہے تو اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ جو اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے جائیں وہی باقی رہنے والے اور پائیدار و غیر فانی ہیں۔ اور جو اعمال صرف دنیائے فانی اور اس کے چندروزہ فوائد کے لیے ہوتے ہیں وہ سب فانی اور غیر صالح ہیں کیونکہ یہ دنیا خود فانی ہے۔ لہٰذا جو اعمال اس دنیائے فانی ہی کو اصل مقصد بنا کر کیے جائیں گے وہ بھی فانی ہونگے۔ باقی رہنے والے اعمال صرف وہ ہیں جو خداوندِ قدوس کی رضا اور آخرت کو مقصود بنا کر کیے جائیں۔ اس لیے کہ خداوندِ قدوس بھی غیر فانی ہے اور آخرت بھی - وباللّٰه التوفیق لما یحب ویرید، وعلٰی ما یحب ویرید بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیٰوۃ، وھو العزیز الوھاب والھاوی الی الرشد والصواب - سبحانہٗ وتعالیٰ -

بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ

مجھے (آخرت میں بھی اگر وہ ہوئی تو) ضرور نوازا جائے گا مال واولاد سے ۸۵ کیا اس نے غیب پر اطلاع پالی؟ یا اس نے (خدائے) رحمٰن سے

اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ط سَنَكْتُبُ مَا

کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ۸۶ ہرگز نہیں، ہم لکھتے چلے جا رہے ہیں جو بھی کچھ وہ کہتا ہے اور (اس طرح) اس کے لئے ہم بڑھاتے جائیں گے

۸۵ منکرین آخرت کے ایک زعم باطل کا ذکر و بیان: - کہ اگر بالفرض آخرت ہوئی بھی تو وہاں بھی اسی کو مال واولاد سے نوازا جائے گا۔ سو اس کا حال تعجب کے لائق اور عبرت کے قابل ہے کہ آخرت کے انکار سے آدمی کس درجہ ڈھیٹ، کتنا لاپرواہ اور کس قدر غافل ولاابالی بن جاتا ہے کہ وہ اپنے انجام کار کی فکر کرنے کی بجائے حق اور حقیقت کا اس طرح مذاق اڑاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - صحیح بخاریؒ و مسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق یہ آیتیں عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئیں کہ جب حضرت خبابؓ نے اس سے اپنا حق مانگا تو اس پر اس ملعون نے کہا کہ میں تمہیں تمہارا حق نہیں دوں گا۔ یہاں تک کہ تم محمد کا انکار کرو۔ تو اس کے جواب میں حضرتِ خباب نے اس سے کہا کہ میں محمد کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک تو میرے سامنے مر کر پھر زندہ ہو جائے تو اس پر اس نے ازراہِ تکبر وعناد اور بطورِ مذاق و استہزاء ان سے کہا کہ تمہارے کہنے کے مطابق جب میں مر کر دوبارہ اٹھا تو تمہیں تمہارا حق دے دوں گا۔ کیونکہ مرنے کے بعد جب میں دوبارہ اٹھوں گا تو وہاں بھی مجھے ہی مال واولاد سے نوازا جائے گا۔ تو اس پر اس ملعون کے اس زعم باطل کی تردید کے لیے یہ آیاتِ کریمات نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر اور معارف وغیرہ)۔ لیکن اس کے الفاظ اور اس کا حکم بہرحال عام ہے جو اس طرح کے ہر کافر کو شامل ہے "فَاِنَّ الْعِبْرَةَ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ الْمَوْرِدِ" سو انکارِ آخرت جڑ بنیاد ہے جملہ مفاسد اور تمام خرابیوں کی - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

۸۶ منکرین کے ایسے زعم باطل کی تردید وتغلیظ: - چونکہ منکرین کا یہ زعم بالکل احمقانہ اور باغیانہ قسم کا ہے اس لیے اس کا جواب طنز وتحقیر کی انداز میں دیا گیا۔ سو فرمایا گیا کہ کیا ایسے شخص نے غیب پر اطلاع پالی یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ۔ اور جب ان دونوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں، اور یقیناً نہیں، تو پھر یہ کافر شخص اس طرح کی بات آخر کرتا کس طرح اور کس بناء پر ہے؟ کیونکہ قیامت و آخرت اور وہاں کی جزا وسزا سے متعلق کوئی بھی فیصلہ خالص غیب کا معاملہ ہے۔ اور غیب کے ایسے معاملے سے متعلق علم وآگہی کی دو ہی صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں کہ یا تو کسی کے پاس براہِ راست غیب کا علم ہو، جس کی بناء پر وہ جانتا ہو کہ وہاں کیا ہونے والا ہے، یا کسی نے خدائے رحمٰن سے اس بارے کوئی عہد لے رکھا ہو، جسکی بناء پر وہ مطمئن ہو اور اس طرح کا کوئی دعویٰ کرتا ہو۔ اور جب ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت ایسے کسی انسان کیلئے ممکن نہیں تو پھر اس طرح کا دعویٰ کرنا کتنی بڑی حماقت اور کیسی جسارت ہے - والعیاذ باللہ - سو انکار آخرت کا جرم ایسا سنگین اور اس قدر ہولناک جرم ہے کہ اس سے انسان کی مت ماری جاتی ہے اور وہ اپنے نفع ونقصان کے فہم وادراک سے عاری ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهُ مَا

(اپنا عذاب) اور بڑھاتا ۸۷ اور ہم ہی وارث ہوں گے اس (کے اس تمام ساز وسامان اور لاؤ لشکر) کے، جن کا یہ (اس قدر فخر وغرور سے)

يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً

ذکر کرتا ہے، اور اسے تنِ تنہا ف۸۸ ہمارے پاس آنا ہوگا، اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں

لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ

تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں، ف۸۹ ہرگز نہیں، وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کر دیں گے

وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا ع ۵

اور وہ الٹے ان کے مخالف بن جائیں گے، ف۹۰ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو ان

۸۷ منکرین کے عذاب میں اضافے کا ذکر وبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں اور ایسے لوگوں کے لیے کسی طرح کی کوئی چھوٹ نہیں۔ بلکہ ان کی اس طرح کی تمام باغیانہ اور سرکشانہ باتوں کو ہم لکھتے اور ان کے نامہ ہائے اعمال میں درج کیے جا رہے ہیں۔ اور اس نتیجے میں ہم ایسے لوگوں کیلئے عذاب کو بڑھاتے جائیں گے جو اس کے کفر وانکار پر اڑے اور جمے رہنے کا لازمی نتیجہ اور طبعی تقاضا ہے۔ پس اگر کفر وشرک اور ذنوب ومعاصی کے باوجود کسی کو دنیاوی مال ودولت ملتا جائے تو یہ اس کے لئے کوئی انعام واکرام نہیں بلکہ عذاب میں اضافہ وبڑھاوا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو کفر وباطل کی راہ کو اپنانا اور اس پر اڑ اور جم جانا دارین کی ہلاکت وتباہی کا باعث ہے۔ اور ایسا کہ اس کے بعد دنیا ملے تو بھی عذاب اور نہ ملے تو بھی عذاب۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف چونکہ یہ لوگ اپنے جرمِ بغاوت وسرکشی اور کفر وانکار میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ان کے کفر وانکار کی میل اور پکی اور سخت ہوتی جاتی ہے اور ان کے کفر وانکار کے زنگ سے ان کے دلوں کی دنیا اور سیاہ اور مزید تباہ ہوتی جاتی ہے۔ پھر حق سے اِعراض وروگردانی کے ساتھ ساتھ ایسے بدبخت لوگ حق کے ساتھ مذاق واِستہزاء کے اپنے کافرانہ رویے سے اپنے کفر کی سیاہی کو مزید پکا کرتے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے عذاب میں یہ اضافہ ایک طبعی امر اور ان کے اس سرکشانہ اور باغیانہ رویے کا منطقی نتیجہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ نفس وشیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۸۸ منکرین ومتکبرین کے کبر وغرور پر ایک تازیانہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے منکر انسان کو تنِ تنہا ہمارے یہاں آنا ہوگا اور اس کے اس مال ودولت، اہل واولاد اور پارٹی وگروہ میں سے کچھ بھی اس کے ساتھ نہیں ہوگا جس کا آج اس کو اس قدر گھمنڈ ہے۔ سبحان اللہ۔ کس طرح قرآنِ کریم حق اور حقیقت کو پھیر پھیر کر صاف وصریح طور پر واضح کرتا اور بیان فرماتا ہے۔ مگر غافل انسان ہے کہ پھر بھی اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دنیاوی مال ودولت جس کا

مادہ پرست انسان کو بڑا زعم اور گھمنڈ ہے سب یہیں رہ جائے گا۔ کچھ بھی اس کے ساتھ نہیں جائے گا۔ اور اس کو خالی ہاتھ اور تنہا اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہونا اور زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا صلہ و بدلہ پانا ہوگا۔ سو بڑا ہی محروم اور بدنصیب ہے وہ انسان جو اپنے اس مصیر محتوم اور آخری انجام کو بھول کر دنیا ہی کا بن کر رہ جائے ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ مال و اولاد وغیرہ کی جن جن چیزوں کا ایسے منکر انسانوں کو دعویٰ و گھمنڈ ہے یہ سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور اس کے وارث ہم ہی ہونگے۔ اور قیامت کے روز ایسوں کو یکہ و تنہا ہمارے یہاں حاضر ہونا ہوگا۔ نہ ایسے کسی شخص کے ساتھ اسکے اس ساز و سامان میں سے کچھ ہوگا اور نہ ہی اسکے اعوان و انصار اور من گھڑت و مزعومہ شرکاء و شفعاء میں سے کوئی اسکے ہمراہ ہوگا۔ جو کچھ ہم نے اس کو دیا بخشا تھا وہ سب یہیں رہ جائے گا۔ وہ سب ہم اس سے واپس لے لیں گے اور یہ جس طرح خالی ہاتھ اس دنیا میں آیا تھا اسی طرح خالی ہاتھ اس دنیا سے واپس ہمارے پاس پہنچ جائے گا۔ تو پھر یہ اکڑفوں کاہے کی؟ ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا من کل زیغ وضلال ۔ اَللّٰھُمَّ فَخُذْنَا بِنَوَاصِیْنَآ اِلٰی مَافِیْہِ حُبُّکَ والرضاء

۸۹ مشرکوں کا اپنے معبودانِ باطلہ پر بھروسہ و اعتماد: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور انہوں نے اللہ کے سوا اور کئی معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے عزت کا ذریعہ بنیں"۔ اور دنیا و آخرت میں ان کی قوت و عزت کا ذریعہ و سبب بنیں۔ اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکیں۔ اسی لئے وہ اپنے خالق و مالکِ حقیقی کو بھول کر اپنے انہی خود ساختہ من گھڑت معبودوں اور سہاروں اور مددگاروں کو خوش کرنے کی فکر اور چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنی متاعِ حیات اور فرصتِ عمل کو طرح طرح کی بھول بھلیوں اور اوہام و خرافات میں ضائع کر رہے ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم ۔ سو معبودِ برحق بہر حال ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک۔ جو کہ سب کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے اس حقیقت کو آشکارا فرمادیا گیا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا از خود ایسے من گھڑت معبود بنا رکھے ہیں جن پر ان لوگوں کا اصل سہارا و اعتماد ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ یہی ہمارے کرتا دھرتا ہیں۔ دنیا میں بھی ہمیں رزق و روزی انہی سے ملتا ہے اور آخرت میں بھی یہی ہمیں کام آئیں گے۔ لہٰذا ان کو خوش کرنے سے سب کام بن جائیں گے وغیرہ وغیرہ ۔ اللہ شرک کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے ۔ اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۹۰ مشرکوں کے اس مشرکانہ زعم و گھمنڈ کی صریح تردید: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہرگز نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا بلکہ فیصلے کے اس روز وہ ان کی عبادت ہی کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے"۔ اور ان کے دشمن بن جائیں گے۔ اور ان کی پوجا پاٹ کا وہ صاف و صریح طور پر انکار کر دیں گے ۔ ﴿وَیَکُوْنُوْنَ عَلَیْھِمْ ضِدًّا﴾ ۔ نیز جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَھُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْا بِعِبَادَتِھِمْ کٰفِرِیْنَ﴾ ۔ (الاحقاف:٦)۔ تب ان لوگوں کی حسرت دیکھنے کے قابل ہوگی کہ زندگی بھر کے تمام سہارے اس وقت ٹوٹ چکے ہوں گے۔ سو کتنا کرم و احسان ہے ہم پر اور پوری بنی نوعِ انسانیت پر اس کتابِ حکیم قرآنِ مجید کا کہ اس نے یہ سب کچھ ہمیں پیشگی اس دنیا میں بتادیا۔ اور پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتادیا تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے اس کی خبر نہ تھی ۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ سو کس قدر ظالم اور کتنے بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس کتابِ حکیم سے منہ موڑے ہوئے اور اس کی تکذیب کرتے ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم۔ بہر کیف اس سے مشرکوں کے اس زعم و گھمنڈ اور ان کے مشرکانہ فلسفہ کی جڑ کاٹ دی گئی ۔ والحمد للہ جل وعلا ۔

الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ

کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں طرح طرح سے اکساتے ہیں (حق اور اہل حق کی مخالفت پر) ف۹۱ پس تم ان پر (نزول عذاب کے لئے)

عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى

جلدی نہ کرنا، ہم خود ہی ان کے دن پوری طرح گن رہے ہیں ف۹۲ جس دن کہ ہم پرہیزگار لوگوں کو اکٹھا کرلائیں گے (خدائے) رحمٰن

الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾

وقف لازم

کے حضور (معزز) مہمانوں کے طور پر ف۹۳ اور مجرموں کو ہم ہانک لائیں گے دوزخ کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح ف۹۴ وہاں ان کو کسی

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

سفارش کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے (خدائے) رحمٰن سے (اس بارے) کوئی اجازت لی ہو ف۹۵ اور کہتے ہیں

۹۱ شیطان کا کام اکسانا، بڑھکانا - والعیاذ باللہ: - سو شیطان کا کام محض اکسانا، بھڑکانا اور برائی کی ترغیب دینا ہے۔ نہ کہ مجبور کر دینا۔ جیسا کہ قیامت کے روز وہ خود کہے گا - ﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ﴾ - (ابراہیم:۲۲) جس طرح کہ حضرات انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کا کام صرف حق کی دعوت دینا ہے اور خیر کی طرف بلانا ہے نہ کہ ایمان واقرار پر مجبور کر دینا۔ زمخشری کہتے ہیں کہ "اَزّ" "ھَزّ" اور "اِسْتَفَزَّ" تینوں الفاظ قریب قریب ایک معنیٰ میں آتے ہیں۔ یعنی اکسانا، بھڑکانا اور انگیخت کرنا وغیرہ - والعیاذ باللہ - سو اس ارشاد سے اس امر کو واضح فرمایا گیا ہے کہ یہ مشرک لوگ اللہ کی اس سنت کی زد میں آئے ہوئے ہیں کہ جو کوئی خدائے رحمان کی یادِ دلشاد سے منہ موڑ کر اندھا بن جاتا ہے اس پر شیطان کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہی اس کا ساتھی اور دوست بن جاتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ - (الزخرف:۳۶) - والعیاذ باللہ العظیم -

۹۲ مجرموں کو ان کے انجام کے بارے میں آگہی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم پوری طرح گن رہے ہیں ان کیلئے (انکی مدتِ مہلت کو)"۔ سو جس دن ان کی مہلت کے دن پورے ہو جائیں گے، یہ خود عذاب میں دھر لئے جائیں گے۔ اور یہ اپنے کئے کا بھرپور بدلہ بہرحال پا کر رہیں گے۔ اس لئے آپ کو ان کے عذاب کے لئے جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کا کام پیغامِ حق پہنچا دینا ہے اور بس۔ اس سے آگے کا کام آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ ہم ان سے خود ہی نمٹ لیں گے اور اچھی طرح اور پورے عدل وانصاف کے ساتھ نمٹیں گے۔ اور یہ لوگ اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگت کر رہیں گے اور ہماری گرفت وپکڑ سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ان کیلئے کسی بھی طرح ممکن نہیں ہوگی - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس میں آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کو صبر وانتظار کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں کے بارے میں جلدی نہ کریں۔ ان کا پیمانہ اب لبریز ہوا چاہتا ہے۔ ہم ان کی مدتِ مہلت اور اسکے ایک ایک منٹ کو پورے اہتمام کے ساتھ گن رہے ہیں۔ اور یہ اپنے انجام کو بہرحال پہنچ کر رہیں گے۔ سو اس سے مجرموں کو ان کے انجام سے خبردار کر دیا گیا ہے۔ تاکہ یہ اصلاح احوال کی فکر کر لیں۔

۹۳ پرہیز گاروں کے اِنعام و اِکرام کا ذکر و بیان:- سوارشاد فرمایا گیا کہ ''جس دن کہ پرہیز گاروں کو ہم خدائے رحمٰن کے حضور اکٹھا کر لائیں گے مہمانوں کے طور پر۔ یعنی جس طرح کہ شاہی مہمان عزت و اکرام کے ساتھ لائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ صحیحین وغیرہ کی روایات میں وارد ہے کہ ان کو سواریوں پر بٹھا کر اعزاز و اکرام کے ساتھ خدائے رحمٰن کے حضور پیش کیا جائے گا۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنهُم۔ سو متقی اور پرہیز گار لوگوں کو اُس روز نہایت عزت و احترام کے ساتھ خدائے رحمٰن کے حضور پیش کیا جائے گا تا کہ وہ اُس روز اُس واہب مطلق۔ جل وعلا شانہ۔ سے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پھل اور بہترین صلہ و بدلہ پا سکیں۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ﴿وفدا﴾ جمع ہے ''وافد'' کی۔ جیسے ''رکب'' جمع ہے ''راکب'' کی۔ اور ''وفد'' ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو بادشاہ وغیرہ بڑے لوگوں سے ملنے جاتے ہیں۔ اور جن کا خاص طور پر اکرام کیا جاتا ہے۔ (المراغی، المدارک، المحاسن اور المعارف وغیرہ)۔ اللہ ہمیں انہی خوش نصیبوں میں سے کر دے۔ آمین ثم آمین۔

۹۴ مجرموں کا حشر پیاسے جانوروں کی طرح۔ والعیاذ باللہ:- سوارشاد فرمایا گیا ''اور مجرموں کو ہم ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے پیاسے جانوروں کی طرح''۔ یعنی بڑی تذلیل و تحقیر کے ساتھ پا پیادہ۔ جس طرح پیاسے جانوروں کو ہانک کر پانی کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ حق و ہدایت کے جس آبِ زلال سے انہوں نے اپنے آپ کو پیاسا رکھا تھا اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والے جس آبِ حیات سے انہوں نے اپنے قلوب و بواطن کو جان بوجھ کر محروم رکھا تھا، اس کا لازمی نتیجہ اور طبعی انجام یہی ہوگا کہ اسے کشفِ حقائق کے اس جہاں میں ان کو اس طرح پیاسے جانوروں کی طرح دوزخ کی اس آگ میں پہنچایا جائے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ''وِرْدٌ'' ''وارد'' کی جمع ہے۔ جس کے معنیٰ گھاٹ پر اترنے والے کے ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو جس طرح پیاسے اونٹ کو ہانک کر پانی کے گھاٹ پر لایا جاتا ہے اسی طرح ان بدبختوں کو اُس روز نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ ہانک کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ دوزخ سے اور دوزخ تک پہنچانے والے اعمال سے ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۹۵ مشرکانہ تصورِ شفاعت کی نفی و تردید:- سوانکے مزعومہ شفعاء میں سے کسی کو ان کیلئے کسی سفارش کی بھی اجازت نہیں ہوگی سوائے ان حضرات کے جنہوں نے خدائے رحمان کے یہاں اس کا عہد لے رکھا ہو۔ جیسا کہ حضراتِ انبیاء وصلحائے کرام کو اجازت دی جائے گی۔ اور ہمارے حضورؐ کو تو شفاعتِ کبریٰ کا اعزاز نصیب ہوگا۔ سو جنہوں نے ایمان و اخلاص اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی، ان کو شفاعت کے اس اعزاز سے نوازا جائے گا۔ اور جو نورِ ایمان و یقین سے محروم رہے ہونگے وہ اس دن کی سفارش سے بھی محروم رہیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ سو استثناء یہاں پر منقطع ہے اور ﴿یملکون﴾ کی ضمیر کا مرجع ان کے وہ خود ساختہ معبودانِ باطلہ ہیں جن پر ان لوگوں نے بھروسہ اور اعتماد کر رکھا تھا کہ یہ ہمارا سب کام بنا دیں گے۔ اور جن کا ذکر ابھی کچھ ہی اوپر آیت نمبر ۸۱ میں آ چکا ہے۔ سو اس مشرکانہ تصورِ شفاعت کی تردید فرما دی گئی کہ ان کے یہ خود ساختہ اور مزعومہ شرکاء و شفعاء انکے کچھ بھی کام نہیں آسکیں گے اور ان کو ان کے لیے کسی سفارش کا کوئی اختیار نہیں ہوگا سوائے ان کے جنہوں نے خدائے رحمان کے یہاں کوئی عہد لے رکھا ہو۔ اور عہد سے مراد ہے ایمان اور عملِ صالح۔ جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباس سے مروی ہے۔ سو اس کے یہاں شفاعت حضراتِ انبیاء و رسل اور علماء و صلحاء وغیرہ فرمائیں گے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، مدارک التنزیل اور معارف وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے۔ آمین

وقف لازم

عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ

کہ (خدائے) رحمٰن نے اولاد ٹھہرا رکھی ہے، (ظالمو!) تم نے ایک اتنی سخت بے جا اور بیہودہ بات کہہ دی ہے، کہ قریب ہے کہ پھٹ

شَيْـًٔا اِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ

پڑیں اس سے آسمان، شق ہو جائے زمین، اور گر پڑیں پہاڑ دھما کے سے و۹۶ اس لئے کہ ان لوگوں نے (خدائے) رحمان کے لئے

الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾

اولاد کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ (خدائے) رحمٰن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے، (کیونکہ) آسمانوں اور زمین (کی اس

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي

ساری کائنات) میں جو بھی کچھ ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو (خدائے) رحمٰن کے حضور پیش نہ ہو بندہ (سرافگندہ) ہو کر، یقیناً

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ

اس نے احاطہ کر رکھا ہے ان سب کا، اور ان کو شمار کر رکھا ہے گن کر و۹۷ اور ان سب کو قیامت کے دن اس (وحدہٗ لاشریک) کے یہاں

وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ

حاضر ہونا ہو گا فرداً فرداً، بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اس کے مطابق) نیک کام بھی کئے، (خدائے) رحمٰن ان کو نواز

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ

دے گا (اپنے فضل و کرم سے) ایک خاص محبت سے، و۹۸ سو (آپ حق کی تبلیغ کرتے رہیں کہ) بلاشبہ ہم نے آسان کر دیا ہے اس

۹۶ کائناتِ خداوندی کی غیرت کا ایک نمونہ و مظہر:- سو اس سے کائنات کی اپنے خالق و مالک کے حق میں غیرتمندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اسکی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی اور بے ادبی کی بنا پر پھٹ پڑنے کو ہو جاتی ہیں۔ اپنی اس طبعی و فطری غیرت کی بناء پر جو کہ ان عظیم الشان مخلوقات کی فطرت و جبلت میں اپنے خالق و مالک کی عظمت و وحدانیت کے بارے میں پائی جاتی ہے۔ "اب" "باپ" اور "رب" یعنی معبود برحق جو ایک ہی وزن کے دو لفظ ہیں آپس میں معنوی اعتبار سے یہ دونوں ایک خاص حیثیت سے کافی حد تک مشابہت اور مماثلت رکھتے ہیں کہ رب تو خالق و مالک حقیقی ہے۔ اور "اب" یعنی "باپ" انسان کے ظہور و بروز کا ذریعہ و وسیلہ۔ سو جب کوئی غیرت مند انسان "اب" یعنی اپنے باپ میں شرکت کی بات سننا تک گوارا نہیں کر سکتا حالانکہ وہاں شرکت ممکن ہو سکتی ہے تو پھر کوئی مخلوق اپنے خالق وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت و یکتائی میں کسی طرح کی شرکت کی بات کس طرح گوارا کر سکتی ہے؟ جب کہ وہاں شرکت سرے سے ممکن ہی نہیں۔ اسی

لئے ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ شرک ایسا سنگین جرم ہے کہ آسمان وزمین اور پہاڑ اور دوسری تمام مخلوق اس سے لرز اور کانپ اٹھتی ہے بجز جن وانس کے۔ اور یہ سب چیزیں اس بناء پر مرمٹنے کو آ جاتی ہیں۔ (المراغی، ابن کثیر، الاضواء اور الصفوۃ وغیرہ)۔ مگر یہ اللہ پاک ہی کا حلم اور اسی کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنی اس غیرت مند مخلوق کو شرک پر اس طرح مٹ جانے اور پھٹ جانے سے باز رکھا ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔ کہاں شرک کی یہ سنگینی اور اس قدر ہولنا کی اور کہاں کھلے مشرکوں اور کلمہ گو مشرکوں کا وہ کاروبار شرک جس کو یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے چلایا جا رہا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ بِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ کُلِّ شَیْءٍ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔ بہر کیف یہ کوئی مبالغے کا اسلوب نہیں بلکہ حقیقت نفس الامری کا بیان ہے۔ جب ایک غیور بیٹا اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب ہونا یا اپنے باپ کے ساتھ کسی اور کی شرکت گوارا نہیں کر سکتا تو پھر یہ کائنات اپنے خالق ومالک کے بارے میں شرک کو کس طرح گوارا کر سکتی ہے؟ والعیاذ باللہ من کل شائبۃ من شوائب الشرک۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

۹۷ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت میں ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس نے احاطہ کر رکھا ہے ان سب کا گن کر"۔ پس نہ کوئی اس کے احاطۂ علم وقدرت سے باہر ہو سکتا ہے اور نہ اس کی گرفت وپکڑ سے بچ سکتا ہے۔ بلکہ ہر کسی نے اپنے وقت موعود ومحدود میں اپنے کئے کا بھگتان بہر حال بھگت کر رہنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ ہر شخص کی عمر، اسکے انفاس اور اسکے اقوال وافعال کا اس نے پوری طرح احاطہ اور شمار کر رکھا ہے۔ اور ہر چیز کی اسکے یہاں ایک خاص حد اور انتہا ہے۔ ﴿کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ﴾ سو آسمان وزمین کی سب مخلوق اس کے کامل کنٹرول اور مکمل قابو میں ہے۔ ہر ایک کو اس قادر مطلق نے پوری طرح گن رکھا ہے۔ اس لیے اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ کوئی اسکے کنٹرول سے باہر ہو جائے یا گنتی میں کوئی بھول چوک ہو جائے۔ سب کچھ اسکے احاطہ علم وقدرت میں ہے۔ اور قیامت کے روز ہر ایک کو یکہ وتنہا اسکے حضور حاضر ہونا ہوگا۔ نہ اس کے ساتھ اس کی اولاد واحفاد میں سے کوئی موجود ہوگا اور نہ اسکے اعوان وانصار میں سے اور نہ اس کے خود ساختہ اور من گھڑت شفعاء اور شرکاء میں سے کوئی اس کے کچھ کام آسکے گا۔ وہاں پر نفسی نفسی کا عالم ہوگا اور ہر ایک کو اپنی جوابدہی خود ہی کرنا ہوگی۔

۹۸ اللہ کے نیک بندوں کیلئے ایک خاص عنایت خداوندی کا ذکر وبیان: سو اس سے اللہ کے نیک بندوں کے لیے مہر ومحبت کی ایک خاص رحمت وعنایت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے نیک بندوں کو اسکی طرف سے ایک خاص مہر ومحبت سے سرفرازی نصیب ہوگی جس سے وہ اپنے خالق ومالک کے یہاں بھی محبوب بن جاتے ہیں اور اس کی مخلوق کے یہاں بھی۔ اور اللہ کے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت کے پودے لگ جاتے ہیں۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، صفوہ وغیرہ)۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی تفصیل درج ہے۔ وَالتَّفْصِیْلُ فِی الْمُفَصَّلِ اِنْشَآءَ اللّٰہُ۔ سو کتنی عظیم دولت ہے یہ ایمان ویقین اور عمل صالح کی دولت جس سے قدرت نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں نوازا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْنَا مِنْہُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْہِ۔ سو جتنا ایمان ویقین پختہ اور مضبوط ہوگا اور اس میں رسوخ حاصل ہوگا اور جس قدر اعمال صالحہ کی دولت زیادہ ہوگی، اسی قدر اسکی اس شان محبوبیت میں اضافہ ہوگا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اور ان کے لیے قدرت کی طرف سے ملنے والے مہر ومحبت کے اس انعام کا کامل ظہور آخرت کے اس "دار الجزاء" میں ہوگا جس میں اعمال کا پورا صلہ بدلہ ملے گا۔ جہاں ان خوش نصیبوں کو ان کے رب کی طرف سے بھی سلام اکرام واعزاز نصیب ہوگا اور خود رب رحیم کی طرف سے بھی۔ اللہ نصیب فرمائے اور محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے فانہ ہو الوہاب۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ

(قرآن) کو آپ کی زبان میں، تاکہ آپ اس کے ذریعے بشارت (وخوشخبری) سنا سکیں پرہیزگاروں کو اور ڈرا سکیں ہٹ دھرم لوگوں

تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ

کو ف۹۹ اور (یہ بھی ان کو بتا دیں کہ) ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو تباہ کر چکے ہیں، (اور اس طرح کہ ان کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیا)

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع

کیا تم ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہو؟ یا ان کی کوئی بھنک بھی سن سکتے ہو؟ ف۱۰۰

ربع ۲ ۹ النصف

۹۹ قرآنِ حکیم ذریعۂ انذار وتبشیر:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ قرآنِ حکیم جھگڑالو اور ضدی لوگوں کے لیے انذار اور متقی و پرہیزگار لوگوں کے لیے عظیم الشان بشارت ہے۔ پس جو حق اور اہلِ حق کے خلاف ضد وعناد اور اپنے جھگڑالو پن اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں ان کے لیے تو یہ انذار اور تنبیہ ہے۔ سو ان کو اس کلامِ حق وصدق ترجمان کے ذریعے ڈراتے اور خبردار کرتے رہو تاکہ یہ راہِ حق وصواب کی طرف لوٹ کر اپنے اس برے انجام سے بچ سکیں جس کی راہ پر یہ گامزن ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو اس انذار سے خود انہی کا بھلا مقصود ہے۔ پس اسکی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنانے میں خود انہی لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے۔ اور اس سے اعراض وروگردانی میں خود انہی کا خسارہ ونقصان۔ اور ایسا ہولناک خسارہ ونقصان کہ ان کیلئے دارین کی ہلاکت وتباہی کا پیش خیمہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم- جبکہ دوسری طرف یہ کتابِ حکیم ان متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کی عظیم الشان خوشخبری ہے جو صدقِ دل سے اس پر ایمان لاکر ان کی تعلیماتِ مقدسہ کو حرزِ جان بناتے ہیں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل سبحانہٗ وتعالیٰ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۰۰ تاریخ سے سبق لینے کی تعلیم وتلقین:- سو اس سے ہلاک شدہ قوموں کی ہولناک تباہی سے درسِ عبرت لینے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تو کیا تم اب ان بدبخت قوموں میں سے کسی بھی فرد کا کوئی وجود پا سکتے ہو؟ یا ان کی کوئی بھنک ہی محسوس کر سکتے ہو۔ اور جب نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر ان کے اس عبرتناک انجام سے دورِ حاضر کے ان کفار ومنکرین کو سبق لینا چاہیئے جو اپنے کفر وباطل پر اڑے ہوئے ہیں کہ جو انجام ان سے پہلے کے ان منکروں کا ہو چکا ہے وہ ان کا بھی ہو سکتا ہے کہ حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کا قانون بے لاگ اور سب کے لئے ایک اور یکساں ہے۔ سو یہ راہِ حق وہدایت کو اپنا لیں قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی فرصتِ محدود ومختصر ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور پھر ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے- والعیاذ باللہ- فَاِيَّاهُ اَسْاَلُ التَّوْفِيْقَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضَاهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى- وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ-

☆ —— یکم ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۹۰ء، جمعرات بوقت سوا دس بجے دن منطقہ اُمِ ہریر، بردبی، متحدہ عرب امارات، والحمدُ لِلّٰه ربّ العالمین الذی و قّفنیْ لِهٰذاالعمل الجلیل ، سبحانهٗ و تعالیٰ

☆ —— نظر ثانی یکم جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۷ء بروز جمعہ، نو بجے صبح، سطوہ دبی متحدہ عرب امارات و الحمد لله رب العلمین الذی لا تتم الصالحات الا بتوفیقٍ منه سبحانه و تعالیٰ

☆ —— تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۱۳ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰ مارچ ۲۰۰۰ء بروز پیر بوقت ساڑھے سات بجے شام مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدہنوتی، آزاد کشمیر پاکستان (دوران رخصت)۔ والحمدللہ جل وعلا - فِی کُلّ زمانٍ وّمکان، وَبِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال، سبحانهٗ وتعالیٰ،

☆ —— تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۹ صفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲ مئی ۲۰۰۱ء بروز بدھ بوقت پانچ بجے شام سطوہ دبی، والحمدللہ رب العالمین الّذی ھو الأھل للحمد فی الاولیٰ والاخرۃ جَلّ و علا،

☆ —— تکمیل پانچویں اور آخری ریڈنگ ۲۔ شعبان ۱۴۲۳ ہجری بمطابق ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۲ بروز منگل بوقت گیارہ بجے شب، سطوہ، دبی - والحمدللہ رب العالمین الذی منہ الصدق والصواب والیہ المرجع والماب۔

☆ —— اَلــلَّـمَسَـاتُ الاخیرۃ (Final Touches) ۲۵ ذوالقعدۃ ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۱۷ جنوری ۲۰۰۴ بروز ہفتہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے شب۔ مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدہنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان - والحمدللہ رب العالمین۔قَبْلَ کُلَّ شیءٍ وَّ بَعْد کُلِّ شیءٍ ، سبحانهٗ وتعالیٰ،

اله العلمین :۔ جس طرح تو نے مجھے اس تفسیر کے لکھنے کی توفیق بخشی ہے، اسی طرح اسکو اپنی بارگہ اقدس واعلیٰ میں قبول فرمالے، اور محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالے، اور جوکوئی کوتاہی مجھ سے اس ضمن میں سرزد ہوگئی ہو اسکو محض اپنی رحمت وعنایت اور فضل وکرم سے معاف فرمادے، فانک انت الحنّانُ المنّان ، انت المستعان ، وعلیک التکلان ، فاغفرلی مغفرۃ من عندک ، وارحمنی انک انت الغفور الرحیم ومغفرتک اوسع من ذنوبی ، ورحمتک ارجیٰ عندی من عملی ، یاذالجلال والاکرام ، یاارحم الراحمین ویااکرم الاکرمین ، یامن بیدہ الخیر کله. تبارکتَ و تعالیت ،

۞۞۞۞۞

آیاتھا ۱۳۵ ۲۰ سُوْرَۃُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ ۴۵ رُکُوْعَاتُھَا ۸

سورۂ طٰہٰ مکی ہے اور اس کی ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے،

طٰهٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ② اِلَّا تَذْكِرَةً

طٰہٰ ہم نے آپ پر (اے پیغمبر!) یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں ف۱ بلکہ اسے تو ایک عظیم الشان نصیحت

لِّمَنْ يَّخْشٰى ③ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ

(اور یاد دہانی) کے طور پر نازل کیا گیا ہے، ہر اس شخص کے لئے جو ڈرتا ہو، ف۲ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا

الْعُلٰى ④ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ⑤ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

زمین اور بلند آسمانوں (کی اس عظیم الشان کائنات) کو ف۳ (خدائے) رحمٰن جو کہ جلوہ فرما ہوا عرش پر ف۴ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ⑥ وَاِنْ

ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے، اور جو کچھ کہ ان دونوں کے درمیان میں ہے، اور جو کچھ کہ اس گیلی مٹی کے نیچے ہے ف۵ اور اگر تم اپنی

۱ پیغمبر کے لیے دلنواز تسلی کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے آپ پر - اے پیغمبر! - یہ قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں"۔ اس کی تبلیغ اور انذار کے باعث کہ یہ لوگ حق کو مانتے کیوں نہیں۔ سو ایسا نہیں کریں۔ کیونکہ منوانا نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے اس پیغام حق و ہدایت کو اور بس۔ پس آپ اس بناء پر اتنی مشقت اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ لوگ مانتے کیوں نہیں؟ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا - ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ - (الکہف: ٦)۔ اور بعض حضرات مفسرین نے یہاں پر یہ بھی کہا کہ شروع شروع میں آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - اور آپ کے صحابہ کرام زیادہ عبادت کرتے اور اتنا کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں مبارک میں ورم پڑ جاتا۔ جس پر کفار قریش کہنے لگے کہ ان پر قرآن کیا نازل ہوا کہ یہ بے چارے خواہ مخواہ مشقت میں پڑ گئے۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح، قرطبی، مدارک، مراغی، اور جامع وغیرہ)۔ آیت کریمہ کے کلمات طیبات کا عموم اگرچہ ان دونوں صورتوں کو شامل ہے مگر راجح اور واضح قول پہلا ہی لگتا ہے۔ اور وہی متبادر بھی ہے۔ بہر کیف دونوں صورتوں

میں اس ارشادِ ربانی میں حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کے لئے لطف وعنایت اور تسلیہ وتسکین کا ایک خاص مظہر پایا جاتا ہے - علیہ الصلوٰۃ والسلام . والحمد للہ رب العٰلمین - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۲ قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان تذکرہ و یاددہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کو ایک عظیم الشان یاددہانی کے طور پر نازل کیا گیا ہر اس شخص کے لیے جو ڈرتا ہو - یعنی اس تذکیرِ قرآنی سے استفادہ وفیضیابی کی اولین شرط خوف وخشیتِ خداوندی ہے - سو اس سے فیضیاب وہی ہوسکتا ہے جو ڈرتا ہو اپنے رب کی ناراضگی، اسکی پکڑ اور اس کے عذاب سے - یعنی اس سے فائدہ ایسے لوگ اٹھا سکتے ہیں - ورنہ یہ عظیم الشان نصیحت اور اس کی بے پایاں رحمت تو سب دنیا جہاں کے لئے عام ہے - سو قرآنِ حکیم کی تذکیرِ بے مثال سے فائدہ اٹھانے کیلئے اولین شرط خوف وخشیتِ خداوندی ہے - کیونکہ جو لوگ اس سے محروم ہوتے ہیں ان کے دل سخت ہوجاتے ہیں - اور ایسے سنگدلوں پر کوئی بات اثر نہیں کرسکتی - سو سنگدلی اور خوف وخشیتِ خداوندی سے محرومی محرومیوں کی محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - جبکہ خوف وخشیتِ خداوندی یعنی بن دیکھے خدا سے ڈرنا دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ ووسیلہ ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - بہرکیف اس ارشاد سے قرآنِ حکیم کی اصل حیثیت کو واضح فرمادیا گیا کہ وہ ہے تذکیر و یاددہانی - یعنی ان اہم اور بنیادی حقائق کی تذکیر و یاددہانی جو انسان کی فطرت میں پیوست ہیں' اور جن کی شہادت آفاق وانفس کے اندر جابجا پھیلی بکھری موجود ہے - لیکن غافل انسان ان کی طرف توجہ نہ کرنے کی بناپر دائمی خسارے اور ہولناک انجام کی طرف بڑھتا چلا جارہا ہے - سو قرآنِ حکیم اپنی رحمتوں بھری تعالیمِ مقدسہ کے ذریعے انسان کو خبردار کرتا ہے تاکہ وہ اس ہولناک انجام سے بچنے کی فکر وکوشش کرے قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی فرصتِ محدود اس کے ہاتھ سے نکل جائے -

۳ قرآنِ حکیم خالص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے: - سو تنزیل کے لفظ سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ خالص اتارا ہوا اور محض اللہ تعالیٰ کا کلام ہے - اس میں کسی بھی مخلوق کا کوئی حصہ یا عمل دخل نہیں - یہ قرآنِ حکیم کی عظمتِ شان کا ایک خاص پہلو ہے کہ یہ آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کے خالق ومالک کا اتارا ہوا کلام ہے - سو جب اس کلامِ حکیم کو اتارنے والی ذاتِ اقدس واعلیٰ اس قدر عظمتوں والی ہے تو اس کا نازل فرمودہ یہ کلامِ مجید بھی بے مثال اور نہایت عظیم الشان کلام ہے - نیز یہ اسی کا حق اور اسی کی شان ہے کہ وہ اپنی مخلوق کیلئے ایسا قانون اتارے جو انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا کفیل وضامن ہو - اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی نہ یہ شان ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس کا یہ حق - سبحانہ، وتعالیٰ - نیز یہ قرآنِ حکیم خالصتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے - اس میں کسی انسان کی طرف سے کسی مداخلت کا نہ کوئی اِمکان ہے نہ سوال - سو یہ اس کتابِ حکیم کی عظمتِ شان کا ایک منفرد اور امتیازی پہلو ہے - اس لیے اس کے بارے میں "نازل" یا "منزل" وغیرہ جیسے کسی اسمِ مشتق کی بجائے "تنزیل" کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے - جو کہ مصدر ہے - سو یہ کتابِ حکیم سراسر نازل شدہ اور خالص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - سو اس سے ایک طرف تو یہ اہم حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جس نے اس کلامِ حکیم کو صدقِ دل سے اپنا لیا اور اپنی زندگی کی

زمام پوری طرح اس کے حوالے کر دی وہ کتنا اونچا اور کس قدر خوش نصیب انسان ہے جبکہ دوسری طرف اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو اس سے منہ موڑے گا وہ کتنا بدنصیب اور کس قدر محروم انسان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۴ ''استواء علی العرش'' سے مقصود و مراد؟: ۔ یعنی ایسا استواء اور ایسی جلوہ فرمائی جو کہ اسکی شانِ اقدس و اعلیٰ کے لائق ہے۔ جیسا کہ حضراتِ سلف صالحین کا کہنا ہے کہ ایسے کلام کو تو اپنے ظاہر ہی پر رکھا جائے مگر اسکی حقیقت اور مراد کو اللہ پاک ہی کے حوالے کیا جائے۔ سو اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی وہی ہے اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی۔ اور جب اس کی ان شئون و صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟ ۔ سبحانہ، وتعالیٰ ۔ سو اس ارشاد سے خدائے رحمان کی ایک اور صفت بیان فرمائی گئی ہے جس سے اس امر کو واضح فرمایا گیا ہے کہ آسمان و زمین کی اس عظیم الشان کائنات کو پیدا کرنے کے بعد وہ کہیں الگ ہو کر نہیں بیٹھ گیا بلکہ عرش پر مستوی ہو کر اپنی پیدا کردہ اس کائنات کا نظام بھی وہ خود چلا رہا ہے۔ کہ جس طرح اس کائنات کا خالق و مالک وہ ہے اسی طرح اس میں حاکم و متصرف بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو اس کائنات کا حقیقی فرمانروا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسی لیے اس نے یہ قرآنِ حکیم نازل کر کے اپنے بندوں کو اپنے احکام و قوانین سے آگاہ فرما دیا تاکہ وہ اس کے حکم و ارشاد کے مطابق اور اسکی مقرر فرمودہ حدود کے اندر رہ کر زندگی گزاریں اور اس کے نتیجے میں دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوں۔ اور جو اس سے اعراض اور روگردانی برتیں وہ آخرِ کار اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتیں۔ تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوں اور اس کائنات کی تخلیق کی حکمت بھی متحقق ہو سکے ۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید جل و علا شانہ ۔ اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۵ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت و حکمت کا بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ ان بلند و بالا آسمانوں اور زیرِ پاؤں بچھے زمین کے اس عظیم الشان فرش کے اندر موجود ہے۔ اور جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین کے درمیان پایا جاتا ہے کہ ان سب کا خالق و مالک بھی بلا شرکتِ غیرے وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اس میں حکم و تصرف بھی اسی کا چلتا ہے۔ نہ حکمتوں بھری اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق و ایجاد میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہے اور نہ اس میں جاری و کارفرما حکم و تصرف میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہے۔ وہی اس سب کا خالق و مالکِ حقیقی بھی ہے اور وہی اس میں حاکم و متصرف بھی ہے۔ سو نہ اس کی تخلیق و ایجاد میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہے اور نہ ہی اس کے حکم و تصرف میں۔ لہٰذا اسی کا حق ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لیے قانون نازل فرمائے اور ان کے لیے حدودِ عمل و تصرف مقرر فرمائے۔ اس لیے اس نے قرآنِ حکیم کی اس کتابِ عظیم کی صورت میں اپنا وہ آخری اور جامع ہدایت نامہ نازل فرمایا جو قیامت تک ان سب کے لیے مینارۂ رشد و ہدایت بنا رہے گا۔ پس جو صدقِ دل سے اسکی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنا کر اس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں گے وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہونگے۔ اور جو اس سے منہ موڑ کر اپنی مرضی اور خواہشات پر چلیں گے وہ دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا ہونگے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ

بات پکار کر کہو تو (جان رکھو کہ ۶ اس کو اس کی ضرورت نہیں کہ) وہ یقیناً (ایک برابر) جانتا ہے چپکے سے کہی ہوئی بات کو، اور اس سے بھی

اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ۝۸ وَهَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۝۹

پوشیدہ بات کو ۷ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۸ اسی کے ہیں سب اچھے نام ۹ اور کیا تمہیں موسیٰ کی خبر بھی پہنچی ہے؟ ۱۰ جب انہوں

اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا

نے ایک آگ دیکھی، اور اپنے گھر والوں سے کہا ۱۱ کہ تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں (وہاں جا کر) اس میں

۶ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہاں اور عیاں سب ایک برابر ہیں:- یعنی ﴿اِنۡ تَجۡهَرۡ﴾ شرط کی جزاء محذوف ہے۔ اور ﴿فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ﴾ اس محذوف کی علت ہے۔ (روح، قرطبی، جلالین، جمل وغیرہ)۔ سو اصل چیز تو دل کی یاد اور اس میں موجود عظمتِ خداوندی کا استحضار ہے۔ زبان سے ذکر و دعا کی جو اجازت ہے اس سے مقصود اصل میں دل میں موجود ان ہی معانی و مطالب کا ذکر و تذکرہ ہے۔ اور اس کو دوسرے شواغل سے محفوظ رکھنا اور ہر وقت اور ہر حال میں اسی کے ذکر سے رطب اللسان اور اسکی یادِ دلشاد سے مشرف و سرفراز رہنا ہے۔ نہ کہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کو سنانا کہ وہ اس سے غنی اور بے نیاز ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سبحانہٗ وتعالیٰ - کہ اسکے یہاں نہاں و عیاں سب ایک برابر ہیں۔ لہٰذا بندے کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اسی فکر و کوشش میں رہے کہ اسکا تعلق اپنے اس خالق و مالک سے صحیح اور درست رہے۔ ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی - وباللہ التوفیق - نیز اس ارشاد میں پیغمبر کے لیے اور آپ کے توسط سے ہر داعیِ حق کے لیے یہ پیغامِ تسلیہ و تسکین بھی ہے کہ آپ اپنی مشکلات میں اپنے پروردگار سے جو بھی دعا و مناجات کرتے ہیں خواہ وہ سِرًّا ہو یا علانیۃً، اور جو بھی پریشانی آپ کو لاحق ہوتی ہے خواہ وہ آپ کی زبان پر آئے یا دل کے مخفی گوشوں میں ہی مخفی و مستور رہے، آپ کا ربِّ علیم و خبیر اس سب سے واقف و آگاہ ہے۔ اس لیے وہ آپ کی ہر موڑ پر مدد ضرور فرمائے گا اور آپ کی مشکل آسان فرمائے گا۔ اور اس سلسلے میں اگر کوئی تاخیر ہوتی ہے تو وہ بھی کسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔ اور اسی میں آپ کے لیے خیر و برکت ہے۔ پس آپ اسی پر بھروسہ رکھیں اور اس پر مطمئن ہو جائیں۔ - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال، وفی کل موطنٍ مِّنَ المواطن فی الحیوٰۃ،

۷ ﴿وَاَخۡفٰى﴾ سے مقصود و مراد؟:- ﴿سِرّ﴾ اور ﴿اَخۡفٰى﴾ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ اور دونوں مراد لئے گئے ہیں۔ ثقہ حضراتِ مفسرینِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ ﴿سِرّ﴾ سے مراد وہ مخفی اور راز دارانہ بات ہے جو انسان چھپا کر دوسرے سے کہتا ہے۔ اور ﴿اَخۡفٰى﴾ سے مراد وہ خفیہ بات ہے جسکو انسان اپنے دل میں ہی چھپا کر رکھتا ہے، دوسرے پر ظاہر ہی نہیں کرتا۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ "سِرّ" سے مراد وہ بات ہے جو انسان اپنے جی میں چھپا کر رکھتا ہے اور "اخفی" سے مراد وہ بات ہے جو ابھی تک اس کے دل میں بھی نہ آئی ہو بلکہ بعد میں آنے

والی ہو۔ سو اللہ پاک سبحانہ، وتعالیٰ ان دونوں کو پوری طرح اور ایک برابر جانتا ہے۔ سو ایسی ذاتِ اقدس واعلیٰ سے انسان کی کوئی بات کس طرح چھپی رہ سکتی ہے؟ پس انسان کو ہمیشہ اس کی فکر و کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کا معاملہ اسکے اپنے خالق و مالک کی اس ذاتِ اقدس واعلیٰ سے صحیح اور درست ہو۔ سبحان اللہ۔ جس ذاتِ اقدس واعلیٰ کی شان یہ ہو کہ اسکے یہاں ﴿سِرّ﴾ اور ﴿اَخْفٰی﴾ دونوں ایک برابر ہوں۔ آج کا جاہل مسلمان اسکو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اس طرح کا فلسفہ بگھارتا ہے کہ صاحب! جس طرح تم کسی دنیاوی حاکم کے پاس براہِ راست نہیں جاسکتے، اور اگر چلے بھی جاؤ تو تمہاری وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی، تو تم کسی کا وسیلہ و واسطہ پکڑ کر وہاں جاتے اور اپنی عرض و درخواست پیش کرتے ہو، اسی طرح تم خدا تعالیٰ کے ہاں بھی براہِ راست نہیں جاسکتے جب تک کہ تم ہماو شما میں سے کسی کا وسیلہ نہ پکڑو۔ لہٰذا ''ہماری اِن کے آگے اور ان کی اُس کے آگے'' وغیرہ وغیرہ۔ ﴿فَتَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾۔ سو حضرتِ خالق۔ جل مجدہٗ۔ کو مخلوق پر قیاس کر کے اس طرح کے شرکیہ فلسفے گھڑنا ممنوع و محظور اور عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ والعیاذ باللہ من کل زیغ و ضلال۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین ثم آمین یارب العالمین

۸ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے: سو ارشاد فرمایا گیا ''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی کا حق ہے۔ جس نے قرآنِ حکیم جیسی یہ عظیم الشان اور بے مثال نعمت نازل فرمائی اور جس نے آسمان وزمین کی یہ عظیم الشان کائنات تخلیق فرمائی۔ اور جس نے ان کے درمیان کی طرح طرح کی اور گوناگوں مخلوقات کو پیدا فرمایا، وہ اللہ وحدہ، لاشریک ہی معبودِ برحق ہے۔ اور جب اس کی ان اور ان صفات و خوبیوں اور ان عظیم الشان اور جلیل القدر نعمتوں اور عنایتوں میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک و سہیم کیسے ہوسکتا ہے؟ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی وحدہ، لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ کسی بھی عبادت کو خواہ وہ قولی ہو یا فعلی، جانی ہو یا مالی، اسکے سوا کسی بھی اور ہستی کیلئے بجالانا شرک اور ظلمِ عظیم ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور وہی معبودِ برحق ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہے۔ پس بھروسہ اور اعتماد ہمیشہ اسی پر رکھو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۹ اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اسی کے لیے ہیں سب اچھے نام''۔ جو اس کے مختلف کمالات اور بے مثل خوبیوں پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے اس وحدہ، لاشریک کو اس کے انہیں اسماء حسنیٰ کے مطابق جانو اور مانو۔ اور اس کو انہیں سے یاد کرو اور پکارو جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾۔ (الاعراف: ۱۸۰)۔ سو یہ اسمائے حسنیٰ خالقیت، مالکیت، ربوبیتِ عامہ، قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور عنایتِ شاملہ جیسی جن عظیم الشان صفات پر دلالت کرتے ہیں وہ سب اسی وحدہ، لاشریک کے ساتھ مختص اور اسی کی صفاتِ خاصہ ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو یہ ارشاد تسلیہ و تسکین کا ایک عظیم الشان خزانہ عامرہ ہے کہ جب وہ تمام اچھی اور اعلیٰ صفات سے موصوف و متصف ہے اور اس کی یہ صفاتِ عالیہ آپ پر سایہ فگن ہیں تو پھر آپ کو کسی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ آپ ان میں سے جس صفت کا بھی سہارا لیں گے اسکی خیرات و برکات سے متمتع و مستفید ہونگے۔ اس کے سوا اور کسی سہارے کی نہ آپ کو کوئی ضرورت ہے نہ حاجت۔ یہاں پر یہ امر بھی واضح رہے کہ حضراتِ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں اَسمائے حسنیٰ سے مراد صفاتِ الٰہی ہیں۔ اس لیے کہ خداوندِ قدوس کے تمام اسمائے حسنیٰ اسکی صفاتِ علیا ہی کی تعبیر ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہم فخذ نا

بنواصینا الی ما فیہ حبک والرضا بکل حال من الاحوال۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۶ **حضرتِ موسیٰ کے عبرتوں بھرے قصے کی تذکیر و یاددہانی:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا تمہیں موسیٰ کی خبر بھی پہنچی؟" ۔استفہام تقریر وتشویق کے لئے ہے تا کہ بعد کے کلام کو غور وتوجہ سے سنیں۔ (مراغی، صفوہ وغیرہ)۔ سو حضرتِ موسیٰ کا یہ قصہ بھی عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت پر محیط ومشتمل ہے اور اس سے دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلے میں بڑی راہنمائی اور مدد ملتی ہے کہ حضرتِ موسیٰ نے راہِ حق میں کیا کیا مشقتیں جھیلیں؟ کیا کیا اور کیسے کیسے صبر آزما حالات آپ کو اس دوران پیش آئے؟؟ قدرت کی عنایتیں کس کس طرح آپ پر متوجہ ہوئیں اور کس طرح بالآخر آپؑ نے تنِ تنہا فرعون جیسے طاغوت کا مقابلہ کیا اور صدیوں سے اس کی غلامی میں جکڑی ہوئی اپنی قوم کو رہائی دلائی اور ظلم وستم کی چکی میں پسی ہوئی اس قوم کو آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا؟؟ اور یہاں تک کہ فرعون اپنے اس عبرتناک انجام کو پہنچا جس کی دوسری کوئی نظیر ومثال نہیں ملتی ۔چنانچہ وہ اپنی فرعونیت سمیت ہمیشہ کے لئے غرق ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔سو اوپر اللہ پاک کے اسماء وصفات کی روشنی میں تسکین وتسلیہ کے جس سامان کا ذکر فرمایا گیا تھا اب اسے حضرتِ موسیٰ کی سرگزشت کے ضمن میں پیش فرمایا جا رہا ہے۔ اور جن اہم اور بنیادی حقائق کو اوپر علمی انداز میں بیان فرمایا گیا تھا اب انہی کو چلتی پھرتی عملی زندگی میں دکھایا جا رہا ہے۔ سو تشویق وترغیب کے انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ کیا آپ کے پاس موسیٰ کی سرگزشت پہنچی؟ سو یہ سرگزشت ہم تمہیں سناتے ہیں۔ پس تم اسے غور سے سنو۔ اور اس سے ملنے والے درسہائے عبرت وبصیرت کو اپناؤ۔ وباللہ التوفیق

۱۷ **حضرتِ موسیٰ کے ذکر کا آغاز عطائے نبوت سے:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا "جبکہ انہوں نے ایک آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو"۔ یعنی اپنی بیوی سے جن کا نام صفورا یا صفوریا تھا۔ اور جمع کا صیغہ تکریم کے لئے ہے۔ جیسا کہ "رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُم" میں ہے۔ یا جمع کا یہ صیغہ آپکی بیوی، بچے اور خادم تینوں کے اعتبار سے تھا۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ "اہل" کا اصل مصداق انسان کی اپنی بیوی ہی ہوتی ہے۔ دوسرے اہلِ خانہ اس میں بالتبع شامل ہوتے ہیں۔ پس روافض ازواجِ مطہرات کے بغض میں اہلِ بیت کا جو مفہوم ومطلب بیان کرتے ہیں وہ ان کا اپنا خودساختہ اور باطل ومردود ہے۔ اس لیے کہ پیغمبر کے اہلِ بیت کا اصل اور حقیقی مصداق پیغمبر کی زوجاتِ مطہرات ہی ہوتی ہیں۔ لغت وبیان کے اعتبار سے بھی اور محاورہ وزبان کے لحاظ سے بھی۔ اور عرف ورواج کے اعتبار سے بھی۔ بہرکیف یہاں پر حضرتِ موسیٰ کی سرگزشت کا آغاز وہاں سے کیا جا رہا ہے جبکہ آپ کو شرفِ نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تھا۔ اور یہ اس وقت ہوا تھا جبکہ آپ مدین سے واپس مصر کی طرف آ رہے تھے۔ اس دوران اپنے بال بچوں کے ہمراہ چلتے چلتے جب آپ وادیِ طور کے پاس پہنچے جہاں رات ہو گئی۔ راستہ بھی معلوم نہیں تھا۔ موسم بھی سردی کا تھا۔ سردی بھی معلوم ہوتا ہے سخت تھی۔ تو آپ کو اس موقعہ پر دور سے آگ کا ایک شعلہ سا دکھائی دیا۔ تو آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو مجھے وہاں پر ایک آگ سی دکھائی دی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں تا کہ تمہارے لیے آگ کا کوئی انگارہ لے آؤں تا کہ تم آگ تاپ سکو۔ جیسا کہ سورۂ قصص میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ یا کم از کم مجھے اپنے راستے کے بارے میں کوئی راہنمائی مل سکے۔ اس لیے آپ اپنے بال بچوں کو وہاں چھوڑ کر اس آگ کی طرف روانہ ہو گئے کہ وہاں جا کر اس طرح کا کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔

لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾

سے تمہارے لئے کوئی انگارا لے آؤں، ۱۲ یا مجھے اس آگ پر (راستے سے متعلق) کوئی راہنمائی ہی مل جائے،

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ

پھر جب وہ وہاں پہنچ گئے تو انہیں آواز دی گئی اے موسیٰ، میں تو تمہارا رب ہوں ۱۳ پس تم اپنے جوتے

۱۲ **حضرتِ موسیٰ کے لیے نورِ الٰہی کی تجلی:** -سو وہ آگ نہ تھی بلکہ نورِ الٰہی کی تجلی تھی جس کو حضرتِ موسیٰ آگ سمجھے اور آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ اس سے میں تمہارے لیے کوئی انگارہ لے آؤں جس سے تمہارے لئے آگ سیکنے کا انتظام ہو جائے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ (القصص: ۲۹) یا مجھے وہاں کوئی آدمی مل جائے تو اس سے رستے کیلئے کوئی راہنمائی حاصل کر سکوں۔ روایات کے مطابق حضرتِ موسیٰ نے ایک طویل عرصہ مدین میں گزارنے کے بعد اور حضرتِ شعیب سے طے پانے والی مدت کو پورا کرنے کے بعد حضرتِ شعیب سے مصر کیلئے واپسی کی اجازت مانگی تا کہ وہاں جا کر اپنی والدہ سے مل سکیں۔ تو حضرتِ شعیب نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ کی بیوی کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کر دیا اور ساتھ خادم بھی روانہ کیا۔ راستے میں بیوی کو ایک بچہ بھی ہوا۔ رات سخت اندھیری اور ٹھنڈک بھی انتہائی سخت تھی۔ جنگل بیابان تھا اور موسیٰ راستہ بھی بھول گئے۔ سو ایسی سخت صورتحال میں موسیٰ کو دور پہاڑی پر ایک آگ سی جلتی نظر آئی۔ تب آپ نے اپنے گھر والوں سے یوں فرمایا۔ (ابنِ کثیر، المراغی، المحاسن اور معارف وغیرہ)۔ مگر وہ روشنی آگ کی روشنی نہیں تھی بلکہ وہ نورِ الٰہی کی تجلی تھی جو حضرتِ موسیٰ کے لیے خداوند قدوس کی رحمتوں اور عنایتوں کے نئے دروازے کھولنے کے لیے نمودار ہوئی تھی۔ سبحان اللہ- کیا کہنے اس شانِ عطا کے؟۔ حضرت موسیٰ کس ارادہ و خیال سے وہاں گئے تھے اور آگے وہاں پر آپ کو کیسی عظیم الشان اور بے مثال عنایات سے نوازا گیا۔ والحمد للہ جل وعلا

۱۳ **حضرتِ موسیٰ کے لیے حق تعالیٰ کی رحمتوں بھری ندا و پکار:** -کہ "میں تمہارا رب ہوں"۔ یعنی یہاں پر آگ وغیرہ کوئی نہیں بلکہ یہ تو تجلی ہے تمہارے رب کے نورِ بے کیف کی۔ جو کہ آپ کو اس شجرۂ خضرا میں اس نارِ بیضاء کی صورت میں دکھلائی گئی ہے۔ سو یہاں سے دو عظیم الشان اور بنیادی حقیقتیں واضح ہو گئیں۔ ایک یہ کہ نبوت و رسالت کا شرف ایک خاص وہبی شرف ہوتا ہے۔ جس سے اللہ پاک محض اپنے فضل و کرم سے اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے۔ جس میں بندے کے اپنے کسب و اکتساب اور محنت و عمل کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ پیغمبر کو نبوت ملنے سے ایک لمحہ قبل بھی اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اب یہاں دیکھئے کہ حضرتِ موموسیٰ -علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام- کس ارادہ و خیال سے کوہِ طور پر جاتے ہیں اور وہاں آگے کیا صورت پیش آتی ہے اور کس طرح اللہ پاک آپ کو نبوت و رسالت کے اس عظیم الشان شرف و مقام سے نوازتے ہیں جو کہ حضرتِ واہبِ مطلق -جل مجدہٗ- کی طرف سے ملنے والا سب سے بڑا شرف و اِعزاز ہے۔ اسی طرح اللہ پاک حضرتِ امام الانبیاء ہمارے نبی و پیشوا

حضرت محمد مصطفیٰ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں - ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ - (الشوریٰ: ۵۲) ''اور آپ اے پیغمبر اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں مگر ہم ہی نے اس کو ایک عظیم الشان نور بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں نورِ ہدایت سے نوازتے ہیں'' - سبحان اللہ - کس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ بتایا گیا کہ وحی آنے سے قبل پیغمبر کو یہ تک پتہ نہیں ہوتا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور وحی کسے کہتے ہیں - اور ایمان کیا شیٔ ہوتی ہے - اور دراصل یہی چیز ہے جو کہ ایک نبی کی عظمتِ شان اور اس کے مرتبہ و مقام کو دوسروں سے جدا اور ممتاز کرتی ہے کہ دوسرے عام لوگ تو بڑی لمبی چوڑی محنتوں مشقتوں کے بعد اور خاص منصوبوں کے تحت علم و ہنر کی کوئی دولت حاصل کرتے ہیں اور کسی مرتبہ و مقام پر پہنچتے ہیں لیکن نبی و رسول کے یہاں نبوت و رسالت سے سرفرازی کیلئے کسی محنت و مشقت اور منصوبہ بندی کا ہونا تو درکنار وہاں اس طرح کا کوئی تصور و خیال تک بھی نہیں ہوتا - اور اگر غور کیا جائے تو اسی چیز میں ان کی حقانیت کا ثبوت اور ان کی نبوت کا اعجاز پوشیدہ و پنہاں ہوتا ہے - مثلاً ہمارے حضورؐ ہی کو لیجئے جن کے بارے میں مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں یہ تصریح فرمائی گئی ہے کہ آپؐ کو نبوت ملنے سے پہلے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں - لیکن نبوت سے سرفراز ہوتے ہی تیئس (۲۳) سال کی مختصر اور قلیل مدت میں آپؐ نے دنیا کو علوم و معارف کے ان خزانوں سے مشرف و سرفراز فرما دیا کہ دنیا ان سے آج تک مسلسل و لگاتار فیضیاب ہو رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی - اور ایسے علم و معارف کہ دنیا کے تمام کتب خانوں کو گویا دھو کر رکھ دیا - کیا خوب کہا کہنے والے نے - یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست - کتب خانۂ ملتِ چند بشست - صَلَوَاتُ اللّٰهِ وسلامهُ عليه وعَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ و مَنْ وَالاه ومن دعا بدعوته و بهديه اهتدٰى واستن بسُنَّتِه و سار على دَربه الٰى يوم العرض على اللّٰهِ واللِّقَآءِ، وجزَاهُ عَنَّا خَيْرَ مَا جُوْزِیَ به نَبِیٌّ عَنْ اُمَّتِه وَاَنْزَلَهُ المقعد المقرّبَ عِنْدَهُ جَلَّ و علا - وَرَزَقَنَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - اور دوسری عظیم الشان حقیقت سورۂ طٰہٰ کی اس زیرِ بحث آیتِ کریمہ سے یہ معلوم ہوئی کہ اللہ پاک اپنے بندے کو اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے وہاں سے نوازتا ہے جہاں سے اسکو گمان بھی نہیں ہوتا - اور اس قدر نوازتا ہے جتنا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کی تو شان ہی نوازنا اور ہر وقت اور ہر طرح سے نوازنا ہے - اور وہ ہر کسی کو اس کے ظرف کے مطابق نوازتا ہے - پس مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے دل کا تعلق اور کنکشن (Conection) اس وہابِ مطلق سے ہمیشہ صحیح رکھے - اللہ نصیب فرمائے - آمین - یہاں دیکھئے کہ حضرتِ موسیٰ تو کوہِ طور پر آگ لینے جاتے ہیں اور وہاں نبوت و رسالت سے سرفرازی کا شرف مل جاتا ہے - سبحان اللہ - کیا کہنے اس شان کرم و عطاء کے - فلنعم ماقيل - خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال - کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے - فكن اللّٰهم لنا و اجعلنا لک يا ذاالجلال والاكرام

نَعۡلَيۡكَ ۚ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ ؕ وَاَنَا اخۡتَرۡتُكَ

اتار دو، ۱۴ کیونکہ تم تو ایک پاک وادی یعنی طویٰ میں ہو، اور میں نے تمہیں چن لیا ہے، ۱۵

فَاسۡتَمِعۡ لِمَا يُوۡحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِىۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

اس لئے اب تم غور سے سنو اس وحی کو جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے، (اور مرکزی مضمون اس وحی کا یہ ہے کہ) قطعی طور پر میں ہی ہوں

فَاعۡبُدۡنِىۡ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِىۡ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ

اللہ، کوئی بندگی کے لائق نہیں سوائے میرے، پس تم میری ہی بندگی کرنا، اور میری ہی یاد کے لئے نماز قائم کرنا ۱۶ (اور دوسرا اہم مضمون

۱۴ حضرتِ موسیٰ کو جوتے اتارنے کا حکم وارشاد: ۔سو حضرتِ موسیٰ کو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اپنے جوتے اتار دو''۔ کہ تواضع اور ادب و احترام کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے پاکیزہ اور مقدس مقامات پر پابرہنہ حاضری دی جائے۔ جیسا کہ کعبۃ اللہ کی حاضری کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ چونکہ آپ کے جوتے پاک نہیں تھے اس لئے آپ کو یہ حکم فرمایا گیا۔ (ابن کثیر، روح، مراغی، محاسن التاویل اور مدارک وغیرہ)۔ مگر ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ یہ ہدایت اور ادب مقام کے تقاضے کی بناء پر تھا کہ شاہی آداب کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ انسان وہاں ادب و تواضع کے ساتھ جائے۔ اسی لیے حضرتِ علیؓ، حضرتِ سعید بن جبیرؒ اور حضرتِ حسن بصریؒ وغیرہ بہت سے لوگوں سے اسلاف سے مروی ہے کہ ادب و تواضع کا تقاضا یہی ہے۔ اور یہ کہ دعاء و مناجات کے وقت جوتے اتار دیئے جائیں۔ اسی سے خانہ کعبہ کی حاضری اور طواف کے وقت جوتے اتار دیئے جاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہے کہ حضرتِ بشیر بن خصاصیہ ایک مرتبہ قبروں کے درمیان سے جوتے پہنے ہوئے گزر رہے تھے۔ تو حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ ایسے موقع پر جوتے اتار کر گزرنا چاہیئے۔ (القرطبی، ابنِ کثیر، فتح القدیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہرکیف اس موقعہ پر حضرتِ موسیٰ کو جو سب سے پہلی ہدایت فرمائی گئی وہ یہی تھی کہ اپنے جوتے اتار دو کہ آپ طُوٰی کی اس مقدس وادی میں موجود ہو۔ سو جوتے اتار کر حاضری صرف طہارت ہی کے آداب میں سے نہیں بلکہ ادب اور تواضع کے آداب میں سے بھی ہے۔ اسی لیے ہمارے یہاں مسجد کی حاضری کے لیے بھی اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ طُوٰی کی اس وادی کو چونکہ یہ شرف حاصل ہوا تھا کہ اس کو اللہ پاک نے اپنی تجلی سے نوازا اور حضرتِ موسیٰ سے کلام فرمایا اور وہ بھی فرشتے کے واسطے کے بغیر۔ اس لیے یہ وادی مقدس قرار پائی۔ بہرکیف یہ ادب و تواضع کا ایک اہم تقاضا تھا۔

۱۵ حضرتِ موسیٰ کے لیے خلعتِ نبوت و رسالت سے سرفرازی کا اعلان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا ''اور میں نے تمہیں چن لیا ہے (اے موسیٰ!)''۔ اپنی نبوت و رسالت اور شرفِ ہمکلامی سے نوازنے اور سرفراز کرنے

کے لئے۔ سو میں نے تمہیں شرفِ نبوت و رسالت سے سرفراز کر دیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو میرے پیغامات پہنچائیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ ﴾۔ (الاعراف: ۱۴۴) سو اول حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ نے حضرتِ موسیٰ سے کلام فرمایا اور پھر آپ کو شرفِ نبوت و رسالت سے مشرف فرمایا۔ روایات کے مطابق اس وقت آپ کی عمرِ مبارک چالیس برس تھی۔ (المعارف وغیرہ)۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ سے بطورِ خاص متوجہ ہو کر غور سے سننے کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ چونکہ میں نے آپ کو اپنے کارِ خاص یعنی فریضہ نبوت و رسالت کی ادائیگی کے لیے چن لیا ہے اور نبوت و رسالت کے عظیم الشان اور جلیل القدر منصب کے لیے منتخب کر لیا ہے اس لیے اب آپ اس کلام کو غور اور توجہ سے سننا جو کہ آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ سو اس ارشاد میں اس تعظیم و تکریم کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے منصبِ نبوت و رسالت پر فائز ہونے کی بنا پر حضرتِ موسیٰ کو نوازا گیا تھا۔ اور اس عظیم ذمہ داری کی طرف بھی جو کہ اس منصب کی بنا پر آنجناب پر عائد ہو گئی تھی۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۱ حضرتِ موسیٰ کو نماز قائم کرنے کا حکم وارشاد: ۔سو ارشاد فرمایا گیا ''اور نماز قائم کرو میری یاد کیلئے''۔ کہ یہ میری یادِ دلشاد کا سب سے بڑا ذریعہ اور عمدہ طریقہ ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں اس کو مومنوں کی معراج قرار دیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ روایات میں وارد ہے کہ اس سے مومن اپنے رب سے گفتگو اور مکالمے کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔ اور جب اس طرح صدق و صفائی کے ساتھ تم مجھے یاد کرو گے تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا۔ ﴿ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ ﴾۔ اور جب میں تمہیں یاد کروں تو اس سے بڑھ کر تمہارے لیے شرف و امتیاز اور انعام و اکرام اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور اس ضمن میں یہ بات خاص طور پر ملحوظِ خاطر اور پیشِ نظر رکھنے کی ہے کہ معبود برحق بہرحال میں ہی ہوں۔ اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل میرا ہی حق ہے۔ پس قیام و رکوع سجدہ و طواف اور نذر و نیاز وغیرہ ہر عبادت پر میرا ہی حق ہے۔ ان میں سے کوئی بھی عبادت کسی اور کیلئے بجالانا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف منصبِ نبوت و رسالت سے سرفرازی کے بعد حضرتِ موسیٰ کو جو سب سے پہلی ہدایت فرمائی گئی اس میں تین اہم باتوں کا حکم وارشاد فرمایا گیا۔ سب سے پہلے تو حید اور وحدانیتِ خداوندی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ جو کہ دینِ حق کی اصل بنیاد اور مرکزی نکتہ ہے۔ اس لیے ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اسی کی دعوت دی اور شرک کے خلاف ہمیشہ جہاد کیا۔ اور دوسری بات حضرتِ موسیٰ کو یہ ارشاد فرمائی گئی کہ عبادت و بندگی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی کرنی ہے کہ یہ خالص اسی کا حق ہے جس میں کسی اور کو شریک کرنا شرک اور ظلمِ عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور تیسری بات جو اس موقعہ پر آنجناب کو ارشاد فرمائی گئی وہ اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنے کی ہدایت سے متعلق تھی۔ جس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید، بکلِّ حالٍ مِّن الاحوال،

اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا

اس وحی کا یہ ہے کہ) قیامت نے یقیناً آنا ہے ف۱۷ قریب ہے کہ میں اس (کے وقت) کو چھپائے رکھوں ف۱۸ (اور وہ آئے گی اس لئے کہ) تا کہ ہر

يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

شخص کو (پورا پورا) بدلہ دیا جائے اس کے (زندگی بھر کے) کئے کرائے کا ف۱۹ پس (خبردار، کہیں) روکنے نہ پائے آپ کو اس سے کوئی

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا

ایسا شخص جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور وہ پیچھے لگ گیا ہو اپنی خواہشات کے، کہ پھر تم تباہ ہو جاؤ اور یہ ف۲۰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے

۱۷ قیامت نے بہر حال آکر رہنا ہے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ادوات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا'' اور قیامت نے بہر حال آکر رہنا ہے''۔ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ عقل ونقل دونوں کا عین تقاضا ہے۔ تا کہ اس طرح ہر کسی کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ مل سکے اور عدل وانصاف کے تقاضے علیٰ وجہ الکمال پورے ہوں۔ اور اس کائنات کی تخلیق کی حکمت اور اس کے مقصد کی تکمیل ہو سکے۔ اس لیے قیامت نے اپنے وقت مقررہ پر بہر حال آکر رہنا ہے۔ سو اس موقعہ پر حضرتِ موسیٰ کو اس بات کی بھی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی اور تاکید در تاکید کے اسلوب وانداز میں فرمائی گئی کہ قیامت نے یقیناً اور قطعی طور پر آکر رہنا ہے۔ یہ ایک شدنی امر اور اٹل حقیقت ہے۔ یہاں پر یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ قیامت کے بارے میں عام ذہن صریح انکار کا کبھی نہیں رہا۔ بلکہ تعجب اور استبعاد ہی کا رہا ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم نے اسکے اِثبات کے پہلو بہ پہلو اسکی قطعیت پر بہت زور دیا ہے۔ کہ کوئی مانے یا نہ مانے اس نے اپنے وقت پر بہر حال آکر اور واقع ہو کر رہنا ہے۔ اور ہر کسی نے اپنے کئے کرائے کا پھل بہر حال پانا ہے۔ ۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید۔

۱۸ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کے وقوع کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''میں اس کے وقت کو چھپا کر رکھنا چاہتا ہوں''۔ تا کہ ابتلاء و آزمائش کے تقاضے بھرپور طریقے سے پورے ہوں۔ اس لئے اس کی نشانیاں اگرچہ بہت سی بتلا دی گئی ہیں مگر اس کے عین وقتِ وقوع کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نہ کوئی ملکِ مُقرب اور نہ کوئی نبی مرسل۔ اور ظاہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ چھپا کر رکھنا چاہتا ہو اسکو کون جان سکتا ہے اور اس کا کسی کیلئے جاننا کس طرح اور کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ شیخ احمد کے نام سے جو ایک وصیت نامہ عرصہ سے چھپتا اور تقسیم ہوتا ہے اور جس میں لکھا ہے کہ قیامت آنے والی ہے اور توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے اور یہ کہ جو کوئی اس وصیت نامے کی اتنی اور اتنی کاپیاں تقسیم کرے گا اس کو اتنا اور اتنا فائدہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ تو زیر بحث آیت کریمہ اور اس طرح کی دوسری بہت سی آیات کریمہ اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں وہ نرے جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا کہ راقم آثم نے اس بارے میں اپنی ضخیم کتاب ''تحفہ علم وحکمت'' میں آج سے کوئی پچیس سال قبل لکھا تھا اور قدرے تفصیل سے لکھا تھا۔ اور جس کے اب تک الحمد للہ دو دو ہزار کے تین ایڈیشن چھپ کر تقسیم ہو چکے ہیں۔ والحمد للہ۔ اور ہر آدمی کی شخصی قیامت تو اسکی اپنی موت

ہی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا۔ "من مات فقد قامت قیامتہ"۔ یعنی "جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی"۔ سو موت قیامتِ صغریٰ ہے اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (معارف وغیرہ) پس وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

۱۹ قیامِ قیامت کا اصل مقصد جزائے عمل: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کا آنا اس لیے ضروری ہے تاکہ ہر کسی کو اسکے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ مل سکے کہ اچھے برے اعمال کا کچھ نہ کچھ صلہ و بدلہ انسان کو اگرچہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے مگر پورا بدلہ آخرت کے اس ابدی جہاں میں ہی مل سکے گا۔ نیکوں کو جنت کی سدابہار نعمتوں کی صورت میں اور بروں کو دوزخ کے ہولناک عذابوں کی شکل میں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور دنیا میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ دنیا "دارالعمل" ہے نہ کہ "دارالجزاء"۔ اور ظاہر ہے کہ عمل اور آزمائش کی جگہ الگ ہوتی ہے اور نتیجہ و انجام کی جگہ الگ۔ اور دوسرے اس لیے کہ دنیاوی زندگی کا ظرف اور اس کی یہ فرصت اس قدر محدود و مختصر ہے کہ اس میں انسان کو اسکے تمام اعمال کا پورا پورا بدلہ و صلہ ملنا ممکن ہی نہیں۔ لیکن یہ آخرت کے اس ابدی جہاں ہی میں ہو سکتا ہے جسکی وسعتیں لامحدود ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کا آنا اس لیے ضروری ہے تاکہ ہر کسی کو اسکے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ مل سکے۔ نیک کا نیک اور بد کا بد۔ تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہو سکیں۔ کیونکہ جس خدائے رحیم و کریم نے حکمتوں بھری اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے اس کے رحم و کرم اور اسکی حکمت و عنایت کا تقاضا ہے کہ قیامت قائم ہو تاکہ ہر کسی کو اسکے زندگی بھر کے کئے کرائے کا صلہ و بدلہ ملے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ ورنہ یہ سب کچھ عبث قرار پاتا ہے۔ جو حضرت حق جل مجدہٗ کے تقاضائے حکمت کے خلاف ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۲۰ قیامت کی فراموشی باعث ہلاکت و تباہی ۔ والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا "پس خبردار، تم کو اس سے روکنے نہ پائے کوئی خواہشات کا پجاری"۔ سو خواہشاتِ نفس کی اِتباع و پیروی ہولناک خسارے اور سخت ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو عقل و نقل دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آخرت کی اس ہولناک گھڑی اور اسکے تقاضوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور اس کیلئے تیاری کرے کہ وہاں کی کامیابی ہی اصل اور حقیقی کامیابی ہے۔ اور وہاں کی ناکامی ہی سب سے بڑی اور انتہائی ہولناک ناکامی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ مگر جو لوگ خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں اور انہی کی پیروی کو انہوں نے اپنا مقصود بنا رکھا ہے ان کو نہ یہ حقیقت سمجھ آ سکتی ہے اور نہ ہی وہ اس کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں تم ایسے لوگوں کی باتوں میں آکر آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کے تقاضوں سے غافل ہو جاؤ۔ اور اس طرح تم ہلاکت میں پڑ جاؤ۔ والعیاذ باللہ۔ خطاب اگرچہ بظاہر حضرتِ موسیٰ سے ہے لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ اس صورت میں "بھا" اور "عنھا" کی دونوں ضمیروں کا مرجع "الساعۃ"، یعنی "قیامت" ہے۔ لیکن اس میں دوسرا قول و احتمال یہ بھی ہے کہ "عنھا" کی ضمیر کا مرجع "الصلوٰۃ" ہو۔ اور "بھا" کی ضمیر کا قیامت ہو۔ یعنی تم کو نماز سے کوئی ایسا شخص روکنے نہ پائے جو قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ والتفصیل فی المفصل ان شاء اللہ۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ

اے موسیٰ؟ عرض کیا یہ میری لاٹھی ہے ۲۱ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں، اور اس میں میرے اور بھی

أُخْرَىٰ ﴿١٨﴾ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ

کئی کام ہیں، ۲۲ ارشاد ہوا، موسیٰ ڈال دو اس کو زمین پر، پھر موسیٰ کا اس کو ڈالنا تھا کہ وہ یکایک ایک سانپ بن گئی

تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا

جو دوڑ رہا تھا، ۲۳ ارشاد ہوا اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ۲۴ ہم اس کو ابھی لوٹائے دیتے ہیں اس کی

الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ

پہلی حالت میں، اور (اس کے بعد دوسرے معجزے کے لئے) اپنی بغل میں دے دو اپنے ہاتھ کو وہ چمکتا ہوا نکلے گا

غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾

بغیر کسی عیب (اور بیماری) کے ۲۵ (ہماری طرف سے) ایک اور عظیم الشان نشانی کے طور پر، (اور یہ اس لئے کہ) تاکہ ہم دکھائیں تمہیں

اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي ع ۱۴/۱۰

اپنی بڑی نشانیوں میں سے، جاؤ فرعون کے پاس کہ بے شک وہ حد سے بڑھ گیا ہے ۲۶ اس پر موسیٰ نے عرض کیا اے میرے

۲۱ تطویلِ کلام بر بنائے لذت وانبساط: - سو سوال کا جواب تو اتنا ہی تھا کہ "یہ میری لاٹھی ہے" اور بس۔ مگر لذتِ کلام سے مزید شادکامی کے لئے حضرتِ موسیٰ نے آگے اس سے متعلق مزید باتیں بھی عرض کر دیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرتِ حق -جل مجدہٗ- سے شرفِ تخاطب کی لذت سے بڑھ کر لذت اور کس کی ممکن ہو سکتی ہے۔ بہر کیف حق تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ سے پوچھا کہ "آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟" تاکہ آپ اپنی لاٹھی کے بارے میں یقین کر لیں۔ تاکہ بعد میں اس کی معجزانہ کیفیت سے پریشان نہ ہو جائیں۔ سو حضرتِ حق کی طرف سے حضرتِ موسیٰ سے یہ سوال ایناس اور تقریر کے لیے تھا۔ (ابنِ کثیر، معارف القرآن اور صفوۃ وغیرہ) - اللّٰھم فزدنا ایماناً بک و یقینا - وحُبًّا فیک، وخضوعًا لأمرک

۲۲ ﴿مآرب اخرىٰ﴾ سے مقصود و مراد؟: - "مآرب"، "مأربۃ" کی جمع ہے۔ جس کے معنیٰ "حاجت"، "ضرورت" اور "نفع و فائدہ" وغیرہ کے ہیں۔ (المراغی، الصفوۃ وغیرہ)۔ سو حضرتِ موسیٰ نے فرمایا کہ "اس میں میرے اور بھی کئی کام ہیں"۔ مثلاً یہ کہ حسبِ ضرورت اس پر کچھ سامان ٹانک لیا۔ جہاں ہاتھ نہ پہنچا وہاں اس سے کام لے لیا اور ضرورت پڑنے پر کسی

کی ٹھکائی کردی وغیرہ وغیرہ۔ اپنی بکریوں کی حفاظت کیلئے بھیڑیوں وغیرہ کو بھگانا وغیرہ۔ بہرکیف اس سے حضرتِ موسیٰ کے اس یقین کا اظہار ہوگیا کہ یہ لاٹھی ہی ہے کوئی اور چیز نہیں۔ اور یہی اصل مقصد تھا اس سوال سے۔ تفسیری روایات میں ''مآرب اخریٰ'' کے ذیل میں اور بھی بہت سی عجیب وغریب قسم کی باتیں ذکر کی گئی ہیں لیکن علامہ ابن کثیر جیسے محققین نے ان کو اسرائیلی روایات کا چربہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر ثابت ومستقیم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۳ حضرتِ موسیٰ کے لیے معجزۂ عصا کا ذکر: سو حضرتِ موسیٰ کی لاٹھی معجزانہ طور پر ایک ایسا سانپ بن گئی جو کہ چستی اور پھرتی میں تو باریک سانپ کی طرح تھا۔ اس لئے دوسرے مقام پر اس کو ''جانٌ'' فرمایا گیا۔ مگر جسم کے اعتبار سے وہ بھاری اور ایک بڑے اژدھے کی شکل میں تھا۔ اسی لئے ایک دوسرے مقام پر اس کو ''ثعبان مبین'' بھی فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ (الاعراف: ۱۰۶، الشعراء: ۳۲) میں ذکر فرمایا گیا۔ بہرکیف موسیٰ کو جب حق تعالیٰ کی طرف سے حکم وارشاد فرمایا گیا کہ اسے زمین پر ڈال دو تو آپ نے اس کو فوراً ڈال دیا۔ اور جونہی آپ نے اس کو زمین پر ڈالا تو وہ یکا یک ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ اور اس طرح آنجناب کو عصا کے اس عظیم الشان معجزے سے نواز دیا گیا۔ والحمدللہ جل وعلا

۲۴ حضرتِ موسیٰ کے خوف کے ازالے کے لیے ارشاد: سو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ ''موسیٰ اسکو پکڑلو اور ڈرو نہیں''۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر عالمِ غیب اور مختارِ کل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ ورنہ حضرتِ موسیٰ نہ اس سے ڈرتے نہ خوف کھاتے۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے جب دیکھا کہ لاٹھی جو کہ سانپ کو مارنے کے کام آتی ہے وہی سانپ بن گئی تو اس سے آپ کے دل میں ایک خوف سا پیدا ہوا۔ اور ایسی صورت میں خوف کا پیدا ہوجانا ایک طبعی امر ہے۔ تو حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے آپ کو اطمینان دلایا گیا کہ ڈرو نہیں۔ اس کو بے خوف وخطر پکڑو۔ آپ جونہی اس کو پکڑو گے ہم اس کو لوٹا کر اسکی پہلی حالت پر کردیں گے۔ سو معاملہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۲۵ حضرتِ موسیٰ کے لیے یدِ بیضا کا معجزہ: سو حضرتِ موسیٰ کو ارشاد ہوا کہ ''اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں دے دو۔ وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی عیب (اور بیماری) کے''۔ جیسا کہ برص کی بیماری وغیرہ سے ہوجاتا ہے۔ اللہ ہر بیماری سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ سو حضرتِ موسیٰ کو بتایا اور اطمینان دلایا گیا کہ آپ اس طرح کے معجزے سے خوف نہیں کھانا کہ یہ نہ کسی بیماری کی وجہ سے ہوگا اور نہ ہی یہ کوئی عیب ہوگا بلکہ معجزہ ہوگا۔ جس سے آپ کو بطورِ خاص نوازا جائے گا۔ سو حضرت موسیٰ کے دو خاص معجزے تھے۔ یعنی عصا اور ید بیضا۔ جن کے ساتھ آپ کو فرعون کے پاس پیغام حق سنانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

۲۶ حضرتِ موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم وارشاد: سو حضرتِ موسیٰ کو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ ''جاؤ فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہوگیا ہے''۔ اور اس نے عبدیت وبندگی کی حدود سے نکل کر خدائی کا دعویٰ کرلیا۔ سو جا کر اس کو سمجھاؤ اور میری گرفت اور پکڑ سے اس کو ڈراؤ۔ تاکہ وہ میرا بندہ بن جائے اور اپنی سرکشی اور طغیانی سے باز آجائے۔ بہرکیف یہ وہ پہلی مہم ہے جس پر حضرتِ موسیٰ کو منصبِ نبوت سے سرفرازی کے بعد سب سے پہلے مامور فرمایا گیا کہ فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بہت سرکش ہوگیا ہے۔ وہ اپنے زعم میں ربِّ اعلیٰ بنا ہوا تھا۔ اور مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا یعنی سورج دیوتا کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے سٹیچو اور مجسمے سارے مصر میں پوجے جاتے تھے۔ اور وہ سب سے بڑا ڈکٹیٹر بنا ہوا تھا۔

صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾

پروردگار، میرا سینہ کھول دے، ۲۷ اور میرے کام کو میرے لئے آسان فرمادے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے، ۲۸

يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾

تاکہ وہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں، اور میرے لئے میرے خاندان میں سے ایک وزیر (ومعاون) بھی مقرر فرمادے،

۲۷ حضرتِ موسٰی کی دعا کا ذکرو بیان:- سو اس سے حضرت موسٰی کی اپنے رب کے حضور ایک خاص دعا و درخواست کا ذکر فرمایا گیا۔ سو اس موقعہ پر حضرتِ موسٰی نے اپنے رب سے شرح صدر کی دعاء و درخواست کی۔ تاکہ میں اس عظیم الشان بارِ امانت کے اٹھانے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے قابل ہوسکوں۔ اور وقت کے سب سے بڑے کافر کے سامنے حق کو صحیح طور پر اور پوری صراحت و وضاحت سے بیان کرنے کا حوصلہ پاسکوں۔ بہر کیف حضرتِ موسٰی کو جب منصبِ نبوت و رسالت سے سرفرازی کے بعد اس عظیم الشان مہم پر جانے کا حکم وارشاد فرمایا گیا اور آپ پر فریضۂ رسالت کی ادائیگی کی یہ بھاری ذمہ داری ڈالی گئی تو آپ نے فوراً اپنے خالق و مالک کے حضور اپنی یہ عاجزانہ دعاء و درخواست پیش کردی۔ جس کے لفظ لفظ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اس دلسوزی کے ساتھ اپنے رب کے حضور یہ عرض و درخواست پیش کی اور اس سے اس بارے نصرت و امداد کی التجاء کی۔ سو اس سے حضراتِ انبیائے کرام کے صدق واخلاص اور کمالِ للّٰہیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ وہ مختارِ کل نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت و امداد کے محتاج ہوتے ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اختیارِ کلی اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک وسہیم نہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۲۸ عقدۂ لسان کے ازالے کی دعا و درخواست:- سو اس سے حضرتِ موسٰی کی طرف سے عقدۂ لسان یعنی زبان کی گرہ کھولنے کی دعا و درخواست کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسٰی نے اپنی دعاء و درخواست میں اللہ تعالیٰ کے حضور مزید عرض کیا "اور میری زبان سے گرہ کھول دے"۔ جس کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ پیدائشی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بچپن میں اس وقت سے ہوگئی تھی جب کہ آپ نے فرعون کے سامنے آزمائش کے ایک موقع پر ایک جلتا انگارا اپنے منہ میں ڈال لیا تھا۔ جس کا قصہ مشہور ہے۔ (روح، قرطبی، معارف اور صفوہ وغیرہ)۔ بہر کیف حضرتِ موسٰی نے اپنے رب سے شرحِ صدر اور اس رکاوٹ کے دور کرنے کی دعا فرمائی۔ سو پیغمبر کا کام اور انکی شان اپنے رب سے مانگنا ہی ہوتا ہے اور بس۔ وہ مختارِ کل نہیں ہوتے کہ جو چاہیں کریں۔ جس طرح کہ کچھ اہلِ زیغ و ضلال کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جب حضراتِ انبیائے کرام اور حضرتِ موسٰی جیسے اولوا العزم اور جلیل القدر پیغمبر بھی مختارِ کل نہیں ہوسکتے بلکہ یہ سب ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہوتے ہیں اور اسی کے حضور دستِ دعا و سوال دراز کرتے ہیں تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو مافوق الاسباب طور پر کسی کا حاجت روا و مشکل کشا ہوسکے؟ سو غلط کہتے اور کرتے ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پوجتے پکارتے اور ان کو پوجنے پکارنے کا درس دیتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ و ضلال و سوء وانحراف۔

هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَ اَشْرِكْهُ فِیْٓ

یعنی میرے بھائی ہارونؑ کو، ان کے ذریعے میری کمر کو مضبوط کردے ف۲۹ اور ان کو میرے کام میں شریک فرمادے، تاکہ ہم دونوں مل کر

اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ

تیری پاکی بیان کریں، اور تجھے خوب خوب یاد کریں ف۳۰ بلاشبہ تو ہمیں (اور ہمارے ہر حال کو) اچھی طرح دیکھ رہا ہے، جواب ملا، موسیٰ

كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾

تمہاری (مذکورہ بالا ہر) دعاء منظور کرلی گئی، اور ہم تو (تمہاری درخواست کے بغیر اس سے پہلے) ایک اور مرتبہ بھی تم پر ایک احسان کر

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓی ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ

چکے ہیں، جب کہ ہم نے تمہاری ماں کے دل میں وہ بات ڈال دی ف۳۱ جو کہ ڈالنا تھی، کہ تم اس بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر اسے دریا میں

مَا یُوْحٰٓی ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی

ڈال دو، پھر وہ دریا اسے خود ہی اس (مطلوبہ) کنارے پر ڈال دے گا، جہاں سے اس کو وہ شخص اٹھالے گا جو دشمن ہے میرا بھی ف۳۲ اور دشمن

۲۹ حضرتِ ہارون کو شریک کار بنانے کی دعاء و درخواست: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ نے اپنی دعا میں مزید عرض کیا کہ "میرے بھائی ہارون کے ذریعے میرے بازو مضبوط فرمادے"۔ یعنی اسباب کے درجے میں۔ کہ یہ دنیا ہے ہی دار الاسباب۔ نہ کہ مافوق الاسباب طریقے سے جو کہ شرک ہے۔ پس اس سے اہل بدعت کے جن بڑوں نے اپنے شرکیہ عقیدے کے لئے دلیل کشید کرنے کی کوشش کی ہے وہ سراسر باطل و مردود ہے۔ کیونکہ یہ استمداد ماتحت الاسباب تھی نہ کہ مافوق الاسباب۔ سو ماتحت الاسباب مدد و استمداد نہ صرف جائز بلکہ واقع اور موجود ہے اور شریعت نے نہ صرف یہ کہ اس کی اجازت دی ہے بلکہ پیغمبرِ اسلام نے یہ سب کچھ خود کر کے بتایا ہے اور عملی طور پر اس کا ثبوت دیا ہے۔ رہ گئی مافوق الاسباب مدد کی تو وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا نہ کوئی کرسکتا ہے اور نہ کسی سے ایسی مدد مانگنا جائز ہے کہ یہ اسی وحدہٗ لاشریک کا خاصہ ہے۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ نے اپنی دعاء میں اپنے بھائی حضرتِ ہارون کے بارے میں جو کہ عمر میں ان سے بڑے تھے یہ عرض کیا کہ ان کو میرا وزیر اور مددگار بنایا جائے تاکہ وہ راہِ حق و ہدایت میں میرے معاون اور دست و بازو بن سکیں کہ مجھ سے زیادہ فصیح بھی ہیں اور مجھے فریضۂ رسالت کے سلسلے میں ایک ایسے معین و مددگار کی سخت ضرورت بھی ہے۔ اور اس طرح مجھے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں تقویت مل سکے۔ اور میرا کارِ رسالت زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہو سکے۔

۳۰ ذکر و تسبیح کی عظمت شان کا ذکر و بیان: — سو اس سے ذکر و تسبیح اور خاص کر اجتماعی ذکر و تسبیح کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ سو اس ارشاد سے حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی تسبیح و تقدیس اور اجتماعی ذکر کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی

ہے کہ حضرتِ موسیٰ نے عرض کیا کہ "تاکہ ہم دونوں تیرا ذکر کریں" کہ تیری تسبیح و تقدیس اور تیرا ذکر ہی شاہ کلید اور کامیابی کی ضمانت ہے۔ کیونکہ تسبیح میں تنزیہ ہے اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کی ہر نقص و عیب اور شائبہ شرک و ضعف سے۔ اور تسبیح کے ساتھ ذکر میں اشارہ ہے اس کی صفاتِ کمال کی طرف۔ سو وہی ہے جو ہر نقص و عیب سے پاک اور ہر خوبی و کمال کا مالک ہے۔ اور وہی مدد کرسکتا ہے اپنے بندے کی۔ اور اسی کو پکارنے کا حق ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ ﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾۔ اور یہی صحیح تعلق ہے بندے کا اس وحدہٗ لاشریک سے کہ اس کی یادِ دلشاد سے ہمیشہ محظوظ و سرشار رہے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع رہے۔ اور اسی سے اپنے ظاہر و باطن کا تعلق رکھے۔ اور اسی کے ذکر سے رطب اللسان اور شاد کام رہے۔ وباللہ التوفیق۔ اور اجتماعی ذکر و تسبیح کا یہ ارشاد دراصل فریضۂ نبوت کی ادائیگی کی تعبیر ہے۔ کیونکہ حضراتِ انبیاء و رسل اور ان کے طریقے پر کام کرنے والوں کی خلوت و جلوت دونوں ہی ذکر و تسبیح ہوتی ہیں۔ وہ جو کام مسجد میں کرتے ہیں وہ بھی ذکر و تسبیح ہوتا ہے اور جو بازار میں کرتے ہیں وہ بھی ذکر و تسبیح ہوتا ہے۔ ان کی رزم و بزم میں فرق اگر ہوتا ہے تو صرف میدانِ کار کا ہوتا ہے۔ ورنہ کام دونوں جگہ ایک ہی ہوتا ہے۔ سو ذکر و تسبیح کی قوت ہی بندۂ مومن کی اصل قوت ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ و یرید،

۳۱ امِ موسیٰ کی طرف وحی کا مطلب؟:- یعنی وحی کا لفظ یہاں پر اس اِلقاوالہام کے معنٰی میں ہے جو کہ اللہ پاک اپنی قدرت اور رحمت سے اپنی مخلوق میں سے کسی کو فرما دیتا ہے۔ نہ کہ نبوت و رسالت کی وہ وحی جس سے حضراتِ انبیاء و رسل کو نوازا جاتا ہے۔ سو اس آیت کریمہ میں وحی کے لفظ کا استعمال ویسے ہی ہے جیسا کہ سورۂ نحل میں شہد کی مکھی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾۔ (النحل:۶۸) سو یہ لغوی وحی ہے نہ کہ شرعی اور اصطلاحی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے حضرتِ موسیٰ کی والدہ ماجدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اپنے بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر سمندر میں ڈال دیں اور اس بات پر وہ مطمئن بھی ہو جائیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے پس میرا بچہ محفوظ رہے گا۔

۳۲ حضرتِ موسیٰ کی حفاظت کے لیے قدرت کا کرشمہ:- کہ آنجناب کی حفاظت ان کے دشمن سے کرائی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تاکہ اس کو اٹھالے وہ شخص جو دشمن ہے میرا بھی اور اس کا بھی"۔ یعنی فرعون جس کی تباہی اور خاتمے کا فیصلہ آنجناب کے ذریعے طے اور مقدر ہو چکا تھا۔ سو اس نے حضرتِ موسیٰ کی دشمنی کی بناء پر اور ان کے خاتمے کیلئے کتنے بیگناہوں کا خون بہایا تھا۔ قدرت کے غیبی ہاتھ کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو کہ اسی دشمن کے ذریعے موسیٰ کی پرورش کا سامان کیا جا رہا ہے۔ سو حفاظت دراصل اسی وحدہ لاشریک کی حفاظت ہے۔ اسکی حفاظت وعنایت اگر حاصل ہو تو انسان کا دشمن بھی اسکی حفاظت میں لگ جاتا ہے۔ اور حضرتِ موسیٰ کا قصہ اسکی بہت واضح اور بڑی نمایاں مثال ہے۔ پس مومنِ صادق کا کام ہے کہ وہ بھروسہ واعتماد ہمیشہ اسی وحدہ لاشریک پر رکھے۔ وباللہ التوفیق۔ سو وہ وحدہٗ لاشریک اگر چاہے تو فرعون جیسے خدائی کا دعویٰ کرنے والے طاغیہ سے حضرتِ موسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر کی حفاظت کا سامان کرادے اور اس طاغیے کو ایسے بچے کی حفاظت کے لیے آمادہ اور تیار کردے جو آگے چل کر نہ صرف اس ظالم کی حکومت واقتدار بلکہ اسکے وجود ہی کے لیے خاتمے کا باعث بننے والا تھا۔ فالحمد للہ جلّ وعلا، اللّٰھم فکن لنا و لا تکن علینا۔ وخُذْنَا بنواصینا اِلٰی مَا فِیْهِ حُبُّكَ والرضا بکل حال من الاحوال

الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ

ہے اس کا بھی، اور (اے موسیٰ اس وقت) میں نے تم پر اپنی طرف سے ایک محبت بھی ڈال دی (تاکہ جو دیکھے وہ تم پر فریفتہ ہو جائے)

عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی

اور تاکہ تم میری خاص نگرانی میں پرورش پاؤ ۳۳ جب کہ تمہاری بہن چلتی جارہی تھی (تمہاری خبرگیری کیلئے) ۳۴ پھر وہ (اجنبی بن کر) کہنے لگی ۳۵

عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ

وقف لازم

کیا میں آپ لوگوں کو ایک ایسے (گھرانے) کا پتہ نہ دوں جو اس بچے کی اچھی طرح پرورش کرے ۳۶ سو اس طرح ہم نے تمہیں پھر

یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا

تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں ۳۷ اور انہیں غم نہ رہے، اور (بچپن کے اس احسان کے علاوہ جوانی کے دور

تَحْزَنَ ۬ؕ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ

میں بھی ہم نے تم پر ایک اور احسان کیا کہ) تم نے ایک شخص کو جان سے مار ڈالا تو ہم نے تمہیں اس کے غم سے نجات دلائی، اور (اس

فُتُوْنًا ۬ قف فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئْتَ

کے بعد بھی) ہم نے تمہیں کئی آزمائشوں سے گزارا، پھر تم کئی سال تک (امن وامان کے ساتھ) مدین کے لوگوں میں ٹھہرے، پھر تم

عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ﴿۴۰﴾ وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ﴿۴۱﴾ۚ اِذْهَبْ

ٹھیک اپنے وقت پر آ گئے، اے موسیٰ، اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے، (پس اب) جاؤ

اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَ لَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ ﴿۴۲﴾ۚ اِذْهَبَاۤ

تم بھی اور تمہارے بھائی بھی میری آیتوں کے ساتھ، اور سستی نہ کرنا تم دونوں میری یاد میں، تم دونوں جاؤ

اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ۚۖ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ

فرعون کے پاس کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے، پھر بھی تم دونوں اس سے بات نرمی ہی سے کرنا کہ شاید وہ

۳۳ موسیٰ کی حفاظت کا انتظام محبت کے ذریعے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "میں نے تم پر اے موسیٰ! اپنی محبت ڈال دی تاکہ تم ہر آنکھ کے تارے بن جاؤ"۔ اور کوئی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے اس شانِ کرم وعنایت کے۔ فَکَنْ

اَللّٰھُمَّ لَنَا وَلَا تَکُنْ عَلَیْنَا یَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ وَیَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ - سوحضرتِ موسیٰ کی حفاظت محبت کے اس غیر مرئی ہتھیار سے کی گئی جس کی طرف عام لوگوں کی توجہ ہی نہیں جاتی۔ لیکن یہ ایسا قوی اور اس قدر موثر ہتھیار ثابت ہوا کہ اسکی بناء پر حضرتِ موسیٰ فرعون جیسے بڑے سرکش، کافر اور اپنے جانی دشمن سے بھی پوری طرح محفوظ رہے۔ سو حفاظت اصل میں اللہ پاک ہی کی حفاظت ہے۔ وہ جس طرح چاہے بندے کی حفاظت کا سامان فرمادے۔ پس مومنِ صادق کا بھروسہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک پر رہنا چاہیئے۔ لیکن آج کا جاہل مسلمان ہے کہ اس کا بھروسہ اس قادرِ مطلق کے سوا اسکی طرح طرح کی ایری غیری مخلوق، فرضی و وہمی سہاروں، بنی ٹھنی قبروں، طرح طرح کے جبوں قبوں، نیلی پیلی جھنڈیوں اور جھوٹ موٹ کی خود ساختہ سرکاروں وغیرہ پر ہے۔ جن کے آگے وہ طرح طرح کے ڈنڈوت کرتا اور قسما قسم کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اس طرح اپنی تذلیل وتحقیر اور ہلاکت وتباہی کا سامان خود کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۳۴ حضرتِ موسیٰ کی حفاظت کی تدبیر کا ذکر وبیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جب تمہاری بہن تمہاری خبر گیری کیلئے چلی جارہی تھیں''۔ دریا کے کنارے کنارے۔ اپنی والدہ کی ہدایت کے مطابق۔ تمہاری دیکھ بھال اور اطلاع وخبر گیری کے لئے۔ کیونکہ ان کی والدہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ تم دور سے ہوکر موسیٰ کے اس صندوق کو دیکھتی اور اسکی نگرانی کرتی جاؤ کہ یہ صندوق کدھر جاتا ہے اور کہاں جاکر رکتا ہے۔ سو وہ دور سے ہوکر اسکو اس طرح دیکھتی رہیں کہ ان لوگوں کو اس کا پتہ ہی نہ چلنے پائے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح اس طرح فرمائی گئی - ﴿وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (القصص: ۱۱)۔ بہرکیف اس ارشاد سے اس تدبیر کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دریا میں ڈالے جانے کے بعد حضرتِ موسیٰ کو ان کی والدہ ماجدہ کی طرف واپس لوٹائے جانے کے لیے اختیار فرمائی تھی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۳۵ حضرتِ موسیٰ کی پرورش کے لیے ایک تجویز: - سو اس سے اختِ موسیٰ کی طرف سے انکی پرورش کے لیے تجویز کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''پھر وہ اجنبی بن کر بولیں جب کہ تم اے موسیٰ کسی بھی دایہ کا دودھ نہیں پی رہے تھے''۔ جس کی وجہ سے فرعونی پریشان ہورہے تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ - الاٰیۃ (القصص: ۱۲)۔ سو جب فرعونی اس بناء پر پریشان ہورہے تھے کہ یہ بچہ کسی دایہ کا دودھ نہیں پیتا۔ اب اس کی پرورش کے بارے میں کیا کیا جائے۔ تو اس وقت موسیٰ کی بہن نے اجنبی بن کر ان سے یوں کہا۔ سو اپنی والدہ ماجدہ کی ہدایت کے مطابق حضرتِ موسیٰ کی ہمشیرہ اس صندوق کو دیکھتی رہیں کہ یہ بہ کر کدھر جاتا ہے۔ بالآخر جب وہ فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا تو آپ نظر بچا کر دیکھتی دیکھتی وہاں پہنچ گئیں۔ دریا نے آپ کو کنارے پر ڈال دیا۔ فرعون اور اس کی بیوی نے بچے کو فوراً اٹھالیا تو انہوں نے اس کو دودھ پلانے کی کوشش کی مگر بچہ کسی کی چھاتی سے منہ لگاتا ہی نہیں۔ تو اس موقعہ پر حضرتِ موسیٰ کی بہن نے ان لوگوں سے کہا کہ کیا میں آپ لوگوں کو ایک ایسے گھرانے کا پتہ نہ دے دوں جو بہت اچھے لوگ ہیں۔ اور وہ اس بچے کی نگہداشت اور دیکھ بھال کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔ اور اس کی پرورش اچھی طرح کریں گے۔

۳۶ اختِ موسیٰ کی تجویز کی فوری منظوری: - سو اختِ موسیٰ نے فرعون اور اس کے گھر والوں کی پریشانی پر جب کہا کہ ''کیا میں آپ لوگوں کو ایک ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتادوں جو اس بچے کی اچھی طرح پرورش کریں''۔ کہ وہ لوگ بڑے اچھے لوگ

ہیں۔ اگر وہ اجرت پر اس بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہو جائیں تو اس کا خاص خیال رکھیں گے۔ اور اس کی تربیت و پرورش اچھی طرح سے کریں گے۔ سو انہوں نے کہا کہ ہاں ایسے گھرانے کا پتہ ہمیں ضرور بتاؤ۔ تب حضرتِ موسیٰ کی اس تجویز کو فوری طور پر قبول کرلیا گیا اور اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں ایسے گھرانے کا پتہ ہمیں ضرور بتاؤ۔ تب حضرتِ موسیٰ کی بہن ان لوگوں کے ساتھ اپنے گھر پہنچی۔ اپنی والدہ کو پورا قصہ سنایا اور اسکے بعد وہ لوگ ان کو لے کر شاہی محل میں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے جونہی موسیٰ کو چھاتی سے لگایا تو انہوں نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔ جس سے وہ سب لوگ خوش ہو گئے اور ان کی پریشانی جاتی رہی کہ بچے کو دودھ پلانے والی دایہ مل گئی اور بچے نے اس کا دودھ بھی قبول کرلیا۔ اور اس طرح قدرت کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کی والدہ ماجدہ سے کیے گیے اس وعدے کی تکمیل ہو گئی کہ ہم ضرور اس کو لوٹا کر واپس تمہارے پاس واپس لائیں گے ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ﴾ الآیۃ (القصص: ۷)۔ حضرتِ موسیٰ کو لوٹا کر واپس ان کی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچا دیا گیا تا کہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں۔ سو اس کی سبیل پیدا ہو گئی۔

۳۷ حضرتِ موسیٰ کی پرورش کے لیے شاہی انتظام: ۔ سو اس طرح حضرتِ موسیٰ کی پرورش شاہی خرچ پر کرنے کا فیصلہ ہو گیا اور آپ کی والدہ ماجدہ کے لیے شاہی خزانے سے اکرامیے کا تقرر بھی طے پا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح ہم نے تمہیں اے موسیٰ تمہاری ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں" اپنے نورِ نظر کو دیکھ کر۔ روایات کے مطابق فرعونیوں نے جب اس موقعہ پر حضرتِ موسیٰ کی والدہ کو شاہی محل میں رہنے کی پیشکش کی۔ تا کہ آپ وہاں پر شاہی آسائشوں میں رہ کر اس بچے کی پرورش اور دیکھ بھال کرسکیں تو آپ نے یہ کہہ کر ان کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ میں اپنے گھر بار اور بال بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی۔ تم لوگوں نے اگر اس بچے کی پرورش کرانی ہے تو اسے میرے ساتھ میرے گھر بھیج دو۔ میں اس کا پورا پورا خیال رکھوں گی اور کبھی کبھی تمہارے پاس بھی لے آیا کروں گی۔ انہوں نے آپ کی یہ بات مان لی اور آپ کے لئے ایک خاص اکرامیہ بھی بطورِ تنخواہ مقرر کر دیا۔ اور بچے کو آپ کے حوالے کر دیا جسے لے کر آپ واپس اپنے گھر پہنچ گئیں اور اپنے بچے کی آزادی سے پرورش کرنے لگیں اور شاہی خزانہ سے وظیفہ بھی برابر ملتا رہا۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اسکی عنایتوں کے کہ جس بچے کو مروانے کے لئے فرعون نے کتنے پاپڑ بیلے تھے، کتنے معصوم اور بے گناہ بچوں کا قتل اور خون اپنے ذمے لیا تھا، اب اس کی پرورش وہ خود اس اہتمام سے اور شاہی خرچ پر کرارہا ہے۔ سو یہاں سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب بندے کا تعلق اپنے خالق و مالک سے صحیح ہو اور اس کا باطن اور اسکی نیت درست ہو، تو اللہ پاک اس کو اپنی عنایتوں سے کس کس طرح نوازتا ہے کہ ظلم و سفاکی اور قتل و خونریزی کے اس ہولناک دور میں نہ صرف یہ کہ حضرتِ موسیٰ فرعون کے ظلم اور اس کی بربریت سے بالکل محفوظ رہے بلکہ شاہی محل سے ہو کر اپنی والدہ کی گود میں واپس پہنچ گئے۔ اور آپ کی والدہ کے لئے شاہی خزانے سے مستقل اکرامیہ بھی جاری ہو گیا۔ اسی لئے نبیٔ اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی محنت و مشقت میں خیر اور بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے اس کی مثال حضرتِ موسیٰ کی والدہ کی سی ہے کہ اپنے بچے کی پرورش بھی کرتی ہیں اور سرکاری خزانے سے تنخواہ بھی لیتی ہیں۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ سو اخلاص اور صدقِ نیت بڑی اہم اور بنیادی چیز ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور توفیق بخشے۔ آمین۔ اور ہر حال میں اور ہر موقعہ پر اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ویا اکرم الاکرمین ویا ارحم الراحمین۔

يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ

نصیحت قبول کر لے، یا (عذاب سے) ڈر جائے ف۳۸ اس پر ان دونوں نے عرض کیا پروردگار، ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ کہیں ہم پر

عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ

زیادتی نہ کر دے ف۳۹ یا کہیں اور زیادہ سرکشی پر نہ اتر آئے، ف۴۰ ارشاد ہوا ڈرو نہیں، میں یقینی طور پر تمہارے ساتھ ف۴۱ ہوں

اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ

سنتا اور دیکھتا ہوں، پس تم دونوں اس کے پاس جا کر اس سے کہو کہ ہم دونوں بھیجے ہوئے ہیں تمہارے رب کے،

۳۸ دعوتِ حق کی سلسلے میں نرمی برتنے کی تعلیم و تلقین: -سو حضرتِ موسیٰ و ہارون کو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر بھی تم دونوں فرعون سے نرمی ہی کی بات کرنا"۔ اس سے دعوت و تبلیغ کے کام کے سلسلہ میں ایک عظیم اور اہم اصول کی راہنمائی فرمائی گئی ہے کہ اگرچہ فرعون ایک بدترین کافر ہے جو کہ - ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ - کا دعویٰ کرتا ہے اور تم دونوں اللہ کے رسول اور اپنے دور کے عظیم اور پاکیزہ ترین انسان ہو مگر اس سب کے باوجود تم اس کے ساتھ حق کی بات نرمی ہی سے کرنا تا کہ اس پر حجت تمام ہو جائے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر کارِ دعوت کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا - ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ - الآیة (النحل: ۱۲۵)۔ سو نرم بات اپنے اندر بڑا زور اور قوت رکھتی ہے۔ اور اس سے بڑے بڑے سنگدلوں کے دل پسیج جاتے ہیں اور وہ حق کے آگے جھک جاتے ہیں۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ کو باوجود ان کی عظمتِ شان، جلالتِ قدر اور عصائے موسوی اور یدِ بیضا جیسے عظیم الشان معجزات رکھنے کے فرعون جیسے طاغیہ سے بات کرتے وقت نرمی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی گئی۔ کیونکہ لین اور نرمی دعوتِ حق کے طبعی لوازم میں سے ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کی بعثت و تشریف آوری تعلیم و اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی دعوت اور ان کے انذار میں ایک معلم کی شفقت اور غمگسار انسان کی ہمدردی اور دلسوزی ہمیشہ نمایاں رہی ہے - صلوات اللہ و سلامہٗ علیہم اجمعین - اللہ تعالیٰ ان کی اقتداء و اتباع کی توفیق بخشے - اور ہمیشہ راہِ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

۳۹ حضرتِ موسیٰ و ہارون کو فرعون سے زیادتی کا اندیشہ: -سو ان دونوں نے عرض کیا "مالک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ کہیں ہم پر زیادتی نہ کر دے"۔ کہ دعوت و تبلیغ کی تکمیل اور معجزہ کے اظہار سے پہلے ہی وہ بدبخت ہم پر ٹوٹ پڑے اور ہمیں اپنی بات پوری کرنے اور اپنے معجزے کے اظہار کا موقع ہی نہ دے۔ اور کہیں وہ اس سے پہلے ہی ہمارا کام تمام نہ کر دے کہ وہ بہر حال ایک جابر اور ظالم حکمران ہے۔ اور ظلم و جبر کیلئے اسکے پاس تمام آلات و اسباب اور ذرائع و وسائل بھی بھرپور طور پر موجود ہیں۔ سو اس سے یہ امر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں

ہوتے۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ اب یہاں دیکھیئے ایک نہیں دو پیغمبر ہیں۔ اور وہ بھی موسٰی اور ہارون جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر۔ وہ دونوں رب تعالیٰ کے حضور اپنے خوف اور خدشات کا برملا طور پر اظہار کرتے ہیں۔ بہر کیف ان دونوں حضرات نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح اپنے خوف واندیشے کا اظہار کیا۔ تو اس پر ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی دی گئی۔ علٰی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام۔

۶۰ فرعون کی سرکشی کے خطرے کا ذکر:۔ سو ان دونوں نے عرض کیا کہ "وہ کہیں اس سے بھی زیادہ سرکشی پر اتر آئے"۔ کہ اس سے بھی بڑھ کر وہ تیری جنابِ اقدس واعلیٰ کے بارے میں گستاخی و بدتمیزی پر اتر آئے۔ (روح، قرطبی وغیرہ)۔ اور ایسی کوئی بھی بات اس سے بعید نہیں کہ وہ اپنی قساوتِ قلب اور سنگدلی میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اور فسق وفجور اور ظلم وعدوان اسکے دل ودماغ میں پیوست ہو چکے ہیں۔ اس لیے اس سے کچھ بھی بعید نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ عربی زبان واسلوب میں "فَرَطَ" کا صلہ جب "عَلٰی" آتا ہے تو اس کے معنٰی کسی کے خلاف عاجلانہ اِقدام کے ہوتے ہیں۔ سو مطلب یہ ہوا کہ فرعون تو پہلے ہی غصے سے بھرا بیٹھا ہے۔ وہ ہمیں زبان کھولنے کی اجازت ہی کب دے گا۔ وہ تو بات سننے سے پہلے ہی یا تو ہمیں ختم کر دینے کی تدبیر کرے گا یا اس کی طغیانی اور سرکشی میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ تو ایسے میں ہم اس کو کلمۂ حق کی تبلیغ کس طرح کر سکیں گے۔ اور ظاہری حالات کے اعتبار سے ان حضرات کا یہ اندیشہ بالکل درست اور بجا تھا۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۶۱ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرتِ موسیٰ وہارون کو تسلی:۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے فرمایا کہ "ڈرو نہیں بیشک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں"۔ اپنی نصرت وامداد کے اعتبار سے اور اپنی تائید وحمایت کے ذریعے۔ سو اس سے ان دونوں حضرات کے حوصلے اتنے بڑھے کہ وہ ظاہری اعتبار سے ہر طرح کے اسباب ووسائل سے تہی دامن ہونے کے باوجود اپنے وقت کے اس سب سے بڑے سرکش کافر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے قابل ہو گئے۔ سو یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرات انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ السلام۔ کی یہ مقدس ترین ہستیاں بھی جب اللہ تعالیٰ ہی کی تائید ونصرت کی محتاج ہیں تو پھر مخلوق میں اور کون ہو سکتا ہے جو کہ مافوق الاسباب طور پر کسی کی حاجت روائی ومشکل کشائی کا دم بھر سکے اور اس کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھا جا سکے؟ اور جب ایسا کوئی نہیں، اور یقیناً نہیں کہ سب سے بڑا درجہ ومرتبہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حضراتِ انبیائے کرام ہی کا ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اللہ پاک کے ہی حضور دستِ دعاء والتجاء دراز کرتے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حاجت روا ومشکل کشا کس طرح ہو سکتا ہے؟۔ بہر کیف حضرتِ موسٰی وہارون کی عرض والتجا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی تسکین وتسلی کے لیے ان سے فرمایا کہ "یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں اور سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں" اور جب اللہ پاک۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کسی کے ساتھ ہو اور وہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہو تو پھر اس کو کسی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ پھر تو اگر ساری خدائی بھی کسی کی دشمن بن جائے۔ والعیاذ باللہ۔ تو بھی وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اللّٰھم فکن لنا ولا تکن علینا بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیوٰۃ، یا ذا الجلال والاکرام۔

مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ

پس تو (ہماری اتباع کے علاوہ) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لئے چھوڑ دے اور انہیں تکلیف نہ دے ۴۲ ہم تیرے پاس ایک

مِّنْ رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ إِنَّا قَدْ

بڑی نشانی لے کر آئے ہیں تیرے رب کی طرف سے، اور سلام ہو اس شخص پر جو پیروی کرے (حق و) ہدایت کی، بے شک ہماری طرف

أُوحِيَ إِلَيْنَآ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ

وحی کی گئی ہے اس بات کی کہ عذاب اس پر ہے جس نے جھٹلایا (حق کو) اور (اس سے) منہ موڑا، (چنانچہ ان دونوں نے حسب ہدایت جا کر

فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيٓ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ

فرعون سے یہ سب کچھ کہہ دیا تو) اس نے کہا کہ اچھا تو کون ہے رب تم دونوں کا اے موسیٰ؟ انہوں نے جواب میں کہا ہمارا رب وہ ہے

خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولٰى ﴿۵۱﴾

جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی ۴۳ پھر اسے راہ دکھائی، کہا (اچھا تو) پھر کیا بنے گا ان نسلوں کا جو گزر چکی ہیں اس سے پہلے؟ ۴۴

۴۲ فرعون سے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان دونوں سے فرمایا گیا کہ "تم جا کر فرعون سے کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں۔ پس تو -اے فرعون- بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کیلئے چھوڑ دے اور ان کو عذاب نہ دے"۔ جیسا کہ تو اب تک کرتا آیا ہے۔ اور ان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر تو نے طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ سو یہ دوسرا بڑا فریضہ تھا جو حضرتِ موسیٰ پر دعوتِ حق اور تبلیغِ رسالت کے فریضہ کے بعد عائد ہوتا تھا اور جس کیلئے آنجناب کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔ یعنی بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی کی جکڑ بندیوں سے رہائی دلانا۔ پہلی اور اصل ذمہ داری تو آپکی بہر حال تبلیغِ حق ہی کی ذمہ داری تھی۔ جیسا کہ سورۂ نازعات کی آیت نمبر ۱۷ سے لیکر آیت نمبر ۲۰ تک میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور یہاں پر ان دونوں حضرات نے اپنی اس اصل ذمہ داری کا ذکر اگرچہ ضمناً اور تبعاً فرمایا کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول اور اسکے فرستادہ ہیں، لہٰذا ہمارا اصل فریضہ اور بنیادی ذمہ داری وہی ہے جو دوسرے تمام انبیاء و رسل کی ہوتی ہے۔ یعنی دعوت الی اللہ۔ مگر دوسرے مقصد یعنی بنی اسرائیل کی آزادی کو صاف اور صریح طور پر بیان فرمایا کہ یہ نسبتاً آسان تھی۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ کا منصب اور آپ کا مشن ایک قوم پرست لیڈر کی طرح صرف بنی اسرائیل کی آزادی کے مطالبے ہی کا نہیں تھا جس طرح کہ کچھ کم سوادوں نے سمجھا بلکہ آپ کا اصل منصب اور مشن ایک رسول اور اولوا العزم رسول کی طرح دعوتِ حق کا تھا۔ جو کہ حضرات انبیاء و رسل کا

اصل مشن اور حقیقی نصب العین ہوتا ہے۔ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام

۴۳ حضرت موسیٰ کی طرف سے اپنے رب کی تعریف:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا یعنی فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ ''تمہارا رب کون ہے؟'' حضرتِ موسیٰ نے فرمایا کہ ''میرا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی''۔ یعنی اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس کو وہ ساخت اور بناوٹ بخشی جو اس کے مناسب اور لائق تھی۔ جس سے اسکی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کے عظیم الشان مظاہر سامنے آتے ہیں اور جو عبرتوں بھری اس کائنات میں چہار سو پھیلے بکھرے ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور خود انسان کی ذات میں بھی اسکے بیشمار مظاہر موجود ہیں۔ مثلاً انسانی آنکھ کو اس نے وہی شکل اور ساخت دی جو اسکے مقصدِ وجود یعنی دیکھنے کے عین مناسب تھی۔ اسی طرح اس نے کان، ناک اور ہاتھ پاؤں وغیرہ ہر عضو کو بھی نہایت مناسب اور موزوں شکل میں بنایا۔ سو اسی طرح اس نے کائنات کی ہر چیز کو اس کے مقصدِ وجود کے اعتبار سے ایک خاص قالب اور ہیئت و شکل سے نوازا۔ سو تمام مخلوقات اور خود انسان کا اپنا وجود حضرتِ حق جل مجدہٗ کے وجود باجود، اس کی وحدانیت و یکتائی، اس کی قدرت و حکمت اور اس کی عظمت شان کا گواہ ہے۔ بشرطیکہ کوئی صحیح طور پر غور و فکر سے کام لے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علیٰ ما یحب و یرید، بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال،

۴۴ ہر چیز کے مناسب ہدایت کا انتظام:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر اس نے ہر چیز کو خاص ہدایت سے نوازا۔ سو اس قادرِ مطلق نے ہر چیز کو اس کی اس ہدایت سے نوازا جس کی اس کو اپنے مقصدِ حیات کے لیے اور اپنی زندگی گزارنے کے سلسلے میں ضرورت تھی۔ سو اس نے کمالِ حکمت و قدرت سے اس فطری ہدایت کو ہر کسی کی فطرت و جبلت میں پیوست کر دیا جس میں غور و فکر سے کام لینے پر ایسے عظیم الشان درسہائے عبرت و بصیرت ملتے ہیں کہ انسان دل و جان سے اس قادرِ مطلق کے حضور جھک جھک جاتا ہے اگر اس کا دل مر نہ گیا ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو ہر چیز کو اپنی زندگی کے مختلف تقاضوں کی تکمیل کیلئے جس ہدایت و راہنمائی کی ضرورت تھی وہ کمالِ حکمت کے ساتھ اسکی فطرت اور طبیعت میں ودیعت فرما دی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ مثلاً شہد کی مکھی کو حضرتِ خالق۔ جل مجدہٗ۔ نے جس مقصد کے لیے پیدا فرمایا اس کی تحصیل و تکمیل کے لیے ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو جو اس کے لیے ضروری تھیں قدرت نے کمالِ حکمت و عنایت کے ساتھ اس کے اس ننھے سے وجود میں ودیعت فرما دیا۔ پھر اس کی فطرت و جبلت کو اس بات کا الہام فرما دیا کہ وہ کس طرح اپنی ان صلاحیتوں کو استعمال کرے۔ اور شہد جیسے عظیم الشان مشروب کا ذخیرہ کرے۔ اور یہی حال اس پوری کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا ہے کہ اس کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا اس کے لیے اس کو پُر حکمت ہدایت سے نوازا گیا۔ سو یہ حضرت خالق کی وحدانیت و یکتائی کی ایک عظیم الشان دلیل ہے۔ والحمد للہ جل وعلا

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾

موسیٰ نے جواب دیا کہ ان کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے ایک عظیم الشان کتاب میں ۴۵ میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے، وہ جس نے

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا

بنا دیا تمہارے لئے اس زمین کو ایک عظیم الشان بچھونا، اور اس نے چلا دیئے اس میں تمہارے لئے طرح طرح کے عظیم الشان

سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا

راستے ۴۶ اور اس نے اتارا آسمان سے پانی، اتارا پھر نکالیں ہم نے اس کے ذریعے قسما قسم کی انگوریاں (اور پیداواریں) ۴۷ (اور تمہیں

مِنْ نَبَاتٍ شَتَّى ﴿٥٣﴾ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ إِنَّ فِي

اجازت و آزادی بخشی کہ قانون اور ضابطے کے اندر رہتے ہوئے ان سے) تم خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ ۴۸ یقیناً اس میں

۴۵ ایک نہایت معقول اور پروقار جواب: — سو فرعون کو اس کے لایعنی سوال پر حضرت موسیٰ نے ایک نہایت معقول اور پروقار جواب دیا۔ سو فرعون نے جو کہا کہ پھر کیا حال ہے اور کیا بنے گا ان قوموں کا جو گزر چکی ہیں اس سے پہلے؟ تو اس کے اس لایعنی اور غیر متعلق سوال کے جواب میں حضرت موسیٰ نے اس سے کہا کہ ''گزشتہ قوموں کے حالات کا علم تو میرے رب کے پاس ایک عظیم الشان کتاب میں موجود ہے''۔ یعنی لوحِ محفوظ میں۔ اور لوحِ محفوظ میں ثبت و مندرج ان علوم کا تعلق غیب سے ہے جس کو اللہ وحدہ، لاشریک کے سوا کوئی نہیں جا سکتا۔ نہ میں نے اس کے جاننے کا کوئی دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی اس تک کسی کی رسائی ہو سکتی ہے۔ (روح، قرطبی، کبیر، مدارک اور مراغی وغیرہ)۔ پس اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں کا یہ کہنا کہ لوحِ محفوظ کا علم اللہ کے ولیوں کی دسترس میں ہے ایک ایسی بے بنیاد اور لغو بات ہے جو جمہور اہلِ علم کی تصریحات کے خلاف ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور پھر جب اس کا علم ایسے تمام لوگوں کی دسترس میں ہے تو پھر وہ محفوظ کیسے رہا؟ سو لوحِ محفوظ کا علم محفوظ ہے۔ وہ کسی کی بھی دسترس میں نہیں۔ اور اسکو اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ یہاں پر ﴿كِتَاب﴾ کی تنوین تعظیم و تفخیم کے لیے ہے۔ سو اس کتاب عظیم کی عظمتِ شان کا عالم یہ ہے کہ کوئی جزئیہ یا کوئی چھوٹی بڑی چیز ایسی نہیں ہوگی جو اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہو اور کل قیامت کے روز جب وہ کتاب کھلے گی اور انسان اس میں اپنا سب کچا چٹھا اور زندگی بھر کا سب کیا کرایا موجود و مندرج پائے گا تو چیخ اٹھے گا کہ ''یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی بھی چیز خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس میں درج کیے بغیر نہیں چھوڑی'' جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿مَا لِهٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصَاهَا﴾۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید

۴۶ توحیدِ خداوندی کے بعض ارضی اور سماوی دلائل کا ذکر و بیان: — سو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یکتائی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''جس نے زمین کے اس عظیم الشان کُرّے کو تمہارے لیے ایک عظیم الشان بچھونا بنا دیا اور اس میں اس نے تمہارے لیے طرح طرح کے راستے بنائے''۔ مختلف پہاڑی سلسلوں، دروں اور ندیوں نالوں وغیرہ کی ایسی مستحکم حد بندیوں کے

ذریعے جو کسی انسان اور حکومت بلکہ تمام انسانوں اور حکومتوں کے بس میں بھی نہیں۔ سو یہ بھی عظیم الشان مظاہر ہیں قدرت و عنایتِ خداوندی کے۔ سبحانہ، وتعالیٰ وبحمدہ جل وعلا۔ سو اسی سے تم لوگ یہ بھی سوچو کہ جس نے تمہاری ظاہری اور مادی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے ایسے عظیم الشان انتظامات فرمائے اور زمین میں ایسے عظیم الشان راستوں کا جال بچھا دیا، کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی اور معنوی ضرورتوں کی تکمیل کا کوئی سامان نہ کرے؟ جبکہ اصل اور حقیقی ضرورتیں وہی ہوتی ہیں جن کا تعلق انسان کے باطن اور اس کی روح سے ہے۔ سو تمہاری ان روحانی ضرورتوں کی تکمیل ہی کیلئے اس نے وحی اور دین کا یہ عظیم الشان انتظام فرمایا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے توحیدِ خداوندی کے بعض عظیم الشان ارضی اور سماوی دلائل کو بیان فرمایا گیا ہے۔ سو انسان اگر اپنے قدموں کے نیچے بچھے کرۂ ارضی کے اس عظیم الشان بچھونے کو دیکھے اور اس میں غور وفکر سے کام لے اور اس میں بچھے ہوئے طرح طرح کے راستوں کے عظیم الشان جال کو دیکھے اور آسمان سے اترنے اور برسنے والے پانی کے پرحکمت نظام میں غور کرے تو حضرتِ خالق۔ جل مجدہٗ۔ کی وحدانیت ویکتائی کے لیے دل وجان سے پکار اٹھے کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کا کام۔ اور اسی کی صفت وشان ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۲۷ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے بعض عظیم الشان مظاہر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے قسما قسم کی پیداواریں نکالیں اپنے بندوں کی بھلائی کے لیے"۔ تو جب ان طرح طرح کی عظیم الشان نعمتوں کی تخلیق و پیدائش اور ان کی اس بخشش وعطا میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر اس کی عبادت وبندگی میں کوئی اس وحدہٗ لاشریک کا شریک کیسے اور کیونکر ہوسکتا ہے؟۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو جس طرح خالق ومالک وہ وحدہ لاشریک ہے اسی طرح معبودِ برحق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس ارشادِ ربانی سے اس کائنات میں ہر طرف پھیلے بکھرے بعض اہم اور عظیم الشان دلائلِ توحید اور مظاہرِ قدرت وربوبیت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس نے آسمان سے پانی کے اس ماءُ الحیاۃ جوہر کو اتارنے کے بعد زمین سے طرح طرح کی انگوریاں نکالیں اور قسما قسم کے درخت پیدا فرمائے جن سے انسان طرح طرح سے اور مسلسل ولگاتار مستفید وفیضیاب ہوتا ہے۔ بالواسطہ طور پر بھی اور براہِ راست وبلاواسطہ بھی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۲۸ انسان اور اس کے چوپایوں کی خوراک کا انتظام: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے تمہارے لیے زمین میں قسما قسم کی نباتات اگائیں اور طرح طرح کی فصلیں اور پیداواریں بھی پیدا فرمائیں تاکہ تم خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ چگاؤ۔ تاکہ اس طرح تم ان طرح طرح کی عظیم الشان نعمتوں سے بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر مستفید ہوکر اپنے اس منعمِ حقیقی کو پہچانو۔ دل وجان سے اس کا شکر بجالاؤ اور اس کے آگے جھک جاؤ۔ سو اس نے تمہاری خوراک کا بھی انتظام فرمایا اور تمہارے جانوروں کیلئے بھی۔ تاکہ تم ان سے ملنے والے طرح طرح کے فائدوں سے بہرہ ور ہوسکو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر بھی ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾۔ (النازعات: ۳۳، نیز عبس: ۳۲)۔ بہرکیف اُس قادرِ مطلق نے اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے تمہارے بھلے اور فائدے کے لیے طرح طرح کی انگوریاں اور فصلیں نکالیں اور ان کو پوری بسیطِ ارضی پر اس طرح پھیلا اور بکھیر دیا کہ وہ اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر تم لوگوں سے کہہ رہی ہیں کہ ان سے خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ چگاؤ۔ سو اس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے اس خالق ومالک کے آگے جھک جائے اور دل وجان سے جھک جائے اور جھکا ہی رہے کہ یہ اس خالق ومالک کا اس پر طبعی اور فطری حق بھی ہے اور خود انسان کا بھی اسی میں بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ

بڑی بھاری نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے، ۴۹ (اور طرح طرح کی ان پیداواروں کی طرح) ہم نے خود تمہیں بھی (اے لوگو!) اسی

فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿٥٥﴾

زمین سے پیدا کیا، ۵۰ اسی میں ہم تمہیں دوبارہ لے جائیں گے، ۵۱ اور اسی سے ہم تمہیں ایک مرتبہ پھر نکالیں گے، ۵۲

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ

اور بلاشبہ ہم نے اس کو دکھلائیں اپنی نشانیاں سب کی سب، مگر وہ جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا گیا، کہنے لگا

۴۹ عقلمندوں کے لیے دعوتِ غور وفکر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں عقل مندوں کیلئے"۔ "نُھٰی" جمع ہے "نُھْیَہ" کی۔ جیسے "غرف" جمع ہے "غرفہ" کی۔ اور "نُھْیَہ" کہتے ہیں اس عقل کو جو انسان کو ہر قبیح شئی اور برائی سے روکتی ہے۔ پس جو لوگ کائنات کی ان عظیم الشان نعمتوں سے طرح طرح کے فائدے تو اٹھاتے ہیں مگر ان میں غور وفکر سے کام لے کر اپنے خالق ومالک کو نہیں پہچانتے ان کی عقلیں دراصل مسخ ہو چکی ہیں۔ اور وہ انسانیت کے شرف سے محروم ہو کر حیوانیتِ محضہ کے گڑھے میں گر چکے ہیں- والعیاذُ باللّٰہِ العظیم- سو اس ارشاد میں عقلمندوں کے لیے غور وفکر کی دعوت ہے کہ وہ ان میں غور وفکر سے کام لے کر اپنے رب کی معرفت حاصل کریں اور اس کا حقِ شکر ادا کر کے اپنے لیے سعادتِ دارین کا سامان کریں۔ تاکہ اس طرح خود ان کا بھلا ہو سکے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید۔

۵۰ انسان کے مبدأ وآغاز کی تذکیر و یاددہانی: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا ہے جو کہ تمہارے پاؤں کے نیچے ہے"۔ کہ تمہارے جدِّ امجد آدم کو اسی سے پیدا کیا۔ نیز اس طرح کہ جس مادہ تولید سے تمہاری تخلیق ہوتی اور تمہاری ہستی وجود میں آتی ہے وہ حاصل ہوتا ہے مختلف قسم کی غذاؤں سے۔ اور وہ سب غذائیں اسی زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ سو اس طرح بھی بالواسطہ طور پر تم سب اسی مٹی سے پیدا کئے گئے ہو۔ تو پھر ذرا سوچو اور غور کرو اپنے خالق ومالک کی اس قدرت وحکمت اور رحمت وعنایت پر جو خود تمہاری اپنی تخلیق میں کارفرما ہے کہ اس قادرِ مطلق نے اس بے جان مٹی سے کس پُر حکمت طریقے سے پیدا فرما کر تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟- جلّ جلالہ وعمّ نوالہ- پھر اسکے حقِ معرفت اور حقِ بندگی سے اِعراض برتنا اور منہ موڑنا کس قدر بے انصافی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- سو اپنے قدموں کے نیچے پڑی پھی اس زمین میں غور وفکر سے کام لے کر اپنی اصل اور حقیقت کو پہچانو اور اس قادرِ مطلق کی قدرت وحکمت اور اس کی رحمت وعنایت پر نظر کر کے اس کے حضور دل وجان سے جھک جھک جاؤ اور اس کی عبادت وبندگی بجا لاؤ۔ اور اس طرح اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرو اور اپنی لیاقت وقابلیت پر اکڑنے کی بجائے اپنے خالق ومالک کے لیے سراپا شکر وسپاس بن جاؤ- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید- اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۵۱ انسان کو اس کے انجام اور اسکی انتہاء کی تذکیر و یاددہانی: -سو ارشاد فرمایا گیا "اور اسی میں ہم تمہیں

دوبارہ لے جائیں گے''۔ تمہاری موت کے بعد۔ سوموت کے بعد بھی یہی زمین تم کو سنبھالے گی جیسا کہ اس وقت بھی تم کو یہی زمین سنبھالتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ، اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا﴾ (المرسلات: ۲۵-۲۶)۔ سو ذرا تم لوگ سوچو کہ یہ تمہارے رب کا تم پر کس قدر عظیم الشان احسان ہے کہ تم زندگی بھر اس زمین کے اوپر رہتے بستے اور طرح طرح سے اسکی بے حد و حساب نعمتوں سے مستفید و سرفراز ہوتے ہو اور پھر موت کے بعد یہی زمین تم لوگوں کو اس طرح عزت و احترام کے ساتھ اپنے اندر لے لیتی ہے۔ ورنہ تمہارے لاشے اگر یونہی زمین پر پڑے سڑتے گلتے رہتے اور طرح طرح کے وحشی درندے جانور ان لاشوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہوتے تو پھر تمہارا کیا حال ہوتا؟۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی میں کئی اہم درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اس اہتمامِ ربوبیت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک ایسا یومِ فصل و جزاء آئے جس میں انسان اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پھل پائے۔ اچھے عمل کا اچھا اور برے عمل کا برا۔ تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور بدرجہ تمام و کمال پورے ہوں۔ اسی طرح اس میں ایک اور درسِ عظیم یہ ہے کہ دنیا کی یہ زندگی جو کہ ایک عارضی اور فانی زندگی اور عمل و سعی کی ایک مختصر و محدود فرصت ہے اصل میں آخرت کی کمائی ہی کے لیے ہے۔ ورنہ سراسر خسارہ اور نقصان ہے۔ اور ایسا خسارہ کہ اس کی پھر تلافی بھی ممکن نہیں ہوگی۔ والعیاذ باللہ بکل حال من الاحوال

۵۲ انسان کو بعث بعد الموت کی تذکیر و یاددہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اسی سے ہم تمہیں ایک مرتبہ پھر نکالیں گے''۔ یعنی قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے۔ تاکہ اس طرح ہر کسی کو اسکے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ مل سکے اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بدرجہ تمام و کمال پورے ہوسکیں۔ اور اس طرح اس حکمتوں بھری کائنات کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل ہوسکے۔ سو اس طرح تم ذرا اپنی زندگی سے متعلق ان مختلف مراحل کے بارے میں سوچو اور غور کرو کہ یہ سب کچھ آخر کس کی قدرتِ مطلقہ اور حکمتِ بالغہ کی کارستانی ہے؟ اور تم اسکے ہاتھوں کس قدر بے بس ہو؟ تمہاری زندگی کے ان مختلف مراحل میں سے کوئی بھی مرحلہ تمہارے بس اور اختیار میں نہیں۔ تو پھر کس قدر احمق اور غلط کار ہیں وہ لوگ جو اپنے اسی خالق و مالک کو بھول کر آزاد و خودمختار بلکہ باغیانہ اور سرکشانہ زندگی گزارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ آخر کار ایک دن ایسا بہرحال آئے گا جس میں اس کائنات کے رب کے عدل کا ظہور ہوگا۔ اور تم سب کو اس کے حضور دوبارہ زندہ ہو کر حاضر اور پیش ہونا ہوگا۔ سو جنہوں نے خداوندِ قدوس کی بخشی ہوئی نعمتوں کا حق ادا کیا ہوگا وہ اس کا بدلہ و صلہ پائیں گے اور جنہوں نے اس کے برعکس ان نعمتوں کی بنا پر کبر و غرور اور اعراض و روگردانی کا رویہ اپنایا ہوگا اور اس کی بخشی ہوئی ان نعمتوں کو انہوں نے اسکی زمین پر شر و فساد کا ذریعہ بنایا ہوگا ان کو اس کا بھگتان بھگتنا ہوگا۔ تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور بدرجہ تمام و کمال پورے ہوسکیں اور اس کائنات کی حکمتِ تخلیق متحقق ہوسکے۔ ورنہ یہ سارا کارخانۂ ہست و بود عبث و بیکار قرار پاتا ہے جو خالق کی حکمت کے خلاف ہے۔ اور حضرت خالق جل مجدہٗ کی شان اسطرح کے تصورات کے ہر شائبہ سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾

اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اسی لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں نکال باہر کرو ہمارے اپنے ملک سے؟ ۵۳

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ

اچھا تو ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ویسا ہی ایک زوردار جادو ضرور بالضرور لا کر رہیں گے، پس تم ٹھہرا دو اپنے اور ہمارے درمیان

مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

ایک ایسا وعدہ کسی مقام اور جگہ کا، جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں نہ تم کرو، کسی کھلے میدان میں، ۵۴

۵۳ **فرعون کی ایک شرانگیز سیاسی چال:** ۔ سو حضرتِ موسیٰ کی مؤثر و معقول دعوتِ حق کا اثر زائل کرنے کے لیے فرعون نے ایک اور شرانگیز چال کے طور پر حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ "کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کردو؟" ۔ سو یہ بات ایک طرف تو اس لعین کی انتہائی بوکھلاہٹ کی نشانی تھی۔ بھلا ایک جادوگر اپنے جادو کے زور سے ایک بادشاہ اور اس کی پوری قوم کو ان کے ملک سے کیسے نکال باہر کرسکتا ہے؟ اور دوسری طرف اس طرح دراصل وہ بدبخت اپنی قوم کو حضرتِ موسیٰ کے خلاف اکسانا اور بھڑکانا چاہتا تھا کہ یہ شخص اصل میں تم لوگوں کو اس ملک سے نکال دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ اپنے ملک سے باہر نکل جانا انسان پر بڑا شاق ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآنِ حکیم نے اس کو قتل کے برابر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اُقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ ۔ (النساء:۶۶)۔ تو اس طرح اس ملعون نے اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر اپنی قوم کے جذبات کو ابھارنے اور ان کو برانگیختہ کرنے کے لئے گویا ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی۔ اور یہی حال ہوتا ہے بازیگرانِ سیاست اور دلدادگانِ ریاست کی دسیسہ کاریوں کا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کہ وہ اپنی کرسی کی خاطر اور اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے ہر چال چلتے ہیں اگرچہ وہ نرا جھوٹ اور سراسر فراڈ ہی کیوں نہ ہو۔ بہرکیف فرعون نے اس طرح حضرتِ موسیٰ کے خلاف ایک شرانگیز سیاسی چال چلی تاکہ اپنی قوم کو انکے خلاف بھڑکائے۔ مگر اس کو اس میں منہ کی کھانی پڑی۔ والحمدللہ جل وعلا۔

۵۴ **فرعون کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کو مقابلے کا چیلنج:** ۔ سو فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔ ہم اس کے جواب میں ایک ایسا ہی زوردار جادو لا کر رہیں گے۔ سو تم اس کے لیے اپنے اور ہمارے درمیان ایک جگہ اور وقت مقرر کرلو جہاں ہمارا باہم مقابلہ ہو اور وہ ایسا کھلا مقام ہو جہاں سب لوگ اپنی کھلی آنکھوں اس مقابلہ کو اور اس کے نتائج کو دیکھ سکیں۔ تاکہ اس کے بعد ہماری جیت اور فتح کے ترانے گائے جائیں اور ہماری دھاک سب پر اور بھی زیادہ سختی اور پختگی کے ساتھ بیٹھ جائے۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ یہ سب کچھ الٹا اسی کے خلاف جانے والا ہے اور ایسا کہ دھاک بیٹھنے کی بجائے اسکی ہوا اکھڑ جائے گی۔ سو اللہ پاک کی مدد و عنایت اگر حاصل ہو تو خود دشمن کے ہاتھوں حق کے پھریرے لہرانے کا انتظام اسی طرح کرایا جاتا ہے۔ فَكُنِ اللّٰهُمَّ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا ۔ وَخُذْ بِنَوَاصِيْنَاۤ اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ ۔ بہرکیف فرعون نے حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ تم مقابلے کے لیے کوئی ایسی جگہ مقرر کرلو جو فریقین کے لیے یکساں ہو اور دونوں طرف کے لوگ ایک معین وقت میں وہاں جمع ہوں۔ نہ تم اسکی خلاف ورزی کرو نہ ہم کریں۔ اور وہاں پر معاملہ سب کے سامنے اور پوری طرح واضح ہو جائے۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ

موسیٰ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارے (مطلوبہ) وعدے کا وقت جشن کا دن ہے ۵۵ اور یہ کہ اکٹھا کر دیا جائے سب لوگوں کو

ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ﴿۶۰﴾

دن چڑھے ۵۶ پھر (کیا تھا کہ یہ سنتے ہی) فرعون پلٹ کر اپنے ہتھکنڈے جمع کرنے لگ گیا، اور آخر کار وہ مقابلے میں آگیا،

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

موسیٰ نے (ان جادوگروں سے) کہا کہ کم بختی کے مارو، مت جھوٹا افتراء باندھو تم اللہ پر،

۵۵ مقابلے کے لیے جشن کے دن کا تقرر: ۔سو حضرتِ موسیٰؑ نے فرعون کے اس مطالبے کے جواب میں فوراً اور بے دھڑک فرمایا کہ "وعدے کا وقت جشن کا دن ہے"۔ جس کو وہ لوگ جشنِ نوروز کے نام وعنوان سے سال کے شروع میں منایا کرتے تھے۔ (مراغی وغیرہ)۔ سو حضرتِ موسیٰؑ نے فرمایا کہ مقابلہ اسی دن رکھا جائے کہ اس روز لوگ خود بخود اور بڑی تعداد میں جمع ہونگے اور نتیجہ سب کے سامنے آجائے گا۔ اور حقیقتِ حال سب کے سامنے پوری طرح واضح اور آشکارا ہو جائے گی۔ سو حضرتِ موسیٰ کو اپنی کامیابی کا چونکہ پورا یقین تھا کہ آپ بہر حال حق پر تھے۔ اس لیے آپ نے فرعون کے اس مطالبے کے جواب میں بے دھڑک ارشاد فرمایا کہ مقابلے کا دن میلے کا دن ہوگا اور اس کے لیے وقت چاشت کا۔ کیونکہ میلے کا دن فرصت وفراغت کا دن ہوتا ہے۔ لوگ بآسانی اور بڑی تعداد میں جمع ہو سکیں گے۔ اور چاشت کا وقت ایسے اجتماع کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہوتا ہے۔ سو اس طرح حضرتِ موسیٰؑ نے بھی یہی چاہا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اکٹھے ہوں تاکہ فرعون کا طلسم سب لوگوں کے سامنے آشکارا ہو جائے۔ سو دونوں کے قول وقرار کے مطابق مقابلے کا دن طے ہو گیا۔

۵۶ مقابلے کے لیے چاشت کے وقت کا تقرر: ۔سو وقت کی تعیین سے متعلق حضرتِ موسیٰ نے فرمایا "اور یہ کہ سب کو اکٹھا کر دیا جائے دن چڑھے"۔ تاکہ معاملہ لوگوں کے سامنے دن کی روشنی میں واضح ہو جائے اور کسی طرح کا خفاء والتباس باقی نہ رہے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرتِ موسیٰؑ کو اپنے موقف پر کس قدر وثوق اور یقین تھا جس کی بناء پر آپ اتنے بڑے ہولناک کفر کو اس قدر صاف اور صریح طور پر چیلنج کر رہے ہیں اور تنِ تنہا اس پورے کفر کے مقابلے میں میدانِ معرکہ میں اترنے کا اعلان فرما رہے ہیں۔ سو یہی شان ہوتی ہے قوتِ ایمان ویقین کی کہ اس کی موجودگی میں نہ کوئی خوف واندیشہ ہے اور نہ کسی طرح کا شک وتردد۔ اللہ تعالیٰ ایسی قوت والا ایمان ویقین نصیب فرمائے۔ آمین۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰؑ نے فرعون سے مقابلے کے وقت کے متعلق فرمایا کہ لوگوں کو چاشت کے وقت جمع کیا جائے تاکہ دن کی روشنی میں حق کا غلبہ اور باطل کی شکست کا منظر سب کے سامنے پوری طرح واضح اور آشکارا ہو جائے۔ اور اس طور پر اور اس طرح کہ کسی کے لیے کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور سب لوگ حق کے غلبے اور باطل کی شکست کو خود دیکھ لیں۔ والحمد للہ جل وعلا۔

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

کہ اس کے نتیجے میں اللہ غارت کر دے تم سب کو کسی ہولناک عذاب سے ف۵۷ اور یقیناً ناکام (ونامراد) ہوا وہ جس نے جھوٹ گھڑا،

فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾

اس پر ان کے درمیان اختلاف پڑ گیا، اور وہ باہم چپکے چپکے مشورے کرنے لگے، ف۵۸

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ

آخر کار انہوں نے کہا کہ یہ دونوں شخص محض جادوگر ہیں، جو یہ چاہتے ہیں کہ نکال باہر کریں تم سب کو

مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ

تمہاری سرزمین سے اپنے جادو کے زور سے، اور خاتمہ کر دیں تمہارے عمدہ (اور مثالی)

الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ

طریقہ زندگی کا، ف۵۹ پس تم پکا کر لو اپنی تدبیر کو پھر اتر آؤ تم (میدان میں،) صف باندھ کر، ف۶۰ اور

۵۷ میدانِ مقابلہ میں حضرتِ موسیٰ کا ایک مؤثر تنبیہی خطاب: - سو حضرتِ موسیٰ نے میدانِ مقابلہ میں فرعون اس کے حواریوں اور جادوگروں سے کہا کہ اللہ پر جھوٹ مت گھڑو کہ اللہ پر جھوٹے افتراء کا نتیجہ ہولناک عذاب ہوتا ہے۔ پس تم لوگ ایسا مت کرو ورنہ مارے جاؤ گے اور اس طرح تم لوگ ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ سو اس طرح حضرتِ موسیٰ نے پہلے ان سے حقِ نصیحت ادا فرمایا اور اس کلمۂ حق وصدق سے ان کو دعوتِ غور و فکر دی۔ اور اس کا ان لوگوں کے دل و دماغ پر ایسا اثر پڑا کہ وہ حضرتِ موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے بارے میں آپس میں اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ نے کہا کہ نہ یہ چہرہ جادوگروں کا چہرہ ہو سکتا ہے اور نہ ایسا شخص جادوگر ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایسا وثوق واطمینان کسی جادوگر کو نصیب ہو سکتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ شخص کس وثوق واطمینان سے بات کر رہا ہے وغیرہ۔ جبکہ کچھ دوسرے جادوگروں وغیرہم نے کہا کہ نہیں یہ شخص جادوگر ہے اور ہم اس سے مقابلہ کریں گے۔ کیونکہ ہم مقابلے ہی کیلئے آئے ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے جب میدانِ مقابلہ کے اندر مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ان سے یہ زوردار تنبیہی خطاب فرمایا تو اس سے ان لوگوں کے اندر ایک کھلبلی مچ گئی اور یہی نتیجہ ہوتا ہے حق کی ضربِ کاری کا کہ اس سے اہل کفر و باطل کی دل ہل جاتے ہیں۔ والحمدللہ جل وعلا۔ بکل حال من الاحوال۔

۵۸ فرعونیوں کے خفیہ صلاح مشورے: - سو ارشاد فرمایا گیا "اور وہ لوگ باہم چپکے چپکے مشورے کرنے لگے"

[illegible]

١٩ [illegible]

[illegible]

٢٠ [illegible]

[illegible]

اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ

یقین رکھو کہ جیت اسی کی ہے جو آج غالب رہا ہو ۶۱ کہنے لگے اے موسیٰ یا

تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ

تم ڈالنے میں پہل کرو یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنیں، آپ نے فرمایا

بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ

(نہیں) بلکہ تم ہی پہلے ڈال لو ۶۲ (پھر کیا تھا) یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں، ان کے جادو کے زور سے

مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِىْ نَفْسِهٖ

موسیٰ کو دوڑتی ہوئی معلوم ہونے لگیں، ۶۳ اس سے موسیٰ نے اپنے دل

خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ

میں ایک طرح کا خوف محسوس کیا، ۶۴ ہم نے کہا ڈرو مت کہ غلبہ تو

الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِىْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ

یقینی طور پر تمہارا ہی ہوگا ۶۵ اور ڈال دو جو کچھ کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ اس سب کو نگل کر رکھ دے گا جو کچھ کہ یہ بنا کر لائے ہیں؛

۶۱ مقابلے کا دن فیصلے اور غلبے کا دن: ۔سو انہوں نے مقابلے کے اس دن کو فیصلے اور غلبے کا دن قرار دیتے ہوئے کہا کہ یقیناً غلبہ اسی کا ہے اور یقیناً جیت اسی کی ہے جو آج غالب رہا۔ کیونکہ یہ معرکہ بہت کانٹے کا معرکہ ہے۔ اور اتنے بڑے مجمع کے سامنے ہو رہا ہے۔ اور ملک بھر کے لوگوں کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں۔ اور پھر ہمیں اس جیت پر انعام بھی ملے گا اور بادشاہ کے یہاں قربِ خاص بھی نصیب ہوگا جیسا کہ اس نے ہم سے اس کا پختہ وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ سو آج کا دن بڑا اہم نازک اور غلبے اور فیصلے کا دن ہے۔ اگر آج کے اس معرکہ میں ہم ہار گئے تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے اور ان سب خطرات سے ہمیں دوچار ہونا پڑے گا جن کا موسیٰ اور ہارون کے غلبے کی صورت میں ہمیشہ خوف اور خدشہ ہے۔ جبکہ آج کے اس مقابلے میں غلبے کی صورت میں ہماری کامیابی کے ڈنکے ملک بھر میں بجیں گے۔ اور ہماری عظمت کو چار چاند لگیں گے۔ وغیرہ

۶۲ موسیٰ کا جادوگروں کو اطمینان بھرا جواب: ۔سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرتِ موسیٰ نے ان سے کہا کہ پہلے تم ہی ڈال لو جو کچھ کہ تم کو ڈالنا ہے تاکہ اس طرح تمہارا شوق بھی پورا ہو جائے اور حق بھی نکھر کر سامنے آ جائے۔ سو اس سے حضرتِ موسیٰ کی قوت ایمان و یقین، عزم و استقامت اور اطمینانِ قلب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جادوگروں کی اتنی بڑی فوج کو

حضرتِ موسیٰ پورے اطمینان سے جواب دیتے ہیں اور ان کے چیلنج کے مقابلے میں نہایت سکون و وقار اور پورے اطمینان سے کہتے ہیں کہ تم ہی ڈال دو جو کچھ کہ تم کو ڈالنا ہے اور تم اپنے ارمان نکال لو۔ اس کے بعد ہم اپنے معاملے میں دیکھ اور سوچ لیں گے۔

۶۳ جادو کا اثر محض خیال تک اور بس:۔ سو جادوگروں کی جادوگری کا اثر و نتیجہ محض خیال کی حد تک تھا۔ یعنی واقع میں وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ نہیں بن گئی تھیں بلکہ ان لوگوں کے جادو کے زور اور نظر بندی سے ایسے نظر آرہا تھا کہ وہ سانپ ہیں جو دوڑ رہے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ جادو سے کسی شی کی حقیقت نہیں بدلتی۔ بلکہ یہ ایک طرح کی نظر بندی ہی ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ ﴿یُخَیَّلُ اِلَیْهِ﴾۔ یعنی "اس سے موسیٰ کو یوں خیال ہونے لگا" اور ایسا نظر آنے لگا کہ گویا یہ سب سانپ ہیں جو دوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ سانپ نہیں تھے بلکہ رسیاں اور لاٹھیاں ہی تھیں جو ان کے جادو کے زور سے اس طرح نظر آرہی تھیں کہ گویا یہ سانپ ہیں۔ جن سے وہ میدان بھر گیا تھا اور وہ چاروں طرف دوڑ رہے تھے۔

۶۴ حضرت موسیٰ کے ایک طبعی خوف کا ذکر:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ جادو کے زور سے حضرت موسیٰ کے دل میں ایک طبعی خوف کا پیدا ہوگیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس سے موسیٰ نے اپنے دل میں ایک خوف سا محسوس کیا"۔ جو کہ ایک طبعی چیز اور فطری تقاضا ہے کہ انسان نقصان دینے والی اور موذی چیز سے خوف محسوس کرتا ہے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ ورنہ حضرتِ موسیٰ اس موقعہ پر نہ اس طرح ڈرتے، نہ خوف کھاتے۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ نے جب یہ منظر دیکھا کہ جادوگروں کے جادو کے زور سے پورا میدان سانپوں سے بھر گیا ہے اور آپ کی لاٹھی کا کمال ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تھا ہر چند کہ آنجناب کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین تھا کہ فتح اور غلبہ بہر حال آپ ہی کے لیے مقدر ہے۔ لیکن یہ اب طبعی امر ہے کہ جب صورتِ حال توقع سے زیادہ ہولناک شکل میں سامنے آجائے تو وقتی طور پر کچھ نہ کچھ خوف پیدا ہو ہی جاتا ہے اور لفظِ ﴿خیفة﴾ کی تنوین سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ خوف بالکل معمولی اور محض وقتی نوعیت کا تھا۔

۶۵ حضرتِ موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "ہم نے موسیٰ سے کہا کہ ڈرو نہیں کہ غلبہ یقیناً تمہارا ہی ہوگا" کہ غلبہ تو حق ہی کا ہوتا ہے۔ اور حق پر یقینی اور قطعی طور پر آپ ہی ہیں۔ اور جس حق پر آپ ہیں اسکے سامنے ان لوگوں کے جادو اور اس شعبدہ بازی کا کچھ بھی زور نہیں چل سکتا۔ سو اس سے ایک بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ غلبہ حق ہی کا ہوتا ہے اور انجامِ کار کامیابی اہلِ حق اور اہلِ ایمان ہی کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿والعاقبة للمتقین﴾۔ نیز فرمایا گیا۔ ﴿والعاقبة للتقوی﴾۔ اور دوسری بات یہ کہ اللہ والوں کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی تائید و عنایت ہوتی ہے جو ہر موقعہ پر ان کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ پس جس کا تعلق اپنے اس خالق و مالک کے ساتھ جس قدر قوی ہوگا وہ اسی قدر اسکی تائید و تقویت سے سرفراز و سرشار ہوگا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔ بہر کیف اس ارشاد کے ذریعے حضرتِ موسیٰ کے خوف و ہراس کو دور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ذرا خوف و اندیشہ نہ کریں کہ یہ لوگ کتنا ہی بڑا جادو کیوں نہ لے کر آئیں غلبہ اور سربلندی بہر حال آپ ہی کے لیے ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی تائید و عنایت بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین

إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَٰحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾

یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں وہ تو ایک جادوگر کا فریب ہے، اور جادوگر (معجزے کے مقابلے میں کبھی) کامیاب نہیں ہوسکتا، جہاں بھی وہ آئے

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَٰرُونَ

پس (موسیٰ کا یہ معجزہ دیکھنا تھا کہ) سب جادوگر بے ساختہ سجدے میں گر پڑے، اور پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے موسیٰ اور ہارون کے

وَمُوسَىٰ ﴿٧٠﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ

رب پر، ۶۶ اس پر فرعون نے ان سے کہا کہ تم موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو، قبل اس سے کہ میں تم کو اس کی اجازت دیتا؟ واقعی

لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ

وہی تمہارا سردار ہے جس نے تم کو جادوگری سکھائی، ۶۷ میں ابھی کٹوا دیتا ہوں تم سب کے ہاتھ

۶۶ جادوگروں کا برملا اعلانِ ایمان: ۔ سو وہ لوگ موسیٰ کا معجزہ دیکھتے ہی بے ساختہ پکار اٹھے کہ ہم ایمان لائے موسیٰ اور ہارون کے رب پر کہ یہ جادو نہیں ہوسکتا بلکہ خدائی قوت کا مظہر ہے۔ پس حق وہی ہے جسکی دعوت موسیٰ اور ہارون دے رہے ہیں۔ پس ہمیں یقین آگیا ہے کہ موسیٰ اور ہارون ہی سچے ہیں اور رب حقیقی وہی ہے جس کو موسیٰ اور ہارون مانتے ہیں۔ اس لیے ہم صدقِ دل سے اس پر ایمان لے آئے اور اپنے سابقہ کفر اور کفریات سے تائب ہوگئے۔ سو انسان کے اندر اگر اعترافِ حق کی کوئی رمق موجود ہو تو ساحر کے شعبدے اور نبی کی معجزے کے درمیان فرق کرنا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی خاص رحمت وعنایت کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۶۷ فرعون کی بوکھلاہٹ کا ذکر وبیان: ۔ سو اس سے فرعون کی بوکھلاہٹ اور جھنجھلاہٹ کا ایک مظہر اور نمونہ سامنے آتا ہے۔ سو اس نے بوکھلاہٹ کے عالم میں جھنجھلا کر ان سچے اور مخلص ایمانداروں سے کہا کہ یہ تمہاری باہمی سازش اور ملی بھگت ہے۔ سو فرعون کی اس بات سے جہاں ایک طرف اس کی بوکھلاہٹ کا پتہ چلتا ہے وہیں اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جو آدمی حق کے مقابلے میں ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے وہ کس قدر بے شرم ڈھیٹ اور کتنا ہٹ دھرم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ان جادوگروں کو خود اپنے طور پر اور اپنے حکومتی وسائل کے بل بوتے پر ملک بھر سے اکٹھا کر کے لایا اور اب اس رسوا کن شکست کے بعد یکدم پینترا بدل کر ان سے کہتا ہے کہ یہ سب تم لوگوں کی باہمی سازش ہے جو تم نے مل کر اس شہر میں تیار کی تھی۔ ﴿ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ ﴾۔ (الآیۃ) اور ہمیشہ یہی حال رہا ہے سیاست کے بازیگروں اور ان کی سیہ کاریوں کا۔ کل بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اپنی سیاست کے لیے اور اپنی کرسی کی خاطر ایسے لوگ کوئی بھی حربہ اپنانے سے نہیں چوکتے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل مکرٍ وسوءٍ۔

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ

پاؤں مخالف سمتوں سے، اور سولی پر لٹکائے دیتا ہوں تم سب کو کھجور کے تنوں میں

النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝٧١ قَالُوْا

(تا کہ تم دوسروں کے لئے نمونہ عبرت بن جاؤ) اور تمہیں پتہ چل جائے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے ف۶۸ انہوں نے کہا

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ

قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا، ہم تجھے ان نشانیوں کے مقابلے میں کبھی ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے پاس آ چکی ہیں،

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ

پس تو کر لے جو بھی کچھ کہ تجھے کرنا ہے، تو تو صرف اس دنیا کی زندگی ہی میں حکم

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝٧٢ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا

چلا سکتا ہے اور بس، ف۶۹ ہم تو بہر حال ایمان لا چکے اپنے رب پر تا کہ وہ ہمارے (گزشتہ) گناہ بھی معاف فرما دے،

وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ

اور اس جادوگری کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، اور اللہ ہی ہے سب سے اچھا

اَبْقٰى ۝٧٣ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ

اور سدا باقی رہنے والا ف۷۰ (اور اس کا قانون یہ ہے کہ) جو بھی کوئی مجرم بن کر اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا اس کے لئے

۶۸ فرعون کی سخت دھمکی کا ذکر و بیان: ۔سو اس سے فرعون کی طرف سے ایمان والوں کو سخت سزا کی دھمکی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو اس طرح فرعون کی طرف سے ان بندگانِ صدق و صفا کو سخت عذاب کی یہ ہولناک دھمکی دی گئی کہ میں ابھی تم لوگوں کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کٹوائے دیتا ہوں اور تم سب کو کھجوروں کے لمبے لمبے تنوں پر پھانسی دونگا تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ کس کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ میرا یا موسیٰ کے رب کا۔ سو یہی حال ہوتا ہے ہٹ دھرم شخص کا کہ دلیل کے میدان میں لاجواب ہو جانے کے بعد وہ دھمکیوں پر اتر آتا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ بہر کیف جادوگروں کے اعلانِ حق کے بعد فرعون نے غصے میں آگ بگولہ ہو کر ان سے کہا کہ کیا تم لوگوں نے میری اجازت کے بغیر موسیٰ کو سچا

مان لیا؟ یہ تم سب کی ملی بھگت تھی اور یہ موسیٰ ہی تمہارا بڑا اور تمہارا استاذ ہے۔ اسی نے تم کو یہ سب کچھ سکھایا پڑھایا اور ان کے لیے اس ملعون نے اس سب سے بڑی اور ہولناک سزا کا اعلان کیا جو اس زمانے میں حکومت کے خلاف سازش کرنے والوں کو دی جاتی تھی۔ سو اس نے ان سے کہا کہ میں تم سب کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا کر تم کو کھجوروں کے درختوں پر یعنی برسرِ عام سولی پر لٹکا دوں گا تا کہ تم دوسروں کے لیے سامانِ عبرت ہو۔

۶۹ **اہلِ ایمان کا فرعون کو قوتِ ایمانی سے لبریز جواب:** - کہ تو کر لے جو کچھ تجھے کرنا ہے۔ تو تو اس دنیاوی زندگی ہی میں اپنا حکم چلا سکتا ہے اور بس۔ اسکے آگے تیرا کوئی زور نہیں۔ اور دنیا کی یہ زندگی تو بہرحال فانی ہے۔ اور یہ اگر راہِ حق میں لگ جائے اور دائمی سعادت و کامیابی کا ذریعہ بن جائے تو اس سے بڑھ کر سعادت اور خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے؟ - سبحان اللہ - کیا دولت ہے یہ ایمان و یقین کی دولت اور کیسی قوت ہے یہ ایمان و یقین کی قوت؟ اور کس قدر عظیم انقلاب برپا کر دیتی ہے یہ انسان کے اندر جبکہ اتر جاتی ہے یہ اس کے دل و دماغ میں۔ یہاں پر اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو کہ کہاں وہ لوگ جو ابھی کچھ ہی لمحے قبل موسیٰ کے مقابلے میں جیتنے کی صورت میں فرعون سے اپنے لیے خاص اجر اور مزدوری کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور صاف طور پر کہہ رہے تھے - ﴿اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِيْنَ﴾ - (الاعراف: ۱۱۳)۔ مگر ایمان کی لذت و حلاوت سے سرشار اور شادکام ہو جانے کے بعد کہاں اب وہی لوگ حق و ہدایت کے مقابلے میں اپنی جانِ عزیز کی بازی لگانے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ الْكُبْرٰی نِعْمَةِ الْاِیْمَانِ - فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ اِيْمَانًا وَيَقِيْنًا بِكَ وَبِوَعْدِكَ وَحُبًّا فِيْكَ وَخُضُوْعًا لِاَمْرِكَ فِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيٰوةِ وَبِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکرو فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین یامن بیدہ ملکوت کل شیء

۷۰ **سدا بقاء اللہ ہی کے لیے ہے:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان بندگانِ صدق و صفا نے فرعون کی دھمکی کے جواب میں مزید کہا کہ اور اللہ ہی ہے سب سے اچھا اور سدا باقی رہنے والا۔ فرعون نے ان سے کہا تھا کہ تمہیں ابھی معلوم ہوا چاہتا ہے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے - ﴿اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾ - سو اس کے جواب میں انہوں نے فرعون سے یہ بات کہی کہ اللہ ہی سب سے بہتر اور سدا باقی رہنے والا ہے۔ پس اسی کا اجر و ثواب سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے نہ کہ تو اور تیری طرف سے ملنے والا بدلہ۔ جیسا کہ تو گھمنڈ رکھتا ہے اے فرعون۔ اس لیے ہم اللہ کے نام پر اور اسکی رضا کیلئے ہر قربانی دینے کو اور ہر دکھ سہنے کو تیار ہیں۔ یہاں تک کہ تو اگر ہمیں پھانسی بھی دے دے اور کھجوروں کے تنوں پر لٹکا دے جس طرح کہ تو نے ہمیں دھمکی دی ہے تو ہم اس کیلئے بھی تیار ہیں۔ آگے بعض حضراتِ اہلِ علم نے کہا کہ اس ملعون نے ان اہلِ ایمان کو یہ دھمکی تو دی مگر اس پر وہ عمل نہیں کر سکا۔ لیکن حضرتِ ابن عباسؓ اور بعض دوسرے اسلافِ کرام سے مروی ہے کہ اس ملعون نے ان حضرات کو یہ سزا دے ڈالی۔ اور اس طرح یہ حضرات جو صبح جادوگر تھے شام کو شہدا بن گئے۔ (ابن کثیر، الکبیر، المعارف اور المراغی وغیرہ) - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - اور نفس و شیطان کے ہر مکرو فریب سے بچا کر رکھے آمین ثم آمین۔ یا ربَّ العالمین

جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ

جہنم ہے، جس میں نہ وہ مرے گا، اور نہ جیئے گا، اور جو کوئی اس کے حضور

مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ

ایمان کی حالت میں آئے گا ۷۱ جب کہ اس نے کام بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسوں کے لئے بڑے بلند درجے

الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ہوں گے، یعنی ہمیشہ رہنے کی وہ جنتیں جن کے نیچے سے بہ رہی ہوں گی طرح طرح کی نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع ۳ ۲۲ ۱۲

جن میں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا، اور یہ جزاء ہے اس شخص کی جس نے پاکیزگی اختیار کی، ۷۲

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ

اور (جب فرعون اس سب کے باوجود راہ حق پر نہ آیا تو) ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ تم راتوں رات چل نکلو میرے بندوں کو لے کر، ۷۳

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ

پھر (آگے چل کر اپنے عصا کے ذریعے) سمندر میں ان کے لئے خشک راستہ بنا دینا، نہ پکڑے جانے کا

دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ

کوئی اندیشہ رکھنا اور نہ (غرق وغیرہ کا) کوئی ڈر، ۷۴ ادھر فرعون بھی ان کے پیچھے پیچھے آپہنچا اپنے لشکر لے کر،

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ

پھر (کیا تھا سمندر میں گھستے ہی) ان پر چھا گیا سمندر سے وہ کچھ جس نے کہ ان پر چھانا تھا ۷۵ اور فرعون نے اپنی قوم کو بری راہ پر ہی

۷۱ کامیابی کی اساس و بنیاد ایمان اور عمل صالح: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو اپنے رب کے حضور ایمان کی حالت میں حاضر ہوگا جبکہ اس نے کام بھی نیک کیے ہوں وہی ہی کامیاب ہے"۔ پس ایمان کی شرط بنیادی شرط ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اور ایمان کا بھی محض زبانی کلامی دعوی کافی نہیں بلکہ اسکے ثبوت کیلئے عمل صالح کا سرمایہ بھی ضروری ہے۔ اور یہی ثبوت ہے اسکے دعوائے ایمان کی صداقت کا۔ کیونکہ نور ایمان کا مرکز اور محل تو انسان کا قلب ہی ہے جو نظر آنے کی چیز نہیں۔ اس کا ظاہری ثبوت عمل صالح ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ایمان وہی ہے جس کے

ساتھ عملِ صالح بھی پایا جاتا ہو۔ اور جو ایمان عملِ صالح سے خالی ہوگا اسکی خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی پوچھ نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں اکثر و بیشتر ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرضی۔

۴۲ جنت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ تزکیہ و پاکیزگی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ جزا ہے ہر اس شخص کی جس نے پاکیزگی اختیار کی"۔ برے عقائد، گندے اعمال اور غلط اخلاق و کردار سے۔ اللہ ایسا ہی تقویٰ و طہارت نصیب فرمائے اور اس پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔ سو ایمان و تقویٰ یا بالفاظِ دیگر تزکیہ نفوس انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مندی اور سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے کہ اس سے انسان کو اس دنیا میں حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی کی دولت نصیب ہوتی ہے اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں جنت کی نعیم مقیم اور اسکی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس سے ظاہر فرما دیا گیا کہ جنت محض جھوٹی آرزوؤں سے ملنے والی چیز نہیں بلکہ اس سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ تزکیہ ہے۔ اور یہی چیز انسان کو اس سے سرفرازی کا اہل بناتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۴۳ حضرتِ موسیٰ کو مصر سے کوچ کا حکم وارشاد: ۔ سو اس سے حضرت موسیٰ کو راتوں رات مصر سے چل نکلنے کے حکم وارشاد کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ راتوں رات چل نکلو میرے بندوں کو لے کر یعنی ارضِ مصر سے"۔ تا کہ ان کو غلامی کی ان زنجیروں سے آزادی مل سکے جن میں یہ جکڑے ہوئے ہیں۔ اور اس گندے ماحول سے یہ الگ ہو جائیں جس میں رہ کر انہوں نے اپنا دین و ایمان سب کچھ بگاڑ دیا ہے۔ اور یہ شرک کی طرح طرح کی نجاستوں اور غلاظتوں سے آلودہ ہو گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو حضرتِ موسیٰ کو حکم ہوا کہ میرے ان مظلوم بندوں کو راتوں رات لیکر یہاں سے نکل جاؤ تا کہ یہ آزادی کی نعمت سے سرفراز ہو سکیں اور اس گندے ماحول اور صدیوں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ اور انکی غلامی کے مظلومانہ دور کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے۔ اور وہ آزادی کی نعمت سے سرفراز ہو سکیں۔

۴۴ موسیٰ کے لیے سکون واطمینان کا پیغام: ۔ سو حضرتِ موسیٰ کو امن و امان کا پیغام دیتے ہوئے اور ان کو اطمینان سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "نہ تو آپ کوئی اندیشہ رکھنا پکڑے جانے کا اور نہ غرق ہونے کا"۔ کہ ہماری تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ پھر ڈر کا ہے کا اور خوف و ہراس کس کا؟ سو اصل حمایت و حفاظت اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ہے۔ وہ اگر حاصل ہے تو پھر کسی کی کیا پرواہ؟ سو راتوں رات مصر کے اس ظلمت کدے سے بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر نکل جاؤ اور اپنے بارے میں نہ آگے سمندر میں ڈوبنے اور غرق ہونے کا کوئی خوف رکھنا اور نہ فرعون کی طرف سے پکڑے جانے کا۔ سو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اسی طرح اپنی خاص عنایات سے نوازتا ہے۔ کہ اس کی تو شان ہی نوازنا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۴۵ فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کا ذکر: ۔ سو اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کے بعد حضرتِ موسیٰ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل گئے اور ان کے تعاقب میں ان کے بعد فرعون بھی اپنے لاؤ لشکر سمیت نکل پڑا۔ یہاں تک کہ یہ بھی سمندر کے اسی مقام پر پہنچ گیا جہاں سے حضرتِ موسیٰ معجزانہ طور پر بنی اسرائیل سمیت پار ہو گئے۔ تو سمندر کے پھٹنے سے ان کے لیے بننے والے خشک راستوں میں یہ ملعون گھس گیا تو سمندر کی غضبناک اور خوفناک موجیں ان پر ٹوٹ پڑیں اور ان پر چھا گیا سمندر سے جو کچھ کہ چھانا تھا۔ اور ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا سمندر کی طوفانی موجوں نے۔ اور اسے غرق کر دیا مع اس کے لاؤ لشکر کے۔ اور وہ پہنچ کر رہے اپنے ہولناک انجام کو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ

لگایا صحیح راہ اس نے ان کو نہ دکھائی ف۷۶ اے یعقوبؑ کی اولاد (ذرا ہماری ان نعمتوں کو تو یاد کرو کہ کس طرح) ہم نے تم کو نجات دی ف۷۷

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ

تمہارے دشمن (اور اس کے مظالم) سے، اور تمہارے لئے ایک وقت مقرر کیا حاضری کا طور کی دائیں جانب، ف۷۸

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ

اور ہم نے تم پر من وسلوٰی اتارا (تمہاری خوراک کے لئے) (اور تمہیں اجازت دی کہ) کھاؤ (پیو) تم

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ

ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو بخشی ہیں، پر اس میں حد سے نہیں بڑھنا، کہ ف۷۹ پھر تم پر

عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ

ٹوٹ پڑے میرا غضب، اور جس پر ٹوٹ پڑا میرا غضب تو یقیناً

هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

وہ گر گیا (ہلاکت وتباہی کے ہولناک گڑھے میں) اور یہ بھی یقین رکھو کہ میں بڑا ہی بخشنے والا ہوں ہر اس شخص کو جو توبہ کر لے ف۸۰ اور وہ

۷۶ **بُری قیادت کا بُرا نتیجہ۔ والعیاذ باللہ:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "فرعون نے اپنی قوم کو بری راہ پر ڈالا تھا"۔ اور ان کو راہِ راست نہ اختیار کرنے دی جس کے نتیجے میں ان کو اس ہولناک اور عبرت انگیز عذاب اور دائمی خسارے سے دوچار ہونا پڑا ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو راہِ حق وہدایت سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور بری قیادت کا نتیجہ وانجام بڑا برا اور نہایت ہی ہولناک اور تباہ کن ہوتا ہے۔ ایسے بدبختوں کو ڈھیل خواہ کتنی ہی ملے لیکن آخرِ کار انہوں نے اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہنا ہوتا ہے کہ راہِ حق وہدایت سے محرومی کا نتیجہ بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرعون اور اُس کے لاؤلشکر کا ہوا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین، ویا ارحم الراحمین۔

۷۷ **بنی اسرائیل کے لیے تنبیہ وتذکیر:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے تم کو نجات دی تمہارے دشمن سے اے بنی اسرائیل"۔ یعنی فرعون اور اسکے طرح طرح کے ہولناک مظالم سے۔ پس نجات دینے والے اور حاجت روا ومشکل کشا سب کے ہم ہی ہیں نہ کہ اور کوئی ہستی۔ جیسا کہ گمراہ لوگوں کا کہنا ماننا ہے۔ سو تم ہمارے اس عظیم الشان اِنعام واِحسان کو یاد کرو اور اسکے نتیجے میں شکر کے طور پر ہمارے آگے جھک جاؤ تا کہ اس طرح تم حقِّ شکر بھی ادا کرو اور دارین کی سعادت وسرخروئی سے

بھی سرفراز ہوسکو کہ شکرِ نعمت سے نعمت کی قدر دانی ہوتی ہے اور اس سے نعمت میں برکت و بڑھوتری نصیب ہوتی ہے اور وہ محفوظ رہتی ہے۔ سو شکرِ نعمت سے خود شکر کرنے والوں ہی کا بھلا ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس ارشاد سے بنی اسرائیل کو ان عظیم الشان نعمتوں کی تذکیر و یاددہانی کرائی جا رہی ہے جن سے ان کو قدرت کی طرف سے نوازا گیا اور اسی کے ذیل اور ضمن میں ان کو اس عظیم الشان ذمہ داری کے بارے میں تنبیہ بھی فرمائی گئی ہے جو اس کے نتیجے میں ان پر عائد ہوتی ہے۔

۷۸ تورات کی نعمت سے سرفرازی کی تذکیر و یاددہانی: -- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم نے تمہارے لیے کوہِ طور کی دائیں جانب حاضری کا ایک وقت مقرر کیا تھا''۔ تمہیں تورات دینے کے لئے۔ جو کہ ایک عظیم دینی اور معنوی نعمت تھی جس سے تم کو نوازا گیا۔ تاکہ تم راہِ حق و ہدایت سے سرفراز ہوسکو اور زندگی اپنے رب کی ہدایات کے مطابق گزار سکو۔ اور اس طرح تم دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند اور سرفراز ہوسکو۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ظاہری و باطنی اور حسی و معنوی دونوں قسم کی نعمتوں سے نوازا تھا جس کی نتیجے میں ان کو اس کے حضور سراپا شکر و سپاس بن جانا چاہیے تھا۔ تاکہ حق نعمت بھی ادا ہوتا۔ اور خود ان کا بھلا ہوتا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ وعلیٰ ما یُحِبُّ و یرید

۷۹ بنی اسرائیل کو سرکشی سے کام لینے سے ممانعت: -- سو بنی اسرائیل سے فرمایا گیا کہ ''ہم نے تم کو من و سلویٰ جیسی نعمتوں سے نوازا اور تم کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ تم ان میں سے کھاؤ پیو مگر سرکشی نہیں کرنا۔ اور کھانے پینے میں حد سے نہیں بڑھنا''۔ ہماری ناشکری و نافرمانی کر کے یا ان کی بناء پر سرکشی کر کے یا ان کو ہماری معصیت و نافرمانی میں صرف کر کے یا ان میں اِسراف و تبذیر سے کام لے کر وغیرہ وغیرہ۔ سو حد سے تجاوز کرنے کی ان مختلف صورتوں میں سے تم کسی بھی صورت کا ارتکاب نہیں کرنا کہ حدود سے تجاوز کرنے اور سرکشی کرنے کا انجام بہت برا اور نہایت ہولناک ہوتا ہے۔ اور جو ایسا کرتے ہیں ان پر میرا غضب ٹوٹ پڑتا ہے۔ اور جس پر میرا غضب ٹوٹا وہ مارا گیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد سے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کے بارے میں ان کے حقِ نعمت سے آگاہی بخشی گئی تھی اور ان کو سرکشی سے منع فرمایا گیا تھا۔ تاکہ یہ حدودِ بندگی کے اندر رہیں۔ اور اسکے نتیجے میں یہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوسکیں۔ اور اس طرح خود ان کا بھلا ہو۔

۸۰ راہِ نجات کی تعیین و نشاندہی اور اسکے تقاضوں کا ذکر: -- سو ارشاد فرمایا گیا اور تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ''میں یقیناً بڑا ہی بخشنے والا ہوں ہر اس شخص کو جو صدقِ دل سے توبہ کرے''۔ ان ذنوب و معاصی اور برائیوں سے جن کا ارتکاب وہ اس سے پہلے کر چکا ہو۔ اور اس طرح وہ توبہ و رجوع کے ذریعے اپنے خالق و مالک کی رحمت و عنایت کی طرف لوٹ آئے۔ پس توبہ سچی اور صحیح معنوں میں توبہ ہونی چاہیئے جس میں اپنے کیے پر ندامت بھی ہو، معاصی و ذنوب کا ترک بھی اور آئندہ کیلئے صحیح راہروی کا سچا عزم اور پکا ارادہ بھی ہو۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس ارشاد سے راہِ نجات و سلامتی کی تعیین و نشاندہی بھی فرمادی گئی کہ وہ سچی توبہ اور رجوع الی اللہ کی راہ ہے اور اس سے بہرہ مندی اور سرفرازی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے غلط رویے کو ترک کر دے اور اپنے اندر اصلاح کا سچا جذبہ پیدا کرے اور غلط روی و غلط کاری سے رجوع کر کے اِصلاح کا راستہ اپنائے اور اپنے ایمان اور عملِ صالح کی تجدید کرے اور آئندہ کے لیے مزید ہدایت اور راہِ حق پر ثبات و استقامت کا طالب بنے اور دل و جان سے ہمیشہ اسی کی طرف رجوع رہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید - سبحانہٗ و تعالیٰ - اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین

صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ

ایمان لے آئے، اور نیک کام کرے، پھر وہ (اسی راہ) ہدایت پر قائم رہے، ۸۱ اور (حق تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوا کہ) کیا چیز

يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ

تمہیں اپنی قوم سے پہلے لے آئی اے موسیٰ؟ تو عرض کیا وہ تو یہ میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں ۸۲ اور میں نے آپ کے حضور پہنچنے میں اے

اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ

میرے پروردگار، جلدی اس لئے کی کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں، ارشاد ہوا کہ ہم نے تو تمہاری قوم کو تمہارے بعد سخت آزمائش میں

مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ

ڈال دیا ۸۳ اور ان کو گمراہ کر دیا سامری نے، اس پر موسیٰ

مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ

غصے میں بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے ۸۴ اور چھوٹتے ہی ان سے کہا اے میری قوم،

۸۱ استقامت ذریعۂ نجات وسلامتی: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر وہ راہِ حق پر قائم رہے''۔ یہاں تک کہ اس کی موت آ جائے اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ اور یہی مقامِ استقامت ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایات کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۰) اور صراطِ مستقیم سے مراد وہی راستہ ہے جس پر اللہ کے رسول اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام چلے۔ اور یہی لوگ ''اہل السنۃ و الجماعۃ'' کہلاتے ہیں جو حضور کی سنت کو بھی مانتے ہیں اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو بھی۔ (الکبیر، المعارف وغیرہ)۔ سو راہِ حق و ہدایت کو اپنانا و اختیار کرنا اور اس پر مستقیم و ثابت قدم رہنا ہی ذریعۂ نجات اور وسیلۂ سلامتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید ۔وھو الھادی الی سواء السبیل جل وعلا شانہ۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق اور حضراتِ صحابۂ کرام کے قول و فعل اور عمل و کردار کی روشنی میں جو راہِ حق و ہدایت متعین ہوتی ہے وہی اور صرف وہی راہ سلامتی اور نجات کی راہ ہے اسکے سوا ہر راستہ گمراہی اور ہلاکت کا راستہ ہے العیاذ باللہ۔

۸۲ حضرتِ موسیٰؑ کی عجلت سے متعلق سوال کا جواب: ۔سو اس سے حضرت موسیٰ کی اپنے رب کے حضور عجلت کے بارے میں سوال کا جواب ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں حضرتِ موسیٰ نے اپنی عجلت کے بارے میں عرض کیا کہ وہ تو میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔ یعنی وہ ستر نقباء۔ سردارانِ یہود۔ جن کو حضرتِ موسیٰ اپنے ہمراہ

کوہِ طور پر لے گئے تھے۔ اور آپ لقائے خداوندی کے شوق میں اور رضائے الٰہی کے شرف سے مشرف ہونے کے جذبے اور جوش میں جلدی کر کے تھوڑا آگے اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔ اسی لئے جب رب کی طرف سے ان سے اس بارے پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں عرض کیا کہ مالک وہ تو میرے پیچھے پیچھے ہی آرہے ہیں۔ کچھ زیادہ فاصلہ نہیں۔ اور میں اے میرے مالک آپ کی رضا کے شرف سے مشرف ہونے کے لئے تھوڑا سا آگے چلا آیا۔ سو یہ ایک احتمال ہے کہ ﴿ هُمْ اُولَآءِ ﴾ سے آپ کی قوم کے وہ ستر نقباء - سردار - مراد ہیں۔ اور اگر قوم سے یہاں پر مراد آپ کی وہ قوم لی جائے جس کو آپ پیچھے چھوڑ آئے تھے اور حضرتِ ہارون کو ان کی نگرانی کے لئے مقرر کر آئے تھے تو اس صورت میں آپ کے اس قول کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مجھ سے کچھ زیادہ دور نہیں بلکہ میرے قریب ہی ہیں۔ حضراتِ مفسرینِ کرام سے یہ دونوں ہی قول و احتمال مروی و منقول ہیں۔ کسی نے ایک کو اختیار کیا اور کسی نے دوسرے کو۔ (روح، قرطبی، مراغی، جامع، فتح، محاسن اور معارف وغیرہ)۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ اپنے رب سے ملاقات اور فرطِ شوق کی بنا پر وعدہ کے مقام پر جلد پہنچ گئے جو کہ آنجناب کی محبتِ الٰہی کا طبعی تقاضا تھا۔ لیکن ان کی یہی عجلت پیچھے ان کی قوم کے لیے سخت ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ بن گئی۔ قوم کے اشرار نے آپ کی اس عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم کو گوسالہ پرستی کے ہولناک اور تباہ کن فتنے میں مبتلا کر دیا اور حضرتِ ہارون اپنی پوری کوشش کے باوجود اس پر قابو نہ پا سکے۔ جس پر آخر کار انہوں نے حضرت موسیٰ کی واپسی تک صبر و انتظار کی راہ کو اپنایا۔

۸۳ بنی اسرائیل کے ابتلاء اور گوسالہ پرستی کے شرک کا ذکر و بیان: سو حضرتِ موسیٰ کے جانے کے بعد آپ کی قوم سخت فتنہ میں مبتلا ہوگئی۔ اس بچھڑے کی بناء پر جو کہ سامری نے ان کے لئے ان کے زیورات سے بنایا تھا کہ وہ ان کی گمراہی کا سبب بن گیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور انہوں نے سامری کی باتوں میں آکر اسکو اپنا معبود مان لیا اور اسکے آگے جھک گئے - والعیاذ باللہ - اور ﴿ فَتَنَّا قَوْمَكَ ﴾ کے کلماتِ کریمہ سے اس سنتِ الٰہی کو واضح فرمایا گیا ہے جو اسکے بندوں کی پرکھ و آزمائش کے لیے ہمیشہ جاری رہتی ہے تا کہ کھرے اور کھوٹے کے درمیان تمیز ہو سکے۔ اور یہاں پر اس کے ذکر سے اس امر کو واضح فرمایا گیا ہے کہ قومِ موسیٰ کو آزمائش میں ڈالا گیا مگر وہ سب کی سب اس میں فیل ہوگئی۔ اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا۔ اور یہ سب اس کے پیچھے لگ کر ہلاکت کی راہ پر چل پڑے - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - نفس و شیطان کے ہر شر سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۸۴ حضرتِ موسیٰؑ کا غضبناک حالت میں واپس لوٹنا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "موسیٰ غصے سے بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے"۔ اس ناہنجار قوم کی اس سنگین گمراہی کی بناء پر۔ یعنی آنجناب چالیس راتیں کوہِ طور پر پوری کرنے کے بعد اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے تو قوم کے بارے میں یہ سن کر غصے سے بھر گئے اور حزین و غمناک ہو کر واپس لوٹے کہ جس قوم کو اتنا عرصہ توحید کا درس دیا تھا وہ اس قدر سنگین اور ہولناک شرک میں مبتلا ہوگئی - والعیاذ باللہ - اور حضرتِ موسیٰ کا یہ غم اور اس قدر حزن و ملال ایک طبعی امر تھا - علیہ الصلوٰۃ والسلام - اللہ ہمیشہ راہِ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین

اَلَمۡ یَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ

کیا تمہارے رب نے تم سے وعدہ نہیں کیا تھا ایک اچھا وعدہ؟ ف۸۵ پھر کیا تم پر

عَلَیۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ یَّحِلَّ عَلَیۡكُمۡ

زیادہ زمانہ گزر گیا تھا؟ یا تم اس کے لئے تیار ہو گئے تھے کہ تم پر ٹوٹ پڑے

غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِیۡ ﴿۸۶﴾ قَالُوۡا مَاۤ

غضب تمہارے رب کا؟ کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کا ارتکاب کیا؟ ف۸۶ کہنے لگے

اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا

ہم نے آپ سے وعدہ خلافی کچھ اپنے اختیار سے نہیں کی، بلکہ (ہوا یہ کہ) ہم پر اس قوم کے زیورات کا ف۸۷

مِّنۡ زِیۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلۡقَی

بوجھ ڈال دیا گیا تھا، تو ہم نے اسے پھینک دیا، پھر اسی طرح سامری نے بھی

السَّامِرِیُّ ﴿۸۷﴾ۙ فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ

کچھ ڈال دیا، پھر وہ ان کے لئے ایک بچھڑا سا نکال لایا، یعنی ایک بے جان دھڑ تھا جس میں گائے کی سی ایک آواز تھی،

فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰـهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰی ۬ۚ۬ فَنَسِیَ ﴿۸۸﴾ؕ

جس پر وہ پکار اٹھے ف۸۸ کہ یہی ہے خدا تمہارا، اور خدا موسیٰ کا، پر وہ بھول گیا، ف۸۹

اَفَلَا یَرَوۡنَ اَلَّا یَرۡجِعُ اِلَیۡهِمۡ قَوۡلًا ۬ۙ وَّلَا یَمۡلِكُ

کیا وہ لوگ اتنا بھی نہ دیکھتے تھے، کہ وہ مصنوعی بچھڑا نہ تو ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے، اور نہ ہی ان کے لئے

لَهُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ﴿۸۹﴾ؑ وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ ع ۴ ۱۴

کسی بھلے برے کا کوئی اختیار رکھتا ہے، ف۹۰ اور اس سے پہلے ہارونؑ ان سے (صاف طور پر) کہہ چکے

۸۵ حضرتِ موسیٰ کا اپنی قوم پر عتاب :۔ سو واپس پہنچنے پر حضرتِ موسیٰ نے سب سے پہلے اپنی قوم کو سرزنش فرمائی کہ کم بختو "کیا تم سے تمہارے رب نے وعدہ نہیں کیا تھا، اچھا وعدہ"۔ اور استفہام تقریر و تاکید کے لئے ہے

کہ رب نے تو ضرور ایسا وعدہ فرمایا تھا تو پھر تمہاری یہ گمراہی کس قدر افسوس ناک ہے؟ سو تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ تم کو تورات جیسی کتاب سے بھی نوازے گا جس میں تمہارے لیے ہدایت اور نور کا عظیم الشان سامان ہوگا اور وہ تم کو اور بھی کئی عنایات سے سرفراز فرمائے گا۔ تو پھر تم لوگوں نے اتنے بڑے جرم اور اس ظلمِ عظیم کا ارتکاب آخر کیوں اور کس طرح کیا؟ - اللہ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم و ثابت قدم رکھے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۸۶ عتاب میں شدتِ مزید کا ذکر: - سو آنجناب نے اپنی اس بدبخت قوم پر اپنے عتاب میں مزید فرمایا کہ "کیا تم پر کوئی زیادہ لمبا زمانہ گزر گیا؟"۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم نے اس حرکت کا ارتکاب کیونکر کیا؟ کیا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا ہولناک غضب ٹوٹ پڑے۔ آخر تم لوگوں نے اتنی بڑی بری سنگین حرکت کا ارتکاب کس طرح اور کیونکر کیا؟ اور تم لوگوں نے میرے عہد و پیمان کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور اس عہد سے مراد حضرت موسیٰ کی وہ ہدایت تھی جو آنجناب نے کوہِ طور پر جانے سے پہلے اپنی قوم کے سرداروں کو فرمائی تھی کہ میں شریعت لینے جارہا ہوں۔ لہٰذا جب تک میں واپس نہیں آتا تم لوگ یہیں ٹھہرے رہنا اور تمام معاملات میں حضرت ہارون کی ہدایات کی پیروی کرنا۔ کہ وہ میرے بعد میرے جانشین اور قائم مقام ہونگے۔ اسلئے انکی پیروی میری پیروی ہوگی،

۸۷ قوم کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کے حضور معذرت: - سو اس پر اس قوم نے حضرتِ موسیٰ کے حضور معذرت کرتے ہوئے ان سے کہا کہ ہم نے ایسا اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ ہم پر اس قوم کے زیورات کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ یعنی قبطیوں کے ان زیورات کا جو کہ ہم نے ان سے شادی وغیرہ کے بہانے سے عاریت پر لئے تھے تاکہ اس طرح ہم سرزمینِ مصر سے باہر نکل سکیں اور عاریت کے وہ زیورات چونکہ ہمارے لئے جائز نہ تھے اس لئے وہ ہمارے لئے ایک بوجھ بنے ہوئے تھے۔ اور ہمیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کے ساتھ اب کیا کریں۔ تو سامری نے ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلائی اور کہا کہ یہ سب زیورات تم لوگ لاکر اس میں ڈال دو تاکہ یہ جل جائیں اور اس طرح تمہارے سر سے یہ بوجھ اتر جائے۔ چنانچہ ہم نے ایسے ہی کیا اور جو زیور سامری کے پاس تھا وہ بھی اس نے اس میں ڈالا اور اس پگھلے ہوئے زیورات کا اس نے ایک بچھڑا بنالیا۔ ان زیورات کے بارے میں دوسرا قول و احتمال یہ ہے کہ یہ عاریت کے نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کے اپنے زیورات تھے جیسا کہ ان سے متعلق قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ارشاد فرمودہ - ﴿مِنْ حُلِيِّهِمْ﴾ - کی تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور تورات میں ان سے متعلق دونوں قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ بہرکیف ان کے ان زیورات کو پگھلا کر ان سے ایک بچھڑا ڈھال دیا گیا - اور یہ اندھے اور اُوندھے ہو کر یہ اس کے پیچھے لگ گئے۔ اور ذلت و رسوائی کے ہولناک گڑھے میں جا گرے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۸ اُوندھے پن اور مت ماری کا ایک ہولناک نمونہ و مظہر: - سو اس سے ان لوگوں کے اُوندھے پن اور مت ماری کا ایک ہولناک نمونہ و مظہر نظر آتا ہے کہ انہوں نے اس بے حقیقت بچھڑے کے معبود ہونے کا دعویٰ و

اعلان کر دیا۔ سو سامری کے ساختہ پرداختہ اس بے حقیقت بچھڑے کو دیکھتے ہی وہ بدبخت پکار اٹھے کہ "یہی ہے تمہارا خدا"۔ یعنی سامری اور اس کے پیروکار پکار اٹھے کہ یہی ہے معبود تمہارا بھی اور موسیٰ کا بھی۔ جس سے "بھیں" کی ایک بے معنیٰ آواز نکلی ہے۔ سو جب کفر و شرک کی نحوست کی بناء پر کسی کی مت ماردی جاتی ہے تو اس کا حال یہی ہو جاتا ہے کہ وہ ایک بچھڑے کو۔ اور بچھڑا بھی وہ جو کہ ایک بے حقیقت اور محض ایک بناوٹی بچھڑا تھا۔ اسکو وہ اپنا معبود تک قرار دے دیتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور اس طرح کے سامری آج بھی جگہ جگہ موجود اور اپنے اسی طرح کے ابلیسی چکروں میں محو و منہمک ہیں اور اس طرح کے جھانسے دے کر وہ سادہ لوح عوام کو بہکاتے بھکاتے اور ان کو راہِ حق و ہدایت سے منحرف کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۸۹ کفر بالائے کفر کا ارتکاب:۔ سو اس طرح ان لوگوں نے کفر بالائے کفر کا ارتکاب کیا کہ ایک طرف تو اس بے حقیقت بچھڑے کو خدا مان لیا اور دوسری طرف حضرتِ موسیٰ کے بارے میں اس طرح کہا کہ موسیٰ بھول گیا۔ اپنے رب کو۔ والعیاذ باللہ:۔ اور وہ اس کی تلاش میں کوہِ طور پر چلا گیا۔ دیکھا شرک کی ماری ہوئی اس قوم کا حال؟ کس طرح اس نے فوراً اپنے پیغمبر کے بارے میں ایسی بیہودہ بات تک کہہ دی کہ یہی مصنوعی اور بے حقیقت بچھڑا موسیٰ کا معبود ہے۔ مگر وہ بھول گیا اور اسکی تلاش میں اور اس سے کلام کرنے کی غرض سے کوہِ طور پر چلا گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف سامری نے اپنی فتنہ پرور ذہنیت اور شاطر طبیعت سے ان پگھلے ہوئے زیورات سے بچھڑے کا ایک دھڑ بنا لیا جس سے بچھڑے کی سی ایک مہمل اور بے معنیٰ آواز نکلی۔ اور اس نے عقل کے ان اندھوں کو یہ بات باور کرائی کہ میں نے اس کے اندر جبریل کے گھوڑے کے سُم کی خاک ڈالی ہے جس کے باعث اس کے اندر سے یہ آواز نکلتی ہے۔ جس طرح کہ آج کے کئی جاہل پیر اور نقلی اور بناوٹی صوفی اس طرح کے شعبدے دکھاتے رہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ نفس و شیطان کے ہر فریب سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے اور اپنی رضا کی راہوں پر ہی چلنا نصیب فرمائے، آمین۔

۹۰ مشرکوں کی تجہیل و تحمیق:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ انکی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا"۔ تو پھر یہ معبود کیونکر ہو سکتا ہے؟ کیا ایسی واضح اور کھلی حقیقت پر بھی ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ کہ جو نہ کسی کی بات کا جواب تک دے سکے اور نہ وہ ان کیلئے کسی نفع کا اختیار رکھتا ہو نہ نقصان کا وہ آخر ان کا معبود کس طرح بن سکتا ہے؟ اور ایسی کسی بے حقیقت چیز کو اپنا معبود قرار دے کر اسکی پوجا پاٹ کرنا کس قدر حماقت اور کتنا بڑا ظلم ہے۔ مگر جب کفر و شرک کی نحوست سے کسی کی مت ماردی جاتی ہے تو اس کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے اور وہ اتنا اوندھا اور اندھا ہو کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں راہ حق و صواب پر قائم۔ اور ہر موقع پر اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ

تھے کہ لوگو! تم اس کی وجہ سے فتنے میں پڑ گئے ہو، تمہارا رب بلاشبہ (خدائے) رحمن ہے،

فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ

پس تم میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو، ۹۰ انہوں نے کہا کہ ہم تو اسی (کی پرستش) پر جمے بیٹھے

عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا

رہیں گے، یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئے، ۹۱ (اور قوم کو جھنجھوڑنے کے بعد موسیٰ

۹۱ حضرتِ ہارون کی اس فتنہ سے بریت کا ذکر و بیان: ـــ سو اس بارے ارشاد فرمایا گیا ''اور اس سے پہلے ان کو ہارون نے بھی روکا تھا''۔ اور ان سے کہا تھا کہ تم اس بے جان و بے حقیقت دھڑ کو معبود قرار دینے کے جرم کا ارتکاب مت کرو۔ تمہارا معبود تو وہ رب رحمٰن ہے جس کی ربوبیتِ عامہ کے نتیجے میں تم لوگ موجود ہو اور جس کی رحمت میں تم لوگ سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہو۔ اسکے ساتھ کسی بھی خودساختہ معبود کو شریک ماننا بڑا ظلم اور بہت ہولناک وسنگین جرم ہے۔ پس تم لوگ اس جرم کا ارتکاب مت کرو۔ اپنے رب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو کہ میں اس کا رسول ہوں۔ تورات میں تو اس فتنے کی ساری ذمہ داری حضرتِ ہارون پر ڈالی گئی لیکن قرآنِ حکیم نے صاف اور صریح طور پر انکی اس طرح بریت و براءت کا اظہار و اعلان فرمایا۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر احسان ہے کہ اس نے ہر ایک کے بارے میں حق کو پوری طرح واضح فرما دیا اور ﴿من قبل﴾ سے اس حقیقت کو بھی واضح فرما دیا کہ جونہی اس فتنے کے آثار ظاہر ہونے لگے حضرتِ ہارون نے ان کو اسی وقت اس فتنے سے آگاہ فرمایا اور ان سے کہا کہ لوگو یہ مفسدین تم کو فتنے میں مبتلا کر رہے ہیں۔ تمہارا رب خدائے رحمان ہے نہ کہ یہ خودساختہ بے حقیقت بچھڑا۔ پس تم لوگ میری بات مانو ان مفسدین کے پیچھے نہ لگو کہ ان کے پیچھے لگنے میں تمہاری ہلاکت ہے مگر ظالموں نے جب ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا تو حضرت ہارون نے سکوت و خاموشی کی راہ کو اپنایا۔ تا کہ قوم کے اندر تفرقہ اور خونریزی و سر پھٹول کی نوبت نہ آئے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ واپس آ کر خود اپنے اثر و رسوخ سے اس فتنے کو فرو کریں۔

۹۲ بنی اسرائیل کا حضرتِ ہارون کو جواب: ـــ سو حضرتِ ہارون کی اس مؤثر بات کے جواب میں انہوں نے کہا ''ہم اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ لوٹ آئیں ہمارے پاس''۔ اس وقت جو مناسب ہوا کر لیں گے۔ اس پر حضرتِ ہارونؑ اپنے پیروکاروں سمیت ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور ان گوسالہ پرستوں کا یہ کہنا محض وقت کو ٹالنے کیلئے تھا اور بس۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو ان لوگوں کے اس جواب سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ سامری کے جھکمے میں آ کر حضرتِ ہارون کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ لوگ گوسالہ پرستی کی اس حماقت کا ارتکاب تو کر بیٹھے لیکن بعد میں ان کو اس کا احساس ہوا جیسا کہ سورۂ اعراف سے بھی واضح ہوتا ہے۔ لیکن کسی حماقت کا ارتکاب کرنے کے بعد اس سے پیچھا چھڑانا آسان نہیں ہوتا۔ اس لیے ان لوگوں نے فوری طور پر اس سے دست برداری اور براءت و بیزاری کا اعلان کرنے کی بجائے حضرت موسیٰ کی واپسی تک اسی پر جمے رہنے کا اعلان کر دیا جو کہ ان کے ڈھیٹ پنے کا ایک نمونہ و مظہر تھا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط اَفَعَصَيْتَ

نے ہارون کی طرف متوجہ ہوکر) کہا، اے ہارون، تمہیں کس چیز نے روکا تھا کہ جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہوگئے؟ کہ تم

اَمْرِیْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ج

میری پیروی کرتے؟ ف۹۳ کیا تم نے بھی میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟ ہارونؑ نے کہا اے میری ماں کے بیٹے، میری ڈاڑھی مت پکڑو،

اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو (کھینچو، اور میرا عذر بھی سن لو کہ) مجھے یہ ڈر تھا کہ تم آ کر مجھ سے کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی

وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِیُّ ﴿۹۵﴾

اور میرے فیصلے کا انتظار نہ کیا ف۹۴ (پھر موسیٰ نے سامری کی طرف متوجہ ہوکر اس سے) کہا کیا معاملہ ہے تیرا، اے سامری؟ ف۹۵

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

تو اس نے کہا کہ میں نے وہ کچھ دیکھا جو ان لوگوں کو نظر نہ آ سکا، پس میں نے ایک مٹھی اٹھالی

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ

رسول کے نقش قدم سے ف۹۶ پھر میں نے اسے ڈال دیا، اور میرے نفس نے مجھے یہی

نَفْسِیْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَيٰوةِ اَنْ

سجھا دیا، ف۹۷ موسیٰ نے فرمایا پس اب تو جا، تیرے لئے اس (دنیاوی) زندگی میں تو یہ سزا ہے کہ

تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ص وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ج

تو یوں کہتا پھرے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا ف۹۸ اور (اس کے علاوہ) تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے، جو تجھ سے ہرگز نہیں ٹلے گا ف۹۹

۹۳ حضرتِ موسیٰ کا غصہ اور عتاب حضرتِ ہارون پر:- سو اپنی قوم کے سرداروں سے پوچھ گچھ کے بعد حضرتِ موسیٰ حضرتِ ہارون کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ "تم کو کس چیز نے روکا تھا کہ تم میری پیروی کرتے" کہ ان سے جہاد وقتال کرتے یا پھر میرے پاس کوہِ طور پر چلے آتے مجھے اس کی خبر کرتے اور ان بدبختوں سے دور ہو جاتے۔ (بحر، بیضاوی، قرطبی، خازن وغیرہ)۔ یعنی حضرتِ موسیٰ نے حضرتِ ہارون سے کہا کہ آپ نے جب ان لوگوں کو دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہوگئے ہیں تو آپ ان سے جہاد وقتال کرتے۔ یا میرے پاس کوہِ طور پر چلے آتے اور مجھے خبر کرتے۔ (المعارف

وغیرہ)۔ سوقوم کی گمراہی پر حضرتِ موسیٰ کا اس قدر غیظ وغضب اور اپنے بھائی ہارون سے غصے کا یہ معاملہ حضرتِ موسیٰ کی دینی غیرت اور للّٰہیت کی بنا پر تھا۔ اور حضراتِ انبیاء ورسل اور صالحین کرام کی یہ امتیازی شان ہمیشہ رہی ہے کہ ایسے حضرات دنیاوی معاملات کے بارے میں رواداری اور درگزر سے کام لے لیتے ہیں لیکن دین کی معاملے میں کبھی کسی مداہنت کو برداشت نہیں کرتے جبکہ اہلِ دنیا کا معاملہ اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ کہ وہ دنیاوی معاملات میں تو ٹکے پیسے کے لیے مرنے مارنے پر آجاتے ہیں لیکن دین کے معاملے میں کشادہ ظرف (Broadmindied) بن جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ کشادہ ظرفی نہیں ہوتی بلکہ یہ دینی بے حسی اور بے غیرتی ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو غیرت کا اصل موقع ومحل یہی ہے کہ وہ اللہ کے دین اور اسکی رضا وخوشنودی کے لئے ہو، وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۹۴ حضرتِ ہارون کا جواب اور بیانِ عذر: ۔ سو حضرتِ ہارون نے اس کے جواب میں کہا کہ "مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں کسی سخت اقدام سے ان میں تفریق نہ پیدا ہو جائے"۔ یعنی میں نے ان لوگوں کو سمجھانے کی تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی مگر انہوں نے میری کوئی بات نہ سنی۔ یہاں تک کہ یہ میرے قتل کے درپے ہوگئے۔ تب میں نے خاموشی اختیار کر لی کہ کہیں قوم کے اندر خانہ جنگی نہ بپا ہو جائے اور پھر آپ آکر مجھ سے کہیں کہ تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا اور قوم کو آپس میں کیوں لڑوا دیا۔ آیتِ کریمہ کا یہ مطلب سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۰ کی روشنی میں واضح ہوتا ہے۔ ورنہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میں نے قوم کے اتحاد کی خاطر اس کے کفر وشرک کو برداشت کر لیا۔ جیسا کہ عام سطحی لوگ سمجھتے ہیں۔ والعیاذ باللّٰہِ جل و علا۔ کہ کفر وشرک کا وجود کسی بھی طرح اور کسی بھی قیمت پر قابلِ برداشت نہیں ہوسکتا۔ اور پھر نبی اور حضرتِ ہارون جیسے جلیل القدر نبی کے اس کو برداشت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ وہ ایسے ہر شائبے سے بری ہیں۔

۹۵ حضرتِ موسیٰ کا خطاب سامری سے: ۔ سو اس کے بعد حضرتِ موسیٰ سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے غیظ وغضب بھرے انداز میں اس سے کہا کہ "تیرا کیا معاملہ ہے اے سامری"۔ تو نے یہ اتنا بڑا فتنہ اس قوم کے اندر برپا کیا اور ان کو راہِ حق وہدایت سے پھسلا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ آخر کیوں؟ اور تو نے گوسالہ پرستی کے اس سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کیوں کیا۔ اس ملعون سے یہ سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کو سب کے سامنے رسوا کیا جائے اور وہ اپنی گمراہی کا خود اعتراف کر لے۔ تاکہ اس سے واضح ہو جائے کہ اسکے بعد اسکو جو سزا دی گئی وہ درست تھی اور وہ اسی کا مستحق اور اسی کے لائق تھا۔ بہرکیف جب معاملے سے متعلق سب لوگوں اور تمام ذمہ داروں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی اور ثابت ہوگیا کہ اس سارے فتنے اور فساد کا بانی اور اصل ذمہ دار اور کرتا دھرتا سامری ہی ہے تو حضرتِ موسیٰ نے اسکی طرف متوجہ ہو کر تیکھے انداز اور غضبناک لہجے میں اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا اے سامری؟ یہ کیا ماجرا ہے؟ اور تو نے یہ کیا فتنہ کھڑا کر دیا؟ اور تو نے اتنا بڑا ظلم آخر کیوں ڈھایا؟ والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ مِن الاحوال

۹۶ سامری کا حضرتِ موسیٰ کو منافقانہ اور شاطرانہ جواب: ۔ یعنی جبریلِ امین کے نقشِ قدم کی مٹی سے۔ جیسا کہ عام مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس ملعون نے حضرتِ جبریلِ امین کے نقشِ قدم کی مٹی میں یہ تاثیر دیکھی تھی۔ یا رسول سے اس کی مراد خود حضرتِ موسیٰ سے تھی تاکہ اس طرح وہ خوش ہو کر اس کو چھوڑ دیں۔ جیسا کہ بعض اہلِ علم نے کہا ہے۔ اسی رائے کو ابو مسلم اصفہانی نے اختیار کیا اور اسی کی تائید امام رازیؒ نے کی۔ اور اسی کو بعض اہلِ علم نے اقرب الی التحقیق قرار دیا۔ یعنی سامری نے حضرتِ موسیٰ کے جواب میں کہا کہ میں نے رسول یعنی جناب ہی سے ایک حصہ لیا تھا اور آپ ہی کے طریقہ پر چلا تھا۔ لیکن بعد میں جب مجھے اسکی غلطی معلوم ہوئی اور اسکی گمراہی واضح ہوگئی تو میں نے اسکو چھوڑ دیا اور اسکو پسِ پشت ڈال دیا

لیکن آیتِ کریمہ کا یہ مطلب قرآنِ کریم کی عربی مبین کی صفت کے مطابق نہیں۔ اور آیتِ کریمہ کے ظاہر سے یہ مفہوم نہیں نکلتا۔ اس لیے کچھ حضرات اہلِ علم نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ اس مکار کے اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ میں نے جناب کے قدم کے نیچے کی مٹی کی ایک مٹھی اس میں ڈالی تھی۔ سو یہ اسی کا اثر و نتیجہ ہے اور اس طرح اس نے گویا حضرت موسیٰ کو ایک ذہنی رشوت دے کر راضی کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ توجیہ و تاویل اسکی مکارانہ ذہنیت سے مطابقت رکھتی ہے۔ سو جمہور کے قول کے مطابق اگرچہ یہاں پر رسول سے مراد حضرت جبریل نہیں ہیں لیکن اس کی تصریح نہ تو قرآنِ پاک میں کہیں پائی جاتی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں ایسی کوئی تصریح موجود ہے۔ اور امام رازی نے کئی وجوہ سے اسکی تردید کی ہے۔ مثلاً یہ کہ رسول کے لفظ سے حضرتِ جبریلِ امین مراد لینا معروف و متبادر نہیں اور یہ کہ اس صورت میں کلام کے اندر حذف ماننا پڑے گا یعنی "اثر حافر فرس الرسول" اور حذف خلافِ اصل ہے۔ اور یہ کہ سامری کی معرفت جبریل سے متعلق قصے درست نہیں ہوسکتے۔ (مراغی و محاسن وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے سامری کی فتنہ انگیز طبیعت کا نمونہ سامنے آتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۷ سامری کا اعترافِ جرم و قصور: ۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ملعون نے حضرتِ موسیٰ کے سامنے اپنے جرم و قصور کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ یہ محض تسویل نفس کا شاخسانہ تھا۔ یعنی یہ محض میرے نفس کی تسویل اور اس کی خواہش کی پیروی تھی۔ ورنہ اس کے سوا عقل و نقل کی کوئی دلیل ایسی میرے پاس موجود نہ تھی جو اس امر کی تائید و تصویب کرتی ہو۔ سو اتباعِ ہوٰی اور تسویلِ نفس ہی اصل میں میرے اس فعل کا محرک بنی۔ اور اسی کی بناء پر میں نے اسکو اپنایا اور بات یہاں تک پہنچی۔ بہرکیف اس لعین نے مکارانہ طور پر پینترا بدلتے ہوئے کہا کہ جو کچھ میں نے سمجھا تھا یہ سب فریبِ نفس تھا اور میں غلط فہمی سے اس کا شکار ہوگیا اور نفس کے اس فریب کو حقیقت سمجھ بیٹھا۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۹۸ سامری کیلئے بڑی ہولناک اور نہایت عبرتناک سزا کا اعلان: ۔ کہ "تو لوگوں سے کہے گا کہ مجھ سے دور رہو، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ"۔ جس سے تو اچھوتوں سے بھی بدتر زندگی گزارے گا اور تجھے خود لوگوں سے یہ کہنا پڑے گا کہ نہ مجھے کوئی چھوئے اور نہ میں کسی کو چھوؤں۔ روایات میں ہے کہ اس کے بعد اگر کوئی اس کو چھو لیتا تو دونوں کو بخار ہو جاتا۔ یہاں تک کہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بھی اس کا یہی حال تھا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّ فِتْنَۃٍ وَّزَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ۔ روایات میں وارد ہے کہ حضرتِ موسیٰ نے اس سے کہا کہ تو بنی اسرائیل کے علاقے سے نکل جا تو وہ وہاں سے نکل کر جنگلوں کی طرف چلا گیا۔ جہاں وہ جنگلی جانوروں اور درندوں کے ساتھ رہتا رہا۔ (المراغی وغیرہ) ﴿لا مساس﴾ کے اندر یہ سب کچھ داخل و شامل ہے کہ اس کا معنی ہے کہ نہ مجھے کوئی ہاتھ لگائے اور نہ میں کسی کو ہاتھ لگاؤں۔ (مراغی، معارف اور محاسن وغیرہ)۔

۹۹ سامری کے لیے اُخروی سزا کا بھی اعلان: ۔ سو حضرتِ موسیٰ نے اسکی سزا کے سلسلے میں مزید فرمایا "اور تیرے لیے ایک اور وعدہ ہے جو تجھ سے کبھی نہیں ٹلے گا"۔ یعنی آخرت میں کہ اصل اور پورا عذاب تو وہیں ہونا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اس لیے کہ دار الجزاء آخرت ہی ہے جبکہ دنیا دار العمل ہے نہ کہ دار الجزاء۔ یہاں انسان کو اپنے کیے کرائے کا صلہ اور بدلہ اگر کچھ ملنا بھی ہے تو وہ "کچھ" ہی کے درجے میں ہوتا ہے۔ ورنہ پورا اور حقیقی بدلہ انسان کو تو بہرحال آخرت ہی میں ملے گا جو کہ دار الجزاء ہے جہاں انسان کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ اور بدلہ ملے گا۔ اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ملے گا۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ تیرے لیے عمر بھر کے لیے یہ سزا ہے کہ تو لوگوں سے کہتا پھرے کہ میں ناپاک ہوں نہ مجھے کوئی ہاتھ لگائے اور نہ میں کسی کو ہاتھ لگاؤں۔ اور یہ کہ تیرے لیے اصل سزا آخرت کی ہے۔ اس عذاب موعود نے بہرحال آکر رہنا ہے۔ تو اس سے کسی بھی طرح اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا کہ وہ بہرحال شدنی اور قطعی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شرک و بت پرستی کا جرم کس قدر ہولناک جرم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ

اور اب تو اپنے اس معبود (کے انجام) کو بھی دیکھ لے جس پر تو ریجھا ہوا تھا،

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ

ہم اسے ابھی جلا (کر خاکستر بنائے) دیتے ہیں، پھر اس (کی خاکستر) کو اڑا کر دریا میں بہائے دیتے ہیں، سوائے اسکے نہیں کہ معبود

اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

تم سب کا (اے لوگو!) صرف وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، ف۱۰۰

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ

(اے پیغمبر! جس طرح ہم نے آپ کو حضرتِ موسیٰ کا تفصیلی قصہ سنایا) اسی طرح ہم آپ کو گزشتہ (قوموں کے) حالات کی کچھ

اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ ۖۚ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ

خبریں سناتے ہیں ف۱۰۱ اور ہم نے آپ کو اپنے یہاں سے ایک عظیم الشان ذکر ف۱۰۲ عطا فرمایا ہے، جو کوئی اس سے منہ موڑے گا تو یقیناً

يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ

اس کو اٹھانا ہوگا قیامت کے روز ایک بڑا (ہولناک) بوجھ، ف۱۰۳ ایسے لوگوں کو اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا ف۱۰۴ اور ان کے لئے

۱۰۰ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی اور اس کو محیط ہے: - اس کائنات کا کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں - سبحانہ، و تعالیٰ - سو جب اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی بلا شرکت غیر تنہا وہی ہے اور جب اس میں حکم و تصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے اور جب اس پوری کائنات کا کوئی ذرہ بھی اسکے علم سے باہر نہیں ہوسکتا تو پھر اس کا طبعی اور لازمی نتیجہ اور منطقی اثر یہی ہے اور یہی ہونا چاہیئے کہ معبودِ برحق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہو۔ پس اسکی عبادت و بندگی میں کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں۔ اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کے ساتھ مختص ہے - سبحانہ، و تعالیٰ - بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ جن لوگوں نے اس خود ساختہ اور مصنوعی بچھڑے کو اپنا معبود بنایا انہوں نے خود اپنی ہی شامت بلائی اور اپنی ہی ہلاکت و تباہی کا سامان کیا۔ ورنہ معبودِ برحق اللہ وحدہ، لاشریک ہی ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور ساتھ ہی اسکی توحید و وحدانیت کی دلیل بھی بیان فرمادی گئی کہ اس کا علم ہر چیز کو حاوی اور محیط ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۱۰۱ گزشتہ قوموں کے حالات کا ذکر تسکین و عبرت کیلئے: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ حالات اس لیے بیان کیے گئے کہ تاکہ اس سے آپ کے لئے تسلی کا سامان ہو اور آپ کی قوم کے لئے عبرت و نصیحت کا کہ گزشتہ انبیاء و رسل

نے راہِ حق میں کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں اور انہوں نے کس کس طرح صبر واستقامت سے کام لیا۔ اور یہ کہ حضراتِ انبیاء و رسل اور ان کے پیش کردہ دینِ حق کی تکذیب کا آخری انجام کیا ہوا۔ اور ایسے منکر لوگوں نے اپنے کیے کرائے کا بھگتان کس طرح بھگتا۔ نیز اس میں آپ کی ۔ اے پیغمبر ۔ صداقت وحقانیت کی واضح دلیل بھی ہے کہ آپ بغیر کسی سے پڑھے سیکھے کے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو اس کا ذریعہ وحی کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا ۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال۔

۱۰۲ پیغمبر کے ایک عظیم الشان ذکر یعنی قرآنِ حکیم سے نوازنے کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم نے نوازا آپ کو اپنی طرف کے ایک عظیم الشان ذکر سے''۔ یعنی قرآنِ حکیم سے جو کہ ایک ایسی کامل اور جامع کتاب ہے جس کی کوئی نظیر ومثال نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی ہے اور نہ ہی آئندہ کبھی ممکن ہوسکتی ہے۔ جو گزشتہ قوموں کے ایسے عبرتناک احوال و کوائف اور اخبار وقصص پر بھی مشتمل ہے جس میں عبرت وتذکیر کے عظیم الشان درس بھی پنہاں ہیں اور جو ایسی عظیم الشان ہدایات وتعلیمات پر مشتمل ہے جس میں انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان موجود ہے۔ سو قرآنِ حکیم کے اس عظیم الشان ذکر کے ذریعے گزشتہ انبیاء ورسل کے حالات وواقعات اور انکی تعلیمات کا وہ حصہ بھی محفوظ کردیا گیا جس کو محفوظ کرنا ضروری تھا اور آخری رسول کی حیثیت سے آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ پر جو پیغامِ حق وہدایت اپنی آخری اور کامل شکل میں نازل کرنا تھا وہ بھی نازل کردیا گیا۔ تاکہ قیامت تک دنیا کے لیے ہدایت وراہنمائی کا سامان ہوسکے۔ والحمد للہ جل وعلا

۱۰۳ قرآنِ حکیم سے اِعراض ورُوگردانی کے ہولناک انجام کا بیان:۔ سو اس ارشاد سے قرآنِ حکیم سے منہ موڑنے اور اِعراض برتنے والوں کا ہولناک انجام بیان فرمایا گیا ہے کہ سب کو اٹھانا پڑے گا اپنے کفر وشرک ، الحاد و بے دینی اور معاصی وذنوب کا وہ بوجھ جو بڑا ہی سخت اور ہولناک بوجھ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو قرآنِ حکیم سے منہ موڑنے اور اِعراض کرنے والوں کا انجام بڑا ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہوگا۔ اور ایسوں کیلئے دارین کی محرومی اور شقاوت وبدبختی مقدر ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو قیامت کے روز ان کو ضلال واِضلال یعنی گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا بوجھ اٹھانا ہوگا۔ سو ان کو اپنی گمراہی کا بوجھ بھی اٹھانا ہوگا اور انکی گمراہی کا بھی جو کہ ان کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہوئے ہونگے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿ لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴾ ۔ (النحل: ۲۵) ۔ اللہ ضلال واضلال کی ہر قسم اور اس کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے ۔ آمین ثم آمین

۱۰۴ قرآن سے منہ موڑنے والوں کیلئے ہمیشہ کا عذاب ۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انکو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہوگا انکے اپنے اس بوجھ کی بناء پر۔ یعنی اس کے نتیجہ وانجام میں جو کہ دوزخ ہے۔ یعنی ﴿فیه﴾ کی ضمیرِ مجرور کا مرجع ﴿وزر﴾ ہے جس کا معنیٰ ہے ''بوجھ''۔ اور مراد اس سے اس کا لازم ہے۔ یعنی عذاب جو کہ کفر وانکار کے اس ﴿وزر﴾ پر لازماً مرتب ہونے والا ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو قرآنِ حکیم سے منہ موڑنے والوں کا انجام بہت ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہوگا۔ اور ان کو اپنے اس برے انجام میں ہمیشہ کیلئے رہنا ہوگا ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو کفر وشرک اور اعراض وانکار کا یہ بوجھ بڑا ہی برا بوجھ ہوگا جو نہ کبھی ان کے سر سے اترے گا اور نہ کبھی یہ لوگ اس کے برے نتیجے اور انجام سے کسی طرح چھٹکارا پاسکیں گے۔ اور نہ ہی ان کے اعوان وانصار اور شرکاء وانداد میں سے کوئی ان کے کچھ کام آسکے گا ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ

قیامت کے دن وہ بڑا ہی برا بوجھ ہوگا، جس دن کہ صور میں پھونک دیا جائے گا ۱۰۵ اس روز ہم مجرموں کو

الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ

اس حال میں اکٹھا کرلائیں گے، کہ ان (کے چہرے سیاہ اور ان) کی آنکھیں نیلی ہوں گی ۱۰۶ وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ

لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ

تم نے (دنیا میں) بمشکل دس ہی دن گزارے ہوں گے، ہمیں خوب معلوم ہے وہ سب کچھ جو کہ وہ کہیں گے ۱۰۷ جب کہ ان میں سے

اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ ع ۵ ۱۴

سب سے بڑا سمجھ دار شخص کہے گا کہ تم لوگ تو صرف ایک ہی دن ٹھہرے ہو ۱۰۸ اور پوچھتے ہیں آپ سے (اے پیغمبر!) ۱۰۹

۱۰۵ یوم حشر کی تذکیر و یاد دہانی: - سو قیامت کے یوم عظیم کی تذکیر و یاددہانی کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ "جس دن صور پھونک دیا جائے گا"۔ دوسری مرتبہ ان کو زندہ کر کے اٹھانے کے لئے۔ تاکہ ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ پاسکے۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضوں کی بتمام و کمال تکمیل ہو سکے اور حکمتوں بھری اس کائنات کے مقصد وجود کی تکمیل ہو سکے۔ سو یہ نفخِ صور حشر اور حساب کے قیام کیلئے اعلان ہوگا۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف غافل دنیا کو ان کی غفلت سے جھنجوڑنے کے لیے اس ہولناک دن کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۱۰۶ کفار و منکرین کا حشر نہایت ہولناک شکل میں - والعیاذ باللہ: - سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ قیامت کے روز مجرموں کا حشر نہایت ہی قبیح شکل میں ہوگا - والعیاذ باللہ: - کہ کفر و انکار کی وہ سیاہی جو ان کے بواطن میں موجود تھی۔ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کے اس فیصلہ کن دن میں انکے چہروں مہروں پر چھائی ہوگی جس سے ان کی شکلیں بھی بہت بری اور بگڑی ہوئی ہوں گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ﴾ الآیۃ (الزمر: ۶۰) یعنی "قیامت کے روز تم ان لوگوں کو دیکھو گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہونگے" - والعیاذ باللہ - اور جس سے ان کی اس انتہائی پریشانی اور بڑی گھبراہٹ کی بھی عکاسی ہو رہی ہوگی جو وہاں پر ان کو لاحق ہوگی اور پھر چہروں کی اس سیاہی کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھیں بھی نہایت نیلی ہونگی۔ جس سے ان لوگوں کی شکلیں اور بھی بری اور نہایت قبیح ہونگی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - ﴿زرقا﴾ "ازرق" کی جمع ہے۔ جس کے معنی نیلگوں چشم کے آتے ہیں۔ لیکن عربی محاورہ و استعمال میں یہ خوف زدہ اور دہشت زدہ انسان کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ اس لیے کہ شدت خوف کی بنا پر آنکھیں نیلی پڑ جایا کرتی ہیں اور ان کی سرخ ڈورے غائب ہو جاتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ و ضلال۔

۱۰۷ قیامت کے روز منکروں کی بدحواسی کا ایک مظہر - والعیاذ باللہ: - سو اس ارشاد سے قیامت کے اس ہولناک دن

میں مجرموں کی بدحواسی کا ایک منظر سامنے آتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو حیاتِ دنیا کی جس فرصت کو یہ لوگ بہت طویل سمجھا کرتے تھے اور اسی بناء پر یہ عذاب لانے کا بار بار مطالبہ کیا کرتے تھے وہ وہاں پر ان لوگوں کو اس قدر مختصر معلوم ہوگی۔ سو اس سے ان لوگوں کی اس بدحواسی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس سے یہ لوگ فیصلے کے اس یومِ عظیم میں مبتلا ہونگے۔ مگر آج یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ آج تو یہ لوگ قیامت کے اس یومِ عظیم کو بہت دور کی چیز سمجھتے ہیں اور اس کی فکر و سعی کی بنا پر اپنے عیش کو مکدر کرنا حماقت قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب وہ اپنے وقتِ مقرر پر آپہنچے گا تو اس روز یہ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہ تم لوگوں نے تو دنیا میں بس دس ہی دن گزارے ہوں گے۔ سو انکار و تکذیب قیامت کا جرم نہایت ہولناک اور سنگین جرم ہے اور اس کا نتیجہ و انجام بڑا ہی برا اور انتہائی ہولناک ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰۸ دنیاوی زندگی ایک دن کے برابر: - یعنی منکرین اس روز کہیں گے کہ دس دن والی بات الگ رہی۔ اس دن ان کا سب سے بڑا عقلمند آدمی کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن رہے۔ سو دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ ایک دن بلکہ اس سے بھی کہیں کم۔ سو وہ وہاں پر ان لوگوں کو اپنی دنیوی زندگی اس قدر مختصر معلوم ہوگی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہاں پر یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ اس دنیا میں ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ، مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾۔ الآیۃ (الروم: ۵۵)۔ سو اس وقت ان لوگوں کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ دنیاوی زندگی کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ مگر افسوس کہ آج یہ انسان دنیا کی اس زندگی کو بہت کچھ، بلکہ سب کچھ سمجھتا ہے۔ اور اس کی کامیابی کو ہی اصل کامیابی اور اس کی ناکامی کو بھی اصل ناکامی قرار دیتا ہے۔ اور زندگی کی اس فرصتِ محدود میں وہ آخرت کے لیے کمائی کرنے کی بجائے یہ اس کو یونہی ضائع کر رہا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ "امثل" کے معنیٰ افضل و برتر کے ہیں۔ اور یہاں پر یہ لفظ بطورِ تعریض استعمال ہوا ہے۔ یعنی دنیاوی زندگی میں ان کے اندر جو سب سے زیادہ لال بجھکڑ مانا جاتا تھا وہ اس روز اپنے اندازے کے مطابق دنیاوی زندگی کے بارے میں ایسے کہے گا۔

۱۰۹ منکرینِ قیامت کا سوال پہاڑوں کے بارے میں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ اے پیغمبر آپ سے پوچھتے ہیں ان پہاڑوں کے بارے میں"۔ مذاق اور استہزاء کے طور پر۔ کہ صاحب اس روز یہ دیوہیکل اور فلک بوس پہاڑ کدھر جائیں گے؟ اور ان کا کیا بنے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔ روایات میں وارد ہے کہ کفارِ قریش نے حضورؐ سے سوال کیا کہ قیامت کے روز ان دیوہیکل پہاڑوں کا کیا بنے گا؟ سو ان کا یہ سوال جاننے اور ماننے کیلئے نہیں تھا۔ بلکہ مذاق اور استہزاء کے طور پر تھا۔ (المراغی، المعارف اور ابنِ کثیر وغیرہ) اور نورِ حق و ہدایت سے محروم لوگوں کا ہمیشہ یہی حال رہا کہ وہ حق اور اہلِ حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ان کے اس سوال کے جواب کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ میرا رب ان کو پاش پاش کر کے گرد و غبار کی طرح اڑا دے گا اور زمین کو ایسا صاف چٹ میدان بنا کر رکھ دے گا کہ نہ اس میں کسی درخت اور سبزے کا کوئی نشان ہوگا اور نہ اس میں کسی اونچ نیچ اور نشیب و فراز کا کوئی وجود۔ اور نہ ان وادیوں اور کوہساروں میں سے کچھ باقی رہے گا۔ ساری زمین ایک صاف اور چٹیل میدان بن جائے گی۔ وَالْاَمْرُ بِيَدِ اللّٰه۔

عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا

ان پہاڑوں کے بارے میں، (کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا؟) تو کہو کہ میرا رب ان کو اڑا دے گا ریزہ ریزہ کر کے، پھر

قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

اس زمین کو وہ ایک ایسا چٹیل میدان بنا کر رکھ دے گا، کہ تمہیں اس میں نہ کوئی کجی نظر آئے گی، اور نہ تم اس میں کوئی ٹیلا دیکھنے پاؤ گے،

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ

اس روز یہ سب کے سب اس بلانے والے کی آواز پر ف۱۱۰ ایسے سیدھے چلے آ رہے ہوں گے، کہ کوئی کجی (اور اکڑ) نام کو نہ ہوگی

الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

اور (مارے ہیبت کے) تمام آوازیں (خدائے) رحمٰن کے حضور ایسی دب جائیں گی کہ تم ہلکی آہٹ کے سوا کچھ سننے نہ پاؤ گے،

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

اس روز کسی کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی، مگر اسی کی جس کو (خدائے) رحمٰن نے اجازت دی ہوگی،

وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا

اور اس کی بات کو اس نے پسند بھی کیا ہوگا، ف۱۱۱ اسے معلوم ہے وہ سب کچھ جو ان کے آگے ہے، اور وہ سب کچھ بھی

خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ

جو ان کے پیچھے ہے ف۱۱۲ اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا، اور جھک جائیں گے (اس روز) سب چہرے

لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ

اس حی و قیوم کے آگے اور (اس وقت) بڑا خسارے میں رہے گا وہ شخص جس نے بوجھ اٹھایا ہوگا ظلم کا ف۱۱۳ اور اس کے

۱۱۰ **منکرین کا حال قیامت کے روز؟** سو اس سے منکرین کی قیامت کے روز داعیِ حق کی بے چوں و چرا پیروی و اتباع کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو اس روز انکی سب اکڑفوں ہرن ہو جائے گی اور یہ سب بلانے والے کی آواز پر سیدھے چلے آئیں گے۔ یعنی حضرتِ اسرافیل کی آواز پر۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلان کریں گے کہ اے بوسیدہ ہڈیو، پراگندہ بالو، بکھرے ہوئے گوشت کے ٹکڑو، تمہارے رب کا تمہیں حکم ہے کہ تم سب فوری طور پر جمع ہو جاؤ۔ تو اس پر یہ سب کے سب بلا کسی چون و چرا اور بدوں کسی حیل و حجت اور قیل و قال کے اٹھ کر اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کے حضور چلے آئیں

گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِہٖ﴾۔ (بنی اسرائیل: ۵۲)۔ نیز فرمایا گیا۔ ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا﴾۔ (مریم: ۱۳۸)۔ مگر اس وقت کا ان کا یہ سننا اور ماننا ان کو کچھ کام نہ دے سکے گا کہ وہ جہاں "دارالعمل" نہیں "دارالجزاء" ہے۔ اور "دارالعمل" یہ دنیا تھی جس میں انہوں نے مانا نہیں۔ یہاں تک کہ حیاتِ دنیا کی یہ مختصر و محدود فرصت ان کے ہاتھ سے نکل گئی ہوگی اور یہ دائمی خسارے میں مبتلا ہو چکے ہونگے۔ اور ایسے اور اس طور پر کہ اب اس سے بچنے کی کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہیں ہوگی۔ سو یہی ہے سب سے بڑا خسارہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ فکر و عمل کے ہر انحراف سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

۱۱۱ مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی نفی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس روز سفارش صرف اسی کے کام آسکے گی جس کو اجازت ملے گی"۔ کہ مَشْفُوعٌ لَہٗ مومن ہو کافر نہ ہو۔ کہ کافر کے لئے شفاعت نہ ہوگی۔ سو اس روز شفاعت کے کام کی دو شرطیں ہونگی۔ اول یہ کہ خدائے رحمٰن کی طرف سے اسکی اجازت ملے اور دوسری یہ کہ جس کیلئے اجازت ملے ۔۔۔۔۔ کہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کون سفارش کے لائق ہے اور کس کا جرم و قصور قابلِ معافی ہے۔ سو ان دونوں شرطوں کے وجود اور تحقق کے بغیر کوئی کسی کیلئے کسی طرح کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ سو اس سے مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی نفی فرما دی گئی جو مشرکوں کے اس مشرکانہ زعم اور گھمنڈ پر مبنی تھا اور مبنی ہے کہ ہمارے معبود اور ہمارے حضرت بڑی پہنچی ہوئی سرکار ہیں۔ یہ اَڑ کر بیٹھ جائیں گے اور منوا کر چھوڑیں گے۔ پھر ہمیں کسی کی کیا پرواہ؟ ہم جو چاہیں کریں۔ بس ہماری ان کے آگے اور ان کی اسکے آگے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسی مشرکانہ سفارش کی وہاں کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب مشرک لوگوں کے من گھڑت ڈھکوسلے ہیں۔ جس سے مشرک لوگ خود اپنی محرومی کا سامان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم

۱۱۲ خداوند قدوس کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا کہ "وہی جانتا ہے جو کچھ کہ ان لوگوں کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے"۔ پس وہی جانتا ہے کہ کس کا جرم قابلِ معافی اور سفارش کے لائق ہے اور کس کا نہیں۔ اور وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کون دوزخ میں ڈالے جانے کے لائق ہے اور کون نہیں۔ اور یہ بھی وہی جانتا ہے کہ کون دوزخ سے نکالے جانے کے لائق ہے اور کون نہیں۔ اور یہ کہ کس کو اس دوزخ سے نکالا جائے کہ وہ ان کے ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت سے متعلق تمام حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس کا علم ماضی، حال اور مستقبل سب پر محیط اور سب کو شامل ہے۔ اور وہ لوگوں کے ظاہر و باطن کو ایک برابر جانتا ہے۔ وہ کسی کے بارے میں یہ جاننے کا محتاج نہیں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور کس جزا و سزا کا مستحق ہے۔ یہ سب کچھ اس کے علم میں موجود ہے اور وہ ہر چیز سے پوری طرح آگاہ ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۱۱۳ ظالموں کی ناکامی و نامرادی کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بڑا ناکام و نامراد ہوگا وہ شخص جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا"۔ یعنی کفر و شرک اور بغاوت و سرکشی کا بوجھ۔ سو ایسا شخص بڑا ہی ناکام و نامراد ہوگا اور ایسا ناکام و نامراد کہ اس کے لئے اب تدارک و تلافی کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی کہ اس بوجھ سے بچنے اور دولتِ ایمان سے سرفراز ہونے کا موقع دنیاوی زندگی کی وہ فرصت تھی جو اس وقت اسکے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی۔ اور اب اسکے واپس آنے کی بہرحال کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز جھک جائیں گے چہرے اس حی و قیوم کے آگے جو خالقِ کل اور مالکِ مطلق ہے۔ اور جو اس کائنات کے نظام کو چلانے والا اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ اور جن لوگوں نے شفاعتِ باطل کی امید لگا رکھی تھی کہ ہمارے معبود اور ہماری خودساختہ سرکاریں اَڑ کر بیٹھ جائیں گی اور منوا کر چھوڑیں گی۔ ان کے وہ سہارے ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے اور جنہوں نے کفر و شرک کے بوجھ اٹھا رکھے تھے وہ اس روز بڑے ہی ناکام و نامراد ہونگے۔ والعیاذ باللہ

يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ

بر عکس جس نے نیک کام کیے ہوں گے، اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا تو اسے نہ کسی زیادتی ۱۱۴ کا

ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

کوئی اندیشہ ہوگا، اور نہ کسی کمی کا (کوئی خوف) ۱۱۵ اور (اے پیغمبر! جس طرح ہم نے آپ کو یہ مضامین سنائے ہیں) اسی طرح ہم نے اس

وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

(پورے قرآن) کو اتارا ہے قرآن عربی بنا کر ۱۱۶ اور اس میں ہم نے تنبیہ کے مضامین کو طرح طرح سے بیان کیا کہ تاکہ یہ لوگ بچ جائیں،

اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج

یا اس قرآن کے ذریعے ان میں کچھ سمجھ پیدا ہو جائے سو بڑا ہی بالا و برتر ہے وہ اللہ جو کہ بادشاہِ حقیقی ہے، ۱۱۷

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ

اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں، (اے پیغمبر!) قبل اس سے کہ پوری کر دی جائے آپ کی طرف

وَحْيُهٗ ز وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى

اس کی وحی اور یوں دعاء کرتے رہا کریں کہ میرے رب، میرے علم میں اور اضافہ فرما، ۱۱۸ اور بلاشبہ ہم نے

ع ۱۱ ۱۵ اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع وَ

اس سے پہلے آدم سے بھی عہد لیا تھا ۱۱۹ پر وہ بھول گیا، ۱۲۰ اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا، ۱۲۱ اور

۱۱۴ وہاں کسی سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی: ۔ کہ کوئی ناکردہ گناہ اس کے ذمے ڈال دیا جائے یا کسی دوسرے کا کیا ہوا گناہ اسکے ذمے ڈال دیا جائے۔ سو ایسی کوئی بات وہاں نہیں ہوگی۔ اور ظلم کیا معنیٰ وہاں تو عدل و انصاف بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فضل وکرم کا معاملہ ہوگا بس انسان باغیانہ زندگی نہ گزارتا ہو اور کفر و شرک کی آلائشوں سے محفوظ و سلامت ہو۔ اور جب وہاں پر کسی ظلم و زیادتی اور کسی پیشی کا کوئی خوف و خدشہ نہیں تو پھر اصل کرنے کا کام یہ ہے کہ اس دن کام آنے والی نیکیوں کی کمائی کو اصل مقصد اور نصب العین بناؤ ۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید، وعلی ما یُحِبُّ ویرید۔

۱۱۵ اور نہ ہی وہاں کسی کے حق میں کوئی کمی ہوگی: ۔ کہ اسکو کسی نیکی کا اجر و صلہ نہ ملے یا اس کے استحقاق سے کم ملے۔ سو وہاں پر ایسی کوئی بھی صورت نہیں ہوگی بلکہ اس کے کیے کرائے کا اجر اسکو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا۔ سو کامیابی و

نجات کی اصل بنیاد ایمان اور عملِ صالح ہے اور بس۔ یہاں پر ﴿ظلم﴾ اور ﴿ھضم﴾ کے دو لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں جو آپس میں قریب المعنیٰ ہیں۔ لیکن جب یہ دونوں ایک ساتھ استعمال ہوں تو اس وقت ان دونوں کے درمیان یہ فرق ہو جاتا ہے کہ ''ظلم'' کے اندر حق تلفی کا مفہوم پایا جاتا ہے اور ''ہضم'' کے اندر غصب اور تعدی کا۔ یعنی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آپ کے اوپر جو دوسرے کا حق واجب ہوتا ہے اسے آپ دبا بیٹھیں تو یہ ظلم ہوگا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ تعدی کر کے دوسرے کے پاس جو کچھ ہے اس سے چھینیں اور غصب کریں۔ یہ ہضم ہے۔ سو اس روز ان دونوں میں سے کسی بھی صورت کا کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا کہ وہ دن کامل عدل و انصاف کا دن ہوگا۔ ہر کسی کو اس کا حق پورا پورا ملے گا۔ والحمدللہ جل وعلا

۱۱۶ قرآنِ عربی کی نعمت عظمیٰ کی تذکیر و یاددہانی: ۔سو اس نعمتِ عظمیٰ کی تذکیر و یاددہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ''اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کو عربی زبان کا قرآن بنا کر'' کہ اس کے اولین مخاطب عرب ہی تھے۔ اور وہی اس کے لائق تھے کہ ابدی صداقت کی حامل اس عظیم الشان امانت کو بلا کسی کم و کاست کے سب دنیا تک پہنچا سکیں۔ نیز عربی زبان ہی وہ واحد، جامع اور بیمثال باریکیوں اور لطافتوں والی ایسی زبان تھی اور ایسی ہے جو قرآنِ حکیم کے معانی و مطالب کو بقدرِ امکان اداء کر سکتی ہے۔ ورنہ اسکے سوا دنیا کی کسی بھی اور زبان میں اسکی اہلیت و صلاحیت ہے ہی نہیں کہ وہ قرآنی معانی و مطالب کو ادا کر سکے۔ سو قرآنِ حکیم کو عربی زبان کی اس لسانِ مبین میں اتار کر حق کو طرح طرح سے واضح کر دیا گیا ہے۔ اور ایسا کہ اس میں نہ کوئی لبس و اشتباہ ہے اور نہ کوئی خفاء و غموض اور نہ ہی اسکے بعد کسی کے لئے کسی عذر کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے حق کو پوری طرح اور اسکی آخری اور کامل شکل میں ایسا واضح کر دیا گیا کہ یہ قیامت تک کے سب زمانوں اور جملہ انسانوں کی ہدایت کیلئے کافی و وافی ہے۔ اور ایسا کہ اب راہِ حق سے آگہی کے لیے اور کسی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

۱۱۷ بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے: ۔سو اس سے بطورِ حصر و تاکید واضح فرما دیا گیا کہ اللہ ہی ہے بادشاہِ حقیقی۔ اس ساری کائنات کا اور اسی کا حکم اور تصرف چلتا ہے اس پوری کائنات میں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ''سو بڑا ہی بالا و برتر ہے وہ اللہ جو کہ بادشاہِ حقیقی ہے''۔ جس کی بادشاہی حقیقی اور ہر شیٔ پر حاوی ہے اور جو ظاہر و باطن سب پر اور ہر لحاظ سے حاوی ہے اور ازلی و ابدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے رہے گی۔ اس کے سوا اور کسی کی یہ شان کہاں اور کیسے ہو سکتی ہے؟ ۔سو وہی ہے بادشاہِ حقیقی جو کہ بادشاہوں کا بادشاہ اور خالقِ کل اور مالکِ مطلق ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کا نازل فرمودہ یہ قرآنِ حکیم اور کلامِ مجید کس قدر عظمتِ شان کا حامل ہے اور کتنا بڑا حق بنتا ہے اس کا اس کے بندوں پر۔ بہر کیف یہ قرآنِ حکیم اسی بادشاہِ حقیقی کا کلام اور اسی کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ اور جس طرح اُس مالکِ مطلق کی عظمتوں کا کوئی کنارہ نہیں اسی طرح اُس کے اِس کلامِ عزیز اور فرقانِ حمید کی عظمتِ شان کی کوئی حد و انتہاء نہیں۔ پس یہی ہے دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی عزت و عظمت سے سرفراز کرنے والا۔ سو اس کو صدقِ دل سے اپنانا اور اس کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کی راہیں استوار کرنا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور اس سے اعراض و روگردانی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۱۸ اضافۂ علم کی دعاء کی تعلیم و تلقین: ۔سو اس سے علم کی وسعتوں کا ایک عظیم الشان مظہر سامنے آتا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیسا بحرِ ناپید کنارہ ہے یہ علم کا سمندر کہ سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین کو بھی اس میں ترقی و اضافہ کی دعاء کی تعلیم و تلقین

فرمائی جا رہی ہے۔ تو پھر ہم جیسے کم سواد کس شمار وقطار میں ہو سکتے ہیں؟ - فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ عِلْمًا نَّافِعًا وَّفَهْمًا سَلِيْمًا وَّرِزْقًا حَلَالًا وَّاسِعًا - سو انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ نورِ علم میں اضافے اور اس میں بڑھوتری کیلئے کوشاں اور دعاگو رہے۔ حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایات میں وارد و منقول ہے کہ آپؓ جب یہ آیتِ کریمہ تلاوت کرتے تو یوں دعا کرتے - اللّٰهم زدني ايمانا و فقها و يقينا و علما - یعنی ''اے میرے اللہ میرے ایمان اور میری دین کی سمجھ میں اضافہ فرما اور میرے یقین اور علم میں اور زیادہ ترقی فرما''۔ اور سننِ ترمذی وغیرہ میں حضرتِ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ اس سلسلے میں ہمیشہ اس طرح دعا فرماتے - اللّٰهم انفعني بما علمتني و علمني ما ينفعني و زدني علما - والحمد لله على كل حال واعوذ بالله من حال اهل النار - (المراغی، المعارف، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے - آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔ ویا ارحم الراحمین، واکرم الاکرمین

۱۱۹ عہدِ آدم کی تذکیر و یاد دہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا ''اور بلاشبہ ہم نے اس سے پہلے آدم سے بھی عہد لیا تھا''۔ کہ فلاں درخت کے قریب بھی نہ پھٹکنا کہ اس طرح تم اپنا ہی نقصان کر بیٹھو گے۔ اور یہ کہ ابلیس کھلا دشمن ہے تمہارا بھی اور تمہاری بیوی کا بھی۔ پس تم خبردار رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے مکر و فریب کے ذریعے تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ جن میں تم اب موجود ہو۔ (المعارف، المراغی وغیرہ)۔ مگر اس کے باوجود حضرتِ آدم ابلیسِ لعین کی قسموں کی بنا پر اسکے دھوکے میں آ گئے۔ سو اس قصہ کی تذکیر و یاد دہانی سے اولادِ آدم کے لیے ایک طرف تو یہ درسِ عظیم ہے کہ ابلیسِ لعین ان کا جدی پشتی دشمن اور عدو مبین ہے۔ اس لیے ہمیشہ اس سے ہوشیار اور محتاط رہیں تاکہ وہ انکو کسی نقصان میں مبتلا نہ کر دے۔ جیسا کہ انکے جدِّ امجد کے ساتھ کر چکا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اگر کوئی بھول چوک ہو جائے تو فوراً توبہ و استغفار سے معاف کرا دیں جیسا کہ آدم نے کیا کہ سچی توبہ پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو یکسر معاف کر دیتا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ -

۱۲۰ حضرتِ آدمؑ کے نسیان کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم نے اس سے پہلے آدم سے بھی عہد لیا تھا پر وہ بھول گیا حضرتِ آدم نے جان بوجھ کر اور قصد سے حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ بھول گئے تھے۔ یعنی آدم بھول گیا اپنے اس عہد و پیمان کو اور شیطان کی قسموں پر اعتبار کر کے اس سے دھوکا کھا گیا۔ سو آدم نے اس خطا کا ارتکاب جان بوجھ کر نہیں کیا تھا بلکہ بھول چوک سے اس کا صدور ان سے ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے رب سے اسکی معافی مانگ لی۔ سو حضرتِ آدم بھول گئے اس لیے ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ''اول الناس اول ناس'' یعنی ''سب سے پہلا انسان سب سے پہلا بھولنے والا تھا''۔ اس لیے اس کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ اس کے لیے ذکر اور یاد دہانی کا انتظام کیا جائے۔

۱۲۱ آدمؑ کی غلطی قصداً نہیں تھی: - سو ارشاد فرمایا گیا اور ہم نے آدم میں اس کا عزم نہیں پایا۔ یعنی آپ نے یہ غلطی جان کر اور اپنے قصد و ارادہ سے نہیں کی تھی۔ بلکہ شیطان کے دھوکے میں آ کر کر لی تھی۔ اس لئے تنبیہ ہوتے ہی انہوں نے فوراً - ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ - کے کلماتِ کریمہ سے معافی مانگنا شروع کر دی۔ جس پر آپ کو معاف فرما دیا گیا۔ سو ان کا ارادہ حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کا نہیں تھا بلکہ بھول اور دھوکہ سے ان سے ایسا ہو گیا۔ عزم کے معنٰی لغت میں پختگی اور مضبوطی کے بھی آتے ہیں اور قصد و ارادہ کے بھی۔ اور آیتِ کریمہ میں یہ دونوں ہی درست ہیں۔ (معارف وغیرہ)۔ سو اس سے صاف فرما دیا گیا کہ آدمؑ کی غلطی قصد و ارادہ سے نہیں تھی۔

اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

(وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدمؑ کو سجدہ کرو، تو وہ سب سجدے میں گر گئے سوائے

اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ

ابلیس کے، کہ اس نے انکار کر دیا، پھر ہم نے آدم سے کہہ دیا کہ دیکھو یہ قطعی طور پر دشمن ہے تمہارا بھی،

وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

اور تمہاری بیوی کا بھی، سو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکلوا دے، پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ ۱۲۲

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ

کہ یہاں تو تمہیں یہ آسائشیں ہیں کہ نہ تمہیں بھوک لگے، نہ تم ننگے ہو ؤ، اور

لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ

نہ پیاس تنگ کرے، اور نہ ہی دھوپ کی تکلیف اٹھانا پڑے، (اور دنیا میں یہ آسائشیں کہاں؟ پس خیال رکھنا) پھر

الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ

شیطان نے اس کو بہکانے کے لئے کہا آدم، کیا میں تمہیں ابدی زندگی کے

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ

درخت اور ایسی بادشاہی کا پتہ (نہ) دے دوں جسے کبھی زوال نہ آئے؟ ۱۲۳ سو آخر کار (جب اس کے بہکاوے میں آ کر) وہ دونوں اس

لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

درخت سے کھا بیٹھے، تو (اس کے کھاتے ہی) ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے ستر ان دونوں کے ۱۲۴ اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے

۱۲۲ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کا نتیجہ تعب ومشقت - والعیاذ باللہ: - سو آدم سے فرمایا گیا کہ "کہیں شیطان تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے کہ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ پس اس کے مکروفریب سے بہر حال ہوشیار رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں میاں بیوی کو جنت سے نکلوا دے اور اسکے نتیجے میں تم دنیا میں طرح طرح کی مشقتوں میں پڑ جاؤ۔ اور بیوی چونکہ مرد کے تابع ہوتی ہے اس لیے اسکی اصل ذمہ داری مرد ہی پر ہوتی ہے۔ اسی لیے یہاں ﴿تشقٰی﴾ مفرد کا صیغہ استعمال

فرمایا گیا ہے۔" تشقیا "تثنیہ کا صیغہ نہیں اختیار فرمایا گیا۔ بہر کیف شیطان کی پیروی اور حضرت حق۔جل مجدہٗ۔کی معصیت کا نتیجہ تعب و مشقت میں مبتلا ہونا ہے۔اس لیے حضرت آدم کو ہدایت فرمائی گئی کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور ہر طرح سے آرام و سکون اور راحت و اطمینان کی زندگی گزارو۔لیکن شیطان اور اس کے شر سے ہمیشہ محتاط و ہوشیار رہنا۔ایسا نہ ہو کہ وہ کہیں کسی گمراہی اور معصیت میں مبتلا کر کے تمہیں جنت سے نکلوا دے تو پھر تم محروم و نامراد ہو کر رہ جاؤ اور مشقت میں پڑ جاؤ کہ یہ تمہارا ابدی اور کھلم کھلا دشمن ہے۔والعیاذ باللہ۔سو اس سے مفہوم مخالف کے طور یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جس طرح ابلیس کی پیروی مشقت و مصیبت میں پڑنے کا باعث ہے۔والعیاذ باللہ۔اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واتباع رحمتوں، برکتوں، اور عنایتوں و سعادتوں سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔آمین

۱۲۳ ابلیسی منطق کے ایک نمونے کا ذکر و بیان:۔سو اس سے حضرت آدم کے ساتھ ابلیس کی ابلیسی منطق کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔سو اس سے حضرت آدم کے لیے اغوائے شیطان کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ شیطان نے حضرت آدم سے کہا کہ " کیا میں آپ کو ایک ایسی بادشاہی کا پتہ نہ دوں جس کو کبھی زوال نہ آئے "۔اور وہ ہمیشہ رہے۔اور ظاہر ہے کہ ابدی زندگی اور لازوال بادشاہی سے بڑھ کر اور کیا چیز کسی انسان کے لئے محبوب ہو سکتی ہے؟ اس لئے ابلیس لعین نے حضرت آدم کو ان دونوں باتوں کا چکمہ دینے کی کوشش کی اور کہا کہ وہ جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو اس درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا تو وہ ابتدائی مرحلے کے اعتبار سے تھا۔جبکہ آپ کے اندر بھی اس کی اہلیت و صلاحیت نہیں تھی۔اس لئے اب وہ حکم باقی نہیں رہا۔مزید یہ کہ اپنی بات کو منوانے کے لئے اس نے آپ کے سامنے قسموں پر قسمیں کھائیں کہ میں تمہارا سچا پکا خیر خواہ ہوں۔ تو حضرت آدمؑ ان امور کے باعث اس کے دھوکے میں آ گئے۔کیونکہ آپ کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس طرح خدا کی قسمیں کھا کر خدا پر جھوٹ بول سکتا ہے اور اس طرح آپ نے اسکے دھوکے میں آ کر ہمیشگی کے اس درخت۔شجرۃ الخلد۔سے کھا لیا اور خسارے میں پڑ گئے، والعیاذ باللہ۔

۱۲۴ معصیت خداوندی کا نتیجہ حُلّۂ جنت سے محرومی۔والعیاذُ باللہ:۔سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ اس شجرۂ ممنوعہ سے کھا لینے کے بعد آدم اور حوا دونوں حُلّۂ جنت سے محروم ہو گئے اور اس کے نتیجے میں ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے۔اور جنت کا وہ لباس ان دونوں سے اتر گیا جو ان کو اس سے پہلے میسر تھا۔سو اس سے معلوم ہوا کہ ننگا کرنا اور حیا سے عاری کر دینا شیطان کا پرانا حربہ ہے۔جس سے وہ بنی آدم کو بہکانے بھٹکانے کیلئے کام لیتا ہے۔آج اسی شیطانی حربے کی بنا پر عریانیت کے طرح طرح کے نمونے اور مظاہر جگہ جگہ نظر آ رہے ہیں۔مگر دنیا اور خود مسلمان ہے کہ شیطان کے اس حربے اور طریقہ واردات سے غافل ولا پرواہ ہے۔الا ما شاء اللہ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔سو اطاعت خداوندی انسان کے لیے ذریعہ عزت و شرف اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی و بہرہ مندی کا وسیلہ ہے۔جبکہ اس سے محرومی لباسِ عزت و شرف سے محرومی اور باعثِ ذلت و خواری ہے۔والعیاذ باللّٰہ العظیم۔اللّٰھم فخذ بنواصینا الی ما فیه حبک ورضاک بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یا ذا الجلال والاکرام۔

وَرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝۱۲۱ ثُمَّ

پتے چپکانے لگے ۱۳۵ اس طرح آدم سے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی ہوگئی ۱۳۶ اور وہ بھٹک گئے ۱۳۷ پھر

اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝۱۲۲ قَالَ اهْبِطَا

ان کے رب نے انہیں چن لیا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں راہ ہدایت دی ۱۳۸ اور فرمایا تم

۱۳۵ شرم و حیاء انسانی فطرت کا تقاضا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حُلّۂ جنت سے محرومی کے بعد وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے۔ اپنی اس فطری شرم و حیاء کی بناء پر جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی طبیعت و جبلت میں ودیعت فرما رکھا ہوتا ہے اور جو کہ شرم و حیاء اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ جو منبع اور سرچشمہ ہے کئی عظیم الشان خوبیوں اور خصلتوں کا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پچھلی نبوتوں سے جو کلام متوارث چلا آیا ہے وہ یہ ہے کہ "جب تمہاری شرم و حیا ختم ہو جائے تو تم جو چاہو کرو" "اِنَّ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ"۔ سو شرم و حیاء کی دولت انسان کو طرح طرح کے مفاسد و مفاسد سے بچاتی ہے جن سے بچانے والی اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے ابلیس لعین نے سب سے پہلے اسی کو نشانہ بنایا۔ اور آج بھی وہ اور اس کی ذریت طرح طرح سے اس کے قلع قمع کے درپے ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور خاص کر ہمارے اس دور میں ٹی وی، وی سی آر اور ڈش انٹینا وغیرہ جیسے ذرائع سے جس طرح شرم و حیاء کی اس متاعِ عزیز و گرانمایہ کی ہوس کی جاتی ہیں ان کی تباہ کاریوں کا پوری طرح اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ الا ماشاء اللہ ان تباہ کاریوں سے محفوظ رہے۔ ورنہ ان کی ہلاکت خیزیوں سے بچنا بڑا ہی مشکل ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ من الشیطٰن و مکرہ۔

۱۳۶ حضرتِ آدم سے صدورِ معصیت کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح حضرت آدم سے اپنے رب کی معصیت کا صدور ہوگیا۔ کہ انہوں نے اس شجرۂ ممنوعہ سے کھا لیا جس کے قریب جانے سے آپ کو منع فرمایا گیا تھا۔ مگر چونکہ آپ کی یہ نافرمانی قصد و ارادہ سے نہیں تھی بلکہ اس کا صدور بھول چوک اور شیطان کی دھوکہ دہی سے ہوگیا تھا جیسا کہ اوپر کی سورۂ کریمہ کی آیت نمبر ۱۱۵ میں اس کی تصریح فرمائی گئی۔ سو وہاں ارشاد فرمایا گیا ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾۔ اس لئے حضرتِ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس فعل کا صدور و ارتکاب نہ کوئی جرم تھا نہ گناہ۔ مگر آپ کی شان رفیع اور مقام بلند کی بناء پر اس کو معصیت کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا۔ لہٰذا اس سے عصمتِ انبیاء کے متفقہ اور اجماعی عقیدے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اہل بدعت کے بعض لوگوں نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی" مگر اول تو یہ ترجمہ نہیں بلکہ تشریح و توضیح کے قبیل سے ہے جس کی جگہ ترجمہ نہیں تفسیر ہوتی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ لغزش ترجمہ ہے "زلّ" کا۔ جبکہ آیت کریمہ میں "زلّ" نہیں "عصیٰ" فرمایا گیا ہے۔ جو کہ عصیان اور معصیت سے ماخوذ ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ جس سوال سے بچنے کے لئے ایسا کیا گیا وہ تو پھر بھی باقی اور بدستور ہے۔ لہٰذا بہتر اور عمدہ طریقہ یہی ہے کہ لفظ کو تو اپنے حقیقی معنی و مفہوم ہی پر رکھا جائے اور شرح و تفسیر میں اصل اور حق بات کو واضح کر دیا جائے۔ جیسا کہ جمہور ثقہ مفسرین و مترجمین کرام نے کیا ہے۔ ہم نے جمہور اہل علم کے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اور جمہور علماء و مفسرین کرام اس ارشاد کی توضیح و تشریح اس طرح کے الفاظ سے کرتے ہیں "ای خالف ادم ربہ بالاکل من الشجرۃ فضل عن المطلوب

الذی ھو الخلود فی الجنۃ " (ابوالسعود، المراغی، المدارک، المحاسن اور المعارف وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے اولادِ آدم کو یہ تنبیہ فرمادی گئی ہے کہ وہ ابلیسِ لعین اور اس کی ذریت کی دھوکہ دہی اور وسوسہ اندازی سے ہمیشہ ہوشیار اور چوکنا رہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَالْعِصْمَۃُ۔ بہرکیف شیطان کی دھوکہ دہی کی بناء پر حضرتِ آدم سے معصیت کا صدور ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ارشاد فرمودہ ہدایت پر قائم نہ رہ سکے جس کے نتیجے میں وہ صحیح راستے سے بھٹک گئے۔

۱۲۷ معصیت باعثِ خسارہ ومحرومی۔ والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ معصیت کا نتیجہ وانجام راہِ حق وہدایت سے بھٹک جانا ہے جو کہ ہولناک خسارہ اور سب سے بڑی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا کہ " آدم سے معصیت سرزد ہوگئی اور اس کے نتیجے میں وہ بھٹک گیا "۔ یعنی بھٹک گیا راہ مطلوب سے۔ جو کہ اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری کی راہ ہے۔ اور جو کہ امن وسلامتی کی راہ اور دارین کی سعادت وسرخروئی کی کفیل وضامن ہے۔ اور حضرتِ آدم سے ایسا شیطان کے دھوکہ اور فریب کی وجہ سے ہوا تھا۔ نیز وہ شیطان کے اس دھوکہ وفریب میں اس بناء پر آگئے تھے کہ شجرۂ خلد سے کھانے کے نتیجے میں دوام وخلود کی نعمت سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ لیکن ہوا اس کے برعکس یہ کہ جنت سے ہی نکلنا پڑا اور شجرۂ خلد کے بارے میں ابوداؤد، طیالسی اور امام احمدؒ نے حضرتِ ابوہریرہ۔ رضی اللہ عنہ۔ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ جنت کا ایک ایسا عظیم الشان درخت ہوگا کہ ایک سوار سو سال تک اس کے سائے میں چلے گا تو بھی وہ اس کو طے نہیں کر سکے گا۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر وغیرہ)۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ مَآ اَعْظَمَ شَانُہٗ وَمَآ اَکْرَمَ اِنْعَامُہٗ ۔ سو اس ارشاد سے یہ امر بھی واضح ہوجاتا ہے کہ معاصی وذنوب راہِ حق وصواب سے محرومی کا باعث ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے " المعاصی برید الکفر "۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ اور راہ حق پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

۱۲۸ حضرتِ آدم کے بارِ دگر اجتباء کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ " انکے رب نے ان کو پھر چنا اور راہ پر ڈال دیا "۔ یعنی غلطی اور دھوکہ سے آپ کا جو قدم مطلوبہ راہِ راست سے ہٹ گیا تھا اس کو دوبارہ اسی راہ پر ڈال دیا۔ اور اس پر ایسا پکا اور پختہ کردیا کہ پھر زندگی بھر کبھی آپ اس لعین کے دھوکے میں نہ آئے۔ اور شیطانِ رجیم کے اغواء اور دھوکہ دہی کی بناء پر جس زلت ولغزش کا صدور آپ سے ہوگیا تھا اس کی تلافی وتدارک کے لئے حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ ہی کی طرف سے آپ کو توبہ واستغفار اور انابت ورجوع الی اللہ کے لئے یہ کلمات تعلیم وتلقین فرمائے گئے تھے۔ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾۔ اس دعا کے ذریعے آپ نے سچے دل سے توبہ کرلی۔ یہاں پر اجتباء کا ذکر حضرتِ آدم کی توبہ اور قبولیتِ توبہ سے پہلے فرمایا گیا ہے۔ سو اس اجتباء سے مراد حضرتِ آدم کو توفیقِ توبہ اور کلماتِ توبہ سے سرفراز فرمانا ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۳۷ سے بھی واضح ہوتا ہے۔ بہرکیف حضرتِ آدم نے اپنے خالق ومالک کے حضور رجوع کیا تو اس نے اپنی رحمت وعنایت سے آپ کو معاف بھی فرمادیا۔ اور مزید عنایات سے بھی سرفراز فرمایا کہ وہ غفار وکریم، رؤف ورحیم اور تواب وحکیم ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ جل شانہ، وعز برھانہ،۔ اور اس میں بھی اولادِ آدم کے لئے یہ عظیم الشان درس ہے کہ اگر کبھی بشری تقاضے سے کسی خطاء وقصور کا صدور ہوجائے تو انسان فوراً سچی توبہ وانابت کے ذریعے اس وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع کرے اور اس سے معافی مانگے۔ وہ سب گناہوں کو معاف فرمانے والا ہے۔ خواہ کسی کا گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کہ اس کی رحمت کا دائرہ اس کے بندوں کے گناہوں سے کہیں بڑھ کر وسیع ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کہ اسکی ہر صفت وشان لامحدود ہے۔ فاغفر لی وارحمنی یا ربی۔ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم۔ وَاَنْتَ الاعزُّ الاکرام، و رحمتکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ۔ وَمَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ۔

مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ

دونوں اکٹھے یہاں سے اتر جاؤ، اس حال میں کہ تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہوگا، پھر (یاد رکھنا کہ) اگر آ جائے تمہارے پاس

مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

کوئی ہدایت میری طرف سے تو (اس بارے میں میرا ضابطہ یہ ہوگا کہ) جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً

بدبختی میں مبتلا ہوگا، ف۱۲۹ اور جس نے ہماری اس نصیحت سے منہ موڑا تو بے شک اس کے لئے (دنیا میں) تنگ

ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ

گزران ہوگی ف۱۳۰ اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے ف۱۳۱ وہ کہے گا میرے رب، تو نے

۱۲۹ سلامتی و نجات کی راہ، حق و ہدایت کی پیروی و اتباع: سو راہِ حق پر چلنا اور ہدایتِ قرآن کی پیروی کرنا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ اور سلامتی و نجات کا ضامن و کفیل ہے۔ اور ایسا شخص نہ دنیا میں راہِ حق و صواب سے بھٹکے گا اور نہ اس کے نتیجے میں وہ دنیا و آخرت میں مشقت و تکلیف میں پڑے گا۔ جیسا کہ حاکم اور بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی پیروی کرنے والے کو دنیا میں گمراہی سے محفوظ رکھے گا اور آخرت میں شقاوت و بدبختی سے۔ اور پھر آپؐ نے یہی آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی۔ سو ایمان و یقین والوں کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی بشارت ہے۔ جیسا کہ سورۂ نحل کی آیت نمبر ۹۷ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ نیز جیسا کہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے آنحضرت ـ صلی اللہ علیہ وسلم ـ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ کی پیروی کی وہ دنیا میں محفوظ ہوگیا گمراہی سے اور آخرت میں بچ گیا برے عذاب سے۔ (روح، قرطبی، مراغی، ابن کثیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو ہدایت قرآن کی اتباع و پیروی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے اور اس سے محرومی دارین کی خیر و برکت سے محرومی ہے ـ والعیاذ باللہ العظیم ـ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۳۰ ہدایت قرآن سے روگردانی کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی ـ والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہدایت قرآن سے روگردانی و محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی اور ہر خیر و برکت سے محرومی ہے ـ والعیاذ باللہ ـ کہ ایسا شخص دل کے امن و سکون اور زندگی کی حقیقی لذت سے محروم ہوگا اگرچہ وہ خزانہ قارون ہی کا مالک کیوں نہ ہو۔ اور پھر قبر میں ـ جیسا کہ صحیح روایات میں وارد ہے ـ قبر اس پر تنگ کر دی جائے گی۔ اور اس پر ستر ایسے اژدہے مسلط کر دئے جائیں گے جن میں سے ہر ایک کے سات سات منہ ہوں گے۔ اور وہ یوم حشر تک اس کو ڈستے رہیں گے۔ اور پھر اس کے بعد اسکے لئے آخرت کا دائمی عذاب ہوگا۔ (ابن کثیر، مراغی، فتح وغیرہ) ـ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ـ جبکہ مومن کو

اپنے ایمان و یقین کے باعث اور اس کتابِ عظیم کی برکت سے دنیا میں دل کا سکون و اطمینان نصیب ہوگا۔ اگرچہ وہ معمولی جھونپڑے ہی میں رہتا ہو۔ اور اس کے تن کے کپڑے بھی سالم نہ ہوں۔ پھر قبر میں اس کو ایک عظیم الشان سبز باغیچے اور اس کی سعادت و سرخروئی سے نوازا جائے گا۔ اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جائے گی اور اس کو ایسی عمدہ روشنی بخشی جائے گی جو چودہویں کے چاند کی روشنی سے بھی بڑھ کر ہوگی۔ اور پھر آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی میں وہ دائمی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور ہوگا - اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ - سو ایمان و یقین کی دولت وہ عظیم الشان دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے نوازتی ہے کہ دنیا میں اس سے انسان کو حیاتِ طیبہ - پاکیزہ زندگی - نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں جنت اور اس کی سدابہار نعمتوں سے سرفرازی ملتی ہے - اللہ نصیب فرمائے - آمین۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جو ہمارے اس ذکر اور یاد دہانی سے اِعراض کرے گا اور منہ موڑے گا وہ سکونِ قلب اور شرحِ صدر کی دولت سے محروم اور ہلاکت و تباہی کی راہ پر گامزن ہوگا۔ اس کے پاس آرام و راحت کے ظاہری اسباب خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں لیکن وہ سکون و اطمینان کی دولت سے محروم ہی رہے گا۔ اور یہ ظاہری اسباب و وسائل محض دھوکے اور بھلاوے کا سامان ہیں۔ بھوک سے رونے والے بچے کے منہ میں چوسنی یا نپل دے کر کچھ دیر کے لیے تو اس کو بہلایا جاسکتا ہے لیکن اس سے بھوک بہر حال رفع نہیں ہوسکتی۔ بھوک صرف اسی صورت میں رفع ہوگی جبکہ اس کی ماں اس کو چھاتی سے لگا کر اسے دودھ پلائے گی۔ اور دودھ اسکے پیٹ میں جائے ورنہ دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۱۳۱ ہدایتِ قرآن سے محرومی سعادت دارین سے محرومی - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہدایت قرآن سے منہ موڑنے والوں کے لیے آخرت کا انجام بھی نہایت ہولناک ہوگا - والعیاذ باللہ - سو ہدایتِ قرآن سے محروم انسان کو آخرت میں اندھا کر کے اٹھایا جائے گا کہ اس نے دنیا میں اپنے آپ کو نورِ حق و ہدایت سے خود محروم اور اندھا بنا رکھا تھا۔ اور کفر و انکار کے مہیب اندھیروں کو اس نے اپنے ارادہ و اختیار سے خود اپنا رکھا تھا۔ سو آخرت کے اس نادیدہ جہاں میں جو کہ کشف و ظہور اور مشاہدہ و بروز کا جہاں ہوگا اس کا اپنا اختیار کردہ یہ اندھا پن سب کے سامنے آجائے گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور یہ گونگا اور بہرہ بھی ہوگا کیونکہ اس نے دنیا میں اپنے آپ کو حق کے سننے اور دیکھنے سے بہرہ اور اندھا بنا رکھا تھا اور حق و ہدایت کی آواز اسکے دل و دماغ تک پہنچنے ہی نہیں پاتی تھی۔ سو اس روز اس کا یہ اندھا، بہرا اور گونگا پن ظاہر ہو کر سب کے سامنے آجائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ، مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ، كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ - (بنی اسرائیل: ۹۷)۔ یعنی نورِ حق و ہدایت کے ایسے منکروں کو ہم قیامت کے روز ان کے چہروں کے بل اندھا گونگا اور بہرا کر کے اکٹھا کریں گے۔ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا جب اسکی آگ بجھنے لگے گی ہم اس کو اور بڑھا دیں گے۔ سو جو لوگ ہدایتِ قرآن سے مستفید ہونے کی بجائے اپنی آنکھوں، کانوں اور دل و دماغ کو بند کیے رہے اور انہوں نے اپنے آپ کو حیوانِ لایعقل کی سطح پر اتار دیا ان کو کل قیامت کے اس یومِ فصل میں اللہ تعالیٰ کی ان عظیم الشان نعمتوں کی ناقدری کی پاداش میں جانوروں کی طرح اندھا بہرہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اور یہ ایسا ہولناک انجام اور بھیانک خسارہ ہے کہ پھر اس سے نکلنے اور خلاصی پانے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - اور نفس و شیطان کے ہر شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ

مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ (دنیا میں تو) میں بینا تھا، ارشاد ہوگا اسی طرح

اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ج وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾

(جب) ہماری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں، تو تُو نے ان کو بھلا دیا تھا ۱۳۲ اسی طرح آج تجھے بھلایا جا رہا ہے، ۱۳۳

وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ط

اور اس طرح ہم بدلہ دینگے ہر اس شخص کو جو کہ حد سے گزر گیا ہو، گا اور وہ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا ہوگا،

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ

اور آخرت کا عذاب تو یقیناً انتہائی سخت بھی ہوگا، اور سب سے بڑھ کر دیر پا بھی، ۱۳۴ تو کیا ان لوگوں کو اس

كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ

(عظیم درسِ تاریخ) سے بھی کوئی ہدایت نہ مل سکی؟ کہ ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، ۱۳۵ جن کی

مَسٰكِنِهِمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۱۲۸﴾ ع ع ۷ ۱۳ ۱۶

(تباہ حال) بستیوں میں یہ لوگ خود چلتے پھرتے بھی ہیں، بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے،

۱۳۲ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بھلا دینا انتہائی ہولناک جرم:۔ سو اس سے کہا جائے گا "دنیا میں تو نے ہماری آیتوں کو بھلا دیا تھا اور ان کو تو نے اس طرح پسِ پشت ڈال دیا تھا جس طرح کسی بھولی بسری چیز کو ڈالا جاتا ہے"۔ اور تو آنکھیں رکھنے کے باوجود ان سے اندھا بن گیا تھا۔ دنیاوی امور کے بارے میں تیری نظریں بہت تیز تھیں لیکن حق اور حقیقت کے دلائل کو دیکھنے اور سننے سمجھنے سے تو اندھا بہرہ بن گیا تھا۔ سو دنیا میں تیرا اپنا اختیار کردہ وہی اندھا پن آج تیرے سامنے ہے۔ اب تو اپنے کیے کرائے کا بھگتان خود بھگت اور اپنے سوا کسی اور کی ملامت مت کر۔ سو قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر عظیم الشان اور بے مثال احسان ہے کہ اس نے آخرت کے ان غیبی حقائق سے جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں دنیا کو اس قدر صراحت اور وضاحت سے آگاہ فرما دیا تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود و مختصر اسکے ہاتھ سے نکل جائے۔ مگر دنیا ہے کہ پھر بھی غفلت اور گہری غفلت میں ڈوبی پڑی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو آنکھوں کانوں اور دل و دماغ کے یہ عظیم الشان قوائے علم و ادراک اور ان قوتوں کی یہ عظیم الشان نعمتیں اُس واہبِ مطلق۔ جل جلالہ۔ نے اس لیے

نہیں بخشی تھیں کہ انسان ان کو محسوسات کا غلام بنادے اور بطن وفرج کی خواہشات کا پجاری بن کررہ جائے۔ اور اس کے نتیجے میں انسانیت کے منصبۂ شرف سے گر کر حیوانیت اور بہیمیت کے قعرِ مذلت میں پہنچ جائے۔ والعیاذ باللہ۔ بلکہ اس کو اس نے ان عظیم الشان قوتوں اور نعمتوں سے اس لیے نوازا تھا کہ وہ ان کے ذریعے ان حقائقِ جلیلہ کا مشاہدہ کرے جو اس کائنات کے ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ پر نقش وثبت ہیں۔ تاکہ اس طرح وہ اپنے باطن کو نورِ معرفت سے منور وسرشار کرسکے اور سعادتِ دارین سے بہرہ ور ہوسکے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۱۳۳ آخرت کے ان اندھوں کی فریاد کا جواب: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرت کے یہ اندھے جب اس روز شکایت اور فریاد کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں اندھا کر کے کیوں اٹھایا جبکہ دنیا میں ہم بہت تیز دیکھنے والے تھے۔ جواب ملے گا کہ ''تم نے دنیا میں ہماری آیتوں کو بھلا دیا تھا اسی طرح آج تم کو بھلایا جارہا ہے''۔ یعنی دنیا میں تو تم لوگ واقعی بہت تیز دیکھتے تھے مگر اللہ کی آیتوں سے تم لوگوں نے نظریں پھیر رکھی تھیں۔ سو اسی طرح آج تجھ کو بھلایا جارہا ہے اور تمہیں یہاں کے ان حقیقی اور دائمی انعامات سے محروم کر کے چھوڑ دیا جائے گا اور تمہیں ایسا چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ کسی بھولی بسری چیز کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو جس طرح تم دنیا میں ہماری آیتوں سے منہ موڑے اور اندھا بنا رہا اسی طرح آج تجھ کو اس طرح چھوڑ دیا جائے گا اور تجھ سے وہی معاملہ کیا جائے گا جو اندھے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من زیغ وضلال وسوء وانحراف۔

۱۳۴ آخرت کے عذاب کی ہولناکی کا ذکر وبیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور آخرت کا عذاب انتہائی سخت بھی ہوگا اور سب سے بڑھ کر دیرپا بھی''۔ کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ رہے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اللہ کے ذکر اور اس کی یادِ دلشاد سے اعراض اور محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ دنیا وآخرت کی سعادت وسرخروئی سے محرومی کا باعث اور موجبِ اذیت وعذاب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جبکہ ذکرِ الٰہی سے سرفراز وشادکام رہنے والوں کیلئے آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی جنت ہے۔ یعنی دل کا سکون واطمینان اور پاکیزہ زندگی۔ اسی لیے بعض اسلافِ کرام نے فرمایا کہ جو دنیا کی جنت میں داخل نہیں ہوسکا وہ آخرت کی اس حقیقی اور ابدی جنت میں بھی داخل نہیں ہوسکے گا۔ (محاسن التاویل وغیرہ) ۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لیے اللہ کے رسول نے حلقاتِ ذکر کو جنت کے باغیچے ''ریاض الجنۃ'' قرار دیا۔ (ترمذی، کتاب الدعوات) وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید۔

۱۳۵ پہلی قوموں کے انجام سے درسِ عبرت کی ترغیب: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ان لوگوں کو اس سے بھی کوئی ہدایت نہ مل سکی کہ ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کرچکے ہیں''۔ جیسے قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ لوط وغیرہ۔ سو وہ انجام آج کے ان منکروں کا بھی ہوسکتا ہے کہ حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کا قانون سب کے لئے ایک اور بے لاگ ہے۔ سو ماضی کی ان ہلاک شدہ قوموں کے انجام سے دورِ حاضر کے ان منکروں کو درسِ عبرت لینا چاہیئے اور اپنی اصلاح کرلینی چاہیئے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ ہمیش کے خسارے میں مبتلا ہونا پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ

اور (منکرین وجرائم پیشہ لوگوں کی فوری پکڑ نہ ہونے پر کسی کو دھوکہ نہ ہو کیونکہ) اگر تیرے رب کی طرف سے ایک طے شدہ بات ف۱۳۶ اور ایک مقرر کردہ

اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ

مدت نہ ہوتی تو وہ (عذاب) یقیناً ان پر کبھی کا چپک کر رہ گیا ہوتا ف۱۳۷ پس آپ صبر ہی سے کام لیتے رہیں ان باتوں پر جو یہ لوگ بناتے ہیں ف۱۳۸ اور اپنے رب کی

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ج

حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہیں ف۱۳۹ سورج کے نکلنے سے پہلے بھی، اور اس کے ڈوبنے سے پہلے بھی،

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی اس کی پاکی بیان کرتے رہیں، اور دن کے کناروں میں بھی، ف۱۴۰ تاکہ آپ کو

۱۳۶ **منکرین کی طرف سے مطالبۂ عذاب کا جواب:** سو یہ لوگ جو لاپرواہی سے اور استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ "ہم پر عذاب لاتے کیوں نہیں ہو"۔ سو واضح رہنا چاہیے کہ اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ ہوتی کہ اتمامِ حجت سے پہلے کسی قوم کو عذاب نہیں دیا جائے گا (ابن کثیر، المعارف وغیرہ) یا یہ کہ امتِ محمدیہ پر پہلی قوموں کی طرح عذابِ مستاصل نہیں آئے گا بلکہ ان کا معاملہ قیامت کے لئے اٹھا رکھا گیا ہے (کشاف مراغی وغیرہ)۔ سو اگر تمہارے ربِّ رحمان ورحیم کی طرف سے ایسی بنیادی بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان پر عذاب کبھی کا آ گیا ہوتا۔ پس اس تاخیر وامہال سے ان کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے بلکہ اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنی اصلاح کی فکر وکوشش کرنی چاہیے۔ وباللہ التوفیق

۱۳۷ **عذاب کا وقت مقرر ہے:** سو اگر ان کے عذاب کیلئے ایک مدت مقرر نہ ہوتی تو وہ عذاب کبھی کا آ گیا ہوتا۔ جس کے یہ لوگ اپنے کردار وعمل کے اعتبار سے مستحق ہیں۔ مگر چونکہ ان کے آخری فیصلے اور عذاب کے لئے قیامت کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے اس لئے یہ بچے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾۔ اور قیامت کے اس آخری اور ہولناک عذاب سے پہلے اس دنیا میں بھی مختلف قوموں پر جو عذاب آئے ہیں یا اب بھی آتے ہیں ان سب کے لیے سنتِ خداوندی کے مطابق ایک خاص وقت اور حد مقرر ہے جس کا تعلق قوموں کے اخلاقی زوال وبگاڑ سے ہوتا ہے۔ جب ان کا اخلاقی زوال وبگاڑ اس خاص حد تک پہنچ جاتا ہے تو ان کو دھر لیا جاتا ہے۔ سو ان منکرین کے عذاب میں جو دیر اور تاخیر ہو رہی ہے وہ سنت خداوندی اور اس کے طے کردہ قاعدے اور ضابطے کے مطابق ہو رہی ہے۔ اس لیے اس بارے میں کسی کو یہ غلط فہمی کبھی نہیں ہونی چاہیے کہ عذاب آئے گا ہی نہیں۔ اور یہ کہ یہ کوئی ہوائی بات ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ بلکہ عذاب نے اپنے وقت پر بہرحال آ کر رہنا ہے اس لیے عقلمندی کا تقاضا اس سے بچنے کی فکر کرنا ہے قبل اس سے کہ وہ آ کر رہے والعیاذ باللہ۔

۱۳۸ **صبر و برداشت کی تعلیم و تلقین** :- سو اس سے منکرین کی باتوں پر صبر و برداشت کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ ان لوگوں کی ان باتوں پر جو یہ لوگ بناتے ہیں صبر سے کام لیں"۔ یعنی ان کی ان باتوں پر جو یہ بناتے ہیں حق اور اہلِ حق کے خلاف اور ان کا معاملہ اپنے خالق و مالک ہی کے حوالے کر دیں۔ وہ ان سب سے خود ہی نمٹ لے گا۔ اور کمال عدل و انصاف کے ساتھ نمٹے گا۔ سو یہ لوگ جو آپ کے بارے میں طرح طرح کی دلآزار اور دکھ دہ باتیں کرتے ہیں۔ کبھی آپ کو ساحر کہتے ہیں کبھی شاعر اور کبھی مجنوں وغیرہ۔ تو آپ اے پیغمبرؐ ان کی ایسی تمام باتوں پر صبر ہی سے کام لیں۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب اللہ آپ کے ساتھ ہے تو پھر آپ کو کسی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ ان کی ایسی یاوہ گوئیوں کو کبھی خاطر میں نہ لائیں۔ اور صبر کی بنیاد درحقیقت اس عقیدے پر ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے۔ اور اس کی مشیت و مرضی تمام تر مبنی ہوتی ہے حکمت پر اور اس عقیدے کو دل میں راسخ اور ذہن میں متحضر رکھنے کے لیے سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ذکرِ الٰہی اور نماز ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنے ذکر سے رطب اللسان، اور اپنی یاد دلشاد سے آباد رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویا ارحم الراحمین

۱۳۹ **صبر و استقامت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ذکر و تسبیح** :- سو ارشاد فرمایا گیا "اور اپنے رب کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو"۔ کہ یہ سب دکھوں کا علاج اور تمام غموں کا مداوا ہے۔ اور دلوں کی تقویت اور ان کے سکون کا ذریعہ و وسیلہ۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْم ۔ سو رب کی حمد و ثناء کے ساتھ اسکی تسبیح کرنا بندۂ مومن کا اور خاص کر داعیِ حق کی تسکین و تسلیہ اور نصرت و امدادِ خداوندی سے سرفرازی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔ تسبیح کا عام مفہوم تو ذکرِ الٰہی ہی ہے۔ اور یہ ہر وقت اور ہر حال میں مطلوب ہے کہ یہ مومن کی اصل قوت اور اس کی زندگی ہے۔ لیکن یہاں پر اس کا ذکر اوقات کی قید کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اس قرینے کی بنا پر اس سے مراد نماز ہے جو کہ ذکرِ خداوندی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اور تسبیح کے ساتھ حمد کے ذکر سے ذکرِ الٰہی کی صحیح صورت کو واضح فرما دیا گیا کہ تسبیح میں تنزیہ کا پہلو غالب ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے اور ہر شائبہ شرک سے پاک ہے۔ جبکہ تحمید میں اِثبات کا پہلو غالب ہے۔ یعنی وہ ہر خوبی و کمال سے متصف اور ہر حمد و ثناء کا حقدار ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور ہر طرح کی حمد و ثنا اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۱۴۰ **اوقاتِ نماز کی تعلیم** :- سو اوقاتِ پنجگانہ میں ذکر و تسبیح کی خاص اہمیت کا ذکر و بیان ہے۔ اور اس میں دراصل پانچ فرض نمازوں اور نمازِ تہجد کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو کہ حمد و ثناء اور تسبیح کا بہترین ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک کو کس طرح ادا کیا جائے اس کی تفصیل پیغمبر کے قول و فعل سے ہی مل سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیثِ رسول کے بغیر نہ قرآن سمجھنا ممکن ہے نہ دینی احکام پر عمل کرنا۔ سو یہاں پر صبر و صلوٰۃ کے ان دو ذریعوں کو اپنانے اور اختیار کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے جو کہ نصرت و اعانتِ خداوندی کے حصول کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾۔ الآیۃ (البقرۃ: ۴۵)۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ

خوشی حاصل ہو، ۱۴۱ اور کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا اس (سامانِ عیش وعشرت) کی طرف، جو کہ ہم نے ان لوگوں کے مختلف گروہوں کو

أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ

دنیاوی زندگی کی رونق کے طور پر دے رکھا ہے، تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں، ۱۴۲

فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَأْمُرْ أَهْلَكَ

اور تیرے رب کا عطیہ تو بہرحال اس سے کہیں بڑھ کر عمدہ بھی ہے، اور دیرپا بھی ۱۴۳ اپنے گھر والوں کو نماز کی

بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ

تلقین کرتے رہو، اور خود بھی اس کے پابند رہو، ہم تم سے کوئی روزی نہیں مانگتے، روزی تو

نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوا لَوْلَا

تم کو بھی ہم ہی دیتے ہیں، اور انجام کی بھلائی تو (بہرحال) تقویٰ ہی کے لئے ہے، ۱۴۴ اور کہتے ہیں کہ کیوں نہیں

۱۴۱ استقامت وسیلۂ ظفر وسعادت: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ راہِ حق پر استقامت کا ثمرہ ونتیجہ خوشی اور سعادت مندی سے سرفرازی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ راہِ حق پر ڈٹ جائیں تاکہ آپ کو خوشی حاصل ہو"۔ اپنے رب کی ان رحمتوں، عنایتوں اور برکتوں کے باعث جو کہ آپ کو حاصل ہوں گی اپنے ان اعمالِ خیر کے طفیل اور ان کے نتیجے میں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾۔ "اور عنقریب ہی آپ کا رب آپ کو وہ کچھ دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے"۔ سو راہِ حق وہدایت پر استقامت اللہ پاک کی حمد وثناء اور اسکی تسبیح وتقدیس اور اس کی رضا کے لئے پنجگانہ نمازوں اور تہجد ونوافل کا قیام واہتمام اور انکی پابندی والتزام مومن کیلئے تائید وتقویت، عزت وعنایتِ خداوندی حقیقی خوشی وسعادت مندی سے سرفرازی اور اپنے خالق ومالک کی رضا سے مشرف وفیضیاب ہونے کا عظیم الشان ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيقَ لِذٰلِكَ وَالسَّدَادَ وَالثَّبَاتَ۔ بہرکیف اس عظیم الشان بشارت سے سرفرازی وبہرہ مندی کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم راہِ حق وہدایت پر ثابت قدم اور اپنے موقف پر ڈٹے رہو اور اپنے کام میں لگے رہو۔ تمہارا رب تمہیں دنیا وآخرت دونوں میں ایسی عظیم الشان عنایات اور کامرانیوں سے نوازے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے اور تمہارے لیے انہی نمازوں کے التزام اور پابندی میں سب کچھ مضمر ومحفوظ ہے۔ اپنے رب کے سوا تمہیں اور کسی کی طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۲ متاعِ دنیا سامانِ ابتلاء و آزمائش:- سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ متاعِ دنیا محض سامان ابتلاء و آزمائش ہے کہ یہ لوگ اس مال و دولت کے پانے کے بعد اپنے منعمِ حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری کا ارتکاب کرتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- پس جو اس دنیاوی مال و متاع پر شکر ادا کر کے اپنے خالق و مالک کی طرف جھکیں گے اور اس کو اس کی رضا و خوشنودی کے لیے خرچ کریں گے تو ان کیلئے یہ سامانِ دنیا یقیناً ذریعہ خیر و برکت بن جائے گا۔ اور جو اس کی بناء پر کبر و غرور میں مبتلا ہو کر اِعراض برتے گا اور روگردانی کرے گا- والعیاذ باللہ- اس کیلئے یہ سب کچھ یقیناً باعثِ عذاب و نکال بن جائے گا- والعیاذ باللہ- سو متاعِ دنیا جتنا بھی زیادہ ہو وہ بہرحال زیب و زینت کا ذریعہ اور ابتلاء و آزمائش کا سامان ہے- والعیاذ باللہ- پس اس پر اترانے اور تکبر کرنے کی بجائے اس کو رضائے خداوندی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ بنایا جائے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید۔-

۱۲۳ عطیہ و احسان خداوندی ہی اصل چیز ہے:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اصل چیز حضرتِ حق-جل مجدہٗ- کا خاص عطیہ و احسان ہی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور آپ کے رب کا عطیہ و احسان ہی سب سے بڑھ کر ہے''۔ کہ وہ ہمیشہ رہے گا کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور وہ بہتر و عمدہ اتنا ہے کہ اس کے سامنے اہلِ دنیا کے اس مال و دولت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ لہٰذا اصل مقصود اسی کا حصول ہونا چاہیئے نہ کہ دنیائے دوں کا متاعِ قلیل و فانی۔ سو نورِ حق و ہدایت اور شرفِ نبوت و رسالت سے جو آپ کے رب نے آپکو سرفراز فرمایا ہے وہی بہتر اور سب سے عمدہ دولت ہے۔ اور اتنی بہتر اور اس قدر عمدہ کہ مال و اسباب کے اس متاعِ قلیل کی اسکے سامنے کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں کہ اسی نورِ ہدایت سے انسان کو اس کے شرفِ انسانیت سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے اور وہ حیوانیتِ محضہ کے گڑھے سے نکل کر شرفِ انسانیت تک پہنچتا ہے۔ اور اسی سے اسکو دنیا میں پاکیزہ زندگی- حیاتِ طیبہ- کی سعادت سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں جنت کی نعیمِ مقیم سے بہرہ مندی نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا- ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾- (النحل: ۹۷) (المحاسن وغیرہ) اللہ ہمیشہ اپنی خصوصی عنایات کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۴ تقوٰی و پرہیز گاری ذریعۂ فوز و فلاح:- پس تقوٰی والے ہی بہرکیف کامیاب اور فائز المرام ہوں گے۔ سو اصل دولت تقوٰی و پرہیز گاری ہی کی دولت ہے- اللہ نصیب فرمائے- بہرکیف بندے سے اصل مطلوب و مقصود عبادت و بندگی اور تقوٰی و طہارت ہی ہے نہ کہ روزی رسانی اور دنیاوی مال و متاع۔ جس طرح کہ دنیاوی آقا اور سردار اپنے نوکروں، خادموں اور ماتحتوں سے چاہتے اور کراتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ''اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر صرف اس مقصد کے لیے کہ وہ میری عبادت اور بندگی کریں۔ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ بات ہے کہ وہ مجھے کھلائیں۔ یقیناً اللہ ہی ہے سب کا روزی رساں، بڑی قوت اور طاقت والا''- سبحانہ، وتعالٰی- (الذاریات: ۵۸-۵۷)۔ بہرکیف تقوٰی و پرہیز گاری بندہ سے اصل مطلوب اور ذریعۂ فوز و فلاح اور دارین کی سعادت و سرفرازی کا وسیلہ ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید- اللہ ہمیشہ تقوٰی و پرہیز گاری سے سرشار رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین۔

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي

لے آتا یہ رسول ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی ۱۴۵ تو کیا ان کے پاس واضح بیان نہیں آگیا ان تعلیمات کا

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ

جو کہ پہلے صحیفوں میں تھیں ۱۴۶ اور اگر کہیں ہم ان کو اس کے آنے سے پہلے ہی ہلاک

قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا

کر دیتے تو (اس وقت) یہ لوگ یوں کہتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا؟

فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہمیں (اس طرح) ذلت اٹھانا پڑتی؟ اور ہمیں اس رسوائی سے دوچار ہونا پڑتا ۱۴۷

۱۴۵ منکرین کے فرمائشی معجزوں کے مطالبے کا ذکر و بیان: ـ سو اس ارشاد سے کفار و منکرین کی طرف سے فرمائشی معجزوں کے مطالبہ کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں لے آتا یہ رسول ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی معجزہ اور نشانی"۔ یعنی ان کی ان فرمائشی نشانیوں میں سے جن کا یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ جیسے صفا و مروہ کی پہاڑیوں کو سونے کا بنا دیا جائے یا مکہ کی سنگلاخ زمین کو پھوڑ کر اس سے نہریں جاری کر دی جائیں یا وہاں پر کھجوروں اور انگوروں کا کوئی عظیم الشان باغ قائم کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۰ تا ۹۱ میں اس کی تشریح فرمائی گئی ہے۔ (المحاسن وغیرہ)۔ بہرکیف ان منکرین و مکذبین کا کہنا تھا کہ یہ صاحب جو نبوت و رسالت کے دعویدار ہیں یہ ہمارے پاس ہماری طلب و فرمائش کے مطابق اپنے رب کے یہاں سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے۔ سو یہ محض ان لوگوں کی حماقت اور ان کے عناد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا۔ ورنہ پیغمبر سے محض کسی معجزے کا صدور و وقوع کافی ہوتا ہے نہ کہ ان لوگوں کی فرمائش کے مطابق۔ اور معجزہ پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی عطاء و عنایت ہوتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ـ الاٰية (الرعد:۳۸)۔ سو معجزہ پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جب کسی نے مانگا تو فوراً پیش کر دیا اور نہ ہی ایسی بات پیغمبر کی عظمتِ شان اور بلندیٔ مقام کے مطابق ہوتی ہے۔ بلکہ معجزہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جب اور جیسے چاہے پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین

۱۴۶ پیغمبر کی صداقت صحف اولیٰ سے: ـ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا ان لوگوں کے پاس صحفِ اولیٰ کی واضح نشانی اور روشن دلیل نہیں آ گئی؟"۔ سو گزشتہ صحیفوں کی تعلیمات کا واضح بیان آ جانا معجزوں کا معجزہ ہے۔ جس کا عطر اور خلاصہ قرآنِ حکیم

کے اس کلامِ معجز نظام میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اور جس کی خوشخبری تمام پہلی کتابوں نے دی۔ تو کیا اس کے بعد اور کسی نشانی کی بھی کوئی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ لیکن تمہاری ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَوَ لَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَةً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾۔ (العنکبوت: ۵۱)۔ سو گزشتہ صحیفوں کی تعلیمات کے واضح بیان کا آ جانا معجزوں کا معجزہ ہے جس سے نبی اُمّی کو سرفراز فرمایا گیا ہے۔ والحمد للہ۔ نیز نبی اُمّی کی بعثت و تشریف آوری گزشتہ کتابوں میں آپ سے متعلق پائی جانے والی پیشگوئیوں کی تصدیق ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾۔ الآیة (المراغی اور المعارف وغیرہ)۔ یعنی آپ ان پیشنگوئیوں کے مصداق اور ان کے مُصدِّق ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱۶۷ انسان کی بے قدری اور ناشکری کا ایک نمونہ و مظہر: سو یہ انسان کی بے قدری اور ناشکری کا ایک کھلا مظہر ہے کہ اگر ان کو پیغمبر کی بعثت سے پہلے ہلاک کر دیا جاتا تو اس وقت یہ لوگ اس طرح کہتے۔ کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی قبل اس کے کہ ہمیں اس طرح ذلت اٹھانا پڑتی اور ہمیں اس رسوائی سے دوچار ہونا پڑتا۔ مگر اب جبکہ ان کے پاس وہ عظیم الشان پیغمبر اور آخری نبی تشریف لا چکے جو کہ نبیوں کے بھی امام و پیشوا ہیں تو اب یہ لوگ ان کے منکر اور در پے آزار ہو گئے ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کس قدر بے انصاف اور کتنا ناشکرا ہے کہ اسلام کے اس نورِ مبین کے اترنے سے پہلے تو یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کتابِ ہدایت آ جائے تو ہم اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ مگر نورِ ہدایت کی یہ نعمت جب ان کے پاس پہنچ گئی اور کتابِ ہدایت انکے پاس آ گئی تو یہ اس کے منکر ہو گئے۔ قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کو کئی جگہ اجاگر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ (فاطر: ۴۲)۔ یعنی پہلے تو یہ لوگ پکی اور پختہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا۔ رسول۔ آ جائے تو یہ ہر امت سے بڑھ کر ہدایت والے بن جائیں۔ مگر جب ان کے پاس ایک عظیم الشان نذیر آ گیا تو ان کی نفرت اور انکار ہی میں اضافہ ہوا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو یہ منکر اور ناشکرے انسان کی ایک عمومی نفسیات ہمیشہ رہی۔ جب نعمت نہیں ملتی تو یہ اس کیلئے بہت دعوے کرتا ہے۔ لیکن جب وہ نعمت اسکو مل جاتی ہے تو یہ اس سے ناشکری اور بے قدری کا معاملہ کرتا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ جل وعلا۔ والعیاذ بہ سبحانہ، وتعالیٰ۔ ذلت اور خزی کے یہ دونوں لفظ عموماً ایک دوسرے کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ مگر جب یہ دونوں ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ یہاں ہے تو اس وقت ان دونوں کے درمیان ایک باریک فرق ملحوظ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ایسی صورت میں ذلت سے مراد وہ ذلت ہوتی ہے جس کا احساس ذلیل ہونے والا شخص خود اپنے باطن میں کرتا ہے اور خزی سے مراد وہ رسوائی ہوتی ہے جو اس کو دوسروں کے سامنے ہوتی ہے۔ سو مطلب ان کے اس قول کا یہ ہوا کہ نہ ہم اپنی نگاہوں میں ذلیل ہوتے اور نہ ہی دوسروں کے سامنے فضیحت و رسوائی کی یہ نوبت آتی۔ والعیاذ باللہ الذی لا الٰہ الا ھو جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ

کہو کہ اب (ہم میں سے) ہر ایک انتظار میں ہے ۱۴۸ سو تم بھی راہ دیکھتے رہو، پس عنقریب تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ

اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ؑ ۱۳۵ ع ۷ ۱۷

کون ہیں سیدھی راہ والے، اور کون ہیں (نورِ حق و) ہدایت والے، ۱۴۹

۱۴۸ منکرین و معاندین کیلئے آخری جواب، نتیجہ و انجام کا انتظار: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم میں سے ہر ایک انتظار میں ہے۔ اب تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں کہ کس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اہلِ ایمان اہلِ کفر کے انجام کے منتظر ہیں اور اہلِ کفر اہلِ ایمان کے انجام کے کہ اب آخری بات یہی رہ گئی ہے۔ ورنہ دلائل و براہین کے اعتبار سے حق پوری طرح نکھر کر سامنے آ چکا ہے۔ ﴿کل﴾ یہاں پر دراصل "کل واحد منا" کے معنی میں ہے۔ یعنی ہم دونوں فریقوں میں سے ہر ایک دوسرے کے انجام کا منتظر ہے۔ یعنی ہم تمہارے انجام کے منتظر ہیں اور تم ہمارے انجام کے منتظر رہو۔ (جامع البیان اور معارف وغیرہ)۔ سو اب تم انتظار کرو اور عنقریب تم خود ہی دیکھو گے کہ کس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ سو وقت آنے پر یہ سب کچھ تم لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا۔ اور پورے طور پر اور اچھی طرح معلوم ہو جائے گا۔ مگر اس وقت کے اس جاننے اور ماننے کا کوئی فائدہ تمہیں بہر حال نہیں ہوگا۔ سوائے اپنی آتشِ یاس و حسرت میں اضافے کے - والعیاذ باللہ - سو یہ منکرین اور معاندین کیلئے آخری جواب ہوتا ہے کہ اگر تم نہیں مانتے تو اپنے کفر و انکار کے نتیجے اور انجام کا انتظار کرو - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۴۹ فیصلہ کن مرحلے کے انتظار کا درس: - ارشاد فرمایا گیا کہ ان منکرین و معاندین سے کہو کہ اب فیصلہ کن مرحلہ سامنے ہے۔ پس تم انتظار کرو۔ عن قریب تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ راہِ حق و ہدایت پر کون ہے۔ جبکہ تمہیں اپنی محرومی اور ابدی شقاوت و بدبختی پر کفِ افسوس ملنا پڑے گا۔ مگر اس کا کوئی فائدہ تمہیں بہر حال نہیں ہوگا کہ اس کا موقع اور وقت گزر چکا ہوگا - فَثَبِّتِ اللّٰهُمَّ اَقْدَامَنَا عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَ کَرَمِکَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِيْنَ - بہر کیف یہ منکرین و معاندین کیلئے آخری جواب ہے اور اس میں ان کیلئے تنبیہ و تحذیر کا سامان بھی ہے کہ آج ہوش میں آ جاؤ کہ اس کا موقعہ موجود ہے۔ ورنہ ہمیشہ پچھتانا پڑے گا - والعیاذ باللہ - اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (الفرقان: ۴۲)۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ﴾ - (القمر: ۲۶)۔ سو اس وقت تمہیں سب کچھ خود معلوم ہو جائے گا۔ تمہاری آنکھیں پوری طرح کھل جائیں گی اور تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ کوئی خفا و غموض باقی نہیں رہے گا۔ مگر اس وقت کے دیکھنے اور ماننے سے تم لوگوں کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوگا سوائے آتشِ یاس و حسرت میں تیزی و اضافے کے - والعیاذ باللہ - سو اس ارشاد سے منکرین و معاندین کے لیے فیصلہ کن مرحلے کے انتظار کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے - وباللہ التوفیق لمایحب ویرید، وعلی مایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال، وھو الھادی الی سواء السبیل -

☆—— ۶ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۰ھ بروز بدھ جمادی الثانیہ منطقہ ام ہریر، بردبی - والحمد للہ جل وعلا - ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۱، اکتوبر ۱۹۹۷ء بروز جمعہ بوقت سوا بارہ بجے شب (نصف شب) سطوہ دبی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

☆—— تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۱ مارچ ۲۰۰۰ء بروز منگل بوقت سوا دو بجے شام مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر (اثناء رخصت) والحمد للہ رب العالمین، بکلِّ حالٍ من الاحوال

☆—— تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۱۴ صفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۸ مئی ۲۰۰۱ء بروز پیر بوقت سوا بارہ بجے دن سطوہ دبی، والحمد للہ رب العالمین

☆—— چوتھی اور آخری ریڈنگ ۱۷ شعبان ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۲ بروز بدھ بوقت چھ بجے شام (عند اذان المغرب) سطوہ، دبی، والحمد للہ رب العالمین - قبل کل شیٔ وبعد کل شیٔ وانہ ہو الاہل للحمد فی الاولیٰ والآخرۃ۔

☆—— اَللَّمَسَاتُ الاخیرۃ (Final Touches) ۲۷ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۸ جنوری ۲۰۰۴ بروز پیر بوقت ڈیڑھ بجے دن، مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان - والحمد للہ رب العالمین -

الٰهی، اَنْتَ رَبِّی وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِکَ وَوَعْدِکَ، نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ، مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ، عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُکَ اَسْاَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ هُوَ لَکَ. سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَکَ اَو اَنْزَلْتَهُ فِی کِتَابِکَ، اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ، اَوْ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِی عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَن تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُورَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذِهَابَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَا اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ، یَامَنْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ وَمَغْفِرَتُهُ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُهُ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ.

ایاتها ۱۱۲ ۲۱ سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ ۷۳ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ انبیاء مکی ہے اور اس کی ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے،

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝١

قریب آلگا ہے لوگوں سے ان کے حساب کا وقت ۱ اور وہ ہیں کہ غفلت میں پڑے منہ موڑے بیٹھے ہیں ۲ جو بھی کوئی نئی نصیحت ان کے ۳

۱ **یوم حساب کی تذکیر و یاد دہانی**:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "قریب آلگا ہے لوگوں سے ان کے حساب کا وقت مگر لوگ ہیں کہ غفلت میں پڑے ہیں"۔ کیونکہ اس نے بہرحال آکر رہنا ہے اور آنے والی ہر چیز بہرحال قریب ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے "کُلّ اٰتٍ قَرِیب"۔ اور اس کے قرب کی سب سے بڑی نشانی خود حضرت خاتم الانبیاء۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی بعثت اور تشریف آوری ہے۔ جس کے بعد اب قیامت تک کسی پیغمبر نے نہیں آنا۔ اسی لئے آپؐ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں جس طرح یہ دونوں انگلیاں۔ یعنی جس طرح ان دونوں کے درمیان کسی تیسری انگلی کا فاصلہ نہیں اسی طرح اب قیامت کے اور میرے درمیان کسی اور نبی نے نہیں آنا۔ نیز ہر شخص کی قیامت تو اس کی اپنی موت ہی ہے۔ موت کے بعد کسی انسان نے اس دنیا میں بہرحال واپس نہیں آنا۔ اور ہر کسی کی موت اس کے سر پر اس طرح کھڑی ہے کہ کسی کو پتہ نہیں کہ وہ اسکو کب، کہاں اور کس طرح آ جائے؟۔ سو اس طرح لوگوں کے حساب کا وقت بہرحال قریب آلگا ہے اور وہ ہیں کہ اس کی فکر و تیاری کی بجائے غفلت کا شکار ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لئے اللہ پاک اپنی بے پایاں رحمت و عنایت سے بندوں کو اس کی یاد بار بار اور طرح طرح سے دلا رہا ہے تاکہ وہ اس کیلئے تیاری کر سکیں قبل اس سے کہ فرصت حیات انکے ہاتھ سے نکل جائے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾۔ (النحل:۱)۔ نیز فرمایا گیا۔ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (القمر:۱-۲)۔ نیز ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ، وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ، وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾۔ (الحج:۴۷)۔ نیز فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا﴾ (المعارج:۶-۷)۔ سو اس طرح کے ان تمام ارشادات سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کا وقت قریب ہے۔ لہٰذا اس کے لئے تیاری کرو قبل اس سے کہ فرصت عمر ہاتھ سے نکل جائے اور پھر تلافی مافات کی کوئی صورت ممکن نہ رہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاط۔ بہرکیف یہی مطلب ہے قیامت کے قریب آلگنے کا اور اس میں لوگوں کی تنبیہ ہے کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر آخرت کیلئے تیاری کریں اور

فرصتِ حیات کوغنیمت سمجھیں۔ (محاسن التاویل، معارف القرآن، فتح القدیر، ابنِ کثیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ یہاں پر ان لوگوں کے بیک وقت دو جرموں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک غفلت و لاپرواہی اور دوسرا اِعراض و روگردانی - والعیاذ باللہ من کل زیغ وانحراف۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲ غفلت ولاپرواہی بیماریوں کی بیماری - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''یہ لوگ ہیں کہ غفلت میں پڑے ہیں منہ موڑ کر''۔ اور وہ اس بارے میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے بلکہ دنیا اور پیٹ ہی کے پیچھے لگے ہیں - والعیاذ باللہ - اور ان کو اس کا کوئی خیال اور پاس واحساس نہیں کہ ان کیلئے کس قدر ہولناک دن اور کیسا مشکل وقت آنے والا ہے۔ اور یہ کہ فرصتِ حیات کے خاتمے کے بعد اس کیلئے تیاری کی کوئی صورت پھر ممکن ہی نہیں ہوگی۔ سو آیتِ کریمہ کا اصل خطاب تو اگرچہ کفار و مشرکین سے ہے جو آخرت کے قائل ہی نہیں لیکن افسوس کہ آج مسلمان کا بھی یہی حال ہے کہ وہ آخرت سے غافل اپنے مادہ اور معدہ کے تقاضوں کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اور اس کو اس سے فرصت ہی نہیں ملتی - الاء ماشاء اللہ - (معارف للکاندھلوی ؒ)۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں۔ سو یہ غافل ہیں اپنے مقصدِ حیات سے اور یہ غافل و لاپرواہ ہیں زندگی کے اصل اور بنیادی حقائق سے سو یہ غافل ولاپرواہ ہیں اپنے خالق و مالک کی معرفت اور اس کے ذکر اور اسکی عبادت و بندگی اور اسکی یادِ دلشاد سے۔ ان سب اصلی اور بنیادی حقائق سے۔ اپنی پیٹ پوجا اور اَہواء و اغراض کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے عقل جیسے جوہرِ عظیم کو بھی مادہ و معدہ کی خدمت میں لگا دیا - والعیاذ باللہ - اللہ غفلت و لاپرواہی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی یادِ دلشاد سے آباد و شاد کام رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۳ اِعراض و روگردانی باعثِ ہلاکت و محرومی - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کلامِ نصیحت سے منہ موڑنا باعثِ ہلاکت و تباہی ہے - والعیاذ باللہ: - سو یہ لوگ ہر نئی بات سے منہ موڑتے ہیں۔ یعنی جو کہ نئی ہوتی ہے نزول کے اعتبار سے۔ تاکہ ان کو تنبیہ اور تذکیر ہوتی رہے۔ ورنہ اللہ پاک کا کلام حادث نہیں قدیم ہے - سبحانہ و تعالیٰ - (محاسن، معارف وغیرہ)۔ بہرکیف ایسے لوگوں کے دل چونکہ غافل ہیں اور ایسے لوگ دنیاوی لذتوں اور وقتی فائدوں کی تحصیل ہی کیلئے سرگرم عمل ہیں اور دنیاوی فوائد اور منافع ہی کو انہوں نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ اس لیے ایسے لوگ نصیحت پر کان دھرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ سو نصیحت سے منہ موڑنا باعثِ ہلاکت و تباہی ہے۔ سو پیغامِ حق و ہدایت سے اعراض و روگردانی اور غفلت و لاپرواہی ایک سنگین جرم اور باعثِ محرومی ہے۔ لیکن اس جرم کی سنگینی و خطورت اور ہلاکت خیزی اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اس سے خبردار کرے اور ایسے غافلوں کو جگانے جھنجوڑنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر رہا ہو۔ مگر غفلت کے ایسے مارے اور نصیب کے اس قدر کھوٹے اسکی بات کو بھی سننے ماننے کے لیے تیار نہ ہوں اور سنی اَن سنی کر دیں۔ سو ایسے میں غفلت و لاپرواہی کے اس جرم کی سنگینی اور اسکی ہلاکت خیزی دوچند ہو جاتی ہے بلکہ کئی گنا بڑھ جاتی ہے - والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وانحراف۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ

پاس ان کے رب کی جانب سے آتی ہے یہ اسے گرانی ہی سے سنتے ہیں ۴ اور وہ بھی کھیلتے ہوئے ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے دل

وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ

کہیں اور ہی لگے ہوتے ہیں، اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش کو ہی اپنایا، چپکے چپکے آپس میں سرگوشی کرتے ہیں ۵ کہ یہ شخص تو تم ہی

الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ

جیسا ایک بشر (اور انسان) ہے ۶ تو کیا تم لوگ پھر بھی دیدہ و دانستہ اس جادو (کے پھندے میں پھنسنے) کو آ رہے ہو؟ پیغمبر نے فرمایا کہ

السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ

(تم لوگ خواہ چپکے چپکے باتیں کرو یا زور سے کہو) میرا رب بہر حال جانتا ہے ہر بات کو خواہ وہ آسمان (کی بلندیوں) میں ہو، یا زمین

۴ کلام نصیحت کو گرانی سے سننا باعث خسارہ و محرومی - والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کلام نصیحت کو گرانی سے سننا ابنائے دنیا کا ایک مشترک اور دیرینہ روگ ہے۔ اور یہ چیز باعث خسارہ و محرومی ہے - والعیاذ باللہ:- کیونکہ ایسے لوگوں کے دلوں کی توجہ ادھر ہوتی ہی نہیں۔ تو پھر شوق و رغبت ہو تو کیسے؟۔ سو لوگوں کی یہ غفلت اور قدر ناشناسی کل بھی اسی طرح تھی اور آج بھی اسی طرح ہے۔ کوئی کھیل تماشہ ہو گا تو اس میں بصد شوق و رغبت جائیں گے اور کھلے دل سے روپیہ پیسہ خرچ کر کے جائیں گے لیکن جہاں خالص دین و ایمان اور حق و ہدایت کی بات ہو گی وہاں مفت جانے کو بھی تیار نہیں ہوں گے - الا ماشاء اللہ - سو کلام نصیحت کو گرانی سے سننا اور اُس سے غفلت و اعراض اور لاپرواہی برتنا ابنائے دنیا کا قدیم اور مشترکہ روگ رہا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اور وجہ اسکی ظاہر ہے کہ اس میں ان کے حظوظ نفس کا سامان نہیں ہوتا جو ایسے لوگوں کا اصل قبلہ و مقصود ہوتا ہے۔ حالانکہ کلام نصیحت دنیاوی مال و دولت سے کہیں بڑھ کر قیمتی متاع ہے کہ اس سے انسان کے دل و دماغ کی دنیا بدلتی اور اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور ان کو سعادت دارین سے سرفرازی کی راہ نصیب ہوتی ہے۔ اور ان کا قدم بہتر سے بہتر کی طرف اٹھتا ہے۔ اور وہ راہ حق پر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ مگر دنیا پرستوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی اور وہ اس پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ خسارے پر خسارے ہی میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے خسارے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین

۵ اہل باطل کی اہل حق کیخلاف سرگوشیوں کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس طرح کی سرگوشیاں کرتے ہیں تاکہ اس طرح یہ حق کا راستہ روک سکیں - والعیاذ باللہ - سو اپنی سرگوشیوں اور اس طرح کی مخفی اور راز دارانہ باتوں سے تم لوگ دنیا والوں سے تو اپنے ایسے اقوال و افعال کو چھپا سکتے ہو مگر دلوں کے بھید جاننے والے اس علیم و خبیر سے کیسے چھپا سکتے ہو؟ جو اپنے علم اور اپنی قدرت کے اعتبار سے ہر وقت اور ہر حال میں تمہارے ساتھ ہے؟ بہر کیف یہ بھی اہل باطل کی ایک

قدیم اور مشترکہ نفسیات ہے کہ وہ اہلِ حق کیخلاف طرح طرح سے سرگوشیاں کرتے اور نت نئے طریقوں سے پروپیگنڈے کرتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد میں اہلِ حق کے لیے کئی اہم درس ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کو اہلِ باطل کی ایسی سرگوشیوں اور رازداریوں سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ پہلے سے ہی ایسے ہوتا آیا ہے۔ نیز یہ کہ اہلِ باطل اس طرح مکروہ ہتھکنڈوں سے حق کا راستہ نہ اس سے پہلے روک سکے ہیں نہ آئندہ کبھی روک سکیں گے۔ کیونکہ حق مغلوب ہونے کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ غالب رہنے ہی کے لیے آیا ہے۔ البتہ کبھی ایسے لوگ اپنی اس طرح کی سرگرمیوں سے اپنے لیے ہلاکت وتباہی کا سامان ضرور کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کو یہاں پر ﴿الذین ظلموا﴾ کے عنوان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۶ کفار کا بشریتِ پیغمبر پر اچنبھا اور اس کا انکار۔ والعیاذ باللہ: ۔ کہ یہ شخص تو محض تم ہی جیسا ایک بشر ہے۔ پھر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان اور بشر کی اتباع و پیروی کیونکر کرو گے؟ اور اگر تم نے ایسے کرلیا تو یقیناً تم بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ایسے لوگوں کے اس قول کو اس طرح نقل فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخَاسِرُوْنَ﴾۔ (المؤمنون: ۳۴)۔ سو قرآنِ حکیم نے لوگوں کی اس مشترکہ اور زمانہ قدیم سے چلی آنے والی گمراہ کن غلط فہمی کو جگہ جگہ اور طرح طرح سے بیان فرمایا اور بتایا ہے کہ انسان کو اکثر و بیشتر اپنی اسی غلط فہمی سے ٹھوکر لگی ہے اور وہ گمراہی کے گڑھے میں گرا ہے۔ کل بھی اس کو یہی غلط فہمی تھی کہ نبوت اور بشریت دونوں صفتیں یکجا نہیں ہوسکتیں اور آج بھی اس کا حال یہی ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ کل کے گمراہ انسان نے اپنی اس غلط فہمی کی بناء پر حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی بشریتِ طاہرہ کو دیکھتے ہوئے ان کی نبوت و رسالت کا انکار کیا جس سے وہ دوزخ کا ایندھن بن گیا۔ والعیاذ باللہ۔ جبکہ آج کا گمراہ انسان انکی نبوت و رسالت کو ماننے کا دعوی کرکے ان کی بشریت کا انکار کرتا ہے۔ غلطی اور غلط فہمی دونوں کی بہرحال ایک ہی رہی ہے کہ نبوت اور بشریت دونوں صفتیں یکجا جمع نہیں ہوسکتیں حالانکہ حق اور حقیقتِ نفس الامری یہی ہے کہ یہ دونوں صفتیں نہ صرف یہ کہ یکجا ہوسکتی ہیں بلکہ بالفعل اور واقعتاً یکجا ہوتی ہیں۔ اور یہی تقاضا ہے عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کا۔ اور ان دونوں کے یکجا ماننے ہی کا نام ایمان ہے کہ پیغمبر بیک وقت بشر بھی ہوتا ہے اور نبی رسول بھی۔ جیسا کہ مومنِ صادق یہ گواہی اس طرح دیتا ہے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ بلکہ عبدیت پہلے ہوتی ہے اور نبوت و رسالت بعد میں۔ سو پیغمبر بشر بھی ہوتا ہے اور نبی و رسول بھی۔ اور یہی تقاضا ہے عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کا۔ اور اسی حقیقت کو قرآن و سنت کی نصوصِ کریمہ میں جابجا اور طرح طرح سے واضح اور آشکارا فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو حق سمجھنے اور اپنانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان ظالموں نے اپنی سرگوشیوں میں پیغمبر کے بارے میں کہا کہ یہ تو تم ہی جیسا ایک بشر اور انسان ہے۔ سو اگر تم لوگ جانتے بوجھتے اس شخص کے جادو کے پھندے میں پھنس گئے تو یہ تمہاری بڑی سادہ لوحی اور حماقت ہوگی۔ سو اس سے قرآنِ حکیم کا ایک معجزہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں نے یہ بات اپنی خفیہ مجلسوں میں اور رازدارانہ طور پر کہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح آشکارا فرما دیا۔ سو یہ کلام اللہ ہی کا کلام ہے جس سے کسی بھی شخص یا گروہ کی کوئی بھی حالت اور کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس لئے معاملہ ہمیشہ اس سے صاف رکھنے کی فکر و کوشش کرنی چاہیے۔ وباللہ التوفیق

فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ④ بَلْ

(کی پستیوں) میں، اور وہی ہے سب کچھ سننے جاننے والا ۷ (اور ان ظالموں نے صرف جادو کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا) بلکہ انہوں نے

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ

یہ بھی کہا کہ یہ (قرآن) تو بس مجموعہ ہے پراگندہ خیالات کا، بلکہ اس کو یہ شخص خود ہی گھڑ کر لے آیا ہے، بلکہ یہ تو ایک شاعر ہے، (جس کا

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ⑤ مَا آمَنَتْ

کام ہی فرضی اور خیالی باتیں بنانا ہوتا ہے) ۸ پس اسے چاہیئے کہ لے آئے ہمارے پاس ویسی ہی کوئی نشانی جیسی نشانیوں کے ساتھ پہلے کے

قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ⑥

پیغمبر بھیجے گئے، حالانکہ ان سے پہلے کوئی بھی ایسی بستی جسے ہم نے ہلاک کیا ہو، ایمان نہ لائی تھی ۹ تو کیا اب یہ لوگ ایمان لے آئیں

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ

گے؟ اور (ان کا یہ شبہ کہ رسول انسان نہ ہونا چاہیئے اس لئے بھی باطل ہے کہ) ہم نے آپ سے پہلے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ۱۰

۷ اللہ ہی ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے:- پس نہ کوئی اس سے چھپ سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی گرفت اور پکڑ سے بچ سکتا ہے۔ سو بڑے ہی بدنصیب اور محروم ہیں وہ لوگ جو ایمان سے محروم اپنے خالق و مالک کی یادِ دلشاد سے غافل اس کے حقوق سے لاپرواہ اور اپنے انجام سے بے فکر ہو کر حیاتِ مستعار کی اس فرصتِ محدود کو یونہی ضائع کرتے اور ہلاکت و تباہی کے دائمی گڑھے میں گرنے کے لئے بڑھے چلے جا رہے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف پیغمبر نے فرمایا کہ میرا رب آسمان اور زمین کی ہر بات کو جانتا ہے اور وہی ہے جو ہر کسی کی سنتا، سب کچھ جانتا ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- سو اس ارشاد سے اس ردِّ عمل کو بیان فرمایا گیا جو آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- پر منکرین و مکذبین کی اس یاوہ گوئی سے ہوا- سو آپ نے ان بدبختوں کو خطاب کیے بغیر اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرا رب آسمان و زمین کی ہر بات کو بخوبی جانتا ہے کہ وہ سمیع و علیم ہے اور ان لوگوں کی سرگوشیوں، فتنہ سامانیوں اور یاوہ گوئیوں سے وہ پوری طرح واقف و آگاہ ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- اس لیے وہی تدارک کا سامان فرمائے گا- پس میں اپنے اس معاملے کو اسی وحدہٗ لاشریک کے حوالے کرتا ہوں کہ ہمارا بھروسہ اسی پر ہے- سبحانہ، وتعالیٰ

۸ شاعر سے یہاں پر مقصود و مراد؟:- یعنی شاعر سے یہاں پر مراد اس کے وہ معروف معنیٰ نہیں کیونکہ اس اعتبار سے قرآنِ حکیم کو شعر وہ لوگ بھی نہیں کہہ سکتے تھے- کیونکہ اس کتابِ حکیم کے کلماتِ کریمہ اور اس کی آیاتِ شریفہ معروف معنوں میں شعری وزن پر ہیں ہی نہیں- یہ تو ان اصطلاحات سے ممتاز و بالا اپنی ایک منفرد نوعیت اور اعلیٰ حیثیت و شان کا ایک بے مثل اور بے نظیر کلام ہے- سو کفار کے آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کو شاعر کہنے کا مقصد اور

مطلب یہ تھا کہ یہ صاحب شاعروں کی طرح ایسی فرضی اور خیالی باتیں کرتے ہیں جن کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہوتی - والعیاذ باللہ العظیم - (المحاسن، المراغی اور فتح وغیرہ) - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ بات یہیں تک نہیں رہی کہ انہوں نے اس کلامِ حکمت نظام کو سحر اور جادو قرار دیا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے اس کو خوابِ پریشان قرار دیا۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے اس کو افتراء قرار دیا۔ اور پیغمبر کے بارے میں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شاعر ہے اور مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر یہ خدا کے پیغمبر ہیں تو یہ ہمارے پاس اسی طرح کی کوئی نشانی لے آئیں جس طرح کی نشانیوں کے ساتھ گزشتہ انبیائے کرام آئے ہیں۔ سو یہ سب کچھ ان لوگوں کے عناد اور ان کی بدبختی اور ہٹ دھرمی کا ثبوت ہے اور عناد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۹ فرمائشی معجزوں کی طلب ہلاکت وتباہی کی راہ - والعیاذ باللہ: - کیونکہ فرمائشی معجزوں کے ظہور پر نہ ماننے والوں کیلئے ہلاکت وتباہی مقدر ہوتی ہے - والعیاذ باللہ - جیسا کہ پہلی قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ ان فرمائشی معجزوں کے دیکھنے کے باوجود جن کا مطالبہ انہوں نے کیا تھا وہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ جس سے ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ سو اس طرح آج کے ان کفار کو ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزات نہ دکھانا خود ان کے لئے بہتر اور باعثِ رحمت ہے۔ ورنہ یہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو جاتے جس سے وہ لوگ اس سے قبل دوچار ہو چکے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو فرمائشی معجزوں کے ظہور کے بعد جن لوگوں نے نہیں مانا ان کو ہلاک اور نیست و نابود کر دیا گیا۔ پہلی قوموں کے ساتھ قدرت کا یہی معاملہ اور دستور رہا۔ اسی لیے فرمائشی معجزوں کے مطالبات کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ اور اپنے فکری انحراف کی اصلاح کر لینی چاہئے۔ وباللہ التوفیق

۱۰ لوگوں کیلئے رسول ہمیشہ انسانوں ہی کو بنایا گیا ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا اور ادوات حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آپ سے پہلے [اے پیغمبر] انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا۔ نہ کہ کسی نوری مخلوق کو۔ پس ان لوگوں کا یہ اعتراض کہ یہ صاحب تم ہی جیسے ایک بشر ہیں ﴿هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ مطالبہ اور ان کا یہ استبعاد بجائے خود غلط اور باطل ہے کہ ایک بشر اور انسان کو کیوں رسول بنا کر بھیجا گیا۔ کیونکہ اللہ پاک کا دستور اور قانون ہمیشہ یہی رہا کہ بندوں کی ہدایت وراہنمائی کیلئے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ یہی عقل ونقل اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے اور اسی سے ہدایت وراہنمائی کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے حضرتِ خاتم الانبیاءؑ سے پہلے جتنے بھی انبیاء ورسل بھیجے گئے وہ سب کے سب انسان و بشر اور مرد ہی تھے۔ تو پھر آنجناب کی نبوت ورسالت پر ان متکبرین و مکذبین کے ایسے اعتراض کی آخر کیا گنجائش؟ سو جتنے بھی انبیائے کرام کو پیغام رسانی کے لیے بھیجا گیا وہ سب کے سب انسان اور بشر ہی تھے نہ کہ مافوق البشر۔ ان کے لیے امتیاز صرف یہ تھا کہ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے اور بس۔ سو اسی طرح کی وحی ہم نے اب آپ کی طرف بھیجی ہے اے رسول۔ لہٰذا آپ اب ان لوگوں کی یاوہ گوئی کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ اور وحی کا شرف وامتیاز وہ سب سے بڑا شرف وامتیاز ہے جس سے ان حضرات انبیاء ورسل کا مرتبہ ومقام اللہ پاک کی مخلوق میں سب سے بڑا ہو جاتا ہے مگر الٹی کھوپڑی اور ٹیڑھے دماغ کے لوگوں کو یہ اہم اور بنیادی حقیقت جو کہ عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے سمجھنی ہمیشہ مشکل رہی۔ کل بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے الا ماشاء اللہ سبحانہ، وتعالیٰ - والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦

جن کی طرف ہم (اسی طرح) وحی بھیجتے رہے، سو تم لوگ پوچھ لو اہلِ علم سے اگر تم خود نہیں جانتے،

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا

اور (ان کا دوسرا شبہ کہ رسول کوئی ایسی نوری مخلوق ہونا چاہیئے جو نہ کچھ کھائے نہ پیئے بھی باطل ہے کیونکہ) ہم نے ان رسولوں کے کوئی

كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ

ایسے (مافوق الفطرت اور نوری) بدن نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے، ۱۱ پھر (یہ بھی دیکھ لو

وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

کہ) ہم نے ان سے کیے ہوئے اپنے وعدے پورے کر دکھائے، سو ہم نے بچا دیا ان کو بھی اور ان سب کو بھی جنہیں ہم نے (بچانا)

اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ ع وَكَمْ

چاہا، اور ہلاک کر دیا ہم نے حد سے بڑھنے والوں کو ۱۲ بلاشبہ ہم ہی نے اتاری تمہاری طرف (اے لوگو!) ایک ایسی عظیم الشان کتاب

ع ۱

۱۱ پیغمبر بشری تقاضوں سے معرّٰی نہیں ہوتے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو یعنی گزشتہ انبیاء کرام کو کوئی ایسے جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔ سو اس سے واضح ہو فرما دیا گیا کہ حضرات انبیائے کرام بشری تقاضوں سے معرّٰی نہیں ہوتے۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ اور جب تمام انبیائے کرام کے بارے میں ہماری سنت یہی رہی تو پھر ان لوگوں کا آپ پر اے پیغمبر! اس طرح کا اعتراض کرنا سراسر لغو اور ایک بے دہ بات ہے کیونکہ آپ بھی اسی طرح بشری تقاضے رکھتے ہیں جس طرح کہ گزشتہ انبیاء و رسل رکھتے تھے کہ ان کے بھی بیوی بچے تھے۔ وہ بھی کھایا کرتے تھے اور پانی پیا کرتے تھے۔ وہ بھی بیمار ہوا کرتے تھے۔ اور آخر کار وہ سب موت کی گہری نیند سو گئے۔ سو پیغمبر بشری تقاضوں سے خالی اور معرّٰی نہیں ہوتے۔ جس طرح کہ منکرین اور اعجوبہ پرست لوگوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بلکہ ان کے اندر تمام بشری صفات اور انسانی تقاضے موجود ہوتے ہیں۔ اور یہی تقاضا ہے عقل سلیم اور فطرت مستقیم کا۔

۱۲ حد سے بڑھنے والوں کا انجام ہلاکت۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو جو کفر و انکار اور شرک و بغاوت کا ارتکاب کر کے حدودِ بندگی سے نکل گئے تھے۔ پس اس میں درسِ عبرت ہے ان کفار و مشرکین کے لئے جو آج نبی آخر الزماں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کے خلاف صف آرا ہیں کہ یہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں جس سے کل کے وہ منکرین ہو چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون و دستور سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے۔ سو حضراتِ انبیاء و رسل کی تکذیب کرنے والوں پر آخرت کے قطعی اور آخری عذاب سے پہلے اس دنیا میں بھی عذاب آ کر رہتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اپنے رسولوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا اور پورا کر دکھایا۔ ان کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات سے سرفراز فرمایا اور ان لوگوں کو آخر کار ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا جو حدود سے تجاوز کرنے والے تھے۔ سو حدودِ خداوندی سے تجاوز باعث ہلاکت و تباہی ہے اور بندے کی عظمت شان اسی میں ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی مقرر فرمودہ حدود کے اندر رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین

قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا

جس میں خود تمہاری نصیحت (اور ہدایت کا سامان) ہے، تو کیا تم لوگ پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۱۳ اور کتنی ہی ظالم بستیاں ایسی

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا

تھیں جن کو ہم نے پیس کر رکھ دیا (ان کے ظلم و عدوان کی بنا پر) ۱۴ اور اٹھا کھڑا کیا ہم نے ان کے بعد کسی اور قوم کو، پھر جب ان لوگوں

۱۳ قرآن حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال نصیحت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم ہی نے اتاری تمہاری طرف اے لوگو! یہ عظیم الشان کتاب، جس میں خود تمہاری نصیحت اور ہدایت کا سامان ہے۔ تو کیا پھر تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ پس اس کو اپنانے اور گلے لگانے میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔ اور اس سے منہ موڑنے میں تمہارا اپنا ہی نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ۔ نیز ذکر کے معنیٰ شرف و مقام کے بھی آتے ہیں۔ تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کتاب حکیم کے ذریعے تمہیں ایک عظیم الشان شرف و مقام سے بھی نوازا گیا ہے۔ نیز ذکر کے معنیٰ تذکرہ و بیان کے بھی آتے ہیں۔ سو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کتابِ عظیم میں حق و حقیقت اور تمہاری صلاح و فلاح اور فوز و نجاح کا کامل و مکمل ذکر و بیان موجود ہے تو ہر لحاظ سے یہ کتابِ حکیم تمہارے لئے خیر ہی خیر اور عظیم الشان نعمت و برکت ہے۔ اور اس کو دل و جان سے اپنانا خود تمہارے اپنے ہی لئے خیر اور سراسر خیر و برکت ہے۔ اور اس سے منہ موڑنے میں تمہارا اپنا ہی خسران و نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ جس طرح ہم نے پہلی قوموں کی ہلاکت اور ان کے عذاب سے پہلے ان کی تذکیر و تنبیہ کے لیے اپنے رسول بھیجے تاکہ راہِ حق و ہدایت ان کے سامنے واضح ہو جائے اور ان پر حجت قائم ہو جائے اسی طرح تمہارے اوپر بھی اس کتابِ عظیم کو اتار کر تمہاری تذکیر اور یاد دہانی کا سامان کیا گیا تاکہ تمہیں سعادتِ دارین سے سرفرازی کے مواقع مل سکیں اور حق و باطل تمہارے سامنے پوری طرح واضح ہو سکے۔ سو اب اس تذکیر و یاد دہانی کے بعد تمہارے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ سو اب تم لوگ اپنے بارے میں خود سوچ لو کہ تمہیں کونسی راہ اختیار کرنی ہے۔

۱۴ تکذیب و انکارِ حق کا نتیجہ بہرحال ہلاکت و تباہی - والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ تکذیب و انکارِ حق اور ظلم و عدوان کا آخری انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ: جبکہ وہ اڑے رہے تھے اپنے کفر و باطل اور اپنے ان جرائم پر۔ بس اس میں تمہارے لئے بڑا عظیم درسِ عبرت و بصیرت ہے اے دورِ حاضر کے منکرو! کہ تم باز آجاؤ کفر و انکار کی اپنی اس روش سے جس کو تم نے اپنا رکھا ہے اور جس کو کل کے ان منکروں نے اپنائے رکھا تھا۔ اور جسکے نتیجے میں وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ سو تم باز آجاؤ تاکہ تم اس انجام سے بچ سکو جو ان کو پیش آچکا ہے۔ ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو ان کا ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں و برابر ہے۔ سو تکذیب اور انکارِ حق اور ظلم و عدوان کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے اس بارے جتنی ڈھیل اور مہلت ملے وہ بہرحال ایک ڈھیل اور مہلت ہی ہے۔ اس کا انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے تم لوگ اے ظالمو اور منکرو درس لو اور اپنی روش کی اصلاح کر لو قبل اس سے کہ تم بھی اسی انجام سے دوچار ہو جاؤ جس سے کل کے وہ منکر لوگ ہو چکے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ

نے (آتا) محسوس کیا ہمارے عذاب کو، تو وہ فوراً وہاں سے بھاگنے لگے، (تب ان سے کہا گیا کہ) ف۱۵ بھاگو مت اور لوٹ جاؤ تم اپنے

اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ قَالُوْا

اس سامانِ عیش و عشرت کی طرف، جس میں تم لوگ (مست و مگن) تھے، اور اپنے انہی گھروں کی طرف (جن کی پختگی و عمدگی پر تم کو بڑا

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ

غرہ اور ناز تھا) شاید تم سے کوئی پوچھ پاچھ ہو ف۱۶ تب وہ کہنے لگے، ہائے ہماری کم بختی، بے شک ہم لوگ ظالم تھے ف۱۷ پھر ان کی یہی چیخ و پکار

دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮ وَمَا

رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو ایسا (نیست و نابود) کر کے رکھ دیا جیسے کوئی کٹی ہوئی کھیتی ہو، یا بجھے ہوئے انگاروں کا ڈھیر، اور ہم نے اس

خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ⑯ لَوْ

(بلند و بالا عبرتوں بھرے) آسمان کو، اور اس (خزانوں اور درسوں بھری) زمین کو، اور ان دونوں کے درمیان (کی اس پوری کائنات)

اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ

کو کچھ کھیل تماشا کے طور پر تو نہیں بنایا ف۱۸ اگر ہم کوئی کھیل تماشا بنانا چاہتے بھی تو اپنے یہاں (کی کسی اور چیز) سے بنا لیتے ف۱۹

اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى

اگر ہمیں ایسا کرنا ہوتا، ف۲۰ بلکہ ہم تو حق (کی ضرب) سے باطل پر

۱۵ ظالموں کا بُرا انجام اور انکی تحقیر و تذلیل: ـــ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقعہ پر ظالموں سے کہا گیا کہ تم لوگ بھاگو نہیں بلکہ لوٹ جاؤ اپنے اسی سامانِ عیش و عشرت کی طرف جس میں تم لوگ مست و مگن تھے۔ یعنی فرشتوں کی طرف سے انکی تحقیر و تذلیل کے لئے اور استہزاء و مذاق کے طور پر ان سے اس طرح کہا گیا۔ پس اپنے کفر و باطل اور ظلم و عدوان پر اڑے اور جمے رہنے والے ظالم لوگ جب اپنے آخری انجام کو پہنچے تو وہ حواس باختہ ہو کر بھاگنے لگے لیکن اس وقت ان کیلئے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ تب ان سے فرشتوں نے ان کی تحقیر و تذلیل کیلئے کہا کہ اب بھاگو نہیں بلکہ تم لوٹو اپنی انہی نعمتوں اور عیش پرستیوں کی طرف جن میں تم لوگ مست و مگن رہا کرتے تھے اور جن کی بناء پر تم لوگ حق بات سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں ہوا کرتے تھے اور جن محلوں اور ایوانوں میں بیٹھ کر تم لوگ اپنے منکرانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات اور اس کے

بھیجے ہوئے انبیاء ورسل کا مذاق اڑایا کرتے تھے ان میں واپس جاؤ۔ سو اس طرح ان کی تذلیل وتحقیر الگ ہوگی اور ان کی آتشِ یاس وحسرت میں تیزی سے ان کے عذاب میں اضافہ الگ۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال، وبکل حالٍ مّن الاحوال،

۱۶ ظالموں کی طنز وتضحیک: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر یعنی عذاب کے آجانے کے موقع پر ان لوگوں سے کہا گیا کہ لوٹ جاؤ تم اپنے ان ہی گھروں کی طرف [جن کی عمدگی اور پختگی پر تم کو بڑا ناز ہوا کرتا تھا] شاید تمہاری وہاں پر کوئی پوچھ پاچھ ہو۔ سو یہ ان سے بطورِ طنز وتضحیک کہا گیا ہے کہ ''تم لوگ واپس لوٹو کہ شاید تم سے کوئی پوچھ ہو''۔ کہ تم پر کیا گزری؟ کیا بیتی؟ یا اہم امور کے بارے میں تم سے پوچھ ہو کہ جناب کی اس بارے کیا رائے اور کیا ارشاد ہے یا تمہاری خدمت کیلئے پوچھ ہو کہ جناب کو کیا چاہیئے کیا حکم ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو ان کلماتِ کریمہ کے مفہوم کا عموم ان سب ہی صورتوں کو شامل ہے اور یہ سب کچھ ان لوگوں سے اس موقعہ پر طنز وتضحیک کے طور پر کہا گیا۔ سو کبر وغرور اور اس کی بنا پر حق سے اِعراض وانکار کا نتیجہ وانجام بہر کیف بڑا ہولناک ہوتا ہے۔ مگر منکر ومتکبر لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی تاوقتیکہ ان پر عذاب کا کوڑا نہ برسے اور وہ اپنے اس آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر نہ رہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۱۷ ظالموں کا بے وقت کا اِقرار واِعتراف: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر ان لوگوں نے کہا ہائے ہماری کم بختی واقعی ہم بڑے ظالم تھے۔ سو ان ظالموں نے اپنے ظلم کا اِقرار واِعتراف تو کیا مگر بے وقت کے اس اِقرار واِعتراف کا کوئی فائدہ نہیں تھا کہ اس کا وقت بیت چکا تھا اور اس کا اصل موقعہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ کیونکہ اصل مقصود ومطلوب وہ ماننا ہے جو کہ عذاب کے آنے سے پہلے اور بالغیب یعنی بن دیکھے ہو نہ کہ عذاب کے دیکھ لینے کے بعد کا ایمان۔ کہ وہ ایمان بالغیب نہیں بلکہ ایمان بالشہود اور ایمان بالمشاہدہ ہے جو کہ معتبر اور مفید نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو عذاب کے اس موقعہ پر ان ظالموں نے اپنے ظلم وعدوان کا اِقرار واِعتراف تو کیا لیکن اس سے انکی یاس وحسرت میں اضافے کے سوا ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس میں دوسرے تمام ظالموں کے لیے درسِ عبرت وبصیرت ہے کہ وہ ہوش کے ناخن لیں اور اپنی روش کی اصلاح کر لیں قبل اس سے کہ وہ اس ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیں جس پر کل کے وہ ظالم اپنے کیے کرائے کے نتیجے میں پہنچ کر رہے۔ والعیاذ باللہ الذی لا الٰہ الا ھو سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس سے فرصت زندگی کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۸ کائنات کی تخلیق کوئی کھیل تماشا نہیں: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی اس [حکمتوں بھری] کائنات کو کوئی کھیل تماشے کے طور پر نہیں پیدا کیا۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حکمتوں بھری اس کائنات کی تخلیق کوئی کھیل تماشا نہیں۔ کہ ایسا کرنا نہ ہماری شان کے لائق ہے اور نہ ہی حکمتوں بھری اس عظیم الشان کائنات کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ ہو سکتا ہے۔ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۔ سو آسمان وزمین کی اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق بیکار اور بے مقصد نہیں ہو سکتی۔ ایسا کہنا اور ماننا کافروں ہی کا کام ہو سکتا ہے اور اس کا نتیجہ وانجام بڑی ہلاکت اور ہولناک تباہی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ﴾۔ (ص: ۲۷)۔ بہر کیف یہاں پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی اس کائنات کو کسی کھیل تماشے کے طور پر نہیں پیدا کیا''۔ اور حکمتوں بھرا یہ کارخانہ ہست وبود اپنے وجود سے اس پر شاہد ہے کہ یہ بیکار وبے مقصد نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ایک

خدائے رحمان ورحیم اور خالق عادل وحکیم کی رحمت وعنایت اوراس کے عدل وحکمت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ اوراس کی ہر چیز بزبانِ حال اس امر کی گواہی دے رہی ہے کہ خالق عادل وحکیم اور ربِّ رحمان ورحیم نے اس کو نہایت عظیم مقصد وغایت اورحق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ سواس پُرحکمت کارخانے کی ہر چیز کا وجود اور اس پُرحکمت تخلیق وتکوین اوراس کے خالقِ حکیم وعادل کے عدل وانصاف کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد ایک یومِ حساب وجزا ہو۔ ورنہ یہ سب کچھ عبث اور بے کار ہوکر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ جَلّ وعلا بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال،

۱۹ کائنات کی تخلیق بے مقصد نہیں ہوسکتی: ۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ ''اگر کہیں ہمیں کھیل تماشا ہی مقصود ہوتا تو ہم اس کیلئے اور کوئی چیز بنالیتے''۔ اوراس کے لئے ہمیں حکمتوں بھری اس عظیم الشان کائنات کو پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ سو یہ سب کچھ کھیل تماشہ کے طور پر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (ابنِ کثیر، مراغی، محاسن التاویل وغیرہ)۔ بلکہ اس کی تخلیق عظیم الشان حکمتوں پر مبنی ہے جن میں سب سے اہم اور بنیادی مقصود دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کائنات میں اوراس میں پائے جانے والے عجائب وغرائب میں غور وفکر سے کام لیکر انسان اپنے خالق ومالک کی معرفت حاصل کرے اور پھراسی کی ہدایت وتعلیمات کے مطابق دل وجان سے اس کے حضور جھک جائے۔ جبکہ دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ اس کائنات میں پائی جانے والی گونا گوں نعمتوں سے مستفید وفیضیاب ہوکر انسان دل وجان سے اس واہبِ مطلق کا شکر بجالائے تاکہ اس طرح وہ دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور وہمکنار ہوسکے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۰ کارِعبث شانِ خداوندی کے لائق نہیں: ۔ سواس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ کارِعبث ہماری شان کے لائق نہیں بلکہ اس کے منافی ومتضاد ہے۔ لیکن اگر بالفرض ہمیں ایسا کرنا ہوتا بھی تو اس طرح نہ کرتے بلکہ اس کے لیے اپنے یہاں سے کوئی اور سامان کرلیتے ﴿ان کنا فاعلین﴾ کے جملہ شرطیہ کی جزاء محذوف ہے۔ جس پر قرینہ سیاق وسباق ہے۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ '' ان '' یہاں پر نافیہ ہو۔ یعنی ہم ایسا کرنے والے نہیں کہ یہ ہماری شان کے لائق ہی نہیں۔ تو یہ نتیجہ ہے نفیٔ ماقبل کا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس کائنات کی تخلیق محض کھیل تماشے کیلئے نہیں ہوسکتی۔ اگر ایسا کرنا ہوتا تو ہم اس کے لیے اپنے بندوں اور بندیوں اور دوسری مخلوق کو خواہ مخواہ مبتلائے مصیبت نہ کرتے۔ سو ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ کائنات نہایت ہی بامقصد اور پرحکمت ہے۔ سو اگر بالفرض ہمیں کوئی کھیل تماشا ہی مقصود ہوتا تو اس کا سامان ہم اپنے یہاں ہی سے کرلیتے۔ اس کے لیے آدم وابلیس، حق وباطل، خیروشر، عدل وظلم اور ہدایت وضلالت وغیرہ کے ان سلسلوں کی کیا ضرورت ہوتی۔ سو ایسا نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ کائنات کی اس رزمگاہ کو پیدا کرنے اوراس میں بندوں اور بندیوں کو اتارنے کا اصل اور حقیقی مقصد ابتلاء وآزمائش ہے۔ تاکہ جو لوگ اس میں اپنے خالق ومالک کے بندے بن کر رہیں اور جہادِ زندگی کے اس معرکے میں کامیاب ہوں ان کو جنت کی حقیقی وابدی اور سدا بہار نعمتوں سے نوازا جائے۔ اور جو اس میں ناکام ہوں ان کو اپنے کیے کرائے کی سزا ملے تاکہ اس طرح اس حکمتوں بھری کائنات کے مقصد تخلیق کی تکمیل ہوسکے۔ اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں اور علیٰ وجہ التمام والکمال پورے ہوسکیں۔ والحمد للہ رب العالمین، الذی بیدہ الخیر کُلُّہٗ، سبحانہٗ وتعالیٰ

الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ

ایسی چوٹ لگاتے ہیں کہ وہ اس کا سر کچل کر رکھ دیتی ہے، جس سے وہ دفعۃً نابود ہو جاتا ہے، اور تمہارے لئے بڑی خرابی ہے ان باتوں

مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

کی وجہ سے جو تم لوگ (حق اور اہلِ حق کے خلاف) از خود بناتے ہو ۲۱ اور اسی کی ہے وہ سب مخلوق جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہ

وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ

سب بھی جو اس کے پاس ہیں ۲۲ (یعنی فرشتے) ان کا حال یہ ہے کہ وہ نہ تو کبھی اپنی بڑائی کا گھمنڈ کر کے اس کی عبادت سے سرتابی کرتے

۲۱ باطل پرستوں کو ان کے ہولناک انجام سے آگہی - والعیاذ باللہ: - سو باطل پرستوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور تمہارے لیے بڑی خرابی ہے ان باتوں کی بنا پر جو تم لوگ از خود بناتے ہو اور حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کو مخلوق پر قیاس کر کے اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے ہو جو مخلوق کے لائق ہوتی ہیں اور جن سے اس کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ پاک اور بالا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - سو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کو مخلوق پر قیاس کر کے اس کیلئے مخلوق کی صفات ثابت کرنا بڑا سنگین گناہ اور ہولناک جرم ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اور اسی طرح تم لوگوں کا یہ سمجھنا کہ اس دنیا کو محض ایک کھیل تماشے کے طور پر بنایا گیا ہے بھی غلط اور تمہاری ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ اور جس باطل کو آج تم لوگ دیکھ رہے ہو بالآخر ایک دن ایسا آئے گا کہ اس کے سر پر ہم حق کا ہتھوڑا ماریں گے جس سے اس کا بھیجا نکل جائے گا۔ اور جس طرح دماغ پر ضرب پڑنے اور بھیجا نکل جانے سے آدمی آناً فاناً ختم ہو جاتا ہے اسی طرح حق کی ضربِ کاری سے باطل یکایک اور چشم زدن میں نابود ہو کر رہ جائے گا کہ باقی رہنے والی چیز حق ہی ہے۔ سو نہ یہ دنیا عبث و بیکار ہے اور نہ اس کو کھیل تماشے کے طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی یہ باطل ہمیشہ رہنے والی چیز ہے بلکہ اس کی یہ ڈھیل اور بقاء ایک خاص وقت تک کے لیے ہے۔ آخر کار وہ وقت آئے گا کہ حق کی چوٹ پڑنے سے اس کا بھیجا نکل جائے گا اور یہ ہمیشہ ہمیش کے لیے مٹ کر نیست و نابود ہو جائے گا۔ اور پھر حق ہی حق کا ہمیشہ ہمیش دور دورہ ہوگا۔

۲۲ توحید خداوندی کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا "اور اللہ ہی کیلئے ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں"۔ کہ ان سب کا خالق و مالک بھی وہی ہے اور سب پر حکم و تصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - اور ان سب کی رزق و روزی، موت و حیات اور ثواب و عذاب وغیرہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ کسی اور کا اس میں نہ کوئی عمل دخل ہے نہ اختیار - سبحانہ، وتعالیٰ - (المراغی وغیرہ) یہ سب خداوندِ قدوس کی مخلوق اور اس کے مملوک ہیں۔ خداوندِ قدوس کی خدائی اور اس کے اقتدار و اختیار میں ان میں سے کسی کو نہ کوئی دخل ہے نہ اشتراک۔ وہ ایسے تمام شوائب سے پاک ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - سو جن لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کے خود ساختہ شفعاء و شرکاء اپنی سفارشوں اور اپنے اثر و رسوخ سے ان کو خدا کی گرفت و پکڑ سے چھڑا اور بچا لیں گے وہ سب اپنی خرافات اور اپنے خود ساختہ اوہام و ظنون کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کسی کو بھی خداوند قدوس کے یہاں اس طرح کا کوئی اختیار اور اقتدار حاصل نہیں۔ وہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور کہیں اعلیٰ و بالا ہے۔ اور اسکے یہاں کا ہر معاملہ عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ⑲ يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ

ہیں، اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں ف۲۳ (بلکہ) وہ شب و روز اس طرح تسبیح کرتے رہتے ہیں کہ دم بھی نہیں لیتے ف۲۴ کیا ان لوگوں نے زمین (کی

لَا يَفْتُرُونَ ⑳ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ

مخلوقات میں) سے کچھ ایسے معبود بنا ف۲۵ رکھے ہیں، جو زندہ کر کے اٹھا سکتے ہوں؟ ف۲۶ (تو سنو! کہ) اگر آسمان و زمین میں اللہ (جل جلالہ)

هُمْ يُنْشِرُونَ ㉑ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ

کے سوا کچھ اور خدا بھی ہوتے (جس طرح کہ ان مشرکوں کا کہنا ہے،) تو ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) کا نظام کبھی کا درہم برہم ہو گیا

لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

ہوتا ف۲۷ پس اللہ جو کہ مالک ہے عرش کا، وہ پاک ہے ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں ف۲۸ (وہ ایسی بے مثال عظمت والا ہے کہ) وہ جو

يَصِفُونَ ㉒ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ ㉓

بھی کچھ کرے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا ف۲۹ اور باقی سب کی باز پرس کی جاسکتی ہے ف۳۰ کیا (بایں ہمہ) انہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا

۲۳ **فرشتوں کی شانِ عبودیت کا ذکر و بیان:** ۔ سو اس بارے ارشاد فرمایا گیا "اور اسکے فرشتے نہ اسکی عبادت سے سرتابی کرتے ہیں اور نہ ہی وہ اس سے تھکتے ہیں"۔ تو جو اللہ پاک کی اس قدر عاجز اور فرمانبردار مخلوق ہے اس کو معبود قرار دینا اور ان کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پکارنا کس قدر حماقت و جہالت اور کتنا بڑا ظلم اور بے انصافی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سب سے اس وحدۂ لاشریک کی عظمتِ شان کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پس اس کو مخلوق پر قیاس کر کے اس کیلئے مخلوق کی صفات ثابت کرنا بہت سنگین جرم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یہاں پر "عند" کی قید سے واضح فرمایا گیا کہ اس سے مراد مقرب ملائکہ ہیں۔ سو ان کا بھی بایں ہمہ قرب و شرف کا یہ حال ہے کہ وہ اسکی عبادت و بندگی سے کبھی سرتابی نہیں کرتے۔ تو پھر دوسرے کے کہنے ہی کیا۔ سو جنہوں نے فرشتوں کو اس کی خدائی میں شریک جان رکھا ہے وہ بڑے ہی بھولے بھٹکے، راہِ حق سے منحرف اور گمراہ ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق و صواب پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین

۲۴ **فرشتوں کا کام شب و روز تسبیح:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ شب و روز اُس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں"۔ کہ تسبیح ان کے لئے اس طرح ہے جس طرح کہ ہمارے لئے سانس۔ جیسا کہ عبداللہ بن حارثؓ کی حدیث میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ سو کس قدر احمق اور کتنے بہکے بھٹکے ہوتے ہیں وہ لوگ جو فرشتوں کی اس معصوم پاکیزہ اور فرمانبردار مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے کر اپنے لیے دوزخ کی آگ کا سامان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور جب ملائکہ مقربین کی شانِ عبدیت کا یہ عالم ہے کہ وہ شب و روز خداوندِ قدوس کی تسبیح و تحمید میں مشغول و سرگرم رہتے ہیں۔

ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں توقف نہیں کرتے تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو خداوندِ قدوس کی خدائی میں شرکت کا دم بھر سکے؟۔ والعیاذ باللہ۔ سو خداوندِ قدوس ہر لحاظ سے واحد واحد اور یکتا و بے مثال ہے۔ اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہوسکتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۲۵ آسمان کے بعد زمینی خداؤں کی تردید: ۔ سو فرشتوں کی الوہیت اور آسمانی خداؤں کی تردید کے بعد اب زمینی خداؤں کی تردید کے لیے فرمایا گیا ''کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کوئی اور معبود قرار دے رکھے ہیں''۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کے کوئی بے جان اور بے حس و حرکت بت اور خود تراشیدہ مورتیاں ہوں یا کوئی زندہ و مردہ انسان جن کو یہ لوگ حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں کہ الفاظ و کلمات کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے۔ بہر کیف ﴿ من الارض ﴾ کی اس تشریح سے ان زمینی معبودوں کی بھی جڑ کاٹ دی گئی جو لوگوں نے از خود گھڑ رکھے ہیں۔ مشرکوں کا قدیم زمانے سے یہ حال رہا ہے کہ بہت سے مشرک یہ سمجھتے تھے اور آج بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ رب العزت اپنے عرش پر براجمان ہے۔ زمین میں اس کے حکم کے ماتحت دوسرے خداؤں کی حکومت چل رہی ہے۔ پس وہی ہمارے کرتا دھرتا ہیں۔ ''ہماری ان کے آگے اور ان کی اسکے آگے'' اور آج کے کلمہ گو مشرک نے تو اس غرض کے لیے جگہ جگہ اور طرح طرح کی ''سرکاریں'' گھڑ رکھی ہیں۔ جیسے ''کانواں والی سرکار'' اور ''بلیوں والی سرکار'' وغیرہ وغیرہ۔ سو ایسی سب باتیں بے بنیاد، لایعنی اور خرافات کے پلندے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۶ زندہ کرنا خداوندِ قدوس ہی کی صفت وشان ہے: ۔ اس کے سوا کسی کے بس میں نہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے۔ سو اسی لیے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا انہوں نے زمین سے کچھ ایسے خدا بنا رکھے ہیں جو مُردوں کو زندہ کرتے ہوں؟ جس طرح کہ معبودِ حقیقی حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ زندگی بخشتا اور زندہ کر کے اٹھاتا ہے اور پھر جب کوئی ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ان کو معبود قرار دینا اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے ان کو غائبانہ پکارنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ ۔ والعیاذ باللہ ۔ سو اللہ پاک ۔ سبحانہ، وتعالیٰ ۔ کے سوا اور معبود تجویز کرنا سراسر ظلم اور حماقت ہے۔ اور مشرکوں نے جو از خود طرح طرح کے معبود زمین سے گھڑ رکھے ہیں اور طرح طرح کی ''سرکاریں'' فرض کر رکھی ہیں وہ سب بے اصل اور بے بنیاد و بے حقیقت ہیں اور اس طرح کی مشرکانہ باتوں سے ایسے لوگ بڑے ہولناک جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۷ ابطالِ شرک کیلئے ایک ٹھوس عقلی دلیل اور قطعی برہان: ۔ یعنی ''اگر اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کچھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ مشرکوں کا کہنا ہے تو زمین و آسمان کا نظام کبھی کا درہم برہم ہو گیا ہوتا'' کیونکہ اس نظام کو چلانے کے لئے ان مختلف خداؤں میں یقیناً تنازع اور اختلاف پیدا ہوتا جس سے یہ سارا نظام درھم برہم ہو جاتا۔ اور جب ایسا نہیں ہوا اور یقیناً نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین کی اس عظیم الشان اور حکمتوں بھری کائنات کا نظام نہایت باقاعدگی اور پوری پابندی کے ساتھ چل رہا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک بھی ایک ہی ہے اور اس میں متصرف۔ و فرمان روا بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس وہی معبودِ برحق ہے۔ نہ اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک ہوسکتا ہے اور نہ اسکی ذات و صفات میں۔ اور نہ ہی اسکے حقوق و اختیارات میں۔ وہ ہر لحاظ سے واحد واحد اور یکتا ہے اور ہر قسم کے شرک اور اسکے ہر شائبہ سے پاک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس کائنات کا خالق و مالک بھی وہی ہے اور اس میں حاکم و متصرف اور معبود برحق بھی وہی ہے۔

۲۸ اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبے سے پاک ہے: ۔ سو توحیدِ خداوندی کی دلیل بیان کرنے کے بعد اسکے نتیجہ و ثمرہ کو سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ وہ پاک ہے ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ اسکے بارے میں از خود بنا رہے ہیں۔ اسکی شانِ اقدس و اعلیٰ

کے بارے میں اور دوسروں کو اس کی صفات میں شریک قرار دے کر۔ اور ان کو از خود حاجت روا و مشکل کشا مان کر۔ یہ ان کو پوجتے پکارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اور ایسی تمام شرکیات کی بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کو اسکی مخلوق پر قیاس کر کے اس کیلئے وہی صفات ثابت کرتے ہیں جو مخلوق کے لائق اور اسی کیلئے زیبا ہیں۔ اسی لیے یہاں پر ایک تو سبحان اللہ فرما کر ایسی تمام شرکیات کی جڑ نکال دی کہ وہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ اور دوسرے رب العرش فرما کر ایسے تمام تصورات کا خاتمہ فرما دیا کہ جب وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے اور یہ صفت اور شان اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کیلئے ممکن ہی نہیں تو پھر اس کیلئے کسی اور کا شریک ہونا کیسے اور کیونکر ممکن ہوسکتا ہے؟ - سبحانہ، وتعالیٰ - پس وہ خالقِ کل اور مالکِ مطلق ہر قسم کے شرک اور اسکے تمام شوائب سے پاک ہے۔ اور اس کی شان اس سے کہیں بلند اور اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۲۹ **اس سے کوئی کچھ پوچھ نہیں سکتا:** - کہ وہ خالق و مالک بھی ہے اور حاکم و حکیم بھی۔ اور اپنی پوری کائنات میں بلا شرکتِ غیرے متصرف و فرماں روا بھی۔ وہ جو کچھ کرے وہ حق و صدق ہے۔ لہٰذا نہ اس سے پوچھنے کا کسی کو کوئی حق ہے اور نہ ہی کسی کی جان ہے کہ وہ اس سے پوچھ سکے۔ وہ اس طرح کے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ وہ خالقِ کل اور مالکِ مطلق ہے اور باقی سب اسکی مخلوق اور اسکے مملوک ہیں۔ اور کسی مخلوق اور مملوک کو یہ حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اپنے خالق اور مالکِ حقیقی سے کوئی سوال کرے۔ سو اس ارشادِ ربانی سے اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کو واضح فرما دیا کہ وہ کسی کے آگے مسئول اور جواب دہ نہیں اور باقی سب اس کے آگے مسئول اور جوابدہ ہیں۔ خواہ وہ ملائکہ مقربین ہوں یا انبیاء و رسل یا جنوں اور انسانوں میں سے کوئی ہستی اور گروہ ہو۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ اگر کسی نے ایسی جسارت کی تو اس کو اس کا بھگتان بھگتنا پڑے گا۔ سو اس سے مشرکوں کے اس مشرکانہ تصور و فلسفہ کی جڑ نکال دی گئی کہ ان کے خود ساختہ اور من گھڑت معبود اس کائنات کے نظم و نسق میں خداوندِ قدوس کی خدائی میں شریک و دخیل ہیں۔ وہ جو چاہیں کرا سکتے ہیں اور خدائے پاک کے ارادہ کو تبدیل کرا سکتے ہیں۔ سو ایسا ہر تصور و خیال باطل و بے بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۳۰ **سب کی باز پرس کا حوالہ و ذکر:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور باقی سب کی باز پرس کی جائے گی۔ کہ وہ سب اس کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ اس کی زمین اور اسکی تخلیق کردہ اس وسیع کائنات میں رہتے، بستے، کھاتے، پیتے اور پلتے بڑھتے ہیں۔ لہٰذا اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کو اسکا حق پہنچتا ہے کہ وہ ان سے پوچھے۔ اور وہ ان سے پوچھے گا کہ تم نے اس کا حقِ بندگی کیا اور کس طرح ادا کیا؟ تاکہ ہر کوئی اپنے کیے کرائے کا صلہ و بدلہ پا سکے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا اور قسم کھا کر ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب لوگوں سے ان کی زندگی بھر کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ - (الحجر: ۹۲-۹۳)۔ سو اس سے ان مشرکوں کے شرک کی جڑ نکال دی گئی جو کہتے ہیں کہ ان کے خود ساختہ شریک اور من گھڑت معبود اس کی خدائی میں دخیل ہیں اور اپنے اس مشرکانہ تصور کی بنا پر یہ لوگ ان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے جس ارادے کو چاہیں بدلوا سکتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں اس سے منوا سکتے ہیں۔ اور وہ خداوندِ قدوس کی باز پرس سے بالا ہیں۔ جو چاہیں کریں وغیرہ وغیرہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ عقیدہ و عمل کے ہر میدان میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـهَةً ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ ۚ

رکھے ہیں؟ (اچھا تو ان سے) کہو کہ لاؤ تم لوگ اپنی دلیل ۳۱ یہ رہی وہ کتاب جس میں میرے دور کے لوگوں کی نصیحت ہے، اور وہ

هٰذَا ذِكۡرُ مَنۡ مَّعِىَ وَذِكۡرُ مَنۡ قَبۡلِىۡ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ

کتابیں بھی جن میں مجھ سے پہلے لوگوں کے لئے نصیحت تھی، (مگر حق کے خلاف کوئی دلیل ملے تو کہاں سے اور کیونکر؟ اس لئے بات

لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَـقَّ فَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا

یہ نہیں) بلکہ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت چونکہ حق (اور حقیقت) کو جانتی نہیں، اس لئے وہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں، ۳۲

مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ

اور ہم نے آپ سے پہلے (اے پیغمبر!) جو بھی کوئی رسول بھیجا اس کو یہی وحی کی کہ کوئی معبود نہیں

اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ

سوائے میرے، پس تم سب لوگ میری ہی بندگی کرو، ۳۳ اور ان کا کہنا ہے کہ (خدائے) رحمٰن نے اولاد

وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ

بنا رکھی ہے، وہ پاک ہے، (اور جن کو یہ خدا کی اولاد کہتے ہیں وہ اولاد نہیں) بلکہ وہ تو (اس کے) ایسے بندے ہیں ۳۴ جن کو عزت بخشی گئی

بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ يَعۡلَمُ مَا

وہ تو اس کے حضور آگے بڑھ کر بات بھی نہیں کر سکتے، اور وہ کام بھی اسی کے حکم پر کرتے ہیں اللہ ایک برابر جانتا ہے

۳۱ شرک کے حامیوں سے دلیل کا مطالبہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کو بھی مانتے اور ان کو اس کی خدائی میں شریک جانتے ہیں تو ان سے کہو کہ لاؤ تم لوگ اپنی دلیل۔ نقلِ صحیح یا عقلِ سلیم سے۔ ایسی دلیل و برھان جو تمہارے دعوے کی تصدیق و تائید کرتی ہو۔ مگر باطل کے لئے ایسی کوئی دلیل کہاں اور کیسے؟ کہ جب اللہ پاک کا کوئی شریک ہے ہی نہیں، ممکن ہی نہیں۔ تو پھر اس کیلئے کوئی دلیل و برہان ہو ہی کیسے سکتی ہے؟ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ ۔ (المومنون: ۱۱۷)۔ اور شرک کے حامیوں سے دلیل کا مطالبہ اس لیے فرمایا گیا کہ جہاں تک خداوند قدوس کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کا تعلق ہے وہ تو مابہ النزاع ہے ہی نہیں۔ اس کو یہ مشرک لوگ بھی مانتے ہیں۔ سو وہ تو ایک مسلم حقیقت ہے۔ اصل اختلاف

اس امر میں ہے کہ کیا اس کے ساتھ اور اس کے سوا کوئی اور معبود بھی ہیں۔ اور اصل حقیقت کے اعتبار سے اس کے سوا کوئی اور معبود سرے سے ہے ہی نہیں مگر تم لوگوں نے اس کے طرح طرح کے شریک گھڑ رکھے ہیں۔ سو اس لیے تم پر لازم آتا ہے کہ تم اس کے لیے کوئی دلیل پیش کرو مگر کہاں اور کیسے؟ مشرک کے لیے نہ کوئی دلیل ہے نہ ہو سکتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۲ اکثر لوگ جاہل ہیں۔ والعیاذ باللہ: ۔ یعنی وہ جاہل ہیں حق وحقیقت کے علم وادراک سے۔ سو ارشاد فرمایا کہ دلیل و برہان تو ان کے پاس کوئی نہیں لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اس لیے وہ حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور اسی بنا پر وہ خواہ مخواہ بلا دلیل وثبوت محض اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے یا اپنی عقولِ مریضہ کے ساختہ پرداختہ ڈھکوسلوں کی بناء پر توحید و صداقت کی راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے پھرے ہوئے ہیں۔ اور ان کو اس کا بھی کوئی پاس واحساس تک نہیں کہ اس طرح وہ اپنا ہی نقصان کررہے ہیں۔ اور ایسا ہولناک نقصان کہ اس جیسا دوسرا کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ والعیاذ باللہ۔ سو نورِ حق وہدایت سے محرومی اور جہالت و بے خبری شر وفساد کی جڑ بنیاد ہے۔ نیز اس ارشاد میں پیغمبر۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ کے اصحاب و اصدقاء اور ان کے توسط سے جملہ اہلِ حق کے لیے تسلیہ وتسکین کا سامان بھی ہے کہ مخالفین ومنکرین اور اعداء ومکذبین نے حق اور اہلِ حق کے خلاف جو ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اس کی اساس وبنیاد کسی علم ودلیل پر نہیں بلکہ محض جہالت اور بے علمی پر ہے۔ لہٰذا آپ ان کی اس مخالفت سے نہ کبھی آزردہ خاطر اور دلگیر ہوں اور نہ ہی ان کی ژاژ خواہیوں اور یاوہ گوئیوں کو کبھی خاطر میں لائیں۔

۳۳ توحید کی ایک اہم نقلی دلیل: ۔ سو اس سے توحید کی ایک اہم نقلی دلیل بیان فرمائی گئی کہ ہر پیغمبر نے اس کی دعوت دی۔ یہ توحید کی نقلی دلیل ہے جو کہ عقلِ صحیح اور فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ اور جس کی عظمت واہمیت کا یہ عالم ہے کہ ہر پیغمبر کو اس کی وحی کی گئی ہے اور ہر پیغمبر نے سب سے پہلے عقیدۂ توحید ہی کی دعوت لوگوں کو دی اور دنیا کو اسی راہِ حق وصواب کی طرف بلایا کہ معبودِ برحق ایک اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ اور ہر قسم کی عبادت کا حقدار وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اور سابقہ کتب کا جو ریکارڈ موجود ہے وہ بھی توحید کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ تورات میں حضرتِ ابراہیم کی جو تعلیم آج بھی موجود ہے وہ سراسر توحید ہی کی دعوت ہے۔ سو گزشتہ انبیاء ورسل نے ہمیشہ توحید کی دعوت دی جو آج یہ قرآن دے رہا ہے۔ اور گزشتہ انبیاء و رسل کی تعلیم وتبلیغ کا جو ریکارڈ محفوظ وموجود ہے وہ پوری طرح قرآنِ حکیم کے اس دعوے کی تصدیق کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر رسول نے توحید ہی کی دعوت دی۔ شرک کی دعوت کسی نے بھی نہیں دی۔ سو توحید ہی دینِ حق کی اصل واساس اور بنیاد ہے۔

۳۴ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں: ۔ جیسا کہ مشرک لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ یہود ونصاریٰ نے اپنے نبیوں کو خدا کی اولاد قرار دیا اور مشرکوں نے اسکے فرشتوں کو۔ سو اسکی کوئی اولاد نہیں بلکہ سب اس کے بندے ہیں۔ اور اس کے بندوں اور اس کی مخلوق کو اس کی اولاد قرار دینا ایسی ناروا جسارت ہے جو عقل ونقل سب کے خلاف اور نہایت ہی سنگین جرم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہ ایسی جسارت اور اس قدر بڑا جرم ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ لرز کر گر پڑیں۔ جیسا کہ سورۂ مریم کی آیت نمبر ۸۸ تا آیت نمبر ۹۲ میں اسکی تصریح فرمائی گئی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ان لوگوں کے اس طرح کے تمام خیالات باطل وبے بنیاد ہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ایسی تمام نسبتوں اور اس طرح کے جملہ تصورات سے پاک اور اعلیٰ وبالا ہے۔ پس معبود برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ

وہ سب کچھ جو کہ ان کے سامنے ہے ۳۵ اور وہ سب کچھ بھی جو کہ ان کے پیچھے ہے، اور وہ سفارش بھی نہیں کرتے مگر اسی کے لئے

ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ

جس کے لئے اللہ پسند فرمائے، اور وہ ہمیشہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں، ۳۶ اور جو کوئی

يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ

ان میں سے (بالفرض) ۳۷ یہ کہہ دے کہ میں بھی معبود ہوں اس (وحدہٗ لاشریک) کے سوا، تو اس کو ہم جہنم کی

ع ۲ ۱۹ ۲

جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَوَلَمْ يَرَ

سزا دیں گے، اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو، کیا ان لوگوں نے جو اڑے ہوئے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا

ہیں اپنے کفر (وباطل) پر، کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین

رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ

بند تھے، پھر ہم نے ان دونوں کو کھول دیا، ۳۸ اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا، ۳۹

۳۵ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کے ایک اہم پہلو کا ذکر و بیان :- کہ وہ وحدہٗ لاشریک ایک برابر جانتا ہے اس سب کو جو کہ ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ عام اس سے کہ وہ سامنے ہو زمانے اور وقت کے اعتبار سے یا جگہ اور مکان کے لحاظ سے۔ اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں کہ آگے پیچھے اور ماضی اور مستقبل کی یہ تقسیم بندوں کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اس وحدہٗ لاشریک کے اعتبار سے یہ سب ایک برابر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور جب یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کیلئے ممکن نہیں تو پھر اس کیلئے کوئی شریک آخر کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور اس کے اسی کمالِ علم کی بنا پر نہ تو ان تمام ہستیوں میں سے جن کو یہ لوگ اس کا شریک مانتے ہیں کوئی اسکے علم میں کوئی اضافہ کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کو کم کرسکتا ہے۔ سو اس وحدہٗ لاشریک کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ

۳۶ اللہ والوں کی شانِ خوف وخشیت کا ذکر و بیان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ ہمیشہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں"۔ تو پھر ان کو خدا یا خدا کی اولاد قرار دینے کی آخر تک اور گنجائش ہی کیا بن سکتی ہے؟ سو فرشتوں جیسی پاکیزہ مخلوق بھی اسکی الوہیت یا اسکی دوسری کسی بھی صفت میں اسکی شریک نہیں۔ بلکہ اسکی عاجز مخلوق اور اسکے فرمانبردار بندے ہیں۔ اور

جو نورِ معرفت سے جتنا زیادہ سرشار ہوگا وہ اس وحدہٗ لاشریک کے خوف وخشیت سے بھی اسی قدر زیادہ سرفراز و سرشار ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی معرفت میں سب سے اونچا اور بڑا مرتبہ حضراتِ ملائکہ و رسل ہی کا ہوتا ہے۔ اس لیے اسکے خوف و خشیت میں بھی سب سے آگے یہی ہوں گے۔ انکے شریکِ خدائی ہونے کا کیا سوال؟

۳۷ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کے لیے یکساں ہے: - یہاں تک کہ ملائکہ مقربین اور حضراتِ انبیاء و رسل جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیاں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور اگر بالفرض ان میں سے بھی کوئی ایسی بات کہہ دے تو اس کیلئے جہنم ہے۔ یعنی یہ بات فرضِ محال کے طور پر ہے۔ ورنہ فرشتے ایسا نہیں کر سکتے کہ وہ معصوم ہیں۔ ان کی شان وصفت یہ ہے۔ ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ - (التحریم:۶)۔ سو اگر بالفرض فرشتوں کی اس معصوم مخلوق میں سے بھی کوئی معبود ہونے کا دعویٰ کرتا تو اس کیلئے بھی جہنم کی سزا ہے۔ سو اس سے اس جرم کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ان میں سے کوئی یہ کہے کہ میں بھی اس کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور ظالموں اور مشرکوں کو ہم یہی سزا دیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۸ توحید و معاد کی دلیل کائنات سے: - سو توحیدِ خداوندی کی ایک اور عظیم الشان دلیل آسمانوں اور زمین کا کھول دینا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان دونوں کو ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے الگ کر دیا۔ پھر آسمان سے بارش برسانے کا انتظام فرمایا جس سے زمین کو قوت و زندگی ملتی ہے اور زمین کو روئیدگی کی صلاحیت بخشی جس سے انسان اور دوسری بے شمار مخلوق کی زندگی کے لئے قسما قسم کے اور طرح طرح کے سامان پیدا ہوتے ہیں۔ تو یہ سب کچھ کھلا ثبوت اور عظیم الشان نشانی ہے ہماری بے پایاں قدرت، بے نہایت رحمت اور وحدانیتِ مطلقہ کی۔ سو یہ بھی توحیدِ خداوندی کی ایک عظیم الشان اور واضح دلیل ہے۔ اور اس میں اس بات کا بھی کھلا ثبوت ہے کہ آسمان و زمین دونوں کا خالق و مالک اور حاکم و متصرف ایک ہی ہے۔ ورنہ ان دونوں کے درمیان یہ حیرت انگیز توافق ممکن نہ تھا۔ نیز پانی سے زمین کے زندہ ہونے اور اس میں طرح طرح کی پیداواریں اگنے اور فصلیں پیدا ہونے میں موت کے بعد زندگی کا نمونہ و ثبوت بھی موجود ہے۔ نیز اسی سے معاد اور آخرت کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ زمین و آسمان کی یہ ساری کائنات انسان کی خُدمت میں لگی ہو اور خود انسان عبث و بیکار ہو۔ لازماً اس سے باز پرس ہوگی اور اس کے لیے سزا و جزا ہوگی۔ کہ یہی تقاضاءِ عدل و انصاف ہے جو اپنے وقت پر بہرحال پورا ہو کر رہیگا۔

۳۹ ہر چیز کی زندگی پانی سے: - سو اس سے اس اہم حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ پانی ہی سے ہر چیز کو زندگی بخشی گئی۔ اور ہر چیز کی زندگی کا مدار و انحصار بھی پانی ہی پر ہے کہ اسباب کی اس دنیا میں پانی کے بغیر نہ کسی جاندار کو زندگی مل سکتی ہے اور نہ کسی کی زندگی برقرار رہ سکتی ہے۔ تو ذرا سوچو اور غور کرو اے عقلِ سلیم اور فکرِ مستقیم کی دولت رکھنے والو کہ کیسی قادرِ مطلق اور حکیمِ مطلق ہے وہ ذات جس نے پانی کے اس حیات آفریں محلول کو وجود بخشا۔ اور اس کائنات کی ہر زندہ چیز کی زندگی اور اسکی بقاء کو پانی کے اس جوہرِ عظیم سے مربوط کر دیا۔ سو حضرتِ خالق - جل مجدہٗ - نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے ہر چیز کا وجود اور اس کی بقا کو پانی ہی سے مربوط اور وابستہ کر دیا۔ جو اسکی قدرت و حکمت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ پس اس عظیم الشان نعمت پر حضرت واہب مطلق جل جلالہ کا شکر لازم ہے

حَيٍّ ۖ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ

تو کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے؟ اور ہم نے گاڑ دیئے زمین میں طرح طرح (کے پہاڑوں) کے عظیم الشان لنگر،

اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا

کہ کہیں یہ ڈولنے نہ لگے (اپنے اوپر رہنے والے) اِن لوگوں کو لیکر، اور رکھ دیئے ہم نے اس کے اندر، طرح طرح کے کشادہ راستے،

لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا

تا کہ یہ لوگ راہ پاسکیں ف۴۰ اور ہم نے (زمین کے اس عظیم الشان فرش کے لئے) آسمان کو ایک عظیم الشان محفوظ

مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ

چھت بنادیا ف۴۱ مگر یہ لوگ ہیں کہ اس کی (ان تمام عظیم الشان) نشانیوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں، اور وہ (اللہ)

الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ

وہی تو ہے جس نے پیدا فرمایا رات و دن اور سورج و چاند (کے اس عظیم الشان نظام) کو،

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ

(اور اس قدر عمدہ تقدیر، اور بہترین انداز کے ساتھ، کہ) سب اپنے اپنے فلک میں تیرتے جا رہے ہیں ف۴۲ اور ہم نے آپ سے پہلے

۴۰ آیاتِ ارضی میں غور وفکر کی دعوت: ۔سو اس سے آیات ارضی یعنی زمین کے اندر کی نشانیوں کی طرف توجہ مبذول کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ زمین کے اندر بھی طرح طرح کے نشانہائے قدرت موجود ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے زمین کے اندر طرح طرح کے [پہاڑوں کے] عظیم الشان لنگر ڈال دیے تاکہ یہ کہیں ڈولنے نہ لگے اپنے اوپر رہنے بسنے والے [اِن لوگوں کو لے کر۔ نیز اس میں ہم نے طرح طرح کے کشادہ راستے بھی رکھ دیے۔ تاکہ لوگ راہ پاسکیں۔ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راہ۔ نیز اس سے وہ دنیاوی زندگی کی ان عارضی منزلوں سے بڑھ کر اپنے اس ربِّ حقیقی کی معرفت کی حقیقی منزل مراد تک بھی رسائی حاصل کرسکیں جس نے انکو یہ سب کچھ دیا بخشا ہے کہ آخر وہ کون قادرِ مطلق، حکیمِ مطلق اور مہربانِ مطلق ہے جس نے ہماری ضروریاتِ زندگی کے لئے ایسے ایسے عظیم الشان انتظامات فرمائے ہیں؟ اس کا ہم پر کیا حق ہے اور اسکے اس حقِ واجب کو پہچاننے اور اسکو ادا کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک۔ سبحانہ، و تعالیٰ۔ اور زمین کے اندر پائے جانے والے یہ عظیم الشان نشانہائے قدرت اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر دعوتِ غور وفکر دے رہے ہیں اور اس واہبِ مطلق کی عظمتِ شان اور اسکی وحدانیتِ مطلقہ کے گیت گا رہے ہیں۔ سو انسان اگر صحیح طریقے

سے ان عظیم الشان نشانہائے قدرت میں غور وفکر سے کام لے تو اس کو حق و ہدایت کی وہ صراطِ مستقیم نصیب ہو سکتی ہے جو اس کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کی ضامن و کفیل ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ وعلیٰ مایُحِبُّ و یرید

۴۱ آسمان کی نشانیوں میں دعوتِ غور وفکر: ۔ سو آسمان کی سقفِ محفوظ اس مالک الملک کی وحدانیتِ مطلقہ کا ایک اور عظیم الشان مظہر و ثبوت ہے۔ ایسی محفوظ اور اس قدر مضبوط چھت جو نہ گرتی ہے اور نہ اس میں کوئی ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت ہوتی ہے۔ اور جو تمام سیاروں ستاروں کے بالائی نظام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اور اس طرح آسمان کا یہ سقفِ محفوظ حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کی قدرت اور اسکی عظمت وعنایت کے ایک عظیم الشان شاہکار کے طور پر دنیا پر تنا ہوا اور ان کو ہر وقت اور ہر جگہ درسِ عبرت دے رہا ہے اور اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر اہلِ دنیا کو دعوتِ غور وفکر دے رہا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عظمت کو پہچان کر صدقِ دل سے اس کے آگے جھک جائیں۔ یہ اس کا اپنے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں اسکے بندوں کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا راز مضمر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ نشانیاں طلب کرنے والے لوگ آخر آسمان کے اس سقفِ نیلگوں کو کیوں نہیں دیکھتے جس کی وسعت و پہنائی کا کوئی کنارہ نہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ یہ چھت کب بنی لیکن اس کی اس قدر وسعت اور اتنی طویل مدت کے باوجود اس میں کسی معمولی سے معمولی خلل یا نقصان اور پھٹن و شگاف کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔ یہ ہر قسم کے نقص و قصور اور پھٹن و شگاف اور کہنگی وغیرہ کے ہر اثر و نشان سے پاک محفوظ ہے۔ تو آخر یہ کس کی قدرت وعنایت کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ سو وہی ہے اللہ وحدہ لاشریک جو معبود برحق ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ فلہ الحمد ولہ الشکر۔

۴۲ ہر کُرہ اپنے فلک میں تیرے جارہا ہے: ۔ اور اس قدر پر حکمت نظام کے تحت کہ نہ وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور نہ اپنی مقررہ حدود سے باہر نکلتے ہیں۔ سو اس سب میں مخلوق کے لئے طرح طرح کے اور عظیم الشان فوائد و منافع بھی ہیں اور اس کے خالق و مالک کی عظمت، قدرت اور وحدانیت کے کھلے اور روشن دلائل بھی۔ سو زمین و آسمان اور سورج و چاند جیسے ایسے عظیم الشان کُرّوں میں سے ہر ایک کا اپنے فلک اور دائرے میں اس قدر عمدگی اور پابندی سے برابر چلتے اور گردش کیے جانا حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کی قدرتِ بے پایاں، حکمتِ بے نہایت اور عنایتِ بے غایت کے عظیم الشان مظہر ہیں۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اسکی کارفرمائی اور حکمرانی اسکی اس عظیم الشان کائنات میں ہر وقت اور ہر لحظہ برابر جاری و ساری ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ ۔ اور سورج و چاند وغیرہ کے یہ عظیم الشان کُرے اسی کی قدرت و حکمت سے اپنے اپنے معین مدار میں پوری پابندی سے رواں دواں ہیں۔ مجال نہیں کہ سرِ مو اس سے انحراف کر سکیں۔ اگر یہ ذرہ برابر بھی ادھر ادھر ہو جائیں تو سارے نظامِ عالم میں خلل واقع ہو جائے۔ سو ان سب کا منٹ سیکنڈ کی پابندی و حساب کے ساتھ اپنی ڈیوٹی ادا کرنا اور کسی ادنیٰ توقُّف و تخلُّف کے بغیر ادا کرنا اس بات کی واضح اور کھلی شہادت ہے کہ یہ سب حاکمِ کائنات کے محکوم اور اسی کے ہاتھ میں مسخر ہیں۔ سو کتنے احمق ہیں وہ لوگ جو ان عظیم الشان نشانہائے قدرت سے درسِ عبرت لینے کی بجائے الٹا انہی کی پوجا کرتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

(اے پیغمبر!) کسی بھی انسان کے لئے ہمیشگی نہیں رکھی، تو کیا آپ اگر (اپنے وقت پر) مرگئے تو یہ ہمیشہ رہیں گے؟ ۴۳ موت کا مزہ تو ہر

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ

جاندار کو بہرحال چکھنا ہے ۴۴ اور ہم (نے دنیا کی یہ چندروزہ زندگی بھی تمہیں اے لوگو! اس لئے دی کہ ہم) تمہاری آزمائش کرتے

وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَا

رہیں جانچنے کیلئے، برے حالات سے بھی، اور اچھے حالات سے بھی، اور آخر کار تم نے لوٹ کر بہرحال ہمارے ہی پاس آنا ہے ۴۵

۴۳ اس دنیا میں خلود و دوام کسی کے لیے بھی ممکن نہیں: - بلکہ ہر ایک نے یہاں سے بہرحال کوچ کرنا ہے۔ تو پھر منکرین کے لیے پیغمبر کی موت سے خوشی کا آخر کونسا مقام ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا تو کیا آپ اگر مر گئے تو یہ ہمیشہ رہیں گے؟۔ اور جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ کے وصال و انتقال سے ان دشمنانِ دینِ حق کے لئے خوشی و مسرت کا آخر کیا موقع ہو سکتا ہے؟ جو آپ کی موت کے انتظار میں ہیں اور کہتے ہیں- ﴿نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾- کہ "ہم ان صاحب کی موت کی انتظار میں ہیں"۔ کفار کہا کرتے تھے کہ ان صاحب کا یہ دین تو بس ان کی زندگی تک ہی ہے۔ اس لیے ان کی موت تک انتظار کرلو۔ اس کے بعد ان کا یہ دین خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس لیے وہ بدبخت آپ کی موت کے انتظار میں تھے۔ تو اس پر یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اس میں ان کیلئے خوشی کا کیا مقام ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اگر اے پیغمبر اپنے وقت پر مر گئے تو یہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں کہ موت لازمۂ بشریت ہے تو پھر یہ بدبخت آخر کس بنیاد پر خوش ہو رہے ہیں۔ سو خوش نصیب ہیں وہ جنکی موت راہِ حق و ہدایت پر آتی ہے۔ کہ ان کے لیے آخرت کے اس جہانِ غیب میں ہمیشہ ہمیش کی کامیابی ہے۔

۴۴ موت کا مزہ ہر جاندار نے بہرحال چکھنا ہے: - اپنے اپنے وقت پر۔ کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔ تو پھر کسی کی موت سے کسی دوسرے کے لئے خوشی کا کوئی موقع آخر کس طرح ہو سکتا ہے کہ موت کا یہ کڑوا گھونٹ تو اس نے بھی بالآخر بھرنا ہے؟ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسروں کی موت کا انتظار کرنے کی بجائے خود اپنی اصلاح پر توجہ دے اور اپنے انجام کیلئے تیاری کرے۔ سو ان منکرین و مکذبین کے لیے اس بارے اگر خوشی و مسرت کا کوئی موقعہ ہو سکتا ہے تو صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ یہ زندگی جاوداں لے کر آئے ہوں۔ تو اس وقت ان کے لیے ایسا کہنے کی گنجائش ہو سکتی تھی کہ ہم جب حیاتِ ابدی کے مالک ہیں تو پھر ایک انسان کو کس طرح رسول مان لیں اور ان کی اطاعت و اتباع کیونکر کریں۔ جب ایسی کوئی بات نہیں اور نہیں ہو سکتی تو پھر ان کا پیغمبر کی موت پر خوش ہونا پرلے درجے کی حماقت ہے- والعیاذ باللہ-

۴۵ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور تم سب نے لوٹ کر بہرحال ہمارے ہی پاس آنا ہے"۔ تاکہ ہر کوئی اپنی زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ پا سکے۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بھرپور طور پر پورے ہو سکیں اور ایسا بہرحال ہو کر رہے گا۔ اور تم سب کو اے لوگو بہرحال لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے اور وہاں اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا صلہ اور بدلہ بہرحال پانا ہے۔ سو اصل کام جو کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے اس مصیرِ محتوم اور انجامِ موعود کیلئے تیاری کرے۔ اور دنیا کی اس عارضی و فانی زندگی اور محدود و مختصر فرصت کو اپنی آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کے بنانے کی فکر و سعی میں صرف کرے- وباللہ التوفیق-

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ

اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ لوگ جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، تو مذاق اڑانے کے سوا ان کا کوئی کام ہی نہیں رہ جاتا، ۴۶

اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

(کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہیں وہ صاحب، جو تمہارے معبودوں کا نام لینے کی جسارت کرتے ہیں؟ ۴۷ اور خود ان کا اپنا حال یہ ہے کہ یہ

۴۶ اہلِ کفر و باطل کا کام اہلِ حق کا مذاق اڑانا۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جب یہ کفر و باطل والے آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کا کام مذاق اڑانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا" اور اہلِ حق سے بغض و عناد اور ان کا مذاق اڑانا باعثِ ہلاکت و تباہی ہے جو کہ کھلا ثبوت ہے ان کے عناد و ہٹ دھرمی کا۔ کہ بجائے اس کے کہ آپ کو دیکھ کر یہ لوگ خوشی و مسرت میں ڈوب جاتے اور آپ کی پیش فرمودہ تعلیماتِ مقدسہ کو صدقِ دل سے اپنا کر، اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کا سامان کرتے۔ یہ الٹا آپ کا مذاق اڑا کر اپنے کفر کی سیاہی اور بدبختی کو اور پکا کرتے اور اپنے لئے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ میں اضافہ کرتے ہیں۔ اور ان کو اس امر کا احساس و شعور تک نہیں کہ اس طرح یہ لوگ اپنے لئے کس قدر خسارے کا سودا کرتے ہیں۔ سو یہی حال ہوتا ہے حق اور اہلِ حق سے بغض و عناد اور ہٹ دھرمی کا کہ اس سے انسان کا دل سیاہ اور اسکی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور اس کی مت اس طرح مار کر رکھ دی جاتی ہے کہ اس کو خود اپنے نفع و نقصان کی تمیز بھی نہیں رہتی۔ اور اس کا حال بد سے بدتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف اہلِ کفر و باطل کا اہلِ حق کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا معاملہ رہا۔ یعنی ایسے لوگ اہلِ حق اور انکے ذریعے پہنچنے والے پیغامِ حق و ہدایت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اور آج کے اس دور میں جبکہ مادی ترقی اور ملحدانہ فلسفہ اپنے عروج پر ہے ان لوگوں کے طنز و مذاق اور طعن و تشنیع نے طرح طرح کی اور نت نئی صورتیں اختیار کر لی ہیں۔ قسما قسم کی فلمیں، ڈرامے اور کارٹون بنا کر یہ لوگ حق اور اہلِ حق کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال۔

۴۷ مشرکوں کی مشرکانہ حمیت کا ایک نمونہ و مظہر:- سو اس سے مشرکوں کے اپنے خود ساختہ معبودوں کے لیے غیرت مندی اور مشرکانہ حمیت کا ایک مظہر و نمونہ سامنے آتا ہے۔ سو یہ لوگ پیغمبر کے لیے کہتے ہیں کہ کیا یہی صاحب ہمارے معبودوں کا نام لیتے ہیں؟۔ اور ان کی مذمت و برائی کرتے ان کو مشکل کشا و حاجت روا ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اور ان کو بے حقیقت قرار دیتے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ کو یہ شرک قرار دیتے اور دوزخی بتاتے ہیں۔ اور اپنے لیے خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا خدا نے انہی کو رسول بنا کر بھیجنا تھا۔ ﴿وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا﴾۔ (الفرقان: ۴۱)۔ سو اس سے مشرکوں اور بت پرستوں کے ان کے اپنے من گھڑت اور خود ساختہ معبودوں کے لیے غیرت مندی اور مشرکانہ حمیت کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے کہ یہ لوگ پیغمبر کو دیکھتے ہی ان کا مذاق اڑاتے اور تحقیر و نفرت کے انداز میں کہتے ہیں کہ کیا یہی ہیں وہ صاحب جو تمہارے معبودوں کا مذاق اڑاتے اور ان کو برا کہتے ہیں۔ اور ﴿يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ میں ضمیر خطاب اپنے عوام کو بھڑکانے کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ یعنی یوں نہیں کہتے کہ یہ ہمارے معبودوں کی برائی کرتا ہے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ صاحب تمہارے معبودوں کے خلاف اس گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سو ان دونوں اسلوبوں کے درمیان بلاغت کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا، والحمد للہ سبحانہ، وتعالیٰ

هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ

(خدائے) رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں ۴۸ انسان (کی جلد بازی کا یہ عالم ہے کہ گویا اس) کا خمیر ہی جلد بازی سے بنایا گیا ہے ۴۹ (تو اے

اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

جلد باز منکرو!) میں عنقریب ہی (وقت آنے پر) تم کو دکھادوں گا اپنی نشانیاں، پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ ۵۰ اور کہتے ہیں کہ آخر

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

کب پوری ہوگی تمہاری یہ دھمکی اگر تم سچے ہو؟ اگر (کسی طرح) جان لیتے کافر لوگ اس (ہولناک) وقت کو کہ جب یہ (دوزخ کی

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا

لپٹیں مارتی ہوئی) اس آگ کو روک نہ سکیں گے، نہ اپنے چہروں سے، اور نہ اپنی پیٹھوں سے، اور نہ ہی ان کی (کہیں سے) کوئی مدد

۴۸ مشرکوں کی خدائے رحمان کے بارے میں بے حسی: -سو اس سے مشرکوں کی خدائے رحمان کے بارے میں بے حسی اور بے غیرتی کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے۔ اپنے من گھڑت اور خود ساختہ معبودوں کے بارے میں تو یہ اتنے غیرت منداور پُر جوش ہیں لیکن معبودِ حقیقی یعنی خدائے رحمٰن کے ذکر کے ساتھ یہ کفر کرتے ہیں۔ اور ان کو اس کا احساس تک نہیں کہ جس خدائے رحمان کی گوناں گوں رحمتوں میں یہ سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں اس کے ساتھ کفرو انکار کر کے یہ کتنے بڑے ظلم اور کس قدر ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں- والعیاذ باللہ- سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان جب راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑ لیتا ہے تو وہ کتنا اندھا اور اوندھا ہو جاتا ہے اور کس قدر بدل جاتا ہے۔ اور کتنا ناشکرا بن جاتا ہے۔ اپنے خود ساختہ اور بے حقیقت بتوں کا تو اس کو اس قدر خیال ہوتا ہے کہ ان سے متعلق بیانِ حقیقت اور اظہارِ واقع کو بھی وہ ان کے حق میں گستاخی اور بے ادبی قرار دیتا ہے مگر جس خدائے رحمٰن کی رحمتوں میں یہ انسان سرتاپا ڈوبا ہوا ہے اس کی اسکو پرواہ تک نہیں۔ بلکہ اس کے حق میں یہ کفر و ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے- والعیاذ باللہ- اور اسی مہلک بیماری کے جراثیم آج کے کلمہ گو مشرکوں میں بھی آپ کو جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آئیں گے۔ مثلاً یہ کہ ایسے لوگ مسجدوں میں جو کہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور یہ خود بھی ان کو ایسا ہی جانتے اور مانتے ہیں، وہاں تو ایسے لوگ اپنے جوتے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے صفِ اول تک بھی لے جائیں گے، مگر کسی قبر یا آستانے کا جب معاملہ آئے گا تو جوتے دور اتار کر رکھ لیں گے اور ننگے قدم تک چلیں گے۔ اور ایسے لوگ مسجدوں کے پاس سے ایسے لوگ گاتے بجاتے بے فکری و لاپرواہی سے گزر جائیں گے مگر جب کسی قبر وغیرہ کے پاس سے گزریں گے تو سب کچھ یہ بند کر دیں گے اور اپنے ہاتھوں اور اشاروں سے قبر کو سلام کرتے ہوئے وہاں سے گزریں گے۔ کوئی بندۂ

خدا اگر خالص توحید بیان کرے گا تو ان لوگوں کو برا لگے گا اور یہ اس پر طرح طرح کے الزامات عائد کریں گے۔ اور اگر وہ شرک اور شرکیات سے روکے گا تو اس کے خلاف یہ ہنگامہ کھڑا کردیں گے کہ یہ شخص بزرگوں کا منکر اور ان کی توہین کا مرتکب ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اپنے شرک و شرکیات اور قبروں آستانوں پر اپنی سجدہ ریزی کے جواز کے لئے دلائل تک پیش کرنے کی تگ ودو میں لگ جائیں گے۔ سو کیسی مشابہت ہے کل کے ان کھلے مشرکوں اور آج کے ان کلمہ گو مشرکوں کے درمیان؟ - ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۷۹ انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے: - اسی لئے وہ عذاب کے لئے بھی جلد بازی سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ عذاب جس سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے فوراً آ کیوں نہیں جاتا۔ حالانکہ اللہ پاک کا معاملہ تو سراسر حکمت پر مبنی اور رحمت سے بھرا ہوتا ہے۔ وہاں جلد بازی کا کوئی مقام نہیں۔ ہر چیز کے لئے اس کے یہاں ایک خاص پیمانہ ہے۔ ﴿كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ﴾ (الرعد:۸) اور اس کا پیمانہ بھی بندوں کے پیمانوں سے کہیں بڑا اور بہت بڑا ہے۔ اس کے یہاں کا ایک دن ہمارے یہاں کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ ﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ﴾ - (الحج:۴۷)۔ سو اس کے یہاں اس کے متمرد و سرکش بندوں کے عذاب کا بھی ایک خاص وقت مقرر ہے۔ ورنہ ان لوگوں پر اس کا عذاب کبھی کا آ چکا ہوتا۔ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى﴾ - (طٰہٰ:۱۲۹) - والعیاذ باللہ من کل زیغ و انحراف - اللہ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین

۸۰ جلد بازوں کیلئے ایک تنبیہ: - سو جلد بازوں کیلئے ایک تنبیہ و تحذیر کے طور پر ان سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا۔ پس تم لوگ عذاب کیلئے جلدی مت مچاؤ: - بلکہ دنیاوی زندگی کی اس فرصت کو جو آج تمہیں دستیاب و میسر ہے اس کو غنیمت سمجھ کر اس عذاب سے بچنے کی فکر کرو کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ مستعار ہاتھ سے نکلنے کے بعد پھر کبھی اور کسی بھی قیمت پر دوبارہ ملنے والی نہیں۔ سو عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس عذاب سے بچنے کی فکر کرے اور فرصتِ حیات کو آخرت کی تیاری کیلئے غنیمت جانے - وباللہ التوفیق - بہرکیف اس ارشاد سے ان جلد بازوں کی طرف سے عذاب کے لیے مچائی جانے والی جلد بازی کا جواب دیا گیا اور واضح فرمایا گیا کہ یہ تاخیر خداوندِ قدوس کی رحمت و عنایت کی بنا پر ہو رہی ہے۔ وہ رحمان و رحیم چاہتا ہے کہ جو لوگ اس فرصت سے فائدہ اٹھانا چاہیں وہ فائدہ اٹھا کر توبہ و اصلاح کر لیں اور انابت و رجوع الی اللہ کے ذریعے اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں اور ہمیشہ کے عذاب اور دائمی رسوائی سے بچ جائیں۔ مگر یہ عقل کے اندھے اور مت کے مارے ایسے بدبخت ہیں کہ اس فرصت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں اور عافیت کی بجائے عذاب مانگتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر شکل سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر ہی گامزن رہنے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَأْتِيْهِمْ

کی جائے گی، (توان کا حال کچھ اور ہی ہوتا) ف۵۱ (اور معاملہ کچھ ان کی فرمائش اور جلد بازی پر موقوف نہیں) بلکہ وہ گھڑی تو ان پر اس طرح

بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ

اچانک آپہنچے گی ف۵۲ کہ ان کے ہوش اڑا کر رکھ دے گی، پھر ان کو نہ تو اس کے لوٹا دینے کا یارا ہوگا، اور نہ ہی ان کو کوئی

۵۱ دولتِ ایمان ویقین سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان و یقین اور خاص کر آخرت کا ایمان ویقین دارین کی سعادت و سرخروئی کی اصل بنیاد ہے۔ اگر آخرت کا ایمان و یقین ان لوگوں کو ہوتا اور وہاں کے حال سے یہ کسی قدر واقف و آگاہ ہوتے تو ان کا حال یقیناً اس سے یکسر مختلف ہوتا۔ یعنی "لو" شرطیہ کی جزاء یہاں پر محذوف ہے جو کہ بلاغت کا تقاضا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار چونکہ آخرت کی سزا و جزاء پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے اپنی غفلت و بے خبری اور لاپرواہی کی بناء پر یہ اس طرح کے سوال کرتے اور ایسی بے مقصد و لایعنی زندگی گزارتے ہیں۔ ورنہ اگر آخرت کے اس ہولناک دن اور وہاں کے عذاب کا کسی بھی قدر ان کو کوئی علم و اندازہ ہو جائے تو ان کی زندگی کے اطوار یکسر بدل جائیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بالآخرة زندگی کی اصلاح کے لئے سب سے اہم اساس و بنیاد ہے اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور یہ ایک ظاہر بات ہے۔ کیونکہ آخرت کے ایمان و یقین سے محرومی کے بعد انسان کی زندگی بے مقصد اور لایعنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ان کافروں کو اس وقت کا کچھ اندازہ ہو جاتا جبکہ آتشِ دوزخ ان کو ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لیے ہوگی اور ان کی بے بسی کا حال یہ ہوگا کہ یہ نہ اس کو آگے سے دور کر سکیں گے نہ پیچھے سے اور نہ ان کے حمایتی اور خود ساختہ حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں کی طرف سے انکی کوئی مدد ہو سکے گی اور نہ ان کی وہ پارٹی اور جمعیت ان کے کچھ کام آسکے گی جس پر انکو بڑا ناز ہے اور نہ ان کے ان خود ساختہ معبودوں اور شرکاء میں سے کوئی ان کا سہارا بن سکے گا جن پر آج یہ لوگ تکیہ کیے ہوئے ہیں۔ اگر یہ اس حال کو جان لیتے اور اس کا ان کو کچھ بھی اندازہ ہوتا تو ان کے لچھن یہ نہ ہوتے اور ان کا حال کچھ اور ہی ہوتا۔ کاش کہ یہ لوگ اس حقیقت کو جان لیتے اور یہ راہِ راست پر آجاتے۔

۵۲ قیامت بالکل اچانک آئے گی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کی وہ ہولناک گھڑی اچانک آپہنچے گی اور اپنے وقت پر اس نے بہر حال آکر رہنا ہے۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ چاہے یا نہ چاہے۔ سو اس وقت ان لوگوں کا حال بہت برا ہوگا جنہوں نے زندگی بھر اس کا انکار کیا ہوگا۔ ایسے لوگوں کے ہوش اس وقت اڑ جائیں گے اور ان کی حسرت و مایوسی کی کوئی حد و انتہاء نہ رہے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور کسی کو پتہ نہیں کہ وہ ہولناک گھڑی کب اور کس حال میں آئیگی۔ کیونکہ وہ بالکل اچانک آئے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لَا تَأْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً﴾۔ (الاعراف:۸۷)۔ اور پھر کفار و منکرین تو چونکہ اسکو مانتے ہی نہیں اس لیے ان کے لیے وہ جب بھی آئیگی بالکل اچانک ہی آئیگی اور ایسی اچانک کہ ان کے ہوش اڑا کر رکھ دے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ وہ کہیں وقت بتا کر نہیں آئے گی بلکہ ایسی اچانک آئے گی کہ کسی کو اس کا کوئی اندازہ اور احساس تک نہ ہوگا جیسا کہ دنیا میں زلزلے آتے ہیں تو کہیں وقت بتا کر نہیں آتے بلکہ دن رات کے کسی بھی حصے میں اور کسی بھی حال میں آجاتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۹۷ تا ۹۹ میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا وقت پوچھنے کی بجائے اس کے لیے تیاری کی جائے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علیٰ ما یحب و یرید۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن

مہلت ہی مل سکے گی ۵۳ اور (اے پیغمبر! آپ ان کی ٹھٹھابازی سے دلگیر نہ ہوں کیونکہ) یقینی طور پر آپ سے پہلے رسولوں کا بھی

قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا

مذاق اڑایا گیا ۵۴ مگر انجام کار ان میں سے ان لوگوں کو جو مذاق اڑایا کرتے تھے گھیر لیا اسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ۵۵ (اور

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٤١﴾ ع قُلْ مَن يَكْلَؤُكُم بِاللَّيْلِ وَ ع ۳ ۱۲

ان بے انصافوں سے یہ تو) پوچھو کہ بھلا کون ہے وہ جو رات اور دن تمہاری حفاظت کرتا ہے (خدائے) رحمٰن سے؟ ۵۶ (سوائے اسی کی

النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِم

رحمت وعنایت کے؟) مگر یہ ہیں کہ (اس کی احسان مندی وشکر گزاری کے بجائے) اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں ۵۷ کیا ان

۵۳ منکرین کیلئے پھر کوئی مہلت ممکن نہ ہوگی:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کی وہ گھڑی جب آ پہنچے گی تو ان کے ہوش اڑا کر رکھ دے گی۔ پھر نہ تو ان لوگوں کے لیے اس کو لوٹا دینے کا یارا ہوگا اور نہ ہی ان کو کوئی مہلت ہی مل سکے گی۔ تاکہ یہ توبہ واعتذار کا کوئی سامان کر سکیں بلکہ پھر تو انکو دائمی عذاب میں رہنا ہوگا۔ سو کیسے شقی و بدبخت ہیں یہ لوگ کہ دنیاوی زندگی کی اس قیمتی فرصت میں آخرت کے اس دائمی عذاب سے بچنے کی فکر و کوشش کرنے کی بجائے یہ الٹا اس کے آنے کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کفر و انکار کی ظلمت انسان کو کس قدر اندھا، بہرا اور کتنا غیر ذمہ دار اور لاپرواہ بنا دیتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ وہ اپنے وقت پر بالکل اچانک آ دھمکے گی۔ پھر یہ نہ اس کو ٹال سکیں گے اور نہ ہی انکے لیے کسی طرح کی کوئی مہلت ممکن ہوگی کہ یہ توبہ واصلاح کر سکیں۔ سو ایسوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور فرصت حیات کو غنیمت سمجھ کر اپنی اصلاح کر لینی چاہیے قبل اس سے کہ وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید بکل حالٍ من الاحوال، وھو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

۵۴ اہلِ باطل کی طرف سے اہلِ حق کا مذاق واستہزاء:۔سو اہلِ باطل کی طرف سے اہلِ حق کا ہمیشہ ہی مذاق اڑایا گیا۔ یہاں تک کہ حضرات انبیاء و رسل کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ تو آج کے ان فرزندانِ کفر و باطل کا یہ طریقہ و وطیرہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں بلکہ پہلے سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ مگر اس کا وبال خود ان ہی پر پڑے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس اس ارشاد ربانی میں ایک طرف تو آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے لئے اور پھر آپؐ کے واسطے سے آپ کی امت کے ہر داعی حق کے لئے تسلی کا بڑا سامان ہے اور دوسری طرف اس میں منکرین و مکذبین حق کیلئے سخت تنبیہ و تذکیر بھی کہ وہ حق اور اہلِ حق سے مذاق اور استہزاء سے باز آجائیں اور اپنے احوال و اطوار کی اصلاح کر لیں کہ حق اور اہلِ حق سے مذاق واستہزاء کا انجام بہت ہی برا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور اس کا نتیجہ بڑا ہولناک ہوتا ہے جیسا کہ اگلے حاشیے میں آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ہر برائی اور اس کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین

۵۵ حق سے مذاق اڑانے کا انجام نہایت برا۔ والعیاذ باللہ:۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حق اور اہلِ حق سے

مذاق واستہزاء کا انجام بہر حال بہت برا ہے جو ان کو بہر حال بھگتنا ہوگا۔ سو اس سے پہلے جن لوگوں نے حق کا مذاق اڑایا آخر کار ان کو گھیر لیا اسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پس اس میں درس عبرت ہے دور حاضر کے ان کفار نا ہنجار کے لئے جو حق اور اہل حق کا مذاق اڑاتے ہیں کہ وہ اس سے سبق لیں اور اپنی اس روش بد سے باز آجائیں۔ ورنہ جو انجام ان کے ان بڑوں اور پیش رؤوں کا ہو چکا ہے وہ ان کا بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو حق اور اہل حق کا مذاق اڑانے والوں کا انجام بڑا ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہے۔ اور رب رحمٰن اپنی رحمت بے پایاں سے جو ایسے بدبختوں کو ڈھیل دے رہا ہے اس سے ان کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے بلکہ اس کی طرف سے ملنے والی اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے حال اور اپنی روش کی اصلاح کر لینی چاہیئے قبل اس سے کہ اس کا ہولناک انجام انکو اپنی گرفت میں لے لے۔ کیونکہ برائی کا برا انجام ایسے لوگوں کو بہر حال بھگتنا ہوگا۔ ﴿ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ﴾ (فاطر: ۴۳)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۵۶ خدائے رحمٰن کی گرفت و پکڑ کی تذکیر و یاد دہانی: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ خدائے رحمان کی گرفت و پکڑ سے کسی کو کوئی بھی نہیں بچا سکتا:۔ سو استفہام تنبیہ و توبیخ کے طور پر فرمایا گیا۔ ''بھلا کون ہے جو خدائے رحمٰن سے تمہاری حفاظت کر سکے؟'' ۔ اور اس کی پکڑ اور عذاب سے تمہیں بچا سکے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں سوائے اس کی رحمت بیکراں کے۔ تو پھر یہ کس قدر ظلم اور کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ انسان اسی خدائے رحمٰن اور اس کی عبودیت اور عبادت و بندگی سے منہ موڑے جس کی رحمت وعنایت میں یہ سرتاپا ڈوبا ہوا ہے؟ سو یہ سوال تقریع و توبیخ اور ان لوگوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے کیلئے ہے کہ جس خدائے رحمٰن کی رحمتوں میں تم لوگ سرتاپا ڈوبے ہوئے ہو اور جو محض اپنی رحمت و عنایت سے تمہیں ایسے تمام حوادث سے محفوظ رکھتا ہے تو اس سے منہ موڑنا اور غفلت و اعراض برتنا کتنا ظلم اور کس قدر بے انصافی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ (محاسن التاویل، معارف، صفوہ اور فتح وغیرہ) اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۵۷ رب کی یاد سے اعراض و روگردانی باعث ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ان لوگوں کے اصل مرض کی تشخیص کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ نہ اس کی رحمتوں اور عنایتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کا حق شکر ادا کرنے کی کوئی فکر و کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ اس ظلم و بے انصافی کا ارتکاب کرتے ہیں کہ خدائے رحمٰن کی بخشی ہوئی ان طرح طرح کی نعمتوں کو اس کے سوا دوسری فرضی، وہمی ہستیوں اور خود ساختہ سرکاروں کی طرف منسوب کرتے اور انہی کے آگے جھکتے، ان کے نام جپتے، ان کے ناموں کی نذریں مانتے، نیازیں دیتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور پھر یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان حلم و کرم ہے کہ اس سب کے باوجود اس نے ایسے لوگوں کو چھوٹ دے رکھی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ جو عذاب الٰہی کے لیے اس قدر جلد بازی سے کام لے رہے ہیں ان سے پوچھو کہ اگر خدائے رحمان کا عذاب ان پر رات یا دن کے کسی بھی حصے میں آجائے تو پھر کون ہے جو ان کو اسکے اس عذاب اور اسکی گرفت و پکڑ سے بچا سکے؟ تو پھر یہ لوگ آخر کس طرح اور کس بل بوتے پر اسکے عذاب کا اس جلد بازی اور بے فکری ولاپرواہی سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ سو ایسی کوئی بھی بات نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ خداوند قدوس کی یاد دلشاد سے منہ موڑ کر غفلت و لاپرواہی کے ہولناک گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۴۲﴾ اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا ؕ

لوگوں کے اور کچھ ایسے معبود ہیں ہمارے سوا جو ان کو بچائیں گے (ہماری گرفت و پکڑ سے؟) وہ (بے چارے ان کو کیا بچائیں گے وہ

لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَ اَنۡفُسِهِمۡ وَلَا هُمۡ مِّنَّا يُصۡحَبُوۡنَ ﴿۴۳﴾

تو) خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے و۵۸ اور نہ ہی ان کو ہماری طرف سے کوئی تائید مل سکتی ہے و۵۹ (ان میں سے کوئی وجہ بھی نہیں) بلکہ اصل بات یہ

بَلۡ مَتَّعۡنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى طَالَ عَلَيۡهِمُ الۡعُمُرُ ؕ

ہے کہ ہم زندگی کا ساز و سامان دیتے رہے ان لوگوں کو بھی، اور ان کے باپ دادا کو بھی (اپنی رحمت و عنایت سے،) یہاں تک کہ ان پر

۵۸ مشرکوں کے خود ساختہ معبودوں کی بے بسی کا ذکر و بیان: سو ارشاد فرمایا گیا "اور یہ ان کے خود ساختہ معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے"۔ کہ وہ سراسر عاجز و بے بس اور بے جان ہیں۔ لکڑی پتھر وغیرہ کے بتوں میں تو سرے سے اسکی کوئی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں۔ اور قبروں میں دفن شدہ ہستیاں زندگی میں اگرچہ دعاء وغیرہ اسباب کے ذریعے کچھ کام آ سکتی تھیں مگر اب ان کے بس میں یہ بھی نہیں رہا۔ تو اللہ پاک کے عذاب سے بچانے والا اس کی اپنی رحمت کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ سو جن لوگوں نے اپنے ایسے خود ساختہ اور بے حقیقت معبودوں کے سہارے اس خدائے رحمٰن سے منہ موڑا ہے وہ بڑے ہی خسارے میں ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ تو اپنے ان خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں کو بہت کچھ بلکہ سب کچھ سمجھتے ہیں لیکن ان کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ وہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ چہ جائے کہ کسی دوسرے کی مدد کریں۔ سو مدد اللہ تعالیٰ ہی کی مدد ہے۔ اسی لیے حضرت رسول اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا کہ "جب تمہیں سوال کرنا ہو تو اللہ ہی سے کرو اور جب تمہیں مدد مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو"۔ "اذا سالت فاسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ"۔ اور اسباب کے درجے میں اگر کسی اور سے مدد مانگی جائے تو اسکی اجازت ہے کہ یہ دنیا ہے ہی دار الاسباب لیکن مافوق الاسباب اللہ کے سوا کسی اور سے مانگنا شرک ہوگا جو کہ کبیرہ گناہ بلکہ اکبر الکبائر ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۵۹ مشرک کو اللہ کی پناہ نہیں مل سکتی: کہ وہ اللہ کا باغی اور سرکش ہے۔ اس لیے اس کو اللہ کی طرف سے کوئی پناہ نہیں مل سکتی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور نہ ہی ان کو ہماری طرف سے کوئی تائید اور پناہ مل سکتی ہے"۔ یعنی نہ ہماری طرف سے ان کو کوئی پناہ ملے گی اور نہ پناہ دہندہ۔ پھر یہ کسی کی کوئی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟ سو ایسے عاجزوں اور بے بسوں کو معبود قرار دینا اور ان کے آگے جھکنا اور ذلیل ہونا کس قدر حماقت و جہالت اور کتنا بڑا ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ﴿يُصۡحَبُوۡنَ﴾ یہاں پر "يُجَارُوۡنَ" کے معنیٰ میں ہے کہ یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کہتے ہیں "صحبک اللہ"، تو اس سے ان کی مراد ہوتی ہے، "اَجَارَکَ اللّٰهُ وَسَلَّمَکَ" (ابن جریر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو مشرکوں کے ان خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جوار اور پناہ نہیں مل سکتی تو یہ اللہ کے عذاب سے بچانے کے کام کس طرح آ سکتے ہیں؟ سو مشرک لوگ بڑی ہی محرومی اور حماقت و جہالت میں پڑے ہیں۔ والعیاذ باللہ

اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

ایک زمانہ گزر گیا (اور یہ مست ہو گئے) ف۶۰ مگر کیا انہیں یہ نظر نہیں آرہا کہ ہم کم کرتے چلے جا رہے ہیں زمین کو اس کی مختلف سمتوں سے ف۶۱ تو

اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖز

کیا یہ لوگ پھر بھی غالب آجائیں گے (حق کے مقابلے میں؟) ف۶۲ (ان سے صاف) کہہ دو کہ میرا کام تو بس یہ ہے کہ میں تم کو خبردار کر دوں

وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

(تمہارے انجام سے) ف۶۳ وحی (کی روشنی) کے ساتھ، مگر بہرے پکار کو نہیں سنا کرتے جب کہ ان کو خبردار کیا جائے (مخاوف و

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ

خطرات سے) ف۶۴ (ان کی بڑکیں تو یہ ہیں مگر ان کی بلند ہمتی کا حال یہ ہے کہ) اگر ان کو تیرے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی

۶۰ **منکرین ومکذبین کے اعراض واستکبار کی اصل وجہ:** -سو اس سے منکرین ومکذبین کے اعراض واستکبار کی اصل وجہ کو واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شانِ حلم وکرم اور اسکے اِمہال سے دھوکے میں پڑ گئے - والعیاذ باللہ - اور اللہ تعالیٰ کی شانِ کرم وحلم کو بھول کر یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سب کچھ ہمارا حق ہے جو ہمیں اپنی محنت وقابلیت سے ملا ہے۔ اور یہ ہمارے پاس ہمیشہ اور ایسے ہی رہے گا - ﴿ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴾ - اور اس طرح یہ لوگ اپنے خالق ومالک اور اسکے حقِ بندگی سے غافل ہو کر یہ لوگ راہِ حق سے بھٹک گئے - والعیاذ باللہ - سو دنیاوی ساز وسامان اور مال ومتاع سے مست ومغرور ہونے کی بجائے اس کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ واحسان اور ذریعہ امتحان سمجھ کر اپنے خالق ومالک کا دل وجان سے شکر ادا کرنا چاہیئے تاکہ اس طرح یہ مال ودولت سعادتِ دارین کا ذریعہ ووسیلہ بن جائے - وباللہ التوفیق - بہرکیف اس ارشاد سے منکرین ومکذبین کے اعراض وانکار کے اصل سبب کو آشکارا فرما دیا گیا کہ یہ لوگ خود اور ان کے باپ دادا ایک طویل عرصے تک اللہ کی نعمتوں سے بہرہ مند وسرشار ہوتے رہے جس کے نتیجے میں ان کے دل سخت اور سیاہ ہو گئے اور یہ لوگ بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے الٹا اس گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے کہ یہ سب کچھ ان کا حق اور ان کے باپ دادا کی میراث ہے۔ اور یہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور ایسی ہی مزے کرتے رہیں گے۔ اور اس طرح یہ لوگ قساوتِ قلبی میں مبتلا ہو کر نورِ حق وہدایت سے محروم اور ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو گئے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔

۶۱ **منکرین قدرت کے شکنجۂ گرفت میں۔ والعیاذ باللہ:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو کم کرتے چلے آرہے ہیں اسکی مختلف سمتوں سے"۔ اہلِ حق کو فتح وغلبہ دے کر۔ جیسا کہ مدنی دور میں صحابہ کرام کو نصیب ہوا۔ اسی لئے اس آیتِ کریمہ کے بارے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ مدنی ہے۔ بہرکیف اس میں فرمایا گیا کہ کس طرح ہم نے اس زمین کے مختلف حصوں کو فتوحات کے ذریعے مسلمانوں کو دے دیا اور پھر ان مختلف حصوں پر مسلمانوں کو قابض کر دیا۔

یہاں تک کہ مکہ کے آس پاس کے سب علاقے مسلمانوں کے زیرِ نگیں ہوگئے۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ اور اس کے علاوہ اسلام اپنی صداقت وحقانیت کی بناء پر دنیا میں پھیلتا اور لوگوں کے دل ودماغ میں اترتا اور ان کو مسخر کرتا جا رہا ہے۔ آج تک ایسے ہی ہے اور قیامت تک ایسے ہی رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ کہ حق بہرحال یہی اور صرف یہی ہے۔ والحمدللہ الذی لا الٰہ غیرہٗ

۶۲ منکرین کے دلوں پر ایک دستک: ۔ سو منکرین کے دلوں پر ایک دستک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور یہ استفہام ظاہر ہے کہ کیا پھر بھی یہ لوگ غالب آئیں گے: ۔ یہ استفہام توبیخ وانکار کے لئے ہے کہ ایسی صورت میں ان منکروں کو غلبہ نصیب نہیں ہوگا بلکہ یہ اور بھی ذلیل وخوار ہوں گے۔ تو پھر یہ لوگ اس امرِ واقعہ کو کیوں نہیں سمجھتے اور عقل وہوش کے ناخن کیوں نہیں لیتے؟ سو ان کو اپنے ایسے ہر زعم وفاسد سے توبہ کر کے حق کی طرف رجوع کرنا چاہیئے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف ان لوگوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے اور ان پر دستک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ ان قرائن وشواہد کو دیکھتے ہوئے بھی اس زعمِ فاسد میں مبتلا ہیں کہ غلبہ انہی کا ہے؟ تو کیا یہ لوگ سوچتے اور غور وفکر سے کام نہیں لیتے کہ ان قرائن اور شواہد کی موجودگی میں غلبہ ان کا ہوگا یا علمبرداران حق کا؟

۶۳ پیغمبر کا کام اِنذار وتبلیغ ہے اور بس: ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کا کام اِنذار وتبلیغ ہے وحی کے ذریعے اور بس۔ جس میں کسی غلطی یا قصور کا کوئی امکان نہیں تاکہ اسکے مطابق تم لوگ راہِ حق وصواب کو اپنا کر دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور وسرفراز ہوسکو۔ اور وحی کی روشنی وہ روشنی ہے جس سے انسان کیلئے راہِ حق وصواب واضح ہوسکتی ہے اور اس کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ سو پیغمبر سے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ نشانئ عذاب کا مطالبہ کرنے والے ان لوگوں سے کہیں کہ ایسی کوئی نشانی دکھانا نہ میرا کام ہے اور نہ ہی یہ میرے بس اور اختیار میں ہے۔ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں وحی کے ذریعے تم کو تمہارے ہولناک انجام سے خبردار کردوں تاکہ تم ہوش کے ناخن لو اور اس سے بچنے اور سدھرنے کی فکر وکوشش کرسکو قبل اس سے کہ اس کا موقعہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم کو ہمیشہ کے لیے مبتلائے عذاب ہونا پڑے۔ والعیاذ باللہ۔ مگر تم لوگ ہو کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے الٹا اپنی شامت کو بلا رہے ہو۔ سو یہ کیسی بدبختی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۶۴ منکرینِ حق بہرے ہیں۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ بہرے ہیں۔ پس قصور خود تمہارا اپنا ہے اے منکرو! اور نقصان بھی خود تمہارا کہ ضد وہٹ دھرمی کو اپنا کر تم نے خود اپنے آپ کو سماعِ حق سے محروم اور بے بہرہ بنا دیا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو عناد وہٹ دھرمی دارین کی سعادت وسرخروئی سے محرومی کا باعث ہے کہ اسکے نتیجہ میں انسان اندھا بہرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد میں ان منکرین کو تنبیہ کے ساتھ ساتھ پیغمبر کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان بھی ہے کہ یہ لوگ اس نعمت کی قدر نہیں کرتے تو یہ انکی محرومی اور انکی اپنی بدبختی ہے۔ یہ عقل اور دل کے اندھے اور بہرے لوگ ہیں اور ایسے لوگوں کو جب کسی خطرے سے آگاہ کیا جاتا ہے تو یہ داعی کی پکار کو نہیں سن سکتے۔ یہاں تک کہ ایسے لوگ بالآخر ہلاکت اور تباہی کے اسی گہرے اور ہولناک کھڈے میں گر کر رہتے ہیں جس سے ان کو خبردار کیا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ

چھو جائے تو یہ چیخ اٹھیں، کہ ہائے ہماری کم بختی، بے شک ہم لوگ ظالم تھے، اور ہم قیامت کے روز انصاف کے

الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا ؕ وَاِنْ

ایسے ترازو رکھیں گے کہ کسی بھی جان پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہونے پائے گا، و۶۵ اور اگر

كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰی

رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا کوئی عمل ہوگا تو ہم اس کو بھی لا حاضر کریں گے، و۶۶ اور ہم کافی ہیں

۶۵ قیامت کا قیام ظہورِ عدل کے لیے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "قیامت کے روز کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا" کہ نہ کسی کی کوئی نیکی کم کی جائے گی اور نہ کسی کے کھاتے میں کوئی ناکردہ برائی ڈالی جائے گی۔ بلکہ صحیح صحیح اور پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ اور ہر کسی کو اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾۔ (آل عمران: ۲۵)۔ پس ہر کوئی اپنے بارے میں خود جائزہ لے اور دیکھ لے کہ اس نے کل کے اس یومِ حساب کیلئے کیا سامان کر رکھا ہے۔ (الحشر: ۱۸)۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کا قیام ظہور عدل کے لیے ہوگا۔ اسی لیے اس روز عدل کے ترازو نصب کیے جائیں گے تاکہ ہر کسی کو اس کے کیے کرائے کا صلہ و بدلہ کانٹے کے تول پر پورا پورا دیا جائے اور کسی سے کسی طرح کی کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۶۶ قیامت کا روز پورے بدلے کا روز:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کے روز ہر کسی کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اگر کسی کا رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو اسکو بھی حاضر کیا جائے گا"۔ تاکہ وہ اس کا بھی صلہ و بدلہ پا سکے۔ اور کسی کی کسی بھی طرح کی کوئی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ اور ایسا کرنا اللہ پاک۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں کیونکہ کسی کا کوئی بھی عمل یا کوئی بھی چیز اس سے کسی بھی طرح مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی خواہ وہ کہیں آسمانوں کی بلندیوں میں پائی جاتی ہو یا زمین کی پستیوں میں کہیں مخفی و مستور ہو۔ اور اس کیلئے کسی بھی چیز کو حاضر کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ اس کا معاملہ تو کاف اور نون کے درمیان ہے۔ یعنی اس کیلئے "کن" فرمایا اور وہ ہو گیا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ لہٰذا وہ ہر کسی کے عمل کو اس روز حاضر کریگا تاکہ وہ اس کا بدلہ پا سکے۔ بہر کیف اس یومِ حساب میں کانٹے کے تول پر ہر کسی کو اسکے ہر عمل کا پورا پورا صلہ و بدلہ دیا جائے گا۔ رائی کے دانے کے برابر بھی اگر کسی کا کوئی عمل ہوگا تو اس کو بھی اس روز حاضر کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید، بکل حالٍ مّن الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ

بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ

حساب لگانے والے ؎۶۷ اور بلاشبہ ہم (اس سے پہلے) موسیٰ اور ہارون کو بھی حق اور باطل کے درمیان فیصلے کا وہ سامان دے چکے ہیں ؎۶۸ اور

الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ

ایک عظیم الشان روشنی اور نصیحت بھی، ان پرہیزگار لوگوں کے لئے، جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے، اور ان کو کھٹکا لگا رہتا ہے

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

(قیامت کی) اس (ہولناک) گھڑی کا ؎۶۹ اور یہ (قرآن) برکتوں بھرا ایک عظیم الشان ذکر ہے، جسے ہم نے ہی اتارا ہے، کیا پھر بھی تم

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

لوگ اس کا انکار ہی کرتے ہو؟ ؎۷۰ اور ہم اس (زمانہ موسیٰ) سے پہلے ابراہیم کو بھی اس کی (شان کے مطابق) ہوش مندی عطا کر

۶۷ اور ہم کافی ہیں حساب لگانے والے:- کہ ہمارا علم بھی کامل و لامحدود اور ہماری قدرت بھی کامل و لامحدود ہے۔ پس نہ کوئی ہمارے علم سے باہر ہو سکتا ہے اور نہ ہماری قدرت سے۔ سو اس ارشاد ربانی میں بڑی تنبیہ اور تذکیر ہے غافل انسانوں کے لئے۔ فَاِيَّاهُ نَسْاَلُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى التَّوْفِيْقَ وَالسَّدَادَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ فِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ وَبِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال۔ پس اگر کوئی شخص دنیا میں اپنے کیے کرائے کے نتیجے اور اسکی پاداش سے بچ بھی گیا تو اسکو اس سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ آخرت کے اس جہان عدل وانصاف میں بہرحال اپنے کیے کرائے کے بھگتان سے بھی بچ جائے گا۔ اور فرمایا گیا کہ ہم کافی ہیں حساب لینے کے لیے۔ ہمیں نہ کسی کی کسی طرح کی مدد و معاونت کی کوئی ضرورت ہوگی اور نہ کسی طرح کی مساعدت کی کوئی حاجت۔ بلکہ یہ سب کام ہم تنہا ہی انجام دیں گے۔ لہٰذا اگر کسی نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ساری مخلوق کا یہ حساب کتاب ہم کس طرح کریں گے تو یہ اس کے اپنے دماغ کی تنگی اور اس کا مغالطہ ہے۔ اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اسکے خود ساختہ اور من گھڑت شرکاء اور شفعاء کی ہمیں مدد درکار ہوگی تو یہ اس کے اپنے دماغ کی خرابی اور اس کا اپنا وہم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۶۸ حضرت موسیٰ اور ہارون کے بعض اہم انعامات کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو بھی فرقان دیا۔ یعنی تورات۔ جو کہ اپنے دور میں حق و باطل، کفر و ایمان، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے درمیان فرق کرنے والی تھی۔ (ابن جریر، ابن کثیر، روح اور مراغی وغیرہ)۔ اور جو کہ راہ حق و صواب کو واضح کرنے والی ایک عظیم الشان روشنی بھی تھی اور اہل ایمان و تقویٰ کے لئے ایک عظیم الشان ذکر اور نصیحت بھی۔ اور جو کہ اصل میں ملی تھی حضرت موسیٰ کو۔ مگر حضرت ہارون بھی چونکہ ان کے نائب اور شریک کار تھے، اس لئے یہاں پر اسکی نسبت ان دونوں کی طرف کی گئی

ہے اور اس کتاب سے جہالت وغوایت کے اندھیروں میں حق و ہدایت کی روشنی کی جاتی تھی۔ بہرکیف اب یہاں سے حضراتِ انبیائے کرام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جس میں بڑے اہم درس ہائے عبرت وبصیرت ہیں اور اس سلسلے کا آغاز حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ ہارون کے ذکر سے فرمایا گیا ان کی امتیازی شان کی بناء پر۔ اور ان کو فرقان، ضیاء اور ذکر کی نعمتوں سے نوازنے اور ان سے سرفراز کرنے کا ذکر فرمایا گیا جو کہ راہِ حق وہدایت پر چلنے والوں کے لیے جلیل القدر انعامات اور عظیم الشان صفات ہیں۔ اور یہ تینوں صفتیں تورات کی ہیں۔ اور یہی شان ہر آسمانی کتاب کی ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ صفات قرآنِ حکیم کے لیے بھی کئی جگہ ذکر فرمائی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ آمین

۶۹ **تقوی و پرہیزگاری وسیلۂ نجات وسرفرازی:** - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ تقوی و پرہیزگاری سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ سو یہ ایک اہم اور بنیادی حقیقت ہے کہ تقوی و پرہیزگاری اور ایمان بالغیب دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے کہ اس کتابِ ہدایت سے فائدہ دراصل یہی لوگ اٹھا سکتے تھے۔ ورنہ اس کی ہدایت تو اپنے دور کے تمام ہی انسانوں کے لئے عام اور یکساں تھی۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ تقوی و پرہیزگاری اور ایمان بالغیب سب خوبیوں کی اصل اساس اور بنیاد ہے۔ اسی سے انسان انسان بنتا ہے اور اس کے اندر احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے اور وہ بات کو غور اور توجہ سے سنتا اور اس پر کان دھرتا ہے۔ جبکہ اس سے محرومی کی صورت میں - والعیاذ باللہ - انسان ایک لاپرواہ اور غیر ذمہ دار انسان بن جاتا ہے اور وہ حق بات پر کان ہی نہیں دھرتا جس سے وہ محروم کا محروم رہ جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ کتابِ ہدایت کی تعلیم وتلقین سے مستفید وفیضیاب وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے دل ودماغ ماؤف نہیں ہوئے اور ان کی عقل وفطرت کا نور بجھا نہیں۔ اور وہ اپنے دلوں کے اندر خدا کا خوف اور آخرت کا ڈر رکھتے ہیں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید - بکل حالٍ مّن الاحوال وفی کل موطنٍ مّن الاحوال

۷۰ **منکرین کے دل ودماغ پر ایک دستک:** - سو اس سے قرآن حکیم کے منکروں کے دل ودماغ پر دستک دی گئی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''کیا پھر بھی تم لوگ اس کا انکار ہی کرتے جاؤ گے؟'' - والعیاذ باللہ: - اور اپنی محرومی کی اس روش پر تم لوگ پھر بھی اڑے ہی رہو گے؟ جو کہ سب سے بڑی محرومی اور بدبختی ہے کہ اتنی بڑی اور اس قدر عظیم الشان نعمت کو اپنانا اور اس پر ایمان لانا دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے منہ موڑنا سب سے بڑا خسارہ ونقصان اور تمام خرابیوں کی جڑ بنیاد ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس ذکر سے منہ موڑتے ہو جو سراسر خیر وبرکت اور ہدایت ونور ہے۔ اور اگر تم اس پر بھی ایمان نہیں لاؤ گے اور اس سے اِعراض برتو گے تو پھر کس پر ایمان لاؤ گے - ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ﴾ - بہرکیف اس ارشاد سے منکروں کے دل ودماغ پر دستک دیتے ہوئے ان سے فرمایا گیا کہ جس طرح حضرتِ موسیٰ کو تورات سے نوازا گیا تھا اسی طرح اب ہم نے آپ پر اے پیغمبر اس برکتوں بھری کتاب کو نازل فرمایا ہے۔ اور یہ اگرچہ بارانِ رحمت کی طرح سراسر خیر وبرکت ہے لیکن اس کی فیضباریوں سے مستفید وفیضیاب وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے اندر اسکی صلاحیت موجود ہو۔ اور جن کے اندر یہ چیز نہیں ان کے لیے محرومی ہی محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ رُشۡدَهٗ مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا بِهٖ

چکے تھے، اور ہم اس کو خوب جانتے تھے ۷۱ ان کا وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب انہوں نے
(کفر وشرک کے ان گھٹاٹوپ

عٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیۡلُ

اندھیروں میں کلمۂ حق بلند کرتے ہوئے) اپنے (مشرک) باپ اور اسکی (مشرک) قوم سے کہا، کہ کیا ہیں یہ (بے جان) مورتیاں،

الَّتِیۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوۡا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا

جن کی پوجا (و پرستش) پر تم لوگ جمے بیٹھے ہو؟ ۷۲ تو انہوں نے کہا کہ، ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا

لَهَا عٰبِدِیۡنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ

(تو ہم بھی اس میں لگ گئے،) ۷۳
فرمایا کہ یقیناً تم لوگ ایک کھلی گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہو، تم بھی

فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ

اور تمہارے یہ باپ دادا بھی، (اس اعلانِ حق پر وہ لوگ تعجب میں ڈوب کر) بولے، ہیں، ابراہیم کیا تم سچ مچ یہ بات کہہ رہے ہو،

اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِیۡنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلۡ رَّبُّكُمۡ رَبُّ

یا یوں ہی دل لگی کرنا مقصود ہے؟ ۷۴
فرمایا (دل لگی نہیں) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم سب کا رب

۷۱ **رشد وہدایت میں حضرتِ ابراہیم کا خاص مرتبہ ومقام:**- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو بھی انکی شان کے لائق رشد وہدایت سے نوازا تھا اور ہم اس کو ہم خوب جانتے تھے" کہ وہ کن کن صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مالک ہیں اور کیا کیا مکارم ومحاسن ان کے وجودِ باجود کے اندر مخفی ومستور ہیں۔ اور وہ ہماری کن کن عنایتوں اور نوازشوں کے اہل اور مستحق ہیں۔ کیونکہ خالق سے مخلوق کی کوئی بھی حالت وکیفیت مخفی ومستور نہیں رہ سکتی۔ ﴿اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ﴾- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ ابراہیم کو ہدایت ومعرفت کے اس خاص درجہ ومرتبہ سے نوازا گیا تھا جو ان کے شایانِ شان تھا۔ ہدایت ومعرفت کے درجات ومراتب مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو بھی اس میں سے کوئی حصہ عطا فرماتا ہے وہ اسکی صلاحیتوں کو جانچ کر اسکے درجہ ومرتبہ کے مطابق عطا فرماتا ہے- سبحانہ، وتعالیٰ-

۷۲ **حضرتِ ابراہیم کا اپنی مشرک قوم سے خطاب:**- سو حضرتِ ابراہیم نے غیرتِ ایمانی سے بھرپور ولبریز خطاب میں اپنی مشرک قوم سے فرمایا "کیا ہیں یہ مورتیاں جن پر تم لوگ جمے بیٹھے ہو؟"۔ یعنی عقل وفکر کی دولت رکھتے

ہوئے بھی ان بے جان اور بے حس وحرکت خودساختہ مورتیوں کے آگے جھکنا کس قدر حماقت اور کتنی بڑی جہالت ہے؟ ۔سوحضرتِ ابراہیم کا یہ سوال ان لوگوں کی تحقیر وتذلیل اور توبیخ وتقریع کیلئے تھا کہ کیا ہیں تمہاری یہ خودساختہ مورتیاں اور من گھڑت وبے جان بت جن کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ حیثیت ۔یہ نہ کسی نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔نہ ان میں کوئی احساس ہے نہ شعور۔تو پھر تمہاری مت آخر کہاں اور کیوں ماردی گئی کہ تم لوگ ان کے آگے جھکتے اور ان سے چپکے بیٹھے ہو۔اوران کی پوجاپاٹ کرکے اپنے لیے دارین کی ہلاکت وتباہی کا سامان کرتے ہو-والعیاذ باللہ- سو یہ قدرت کا ایک اعجوبہ اور اسکی رحمت وعنایت کا ایک عظیم الشان مظہر ونمونہ تھا کہ ایک مشرکانہ ماحول میں آنکھیں کھولنے اور ایک بت پرست، بت گراور بت فروش باپ کے گھر جنم لینے کے باوجود حضرتِ ابراہیم قوتِ ایمان ویقین سے لبریز وسرشار ہوکر اس قدر پرزور اور غیرتِ ایمانی سے لبریز کلام کے ذریعے اپنی مشرک قوم کو للکارتے ہیں اور آپ نے کفر وشرک کی تردید و بیخ کنی اور توحید کی علمبرداری کے بے مثال نمونے قائم کیے-سو یہی نمونے ان کی اصل میراث اور یادگار ہیں۔اورانہی کو صدق دل سے اپنانے کی ضرورت ہے، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

۷۳ مشرک قوم کا حضرتِ ابراہیم کو مشرکانہ جواب:- کہ ہم یہ سب کچھ محض باپ دادا کی اندھی تقلید میں کرتے ہیں اور بس۔یعنی اپنے گمراہ باپ دادا کی اندھی تقلید کے سوا ان لوگوں کے پاس نہ کوئی دلیل تھی نہ سند۔یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے کرتے پایا تو ہم بھی ایسے ہی کرتے ہیں اور بس۔اسکے سوا ہمارے پاس نہ کوئی دلیل ہے نہ سند نہ حجت نہ برہان۔نہ ہم نے اس بارے کبھی سوچا نہ سوچنے کیلئے تیار ہیں۔بلکہ جہاں انہوں نے کوئی مکھی ماری تھی بس وہاں پر ہم برابر مکھی مارے چلے جارہے ہیں اور مارے چلے جائیں گے۔سو باپ دادا کی اندھی تقلید کا یہی مرض لوگوں کیلئے ہلاکت اور محرومی کا باعث بنا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے-والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف ان لوگوں نے کہا کہ چونکہ انکی پوجاپاٹ کا یہ سلسلہ ہمارے باپ دادا سے چلا آیا ہے اس لیے ہم بھی اسی پر چپکے بیٹھے ہیں اور بیٹھے رہیں گے۔خواہ یہ کتنی ہی احمقانہ رسم کیوں نہ ہو-والعیاذ باللہ-حضرتِ ابراہیم نے فرمایا "یقیناً تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے" جو ان من گھڑت اور خودساختہ مورتیوں کی پوجاپاٹ پر چپکے بیٹھے ہو-سواس طرح حضرت ابراہیم نے ان کے پیروں کو جھنجوڑا۔

۷۴ اعلانِ حق سے مشرکوں کے اندر کھلبلی:- سوحضرتِ ابراہیم کے اس اِعلانِ حق سے مشرک قوم کے اندر بوکھلاہٹ اور کھلبلی مچ گئی۔سوانہوں نے ابراہیم سے کہا کہ "تم دل لگی کرتے ہو جو اتنی بڑی بات کہہ رہے ہو" اور اپنے اور ہم سب کے آباؤ اجداد کو بھی گمراہ قرار دے رہے ہو؟ سو یہ ہوتی ہے شان عقیدۂ توحید کی۔اوراس کے علمبردارِ صادق کی کہ تنِ تنہا حضرتِ ابراہیمؑ نے بغیر کسی لگی لپٹی کے بھرے مجمع میں ان سب کو گمراہ بلکہ گمراہی میں ڈوبا ہوا قرار دے دیا اور ڈنکے کی چوٹ اس کا صاف اعلان فرمادیا-علیہ الصلوٰۃ والسلام-اس سے وہ مشرک قوم اس طرح بوکھلا اٹھی اور انہوں نے حیرت زدہ ہوکر حضرتِ ابراہیم سے اس طرح پوچھا اوران سے کہا کہ کیا تم سنجیدگی سے اور سچ مچ ایسی بات کہتے ہو یا یونہی دل لگی کر رہے ہو؟ یعنی کیا یہ جوانی کی ترنگ اور لاابالی کا نتیجہ ہے یا تم سچ مچ اور سنجیدگی سے ایسی بات کہہ رہے ہو؟ کیونکہ یہ بات ان کے لیے بڑی ہی عجیب تھی۔اوراس کو ماننے اور تسلیم کرنے میں ان کو سخت اچنبھا ہو رہا تھا۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی

وہی ہے جو کہ رب ہے آسمانوں اور زمین (کی اس پوری کائنات) کا ف۵ جس نے پیدا فرمایا ہے ان سب کو اور میں ف۷ (ڈنکے کی چوٹ)

ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ

تمہارے سامنے اس بات کی گواہی دیتا ہوں، اور اللہ کی قسم میں ضرور بالضرور خبر لے کر رہوں گا

اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ

تمہارے ان بتوں کی اس کے بعد جبکہ تم لوگ (ان سے) جا چکے ہوؤ گے پیٹھ پھیر کر ف۷ چنانچہ (موقع ملتے ہی) ابراہیم نے

جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا ان سب کو سوائے ان کے ایک بڑے کے، (کہ اسے چھوڑ دیا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ف۸

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾

(میلے سے واپسی پر جب انہوں نے اپنے ان ٹھاکروں کی یہ درگت دیکھی تو) انہوں نے کہا (ہائے) ہمارے ان خداؤں کا یہ حشر کس نے

۵۵ حضرت ابراہیم کا ڈنکے کی چوٹ اعلانِ توحید: سو آپ نے ان مشرکوں کے اس سوال کے جواب میں فرمایا تم سب کا رب وہی ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے:۔ جو کہ معبودِ حقیقی ہے اور ہر قسم کی عبادت کا حقدار وہی وحدہٗ لاشریک ہے سبحانہ، وتعالیٰ، سو میں تم سے کوئی مذاق نہیں کر رہا بلکہ سراسر حق اور صدق بیان کرتا ہوں، اور تمام صداقتوں کی صداقت اور حقیقتوں کی حقیقت عرض کر رہا ہوں، کہ معبودِ برحق ایک اور صرف ایک ہے یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک، جس نے تم سب کو وجود بخشا، پیدا کیا اور نیست سے ہست کیا اور جسکی رحمت وعنایت اور ربوبیت وکرم کا سب سے اولین مظہر اور واضح ثبوت خود تمہارا اپنا وجود ہے، اور تم کو احاطہ کرنے والی یہ کائنات ہے۔ سو اس سے منہ موڑ کر ایسی بے جان مورتیوں، اور بے حقیقت ومن گھڑت بتوں کے آگے جھکنا اور ان کیلئے مراسمِ عبودیت بجالانا سب سے بڑا ظلم اور بے انصافی اور انسانیت کی تذلیل ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ کوئی مذاق یا جوانی کی ترنگ نہیں بلکہ حق کا اعلان ہے جو میں کر رہا ہوں۔

۵۶ وجودِ کائنات توحیدِ خداوندی کی ایک اہم اور نمایاں دلیل: سو حضرت ابراہیم نے ان سے فرمایا کہ تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کو پیدا فرمایا، اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے، اور ان تمام کو اس نے تنہا خود اور بلاشرکتِ غیرے پیدا فرمایا، وہی سب کا رب ہے۔ اور جب ان سب چیزوں کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں، تو پھر اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کیسے اور کیونکر ہوسکتا ہے؟ سبحانہ، وتعالیٰ پس معبودِ برحق وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اور عبادت وبندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق

ہے، اسکے سوا کسی بھی اور کیلئے عبادت و بندگی کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجالانا شرک ہوگا، جو کہ ظلم عظیم اور ایک نا قابل معافی جرم ہے، سو زمین و آسمان کی یہ حکمتوں بھری کائنات توحید خداوندی کی ایک نمایاں دلیل اور لاتعداد دلائل و براہین پر مشتمل ہے، اور اس طور پر کہ اس کا ایک ایک ذرہ اپنی زبان حال سے پکار پکار کر دعوت غور وفکر دے رہا ہے۔ بہر کیف حضرت ابراہیم نے ان لوگوں کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم سب کا رب اور معبود حقیقی وہی اللہ وحدہٗ لاشریک ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کو پیدا فرمایا اور اس کو وجود بخشا، نہ کہ تمہارے وہ خود ساختہ اور من گھڑت معبودان باطلہ جن کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے بجز تم لوگوں کے ظن و گمان اور اوہام وخرافات کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین، ویا اکرم الاکرمین

۷۷ حضرتِ ابراہیم کی طرف سے بت شکنی کا اعلان:۔ سو آپ نے اس بارے قسم کھا کر ارشاد فرمایا ''اور قسم ہے اللہ کی میں تمہارے ان جھوٹے معبودوں کی خبر لے کر رہوں گا جبکہ تم لوگ ان سے پیٹھ پھیر کر جا چکے ہوؤ گے ''۔ تاکہ اس طرح ان کا بے حقیقت ہونا پوری طرح آشکارا ہو جائے۔ یہ بات یا تو حضرتِ ابراہیم نے اپنے دل میں کہی یا اتنی آہستہ کہی کہ وہ لوگ اس کو سن نہ سکے یا سن لینے کے باوجود انہوں نے اس کو قابلِ توجہ ہی نہ سمجھا۔ کہ اتنی بڑی جرات و جسارت کون کر سکتا ہے؟ اس لیے انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ بہر کیف حضرتِ ابراہیم نے ان مشرکوں کے سامنے واضح لفظوں میں اعلانِ حق فرمادیا کہ میں موقعہ ملتے ہی تمہارے ان معبودوں کی خبر لے کر رہوں گا۔ اور پھر آپ نے عملی طور پر ایسا کر کے بھی دکھایا اور برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹادیا جو کہ '' فلیغیرہ بیدہ '' کے ارشادِ نبوی کے مطابق انکارِ منکر کا پہلا اور سب سے اہم اور بڑا ذریعہ ہے۔ سو آپ نے اپنے دستِ مبارک کی ضربِ کاری سے ان کے ان تمام خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح دستِ قدرت کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ بت گر، بت پرست اور بت فروش باپ کے گھر میں ایسا بت شکن اور توحید کا علمبردار بیٹا پیدا ہوا جس نے قیامت تک آنے والی دنیا کی عبرت کے لیے درسِ توحید اور بت شکنی کے بے مثال اور انمٹ نقوش چھوڑے۔ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ توحید کی علمبرداری اور شرک کے نشانوں کو مٹانے کی یہ سعادت ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ اور ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم وثابت رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

۷۸ مشرکوں کی تجہیل وتحمیق کے ایک اور معرکے کا انتظام:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ ابراہیم نے موقعہ پاتے ہی ان کے ان تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا سوائے انکے بڑے کے۔ کہ اس کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اسکی طرف رجوع کریں اور اس سے پوچھیں کہ یہ کیا بات ہے کہ یہ سب تو ٹوٹے پڑے ہیں اور تو صحیح سلامت ہے؟ اور کلہاڑا بھی تو نے اٹھا رکھا ہے؟۔ سو اس طرح ان بتوں کا عجز اور ان کی بے حقیقتی ان کے سامنے واضح ہو جائے گی۔ اور شاید اس طرح ان لوگوں کو راہِ حق کی طرف رجوع نصیب ہو جائے۔ سو اس طرح حضرتِ ابراہیم نے ان مشرکوں کی تجہیل وتحمیق کے ایک موقعہ کا انتظام فرمادیا تاکہ ان کی جہالت اور حماقت سب کے سامنے اس طرح آشکارا ہو جائے کہ انکے لیے کسی انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ کہ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگ خود اپنے ان ٹھاکروں سے پوچھ لو کہ تمہارا یہ حشر کس نے کیا؟ تو اس کے جواب میں یہ لوگ یہی کہیں گے کہ یہ تو بول نہیں سکتے۔ تو اس موقع پر میں ان سے کہوں گا کہ تف ہے تم لوگوں پر بھی۔ اور تمہارے ان خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں پر بھی جن کی پوجا پاٹ میں تم لگے ہوئے ہو۔ چنانچہ بعد میں ایسے ہی ہوا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا

کیا ہے؟ واقعی وہ بڑا ہی کوئی ظالم شخص ہے، ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کے بارے میں جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے،

فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

یہ سنا ہے کہ وہ ان کی برائی کرتا رہتا ہے، کہنے لگے فوراً پکڑ لاؤ اسے ان سب لوگوں کے سامنے، تاکہ یہ سب دیکھ لیں (اس کے اس

قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾

حشر اور ۷۹ انجام کو) (لانے کے بعد) انہوں نے پوچھا ابراہیم، کیا تم نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی؟ فرمایا (تم یہ کیوں

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا

نہیں فرض کرتے کہ میں نے نہیں) بلکہ یہ حرکت ان کے اس بڑے گرو نے کی ہو، ۸۰ تم خود ان سے پوچھ لو اگر یہ

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ

بولتے ہیں؟ اس پر وہ پلٹے اپنے ضمیروں کی طرف، اور (اپنے دلوں میں) ۸۱ کہا کہ حقیقت یہ ہے

اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ

کہ تم لوگ خود ہی ظالم ہو ۸۲ پھر (مارے ندامت کے) وہ اوندھے ہو گئے اپنے سروں کو جھکا کر ۸۳ (اور کھسیانے ہو کر

۷۹ ابراہیم کو سب لوگوں کے سامنے حاضر کرنے کا حکم: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابراہیمؑ کا ذکر آنے پر انہوں نے کہا کہ لاؤ اس کو سب لوگوں کے سامنے تاکہ یہ سب دیکھ لیں۔ سو اس طرح علمبرداران کفر و شرک کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو سب لوگوں کے سامنے لانے کا حکم دے دیا گیا۔ سو مت کے مارے ان مشرکوں نے اپنے معبودوں کی اس درگت سے سبق لینے اور راہ حق و ہدایت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں حکم دیا کہ لے آؤ اس کو سب لوگوں کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں اسکے اس حشر و انجام کو جو اس کے ساتھ ہم کریں گے۔ نیز وہ گواہی دیں اس جرم کی جس کا ارتکاب اس شخص نے کیا ہے۔ یعنی یہ لفظ "شہود" سے بھی ہو سکتا ہے اور "شہادت" سے بھی۔ دونوں صورتوں میں معنیٰ صحیح بنتا ہے۔ (روح، مدارک، کشاف، مراغی اور محاسن وغیرہ)۔ سو اس سے کفر و شرک کی مت ماری کا ایک اور نمونہ سامنے آتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۸۰ حضرت ابراہیمؑ کی مشرکوں کے ضمیروں پر ایک اور دستک: ۔سو اس سے حضرت ابراہیمؑ کی ایک اور دستک کا ذکر فرمایا گیا ہے جو کہ آنجناب نے مشرکوں کے دلوں پر دی تھی۔ کہ آپ نے انکے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ

کارروائی انکے اس بڑے گرو نے کی ہوگی جو کلہاڑا اٹھائے خود صحیح وسالم کھڑا ہے۔ اور باقی سب چورہ چورہ ہو چکے ہوئے ہیں۔ اور جب تم اس کو کرتا دھرتا مانتے اور اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے ہو تو پھر اس کی موجودگی میں دوسروں کا یہ حشر ہوا تو آخر کیوں ہوا؟ اور یہ کیوں کھڑا دیکھتا رہا؟۔ تو اس طرح حضرت ابراہیم نے ان کے ضمیروں کو جھنجھوڑا اور ان کو ایک اور دستک دی تاکہ وہ سوچیں کہ وہ بت پرستی کے جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں وہ کس قدر سنگین جرم ہے۔ اور یہ انسانیت کی کس قدر توہین و تذلیل ہے۔ اور یہ ایسی بے حقیقت اور بے جان مورتیوں کے آگے جھک کر کیسی حماقت کا ارتکاب کرتے اور کس قدر ہولناک گڑھے میں گرتے جا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۸۱ حضرتِ ابراہیمؑ کی ضربِ حق کا مشرکوں پر اثر: ۔ سو اس سے اس نتیجہ و اثر کو ذکر و بیان فرمایا گیا ہے جو حضرت ابراہیم کی اس ضربِ حق سے مشرکوں پر طاری ہوا۔ کہ اس سے انہوں نے اپنے دلوں میں خود اپنے آپ سے یا ایک دوسرے سے کہا کہ یقیناً تم لوگ خود ہی ظالم ہو۔ یعنی ﴿ انفسھم ﴾ کے یہ دونوں مطلب بن سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ لوگ اپنے دلوں میں اس طرح سوچنے لگے۔ اور دوسرا مطلب یہ کہ انہوں نے باہم ایک دوسرے سے اس طرح کہا۔ سو اس طرح حضرتِ ابراہیم کی ضربِ حق کا ان لوگوں پر وقتی طور پر اثر ہوا لیکن پھر بھی وہ اوندھے ہو گئے اور حق کی طرف لوٹنے کی بجائے کفر و شرک کے اسی مہیب اور تباہ کن گڑھے میں گر گئے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۸۲ مشرکوں کا اپنے ظلم کا اقرار و اعتراف: ۔ سو انہوں نے خود اپنے آپ کو یا ایک دوسرے کو خطاب کر کے کہا کہ یقیناً تم لوگ خود ہی ظالم ہو جو ایسی بے جان مورتیوں کی پوجا کرتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ یہ مورتیاں جو خود اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکتیں وہ دوسروں کے کیا کام آئیں گی؟ اور جب یہ کسی نفع و نقصان کا بھی کوئی اختیار نہیں رکھتیں تو پھر ان کو معبود قرار دینے کی کیا تک ہو سکتی ہے بلکہ یہ تو حقیقت میں انسانیت کی انتہائی تحقیر و تذلیل ہے۔ سو حضرتِ ابراہیم کی طرف سے لگنے والی اس ٹھوکر سے وہ اپنے عقل و دل کی راہنمائی کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم لوگ تو اس نوجوان کو ظالم کہتے ہو لیکن اس نے ثابت کر دیا کہ ظالم وہ نہیں تم لوگ ہو جو ایسی بے حقیقت چیزوں کو پوجتے پکارتے اور ان کو اپنا معبود اور حاجت روا و مشکل کشا قرار دیتے ہو جو اتنی صلاحیت بھی نہیں رکھتے کہ خود اپنا بچاؤ کر سکیں یا اس کو کسی دوسرے کے آگے بیان ہی کر سکیں۔ تو پھر یہ مورتیاں تمہاری حاجت روا و مشکل کشا آخر کس طرح ہو سکتی ہیں؟۔ اور انکی پوجا پاٹ کی کیا تک ہو سکتی ہے؟ والعیاذ باللہ

۸۳ مشرکوں کے اوندھے پن کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر وہ اوندھے ہو گئے اپنے سروں پر۔ یعنی زمین کی طرف سر جھکا کر (ابنِ کثیر) اور لاجواب ہو کر عناد و ہٹ دھرمی اور دھمکیوں پر اتر آئے۔ اور مت ماری گئی ان بدبختوں کی اور ان کو حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق پھر بھی نصیب نہ ہو سکی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ "نکس" کے معنیٰ کسی چیز کو اس طرح الٹ دینے کے ہوتے ہیں کہ اس کا سر نیچے اور پاؤں اوپر ہو جائیں۔ (مدارک وغیرہ)۔ سو حضرتِ ابراہیم کی تنبیہ و تذکیر سے ان لوگوں نے ذرا دیر میں سہی پر آنکھیں کھولیں تو سہی۔ لیکن پھر اوندھے ہو کر بولے کہ ابراہیم تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ بت بول نہیں سکتے تو پھر ہم ان سے اس بارے کس طرح پوچھیں۔ سو جن لوگوں کی مت ماری جاتی ہے ان کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک قدم صحیح سمت میں اٹھائیں گے اور پھر اسی الٹی اور اوندھی چال پر چل پڑتے ہیں جس پر وہ پہلے سے چل رہے ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ

ابراہیم سے کہنے لگے کہ) تم خود اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے، ۸۴ ابراہیم نے کہا تو کیا تم لوگ اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾

ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ تو تمہیں کچھ نفع دے سکیں ۸۵ اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں؟ ۸۶

۸۴ معبودان من دون اللہ کی بے حقیقتی کا اظہار و بیان: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ معبودانِ من دون اللہ بے حقیقت اور بے بس ہیں۔ اور خود مشرکوں کی طرف سے ان کے اپنے معبودوں کی بے بسی کا اقرار و اعتراف ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے یہ بت بول نہیں سکتے تو پھر ہم ان سے پوچھیں کیونکر؟۔ مگر یہ بات پھر بھی ان لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکی کہ جو اس قدر بے جان اور بے حقیقت ہیں وہ آخر ان کے خدا اور حاجت روا و مشکل کشا کیونکر ہو سکتے ہیں؟ سو اس طرح مشرکوں نے اپنے معبودوں کی بے بسی اور ان کے عجز کا اعتراف تو کیا لیکن پھر بھی اندھے کے اندھے ہی رہے۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے عناد اور ہٹ دھرمی کا۔ والعیاذ باللہ۔ سو جو لوگ اس طرح کی جہالتوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے قلب و باطن پر جب کسی تنبیہ یا واقعے سے کچھ روشنی پڑتی ہے تو ان کو سیدھی راہ دکھائی دینے لگتی ہے مگر جہالت پھر انکی مت مار دیتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۸۵ حضرتِ ابراہیم کا مشرکوں پر بھرپور وار: سو مشرکوں کے اس اقرار و اعتراف کے بعد حضرتِ ابراہیم نے ان پر بھرپور وار کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ کیا تم لوگ ایسی بے حقیقت چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ کوئی نفع پہنچا سکیں اپنے پجاریوں کو ان کی پوجا پاٹ پر اور نہ کوئی نقصان۔ تو پھر تم لوگ آخر ان کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ اور ایسی بے حقیقت چیزیں جو اپنے پجاریوں کے لیے بھی کسی نفع اور فائدہ کا اختیار نہ رکھتی ہوں ان کو معبود قرار دے کر ان کی پوجا پاٹ کرنا کتنی بڑی حماقت اور کس قدر ظلمِ عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ معبود کی عبادت و بندگی اسی لیے کی جاتی ہے کہ وہ عابد کے کام آسکے۔ اور عبادت و بندگی پر اسکو نفع و فائدہ پہنچا سکے۔ ورنہ اسکی عبادت و بندگی عبث و بیکار ہے۔ اور ایسے میں ان کی پوجا پاٹ کرنا۔ اور ان کے آگے جھکنا خود اپنی تذلیل و تحقیر کا سامان خود اپنے ہاتھوں کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال

۸۶ معبودان باطلہ کی کمالِ بے بسی کا ذکر: سو اس سے معبودانِ باطلہ کی کمال بے بسی کو ظاہر فرما دیا گیا کہ وہ نہ تو اپنے پجاریوں کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں ان سے منہ موڑنے پر اور ان کی اس قدر تحقیر و تذلیل کرنے پر۔ اور یہاں تک کہ اگر کوئی ان کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دے تو بھی یہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بلکہ یہ خود اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکتے۔ تو پھر ایسوں کو معبود ماننا اور ان کو حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر ان کے آگے مراسمِ عبودیت بجا لانا کس قدر جہالت اور کتنی بڑی حماقت ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین ویا ارحم الراحمین

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا

تف ہے تم پر بھی اور تمہارے ان معبودوں پر بھی ف۸۷ جن کی پوجا تم لوگ کرتے ہو، اللہ (وحدہٗ لاشریک) کے سوا، کیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ

تم لوگ کام نہیں لیتے اپنی عقلوں سے؟ ف۸۸ انہوں نے کہا جلا ڈالو اس شخص کو ف۸۹ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی ف۹۰

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا

اگر تمہیں کچھ کرنا ہے، تب ہم نے حکم کر دیا (چیخا میں جلتی اس آگ کو) کہ اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا

وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا

اور سلامتی ف۹۱ والی بن جا ابراہیم پر، ان لوگوں نے تو ابراہیم کے ساتھ ایک بڑی برائی کرنا چاہی تھی،

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى

مگر ہم نے خود انہی کو سب سے بڑے ناکام بنا دیا، ف۹۲ اور بچا کر نکال لائے ہم اس کو بھی اور لوط کو بھی ف۹۳

الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا

اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے (طرح طرح کی) برکتیں رکھی ہیں دنیا والوں کے لئے ف۹۴ اور ہم نے اسے

۸۷ مشرکوں کی تحقیر وتذلیل ان کے منہ پر: سو اس طرح حضرت ابراہیم کی طرف سے مشرکوں کے سامنے اور ان کے منہ پر انکے معبودوں کی تحقیر وتذلیل کی گئی۔ سو حضرت ابراہیم نے بغیر کسی خوف وخطر کے ان لوگوں کے سامنے اور انکے منہ پر انکے بتوں کی تحقیر وتذلیل کرتے ہوئے فرمایا "تف ہے تم پر اے مشرکو اور تمہارے ان بتوں پر جن کی پوجا میں تم لوگ لگے ہوئے ہو" جو تم لوگ ایسی بے حقیقت وبے جان مورتیوں کے آگے جھکتے اور سجدہ ریز ہوتے ہو اور ان کو اپنا معبود اور حاجت روا ومشکل کشا قرار دیتے ہو۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا اے شرک کے مارو؟۔ ﴿اُف لکم﴾ نہایت اور شدید نفرت وکراہت کا کلمہ ہے۔ سو حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ اِتمامِ حجت کے باوجود ان کی آنکھیں نہیں کھلیں اور یہ اندھے اور اوندھے ہو کر شرک کے اسی مہیب گڑھے میں گر گئے ہیں تو انہوں نے نہایت کراہت اور بیزاری کے ساتھ ان سے فرمایا کہ "تف ہے تم سب پر بھی اور تمہارے ان معبودوں پر بھی جنکی پوجا پاٹ میں تم لوگ لگے ہوئے ہو"۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۸۸ مشرکوں کو عقل سے کام لینے کی دعوت: سو حضرت ابراہیم نے مت کے مارے اور عقل کے اندھے ان مشرکوں سے کہا کہ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ کہ اپنے خالق ومالکِ حقیقی کی عبادت وبندگی سے منہ موڑے ہوئے ہو جس

کی رحمتوں اور عنایتوں میں تم سراپا ڈوبے ہوئے ہو اور اس کو چھوڑ کر ان بے جان بتوں اور خود تراشیدہ مورتیوں کے آگے جھکتے ہو جن میں کوئی اہلیت وصلاحیت ہی نہیں۔ آخر تمہاری عقلوں کو ہو کیا گیا؟۔ تمہاری مت کہاں ماری جاتی ہے اور کیسے اوندھے ہوئے جاتے ہو؟ لیکن کفر وشرک کی نحوست سے جب کسی کی مت ماری جاتی ہے تو اس کو حق وصداقت کی بات سمجھ نہیں آسکتی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین

۸۹ حضرتِ ابراہیم کو جلا دینے کا حکم: ۔ سو آخر کار مشرکوں کی طرف سے حضرتِ ابراہیم کو جلا ڈالنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ سو انہوں نے کہا کہ ''جلا ڈالو اس کو'' اور عقل کے ماروں کا آخری جواب تشدد کی دھمکی اور ظلم وزیادتی ہی ہوتا ہے۔ سو یہ ایسے ظالموں کا ہمیشہ کا وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ جب حجت وبرہان کے میدان میں عاجز آجاتے ہیں تو قوت اور ظلم کی زبان پر اتر آتے ہیں۔ بقول شاعر۔ چوں حجت نماند جفا جوئے را۔ پرخاش برہم کشد روئے را۔ سو ان ظالموں نے بھی حضرتِ ابراہیم کے اس قولِ حق وصدق کے جواب میں ایسا ہی کیا اور ان کی معقول باتوں اور دردمندانہ نصیحتوں پر کان دھرنے کی بجائے اپنے فرعونی لب ولہجہ میں کہا کہ ان کو پکڑو اور آگ میں ڈال دو تا کہ حق کی یہ آواز ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف ان لوگوں نے اپنے چیلوں چانٹوں کو اکساتے ابھارتے ہوئے کہا کہ آگ میں جلا دو اس شخص کو اگر تم نے واقعی اسکے خلاف کوئی کارروائی کرنی ہے اور اپنے بتوں کی حفاظت کرنی ہے۔ ورنہ تمہارا دین مٹ جائے گا اور تمہاری تاریخ وثقافت ختم ہو جائے گی۔

۹۰ مشرکوں کی مت ماری کا ایک اور مظہر اور نمونہ: ۔ سو انہوں نے اپنے ماتحتوں سے کہا کہ ''مدد کرو تم اپنے معبودوں کی''۔ سو یہ انکی مت ماری کی ایک کھلی مثال اور کھلا نمونہ ومظہر تھا۔ سو عقل کے ان ماروں کی منطق ملاحظہ ہو کہ بجائے اس کے کہ ان کے یہ معبود ان کی حفاظت ومدد کرتے، یہ خود ان کی مدد کے لیے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک ہولناک آگ تیار کر کے ابراہیم خلیل کو اس میں جھونک دیا۔ سو ہمیشہ یہی حال رہا مشرکوں اور باطل پرستوں کا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ مت ماری کی ایک کھلی مثال ہے کہ پجاری اپنے معبودوں کی مدد کے لیے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اور ان کی کھوپڑی میں یہ بات نہیں آتی کہ جو خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے اور وہ خود اپنی حفاظت کے لیے انکی مدد کے محتاج ہیں وہ ان کے معبود اور حاجت روا ومشکل کشا آخر کیسے ہو سکتے ہیں؟ مگر کفر وشرک کی نحوست سے جب انسان کی مت ماری جاتی ہے تو اس کو ایسی واضح اور جلی حقیقت بھی سمجھ نہیں آتی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۱ حضرت ابراہیمؑ کیلئے قدرت کی کارسازی کا ذکر وبیان: ۔ سو اس سے حضرت ابراہیم کیلئے قدرت کی کارسازی اور آتشِ نمرود کے حضرتِ ابراہیم کے لیے سراسر سلامتی بن جانے کے مرحلے کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے آگ کو حکم ہوا کہ ''ٹھنڈی ہو جا تو اے آگ اور سلامتی والی بن جا ابراہیم پر''۔ یعنی اتنی زیادہ ٹھنڈی بھی نہ ہو جانا کہ ابراہیم ٹھٹھر کر جائیں۔ حضرتِ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے یہ ارشاد نہ ہوا ہوتا تو وہ آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ حضرتِ ابراہیم اس میں ٹھٹھر کر رہ جاتے اور اس ٹھنڈک سے ان کی موت واقع ہو جاتی۔ اور اگر ﴿عَلٰٓی اِبْرٰهِيْمَ﴾ نہ فرمایا جاتا تو اس ارشادِ ربانی کی تعمیل میں دنیا بھر کی تمام آگیں سب لوگوں کے لیے اور ہمیشہ کے لیے ٹھنڈی ہو کر رہ جاتیں۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر اور مدارک التنزیل

وغیرہ)- سبحان اللہ- اللہ پاک کی دوسری تمام مخلوق اللہ پاک کی کس قدر فرماں بردار اور اطاعت گزار ہے مگر یہ انسان ہے کہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت و فرمانبرداری سے منہ موڑے ہوئے بغاوت و سرکشی کی زندگی گزارتا ہے اور اللہ پاک کے حلم و کرم اور اس اِمہال و اِنظار کی وجہ سے یہ دھوکے میں پڑا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اور حضرتِ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم- صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرتِ ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے اللہ پاک کے حضور عرض کیا اے اللہ تو ہی یکتا اور معبودِ برحق ہے آسمان میں۔ اور میں تیرا ایک ہی بندہ ہوں زمین میں جو تیری عبادت و بندگی کرتا ہوں۔ اور حضرتِ ابنِ عمر سے مروی ہے کہ سب سے پہلی بات جو آپ نے اس موقعہ پر فرمائی وہ تھی- حسبی اللہ ونعم الوکیل - یعنی" کافی ہے مجھے اللہ جو سب سے بہتر کارساز ہے" اور حضرتِ ابنِ عباس سے مروی ہے کہ اس موقعہ پر حضرتِ جبریل نے حاضر ہو کر حضرتِ ابراہیم سے عرض کیا کہ کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے یعنی میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟ تو حضرتِ ابراہیم نے فرمایا نہیں، آپ کی طرف میری کوئی حاجت نہیں۔ تو جبریل نے عرض کیا کہ میں آپ کی درخواست اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دوں تو آپ نے فرمایا-" علمه بحالي اغناني عن سوالي "- یعنی" جب وہ میرے حال کو خود جانتا ہے تو اس کا جاننا ہی مجھے کافی ہے"۔ مجھے اس کے حضور سوال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، مراغی، قرطبی اور فتح القدیر وغیرہ)- سبحان اللہ- کیسی قوت ہے یہ ایمان و یقین کی قوت اور کس قدر بے مثال قوت و اعتماد سے نوازتی ہے یہ انسان کو- اللہ ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یارب العالمین ویا اکرم الاکرمین-

۹۲ حق اور اہلِ حق سے دشمنی کا انجام ہولناک ذلت وخسارہ- والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے حضرتِ ابراہیم کے خلاف چال چلی مگر ہم نے انہی کو سب سے زیادہ خسارے والا کر دیا کہ نہ صرف یہ کہ وہ حضرتِ ابراہیم کو جلا کر ان کی آوازِ حق کو دبانے میں ناکام رہے بلکہ حضرتِ ابراہیم کی عظمت کو تو اس واقعہ سے اور بھی چار چاند لگ گئے۔ انکی صداقت وحقانیت سب پر واضح ہو گئی اور ان کا نامِ نامی اس سے اور بھی زیادہ روشن ہو گیا اور ان کفار و منکرین پر ذلت و رسوائی کا ٹھپہ ہمیشہ ہمیش کے لیے لگ گیا۔ اور وہ دارین کے خسارۂ ابدیہ میں مبتلا ہو گئے- والعیاذ باللہ العظیم- اور مزید یہ کہ نمرود اور نمرودیوں کی ہوا نکل گئی کہ وہ اتنے بڑے لاؤ لشکر اور ہر طرح کے مادی اسباب و وسائل سے لیس ہونے کے باوجود حضرتِ ابراہیم جیسے فردِ فرید کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے جن کے پاس دنیا کی کوئی مادی قوت نہ تھی۔ اور مزید یہ کہ اس کے بعد نمرود اور نمرودیوں پر مچھروں جیسی حقیر مخلوق کی فوج چھوڑ دی گئی جس نے ان کے گوشت کھا لیے۔ اور ایک مچھر نے نمرود کے دماغ میں گھس کر اس کا کام تمام کر دیا۔ (المدارک، الفتح اور المعارف وغیرہ)۔ روایات میں ہے کہ حضرتِ ابراہیم چالیس یا پچاس دن تک اسی آگ میں رہے اور آپ اس کی لذت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ میری زندگی کے سب سے بہترین دن تھے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میری ساری زندگی ہی ایسی ہو جائے۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر وغیرہ)۔ سو اس سے زندگی کے دو عظیم الشان نمونے سامنے آ گئے۔ ایک طرف راہِ حق پر ثابت قدمی اور حق کے لیے مصائب برداشت کرنے کی ایک نادر مثال ہے جو زندگی کو اس قدر پاکیزہ اور پُرلطف بنا دیتی ہے۔ اور دوسری طرف حق سے اعراض و روگردانی اور کلمۂ حق کے جرم میں تعذیب اور جبر و ظلم کی ایک ہولناک مثال ہے جس سے ایسے ظالم دارین کی ہلاکت و تباہی اور ہولناک خسارے

میں مبتلا ہوتے ہیں- والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ قوت ایمانی سے بہرہ ور و فائز المرام رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین-

۹۳ حضراتِ انبیاء و رسل بھی اللہ ہی کے محتاج:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرات انبیائے کرام کے حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اور وہ سب بھی اپنی بے مثال عظمتِ شان کے باوجود اسی وحدہٗ لاشریک کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہوتے ہیں- علیہم الصلوٰۃ والسلام- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم ہی نے نجات دی ان کو بھی اور لوط کو بھی'' کہ نجات دینا اور مشکلات و مصائب سے بچا نکالنا ہمارا ہی کام اور ہماری ہی شان ہے کہ حاجت روا اور مشکل کشا سب کے ہم ہی ہیں۔ اولیاء و صالحین اور انبیاء و مرسلین تک سب کے سب ہمارے ہی محتاج ہیں۔ اور جب ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ- علیہ الصلاۃ والسلام- بھی مصائب و مشکلات سے رہائی اور خلاصی کے لیے ہمارے ہی محتاج ہیں تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جس کو حاجت روا و مشکل کشا کہا جاسکے۔ سو بڑے گمراہ اور بہکے بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اس کی مخلوق میں سے کسی کو حاجت روا و مشکل کشا کہتے اور مانتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اور یہ ایک طبعی اور معقول امر ہے۔ کیونکہ مافوق الاسباب طور پر کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی اسی ذات کی شان اور اسی کا خاصہ ہو سکتا ہے جس کو نہ کوئی حاجت پیش آئے اور نہ وہ کسی مشکل میں مبتلا ہو۔ اور وہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے جو سب کا حاجت روا و مشکل کشا ہے۔ سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ حضرات انبیائے و رسل یہاں تک کہ امام الانبیاء حضرت محمد- صلی اللہ علیہ وسلم- اور ابوالانبیاء حضرتِ ابراہیم خلیل بھی اسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے محتاج ہیں۔ اور جب ان عظیم الشان اور بے مثال ہستیوں میں سے بھی کوئی حاجت روا و مشکل کشا نہیں تو پھر اور کون ہوسکتا ہے؟- اور مخلوق میں سے کسی کو ایسا ماننا کھلی ضلالت اور گمراہی ہے والعیاذ باللہ جل وعلا-

۹۴ حضرتِ ابراہیم کی ہجرت کا ذکر و بیان:- سو اس سے حضرتِ ابراہیم اور لوط کی ارضِ مبارک کی طرف ہجرت کا ذکر و بیان فرمایا گیا۔ سو جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور حضرتِ ابراہیم کا اپنے وطن میں ٹکنا ناممکن ہوگیا تو آپ کو وہاں سے ہجرت کا حکم فرما دیا گیا۔ سو ارشاد ہوتا ہے ''اور ہم ہی نکال لائے ان کو اس برکتوں والی زمین کی طرف'' یعنی سرزمینِ شام و فلسطین کی طرف کہ اس میں بے شمار انبیائے کرام تشریف لائے اور ان کے ذریعے دنیا بھر کو پیغامِ حق و صداقت پہنچا۔ اور ان روحانی اور معنوی برکات کے علاوہ اس سرزمین میں طرح طرح کی ظاہری اور حسی برکات بھی رکھ دیں۔ اس لیے یہ سرزمین ارضِ مقدس اور ارضِ مبارک کہلاتی ہے۔ سو ہم نے حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ لوط کو بچا کر اس برکتوں والی زمین میں پہنچا دیا۔ یہاں پر قرآنی بلاغت کا یہ خاص اور منفرد اسلوب بھی ملاحظہ ہو کہ اس میں ﴿ نَجَّيْنٰهُ ﴾ کے فعل کے بعد '' اِلٰی '' کا صلہ لایا گیا جس میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اس فعل میں ایصال وغیرہ جیسے کسی ایسے مفہوم کی تضمین پائی جاتی ہے جس کا صلہ '' اِلٰی '' آتا ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑے لفظوں میں زیادہ معنیٰ و مفہوم ادا ہو جاتا ہے جو کہ بلاغت کی جان ہے۔ سو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے ابراہیم اور لوط دونوں کو وہاں سے نکال کر برکتوں بھری زمین تک پہنچا دیا۔ ہم نے اپنے ترجمے کے اندر اس مفہوم کو واضح کر دیا ہے- والحمد للہ- سو حضرات انبیاء و رسل براہِ راست اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے سائے میں ہوتے ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا

اسحٰق (جیسا بیٹا) بھی بخشا اور یعقوب (جیسا پوتا) بھی، انعام مزید کے طور پر و۹۵ اور ان سب کو ہم نے (اعلیٰ درجے کا)

صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

نیک بخت بنایا تھا، اور ہم نے ان کو ایسے امام بنایا تھا جو (لوگوں کی) راہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم سے،

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ

اور ہم نے ان کو وحی کے ذریعے ہدایت کی تھی نیک کام کرنے کی، اور (خاص کر) نماز قائم رکھنے، اور

اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾ ۙۚ وَلُوْطًا

زکوٰۃ ادا کرنے کی، اور وہ سب ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے، و۹۶ اور لوط کو بھی

اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ

ہم نے نوازا تھا حکم اور علم (کی دولت) سے، اور ہم نے ان کو بچا نکالا تھا اس بستی سے جو

كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

گندے کام کرتی تھی، بلاشبہ وہ بڑے برے اور

ع ۵ ۲۵ ۵ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾ ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع

بدکردار لوگ تھے، اور ان کو بھی داخل کر دیا تھا ہم نے اپنی خاص رحمت (و عنایت کے دائرہ) میں، کہ وہ بھی یقینی طور پر (اعلیٰ درجے کے)

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ

نیکوکار لوگوں میں سے تھے، اور نوح کو بھی (ہم نے اسی نعمت سے نوازا اور ان کے سلسلہ میں وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب انہوں نے

وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ ۚ وَنَصَرْنٰهُ

بھی اس سے پہلے ہم ہی کو پکارا (اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے)، تو ہم نے سن لیا ان کی پکار کو و۹۷ اور نجات دے دی ہم نے ان کو بھی اور ان کو

مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

ماننے والوں کو بھی اس بڑی گھبراہٹ سے و۹۸ اور ہم نے ان کی مدد کی اس (ناہنجار) قوم کے مقابلے میں، جو جھٹلاتی تھی ہماری آیتوں کو، بے شک وہ

۹۵ حضرات انبیاء و رسل کو بھی اولاد اللہ ہی دیتا ہے:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اولاد دینا اللہ تعالیٰ ہی کا کام اور اسی کی صفت و شان ہے۔ حضرات انبیاء و رسل بھی اسی کے محتاج ہیں۔ یہاں پر ان انعامات کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے جن سے حضرتِ ابراہیم کو ہجرت کے بعد نوازا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے ابراہیم کو اسحاق جیسے عظیم الشان بیٹے اور یعقوب جیسے عظیم الشان پوتے سے نوازا" کہ بیٹے پوتے بخشنا اور اولاد کی نعمت سے نوازنا بھی ہمارا ہی کام اور ہماری ہی شان ہے۔ اور حضرتِ ابراہیم جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی ہمارے ہی محتاج ہیں۔ سو کتنے گمراہ اور کیسے بہکے بھٹکے ہیں وہ لوگ جو اولاد کی نعمت کو مانگنے کے لیے ہمارے در کو چھوڑ کر دوسری طرح طرح کی فرضی اور وہمی ہستیوں اور خود ساختہ سرکاروں کی طرف جھکتے ہیں۔ اور وہ اپنے خالق و مالک کی طرف سے ملی ہوئی اولادوں کے نام بھی شرکیہ رکھتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف حضرتِ ابراہیم نے جب اللہ کی رضا کے لیے اور اسی کی خوشنودی کی خاطر اپنی قوم، قبیلہ، اور خویش و اقارب سب کو چھوڑا تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی عظیم الشان اولاد سے نوازا۔ فالحمد للہ. وباللہ التوفیق لمایُحِبُّ ویرید۔

۹۶ حضراتِ انبیاء و رسل اللہ ہی کی عبادت کرتے تھے:- سو ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ سب ہماری ہی عبادت کرتے تھے۔ تو جب یہ سب عظیم اور مقدس ہستیاں بھی ہماری ہی عبادت و بندگی کرتی تھیں ان میں کوئی خدائی صفت نہ تھی تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جس کو خدائی صفات کا حامل قرار دے کر حاجت روا و مشکل کشا اور فریاد رس و غریب نواز وغیرہ مانا جائے اور اس کے چکر لگائے جائیں؟ اور کون ہو سکتا ہے جو ہماری عبادت و بندگی سے بے نیاز ہو سکے۔ والعیاذ باللہ۔ نیز جب ان پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کی عبادت و بندگی کا یہ عالم تھا تو اس آئینے میں ان لوگوں کو بھی اپنے منہ دیکھ لینے چاہئیں جو ان کا نام لیتے اور انکی طرف اپنی نسبتوں پر فخر کرتے ہیں مگر ان کے اعمال و اطوار ان سے مختلف تھے۔ سو ایسے لوگ اس آئینے کی روشنی میں اپنے قول و فعل کا جائزہ لیں کہ وہ کیا اور کہاں تھے اور یہ کیا ہیں اور کہاں کھڑے ہیں؟۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۹۷ حضرتِ نوح نے بھی اللہ ہی کو پکارا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور نوح نے بھی ہم ہی کو پکارا تو ہم نے سن لیا ان کی پکار کو۔ اور حضرت نوح کی اس دعا و پکار کو دوسرے مقام پر اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے۔ ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾۔ (القمر: ۱۰) سو انہوں نے ہم ہی سے مدد مانگی اور ہمارے ہی حضور عرض کیا کہ مصیبت زدوں کی پکار سننا ہمارا ہی کام ہے۔ اور حاجت روا و مشکل کشا سب کے ہم ہی ہیں۔ انبیاء و رسل بھی ہمارے ہی محتاج ہیں۔ اور جب حضرات انبیاء و رسل بھی ہمارے ہی محتاج ہیں اور وہ اپنی مشکلات و مصائب میں ہم ہی کو پکارتے ہیں تو پھر اور کون ہے جو کسی کا حاجت روا و مشکل کشا ہو سکے سوائے اللہ وحدہٗ لاشریک کے۔ سو غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اوروں کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجتے پکارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

۹۸ نوح کے نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نوح کی حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی اللہ تعالیٰ ہی نے فرمائی۔ چنانچہ اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا اور صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا "سو ہم ہی نے ان کو نجات دی اس کربِ عظیم سے"، جس میں آپ اپنی قوم کی تکذیب اور ان کے انکار کی بنا پر صدیوں سے مبتلا تھے۔ نیز غرقابی کے اس عذاب و انجام سے جس سے بالآخر انکی یہ قوم دوچار ہوئی تھی۔ کربِ عظیم کے یہ دونوں مطلب بیان کیے گئے ہیں اور کربِ عظیم کے الفاظ کا عموم ان دونوں ہی کو شامل ہے۔ (ابنِ کثیر، روح، کبیر اور صفوۃ وغیرہ)۔ سو جب حضرتِ نوح جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی ہمارے ہی محتاج ہیں تو پھر مخلوق میں اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو ما فوق الاسباب کسی کی حاجت روائی و مشکل کر سکے؟ سو حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوٗدَ وَ

بڑے ہی برے لوگ تھے، سو ہم نے غرق کر دیا ان سب کو اکٹھا (اور یکجا طور پر)، ف۹۹ اور داؤد

سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ

و سلیمن کو بھی (ہم نے اسی نعمت سے سرفراز فرما دیا تھا ان کے بارے میں بھی وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب وہ دونوں فیصلہ

غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنٰهَا

کر رہے تھے ایک کھیت کے بارہ میں، جب کہ رات کے وقت اس میں جا پڑی تھیں کچھ لوگوں کی بکریاں ف۱۰۰ اور ہم ان کے فیصلے کو خود

سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ز وَّسَخَّرْنَا

دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے اس سے متعلق (بہتر فیصلہ) سمجھا دیا سلیمن کو، اور یوں حکمت اور علم (کی دولتِ بے مثال) سے ہم نے ان دونوں

مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾

ہی کو نواز رکھا تھا ف۱۰۱ اور داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا جو تسبیح کرتے تھے، اور پرندوں کو بھی ف۱۰۲ اور (اس میں تعجب کی کوئی

۹۹ کفر و انکار کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی - والعیاذ باللہ: - سو اس سے قومِ نوح کی ہولناک اور عبرت انگیز ہلاکت کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کفر و انکار اور تکذیبِ حق کا نتیجہ و انجام بہرحال ہولناک تباہی اور ہلاکت ہوتا ہے - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے ان سب کو غرقاب کر دیا کہ وہ حق کا انکار اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور ان کی پیش کردہ تعلیماتِ مقدسہ کی تکذیب کرتے تھے" جو کہ جڑ بنیاد ہے تمام برائیوں اور مفاسد کی اور جو راستہ ہے ہلاکت و تباہی کا - والعیاذ باللہ العظیم - سو حق سے کفر و انکار اور اسکی تکذیب کا نتیجہ و انجام بہرحال ہولناک تباہی اور ابدی ہلاکت ہے - والعیاذ باللہ - پس تکذیب و انکار کے اس جرم کے مرتکبین کو جو قدرت کی طرف سے ڈھیل اور مہلت ملتی ہے اس سے کبھی کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف قومِ نوح کے ان منکروں کو ان کے کفر و انکار اور انکی سنگدلی اور حق دشمنی کی بالآخر یہ سزا ملی کہ پوری قوم کی قوم کو غرقاب کر دیا گیا کیونکہ اپنے کفر و انکار کے جرمِ مسلسل کی بنا پر وہ لوگ غلاظت اور گندگی کا ایسا ڈھیر بن گئے تھے جس سے خداوندِ قدوس کی اس دھرتی کو پاک و صاف کرنا ضروری ہو گیا تھا - سو اللہ تعالیٰ نے زمین کے سمندروں اور آسمان کے بادلوں کو حکم دیا کہ وہ سب مل کر اس نانہجار قوم کے ناپاک وجود سے اس دھرتی کو پاک کر دیں - سو طوفانِ نوح نے اس زمین کو دھو کر اس کافر و منکر قوم کے وجود سے بالکل پاک کر دیا - والحمد للہ رب العالمین اہل للحمد فی الاولیٰ والآخرۃ -

۱۰۰ حضرتِ داؤد و سلیمان کے ایک سبق آموز قصے کا ذکر و بیان: -- سو اس سے حضرتِ داؤد و سلیمان کے ایک عبرت انگیز اور سبق آموز قصہ کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو اس کی تذکیر و یاددہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جبکہ وہ دونوں فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیت کے بارے میں۔ جبکہ کچھ لوگوں کی بکریاں اس کھیت میں جا پڑی تھیں اور انہوں نے اس کھیت کا صفایا کر دیا تھا۔ سو حضرتِ داؤد نے جب دیکھا کہ بکریوں کی قیمت نقصان شدہ کھیت کی قیمت کے برابر ہے تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ بکریاں کھیت کے مالک کو اس کے نقصان کے بدلے میں دے دی جائیں۔ مگر حضرتِ سلیمان کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے رائے پیش کی کہ میرے سامنے اس کا ایک اور فیصلہ ہے جو اس سے بھی بہتر ہے۔ وہ یہ کہ بکریاں کھیت والے کے حوالے کر دی جائیں کہ وہ ان سے دودھ وغیرہ منافع سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیا جائے کہ وہ اس کی آبیاری اور خبر گیری کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پہلی حالت پر واپس آ جائے تو بکریوں والا اپنی بکریاں واپس لے جائے اور کھیت والا اپنا کھیت سنبھال لے۔ اس طرح دونوں کے نقصان کی تلافی بھی ہو جائے گی اور کسی کو اپنی ملکیت سے محروم بھی نہیں ہونا پڑے گا۔ حضرتِ داؤد نے حضرتِ سلیمان کے اس فیصلے کو پسند فرما کر اسی کو نافذ کر دیا اور اپنے فیصلے سے رجوع فرما لیا۔ حضراتِ فقہائے کرام کی اصطلاح میں حضرتِ داؤد کا فیصلہ قیاسِ جلی پر مبنی تھا اور حضرتِ سلیمان کا قیاسِ خفی یعنی استحسان پر۔ اصل کے اعتبار سے اگرچہ دونوں فیصلے درست تھے اور دونوں ہی اجتہاد پر مبنی تھے مگر حضرتِ سلیمان کا فیصلہ چونکہ ایک طرح کی صلح پر مبنی اور دونوں طرفوں کے حق میں بہتر تھا اس لیے اسی کو اپنایا گیا۔ سو اس قصے میں بہت سے درس ہیں جو کہ ہم - ان شاء اللہ - اپنی مفصل تفسیر میں پیش کریں گے اگر زندگی نے وفا کی اور توفیق ایزدی شامل رہے - وهو الموفق لكل صواب واليه المرجع والمآب - بہرکیف اس سے ایک اہم درس یہ ملتا ہے کہ حضرتِ سلیمان نے جو ابھی کمسن اور نوخیز تھے وہ رائے پیش کی جو نسبتاً زیادہ صائب اور قرینِ عدل تھی۔ جس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ عطاء و بخشش سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہ جس کو جیسا اور جب چاہے نوازے۔ وہ اگر چاہے تو کمسن اور نوخیز بچے کو ایسی صائب رائے سے نواز دے جس کی طرف اس کے والد ماجد کی توجہ بھی نہ گئی ہو۔ اگرچہ وہ صاحب وحی، نبی و رسول، اور وقت کا حاکم اور خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس بندے کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اور دل و جان سے اسی واہب مطلق کی طرف رجوع رہے - وباللہ التوفیق - اور دوسری طرف اس قصے سے حضرت داؤد کی شان عبدیت و تواضع اور انابت و رجوع الی اللہ کا ایک عظیم الشان مظہر و نمونہ بھی سامنے آتا ہے کہ آپ نے صاحب وحی اور نبی و رسول اور وقت کے حاکم و خلیفہ ہونے کے باوجود اپنی بات سے رجوع فرما کر ایک کمسن اور نوخیز کی بات کو اپنا لیا کہ وہ عدل و انصاف اور صدق و صواب کے زیادہ قریب تھی۔ جس میں کسی طرح کی انانیت کا کوئی شائبہ نہیں۔ اللہ ہمیں بھی ان قدسی صفت حضرات کی اتباع و پیروی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۱۰۱ نوازشِ علم کی عنایت کا ذکر و بیان: -- سو اس سے حضرتِ داؤد اور سلیمان دونوں کے لیے علم و حکمت کی خاص نوازش کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے ان دونوں ہی کو علم و حکمت کی دولت سے نوازا تھا" کہ وہ دونوں ہی ہمارے پسندیدہ اور چنے ہوئے بندے تھے۔ سو ان دونوں میں سے ہر ایک کا فیصلہ صحیح اور درست تھا۔ اور ہر ایک کا فیصلہ

ایک صحیح حجت اور درست نکتہ نظر پر مبنی تھا۔ حضرت داؤد نے بکریوں والے کی بکریوں کی ملکیت کو زائل کر کے ان کو کھیت والے کی ملکیت میں دے دیا تھا کہ انکی شریعت میں اصل حکم یہی تھا۔ جیسا کہ حضرتِ یوسف کے قصے میں وارد ہے کہ جب حضرتِ یوسف نے اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ تمہارے دین ومذہب میں چور کی سزا کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ کہ چور کو ہی ان کے حوالے کر دیا جائے جس کی اس نے چوری کی ہو (یوسف: ۷۵)۔ جبکہ حضرتِ سلیمان کا فیصلہ مصالحانہ نوعیت کا تھا کہ اس میں کسی کی ملکیت کا ازالہ نہیں تھا بلکہ ہر ایک کی رعایت کو ملحوظ رکھا گیا تھا اور اس میں حضرتِ داؤد کی کسی تنقیص کا کوئی پہلو نہیں نکلتا بلکہ یہ بھی بالواسطہ ان ہی کی عظمتِ شان کا ایک ثبوت تھا کہ آپ کے اس ننھے سے بیٹے کو جس کی عمر اس وقت کوئی دس گیارہ سال تھی کی بات کو قبول فرما لیا اور اپنی رائے کو چھوڑ دیا۔ سو یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ آپ کا بیٹا اپنے باپ کی خلافت کا اہل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ باپ کے لیے اپنے بیٹے کی ایسی اہلیت وصلاحیت سے بڑھ کر خوشی ومسرت کا سامان اور کیا ہو سکتا ہے؟ (معارف، محاسن اور مراغی وغیرہ)۔ بہر کیف اس سے حضرتِ داؤد کی شانِ عبدیت وتواضع اور انابت و رجوع الی اللہ اور اِخلاص وللّٰہیت کا ایک عظیم الشان مظہر سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں بھی گزرا۔ سو شانِ عبدیت وانابت کا تقاضا یہی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید، وعلیٰ ما یحبُّ ویرید بکل حال من الاحوال۔

۱۰۲ حضرتِ داؤد کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو بھی مسخر کر دیا تھا جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔ سو آپ کی تلاوت سے پہاڑ بھی وجد میں آجاتے اور پرندے بھی آپ کی تلاوت سن کر فضا میں کھڑے ہو جاتے اور آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر پڑھنا شروع کر دیتے۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اسی لیے لحنِ داؤدی ضرب المثل قرار پا گیا۔ اور روایات میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہیں سے گزر رہے تھے تو آپ نے حضرتِ ابوموسیٰ الاشعری ۔رضی اللہ عنہ۔ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ اس کو سننے کے لیے وہیں رک گئے اور کافی دیر تک ان کی قراءت سنتے رہے اور فرمایا۔ "لقد اوتی مزمارا من مزامیر ال داؤد"۔ کہ "ان کو تو آلِ داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار مل گیا"۔ حضرتِ ابوموسیٰ کو جب بعد میں اس کا علم ہوا تو فرمایا اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو میں اور بھی اچھا کر کے پڑھتا۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہر کیف یہ ایک امتیازی شان اور خصوصی معجزہ تھا جس سے حضرتِ داؤد کو حق تعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص نوازا گیا تھا۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرتِ داؤد کو بادشاہی میں فقیری کی کس قدر انفرادی نوعیت کی عظیم الشان سعادت وعنایت سے نوازا گیا تھا۔ کہ ایک طرف تو آنجناب کو تختِ سلطنت وحکومت پر بٹھایا گیا جس کے تقاضے میں آپ پوری بیدار مغزی اور کامل بے نفسی کے ساتھ خدمتِ خلق انجام دیتے اور رعایا کو عدل وانصاف سے سرفراز کرتے۔ اور دوسری طرف تعلق مع اللہ اور سوزِ دروں کا یہ عالم تھا کہ جب آپ زبور کی تلاوت فرماتے تو پہاڑوں جیسی ٹھوس اور جامد مخلوق بھی آپ کی ہمنوا ہو جاتی اور فضاؤں میں اڑتے پرندے بھی رک جاتے۔ اور اس طرح ایک عظیم الشان اور خیر وبرکت کا سماں بندھ جاتا سو یہ حضرت داؤد کی ایک خاص انفرادی شان تھی جس سے آنجناب کو قدرت کی طرف سے بطورِ خاص نوازا گیا تھا۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ وعلیٰ سائر الانبیاء والمرسلین۔

وَعَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡۢ

بات نہیں کہ) یہ سب کچھ ہم ہی کرنے والے تھے ۱۰۳ اور ہم نے ان کو تمہارے لئے ایک خاص لباس (زرہ) کی صنعت بھی سکھادی تھی ۱۰۴

۱۰۳ سب کچھ اللہ کی طرف سے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے تھا۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور یہ سب کچھ ہم ہی کرنے والے تھے" اور ہم جو چاہیں کریں کہ ہم ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور ہماری شان ۔ علیٰ کل شیء قدیر ۔ کی شان ہے۔ پس معجزہ پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اسی کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے اور جیسے چاہے اپنے بندوں میں سے کسی بندۂ خاص پر ظاہر فرمائے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ﴾۔ (الرعد: ۳۸) اور جب معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا تو پھر کرامت ولی کے اختیار میں کس طرح ہو سکتی ہے؟ سو اس سے اہل بدعت کی بہت سے شرکیات کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ والحمد للہ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب کام ہمارے ہی کرنے کے تھے کسی اور کے نہیں۔ اور یہ سب کچھ ہم ہی نے کیا تھا۔ کسی اور نے نہیں۔ اور ہم جو چاہیں اور جیسا چاہیں کریں۔ ہم جس کے لیے چاہیں شجر و حجر، چرند و پرند اور پہاڑ و دریا وغیرہ جس چیز کو بھی چاہیں اس کے پیچھے لگا دیں۔ سو یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں اور اسی کی عطاء و بخشش سے مل سکتی ہیں۔ کوئی ان کو اپنے زور و اقتدار سے نہیں حاصل کر سکتا بلکہ جو ملتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے کرم و احسان اور اسی کی عطاء و عنایت سے ملتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ لیکن دنیا ہے کہ اس واہب مطلق جل جلالہ، سے غافل ہو کر انہی دنیاوی ظواہر و مظاہر میں کھو کر رہ گئی ہے۔ اور اسکے نتیجے میں وہ اس وحدہٗ لاشریک کے شکر کے شرف سے محروم ہو کر طرح طرح کی شرکیات میں پھنس گئی ہے جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم

۱۰۴ حضرتِ داؤد کے لیے زرہ سازی کی تعلیم کی عنایت :- سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے ان کو تمہارے لیے ایک خاص لباس ۔ زرہ ۔ کی صنعت سکھائی تھی"۔ کہ ایک طرف تو زرہ کی کڑیوں اور اس کے حلقوں کو خاص ترتیب و انداز سے جوڑنے کا طریقہ ان کو اپنے کرم سے الہام فرمایا اور دوسری طرف لوہے کو ان کے لیے ایسا موم کر دیا تھا کہ وہ بغیر آگ کی مدد کے یوں ہی جیسے چاہتے اس کو موڑ اور جوڑ لیتے۔ جیسا کہ دوسری جگہ تصریح فرمادی گئی کہ ۔ ﴿ وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِيۡدَ ﴾۔ (سبا: ۱۰) مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لوہے کی کڑیوں اور حلقوں کو جوڑ کر زرہ بنانے کا طریقہ سب سے پہلے حضرتِ داؤد ہی نے ایجاد فرمایا تھا۔ (ابن کثیر، قرطبی، روح، معارف اور صفوۃ وغیرہ)۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے انکو تمہارے لیے زرہ جیسے عظیم الشان لباس کا بنانا سکھایا تھا تا کہ اس لباس کے ذریعے تم لوگ دشمن کی جنگ میں اپنے بچاؤ کا سامان کر سکو۔ سو اس سے اس عظیم الشان حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ داؤد کوئی ایسے شب زندہ دار نہ تھے جو صرف تنہائی کے گوشوں میں بیٹھ کر اللہ ہو کی ضربیں لگا لیتے ہوں اور بس۔ نہیں بلکہ وہ جس طرح رات کے راہب تھے اسی طرح دن کے شہسوار بھی تھے۔ ہم نے ان کو میدانِ حرب وضرب میں کام آنے والے اور دشمن کے وار سے بچانے والے ایک خاص لباس یعنی زرہ سازی کی صنعت بھی سکھائی تھی۔ سو حضرتِ داؤد" باللیل رھبان و بالنھار فرسان " کی صحیح تصویر تھے۔ ایک طرف ان کی پرسوز دعاؤں اور مناجاتوں سے پہاڑوں کا دل موم ہو جاتا اور دوسری طرف انکی جنگی ایجادات اور انکی فوجی یلغاروں سے دشمنوں پر لرزہ طاری رہتا۔ سو یہ حضرت داؤد کی ایک منفرد اور امتیازی شان تھی جس سے آنجناب کو قدرت کی طرف سے بطور خاص نوازا گیا تھا۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ

تاکہ وہ تمہیں (لڑائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچا سکے، تو کیا تم لوگ شکر گزار بنتے ہو؟ و۱۰۵ اور سلیمان کے لئے ہم

الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِأَمْرِهٖٓ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِيْ

نے زور کی ہوا کو بھی مسخر کر دیا تھا، جو ان کے حکم کے مطابق چلتی تھی، اس سرزمین کی طرف

بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ

جس میں ہم نے (طرح طرح کی) برکتیں رکھی تھیں، اور ہم ہر چیز کو پوری طرح جاننے والے ہیں (اس لئے ہم نے جس کو جو دیا ٹھیک ہی دیا)

الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ

اور شیطانوں (یعنی جنوں) میں سے بھی ہم نے (بہت سے) ایسوں کو ان کے تابع کر دیا تھا، جو ان کے لئے غوطے لگاتے و۱۰۶ اور وہ اس کے

۱۰۵ **شکر گزاری کی تعلیم و تلقین:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا "تو کیا تم لوگ شکر گزار بنتے ہو؟" اور اپنے خالق و مالک اور منعمِ حقیقی کے آگے دل و جان سے جھکتے ہو کہ نہیں جس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے ایک جلیل القدر نبی کے ذریعے زرہ سازی کی اس عظیم الشان صنعت و نعمت سے تمہیں نوازا اور سرفراز فرمایا۔ یعنی تمہیں اس واہبِ مطلق کا شکر بجالانا چاہیے اور دل و جان سے اس کے حضور جھک جانا چاہیے۔ سو یہ استفہام تحریض و ترغیب کے معنی میں ہے۔ (کشاف وغیرہ) کہ شکرِ منعم انسان کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ و باللہ التوفیق۔ سو حکمت و نبوت اور حکومت و قوت کی ان سب شانوں کو پانے اور اس سے سرفراز و سرشار ہونے کے باوجود حضرتِ داؤد کے فقر و درویشی کا یہ حال تمہارے سامنے ہے۔ اور اپنی زبانِ بے زبانی سے تمہیں بتا رہا ہے کہ خداوندِ قدوس کے یہاں یہی امتزاج اور باہم آمیزی اصل مطلوب ہے۔ اور ایسے ہی شکر گزار بندے اسکی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے مورد و مستحق ہوتے ہیں تو کیا تم لوگ اس کا حوصلہ رکھتے ہو؟

۱۰۶ **حضرتِ سلیمان کے لیے تیز ہواؤں اور جنوں کی تسخیر کا ذکر:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے سلیمان کے لیے تیز ہواؤں اور جنوں کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا" تاکہ تند و تیز ہوا ان کے تخت کو اپنے کندھوں پر لے کر چلے اور جنوں کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ غوطے لگا کر ان کے لیے ہیرے اور موتی وغیرہ نکال کر لے آئیں۔ سو شیطان سے یہاں پر مراد جن ہیں اور شیطان کا اطلاق ہر سرکش پر ہوتا ہے خواہ وہ کوئی جن ہو یا انسان یا حیوان۔ (مفردات راغب)۔ سو اس میں یہ عظیم الشان اور انقلاب آفریں درس ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اور وہ اس سے صحیح معنوں میں ڈرتا ہے تو ہر چیز اس کی ہو جاتی ہے اور اس سے ڈرتی اور اس کے تابع بن جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے ۔ ہر کہ ترسید از حق و تقوٰی گزید ۔ ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید۔ پس اللہ والا بن جانا ایسی شاہ کلید ہے کہ ہر خیر کا دروازہ اس سے کھلتا ہے۔ اللّٰھم ارزقنا التوفیق و زدنا منه ۔ آمین ثم آمین۔ نیز یہاں سے ایک اور حقیقت یہ واضح ہو گئی کہ حضرتِ سلیمان کے لیے جنوں کی تسخیر آپ کے اپنے کسی عمل کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ قدرت کی طرف سے ایک خاص عطیہ تھا جو آپ کو عطا ہوا تھا ۔ اور قدرت نے اپنی رحمت و عنایت سے جنوں کی اس سرکش مخلوق کو آنجناب کے تابعِ فرمان کر دیا تھا اور ان کو آپ کیلئے کام میں لگا دیا تھا۔ سو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے تھا۔ جس سے آنجناب کو قدرت کی فیاضیوں نے از خود نوازا تھا علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ

علاوہ اور بھی کئی کام کرتے تھے ف۱۰۷ اور ان کے سنبھالنے والے بھی ہم ہی تھے ف۱۰۸ اور ایوب کو بھی (یاد کرو کہ)

۱۰۷ حضرتِ سلیمان کے لیے جنوں کی خدمات:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ شیاطین یعنی جنوں میں سے بھی بہت سے ایسوں کو ہم نے ان کے کام میں لگا دیا تھا جو ان کے لیے غوطے لگاتے اور وہ اس کے علاوہ ان کے لیے اور بھی کئی طرح کے کام کرتے تھے۔ سو جن حضرتِ سلیمان کے لیے طرح طرح کی خدمات انجام دیتے۔ وہ ان کے لیے غوطہ خوری کرتے، موتی مونگے وغیرہ نکالتے اور وہ ان کے لیے اور بھی طرح طرح کے کام کرتے تھے۔ جیسے بڑی بڑی عمدہ عمارتیں بنانا مختلف شہر تعمیر کرنا اور دوسرے ایسے بڑے بڑے کام کرنا جو عام لوگوں کی قوت و دسترس سے باہر تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ﴾۔ (صٓ: ۳۷-۳۸) سو اس طرح حضرتِ سلیمان ان مفسد اور سرکش وفسادی عناصر سے تعمیر و ترقی اور رفاہِ عامہ کے طرح طرح کے کام کراتے تھے۔ اور ان کی خرقِ عادت قوتوں سے کام لیتے تھے۔ اور اس طرح خلقِ خدا کی خدمت اور بھلائی کے کام ان سے کرواتے تھے۔

۱۰۸ دورِ حاضر کے سائنس دانوں کے لیے ایک تنبیہ و تذکیر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم ہی انکے نگہبان تھے" ورنہ حضرتِ سلیمان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ ان کو از خود اس طرح اپنے قابو میں کر لیتے۔ سو اصل حکم تو ہر چیز پر ہمارا ہی چلتا ہے ورنہ ایسے سرکش جنوں کو قابو کرنا کس کے بس میں ہو سکتا ہے؟ اور ہمارے حکم کے باعث ان میں سے کسی میں بھی اس کی مجال نہ تھی کہ وہ حضرتِ سلیمان کے حکم سے سرِ مو تجاوز یا سرکشی کر سکے۔ سو حضرتِ سلیمان کے لیے جنوں کی تسخیر محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام تھا نہ کہ ان کے کسی عمل کا نتیجہ۔ جیسا کہ عام لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ سو اگر ہم ان کے نگران نہ ہوتے تو یہ بے قابو ہو کر طرح طرح کے خطرات اور آفتوں کا سبب بن سکتے تھے۔ سو اس ارشاد میں بڑی تنبیہ ہے ان لوگوں کے لیے جو قدرت کی بعض قوتوں کی تسخیر سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اب ہم ان کے مالک ہو گئے۔ کوئی ان کو ہم سے چھین نہیں سکتا۔ اور نہ ہی یہ قوتیں ان کے خلاف کوئی بغاوت کر سکتی ہیں۔ سو یہ محض انسان کی تنگ ظرفی اور جہالت کا نتیجہ ہے۔ آج انسان بھاپ، گیس، بجلی اور ایٹم وغیرہ کی جن قوتوں کی تسخیر سے طرح طرح کے کام لیتا اور فائدے اٹھاتا ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم سے ہو رہا ہے۔ اسی نے ان عظیم الشان قوتوں کو انسان کے قابو میں کر دیا۔ اور یہ اسی وقت تک انسان کے قابو میں رہیں گی جب تک کہ اللہ چاہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی بھی قوت کی باگ ذرا بھی ڈھیلی چھوڑ دے تو یہی عظیم الشان نفع بخش قوتیں انسان کو تباہ کر دیں۔ چنانچہ اس کے کچھ نمونے آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے نمودار ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ ابھی چند ہی سال قبل روس میں چرنوبل کا جوہری حادثہ پیش آیا تھا۔ جس میں تابکاری مواد رسنے سے یکا یک ہزاروں لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے اور ہزار ہا اپاہج اور ناکارہ ہو گئے اور ایک بہت بڑے ایریے میں بے حساب جانور مر گئے۔ نباتات تک اجڑ گئیں اور زندگی کے آثار مٹ گئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ہندوستانی ریاست بھوپال میں ایک کارخانے سے زہریلی گیس خارج ہو جانے سے ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے اور ہزاروں اپاہج اور معذور ہو گئے۔ اور ہفتہ عشرہ قبل چین کے ایک علاقے میں گیس کے ایک کنویں میں آگ لگنے سے سینکڑوں لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے اور چالیس ہزار لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال کر دور دراز علاقوں میں منتقل کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ سو اس طرح کے نمونے جگہ جگہ اور طرح طرح سے پیش آتے رہتے ہیں مگر غافل انسان ان سے سبق لینے اور اپنی آنکھوں کو کھولنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ الا ما شاء اللہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ بکل حالٍ من الاحوال۔

نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ

جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے روگ لگ گیا ہے، اور تو ہی (اے میرے مالک!)

الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ

سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے، ہم نے سن لیا اس کی پکار کو، اور دور کر دیا ان سے اس

ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰہُ اَھْلَہٗ وَمِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ رَحْمَۃً مِّنْ

تکلیف کو جو ان کو لاحق تھی ۱۰۹ اور (مزید کرم یہ کیا کہ) ہم نے ان کو ان کے گھر والے بھی دے دیئے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی ۱۱۰

عِنْدِنَا وَ ذِکْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَ

محض اپنی رحمت سے، اور عبادت گزاروں کے لئے ایک عظیم الشان نصیحت کے طور پر، ۱۱۱ اور اسماعیل،

اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْکِفْلِ ط کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾

ادریس، اور ذوالکفل کو بھی (یاد کرو) کہ یہ سب بھی صبر (واستقامت) والے لوگ تھے،

وَ اَدْخَلْنٰھُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ط اِنَّھُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾

اور ہم نے ان کو بھی داخل فرمایا تھا اپنی خاص رحمت (وعنایت) میں ۱۱۲ یہ سب بھی یقینی طور پر کمال صلاحیت والوں میں سے تھے،

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ

اور مچھلی والے (یعنی حضرت یونس) کو بھی، جب کہ وہ (اپنی قوم سے) خفا ہو کر چلے گئے تھے، اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر

نَّقْدِرَ عَلَیْہِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ

کوئی داروگیر نہ کریں گے، ۱۱۳ پھر انہوں نے تہ در تہ اندھیروں میں پکارا کہ (اے میرے رب) تیرے سوا کوئی

۱۰۹ حضرت ایوب کے حاجت روا بھی اللہ تعالیٰ ہی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایوب نے بھی ہم ہی کو پکارا اور ہم ہی نے دور کیا ان سے انکی تکلیف کو کہ ہر کسی کی پکار کو سننا اور اس کی حاجت روائی و مشکل کشائی کرنا ہمارا ہی کام اور ہماری ہی شان ہے۔ اور ایوب جیسے عظیم الشان پیغمبر بھی جب ہمارے ہی محتاج ہیں اور وہ بھی اپنی حاجات و مشکلات میں ہم کو ہی پکارتے اور ہمارے ہی حضور ہاتھ پھیلاتے ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا جو دوسروں کا حاجت روا و مشکل کشا قرار پا

سکے۔ سو بڑے بہکے بھٹکے اور گمراہ ہیں وہ لوگ جو کہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے سوا اسکی عاجز و بے بس مخلوق میں سے کسی کو ما فوق الاسباب طور پر اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے بلاتے پکارتے ہیں۔ اور اس طرح وہ شرک جیسے ظلم عظیم کا ارتکاب کرتے اور خود اپنی محرومی میں اضافے اور تحقیر و تذلیل کا سامان کرتے ہیں - والعیاذ باللہ - بہرکیف یہاں پر حضرتِ داؤد و سلیمان کی صورت میں شکر کی دو مثالوں کے ذکر کے بعد اب صبر کے نمونے پیش فرمائے جا رہے ہیں کہ انسان کو ان ہی دو میں سے کسی ایک صورت ہی سے واسطہ پڑتا ہے۔ سو اس کے لیے حضرتِ ایوب کی مثال پیش فرمائی گئی اور حضرتِ ایوب کا صبر، صبر ایوب کے نام سے ضرب المثل بن گیا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۱۰ حضرتِ ایوب کے لیے انعامات کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے انکو انکے گھر والے بھی دیئے اور اتنے ہی ان کے ساتھ اور بھی"۔ کہ ہر کسی کو دینے بخشنے والے اور سب کے داتا ہم ہی ہیں۔ اور ہم جس کو جو چاہیں اور جیسے چاہیں عطاء کریں کہ نہ ہمارے خزانوں میں کوئی کمی اور نہ ہماری قدرت کے لیے کوئی حد اور رکاوٹ۔ اور ہم اور صرف ہم ہی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس کو کب کیا اور کیسے دیا جائے ﴿اهله و مثلهم معهم﴾ سے کیا مراد ہے؟ سو اس بارے میں دو احتمال اور دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کے جو اہل و عیال مر گئے تھے ان سب کو دوبارہ زندہ کر دیا گیا تھا اور انہی کے برابر اور بھی آپ کو دیے گئے تھے۔ حضرتِ ابنِ عباس وغیرہ سے یہی قول مروی ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ کے جس قدر اہل و عیال تھے اتنے ہی آپ کو دوبارہ دیے گئے اور انہی کے برابر اور بھی۔ (ابنِ کثیر، قرطبی، مراغی، فتح اور معارف وغیرہ)۔ سو جیسا کہ حضرتِ ایوب کا صبر بے مثال تھا ایسے ہی آپ پر عنایت بھی بے مثال ہوئی۔ سفرِ ایوب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتِ ایوب کو اللہ تعالیٰ نے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی۔ آپ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار بیل اور پانچ سو باربرداری کے گدھے بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ آپ کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے۔ اس زمانے میں اہلِ مشرق میں اس درجے کا مالدار کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ مگر اس قدر خدم و حشم اور اتنی بڑی دولت رکھنے کے باوجود آپ خداوند قدوس کے نہایت شکرگزار اور فرمانبردار بندے تھے۔ کبھی کسی برائی سے آلودہ نہ ہوئے۔ پھر آپ قدرت کی طرف سے ابتلاء و آزمائش میں مبتلا ہوئے تاکہ آپ کے صبر کی بھی آزمائش ہو۔ سو اس میں بھی آپ نے بے مثال صبر و برداشت اور استقامت و عزیمت کا نمونہ پیش فرمایا۔ یہاں تک کہ صبر ایوب ضرب المثل بن گیا - علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام - سو نعمت پر شکر اور تکلیف پر صبر، اسلامی اخلاق و تعلیمات کے دو عظیم الشان مطلب ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ و یرید وعلی ما یحب و یرید بکل حال من الاحوال۔

۱۱۱ نصیحت و یاددہانی عبادت گزاروں کے لیے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ایوب کو ان عظیم الشان انعامات سے ہم نے محض اپنی رحمت سے اور عبادت گزاروں کے لیے ایک عظیم الشان نصیحت اور یاددہانی کے طور پر نوازا، کہ جو مصیبت پر صبر کرے اور اللہ کی رضا کی خاطر اس کو برداشت کرے اللہ اس کو ایسے ہی نوازتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو دیکھیے حضرتِ ایوب کو کس قدر ابتلاء و آزمائش میں ڈالا گیا۔ جسم و جان میں بھی اور مال و اولاد میں بھی۔ لیکن آپ نے اس سب پر صبر و برداشت اور عزم و استقامت سے کام لیا اور ایسا صبر جو کہ ضرب المثل بن گیا۔ اور "صبر ایوب" راہِ حق کے مسافروں کے لیے ایک عظیم الشان نشانِ منزل بن گیا۔ یہاں تک کہ جب آپ اس آزمائش میں پورے اترے اور اس امتحان میں

کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال طریقے سے نوازا۔ سو اس واقعے کو عبادت گزاروں کے لیے ایک عظیم الشان نصیحت و یاد دہانی بنا دیا گیا تاکہ یہ واقعہ ایک یادگار ہو کہ ہمارے جو بندے نرم و گرم ہر قسم کے حالات میں ہم سے تعلق رکھتے اور ہمارے ہی ساتھ وابستہ رہتے ہیں ہم ان کو اپنے فضل و کرم سے اسی طرح نوازتے ہیں۔ سو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل سے تعلق رکھنا اور اسی کی طرف رجوع رہنا سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، یاا کرم الاکرمین

۱۱۲ صبر و استقامت ذریعۂ ظفر و کرامت: -- سو حضرت اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل تینوں کے بارے فرمایا گیا کہ یہ تینوں صابر تھے۔ نیز فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو بھی داخل فرمایا اپنی خاص رحمت میں کہ دنیا میں ان کو نبوت کے شرف سے مشرف فرمایا جو کہ اللہ پاک کی طرف سے ملنے والا سب سے بڑا شرف و اعزاز ہے اور آخرت میں ان کو جنت اور اسکی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی بخشی گئی جو کہ ہماری رحمت کا آخری اور کامل مظہر ہے۔ (جامع البیان، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو ان تینوں حضرات نے صبر و استقامت کے بڑے نادر نمونے پیش فرمائے۔ حضرتِ اسماعیل نے تو اس راہ میں اپنی جان کو بھی قربان ہونے کے لیے پیش فرما دیا اور ابتدائی دور میں مکہ مکرمہ میں بھی آپ نے خاص طور پر بہت تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ اور حضرتِ ادریس ترکِ طعام و شراب میں اتنے آگے نکل گئے تھے کہ فرشتوں کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے۔ (معارف للکاندھلوی وغیرہ)۔ اور اسی طرح تیسرے صاحب یعنی حضرتِ ذوالکفل بھی بڑے صابر و شاکر انسان تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے نوازا۔ سو راہِ حق و ہدایت پر صبر و استقامت ذریعۂ ظفر و کرامت ہے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۱۳ قصۂ یونس کا ذکر و بیان: -- سو اس سے مچھلی والے یعنی حضرتِ یونس کے قصے کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ذوالنون یعنی مچھلی والے کو بھی یاد کرو جبکہ وہ غصے ہو کر چلا گیا اور اس نے سوچا کہ ہم اس پر کوئی دار و گیر نہیں کریں گے اور ان کے فیصلے پر ان کی کوئی باز پرس نہ کریں گے اور ان سے کسی تنگی کا معاملہ نہ کریں گے "ای لن نضیق علیہ بالعقوبۃ" (ابنِ کثیر، قرطبی، خازن، کبیر، محاسن التاویل اور صفوۃ وغیرہ - کما روی ذالک عن ابن عباس)۔ یعنی ﴿ نقدر ﴾ یہاں پر "قدرت" سے نہیں "قدر" بمعنیٰ تنگی سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ﴿ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ ﴾ میں ہے "ای ضیق علیہ فیہ" کیونکہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی قدرت کی نفی کا عقیدہ رکھنا تو کفر ہے۔ وہ آنجناب سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے؟ - والعیاذ باللہ- بہرکیف مچھلی والے یعنی حضرتِ یونس جب اپنی قوم سے ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے اور یہ سمجھا کہ ہم اس پر کوئی باز پرس اور دار و گیر نہیں کریں گے تو اس کے نتیجے میں وہ مچھلی کے پیٹ میں پہنچ گئے۔ اسی لیے حضرتِ خاتم الانبیاء کو صبر کا حکم دیا گیا اور آپ کو تلقین فرمائی گئی کہ "مچھلی والے کی طرح نہیں ہو جانا"۔ (القلم: ۴۸)۔ یعنی ان کی طرح بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا - والعیاذ باللہ العظیم - سو راہ حق پر صبر و استقامت ایک اہم اور بنیادی مطلب ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید،

إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ ۖ إِنِّى كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾

معبود نہیں، تو پاک ہے (ہر نقص و عیب اور ہر شائبہ شرک سے) بے شک میں ہی ہوں قصور واروں میں سے ف۱۱۴

فَٱسْتَجَبْنَا لَهُۥ وَنَجَّيْنَٰهُ مِنَ ٱلْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ

تب ہم نے قبول کر لیا ان کی دعا کو، اور نجات دے دی ہم نے ان کو اس غم سے، اور ہم اسی طرح

نُـۨجِى ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥ

نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو، ف۱۱۵ اور زکریا کو بھی (یاد کرو کہ) جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو

رَبِّ لَا تَذَرْنِى فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ ٱلْوَٰرِثِينَ ﴿٨٩﴾

کہ اے میرے پروردگار، مجھے لاوارث نہ رکھیو ف۱۱۶ اور یوں سب سے اچھے (اور حقیقی) وارث تو آپ ہی ہیں،

فَٱسْتَجَبْنَا لَهُۥ وَوَهَبْنَا لَهُۥ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُۥ

سو ہم نے ان کی دعا بھی قبول کر لی، اور ان کو یحییٰ (جیسا بیٹا) بھی عطا کیا، اور ان کی خاطر ان کی

زَوْجَهُۥٓ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَ

بیوی کو بھی ہم نے اولاد کے قابل بنا دیا، بلاشبہ یہ (مذکورہ بالا) سب حضرات لپک لپک کر نیک کام کرتے تھے،

۱۱۴ **حضرت یونس نے بھی اللہ ہی کو پکارا:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے تہ در تہ اندھیروں کے اندر پکارا کہ [اے میرے رب] تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں قصور واروں میں سے ہوں۔ سو حضرات انبیاء و رسل کا مشکل کشا اور حاجت روا بھی اللہ ہی ہے۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرات انبیاء و رسل کا حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لیے حضرت یونس نے بھی تہ در تہ اندھیروں کے اندر اپنے رب ہی کو پکارا۔ رات کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ سو ان تہ در تہ اندھیروں کے اندر سے اٹھنے والی آواز کو سننا بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا کام اور اسی کی شان ہے۔ پس کس قدر غلط اور گمراہ کن عقیدہ ہے ان جاہلوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہماری نہیں سنتا جب تک کہ ہم کسی اور کا اس کے حضور وسیلہ نہ پکڑیں اور اس غلط نظریے کی بنا پر ایسے لوگ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بڑے ہی گمراہ ہیں وہ لوگ جو مشکلات میں اللہ کی بجائے اوروں کو پکارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ حضرات انبیاء و رسل بھی اپنی حاجات اور مشکلات میں اسی وحدہٗ لاشریک کو پکارتے ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کہ سب کا حاجت روا و مشکل کشا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں اور براہِ راست اسی کو پکارتے ہیں۔ اور اسی کا درس ہر مومن کو دیا گیا ہے۔ اور

وہ اپنی ہر نماز میں -﴿ایاک نعبد وایاک نستعین﴾- کے کلمات کریمہ سے براہِ راست اس کے حضور اپنی عرض والتجاء پیش کرتا ہے تو پھر بیچ میں یہ وسیلے اور واسطے کہاں سے آ گئے؟ -اللہ تعالیٰ فکر وعمل ہر اعتبار سے راہِ حق وہدایت پر رکھے- آمین ثم آمین۔

۱۱۵ ایمان والوں کے لیے نجات کی خوشخبری: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔ پس ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ شدائد ومصائب اور مشکلات ومضائق میں ہمیشہ ہماری ہی طرف رجوع کریں اور ہم ہی کو پکاریں تا کہ وہ گوہرِ مقصود سے فیضیاب وشادکام ہو سکیں کہ مشکلات سے بچانا اور مضائق میں مدد کرنا ہمارا ہی کام اور ہماری ہی شان ہے۔ اور ہم نے جس طرح حضرتِ یونس کو ان تہ در تہ اندھیروں سے نکالا اور وہاں ان کی مدد فرمائی اسی طرح جو بھی مسلمان صدقِ دل سے ہماری طرف رجوع کرے گا ہم اس کو اس طرح اپنی نصرت وامداد اور نجات سے نوازیں گے اور مختلف احادیث وروایات میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو بھی کوئی مصیبت زدہ اپنی مصیبت میں حضرتِ یونس کی یہ دعا پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس سے اسکی اس مصیبت کو دور فرما دے گا -سبحانہ، وتعالیٰ- سو اس میں پیغمبر اور آپ کے صحابہ کرام کے لیے اور ان کے توسط سے جملہ اہلِ حق کے تسلیہ وتسکین کا سامان ہے کہ وہ ہمیشہ اطمینان رکھیں۔ حالات خواہ کتنے ہی تاریک اور کیسے ہی مایوس کن کیوں نہ ہوں۔ دل برداشتہ نہیں ہونا اور حوصلہ نہیں چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری فریادوں کو سنتا جانتا ہے۔ وہ اپنے ایماندار بندوں کو اسی طرح نجات دیتا ہے جس طرح کہ اس نے یونس کو نجات دی۔ سو ایک دن ایسا آئے گا اور ضرور آئے گا جس میں وہ تمام تاریکیاں چھٹ جائیں گے جن میں آج تم لوگ گھرے ہوئے ہو۔ اور حق کا بول بالا ہو کر رہے گا - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ وہو العزیز الوہاب- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق، اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین

۱۱۶ حضرتِ زکریا کی اپنے رب سے اولاد کی دعا: -سو آپ نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ ''مالک مجھے لاوارث نہیں رکھنا'' پس مجھے صالح اور پاکیزہ اولاد عطا فرما کہ اولاد کی نعمت سے نوازنا بھی تیرا ہی کام اور تیری ہی شان ہے۔ اور جب حضراتِ انبیائے کرام -علیہم الصلوٰۃ والسلام- بھی اسی کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں اور وہ بھی اپنے لیے اولاد کی نعمت اسی وحدہٗ لاشریک سے مانگتے اور اسی کے حضور دستِ دعا وسوال دراز کرتے ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو کسی کا حاجت روا ومشکل کشا ہو سکے؟ اور اس کو اولاد کی نعمت سے سرفراز کر سکے؟۔ سو کتنے گمراہ اور کس قدر بہکے بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اس قادرِ مطلق، مالکِ حقیقی کو چھوڑ کر جو کہ سب کا حاجت روا ومشکل کشا اور کارساز وکارفرما ہے دوسرے خودساختہ اور فرضی ووہمی سہاروں کو ڈھونڈتے، من گھڑت سرکاروں کے گرد چکر لگاتے اور ان کے پھیرے مانتے ہیں۔ اور ان سے اولاد وغیرہ مانگتے ہیں۔ اور اس طرح وہ جگہ جگہ اور طرح طرح سے ذلیل وخوار ہوتے ہیں؟ اور طرح طرح کی شرکیات سے آلودہ ہوتے اور اپنی متاعِ ایمان کو بھی خطرے میں ڈال دیتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم -سو اولاد کی نعمت سے نوازنا اور ہر کسی کی اور ہر طرح کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا اسی وحدہٗ لاشریک کی صفت وشان ہے۔ سب اسی کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں یہاں تک کہ حضراتِ انبیاء ورسل کی مقدس ہستیاں بھی -علیہم الصلوٰۃ والسلام- اس لیے ہمیشہ اسی سے مانگنا اور اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے- وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید، وہو الہادی الی سواءِ السبیل۔

یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰

اور یہ سب ہم ہی کو پکارا کرتے تھے، رغبت اور خوف کے ساتھ، اور یہ سب ۱۱۷ ہمارے حضور ہی جھکے رہتے تھے (صدق واخلاص کے ساتھ،)

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

اور (انفرادی شان رکھنے والی) اس (پاک دامن) خاتون کو بھی (یاد کرو) جس نے محفوظ رکھا تھا اپنی عصمت (وناموس) کو، پھر ہم نے

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۱ اِنَّ هٰذِهٖٓ

اس کے اندر (بواسطہ جبریل) پھونک ماردی اپنی روح سے ۱۱۸ اور ہم نے بنادیا اس کو اور اس کے بیٹے کو ایک عظیم الشان نشانی سب دنیا

۱۱۷ حضرات انبیاء و رسل ہر حال میں اللہ ہی کو پکارا کرتے تھے:- سوارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب حضرات امید و بیم کے ہر حال میں ہم ہی کو پکارا کرتے تھے اور ہمارے ہی آگے جھکے رہتے تھے۔ پس صحت اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ انسان ان قدسی صفت انسانوں یعنی حضرات انبیائے کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہمیشہ اور ہر حال میں ایک اللہ ہی کو پکارے اور اسی سے آس وامید رکھے۔ اور اسی کے حضور دستِ دعا وسوال دراز کرے اور اپنی ہر ضرورت وحاجت اسی سے مانگے۔ اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے کہ سب کا حاجت روا و مشکل کشا اور داتا و مددگار وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو اس ساری کائنات کا تنہا خالق و مالک ہے۔ اور جو کہ ہر شریک اور ہر قسم کے شائبہ شرک سے پاک اور بالا ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- سو سب کچھ اسی کے اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کے قدرت واختیار میں ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- پس ہمیشہ اسی کی طرف رجوع رہنا چاہئے۔

۱۱۸ حضرتِ مریم بتول کا ذکر جمیل:- سوارشاد فرمایا گیا کہ اس پاک دامن خاتون کا بھی ذکر کرو جس نے اپنی عصمت و ناموس کو محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اس کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے ان کو بغیر کسی مرد کے چھوئے حمل قرار پا گیا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ جیسے پاکیزہ بچے نے معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ان کے بطن سے جنم لیا تھا۔ سو حضرتِ عیسیٰ ایک پاکیزہ انسان تھے جو ایک پاکیزہ والدہ ماجدہ کے بطن سے بغیر والد کے واسطے کے محض حضرتِ حق- جل مجدہٗ- کی خاص قدرت وعنایت سے پیدا ہوئے تھے۔ پس جن یہودِ بے بہبود نے آنجناب کے نسبِ طاہر میں طعن کا ارتکاب کیا انہوں نے کفر کو اپنا کر اپنے لیے جہنم کا سامان کیا- والعیاذ باللہ- اور اسکے برعکس جن نصاریٰ نے آپ کی اس معجزانہ ولادت کی بنا پر آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا انہوں نے بھی کفر وشرک کا ارتکاب کر کے اپنے لیے جہنم کا سامان کیا۔ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ عیسیٰ خدا تعالیٰ کے پاکیزہ بندے اور اس کے سچے رسول تھے۔ سو نفخ روح سے یہاں پر مراد یہ ہے کہ اللہ پاک کے کلمہ کن کے ذریعے ان کے اندر ایک مولود کی روح ڈال دی گئی۔ حضرتِ عیسیٰ کا استقرار چونکہ آپ کی والدہ ماجدہ کے بطنِ طاہر میں عالمِ اسباب کے عام اور معروف ضابطے کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے ہوا تھا۔ اس لیے اس بات کو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ڈالی ہوئی روح سے تعبیر فرمایا۔ اسی بنا پر حضرتِ عیسیٰ کو کلمۃ اللہ "فرمانِ الٰہی" کہا جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم الشان نشانی قرار دیا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو ایک عظیم الشان نشانی بنا دیا سب جہان والوں کے لیے۔ یعنی ان کی عبرت پذیری اور سبق آموزی کیلئے۔

اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾

والوں کے لئے ف۱۱۹ بے شک یہ امت ہے تم سب کی ایک ہی امت ف۱۲۰ اور میں رب ہوں تم سب کا ف۱۲۱ پس تم سب لوگ میری ہی بندگی کرو ف۱۲۲

۱۱۹ حضرتِ عیسیٰ اور مریم قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے ان دونوں کو عظیم الشان نشانی بنا دیا دنیا جہاں والوں کیلئے'' کہ اسباب کی اس دنیا میں بھی ہم اسباب کے بغیر بھی اپنی قدرتِ کاملہ سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ جس کا ایک زندۂ جاوید نمونہ یہ ہے کہ حضرتِ مریم قدیسہ کے بطن سے باپ کے توسط کے بغیر اور ظاہری اور عمومی سبب کے بدوں حضرتِ عیسیٰ جیسی مقدس ہستی نے جنم لیا۔ سو وہ قادرِ مطلق جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ اس کے لیے نہ کچھ مشکل ہے اور نہ کوئی دقت و دشواری - سبحانہ وتعالیٰ - واضح رہے کہ یہاں پر یہ نہیں فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ کو الگ نشانی بنایا گیا اور حضرتِ مریم کو الگ۔ اور نہ ہی یہ فرمایا گیا کہ ان دونوں کو دو نشانیاں بنایا گیا بلکہ یہ فرمایا گیا کہ ان دونوں کو ایک نشانی بنایا گیا۔ یعنی وہ دونوں مل کر ایک عظیم الشان نشانی قرار پاتے ہیں۔ سو اسکی صورت یہی ہے کہ حضرتِ مریم بغیر کسی مرد کے چھونے کے قدرتِ خداوندی سے حاملہ ہوگئیں اور حضرتِ عیسیٰ بغیر باپ کے توسط کے پیدا ہوئے اور پھر معجزانہ کلام بھی فرمایا۔

۱۲۰ لفظ ''امت'' کا معنیٰ ومفہوم اور حضراتِ انبیاء کے ایک امت ہونے کا مطلب؟: - سو ارشاد فرمایا گیا اور تاکید کے ساتھ فرمایا گیا کہ ''بے شک - ان حضرات کی - یہ امت جس کا ذکر ہوا ایک ہی امت ہے''۔ ''امت'' اُس جماعت اور گروہ کو بھی کہا جاتا ہے جو ایک ہی عقیدہ و دین رکھتے ہوں۔ جیسا کہ سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ - (الاعراف:۱۸۱)۔ یا جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا - ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ - الأية (آلِ عمران:۱۰۴) اسی طرح ''امت'' کے اس لفظ کا اطلاق اس گروہ کے مقتدا و پیشوا پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرتِ ابراہیم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا - ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ﴾ الأية (النحل:۱۲۰)۔ اسی طرح ''امت'' کے لفظ کا اطلاق اس طریقہ و دین پر بھی آتا ہے جس پر ایسے لوگ چلتے ہوں جیسا کہ سورۂ زخرف میں فرمایا گیا - ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾ - الأية (الزخرف:۲۲) یا جیسا کہ سورۂ مؤمنون میں ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾ (المؤمنون:۵۲) نیز ''امت'' کا لفظ مدت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ جیسے سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ﴾ - الأية (ہود:۸) یا جیسے سورۂ یوسف میں فرمایا گیا - ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ - (یوسف:۴۵) اور یہاں پر یعنی سورۂ انبیاء کی اس آیتِ کریمہ میں ''امت'' سے مراد جمہور اہلِ علم کے نزدیک طریقہ اور ملت ہی کے معنیٰ ہیں۔ یعنی ان تمام حضرات انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کا جن کا ذکر اوپر آیا ہے سب کا طریقہ ایک ہی طریقہ تھا۔ اور ان سب کی ملت ایک ہی ملت تھی۔ یعنی توحید خداوندی۔ اور یہ تمام حضرات اسی ایک طریقے پر قائم تھے کہ حق اور ہدایت کا طریقہ ہمیشہ یہی ایک طریقہ رہا ہے کہ عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ کہ معبودِ برحق بہرکیف وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اسی لیے فرمایا گیا - ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ - (آلِ عمران:۱۹)۔ یعنی دین تو اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اسلام ہی ہے۔ (روح، ابنِ کثیر، قرطبی، مراغی اور محاسن وغیرہ)۔ پس جن لوگوں نے یہودیت اور عیسائیت وغیرہ کے مختلف ناموں سے جو مختلف

دین بنا لیے وہ ان سب کی اپنی کارستانی اور دینِ حق سے بغاوت وسرکشی اور انحراف ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر ثابت قدم رکھے اور زیغ وضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۲۱ تمام انبیاء ورسل کا دین ایک ہی دین تھا: ۔ یعنی اسلام جس کے معنیٰ اللہ کے آگے جھکنے اور اسی کے ہوکر رہنے کے ہیں۔ سوارشاد فرمایا گیا اور دین تم سب لوگوں کا ایک ہی دین ہے جس میں نہ کوئی تعدد ہے نہ اختلاف۔ اصول سب کے ایک ہی ہیں اور جو کچھ فرق ہوتا ہے وہ ان فروع میں ہوتا ہے جن کا تعلق خاص حالات اور خاص ازمنہ واوقات سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾۔ الآیۃ (المائدۃ: ۴۸)۔ اور ﴿امۃ﴾ کا نصب یہاں پر حالیت کی بنا پر ہے۔ (ابن کثیر، جامع البیان وغیرہ)۔ سو دین تم سب لوگوں کا ایک ہی دین ہے جس کی اصل واساس توحیدِ خداوندی ہے کہ معبودِ برحق تم سب کا ایک ہی معبود ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ پس تم سب اسی کی بندگی کرو اور ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کے آگے جھکو اور دل وجان سے جھکو کہ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ یہی تمہاری شانِ عبدیت کے لائق اور اس معبودِ حقیقی کا حق ہے جو تم سب پر اسکی مخلوق اور اس کے بندے ہونے کے اعتبار سے عائد اور واجب ہوتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف یہاں پر جملہ انبیاء و رسل کے ذکر کے بعد اب آخر میں خلاصہ بحث کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان تمام حضرات کی دعوت ایک ہی دعوت تھی۔ یہ سب ایک ہی امت ہیں اور میں تم سب کا رب ہوں۔ پس اگر کسی نے ان انبیاء ورسل کے درمیان کسی طرح کی کوئی تفریق کی اور ان کے پیش فرمودہ دین کے اندر کسی طرح کی کسی تحریف یا آمیزش وملاوٹ کا ارتکاب کیا تو اس کی ذمہ داری خود اسی پر ہوگی۔ ان حضراتِ انبیاء ورسل کا دامن اس سے پاک ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین

۱۲۲ عبادت وبندگی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے: ۔ کہ معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "میں رب ہوں تم سب لوگوں کا"۔ پس تم سب لوگ میری ہی بندگی کرو اور میرے ساتھ کسی کو بھی، کسی بھی طور پر حقِ عبادت وبندگی میں شریک نہیں ٹھہرانا۔ نہ لکڑی پتھر وغیرہ کے کسی بت کو اور نہ کسی زندہ یا مردہ انسان کو اور نہ کسی فرشتے یا پیغمبر کو۔ (المراغی، المحاسن، الروح وغیرہ)۔ سو عبادت وبندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ اور اس کے سوا اور کسی کے لیے بھی عبادت وبندگی کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجالانا شرک ہے جو کہ ناقابلِ معافی جرم اور ظلمِ عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ لیکن افسوس کہ ظالم انسان نے اس ظلمِ عظیم کا ارتکاب ہمیشہ کیا اور طرح طرح سے کیا۔ پہلے بھی کیا اور اب بھی کر رہا ہے۔ اور کھلے مشرکوں کے علاوہ کلمہ گو مشرک بھی اس کا ارتکاب جگہ جگہ اور طرح طرح سے کر رہا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ چنانچہ جگہ جگہ غیر اللہ کے لیے سجدے ہو رہے ہیں۔ خود ساختہ اور من گھڑت سرکاریں گھڑی اور کھڑی کی جا رہی ہیں۔ انکے گرد چکر لگائے جا رہے ہیں۔ طواف کیے جا رہے ہیں۔ پھیرے مانے جا رہے ہیں۔ ان کے نام کی ڈالیاں مانی اور پیش کی جا رہی ہیں اور ان کو غائبانہ طور پر حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے پکارا بلایا جاتا ہے اور ان سے استعانت واستمداد اور استغاثہ کے شرک کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ ﴿فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ شرک کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

ع ۶ ۱۸ ۶

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۹۳ ع

مگر (اس ٹھوس حقیقت کے برعکس) لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا آپس میں اپنے دین کو ۱۲۳ (اور وہ اپنے کیئے کا بدلہ پا کر رہیں گے

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ

کیونکہ) سب نے بہر حال لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے ۱۲۴ پس جو کوئی نیک کام کرتا رہے گا جبکہ وہ مومن بھی ہوگا ۱۲۵ تو اس کی محنت کی

لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۹۴ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ

کوئی ناقدری نہ ہوگی ۱۲۶ اور ہم یقینی طور پر اس کے لئے لکھتے جا رہے ہیں ۱۲۷ اور جس کسی بستی (والوں) کو بھی ہم فنا کے گھاٹ اتار دیں ان

۱۲۳ خداوندِ قدوس کے دین میں تفریق کا شکوہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سب کے باوجود لوگوں نے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنے دین کو- والعیاذ باللہ- اور اپنی اپنی اَہواء و اَغراض کے مطابق انہوں نے دین کے نام سے طرح طرح کے طریقے ایجاد کر لیے- والعیاذ باللہ العظیم- اور اس بنیادی حقیقت کو انہوں نے پسِ پشت ڈال دیا کہ دین سب لوگوں کا ایک ہی دین تھا جو کہ توحیدِ خداوندی کی اساس پر قائم و استوار ہے۔ اور اس بنیادی حقیقت کو بھلا کر اور اس کو پسِ پشت ڈال کر انہوں نے اپنی اَہواء و اَغراض کے مطابق دینِ فطرت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر گروہ اپنی مرضی کے ٹکڑے لے کر چل پڑا اور اُسی پر مست و مگن ہو گیا۔ اور اس طرح وہ دارین کی ہلاکت و تباہی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ اور وہ اپنے اختیار کردہ اور من پسند دین کی حمایت میں حضراتِ انبیائے کرام کے لائے ہوئے اس دینِ حق کی مخالفت کر رہا ہے جس کو اب قرآنِ حکیم اور خدا کے آخری رسول اپنی اصل اور کامل شکل میں دنیا کے سامنے "اسلام" ہی کے اس اصل نام سے پیش فرما رہے ہیں اور ایسے بگڑے ہوئے لوگ اس دینِ حق کے خلاف طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے- اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۴ خدا کے دین میں تفریق کرنے والوں کے لیے تنبیہ و تذکیر: - کہ ان کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب نے بالآخر ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا تا کہ وہاں پہنچ کر ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ پا سکے۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہو سکیں۔ سو اہلِ حق اور اصحابِ صدق و صفا تو خوشی خوشی آئیں گے تا کہ وہ جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہو سکیں اور اہلِ زیغ و ضلال کو مجبوری اور لاچاری سے آنا پڑے گا تا کہ وہ اپنے کفر و باطل کے نتیجے میں دوزخ کے ہولناک عذاب کا مزہ چکھ سکیں- والعیاذ باللہ- پس ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ لے اور اپنا جائزہ خود لے لے کہ وہ کس راہ پر چل رہا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ کیسے انجام اور کس نتیجے کا مستحق ہے۔ اور اپنے بارے میں غور کر کے اپنی اصلاح کر لے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ نہیں تو وہ اپنے اس ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائے- والعیاذ باللہ العظیم- بہر کیف اس ارشاد میں جہاں ایک طرف حضرتِ امام الانبیاء- صلی اللہ علیہ وسلم- اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کے ہر داعیِ حق کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ آپ ان منکرین و مخالفین کی پرواہ نہ

کریں کہ انہوں نے بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے جہاں انہوں نے اپنے کیے کرائے کا پورا پورا بھگتان بہر حال بھگتنا ہے وہیں اس میں دوسری طرف منکرین ومخالفین کے لیے تنبیہ وتذکیر بھی ہے کہ وہ باز آجائیں اپنی اس باغیانہ روش سے ورنہ اپنے ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں۔ جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ اور جس کی تلافی بھی پھر ممکن ہو گی۔ والعیاذ باللہ العظیم

۱۲۵ **ایمان باللہ قبولیت عند اللہ کے لیے اولین شرط:** ۔سو ایمان کے بغیر کسی کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں۔ کیونکہ ایمان وعقیدہ بنیادی شرط ہے اعمال کی قبولیت کے لیے۔ اس کے بغیر کسی بھی عمل کی اللہ پاک کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اس کی مثال یوں سمجھی جائے کہ جس طرح اکیلے صفر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوسکتی خواہ وہ کتنے ہی صفر کیوں نہ ہوں لیکن جب ان کے ساتھ کوئی ہندسہ لگ جائے تو وہ سب ہی صفر قیمتی بن جاتے ہیں۔ سو ایسے ہی ایمان و عقیدے کے بغیر کسی بھی عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں لیکن ایمان وعقیدہ کے بعد سب ہی اعمال قیمتی بن جائیں گے۔ سبحان اللہ۔ کیسی عظیم الشان دولت ہے یہ ایمان ویقین کی دولت جس سے انسان کا ہر عمل قیمتی، قابلِ قبول اور لائقِ اجر وثواب بن جاتا ہے۔ جبکہ اس کے بغیر کسی بھی عمل کی کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ سو دولتِ ایمان ویقین سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی ہے اور اس سے محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ دنیا وآخرت کی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۶ **کسی کی محنت کی ناقدری نہیں ہوگی:** ۔اور ناقدری اور ظلم وزیادتی اور حق تلفی کے کیا معنی وہاں تو کرم ہی کرم اور عنایت ہی عنایت ہے۔ اور بندے کو تو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے اسکے استحقاق سے بھی کہیں زیادہ اور اس کے اندازہ وگمان سے بھی کہیں بڑھ کر دیا جاتا ہے اور دیا جائے گا۔ ایک ایک عمل کا بدلہ دس دس گنا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ دیا جائے گا کہ یہ صلہ وبدلہ اس وہاب مطلق کی طرف سے ہوگا جس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ اور اس اکرم الاکرمین۔ جل جلالہٗ۔ کے فضل و کرم کا کوئی کنارہ نہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس کا اپنا ارشاد ہے۔ ﴿ ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴾۔ (النجم:۴۱)۔ پس بندے کا کام ہے کہ اس پر ایمان ویقین کے ساتھ اسکے بھروسہ واعتماد پر اور اسی کی رضا وخوشنودی کے لیے کام کیے جائے اور لگا تار کیے جائے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے نورِ ایمان سے سرفرازی کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی پونجی جمع کی ہوگی اس کی خداوندِ قدوس کے یہاں ناقدری نہیں ہوگی۔ بلکہ اسکی پوری پوری قدردانی کی جائے گی اور اس کو اسکے اس اجر وثواب سے نوازا جائے گا جس کا وہ مستحق ہوگا اور جو اس کے صدق واخلاص کے لائق ہوگا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۱۲۷ **انسان کے اعمال لکھے جارہے ہیں:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم یقینی طور پر اس کے لیے لکھتے جارہے ہیں تاکہ اس کے کیے کرائے کا پورا ریکارڈ موجود ومحفوظ ہو اور تاکہ اس طرح وہ اپنے کیے کرائے کا پورا صلہ وبدلہ پاسکے۔ اور اس کا کوئی عمل بدلہ دینے سے رہ نہ جائے۔ پس تم لوگ تو اپنے کیے کرائے کو بھول سکتے ہو اور بھول جاتے ہو مگر تمہارا رب نہ بھولتا ہے نہ تمہارے کسی عمل کو ضائع ہونے دیتا ہے۔ اور اس کا صاف وصریح ارشاد ہے۔ ﴿ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ﴾۔ الآیۃ (المجادلۃ:۶)۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ یعنی یہ لوگ تو اپنے کیے کرائے کو بھول چکے ہونگے مگر اس نے اس سب کو محفوظ رکھا ہوگا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہر کیف اس ارشاد سے تصریح فرمادی گئی کہ جو لوگ نیک عمل کریں گے بشرطیکہ وہ ایمان رکھتے ہوں اور توحید پر قائم ہوں تو ان کی سعی و کوشش رائیگاں نہیں جائیگی بلکہ ان کو ان کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ وبدلہ ملے گا۔ ان کے ایک ایک عمل اور ایک ایک نیکی کو ہم لکھتے اور محفوظ کرتے جارہے ہیں۔ پس ان کو اس بات کا کوئی خدشہ اور اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا کوئی عمل ضائع ہو جائے گا۔

اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ

کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ پھر لوٹ کر آئیں ۱۲۸ یہاں تک کہ جب (وہ وقتِ موعود آپہنچے جس کا ابتدائی سامان یہ ہوگا کہ) یاجوج ماجوج

يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾

کھول دیئے جائیں گے، اور وہ (اپنی خوفناک کثرت کے سبب) ہر بلندی سے امڈے چلے آرہے ہوں گے ۱۲۹ اور (اپنے رب کی

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ

طرف لوٹنے کا) وہ سچا وعدہ نزدیک آن پہنچے گا (جس کا ذکر ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے) ۱۳۰ پھر یکایک یہ حالت ہو جائے گی کہ ان لوگوں

اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ

کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، جو اڑے رہے تھے اپنے کفر (و باطل) پر ۱۳۱ (اور وہ یوں پکار رہے ہوں گے کہ) ہائے ہماری کم بختی

غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾ اِنَّكُمْ وَمَا

ہم تو اس (ہولناک دن) سے بالکل غفلت میں رہے ۱۳۲ بلکہ ہم تو خود ہی (اپنی جانوں پر) ستم ڈھانے والے تھے ۱۳۳ بلاشبہ تم بھی اور

۱۲۸ کسی تباہ ہونے والی بستی کے لیے واپس لوٹنا ممکن نہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کسی بستی کو ہم ہلاک کر دیں ان کے لیے پھر واپس لوٹنا ممکن نہیں اور ایمان وعملِ صالح کے ذریعے تلافی مافات کر سکیں۔ جیسا کہ سورۂ یٰس میں فرمایا گیا۔ ﴿ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾۔ (یٰس:۳۱) نیز فرمایا گیا۔ ﴿ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾۔ (یٰس:۵۰) سو آج جو فرصتِ عمل حیاتِ دنیا کی صورت میں تمہیں ملی ہوئی ہے اے لوگو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر اپنی آخرت کی کمائی کے لیے جس قدر کوشش ممکن ہو سکے کر لو کہ یہ موقعہ ہاتھ سے نکلنے کے بعد پھر کبھی اور کسی صورت میں دوبارہ ملنے والا نہیں۔ اور دوسرا مطلب آیتِ کریمہ کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس قوم کی بغاوت وسرکشی اور عصیانی وطغیانی کی وجہ سے ہم اس کی ہلاکت کا فیصلہ کر لیں تو پھر وہ کبھی راہِ حق وصواب کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ یعنی ﴿اهلکنا﴾ یہاں پر "اردنا الھلاک" کے معنی میں ہے۔ سو اس صورت میں یہ ارشاد منکروں کے لیے کھلا درس اور واضح تنبیہ ہے کہ حضرتِ حق۔ جل مجدہ۔ کی بغاوت وسرکشی سے باز آجاؤ اور توبہ وانابت سے کام لے کر اس کی طرف لوٹ آؤ قبل اس سے کہ اس کی طرف سے تمہاری ہلاکت کا فیصلہ کر لیا جائے۔ حضراتِ علمائے کرام سے یہ دونوں معنی ومطلب مروی ومنقول ہیں اور آیتِ کریمہ میں ان دونوں کا احتمال موجود ہے۔ اور تیسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ جس قوم کو اللہ پاک ہلاک کر دیتا ہے پھر وہ کبھی اٹھ نہیں سکتی اور ان لوگوں کی نشاۃ ثانیہ پھر ممکن نہیں رہتی۔ والعیاذ باللہ۔ سبحان اللہ۔ کیسی شانِ کمال اور جامعیت ہے اس کتابِ حکیم کی کہ اسکے ایک ایک جملے میں ایسے ایسے عظیم الشان درس ہائے عبرت وبصیرت مرکوز ومستور ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر انقلاب آفریں ہے۔ فللّٰہ الحمد رب العالمین الذی شرفنا بھذا الکتاب العظیم

وبالایمان به وبالاشتغال بخدمته تعلما و تعليما- اللہ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس و شیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین- یارب العالمین، ویاارحم الراحمین، واکرم الاکرمین

۱۲۹ یاجوج ماجوج کے غلبہ وظہور کا ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ ایسے ہی رہیں گے یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج نکل پڑیں گے"- یعنی قیامت کے اس وقتِ موعود تک ایسے تباہ شدہ لوگ ایسے ہی رہیں گے- اور قیامت کی قریبی علامتوں میں سے ایک علامت یاجوج ماجوج کا خروج ہے جس کے بعد قیامت کا وقوع ایسے ہو جائے گا جیسا کہ وہ حمل دار مادہ جس کا وقت پورا ہو چکا ہو- اور کوئی پتہ نہیں کہ وہ کس وقت بچے کو جنم دے دے- كما روى ذالك عن ابن مسعود- (زادالمسیر)- والله المسئول لكل ما يحب ويرضاه جل وعلا- سو کسی قوم کی ہلاکت کے فیصلے کے بعد یا اسکے ہلاک ہو جانے کے بعد قیامت تک کسی کیلیے اس دنیا میں لوٹ آنا ممکن نہیں- (ابن کثیر، المراغی اور المعارف وغیرہ)- پس حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ مستعار کو غنیمت جان کر آخرت کے لیے تیاری کر لو- نیز یہاں پر اسکے ذکر سے یہ دکھلانا اور بتلانا مقصود ہے کہ جو لوگ آج قرآن پر ایمان لانے کے لیے مختلف قسم کی نشانیوں، فرمائشی معجزوں اور عذاب کے مشاہدے کا مطالبہ کر رہے ہیں یہ عناد اور ہٹ دھرمی پر آئے ہوئے ہیں- اس لیے ان کو منہ لگانے اور ان کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں- اس لیے انکے پیچھے لگ کر اپنا وقت ضائع مت کرو- یہ لوگ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر عقل وفطرت کے ان دلائل سے قائل اور رام ہونے والے نہیں جو قرآن ان کے سامنے پیش کر رہا ہے- بلکہ یہ اسی وقت ایمان لائیں گے جب قیامت ان کے سر پر آ کھڑی ہوگی مگر اس وقت کے اس ایمان سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ اس وقت ایمان لانا نہ لانا دونوں برابر ہونگے- والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ عناد اور ہٹ دھرمی کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۳۰ قیامت کے بارہ میں تنبیہ وتذکیر: - سو قیامت کے بارہ میں تنبیہ وتذکیر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور قریب آ پہنچا ہوگا وہ سچا وعدہ- اور جس کے لیے کفار ومنکرین جلدی کا مطالبہ کیا کرتے تھے کہ یاجوج وماجوج کا خروج اسکی سب سے بڑی علامت اور اہم نشانی ہوگا- اور اس کے بعد قیامت کبھی بھی اور کسی بھی وقت اچانک آ پہنچے گی- چنانچہ حضرتِ حذیفہ سے مروی ہے کہ خروجِ یاجوج ماجوج کے بعد ایک آدمی بچھڑا پالے گا مگر اس پر سواری کی نوبت نہیں آئے گی کہ قیامت قائم ہو جائے گی (المعارف، المراغی، المحاسن وغیرہ)- اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے اس وعدۂ حق کا وقت قریب آ لگا ہے یعنی جس وعدۂ قیامت کو یہ لوگ بہت دور کی چیز سمجھتے ہیں وہ کچھ دور نہیں بلکہ اسکے وقوع وظہور کا وقت بہت قریب آ چکا ہے- جیسا کہ سورۂ معارج میں ارشاد فرمایا گیا- ﴿اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا﴾- الآية- کہ "یہ لوگ تو اس کو بہت دور سمجھتے ہیں لیکن ہم اس کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں"- انسان چونکہ اپنے چھوٹے اور محدود پیمانے سے دیکھتا اور ناپتا سوچتا ہے اس لیے اس کو قیامت بہت دور لگتی ہے- حالانکہ خدائی دنوں کے اعتبار سے وہ بالکل سر پر کھڑی ہے جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں بھی فرمایا گیا ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید- سبحانہ، وتعالیٰ-

۱۳۱ قیامت کی ہولناکی کا ذکر- والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ان کافروں کی نگاہیں جنہوں نے داعیِ حق کی بات کو مان کر نہیں دیا تھا- اور انہوں نے اپنے اس کفر و باطل ہی کی حالت میں اپنی زندگی کی اس فرصتِ نایاب کو ضائع کر دیا ہوگا- اور انہوں نے حیاتِ دنیا کو اس مفروضے پر اور اس غلط فہمی کے ساتھ گزارا تھا کہ ہمیں یونہی بے کار و بے مقصد پیدا کیا گیا ہے اور ہماری کوئی پوچھ نہیں ہونی وغیرہ- والعياذ بالله من كل زيغ و ضلال ونساله ان

یاخذنا بنو اصینا الی الحق و الصواب - بہرکیف جن کفار و منکرین نے آخرت کا انکار کر کے اور اس سے منہ موڑ کر زندگی گزاری ہوگی اور اپنی فانی زندگی اور اس کی وقتی لذتوں اور فانی فائدوں ہی کو سب کچھ سمجھ کر زندگی گزاری ہوگی وہ اس روز بڑے ہی ہولناک اور ابدی خسارے میں پڑے ہونگے جس سے نکلنے اور بچنے کی پھر کوئی صورت ان کے لیے ممکن نہ ہوگی - والعیاذ باللہ العظیم - سو وہ دن چونکہ کافروں کے لیے بالکل اچانک آ دھمکے گا اور انسان جب کوئی ہولناک چیز اچانک دیکھتا ہے تو وہ ہکا بکا ہو کر رہ جاتا ہے - اس لیے کافروں کا اس روز یہ حال ہوگا - والعیاذ باللہ - سو کافروں کے لیے ان کے انکار اور محرومی کی بنا پر وہ دن بڑا ہی ہولناک ہوگا اور ان کی آنکھیں ٹکی کی ٹکی اور پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گے - سو یہ انتہائی خوف اور دہشت کی تصویر ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے ہر قسم کے ہول سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین

۱۳۲ کافروں کی انتہائی یاس و حسرت کا ذکر و بیان: - سو اس سے اُس روز کافروں کی انتہائی یاس و حسرت کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے - سو ارشاد فرمایا گیا کہ سو اس روز کافر لوگ انتہائی یاس و حسرت سے کہیں گے "ہائے ہماری کم بختی ہم تو اس سے بالکل غفلت میں پڑے تھے" - حضراتِ انبیائے و رسل اور ان کے متبعین کے سمجھانے پر بھی ہم نے کان نہ دھرا - یہاں تک کہ فرصتِ حیات ہمارے ہاتھ سے نکل گئی - نہ ہم نے کبھی اپنے انجام کے بارے میں سوچا اور نہ ہی آج کے اس ہولناک دن کے لیے کوئی فکر کی اور نہ اس کے لیے کسی طرح کی کوئی تیاری کی - سو اس وقت ایسے لوگ رہ رہ کر افسوس کریں گے مگر بے وقت کے اس افسوس سے ان لوگوں کو اس دن کے حسرت و یاس میں اضافے کے سوا اور کوئی فائدہ نہ ہوگا - والعیاذ باللہ الذی لا الہ غیرہ ولا رب سواہ - سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کو ان غیبی حقائق سے جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ پیشگی اس دنیا کی زندگی ہی میں خبردار کر دیا تاکہ جس نے اس ہولناک انجام سے بچنا ہو وہ بچ جائے - قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کو ہمیشہ ہمیش کے لیے پچھتانا پڑے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین

۱۳۳ راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا ظلم ہے - والعیاذُ باللہ: - سو اس روز کافر و منکر لوگ اپنے اس ظلم کا اقرار و اعتراف کریں گے اور بصد حسرت کہیں گے کہ نہیں بلکہ ہم تو خود ہی ظالم تھے کہ انبیاء و رسل اور اُن کے متبعین کے بار بار اور طرح طرح سے سمجھانے اور دعوت دینے کے باوجود ہم نے حق کو قبول نہ کیا اور آخرِ وقت تک اس سے منہ موڑے رہے - والعیاذ باللہ العظیم - اور ایسے ناصحین کی صدق و اخلاص بھری باتوں پر کان ہی نہ دھرا - یہاں تک کہ ہم اپنے اس ہولناک انجام سے دوچار ہو گئے - سو حق کا انکار کرنا اور اس سے منہ موڑنا خود اپنی جانوں پر ہی ظلم کرنا ہے کہ حق سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اور نورِ حق و ہدایت سے بہرہ مندی و سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی ہے - سو آج دنیا کے اس دار الامتحان میں غفلت کے ماروں کو یہ حقیقت سمجھ نہیں آ رہی جس سے وہ خواہشاتِ بطن و فرج کی تعمیل و تکمیل میں اندھے بہرے بن کر لگے ہوئے ہیں لیکن کل قیامت کے اس یومِ حساب میں جب حقائق اپنی اصل اور حقیقی شکل میں سامنے آ جائیں گے تو ان کی آنکھوں سے غفلت و لاپرواہی کے یہ دبیز پردے ہٹ جائیں گے - تب یہ چیخ اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہم اس بارے بڑی غفلت میں تھے - بلکہ ہم تو بڑے ظالم تھے - مگر بے وقت کے اس اقرار و اعتراف سے ان کو اس روز کوئی فائدہ نہیں ہوگا - سوائے انکی آتشِ یاس و حسرت میں اضافہ اور تیزی کے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین

نَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا

تمہارے وہ سب معبود بھی جن کی پوجا تم لوگ کرتے ہو، اللہ کے سوا سب کے سب ایندھن ہوں گے جہنم کی (دہکتی بھڑکتی آگ) کے تم سب کو

وٰرِدُوۡنَ ﴿۹۸﴾ لَوۡ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوۡهَا ؕ

بہر حال اس میں داخل ہونا ہوگا۔ ف۱۳۴ اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو وہاں کبھی نہ جاتے،

وَكُلٌّ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّهُمۡ

اور (بات صرف داخل ہونے ہی کی نہیں بلکہ) ان سب کو اس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا ف۱۳۵ ان کی وہاں چیخیں ہی چیخیں ہوں گی، اور وہاں

فِيۡهَا لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا

یہ لوگ کچھ سننے بھی نہ پائیں گے، ف۱۳۶ رہے وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ ف۱۳۷

الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ

پہلے ہی ہو چکا ہوگا، تو وہ یقینی طور پر اس سے دور رکھے جائیں گے، (اور اتنے دور کہ) وہ اس کی سرسراہٹ تک کو بھی

۱۳۴ معبودانِ باطلہ اور انکے پجاری دونوں جہنم میں۔ والعیاذ باللہ: سو ان مشرکوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ فرمایا گیا کہ بے شک تم بھی اے مشرکو اور تمہارے وہ معبود بھی جنکی پوجا تم لوگ اللہ کے سوا کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہونگے۔ تم سب کو اس میں ایک ساتھ جلنا ہوگا اور تمہیں تو اے کافرو اور مشرکو اس میں جلنا ہوگا اپنے اس کفر و انکار اور شرک و بغاوت اور حق اور اہلِ حق سے عناد و سرکشی کی بنا پر جس کو تم نے زندگی بھر اپنائے رکھا تھا۔ اور تمہارے خود ساختہ معبودوں کو دوزخ کی اس دہکتی آگ میں اس لیے ڈالا جائے گا تاکہ اس سے تمہارے غم و اندوہ اور حسرت و افسوس میں اور اضافہ ہو کہ جن کو تم اپنا معین و مددگار اور حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجا پکارا کرتے تھے وہ آج عاجزی و بے کسی کی تصویر بنے تمہارے ساتھ جل رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور وہاں تم دیکھو گے کہ جن خود ساختہ معبودوں کی تم لوگ زندگی بھر پوجا پاٹ کرتے رہے آج انہی کی وجہ سے تم دوزخ میں جل رہے ہو اور وہ بھی تمہارے ساتھ جل رہے ہیں اور تمہارے لیے آتشِ دوزخ کی تیزی اور شدت کا باعث بن رہے ہیں۔ سو اس سے ان بدبختوں کے اس عذاب کی شدت دو چند ہو جائے گی۔ والعیاذ باللہ۔

۱۳۵ کفار و مشرکین کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیش رہنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب کو اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ تمام کافروں اور مشرکوں کو بھی اور معبودانِ باطلہ اور ان کے عابدوں کو بھی۔ تاکہ ان کو اپنے ساتھ آگ میں پڑا دیکھ کر ان کے غم اور عذاب میں اور اضافہ ہوتا جائے کہ وہ جن کی شفاعت کی آس لگائے بیٹھے تھے اور یہ گھمنڈ رکھتے تھے کہ مشکل وقت میں ہمارے یہ خود ساختہ معبود ہمارے کام آئیں گے وہ آج ان کے ساتھ دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ

میں جل رہے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- وہ ان کے کیا کام آتے وہ الٹا خود ان کے ساتھ دوزخ کی آگ کا ایندھن بن کر اس آگ کو اور بھڑکا رہے ہیں اور ان کے عذاب میں اضافے کا باعث بن رہے ہیں۔ سو حیاتِ دنیا کی فرصتِ محدود کو انہوں نے چونکہ کفر و شرک اور الحاد و بے دینی کی ظلمتوں ہی میں گزار دیا ہوگا- والعیاذ باللہ- تو اب ان کے لیے کمائی اور تلافی مافات کا کوئی ذریعہ و وسیلہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس لیے اس روز ان سے کہا جائے گا کہ اب تم لوگ روؤ اور فریاد کرو یا صبر اور خاموشی اختیار کرو اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں۔ اب تم لوگوں نے بہرحال اور ہمیشہ کے لیے اسی میں رہنا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ دوزخی وہاں پر خود کہیں گے کہ برابر ہے کہ ہم جزع فزع اور چیخ و پکار کریں یا صبر و برداشت سے کام لیں۔ اب ہمارے لیے رہائی اور چھٹکارے کی بہرحال کوئی صورت نہیں- ﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ﴾- (ابراھیم:۲۱)- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا اکرم الاکرمین

۱۳۶ دوزخیوں کے حالِ بد کی منظر کشی- والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کی وہاں پر چیخیں ہی چیخیں ہوں گی وہاں کے ہولناک منظر کی سختی اور شدتِ ہول و خوف کی وجہ سے۔ (محاسن، مراغی وغیرہ)۔ نیز اس لیے کہ کبھی سننے سے بھی آدمی کو کسی قدر تخفیف اور راحت مل جاتی ہے۔ اس لیے ان کو اس سے بھی محروم کر دیا جائے گا۔ (قرطبی وغیرہ) اور ان کو اندھے، گونگے اور بہرے کر کے اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا- ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّ صُمًّا﴾- (بنی اسرائیل:۹۷)۔ سو اس طرح یہ لوگ دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ میں جلتے اور چیختے چلاتے رہیں گے- والعیاذ باللہ العظیم- سو دنیا میں انہوں نے اپنے آپ کو جو حق کے سننے دیکھنے اور اپنانے سے اندھا بہرا اور گونگا بنا رکھا تھا اسی کا نتیجہ ان کے سامنے اس ہولناک شکل میں آئے گا۔ سو دوزخی دوزخ میں اس ہولناک انجام سے دوچار ہونگے اور مدد کے لیے فریاد کریں گے مگر کوئی ان کی مدد اور فریاد رسی کرنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ مالکِ حقیقی سے انہوں نے منہ موڑے رکھا تھا اور جن کو وہ پوجتے پکارتے تھے انکے اندر اسکی کوئی اہلیت و صلاحیت ہوگی ہی نہیں- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۳۷ اچھے انجام والوں کے لیے عظیم الشان بشارت و خوشخبری:- سو ارشاد فرمایا گیا اور تاکید کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوگا ان کو اس- دوزخ- سے بہت دور رکھا گیا ہوگا۔ یعنی اس عظیم الشان حسنیٰ اور بھلائی کا کہ ان کے لیے ابدی سعادت اور دائمی کامیابی ہے ان کے صدق و اخلاص کی بنا پر جس کے نتیجے میں انجامِ کار یہ لوگ جنت کی اس بڑی حسنیٰ اور عظیم الشان بھلائی سے سرفراز ہوں گے جو تمام بھلائیوں اور سعادتوں کی جامع ہوگی- اللھم اجعلنا من اھلھا- سو ان کا معاملہ الگ ہوگا اور ان کو دوزخ کی اس آگ سے دور بہت دور رکھا جائے گا اور وہ اپنے رب کی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں ہونگے۔ کیونکہ ان کی اگر بعد کے لوگوں نے پوجا کی ہوگی تو ان حضرات کا اس میں کوئی قصور نہیں ہوگا بلکہ ایسا ان لوگوں نے انکی مرضی کے بغیر اور انکی ہدایات و تعلیمات کے خلاف کیا ہوگا۔ اور اس اچھے انجام کا ذکر اوپر آیت نمبر ۹۴ میں فرما دیا گیا ہے کہ یہ وہی خوش نصیب لوگ ہوں گے جو ایمان لائے ہونگے اور اعمالِ صالحہ "نیک عمل" بھی کیے ہونگے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید- سبحانہ، وتعالیٰ- اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

حَسِيْسَهَا ج وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ

نہ سنیں گے، اور وہ لوگ ہمیشہ اپنی من بھاتی نعمتوں میں (سدا خوش

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ ج لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ

وخرم) رہیں گے اور ان کو (قیامت کی) اس بڑی گھبراہٹ سے بھی کوئی پریشانی لاحق نہ ہوگی، و۱۳۸ فرشتے (جنت کے دروازوں پر)

الْمَلٰٓئِكَةُ ط هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

آگے بڑھ بڑھ کر ان کا استقبال کر رہے ہوں گے، (اور ان سے کہہ رہے ہوں گے کہ) یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا و۱۳۹

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا

(اور وہ دن بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ کر رکھ دیں گے، جس طرح لکھے ہوئے مضامین کا کاغذ

بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَا ط اِنَّا

لپیٹ دیا جاتا ہے و۱۴۰ جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کرنے کی ابتداء کی تھی و۱۴۱ (اس طرح بغیر کسی دقت و دشواری کے) ہم اس کو دوبارہ بھی

۱۳۸ <u>اہل ایمان کے لیے فزعِ اکبر سے حفاظت کی بشارت</u>:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو اس فزعِ اکبر سے کوئی گھبراہٹ لاحق نہیں ہوگی جو وہاں سب پر چھائی ہوگی اور جو سب گھبراہٹوں سے بڑی گھبراہٹ ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ ۔ (النمل: ۸۷)۔ سو نفخِ صور کی اس ہولناک آواز سے آسمان و زمین کے سب لوگ خوف میں مبتلا ہونگے لیکن اللہ تعالیٰ کے ایسے پاکیزہ بندے اس سے محفوظ ہونگے۔ (المعارف، المراغی وغیرہ)۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ نفخِ صور کے بعد جب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے حساب کتاب کے لیے میدانِ حشر کی طرف چلیں گے تو ان کو اس فزعِ اکبر یعنی سب سے بڑی گھبراہٹ سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی بلکہ وہ امن و امان اور سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہونگے۔ جعلنا اللہ منہم۔ سو ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ والحمدللہ۔

۱۳۹ <u>مؤمنین صادقین کے لیے فرشتوں کے استقبال کی خوشخبری</u>:۔ سو فرشتوں کی طرف سے ایسے پاکیزہ بندوں کے لیے خوشخبری ہوگی دنیا میں حضراتِ انبیاء و رسل کے ذریعے۔ سو آج کے دن کی یہ عظیم الشان اور سب کامیابیوں سے بڑھ کر کامیابی تمہیں مبارک ہو۔ جعلنا اللہ منہم۔ آمین۔ بہر کیف فرشتے آگے بڑھ بڑھ کر ان نیک اور پاکیزہ بندوں کو یہ خوشخبری سنا رہے ہونگے کہ یہ ہے آپ لوگوں کا وہ عظیم الشان دن جس کا دنیا میں تم سے حضراتِ انبیائے کرام کے ذریعے وعدہ کیا جاتا تھا۔ سو وہ دن آج پہنچ گیا۔ اور آج تمہارے لیے کامیابی و انعام و اکرام کی خوشخبری ہے۔ سو فرشتوں کی نوری مخلوق "اھلا و سھلا و مرحبا" کے ترحیبی نعروں سے ان کا استقبال کرے گی کہ آپ لوگوں کو ابدی کامرانی اور دائمی بادشاہی سے

سرفرازی کی یہ سعادت مبارک ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے تم سے دنیا میں کیا جاتا تھا۔ سو یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی۔ ﴿وَذَالِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ - اور اسی کے لیے مسابقہ اور منافسہ کرنا چاہیے نہ کہ دنیائے دوں کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کے لیے۔ ﴿وَفِیْ ذَالِکَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ - اور یہی تقاضا ہے عقلِ سلیم اور طبعِ مستقیم کا - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید - سبحانہ، وتعالیٰ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۰ **جس دن آسمان کی بساط کو لپیٹ دیا جائے گا:** - سو قیامت کی ہولناکی کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ جس دن کہ آسمان کو لکھے ہوئے کاغذ کی طرح لپیٹ دیا جائے گا۔ سو اس سے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی عظمتِ شان کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اور اسی مضمون سے متعلق دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ - (الزمر: ٦٧) سو کتنے ظالم اور کس قدر بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ - سبحانہ، وتعالیٰ - کے ساتھ اس کی عاجز مخلوق کو شریک ٹھہراتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز آسمان کی بساط کو اس کے کواکب وغیرہ سمیت ایسے لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا جس طرح کہ طومار کو اپنے مضامین کے ساتھ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اور اس کے بدلے میں دوسرا آسمان لے آیا جائے گا (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ اور اس طرح ایک نیا جہاں آباد کیا جائے گا جو نئے نوامیس و قوانین کے ساتھ قائم ہوگا۔ جہاں بقاء ہوگی فنا نہیں ہوگی۔ وہ بدلہ اور جزا کا جہاں ہوگا عمل و آزمائش کا نہیں۔ جہاں کی جزا و سزا ہمیشہ کی ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ اس روز زمین و آسمان کی اس تمام بساط کو تبدیل کر دیا جائے گا اور سب لوگ خدائے واحد و قہار کے حضور پیش ہونگے۔ (ابراہیم: ۴۸)۔ واضح رہے کہ "سجل" اس "دفتر"، "طومار" یا "فائل" کو کہا جاتا ہے جس میں لکھے ہوئے اوراق و مضامین کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ سو ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ جس دن ہم اس پھیلے ہوئے آسمان کو اس طرح لپیٹ کر رکھ دیں گے جس طرح طومار میں کاغذات کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اور ایک نیا جہان سامنے لے آئیں گے۔

۱۲۱ **ایک نئے جہان کی تخلیق و تکوین:** - سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ اس روز اس آسمان کی بساط کو لپیٹ کر ایک نئے جہان کو پیدا کیا جائے گا جس طرح کہ ہم نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا بغیر کسی اصل و مادہ اور بدون کسی نمونہ و مثال کے۔ محض اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے۔ اور بغیر کسی شریک و سہیم کے۔ تو پھر ایسے وحدہٗ لاشریک قادرِ مطلق کا کوئی شریک و سہیم آخر کیسے اور کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو وہ ہر طرح کے تمام مشرکانہ تصورات سے پاک اور ہر شائبہ شرک سے اعلیٰ و بالا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - سو جس طرح ہم نے تم سب کو اے لوگو عدمِ محض سے نکال کر وجود بخشا اور تمہیں نیست سے ہست کیا اسی طرح ہم تمہیں پیدا کریں گے تاکہ تم اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا صلہ و بدلہ پا سکو۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔ ﴿لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى﴾ - (طٰہٰ: ۱۵)۔ سو فیصلے کے اس یومِ عظیم کے قیام اور ایک نئے جہان اور اس کے لیے نئے نوامیس و قوانین کے تحت ایک نئے جہان کی تخلیق و تکوین فرمائی جائے گی اور اس کے لیے نئے آسمان و زمین کو وجود بخشا جائے گا۔ جہاں ہمیشگی ہوگی کبھی موت و فنا نہیں ہوگی۔ جہاں کی جنت اور اس کی نعمتیں بھی ابدی ہونگی - اللہ نصیب فرمائے - اور جہاں کی دوزخ اور اسکے عذاب بھی دائمی ہونگے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - اور ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ

پیدا کردیں گے یہ ہمارے ذمے ایک وعدہ ہے جسے ہم نے بہرحال پورا کرنا ہے، اور یقیناً ہم نے لکھ دیا زبور میں

بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

ذکر کے بعد، ف۱۴۲ کہ بلاشبہ اس زمین کے ف۱۴۳ وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے، ف۱۴۴

اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

بلاشبہ اس میں ایک بڑا پیغام ہے عبادت گزاروں کے لئے، اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو

رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ

(اے پیغمبر!) مگر ایک عظیم الشان رحمت کے طور پر، سب جہانوں کے لئے۔ کہو ف۱۴۵ کہ سوائے اس کے نہیں کہ میری طرف یہ

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے (اے لوگو!) تو کیا تم لوگ (اس کے حضور) سر تسلیم خم کرتے ہو؟ ف۱۴۶

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ

پھر بھی اگر یہ لوگ (اے پیغمبر! راہ حق و صداقت سے) منہ موڑے ہی رہیں، تو (ان سے) کہہ دو کہ میں نے تو تم کو (علی الاعلان

۱۴۲ ذکر اور زبور سے مقصود و مراد؟: ۔ یہاں پر ذکر سے مراد لوحِ محفوظ اور الزبور سے مراد وہ تمام آسمانی کتابیں ہیں جو مختلف انبیائے کرام پر نازل فرمائی گئیں۔ (ابنِ کثیر، مراغی، محاسن اور صفوہ وغیرہ)۔ تو مطلب اس صورت میں یہ ہوا کہ ہم نے یہ مضمون اول لوحِ محفوظ میں لکھا اور پھر تمام آسمانی کتابوں میں بھی اس کو لکھ دیا۔ سو اس سے اس کی عظمت واہمیت اور قطعیت واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبور سے مراد زبورِ داؤد ہے اور ذکر سے مراد تورات۔ لیکن پہلا قول و احتمال زیادہ اہم اور اوفق بالمراد ہے۔ والعلم عند اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی میں یہ چیز لکھ دی اور طے کر دی اور اس کو اپنی تمام کتبِ سماویہ میں ذکر فرما دیا کہ جنت کی اس پاکیزہ اور مقدس زمین کی وراثت انہی لوگوں کو ملے گی جو اپنے عقیدہ و عمل کے لحاظ سے اس کے اہل اور قابل ہونگے نہ کہ کسی کی خاندانی وجاہت یا نسلی برتری کی بناپر۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا کہنا تھا کہ جنت میں ان کے سوا کوئی نہیں داخل ہوگا۔ ﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ الآية (البقرۃ:۱۱۱) سو ایسے نہیں ہوگا بلکہ وہاں پر دارومدار اپنے ایمان و عقیدہ پر ہوگا۔ ایسے کہنے اور سمجھنے والے محض خیالی پلاؤ پکار رہے ہیں۔ ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ﴾ ۔ یعنی یہ سب کچھ محض انکی خودساختہ اور من گھڑت

آرزوؤں پر مبنی ہے۔ والعیاذ باللہ من کل زیغ و ضلال ۔اللہ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب کرے اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۲۳ **نیک لوگوں کے لیے ارضِ جنت کی وراثت کی خوش خبری:** -سو ﴿الارض﴾ سے یہاں پر مراد جنت کی زمین ہے۔یعنی ایسے خوش نصیب وارث ہوں گے جنت کی سرزمین کے جو کہ سب سے اعلیٰ و افضل اور عمدہ و اکمل زمین ہے نہ کہ دنیا کی یہ فانی و ناقص زمین جس کی ارضِ جنت کے مقابلے میں کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔اس لیے اس دنیاوی زمین کے وارث و مالک تو نیک بھی رہے ہیں اور بد بھی۔کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔بخلاف ارضِ جنت کے کہ اس کی وراثت صرف اہلِ ایمان وتقویٰ ہی کو نصیب ہوگی۔یہی قول ابنِ عباس اور مجاہد کا ہے اور اسی کو قرطبی وغیرہ جیسے اکابر مفسرین نے ترجیح دی ہے۔اور اسی پر سورۂ زمر میں مذکور وموجود یہ ارشادِ ربانی بھی دلالت کرتا ہے۔﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ ﴾الآیۃ (الزمر:۷۴) اور اسی پر سیاق وسباق بھی دلالت کرتا ہے۔رہ گئی دنیا میں زمین کی تقسیم ومیراث تو وہ اس بنیاد پر سرے سے ہے ہی نہیں بلکہ اس کی تقسیم و میراث ابتلاء وآزمائش کی بنا پر ہے۔اس لیے وہ مومن وکافر اور صالح وفاجر سب ہی کو ملتی ہے کہ اس میں ان سب کی آزمائش ہے۔جیسا کہ دوسری آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا۔﴿وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾۔(الاعراف:۱۲۹)۔سو جن لوگوں نے سورۂ انبیاء کی اس آیتِ کریمہ میں زمین سے مراد یہ دنیاوی زمین لی ہے اور اس بنا پر انہوں نے صالحون کو بھی دوسرے معنیٰ پہنائے ہیں انہوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے اور انہوں نے اس لفظ کا وہ مفہوم بیان کیا جس کے مطابق مادہ پرست کافر ومنکر بھی صالح قرار پاتے ہیں جو کہ صریح نصوصِ قرآن وسنت کے معارض اور انکے خلاف ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ و ضلال وسوء انحراف ۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے۔اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۴ **صالحون سے مراد اللہ تعالیٰ کے نیک بندے:** -یعنی یہاں پر صالحون کے معنیٰ وہ نہیں ہیں جو ان ٹیڑھے لوگوں نے بیان کیے ہیں جن کا ذکر اوپر کے حاشیے میں ہوا ہے۔بلکہ یہاں پر صالحون سے مراد اسکے معروف ومتبادر معنیٰ ہی ہیں۔یعنی وہ لوگ جو ایمان وعقیدہ اور عملِ صالح کی دولت سے سرشار و مالا مال ہونگے خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں کہ معیار و مدارِ صحت عقیدۂ وعمل پر ہے نہ کہ حسب ونسب اور رنگ ونسل وغیرہ کے ان خودساختہ ومصنوعی فوارق پر جو لوگوں نے مختلف ناموں سے ازخود گھڑ رکھے ہیں۔کہ وہ نہ تو شرف وفضیلت کے لیے حقیقی معیار اور مدار بن سکتے ہیں اور نہ ہی وہ انسان کے اپنے بس اور اختیار میں ہو سکتے ہیں۔بلکہ اصل معیا تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾الآیۃ۔(الحجرات:۱۳) سو جنت کی اس مقدس اور پاکیزہ سرزمین کی وراثت اللہ کے ایسے ہی صالح اور نیک بندوں کو نصیب ہوگی جن کا ایمان وعقیدہ بھی صحیح ہوگا اور ان کا عمل وکردار بھی درست ہوگا۔اور انہوں نے زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لیے اور اسی کی ہدایت وتعلیمات کے مطابق گزاری ہو گی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل ۔اللہ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے محفوظ اور ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔آمین ثم آمین یاربَّ العالمین یا اکرم الاکرمین

۱۲۵ **بعثتِ پیغمبر سب جہانوں کے لیے رحمت**:- سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ حضرتِ امام الانبیاء کی بعثت وتشریف آوری سب دنیا جہاں کے لیے رحمت ہے کہ جو دین وپیغام آپ کے ذریعے دنیا کو بخشا گیا ہے اس میں پوری نوعِ انسانیت کے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی اور حقیقی کامیابی اور فوز وفلاح کا راز مضمر ہے۔ پس جو آپ کے لائے ہوئے پیغامِ حق وصداقت پر صدقِ دل سے ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنی زندگیوں کو اس کے مقدس سانچے میں ڈھال لیا وہ تو حقیقی سعادت اور دائمی کامیابی سے ہمکنار ہو گئے اور ان کو دارین کی سعادت وسرخروئی نصیب ہو گئی مگر جنہوں نے اس سے منہ موڑا وہ آخرت کی حقیقی اور دائمی کامیابی سے اگرچہ محروم رہے مگر آپ کے وجودِ مسعود اور آپ کے لائے ہوئے دینِ متین کی رحمتوں وبرکتوں سے فی الجملہ اور من وجہ وہ بھی مستفید وفیضیاب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس دینِ متین کی برکات کی وجہ سے یہ لوگ بھی عمومی خسف ومسخ جیسی ان بہت سے دنیاوی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ ومامون ہو گئے جو پہلی امتوں اور گزشتہ قوموں کو تہس نہس کر دیتی رہیں۔ سو ایسے لوگ مانیں یا نہ مانیں اور ان کو اس کا شعور واحساس ہو یا نہ ہو آپ کے وجودِ باجود اور آپ کی رحمتِ عامہ سے ان کافروں اور منکروں کو بھی یہ فائدہ بہرحال پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ فصلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ وسلم الٰی ان یرث اللّٰہ الارض ومن علیہا۔ سو آپ کی بعثت وتشریف آوری تمام دنیا جہان اور سب لوگوں کے لیے انکی معاش اور معاد دونوں کے اعتبار سے سراسر رحمت ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ آپ کو ہم نے اے پیغمبر اسی اِنذار وتبشیر کے لیے رحمت اور ایک عظیم الشان رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ دنیا والوں کو اس اہم اور عظیم الشان حقیقت سے آگاہ کر دیں کہ آپ کے ذمے صرف اِبلاغ وتبلیغ کی ذمہ داری ہے اور بس۔ اس کے بعد بھی اگر سرکش اور متکبر لوگ ماننے اور سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے وقتِ موعود کو لانے اور دکھانے ہی کا مطالبہ کریں کہ ہم اس کے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کے بعد ہی مانیں گے تو ان سے کہو کہ یہ نہ تو میرا کام ہے اور نہ ہی مجھے اس کا کوئی علم ہو سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے علم واختیار میں ہے۔ مجھے تو اس خالق ومالک نے رحمت بنا کر بھیجا ہے عذاب بنا کر نہیں۔ اور میرا کام تو رحمت کے راستے بتانا اور انہی کی دعوت دینا ہے نہ کہ عذاب لانا اور قہر برسانا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا من کل زیغ وضلال۔

۱۲۶ **تسلیم ورضا کی تعلیم وتلقین**:- سو اس سے اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کرنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور نہایت مؤثر اور زوردار انداز میں اور استفہام وتحضیض کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا تم لوگ اس کے حضور سرِ تسلیم خم کرتے ہو؟" یعنی ضرور کرنا چاہیے کہ معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو یہ استفہام بمعنی امر ہے "ای فلـــہ اسلموا" جیسے- ﴿فھل انتم منتھون﴾- میں ہے "ای فانتھوا" (روح، قرطبی، صفوۃ وغیرہ)۔ پس تم لوگ اپنے اسی خالق ومالک کے حضور دل وجان سے جھک جاؤ اور ہر قسم کی عبادت وبندگی اسی وحدہٗ لاشریک کے لیے بجالاؤ کہ یہ اس کا تم لوگوں پر حق واجب بھی ہے اور اسی میں خود تمہارا بھلا بھی ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان کو خبردار کرو اور ان سے صاف طور پر کہہ دو کہ مجھ پر جو وحی آئی ہے وہ یہی ہے کہ معبودِ برحق تم سب لوگوں کا بہرحال ایک ہی معبود ہے۔ اس کا کوئی بھی شریک وسہیم نہیں۔ پس تم اسی کے آگے جھکو اور اسی کی عبادت وبندگی بجالاؤ اور خوامخواہ کے من گھڑت اور بےبنیاد سہاروں کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت برباد نہ کرو- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین ثم آمین

اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ اَمۡ بَعِیۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ

اور) ایک برابر خبردار کردیا ہے ۱۴۷ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ چیز دور ہے یا قریب' جس کا تم لوگوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے ۱۴۸ وہ

یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

خوب جانتا ہے اس بات کو بھی جو تم پکار کر کہتے ہو، اور اسے وہ بھی پوری طرح معلوم ہے جسکو تم لوگ چھپا کر رکھتے ہو،

وَاِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰی

اور میں نہیں جانتا کہ یہ (تاخیر عذاب) تمہارے لئے ایک آزمائش ہے یا (چندروزہ زندگی کا) سامان ہے

حِیۡنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ

ایک وقت مقرر تک، (آخر کار!) پیغمبر نے کہا، اے میرے رب، فیصلہ فرما دے حق کے ساتھ، نیز (فرمایا) ہمارا رب جو بڑا ہی مہربان ہے،

الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

اسی سے مدد مانگی جاتی ہے ۱۴۹ ان باتوں کے مقابلے میں جو تم لوگ بناتے ہو ۱۵۰

۱۴۷ مشرکوں اور منکروں کو آخری اور فیصلہ کن تنبیہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اس کے بعد بھی پھرے ہی رہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے تو یقیناً تم سب کو خبردار کر دیا اور سب کو برابر طور پر اور پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ تمہارا راستہ الگ اور ہمارا الگ۔ اور اب ہماری تمہاری دونوں کی جنگ ہے۔ یہ نہیں کہ کچھ کو بتایا ہو اور کچھ سے چھپایا ہو بلکہ سب کو ایک برابر بتا کر آئندہ کے بارے میں خبردار کر دیا ہے۔ نیز ایسا واضح طور پر اور کھول کر بتا دیا ہے کہ اس میں تم اور میں ایک برابر ہو گئے۔ (روح، ابن کثیر، قرطبی وغیرہ)۔ سو اب ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہم تم سے بری اور تم ہم سے بری۔ ہماری تم سے جنگ اور تمہاری ہم سے جنگ۔ سو یہ کفار و مشرکین کو آخری جواب ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّیۡ عَمَلِیۡ وَلَكُمۡ عَمَلُكُمۡ اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ﴾۔ (یونس: ۴۱)۔ سو اس میں متکبروں اور منکروں کے لیے فیصلہ کن تنبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۴۸ آئندہ سے متعلق معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے:۔ کہ وہی جانتا ہے کہ آئندہ اور کب اور کیا ہونے والا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے قریب ہے یا دور"۔ یعنی حق و اہل حق کا غلبہ اور کفر اور اس کے علمبرداروں کی ناکامی و رسوائی اور قیامت کا وہ وقت جس میں سب باتوں کا فیصلہ آخری اور کامل شکل میں چکا دیا جائے گا۔ سو ان تمام امور سے متعلق جو وعدے تم لوگوں سے کیے گئے ہیں ان کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ

قریب ہیں یا دور۔ کیونکہ ان سب امور کا تعلق مستقبل اور غیب سے ہے۔ اور یہ سب غیبی امور ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ عالمِ غیب وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ (روح، قرطبی، ابنِ کثیر، جامع اور محاسن وغیرہ)۔ سو ان سب کاموں نے بہر حال ہونا ہے اور اپنے وقت پر بہر حال ہو کر رہنا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا۔ اس کا علم اللہ وحدہ لاشریک ہی کو ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اسی طرح وہ عذاب جس سے تم لوگوں کو خبردار کیا جارہا ہے اس کے بارے میں بھی اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کب اور کس شکل میں تم لوگوں پر آئے گا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ قریب ہے یا دور۔ یہ سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے علم میں اور اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ سو ﴿ما توعدون﴾ کا عموم ان سب ہی صورتوں کو شامل ہے۔ سو آئندہ کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے۔ اور اسی کے سپرد ہے اور سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے علم میں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۱۷۹ پیغمبر کی دعا اور منکرین کو وداع: ۔ سو پیغمبر نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ ''ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے حق کے ساتھ'' اور ہمارا رب ہی اس لائق ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے ہر مشکل ومصیبت کے پیش آتے وقت اور اس کے دفعیے کے لیے کہ حاجت روا ومشکل کشا سب کا وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور سب اس کے اور صرف اسی کے محتاج ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو تمہارے کفر وشرک، ظلم وبغاوت اور عناد وہٹ دھرمی وغیرہ سب باتوں کے جواب میں ہم اسی وحدہٗ لاشریک سے مدد مانگتے ہیں۔ سو مدد ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک سے مانگنی چاہیے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہر کیف اس ارشاد میں پیغمبر کی اپنے رب کے حضور دعا بھی ہے کہ وہ فیصلہ فرمادے حق کے ساتھ تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور حق اور باطل کے درمیان فرق وتمیز کھل کر سب کے سامنے آجائے کہ حق وباطل کی کشمکش میں صحیح اور مبنی برحق فیصلہ وہی وحدہٗ لاشریک کر سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس میں منکرین ومکذبین کو وداع بھی ہے کہ تم لوگ اگر حق کو سننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہو تو تمہاری مرضی۔ میں اس معاملے کو اللہ ہی کے حوالے کرتا ہوں۔ وہی فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ۔ اور اسی کا فیصلہ ہر لحاظ سے صحیح اور جملہ شوائب سے اعلیٰ وبالا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۱۸۰ پیغمبر بھی اللہ ہی کی مدد کے محتاج ہیں: ۔ سو پیغمبر کی زبان سے ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہمارا رب رحمٰن ہی ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے'' ان تمام باتوں کے جواب میں جو تم لوگ بناتے ہو حق اور اہلِ حق کے خلاف۔ جھوٹ موٹ اور افتراء علی اللہ کا ارتکاب کرتے ہوئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور قرآنِ حکیم میں ''وصف'' کا لفظ جھوٹ کے معنیٰ میں بکثرت استعمال ہوا ہے مثلاً۔ ﴿وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ﴾۔ (الانبیاء: ۱۸)۔ نیز ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾۔ (الانعام: ۱۴۰)۔ سو حق اور اہلِ حق کے خلاف تمہاری باتوں اور تمہارے جھوٹوں کے مقابلے میں ہم اپنے ربِّ رحمٰن ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ تم سے خود نمٹ لے گا اور خوب اچھی طرح اور عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق نمٹے گا۔ جس میں نہ ذرہ برابر کسی سے کوئی زیادتی ہوگی۔ اور نہ ہی کسی کی کسی طرح سے کوئی حق تلفی۔ اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی صفت وشان ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین ۔

☆—— ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۱ ہجری مطابق ۱۵۔ نومبر ۱۹۹۰ء، جمعرات بوقت مغرب (پونے چھ بجے) منطقۃ اُمِ ہریر، بردبی، متحدہ عرب امارات۔ والحمد للہ رب العالمین فانہ لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ سبحانہ وتعالیٰ

☆—— نظر ثانی بتاریخ ۱۵ جمادی الثانیۃ ۱۴۱۸ ہجری مطابق ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء بروز جمعہ بوقت پونے بارہ بجے شب، بمکان خود،

سطوۃ، دبی، متحدہ عرب امارات - والحمدللہ الذی لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ جل وعلا - وسبحانہ وتعالیٰ

☆ —— تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۱۹- ذوالحجہ ۱۴۲۰ ہجری ۲۶- مارچ بروز اتوار، مدنی منزل، معمورۃ المدنی (کہل) منگ، آزاد کشمیر (دوران رخصت) - والحمدللہ رب العالمین - بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن

☆ —— تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۲۱- صفر ۱۴۲۲ ہجری بمطابق ۱۴- مئی ۲۰۰۱ء بروز پیر، بوقت پونے بارہ بجے شب، سطوۃ، دبی، متحدہ عرب امارات - والحمدللہ رب العالمین - الذی بیدہ اَزِمَّۃُ التوفیق والھدایۃ

☆ —— تکمیل چوتھی پروف ریڈنگ یکم رمضان المبارک ۱۴۲۳ ہجری مطابق ۵ نومبر ۲۰۰۲ء بروز منگل بوقت ساڑھے دس بجے شب (پہلی تراویح کے بعد) سطوۃ، دبی، متحدہ عرب امارات - والحمدللہ رب العالمین۔

☆ —— اَللَّمَسَاتُ الاخیرۃ (Final Touches) ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۲۱ جنوری ۲۰۰۴ء بروز بدھ، بوقت سات بجے شام (بعداز نماز مغرب) مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان - والحمدللہ رب العالمین - قبل کل شیء وبعد کل شیء فلہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ

پروردگار عالم:۔ اب جس طرح تو نے اپنے اس ظلوم وجہول بندے کو اپنی کتاب حکیم کی تفسیر لکھنے کی اس عظیم الشان اور مبارک سعادت سے نوازا ہے، اسی طرح اپنے کرم بے پایاں سے اسکو اپنی بارگہ اقدس میں قبول فرما لے، اور اس سلسلہ میں اس بندۂ ناچیز سے جو کوتاہیاں سرزد ہوگئی ہوں ان کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادے، اور اس کو ایسا مینارۂ نور بنادے کہ پوری دنیا اس سے مستفید وفیضیاب ہوسکے۔ شرک وبدعت کے اندھیرے چھٹ جائیں، اور توحید کے نور سے سارا عالم جگمگا اٹھے، امین ثم امین یارب العالمین ویاارحم الراحمین، ویا اکرم الاکرمین۔

ایاتھا ۷۸ | ۲۲ سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۳ | رکوعاتھا ۱۰

سورۂ حج مدنی ہے اور اس کی اٹھہتر آیتیں ہیں اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے،

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ

اے لوگو بچو تم، اپنے رب (کے عذاب اور اس کی خوف وپکڑ) سے ۱ بے شک (قیامت کی) اس گھڑی ۲ کا زلزلہ

شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ

ایک بڑی (ہی ہولناک) چیز ہے ۳ جس روز تم لوگ اس کو دیکھو گے تو حال یہ ہوگا (کہ مارے دہشت وخوف کے) بھول جائے گی

عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو، اور گرا دے گی ہر حمل والی اپنے حمل کو، ۴

وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

اور لوگ تمہیں نشے کی حالت میں نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے، مگر

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہوگا، ۵ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں

۱ تقویٰ وپرہیزگاری کا حکم وارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا "اے لوگو! بچو تم اپنے رب۔ کے عذاب اور اسکی پکڑ سے"۔ صدقِ دل سے اس پر ایمان لاکر۔ اس کے اوامر کو بجالا کر اور اس کی نواہی سے اجتناب کر کے کہ کافر اپنے کفر سے باز آجائے اور فاسق وفاجر اپنے فسق وفجور سے۔ غرض کہ ہر اس چیز سے بچو جو تمہارے رب کے غضب اور اسکی ناراضگی کا باعث اور اس کا سبب ہو۔ وباللہ التوفیق لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔ سو تقویٰ وپرہیزگاری دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اس لیے سورۂ کریمہ کے آغاز میں ہی اور سب سے پہلے تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ اور تقویٰ پر آمادہ اور برانگیختہ کرنے والی سب سے بڑی چیز قیامت کا عقیدہ وایمان اور اسکے احوال کا ذکر وتذکرہ ہے۔ اس لیے سب سے پہلے قیامت ہی کے کچھ احوال کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے دلوں میں فکر پیدا ہو اور ان میں سنجیدگی آئے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

٢ قیامت کی ہولناک گھڑی کی تذکیر و یاددہانی: -- جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے اور جس نے اپنے وقت پر بہرحال آ کر رہنا ہے۔ اور پل بھر میں دنیا کا یہ سارا نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا جائے گا۔ اسی لئے اس انتہائی ہولناک حادثے کے وقوع کو "ساعۃ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا جاتا ہے۔ سو اس کو ہمیشہ یاد رکھو اور اس کیلئے ہر وقت فکرمند رہا کرو۔ اور اس کیلئے تیاری کرتے رہا کرو۔ وباللہ التوفیق۔ سو اس کے لیے جلدی مچانے کی بجائے اس کے لیے تیاری کرو اور اس کے عذاب سے بچنے کی فکر کرو کہ اس کا موقعہ یہ دنیاوی زندگی کی فرصت محدود ہی ہے جس نے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر کبھی نہیں ملنا۔ قیامت کی وہ ہولناک گھڑی ڈرنے اور بچنے کی چیز ہے نہ کہ مطالبہ کرنے کی۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید، وعلٰی ما یُحِبُّ ویرید،

٣ زلزلۂ قیامت سے یہاں پر مراد؟: -- یعنی وہ زلزلہ جو کہ قیامت سے پہلے اس کے وقوع کی ایک عظیم الشان علامت اور نشانی کے طور پر ظہور پذیر ہوگا۔ یہ قول علقمہ وغیرہ اور بعض اہل علم کا ہے۔ (تفسیر کبیر، ابن کثیر، جامع البیان وغیرہ)۔ یا اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جو نفخۂ اولیٰ کے وقت ظاہر ہوگا جس کو "نفخۂ صعق" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قول ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ کا ہے۔ (جامع البیان، خازن اور معالم وغیرہ)۔ سو قیامت کا وہ بڑا زلزلہ بڑا ہی ہولناک اور انتہائی سخت حادثہ ہوگا۔ سو اس دن سے غفلت اور لاپرواہی برتنا بڑے ہی ہولناک خسارے کا باعث ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور اس کے لیے تیاری کا موقع اور اس کی فرصت یہ دنیاوی زندگی ہی ہے اور بس۔ پس اس کو غنیمت جان کر کسب آخرت میں صرف کیا جائے۔ وباللہ التوفیق

٤ حادثۂ قیامت کی شدت اور ہولناکی کا ایک منظر: -- کہ اُس روز دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ عورت کا حمل اسکے خوف سے گر جائے گا۔ سو اس سے اُس دن کی شدت اور اسکی ہولناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس زلزلہ کے بارے میں پہلے قول کی بناء پر تو یہ ارشاد اپنے ظاہر پر ہوگا مگر دوسرے قول کی بناء پر یہ علی سبیل الفرض ہوگا۔ یعنی اس موقعہ پر اگر کوئی حاملہ اور مرضعہ ہوتی تو یقیناً اس کا یہی حال ہوتا جو کہ یہاں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ کیونکہ وہ بڑا ہی ہولناک وقت ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ حالانکہ دودھ پیتا بچہ اپنی ماں کو سب سے زیادہ عزیز اور سب سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ اور ماں کے پیٹ کا حمل دنیا میں خوف کی وجہ سے کبھی نہیں گرتا خواہ وہ کتنا بڑا خوف کیوں نہ ہو۔ مگر وہاں پر اور اس روز یہ دونوں چیزیں وقوع پذیر ہوں گی کہ دودھ پلانے والی عورتیں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے۔ سو اس سے اس دن کی شدت اور ہولناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم من کُلِّ سُوءٍ وشرّ

٥ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہوگا: -- اتنا سخت اور اس قدر ہولناک کہ اسکی دوسری کوئی نظیر و مثال اس جہاں میں ممکن نہیں۔ سو وہ ایسا دن ہوگا کہ اس دن ہول اور دہشت سے لوگوں کا یہ حال ہوگا جو یہاں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کہ شدتِ ہول سے لوگوں کی عقلیں اڑ جائیں گی اور وہ مدہوش نظر آئیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ اسکے خوف سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ سو اس روز کی شدت اور ہولناکی کا عالم یہ ہوگا کہ لوگ مدہوش نظر آئیں گے اور ان کی یہ مدہوشی کسی نشہ آور چیز کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ بلکہ اس دن کی شدت اور ہولناکی ہوگی جو ان کو اس طرح مدہوش اور پاگل بنا کر رکھ دے گی۔ سو اس سے اس یوم کی شدت اور ہولناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾

اللہ (پاک کی ذات وصفات) کے بارے میں ف ۶ اور وہ پیچھے ہو لیتے ہیں ہر ایسے سرکش شیطان کے، (جو پکارے ان کو اپنے باطل کی ف ۷

۶ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑنے والوں کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے بارے میں"۔ چنانچہ کچھ تو اس کے پاکیزہ بندوں کو اس کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ کچھ فرشتوں کو اس کی بیٹیاں مانتے ہیں۔ کچھ اس کے کلامِ معجز نظام کا انکار کرتے اور اسے اساطیر اور افسانے قرار دیتے ہیں۔ اور کچھ اس کی قدرت میں شک اور اسکے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ اور کچھ کا کہنا ہے کہ وہ مر جانے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے گا وغیرہ وغیرہ۔ (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ اور ایسے لوگوں کا جدال اور جھگڑا اور بحث مباحثہ کسی علم اور دلیل کی بنیاد پر نہیں، بلکہ محض عقلی ڈھکوسلوں، خود ساختہ مفروضوں اور بے بنیاد حجت بازیوں کی بناء پر ہوتا ہے۔ اور "علم" یہاں پر نکرہ استعمال فرمایا گیا ہے جو عموم وشمول کا فائدہ دیتا ہے۔ سو ان لوگوں کے پاس جیسا کہ آگے آیت نمبر ۸ میں وضاحت آ رہی ہے نہ عقل وفطرت کی کوئی ہدایت ہے اور نہ قرآن اور کسی دوسری آسمانی کتاب کی کوئی روشنی اور دلیل۔ بلکہ محض انکل پچو باتوں، بے بنیاد مفروضوں اور من گھڑت ڈھکوسلوں کی بنا پر جھگڑا کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کا یہی حال کل تھا اور یہی آج ہے۔ جس سے اس قماش کے لوگ نورِ حق وہدایت سے اور دُور اور محروم ہوتے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۷ شیطانِ سرکش کی پیروی کے ہولناک جرم کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے خدائے رحمان سے منہ موڑ کر شیطانِ سرکش کی پیروی کے ہولناک جرم کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ایسے لوگ محض شیطانِ سرکش کی پیروی کرتے ہیں"۔ اور وہ ان کو جدھر بلائے یہ ادھر ہی چل دیتے ہیں اور طرح طرح کے خود ساختہ ڈھکوسلوں کی بناء پر یہ اس کی بات مان لیتے ہیں خواہ وہ شیطانِ سرکش جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ عام طور پر مفسرین کرام کہتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ مشرکینِ مکہ کا ایک بڑا سرغنہ تھا۔ لیکن الفاظ کا عموم اس کو اور اس جیسے تمام سرکش شیطانوں کو شامل ہے جو بھی راہِ حق وہدایت سے روکے وہ اس میں داخل ہے۔ والعیاذ باللہ۔ "کل" کا لفظ اسی عموم وشمول کو ظاہر کرتا ہے۔ اور شیاطینِ انس اور شیاطینِ جن کا آپس میں بڑا گہرا گٹھ جوڑ ہوتا ہے۔ شیاطینِ جن شیاطینِ انس ہی کو اپنی فتنہ انگیزیوں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ شیاطینِ جن القاء کرتے ہیں اور شیاطینِ انس ان کے اس القاء کو آگے مختلف فلسفوں کی صورت میں پیش کرتے ہیں اور ان کو روبہ عمل لانے کے لیے طرح طرح کے جال بُنتے ہیں۔ جس سے سادہ لوح لوگوں کو پھانستے اور راہ حق وہدایت سے محروم کرتے جاتے ہیں،

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَ

طرف اور) جس کے بارے میں یہ لکھ (اور طے کر) دیا گیا ہے ۸ کہ جس نے اس کو دوست بنایا تو (وہ تباہ ہو گیا کہ) یقیناً وہ اس کو گمراہ کر

يَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝٤ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

کے چھوڑے گا ۹ اور وہ اس کو ڈال دے گا دوزخ (کی دہکتی بھڑکتی آگ) کے عذاب کی راہ پر، اے لوگو، اگر تمہیں کسی طرح کا کوئی

إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ

شک ہو، اپنے دوبارہ جی اٹھنے کے بارے میں، تو (تم خود اپنی پیدائش و پرورش سے متعلق ہی ہماری قدرت کاملہ کے مظاہر میں غور کر لو

۸ شیاطین کا کام اضلال و افساد والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ایسا شخص پیروی کرتا ہے اس شیطان سرکش کی'' جس کے بارے میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو بھی اس سے دوستی رکھے گا وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور اس کو دوزخ کی راہ پر ڈال دے گا۔ یعنی قضائے الٰہی میں کہ جو بھی کوئی اس شیطان سرکش کے پیچھے چلے گا وہ اس کو راہِ حق وہدایت سے بہکا اور بھٹکا کر دوزخ کی راہ پر ڈال دے گا۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ پھر بھی اسکے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ وغیرہ)۔ سو ایسے سرکش شیطانوں کی پیروی کرنا اور ان کے پیچھے چلنا ابدی ہلاکت اور دوزخ کی راہ پر چلنا ہے۔ کیونکہ شیطان نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی تھی کہ اس کو اس کام کے لیے قیامت تک مہلت دی جائے جو اس کو دے دی گئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تھا کہ جو تجھے اپنا مددگار اور راہنما بنائیں گے اور تیرے پیچھے چلیں گے۔ میں ان کو اور تم سب کو جہنم میں جھونک دوں گا۔ سو اسی حقیقت کو یہاں پر ﴿کتب علیہ﴾ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا جس سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان کی ڈیوٹی اور اس کا کام ہی دوسروں کو گمراہ کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۹ شیطان کی دوستی کا انجام دوزخ - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان کی دوستی و پیروی کا انجام دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ ہے - والعیاذ باللہ - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان اپنے پیروکاروں کو گمراہ کر کے اور دوزخ کی راہ پر ڈال کر چھوڑے گا۔ طرح طرح کے وسوسوں اور شکوک و شبہات کے ذریعے۔ خواہ وہ شیطان انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔ (تفسیرِ کبیر وغیرہ)۔ سو انسان کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ دیکھے اور غور کرے کہ وہ کس کی پیروی کرتا اور کس کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔ اور بچنے کی کوشش کرے شیطان کی دوستی اور اس کی پیروی سے۔ کیونکہ جس نے اس سے دوستی رکھی اور اسکی پیروی کی - والعیاذ باللہ - وہ اس کو گمراہ کر کے اور دوزخ میں پہنچا کر چھوڑے گا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ

کہ) ف۱۱ ہم نے تمہیں (کس عجیب وغریب اور پر حکمت طریقے سے) پیدا کیا مٹی (کے اس بے حس اور بے جان مادے) ف۱۱ سے پھر نطفے

مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ط

سے، پھر ایک جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی بوٹی سے، جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی، (اور ہم نے تمہاری پیدائش

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى

سے متعلق یہ اہم تغیرات تمہیں بتا بھی دیے) تاکہ ہم کھول کر بیان کردیں تمہارے لئے (تمہاری حقیقت اور اس سے متعلق اپنی

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ج

قدرت کے مظاہر کو) ف۱۲ اور ہم جس کو چاہتے ہیں ٹھہرا دیتے ہیں، رحموں کے اندر ایک خاص مدت تک ف۱۳ پھر ہم نکال لاتے ہیں تم کو

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَىٰ

(تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے) ایک بچے کی شکل میں، پھر (نہایت مناسب وعمدہ طریقے سے ہم تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم

أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ط

پہنچ جاؤ اپنی (جوانی کی) بھرپور قوتوں کو، اور تم میں سے کسی کو پہلے ہی واپس اٹھالیا جاتا ہے، اور کسی کو لوٹا دیا جاتا ہے اس کی گھٹیا (اور

۱۰ اِمکانِ بعث کی دلیل خود تمہاری اپنی جانوں سے: ــ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں کو دوبارہ جی اٹھنے کے بارے میں کوئی شک ہو تو خود اپنی جانوں میں ہی غور کرلو۔ اس سے تم کو خود حق اور حقیقت سے آگہی ہوجائے گی اور تمہیں یقین ہوجائے گا کہ جو کچھ تمہارا رب فرماتا ہے وہی حق اور صدق ہے۔ سو خود اپنے وجود میں غور کرنے سے تمہارا یہ شک زائل ہوجائے گا اور تمہیں خود یقین ہوجائے گا کہ جو قادرِ مطلق تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کرسکتا ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے اور پیدا کرنا چاہیئے۔ تاکہ حکمتِ تخلیق کی تکمیل ہوسکے۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ یہاں منکرین کو خطاب کرکے فرمایا گیا کہ اگر تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں شک ہو حالانکہ وہ اس کے پکے اور قطعی طور پر منکر تھے۔ سو اس میں یہ درسِ عظیم ہے کہ انکارِ آخرت کیلئے جزم ویقین کی کوئی بنیاد انسان کیلئے ہوسکتی ہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ شک ہی کرسکتا ہے اور بس۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۱۱ انسان کو اسکے مادۂ تخلیق کی تذکیر ویاددہانی: ــ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اِنسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے، اور اسکی دو صورتیں ہیں۔ سو انسان کو خود اپنے وجود اور اپنی تخلیق میں دعوتِ غور وفکر دینے کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے تمہیں پیدا کیا ــ بے جان ــ مٹی سے"۔ کہ تمہارے باپ آدم کو براہِ راست اسی مٹی سے بنایا۔ نیز تمہاری پیدائش جس مادۂ تولید سے

ہوتی ہے وہ بھی طرح طرح کی ان غذاؤں سے حاصل ہوتا اور بنتا ہے جو اسی مٹی سے پیدا ہوتی ہیں۔ تو اس طرح بھی تمہاری پیدائش بالواسطہ طور پر مٹی ہی سے ہوتی ہے۔ سو اس سے تم لوگ اپنے خالق و مالک کی عظیم الشان قدرت اور بے نہایت حکمت کا اندازہ کرو اور دیکھو کہ کہاں یہ بے جان اور بے حس وحرکت مٹی اور کہاں تم جیسے عقل وشعور کے مالک انسان جو اس سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ پھر بھی اس قادرِ مطلق اور مہربانِ مطلق کا انکار اور اس کی قدرتِ بے نہایت میں شک کرنا کس قدر ظلم اور کتنی بڑی بے انصافی ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم - سو تمہارا وجود ایک عظیم الشان سامانِ عبرت وبصیرت ہے۔ اسی سے حق تمہارے لیے پوری طرح واضح ہوسکتا ہے بشرطیکہ تم اس میں صحیح طور پر غور وفکر سے کام لو۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید،

۱۲ خود اپنی جانوں میں غور وفکر کی دعوت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارے لیے کھول کر بیان کردیا تاکہ تم جان سکو کہ جو قادرِ مطلق پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے وہ یقیناً دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے کہ دوبارہ پیدا کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہوتا ہے۔ یعنی عام قاعدے اور ضابطے کے مطابق اور تمہاری عقلوں کے اعتبار سے۔ ورنہ اس قادرِ مطلق کی قدرتِ مطلقہ کے اعتبار سے تو سب ایک برابر ہے کہ وہاں بات اسباب ووسائل کی نہیں ہوتی بلکہ حکم وارشاد کی بات ہوتی ہے۔ جو چاہا ہوگیا۔ جس کا حکم دیا وہ موجود ہوگیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ - (یاسین:۸۲) یعنی "اسکی شان یہ ہے کہ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسکو فرماتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے" - نیز جب تمہاری تخلیق کے ان مختلف مراحل میں اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کا کوئی شریک وسہیم نہیں تو پھر اس کی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ نیز جس وحدہٗ لاشریک نے تم کو اس قدر اہتمام اور ایسے پرحکمت طریقے سے پیدا فرمایا اور وجود بخشا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تم کو یونہی بیکار چھوڑ دے اور تم سے اپنی نعمتوں کے بارے میں کوئی پرسش نہ کرے؟ ایسے کارِ عبث سے اس کی ذاتِ اقدس بہت بلند وبالا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ - سو لازماً تم لوگوں سے ان نعمتوں کے بارے میں ایک دن پوچھ ہوگی۔ وہ ہے قیامت کا وہ یومِ فصل جس نے بہرحال بپا ہوکر رہنا ہے۔ سو یہ دلائل بیک وقت توحیدِ خداوندی اور رسالت وآخرت کے دلائل ہیں۔ بشرطیکہ انسان صحیح طرح سے غور کرے۔ وباللہ التوفیق

۱۳ انسان پر رحمِ مادر کے اندر کی عنایاتِ خداوندی کا ذکر وبیان: - سو امہات کے رحموں کے اندر قرار پکڑنا بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی مشیت پر موقوف ہے۔ سو اس سے اس حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ کسی حمل کا وقت پر پیدا ہونا اور کسی کا اس سے پہلے گر جانا وغیرہ سب کچھ تابع ہے اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے۔ اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ - سو ان تمام اطوار واحوال میں ایک اور بڑا عظیم الشان درس ہے کہ انسان اول سے آخر تک ہر حال میں اور ہر موقع پر اس قادرِ مطلق کی قدرتِ مطلقہ کے تابع ہے۔ اس کا نہ کوئی ارادہ ہے نہ اختیار۔ تو پھر اپنے اس قادرِ مطلق خالق ومالک کی قدرتِ مطلقہ اور اپنے اس عجز وبے بسی کو بھول کر اپنی خودمختاری کے زعم میں مبتلا ہوجانا کس قدر بڑی حماقت ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم - سو انسان اول سے آخر تک قدرت کی رحمتوں اور عنایتوں میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کا وجود ہر مرحلے اور موڑ پر اپنے خالق ومالک کی قدرت وحکمت اور اس کی رحمت وعنایت کا زندہ ثبوت ہے۔ سو اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے اس خالق ومالک کے آگے جھکا رہے' اور دل وجان سے جھکا رہے' جسکی گوناگوں رحمتوں اور عظیم الشان عنایتوں میں یہ اول سے آخر تک ڈوبا ہوا ہے، کہ یہ اسکے خالق حکیم ورحیم کا اس پر حق بھی ہے اور اسی میں خود اس کا بھلا بھی ہے دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق لمایُحِبُّ ویرید، وعلیٰ مایُحِبُّ ویرید، بکل حالٍ مِنَ الاحوال، وفی کل موطنٍ مِن المواطن فی الحیاۃ

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

بدترین) عمر کی طرف، جس کا اثر و نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ (سب کچھ) جاننے کے بعد کچھ بھی نہیں جان رہا ہوتا ف۱۴ اور تم (اپنے پیش پا افتادہ)

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ

اس زمین (ہی میں غور کر لو کہ ایک وقت تم اس) کو (بالکل ویران اور) خشک پڑی ہوئی دیکھتے ف۱۵ ہو پھر جب ہم اس پر مینہ برسا دیتے

بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ

ہیں تو یکایک اس میں (زندگی کی) حرکت پیدا ہوتی ہے، اور یہ (ایک خاص انداز سے) ابھرتی ہے، اور یہ اگانا شروع کر دیتی ہے ہر

۱۴ انسان کے مراحل حیات میں عظیم الشان سامان غور و فکر: - سو انسان کے خود اپنے وجود میں اور اسکے مختلف مراحل حیات میں ایک عظیم الشان داستانِ عبرت و بصیرت ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ انسان کے خود اپنے وجود میں عروج و زوال کی ایک داستانِ عبرت و بصیرت موجود ہے۔ سو انسان ان تمام مراحل اور سب قوتوں اور قدرتوں سے گزر کر پھر انتہائی عاجزی کی حالت میں پہنچ جاتا ہے۔ پس جو ذاتِ اقدس و اعلیٰ انسان پر یہ تمام احوال و عوارض طاری کرنے پر قادر ہے وہ اسے دوبارہ پیدا کیوں نہیں کر سکتی؟ - سبحانہ، وتعالیٰ - سو انسان کے خود اپنے وجود کے اندر عروج و زوال کی عظیم الشان داستانِ عبرت و نصیحت موجود ہے مگر یہ غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ - (الذاریات: ۲۱) - یعنی خود تمہاری جانوں کے اندر بھی بڑے درس ہیں تو کیا تم لوگ آنکھیں نہیں کھولتے و باللہ التوفیق لما یحب و یرید، و علی ما یحب و یرید،

۱۵ اِمکانِ بعث کی دلیل زمین سے: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ امکانِ بعث کی ایک اور دلیل مردہ پڑی ہوئی زمین کا جی اٹھنا ہے۔ سو بارش سے پہلے یہ زمین مردہ پڑی ہوتی ہے۔ کہ نہ اس میں کسی سبزہ و ہریالی کا کوئی نام و نشان ہوتا ہے اور نہ کسی زندگی اور روئیدگی کے کوئی آثار و مظاہر۔ لیکن جونہی بارانِ رحمت کے حیات آفریں چھینٹے اس پر پڑتے ہیں یہ زندہ ہو جاتی ہے۔ اور اس پر طرح طرح کی پیداواریں نمودار ہو جاتی ہیں۔ سو اپنی جانوں سے آگے بڑھ کر تم لوگ اگر اپنے پاؤں کے نیچے پڑی اس زمین میں صحیح طور پر غور و فکر کرو تو ان تمام غیبی حقائق کی تصدیق تمہارے سامنے آجائے جنکی دعوت تمہیں قرآنِ حکیم دے رہا ہے۔ لیکن مشکلوں کی مشکل یہی ہے کہ لوگ اس میں صحیح طور پر غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ یا تو وہ حیوانوں کی طرح اسکے خزانوں سے فائدے اٹھاتے ہیں اور کبھی سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے یا اس سے بھی نیچے گر کر وہ اسی زمین کی پوجا کرنے لگتے ہیں - والعیاذ باللہ - اور اس طرح ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے میں جا گرتے ہیں - اور اس خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو کہ خساروں کا خسارہ ہے والعیاذ باللہ العظیم -

الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۶﴾ وَّاَنَّ السَّاعَةَ

قسم کی خوش منظر نباتات ف۱۶ یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ اللہ ہی حق ہے ف۱۷ اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو ف۱۸ اور بے شک وہی ہے جو ہر چیز پر

اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی

پوری قدرت رکھتا ہے ف۱۹ اور بے شک (قیامت کی) اس (ہولناک) گھڑی نے بہرحال آکر رہنا ہے ف۲۰ اس میں کسی قسم کے شک کی

الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ

کوئی گنجائش نہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو ضرور دوبارہ اٹھائے گا جو قبروں میں (جا چکے) ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو جھگڑا

۱۶ قدرت کے ایک اور عظیم الشان مظہر کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ زمین سے طرح طرح کی خوش منظر پیداواروں کا نکلنا، قدرت کی رحمت و عنایت اور اسکی حکمت کا ایک اور عظیم الشان مظہر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ پس جو قادرِ مطلق مردہ زمین کو اس طرح زندگی بخش کر اس سے یہ سب کچھ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ یقیناً انسانوں کو بھی مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ نیز جس نے تمہاری جسمانی ضرورتوں کی تکمیل اور تمہاری ظاہری کھیتیوں کی آبادی اور ہریالی کا اس طرح انتظام فرمایا، کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل اور تمہارے دلوں کی باطنی کھیتیوں کی آبادی و ہریالی کا انتظام نہ فرمائے؟ جب کہ باطنی ضرورتوں کی تکمیل ظاہری ضرورتوں کی تکمیل سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ سو اسی لئے اس قادرِ مطلق اور واہبِ مطلق۔ جل وعلا۔ نے اپنے انبیائے کرام کی پاکیزہ اور مقدس جماعت کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں اتاریں۔ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو ایسی مقدس تعلیمات سے نوازا جن کا خلاصہ و نچوڑ اب قرآنِ حکیم کی صورت میں تمہارے سامنے موجود ہے۔ جو تمام آسمانی کتابوں کی جامع اور ان کے اصولی مضامین کی امین و پاسدار اور انکی "مهیمن" کتاب ہے۔ اور جس کو قیامت تک کی سب دنیا کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے مینارۂ رشد و ہدایت بنا کر اتارا گیا ہے۔ اس پر ایمان لانا اور اسکی تعلیمات کو صدقِ دل سے اپنانا اور اپنا راہبر و راہنما بنانا، دلوں کی دنیا کی آبیاری اور ہریالی کا سامان کرنا اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ مند ہونا ہے۔ اور اِس سے اِعراض کرنا اور منہ موڑنا، دلوں کی دنیا کو اجاڑنا اور پھر ان کو ابدی خسارے کے ہولناک گڑھے میں ڈالنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین، ویا ارحم الراحمین یا اکرم الاکرمین

۱۷ اللہ ہی حق اور سچ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ اس بناء پر کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور اس کے سوا جو بھی اور جتنے بھی معبود لوگوں نے طرح طرح کے ناموں سے از خود گھڑ رکھے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ کارساز و کارفرما اور مختار و متصرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو انسان اگر اپنی پیدائش اور اپنی زندگی کے مختلف مراحل ہی

میں صحیح طور پر غور وفکر سے کام لے تو اسکو نظر آئے گا اور یہ حقیقت پوری طرح اس کے سامنے واضح اور آشکارا ہو جائیگی کہ یہ سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کرتا ہے۔ اور اس میں اس کے سوا اور کسی کا ارادہ شامل نہیں۔ وہی وحدہٗ لاشریک اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے یہ سب کچھ کرتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس کے سوا لوگوں نے جو اور طرح طرح کے مختلف ناموں سے معبود گھڑ رکھے ہیں وہ سب ان کے اوہام وخرافات کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے کسی کی بھی نہ کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ وہ سب کچھ خرافات ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ اور ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۸ **اللہ ہی زندہ کرتا ہے مُردوں کو:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ فرمایا گیا کہ بے شک وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو جو اس مردہ زمین کو زندگی بخش کر اس سے طرح طرح کی چیزیں پیدا فرماتا اور انسانوں اور دوسری بے شمار جاندار چیزوں کو زندگی سے مشرف فرماتا ہے۔ سو انسان اگر صحیح طور سے خود اپنے بارے میں غور وفکر سے کام لے تو اس کو نظر آئے گا کہ وہ وحدہٗ لاشریک آج بھی انسان کو اور دوسری طرح طرح کی جاندار چیزوں کو زندگی بخش رہا ہے اور مُردوں کو زندہ کر رہا ہے۔ اور یہ عمل لگاتار اور ہر طرف اور ہر وقت جاری ہے۔ آخر انسان جن غذاؤں سے وقوع پذیر ہوتا ہے وہ مردہ نہیں تو اور کیا ہیں؟ سو وہ جب چاہے گا مُردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اس کے لئے ایسا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۱۹ **اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ کوئی بھی چیز نہ اس کے ارادہ ومشیت سے باہر ہو سکتی ہے اور نہ اس کی قدرتِ مطلقہ سے خارج۔ وہ جو چاہے جب چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور وہ قادرِ مطلق جب پانی کے معمولی سے قطرے سے انسان جیسی عاقل وبالغ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے اور زمین کو خشک اور چٹیل ہو جانے کے بعد پھر گل وگلزار کر دیتا ہے اس کے لیے اس انسان کو دوبارہ پیدا کر دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۲۰ **وقوعِ قیامت ایک قطعی اور یقینی حقیقت:** ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ذکر و بیان فرما دیا گیا کہ قیامت نے بہر حال آ کر رہنا ہے۔ کہ عقل ونقل اور عدل وحکمت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ آئے اور ہر کسی کو اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ ملے اور عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہوں۔ اور اس طرح حکمتوں بھری اس کائنات کے مقصدِ تخلیق کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ ورنہ حکمتوں بھری اس کائنات کا وجود عبث اور بیکار قرار پاتا ہے جو حضرتِ خالق۔ جل مجدہٗ۔ کی حکمتِ مطلقہ کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ پس قیامت نے بہر حال اپنے وقت پر آ کر رہنا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللّٰھم فزدنا ایمانا بھا و یقینا و استعدادا لھا ۔ پس عقل ونقل کا تقاضا ہے کہ اس کے لیے تیاری کی جائے۔ اور وہیں کی کامیابی کو اصل مقصد اور اپنا حقیقی نصب العین بنایا جائے، اور ہمیشہ اور ہر موقع پر اسی کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید، وعلی مایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِنَ الاحوال، وفی کل موطنٍ مِنَ المواطن فی الحیاۃ

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝٨ ثَانِيَ

کرتے ہیں اللہ (کی ذات وصفات) کے بارے میں بغیر کسی علم کے ۲۱ اور بدوں کسی دلیل اور روشن کتاب کے ۲۲ (تکبر سے) گردن

عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا

اکڑائے ہوئے، تاکہ (اس طرح یہ دوسروں کو بھی) بہکا سکیں اللہ کی راہ سے ۲۳ ایسے لوگوں کیلئے دنیا میں

خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝٩

رسوائی ہے، اور قیامت کے دن ہم ان کو مزہ چکھائیں گے (دوزخ کی دہکتی بھڑکتی) آگ کے عذاب کا ۲۴

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

(اور ان کی مزید تذلیل کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ) یہ (نتیجہ) بدلہ ہے تمہارے ان کاموں کا جو تم لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں

۲۱ اللہ کے بارے میں جھگڑنے کی بدبختی کا ذکر وبیان:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں"۔ اور وہ اس کی قدرتِ قاہرہ اور حکمتِ باہرہ سے متعلق طرح طرح کے سوالات اٹھاتے اور شکوک وشبہات پیدا وپیش کرتے ہیں- والعیاذ باللہ- سو ان ظالموں کے باطن ایسے سیاہ ہوگئے کہ یہ اسکی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کے ایسے کھلے اور واضح مظاہر خود اپنی ذوات میں اور اپنے گردوپیش میں پھیلی بکھری کائنات میں دیکھنے کے باوجود اسی وحدہٗ لاشریک کے حقوق واختیارات اور اسکی ذات وصفات کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں- والعیاذ باللہ- مشرکین اگرچہ خداوندِ قدوس کے وجود اور اس کی ذاتِ اقدس واعلیٰ کے منکر نہیں تھے مگر وہ اس کے ساتھ دوسرے بہت سے شرکاء بھی مانتے تھے۔ اور ان کے لیے بھی خدائی صفات کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے مشرکانہ فلسفے گھڑتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی مشرکوں کے یہاں پایا جاتا ہے۔ اور مشرک کہتے ہی اس کو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتا ہو مگر اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک جانتا ہو۔ سو ایسا ماننا نہ ماننے کے برابر ہے- والعیاذ باللہ- سو اس بنا پر ایسے لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے جھگڑے کرتے ہیں۔ اور اس طرح یہ اپنے انجام اور اپنے مقصدِ حیات سے غافل ولاپرواہ ہوکر خود اپنے لئے دائمی۔ اور انتہائی ہولناک سامان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۲ منکرین کے جھگڑے بغیر کسی سند اور دلیل کے:-سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ منکرین کے جھگڑے بغیر کسی سند اور دلیل کے، محض اٹکل پچو باتوں، فرضی ووہمی فلسفوں اور بے بنیاد مفروضوں اور ڈھکوسلوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اور حق وحقیقت سے آنکھیں میچ کر اور غافل ولاپرواہ بن کر کئے جاتے ہیں- والعیاذ باللہ- ان کے پاس مشاہدہ

پر مبنی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ نہ عقل سلیم کی اور نہ نقلِ صحیح یعنی کسی آسمانی کتاب و وحی کی کوئی دلیل ہوتی ہے۔ بلکہ محض ڈھکوسلے اور مفروضے ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز یہ لوگ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا ہے۔ لہٰذا ہم اپنی اس میراث کو ترک نہیں کر سکتے۔ یعنی جہاں انہوں نے اپنی جہالت کی بنا پر کوئی مکھی ماری تھی ہم بھی وہاں پر مکھی مارتے رہیں گے خواہ یہ بات عقل و نقل کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ اور ان کی راہ حیات کتنی ہی ٹیڑھی اور کھوٹی کیوں نہ ہو۔ اور اس کا مآل و انجام کتنا ہی ہولناک اور خوفناک کیوں نہ ہو۔ سو یہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اور ہر حال میں اور ہر موقع پر اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۳ اِعراض و اِستکبار کا نتیجہ ضلال و اِضلال - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسا شخص یہ سب کچھ اس لیے کرتا ہے تاکہ اسطرح وہ بہکا سکے اللہ کی راہ سے دوسروں کو۔ اور اس طرح وہ ان کو بھی محروم کر دے حق و ہدایت کے نور سے۔ تاکہ یہ دونوں آپس میں ہمرنگ و ہم مشرب ہو جائیں اور بالآخر دونوں ہلاکت و تباہی کے نہایت ہی عمیق اور ہولناک گڑھے میں جا گریں - والعیاذ باللہ - سو کبر و غرور اور اِعراض و اِستکبار محرومیوں کی محرومی اور خرابی و فساد کی جڑ بنیاد ہے - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسا شخص جس کے پاس دلیل نہ ہو اور وہ اپنے غلط موقف سے دست بردار ہونے کے لیے بھی تیار نہ ہو تو اس کے پندار پر سخت چوٹ لگتی ہے اور اس کا انتقام وہ اپنے کبر و غرور کا مظاہرہ کر کے لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے وہ شانے جھٹک کر منہ موڑ لیتا ہے اور اس طرح وہ اپنی گمراہی کو پکا کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ ضلال اور اضلال کے ڈبل جرم کا مرتکب ہوتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۲۴ ہٹ دھرم منکرین کیلئے بڑی رسوائی۔ والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسے لوگوں کیلئے بڑی رسوائی ہے دنیا کی زندگی میں قتل و قید وغیرہ کی طرح طرح کی شکلوں میں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی بڑائی کے زعم اور گھمنڈ کی بناء پر حق سے منہ موڑا - والعیاذ باللہ - سو اس کبر و غرور اور اِعراض و اِستکبار کی بناء پر ان کیلئے دنیا میں رسوائی کا عذاب ہوگا کہ جزا جنسِ عمل سے ہوتی ہے۔ اور اس پر بس نہیں کہ دنیا میں رسوائی کا عذاب ہو گیا اور چھوٹ گئے۔ نہیں بلکہ ان کیلئے اصل عذاب تو آخرت کا عذاب ہوگا جو کہ بڑا ہی سخت اور نہایت ہولناک عذاب ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم - یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں پر زیرِ بحث رسول کے مخالفین ہیں اور رسولوں کے مخالفین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر بھی واضح فرمایا گیا ہے یہی رہا ہے کہ اگر ایسے لوگ باز نہیں آتے اور اپنی مخالفت پر اڑے اور جمے ہی رہتے ہیں تو اِتمامِ حجت کے بعد وہ اس دنیا میں بھی شکست اور ذلت و خواری سے دوچار ہوتے ہیں اور آخرت میں ایسے لوگ دوزخ کے عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں نے اپنے باطن میں حسد، جلن اور حق دشمنی کا جو الاؤ تیار کر رکھا تھا اور جس کی وہ اپنے باطن میں برابر پرورش کرتے رہے اس کا طبعی تقاضا اور منطقی انجام یہی تھا - والعیاذُ باللہ العظیم -

لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٠﴾ ع وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى

آگے بھیجے تھے (اپنی آخرت کے لئے،) ورنہ اللہ کبھی ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر ۲۵ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی کرتے ہیں

حَرْفٍ ج فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ج وَاِنْ

ایک کنارے پر (رہ کر،) پھر اگر ان کو کوئی (دنیوی) فائدہ ۲۶ مل گیا، تو مطمئن ہو گئے، اور اگر

اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ قف خَسِرَ الدُّنْيَا

کوئی آزمائش آ گئی ۲۷ تو یہ منہ اٹھا کر چل دئے، ۲۸ اس طرح وہ اپنی دنیا بھی کھو بیٹھتے ہیں، ۲۹

وَالْاٰخِرَةَ ط ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾ يَدْعُوْا

اور آخرت بھی ۳۰ (اور دنیا و آخرت دونوں کا) یہ خسارہ ہی کھلا ہوا خسارہ ہے ۳۱ ایسا شخص اللہ کے سوا ایسی (فرضی و وہمی اور

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ط ذٰلِكَ

بے حقیقت) چیزوں کو پکارتا ہے، جو اس کو نہ کوئی نقصان دے سکیں، اور نہ نفع پہنچا سکیں، یہی ہے انتہاء درجے کی

هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٢﴾ ج يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗ اَقْرَبُ

گمراہی ۳۲ یہ پکارتا ہے ان (خودساختہ و فرضی ہستیوں، اور بناوٹی، وہمی سرکاروں،) کو جن کا نقصان یقینی طور پر ان کے نفع سے زیادہ

ع ۸

۲۵ اللہ تعالیٰ ظلم کے ہر شائبہ سے پاک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ: ۔سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ کبھی ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر، اور ظلم کرنے کا کیا مطلب، بلکہ وہ تو کرم ہی کرم فرماتا ہے کہ اسکی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے دائماً لگاتار، اور ہمیشہ اور ہر طرح سے نوازنا، سبحانہ، وتعالیٰ۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ بندے خود اس سے منہ موڑ لیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو اللہ اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔ نہ وہ کسی کو بغیر جرم کے سزا دیتا ہے اور نہ کسی کو اسکے جرم سے زیادہ سزا دیتا ہے۔ اور نہ ہی وہاں اس کا کوئی خدشہ اور امکان ہے کہ جرم کسی کا ہو اور سزا کسی اور کو ملے۔ سو ایسی کوئی بھی صورت وہاں متصور نہیں۔ مگر وہ کسی مجرم کو اسکے جرم کی سزا دیئے بغیر چھوڑتا بھی نہیں کہ یہ اسکی شانِ عدل کے تقاضوں کیخلاف ہے۔ لہٰذا اب تم لوگ اپنے ہاتھوں کی کمائی کا بھگتان بھگتو۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ ظلم کے ہر شائبہ سے پاک و بری، اور اس سے اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۲۶ ابنائے دنیا کا مطمح نظر متاعِ دنیا اور بس: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی کرتے ہیں ایک کنارے پر رہ کر"۔ یعنی دنیاوی مفاد و مقصد کے لیے۔ اگر یہ مقصد پورا ہو گیا اور وہ مفاد حاصل ہو گیا تو خوش اور مطمئن ورنہ

شاکی اور ناشکرے۔ مثلاً دنیا کا کوئی مال وغیرہ مل گیا یا کچھ روپیہ پیسہ حاصل ہو گیا یا کسی کرسئ اقتدار کا کوئی موقع مل گیا وغیرہ تو خوش ہو گیا کہ ابنائے دنیا کا قبلہ مقصود یہی دنیائے فانی اور اس کا حطامِ زائل ہی ہے۔ وہ اسی کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ سو جن پر حُبِّ دنیا اسطرح غالب اور مسلط ہو۔ ان کو حق کی دولت اور ہدایت کی روشنی آخر کیسے اور کیونکر مل سکتی ہے؟ اور ایسوں کی محرومی اور بدبختی میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ والعیاذ باللہ العظیم

۲۷ طالب دنیا کا حال ابتلاء و آزمائش کے موقع پر؟ سو طالب دنیا کا حال دنیاوی مفاد سے وابستہ ہوتا ہے۔ دنیا مل گئی تو خوش۔ اور اگر کوئی آزمائش آ گئی۔ مثلاً کوئی جانی یا مالی نقصان ہو گیا یا کوئی بیماری وغیرہ لاحق ہو گئی یا مال و دولت میں کچھ نقصان ہو گیا وغیرہ۔ والعیاذ باللہ۔ تو ایسے میں اسکی حالت دوسری ہو جاتی ہے۔ سو جو لوگ لذتِ ایمان و یقین سے محروم ہوتے ہیں ان کا حال اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو میدانِ معرکہ میں اترنے کی بجائے کنارے پر کھڑا تماشہ دیکھتا رہتا ہے کہ جدھر پلڑا بھاری ہوا ادھر ہی ہو جاؤنگا۔ کہ اس کے سامنے دنیائے دوں کے عارضی فوائد اور وقتی منافع ہی ہوتے ہیں اور بس۔ وہ اسی اعتبار سے سوچتا اور ہر چیز کو اسی نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دنیا ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ اور ان کا معاملہ دنیاوی مفاد ہی سے وابستہ ہوتا ہے۔ وہ مل گیا تو سب ٹھیک ورنہ کچھ بھی نہیں۔ حق اور سچ کے تقاضوں کی حیثیت ان کے یہاں ثانوی نوعیت کی ہوتی ہے، بلکہ اس سے بھی کمتر۔ الا ماشاء اللہ والعیاذ باللہ العظیم

۲۸ مذبذب شخص کی آزمائش میں ناکامی و محرومی - والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے شخص کو اگر کوئی آزمائش پیش آ گئی تو وہ الٹے منہ لوٹ گیا۔ سو اس طرح کی آزمائش میں ایسے لوگ دینِ حق سے ہی پھر جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ کہ ایسے مذبذب لوگوں کا دین و ایمان ان کا دنیاوی مفاد اور اس کا متاعِ فانی ہی ہوتا ہے۔ وہ مل گیا تو سب کچھ ٹھیک ہے نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ان کا دین و ایمان اسی محور کے گرد گھومتا ہے اور وہ اسی اعتبار سے سوچتے اور اسی تلنا سے تولتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسا ایمان جو دنیاوی مفاد کے تابع ہو نہ مفید ہے نہ مطلوب کہ یہ تذبذب اور تردد والا ایمان ہے۔ جبکہ اصل مقصود خالص اور کامل اسلام و ایمان ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ادخلوا فی السلم کافۃ﴾۔ سو مومن صادق کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کا دین و ایمان دنیاوی مفاد سے وابستہ ہونے کی بجائے وہ اس صفت و شان کا ہوتا ہے۔ اسکی دنیا اسکے دین و ایمان کے تقاضوں کے تابع ہوتی ہے۔ وہ دنیا سے اتنا ہی اور اسی قدر فائدہ اٹھاتا ہے جتنا کہ اس کا دین و ایمان اسکو اجازت دیتا ہے۔ اور بس اور یہی تقاضائے بندگی ہے۔ کہ انسان حق و ہدایت کے تقاضوں کو ہی سب سے مقدم رکھے۔

۲۹ مذبذب شخص کی دنیاوی محرومی کا ذکر: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسا شخص اپنی دنیا بھی کھو بیٹھتا ہے کہ دنیاوی مراد بھی پوری نہ ہوئی اور کھلے کافر کی طرح وہ ایک طرف ہو کر دنیا بھی نہ کما سکا۔ کیونکہ کھلا کافر اپنی آخرت کے اعتبار سے اگرچہ محروم ہوتا ہے اور یقیناً محروم ہوتا ہے، کہ اس پر اس کا ایمان ہی نہیں، لیکن وہ ایک طرف لگ کر کم از کم اپنی دنیا تو بنا لیتا ہے۔ لیکن ایسے مذبذب اور دوغلے منافق کو دنیا بھی نہیں مل سکتی کہ وہ اہلِ ایمان اور اہلِ کفر میں سے کسی ایک کی صنف میں بھی پوری طرح شریک اور شامل نہیں ہوتا اور برابر۔ ﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾۔ کی کیفیت سے دوچار رہتا ہے۔ اور یہ اُس کے نفاق کی ایک نقد سزا ہے جو اس کو برابر ملتی رہتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں

رکھے - اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین

۳۰ مذبذب انسان کی اخروی محرومی کا ذکر وبیان :- سو ارشاد فرمایا گیا اور اسکی آخرت بھی گئی - والعیاذ باللہ - کہ ایمان ویقین اور عمل وکردار کی وہ پونجی ہی اسکے ہاتھ سے چلی گئی، جس پر آخرت کی کامیابی کا مدار وانحصار ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اور ایمان وعمل کی اس پونجی کے حصول اور اسکی کمائی کا موقع اسی دنیوی زندگی میں ہوتا ہے - اور یہ جب ہاتھ سے نکل گئی تو پھر کمائی کا کوئی موقع ممکن ہی نہیں - اور اس کا دستور جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر بھی واضح فرمایا گیا ہے یہی ہے کہ اگر ایسے لوگ باز نہیں آتے اور اپنی مخالفت پر اڑے اور جمے ہی رہتے ہیں تو اتمامِ حجت کے بعد وہ اس دنیا میں بھی شکست اور ذلت وخواری سے دوچار ہوتے ہیں اور آخرت میں ایسے لوگ دوزخ کے عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں - کیونکہ ایسے لوگوں نے اپنے باطن میں حسد، جلن اور حق دشمنی کا جو الاؤ تیار کر رکھا تھا اور جس کی وہ اپنے باطن میں برابر پرورش کرتے رہتے تھے اس کا طبعی تقاضا اور منطقی انجام یہی تھا - سو ایمان ویقین کی دولت سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے کیونکہ اسکے نتیجے میں انسان دنیا وآخرت دونوں کی سعادت سے محروم ہو کر اسفل السافلین بن جاتا ہے

۳۱ کھلے خسارے کی تعیین اور اسکی نشاندہی - والعیاذُ باللہ العظیم :- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہی ہے خسرانِ مبین - والعیاذ باللہ - اور ظاہر ہے کہ اصلی اور کھلا ہوا خسارہ یہی ہے - والعیاذ باللہ - کہ ایمان ویقین کی دولت سے محرومی کی بناء پر آخرت کی اصل اور حقیقی کامیابی بھی گئی اور دنیا کا عارضی اور وقتی مفاد بھی - پس دنیائے فانی کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کو اصل مقصود بنا لینا خرابیوں کی خرابی اور محرومی وفساد کی جڑ بنیاد ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اگر کسی کا کوئی دنیاوی نقصان ہو گیا - والعیاذ باللہ - مگر اس نے اپنا اخروی اجر وثواب محفوظ کرا لیا تو اس کا کوئی نقصان نہیں لیکن جس نے اپنی آخرت بھی کھوئی اور دنیا بھی، وہی ہے کھلے خسارے والا - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی اور ہر قسم کے انحراف سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۳۲ غیر اللہ کو پکارنا انتہاء درجے کی گمراہی - والعیاذُ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسا شخص اللہ کے سوا ایسی بے حقیقت چیزوں کو پکارتا ہے جو اس کو نہ کوئی نفع دے سکیں نہ نقصان - یہی ہے انتہاء درجے کی گمراہی کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی ہستیوں کو پوجے پکارے جن کے معبود بننے کا کوئی امکان ہی نہ ہو - کہ معبودِ برحق تو بہرحال ایک ہی ہے - اور جن میں کسی نفع نقصان کا کوئی اختیار ہی نہیں - والعیاذ باللہ - سو ایسی بے حقیقت چیزوں کو معبود قرار دینا اور انکو پوجنا پکارنا دائمی ہلاکت وتباہی کا سامان اور خود اپنی تذلیل ہے - والعیاذ باللہ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے پکارتے ہیں جن کے اختیار میں نہ کسی طرح کا کوئی نفع پہنچانا ہے نہ نقصان - کہ نفع ونقصان کے سب اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہیں جو اس پوری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے خالق ومالک ہے - اور ہر چیز کا نفع ونقصان اسی وحدہٗ لاشریک کے ہاتھ میں ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - اس لئے رجوع ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کی طرف کرنا چاہیے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید

مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬ اِنَّ

قریب ہے ۳۳ یقیناً بڑا ہی برا ہے ایسا کارساز بھی، اور بڑا ہی برا ہے ایسا ساتھی بھی ۳۴ (اس کے برعکس)

اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

جولوگ (صدقِ دل سے) ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے، ان کو اللہ تعالیٰ یقینی طور پر (اپنے کرم سے) داخل فرمائے گا،

۳۳ غیر اللہ کو پکارنا موجب ہلاکت وتباہی - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے پکارتے ہیں ایسی چیزوں کا نقصان ان کے نفع سے یقیناً زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ ان کو خدائے واحد کا شریک ٹھہرا کر مشرک انسان دنیا میں ذلت وخواری سے دوچار ہوتا ہے اور آخرت میں دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ تو پہلی آیتِ کریمہ میں ان سے نفع ونقصان کی نفی باعتبار ان کی ذوات اور حقیقتِ نفس الامری کے ہے کہ یہ اپنے ارادہ و اختیار سے نہ کسی کو کوئی نفع دے سکتے ہیں نہ کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ کہ یہ ان کے بس سے باہر ہے۔ ان کے اندر اسکی اہلیت ہی نہیں۔ اور دوسری آیت میں ان کے لئے نقصان کا اِثبات ان کی سببیت کے اعتبار سے ہے۔ یعنی یہ دوسروں کی گمراہی اور ہلاکت وتباہی کا سبب بنتے ہیں کہ لوگ ان کی پوجا پاٹ کر کے دارین کے خسارہ ونقصان میں پڑتے ہیں - والعیاذ باللہ - پس ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں جیسا کہ بادی النظر میں نظر آتا ہے۔ سو ان کے یہ خودساختہ اور من گھڑت معبود سراسر بے حقیقت ہیں۔ ان میں کسی طرح کے نفع ونقصان کا کوئی سوال ہی نہیں۔ البتہ ان کی پوجا کی بناء پر ان کے پجاری دوزخ کا ایندھن ضرور بنیں گے۔ سو اللہ کے سوا اوروں کو پکارنا موجبِ ہلاکت وتباہی ہے - والعیاذ باللہ - اللہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۳۴ پیشوا اور پیرو دونوں نانہجار، والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا بڑا ہی برا کارساز اور بڑا ہی برا ساتھی، یعنی "مولیٰ" اور "عشیر" دونوں ہی نانہجار جو کہ انسان کے لئے ہدایت جیسی بے مثال ولازوال نعمت سے محرومی کا سبب بنے۔ اور اسے دوزخ کی تباہی کی راہ پر ڈال دے - والعیاذ باللہ العظیم - یعنی جن مشرکوں نے ایسے خودساختہ اور من گھڑت معبودوں کو اپنا مقصود اور قبلہ توجہ بنا رکھا تھا اور وہ ان ہی پر چپکے بیٹھے تھے اور ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ رکھا تھا انہوں نے بڑا ہی غلط راستہ اپنایا تھا کہ ان کے یہی کارساز اور یہی ساتھی ان کیلئے دائمی محرومی اور دوزخ کی آگ کا باعث بنے - والعیاذ باللہ - "مولیٰ" سے یہاں پر مراد مشرکین کے وہ من گھڑت اور خودساختہ شرکاء وشفعاء ہیں جن کو یہ لوگ حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پوجا پکارا کرتے تھے۔ اور "عشیر" سے مراد وہ مشرک ہیں جنہوں نے ان کو مولیٰ ومرجع اور حاجت روا ومشکل کشا قرار دے رکھا تھا۔ سو گمراہ پیر ومرید گرو اور گمراہ کن چیلے اور پیشوا سب ہی نانہجار اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ ضلال و اِضلال کے جرم میں سب ہی شریک اور مالکِ حقیقی سے دوری کا باعث اور بے حقیقت ہیں۔ سو یہ ارشاد ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے - ﴿ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴾ - (حج: ۷۳) - اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین ویا ارحم الراحمین

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا

ایسی عظیم الشان جنتوں میں، جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان وبے مثل) نہریں ف۳۵ بے شک اللہ کرتا

یُرِیۡدُ ﴿۱۴﴾ مَنۡ کَانَ یَظُنُّ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ فِی

ہے جو چاہتا ہے، ف۳۶ جو کوئی یہ گمان رکھتا ہو کہ اللہ اس کی کوئی مدد نہیں فرمائے گا ف۳۷

الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ فَلۡیَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ

دنیا وآخرت میں، تو اس کو چاہیئے کہ وہ ایک رسی تان لے آسمان کی طرف،

ثُمَّ لۡیَقۡطَعۡ فَلۡیَنۡظُرۡ هَلۡ یُذۡهِبَنَّ کَیۡدُهٗ مَا یَغِیۡظُ ﴿۱۵﴾

پھر وہ کاٹ ڈالے (سلسلہ وحی کو،) پھر دیکھ لے کہ کیا اس کی تدبیر رد کر سکتی ہے اس چیز کو جو اس کو غصہ دلاتی ہے؟ ف۳۸

۳۵ جنتیوں کیلئے عظیم الشان نہریں: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان اور عمل صالح کی دولت رکھنے والے ایسے خوش نصیبوں کو ایسی عظیم الشان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے عظیم الشان نہریں جاری ہونگی۔ یعنی دودھ کی، شہد کی اور شرابِ طہور کی۔ اور صاف ستھرے پانی کی۔ اور پانی بھی ایسا جس میں کہیں کوئی سڑانڈ پیدا نہ ہو۔ اور شراب ایسی کہ نہ اس سے کوئی خرابی پیدا ہو اور نہ کسی طرح کا کوئی فتور آئے۔ اور شہد ایسا کہ جس میں کوئی کدورت اور آمیزش نہ ہو۔ اور دودھ ایسا کہ جس میں کبھی کوئی تغیر اور بدلاؤ نہ آئے۔ جیسا کہ سورۂ محمد کی آیت نمبر ۱۵ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور پھر ان نعمتوں میں ان کا رہنا بھی ہمیشہ کا ہوگا۔ سو یہ ہے اصل اور حقیقی کامیابی جو انسان کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے- اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے- آمین ثم آمین۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جنت کی نعیم مقیم سے سرفرازی اور حقیقی کامیابی کا حصول انسان کے اپنے ایمان وعمل پر ہے نہ کہ حسب ونسب وغیرہ کے مصنوعی اور خود ساختہ فوارق پر۔

۳۶ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ نہ کوئی اسے روک سکتا ہے کہ وہ خالقِ کل اور مالکِ مطلق بھی ہے اور حاکم ومتصرف بھی۔ جو چاہے کرے۔ مگر چونکہ وہ عادل اور حکیم بھی ہے اس لئے اس کا ہر حکم وارشاد سراسر عدل وحکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں کسی حرف گیری کی کسی گنجائش کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا- سبحانہ، وتعالیٰ- اور اسکی اس حکمتِ مطلقہ اور عدل کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو اس اجر وثواب سے نوازے جس کے وہ اپنے ایمان اور عمل کی بناء پر مستحق ہونگے۔ اور پھر وہ چونکہ بادشاہوں کا بادشاہ اور احکم الحاکمین، ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ہے، اس لیے اسکی عطاء وبخشش بھی بے مثال ہوگی- اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین ویا اکرم الاکرمین۔

۳۷ اللہ سے مایوس اور بدگمان ہونے والوں کو سخت تنبیہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی یہ گمان رکھتا ہو کہ اللہ اس کی

مدد نہیں کرے گا۔ یعنی آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تو وہ آسمان کی طرف رسی تان کر اس مدد کو قطع کر دے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے کی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نصرت و مدد کو روک دے جو اس کی طرف سے اس کے رسول کے لئے کی جاتی ہے کہ اپنے رسولوں کی مدد کرنے کا اس نے قطعی وعدہ فرما رکھا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾۔ (المومن:۵۱)۔ نیز ﴿ثُمَّ لْيَقْطَعْ﴾ کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایسا شخص رسی تان کر پھانسی پر لٹک جائے اور اپنے اس غیظ و غضب میں اپنی جان کا خاتمہ کر دے کہ وہ اللہ کی مدد کو نہیں روک سکتا۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، قرطبی، مراغی، مدارک، خازن اور محاسن وغیرہ)۔ اس میں اور بھی کئی احتمال و اقوال موجود ہیں وہ انشاء اللہ ہم اپنی مفصل تفسیر میں عرض کریں گے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور اسکی توفیق مل گئی۔ لیکن یہ سب اقوال و احتمال اس صورت میں ہیں جبکہ ﴿ينصرهُ﴾ کی ضمیرِ منصوب کا مرجع رسول کو قرار دیا جائے۔ لیکن اس میں دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا مرجع "من" کا کلمہ موصولہ ہو جو کہ اس آیتِ کریمہ کے شروع میں وارد ہوا ہے۔ سو مطلب یہ ہوگا کہ جو کوئی بدبخت اس بدگمانی میں مبتلا ہو کہ اللہ اسکی مدد نہیں کرے گا اور اس بنا پر وہ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا مولیٰ و مرجع بنالے تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ بلکہ اپنے آپ ہی کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں ڈالے گا۔ اس لیے ایسے لوگوں کے لیے اس میں تنبیہ ہے۔ بعض حضراتِ اہلِ علم نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے اور یہی سیاق و سباق کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سوءِ ظن اور انحراف کے ہر شائبے سے ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۳۸ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھنے والوں کی تجہیل و تحمیق۔ والعیاذ باللہ: - سو ایسے بدبخت شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ پھر وہ خود دیکھ لے کہ کیا اسکی یہ تدبیر اس چیز کو لے جاسکتی ہے جو اس کو غصہ دلاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نہیں اور یقیناً نہیں کہ ایسا کرنا نہ کسی کے بس میں ہے اور نہ ایسے ہوسکتا ہے۔ تو پھر حق سے منہ موڑنے کا نتیجہ و فائدہ کیا؟ سوائے اپنی محرومی اور بدنصیبی کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو سلامتی کی راہ یہ ہے کہ سلسلۂ وحی پر کڑھنے اور اسکو بند کرانے کی فکر میں پڑنے کی بجائے اللہ کی رسی یعنی قرآنِ حکیم پر صدقِ دل سے ایمان لاکر اور اسکی تعلیمات کو صدقِ دل سے اپنا کر دارین کی سعادت و سرخروئی کی راہ کو اپنایا جائے۔ یہ تقریر اوپر کے دونوں احتمالوں میں سے پہلے احتمال کی بنا پر ہوگی۔ جبکہ دوسرے احتمال کی صورت میں ﴿فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ﴾۔ یعنی آسمان کی طرف رسی تاننا آخری اور انتہائی تدبیر کر دیکھنے کے لیے اسی طرح کا ایک استعارہ ہوگا جس طرح ہماری زبان میں تھگلی لگانے کا محاورہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ انعام کی آیت نمبر ۳۵ میں بھی اسی طرح ایک استعارہ گزر چکا ہے۔ سو مطلب یہ ہوگا جو بدبخت اس طرح کی بدگمانی میں مبتلا ہوں کہ اللہ ان کی کوئی مدد نہ فرمائے گا اور اس بنا پر وہ دوسرے من گھڑت سہاروں کو اپنا ماؤی و مرجع بنالیں وہ جہاں چاہیں آوارہ گردی کریں اور جس جوہڑ سے چاہیں اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کریں لیکن وہ یاد رکھیں کہ انسانی فطرت کے اندر جو پیاس ہے وہ ہر جوہڑ سے بجھنے والی نہیں۔ وہ صرف ایمان کے حوضِ کوثر ہی سے بجھ سکتی ہے۔ اور اس کے اندر جو خلا ہے وہ ہر اینٹ پتھر سے نہیں بھرا جاسکتا۔ اس کو اگر بھرا جاسکتا ہے تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی یادِ دلشاد سے بھرا جاسکتا ہے۔ سو بڑے ہی احمق اور مت کے مارے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اس طرح کی کسی بدگمانی میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

اور اسی طرح اتارا ہے ہم نے اس (قرآن) کو، کھلے (اور روشن) دلائل کی صورت میں، اور بے شک اللہ ہی نوازتا ہے ہدایت (کی دولت)

مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

سے جس کو چاہتا ہے ف۳۹ بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی بن گئے،

وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ

اور ستارہ پرست، اور نصرانی، اور مجوسی، اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا،

اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

بے شک اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان فیصلہ فرمادے گا، قیامت کے دن (عملاً اور آخری طور پر) ف۴۰ بے شک اللہ

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ

ہر چیز پر پوری طرح مطلع ہے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ ہی کے حضور سجدہ ریز ہیں

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَ

وہ سب جو کہ آسمانوں میں ہیں، اور وہ سب بھی جو کہ زمین میں ہیں، ف۴۱ اور سورج و

الْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ

چاند، اور ستارے و پہاڑ، اور درخت، اور جانور، ف۴۲

۳۹ **ہدایت اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں:** -سوارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی ہدایت سے نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ سو وہی توفیق دیتا ہے کہ اسکی تعلیمات کو صدقِ دل سے اپنا کر دارین کی سعادت وسرخروئی کی راہ کو اپنایا جائے۔ کیونکہ ہدایت کی دولت جو سب سے بڑی دولت ہے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی بے نہایت رحمت وفیاضی کی بناء پر ملتی تو بالکل مفت ہے لیکن اس کے لئے اولین شرط اور بنیادی تقاضا طلبِ صادق ہے جس کا تعلق انسان کے باطن اور اس کے دل سے ہے۔ اور دلوں کی حالت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- اسی لئے وہ حق وہدایت کے نور سے انہی کو نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے جو اپنے باطن میں اسکے لئے طلبِ صادق رکھتے ہیں۔ اسی لئے ﴿ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ﴾ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ ہدایت اسی کو بخشتا ہے جو ہدایت چاہتا ہے۔ سو ہدایت کی دولت سے سرفرازی اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور اسکے ارادہ پر

موقوف ہے۔ اور وہ اس دولت سے انہی کو نوازتا ہے جو اس کے لیے اپنے اندر ارادہ اور طلبِ صادق رکھتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۴۰ اصل فیصلہ قیامت ہی کے روز: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ہی سب کے درمیان فیصلہ فرمائے گا قیامت کے دن۔ یعنی عملی طور پر اور آخری فیصلہ کہ ایمان والوں کو جنت میں داخل فرمادے گا اور کفر والوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ ورنہ علمی طور پر فیصلہ تو وہ ان کے درمیان اپنے رسول اور اپنی کتاب کے ذریعے اس دنیا میں ہی فرما چکا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور حق کو باطل سے پوری طرح نکھار کر بیان فرمادیا ہے مگر یہ دنیا چونکہ ''دار الجزاء'' نہیں ''دار العمل'' ہے۔ اس لیے یہاں پر سب کو ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ سو آج جو مختلف قومیں اور جماعتیں حق اور اہلِ حق کے خلاف دندناتی پھرتی ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ایسے ہی بچے رہیں گے۔ نہیں بلکہ ان سب کے درمیان اصل فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا جو کہ آخری، قطعی اور عملی فیصلہ ہوگا۔ کہ وہی دن فیصلے۔ اور فرق و تمیز کا دن ہے، نہ کہ یہ دنیا۔

۴۱ کائنات ساری اللہ کے حضور سجدہ ریز: ۔ سو اس سے تصریح فرمادی گئی کہ آسمان و زمین کی ساری کائنات اللہ ہی کیلئے سجدہ ریز ہے۔ یعنی تکوینی طور پر کہ جس چیز کو جس مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ پوری طرح اسے انجام دے رہی ہے۔ اور جس کو جس کام میں لگا دیا وہ اس میں لگا ہوا ہے۔ سر مو اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔ جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ۔ اور یہی مراد ہے سجدۂ تکوینی سے کہ ہر چیز اپنے مقصدِ وجود کی تحقیق و تکمیل کیلئے بلا چوں و چرا شب و روز مصروفِ عمل ہے مگر اس تکوینی سجدہ ریزی کی بناء پر وہ کسی اجر و ثواب کی مستحق نہیں کہ اس میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جبکہ اجر و ثواب ملتا ہے اس سجدہ ریزی پر جو اپنے ارادہ و اختیار سے ہو۔ اور جو حضرتِ انسان اپنے خالق و مالک کے حضور اور اس کی رضا و خوشنودی کے لیے اپنے قصد و ارادہ اور شوق و اختیار سے کرتا ہے اور اسی کو سجدہ تشریعی کہا جاتا ہے۔ اور اسی اختیاری اور تشریعی سجدہ پر انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے۔ اور اسی کی بناء پر وہ آخرت کے اجرِ عظیم اور نعیم جنت سے سرفراز ہوگا۔ اور یہی مدارِ تکلیف، سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ اور سبب فوز و فلاح ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۴۲ سورج و چاند کی سجدہ ریزی کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ سورج چاند وغیرہ بھی اسی کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ کہ یہ سب عظیم الشان کرّے اپنے خالق و مالک کے حکم و ارشاد کے پابند، اور اسی کی عبادت و بندگی میں مصروف اور اسی کے حضور سرافگندہ و سجدہ ریز ہیں۔ پس ان میں سے کوئی بھی چیز معبود نہیں کہ اس کی پوجا کی جائے۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں نے کیا اور وہ گمراہی کے گڑھے میں گرے۔ بلکہ یہ سب کے سب مخلوق اور خود عابد اور اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد کے پابند ہیں۔ سو کس قدر بدبخت ہیں وہ لوگ جو اپنے ان خادموں کی پوجا میں لگ گئے۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کا حق ہے جس نے ان عظیم الشان کرّوں اور اس طرح طرح کی مخلوق کو پیدا فرما کر ان کو انسان کی خدمت میں لگا دیا۔ فلہ الحمد ولہ الشکر۔ سبحانہٗ و تعالیٰ بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال وکما یحب و یرضیٰ

وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَ

اور بہت سے انسان بھی، ف۴۳ اور بہت سے ایسے ہیں، جن پر پکا ہو چکا ہے اللہ کا عذاب، ف۴۴ اور

مَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ

(حقیقت یہ ہے کہ) جسے اللہ ذلیل کر دے ف۴۵ اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا، بلا شبہ اللہ جو چاہے

مَا يَشَاءُ ۩ (۱۸) هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ

السجدۃ

کرتا ہے، ف۴۶ (ایمان و کفر والے) یہ دو فریق ہیں، جن کے درمیان جھگڑا ہے ان کے رب کے بارے میں،

فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ ۖ

سو (ان میں) جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، ان کے لئے کپڑے کاٹے جا چکے ہیں ف۴۷ آگ کے، (ان کے مجرمانہ قد و کاٹھ کے

۴۳ انسانوں کی سجدہ ریزی کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا اور بہت سے انسان بھی یعنی وہ بھی اسی وحدہٗ لاشریک کے حضور سجدہ ریز ہیں یعنی جو ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز ہوئے، اور انہوں نے اپنی رضاء و رغبت، اور ارادہ و اختیار، سے اس کے حضور سجدہ کیا کرتے ہیں، جو کہ تشریعی اور اختیاری سجدہ ہے جس پر ان کو حضرت حق جل مجدہٗ کی طرف سے عظیم الشان ثواب سے نوازا جائے گا، اور وہ اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریزی میں خاص لذت محسوس کرتے ہیں،- سو اس میں ایک طرف تو یہ درس عظیم ہے کہ جب کائنات ساری اپنے خالق و مالک کے حضور سرافگندہ اور سجدہ ریز ہے تو پھر انسان کے لیے کس طرح روا ہو سکتا ہے کہ یہ بایں ہمہ عقل و فہم اور علم و ادراک اس کے حضور نہ جھکے۔ نیز اس میں دوسری طرف یہ درس عظیم بھی ہے کہ جو لوگ اپنے خالق کے آگے نہیں جھکتے وہ دراصل اس پوری کائنات کی مخالف سمت میں چلتے اور اس سے ٹکراتے رہتے ہیں اور جس کا نتیجہ و انجام ظاہر ہے کہ ہولناک ہلاکت و تباہی ہے- والعیاذ باللّٰہ جَلَّ وعلا من کل زَيْغٍ وَّضلال

۴۴ عذاب کے حقداروں کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا اور بہت سوں پر پکا ہو چکا ہے اللہ کا عذاب، یعنی ان کی اپنی بدنیتی اور بدبختی اور سوءِ اختیار کی بناء پر، والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اپنے ارادہ و اختیار اور شوق و رغبت سے اپنے خالق و مالک کے حضور جھکنا اور اس کیلئے سجدہ ریز ہونا حضرت حق جل مجدہٗ کا اسکے بندوں کے ذمے حق بھی ہے، اور وہی معبود برحق ہے اور اسی نے ان کو نعمت وجود اور دوسری طرح طرح کی بے حد و حساب نعمتوں سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے، اس لیے اسکے بندوں کے ذمے اس کا یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ دل و جان سے اسکے حضور جھکیں، اور اسی میں انکی عظمت بھی ہے اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان بھی، سبحانہ، وتعالیٰ- سو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور جھکنا اور سجدہ ریز ہونا بہت بڑا شرف و سعادت بھی ہے اور سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ بھی۔ اور اسی میں انسان کے لیے سچی عزت اور حقیقی کامیابی ہے- وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید۔

۴۵ راندۂ درگاہ بدبختوں کے حال و مآل کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ درگاہِ خداوندی سے راندے ہوؤں کے

لیے کوئی عزت نہیں ہو سکتی - والعیاذ باللہ جل وعلا - سو اس سے اس امر کی تصریح فرما دی گئی کہ جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا - اور اللہ تعالیٰ کے ذلیل کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو ذلیل و خوار کر دے اس کے اپنے اختیار کردہ کفر و فسوق کی ذلت کے ساتھ اس کی اپنی بدنیتی، بدباطنی اور سوء اختیار کی بنا پر - والعیاذ باللہ - تو پھر اسکو کوئی عزت نہیں دے سکتا کہ عزت سب اللہ ہی کیلئے ہے اور اس کے رسول کیلئے اور اہل ایمان کیلئے - جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾ - (المنافقون: ۸) یعنی "عزت تو اصل میں اللہ ہی کیلئے ہے اور اسکے رسول کے لیے اور ایمان والوں کیلئے، لیکن منافق لوگ اس حقیقت کو جانتے نہیں" - پس جو کوئی عزت چاہتا ہو تو اس کو یہ حقیقت اپنے پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ عزت سب کی سب اللہ ہی کیلئے اور اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے - پس وہ صدقِ دل سے اللہ والا بن جائے اور اسی سے عزت کی توقع رکھے - جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ﴾ - الاٰیۃ (فاطر: ۱۰) - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال، وفی کل مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ

۲۶ اللہ کی مشیّت سب پر حاوی و غالب: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے - نہ کوئی اسے اس کے ارادے سے روک سکتا ہے اور نہ کوئی اسکو اس کے کیے پر ٹوک سکتا ہے کہ وہ خالقِ کل اور مالکِ مطلق بھی ہے اور حاکم و حکیمِ مطلق بھی - نہ کسی کے لئے اس کے روکنے ٹوکنے کا یارا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی گنجائش سبحانہ، وتعالیٰ - اور نہ ہی اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہو سکتا ہے - اس لیے وہ جس کو عزت سے نوازتا ہے ٹھیک نوازتا ہے کہ وہ اس کا اہل ہوتا ہے اور جس کو وہ ذلیل کرتا ہے تو اس کو ٹھیک ذلیل کرتا ہے کہ وہ اپنے نوایا و خبایا کے لحاظ سے اسی کے لائق ہوتا ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے اور اپنے ظاہر و باطن اسکی مرضیات کے مطابق ڈھالنے کی توفیق بخشے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - اللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنَ الشُّرُوْرِ والفتن، ماظھر منھا ومابطن، اٰمین ثم اٰمین. یا ربَّ العالمین

۲۷ کافروں کیلئے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے ہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر و باطل پر ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے ہیں - سو اپنے اختیار کردہ کفر و شرک کی بناء پر آگ کے یہ کپڑے آج بھی ان لوگوں کے جسموں پر موجود ہیں مگر امتحان و آزمائش کے تقاضوں کے پیشِ نظر آج وہ نظر نہیں آ رہے - کل جب محنت و مجاہدہ کی اس دنیا سے گزر کر یہ لوگ آخرت کے اس دار الجزاء میں پہنچیں گے جو کہ عالم مشاہدہ ہوگا تو یہ سب پوشیدہ حقائق کھل کر سامنے آ جائیں گے اور دوزخ کی وہ آگ ان کو چاروں طرف سے آ گھیرے گی - والعیاذ باللہ العظیم - جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا - ﴿ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴾ - (ابراہیم: ۵۰) - نیز دوسری جگہ فرمایا گیا - ﴿ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ﴾ - (الاعراف: ۴۱) - والعیاذ باللہ العظیم - اور "پھر کپڑے کاٹ دیئے گئے ہیں" کہ اس ارشادِ ربانی میں یہ بلاغت اور استعارہ بھی ہے کہ جس طرح کپڑا انسان کے ناپ اور اسکی جسمانی ساخت کے مطابق اور اسکے برابر کاٹا جاتا ہے، اسی طرح ان کے یہ دوزخی کپڑے بھی انکے جرائم کے مطابق کاٹے جائیں گے - والعیاذ باللہ - ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر بھی اسکی وضاحت کر دی ہے - والحمد للہ - بہر کیف کافروں کیلئے دوزخ کی آگ کا ہولناک لباس ہوگا اور اس کو ماضی کے صیغے سے تعبیر فرمانا تحققِ وقوع کیلئے ہے - (قرطبی وغیرہ) - اللہ تعالیٰ زیغ و انحراف کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور پاک رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ

مطابق،) اور (مزید برآں ان کی خبر گیری کے لئے) ان کے سروں کے اوپر سے (ان پر) ڈالا جائے گا ایسا کھولتا ہوا پانی، جس سے

بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَقَامِعُ

پگھل پگھل جائے گا وہ سب کچھ جو ان کے پیٹوں کے اندر ہوگا، اور ان کی کھالیں بھی ف۴۸ اور (مزید خبر لینے کو) ان کے لئے گرز ہوں گے

مِنْ حَدِيدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ

لوہے کے، شدتِ غم کی بنا پر جب وہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے، تو انہیں واپس اسی

غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ق وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۲۲﴾ ع

ع ۲ ۱۲ ۹

میں دھکیل دیا جائے گا، اور (مزید تذلیل وتوبیخ کے طور پر ان سے کہا جائے گا کہ) اب مزہ چکھتے رہو تم لوگ اس بھڑکتی آگ کے عذاب کا، بے شک

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اللہ تعالیٰ داخل فرمادے گا (اپنے کرم سے) ف۴۹ ان لوگوں کو جو (صدق دل سے) ایمان لائے ہوں گے، اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ہوں

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا

گے، ایسی عظیم الشان جنتوں میں جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان اور بے مثل) نہریں، وہاں ان کو

مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا

آراستہ کیا جائے گا سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے ف۵۰ اور ان کے لباس وہاں پر ریشم کے ہوں گے ف۵۱ اور (ان کو یہ سب کچھ اس لئے ملے

۴۸ کافروں کے عذاب کی شدت اور ہولناکی کا ایک منظر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس سے پگھل پگھل جائے گا وہ سب کچھ جو کہ ان کے پیٹوں کے اندر ہوگا اور ان کی کھالیں بھی"۔ اور جلنے اور پگھلنے کے بعد یہ سب کچھ دوبارہ اسی طرح ہو جائے گا اور اس طرح ان کو ملنے والا یہ عذاب مسلسل جاری رہے گا۔ یعنی ایسا نہ ہوگا کہ آگ سے جل کر یہ ختم ہو جائیں اور جان چھوٹ جائے۔ جیسا کہ دنیا میں آگ سے جلنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ بلکہ وہاں وہ جلتے ہی رہیں گے اور مرنے بھی نہیں پائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا﴾ ۔ الآیۃ (فاطر: ۳۶)۔ بلکہ اس طرح جل جانے کے بعد وہ پھر دوبارہ پہلی حالت

میں کر دیئے جائیں گے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ ۔الآیۃ (النساء:۵۶)۔اور سننِ ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے۔ ''ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ''۔یعنی اس کو پھر دوبارہ ایسے ہی کر دیا جائے گا جیسا کہ وہ اس سے پہلے تھا۔(المراغی ،ابنِ کثیر وغیرہ)۔سو جس کافر کا انجام یہ ہونے والا ہے اس کو اگر دنیا میں روئے زمین کی ساری دولت بھی مل جائے تو بھی اسکو کیا ملا؟۔والعیاذ باللہ العظیم۔سو اصل دولت ایمان ویقین کی دولت ہے جو سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔اللّٰھم زدنا منه و ثبتنا علیه۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین

۲۹ جنت سے سرفرازی محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے:۔یعنی جنت انسانی اعمال کا بدلہ نہیں ہوگا بلکہ محض اللہ پاک کا کرم و احسان ہوگا۔کیونکہ اول تو بندے کا عمل ہے ہی کیا۔یہ تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں بن سکتا جن سے انسان اس دنیا میں مستفید و فیضیاب ہوتا ہے۔پھر اگر ایک انسان پوری زندگی نیک عمل کرتا رہے تو بھی اس کا یہ عمل محدود و مختصر ہی ہے جبکہ جنت کی نعمتیں دائمی اور لامحدود ہیں۔تو وہ ان محدود اعمال کا بدلہ کس طرح ہو سکتی ہیں؟ اسی لئے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں نہیں جا سکے گا۔ عرض کیا گیا حضور آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے اپنی آغوش میں لے لے۔''اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ''۔البتہ اس واہبِ مطلق۔جل جلالہ۔کی طرف سے یہ عظیم الشان رحمت وعنایت ہوگی اسی ایمان وعملِ صالح کی عظیم الشان اور جلیل القدر دولت کے سبب جو کہ انسان نے دنیا کی اس محدود و مختصر فرصت میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کمائی ہوگی۔پس عمل محض سبب کے درجے میں ہے نہ کہ مقابل اور بدلہ کے طور پر۔اس کی مثال یوں سمجھیں جیسا کہ ایک شخص ایک مزدور کی کارگزاری سے خوش ہو کر اس کو طے شدہ مزدوری کے علاوہ مزید کچھ رقم بطورِ انعام دیتا ہے۔تو ظاہر ہے کہ یہ زائد رقم اس کے کسی عمل کا بدلہ نہیں ہوتی بلکہ محض ایک انعام ہوتا ہے کہ اپنے عمل کے بدلہ کی طے شدہ مزدوری تو وہ لے چکا ہوتا ہے۔البتہ اس کے اس انعام کا سبب اس کا وہ حسنِ عمل ہی ہوتا ہے کہ اسی سے خوش ہو کر مالک نے اس کو یہ انعام دیا ہوتا ہے۔سو جنت اور اس کی ابدی و بے مثال نعمتیں انسان کے اعمال کا بدلہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اِنعام و احسان ہی ہوگا جس سے وہ وہابِ مطلق۔جل وعلا۔اپنے بندوں کو نوازے گا۔یہ الگ بات ہے کہ وہ اکرم الاکرمین اسکے باوجود اپنے بے پایاں کرم و احسان سے جنت کے اس فضل وکرم کو اہلِ ایمان کے عمل کا صلہ و بدلہ ہی قرار دے گا تا کہ اس طرح ان کی خوشی دوبالا ہو۔جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔﴿وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾۔(الاعراف:۴۳) فَيَا لَهٗ مِنْ كَرَمٍ وَّ اِحْسَانٍ وَّفَضْلٍ وَّاِنْعَامٍ۔بہرکیف جنت ایک عظیم الشان اور بے مثال کرم و احسان ہوگا اس مالکِ مطلق کا جس سے وہ اپنے بندوں کو نوازے گا۔سبحانہ، وتعالیٰ۔اللہ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین یارب العالمین یا اکرم الاکرمین۔

۵۰ اہلِ جنت کے خاص شاہانہ اِعزاز و اِکرام کا ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہاں ان کو آراستہ کیا جائے گا سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے۔ جس طرح کہ دنیاوی بادشاہوں کو پہنایا جاتا تھا۔ سو اس میں ان کا انتہائی اِعزاز و اِکرام ہوگا۔ اور اس حقیقی بادشاہی میں ان کو اس طرح کے شاہی لباس سے نوازا جائے گا۔ اور اس سے دراصل یہ تصور دلایا جا رہا ہے کہ ان خوش نصیبوں کو جنت کے اس بے مثال جہاں میں شاہانہ لباس سے نوازا جائے گا۔ کیونکہ پہلے زمانے میں بادشاہوں کے لباس اسی طرح کے ہوا کرتے تھے۔ اور آج بھی کئی ملکوں میں پائے جاتے ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے تاجوں کو طرح طرح کے ہیروں اور موتیوں وغیرہ سے مزین و آراستہ کیا جاتا ہے۔ اور آخرت کے اس غیبی جہاں کے حقائق کو دنیا کے انہی ناموں اور انہی الفاظ سے بیان اور متعارف کرایا جا سکتا ہے جن سے اہلِ دنیا واقف و آگاہ ہیں کہ اسکے علاوہ اور کوئی طریقہ ممکن ہی نہیں۔ پس آخرت اور جنت اور وہاں کے حقائق کے فکر و بیان کے سلسلے میں جن الفاظ کو استعمال فرمایا جاتا ہے وہ صرف الفاظ ہیں جن سے وہاں کے ان غیبی حقائق کو ممکنہ حد تک ذہنوں کے قریب لایا جائے۔ ورنہ وہاں کے اصل حقائق اور ہونگے جیسا کہ حضرتِ ابن عباسؓ وغیرہ نے اسکی تصریح فرمائی ہے- اللہ محض اپنے فضل و کرم سے سرفراز فرمائے- اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین، و یا اکرم الاکرمین

۵۱ اہلِ جنت کے لباسِ شاہی کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا "اور ان کا لباس وہاں پر ریشم کا ہوگا"۔ لیکن جنت کا وہ ریشم دنیاوی ریشم کے مقابلہ میں اس قدر اعلیٰ و ارفع ہوگا کہ دنیاوی ریشم کو اس سے محض اسمی اشتراک کے سوا کوئی نسبت ہی نہ ہوگی- اللہ اپنے کرم سے نصیب فرمائے- آمین۔ سو جو ریشم دنیا میں ان پر ابتلاء و آزمائش کے تقاضوں کی بناء پر حرام تھا وہ وہاں پر ان کے اِعزاز و اِکرام کیلئے انکا لباس ہوگا۔ سو دنیاوی زندگی کی یہ فرصتِ محدود جن لوگوں نے اپنی خواہشات کو دبا کر اور ان کے تقاضوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے مطابق گزاری ہوگی ان کو وہاں ایسے ہی شاہی انعامات سے نوازا جائیگا اور دنیا میں انہوں نے جو من چاہی کی بجائے خدا چاہی زندگی گزاری ہوگی اس کے عوض ان کو اس ابدی جہاں کی حقیقی زندگی میں من چاہی زندگی نصیب ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴾- (حٰمٓ السجدہ :۳۱)- اللہ نصیب فرمائے- اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین- وانہ سبحانہ وتعالیٰ سمیع قریب مجیب وعلیٰ ما یشاء قدیر وھو الھادی الیٰ سواء السبیل-

حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا

گا کہ دنیا میں) انہیں ہدایت (وتوفیق) مل گئی تھی پاکیزہ قول (کو قبول کرنے) کی ۵۲ اور انہیں ہدایت (وتوفیق) مل گئی تھی، خدائے

اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ستودہ صفات کے راستے (کو اپنانے) کی ۵۳ (اس کے برعکس) جو لوگ اڑے رہے تھے اپنے کفر (و باطل) پر،

۵۲ پاکیزہ قول کی ہدایت ایک عظیم الشان نعمت وعنایت: -ان کو پاکیزہ قول کی ہدایت (وتوفیق) مل گئی تھی۔ یعنی کلمۂ توحید کی جو کہ اصل اساس و بنیاد ہے تمام خوبیوں اور جملہ محاسن ومحامد کی۔ (مدارک، جلالین، معارف اور ابن کثیر وغیرہ)۔ کہ اسی کلمۂ طیبہ کے ذریعے قرآنِ حکیم کے ان خزائن تک انسان کو رسائی حاصل ہوتی ہے جو کہ دارین کی سعادت وسرخروئی اور حقیقی فوز وفلاح کے کفیل وضامن اور امین وپاسدار ہیں۔ اور اسی قولِ طیب کے نتیجے اور اس کے صلہ وثمرہ میں اہلِ ایمان کو جب آخرت میں جنت اور اس کی بے مثال نعمتوں سے نوازا جائے گا تو ان کی زبان پر اپنے رب کی حمد وثناء کے ترانے جاری ہو جائیں گے اور وہ طرح طرح کے الفاظ وکلمات کے ذریعے اپنے رب خالق ومالک اور منعم ووہاب کے شکر سے رطب اللسان ہو جائیں گے۔ کبھی جھوم جھوم کر وہ اس طرح کہیں گے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ﴾ -الآیۃ (الزمر: ۷۴) اور کبھی وہ دنیاوی غموں سے رہائی ونجات کو یاد کر کے اور جنت کی ان اعلیٰ وارفع اور دائمی وسرمدی نعمتوں کو دیکھ کر جن سے ان کو سرفراز کر دیا گیا ہوگا سراپا شکر وسپاس بن کر کہیں گے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ الَّذِىْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ﴾ (فاطر: ۳۴-۳۵) اور کبھی وہ ہدایتِ حق اور توفیقِ خیر وسعادت کی اس نعمت کو یاد کر کے جو کہ ان کو دنیا میں نصیب ہوئی ہوگی اپنے خالق ومالک کی حمد وثنا میں اس طرح گویا ہونگے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ - (الاعراف: ۴۳)۔ دوسری طرف ان کو سلامتی کے اس گھر -دار السلام- میں سلام اور سلامتی والے میٹھے میٹھے اور رس گھولتے کلمات کے سوا اور کوئی ایسا کلمہ نہیں سننا پڑے گا جو لغو وبیکار یا گناہ کی آلودگی رکھنے والا ہو -جیسا کہ سورۂ واقعہ میں فرمایا گیا- ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ، اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا﴾ - (الواقعۃ: ۲۵-۲۶)۔ اور پھر سلامتی والے یہ کلمات جن کا وہاں پر دور دورہ ہوگا یہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ان کی آپس کی دعاء وہاں پر یہی ہوگی جیسا کہ فرمایا گیا- ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ - (یونس: ۱۰)۔ نیز فرمایا گیا- ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ - (ابراہیم: ۲۳)۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کو سلامتی والا یہی کلمہ سننے کو ملے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے- ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ - (یٰس: ۵۸)۔ سو ان تمام کلمات طیبات سے

بہرہ مندی اوران تمام نعمتوں سے سرفرازی انسان کواسی کلمۂ طیبہ کلمۂ توحید کی بناء پر نصیب ہوگی جس کے ذریعے وہ دینِ حق اسلام کے حظیرۂ قدس میں داخل ہوتا ہے۔سواس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کلمہ یعنی کلمہ توحید کس قدر عظیم الشان اورجلیل القدر کلمہ ہے۔یہ دارین کی سعادت وسرخروئی کی کلید ومفتاح اور بابِ جنت کی کنجی ہے۔کماورد ذٰلک فی صحاح الاحادیث۔اوراسی کیلئے نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جس کواپنی زندگی کے خاتمے کے موقع پراس پاکیزہ کلمے کاذکروورد نصیب ہوگیاوہ مرادکوپاگیااور جنت میں داخل ہوگیا۔چنانچہ آپ کاارشاد ہے ''مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ''۔اللہ تعالیٰ راقمِ آثم کواور راقمِ آثم کے جملہ متعلقین کو یہ سعادت وتوفیق نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین۔اسی لئے روایات میں وارد ہے کہ حضرتِ موسٰی نے حضرتِ حق۔جل مجدہٗ۔کی بارگاہِ اقدس و اعلیٰ میں عرض کیا کہ مالک! مجھے کوئی ایساخاص ذکر بتادیں جس کے ذریعے میں آپ کو یاد کیا کروں۔ تو آپؑ کواس کے جواب میں یہی کلمہ ارشادفرمایا گیا۔تو آپؑ نے عرض کیا کہ مالک میں تواپنے لئے کوئی خاص ذکر چاہتا تھااور یہ کلمہ تو ہر کوئی پڑھتا ہے۔تو جواب ملا کہ موسٰی یہ کلمہ ایساعظیم الشان کلمہ ہے کہ اگراس کوترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں اوران کے اندر کی سب مخلوق کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو یہ ان سب پرحاوی نکلے گا۔''لَوَزَنَتْهُنَّ ''۔فالحمد لِلّٰهِ الَّذِی شَرَّفَنَا بهٰذه الكلمة العظيمة الجليلة وبالايمان بهـا۔الحمدللہ کہ آیتِ کریمہ کی اس تفسیراورتفصیل سے جوہم نے یہاں پراختیار کی ہے حضراتِ علماء ومفسرینِ کرام کے وہ سب مختلف اقوال جمع ہوجاتے ہیں جوانہوں نے اس قولِ طیب کی تعیین وتفسیر کے بارے میں ذکرفرمائے ہیں۔ فالحمد لله رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس پاکیزہ کلمہ کلمۂ توحید کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق بخشے۔اور نفس وشیطان کے ہرمکروفریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔آمین ثم آمین یارب العالمین

۵۳ صراطِ حمید سے مقصود ومراد؟:۔سوارشادفرمایا گیا کہ ان کو ہدایت مل گئی تھی پاکیزہ قول کی اوران کو ہدایت مل گئی تھی خدائے ستودہ صفات کے راستے کی۔یعنی اسلام کی جوکہ منبع ہے ہرخیر کااور مصدر ہے ہر بھلائی کا۔اور جوکفیل و ضامن ہے دارین کی سعادت وسرخروئی کا۔اوراسی سے ان کواس طریقِ محمود کی توفیق وسرفرازی نصیب ہوتی ہے جس پر چل کر یہ دنیاوی زندگی بھی پاکیزہ اورمحمود بنتی ہے اورجس سے مومنِ صادق کو وہ اقوالِ مرضیہ اورافعالِ محمودہ نصیب ہوتے ہیں جواس کوحیاتِ طیبہ۔پاکیزہ زندگی۔سے سرفراز وبہرہ مند کرتے ہیں اوراسکے نتیجے میں وہ اپنے معاشرے میں ایک محموداور پسندیدہ انسان بن جاتا ہے۔اوراسی کے نتیجے میں وہ جنت کی اس پاکیزہ زندگی اور پاکیزہ ماحول میں پہنچتا ہے جہاں اس کا کام ہی اپنے رب کی حمدوثنا سے سرفراز ہونا ہوگا۔اوروہاں وہ ایسے بلاتکلف حمدوثنا کریں گے جیسا کہ سانس لیتے ہیں۔سوصراطِ حمید یعنی دینِ اسلام دارین کی سعادت وسرخروئی کاکفیل وضامن ہے۔اوریہی صراطِ حمید ہے جوانسان کواپنی منزلِ مقصود سے سرفرازی کی راہ روشن کرتا ہےاوریہی شاہراہ اس کودارالمقامۃ تک پہنچائے گی۔اللہ ہمیشہ حق وہدایت کی اس راہ پرثابت قدم اور مستقیم رکھے۔آمین ثم آمین۔یارب العالمین

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے ۵۴ اور اس مسجد حرام سے، جس کو ہم نے اس شان کا بنایا کہ اس میں ایک برابر ہیں، وہاں کا رہنے والا،

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَ

اور باہر سے آنے والا ۵۵ (دونوں، تو ایسے لوگ یقیناً اپنے کیے کا بدلہ پا کر رہیں گے) اور (مسجد حرام تو ایسی بے مثال عظمت کی جگہ ہے

الْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ

کہ) جو کوئی اس میں کسی بے دینی کے کام کا ارادہ بھی کرے گا ظلم (وزیادتی) کے ساتھ، تو ہم اس کو مزہ چکھائیں گے دردناک عذاب

مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ ع ۳ / ۱۰

کا، اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (یعنی خانہ کعبہ) کی نشاندہی کر دی تھی، (اس حکم کے

الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ

ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں ٹھہرانا، اور پاک رکھنا ۵۶ میرے گھر کو (اس کے گرد) طواف کرنے والوں، قیام کرنے

۵۴ اللہ کی راہ سے روکنا ایک سنگین اور ہولناک جرم ہے: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر و باطل پر اور وہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ اور اس طرح یہ لوگ ضلال کے ساتھ اِضلال کا بھی ارتکاب کرتے ہیں اور اس طرح یہ دوہرے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اور ان کے اس جرم کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں پر ﴿ الذین کفروا ﴾ ۔کی خبر ذکر نہیں فرمائی گئی جو کہ عربی زبان و بلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے۔ اور بلاغت کے اس اسلوب میں یہ درس پنہاں ہوتا ہے کہ وہ خبر اتنی ہولناک اور اس قدر خطیر ہے کہ الفاظ گویا اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اسکو سامع کے فہم اور اس کے اختیار پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جتنے سخت اور ہولناک الفاظ چاہے مقدر مان سکتا ہے۔ سو ایسے لوگوں کیلئے بڑی ہی سخت اور انتہائی ہولناک سزا مقدر ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ لیکن اس غافل دنیا میں کتنے ہی بدبخت ایسے ہیں جو اس ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور دھڑلے سے کرتے ہیں۔ کل بھی کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں اور وہ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے دنیا کو راہِ حق سے روکتے اور نورِ حق و ہدایت سے محروم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے اور طرح طرح کے ابلیسی ہتھکنڈوں سے کام لیتے ہیں۔ خذلھم اللّٰہ وقاتلھم وجعل کیدھم فی نحورھم ۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کے شرور سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ راہ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

۵۵ مسجد حرام کا مقیم اور باہر سے آنے والا ایک برابر ہیں: ۔یعنی مسجدِ حرام کے اندر عبادت کرنے میں یا پورے حرم میں رہنے سہنے کے اعتبار سے یہ دونوں ایک برابر ہیں۔ حضرات اہلِ علم سے اس بارے یہ دونوں قول مروی و منقول ہیں۔ اور اسی بناء پر مکہ کی زمین اور وہاں کی دوکانوں، مکانوں کے بیچنے خریدنے اور کرایہ لینے کے بارے میں بھی حضرات اہلِ علم کے

درمیان اختلاف ہے۔ اور اس بارے ان کے دو قول ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ جائز ہے اور بعض کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ بلکہ بعض روایات میں اس بارے سخت تشدید وارد ہوئی ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے مکہ کے گھروں کا کرایہ کھایا اس نے آگ کھائی۔ اس لئے حضرتِ عمرؓ نے مکہ مکرمہ میں گھروں کے دروازے لگانے سے منع فرمادیا تھا۔ اس لئے شروع میں وہاں پر گھروں کے دروازے نہیں ہوتے تھے تاکہ حاجی صاحبان جہاں چاہیں اتریں اور جہاں چاہیں ٹھہریں۔ لیکن بعد میں جب چوریاں چکاریاں ہونے لگیں تو سب سے پہلے سہیل بن عمرو نامی ایک شخص نے اپنے گھر کے دروازے لگادیئے۔ حضرتِ عمر۔ رضی اللہ عنہ۔ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؓ نے اس شخص سے باز پرس کی اور فرمایا کہ کیا تم اس حرم کی حدود میں مکان بند کرتے ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اس میں وہاں کا رہنے والا اور باہر سے آنے والا دونوں ایک برابر ہیں''؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ نہیں حضرت بلکہ میں نے یہ کام اس لئے کیا تاکہ ان حضرات کے سامان کی حفاظت ہو سکے۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا دیکھی اپنے گھروں کے دروازے لگانے شروع کر دیئے۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، روح، قرطبی، وجیز، خازن، جمل اور جامع وغیرہ)۔ بہرکیف یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ والتفصیل مع ترجیح الراجح فی التَّفسِیْرِ المفصَّل ان شاء اللہ والعلم عند اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس مسجدِ حرام کی عظمتِ شان کا عالم یہ ہو اس سے لوگوں کو روکنا کتنا بڑا جرم ہے۔ مگر کتنے ہی بدبخت ایسے ہیں جنہوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۵۶ بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم وارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا اور پاک رکھنا میرے گھر کو''۔ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی نجاستوں سے۔ چنانچہ اللہ پاک کا یہ گھر جو ہزاروں سال سے دنیا بھر کا مرکز و مرجع بنا ہوا ہے اور جس میں دن رات کے چوبیس (۲۴) گھنٹے لگاتار و مسلسل اور ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی ہوتی رہتی ہے آج تک ظاہری و باطنی ہر طرح کی نجاستوں سے پاک و صاف ہے۔ نہ اس میں کسی طرح کی کوئی ظاہری ناپاکی پائی جاتی ہے نہ کفر و شرک وغیرہ کی کوئی باطنی ناپاکی۔ جیسا کہ ہمارے برصغیر کے مختلف ملکوں کی خانقاہوں اور درگاہوں میں ہوتا ہے۔ جہاں طرح طرح کے شرکیہ امور کا ارتکاب ہوتا ہے جو کہ سب سے بڑی معنوی اور باطنی گندگی ہے۔ اور اسکے علاوہ وہاں پر طرح طرح کی حیاسوز حرکتیں کی جاتی ہیں۔ جہاں چرس پی جاتی ہے۔ بھنگ کے رگڑے لگتے ہیں۔ مختلف قسم کے نشوں کے مرغولے اٹھتے ہیں اور غلاظت میں ڈوبے چرسیوں اور بھنگیوں کے ٹھٹھ لگے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ سب کچھ اس کثرت اور کھلے عام کیا جاتا ہے کہ گویا کہ یہ بزرگی و ولایت کے لوازم میں سے ہے۔ الا ماشاء اللہ والعیاذ باللہ جل علا۔ مگر حرم شریف کا بقعہ طاہرہ اس طرح کی تمام آلائشوں اور ان کے جملہ شوائب تک سے پاک و صاف ہے۔ آج تک ایسے ہی ہے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک ایسے ہی رہے گا۔ والحمد للہ رب العالمین۔ بہرکیف حضرتِ ابراہیم کو جب اس خانہ مطہرہ کی نشاندہی حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے فرمائی گئی تو ان کو بطورِ خاص ہدایت فرمائی گئی کہ میرے ساتھ کسی طرح کا کوئی شرک نہیں کرنا اور میرے اس گھر کو ہمیشہ پاک صاف رکھنا اس کا طواف کرنے والوں کے لیے۔ اور وہاں پر قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ سو اس سے ایک طرف تو شرک کی خطورت اور اسکی سنگینی واضح ہوجاتی ہے کہ آنجناب کو سب سے پہلے اسی سے متعلق یہ ہدایت فرمائی گئی اور دوسری طرف اس سے طہارت اور پاکیزگی کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ وھو العزیز الوھاب جل جلالہٗ وعم نوالہ۔

لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡقَآئِمِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۲۶﴾

والوں، اور رکوع وسجود کی عبادات بجالانے والوں کے لئے، اور اعلان کردو لوگوں کے درمیان حج کا ف۵۷ (کہ اس کے نتیجے میں) وہ

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی

تمہارے پاس چلے آئیں گے ف۵۸ پیدل بھی، اور (طرح طرح کی) ان پتلی دبلی اونٹنیوں ف۵۹ (اور دوسری قسما قسم کی سواریوں) پر بھی، جو چلی

کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ﴿۲۷﴾

آئیں گی ہر دور دراز مقام سے ف۶۰ (اور یہ لوگ وہاں اس لئے آئیں گے) تاکہ یہ آموجود ہوں طرح طرح کے اپنے

لِّیَشۡہَدُوۡا مَنَافِعَ لَہُمۡ وَیَذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰہِ فِیۡۤ

ان فائدوں کے لئے، جو ان کے لئے وہاں رکھے گئے ہیں، ف۶۱ اور تاکہ یہ اللہ کا نام لیں چند

ف۵۷ **حضرتِ ابراہیم کو اعلانِ حج کا حکم وارشاد:** -سوارشاد فرمایا گیا "اور اعلان کردو لوگوں کے درمیان حج کا"۔ یعنی اس بات کا کہ لوگوں کے ذمے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس گھر کا حج فرض ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا- ﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا﴾- (آلِ عمران:۹۷)۔ روایات میں ہے کہ اس موقع پر حضرتِ ابراہیم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- نے عرض کیا کہ مالک، میری آواز کہاں تک پہنچے گی۔ فرمایا تم آواز لگاؤ پہنچانا ہمارے ذمے ہے۔ چنانچہ آپ نے جبلِ ابوقبیس پر چڑھ کر آواز لگائی تو اللہ پاک نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے یہ آواز تمام بنی نوعِ انسان کو پہنچادی۔ اور اس طرح پہنچائی کہ قیامت تک آنے والے جن جن خوش نصیبوں کو حج کی سعادت نصیب ہونا تھی ان سب نے اس پر لبیک کہا۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، روح، قرطبی، مدارک، خازن، فتح القدیر، صفوۃ التفاسیر اور معارف وغیرہ)۔

اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں نے اپنی معروف ذہنیت اور طبعی افتاد کے مطابق اس موقع پر یہ گوہر افشانی کی کہ اس سے معلوم ہوا کہ دور سے غائبانہ ندا جائز ہے۔ لہٰذا ہم "یارسول اللہ" کہہ سکتے ہیں۔ دیکھا کہاں کی بات کہاں جاکر جوڑی؟ اس کو کہتے ہیں "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" اور اس کو کہتے ہیں "بھوکے کی صدا دو اور دو چار روٹیاں" اور اس کو کہتے ہیں "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا"۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ کیا حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ پکارنا استغاثہ واستمداد کیلئے تھا؟ اور کیا حضرتِ ابراہیمؑ حج کی فرضیت کے اس اعلان کے ذریعے دنیا بھر کے لوگوں سے مدد مانگ رہے تھے؟ اور جب ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس کو اہلِ بدعت کی اس مشرکانہ نداء وپکار سے کیا نسبت اور کیا تعلق ہوسکتا ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں سے استغاثہ واستمداد کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں؟ اگر تمہیں اتنا بھی پتہ نہیں اور تم ان دونوں نداؤں کے درمیان موجود اس بونِ بُعید اور بعد المشرقین کو بھی نہیں جانتے تو تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ تم قرآنِ حکیم کی تفسیر کی جرأت کرو اور اپنے تئیں بڑے بڑے القاب کا دعویٰ کرو۔ اور اگر تم نے جان بوجھ کر اتنا بڑا دھوکہ دینے کی کوشش کی

ہے تو یہ کس قدر ظلم اور خیانت ہے؟ اور تحریفِ معنوی کی یہ کتنی بڑی اور کس قدر کھلی مثال ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم -

۵۸ حضرت ابراہیم کی دعوت و پکار کا نتیجہ و اثر: - یعنی تم تو کہتے ہو کہ میری آواز کہاں اور کیسے پہنچے گی اور سوچتے ہو کہ اس غیر آباد و بیابان وادی بے آب و گیاہ - ﴿غیر ذی زرع﴾ - میں کون آئے گا - کیوں آئے گا اور کیسے آئے گا - لیکن ہم کہتے ہیں کہ تم آواز لگاؤ پھر ہماری قدرت کی کرشمہ سازی دیکھو کہ یہ آواز کہاں پہنچتی ہے اور یہاں پر کہاں کہاں کی اور کیسی کیسی دنیا کھچ کھچ کر آتی ہے اور کس قدر شوق و محبت اور وارفتگی کے ساتھ آتی ہے اور ہمیشہ آتی رہے گی - چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ حضرت ابراہیم خلیل - علیہ الصلوٰۃ والسلام - نے اپنے رب کے حکم کے مطابق جبلِ ابوقبیس یا کسی اور بلند پہاڑی پر علیٰ اختلاف الاقوال - چڑھ کر بغیر لاؤڈ سپیکر وغیرہ کے کسی ظاہری اور مصنوعی آلہ کے سہارے کے آواز لگائی تو ربِ قدیر کی قدرتِ مطلقہ سے وہ آواز وہاں وہاں پہنچی جہاں ہمارا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔ سو دیکھو کہ حضرتِ قادر مطلق کی قدرتِ کاملہ کی کرشمہ سازی اور اسکے اس وعدہ وارشاد کی صداقت کس کس طرح چمک دمک کر سامنے آئی اور ہزاروں سال سے آج تک برابر آرہی ہے کہ وہ خانہ خدا دن رات کے چوبیس گھنٹے کے دورانیے میں کبھی ایک منٹ سیکنڈ اور لحہ و پل بھر کے لئے بھی عشاقانِ دید و زیارت سے خالی نہیں ہوتا اور ہزاروں سال پہلے کے اونٹوں کی معروف و اصیل سواری کے علاوہ زمانہ حال کی ترقی کے مطابق بسوں ، کاروں ، ریل گاڑیوں اور ہوائی و بحری جہازوں کے ذریعے اَطراف و اَکنافِ عالم سے ایک دنیا کی دنیا بصد شوق و اضطراب کھچی کی کھچی وہاں چلی آرہی ہے۔ اور ایسی کہ پورا سال یہ سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ اور اس حد تک کہ حج کے دنوں میں مکہ کی گلیوں بازاروں میں، منیٰ کی پہاڑیوں اور گزرگاہوں میں اور عرفات و مزدلفہ کے میدانوں میں کہیں قدم رکھنے کی جگہ نہیں ملتی۔ ایک دنیا ہے کہ ننگے پاؤں ، برہنہ سر اور پراگندہ بال اُمڈی چلی آرہی ہے - سبحان اللہ - کیا سوز و گداز اور کس قدر صدق و اخلاص اور کیسی کشش و تاثیر تھی حضرتِ ابراہیم خلیل - علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام - کی اس سیدھی سادی آواز میں جس سے انہوں نے اپنے خالق و مالک کے حکم کی تعمیل میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس گھر کی حاضری و زیارت کی دعوت دی؟ اور کیا شان ہے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے نوازنے اور کرم فرمانے کی۔ کیسے کیسے طریقوں اور کس کس طرح سے وہ اپنے بندوں کو اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے نوازتا ہے - جل جلالہٗ وعم نوالہٗ - مالک اپنے اس بندۂ ظلوم وجہول، عاصی و خجول، کاتبِ سطور کو بھی اپنی شانِ کریمی سے حضرتِ ابراہیم خلیل کے اس صدق و اخلاص اور اپنی اس بخشش و عطاء کے کسی شے سے نواز دے کہ تیری تو شان ہی نوازنا ہے۔ لگاتار و مسلسل نوازنا۔ بے حد و حساب اور بے گمان نوازنا - تو عطاء من گدا تو کجا من کجا - اے میرے رب جو کہ حَیُّ و سَتّار اور کریم و وھاب ہے میرے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹانا - اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کی چادر میں لپیٹ دے مجھے بھی اور میرے بیوی بچوں کو بھی اور دوسرے خصوصی تعلقداروں کو بھی - آمین ثم آمین - یا اَرحم الراحمین و یا اکرم الاکرمین - ﴿بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ - بہرکیف حضرتِ ابراہیم کو ارشاد ہوا کہ آپ لوگوں کے درمیان حج کی فرضیت اور اس کیلئے بیت اللہ کی حاضری کی آواز لگاؤ - دنیا خود تمہارے پاس کھچی کی کھچی چلی آئیگی۔ اور ایسے ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ سو بندے کا کام ہے کہ بے چوں و چرا اپنے رب کے حکم و ارشاد پر عمل کرے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید -

۵۹ لفظ ﴿ضامر﴾ کا معنیٰ و مفہوم؟: - "ضامر" کا اِطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ (جلالین، جمل وغیرہ)۔

اسی لئے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ اونٹوں سے کیا ہے اور بعض نے اونٹنیوں سے۔ دونوں ترجمے درست اور صحیح ہیں۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں دوسرے احتمال کو اختیار کیا۔ ایک تو اس کے بعد آنے والے لفظ ﴿یاتین﴾ کی رعایت سے جو کہ مؤنث کا صیغہ ہے۔ اور دوسرے بین القوسین اپنے اضافہ کردہ لفظ سواریوں کی مناسبت سے۔ اور " ضامر " کو مذکر یعنی اونٹوں کے معنیٰ میں لیا جائے تو اس صورت میں صیغہ " یاتین " کی صفت معنیٰ کے اعتبار سے ہوگی۔ کیونکہ ﴿کل ضامر﴾ جماعت کے معنیٰ میں ہے جو کہ ظاہر ہے مؤنث ہے۔ اور دوسری قراءت میں " یاتون " بھی آیا ہے جو کہ مذکر کا صیغہ ہے۔ اس صورت میں یہ صفت ہوگی " رجال " و " رکبان " کی یا " ناس " کی۔ (محاسن، جمل، فتح وغیرہ)۔ اور " ضامر " اس اونٹ یا گھوڑے کو کہتے ہیں جو کہ دور دراز کی سفری مشقت وغیرہ کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہو۔ سو دنیا ہر طرف سے اس کی طرف کھچی چلی آ رہی ہے۔

۶۵ بیت اللہ کی شانِ محبوبیت کا عالم: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابراہیم ایسی مختلف سواریاں ہر طرف سے دور دراز کی مختلف مسافتیں طے کر کے وہاں پہنچیں گی۔ اپنے اس ایمان و یقین اور شوق و ذوق کی بناء پر جو کہ ان کے دلوں میں موجود و موجزن ہوگا اور جس کے لئے حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی۔ ﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ﴾ - (ابراہیم: ۳۷) سو اس دعائے ابراہیمی کے نتیجہ میں بیت اللہ کو ایسی شانِ محبوبیت نصیب ہوگئی اور لوگوں کے دل اس کے ایسے گرویدہ ہوگئے کہ چاروں طرف سے اسکی طرف کھچے چلے آتے ہیں اور ہر قسم کی سواری کے ذریعے وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر صعوبت و پریشانی اور مشکل و رکاوٹ کو وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں اور یہ سلسلہ ہزاروں سال پہلے سے لیکر آج تک ایک برابر قائم اور جاری و ساری ہے۔ اور ہر سال حج کے موقعہ پر ایک ایسا عجیب و غریب روح پرور منظر دنیا کو دیکھنے کو ملتا ہے کہ پوری روئے زمین پر اسکی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ پائی جاتی ہے اور نہ پائی جانی ممکن ہے۔ اور زیارت بیت اللہ کا یہ سلسلہ مطہرہ سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دنوں میں اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں ہمیشہ اور ہر موسم میں بغیر کسی انقطاع کے لگاتار جاری رہتا ہے۔ اور اسکی دوسری کوئی نظیر و مثال پوری روئے زمین پر نہ آج تک کبھی کہیں پائی گئی ہے اور نہ قیامت تک کبھی پائی جانی ممکن ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

۶۶ حج کی دنیوی برکات و منافع کا ذکر: - سو حج کی دنیاوی برکات و منافع کے ذکر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ یہ سب حاضر ہوں اپنے طرح طرح کے فائدوں کیلئے جو کہ دنیوی بھی ہیں اور اخروی بھی۔ دنیوی یہ کہ اس میں طرح طرح کی تجارت کے بڑے مواقع ہوتے ہیں جو کہ بالاجماع جائز ہے۔ جبکہ تجارت کو مقصودِ اصلی نہ بنایا جائے۔ بلکہ یہ اس لحاظ سے مستحسن بھی ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اس میں مسلمانوں کی اقتصادی قوت کے حصول کے مواقع بھی ہیں۔ نیز اس میں دنیا بھر سے آئے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے ان سے متعارف ہونے اور ان کے دکھ درد سننے اور احوال جاننے کا موقع ملتا ہے۔ نیز قربانیوں کے گوشت کھانے کھلانے اور اس طرح ثواب کمانے کا موقع بھی ملتا ہے۔ اور حج کی اس عظیم الشان عبادت سے بہرہ ور ہونے کی سعادت نصیب ہوتی ہے جو کہ بدنی اور مالی دونوں عبادتوں اور ان کی برکات کی جامع عبادت ہے اور اخروی فوائد یہ کہ اپنے گناہوں کی بخشش اور رب کی رضامندی نصیب ہوتی ہے جو کہ سب بڑا، حقیقی اور اصلی مقصد ہے کہ انسان گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ والحمد للہ جلّ وعلا بکل حالٍ مِّن الاحوال

أَيَّامٍ مَّعْلُومَٰتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنۢ بَهِيمَةِ

مقررہ دنوں میں، ف۶۲ ان چوپایوں پر جو کہ اس نے (اپنے فضل و کرم سے) ان کو عطاء فرمائے ہیں،

ٱلْأَنْعَٰمِ ۖ فَكُلُوا۟ مِنْهَا وَأَطْعِمُوا۟ ٱلْبَآئِسَ ٱلْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾

پس کھاؤ تم لوگ ان (کے گوشت) میں سے خود بھی اور کھلاؤ ف۶۳ (ان میں سے) تنگ حال محتاجوں کو بھی، پھر (قربانی کے

ثُمَّ لْيَقْضُوا۟ تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا۟ نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا۟

بعد،) لوگوں کو چاہیئے کہ وہ دور کریں اپنا میل کچیل ف۶۴ اور طواف کریں، (رحمتوں اور برکتوں بھرے) اس قدیم گھر کا ف۶۵ یہ بات (جو کہ حج کے

بِٱلْبَيْتِ ٱلْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَٰتِ

بعض احکام سے متعلق تھی) ہو چکی، اور (اب مزید سنو کہ) جو کوئی تعظیم (و تکریم) کرے گا اللہ کی قائم کردہ

۶۲ ایام معلومات سے مقصود و مراد؟: - اکثر حضرات اہل علم کے نزدیک ان مقررہ دنوں سے مراد عشرۂ ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد ایام تشریق ہیں۔ اور کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان خاص دنوں کے اندر وہ اللہ کے نام پر اور اسی کی رضا کیلئے قربانی کریں۔ سو جس طرح دنیاوی کاموں میں سے بہت سے کاموں کیلئے مختلف اوقات اور موسم مقرر ہوتے ہیں اور انہی اوقات و مواسم میں ان کاموں کو بجالانے سے مطلوبہ نتائج حاصل ہوسکتے ہیں۔ جیسے فصلوں کی بیجائی کو خاص مواسم اور خاص اوقات میں انجام دینا وغیرہ۔ اگر ان خاص اوقات اور مواسم کا لحاظ نہ رکھا جائے تو مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح قربانی کے مطلوبہ نتائج بھی پوری طرح تب ہی حاصل ہوسکتے ہیں جبکہ اس کو انہی مقررہ دنوں میں ادا کیا جائے جو قدرت نے اس کیلئے مقرر فرمائے ہیں۔

۶۳ قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کا حکم وارشاد: -- سو اس سے قربانی کا گوشت خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "پس تم ان سے خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ"۔ تاکہ اس طرح اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدردانی بھی ہو اور رسوم جاہلیت اور رہبانیت مخترعہ کی تردید بھی۔ کیونکہ رہبانیت میں ایسے تمام لذائذ سے اپنے آپکو محروم اور دور رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور مشرک لوگ اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت خود نہیں کھایا کرتے تھے۔ اس لیے فرمایا کہ تم قربانی کے ان جانوروں کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور دوسرے ضرور تمندوں اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ سو قربانی کے گوشت میں سے کھانا مستحب ہے لازم و واجب نہیں۔ اور اسکا گوشت صرف غریبوں ہی کو کھلانا ضروری نہیں، امیر بھی اس میں سے کھا سکتے ہیں۔ (معارف وغیرہ)۔ اور ارشاد فرمایا گیا کہ اس بنا پر کہ وہ ان کو اللہ ہی نے دیے بخشے ہیں اور جب بخشش وعطاء اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے تو ان کو ذبح بھی اللہ ہی کے نام سے کرو کسی اور کے نام سے ان کو ذبح کرنا جائز نہیں کہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور شرک ہے۔ والعیاذ باللہ

العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔

۶۴ **احرام کی پابندیوں سے آزادی کی اجازت ورحمت:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر وہ دور کریں اپنے میل کچیل کو جو کہ احرام کی پابندیوں کی وجہ سے ان پر چڑھ گئی تھی۔ سو حلق و قصر کرا کر اپنی زلفیں اور ناخن وغیرہ ترشوا کر اور نہا دھو کر اس تمام میل کچیل سے صاف ہو جائیں۔ اور امید رکھیں کہ انشاء اللہ ان سے گناہوں کی میل بھی اسی طرح صاف ہو گئی ہو گی جس طرح کہ جسمانی میل صاف ہو گئی ہے۔ کہ حج بیت اللہ کی اس عظیم الشان عبادت کی اس خاصیت اور تاثیر کے بارے میں حضرتِ نبی معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے تصریح فرمائی ہے کہ حج سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ’’اَلْحَجُّ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَه‘‘۔ اور اسی بناء پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ حجِ مبرور کی جزاء جنت کے سوا کچھ نہیں۔ ’’اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّة‘‘۔ بہر کیف حج کے دنوں میں چونکہ انسان احرام کی پابندیوں کی وجہ سے میلا کچیلا رہتا ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کو پسند بھی ہے کہ ان خاص دنوں میں انسان میلا کچیلا ہی رہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ۔ ’’الحج الشعث التفل‘‘۔ کہ ’’حج نام ہی پراگندہ بال اور میلا کچیلا رہنے کا ہے‘‘ لیکن حج کی پابندیوں سے فارغ ہونے کے بعد انسان نہا دھو کر صاف ستھرا ہو جائے۔ اسی لیے یہاں پر اس کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویاارحم الراحمین واکرم الاکرمین

۶۵ **بیتِ عتیق کے طواف کا حکم وارشاد:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا ’’اور وہ طواف کریں اس قدیم گھر کا‘‘ جو کہ روئے زمین پر سب سے پہلے اللہ پاک کی عبادت و بندگی کے لئے بنایا گیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾ ۔ (آلِ عمران:۹۶) یہ ’’عتیق‘‘ کا ایک معنٰی ہے جبکہ اس کے دوسرے معنٰی ’’آزاد‘‘ کے بھی آتے ہیں۔ اور یہ معنٰی بھی یہاں مراد لئے جاسکتے ہیں کہ اللہ پاک نے اپنے اس مقدس گھر کو ہر قسم کے ظالم اور جابر حکمرانوں کے غلبہ و تسلط اور ظلم وعدوان سے ہمیشہ محفوظ اور پاک وصاف رکھا اور جس کسی نے بھی کبھی اس کی طرف بری نیت سے قدم اٹھایا اس کا ایسا حشر کیا کہ جو ہمیشہ کے لئے دوسروں کے لئے درسِ عبرت بن گیا۔ جیسا کہ اصحاب الفیل کے نام وعنوان سے ایسے بدبختوں کا قصہ اور ان کا ہولناک اور عبرت انگیز انجام مشہور و معروف ہے۔ اور مسلمان حکمرانوں میں سے جس کو بھی اس کی خدمت کا موقع ملا اس نے اس کو اپنے لئے فخر اور سعادتِ دارین کا ذریعہ سمجھا ۔ یہاں تک کہ سعودی عرب کے موجودہ فرماں روا ملک فہد بن عبدالعزیز نے اپنے آپ کو ’’جلالۃ الملک‘‘ کی بجائے ’’خادم الحرمین الشریفین‘‘ کہلانا ہی زیادہ پسند کیا۔ چنانچہ آپ کو اسی وصف ولقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نیز اس گھر کو ’’عتیق‘‘ اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا طواف کرنے والے دوزخ کی آگ سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ بہر کیف لفظ ’’عتیق‘‘ کا اطلاق ان دونوں معنوں پر ہوتا ہے۔ قدیم اور آزاد۔ اور یہ دونوں ہی اس بیتِ مقدس پر صادق آتے ہیں اور اس پر منطبق ہوتے ہیں۔ حضراتِ مترجمین کرام میں سے کسی نے ایک معنٰی کو اختیار کیا ہے اور کسی نے دوسرے کو۔ بہر کیف یہاں پر حجاجِ کرام کو حکم وارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ اس گھر کا طواف کریں اور یہ طوافِ زیارت اور طوافِ افاضہ کہلاتا ہے جو کہ حج کا ایک اہم رکن ہے۔ والحمد للہ ربِّ العالمین بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ

اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ

حدوں کی، تو وہ خود اسی کے لئے بہتر ہوگا اس کے رب کے یہاں، اور حلال قرار دیئے گئے، تمہارے لئے سب چوپائے

الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ

(جو اس نے اپنے کرم سے تمہیں بخشے ہیں،) سوائے ان (چند ایک) کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں، پس تم لوگ بچو (اور دور

مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝۳۰ حُنَفَآءَ

رہو) بتوں کی گندگی سے، اور بچو جھوٹی بات سے، اس طور پر کہ تم خاص اللہ کے ہو کر رہو،

لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، (کہ شرک، بغاوت اور نا قابلِ معافی جرم ہے،) اور جس نے شرک کیا اللہ کے ساتھ

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ

تو وہ گویا گر گیا آسمان (کی بلندیوں) سے، اور اس کو (بوٹی بوٹی کر کے) اچک لیا پرندوں نے، یا اس کو پھینک

تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱ ذٰلِكَ ق

دیا ہوا نے کسی ایسی دور دراز جگہ میں جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں ۶۶ یہ بات بھی (بطور ایک قاعدہ کلیہ کے) ہو چکی، اور (مزید سنو کہ)

۶۶ شرک کی ہلاکت خیزی کی توضیح کیلئے ایک تمثیل کا ذکر و بیان:- سو اس سے شرک کی ہلاکت و تباہی کی توضیح کیلئے ایک واضح اور عبرتناک تمثیل کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو مشرک آسمان توحید کی بلندیوں سے گر کر شرک کے قعرِ مذلت میں اس بری طرح سے اوندھے جا پڑتا ہے کہ خواہشاتِ نفس مردار خور پرندوں کی طرح اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتی ہیں۔ اور اس کو گھسیٹ گھسیٹ کر کبھی کسی کھڈے میں جا گراتی ہیں اور کبھی کسی میں۔ اور یہ جگہ جگہ اور طرح طرح سے ذلتوں پر ذلتیں اٹھاتا ہے۔ اور دوسری طرف شیطانی اوہام و وساوس اور شکوک و شبہات کی تند و تیز ہوائیں اس کو دور دراز کی کبھی کسی وادی میں اور کبھی کسی گھاٹی میں اس بری طرح پٹختی ہیں کہ اس کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں اور یہ نورِ حق و ہدایت سے کلی طور پر محروم ہو کر دائمی ہلاکت و تباہی کے ہاویے میں جا گرتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ مشرک کی زبوں حالی اور اسکی ہلاکت و تباہی کی ایک بڑی واضح اور موثر تمثیل ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو آدمی شرک کا ارتکاب کر کے اپنے مرکز سے کٹ جاتا ہے اور جب وہ مرکز سے کٹ گیا۔ والعیاذ باللہ۔ تو پھر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس شیطان کے ہتھے چڑھ کر ہلاکت و تباہی کے کس گہرے کھڈے میں جا گرتا ہے۔ وہ ایک بے لنگر کے جہاز کی طرح ہو جاتا ہے جو ہر چٹان سے ٹکراتا ہے۔ وہ ایک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہو جاتا ہے جس کو ہوا اڑا کر جگہ جگہ پٹختی ہے۔ سو توحید سے محرومی کے بعد انسان اسی طرح جگہ جگہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

جس نے تعظیم (وتکریم) کی اللہ کے مقرر کردہ شعائر (اور اس کی قائم فرمودہ یادگاروں) کی و۶۷ تو یقیناً یہ بات دلوں کے تقویٰ میں سے ہے و۶۸

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ

تمہارے لئے (قربانی کے) ان جانوروں میں طرح طرح کے فائدے ہیں، ایک مقرر وقت تک و۶۹ پھر ان (کے قربان کرنے) کی جگہ

۶۷ ''شعائر اللہ'' کا مفہوم اور اس سے مراد؟:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''جس نے تعظیم کی اللہ کے شعائر کی''، یعنی ایسی مقدس یادگاروں کی جو ایک طرف تو اس وحدہٗ لاشریک کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا پتہ دیتی ہیں اور دوسری طرف وہ اس کے بندوں کو اپنے خالق و مالک کے حضور صدق و اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ جھک جانے کا درس دیتی ہیں۔ ''شعائر''، ''شعیرہ'' یا ''شعارہ'' کی جمع ہے۔ (الجمل وغیرہ) جس کے معنٰی علامت اور نشانی کے آتے ہیں۔ اور شعائر اللہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے کرنے اور بجالانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اس سے اس نے اپنے بندوں کو باخبر کر دیا ہو۔ (صفوۃ البیان فی معانی القرآن)۔ سو دینِ حق کے وہ تمام احکام جو اس کے لئے علامت کی حیثیت رکھتے ہوں ''شعائر اللہ'' میں داخل ہیں۔ اور ان کی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اسی طرح بجالایا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہو۔ (صفوۃ البیان، معارف القرآن، فتح القدیر وغیرہ)۔ اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں نے اپنی معروف ذہنیت کے مطابق یہاں پر اس طرح گوہر افشانی کی ہے کہ ''بزرگوں کی قبریں بھی شعائر اللہ ہیں'' حالانکہ پیغمبر۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے قبروں کو پکا کرنے اور ان پر عمارت بنانے سے صاف و صریح طور پر منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرتِ جابر۔ رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے قبر کو پکارنے، اس پر بیٹھنے اور میلہ لگانے اور اس پر عمارت کھڑی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ '' نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ '' (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، باب دفن المیت، فصل اول)۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے حضرتِ علی۔ رضی اللہ عنہ۔ کو اس مہم پر اور اس کام کے لئے بھیجا کہ جو بھی کوئی مجسمہ اور مورتی تم دیکھو اسے مٹا دو اور جو بھی کوئی اونچی قبر تمہیں نظر آئے اس کو زمین کے برابر کر دو۔ (نفس المرجع)۔ سبحان اللہ۔ کہاں یہ حقیقت کہ اللہ کے رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قبر کو پکا کرنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرما رہے ہیں۔ اور شیرِ خدا علی مرتضیٰ۔ رضی اللہ عنہ۔ کو باقاعدہ طور پر اس مہم پر بھیجتے ہیں کہ جو بھی کوئی اونچی قبر پاؤ اس کو زمین کے برابر کر دو۔ اور کہاں اہلِ بدعت کے یہ تحریف پسند ہیں کہ ان بنی ٹھنی قبروں اور طرح طرح کے جبوں قبوں کو جہاں کہ نت نئے طریقوں سے شرک و بدعت کے کاروبار چلائے جاتے ہیں اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور شعائر اللہ میں سے مان کر اور ان کی تعظیم کو دین کا تقاضا قرار دے رہے ہیں۔ اور پھر بھی دعوٰی ہے اہلِ سنت اور عاشقِ رسول ہونے کا اور اپنی ایسی من گھڑت باتوں کو قرآنِ پاک کی تفسیر کے نام سے اس کے حواشی پر لکھنے کی جرأت و جسارت کرتے ہیں۔ سو اس سے بڑھ کر سینہ زوری اور کتاب اللہ کی معنوی تحریف کی صاف و صریح مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ وبِهٖ نَسْتَعِيْنُ وَاِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى جلّ و علا وھو الھادی الٰی سواء

السبیل وبیدہ ازمة الهدایة والتوفیق - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین یا اکرم الاکرمین

۶۸ **تقویٰ اور پرہیز گاری کا اصل تعلق دل سے ہے:-** سوارشاد فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کے شعائر کی تعظیم کی تو [وہ مراد کو پہنچ گیا کہ] یقیناً یہ بات دلوں کے تقویٰ میں سے ہے" - یہاں پر تقویٰ کو دلوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری اور فسق وفجور کا اصل تعلق سلطنتِ دل ہی سے ہوتا ہے کہ جسم وجان کا اصل حاکم و بادشاہ تو دل ہی ہے - اعضاء و جوارح تو اس کے کارندے اور اس کے امر وارشاد کے تابع ہیں - اگر سلطنتِ دل پر قبضہ وغلبہ تقویٰ و پرہیز گاری اور خوف و خشیتِ خداوندی کا ہوگا تو ظاہری اعضاء وجوارح بھی یقیناً اپنے خالق و مالک کے حضور جھکے ہوئے اور خشوع وخضوع کا مظہر بنے رہیں گے - اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا - والعیاذ باللہ - تو انسان کے ظاہر پر بھی اُسی کے آثار ونتائج نمایاں ہوں گے - اسی حقیقت کے اظہار و بیان اور تشریح وتوضیح کے لئے نبیٔ اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اپنے سینہ مبارکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا - "اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا ، اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا ، اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا" - "تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے" - صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِ - اَللّٰهُمَّ عَمِّرْ قُلُوْبَنَا بِخَشْیَتِکَ وَتَقْوَاکَ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی - اَللّٰهُمَّ نَحْنُ رَاضُوْنَ عَنْکَ مِنْ اَعْمَاقِ قُلُوْبِنَا فَارْضَ عَنَّا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ - فَاِنَّ رِضَاکَ هُوَ هَدَفُنَا وَغَایَةُ جُهْدِنَا الْقُصْوٰی - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم وتکریم کا تعلق دل کے تقویٰ اور پرہیز گاری سے ہے - سو "شعائر" کی تعظیم کا حق محض ظاہر داری سے ادا نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے دل کا تقویٰ مطلوب ہے - اور دلوں کا حال اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید،

۶۹ **قربانی کی جانوروں سے منافع حاصل کرنے کی اجازت:-** سوارشاد فرمایا گیا کہ "تمہارے لیے قربانی کے ان جانوروں میں کئی فائدے ہیں ایک مقررہ وقت تک" - یعنی ان کے نحر وذبح تک - (محاسن التاویل وغیرہ) اور ان مختلف منافعوں اور طرح طرح کے فائدوں میں ان کے دودھ ان کی روؤں اور بالوں اور حسبِ ضرورت ان کی سواری وغیرہ کے سب منافع اور فائدے شامل ہیں - جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں حضرتِ انس - رضی اللہ عنہ - سے مروی ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ کو لے جا رہا ہے تو آپ ؐ نے اس سے فرمایا "ارکبه" - "اس پر سوار ہو جاؤ" - تو اس نے کہا "اِنَّهَا بُدْنَةٌ" - "یہ تو قربانی کا جانور ہے" - تو آپ ؐ نے فرمایا "اس پر سوار ہو جا" اور دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا "وَیْحَکَ" - "تیرا ناس ہو" - (بخاری، کتاب الحج، باب رکوب البدن، مسلم، کتاب الحج، حدیث نمبر ۳۲۷۳) بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے لیے قربانی کے ان جانوروں سے ایک مقررہ وقت یعنی انکے نحر وذبح تک فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے - اور اس اباحت واجازت میں دراصل مشرکین کے مشرکانہ مزاعم کی تردید فرمائی گئی ہے - کیونکہ ان کے یہاں جس جانور کو ہدی اور نیاز مقرر کردیا جاتا اس سے ان کے یہاں انتفاع جائز نہیں سمجھا جاتا تھا - سو قرآنِ حکیم نے اپنے اس ارشاد سے ان کی اس جاہلانہ رسم کی اصلاح فرما دی اور اس بات کو واضح فرما دیا کہ یہ چیز شعائر اللہ کی تعظیم کے منافی نہیں - سو اس امر کی تصریح فرما دی گئی کہ تم ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہو جب تک کہ ان کی قربانی کا وقت نہ آجائے - اس انتفاع سے ان کی عظمت وحرمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا - کہ قدرت نے ان جانوروں کو پیدا ہی تمہاری خدمت کیلئے کیا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ

اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا

اس قدیم گھر کے پاس ہے، ف۷ اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے،

لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ

تاکہ وہ لوگ چوپایوں کی قسم کے ان مخصوص جانوروں (کی قربانی کے موقع) پر اللہ کا نام لیں، جو اس نے ان کو بخشے ہیں، ف۷۱

الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ

پس معبود تم سب کا اے لوگو ایک ہی معبود ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) پس تم سب (دل و جان سے) جھک جاؤ اسی (وحدہٗ لاشریک) کے حضور،

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

اور خوشخبری سنا دو (اے پیغمبر!) ان عاجزی کرنے والوں کو ف۷۲ جن کا حال یہ ہے کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جائے

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ

تو کانپ اٹھیں ان کے دل، ف۷۳ اور جو صبر (و تسلیم) سے کام لیتے ہیں ہر اس مصیبت پر جو ان کو پہنچتی ہے

۷۰ ہدی کی قربانی کی جگہ ارضِ حرم: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر ان کے قربان ہونے کی جگہ اس قدیم گھر کے پاس ہے''۔ یعنی حدودِ حرم کے اندر کہ اس سے باہر ان کو ذبح کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ ۔ (المائدۃ:۹۵) اور ''محل''، ''حلول'' سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنیٰ اترنے، پہنچنے اور ٹھہرنے کے آتے ہیں کہ ان سب قربانیوں اور ان کے لانے والوں سب کو وہیں اترنا پہنچنا اور ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اور یہ لفظ حلال سے بھی ہو سکتا ہے جو کہ ضد ہے منع اور حرام کی۔ کیونکہ ان تمام قربانیوں کے ذبح اور حلال ہونے کی جگہ بھی وہی ہے۔ یعنی حرم۔ نیز حاجی صاحبان بھی حج وعمرہ کے احکام اور احرام کی ممنوعات اور ان کی پابندیوں سے وہیں پر حلال اور آزاد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس ۔ رضی اللہ عنہ ۔ سے مروی ہے ۔ ''مَاطَافَ اَحَدٌ بِالْبَيْتِ اِلَّا حَلَّ'' ۔ (محاسن، فتح وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جب انکی قربانی کا وقت آ جائے تو تم ان کو اللہ کے اس قدیم گھر کے پاس لے جا کر ان کو اللہ ہی کے لیے قربان کر دو۔ سو اگر ان کو کسی اور تھان یا استھان پر لے جا کر ذبح کیا یا اللہ کے سوا کسی اور نام پر ذبح کیا گیا ۔ والعیاذ باللہ ۔ تو اس سے انکی حرمت برباد ہو جائے گی اور یہ قربانیاں ثواب کی بجائے عذاب کا باعث بن جائیں گی ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔

۷۱ قربانی کی اصل روح اللہ کا ذکر: ۔ سو قربانی کی اصل روح کی تذکیر و یاد دہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں۔ تاکہ اس طرح اس واہبِ مطلق ۔ جل وعلا ۔ کی بخشی ہوئی ان عظیم الشان نعمتوں کا کسی قدر حق شکر ادا ہو سکے۔ سو کس قدر ظالم اور کتنے بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اللہ پاک کی بخشی ہوئی ان نعمتوں کو اس کی بجائے غیر اللہ کی طرف

منسوب کرتے، ان کے نام کی نذریں مانتے، نیازیں دیتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ وہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کچھ دیا کس نے اور نام کس کا لیا جارہا ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم - بہر کیف عقل و نقل اور عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ جب یہ جانور بخشے ہوئے اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے ہیں تو ان کو ذبح بھی اسی کے نام پر کیا جائے۔ سو اللہ پاک - سبحانہ، وتعالیٰ - نے قربانی کی اس خاص عبادت کو اپنی شکر گزاری کے لیے مشروع فرمایا ہے تاکہ اس طرح لوگ اسکے عطا فرمودہ جانوروں کو اسکی رضا و خوشنودی کی طلب و تلاش میں قربان کریں اور اس کی بخشی ہوئی اس نعمت پر صدقِ دل سے اس کا شکر بجالائیں۔ سو قربانی کی مشروعیت کی اصل روح یہی ہے جو تمام ادیانِ سماویہ میں بطورِ قدرِ مشترک موجود رہی۔ اس میں اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک اور شامل کیا گیا تو اس کی مشروعیت کا مقصد ہی فوت ہو گیا اور یہ الٹا عذاب بن جائے گی - والعیاذ باللہ -

۷۲ ﴿مخبتین﴾ کے لیے خوشخبری سنانے کا حکم وارشاد: - سو اس سے "مخبتین" یعنی عاجزی کرنے والوں کے لیے خوش خبری سنانے کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا "اور خوشخبری سنادو عاجزی کرنے والوں کو"۔ کہ اصل میں کامیاب و فائز المرام یہی اور صرف یہی لوگ ہیں جو اپنے ایمان و یقین کی بنا پر اپنے خالق و مالک کے حضور صدقِ دل سے جھکتے اور عاجزی کرتے ہیں - اِخبات کے معنیٰ عاجزی، انکساری اور فروتنی اختیار کرنے کے ہیں۔ اور یہی دراصل شان ہے بندے کی۔ اور یہی لائق ہے اسکی عبدیت کے کہ وہ ہر حال میں اور دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کے حضور جھکا رہے جس نے اس کو وجود بخشا اور جس کی نعمتوں، عنایتوں اور رحمتوں میں وہ سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ اسی میں اس کی عظمتِ شان، رفعتِ مقام اور فوز و فلاح کا سامان ہے اور بندہ مومن اپنے اسی اِخبات اور عاجزی و فروتنی کا اظہار اسکے حضور اپنے رکوع و سجود سے کرتا ہے۔ سو جو اس صفتِ اِخبات سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم ہے - والعیاذ باللہ - سو اسلام کی اصل روح یہی اِخبات اور عاجزی و فروتنی ہے۔ یعنی ظاہری طور پر نہیں بلکہ اس کا دل بھی اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جائے۔ پس جن لوگوں کے اندر اِخبات کی یہ صفت پائی جاتی ہوگی وہی ہیں حقیقی مومن و مسلم اور ان ہی کے لیے خداوندِ قدوس کے یہاں سے رضوان اور جنت کی بشارت ہے - اللہ نصیب فرمائے - اور محض اپنے فضل و کرم اور رحمت و عنایت سے نصیب فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ویا اکرم الاکرمین، ویا ارحم الرحمین

۷۳ ﴿مخبتین﴾ کی پہلی اور اہم صفت خوف و خشیتِ خداوندی: - سو "مخبتین" کی تعریف و توصیف کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور اس کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو خوف و خشیتِ خداوندی سے ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اپنے خالق و مالک کی عظمتِ بے پایاں اور اس کے حقوقِ واجبہ کے تصور سے۔ اور اس احساس و تصور سے کہ میں نے اسکے حضور حاضر ہو کر اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا جواب دینا اور صلہ و بدلہ پانا ہے۔ بہر کیف یہ ﴿مخبتین﴾ کی پہلی صفت ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسکی خشیت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور یہ دل و جان سے اس کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں۔ سو خوف و خشیت خداوندی کی صفت ایک اہم اور انقلاب آفرین صفت ہے۔ جس سے انسان کی زندگی کے دھارے بدل جاتے ہیں اور وہ ایک پاکیزہ انسان بن کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور عنایتوں کا مورد و مستحق بن جاتا ہے وباللہ التوفیق لمایحب ویرید، وعلی مایحب ویرید بکل حال من الاحوال. وفی کل موطنٍ مِن المواطن فی الحیاۃ

وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور جو قائم رکھنے والے ہیں نماز کو، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہوتا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں،

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے، تمہارے لئے

فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

ان میں بہت بڑی بھلائی ہے، پس تم (انہیں ذبح یعنی نحر کرتے وقت) ان پر اللہ کا نام لو ان کو کھڑا کر کے، ف۴۷

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا

پھر (ذبح یعنی نحر کے بعد) جب وہ گر جائیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم ان میں سے خود بھی کھاؤ، اور ان کو بھی کھلاؤ ف۴۸

الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ

جو قناعت کرنے والے ہوتے ہیں، اور ان کو بھی جو سوال (کے ذریعے اپنی حاجت پیش) کرتے ہیں، اسی طرح ہم نے ان

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا

(جانوروں) کو تمہارے قابو میں کر دیا ف۴۹ تا کہ تم شکر ادا کرو (اپنے خالق و مالک کا) ف۵۰ (اور یاد رکھو کہ) اللہ کو نہ تو ان جانوروں کے گوشت

وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ

پہنچتے ہیں اور نہ ہی انکے خون ف۵۱ بلکہ اس کے یہاں تو صرف تمہاری پرہیزگاری (اور اخلاص نیت کی پونجی) ہی پہنچتی ہے،

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا

اسی طرح اس نے (اپنے فضل و کرم سے) ان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، تا کہ تم لوگ اللہ کی بڑائی کرو (اپنے قول و

هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ

فعل سے) کہ اس نے نوازا ہے تم کو (حق و) ہدایت (کی عظیم الشان دولت) سے، اور خوشخبری سنا دو (اے پیغمبر!) نیکو

۴۷ ذبح اور نحر کے وقت ان پر اللہ کا نام لینے کی تعلیم و تلقین: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم انہیں ذبح کرتے وقت-

ان پر اللہ کا نام لو"۔ کھڑا کر کے قطار میں یا اگلی طرف کا بایاں پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے۔ جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ اونٹوں کے نحر یعنی ذبح کرنے میں سنت طریقہ یہی ہے کہ ان کو کھڑا کر کے نحر یعنی ذبح کیا جائے۔ اور آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے نحر کی اس سنت کی اپنے قول سے بھی توضیح فرمائی اور اپنے فعل سے بھی۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابنِ عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا ہے تو آپ نے اس کو فرمایا کہ اس کو سنت ابوالقاسم کے مطابق کھڑا کر کے اور باندھ کر نحر کر۔ (بخاری کتاب الحج، باب نحر الابل مقیدۃ، مسلم کتاب الحج حدیث نمبر ۳۵۸)۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے تریسٹھ اونٹوں کو کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے نحر فرمایا۔ (مسلم کتاب، الحج حدیث ۱۴۷) یعنی اپنی عمر مبارک کے سالوں کے اعتبار سے۔ ہر سال کی طرف سے ایک اونٹ ۔سبحان اللہ۔ پیغمبر کا ہر کام اعلیٰ نمونے کا اور بے مثال ہوتا ہے کہ آپؐ اول المسلمین کے تاجِ امتیاز کے مالک تھے اور آپؐ کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے اسی کا حکم بھی ہوا تھا۔ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾۔ (الزمر: ۱۲)۔ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ وَّالَاهُ وَدَعَا بِدَعْوَتِهٖ وَبِهَدْيِهٖ اهْتَدٰى اِلٰى يَوْمِ الْعَرْضِ عَلَى اللّٰهِ وَاللِّقَاءِ۔ بہر کیف اونٹوں کے نحر کے بارے میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ ان کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کیا جائے اور پھر دعا پڑھ کر ان کو نحر کیا جائے۔ سو مومن کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کیلئے ہوتا ہے۔

۷۵ قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کی ہدایت:۔ سو اس سے قربانی کا گوشت خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ "قربانی کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ"۔ سو اپنی قربانی کے گوشت سے خود بھی کھانا اور دوسروں کو بھی کھلانا مامور و مطلوب بھی ہے اور پیغمبر کی سنت بھی۔ اور اس میں دین و دنیا کے کئی فائدے ہیں۔ اور اسی سے علمائے کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ خود کھائے، ایک احباب و رفقاء کو ہدیہ کرے اور ایک صدقہ کرے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ مگر یہ حکم اِلزامی اور وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ یعنی تین حصوں میں تقسیم کرنا لازم اور ضروری نہیں مستحب ہے۔ ورنہ اگر وہ سب ہی صدقہ کرے یا ہدیہ کر دے یا خود رکھ لے تو یہ سب جائز ہے۔ (معارف وغیرہ)۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو صف بستہ کھڑا کر کے ان کو نحر یعنی ذبح کرو اور ان کا صف بستہ کھڑا ہونا گویا ان کا نماز کے لیے قیام ہے۔ اور نحر کے بعد جب وہ اپنے پہلو پر گر پڑیں تو یہ گویا رب کے حضور ان کا سجدہ ہے۔ سو فرمایا گیا کہ اسکے بعد تم ان کے گوشت سے فائدہ اٹھاؤ۔ خود بھی کھاؤ اور خود دار محتاج اور سائلوں کو بھی کھلاؤ۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنی اپنی قربانیوں کے گوشت سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے۔ سو اسلام نے ان کی اس مشرکانہ رسمِ جاہلیت کی اصلاح فرما دی جو کہ تقاضا ہے دینِ فطرت کی تعلیماتِ حقہ کا۔ فالحمد للہ جل وعلا۔ اللہ دین حنیف کے ہر حکم وارشاد کی پابندی کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۷۶ شکرِ خداوندی کے ایک اہم داعیے کا ذکر و بیان:۔ سو اس سے شکرِ خداوندی کے اصل محرک اور اسکے ایک اہم داعیے کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے یعنی حیوانات کی تسخیر، سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا"۔ ورنہ تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم اس قدر طاقتور اور ان عظیم الجثہ جانوروں کو از خود اپنے قابو میں لے آتے۔ مگر

ہم نے اپنی قدرت کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے ان کو اس طرح تمہارے تابع کر دیا کہ تم جب چاہو اور جو چاہو ان پر تصرف کرو۔ ان کو بیچو، خریدو، ان سے طرح طرح کے کام لو اور ان کو ذبح کر کے ان سے قسما قسم کے فائدے اٹھاؤ۔ سو اس میں تمہارے لیے دو عظیم الشان درس ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس سب کو ہمارا ہی عطیہ و احسان سمجھ کر ہمارا شکر ادا کرو اور ان کو ہمارے ہی نام پر اور ہماری ہی رضا کیلئے ذبح اور قربان کرو۔ اور دوسرے یہ کہ جس طرح یہ جانور تمہارے آگے جھکے ہوئے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں اور زیادہ اور دل و جان سے تم بھی اپنے خالق و مالک کے حضور جھک جاؤ۔ اور اس طرح تم اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرو۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس ارشاد سے شکرِ خداوندی کے اصل محرک کی نشاندہی فرما دی گئی کہ جب ان جانوروں کو پیدا کرنا اور ان کو اس طرح تمہارے تابع فرمان کر دینا اسی وحدہٗ لاشریک کے کرم و احسان کا نتیجہ و ثمرہ ہے کسی اور کا کسی بھی درجے میں اس میں کوئی حصہ اور اشتراک نہیں۔ تو اس لیے تم لوگ شکر بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا بجالاؤ۔ اس میں اور کسی بھی ہستی کو کسی بھی درجے میں اور کسی بھی طور پر شریک مت ٹھہراؤ۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید، وعلٰی مایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال،

۷۷ شکرِ خداوندی کی تعلیم و ترغیب: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ تم لوگ شکر ادا کرو اپنے اس خالق و مالک کا جس نے تم کو ایسی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا ہے۔ اور جس طرح ان عظیم الجثہ اور قوی جانوروں نے تمہارے آگے گردنیں ڈال دیں تم اس سے بھی کہیں زیادہ عجز و انکساری اور اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے حضور دل و جان سے جھک کر اپنی بھلائی کا سامان کرو اور سعادتِ دارین سے بہرہ ور ہو جاؤ۔ کہ اس نے تمہیں اس نعمت سے اور اس جیسی دوسری بے حد و حساب اور عظیم الشان نعمتوں سے نوازا اور محض اپنے فضل و کرم سے اور تمہاری طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر نوازا ہے۔ سو اس میں شکرِ خداوندی کی تعلیم و ترغیب بھی ہے اور اس کا طریقہ بھی کہ تم اس وحدہٗ لاشریک کی تہلیل و تکبیر سے رطب اللسان ہو جاؤ اور اسی کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار کرو اور اس میں کسی بھی اور کو کسی بھی درجے میں اس کا شریک مت ٹھہراؤ کہ شرک سب سے بڑی بے انصافی، ناشکری اور ظلم عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۷۸ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل مطلوب صرف تقوٰی ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اللہ تعالیٰ کو نہ ان جانوروں کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون"۔ بلکہ یہ سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے اور خود تم ہی لوگوں کے کام آتا ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہر حاجت اور ضرورت سے پاک اور بالا و برتر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ وہ تم لوگوں کو یہ احکام اس لئے دیتا ہے تا کہ خود تمہارا ہی بھلا ہو کہ ان ہدایات و تعلیمات کی پابندی سے ایک طرف تو تمہیں دنیا میں پاکیزہ و پرسکون اور باوقار زندگی ملے اور دوسری طرف اس سے تمہیں آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی میں دائمی کامیابی نصیب ہو۔ اور یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس کے یہاں ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں پہنچتی بلکہ اس کے یہاں تمہارے دلوں کا اخلاص اور صدقِ نیت کا سرمایہ پہنچتا ہے اور بس۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید، وعلٰی مایُحِبُّ ویرید،

عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ

کاروں کو ۷۹ بے شک اللہ تعالیٰ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے، بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، کسی بھی دغاباز

كَفُوْرٍ ۝ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ

ناشکرے کو ۸۰ (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ان (ستم رسیدہ) لوگوں کو، جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ

کیا گیا ۸۱ اور بے شک اللہ ان کی مدد پر بہرحال پوری قدرت رکھتا ہے، ۸۲ جن کو

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا

نکال باہر کیا گیا ان کے گھروں سے بغیر کسی حق کے، (ان کا کوئی جرم وقصور نہیں) سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں

۷۹ نیکو کاروں کو خوش خبری سنانے کا حکم وارشاد: -سو ارشاد فرمایا گیا "اور خوشخبری سنا دو نیکوکاروں کو"۔ جن کے ایمان وعقیدے بھی درست اور پختہ ہوں اور وہ عمل وکردار کے لحاظ سے بھی صاف اور کھرے ہوں۔ اور وہ صدق و اخلاص کی دولت سے بھی سرشار و مالا مال ہوں۔ ان کو خوشخبری سنا دو کہ اصل اور حقیقی کامیابی ایسے ہی خوش نصیبوں کی ہے خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں کہ ایسوں کو اپنے اس صدق واخلاص اور عمل وکردار کی بناء پر دارین کی سعادت و سرخروئی نصیب ہوگی۔ کہ اس سے ان کو اس دنیاوی زندگی میں خیر وبرکت والی پاکیزہ زندگی نصیب ہوگی اور آخرت میں یہ جنت کی سدابہار نعمتوں سے بہرہ مند و سرشار ہونگے۔ اور یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی جو انسان کا مطمحِ نظر اور مقصود واصل ہونی چاہیئے نہ کہ دنیائے دوں کا متاعِ فانی اور حطامِ زائل۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید -وعلیٰ مایُحِبُّ ویرید،

۸۰ دغابازی اور ناشکری ایک مبغوض صفت۔ والعیاذ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اللہ پسند نہیں فرماتا کسی بھی دغاباز ناشکرے کو" بلکہ ایسے لوگ اپنے کفر وخیانت کی بناء پر اس کے یہاں مبغوض وممقوت ہیں۔ اس لئے وہ اہلِ حق کے مقابلے میں کبھی غلبہ اور سچی عزت نہیں پاسکتے کہ انہوں نے اللہ سے خیانت کی اور اسکے اوامر ونواہی کی خلاف ورزی کر کے۔ انہوں نے کفر اور کفرانِ نعمت کا ارتکاب کیا اسکی بخشی ہوئی ان نعمتوں کے جواب میں جن میں یہ سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے ان بے حقیقت چیزوں کی پوجاپاٹ کی جن کی پوجاپاٹ کا سرے سے کوئی حق بنتا ہی نہیں۔ اور ان کے ہاتھ میں نفع یا نقصان کا کوئی اختیار نہیں مگر انہوں نے ان کو خدائے واحد کا شریک قرار دیا۔ (المراغی، المحاسن، المعارف وغیرہ)۔ سو انسان کی اصل قدر وقیمت اس کے ایمان ویقین اور عمل وکردار سے ہے۔ جتنا کسی کا ایمان ویقین پکا اور پختہ ہوگا اور جتنا اس کا عمل وکردار نیک صالح اور عمدہ ہوگا اتنا ہی اس کا درجہ ومرتبہ اونچا

اور بڑا ہوگا۔ اور جس قدر وہ اس دولت سے عاری اور خالی ہوگا - والعیاذ باللہ - اتنا ہی وہ پست اور بے قدر و قیمت ہوگا۔ سو دغاباز اور ناشکرے انسان کی اس کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ وہ اس کے یہاں مبغوض اور ممقوت ہو گا - کیونکہ اس وحدہٗ لاشریک کے یہاں اصل قدر و قیمت ایمان واخلاق اور عمل و کردار کی ہے، وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید،

۸۱ مظلوموں کو جہاد کی اجازت:- یعنی چونکہ ان پر ظلم ہوتا رہا اس لیے ان کو اس ظلم کیخلاف جہاد کی اجازت دی جاتی ہے، (مدارک، کبیر، اور صفوۃ وغیرہ) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ پہلی آیت کریمہ ہے جس میں جہاد کی اجازت دی گئی، اوران مظلوموں سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وہ صحابہ کرام ہیں جو کہ اپنے دین وایمان کے باعث کفار کے طرح طرح کے مظالم کا شکار ہورہے تھے، جن کو ان کے گھروں سے بے گھر کیا گیا اور وہ حضور سے جب اپنی مظلومیت پیش کر کے جہاد کی اجازت مانگتے، تو آپ ان کو صبر وضبط ہی سے کام لینے کی ہدایت فرماتے، یہاں تک کہ ہجرت مدینہ کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اوراس میں ان کو جہاد کی اجازت مرحمت فرمائی گئی، (ابن کثیر، مدارک، خازن، صفوۃ، اور معارف وغیرہ) اوراس سے پہلے ان کو اس حیات آفریں اور کیف آور خوشخبری سے نوازا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی طرف سے مدافعت فرماتا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انکی مدد کی پوری قدرت رکھتا ہے، سبحان اللہ کیسی عظیم الشان دولت ہے یہ ایمان ویقین کی دولت جس سے سرفرازی کے بعد انسان اللہ پاک سبحانہ، و تعالیٰ کی ایسی عظیم الشان نعمتوں اور بشارتوں کا اہل بن جاتا ہے، اور اللہ پاک جو کہ قادر مطلق ہے وہ ان ایمان والوں کی طرف سے دفاع فرماتا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ کمالِ ایمان ویقین سے سرشار رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، یااکرم الاکرمین

۸۲ وعدۂ خداوندی کی توثیق وتقویت کا ذکر:- سواوپر والے وعدۂ خداوندی کی توثیق وتقویت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے:۔ پس اس قادر مطلق کی نصرت وامداد اور پشت پناہی جسے حاصل ہوگی اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، پس شرط یہ ہے کہ اہل ایمان کا تعلق اور معاملہ اس خالق و مالک کے ساتھ صحیح ہو، کہ ایمان ویقین بھی پختہ ہو اور اس پر بھروسہ اور اعتماد بھی کامل ہو، اور حضرات صحابہ کرامؓ چونکہ اس میں کامل تھے اس لیے ان کو اس نے اپنی اس خاص نصرت وامداد سے نوازا، جس سے وہ فتح ونصرت کی بلندیوں کو پہنچے اور ان کے دشمن ان کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوئے، (المراغی وغیرہ)۔ سو اس ارشاد ربانی میں مذکورہ وعدۂ مدافعت کی توثیق بھی ہے اور کفار قریش کے لیے ایک سخت قسم کی تہدید بھی۔ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کی کیا حیثیت ہے اور کوئی انکی مدد کر کے ان کو کیا تقویت پہنچا سکتا ہے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ لوگ ہیں تو اگرچہ مٹھی بھر لیکن ان کی پشت پر خدا تعالیٰ کی مدد ہے جو کہ ہر چیز پر قادر ہے - اللھم فکن لنا ولا تکن علینا بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ - آمین یاربَّ العالمین

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ

کہ ہمارا رب اللہ ہے، ۸۳ اور اگر اللہ تعالیٰ (اپنی قدرت وعنایت سے) لوگوں کو ایک دوسرے سے ہٹاتا

بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ

(اور اس طرح ان کا زور توڑتا) نہ رہتا، تو مسمار کر دی جاتیں ۸۴ تمام خانقاہیں، گرجے، کنیسے، اور

مَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ

وہ مسجدیں جن میں بکثرت نام لیا جاتا ہے اللہ (وحدہٗ لاشریک) کا،

وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ

اور یقیناً اللہ مدد فرماتا ہے اس کی جو مدد کرتا ہے اس (کے دین) کی، ۸۵ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی قوت والا،

۸۳ جرم بے گناہی کی سزا - والعیاذ باللہ جل وعلا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کا کوئی جرم وقصور نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی جرم اور گناہ نہیں بلکہ یہ تو سب سے بڑی نیکی اور تمام نیکیوں اور خوبیوں کی اساس وبنیاد ہے، سو کتنے ظالم اور کس قدر بدبخت اور منحوس ہیں یہ لوگ جو محض اس بناء پر اہل حق کو ستاتے اور تنگ کرتے ہیں، پس ایسے بدبختوں کو اپنے کیے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا، جو اہلِ حق کو جرم بیگناہی کی بناء پر تنگ کرتے اور ستاتے ہیں، کہ ان کے ظلم کی شدت اور زیادہ ہو جاتی ہے، والعیاذ باللہ العظیم - سو اس سے کفار ومشرکین کی مت ماری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہل ایمان کا یہ کہنا کہ ہمارا رب اللہ ہے جو سب سے بڑی نیکی بلکہ جملہ نیکیوں کی اساس و بنیاد ہے وہی ان بدبختوں کے نزدیک سب سے بڑا گناہ بن گئی جس سے یہ لوگ ان کے درپے آزار ہو گئے اور اس بنا پر ان کو اس قدر ستایا اور تنگ کیا گیا کہ ان مظلوموں کو اپنا گھر بار بھی چھوڑنا پڑا - والعیاذ باللہ العظیم - سو مسلمان کا یہی جرم وقصور کل تھا اور یہی آج ہے اور اسی کی بنا پر وہ کل بھی ظلم سہہ رہا تھا اور آج بھی سہہ رہا ہے۔ اور آج اس کے دلفگار مناظر جگہ جگہ اور طرح طرح سے سامنے آ رہے ہیں - فالی اللہ المشتکی وہو المستعان - اللہ ان مظلوموں کی مدد فرما اور ظالموں کو ہدایت دے اور جن کے نصیب میں ہدایت نہیں ان کو نیست ونابود فرما - آمین ثم آمین یارب العالمین - یامن بیدہ ملکوت کل شیء

۸۴ مشروعیت جہاد برائے دفع شر وفساد: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اصل مقصد اور اس مشروعیت جہاد کی ایک عظیم الشان اور بڑی حکمت، قوی شر وفساد کی سرکوبی ہے۔ صوامع، جمع ہے صومعۃ کی، جس کے معنی عیسائی راہبوں کی خانقاہ اور خلوت خانے کے ہیں اور بِيَعٌ جمع بِيعَةٌ کی جس کے معنی عیسائیوں کی عبادت گاہ یعنی گرجا کے ہیں، اور صلوٰت جمع ہے صلوۃ کی جو کہ دراصل عبرانی لفظ صلوتا کا معرب ہے، جس کے معنی ہیں یہودیوں کی عبادت گاہ یعنی کنیسہ، اور مساجد مسجد کی جمع ہے جو کہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، جو کہ آج بھی اسی نام سے مشہور ومعروف ہے، جہاں مسلمان اپنے خالق ومالک کے

حضور سجدہ ریز ہونے اور اسکی رضاء وخوشنودی کی خاطر اپنی پیشانیاں زمین پر رکھنے کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں، اور جہاں پر صحیح معنوں میں اللہ کی عبادت وبندگی ہوتی ہے، (مراغی، محاسن، خازن اور صفوۃ وغیرہ) سو اس ارشاد ربانی میں جہاد کی ایک عظیم الشان حکمت کو ذکر وبیان فرمایا گیا ہے، کہ اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ اسکے ذریعے قوی شر وفساد کی سرکوبی کا انتظام نہ فرماتا، تو قوی شر وفساد غالب آجاتے، فساد پھیل جاتا اور اس سے ایسے عبادت خانے بھی محفوظ نہ رہتے، سو جہاد کی مثال سرجن کی اس سرجری کی سی ہے جسکے ذریعے وہ جسم کے فاسد مواد کو خارج کر کے باقی جسم اور دیگر اعضاء وجوارح کی حفاظت کا سامان کرتا ہے، تاکہ وہ فساد کے اثرات سے محفوظ رہیں، فالحمد للہ رب العالمین ورنہ فاسد عناصر سب کی تباہی کا باعث بن جائیں گے- اور اشرار کے غلبہ وتسلط سے زمین میں فساد پھیل جائے گا- والعیاذ باللہ العظیم

۸۵ اللہ کی مدد کے مستحقین کی نشاندہی: -سو اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد کے مستحقین کی نشاندہی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ مدد فرماتا ہے اسکی جو مدد کرتا ہے اس (کے دین) کی- یعنی مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ میں مضاف محذوف ہے اصل میں ہے مَنۡ یَّنۡصُرُ دِیۡنَہٗ، (بیضاوی، کبیر، خازن، صفوہ اور محاسن وغیرہ) پس جس کے ساتھ اس قوی وعزیز وحدہٗ لاشریک کی مدد ہوگی وہ کبھی مغلوب نہیں ہوگا، چنانچہ صحابہ کرام نے اپنی ایمانی قوت اور خداوندی نصرت وامداد کی بناء پر ظاہری اسباب ووسائل کی قلت وفقدان کے باوجود تھوڑے ہی عرصے میں کفار قریش کے متکبر صنادید کا غرور خاک میں ملا دیا، قیصر وکسریٰ کی کمر توڑ کر رکھ دی، اور وہ روم وفارس کے اموال وبلاد کے مالک ومختار بن گئے، اور ایک دنیا پر ان کی دہاک بیٹھ گئی، اور ایمان ویقین کی اس قوت قاہرہ کے مختلف نمونے اور مظاہر آج ہم اپنے اس دور مادیت میں بھی یہاں اور وہاں، مشرق ومغرب میں، جابجا دیکھ رہے ہیں اور اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، چنانچہ دور حاضر کی سب سے بڑی شیطانی سپر پاور روس نے (جو کہ لفظ سور کا مقلوب ہے) اپنی بھرپور فوجی قوت اور جدید ترین اسلحہ اور سامان حرب وضرب کے ساتھ افغانستان پر حملہ کیا تو اسکے مقابلے میں افغانستان کے نہتے مسلمان اسی قوت ایمانی کے بل بوتے پر لاٹھیوں اور کلہاڑیوں کی قسم کے سامان اور ہتھیاروں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اور چند ہی سالوں کی لڑائی میں اسکو ایسا سبق سکھایا کہ صرف روس کیا پوری دنیائے کفر یاد رکھے گی، اور اس کو ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کا وجود تک صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور پھر دینی مدارس کے سیدھے سادھے اور معصوم طلبہ کی جماعت ''طالبان'' نے اٹھ کر ایسی چومکھی لڑائی لڑی اور روس کے گماشتوں اور اسکے اخلاف سمیت مختلف کافرانہ طاقتوں کو انہوں نے ایسے درس ہائے عبرت سکھائے کہ ایک دنیا کی دنیا ورطۂ حیرت میں ڈوب کر رہ گئی، پھر وسط یورپ میں واقع مسلم جمہوریہ بوسنیا وہرزگوینا اور کوسوو میں کفر وباطل کے مقابلے میں اہل ایمان نے جو جوہر دکھلائے، پھر جمہوریہ چیچنیا نے روس کے کفر کو جس ذلت ورسوائی سے دوچار کیا اور کشمیر میں کارگل کے محاذ پر ابھی چند ہی ہفتے قبل گنتی کے کچھ مجاہدین نے جو ستر ہزار ہندوستانی فوجوں کو سبق سکھائے، اور اس وقت جبکہ راقم آثم اپنی اس تفسیر کی پروف ریڈنگ کے دوران ان سطور کا اضافہ کر رہا ہے، روسی جمہوریہ داغستان میں پچھلے کم وبیش ایک ماہ سے روسی فوجوں کو ہر طرح کے اور جدید ترین اسلحہ سے لیس ہونے کے باوجود تھوڑے سے مجاہدین کی ایک مختصر سی تعداد جس طرح ان روسیوں کو لوہے کے چنے چبوا رہی ہے، اس سے دنیا محو حیرت اور انگشت بدندان ہے، فَصَدَقَ اللّٰهُ الْقَائِلِ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید- وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید،

عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ

نہایت ہی زبردست ہے، ۸۶ (یہ وہ لوگ ہیں کہ) اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں

أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا

تو یہ قائم کریں گے نماز کو ۸۷ اور ادا کریں گے زکوٰۃ کو، ۸۸ اور حکم دیں گے

بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ

نیکی کا، اور روکیں گے برائی سے، ۸۹ اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے

۸۶ اللہ کے وعدے کی توثیق وتقویت: -سو اللہ تعالیٰ کے وعدے کی توثیق وتقویت کے لیے اس کی دو صفتوں یعنی قوت اور عزت کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ بڑی ہی قوت والا نہایت ہی زبردست ہے۔ سو اپنی قوت بے نہایت سے اس نے اس ساری مخلوق کو بلاشرکت غیرے خود پیدا فرمایا، اور چونکہ وہ سب پر عزیز وغالب بھی ہے، اس لئے کوئی اس کے مقابلے میں غالب نہیں ہوسکتا، (ابن کثیر، صفوہ وغیرہ) سو وہ قوی وعزیز جس کو چاہے اپنی نصرت وعنایت سے نواز کر دم کے دم میں کہیں سے کہیں پہنچا دے، اللہ نصیب فرمائے اور وہ اگر کسی کو ذلیل کرنا چاہے والعیاذ باللہ تو پھر کوئی بھی عزت نہیں دے سکتا جیسا کہ فرمایا گیا- ﴿إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ، وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾- یعنی "وہ اگر تمہاری مدد نہ کرتے تو پھر کون ہوسکتا ہے جو تمہاری مدد کرے اسکے بعد؟ پس مومن کا بھروسہ بہرحال اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر ہونا چاہیئے، (آل عمران-۱۶۰) وباللہ التوفیق- سو وہ قوی وعزیز کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ پس جو لوگ اسکی مدد کرتے ہیں وہ دراصل اپنی ہی مدد کرتے ہیں اور جب اسکی نصرت وامداد حاصل ہوجائے تو پھر کسی سے ڈرنے کا کوئی سوال نہیں کہ ایسے میں مسلمانوں کی قلت تعداد اور دشمن کی بھاری جمعیت اصل چیز نہیں رہ جاتی کہ مسلمانوں کی پشت پر اس قوی وعزیز کی نصرت ومدد ہوتی ہے۔ سو کفار کو اپنی کثرت اور مسلمانوں کی قلت پر مست ومگن نہیں ہونا چاہیے کہ اس قوی وعزیز خداوند قدوس کی نصرت وامداد سے یہی ذرے پہاڑ اور یہی قطرے سمندر بن سکتے ہیں-
اللّٰھم فکن لنا واجعلنا لک وخذنا بنواصینا الی ما فیه حبک و رضاک یا ذا الجلال والاکرام-
اللہ ہمیشہ اپنی نصرت وامداد سے سرفراز وسرشار رکھے- اور ہر قسم کے شرور وفتن سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۸۷ فریضۂ نماز کی عظمت واہمیت: -سو اس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ نماز سب سے اہم فریضہ اور اولین عبادت ہے، اسی لیے زمین میں اقتدار ملنے کے بعد سب سے پہلی ذمہ داری اسی کے بارہ میں عائد ہوتی ہے، اور یہ اللہ پاک کا ارشاد فرمودہ اور عائد کردہ ایک ایسا عظیم الشان فریضہ ہے جو کہ ایمان لانے کے بعد ایک مومن پر سب سے پہلے عائد ہوتا ہے، اور اس کی محافظت مومن کی اولین ذمہ داری، اور اس کے عقیدہ وایمان کا بنیادی تقاضا ہے، اسی لئے حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے ولاۃ امور کو اس کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا، اَلاَ اِنَّ اَھَمَّ اُمُوْرِکُمْ عِنْدِیْ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا فَھُوَ لِغَیْرِھَا اَحْفَظُ وَمَنْ ضَیَّعَھَا فَھُوَ لِغَیْرِھَا اَضْیَعُ، نیز یہی وہ عبادت ہے جس میں انسان اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے اور اپنے جسم و جان اور قلب و زبان سب کے ساتھ، اپنے رب کی عبادت و بندگی میں مشغول ہوتا ہے، اور اسی سے اس کو نصرت و امداد خداوندی نصیب ہوتی ہے، اور اسی سے اس کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ صحیح تعلق اور رابطہ قائم ہوتا ہے، جو کہ اولین اساس و بنیاد ہے، فرد و معاشرے کی اصلاح، اور دارین کی فوز و فلاح کی، اس آیت کریمہ کو حضرات علماء کرام آیتِ تمکین کہتے ہیں کہ اس میں حضرات صحابہ کرامؓ سے تمکین فی الارض کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اور اس میں خلافتِ راشدہ کی طرف اشارہ ہے، (معارف وغیرہ) اللہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۸۸ فریضۂ زکوٰۃ کی عظمت و اہمیت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ زمین میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہ ادائیگیٔ زکوٰۃ کا اہتمام کریں جس سے ایک طرف تو مال والوں کے مال پاک ہوں گے، اور دوسری طرف ان کے دل پاک و صاف ہوں گے دنیا کی محبت سے، جو کہ جڑ ہے ہر فساد کی، والعیاذ باللہ، اور تیسری طرف اس سے پورا معاشرہ پاک ہوگا حسد اور عداوت وغیرہ کی بیماریوں سے، نیز اس سے صحتمند معاشرے کی تشکیل و تکمیل میں مدد ملے گی، اور مال جو ملت کے اجتماعی وجود کیلئے خون اور مابہ الحیٰوۃ کی حیثیت رکھتا ہے وہ صحیح طور سے تقسیم ہوگا، چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہیں رہ جائے گا اور اس کا فائدہ سب ہی کو پہنچے گا، اور غریبوں کی وہ دعائیں امیروں کو ملیں گی، اور ان کی دلی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہونگی، سو فریضہ زکوٰۃ ایک اہم فریضہ ہے اور جیسے بدنی عبادتوں میں فریضہ نماز سب سے اہم فریضہ ہے، اسی طرح مالی عبادتوں میں فریضہ زکوٰۃ سب سے اہم ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت کو ان دونوں فریضوں کا اہتمام کرنا اس کی اولین اور سب سے اہم ذمہ داری ہے اور اسی میں صلاح و فلاح ہے فرد و معاشرہ اور دنیا و آخرت دونوں کی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۸۹ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظمت و اہمیت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ حکم دیں گے نیکی کا اور روکیں گے برائی سے۔ تاکہ اس طرح پورا معاشرہ برائیوں سے پاک، اور امن و سکون کا گہوارہ بن جائے، سو ان خوبیوں کے حامل اقتدار پانے والے حضرات کا اولین مصداق حضرات مہاجرین و انصار ہیں، اور پھر ان کی اتباع و پیروی کرنیوالے وہ تمام حضرات جو اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ کے زمرے میں آتے ہیں، کما روی ذالک عن ابن عباس وغیرہ، پس یہ آیت کریمہ خلافت راشدہ کی صحت اور حقانیت کی دلیل ہے، کہ یہ چاروں حضرات مہاجرین اولین میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو زمین میں تمکین نصیب فرمائی، اور وہ چاروں ان چاروں صفات کے ساتھ بدرجہ تمام و کمال موصوف تھے، سو یہ آیت کریمہ چاروں خلفاء کرام کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے، (معارف وغیرہ) اور معروف و منکر وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے معروف و منکر قرار دیا اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اپنی طرف سے ان میں کوئی تغییر و تبدیلی کرے۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ

سب کاموں کا انجام، ف۹۰ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (اے پیغمبر!) تو (یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ)

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ

یقیناً ان سے پہلے قوم نوح، اور عاد و ثمود بھی جھٹلا چکے ہیں (اپنے اپنے پیغمبروں کو،) اور قوم

إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ

ابراہیم اور قوم لوط بھی، اور مدین والے بھی، اور موسیٰ کو

مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ج

بھی جھٹلایا جا چکا ہے، ف۹۱ جس پر میں نے پہلے تو ان کافروں کو مہلت دی، ف۹۲ مگر آخر کار جب ان کو پکڑا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ

تو (دیکھو) کیسا رہا میرا عذاب؟ ف۹۳ سو کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں

۹۰ **سب کچھ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں:** ـ سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ ہی کے اختیار میں ہیں سب امور کہ اس دنیا میں جو بھی کچھ ہوتا ہے اسی وحدہٗ لاشریک کے اذن و حکم سے ہوتا ہے، اور آخرت میں بھی سب امور کا رجوع اسی کی طرف ہوگا، تاکہ وہ ان کے بارہ میں آخری اور عملی فیصلہ صادر فرمائے، تاکہ ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ پا سکے، سو ہوتا سب کچھ اللہ پاک ہی کے حکم و ارشاد سے ہے، بندے کا عمل دخل اس کے اپنے ارادہ و اختیار سے ہے، اگر اس نے نیت صحیح رکھی اور ارادہ نیک ہوا تو وہ نیکی کی توفیق اور اسکی سعادت سے سرفراز ہوگا، اور اگر نیت بری رکھی تو برے انجام سے دوچار ہوگا اور خود اپنا ہی نقصان کرے گا، والعیاذ باللہ۔ پس انسان کو چاہیئے کہ وہ محنت تو اپنی طرف سے بہر حال کرے، اور اپنی ہمت و بساط کے مطابق پوری کرے لیکن بھروسہ و اعتماد ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی پر رکھے، کہ ہوگا وہی جو اس وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوگا کہ سب امور کا رجوع اسی کی طرف ہے، اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے، سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ پس مومن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اس خالق و مالک کے ساتھ اپنا تعلق صحیح رکھے اور دل کا بھروسہ ہمیشہ اسی پر رکھے اور اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کے مقصد کو سب سے مقدم رکھے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وہو الہادی الیٰ سواء السبیل۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین

۹۱ **پیغمبر کیلئے سامانِ تسلیہ و تسکین:** ـ کہ جب گزشتہ اقوام نے بھی اپنے انبیاء کرام کو اسی طرح جھٹلایا اور ان کی پیش فرمودہ تعلیمات کی تکذیب و توہین سے کام لیا، تو پھر آپ کی قوم کی یہ تکذیب (اے پیغمبر!) کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں،

بلکہ پہلے سے یونہی ہوتا آیا ہے، پس آپ بھی اس پر اسی طرح صبر ہی سے کام لیں ، جیسا کہ ان حضرات انبیاء کرام نے کیا، فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾۔ (الاحقاف۔۳۵) سو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلیہ اور تسکین کا سامان ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حم السجدۃ۔۴۳) یہاں پر حضرت موسیٰ کے ذکر میں طرز کلام کو تبدیل فرمادیا گیا، یعنی دوسرے انبیاء کرام کے ذکر کی طرح کذبہ قومہ کی بجائے کذب موسیٰ فرمایا گیا، اس لئے کہ حضرت موسیٰ کی تکذیب اصل میں آپ کی اپنی قوم کی طرف سے نہیں کی گئی تھی، بلکہ فرعون کی قوم قبط کی طرف سے کی گئی تھی، اور اس میں ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ جب موسیٰ کی اس قدر واضح اور جلیل القدر معجزات کے باوجود تکذیب کی گئی تو پھر اوروں کا کہنا ہی کیا، (محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور معارف القرآن وغیرہ)۔ سو اس ارشاد میں پیغمبر کے لیے اور آپ کے توسط سے ہر داعی حق کے لیے صبر و برداشت اور تسلیہ و تسکین کا سامان ہے۔

۹۲ ظالموں کا آخری انجام ہولناک تباہی۔ والعیاذ باللہ: ۔سو ظالموں کو ڈھیل دی گئی، مگر آخرکار ان کو پکڑ لیا گیا: سو ان کو ڈھیل دی گئی تا کہ وہ سنبھل جائیں اگر سنبھلنا چاہیں ، ورنہ اپنے جرم کا پیمانہ لبریز کر لیں تا کہ اپنے آخری انجام سے ہم کنار ہوسکیں، پس اس میں درس عبرت ہے مشرکین قریش اور دور حاضر کے دوسرے تمام منکروں اور دشمنان حق کے لئے کہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں ورنہ جو انجام ان گزشتہ اقوام کا ان کے کفر و انکار کی بناء پر ہو چکا ہے وہ ان کا بھی ہوسکتا ہے، اللہ پاک کا قانون بے لاگ اور سب کے لئے ایک اور یکساں ہے، اور جس قوم کو بھی مہلت ملتی ہے وہ بہر حال مہلت ہی ہے، جس نے بالآخر بہر حال ختم ہو کر رہنا ہے، اس لیے اس سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے، کہ کفر و انکار کا نتیجہ و انجام بہر حال بہت برا اور نہایت سخت ہوتا ہے، اور تمہارا رب ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے، لیکن جب پکڑتا ہے تو اسکی پکڑ بھی بہت سخت اور بڑی دردناک ہوتی ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴾۔ (ھود:۱۰۲) والعیاذ باللہ العظیم۔ سو جو لوگ کفر و شرک اور الحاد و بے دینی وغیرہ کے کسی ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو ڈھیل جتنی بھی ملے مگر ان کا آخری انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۳ عبرت پذیری کی تعلیم و تلقین: ۔سو عبرت پذیری کی تعلیم و تلقین کے طور پر ارشاد فرمایا گیا سو دیکھو کیسا تھا میرا عذاب؟۔ یعنی کیسا ہولناک اور کس قدر المناک تھا، کہ نہ اس سے بچنے کی کوئی صورت ان کے لئے ممکن رہی تھی، اور نہ توبہ و استغفار، اور معذرت و ادراک مافات کی کوئی شکل باقی رہ گئی تھی، اور اس طرح یہ لوگ ہمیشہ ہمیش کے عذاب میں دھر لئے گئے، والعیاذ باللہ العظیم سو کفر و انکار اور معاصی و ذنوب پر ملنے والی مہلت اور ڈھیل سے کبھی کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے، کہ اس کا انجام بہر حال بہت برا اور بڑا ہولناک ہے، والعیاذ باللہ العظیم۔ سو جن قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کی دعوت حق کو جھٹلایا ان کو قدرت کی طرف سے ڈھیل تو دی گئی اور کافی ڈھیل دی گئی لیکن اس ڈھیل سے اصلاح کرنے کی بجائے ان لوگوں کی سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا گیا۔ تو آخر کار اللہ نے ان کو پکڑا کہ ان کو صفحۂ ہستی ہی سے مٹادیا اور وہ قومیں قصۂ پارینہ بن کر رہ گئیں۔ سو اس میں دور حاضر کے کفار و منکرین کے لیے تنبیہ و تذکیر ہے کہ یہ باز آجائیں ورنہ ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان گزشتہ قوموں کا ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ زیغ و ضلال کی ہر قسم و شکل سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین، و یا ارحم الراحمین

اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

جن کو ہم نے تباہ کر ڈالا جب کہ وہ اڑی رہیں اپنے ظلم پر، ف۹۴ سو (دیکھو کہ اب) وہ گری پڑی ہیں

عُرُوۡشِهَا وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ﴿۴۵﴾

اپنی چھتوں پر ف۹۵ اور کتنے ہی کنوئیں ہیں بے کار پڑے ہوئے، اور کتنے ہی بلند و بالا اور مضبوط محل ہیں جو کھنڈر بنے ہوئے ہیں ف۹۶

اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ

تو کیا (غفلت میں ڈوبے) یہ لوگ چلتے پھرتے نہیں (عبرتوں بھری) اس زمین میں؟ ف۹۷ کہ ان کے ایسے (عبرت پذیر) دل ہوتے

يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا‌ ۚ فَاِنَّهَا لَا

جن سے یہ سوچتے (سمجھتے حق اور حقیقت کو) یا ان کے ایسے کان ہوتے، جن سے یہ سنتے (پیغام حق و صداقت کو)، بات یہ ہے کہ (سر کی

تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰـكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ

یہ) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے

۹۴ **ظلم کا نتیجہ و انجام ہولناک تباہی - والعیاذ باللہ:** - سو ان ظالم بستیوں کے انجام سے واضح ہو جاتا ہے کہ ظلم پر اصرار کا آخری نتیجہ بہر حال ہولناک تباہی ہے - والعیاذ باللہ - یعنی انہوں نے ظلم کیا اپنے کفر و شرک اور اپنے خالق و مالک کی معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کر کے، والعیاذ باللہ سو انہوں نے اپنے رب کی نعمتوں کی بے قدری اور ناشکری کی اور معبود برحق وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی سے منہ موڑ کر انہوں نے ان بے حقیقت اور بے بنیاد چیزوں کی بندگی اور پوجا پاٹ کی، جو نہ کسی نفع کی مالک تھیں نہ نقصان کی، اور ان کی پوجا پاٹ اور اپنے اس ظلم پر یہ لوگ اڑے رہے، اپنے خیر خواہ کی کوئی بات بھی انہوں نے مان کر نہ دی، یہاں تک کہ یہ قومیں اپنے ظلم میں انتہاء کو پہنچ گئیں، اور بالآخر اپنے منطقی انجام اور لازمی نتیجے سے ہمکنار ہو کر رہیں، اور دائمی ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے میں جا گریں، سو یہ تاریخ کا واضح ثبوت اور کھلا درس ہے کہ ظلم پر اصرار کا آخری اور قطعی نتیجہ بہر حال دائمی ہلاکت و تباہی ہے، والعیاذ باللہ العظیم - سو اس سے ان ظالم اور غافل لوگوں کو آنکھیں کھولنی چاہئیں - ﴿فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ؟﴾ - اللہ غفلت و لاپرواہی اور ظلم و زیادتی کے ہر شائبے سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - آمین -

۹۵ **ظالم بستیوں کی تباہی کا منظر:** - سو اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر کہ پہلے چھتیں زمین بوس ہوئیں، اور پھر ان کی دیواریں ان پر گریں، نیز خاویۃ کا دوسرا معنی خالیہ بھی آتا ہے، یعنی وہ عمارتیں اور وہ جگہیں اپنے باسیوں اور رہائش پذیروں سے خالی پڑی ہوئی ہیں، اس صورت میں۔ عَلٰى عُرُوۡشِهَا کا معنٰی ہو گا کہ باوجودیکہ ان کی چھتیں باقی اور قائم ہیں (جامع، محاسن وغیرہ) بہرکیف جن عمارتوں پر ان کو بڑا ناز تھا، اور جس تعمیر و ترقی پر

وہ لوگ پھولے نہیں سما رہے تھے، وہ آج تباہی کا ایسا ہولناک منظر پیش کر رہی تھیں اور اپنی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ دیکھو ہمیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو، اور یہ کہ ظلم کا آخری انجام بہرحال ہولناک تباہی اور ابدی خسارہ ہوتا ہے، والعیاذ باللہ العظیم۔ لیکن ناس ہو غفلت کا کہ اس کی ماری ہوئی دنیا آنکھ کھولنے اور ان آثار قدرت پر نگاہ عبرت وبصیرت ڈالنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ غفلت ولاپرواہی کے جملہ شوائب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں کہ کتنی ہی بستیاں اور شہر ایسے ہیں جن کو ان کی کفران نعمت کی پاداش میں ہم نے ہلاک اور برباد کر دیا۔ اور اب ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے چھتوں پر گری پڑی ہیں اور اپنی زبان حال سے داستان عبرت سنا رہی ہیں۔ کہ دیکھو، غور کرو۔ اور درس عبرت لو، وباللہ التوفیق

۹۱ آثارِ قدیمہ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین: ۔سو اس سے تباہ شدہ بلند وبالا محلوں کے کھنڈرات اور ان کے آثار سے داستانِ عبرت وبصیرت لینے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ سو دیکھو کہ کس طرح وہ قومیں صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لیے مٹ گئیں اور ان کے بلند وبالا محل کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ جن میں کہیں پرندوں چرندوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں، اور کہیں سانپوں اور بچھوؤں وغیرہ نے گھر بنا رکھے ہیں، شاد البناء کے معنیٰ ہیں عمارت اٹھانا اسے بلند کرنا، اور اس کے معنیٰ پکی اور پختہ عمارت بنانے کے بھی آتے ہیں، ہم نے اپنے ترجمے میں ان دونوں مفہوموں کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے والحمد للہ، بہرکیف درس عبرت یہ دیا جا رہا ہے کہ اپنے جن بلند وبالا محلوں اور مضبوط ومستحکم قلعوں اور عالیشان وخوبصورت عمارتوں پر ان لوگوں کو بڑا گھمنڈ اور ناز ہوا کرتا تھا، جس کو وہ اپنی تعمیر وترقی کا عروج قرار دیا کرتے تھے جہاں ہٹو بچو کی صدائیں بلند ہوا کرتی تھیں، اور جہاں کی ڈیوڑھیوں پر لوگ سجدہ ریز اور زمین بوس ہوا کرتے تھے، وہ آج اس طرح ویران وغیر آباد پڑی تھیں، جہاں آبادی کی جگہ بربادی تھی چہل پہل اور شور شرابہ کی بجائے ہولناک سناٹا اور خوفناک خاموشی تھی، اور ہُو کا ایک عالم اس تمام گردوپیش پر طاری تھا، سو یہی انجام ہوتا ہے کفر وظلم اور اس پر اصرار وجمود کا، والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ

۹۲ عبرت پذیری کی دعوت وترغیب: ۔سو عبرت پذیری کی دعوت وترغیب کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں (عبرتوں بھری) اس زمین میں۔ یہ استفہام تخفیض وتقریع کے لئے ہے، یعنی ان لوگوں کو چل پھر کر ایسے کھنڈرات دیکھنے چاہئیں تا کہ یہ سبق لے سکیں اور عبرت پکڑ سکیں، مگر افسوس کہ انسان کی حالت ہمیشہ یہی رہی ہے کہ اس نے ایسے مقامات پر عبرت کی آنکھیں بالعموم بند کر رکھی ہوتی ہیں، کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے، چنانچہ آج بھی جو لوگ موہنجو ڈارو، ہڑپہ اور ٹیکسلا وغیرہ کے آثار قدیمہ دیکھنے جاتے ہیں، وہ محض تفریح، کھیل تماشا، اور فوٹو گرافی وغیرہ کے لئے جاتے ہیں، عبرت پذیری کی کوئی بات ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتی، الا ماشاء اللہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ کھنڈرات جن لوگوں کے ہیں وہ کون تھے؟ اور ان کے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ کس نے کیا؟ اور اس میں ہمارے لئے کیا کچھ درسہائے عبرت وبصیرت ہیں؟ وغیرہ وغیرہ سو غفلت ولاپرواہی کا مرض ام الامراض ہے، والعیاذ باللہ العظیم ورنہ یہ لوگ اگر غور وفکر اور عبرت پذیری کی غرض سے ایسے مقامات پر جاتے تو انکی نگاہیں وا ہو جاتیں، ان کے کان گوش حق نیوش بن جاتے، اور ان کے دل ودماغ سامانِ عبرت وبصیرت سے مالا مال ہو جاتے، مگر غفلت ولاپرواہی نے انکی مت ماردی، والعیاذ باللہ العظیم

فِي الصُّدُورِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَ

اندر ہیں، ف۹۸ اور (نصیحت قبول کرنے کی بجائے) یہ لوگ تو آپ سے عذاب ہی کی جلدی مچائے جارہے ہیں، ف۹۹

۹۸ سب سے بڑے اور ہولناک اندھاپے کی نشاندہی:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ دلوں کا اندھاپا سب سے بڑا اور ہولناک اندھاپا ہے- والعیاذ باللہ، سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ایسے لوگوں کی بصارت اگرچہ برقرار ہوتی ہے مگر انکی بصیرت ختم ہوجاتی ہے، اور بصیرت کا اندھاپن ہی دراصل خطرے اور نقصان کا باعث اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے، والعیاذ باللہ سو سر کی اور ظاہری آنکھیں ایسے لوگوں کی صحیح وسالم ہوتی ہیں، وہ بڑی باریک باریک چیزیں دیکھتے ہیں اور مادی اور ظاہری امور میں انکی رسائی بڑی دور تک ہوتی ہے، لیکن ان کے دلوں کی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں والعیاذ باللہ جس کے باعث ان کو کچھ سوجھ کے ہی نہیں دیتا، اور اصل اعتبار جو دل کی آنکھوں ہی کا ہوتا ہے، اور دل کی اسی روشنی ہی سے ظاہری آنکھوں کو بھی جلا ملتی ہے، ورنہ محض ظاہری اور سر کی آنکھوں کا دیکھنا تو حیوان کا دیکھنا ہوتا ہے، سو ایسے لوگ جو دل کی روشنی سے محروم ہوجاتے ہیں، محض حیوان بن کر رہ جاتے ہیں بلکہ ان کا حال اس سے بھی کہیں بدتر ہوجاتا ہے، والعیاذ باللہ- سو دنیا کی اصل آفت یہ نہیں کہ سروں میں لگی ہوئی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں بلکہ اصل اور حقیقی آفت یہ ہے کہ سینوں کے اندر جو دل ہیں وہ اندھے ہوجاتے ہیں جس سے ایسے لوگ حق اور حقیقت کو سمجھنے اور اپنانے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ سو اگر سروں کی آنکھوں کی بصارت جاتی رہے لیکن سینوں کے اندر کے دل بیدار ہوں تو آدمی نابینا ہو کر بھی تمام حقائق کا ادراک ومشاہدہ کرلیتا ہے لیکن اگر کسی کی دل کی آنکھیں چپاٹ ہوجائیں تو اس کا حال یہ ہوجاتا ہے کہ وہ دیکھتا تو سب کچھ ہے لیکن اس کو سوجھتا کچھ بھی نہیں اور یہی ہے اصل محرومی- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ فکر ونظر کے ہر زیغ وضلال اور بصیرت وبصارت کے ہر قسم کے اندھاپے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی امان وپناہ میں رکھے- اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین وانہ، سبحانہ، وتعالیٰ سمیع قریب مجیب وعلیٰ مایشاء قدیر-

۹۹ منکرین کے استعجال کا ذکر وبیان:- سو اس سے منکرین کی طرف سے استعجال، یعنی عذاب کے لیے جلدی مچانے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی مچاتے ہیں"۔ استہزاء وتکذیب کے طور پر' کہ کب آئے گا وہ عذاب جس کی دھمکیاں آپ ہمیں دے رہے ہیں؟ وہ ہم پر آتا کیوں نہیں؟ اس کو کس نے روک رکھا ہے؟ اس کو لاکر دکھاؤ' وغیر ذالک آخر وہ کب لنگر انداز ہوگا، سو کفر وانکار کی نحوست سے انسان کی مت ایسے ہی ماری جاتی ہے، اور وہ اسی طرح لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ہوجاتا ہے، والعیاذ باللہ العظیم- اور وہ عذاب سے بچنے کی فکر وکوشش کی بجائے اس کے لیے جلدی مچانے لگتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین

لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ

حالانکہ اللہ کبھی خلاف ورزی نہیں فرماتا، اپنے وعدے کی، ف۱۰۰ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب کے یہاں کا

رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ

ایک دن (اے لوگو!) تمہارے شمار کے ایک ہزار برس کے برابر ہوا کرتا ہے، ف۱۰۱ اور (پھر سن لو کہ) کتنی ہی

مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ

بستیاں ایسی ہوئی ہیں جو کہ کمر بستہ تھیں اپنے ظلم پر، (ہمارا معاملہ ان سے یہ رہا کہ) پہلے تو میں نے ان کو ڈھیل دیے رکھی، مگر

اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع قُلْ يٰۤاَيُّهَا ع۱۰ ۶ ۱۲

آخرکار ان کو پکڑا، اور سب کو بہرحال میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، ف۱۰۲ (ان سے صاف) کہہ دو کہ اے

النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ ۚ فَالَّذِيْنَ

لوگو، سوائے اس کے نہیں کہ میں تو صرف خبردار کر دینے والا ہوں تم سب کے لئے کھول کر (حق اور حقیقت کو)، ف۱۰۳ سو جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ

ایمان لے آئیں گے، اور وہ کام بھی نیک کریں گے، تو ان کے لئے تو بخشش بھی ہے، اور عزت کی

كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ

روزی بھی، اور جو ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے

۱۰۰ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی قطعیت کا ذکر و بیان: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے وعدے نے بہرحال پورا ہو کر رہنا ہے۔ کیونکہ اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ خلاف ورزی نہیں فرماتا اپنے وعدے کی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کبھی خلاف ورزی نہیں فرماتا اور نہیں فرمائے گا اپنے وعدے کی۔ اس لئے اس کے وعدے کے مطابق وہ عذاب ان پر بہرحال آ کر رہے گا، مگر اس کا ایک وقت مقرر ہے، جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، سبحانہ، وتعالیٰ سو عقل و خرد اور ہوشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس ہولناک عذاب کیلئے جلدی مچانے اور اس کا مطالبہ کرنے کی بجائے اس سے بچنے کی فکر اور کوشش کی جائے، کیونکہ اس کے آچکنے کے بعد پھر اس سے بچنے کی کوئی صورت ایسے لوگوں کیلئے کبھی ممکن نہ ہوگی، والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ﴾۔ اللہ اپنے حفظ وامان

میں رکھے- اور ہمیشہ راہ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۰۱ خدائی دنوں کے پیمانے کی عظمت کا بیان:- سو خدائی دنوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ "تمہارے رب کے یہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار برس کا ہوتا ہے"۔ اس لئے سینکڑوں ہزاروں برس کی جس مدت کو تم لوگ بہت لمبی مدت سمجھتے ہو وہ اللہ پاک کے حساب میں اور اس کے پیمانہ کے مطابق ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ ہوتی ہے' بلکہ اس سے بھی کم' تو پھر یہ جلد بازی کیسے اور کیوں؟ سو لوگوں کے حساب سے اور ان کی سمجھ کے اعتبار سے وہ دن اگرچہ بہت دور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حساب سے وہ بہت نزدیک ہے- ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَّنَرَاهُ قَرِيبًا﴾- (المعارج: ۶-۷) سو عذاب کی تاخیر سے کسی کو غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیے اور اللہ پاک سبحانہ، وتعالیٰ کے وعدوں اور اس کے پیمانوں کو اپنے حساب سے نہیں دیکھنا چاہیے- کہ اسکے پیمانے بہت مختلف اور نہایت عظیم الشان ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۱۰۲ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ سب کو بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ سب کو آخرکار ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے جہاں پر ہر کسی نے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا حساب دینا اور بدلہ پانا ہے' پس جلد بازی کے بجائے اس عذاب سے بچنے کی فکر کرنے کی ضرورت ہے' اور دنیا کی اس عارضی اور محدود فرصت میں اگر کوئی عذاب سے بچ بھی گیا تو بھی کیا ہوا، کہ آخرکار تو ان سب کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے، اور یہاں پہنچ کر ہر کسی کو اپنے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ بہرحال پا کر رہنا ہے،۔ سو اس ارشاد ربانی سے عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کو جواب دیا گیا کہ ان کو خداوند قدوس کی طرف سے جو ڈھیل اور مہلت ملی ہوئی ہے اس سے یہ لوگ مست اور مغرور نہ ہوں اور یہ تاریخ سے سبق لیں کہ کتنی ہی قومیں ایسی گزر چکی ہیں جن کو ان کے کفر و شرک کے باوجود ڈھیل دی گئی لیکن جب انہوں نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا تو آخرکار ان کو دبوچ لیا گیا اور اس موقعہ پر کوئی بھی انکو ہماری گرفت و پکڑ سے چھڑانے والا نہ بن سکا۔ سو یہی حشر تمہارا بھی ہونے والا ہے اے دور حاضر کے منکرو۔ اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی اور تمہاری اکڑی ہوئی گردنوں میں خم نہ آیا۔ اور اس حقیقت کو بھی یاد رکھنا کہ بالآخر تم سب کی واپسی ہماری ہی طرف ہونی ہے۔ تمہارے مزعوم و من گھڑت شرکاء و شفعاء اور تمہارے اعوان وانصار میں سے کوئی بھی تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکے گا- والعیاذ باللہ العظیم- سو جن لوگوں نے ازخود اس طرح کے تصورات قائم کر رکھے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں- والعیاذ باللہ- اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۰۳ پیغمبر کا کام تبلیغ حق اور بس:- سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ لوگوں سے کہو کہ میرا کام تو صرف تم لوگوں کو خبردار کر دینا ہے اور بس۔ اور یہ فرض میں نے انجام دے دیا' اور دے رہا ہوں' باقی رہ گیا کام عذاب لے آنے کا' تو وہ نہ تو میرے بس میں ہے' نہ میری ذمہ داری' اور نہ ہی میں نے اس کا کوئی دعوی ہی کیا ہے' وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے، وہی بہتر جانتا ہے کہ کس پر عذاب کب اور کس شکل میں آئے، پیغمبر کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے نہ کہ عذاب لانا۔ اور اسی میں اسوہ وقدوہ ہے آپ کے امت کے دعاۃ حق وہدایت کے لیے۔ وباللہ التوفیق لما یحبُ ویرید،

أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ

وہ ساتھی (اور یار) ہیں دوزخ کے، ۱۰۴ اور ہم نے آپ سے پہلے (اے پیغمبر!) جو بھی کوئی

قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰٓى أَلْقَى

رسول یا نبی بھیجا، (اس کا حال یہی رہا کہ) جب اس نے تمنا کی ۱۰۵ تو شیطان نے

الشَّيْطٰنُ فِيْٓ أُمْنِيَّتِهٖ ج فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي

خلل اندازی کی اس کی تمنا (وآرزو) ۱۰۶ میں، پھر اللہ مٹا دیتا ہے اس خلل اندازی کو

الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

جو شیطان کرتا ہے، اور پکا (اور پختہ) کر دیتا ہے وہ اپنی آیتوں کو، اور اللہ تو سب کچھ جاننے والا،

حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لّا لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً

بڑا ہی حکمت والا ہے ۱۰۷ (اور اللہ ایسا اس لئے ہونے دیتا ہے) تاکہ وہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کو فتنے

۱۰۴ حق کا مقابلہ کرنے والوں کی ہولناک انجام کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی آیتوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے والے یار ہیں دوزخ کے۔ اور جس طرح ایک یار اپنے یار سے الگ نہیں ہوتا، بلکہ اسکے ساتھ ساتھ رہتا ہے، اسی طرح دوزخ کی وہ ہولناک آگ نہ ان لوگوں کو چھوڑے گی اور نہ ہی یہ اس سے کبھی الگ ہو سکیں گے، والعیاذ باللہ سو اس طرح ایسے لوگ اپنے مونہوں کی پھونکوں سے حق کے چراغ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے البتہ وہ خود دوزخ کا ایندھن بن جائیں گے، والعیاذ باللہ سو اللہ پاک سبحانہ وتعالیٰ کی آیتوں کو قبول کرنے کی بجائے ان کا مقابلہ کرنا، اور ان کو نیچا دکھانے کیلئے دوڑ دھوپ کرنا ایک بڑا ہی ہولناک اور انتہائی سنگین جرم ہے، جس کا انجام بڑا ہی برا اور نہایت ہی المناک ہے، والعیاذ باللہ العظیم - جبکہ اس کی برعکس سلامتی کی راہ اور انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والا طریقہ اور انسان کی عبدیت و بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے سامنے جھک جائے اور ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۱۰۵ پیغمبر کی آرزو وتمنا اور شیطان کی خلل اندازی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آپ سے پہلے جو بھی کوئی رسول یا نبی بھیجا اس کا حال یہی رہا کہ جب اس نے تمنا کی تو شیطان نے خلل اندازی کی اس تمنا میں۔ اور پیغمبر کی سب سے بڑی اور اصل تمنا یہی ہوتی ہے کہ اس کی امت کو ہدایت اور ایمان کی دولت نصیب ہو جائے، اور وہ ابدی ہلاکت اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں، سو جب پیغمبر نے خلق خدا کی اصلاح کیلئے کوشش کی، اور ان کو حق و ہدایت کی دعوت دی، اور ان کو سکھانے سدھارنے کیلئے کوئی قدم اٹھایا تو شیطان نے مختلف شکوک وشبہات وغیرہ کے ذریعے اس میں خلل ڈالا اور پیغمبر کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ سو تمنی کا اصل معنی و مفہوم یہی ہے

یعنی خواہش کرنا، امید رکنا اور چاہت رکھنا وغیرہ جیسا کہ اردو میں بھی مشہور و معروف ہے۔ قرآن حکیم میں مختلف صیغوں اور شکلوں میں یہی لفظ سات آٹھ مقامات پر وارد ہوا ہے اور اسی سے امنیۃ کا لفظ بھی ہے جو امید اور خواہش ہی کی معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہ بھی قرآن حکیم میں مفرد اور جمع کی مختلف صورتوں میں سات آٹھ جگہ آیا ہے اور کلام عرب کی رشونی میں اس کا اصل اور صحیح مفہوم یہی ہے مگر اس سب کے باوجود بعض لوگوں نے پتہ نہیں اس کو قراءت کی معنی میں کیسے لے لیا۔ اور اس بنا پر انہوں نے آگے خواہ مخواہ کی ایک طویل اور بے بنیاد بحث چھیڑ دی۔ بعض لوگوں نے اس کے لیے ایک غیر معروف شعر کو اسکی بنیاد بنایا ہے لیکن ایک غیر معروف شعر کی بنا پر ایک کثیر الاستعمال لفظ کو اسکے مشہور و معروف اور متبادر معنی و مفہوم سے ہٹانا اور پھیرنا آخر کیسے اور کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اور وہ بھی قرآنِ حکیم میں وارد و موجود کسی لفظ کو؟ - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۰۶ شیطان کی خلل اندازی کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان نے ہمیشہ پیغمبر کی تمنا میں خلل اندازی کی طرح طرح کے وسوسوں کے ذریعے اور قسما قسم کے شبہات ڈال کر' اور راہ حق و صواب میں طرح طرح کی مشکلیں کھڑی کر کے' والعیاذ باللہ مثلاً شیطان لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالتا کہ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہے تو سارے کا سارا ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں نازل ہو جاتا، تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں اتارا جاتا ہے، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب اسکو خود ہی گھڑ لاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ سو پیغمبر کی تمنا اور آرزو تو شب و روز یہی ہوتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ اسی کے لیے کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح حق و ہدایت کی بات لوگوں کی دلوں کے اندر اتر جائے اور وہ اس کو قبول کر کے کفر و انکار کے ہولناک انجام سے بچ جائیں۔ لیکن شیطان ہر وقت انکی راہ مارنے کے لیے گھات میں لگا رہتا ہے اور پیغمبر کی دعوت کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے کرتا اور ان کی راہ روکنے کی کوشش کرتا ہے - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۰۷ شیطان کی خلل اندازی کے محو و ازالے کا ذکر و بیان: - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی خلل اندازی کو مٹا دیتا ہے۔ حق کی حفاظت اور اپنے نبی کی تائید و نصرت کیلئے' اس طرح اس آیت کریمہ میں پیغمبر کی تسلی فرما دی گئی کہ آپ اُن مخالفین کی مخالفت سے غمگین و دلگیر نہ ہوں' کہ یہ کوئی نئی بات نہیں' بلکہ سب انبیاء کرام کے ساتھ اہل باطل کی طرف سے یہی معاملہ ہوتا رہا' مگر حق کی تائید و نصرت بہر حال آپ کے ساتھ ہے' سو یہ اس آیت کریمہ کی صاف ستھری اور بے غبار تفسیر و تشریح ہے' نہ کسی تکلف کی ضرورت، اور نہ قرآنی الفاظ و کلمات سے کسی کو اسکے معروف و مشہور اور متبادر معنی و مفہوم سے نکالنے کی کوئی ضرورت' اس موقع پر غرانیق کا جو قصہ بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے وہ محققین کے نزدیک باطل و مردود ہے' امام رازیؒ' ابن کثیرؒ' بیہقیؒ' ابن خزیمہؒ' بزارؒ' قاضی عیاضؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ وغیرہ جیسے محققین نے اس قصے کو باطل' موضوع اور زنادقہ و ملاحدہ کا من گھڑت قصہ قرار دیا ہے' والتفصیل فی المفصلات' اردو تفاسیر میں سے مولانا کاندھلوی مرحوم نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس پر خاصی مفصل اور علمی بحث کی ہے' اہل علم اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں' اور اس ساری خرابی اور ظاہر متبادر سے انحراف کی بنیاد یہ ہے کہ یہاں پر تمنی کو قرا کے معنی میں لیا گیا ہے اور امنیہ کو قرات کے معنی میں' حالانکہ امنیہ کے اصل معنی امید' آرزو' خواہش اور ارمان وغیرہ کے آتے ہیں' یہی اسکے مشہور و معروف اور ظاہر و متبادر معنی ہیں' اور قرآن حکیم میں دوسرے مختلف مقامات پر یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں بھی گزرا۔ کسی گرے پڑے شعر وغیرہ کے سہارے پر اس لفظ کو ایسے غیر معروف اور خلاف ظاہر معنی میں استعمال کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ط

(اور آزمائش) کا سامان بنا دے ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے (شک اور نفاق کا)، و۱۰۸ نیز ان لوگوں کے لئے جن کے

وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّ لِيَعْلَمَ

دل سخت ہو گئے ہوتے ہیں (کفر و باطل کی سیاہی سے) و۱۰۹ اور بے شک ظالم لوگ پڑے ہیں بہت دور کی مخالفت (اور ہٹ دھرمی) میں و۱۱۰

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

نیز (یہ اس لئے کہ) تاکہ جان لیں وہ لوگ جن کو علم (کا نور) بخشا گیا ہے، کہ یہی بات قطعی طور پر حق ہے تمہارے رب کی جانب سے و۱۱۱

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ط وَ اِنَّ اللّٰهَ

پھر وہ اس پر (مزید پختگی سے) ایمان لے آئیں و۱۱۲ اور اس کے نتیجے میں جھک جائیں ان کے دل اس (حق و صدق) کے آگے، اور بے شک

۱۰۸ شیطان کی خلل اندازی باعث فتنہ و ابتلاء:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان کی خلل اندازی دل کے روگیوں اور سنگدلوں کیلئے فتنہ اور آزمائش کا ذریعہ ہے کہ شیطان کے القاء اور اس کی خلل اندازی کا شکار اصل میں ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں' والعیاذ باللہ العظیم سو یہ اللہ پاک کی سنت اور اس کا دستور ہے جو اس کائنات میں کارفرما ہے، جسکے مطابق ہر کسی کو اسکے ارادہ و اختیار کی آزادی ہے کہ وہ اپنے ارادہ و مرضی کے مطابق جونسا راستہ و طریقہ چاہے اختیار کرے، اور اسی بنا پر وہ ثواب یا عقاب کا مستحق قرار پاتا ہے، اور یہاں پر دل کے روگیوں سے مراد منافق لوگ ہیں جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے، اور قاسیۃ القلوب یعنی سنگدلوں سے مراد کھلے کفار اور مشرکین وغیرہ ہیں، سو ایسے لوگ شیطان کے ان شکوک و شبہات کے ذریعہ حق اور اہل حق کیخلاف طرح طرح سے پروپیگنڈے کرتے تھے۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ نے ابتلاء و آزمائش اور کھرے کھوٹے کے درمیان فرق و تمیز کے لیے اس دنیا میں حق کے ساتھ باطل کو بھی مہلت دی رکھی ہے جس سے اسی ابتلاء و آزمائش کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ اور کھرے کھوٹے کے درمیان تمیز ہو جاتی ہے- والامر الی اللہ سبحانہ وتعالیٰ بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال،

۱۰۹ عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی - والعیاذ باللہ:- سو یہ سنگدلوں کے لیے آزمائش ہے۔ جو کہ ایک طبعی نتیجہ اور لازمی اثر ہے ان کے اپنے کفر و باطل پر اڑے رہنے' اور ضد و ہٹ دھرمی سے کام لینے کا - والعیاذ باللہ العظیم - سو ایسے لوگ شیطان کے ایسے وسوسوں اور خلل اندازیوں کو حق اور اہل حق کیخلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور اس طرح ایسے لوگوں کا عناد اور ان کی ہٹ دھرمی انکو حق سے اور دور لے جاتی ہے، اور انکی محرومی اور پکی ہو جاتی ہے والعیاذ باللہ، سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے، والعیاذ باللہ العظیم - سو حق اور اہل حق کے دشمنوں اور ہٹ دھرموں کو مہلت اور ڈھیل دی گئی تاکہ وہ ان کی خلاف اپنی زور آزمائی کر لیں اور جو ڈھیل وہ ان کے

خلاف کھیلنا چاہتے ہیں وہ کھیل لیں تا کہ اسکے نتیجے میں اہل حق ابتلاء وآزمائش کی بھٹی سے نکل کر اور چمک اٹھیں اوران کی صداقت وحقانیت میں مزید نکھار آجائے اور اہل باطل کے کفر ونفاق کا میل ان پر اور جم جائے تا کہ اس کے نتیجے میں وہ دوزخ کا ایندھن بن کر رہیں۔ جس جیسا کہ دوسرا کوئی خسارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ بکل حال من الاحوال

۱۱۰ ظالموں کی محرومی اور ہٹ دھرمی کا بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک ایسے ظالم لوگ بہت دور کی مخالفت (اور ہٹ دھرمی) میں پڑے ہیں۔ ایسی دور کی مخالفت میں جہاں سے بظاہر اسباب حق وصداقت کی طرف ان کی واپسی اور رجوع بہت مشکل اور بعید ہے' جو کہ نتیجہ ہے ان کی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کا' والعیاذ باللہ سو اس میں پیغمبر کیلئے یہ اشارہ ہے کہ اب ان لوگوں سے خیر کی توقع نہ رکھو، ان کو انکے اپنے حال پر چھوڑ دو یہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے، کہ یہ اب سنت الٰہی کی زد میں آئے ہوئے ہیں، والعیاذ باللہ۔ سو اس ارشاد ربانی میں عقول مریضہ اور قلوب قاسیہ رکھنے والے ان دونوں گروہوں کے ظلم اور ان کی محرومی اور ہٹ دھرمی کا ذکر فرمایا گیا ہے اور یہ کہ انکی اس محرومی کا باعث ان کا اپنا ظلم ہے۔ جس کو انہوں نے خود اختیار کیا، اور اس پر ایسے اڑے رہے کہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے والعیاذ باللہ۔ اللہ ظلم وتعدی اور عناد وہٹ دھرمی کے ہر شائبے سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۱۱۱ باطل کو مہلت ملنے کی ایک اور حکمت وفائدہ: ۔ سو اس سے حق کے مقابلے میں باطل کو مہلت دیئے جانے کی دوسری حکمت واضح فرمائی گئی ہے۔ پس کوئی مانے یا نہ مانے' حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ حق یہی کلام وپیغام ہے جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے' سو یہ حق کے مقابلے میں باطل کو مہلت دیئے جانے کی دوسری حکمت بیان فرمائی گئی ہے، کہ اس طرح وہ لوگ جن کو قرآن اور کتاب الٰہی کا علم ملا ہوتا ہے، وہ اپنے علم میں پوری طرح راسخ ہو جاتے ہیں کہ جو علم ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملا ہے وہ قطعی طور پر حق اور صدق ہے، اور ان کے علم کی اس پختگی سے ان کے ایمان ویقین کو اور بھی رسوخ حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ ہر فتنے اور آزمائش سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر ہی مستقیم وثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۱۲ ابتلاء وآزمائش اہل علم کے لیے مزید پختگیٔ ایمان کا ذریعہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر وہ اس پر مزید پختگی سے ایمان لے آئیں''۔ اور اس طرح القاء شیطانی اور اس کے ازالہ رحمانی سے ان کا ایمان ویقین اور زیادہ مستحکم ومضبوط ہو جاتا ہے' کیونکہ قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اشیاء کی اصل حقیقت انکی اضداد ہی سے واضح ہوتی ہے، سو شیطان کی ایسی دخل اندازی سے ایسے لوگ اس چیز کے ہر پہلو سے واقف وآگاہ ہو جاتے اور ان کا ایمان اور مضبوط اور پختہ ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جن کا علم راسخ اور مبنی بر حکمت وبصیرت ہوگا ان کا ایمان بھی تقلیدی نہیں ہوگا جو ہر جھونکے سے متزلزل ہو جائے بلکہ صحیح اور راسخ علم سے پیدا ہونے والا علم بھی صحیح اور راسخ ہوگا اور اسی راسخ ایمان سے وہ اسلام اور اخبات وجود میں آتا ہے جو ایمان کی اصل روح ہے اور جس کے بغیر ایمان خدا کی میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ سو خداوند قدوس کے یہاں اصل چیز اور کام آنے والی دولت صدق واخلاص، ایمان ویقین، اور اطاعت واتباع ہی کی دولت ہے، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال فی الحیاۃ۔

لَهَادِ الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۴﴾

اللہ ہدایت سے سرفراز فرمانے والا ہے، ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہوں سیدھی راہ کی طرف ۱۱۳ رہ گئے

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ

وہ لوگ جو اڑے رہے اپنے کفر (وباطل) پر، تو وہ اس (حق) کی طرف سے ہمیشہ شک (کی دلدل) ہی میں پڑے رہیں گے،

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ

یہاں تک کہ اچانک آ پہنچے ان پر (قیامت کی) وہ گھڑی، یا آ پہنچے ان پر عذاب

يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۖ يَحْكُمُ

ایک بڑے ہی منحوس دن کا، ۱۱۴ اس روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی، وہی فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان (پورے

بَيْنَهُمْ ۖ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِي

عدل وانصاف کے ساتھ،) سو جو لوگ (صدقِ دل سے) ایمان لائے ہوں گے، اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ہوں گے، وہ تو

۱۱۳ **اہل ایمان کیلئے سیدھی راہ کی ہدایت کی بشارت:** ـــ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہدایت دیتا ہے ایمان والوں کو سیدھی راہ کی ـ اس سیدھی راہ کی طرف جس پر چل کر ایسے لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی فوز وفلاح سے بہرہ ور اور سرفراز ہوں گے، اللہ نصیب فرمائے، آمین بہر کیف اوپر ارشاد فرمایا گیا تھا کہ ظالم لوگ دور کی مخالفت اور ہٹ دھرمی میں پڑے ہیں، اب اس کے مقابلے میں ایمان والوں کو یہ بشارت دی جا رہی ہے کہ شیطانوں کے القاء واضلال کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو سیدھی راہ کی توفیق وہدایت سے نوازے گا، ـ سو شیاطین تو ان کو راہ حق سے ہٹانے کی بہت کوششیں کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو ضائع نہیں ہونے دے گا بلکہ اپنی عنایت اور توفیق بخشی سے وہ ان کی صراط مستقیم ہی کی طرف راہنمائی فرمائے گا ـ سبحانہ وتعالیٰ ـ وباللہ التوفیق لما یحبّ ویرید، وعلی ما یحب ویرید

۱۱۴ **منحوس دن سے مراد؟:** ـ یعنی جو کہ منحوس ہوگا ان منحوسوں کے حق میں، جنہوں نے راہ حق وہدایت سے منہ موڑ کر باغیانہ زندگی گزاری تھی ـ والعیاذ باللہ ـ اس سے مراد ہے قیامت کا دن ـ یا ان لوگوں پر آنے والے فیصلے کن عذاب کا دن اور اس کو عقیم اس لئے بھی فرمایا گیا کہ اس کے بعد کوئی اور دن نہیں آئے گا کہ اس کی رات ہی نہ ہوگی جس کے بعد دن آئے، اس طرح اس عذاب سے مراد بھی ان لوگوں کے لیے فیصلہ کن عذاب یا قیامت ہی کا عذاب ہے جو کہ سب سے بڑا اور ہولناک عذاب ہوگا، والعیاذ باللہ العظیم وفیہ اَقْوَالٌ اُخْرٰی (ابن کثیر، صفوۃ، جامع، خازن وغیرہ) اور یہ دن اس لیے بھی عظیم ہوگا کہ اس کے بعد عمل اور آخرت کیلئے کمائی کا کوئی دن انسان کو پھر کبھی نہیں مل سکے گا، کہ اسکے بعد فرصت عمل ہمیشہ ہمیش کیلئے ختم ہو چکی ہوگی، ـ والعیاذ باللہ العظیم ـ اللہ ہر شر وفساد سے ہمیشہ محفوظ رکھے ـ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے ـ

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

نعمتوں بھری جنتوں میں ہوں گے، مگر جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور جھٹلایا ہوگا ہماری آیتوں کو،

ع ۹ ۱۴ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع وَالَّذِيْنَ

تو ان کے لئے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب ہوگا، اور جن لوگوں نے

هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

ہجرت کی اللہ کی راہ میں، ف۱۱۵ پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا خود مر گئے،

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ

تو اللہ ان کو ضرور نوازے گا، ایک بڑے ہی عمدہ رزق سے، اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ

جو سب سے بہتر روزی رساں ہے ف۱۱۶ وہ ان کو (اپنے کرم سے) ضرور داخل فرمائے گا ایک ایسی عظیم الشان جگہ میں ف۱۱۷ جس کو یہ لوگ

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿٥٩﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ

(دل و جان سے) پسند کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ پوری طرح جاننے والا بڑا ہی بردبار ہے، یہ (مضمون) تو ہو چکا،

عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ

اور (اب مزید سنو کہ) جو کوئی اتنا ہی بدلہ لے جتنی کہ اسے تکلیف پہنچائی گئی، پھر اس پر زیادتی کی جائے

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ

تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اسکی مدد فرمائے گا ف۱۱۸ بے شک اللہ بڑا ہی درگزر کرنے والا، نہایت ہی معاف فرمانے والا ہے ف۱۱۹ یہ اس لئے

۱۱۵ ہجرت کی عظمت و فضیلت کا بیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں" یعنی انہوں نے اپنے گھر اور وطن کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی خاطر چھوڑا تو وہ اطمینان رکھیں کہ ان کیلئے کامیابی ہی کامیابی ہے، وہ اس راہ میں مارے جائیں تو بھی اور طبعی موت مر جائیں تو بھی، کہ اس راہ میں پہلا قدم بھی منزل کا درجہ رکھتا ہے۔ سو ان کو اگر دار الہجرت پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا یا ان کو موت آ گئی تو ان کو بہر صورت شہادت کا درجہ و مرتبہ نصیب ہو گیا اور اللہ ان کو اپنے رزق حسن سے نوازے گا جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۶۹ میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ

میں مارے جانے والے مرتے نہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں اور وہ اپنی برزخی زندگی میں بھی خاص اپنے رب کے خوان نعمت سے رزق پاتے ہیں۔ سو مومن صادق کیلئے کہیں بھی اور کسی بھی حال میں کوئی خسارہ نہیں۔ والحمد للہ جل وعلا

۱۱۶ روزی رساں سب کا اللہ ہی ہے: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور بیشک اللہ ہی ہے سب سے بہتر روزی رساں۔ اور اسی وحدہ لاشریک کی شان ہے کہ وہ ہر کسی کو، ہر جگہ، ہر حال میں اس کی طبیعت اور اس کے حال اور مزاج کے مطابق روزی بہم پہنچاتا ہے' سبحانہ وتعالی اور رزق کے اصل معنی عطاء وبخشش کے ہیں سو وہ ایسے سچے اور مخلص ایمانداروں کو جن انعامات سے نوازے گا، ان کا اندازہ کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں کہ اسکی شان ہی نوازنا ہے، اور جب وہ خیر الرازقین ان کو اپنی عطاء وبخشش سے نوازے گا تو پھر کون اندازہ کرسکتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو کیا کچھ عطا فرمائے گا جو محض اسکی رضا وخوشنودی کی خاطر اپنا گھر در سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوں کہ وہ تو شکور اور بڑا ہی قدر داں بھی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ فلہ الحمد ولہ الشکر،

۱۱۷ مومنین صادقین کیلئے ایک اور خوشخبری: ۔سو ایسے خوش نصیبوں کے لیے ایک اور خوش خبری کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ سو ارشاد فرمائے گا کہ "اللہ ان کو ضرور داخل فرمائے گا ایک عظیم الشان جگہ میں"۔ یعنی جنت میں (ابن کثیر) اور جہاں ان کو وہ ایسی ایسی نعمتوں سے نوازے گا جو ان کے خواب وخیال میں بھی کبھی نہ گزری ہوں گی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین سو اللہ کی راہ میں ہجرت اور اللہ کی رضا کیلئے قربانی دینا ایک ایسی عظیم الشان سعادت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرتی ہے، یہاں تک کہ اس راہ میں طبعی موت مرنا بھی شہادت کا درجہ رکھتا ہے، جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا اور بغیر قتل کے یونہی مرجانے والا دونوں اجر میں ایک برابر ہیں، (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ان کو ایسی عظیم الشان جگہ میں داخل فرمائے گا جس کو یہ پسند کریں گے۔ اس میں انکی ہر خواہش پوری ہوگی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ان کو وہاں پر وہ کچھ ملے گا جس کا اس جہاں میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۱۸ اللہ اپنے بندوں کی پشت پر ہے: ۔پس وہ اپنے بندوں کی مدد ضرور فرمائے گا کہ ہر کسی کی مدد کرنے والا اور حاجت روا ومشکل کشا وہی وحدہ لاشریک ہے، سو اگر کسی مسلمان پر ظلم ہوا تو اسکو اپنے ظلم کا برابر بدلہ لینے کا حق ہے، اور اس کو اسکی اجازت ہے، اگر اسکے بعد بھی اس پر زیادتی کی گئی تو دشمنان اسلام یاد رکھیں کہ اللہ اپنے ایسے مظلوم بندوں کی پشت پر ہے، وہ ان مظلوموں کا ضرور انتقام ضرور لیگا، سبحانہ وتعالی۔ سو مظلوم مسلمان اگر اپنی جان ومال کی مدافعت میں برابر سرابر کا کوئی اقدام کریں تو ان کو اس کا حق ہے۔ اور ان کو اس کی اجازت دی جاتی ہے۔ سو اگر اس کے بعد ان پر کوئی زیادتی کی گئی تو ان کے دشمن یاد رکھیں کہ خدا اپنے بندوں کی پشت پر ہے اور وہ انکی ضرور مدد فرمائے گا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس بندے کا تعلق اپنے رب سے صحیح ہونا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ مایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال،

۱۱۹ اللہ تعالیٰ کی شان عفو ودرگزر کا حوالہ وذکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ بڑا ہی درگزر کرنے والا انتہائی بخشش والا ہے۔ پس اگر سہو اور غلطی سے کوئی قصور ہوجائے تو اس گرفت نہیں فرمائے گا' اور سچی توبہ پر وہ سب گناہ معاف فرمادے گا' نیز اس میں مسلمانوں کیلئے یہ درس بھی ہے کہ وہ حتی المقدور عفو ودرگزر سے کام لیں، کہ جب اللہ تعالی قادر مطلق ہونے کے باوجود لوگوں کو ان کی خطاؤں پر فوراً نہیں پکڑتا بلکہ عفو ودرگزر ہی سے کام لیتا ہے تو تم لوگوں کو بھی اے ایمان والو دوسروں کے ساتھ عفو ودرگزر ہی کا معاملہ کرنا چاہیے۔ سو رب تعالی کی صفات کریمہ کا عکس تمہارے اندر بھی آنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بکل حالٍ مّن الاحوال، وھو الہادی الی سواء السبیل۔

بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

کہ اللہ ہی ہے جو رات کو داخل کرتا ہے دن میں، اور دن کو داخل کرتا ہے

فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

رات میں، ۱۲۰ اور بے شک اللہ ہی ہے (ہر کسی کی) سنتا (سب کچھ) دیکھتا، یہ اس لئے کہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ

اللہ ہی حق ہے ۱۲۱ اور جن کو یہ لوگ (پوجتے) پکارتے ہیں اس کے سوا، وہ سب

الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ

باطل ہیں، اور یقینی طور پر اللہ ہی ہے بلند مرتبہ، بڑی ہی شان والا، ۱۲۲ کیا تم دیکھتے نہیں

تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ

کہ ۱۲۳ اللہ تعالیٰ نے (اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ شاملہ کی بناء پر کیسے حکمت بھرے نظام کے مطابق) آسمان سے پانی اتارا ہے، پھر اس سے

۱۲۰ اللہ کی قدرت کا ایک عظیم الشان مظہر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور وہی داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ سو رات اور دن کا یہ عظیم الشان ادل بدل اللہ پاک کی قدرت و حکمت اور اس کی رحمت و عنایت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے جو دنیا کے سامنے آتا ہے اور لگاتار اور پوری پابندی کے ساتھ آتا ہے اور اپنی زبان بے زبانی میں ان کو دعوتِ غور و فکر دیتا ہے مگر غافل دنیا ہے کہ اس طرف توجہ ہی نہیں کرتی اور وہ اپنی غفلت سے چونکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ سو ایسا قادرِ مطلق جو چاہے کرے اس کی قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں، نیز رات دن کے اس ہیر پھیر اور ادل بدل میں تمہارے لئے یہ عظیم الشان اور بصیرت افروز درس بھی ہے کہ اس کی کارستانی و کارفرمائی اور توجہ و عنایت اس کائنات میں ہر لحظہ جاری اور برابر جاری رہتی ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ ورنہ یہ سارا کارخانۂ ہست و بود مٹ کر رہ جائے، پس بندے کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ رجوع رہے۔ کہ یہ اس کا حق ہے اسکے بندے پر، اور اسی میں ان کا بھلا اور فائدہ ہے دنیا و آخرت میں۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید بکل حالٍ مِّن الاحوال،

۱۲۱ اللہ ہی حق ہے، سبحانہ وتعالیٰ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور اسکے سوا باقی سب باطل اور بے حقیقت ہیں اور یہ پوری کائنات اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ سب اسی وحدہ لاشریک کے وجود باجود کا رہین منت، اور

اسکی عظمت و وحدانیت کا ثبوت اور اس کا گواہ ہے، اور اسکے سوا جن کو یہ مشرک لوگ پوجتے پکارتے ہیں وہ سب باطل اور بے حقیقت ہے، پس کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ ان مخالفین کی پشت پر بھی کوئی طاقت ہے، ایسا سمجھنا پرلے درجے کی حماقت اور سراسر دھوکہ اور خود فریبی ہے، والعیاذ باللہ- سو کائنات کا وجود اور اس کا یہ پر حکمت نظام اس بات کا قطعی ثبوت اور واضح دلیل ہے کہ معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ نہ اس کے لیے کچھ مشکل ہے اور نہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ۔ اور نہ ہی وہ اسباب و وسائل کا محتاج ہے- سبحانہ و تعالیٰ. اَللّٰهُمَّ فَخُذْ نَابِنَوَاصِيْنَا اِلٰى مَافِيه حُبُّكَ والرضا. بِكُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال، وَفِى كُلِّ حِيْنٍ مِّنَ الاحيان-

۱۲۲ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کا ذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یقیناً اللہ بڑا ہی بلند و بالا اور برتر و عظیم الشان ہستی ہے"۔ سو کس قدر خسارے میں ہیں وہ لوگ جو اس عظمت بے پایاں اور اعلیٰ شان والے معبود برحق کو چھوڑ کر ان دوسرے خود ساختہ معبودوں کو پوجتے پکارتے ہیں، جن کی نہ کوئی اصل اور حقیقت ہے اور نہ ہی وہ کسی نفع و نقصان کا اختیار رکھتے ہیں، والعیاذ باللہ ان خود ساختہ اور بے حقیقت چیزوں کی اس وحدہ لاشریک کے سامنے حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے؟ سو یہ سب کچھ محض دھوکے کا سامان ہے والعیاذ باللہ، سو اللہ تعالیٰ کے سوا جن دوسری چیزوں اور مختلف ہستیوں وغیرہ کو لوگ پوجتے پکارتے ہیں وہ سب محض اوہام اور فریب اور دھوکے کا سامان ہیں۔ اس کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف اور فرمانروا و کارفرمائے حقیقی صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی عظیم الشان اور بلند و بالا ہستی ہے جس کی عظمتوں کا کوئی کنارہ نہیں- اللھم فکن لنا وخذ بنواصینا الی ما فیہ حبک ورضاک- سو اس کے حکم و ارشاد سے منہ موڑنا سب سے بڑا خسارہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے- اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۱۲۳ مظاہر قدرت میں غور و فکر کی دعوت و ترغیب: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا تم دیکھتے نہیں قدرت کے ان عظیم الشان مظاہر میں"۔ یعنی ان میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے تاکہ تم اس وحدہ لاشریک کی عظمت، قدرت اور بے پایاں رحمت کے جابجا بکھرے اور نکھرے آثار و نشانات دیکھ سکو، اور اس کی معرفت سے سرشار ہو کر دارین کی سعادت اور حقیقی فوز و فلاح سے سرفراز ہو سکو، سو اگر تم کائنات کی اس عظیم الشان اور کھلی کتاب کے انہی چند مظاہر کو دیکھو، اور ان میں غور و فکر سے کام لو جو ہر وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں، یعنی آسمان سے پانی اتارنے کے اور اسکے ذریعے مردہ پڑی زمین کو زندگی بخشنے، اور اس سے طرح طرح کی پیداواریں نکالنے اور خوشنما فصلوں، کھیتوں اور باغوں کے لہلہا اٹھنے ہی کو دیکھ لو، اور ان میں صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لو تو تمہیں نظر آئے گا کہ تمہارا وہ خالق و مالک جسکی قدرت اور رحمت و عنایت کے یہ عظیم الشان مظاہر تمہارے سامنے رہتے ہیں، کیسی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کا مالک ہے، تو تم اسکی وحدانیت کیلئے دل سے پکار اٹھو اور دل سے اسکے حضور جھک جاؤ۔ کہ یہی اس خالق و مالک کا حق ہے اسکے بندوں پر، اور اسی میں ان کا بھلا ہے دنیا و آخرت دونوں میں، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید

الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا

(ہری بھری اور) سرسبز (وشاداب) ہو جاتی ہے، (خشک اور مردہ پڑی ہوئی) یہ زمین ۱۲۴ بلاشبہ اللہ بڑا ہی مہربان، نہایت ہی باخبر ہے، ۱۲۵

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ

اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے، ۱۲۶ بلاشبہ اللہ ہی ہے

ع ۸ ۷ ۱۵ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا

جو ہر طرح سے بے نیاز، اور ہر تعریف کے لائق ہے، پھر کیا تم نے کبھی (اپنے گرد و پیش پھیلی ہوئی) اس حقیقت پر

فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ

غور نہیں کیا کہ اللہ نے (کس قدر حکمتوں بھرے نظام کے تحت) تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، ان سب چیزوں کو جو کہ زمین میں ہیں،

وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا

اور ان (دیو ہیکل جہازوں اور طرح طرح کی) کشتیوں کو بھی، جو کہ رواں دواں ہیں سمندر میں اس کے حکم سے، اور اسی نے روک رکھا ہے

بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَ

آسمان کو (اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے،) اس سے کہ وہ گر پڑے زمین پر ۱۲۷ مگر اسی کے اذن سے، بلاشبہ اللہ (پاک) لوگوں پر بڑا ہی مہربان،

هُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ

نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے، اور وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم سب کو زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں موت (دیتا ہے اور) دے گا، پھر

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا

وہی تمہیں (قیامت میں) زندہ کرے گا، (پھر بھی یہ انسان اس کا ناشکرا اور نافرمان ہے؟) واقعی یہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ۱۲۸ ہر امت

مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ

کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے جس پر ان کو چلنا ہوتا ہے، پس ان لوگوں کو آپ کے ساتھ اس معاملے میں کسی بھی

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾

طرح جھگڑے کا حق نہیں، اور آپ بلاتے رہیں اپنے رب کی (عبادت و بندگی کی) طرف، بلاشبہ آپ قطعی طور پر سیدھے راستے پر ہیں، ۱۲۹

۱۲۴ مردہ زمین کا جی اٹھنا قدرت کا ایک اور عظیم الشان مظہر: -سو مردہ پڑی زمین کا جی اٹھنا قادر مطلق کی قدرت کاملہ اور رحمتِ شاملہ کا ایک عظیم الشان نمونہ و مظہر ہے۔ سو تم دیکھتے ہو کہ وہ زمین جو بالکل مردہ پڑی ہوئی تھی بارش کے حیات آفریں قطرات کے پڑتے ہی زندہ ہو جاتی ہے۔ اور اس میں قسما قسم کی وہ انگوریاں نکل آتی ہیں جن سے تم طرح طرح کے فائدے اٹھاتے اور منافع کماتے ہو۔ مگر اس کے باوجود تم لوگ اے غافلو اس واہبِ مطلق کو بھولے ہوئے ہو۔ والعیاذ باللہ سو یہ کتنی بڑی بے انصافی اور کس قدر ناشکری ہے والعیاذ باللہ، مگر اسکے باوجود اسکی طرف سے یہ ڈھیل؟ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہوسکتی ہے سبحانہ، وتعالیٰ، نیز اس آفاقی دلیل کی شہادت سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی گھٹا کسی بھی وقت اور کسی بھی طرف سے ظاہر ہوسکتی ہے۔ لہٰذا نہ تو کوئی اس کو بعید سمجھے اور نہ اس سے مایوس ہو بلکہ ہمیشہ اسکی امید بھی رکھے اور اس واہبِ مطلق -جل جلالہ- کی طرف دل و جان سے متوجہ بھی رہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید- وعلیٰ ما یُحِبُّ و یرید،

۱۲۵ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کا حوالہ و ذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ بڑا ہی مہربان نہایت ہی باخبر ہے۔ جو اپنے بندوں کو ایسی عظیم الشان اور بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے' اور اس قدر پرحکمت نظام کے تحت نوازتا ہے' سبحانہ، وتعالیٰ اور ایسا کہ اسکی ان عنایات اور نوازشات کا یہ سلسلہ برابر اور لگاتار جاری ہے، اور یہ سب کچھ اس قدر لطافت اور باریک بینی سے انجام پاتا ہے کہ انسان اسکے ادراک و احاطہ سے عاجز ہے، سو ایسے لطیف و خبیر خداوند قدوس سے منہ موڑنا اور اسکے حق اطاعت و بندگی سے غفلت برتنا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان دوسری بے بنیاد اور بے حقیقت چیزوں کو اس کا شریک قرار دیا جائے، جن کا ان نعمتوں کو عطا کرنے میں سرے سے کوئی عمل دخل ہی نہ ہو کس قدر ظلم ہے، والعیاذ باللہ العظیم- نیز وہ اپنے بندوں کے تمام احوال و کوائف اور ظواہر و بواطن سے پوری طرح باخبر ہے اور ایسا کہ جو کچھ ماضی کے پردوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے پوری طرح باخبر و آگاہ ہے اور جو کچھ مستقبل کی اوٹ میں ہے وہ اس سے بھی پوری طرح واقف و آگاہ اور باخبر ہے- ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾- پس بندے کا کام ہے کہ وہ ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ رہے اور اُسی سے ہر خیر کی توقع اور امید رکھے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۱۲۶ سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا ہے: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اسلوبِ حصر و قصر میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے کہ اس سب کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی۔ اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی اور دنیا کے ظاہری اسباب کے دائرے میں اس کائنات کی جس چیز پر بھی کسی کو ملکیت اور حکم و تصرف کا جو کوئی حق کسی بھی درجے میں ملا ہوا ہے' وہ بھی اسی کی بخشش و عطاء سے ملا ہوا ہے' کہ اسی کی شان ہے- ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾- جب کہ ظاہری اسباب کے بغیر کوئی بھی اس دنیا میں کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا' کہ یہ دنیا ہے ہی اسباب و وسائل کی دنیا' سو کس قدر غلط اور بے بنیاد ہیں ان لوگوں کے وہ دعوے' جن کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس کائنات کے از خود حصے بخرے کر کے مختلف ہستیوں کے لئے مختص کر رکھے ہیں' اور ان کو انہوں نے انہی کے ناموں سے منسوب کر رکھا ہے' کسی کو وہ داتا کی نگری قرار دیتے ہیں اور کسی کو خواجہ اجمیر کی۔ اور کسی کو پیر بابا کا ایریا' اور کسی کو کسی اور کا' جس کے لئے نہ اللہ کے فرمان سے کوئی دلیل ہے' اور نہ اس کے رسول کے فرمان سے کوئی سند' اور نہ ہی خود ان بزرگ ہستیوں میں سے کسی نے کبھی ایسا کوئی دعویٰ اور اعلان ہی کیا' مگر اس سب کے باوجود ایسے بر خود غلط لوگوں نے اس طرح کی خود ساختہ تقسیموں اور خانہ ساز ناموں سے جابجا شرک و بدعت کے کاروبار شروع کر رکھے ہیں'

فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَ ھُوَ المستعان فی حِیْنٍ وَّاٰنٍ وَفِیْ دَفْعِ کُلِّ شَرٍّ وَّ طُغْیَانٍ بہرکیف قرآن حکیم جابجا اس حقیقت کی تصریح کرتا ہے کہ زمین وآسمان کی اس ساری کائنات کا خالق ومالک بھی تنہا وہی ہے، اوراس میں حاکم ومتصرف بھی وہی ہے سبحانہ، وتعالیٰ - اس میں دوسری کوئی بھی ہستی کسی بھی درجے میں اسکے شریک وسہیم نہیں۔ اس لیے اس حقیقت کے برعکس لوگوں نے جوطرح طرح کے مفروضے گھڑ رکھے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں - والعیاذ باللّٰہ جل وعلا بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال،

۱۲۷ کچھ اور مظاہر قدرت میں دعوت غور وفکر: -سواس ارشاد سے قدرتِ خداوندی کے کچھ اور مظاہر میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ جب ان تمام عظیم الشان نعمتوں کے پیدا کرنے اوران کے عطاء فرمانے، اوران میں تصرف کرنے میں کوئی اس وحدہٗ لاشریک کا شریک وسہیم نہیں، تو پھراس کی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک کیسے اور کیونکر ہوسکتا ہے؟ سو قیام ورکوع، سجود وطواف، اورنذر ونیاز وغیرہ، عبادت کی ہرقسم اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اوراسی کے ساتھ مختص ہے - ﴿اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ﴾ - (الاعراف:۵۴) پس کسی بھی قسم کی عبادت کا اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی اور کے لئے بجالانا شرک ہوگا، جو کہ بہت بڑا گناہ اورظلم عظیم ہے، والعیاذ باللّٰہ العظیم - اور جب آسمان وزمین کی ہرچیز انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے اوراس طور پر کہ اس کے بغیر انسان کی بقاء اس دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی ممکن نہیں تو پھر یہ بات کس طرح ممکن ہوسکتی ہے کہ کائنات کی ہرچیز تو انسان کی خدمت کے لیے ہواور خود انسان کا وجود بے مقصد اور عبث و بیکار ہو؟ - والعیاذ باللّٰہ العظیم - بہرکیف کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ اسی کا مخلوق اوراسی کا مملوک ہے - سبحانہ، وتعالیٰ -

۱۲۸ انسان کی بے قدری اورناشکری کا شکوہ: -سوارشاد فرمایا گیا اور تاکید کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔ جوان اوران عظیم الشان نعمتوں کے باوجود اپنے خالق ومالک سے منہ موڑے ہوئے ہے، والعیاذ باللّٰہ۔ نہ وہ ان کا حق شکرادا کرتا ہے اور نہ وہ اپنے منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے، ان کو جن کا ان نعمتوں کی عطاء وبخشش میں کوئی حصہ سرے سے ہی نہیں اور ہوسکتا ہی نہیں، سو ناشکری اور بے قدری بیماریوں کی بیماری ہے، والعیاذ باللّٰہ العظیم - سواس ارشاد سے سرکشی کی اصل علت کو آشکارا فرمادیا گیا ہے۔ سو جہاں تک قرآن حکیم اوررسول کریم کی باتوں کا تعلق ہے وہ تو بالکل واضح ہیں۔ ان میں کسی بحث ونزاع کی کوئی گنجائش نہیں لیکن لوگوں کی ناقدری اورناشکری ہے کہ وہ انکی محرومی کا باعث ہے - والعیاذ باللّٰہ العظیم - اللّٰہ ہمیشہ اپنے ذکر وشکر سے سرشار وسرفراز رکھے - اورناشکری وبے قدری کے جملہ شوائب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۹ پیغمبر کی صداقت وحقانیت کا اعلان واقرار: -سوارشاد فرمایا گیا اور ادوات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک آپ قطعی طور پر سیدھی راہ پر ہیں - سوکوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے، راہ حق وصواب بہرحال وہی اور صرف وہی ہے، جس پر آپ اپنے رب کے فضل وکرم سے گامزن ہیں، اور جوانسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے ہمکنار کرنے والی راہ ہے، اب جوکوئی صدق دل سے اس راہ کو اپنائے گا وہ اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا سامان کریگا، اوراسکے برعکس جوکوئی اس سے اعراض کریگا اور منہ موڑے گا والعیاذ باللّٰہ وہ یقیناً اپنا ہی نقصان کرے گا، والعیاذ باللّٰہ العظیم - پس آپ راہ حق پر گامزن رہو اور اسی کی دعوت دنیا کو دیتے رہو جو حق اور حقیقت کے طالب ہوں گے وہ اس دعوت کو قبول کریں گے اوراس راہ کو اپنالیں گے اور جو اس سے اعراض اور روگردانی برتیں گے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ اپنے کیے کرائے کا بھگتان خود بھگتیں گے - والعیاذ باللّٰہ العظیم - اللّٰہ ہمیشہ اور ہراعتبار سے اپنا ہی بنائے رکھے۔ اورنفس وشیطان کے ہرمکروفریب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں، تو (ان سے) کہہ دو کہ اللہ کو خوب معلوم ہے وہ سب کچھ جو تم لوگ کر رہے ہو،

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

اللہ فیصلہ فرما دے گا تم سب کے درمیان (عملی اور آخری طور پر،) ان تمام باتوں کا جن کے بارے میں تم لوگ

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي

اختلاف کرتے رہے ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ قطعی طور پر جانتا ہے وہ سب کچھ،

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ

جو کہ آسمان وزمین (اور اس کائنات) میں ہے، بے شک یہ سب کچھ (ثبت ومندرج) ہے ایک عظیم الشان کتاب میں ف۱۳۰ بلاشبہ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

یہ سب کچھ اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں، مگر (اس سب کے باوجود) یہ لوگ ہیں کہ

اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ

پوجے (اور پکارے) جا رہے ہیں، ایسی (بے حقیقت) چیزوں کو، جن کے بارہ میں نہ اللہ نے کوئی سند اتاری ف۱۳۱ اور نہ ہی

بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

ان لوگوں کے پاس ان کے بارہ میں (کسی طرح کا) کوئی علم ہے، اور ایسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ف۱۳۲ اور (حق واہل حق سے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ

ان کے بغض وعناد کا عالم یہ ہے کہ) جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری کھلی (اور واضح) آیتیں ف۱۳۳ تو تم ان لوگوں کے چہروں میں

۱۳۰ **ہر کسی کا ریکارڈ پوری طرح محفوظ:** ــ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بلاشبہ یہ سب کچھ ثبت ومندرج ہے ایک عظیم الشان کتاب میں"۔ یعنی لوح محفوظ میں۔ (ابن کثیر، مدارک، معالم، خازن، جلالین، جمل، صفوۃ وغیرہ) اور اس کو محفوظ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر قسم کی تحریف وتغییر اور انسانی دسترس ورسائی سے محفوظ ہے اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب محفوظ ومندرج ہے، جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اس کائنات میں قیامت تک

جو کچھ ہونے والا ہے، وہ سب اسمیں ثبت و مندرج ہے، اور اس کائنات کی پیدائش سے پچاس ہزار برس قبل یہ سب کچھ لکھ دیا گیا تھا (ابن کثیر، وغیرہ) سو کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کوئی یونہی ہوائی بات ہے بلکہ یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ اللہ پاک نے ہر شخص کا پورا ریکارڈ محفوظ کر رکھا ہے، اور کوئی معاملے کو اپنے اوپر قیاس کر کے یہ نہ سمجھے کہ ایسا کس طرح ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کیلئے بہت ہی آسان ہے، کہ اسکی قدرت کی کوئی حد ہی نہیں سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اشرار اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال اور پوری طرح بھگت کر رہیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۳۱ اللہ کے سوا ہر معبود بے حقیقت:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی معبود کی کوئی حقیقت نہیں، سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ ایسی بے حقیقت چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری"۔ اپنی کسی بھی وحی اور آسمانی کتاب میں کہ تمام آسمانی کتابوں نے توحید ہی کا درس دیا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا، اور حصر و تاکید کے ساتھ فرمایا گیا، وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء۔ ۲۵) سو شرک کیلئے کوئی دلیل ممکن ہی نہیں نہ عقلی نہ نقلی، اور جب اس وحدہٗ لاشریک کا کوئی شریک نہ واقع میں کہیں ہے، اور نہ ہی ممکن ہوسکتا ہے تو پھر اس کیلئے کوئی دلیل ممکن ہی کیسے ہوسکتی ہے؟ (المومنون۔ ۱۱۷)۔ پس توحید اساس ہے سارے دین کی۔ اور یہی بنیاد ہے دارین کی صلاح و فلاح سے سرفرازی و سرشاری کی۔ اس لئے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اسی کی فکر و کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ وباللّٰہ التوفیق لمایُحِبُّ ویرید، وعلیٰ مایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال،

۱۳۲ اور ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہیں:۔ ایسا مددگار جو ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے، جنہوں نے اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ اوروں کو شریک مانا اور ظلم عظیم کا ارتکاب کیا کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾۔ سو ایسوں کیلئے کوئی مددگار نہیں، کیونکہ جن کو انہوں نے مددگار سمجھ رکھا تھا وہ سب وہمی، فرضی اور بے حقیقت تھے۔ اور اللہ وحدہٗ لاشریک جو کہ مالک حقیقی اور سب کا معین و مددگار ہے اس کے ساتھ ان بدبختوں نے لو لگائی نہیں تو پھر ان کا کوئی مددگار کہاں سے اور کیسے ہوسکتا ہے؟ سو شرک انسان کے لیے دنیا و آخرت کی ہلاکت و تباہی اور ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل شائبۃ من شوائب الظلم والشرک۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۳۳ ابناءِ کفر و شرک کی سماع حق سے ناگواری کا ذکر و بیان:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سماع حق سے ابنائے کفر و شرک کے چہروں پر فوری طور پر، ناگواری کے آثار ظاہر ہوجاتے ہیں۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ کی کھلی آیتیں سننے سے کفار و مشرکین کے چہروں پر ناگواری کے آثار ابھرتے اور ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی ان آیات کے سننے پر۔ جن میں عقائد حقہ اور خاص کر توحید خداوندی کا بیان ہوتا ہے، (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان وغیرہ) اور یہی حال ایسے لوگوں کا آج بھی ہے، کہ عقیدۂ توحید کے ذکر و بیان سے ان کو آج بھی اسی طرح ناگواری ہوتی ہے، والعیاذ باللہ العظیم سو ان کی محرومی اور قساوت قلبی کا عالم یہ ہے کہ جن فرضی اور وہمی خود ساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں، ان کے بارہ میں عقل و نقل کی کوئی دلیل نہ ہونے کے باوجود ان کی جاہلانہ جمیت کا یہ عالم ہے کہ یہ کھلی اور واضح آیات سننے پر ایسے سیخ پا اور آگ بگولہ ہوجاتے ہیں، اور اہل حق پر پل پڑنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ سو ابنائے کفر و شرک کے لیے حق کا سننا بڑا گراں ہوتا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ

ناگواری (وناپسندیدگی کے آثار ابھرتے) دیکھو گے، جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر پر، ایسا لگتا ہے کہ یہ ابھی ٹوٹ پڑیں گے ان

يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ

(علمبرداران حق) پر، جو ان کو پڑھ کو سناتے ہیں ہماری آیتیں، (ان سے) کہو کہ کیا میں تم کو اس سے بھی بڑھ کو ایک ناگوار چیز

مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

(نہ) بتادوں؟ (وہ جہنم کی) وہ آگ ہے جس کا اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے (ان بدبختوں) سے جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (وباطل) پر، ف۱۳۴

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۷۲ ع يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ ع ۹/۱۶

اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ، اے لوگو، ایک مثال بیان کی جاتی ہے

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پس تم اسے کان لگا کر سنو، ف۱۳۵ بے شک جن ہستیوں کو تم لوگ (پوجتے) پکارتے ہو

لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَ

اللہ کے سوا ف۱۳۶ وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے، اگرچہ اس (کی کوشش) کے لئے وہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں، اور

۱۳۴ کافروں کیلئے ان کے نہایت بُرے انجام کی خبر: یعنی ان کافروں کیلئے جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر و باطل پر، اور وہ اس سے باز آنے کو تیار نہیں، پس تم اے کفر و باطل کے پرستارو! اہل حق پر غصہ ہونے کی بجائے دوزخ کی اس ہولناک آگ سے بچنے کی فکر کرو کہ اس کا وقت یہی دنیا کی زندگی ہے جو ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے، سو آج تو تم لوگ قرآن حکیم کی ان آیات بینات کو سننے سے ناک بھوں چڑھاتے ہو، اور اہل حق پر پل پڑنے کو تیار ہو جاتے ہو، حالانکہ یہ آیات ایک ٹھوس اور واضح احکام و دلائل پر مبنی و مشتمل ہوتی ہیں، اور وہ خود تمہارے ہی بھلے کیلئے تم لوگوں کو سنائی جاتی ہیں اور تمہارے چہرے بگڑ جاتے ہیں، سو آؤ میں تم لوگوں کو ایک ایسی چیز کی خبر دوں جو ان سے کہیں بڑھ کر تمہارے چہروں کو بگاڑنے والی ہے، اور جس سے لازماً تم لوگوں کو سابقہ پڑنا ہے اور اس کا مزہ تم نے بہر حال چکھنا ہے، اور وہ دوزخ کی وہ ہولناک آگ، جس کا یہاں کسی کیلئے تصور کرنا بھی ممکن نہیں سو وہ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے جو نتیجہ ہو گا تمہارے اپنے ہی اختیار کردہ اس کفر و باطل کا - والعیاذ باللہ العظیم - اور پھر اس انجام بد سے خلاصی پانے کی کوئی صورت بھی تمہارے لیے ممکن نہ ہو گی - اس اعتبار سے یہ خسارہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے والعیاذ باللہ جل وعلا،

۱۳۵ **شرک کی تردید کیلئے ایک حقیقت افروز تمثیل:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اے لوگو ایک عظیم الشان مثال بیان کی گئی ہے۔ پس اس مثال کو تم لوگ غور سے اور کان لگا کر سنو تا کہ شرک اور مشرکوں کی حقیقت اور ان کے حال کو تم اچھی طرح جان اور پہچان سکو۔ سو جن کو تم اے مشرکو اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجتے پکارتے ہو۔ وہ اتنے عاجز اور اس قدر بے بس ہیں کہ مکھی جیسی حقیر مخلوق بھی نہیں پیدا کر سکتے، اگرچہ وہ سب اس کیلئے مل کر بھی کوشش کریں اور مکھی پیدا کرنا درکنار ان کی بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ اگر کوئی مکھی ان کے پاس رکھی ہوئی مٹھائی وغیرہ نذر و نیاز میں سے کچھ چھین لے، تو یہ اسکو بھی اس سے چھڑا اور بچا نہیں سکتے، تو پھر ایسی بے حقیقت چیزوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پوجنا پکارنا کس قدر حماقت اور کتنی بڑی عقل دشمنی ہے، والعیاذ باللہ العظیم-سو تم لوگ اپنے خود ساختہ معبودوں اور فرضی مشکل کشاؤں اور حاجت رواؤں کی بے حقیقتی کے بیان سے چڑنے اور غصہ کرنے کی بجائے اس تمثیل کو کان لگا کر اور توجہ سے سنو تا کہ انکی اصل حقیقت تمہارے سامنے واضح ہو جائے اور اس کے نتیجے میں تم کو حق کے سمجھنے اور اس کی طرف رجوع کرنے کی سعادت نصیب ہو سکے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید بکل حالٍ من الاحوال- اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۳۶ **﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کے عموم و شمول کا ذکر و بیان:** -سو- ﴿اَلَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾- کا عموم ہر معبود من دون اللہ کو شامل ہے۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کی کوئی بے حقیقت مورتیاں اور بے جان بت ہوں یا زندہ و مردہ دوسری کوئی ایسی ہستیاں جن کو تم نے حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر خدائی منصب پر بٹھا رکھا ہو۔ کیونکہ- ﴿اَلَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ﴾- "جن کو تم لوگ پکارتے ہو" اور ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "اللہ کے سوا" کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے' نیز تجربہ و مشاہدہ اور امر واقع بھی اسی کی تائید و توثیق کرتا ہے' کہ مکھی پیدا کر دینا ان میں سے کسی کے بھی بس میں نہیں' اس لئے اس ارشاد ربانی کے صرف بتوں میں منحصر قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں' جس طرح کہ عام طور سمجھا اور کہا جاتا ہے' شاید اسی لئے یہاں پر مَا کا لفظ اختیار نہیں فرمایا گیا' جو کہ اصل میں اور عام طور پر غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے' بلکہ اسکے برعکس یہاں پر "اَلَّذِيْنَ" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے' جو کہ اصل میں اور عموماً ذوی العقول ہی کے لئے آتا ہے- والعلم عند اللہ سبحانہ و تعالیٰ- اسی لئے مشہور حنفی عالم اور جلیل القدر مفسر علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کی بھی تقبیح اور مذمت ہے جو اولیاء اللہ کی محبت میں غلو کرتے ہیں' اور مشکلات میں وہ ان کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے پکارتے ہیں' اور وہ ان کیلئے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں' اور اس طرح وہ بتوں کے پجاریوں کے مشابہ قرار پاتے ہیں' اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ ہماری غائبانہ مدد کرتے ہیں' اور اس کے لئے وہ مختلف شکلوں میں اپنی قبروں سے نکل آتے ہیں' اور قبروں سے ہو کر بھی تصرف کرتے ہیں' وغیرہ والعیاذ باللہ العظیم' سو یہ سب باطل ہے' جس کی نہ کتاب و سنت میں کوئی اصل ہے' اور نہ سلف امت کے کلام میں' یہ سب کچھ ان گمراہ لوگوں کی طرف سے افتراء ہے' اور ان کی خود ساختہ و من گھڑت خرافات' جس سے انہوں نے لوگوں کے دین کو خراب کیا' والعیاذ باللہ (روح المعانی' ج ۷ اص ۱۱۲' ۱۱۳ بحوالہ جواہر القرآن ج ۲ ص ۷۴۸) - اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے- اور ہمیشہ راہ حق پر مستقیم و ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ

(مکھی بنانا تو دور کی بات ہے ان کا حال تو یہ ہے کہ) اگر وہ مکھی ان سے کچھ چھین لے تو یہ اس کو بھی اس سے چھڑا نہیں سکتے، ۱۳۷

مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا

کتنا کمزور ہے چاہنے والا ۱۳۸ اور کتنا کمزور ہے وہ جس سے مدد چاہی جاتی ہے، ۱۳۹ ان لوگوں نے اللہ کی

اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ

قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا ۱۴۰ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی قوت والا نہایت ہی زبردست ہے وہ (اپنی پیغام رسانی کے

۱۳۷ معبودانِ من دون اللہ کی بے بسی کی تصویر:۔ سو معبودانِ من دون اللہ کی بے بسی کی تصویر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر وہ مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اسکو اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے:۔ قدیم مفسرین کرام کا کہنا تھا کہ یہاں پر مکھی کا ذکر اسکی حقارت و مہانت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہی نہیں۔ ورنہ حقارت اور مہانت میں تو اور بھی کئی چیزیں اس سے بھی بڑھ کر ہو سکتی ہیں، بلکہ اس میں اور بھی کئی حکمتیں اور عبرتیں ہیں، جن کا احاطہ اللہ پاک کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا، چنانچہ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے اور جیسا کہ آج کی سائنس کہتی ہے کہ مکھی کے اندر خاص طور پر یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ جو کچھ یہ کھاتی ہے وہ فوری طور پر اس کے اندر تحلیل ہو کر ایسا گم ہو جاتا ہے کہ اسکو اس سے نکالنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی، یہاں پر اعجاز قرآنی کا یہ منفرد پہلو بھی واضح رہے کہ قرآن حکیم بعض اوقات بلکہ بسا اوقات ایسا باریک اور جامع کلمہ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اپنے ظاہری اور عام مفہوم کے اعتبار سے صدیاں پہلے کے اس دور اور اس انسان کیلئے بھی قابل قبول اور باعث اطمینان ہوتا تھا، لیکن اپنی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے وہ صدیاں بعد کے اس دور اور آج کے انسان کیلئے بھی اطمینان اور قناعت کا موجب ہوتا ہے، اسی کا ایک مظہر اور نمونہ یہ ارشاد خداوندی بھی ہے۔ ﴿وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾۔ جو کہ اپنے ظاہری اور عمومی مفہوم کے اعتبار سے صدیاں پہلے کے اس سیدھے سادھے انسان کیلئے بھی قابل فہم اور موجب اطمینان تھا لیکن اپنی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے یہ آج کے ترقی یافتہ انسان کیلئے بھی موجب قناعت و اطمینان ہے، فَسُبْحَانَ مِنْ کَلَامِ رَبِّنَا مَآ اَعْظَمَ شَانُهٗ وَمَآ اَدَقَّ بُرْهَانُهٗ وَبَیَانُهٗ بہرکیف اس تمثیل سے ہر معبود من دون اللہ کے عجز اور ان کی بے بسی کو پوری طرح آشکار فرما دیا گیا، فالحمد للہ۔ سو جن کی عاجزی اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کی مل کر کوشش بھی کریں اور مکھی پیدا کرنا تو دور کی بات ہے ان کے اندر اس کی بھی سکت نہیں کہ اگر مکھی ان کی کوئی چیز ان سے چھین لے تو یہ اس کو اس سے چھڑا سکیں۔ تو پھر کتنے اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو اس سب کے باوجود ایسوں کو اپنا معبود مانتے ہیں اور ان کو اپنا حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر پوجتے پکارتے ہیں۔ سو مت ماری کا نتیجہ یہی ہوا کرتا ہے کہ ان کو اتنی موٹی حقیقت اور اس قدر واضح بات بھی سمجھ نہیں آ سکتی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۳۸ **کتنا کمزور ہے طالب**:۔ یعنی عابد مشرک، جو کہ ایسی کمزور اور بے حقیقت چیزوں کو معبود قرار دیکران کے آگے جھکتا ہے، اور ان کو حاجت روا و مشکل کشا جان کران کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے بلاتا پکارتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور بعض نے کہا کہ طالب سے مراد ہیں ان کے خود ساختہ اور بے حقیقت معبود، جو مکھی جیسی حقیر مخلوق کو پیدا کرنا تو درکنار اس سے اپنی چھینی ہوئی مٹھائی بھی واپس نہیں لے سکتے، اور مطلوب سے مراد مکھی ہے جس سے انکی چھینی ہوئی مٹھائی واپس لینا مطلوب ہوتی ہے، علامہ زمخشریؒ نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے، (المراغی، المحاسن وغیرہ) جبکہ دوسرا قول جو کہ متبادر ہے یہ ہے کہ طالب سے مراد عابد مشرک ہے، اور مطلوب سے مراد ان کے یہ خود ساختہ معبود ہیں، جن کو یہ لوگ اپنا حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر پوجتے پکارتے ہیں، (معارف و محاسن وغیرہ)۔ سو اس ارشاد میں نہایت لطیف اور بلیغ اشارہ و تلمیح ہے اس اہم اور بنیادی حقیقت کی طرف کہ انسان کسی کو معبود مانتا ہے تو اس وجہ سے مانتا ہے کہ اس سے اسکے ضعف و ناتوانی کا مداوا ہو سکے۔ لیکن ان نادانوں نے اپنا معبود ان کو بنایا جو اپنی عاجزی اور بے بسی میں ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ یہ اپنی خستگی کی داد اور اپنی کمزوری میں مدد ان سے چاہتے ہیں جو بیچارے اپنے اوپر سے مکھی کو بھی نہیں اڑا سکتے۔ سو کیسے وہمی اور بے بنیاد ہیں یہ لوگ؟۔ اور کس قدر ہولناک خسارے کی طرف یہ بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم

۱۳۹ **اور کتنا کمزور ہے مطلوب**:۔ یعنی یہ معبود من دون اللہ، جو مکھی سے اپنی چھینی ہوئی چیز بھی واپس نہیں لے سکتا، تو جس کا خود اپنا یہ حال ہو، وہ اپنے پوجنے پکارنے والوں کے کیا کام آ سکتا ہے؟ سو کیسی مت ماردی گئی ان لوگوں کی جو اپنے اس قادر و قوی خالق و مالک کو چھوڑ کر جو کہ مختار کل ہے ان بے جان اور بے حقیقت ہستیوں کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتے ہیں، اور ان کے لئے طرح طرح کی نذریں مانتے، نیازیں دیتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں، والعیاذ باللہ العظیم سو جو لوگ ایسی بے حقیقت چیزوں کو اپنا حاجت روا و مشکل کشا مانتے ہیں، جو کہ خود اپنے اوپر سے مکھی بھی نہیں اٹھا سکتے وہ کس قدر احمق اور کتنے بدبخت ہیں، والعیاذ باللہ۔ سو کفر و شرک کی نحوست سے انسان کی مت ایسی ماردی جاتی ہے کہ وہ ایسے جلی اور واضح حقائق کے فہم و ادراک سے بھی عاجز اور قاصر ہو جاتا ہے اور یہاں تک کہ وہ مکر و فریب اور کذب و زور کی وکالت کرنے لگ جاتا ہے اور اس طرح وہ اپنی بدبختی کے داغ کو اور پکا کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۴۰ **اللہ پاک کے بارے میں بے قدری و ناشکری باعث ہلاکت و تباہی، والعیاذ باللہ**:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ جل جلالہ، کی قدر نہ کرنے کا نتیجہ مہالک شرک میں گرنا اور باعث ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اسکی قدر کرنے کا حق تھا۔ ورنہ یہ اس طرح کی ان عاجز اور بے حقیقت ہستیوں کو اس کا شریک ماننے کی جسارت کبھی نہ کرتے۔ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا۔ سو وہ ایسا قوی اور قادر مطلق ہے کہ جو چاہے کرے اور ایسا عزیز اور زبردست ہے کہ جو کچھ کرنا چاہے یا جس کو پکڑنا چاہے، نہ کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے اور نہ اسکے کسی ارادہ میں حائل ہو سکتا ہے، سو ایسے قادر مطلق اور قوی و عزیز رب ذوالجلال کا ایسی بے حقیقت چیزوں کو شریک ٹھہرانا کس قدر بے انصافی اور کتنا بڑا ظلم ہے، والعیاذ باللہ العزیز۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدر اس طرح نہ پہچاننا جیسا کہ اس کا حق ہے ایسی محرومی اور بدبختی ہے کہ اس کا نتیجہ و انجام بڑا ہی ہولناک اور نہایت تباہ کن ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط

لئے اپنی مرضی واختیار سے) چنتا ہے پیغمبر ۱۴۱ فرشتوں سے بھی، اور انسانوں سے بھی ۱۴۲

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۷۵ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر کسی کی) سنتا (سب کچھ) دیکھتا ہے، وہ (پوری طرح) جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ ان لوگوں کے سامنے ہے،

۱۴۱ پیغمبر کی بعثت اللہ پاک کا انتخاب: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ چنتا ہے اپنے پیغمبروں کو۔ پس رسالت و پیغمبری محض اس کا عطیہ واحسان ہوتا ہے، جس سے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے کہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کون ہے جو اس منصب جلیل کا اہل ہو سکتا ہے، اور اس کی عظیم الشان اور جلیل القدر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکتا ہے، اور باحسن حواس کو نبھا سکتا ہے، اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ پس اس میں بندے کے کسب واختیار کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت ملنے تک اس کا پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا جانے والا ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ سے واضح وعیاں ہے کہ حضرت موسیٰ تو کوہ طور پر آگ لینے کے لئے تشریف لے گئے، مگر آگے قدرت کی فیاضیوں نے آپ کو شرفِ نبوت کے تاجِ مقدس سے سرفراز فرما دیا جیسا کہ کسی نے کہا اور خوب کہا۔ خدا کی دین کے موسیٰ سے پوچھئے احوال۔ آگ لینے جائیں پیغمبری مل جائے، بہرکیف اللہ تعالیٰ اپنی پیغام رسانی کیلئے اپنے رسولوں کو چنتا اور ان کو شرف نبوت ورسالت سے سرفراز فرماتا ہے، تاکہ وہ دنیا کو اپنے خالق و مالک رب ذوالجلال کی صحیح معرفت سے سرفراز کرسکیں، ورنہ محض اپنی عقل سے اور نور وحی کی روشنی کے بغیر شوائبِ کفر وشرک سے بچ کر رہنا اور اپنے رب کی معرفت حاصل کر لینا انسان کیلئے ممکن نہیں، سو جو لوگ نور وحی سے محروم ہیں وہ سراسر اندھیروں میں ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ اور ہمیشہ راہِ حق وصواب پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۴۲ حضرات انبیاء ورسل اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ چنتا ہے اپنے پیغمبر فرشتوں سے بھی اور انسانوں سے بھی۔ پس انبیاء ورسل اس کی چنی ہوئی ہستیاں اور اس کے خاص بندے ہوتے ہیں، جو پیغام رسانی پر مامور ہوتے ہیں، نہ کہ اس کی کسی صفت واختیار میں اسکے شریک وسہیم لہٰذا ان کو کسی خدائی صفت کا حامل قرار دے کر ان کو پوجنا پکارنا گمراہی کے سوا کچھ نہیں، والعیاذ باللہ سو جن لوگوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی پوجا کی، انہوں نے بڑا ہی ظلم ڈھایا اور کھلے شرک کا ارتکاب کیا۔ پس فرشتے اور حضرات انبیاء ورسل اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اسکے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں، نہ کہ خدا اور خدائی صفات میں سے کسی صفت میں شریک، وہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ وبالا ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور جن نادانوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر انکی پوجا کی یا کر رہے ہیں وہ سراسر حماقت وسفاہت میں مبتلا ہیں اور یہ انکی جہالت اور خداوند قدوس کی شان سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ سو فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں اس کے بندے ہیں۔ ان کو اگر کوئی مرتبہ ومقام حاصل ہے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی پیغام رسانی کے لیے چنتا اور منتخب کرتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ جس سے ایسے حضرات کا مرتبہ ومقام تمام مخلوق میں سب سے بلند ہو جاتا ہے۔ علیٰ نبینا وعلیٰ سائرہم الصلوٰۃ والسلام

وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾

اور وہ سب کچھ بھی جو کہ ان کے پیچھے ہے، ف۱۴۳ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام، ف۱۴۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، تم رکوع اور سجدہ کرو، (اپنے رب کی رضا کیلئے) اور اپنے رب ہی کی

رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾ السجدۃ وَجَاهِدُوا

بندگی کرو ف۱۴۵ اور نیک کام کرتے رہا کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو سکے، اور اللہ کی راہ میں

فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ؕ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ

جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اسی (وحدہٗ لاشریک) نے تم کو چنا ہے (اپنی بندگی، اور اپنے دین کی خدمت کے لئے)

عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ أَبِيكُمْ

اور دین کے بارے میں اس نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، ف۱۴۶ قائم ہو جاؤ تم لوگ اپنے باپ

إِبْرَاهِيمَ ؕ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ مِنْ قَبْلُ

ابراہیم کی ملت پر، ف۱۴۷ اسی (اللہ) نے ف۱۴۸ تمہارا نام مسلمان رکھا، پہلے (والی آسمانی کتابوں میں) بھی ف۱۴۹

وَفِي هٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ

اور اس (قرآن) میں بھی، تا کہ تمہارے پیغمبر تم پر گواہ ہوں،

۱۴۳ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا ذکر و بیان: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اللہ ایک برابر جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ ان کے آگے ہے اور جو کچھ کہ ان کے پیچھے ہے''۔ جگہ و مکان کے اعتبار سے بھی اور وقت و زمان کے لحاظ سے بھی' سو اسکے بندوں اور اسکے رسولوں سے احوال میں سے کچھ بھی اس مالک الملک سے مخفی اور پوشیدہ نہیں، فرشتے نوری مخلوق میں سے بھی ہوتے ہیں اور بشر و انسان میں سے بھی، بس وہ ہوتے بہرحال انسان ہی ہیں، ان میں کسی خدائی صفت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا، خداوند قدوس ایسے تمام شوائب سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے، سبحانہ، وتعالیٰ - بہرکیف اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کے کمال علم کے ایک پہلو کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو فرشتے یا دوسری کوئی بھی مخلوق نہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کسی طرح کا کوئی اضافہ کر سکتی ہے، اور نہ کسی کا کوئی قول و فعل اس سے مخفی رہ سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی خداوند قدوس کی نگرانی

اور اسکی باز پرس سے بالا ہو سکتا ہے۔ اس کا علم بھی سب پر حاوی اور اسکی قدرت بھی سب پر محیط سبحانہ، وتعالیٰ۔

۱۶۴ سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا۔ اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام، پس جو ہوتا ہے اسی کے اذن اور مشیت اور اسی کے حکم و ارشاد سے ہوتا ہے۔ تو پھر تم لوگ اس کے سوا اوروں کے در پر ہاتھ کیوں پھیلاتے ہو؟ پس ہوتا وہی ہے جو اس کو منظور ہوتا ہے کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس کے سوا دوسرے تم کو کیا دیں گے ان کے پاس بے بسی کے سوا اور کیا ہے۔ سو تمام امور کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ خود فرشتے بھی اسی کے مامور اور اسی کے حکم کے تحت ہوتے ہیں اور جو کام ان کو تفویض ہوتے ہیں ان کی رپورٹ بھی ان کو خداوند قدوس کے حضور پیش کرنا ہوتی ہے۔ سو وہ اس وحدہٗ لاشریک کی خدائی میں کسی بھی درجے میں شریک نہیں بلکہ عباد مکرمون کے شرف سے مشرف ہیں۔

۱۶۵ رب کی عبادت و بندگی کا حکم وارشاد: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر، اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب اپنے رب ہی کی بندگی کرو: ۔ کہ معبود برحق وہی ہے اور ہر طرح کی عبادت و بندگی کا حق دار وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اور ہر کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی وہی قادر مطلق کرتا ہے، اور اس کی رحمت سب کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے، پس اسکے در کو چھوڑ کر اور کسی طرف جھکنا اپنے لیے ذلت اور تباہی کا سامان کرنا ہے، والعیاذ باللہ العزیز۔ بہر کیف اس آیت کریمہ میں پہلے رکوع و سجود کا حکم وارشاد فرمایا گیا جو کہ نماز کی تعبیر ہے کہ یہ دونوں نماز کے اہم ترین ارکان ہیں اور نماز کو اسکے معروف لفظ الصلوٰۃ سے تعبیر کرنے کی بجائے ان دو لفظوں سے تعبیر کرنے میں یہ بلاغت ہے کہ ان سے صرف پنج وقتہ نمازوں کو انہماک کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے اور خاص طور پر ان سے تہجد کی نمازیں مراد ہوتی ہیں جن کا اہتمام بندہ مومن کو ان خاص ذمہ داریوں کی ادائیگی کا اہل بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ جو اس کے ایمان وعقیدہ اور اس کے فرائض منصبی کی بنا پر اس پر عائد ہوتی ہیں اور ان دونوں کے ذکر کے بعد عبادت کا ذکر تخصیص کے بعد تعمیم کے قبیل سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید،

۱۶۶ دین حنیف میں کوئی تنگی نہیں: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ جس سے تمہیں دین کے کسی بھی حکم پر چلنا مشکل ہو، جیسا کہ پہلی امتوں میں تھا، بلکہ اس نے تمہارے لئے اس دین حق میں طرح طرح کی آسانیاں رکھی ہیں، سفر میں نماز آدھی کر دی، روزہ چھوڑنے کی اجازت دے دی، بیماری کی حالت میں نماز کا قیام معاف فرما دیا، اور بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت دے دی، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اور اشارہ سے بھی ادا کر سکتے ہو، پانی نہ ملنے یا استعمال نہ کر سکنے کی صورت میں تیمّم کی اجازت دے دی وغیرہ وغیرہ، پس تم لوگ ہمیشہ اپنے اسی خالق و مالک کے حضور جھکے رہو اور دل وجان سے اسکی طرف رجوع کیے رہو، اور رکوع و سجود اور قیام وغیرہ کی ہر عبادت اسی وحدہٗ لاشریک کیلئے بجالاؤ سبحانہ، وتعالیٰ، یہی اساس و بنیاد ہے، سعادت دارین سے سرفرازی کی وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید،

۱۶۷ ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم وارشاد: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پیروی کرو تم لوگ اپنے باپ ابراہیم کے دین اور ان کی ملت کی۔ یعنی ملة کا عامل یہاں پر محذوف ہے جو کہ اِلْزَمُوْا یا اِتَّبِعُوْا جیسا کوئی بھی فعل ناصب ہو

سکتا ہے، سو باپ کی ملت اور وہ بھی ابراہیم جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر باپ کی ملت سے بڑھ کر اسکی اولاد کیلئے اچھی اور محبوب ملت اور کس کی ہو سکتی ہے، پس تم لوگ اپنے باپ ابراہیم کی اس ملت صادقہ کو دل و جان سے اپناؤ کہ یہی راہ حق ہے، اور اسی میں تمہارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ یہاں پر یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ یہاں پر خطاب بنی اسماعیل سے ہے جو نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے بلکہ ان کو حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر بڑا فخر و ناز تھا۔ سو اس سے ان کو اپنی اس نسبت اور انتساب کے ذمہ داریوں سے آگاہ فرما دیا گیا۔ کہ اس کا تقاضا صرف یہی نہیں کہ تم لوگ اس پر فخر جتلاؤ۔ اور اس بارہ زبانی کلامی دعوے کرو۔ اور بس، بلکہ اس کا اصل تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔ اور صدق دل سے پیروی کرو، اور اسی میں تمہارا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کہ اس سے تمہیں دنیا میں حیات طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی کی سعادت نصیب ہوگی اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی۔

۱۲۸ مسلمان کا نام اور لقب اللہ ہی کی طرف سے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ یعنی سَمّٰى فعل کا فاعل لفظ جلالہ ہے سبحانہ، وتعالیٰ (صفوۃ البیان، ابن کثیر، جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، وغیرہ) اور بعض نے اس کا فاعل حضرت ابراہیمؑ کو قرار دیا ہے، لیکن راجح قول پہلا ہی ہے، لیکن مروی حضرات اہل علم سے یہ دونوں ہی قول ہیں، اور جنہوں نے دوسرے قول کو اپنایا ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ دراصل تذکیر و یاددہانی ہے حضرت ابراہیم کی اس دعا کی جو آپؑ نے اپنی اولاد کیلئے فرمائی تھی، اور جو سورہ بقرہ میں اس طرح وارد ہے، (البقرۃ۔ ۱۱۸) اور اس نام اور اس دعا کے یاد کرانے سے مقصد مسلمانوں کو تحریک کرنا ہے کہ وہ اپنے مقصد اور اپنی ذمہ داری کو پہچانیں، لیکن اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ اسلام یا مسلمان کا لفظ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ ہی نے استعمال فرمایا تھا، بلکہ اسلام تو تمام کائنات کی فطرت ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران: ۸۳)۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۹ پہلے بھی اور اس (دین) میں بھی: پس تم اپنے اس نام کی لاج رکھو اور دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک رب رحمٰن و رحیم کے فرمانبردار اور اسکے بندے بن کر رہو اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ لِذٰلِكَ وَالسَّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَيْهِ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ يَامُجِيْبَ الدَّعْوَاتِ، بہر کیف اسلام ہی دین حق ہے اور یہی دین فطرت ہے، جو اس پوری کائنات کا دین ہے اسی سے تمہارے رب نے تمہیں سرفراز فرمایا، اور اسی سے سرفرازی کیلئے حضرت ابراہیمؑ نے تمہارے لیے دعا فرمائی اور اس کا حاصل اور خلاصہ ہے صدق دل سے اپنے اس خالق و مالک کے حضور جھک جانا اور اس کا مطیع فرمان بن جانا، جس نے تمہیں نعمت وجود سے سرفراز فرمایا اور حکمتوں اور نعمتوں بھری اس کائنات کو تمہارے لیے پیدا فرمایا، اور اسی کے حضور صدق دل سے جھکنے ہی میں تمہارے لیے سعادت دارین سے سرفرازی کا سامان ہے، ورنہ محرومی ہی محرومی ہے والعیاذ باللہ العظیم، بکل حالٍ مِّن الاحوال

وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيمُوا

اور تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، ۱۵۰ پس تم لوگ

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ

نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ دیتے رہو، اور وابستہ ہو جاؤ اللہ (کے دین) سے، ۱۵۱ وہی

مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۰ / ۱۷

کارساز ہے تم سب کا، سو کیا ہی اچھا کارساز ہے وہ، اور کیا ہی اچھا مددگار ہے، ۱۵۲

۱۵۰ منصب شہادت کی تذکیر و یاددہانی: -شہادت علی الناس کا شرف و منصب اور اس کے تقاضے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو شہادتِ حق کے عظیم الشان منصب سے سرفراز فرمایا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ تمہارے پیغمبر تم پر گواہ ہوں اور تم سب لوگوں پر گواہی دینے والے بنو۔ سو اس طرح اس نے اپنے فضل و کرم سے تم کو خیر الامم کے شرف و منصب سے نوازا، اور سب سے بہترین امت بنایا، پس تمہیں ہر طرح سے اور ہر موقع پر اس کی لاج رکھنی چاہیئے، کہ اس نے پہلی امتوں کو اس منصب عظیم سے معزول کر کے تم کو اس سے مشرف اور سرفراز فرمایا ہے، پس جس طرح اللہ کا رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے، اسی طرح تم لوگوں پر دین حق کے گواہ بن جاؤ، اپنی زبان و بیان سے بھی اور اپنے عمل و کردار سے بھی، کیونکہ اب قیامت تک شہادت حق کی یہ ذمہ داری تمہاری ہی ذمہ داری ہے، اور یہی تمہارے وجود کا مقصد اور تمہارے اصفاء و اجتباء کی غرض و عنایت ہے، پس تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو تاکہ اس طرح تم لوگ اپنے خالق و مالک کی ان عظیم الشان نعمتوں کا حق شکر بھی کسی حد تک ادا کر سکو، جس نے تم کو ان عظیم الشان اور جلیل القدر نعمتوں سے نوازا ہے، اور اسکے نتیجے میں تم اسکے مزید انعامات سے مشرف ہو سکو، اور تمہارا تعلق اپنے خالق اور اسکی مخلوق سب سے درست ہو سکے۔ وباللہ التوفیق لما يحب ويريد، وعلى مايحب ويريد، بكل حال من الاحوال وفي كل موطن من المواطن في الحياة

۱۵۱ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم و ارشاد: -سو ارشاد فرمایا گیا "اور مضبوط پکڑ و اللہ [کی رسی] کو"۔ اس کی رسی یعنی قرآن حکیم کو مضبوطی سے تھام کر اور جملہ امور میں اس سے مدد مانگ کر (صفوۃ التفاسیر وغیرہ) کہ یہ کتاب حکیم جو اس وہاب مطلق نے محض اپنے فضل و کرم سے نازل فرمائی ہے، تمہارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، اور یہی وہ حبل متین ہے جسکو مضبوطی کے ساتھ تھامنے سے انسان تمام مہالک سے بچ کر اپنے خالق و مالک تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، اور دارین کی سعادت و سرفرازی اور فوز و فلاح سے بہرہ ور ہو سکتا ہے، ورنہ اندھیرے ہی اندھیرے ہیں، والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۵۲ اللہ کارساز ہے سب لوگوں کا: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی کارساز ہے تم سب لوگوں کا۔ پس بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک کی حاجت روائی کارسازی پر رکھو فكن اللّٰهم لنا واجعلنا لک بكل حال من الاحوال، وفي كل

مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيَاةِ ' فَأَنْتَ مَوْلٰنَا وَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرِ سو اسکی کارسازی ہی اصل اور حقیقی کارسازی ہے، اور کائنات کی ہر چیز کا نفع ونقصان اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے، اور بڑے خسارے اور دھوکے میں ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کا در چھوڑ کر دوسرے طرح طرح کے خودساختہ اور منٗ گھڑت حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں کے آگے جھکتے، ذلیل ہوتے اور اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان کرتے ہیں، ان کو اس کا شعور واحساس ہی نہیں جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆ ــــ ١١ جمادی الاولیٰ ١٤١١ھ مطابق ٢٨ نومبر ١٩٩٠ء بروز بدھ پونے تین بجے شام' منطقہ اُمّ ہریر، دبی متحدہ عرب امارات،

☆ ــــ نظرثانی: یکم رجب ١٤١٨ھ مطابق یکم نومبر ١٩٩٧ء بروز ہفتہ بوقت گیارہ بجے شب' بمکان خود' سطوہ' دبی متحدہ عرب امارات (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الذی لا تیم الصالحات الا بتوفیق معه سبحانه و تعالیٰ)

☆ ــــ تکمیل پہلی پروف ریڈنگ بتاریخ 11 جمادی الاولیٰ مطابق 22 اگست 1999ء بروز اتوار بوقت سوا گیارہ بجے دن سطوہ دبی متحدہ عرب امارات وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الَّذِیْ لَاتَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوْفِيقٍ مِّنْهُ جَلَّ وعلا

☆ ــــ تکمیل دوسری پروف ریڈنگ ٣٠ ذوالحجہ ١٤٢٠ھ مطابق ٢٧ مارچ ٢٠٠٠ء بروز پیر بوقت پونے گیارہ بجے شب مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر پاکستان (دوران رخصت) والحمد للہ ربّ العالمین بکل حال وفی کل مکان

☆ ــــ تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ٢٦ صفر ١٤٢٢ھ مطابق ١٩ مئی ٢٠٠١ء بروز ہفتہ بوقت اڑھائی بجے دن سطوہ دبی والحمد للہ رب العالمین

☆ ــــ تکمیل چوتھی پروف ریڈنگ ٢٥ رمضان المبارک ١٤٢٣ ہجری مطابق ٣٠ نومبر ٢٠٠٢ء بروز ہفتہ بوقت پانچ بجے شام، سطوۃ، دبی، متحدہ عرب امارات ـ والحمد للہ رب العالمین ـ الذی بیدہ ازمۃ التوفیق والعنایہ

☆ ــــ اَللَّمَسَاتُ الاخیرۃ (Final Touches) ٣٠ ذوالقعدۃ ١٤٢٤ھ مطابق ٢٢ جنوری ٢٠٠٤ء بروز جمعرات، بوقت سوا بارہ بجے شب، مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان ـ والحمد للہ رب العالمین ـ

یاالہ العالمین:۔ هذه ناصیتی بین یدیک فخذنی بها الیٰ ما
تحب و ترضی من القول والعمل بکل حال من الاحوال وفی
کل موطن من المواطن فی الحیاة واغفرلی ذنبی کله، دقه
وجله، اوله وآخرة ، سرهٗ وعلانیته ماعَلمتُ منه و مالا اعلم
فانک انت الحنان المنان انت المستعان و علیک التکلان
فی کل حین وان.

اٰیَاتُھَا ۱۱۸ ۔ ۲۳ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۷۴ ۔ رُکُوْعَاتُھَا ۶

سورۂ مومنون مکی ہے اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے،

الجزء الثامن عشر (۱۸)

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ

بے شک فلاح پالی ۱ے اُن ایمان والوں نے جو (صحیح عقائد کے ساتھ ساتھ یہ صفات بھی اپنے اندر رکھتے ہیں کہ وہ) خشوع (اور

خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَ

خضوع) سے کام لیتے ہیں اپنی نماز میں۔ ۲ے جو دور (ونفور) رہتے ہیں لغو (اور بے کار) باتوں سے۔ ۳ے

الَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ

جو پابندی کرتے ہیں ادائیگی زکوٰۃ کی۔ ۴ے اور جو حفاظت کرتے ہیں اپنی شرم گاہوں

حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ

کی۔ بجز اپنی بیویوں کے یا ان عورتوں کے جو اُن کی ملکِ یمین میں ہوں، ۵ے

فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ

کہ اُن پر کوئی الزام نہیں۔ پس جو کوئی اس کے علاوہ کسی اور جگہ (شہوت رانی) کا طلب گار ہوگا

۱ **ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کی اولین اساس**:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سعادت دارین، اور حقیقی فوز وفلاح سے سرفرازی کے لیے اولین شرط ایمان ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بے شک فلاح پائی ایمان والوں نے"۔ یعنی وہ اس حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوگئے جو کہ کامل بھی ہے اور دائمی بھی۔ اور جس سے انسان کو اس دنیا میں حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی۔ اور یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ سو "قد" کے حرفِ تاکید اور ﴿اَفْلَحَ﴾ کے صیغۂ ماضی سے واضح فرما دیا گیا کہ جن باتوفیق لوگوں کی صفات یہ اور یہ ہوں گی وہ اس حقیقی فوز وفلاح سے یقیناً سرفراز ہوگئے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ان تمام صفات سے بہرہ ور فرمائے۔ اور علیٰ وجہ التمام والکمال بہرہ ور فرمائے۔ آمین ثم آمین

۲ مومنوں کی پہلی خاص صفت نماز میں خشوع وخضوع: -سو ایمان والوں کی صفات کے بیان کے سلسلے میں پہلی خاص صفت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''جو خشوع وخضوع سے کام لیتے ہیں اپنی نمازوں میں''۔ ایمان کے بعد اہلِ ایمان کی اہم صفت خشوع وخضوع ہے۔ سو وہ اپنے رب کی عظمت اور اس کے جلال کے احساس سے اس طرح خاموش اور پرسکون کھڑے رہتے ہیں کہ نہ دائیں بائیں کہیں دیکھتے ہیں اور نہ کسی اور عمل اور کام میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور اس طرح ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے وہ اپنے رب کے حضور جھکے رہتے ہیں۔ سو خشوع وخضوع کا اصل تعلق انسان کے دل اور اسکے باطن سے ہے۔ جس کا اثر اسکے ظاہر پر بھی عیاں ہوتا ہے۔ سو خشوع وخضوع نماز کی اصل روح ہے۔ سو وہ اپنے ظاہر اور باطن کے اعتبار سے اپنے رب کے حضور جھکے رہتے ہیں۔ اور یہی تقاضا ہے بندے کی عبدیت وبندگی کا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۳ ایمان والوں کی دوسری خاص صفت کا ذکر و بیان: -سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ایمان والوں کی دوسری خاص صفت لغو باتوں سے احتراز واجتناب ہے- سو ان کی دوسری خاص صفت کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ دور رہتے ہیں لغو باتوں سے:- سو لغو باتوں سے احتراز ان لوگوں کی ایک اور خاص صفت ہے۔ یعنی یہ بچتے ہیں ہر اس قول وفعل سے جو کہ بے مقصد ہو۔ جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان وغیرہ)۔ نیز لغو سے مراد ہر وہ قول وفعل ہے جو انسانی زندگی کے اصل مقصد یعنی رضائے الٰہی کے حصول سے غافل کرنے والا ہو۔ قطع نظر اس سے کہ وہ مباح ہے یا غیر مباح۔ سو جس نماز کے اندر خشوع وخضوع پایا جائے گا اس کا انسانی زندگی پر یہ اثر پڑتا ہے کہ انسان فضول، لایعنی، بے مقصد چیزوں سے احتراز کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ ایسا انسان ایک بامقصد اور ذمہ دار انسان بن جاتا ہے اور وہ لغو اور بے کار و بے مقصد باتوں سے دور اور نفور رہتا ہے۔ وباللہ التوفیق

۴ اہلِ ایمان کی تیسری خاص صفت، ادائیگیٔ زکوٰۃ کی پابندی: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں''۔ سو وہ اپنے اخلاق کو بھی پاکیزہ رکھتے ہیں اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کی تفصیلات کا تقرر اگرچہ مدینہ طیبہ میں ہوا لیکن نفسِ زکوٰۃ کی فرضیت مکہ مکرمہ ہی میں ہو چکی تھی۔ اس لئے بعض اہلِ علم نے یہاں پر زکوٰۃ سے مراد اس کے معروف معنٰی ہی لئے ہیں۔ جبکہ بعض نے اس کو اس کے لغوی مفہوم میں لیا ہے۔ (جامع، معارف وغیرہ)۔ سو زکوٰۃ سے انسان کے باطن کا تزکیہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی﴾ (الاعلیٰ:۱۴) نیز فرمایا گیا ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا﴾ (الشمس:۹) اللہ ہمیشہ اس سے سرفراز وفیضیاب رکھے۔ آمین ثم آمین

۵ ملکِ یمین کی بناء پر تمتع کی اجازت: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''یا ان سے جن کے مالک ہوں ان کے داہنے ہاتھ'' یعنی باندیاں۔ جو کہ شرعی طریقے سے ان کے قبضے میں آئی ہوں کہ بیویوں کے علاوہ ان سے بھی تمتع جائز ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی خواہشات پر کنٹرول رکھتے ہیں اور ان کو صرف وہیں پورا کرتے ہیں جہاں اسکی اجازت ان کے دین نے دی ہو۔ یعنی صرف اپنی بیویوں اور باندیوں پر اور بس۔ کہ دینِ فطرت نے اس جائز تمتع کی اجازت دی ہے کہ یہ فطرت کے تقاضوں میں سے ہے کہ انسان کو اپنی بیویوں اور باندیوں سے تمتع کی اجازت دی جائے۔ تا کہ فطرت کے تقاضوں کی تکمیل ہو سکے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

تو ایسے لوگ یقیناً حد سے بڑھنے والے ہیں ۔ف۶ اور جو لوگ پاس (ولحاظ) رکھتے ہیں ف۷ اپنی امانتوں اور اپنے عہد

رٰعُوْنَ ۙ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾

(وپیمان) کا ف۸ اور جو محافظت (وپاسداری) کرتے ہیں اپنی نمازوں کی ۔ف۹

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ

یہی لوگ ہیں وراثت پانے والے ف۱۰ جو وارث ہوں گے فردوس (بریں) کے ۔ف۱۱

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

جہاں ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا اُن (خوش نصیبوں) کو ۔ف۱۲ اور بلاشبہ ہم ہی نے پیدا کیا انسان کو

ف۶ حدود سے تجاوز کرنے والوں کی نشاندہی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں" یعنی اس حد سے جو کہ اپنے خالق و مالک کی مقرر فرمودہ حلال کی حدود کو باوجود ان کی وسعت کے پھلانگ کر حرام کی تنگنائیوں میں داخل ہوتے ہیں۔ پس بیوی اور باندی سے قضائے حاجت کے ان دو حلال اور شرعی طریقوں کے سوا باقی سب طریقے ممنوع اور حرام ہیں۔ جیسے زنا، لواطت اور متعہ وغیرہ کہ ایسے سب ہی لوگ حد سے گزرنے والوں میں داخل ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اور اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرنا ہلاکت کی راہ کو اپنانا ہے اور انسان کی بہتری اور اس کی سعادت اور دنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی مقرر فرمودہ حدود کی پابندی کرے اور صدق و اخلاص سے کرے کہ اس میں خود اسی کا بھلا ہے دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔ وھو الھادی الی سواء السبیل فی کل موقف من المواقف فی الحیاۃ

ف۷ اہل ایمان کی چوتھی خاص صفت امانتوں کی پاسداری: سو ارشاد فرمایا گیا "اور جو پاسداری کرتے ہیں اپنی امانتوں کی"۔ خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ امانتیں ہوں یا اس کے بندوں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی امانتوں میں ایک تو وہ فرائض اور ذمہ داریاں ہیں جو اس نے اپنے بندوں پر عائد فرمائی ہیں اور دوسری وہ صلاحیتیں اور قوتیں یا افضال و انعامات اور اموال و اولاد وغیرہ کی نعمتیں ہیں جن سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ سب ہی امانات کے اس کلمہ کے عموم میں داخل ہیں۔ سو اللہ پاک کے مومن بندے ان سب ہی امانات کی پاسداری کرتے ہیں۔ سو اپنی امانتوں کی حفاظت و پاسداری اور وہ بھی اپنے اس عام مفہوم کے اعتبار سے جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے وارثانِ جنت کی ایک اہم صفت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

ف۸ اہلِ ایمان کی پانچویں خاص صفت عہد و پیمان کی حفاظت و پاسداری: سو ارشاد فرمایا گیا "اور جو پاسداری کرتے ہیں اپنے عہد و پیمان کی"۔ سو اس سے عہد و پیمان کی حفاظت و پاسداری کی اہمیت اور اس کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پس وارثانِ جنت اپنے اس عہد کو توڑتے نہیں بلکہ اس پر قائم رہتے ہیں اور اسے نبھاتے ہیں۔ خواہ وہ عہد و پیماں انہوں نے اپنے خالق و مالک سے کیے ہوں یا

اسکے بندوں سے۔ یا وہ عرف و رواج کی بناء پر ان پر عائد ہوتے ہوں۔ وہ سب ہی اس میں داخل اور شامل ہیں کہ ﴿عَهْدَهُمْ﴾ کا عموم ان تمام عہود و مواثیق کو شامل ہے۔ سو ان دو لفظوں کے اندر ان تمام شرعی اخلاقی اور قانونی و عرفی ذمہ داریوں کا ذکر آ گیا جن کا احترام ہر دین و شریعت میں مطلوب و ملحوظ رہا۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید،

۹ فریضۂ نماز کی اساسی اور کلیدی حیثیت کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے فریضہ نماز کی اصولی اور کلیدی حیثیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سو اس بارے ارشاد فرمایا گیا "جو حفاظت کرتے ہیں اپنی نمازوں کی"۔ سو وہ ان سے غفلت نہیں برتتے اور ان نمازوں کو وہ ان کے آداب و ارکان کی رعایت کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ سو اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہاں پر ان صفات فلاح و نجاح کے بیان کا آغاز بھی نماز ہی کے ذکر سے ہوا اور ان کا خاتمہ اور تکمیل بھی نماز ہی کے ذکر اور بیان سے فرمائی گئی۔ شروع میں تو نماز کا ذکر اسکی اصل اور حقیقی روح کے اعتبار سے ہوا۔ یعنی خشوع و خضوع کے اعتبار سے۔ اور آخر میں ان کا ذکر ان کی محافظت اور رکھوالی کے اعتبار سے۔ کیونکہ نماز کی ان برکات کا حصول جن کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ ان کے اندر خشوع و خضوع بھی پایا جائے اور انکی محافظت و رکھوالی بھی کی جائے۔ بہرکیف اس سے حکمتِ دین کا یہ نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ نماز ہی تمام امانات و عہود کی اصل محافظ ہے۔ اسی کے ذریعے بندہ اپنے رب کے عہد و پیمان کی روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ تجدید کرتا ہے۔ اور اسی سے دوسرے عہود و مواثیق اور امانات و فرائض کی تذکیر و یاددہانی بھی ہوتی ہے جو اس پر خدا کا بندہ اور ایک ذمہ دار انسان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں۔ سو نماز ایک عظیم الشان اور بے مثال عبادت ہے

۱۰ جنت کے اصل حقداروں کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان اور ان صفات کے مالک ہی جنت کے اصل حقدار ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ "یہی لوگ ہیں وراثت پانے والے جو وارث ہونگے جنت فردوس کے"۔ اور وراثت، ملکیت پانے کا سب سے اعلیٰ، عمدہ اور پکا ذریعہ ہوتا ہے۔ سو یہ اپنے باپ کی کھوئی ہوئی وراثت یعنی جنت سے سرفراز ہونگے اور پھر اسکو اس سے نکالے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔ سو جنت کی میراث حسب و نسب وغیرہ کے مصنوعی امتیازات سے نہیں اپنے عمل و کردار کی بنا پر ملے گی۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ و یرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ و یرید،

۱۱ فردوسِ بریں کے وارثوں کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "جو وارث ہونگے فردوسِ (بریں) کے"۔ جو کہ جنت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے اور جس کے لئے صحیح حدیث میں دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ سو یہی ہے سب سے بڑی اور اصل اور حقیقی کامیابی۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر دس ایسی آیتیں نازل ہوئیں کہ جس نے ان پر پوری طرح عمل کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ پھر آپؐ نے یہی آیاتِ کریمہ تلاوت فرمائیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو جنت جو انکے باپ کی میراث تھی وہ ان کو واپس مل جائے گی۔ اور یہ اسکی نعمتوں سے پھر مستفید و سرفراز ہو جائیں گے۔ وباللہ التوفیق

۱۲ جنت میں ہمیشہ رہنے کی خوشخبری: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے خوش نصیب اس بہشت بریں کے وارث ہونگے جہاں ان ۔خوش نصیبوں۔ کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا۔ نہ ان کو وہاں سے نکالا جائے گا اور نہ ہی ان کو وہاں موت آئے گی کہ انہوں نے دنیا میں ایمان و یقین کی دولت سے سرفرازی کے بعد اپنے آپ کو ان اخلاقِ عالیہ اور آدابِ فاضلہ سے مزین و آراستہ کیا ہوگا۔ سو ان خوش نصیبوں کو جنت کی وہ میراث واپس مل جائے گی جس سے ان کے باپ آدم کو نکالا گیا تھا۔ لیکن ان کو اپنی یہ میراث اس شان سے واپس ملے گی کہ ان کو اس سے نکالے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا بلکہ یہ اس میں اپنے باپ کے ساتھ ہمیشہ ہمیش کے لیے رہیں گے۔ اس لیے کہ یہ اپنی دنیاوی زندگی کے دوران معرکۂ حق و باطل اور مقابلۂ خیر و شر میں اپنے ازلی دشمن شیطان کو شکست دے کر اس میں داخل ہونگے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ و یرید،

سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝۱۲ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ

مٹی کے سَت (اور خلاصہ) سے۔ ۱۲ پھر ہم ہی نے اس کو رکھا (ایک مدت تک) ایک بوند کی شکل میں ایک

مَّكِيْنٍ ۝۱۳ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا

محفوظ قرار گاہ میں۔ ۱۳ پھر اس نطفے کو ہم نے ایک لوتھڑا بنا دیا۔ پھر اس لوتھڑے کو

الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

ایک بوٹی بنا دیا۔ پھر اس بوٹی کی ہم نے ہڈیاں بنائیں۔ پھر ان ہڈیوں پر ہم نے گوشت چڑھا دیا ۱۵ پھر (ان سب تبدیلیوں کے بعد

لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

اس میں روح ڈال کر) ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا کھڑا کیا ۱۶ سو بڑا ہی برکت والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

۱۲ انسان کے لیے اپنے وجود میں غور و فکر کی دعوت: - کہ خود اس کے اپنے جسم و جان میں بڑے درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا مٹی کے سَت سے"۔ پھر ذرا غور کرو کہ کس پُر حکمت طریقے سے مٹی کا یہ سَت اور خلاصہ تیار کیا گیا جس سے انسان جیسی اشرف المخلوقات ہستی کو پیدا کیا گیا اور اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا۔ اور کیا سے کیا بنا دیا گیا۔ اور پھر تم لوگ خود سوچو کہ کیا حق بنتا ہے ہمارے اس خالق و مالک کا ہم پر جس نے اس طرح ہمیں وجود بخشا؟ اور کیا صورت ہو سکتی ہے اسکے حق کی ادائیگی کی؟ سو ایسے تمام سوالوں کا جواب دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی کے بغیر ملنا ممکن نہیں، پس عقل و نقل سب کا تقاضا ہے کہ دینِ حنیف کی ان تعلیماتِ مقدسہ کو دل و جان سے اپنایا جائے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں ان کو حرز جاں بنایا جائے۔ اور زندگی ان کی روشنی میں گزاری جائے۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید، وعلٰی ما یُحِبُّ ویرید،

۱۳ انسان کے مادۂ تخلیق کی حفاظت قرارِ مکین میں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "انسان کی تخلیق مٹی کے سَت سے نہایت پُر حکمت طریقے سے کی گئی۔ پھر ہم نے اسکو ایک بوند کی شکل میں ایک محفوظ قرار گاہ میں رکھا"۔ یعنی رحمِ مادر میں۔ جو کہ ایسی محفوظ قرار گاہ ہے کہ اسکی حفاظت سے متعلق انتظام پر غور کرنے سے انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور حضرتِ خالق - جل مجدہٗ - کی قدرت و عنایت کے عظیم الشان مظاہر سامنے آتے ہیں - سبحانہ، وتعالٰی - اور اسکو ان مختلف مراحل سے تدریج کے ساتھ گزار کر پیدا کیا تا کہ یہ خود اپنے بارے میں غور کر کے اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کر سکے - سو اسکو ایسا بنایا کہ اسکو اپنے وجود سے باہر کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہی نہ رہے۔ سو تم لوگ سوچو اور ذرا غور و فکر سے کام لو کہ کہاں مردہ پڑی ہوئی یہ مٹی اور کہاں اس سے نکالا جانے والا وہ سَت اور خلاصہ؟ اور کہاں مٹی کے اس جوہر سے وجود

میں آنے والی وہ بوند اور کہاں وہ قرار مکین۔ یعنی ایک محفوظ جائے قرار جس میں یہ بوند نہایت پر حکمت طریقے سے بڑھتی اور پروان چڑھتی ہے۔ اور اس طور پر کہ بالآخر وہ سقراط و بقراط اور ارسطو و جالینوس کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ آخر یہ کس قادر مطلق اور حکیم مطلق کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی کارستانی کا نتیجہ ہے؟ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک خالقِ کل اور مالکِ مطلق اور اسی کا حق ہے ہر قسم کی عبادت و بندگی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۱۵ ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا کرشمہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان مختلف مراحل سے گزارنے کے بعد "اس کے کچھ حصوں کی ہم نے ہڈیاں بنا دیں اور پھر ہم ہی نے اسکی ہڈیوں پر گوشت چڑھایا"۔ جو کہ ان خالی ہڈیوں کے لئے بمنزلہ لباس کے ہے۔ اور یہ قدرت و حکمتِ خداوندی کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو تم لوگ اے بنی نوعِ انسان ذرا سوچو تو سہی اور خود اپنے وجود ہی کے بارے میں غور کرلو کہ کہاں تمہارے پاؤں تلے روندی جانے والی یہ بے حس اور بیجان مٹی اور کہاں اس سے وجود میں آنے والا یہ انسان جو اپنی عقل و فکر اور اپنے دوسرے طرح طرح کے خصائص و امتیازات کی بناء پر اس ساری کائنات کا مخدوم و مطاع بنا ہوا ہے۔ سو سوچو تو سہی کہ کس قادرِ مطلق نے اس پر حکمت تدریج کے ساتھ اور ان مختلف مراحل سے گزار کر اسکو یہاں تک پہنچایا؟ اور کیا حق ہے اس کا اس انسان پر؟ سو سب کا خالق و مالک اور معبود و مسجود وہی ہے وحدہٗ لاشریک۔ اور اسکی ان بے پایاں عنایتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان سراپا شکر و سپاس بن کر دل و جان سے اسکے حضور جھک جائے۔ اور زندگی بھر صدقِ دل سے اسکے حضور جھکا رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۱۶ تخلیقِ انسانی کے مرحلہ تکمیل کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر اسکو ہم نے ایک اور ہی مخلوق بنا کر اٹھایا۔ جو کہ پہلے کے سب اَدوار و مراحل سے یکسر مختلف ہے کہ اس مرحلے میں یہ جماد لایعقل کی حدود سے نکل کر سمع و بصر اور عقل و بصیرت جیسی خوبیوں کا مالک انسان بن گیا۔ اور یہ سب کچھ اندھیر در اندھیر کے ایسے ماحول میں ہوتا ہے اور اس پر حکمت اور حیرت انگیز طریقے سے کہ جس ماں کے پیٹ کے اندر یہ سب کچھ ہو رہا ہوتا ہے خود اس کو بھی اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ فَسُبْحَانَہٗ مِنْ اِلٰہٍ قَادِرٍ قَیُّوْمٍ جَلَّ وَعَلَا۔ تو پھر اس خدائے مہربان کی یادِ دلشاد اور اسکی عبادت و بندگی سے غفلت و لاپرواہی برتنا اور اعراض و روگردانی کتنی بڑی بے انصافی ہے اور اس سے بڑھ کر اس کے حقِ عبادت و بندگی میں دوسروں کو شریک و سہیم ماننا کس قدر ظلم ہے۔ نیز یہ بھی سوچو کہ جس خداوندِ قدوس نے تم لوگوں کو اس قدر پر حکمت طریقے سے وجود بخشا ہے کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ تم کو اسی طرح عبث اور بیکار چھوڑ دے؟ اور آخر کار تم سے تمہارے کیے کرائے کا کوئی حساب نہ لے؟ نیز جس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے یہ مظاہر تم لوگ خود اپنے وجود کے اندر دیکھتے ہو اسکے بارے میں یہ کہنا اور سوچنا کس قدر ظلم اور بے انصافی کی بات ہے کہ وہ تم کو مر مٹ جانے کے بعد دوبارہ نہیں پیدا کرسکتا۔ سو اس طرح انسانی وجود کے اندر سوچنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید و وحدانیت، اسکی قدرت و حکمت، بعث بعد الموت اور قیامِ قیامت وغیرہ جیسے تمام بنیادی عقائد کے لیے دلائل موجود ہیں مگر ان ہی لوگوں کے لیے جو صحیح طور پر غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحبّ ویرید، وعلٰی ما یحبّ ویرید،

الْخٰلِقِيْنَ ﴿١٤﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

پھر اس کے بعد تم سب کو (اے لوگو!) بہرحال مرنا ہے ف۱۷ پھر تم سب کو قیامت کے روز یقیناً دوبارہ (زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا ف۱۸ اور

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ

بلاشبہ ہم ہی نے بنائے تمہارے اوپر (اے لوگو!) سات عظیم الشان راستے ف۱۹ اور ہم غافل (و بے خبر) نہیں تھے اپنی مخلوق (اور اس کی

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿١٧﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

ضروریات اور مصلحتوں) سے ف۲۰ اور ہم ہی نے آسمان سے پانی اتارا ایک خاص اندازے کے ساتھ ف۲۱ پھر ہم ہی نے اس کو ٹھہرا دیا زمین

۱۷ زندگی کے بعد موت کا آنا ایک طبعی تقاضا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر اسکے بعد تم سب نے بہرحال موت کے گھاٹ اترنا ہے"۔ سو زندگی کے بعد موت ایک طبعی تقاضا ہے جس نے بہرحال اس پر مرتب ہونا ہے اور ہر کسی نے مرنا ہے۔ اور جس طرح تمہاری پیدائش تمہاری چاہت اور مرضی کے بغیر ہوئی اسی طرح تمہاری موت بھی تمہاری خواہش اور مرضی کے بغیر ہوگی۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے اس نے موت کا مزہ بہرحال چکھنا ہے۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ - الآیۃ (آلِ عمران: ۱۸۵)۔ سو یہ زندگی عارضی و فانی ہے جو دراصل ابتلاء و آزمائش اور آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے کمائی اور تیاری کیلئے بخشی گئی ہے۔ اور زندگی کی اس عارضی فرصت میں انسان کے کیے کرائے کی بنیاد پر ہی آخرت کی اس ابدی زندگی کا فیصلہ ہونا ہے۔ جن لوگوں نے ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز ہو کر عملِ صالح کی پونجی جمع کی ہوگی وہ وہاں پر جنت کی نعیمِ مقیم سے سرفراز ہونگے اور ابدی آرام و راحت میں رہیں گے۔ اور جو اسکے برعکس باغیانہ اور سرکشانہ راہ پر چلے ہونگے اور انہوں نے آخرت کی اس زندگی کیلئے تیاری نہیں کی ہوگی وہ دوزخ کے عذابِ الیم میں مبتلا ہونگے - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف زندگی کے مذکورہ بالا مراحل کو ذکر کرنے کے بعد موت کے اس آخری مرحلے کو بطورِ نتیجہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان مراحل کے بعد بالآخر تم سب نے بہرحال مرنا ہے جس سے کسی کے لیے کوئی مفر نہیں۔ اور اسطرح اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر تم نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔

۱۸ بعث بعد الموت کی تذکیر و یاد دہانی: سو ارشاد فرمایا گیا "پھر تم سب کو قیامت کے روز یقیناً اٹھایا جائے گا"۔ تا کہ تم اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا بھرپور صلہ و بدلہ پا سکو۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہوسکیں۔ سو جو قادرِ مطلق تمہیں عدمِ محض سے اس طرح وجود میں لے آیا اس کے لئے تمہارا دوبارہ پیدا کر دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ - سبحانہ، وتعالیٰ - سو جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ بڑے ہی دھوکے اور خسارے میں ہیں - والعیاذ باللہ - حالانکہ قدرت کی کارستانی کے یہ مختلف مراحل اسکے سامنے ہیں اور خود انکی اپنی زندگیوں کے اندر موجود ہیں۔ مگر غفلت کے مارے اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ سو انسان کے

قلب و ضمیر پر دستک کے طور پر اسکو بعث بعد الموت کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی تاکہ وہ غفلت کے پردوں سے چونک کر اٹھے۔اور اپنے انجام کیلئے فکر و کوشش کرے۔قبل اس سے کہ حیات مستعار کی فرصت محدود اسکے ہاتھ سے نکل جائے۔اور اسکو ہمیشہ ہمیش کے خسارے میں مبتلا ہونا پڑے۔جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے۔والعیاذ باللہ جل وعلا

۱۹ دلائل سماویہ کی طرف توجہ: سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم ہی نے بنائے تمہارے اوپر سات عظیم الشان آسمان"۔جن کو ایک دوسرے کے اوپر ہونے کی وجہ سے ﴿ طرائق ﴾ سے تعبیر فرمایا گیا۔نیز اس لئے کہ ان میں فرشتوں کے چلنے کے راستے ہیں۔اور ستاروں سیاروں کی گزرگاہیں ہیں۔(جامع البیان، قرطبی، کبیر، صفوة البیان، المراغی وغیرہ)۔چنانچہ جب کوئی ایک کپڑے پر دوسرا کپڑا پہنتا ہے تو عرب کہتے ہیں " طارق بین الثوبین" اس لیے اس سے مراد سات آسمان ہیں جو ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہیں۔سو یہ ارشاد ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴾ (نوح:۱۵) (المراغی، المعارف وغیرہ)۔نیز آسمانوں کے لیے ﴿ طرائق ﴾ کے اس لفظ کے استعمال میں انکی رنگا رنگی اور بوقلمونی کی طرف بھی اشارہ ہے۔کیونکہ ﴿طرائق﴾ جمع ہے " طريقه" کی۔اور " طريقه" کے معروف معنیٰ تو راستہ ہی کے آتے ہیں لیکن "طرائق" "اسرة" کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔جس کے معنی دھاریوں کے ہیں۔اور یہاں پر صفت سے موصوف مراد لیا گیا ہے۔جو کہ عربی زبان و ادب کا ایک معروف اسلوب ہے۔سو اس سے مراد ہیں دھاریوں والے سات آسمان۔پس اس سے آسمان کی رنگا رنگی اور بوقلمونی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور اس بارش کی طرف بھی جس کا ذکر آگے خاص اہتمام سے فرمایا جارہا ہے۔تاکہ انسان اس میں غور و فکر سے کام لے کر راہ حق و صواب کو اپنائے۔وباللہ التوفیق لما یحبُّ و یرید،

۲۰ اللہ اپنی مخلوق سے بے خبر نہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں"۔اس لئے ہم نہایت پر حکمت طریقے سے ان کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور ان کی گوناگوں ضرورتوں کی تکمیل کا سامان بھی۔اور ہر ایک کی طبیعت و فطرت کے عین مطابق اس کا انتظام بھی کرتے ہیں۔سو کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اپنی اس مخلوق کو پیدا کر کے اسکے خیر و شر سے بیگانہ اور لاتعلق ہو گئے ہیں۔نہیں اور ہرگز نہیں۔ہم اس پر برابر نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور ہماری نگاہِ عنایت ہی سے اس کا وجود قائم ہے۔اور ہم نہایت اہتمام کے ساتھ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ایسا نہیں کہ ہم اپنی مخلوق کو پیدا کر کے اس کے حالات اور ضروریات سے غافل و بے خبر ہو گئے۔سو جنہوں نے ایسا سوچا اور کیا وہ راہِ حق و ہدایت سے بھٹک کر ہلاکت و تباہی کے کھڈے میں جا گرے ہیں۔والعیاذ باللہ العظیم۔اللہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۲۱ نعمتِ تخلیق کے بعد نعمت تربیت کا ذکر و بیان: سو اوپر کی آیاتِ کریمات میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کے بیان کے بعد اب اس کے سامانِ معیشت و تربیت کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے آسمان سے پانی اتارا ایک خاص اندازے کے ساتھ"۔تاکہ اس سے مخلوق کی طرح طرح کی ضرورتوں کی تکمیل ہو سکے۔اور اس اندازے اور مقدار سے کہ نہ تو پانی کا یہ جوہرِ حیات اتنا کم ہو کہ ان کی ضرورتوں کی تکمیل نہ ہو سکے اور نہ اتنا زیادہ کہ طوفانِ نوح بن کر ان کو غرق کر دے۔والعیاذ باللہ۔(صفوة البیان وغیرہ)۔سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی مخلوق کی ضرورتوں کی تکمیل کا کس کس طرح انتظام کرتے ہیں۔پھر بھی غفلت و لاپرواہی؟۔والعیاذ باللہ۔اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔آمین

بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ

میں ۲۲ (اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے۔) اور بلاشبہ ہم (جب چاہیں اور جیسے چاہیں) اس کو لے جانے پر بھی پوری قدرت رکھتے

لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ

ہیں ۲۴ پھر ہم ہی نے اس کے ذریعے اُگائے تمہارے لئے طرح طرح کے ۲۵ باغ کھجوروں، انگوروں (وغیرہ قسما قسم پھلوں) کے۔

اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ

جن میں تمہارے لئے طرح طرح کے لذیذ پھل بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور انہی سے تم لوگ کھاتے (اور اپنی روزی بھی حاصل

شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ

کرتے) ہو ۲۵ اور (زیتون کا) ایک ایسا عظیم الشان درخت بھی ہم ہی نے پیدا کیا جو کہ سینا پہاڑ کے آس پاس (خاص طور پر اور

۲۲ **پانی کے سٹور ہج کی نعمت کا ذکر و بیان:**۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرت خالق جل مجدہٗ نے پانی کو نہایت پر حکمت طریقے سے اتارنے کے بعد اس کو نہایت پر حکمت طریقے سے محفوظ کرنے کا بھی انتظام کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم نے ٹھہرا دیا اس پانی کو زمین میں''۔ ندیوں، نالوں، چشموں اور سوتوں، برفانی ذخیروں وغیرہ کی صورت میں۔ تاکہ تم لوگ اس سے طرح طرح کے فائدے اٹھا سکو۔ ورنہ تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم اس کو اس طرح محفوظ کر سکو۔ پس سوچو کہ کس قدر مہربان اور کیسا قادرِ مطلق ہے تمہارا رب جس نے تمہارے لیے پانی کے اس مابہ الحیاۃ کا اس قدر پر حکمت اور حیرت انگیز طریقے سے انتظام کیا۔ اور کس قدر ظالم اور بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس سے منہ موڑتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۳ **پانی کی حفاظت کا انتظام قدرت کا ایک عظیم الشان انعام و احسان:**۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پانی کی حفاظت و بقاء قدرت کا ایک اور عظیم الشان انعام و احسان ہے۔ جس سے اس نے اپنی گوناگوں مخلوق، اور خاص کر مخدوم کائنات اس انسان کو نوازا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو پانی کو اس طرح غائب کر دیتا کہ اس کی ایک بوند بھی زمین پر باقی نہ رہتی۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور یقیناً ہم اسکے لے جانے پر بھی قادر ہیں''۔ اور اگر ہم پانی کے اس مابہ الحیاۃ عنصر کو لے جائیں تو خود تمہاری اور تمہارے جانوروں کی اور دوسرے تمام جانداروں کی زندگیاں گل ہو جائیں کہ ان سب کی زندگی کا مدار و انحصار پانی ہی پر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾۔ (الانبیاء: ۳۰)۔ مگر ہم محض اپنی رحمتِ بے پایاں اور عنایتِ بیکراں کی بناء پر ایسا نہیں کرتے۔ تاکہ تم لوگ زندگی کی نعمت اور اس کی لذتوں سے محروم نہ ہو جاؤ۔ سو کتنا مہربان اور کس قدر ستار و کریم، رحمٰن و رحیم اور منعم و وہاب ہے وہ رب جلیل۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور کتنا ناشکرا اور ظالم و بے انصاف ہے یہ انسان جو کہ اس وحدہٗ لاشریک سے منہ موڑ کر اوروں کے آگے جھکتا اور اپنی تذلیل و

رسوائی کا سامان کرتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اسکے کرمِ بے پایاں، رحمتِ بے نہایت اور عنایتِ بے غایت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان سراپا شکر و سپاس بن کر دل و جان سے اس مالکِ مطلق کے حضور جھک جائے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید -

۲۴ انسان کے لیے اسبابِ معیشت کے انتظام کا ذکر و بیان: - سو اس سے پانی کے ذریعے طرح طرح کے باغات اور قسما قسم کی پیداواریں اگانے کے قدرت کے ایک اور عظیم الشان کرم و احسان کا ذکر فرمایا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر ہم ہی نے اس کے ذریعے تمہارے لیے طرح طرح کے عظیم الشان باغات اگائے''۔ پس پانی کے اس حیات بخش عنصر سے یہ نعمتیں از خود پیدا نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ اس کے باوجود یہ تمام چیزیں اپنے وجود و ظہور میں اسی قادرِ مطلق رحمٰن و رحیم کی توجہ و عنایت کی محتاج ہوتی ہیں۔ اور وہی ان کو اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے پیدا فرماتا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - سو اس قادرِ مطلق ربِ رحمٰن نے تمہارے لیے صرف رہنے کے سامان ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ اس کیلئے تو صرف روٹی ہی کافی تھی، بلکہ اس نے تمہارے لیے لذت کام و دہن کے لیے طرح طرح کے فوائد و منافع اور قسما قسم کی لذتوں والے بے شمار پھلوں، پھولوں وغیرہ کا بھی انتظام فرمایا۔ سو اس نے اپنے بندوں کے لیے بے حد و حساب باغات بھی پیدا فرمائے جن میں کرم بالائے کرم کی نت نئی اور طرح طرح کی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ سو اس ربِ رحمٰن و رحیم اور وہّاب و کریم سے منہ موڑنا اور اس کے حقِ شکر سے غفلت و لا پرواہی برتنا کس قدر ظلم اور کتنی بڑی بے انصافی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللّٰھم فھٰذہ نواصینا بین یدیک فخذ نا بھا الی ما فیہ حبک والرضا بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یا ذا الجلال والاکرام - یا من بیدہ ملکوت کل شیءٍ وھو یجیر ولا یجار علیہ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۲۵ انسان کی خوراک کے انتظام کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور انہی سے تم لوگ کھاتے بھی ہو۔ اپنی ضرورت اور طبیعت کے مطابق۔ نیز انہی کو بیچ کر اور ان کی تجارت کے ذریعے تم لوگ اپنی روزی کا سامان بھی کرتے ہو۔ سو ان چیزوں میں تمہارے لئے فائدے ہی فائدے اور منافع ہی منافع ہیں۔ پھر بھی اس واہبِ مطلق اور منعمِ حقیقی سے اِعراض و روگردانی؟ کس قدر ناشکری اور کتنی احسان فراموشی ہے یہ؟ جس کا ارتکاب منکر اور باغی انسان کرتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - پھر بھی اسکی طرف سے چھوٹ ملنا اور مہلت پر مہلت اور ڈھیل پر ڈھیل دیئے جانا کس قدر کرم و احسان ہے اس رب ذو الجلال کا۔ اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہو سکتی ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - بہرکیف اس نے تمہارے لیے طرح طرح کے سامانہائے زیست اور اسبابِ معیشت پیدا فرمائے اور صرف زندہ رہنے ہی کا سامان نہیں کیا بلکہ تمہارے کام و دہن کی لذت و ضیافت کا اہتمام و انتظام بھی فرمایا۔ تمہارے جینے کے لیے صرف روٹی ہی کا انتظام نہیں فرمایا بلکہ سفرۂ ارضی کے اس عظیم الشان دسترخوان پر قسما قسم کے میوے اور پھل بھی چن دیے اور بے حد و حساب تعداد و مقدار میں چن دیے اور نہایت پر حکمت طریقے سے چن دیے - سو یہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کا کرم و احسان ہے۔ اور بلا شرکت غیرے اسی کا کرم و احسان ہے پس ہر قسم کے شکر کا حقدار بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے سبحانہ، وتعالیٰ، فلہ الحمد ولہ الشکر۔

لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا

بکثرت) اگتا ہے کھانے والوں کے لئے تیل اور سالن لے کر ۲۶ اور بلاشبہ تمہارے لئے ان مویشیوں ۲۷ میں بھی بڑا سامانِ عبرت ہے

فِىۡ بُطُوۡنِهَا وَلَـكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا

ہم تمہیں اس میں سے جو کہ ان پیٹوں میں ہے (دودھ جیسا لذیذ اور مفید مشروب) پلاتے ہیں ۲۸ اور تمہارے لئے ان میں اور بھی طرح طرح کے

تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡـفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَلَـقَدۡ ع ۲

بکثرت فائدے ہیں ۲۹ اور انہی میں سے تم لوگ کھاتے بھی ہو اور ان پر اور ان کشتیوں پر تم لوگ لدے پھرتے بھی ہو ۳۰ اور بلاشبہ ہم ہی نے (اس

۲۶ ایک عظیم الشان سالن کی نعمت و عنایت کا ذکر و بیان: ۔سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ قدرت نے اپنے بندوں کے لیے ایک عظیم الشان سالن کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ یعنی ﴿صبغ﴾ سے یہاں پر مراد سالن ہے۔ کیونکہ اس میں لقمہ ڈبونے سے رنگ دار ہو جاتا ہے۔ (روح، ابن کثیر، معالم، خازن، صفوۃ وغیرہ)۔ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ زیتون کا تیل کھایا بھی کرو اور لگایا بھی کرو کہ یہ ایک بابرکت درخت سے حاصل ہوتا ہے۔ (مسند احمدؒ وغیرہ)۔ سو زیتون کے شجرۂ مبارکہ سے حاصل ہونے والا روغن ایک عظیم الشان سالن تھا اور ہے۔ جو قدرت نے اپنی فیاضیوں سے اپنے بندوں کے طرح طرح کے فوائد اور منافع کیلئے پیدا فرمایا۔ جو مکھن کی طرح لذیذ اور مقوی ہونے کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے دوسرے عظیم الشان فوائد و منافع بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ جو عربوں کے یہاں ایک بڑی مقبول اور مرغوب غذا تھی اور آج تک ہے۔ اور جسکو اہلِ کتاب کے یہاں تو ایک خالص مذہبی تقدس بھی حاصل تھا۔ سو ذرا سوچو کہ وہ کون ہے جس نے روغنِ زیتون کے اس عظیم الشان سالن کو پیدا فرما کر تمہاری دسترس میں کر دیا۔ اور اس کا تم پر کیا حق واجب ہوتا ہے؟ اور کیا حق بنتا ہے اس واہبِ مطلق کا تم پر؟ ۔سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور یہ کہ اس سے اعراض و روگردانی کتنا بڑا اور کس قدر سنگین جرم ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۲۷ مویشیوں کے اندر موجود سامانِ عبرت میں دعوتِ غور و فکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا "اور تمہارے لیے۔ اے لوگو! ۔تمہارے ان مویشیوں میں بھی بڑا سامانِ عبرت و بصیرت ہے"۔ جو تمہارے سامنے رہتے، تمہیں طرح طرح سے کام آتے اور تم ان سے قسما قسم کے فائدے اٹھاتے ہو۔ مگر تم لوگ اس بارے میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے تاکہ اس سے تمہیں حق اور حقیقت کی ہدایت و راہنمائی بھی نصیب ہو سکے جو کہ ان تمام مادی فوائد سے کہیں بڑھ کر عظیم دولت ہے۔ "عبرۃ" کی تنوین و تنکیر تعظیم و تفخیم کے لیے ہے۔ مطلب یہ کہ اوپر آسمان و زمین کی جو چیزیں ذکر کی گئی ہیں ان کے اندر جو درسہائے عبرت و بصیرت پائے جاتے ہیں وہ تو ہیں ہی۔ لیکن تمہارے لیے تمہارے ان چوپایوں کے اندر بھی عظیم الشان درسہائے عبرت ہیں جو تمہارے گھروں میں بندھے اور تمہارے سامنے چلتے پھرتے ہیں۔ اگر تم ان کے اندر غور و فکر سے کام لو۔ لیکن مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ تم لوگ صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لیتے ہی نہیں ہو۔ اور اس بنا پر تم ان درسہائے عبرت و بصیرت سے محروم رہتے ہو سو غفلت و لاپرواہی محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ

میں رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۸ دودھ جیسے عظیم الشان مشروب میں دعوتِ غور وفکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم تم لوگوں کو اس میں سے جو کہ ان کے پیٹوں میں ہے۔ دودھ جیسا عظیم الشان مشروب۔ پلاتے ہیں"۔ یعنی وہی غذا جو ان کے پیٹوں کے اندر جاتی ہے۔ اس سے خون بھی بنتا ہے اور فضلہ بھی۔ جو کہ دونوں ناپاک ہیں۔ مگر اسی غذا کے کچھ اجزاء سے تمہارے لئے دودھ جیسی ایسی لذیذ، مفید اور عمدہ غذا کا حصول بھی ہوتا ہے جس میں ان دونوں ناپاکیوں میں سے کسی کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا۔ آخر یہ کس کی قدرت وصنعت کا ثمرہ اور کس کی بے پایاں رحمت وعنایت کا پھل اور نتیجہ ہے؟ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک جو کہ تمہارا خالق و مالکِ حقیقی اور ہر طرح کی عبادت کا مستحق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور جب اسکی ان عنایات میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں آخر کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ پس عبادت وبندگی کی ہر قسم اور اس کی شکل وصورت اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس میں کسی اور کو شریک کرنا ظلم ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم

۲۹ چوپایوں کے اندر انسان کے لیے عظیم الشان فوائد ومنافع کا ذکروبیان: ۔ سو اس ارشاد سے چوپایوں میں پائے جانے والے عظیم الشان منافع وفوائد میں دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور تمہارے لیے ان کے اندر اور بھی طرح طرح کے بکثرت فوائد ومنافع ہیں"۔ کہ تم ان کے دودھ سے قسماقسم کی چیزیں بناتے، ان کی اونوں اور بالوں سے طرح طرح کے منافع حاصل کرتے اور ان پر اَنواع واَقسام کے سامان لاتے، لے جاتے ہو، ان کے گوشتوں اور ان کے چمڑوں اور کھالوں سے تم لوگ طرح طرح کے کاروبار کرتے اور منافع کماتے ہو۔ اور یہ بولتے تک نہیں۔ تو کبھی تم نے سوچا بھی کہ وہ کون ہے جس نے ایسے عظیم الجثہ اور طاقتور جانوروں کو تمہارے لئے اس طرح مسخر کردیا؟ سو وہی ہے اللہ جل جلالہ، وعم نوالہ۔ سو اس کے ان طرح طرح کے انعامات اور احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ صدقِ دل سے اسکے حضور جھک جاؤ اور ہمیشہ جھکے ہی رہو۔ کہ یہ اس کا تم لوگوں پر حق بھی ہے۔ اور اسی میں تمہارا بھلا اور فائدہ بھی۔ دنیا وآخرت کے دونوں جہانوں میں۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید، وعلیٰ ما یحبُّ ویرید، بکل حال من الاحوال

۳۰ ذرائع حمل ونقل میں غور وفکر کی دعوت: ۔ سو اس سے سواری اور بوجھ برداری کے ذرائع ووسائل میں دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور ان پر اور ان طرح طرح کی کشتیوں اور بحری جہازوں پر تم لوگ لدے لدے پھرتے ہو"۔ اور اس طرح تم دور ونزدیک کی مختلف مسافتیں طے کرتے اور طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔ اور ان سواریوں کے ذریعے تم لوگ وہاں وہاں پہنچتے ہو جہاں انکے بغیر پہنچنا تمہارے بس میں نہیں ہوتا، بجز جان توڑ مشقت کے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ‌ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ ۔ (النحل: ۷)۔ سو اس سب میں کس قدر عظیم الشان دلائل ہیں اس وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ بے پایاں، رحمتِ بے نہایت اور عنایتِ بے غایت کے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ پھر بھی اس کے حقِ معرفت وعبودیت سے غفلت برتنا اور اس سے منہ موڑنا کس قدر ظلم وبے انصافی ہے۔ وَالۡعَیَاذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شَآئِبَةِ كُلِّ ظُلۡمٍ وَّ كُفۡرٍ وَّزَيۡغٍ وَّانۡحِرَافٍ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے شکر سے سرشار رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ اور انہی پر ان جدید ذرائع حمل ونقل کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو انسان نے بنائے ہیں۔ یعنی گاڑیاں، ٹرینیں، ٹرک، بسیں، اور بحری وہوائی جہاز وغیرہ کہ ان کیلئے درکار عقل وسمجھ وغیرہ۔ نیز ان میں کام آنے والا خام مال جیسے لکڑی لوہا وغیرہ انسان کو اس قادرِ مطلق ہی نے بخشا ہے۔ فلہ الحمد ولہ الشکر جل وعلا

اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا

سے پہلے) بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ اے میری قوم کے لوگو تم سب اللہ ہی کی بندگی کرو کہ

لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ

اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ ؂۳۱ اس پر آپ کی قوم کے وہ سردار جو کفر پر کمر بستہ ہو چکے تھے، کہنے لگے کہ

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ

یہ شخص تو تم ہی جیسا ایک انسان ہے ؂۳۲ جو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر اللہ کو (کوئی رسول بھیجنا) منظور ہوتا تو وہ ضرور (آسمان

اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا

سے کوئی نوری) فرشتے بھیج دیتا ؂۳۳ یہ بات تو ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی (کہ کوئی بشر بھی پیغمبر بن کر آ سکتا ہے)

سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ

(اس لئے) اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جسے کچھ جنون ہو گیا ہے ؂۳۴ پس تم لوگ اس کے بارے میں (صبر و) انتظار سے کام

۳۱ حضرتِ نوح کی اپنی قوم کو تنبیہ وتذکیر: سو حضرتِ نوح نے اپنی قوم سے فرمایا کہ "تم لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟" اپنے اس خالق ومالک کی گرفت اور پکڑ سے جس کی پیدا کردہ اس کائنات میں تم لوگ رہتے بستے، اس کی ان طرح طرح کی اور عظیم الشان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے اور اس کی بغاوت وسرکشی پر کمر بستہ ہوتے ہو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہاں سے تاریخی شواہد کا ذکر و بیان شروع ہوتا ہے اور حضراتِ انبیاء ورسل کی تاریخ کا آغاز بالعموم حضرتِ نوح کے ذکر ہی سے ہوتا ہے۔ اور اس میں بنیادی طور پر اس امر کیلئے تنبیہ وتذکیر ہے کہ حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ نے جس طرح انسانوں کی جسمانی اور مادی ضروریات کی تکمیل کیلئے طرح طرح کے سامانہائے زیست کا انتظام فرمایا اسی طرح اس نے حضراتِ انبیاء ورسل کی بعثت کے ذریعے ان کی باطنی اور معنوی ضروریات کی تکمیل کا سامان بھی فرمایا۔ اور ہمیشہ اور بھرپور طریقے سے فرمایا۔ پھر جن لوگوں نے انکی تکذیب کی ان کو ایک عرصہ تک تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت اور ڈھیل ملی۔ لیکن بالآخر وہ ہلاکت وتباہی کے ہولناک گڑھے میں جا گرے۔ اور جنہوں نے انکی تصدیق کی اور وہ ان پر ایمان لائے وہی بچ سکے۔ سو نجات ایمان میں ہے اور کفر میں ہلاکت۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق ونجات پر قائم اور ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

۳۲ منکرین کا بشریت پیغمبر کی بناء پر دعوتِ حق کا انکار: سو اس سے قومِ نوح کے سرداروں کا آنجناب کی بشریت کی بناء پر دعوتِ حق کے انکار کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو حضرتِ نوح کی اس دعوتِ حق کے جواب میں قومِ نوح کے سرداروں نے کہا کہ "یہ شخص تو تم ہی لوگوں جیسا ایک بشر۔ اور انسان۔ ہے"۔ تو پھر یہ نبی اور رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور یہی غلط فہمی لوگوں کو کل بھی رہی اور یہی آج بھی بہت سے لوگوں کو ہے۔ کہ وہ نبوت اور بشریت میں منافاۃ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں وصف یکجا نہیں ہو سکتے۔ پس تو فرق صرف یہ ہے کہ کل کے ان کھلے منکروں نے اس غلط فہمی کی بناء پر حضراتِ انبیائے کرام کی نبوت ورسالت کا

انکار کردیا تھا اور آج کے کچھ جاہلوں کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ حضرات نبی و رسول تھے لہٰذا ان کو بشر اور انسان ماننا ان کی توہین ہے
-والعیاذ باللہ- حالانکہ حضرات انبیائے کرام بیک وقت نبی و رسول بھی ہوتے ہیں اور بشر و انسان بھی۔ اور یہ حضرات ہمیشہ اپنے
بارے میں یہی کہتے اور حصر و تاکید کے ساتھ خود فرماتے رہے- ﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِہٖ﴾- الاٰیۃ (ابراہیم:۱۱) ''واقعی ہم بشر ہیں تم ہی جیسے لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے''۔
یعنی ہم اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے تم ہی جیسے انسان اور بشر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں میں سے
جن کو چاہتا ہے نبوت و رسالت کے شرف سے نواز کر ان کو سب سے اونچا مقام عطا فرما دیتا ہے۔ اسی لئے کلمۂ شہادت میں ''عبدہٗ و
رسولہٗ'' کے کلماتِ کریمہ سے ان دونوں چیزوں کو باہم جمع کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ مگر پتہ نہیں کہ اس سب کے باوجود
اہلِ بدعت کو یہ صاف اور واضح حقیقت کیوں سمجھ نہیں آتی؟ اور ایسے لوگ حضرات انبیائے کرام کی بشریت طاہرہ کا کیوں انکار کیے
جا رہے ہیں اور اس حد تک کہ اس کیلئے وہ نصوصِ صریحہ تک میں تحریف کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال
میں راہ حق و ہدایت پر مستقیم و ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین، ویا اکرم الاکرمین

۳۳ منکرین کا بشریتِ پیغمبر کی بنا پر حق کا انکار:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ منکرین نے حضرت نوح کی بشریت کی بنا پر حق کا
انکار کرتے ہوئے ان لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو- اس کام کیلئے- فرشتے اتار دیتا۔ جو ہمیں اس کا پیغام پہنچاتے۔ یہ کیا کہ ہم
ہی جیسے ایک شخص کو اپنا رسول چن لیا۔ سو ایسے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہم تمہیں اللہ کا رسول ماننے کو تیار نہیں۔ یعنی اول تو ہمارے لیے کسی
رسول وغیرہ کے بھیجنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اِصلاحِ احوال کیلئے ہم خود ہی کافی ہیں۔ اور اگر اللہ کو کوئی رسول وغیرہ بھیجنا بھی تھا تو
اس کیلئے آسمان سے کوئی فرشتے اتار دیتا جو نہ کچھ کھاتے نہ پیتے نوری مخلوق ہوتے۔ یہ کیا کہ ہم ہی جیسے ایک شخص کو ہمارے لیے
رسول بنا کر بھیج دیا۔ سو ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ صاحب دراصل ہمارے اوپر اپنی بڑائی اور سرداری قائم کرنے کیلئے اس طرح کا دعویٰ
کرتے ہیں۔ سو اس سے ایک تو اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ حضراتِ انبیاء و رسل کی تکذیب اور ان کی مخالفت ان کی قوموں
کے سرداروں اور کھڑپنچوں ہی نے کی۔ ایک تو اپنے کبر و غرور اور انانیت کی بنا پر اور دوسرے انہوں نے اس کو اپنی جھوٹی سرداری اور
کھڑپنچی کے خلاف خطرہ سمجھا کہ ان کی مبنی برحق دعوت سلیم الفطرت لوگوں کے دل و دماغ کو اپیل کرے گی۔ اس لیے ان بدبختوں
نے سب سے پہلے حضرات انبیائے کرام کی نیتوں پر حملہ کیا کہ یہ لوگ اس طرح اپنی بڑائی اور سرداری چاہتے ہیں۔ اور دوسری
طرف انہوں نے عام لوگوں کو ان کے خلاف اکسانے کی کوشش کی کہ اس طرح تم لوگوں پر اپنی بڑائی مسلّط کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ
قوم نوح کے ان سرداروں اور کھڑپنچوں کے جواب ہی سے یہی ظاہر ہوتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۳۴ پیغمبر کی پاکیزہ ہستی پر جنون کا الزام۔ والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے کہا کہ اس شخص کو کچھ جنون
ہوگیا- والعیاذ باللہ- جس کے باعث یہ شخص عقل میں نہ آنے والی ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے- والعیاذ باللہ- سو ان لیڈروں نے
اپنی قوم کو اس مغالطے میں ڈالنے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ شخص جو دعویٰ کرتا ہے کہ اسکے پاس خدا کا فرشتہ آتا ہے تو تم
لوگ اسکے اس دعوے کو کوئی اہمیت نہ دینا اور اسکے رعب میں نہ آنا۔ یہ محض ایک قسم کا دماغی خلل ہے جو اس شخص کو لاحق ہوگیا ہے
جس کی بناء پر یہ ایسے دعوے کرتا ہے اور اس کو آسمانی وحی سمجھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس سے ان ظالموں کے ظلم کا اندازہ کیا جا سکتا
ہے کہ اللہ کے رسول اور پاکیزہ ہستی پر وہ اس طرح کا الزام لگاتے ہیں۔ سو جب انسان عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر حق کا انکار کر دیتا
ہے تو اس کی مت اسی طرح ماری جاتی ہے اور وہ اندھا اور اوندھا ہو کر ہلاکت و تباہی کے ایسے ہی ہولناک گڑھے میں جا گرتا
ہے- والعیاذ باللہ- نیز جب اللہ کے پیغمبر بھی ایسے ظالموں کے طعن و تشنیع سے نہیں بچ سکے تو پھر اور کون بچ سکے گا- والعیاذ باللہ-

بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

لو ایک وقت تک ٣٥ نوح نے (ان سے مایوس ہو جانے کے بعد) عرض کیا اے میرے رب، ان لوگوں نے جو مجھے جھٹلایا ہے تو اس پر تو

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٢٦﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ

ہی میری نصرت فرما ٣٦ اس پر ہم نے نوح کو وحی کے ذریعے بتایا کہ تم ایک کشتی بناؤ ہماری نگرانی میں۔ اور ہماری وحی

بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ

(وہدایت) کے مطابق۔ پھر جب آپہنچے ہمارا حکم اور ابل پڑے فلاں تنور تو تم سوار ہو جانا اس کشتی میں، ہر قسم کے جانوروں میں سے

فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ

ایک ایک جوڑا لے کر۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ لے لینا بجز ان کے جن کے (غرق ہونے کے) بارے میں ہمارا فیصلہ

عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ

پہلے ہی طے ہو چکا ہے ٣٧ اور (خبردار) مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں بات نہیں کرنا جو اڑے رہے اپنے ظلم پر کہ انہوں نے

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ

اب بہرحال غرق ہو کر رہنا ہے۔ پھر جب کشتی میں بیٹھ جاؤ تم بھی اور وہ سب بھی جو (عقیدہ وایمان کے اعتبار سے) تمہارے

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ

ساتھ ہیں، تو یوں کہو کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں نجات دی ان

٣٥ قوم نوح کے منکر سرداروں کا اپنی قوم کو مشورہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان بدبختوں نے اپنی قوم کو صبر کا مشورہ دیتے ہوئے ان سے کہا کہ چونکہ اس شخص کو کچھ جنون ہو گیا ہے اس لیے تم اسکے بارے میں صبر اور انتظار سے کام لو ایک وقت تک۔ شاید کہ اس کا جنون اب ختم ہو جائے۔ اور یہ ایسی باتوں سے باز آ جائے۔ یا پھر موت آ کر اس کا قصہ تمام کر دے۔ والعیاذ باللہ۔ اسکی باتوں کی تم کوئی پرواہ نہیں کرنا۔ اور جس بڑے اور دردناک عذاب سے یہ شخص تمہیں ڈرا رہا ہے اس کا تم کوئی اندیشہ نہیں کرنا کہ سب ایسی ہی بے بنیاد اور ہوائی باتیں ہیں جو ہوا میں اڑ کر ختم ہو جائیں گی۔ اور اسی قسم کی بات کفار قریش نے آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے متعلق بھی کہی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے فرمایا گیا ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ (الطور: ٣٠) ''کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں یہ شخص ایک شاعر ہے جس کے لیے ہم گردش روزگار

کے منتظر ہیں"۔ ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۳۶ نوحؑ کی دعا اپنے رب کے حضور: ۔ سو ان متکبروں کے مقابلے میں حضرتِ نوح نے اپنے رب کے حضور نصرت وامداد کی دعا کی۔ یعنی جب وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی ہی پر اڑے رہے تو آخر کار حضرتِ نوح نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ "اے میرے رب میری مدد فرما"۔ کہ تو ہی ہے سب کی مدد فرمانے والا ہے۔ سو جب نوحؑ جیسے عظیم الشان پیغمبر بھی اپنی حاجتوں اور مشکلوں میں اسی وحدہٗ لاشریک کو پکارتے اور اسی کے محتاج ہیں تو پھر اور کون سی ہستی ایسی ہو سکتی ہے جسے حاجت روا و مشکل کشا مانا جائے؟۔ سو غلط کہتے اور کرتے ہیں وہ لوگ جو مردہ ہستیوں کو حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر پوجتے پکارتے اور ان سے مدد کی درخواست و دعاء کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور وہ اتنی موٹی اور واضح حقیقت کو بھی نہیں سمجھتے کہ جو خود مر کر قبر میں چلا گیا وہ ہماری کوئی مدد آخر کس طرح کر سکے گا۔ لیکن جب شرک و بدعت کی بناء پر کسی کی مت ماری جاتی ہے تو اس کا حال ایسے ہی ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف حضرتِ نوح کے اس قصے اور ان کی دعا سے واضح ہو جاتا ہے کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ حضرات انبیاء و رسل بھی اسی کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں۔ حضرتِ نوح جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اسی کے حضور دستِ دعا و سوال دراز کرتے ہیں۔ پس اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا و مشکل کشا ماننا شرک ہے العیاذ باللہ

۳۷ قومِ نوحؑ کے عذاب کے فیصلے کا ذکر: ۔ سو اس سے قومِ نوح کیلئے عذاب کے فیصلے اور اس بارے میں حضرتِ نوح کو بعض خاص ہدایات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو آنجناب کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑے کو لے کر اس کشتی میں سوار ہو جائیں اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں لے لیں بجز ان کے جن کے بارے میں ہمارا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ یعنی جن کے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ انہوں نے اب غرق ہونا ہے اپنے کفر و انکار اور فساد کی بناء پر۔ اس لئے اپنے گھر والوں میں سے کسی ایسے شخص کو اپنی اس کشتی پر سوار نہیں کرنا۔ اشارہ آپ کے بیٹے کنعان اور بیوی کی طرف ہے جو کہ اپنے کفر و انکار پر قائم تھے۔ (ابنِ کثیر، مراغی، خازن، صفوۃ وغیرہ)۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ کہ اگر ایسے ہوتا تو حضرتِ نوحؑ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر کی اپنی بیوی اور انکا اپنا بیٹا اس طرح حق و ہدایت کی دولت سے محروم نہ ہوتے اور آنجناب کو اس طرح ان کے کشتی پر سوار کرنے سے نہ روکا جاتا۔ سو مختارِ کل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے وہی ہوتا ہے اور ویسے ہی ہوتا ہے۔ نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اپنا ایمان و عقیدہ اگر صحیح نہ ہو تو کوئی رشتہ داری بھی کام نہیں دے سکتی۔ خواہ وہ پیغمبر اور نوح جیسے جلیل القدر پیغمبر کی رشتہ داری ہی کیوں نہ ہو۔ اور رشتہ بھی بیوی اور بیٹا ہونے کا رشتہ کیوں نہ ہو جو کہ سب سے بڑا اور سب سے اونچا رشتہ ہے۔ پس اصل چیز اپنا ایمان و عقیدہ اور عمل و کردار ہے۔ نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔ نہ کہ حسب و نسب کے دوسرے فوارق و امتیازات پر جیسا کہ بہت سے بہکے بھٹکے لوگوں نے سمجھا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلٰی مایحب ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال۔

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ

ظالم لوگوں سے۔ ف۳۸ اور یہ دعا بھی کرنا کہ اے میرے رب، مجھے اتاریو بابرکت اتارنا ف۳۹ کہ تو ہی ہے سب سے

خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا

بہترا اتارنے والا۔ بے شک اس (قصے) میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں اور (کھرا کھوٹا ظاہر کرنے کے لئے) ہم

لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ۚ

آزمائش کر کے ہی رہتے ہیں۔ ف۴۰ پھر ان کے بعد ہم نے اٹھا کھڑا کیا ایک اور قوم کو۔ ف۴۱

فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

پھر ان میں بھی ہم نے انہی میں کا ایک رسول بھیجا ف۴۲ (اس نے بھی ان کو یہی دعوت دی) کہ تم سب لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو۔

۳۸ نعمت سے سرفرازی پر شکر خداوندی کی تعلیم و تلقین: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جب آپ کشتی میں بیٹھ جائیں آپ بھی اور آپ کے ساتھی بھی تو یوں کہو کہ سب تعریفیں اس اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے ہمیں نجات دی ظالم لوگوں سے"۔ کہ نجات دہندہ اور حاجت روا و مشکل کشا ہر کسی کا اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور سب اسی کے محتاج ہیں۔ یہاں تک کہ حضرات انبیاء و رسل اور حضرت نوح جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے محتاج ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو کس قدر بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اس سب کے باوجود اللہ کی مخلوق میں سے طرح طرح کی بے حقیقت چیزوں اور مخلوق و عاجز ہستیوں کو مشکل کشا اور حاجت روا قرار دے کر انکو پوجتے پکارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح وہ شرک کا ارتکاب کر کے اپنے لیے کس قدر بڑے خسارے اور نقصان کا سودا کر رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف مشکل کشا اور حاجت روا سب کا یہاں تک کہ حضرتِ نوحؑ کا حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس کے سوا باقی جو بھی سہارے لوگوں نے از خود اور طرح طرح کے ناموں سے گھڑ رکھے ہیں وہ سب بے بنیاد اور اوہام و خرافات ہیں جن کی نہ کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۳۹ حضرتِ نوحؑ کی طرف سے بابرکت اتارنے کی دعا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ نوح نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ "اے میرے رب مجھے اتارنا بھی بابرکت اتارنا"۔ کہ نزول بھی بابرکت ہو اور منزل و مقام بھی بابرکت۔ سو ایسے ہی ہوا اور طوفانِ نوح کی تباہی کے بعد تمام روئے زمین ان تمام خیرات و برکات سے بھرپور طرح بھر گئی جو اس میں اس طوفان سے پہلے موجود تھیں اور جن کی انسان کو اور اللہ کی دوسری تمام مخلوق کو ضرورت تھی۔ اور حضرتِ نوحؑ کی نسل سے ہی اتنی مخلوق پھیلی کہ سب روئے زمین خالی ہونے کے بعد پھر بھر گئی۔ اسی لئے آپ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ سو برکت دینا اللہ پاک ہی کی صفت اور اسی کی شان ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ لہٰذا غلط کہتے اور کرتے ہیں وہ لوگ جو برکت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور

طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور وہ ''برکت علی'' اور ''برکت حسین'' وغیرہ جیسے نام رکھتے ہیں۔ پھر ان میں سے جو لوگ جہالت اور نادانی کی بنا پر ایسا کرتے ہیں وہ تو پھر بھی ایک حد تک معذور قرار دیئے جا سکتے ہیں لیکن جو جان بوجھ کر اور اپنے قصد وارادہ سے ایسا کرتے ہیں وہ یقیناً شرکیہ افعال وامور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور ان کو ایسے شرکیہ امور کے ارتکاب کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۰ ابتلاء وآزمائش خداوندی کے دستور کا ذکر: سوارشاد فرمایا گیا کہ ''یقیناً ہم آزمائش کرکے ہی رہتے ہیں'' تاکہ کھرا کھوٹا ظاہر ہو جائے اور حق وباطل کا فرق وامتیاز پوری طرح نکھر کر سامنے آجائے۔ سو نوح کے اس قصہ سے ظاہر اور واضح ہو گیا کہ ایمان ویقین نجات کی کشتی ہے اور کفر وشرک تباہی کا راستہ اور ہلاکت کا گڑھا۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف نوح کے اس قصے میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہم اس کائنات کو پیدا کرکے اس سے لاتعلق ہو کر نہیں رہ گئے۔ بلکہ لوگوں کی ہدایت اور ان کی اصلاح کیلئے ہم اپنے رسول بھی بھیجتے رہے۔ پھر جنہوں نے ان رسولوں کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ کفر کیا ان کو ایک عرصہ تک مہلت اور ڈھیل تو ملتی رہی لیکن بالآخر ان کو تباہی کے گھاٹ اتار دیا گیا اور نجات انہی کو ملی جنہوں نے انبیائے کرام کی دعوت کو قبول کیا۔ لیکن اس کیلئے انکو آزمائش کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾۔ (الانبیاء: ۳۵)۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ بکل حالٍ من الاحوال۔

۴۱ قوم نوح کی ہلاکت کے بعد نئی قوم کی اٹھان کا ذکر: سوارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر ان کے بعد ہم نے کھڑا کیا ایک اور قوم کو''۔ یعنی قوم عاد کو جو کہ قوم نوح کے بعد آباد ہوئی تھی۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے قوم ثمود مراد ہے کہ ''صیحہ'' کا عذاب انہی پر آیا تھا۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ مگر اکثر کا کہنا یہی ہے کہ اس سے مراد قوم عاد ہے۔ (خازن، صفوۃ وغیرہ)۔ اور یوں علی سبیل البدل دونوں ہی قومیں مراد ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ سورۃ الاعراف میں قوم نوح کی جانشین کی حیثیت سے قوم عاد کا اور قوم عاد کے خلفاء کی حیثیت سے قوم ثمود کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو قوم نوح کی جانشین کے طور پر قوم عاد آئی اور قوم عاد کی جانشین کے طور پر قوم ثمود۔ اور یہ دونوں ہی قومیں ہولناک عذاب سے دوچار ہوئیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۴۲ حضرت نوح کے بعد رسول کی آمد کا ذکر: سوارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر ان میں ہم نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا''۔ جو کہ اللہ پاک کی قدیمی سنت اور ہمیشہ کا دستور رہا کہ ہر قوم کا پیغمبر انہی میں سے ہوا ہے۔ سو اسی بناء پر قوم عاد اور قوم ثمود کی طرف حضرت ہود اور حضرت صالح کو رسول بنا کر بھیجا گیا جن کی سرگزشتیں پہلے گزر چکی ہیں۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرت نوح کے بعد جن قوموں کو اٹھایا گیا اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بھی اپنے رسول بھیجے تاکہ وہ ان کو حق وہدایت کی تعلیمات مقدسہ سے آگاہ کر سکیں۔ کیونکہ حق وہدایت کی ضرورت انسان کے لیے اس کی دوسری تمام جسمانی اور مادی ضرورتوں سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مادی اور جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان تو کرے لیکن ان کی روحانی اور معنوی ضرورتوں کی تکمیل کا کوئی سامان نہ کرے۔ جبکہ اس کا اپنا ارشاد ہے اور صریح ارشاد ہے کہ ''ہدایت ہمارے ذمے ہے''۔ ﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ﴾۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کے اندر انہی میں کا ایک رسول بھیجا۔ تاکہ وہ ان کو راہ حق وہدایت کی راہنمائی کر سکے۔ کہ یہی سنت خداوندی ہے،

ع۲

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ

اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ ف۴۳ تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ تو (اس کے جواب میں) ان کی قوم کے

قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ

ان سرداروں نے جو کہ اڑے ہوئے تھے اپنے کفر (وباطل) پر، اور جنہوں نے جھٹلا دیا تھا آخرت کی پیشی کو، اور جن کو ہم نے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ

خوشحالی دے رکھی تھی دنیاوی زندگی میں ف۴۴ انہوں نے کہا کہ یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک بشر (اور انسان) ہے تم ہی جیسا۔

مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ

وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو، اور وہی کچھ پیتا ہے جو تم لوگ پیتے ہو۔ ف۴۵ اور اگر تم لوگ اپنے ہی

اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ

جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگے تو یقیناً اس صورت میں تم لوگ بڑے ہی خسارے (اور گھاٹے) میں رہو گے ف۴۶ کیا یہ شخص تم سے

۴۳ حضراتِ انبیائے کرام کی دعوت ہمیشہ ایک ہی رہی: - کہ ان سب نے اپنی قوموں کو توحید ہی کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ "تم سب ایک اللہ ہی کی بندگی کرو کہ اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟" اپنے اس کفر و شرک کے انجام اور اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے - والعیاذ باللہ - یعنی ان انبیائے کرام نے بھی اپنی اپنی قوموں کو وہی پیغام دیئے جو ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو دیئے کہ ان سب حضرات کی دعوت ہمیشہ ایک ہی رہی۔ یعنی توحید خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی دعوت۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں اور قاعدہ کلیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ - الآیۃ (الانبیاء: ۲۵) یعنی "ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے اس کی طرف ہم یہی وحی کرتے رہے کہ کوئی بھی معبود نہیں سوائے میرے۔ پس تم سب لوگ میری ہی بندگی کرو۔ سو عقیدۂ توحید پر دین سماوی کی اصل اور اساس رہی ہے۔ اور ہر پیغمبر نے اپنی امت کو اسی کی دعوت دی ہے۔ نیز یہ کہ معبودِ برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور ہر قسم کی عبادت و بندگی صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - اس میں کسی بھی اور ہستی کو شریک ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم

۴۴ ہلاکت ومحرومی کے تین بڑے سبب: - سو اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کی ظلمت ونحوست، آخرت کی تکذیب اور دنیاوی عیش پرستی، تباہی و بربادی کے تین بنیادی اسباب ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - کیونکہ جب انسان دنیاوی عیش و عشرت میں کھو جاتا ہے تو وہ حق بات سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔ ورنہ مجھے یہ دنیا کیوں ملتی اور آخرت واخرت کچھ نہیں۔ اور اگر آخرت ہوئی بھی تو وہاں بھی مجھے اچھائی اور کامیابی ملے گی۔ اور اس طرح وہ ہمیشہ کی ہلاکت

میں پڑ کر رہتا ہے۔ اور وہ استکبار کے اس ہولناک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے بعد کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ اور نتیجۃً ایسا شخص ہلاکت وتباہی کے اس ہولناک گڑھے میں گر کر رہتا ہے جس جیسا ہولناک گڑھا دوسرا کوئی ہوسکتا ہی نہیں۔ اور اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ بیماری کو بھی صحت اور ہلاکت کو بھی نجات سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس طرح وہ ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ کا مصداق بن جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ فساد وبگاڑ کے ہر سبب سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۵ منکرین کا انکار پیغمبر کی بشریت طاہرہ کی بنا پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے کہا کہ یہ شخص تو تم ہی جیسا ایک بشر ہے۔ تو پھر یہ نبی اور رسول کس طرح ہوسکتا ہے۔ یعنی وہی غلط فہمی جو ان سے پہلے کے کافروں کو رہی اور جو ان کے بعد کے ہر دور میں بھی رہی کہ جو ہم ہی جیسا انسان اور کھانے پینے والا شخص ہو وہ نبی اور رسول نہیں ہوسکتا۔ بلکہ نبی ورسول کوئی ایسی نوری ہستی ہی ہوسکتی ہے جو کھانے پینے اور شادی بیاہ وغیرہ کے جملہ انسانی عوارض اور بشری تقاضوں سے پاک اور مبرا ہو۔ اور اسی قدیم غلط فہمی کے جراثیم آج تک موجود ہیں۔ جیسا کہ اوپر حاشیہ نمبر ۳۲ میں بھی ابھی گزرا۔ سو آج بھی کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جو بشریت اور نبوت ورسالت کے درمیان منافات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں وصف یکجا نہیں ہوسکتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے کے ان لوگوں نے انبیائے کرام کی بشریت کی بناء پر انکی نبوت ورسالت کا انکار کر دیا۔ اور آج کا عجوبہ پرست انسان ان کی نبوت ورسالت کی بناء پر ان کی بشریت کا انکار کرتا ہے۔ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے بشر ہی ہوتا ہے۔ پھر انکو نبوت ورسالت کے شرف سے مشرف فرمایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اپنی قوم کی زبان میں ان کو پیغام حق وہدایت پہنچا سکیں صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

۴۶ کفر وشرک کا نتیجہ وانجام مت ماری۔ والعیاذ باللہ: سو اس سے کفر وشرک کی بنا پر انسان کی مت ماری کا ایک مظہر ونمونہ سامنے آتا ہے۔ چنانچہ یہ کفر وشرک کی نحوست اور مت ماری کا ایک اور مظاہرہ ہے کہ اپنے ہی جیسے بشر کو تو وہ لوگ پیغمبر ماننے کو تیار نہ ہوئے اور ان کی پیروی کو گھاٹے کا سودا قرار دیا۔ مگر اپنے سے کمتر مخلوق، یہاں تک کہ جماد لایعقل اور اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ وخراشیدہ خودساختہ بتوں کو خدا اور معبود مان لیا اور ان کے سامنے سر ٹیک دیئے۔ اور اپنے حکمرانوں میں سے جس کو چاہا خدا کا اوتار مان کر اس کی خدائی کو تسلیم کرلیا اور اس کی فرمانبرداری میں کوئی عار نہ سمجھی۔ جو اسی طرح کھاتے پیتے، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر کھاتے پیتے اور۔ ﴿يَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾۔ کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں ان کو کوئی جھجک اور عار محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر انبیائے کرام کی پاکیزہ زندگیوں میں یہ چیز ان کے لئے رکاوٹ تھی۔ سو ابنائے دنیا کی مت ماری کا یہ مرض ہمیشہ رہا۔ اور کل کی طرح آج بھی موجود ہے اور جگہ جگہ موجود ہے۔ اور اسی مرض کے جراثیم آپ کو کلمہ گو مشرکوں کے اندر بھی آج اس وقت صاف نظر آئیں گے جبکہ وہ علمائے ربانیین کے ارشادات حقہ اور ان کی طرف سے پیش کی جانے والی نصوص قیمہ پر تو کان نہیں دھریں گے لیکن خود ساختہ اور من گھڑت قصوں کہانیوں کو وہ شوق وذوق سے سنیں گے اور ان کو مانیں گے اور اپنائیں گے۔ اور ان حضرات کی ان لوگوں کی نگاہوں میں تو کوئی قدر وقیمت نہ ہوگی جن کی زندگی پوری کی پوری شریعت کی پابند ہوگی۔ مگر ایسے کسی ننگ دھڑنگ ملنگ کو یہ لوگ دیکھیں گے جو ننگا بدحال پڑا ہوگا تو یہ اس کے آگے فوراً جھک جائیں گے۔ جس کے ہوش وحواس بھی صحیح نہیں ہوں گے۔ لیکن یہ اس کو اپنا حاجت روا مشکل کشا سمجھیں گے۔ بلکہ بعض اوقات وہ چرس بھنگ کے سوٹے پر سوٹے لگائے جا رہا ہوگا اور یہ حاجت روائی ومشکل کشائی کی امیدیں باندھے اس کے گرد بیٹھے ہوں گے اور شرم وحیاء جیسی کوئی چیز بھی ان کیلئے آڑ نہیں بنے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اپنے برصغیر کے ملکوں میں ایسے حیا باختہ اور ایمان سوز مظاہر جابجا دیکھنے کو ملیں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ کہتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جاؤ گے تو تم (قبروں سے زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے؟ ۴۷ دور بہت

هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا

دور ہے ۴۸ وہ وعدہ جو تم لوگوں سے کیا جا رہا ہے ۴۹ زندگی تو بس ہماری یہی دنیاوی زندگی ہے، جس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور (بس، اور)

الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا

ہم دوبارہ اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔ یہ تو ایک ایسا شخص ہے، جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے ۵۰ اور ہم اس کو کبھی ماننے والے

رَجُلُ ۨافْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۸﴾

نہیں ہیں۔ اس (ضد اور ہٹ دھرمی) پر اس پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب اب تو ہی میری مدد فرما ۵۱ اس لئے کہ یہ لوگ تو

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ

میری تکذیب ہی پر کمربستہ ہو چکے ہیں، اسکے رب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ عنقریب ہی ان کو سخت ندامت (اور شرمندگی)

۴۷ کفار کا پیغمبر سے استہزاء و انکار:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبر کی قوم کے ان کھڑپینچوں نے اپنے لوگوں کو پیغمبر سے بدظن اور متنفر کرنے کے لیے ان سے کہا کہ کیا یہ شخص تم لوگوں سے ایسی انہونی بات کرتا ہے کہ جب تم لوگ مر کر اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جاؤ گے اور تمہاری ہستی بالکل مٹ جائے گی تو اس کے بعد تم کو نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ سو استفہام یہاں پر انکار و استبعاد کے لیے ہے۔ یعنی ایسے کبھی نہیں ہو سکتا۔ (صفوۃ التفاسیر)۔ یعنی ایسا نہیں ہونے کا بلکہ یہ اس شخص کی یونہی خواہ مخواہ کی باتیں ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ جائیں گی تو ہم کو از سر نو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ سو اس طرح انہوں نے پیغمبر کا استہزاء و مذاق اڑا کر اپنے کفر و بدبختی کی سیاہی کو اور پکا کر دیا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۴۸ منکرین کا بعث بعد الموت کے بارے میں اچنبھا و استبعاد:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ منکرین نے بعث بعد الموت کے بارے میں اچنبھا و استبعاد کے طور پر کہا کہ دور بہت دور ہے وہ کچھ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی وہ دور ہے امکان و وقوع سے۔ یعنی قیامت کا آنا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا۔ نہ یہ ممکن ہے اور نہ اس نے وقوع پذیر ہونا ہے۔ پس تم ایسی باتوں پر کان مت دھرو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ﴿هیهات﴾ اسم فعل ہے اور یہ اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جب کسی چیز کو نہایت مستبعد اور بعید از امکان قرار دیا جائے۔ اور پھر تکرار سے اس میں اور شدت اور تاکید پیدا کی جاتی ہے۔ اور یہی حال ہوتا ہے ایمان کی روشنی اور یقین کی دولت سے محروم انسان کا کہ وہ عالم غیب اور وحی خداوندی سے تعلق رکھنے والے اہم اور بنیادی

امور کو حقیقت سے بہت دور اور امکان و وقوع سے بعید سمجھنے لگتا ہے۔ جس سے وہ اعراض و انکار میں مزید آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس طرح وہ ظلمتِ کفر و انکار کی سیاہی کو اور گاڑھا و گہرا اور مزید پکا کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ فکر و عمل کے ہر زیغ و انحراف سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۹ منکرین کے اپنے انکار میں مزید شدت کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ منکرین نے کہا کہ دور بہت دور ہے وہ وعدہ جو تم لوگوں سے کیا جاتا ہے۔ سو ایسا کبھی نہیں ہونے کا کہ مرکھپ جانے کے بعد تم لوگ دوبارہ اٹھو گے اور اپنے کیے کا بدلہ پاؤ گے۔ یہ سب ایسی ہی خیالی باتیں ہیں۔ ان میں آ کر تم لوگ اپنی زندگی کے مزے خراب مت کرو کہ زندگی تو یہ دنیاوی زندگی ہی ہے اور بس۔ اسی میں جس نے مزے کر لیے کر لیے۔ اور جو رہ گیا سو رہ گیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس طرح منکر انسان محض اپنے اچنبھے اور استبعاد کی بنا پر اور اپنے استکبار کے باعث انکار میں آگے بڑھتا اور اپنی محرومی اور سیاہ بختی کو پکا کرتا جاتا ہے۔ سو انکار اور ہٹ دھرمی انسان کو محروم سے محروم تر کرتی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ حق سے مزید دور اور محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کے ہر شائبہ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۵۰ پیغمبر پر افتراء علی اللہ کا نہایت ہولناک الزام، والعیاذُ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان بدبختوں نے پیغمبر کے بارے میں مزید کہا کہ یہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور ہم اس کو کبھی ماننے والے نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی اس کا یہ کہنا افتراء علی اللہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ قیامت قائم ہوگی اور ہر کسی نے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے اور اپنے کیے کا حساب دینا ہے وغیرہ۔ لہٰذا تم ایسے شخص کی ان باتوں پر کان مت دھرو۔ اور ہم نے کبھی بھی اس پر ایمان نہیں لانا۔ سو اس ہٹ دھرمی کے بعد محرومی اور ہلاکت ہی ایسے لوگوں کا مقدر بن کر رہ جاتی ہے جو پیغمبر کی بات کسی بھی طور پر ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو پیغمبر کی پاکیزہ ہستی پر افتراء علی اللہ جیسے ہولناک جرم کا الزام لگانا ایک بڑا ہی سنگین جرم ہے جس کا ارتکاب ان بدبختوں نے اپنے کفر و انکار کی بنا پر کیا اور اس طرح خود اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں کیا اور یہی نتیجہ ہوتا ہے کفر و انکار اور عناد و ہٹ دھرمی کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۵۱ حضرات انبیاء و رسل کا حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے: سو کفار کی اس ہٹ دھرمی اور بہتان بازی اور الزام تراشی کے جواب میں پیغمبر نے رب سے دعا کی کہ "رب میری مدد فرما کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا"۔ کہ تو ہی ہے اے میرے مالک سب کی مدد کرنے والا اور ہر کسی کا حاجت روا و مشکل کشا اور فریاد رس۔ اور جب انبیاء و رسل بھی اسی وحدہ لاشریک کے محتاج ہیں اور ان میں سے بھی کوئی ہستی حاجت روا و مشکل کشا نہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جسے حاجت روا و مشکل کشا وغیرہ مانا جا سکے؟ بہر کیف پیغمبر نے اپنے رب کے حضور دعاء کی کہ اے میرے رب ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے اور اب یہ میری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔ اس لیے تو اے میرے مالک انکے مقابلے میں میری مدد فرما اور ان پر وہ عذاب لے آ جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرما رکھا ہے۔ کیونکہ اب ان لوگوں کے زندہ اور باقی رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ اب ان کا وجود اس دھرتی پر ایک ناروا بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو حضراتِ انبیائے کرام بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ہی دستِ دعا و سوال دراز کرتے ہیں کہ ان کا حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور وہ بھی اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو کسی کا حاجت روا و مشکل کشا ہو سکے؟ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

لَيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ

اٹھانا ہوگی ۵۲ آخرکار آپکڑا ان کو اس ہولناک آواز نے (جو ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی) حق کے ساتھ، سو ہم نے ان سب کو

غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ

کچرا بنا کر رکھ دیا، سو بڑی پھٹکار ہے ایسے ظالم لوگوں کے لئے، ۵۳ پھر ان کے بعد ہم نے

بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا

اور کئی قومیں پیدا کیں، ۵۴ کوئی بھی قوم اپنی (مقررہ) مدت سے نہ آگے بڑھ سکی،

۵۲ کافروں اور منکروں کے لیے ندامت و رسوائی: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبروں کی دعا و التجاء کے جواب میں ان کو اطمینان دلایا گیا کہ اب وعدۂ الٰہی کے ظہور میں زیادہ دیر نہیں بلکہ وہ پورا ہوا ہی چاہتا ہے۔ سو ارشاد ہوا کہ عنقریب ہی ان لوگوں کو سخت ندامت اٹھانا ہوگی۔ جب ان پر عذاب آئیگا اور جبکہ اصل حقائق آشکارا ہو جائیں گے تو ان کو رہ رہ کر پچھتانا پڑے گا اپنے کفر و تکذیب کی اس منحوس روش پر جس پر یہ زندگی بھر اڑے رہے تھے۔ مگر اس وقت کی اس ندامت سے ان کو صدمہ و افسوس میں اضافہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ سو کفر و انکار اور تکذیب انبیاء و رسل کا آخری انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ایسے لوگوں کو جتنی بھی ڈھیل اور مہلت ملے آخرِ کار ان کے لیے بہرحال ندامت و رسوائی اور ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۵۳ ظالموں کے لیے لعنت و پھٹکار۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بڑی پھٹکار۔ اور دوری۔ ہے ظالم لوگوں کیلئے"۔ جو کہ اپنے خود اختیار کردہ کفر و عناد کے نتیجے میں اور تکذیب حق کی بناء پر دائمی طوقِ لعنت میں گرفتار اور ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا و ماخوذ ہوئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دینِ حق سے اِعراض و روگردانی اور حق کی تکذیب اور اس کا انکار ظلم ہے۔ جس سے انسان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اسکے نتیجے میں آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سب سے بڑے اور عظیم الشان و بے مثال مظہر جنت اور اسکی نعیم مقیم سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ظلم و انحراف کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۵۴ ظالموں کی ہلاکت کے بعد نئی قوموں کے وجود میں آنے کا ذکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر انکے بعد ہم نے اور کئی قومیں پیدا کیں"۔ جیسے قومِ ابراہیم، قومِ لوط اور قومِ شعیب وغیرہ۔ اور ابنِ عباسؓ کہتے ہیں اس سے قومِ بنی اسرائیل مراد ہے۔ (صفوۃ التفاسیر، المراغی، وغیرہ)۔ اور ان میں سے ہر قوم کی ہدایت و راہنمائی کیلئے انبیاء و رسل بھیجے گئے تا کہ وہ ان کو راہِ حق و صواب سے آگاہ کریں۔ تا کہ وہ اس پر چل کر اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکیں۔ مگر ایسی قوموں نے بالعموم حضرات انبیاء و رسل کی دعوت کو جھٹلایا۔ جسکے نتیجے میں وہ تباہ و برباد ہوئیں اور ہمیشہ کیلئے صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ سو کفر و انکار کا نتیجہ ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر قائم رکھے۔ آمین

وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّمَا

اور نہ ہی وہ اس کے بعد ٹھہر سکی، ف۵۵ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے (مگر ان سب کا حال یہی رہا کہ)

جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضًا

جب بھی کبھی کسی قوم کے پاس اس کا رسول آیا تو اس نے اس کی تکذیب ہی کی ف۵۶ جس کے نتیجے میں ہم بھی ایک کے بعد ایک قوم کو

وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ

ہلاک کرتے چلے گئے ف۵۷ اور ہم نے ان سب کو (قصے) کہانیاں بنا کر رکھ دیا ف۵۸ سو بڑی پھٹکار ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے ف۵۹

أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو بھی رسول بنا کر بھیجا، ف۶۰ اپنی نشانیوں اور کھلی

۵۵ ہر قوم اپنے وقت مقرر پر اپنے انجام کو پہنچ کر رہی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''کوئی بھی قوم اپنی مقررہ مدت سے نہ آگے بڑھ سکی ہے اور نہ اس سے پیچھے رہ سکی ہے''۔ بلکہ تکذیبِ حق اور مخالفتِ انبیاء کے جرم میں ہر امت ٹھیک اپنے اسی وقت پر ہلاک ہو کر رہی جو کہ ان کے لئے قضائے الٰہی میں طے اور مقدر ہو چکا تھا۔ اور قوموں کی اس مدت کو قدرت نے ان کے اخلاقی زوال کے پیمانے سے ناپ تول کر مقرر کیا ہوتا ہے۔ اور وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کس قوم کا اخلاقی زوال اس حد تک کب پہنچتا ہے جب اسکی اس مدتِ مہلت کو ختم کر دیا جائے۔ بہرکیف جب وہ مقررہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو پھر کسی بھی قوم کو ایک منٹ سیکنڈ کیلئے بھی باقی نہیں رکھا جاتا اور وہ اپنے کیفر کردار کو بہرحال پہنچ کر رہی ہے اور پہنچ کر رہتی ہے۔ سو اس میں کفارِ قریش کیلئے اور اسکے بعد ہر دور کے منکرین کیلئے یہ تنبیہ ہے کہ وہ اپنی روش کی اصلاح کر لیں اور باز آ جائیں۔ قبل اس سے کہ ان کا وہ آخری وقت آ پہنچے کہ پھر ان کو ایک منٹ سیکنڈ کی مہلت بھی نہیں مل سکے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۶ ہر قوم نے اپنے رسول کی تکذیب کی: سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر قوم کی ہدایت و راہنمائی اور اسکی اصلاح و خیر خواہی کے لیے اس کے اندر رسول بھیجا مگر ان لوگوں نے حق سے منہ موڑ کر اپنی تباہی اور بربادی کی راہ ہی کو اپنایا۔ پس آج جو لوگ حق کو جھٹلاتے اور اہلِ حق کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ بلکہ پہلے سے ہی ایسے ہوتا آیا ہے۔ پس آپ تسلی رکھیں اور اسی طرح صبر و برداشت ہی سے کام لیں جس طرح کہ پہلے انبیائے کرام نے کیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ﴾۔ الآیۃ (الاحقاف: ۳۵)۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید،

۵۷ تکذیب و انکارِ حق کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرات انبیاء و رسل کی بعثت و

تشریف آوری کے بعد لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور ان کے لائے ہوئے پیغامِ حق کو جھٹلایا۔ تو ہم ایک کے بعد ایک قوم کو ہلاک کرتے چلے گئے ان کے اختیار کردہ کفر و باطل کی بنا پر اور راہ حق و ہدایت سے منہ موڑنے اور حضرات انبیائے کرام کی تکذیب کے باعث۔ سو کفر و باطل اور انکار و تکذیبِ حق کا نتیجہ و انجام بہرحال تباہی اور ہلاکت ہے۔ امتحان و اختیار کے تقاضوں کی بناء پر حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے جو ڈھیل اور مہلت انسان کو اس ضمن میں ملتی ہے اس سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ بہرحال ایک مہلت ہے جس نے بالآخر ختم ہو جانا ہے - والعیاذ باللہ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّشَرٍّ وَّزَيْغٍ وَّانْحِرَافٍ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۵۸ منکرین کے لیے عذابِ استیصال کا ذکر و بیان: سو ان منکر قوموں کے عذاب استیصال کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو قصے کہانیاں بنا دیا۔ جن کو لوگ پڑھتے پڑھاتے اور سنتے سناتے ہیں اور بس۔ اس کے سوا خارج میں ان کا نہ کوئی وجود رہ گیا ہے نہ کوئی نام و نشان - والعیاذ باللہ العظیم - سو اپنی جس قوت و طاقت پر ان کو ناز ہوا کرتا تھا اور جس کی بنا پر وہ کہا کرتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر قوت و طاقت اور کس کی ہو سکتی ہے؟ وہ ان کے کچھ کام نہ آسکی۔ اور اپنی جس مادی ترقی، شان و شوکت، عددی کثرت اور عروج و اقبال کا ان کو گھمنڈ تھا وہ سب کچھ مٹ مٹا کر ماضی کی داستان اور قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے کفر و انکارِ حق سے گریز و فرار اور بغاوت و سرکشی کا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - اور اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۵۹ نورِ ایمان سے محرومی ہر خیر سے محرومی - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بے ایمانوں کے لیے بڑی ہی سخت محرومی اور پھٹکار ہے - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بڑی خرابی اور پھٹکار ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان نہیں رکھتے"۔ کہ اسطرح وہ دارین کی ذلت و رسوائی کا شکار ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایمان سے محرومی ہر خیر سے محرومی اور سب خرابیوں اور ناکامیوں کی جڑ بنیاد ہے - والعیاذ باللہ العظیم - کہ اس سے انسان اندھا اور اوندھا بن کر رہ جاتا ہے اور وہ اپنی منزلِ مقصود سے بے خبر اور راہِ حق و صواب سے بے بہرہ ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو نورِ ایمان و یقین دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۶۰ موسیٰ اور ہارون کی بعثت کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور ہم ہی نے بھیجا موسیٰ اور اسکے بھائی ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔ تاکہ ان کو حق کو پیغام پہنچایا جا سکے۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں کو راہِ حق و صواب کی راہنمائی کرنا ہم نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾ - (الّیل: ۱۲)۔ یعنی "ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے"۔ تاکہ لوگ نورِ حق و ہدایت سے بہرہ ور ہو کر دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند اور سرفراز ہو سکیں۔ فالحمد للہ ربّ العالمین

مُّبِيْنٍ ﴿٤٥﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

سند کے ساتھ و۶۱ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، مگر انہوں نے بھی اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا (اور وہ حق کے منکر ہوگئے) و۶۲ اور وہ تھے بھی

عَالِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا

بڑے سرکش لوگ و۶۳ چنانچہ انہوں نے کہا کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ و۶۴ اور وہ بھی اس حال میں کہ ان کی قوم کے لوگ

عٰبِدُوْنَ ﴿٤٧﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾

ہماری غلامی کر رہے ہیں و۶۵ سو انہوں نے جھٹلا دیا ان دونوں کو (اور انکے پیغام حق کو) جسکے نتیجے میں بالآخر وہ بھی شامل ہوگئے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَ

ہونے والوں میں، اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو بھی و۶۶ وہ کتاب بخشی تھی تاکہ وہ لوگ اس سے راہنمائی حاصل کریں، اور ہم نے مریم کے

۶۱ موسیٰ وہارون کی بعثت خاص نشانیوں، اور کھلی سند کے ساتھ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ تاکہ حق پوری طرح ان کے سامنے واضح ہو جائے جس کے بعد ان لوگوں کے لئے کسی طرح کا عذر اور کوئی حیل وحجت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہ عطف تفسیری ہے اور اس کھلی سند سے مراد وہی نشانیاں ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا۔ یعنی عصا اور ید بیضا وغیرہ۔ (خازن، صفوہ وغیرہ)۔ اور بعض نے کہا کہ آیات سے مراد وہ عام معجزات ہیں جو حضرت کو دیئے گئے۔ اور سلطٰنِ مبین سے مراد وہ معجزۂ عصا ہے۔ اور یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ موسیٰ اور ہارون کو ان عظیم الشان نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ بھیجا گیا۔ فرعون اور اسکے سرداروں اور درباریوں کی طرف۔ تاکہ وہ بھرپور طریقے سے۔ اور مؤثر انداز میں ان کو پیغام حق وہدایت پہنچاسکیں۔ اور راہ حق کو ان کے ساتھ پوری طرح واضح کرسکیں۔

۶۲ اعراض واستکبار محرومیوں کی محرومی - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے مقابلے میں اعراض واستکبار سے کام لیا اور اس طرح وہ دائمی تباہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گر گئے۔ سو استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ محرومی کا ایک بنیادی سبب ہے - والعیاذ باللہ العظیم - کیونکہ ایسا شخص اپنی بڑائی کے گھمنڈ کی بنا پر حق بات سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ اور وہ پوری ہٹ دھرمی کے ساتھ حق سے منہ موڑ لیتا ہے۔ تو ایسے میں اس کیلئے نور حق وہدایت سے سرفرازی آخر کس طرح ممکن ہوسکتی ہے؟ سو اعراض واستکبار محرومیوں کی محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے - اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۶۳ حق کے مقابلے میں سرکشی باعثِ محرومی - والعیاذ باللہ: - سو اس سے فرعونیوں کی سرکشی کی تصریح فرمادی گئی اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق کے مقابلے میں سرکشی باعثِ محرومی ہے - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بڑے ہی سرکش لوگ تھے"۔ یعنی ان کی سرکشی ان کی طبیعت اور مزاج کا ایک حصہ تھی۔ اور مال ودولت اور حکومت واقتدار کی کرسی سے ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔ اور اپنی سرکشی کی بناء پر دوسروں پر ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرنا ان کا عام وطیرہ تھا۔ (مراغی وغیرہ)۔ سو سرکشی ایسا منبع شر وفساد

ہے کہ اس کی بنا پر انسان حدودِ بندگی سے نکل کر بدترین مخلوق "شرالبریۃ" بن جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف ﴿ وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴾ سے ان کے قومی مزاج کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یعنی ان کا یہ استکبار ان کے کسی وقتی ہیجان واشتعال کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ وہ تھے ہی سرکش اور مغرور لوگ۔ اور فرعونیوں کے اسی قومی مزاج کی بنا پر حضرتِ موسیٰ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾ ۔ (طٰہٰ: ۲۴) "جاؤ فرعون کے پاس کہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے"۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۶۴ بشریت پیغمبر کی بنا پر ان پر ایمان لانے سے انکار: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے کہا "کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں"۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا۔ یعنی وہی غلط فہمی جو گمراہوں اور باطل پرستوں کو ہمیشہ رہی کہ نبوت اور بشریت دونوں جمع نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا ہم اپنے ہی جیسے ان دونوں شخصوں کو نبی نہیں مان سکتے۔ اس کے برعکس آج کے بعض جاہلوں کا کہنا ہے کہ چونکہ وہ حضرات نبی تھے اس لئے وہ بشر نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ عقل ونقل دونوں کا تقاضا ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بیک وقت نبی بھی ہوتے ہیں اور بشر بھی۔ اور ان دونوں صفتوں کا اجتماع ہی عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا ہے۔ جیسا کہ ابھی کچھ ہی اوپر گزرا۔ بہرکیف فرعون اور اسکے درباریوں اور سرداروں نے کہا کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ یعنی ایسے کبھی نہیں ہوسکتا۔ کہ یہ ہماری شان کے خلاف ہے۔ والعیاذ باللہ

۶۵ فرعونیوں کے استکبار کے ایک اور سبب کا ذکروبیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے کہا کہ "کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں اور خاص کر جبکہ ان کی قوم ہماری غلامی میں لگی ہوئی ہے؟" یعنی ایسے نہیں ہوسکتا کہ ہم ایسے دو شخصوں پر ایمان لے آئیں جو بشر ہونے کے علاوہ تعلق بھی اس قوم سے رکھتے ہیں جو ہماری غلام ہے۔ اس طرح تو ہماری عظمت اور شان میں اور بھی فرق آ جائے گا اور ہمارا خسارہ اور بھی زیادہ ہو جائے گا۔ سو یہ نتیجہ وثمرہ ہوتا ہے تکبر اور انانیت کا کہ اس سے آدمی کی کھوپڑی الٹی اور اوندھی ہو جاتی ہے اور وہ حق سے اور زیادہ دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے ان لوگوں کے اعراض واستکبار کے ایک اور سبب کا ذکر فرمایا گیا ہے اور یہ فرعون اور اسکے سرداروں کی اس سرکشی اور ان کے کبروغرور کا ایک اور ثبوت تھا جس سے وہ حق سے محروم رہے۔ اور ہمیشہ کے ہولناک خسارے میں پڑ گئے۔ والعیاذ باللہ

۶۶ حضرتِ موسیٰ کو کتابِ ہدایت سے سرفراز کرنے کا ذکر: ۔ یعنی فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد حضرتِ موسیٰ کو کتابِ ہدایت سے سرفراز فرمایا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم ہی نے موسیٰ کو وہ کتاب بخشی تھی"۔ جو کہ اپنے دور میں ہدایت ونور کا منبع ومصدر اور خیر کا سرچشمہ تھی۔ یعنی تورات کہ کتابِ ہدایت کی ضرورت انسان کو اسکی جسمانی ضرورتوں سے بھی کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ اس لئے ہم نے ہمیشہ اسکی اس ضرورت کی تکمیل کا بھی بھرپور سامان کیا۔ سو یہ ہمارا ایک اور بڑا انعام تھا جس سے ہم نے فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت وتباہی اور ان کی غرقابی کے بعد موسیٰ اور ان کی قوم کو نوازا تاکہ اسکے ذریعے وہ لوگ راہِ حق وصواب معلوم کر سکیں اور زندگی کی ہر منزل میں اس سے راہنمائی حاصل کر سکیں۔ سو کہاں تو وہ وقت تھا جبکہ فرعون اور اسکے درباری یہ کہہ رہے تھے کہ کیا ہم موسیٰ اور ہارون پر ایمان لے آئیں جبکہ ان کی قوم ہماری غلامی میں لگی ہوئی ہے۔ اور کہاں اب یہ وقت ہے کہ فرعون اور اسکے درباری اور اسکے سردار سب کے سب غرقاب اور کوڑے کرکٹ کی طرح دریا برد ہو گئے اور موسیٰ اور اسکی قوم کو نعمتِ آزادی سے سرفراز کرنے کے بعد اس کتابِ ہدایت سے نوازا جا رہا ہے۔ سو یہ ہماری قدرتِ مطلقہ اور حکمتِ بالغہ کا ایک عظیم الشان ثبوت بھی ہے اور بنی اسرائیل پر ایک عظیم الشان انعام بھی۔ جس کا تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے لوگ اسکی دل وجان سے قدر کریں تاکہ اس کی رحمتوں اور عنایتوں سے سرفراز ہوں ورنہ ان کے لیے نہایت ہولناک محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنٰهُمَا إِلٰى رَبْوَةٍ

بیٹے کو اور اسکی ماں کو بھی بنایا تھا ایک عظیم الشان نشانی و۶۷ اور ان دونوں کو ہم نے جگہ دی تھی ایک ایسی بلند سرزمین پر

ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِينٍ ﴿۵۰﴾ يٰأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ

لے جا کر و۶۸ جو ٹھہرنے کے قابل تھی، اور (سرسبز) وشاداب بھی، اے پیغمبرو، تم کھاؤ (پیو)

الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ؕ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾ ؕ

پاکیزہ چیزوں میں سے، اور کام کرو نیک و۶۹ بلاشبہ میں ان تمام کاموں کو جو تم لوگ (شب وروز) کرتے ہو، پوری طرح جانتا ہوں، ف۷۰

وَإِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿۵۲﴾

اور بلاشبہ تمہاری یہ امت (دین وایمان کے لحاظ سے) ایک ہی امت ہے و۷۱ (جس کی اساس یہ ہے کہ) میں ہی رب ہوں تم

۶۷ حضرتِ عیسیٰ و مریم قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے مریم اور انکے بیٹے کو ایک عظیم الشان نشانی بنایا تھا"۔ اپنی قدرتِ کاملہ اور عظمت وعنایتِ بے پایاں کے باعث۔ کہ مریم صدیقہ، طیبہ وطاہرہ بغیر شوہر کے اور بدوں کسی مرد کے چھونے کے ہماری قدرت ومشیت سے حاملہ ہو گئیں۔ اور ان کے بطن سے عیسیٰ جیسے عظیم الشان اور مبارک بچے نے جنم لیا جنہوں نے ماں کی گود میں ہی صاف وصریح طور پر اپنی والدہ ماجدہ کی براءت و پاکدامنی اور اپنے خالق و مالک کی توحید ووحدانیت کا اعلان کیا اور آگے چل کر ایک دنیا ان کے فیض سے مستفید ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ کو مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو ٹھیک کرنے اور مُردوں کو زندہ کر دینے کے معجزات سے نوازا گیا اور حضرتِ عیسیٰ کی اس معجزانہ ولادت میں چونکہ وہ ماں بیٹا دونوں ہی شریک تھے اس لیے اس کو ان دونوں کی نشانی قرار دیا گیا۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾۔ (الانبیاء: ۹۱)۔ سو ایسی بے مثال ماں کے بطن سے ایسے بے مثال بیٹے کا جنم لینا اور ان کا ماں کی گود میں ایسا معجزانہ اور پر حکمت کلام کرنا بلاشبہ قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی تھا۔ صلوات اللّٰه وسلامہٗ علیه وعلٰی سائر الانبیاء والمرسلین خصوصا علٰی افضلهم و امامهم نبینا محمد وعلٰی اٰله و صحبه اجمعین ومن اهتدی بهدیه ودعا بدعوته الی یوم الدین۔ بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرت عیسیٰ اور مریم قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی تھے۔ جسکے ساتھ بڑے درسہائے عبرت وبصیرت وابستہ ہیں۔

۶۸ ﴿ربوۃ﴾ کا معنیٰ ومطلب؟ اور ایک قادیانی دجل وتلبیس کا ذکر وبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے ان دونوں کو ایک بلند سرزمین پر جگہ دی"۔ یعنی ﴿ربوہ﴾ کے معنیٰ "ٹیلے" اور "بلند جگہ" کے ہیں۔ نہ کہ یہ کسی خاص جگہ کا نام ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ "اَلرَّبْوَةُ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ مِنَ الْاَرْضِ"۔ اور ایسی جگہ آب وہوا اور پیداوار کے لحاظ سے چونکہ بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس لیے اس سے مراد جمہور اہلِ علم کے نزدیک ارضِ بیت المقدس ہے۔ (ابنِ جریر، ابن کثیر، کبیر، روح، قرطبی، مراغی اور خازن

وغیرہ)۔ اور اس سرزمین میں صاف ستھرے چشموں اور عمدہ پھلوں وغیرہ کی کثرت ہوتی ہے۔ اور ارضِ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایسی سب خوبیاں موجود ہیں۔ قادیانی دجالوں نے اپنے مذموم اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے اور اس لفظ کے ذریعہ دنیا کو دھوکہ دینے کی غرض سے پاکستان بننے کے بعد پنجاب کے علاقہ جھنگ میں ایک وسیع رقبہ زمین اپنے مرکز کے لئے حاصل کیا اور اس کا نام "ربوۃ" رکھا کہ یہی وہ "ربوۃ" ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔ حالانکہ حضرتِ عیسیٰ ومریم۔ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ کا یہ قصہ دو ہزار سال سے بھی پہلے کا ہے۔ جبکہ ان لوگوں نے اپنے اس مرکز کو قیامِ پاکستان کے بعد ۴۸ء میں قائم کیا۔ مگر اندھوں کی کمی تھوڑے ہی ہے۔ کتنے ہی لوگ اور ان میں سے وہ بھی جو کہ اپنے آپ کو پڑھا لکھا بھی سمجھتے اور کہتے ہیں ایسے ہیں جو کہ قادیانی دجل وتزویر کے اس جال میں پھنس گئے اور بری اور پوری طرح پھنس گئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور انہوں نے مان لیا اور دنیا کو منوانے کیلئے پورا زور صرف کیا اور اسلام دشمن قوتوں اور استعماری طاقتوں کی مدد وپشت پناہی سے انہوں نے دنیا بھر میں اسکے لئے اپنی مذموم اور مسموم پروپیگنڈہ مہم چلائی کہ قرآنِ حکیم میں وارد لفظِ "ربوۃ" سے ہمارا یہی "ربوۃ" مراد ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے ملکوں کے اور دینی تعلیمات سے ناواقف لوگ یہ کہنے اور پوچھنے لگے کہ قرآنِ حکیم کی اس آیت کریمہ کا مصداق دنیا میں اس قادیانی ربوہ کے سوا اور کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ حضراتِ علمائے حق کے پاس ایسے ذرائع ووسائل نہ تھے نہ ہیں کہ وہ اس پروپیگنڈے کے جواب میں اپنی آواز کو اسی پیمانے پر دنیا تک پہنچا سکیں مگر انہوں نے اپنی کوششیں اس دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے کیلئے جاری رکھیں اور اسکے لئے قتل وقید وغیرہ کی طرح طرح کی اذیتیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ یہاں تک کہ قادیانی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ ان کے اس دجل وفریب کا پردہ دنیا کے سامنے چاک ہوا۔ حقیقتِ حال سب کے سامنے واضح ہوگئی اور اب جبکہ راقمِ آثم اپنی اس تفسیر کی پروف ریڈنگ کے دوران ان سطور کا اضافہ کر رہا ہے مسلمانوں کا یہ دیرینہ مطالبہ پورا کر دیا گیا کہ ربوہ کے اس نام کو تبدیل کیا جائے کہ اس کے پیچھے بہت بڑا دجل کارفرما ہے۔ اور قادیانیوں کے دجل وفریب میں لپٹی ہوئی اس سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا گیا۔ اور علمائے حقانیین کے ایک عظیم مجاہد مولانا منظور احمد چنیوٹی۔ حفظہ اللہ۔ رکن صوبائی اسمبلی کی پنجاب اسمبلی میں اس بارے میں پیش کردہ قرارداد کو بھاری اکثریت سے بلکہ پورے ہاؤس کے اتفاق سے پاس کر دیا گیا جسکے بموجب اس نام کو بدل دیا گیا اور صوبہ پنجاب میں واقع "ربوۃ" کے شر انگیز نام سے موسوم کردہ اس خطے کا نام اب چناب نگر رکھ دیا گیا ہے۔ اس طرح گزشتہ نصف صدی سے بھی زیادہ عرصے سے جاری حضراتِ علمائے کرام کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ فالحمد للہ ربّ العالمین الذی لا تتمّ الصّالحاتُ اِلّا بتوفیقٍ مِنہُ جلّ وعلا۔ بہر کیف حق غالب اور باطل مغلوب ہوکر رہا اور دنیا کو اس بڑے دجل وفریب سے آگہی ہوگئی۔ فالحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ حق اور اہلِ حق کو ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے اور ہر شر سے محفوظ رکھے۔ حق کا بول بالا ہو۔ اور کفر وشرک کے اندھیرے چھٹیں۔ آمین ثم آمین

۷۹ حضراتِ انبیاء ورسل کو ایک خاص ہدایت: ۔ کہ "کھاؤ پیو تم پاکیزہ چیزوں سے اور کام کرو نیک"۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا "اے پیغمبرو! تم کھاؤ (پیو) پاکیزہ چیزوں سے اور نیک کام کرو"۔ یعنی اپنے اپنے دور میں ہر پیغمبر کو اس کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی۔ اور اس کے مطابق انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو اس کی تاکید وتلقین فرمائی۔ (الصفوۃ، المدارک وغیرہ)۔ ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام انبیائے کرام کو کہیں ایک جگہ جمع فرما کر ان سے یہ ارشاد فرمایا گیا تھا۔ سو یہ ایسے ہی جیسے کہا جائے" یا تُجّارُ اِتَّقُوا الرِّبٰوا"۔ "تاجرو! سود سے بچنا"۔ بہر کیف حضرات انبیائے کرام کو یہی ہدایت فرمائی گئی کہ تم پاکیزہ چیزوں

سے کھاؤ پیو اور نیک عمل کرو۔ اور انہوں نے آگے اپنی امتوں کو اسی کی تعلیم فرمائی کہ تم لوگ حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ پیو اور نیک عمل کرو۔ مگر ان لوگوں نے اسکی پرواہ نہ کی اور اسکے برعکس انہوں نے بہت سی طیبات اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے توہمات اور طرح طرح کے مفروضوں کی بناء پر حرام قرار دے دیا اور بہت سی خبائث کو حلال۔ اور اس طرح وہ دوہرے نقصان میں واقع ہونگے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق کو اپنانے اور اپنائے رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

۴۰ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر: ۔سو اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کے حوالہ وذکر کے طور پر اس پہلو کو واضح فرمایا گیا کہ اللہ اپنے بندوں کے تمام اَعمال کو پوری طرح جانتا ہے۔ سو آیتِ کریمہ کے آخر میں فرمایا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ ''بے شک میں تمہارے سب کاموں کو پوری طرح جانتا ہوں''۔ اور اسی کے مطابق میں تم سب کو بدلہ دوں گا۔ (محاسن التاویل)۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ یہ وعید سب کو شامل ہے۔ تو جب حضراتِ انبیائے کرام کا بھی یہ حال ہے تو پھر باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ (القرطبی بحوالہ صفوۃ التفاسیر)۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی میں تہدید و وعید بھی ہے اور تسلیہ و تسکین بھی کہ اگر تم لوگ نیک عمل کرو گے تو میں اس کو بھی جانتا ہوں اور تم کو اس کا پورا پورا صلہ و بدلہ دونگا۔ اور اگر تم نے برائی کا ارتکاب کیا۔ والعیاذ باللہ۔ تو اس کو بھی میں پوری طرح جانتا ہوں۔ وہ بھی میرے علم سے باہر نہیں ہوسکتی۔ اس کا بھگتان بھی تم لوگوں کو بہر حال بھگتنا ہوگا۔ اب ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ اور سوچ لے کہ وہ کیا اور کیسا عمل کرتا ہے۔ وہ کہاں اور کس حال میں ہے اور وہ اپنے لیے کس نتیجہ وانجام کی توقع رکھتا ہے۔ اس کو کیا کرنا چاہیے اور وہ کیا کر رہا ہے'' فحاسبوا انفسکم قبل ان یحاسب علیکم وزنوا اعمالکم قبل ان توزن علیکم ۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۴۱ تمام انبیائے کرام کی دعوت ایک ہی رہی: ۔سو ارشاد فرمایا گیا ''اور بلاشبہ تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں۔ پس تم سب مجھ ہی سے ڈرو''۔ ''امت'' کا لفظ ایسی جماعت اور گروہ کے لئے آتا ہے جو ایک خاص عقیدہ ومسلک کے رشتے میں منسلک ہوں۔ اور حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ چونکہ سب کے سب ایک ہی دین پر تھے جو کہ اسلام ہے، جو کہ عبارت ہے اسلام لوجہ اللہ سے۔ یعنی اپنے آپ کو اللہ پاک کے حوالے اور سپرد کر دینا۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾۔ سو تمام انبیائے کرام کا دین یہی ایک دین تھا جس کی اصل اور اساسِ متین توحیدِ رب العلمین ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سب نے اسی کی دعوت دی۔ اور جو کچھ اختلاف اس ضمن میں تھا وہ صرف فروع میں تھا۔ اس لئے ان تمام حضرات کو ایک ہی امت قرار دیا گیا۔ (ابنِ جریر، روح، قرطبی، محاسن اور مراغی وغیرہ)۔ اسکے علاوہ امت کے اور بھی کئی معنیٰ آتے ہیں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ بہرکیف حضراتِ انبیائے کرام کا دین ایک ہی دین رہا۔ اور ان سب کی ملت ایک ہی ملت کہ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ پس سب بندگی بھی اسی کی کرو اور ہمیشہ ڈرتے بھی اسی سے رہا کرو کہ وہی ہے جو ڈرنے کے لائق ہے۔ اور وہی ہے جو بخشنے کے لائق ہے۔ سبحانہ، و تعالیٰ۔ مگر اس کے باوجود انکی امتوں نے طرح طرح کی اَہواء واَغراض کے مطابق آپس میں اختلاف کیا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ

سب کا، پس تم سب مجھ ہی سے ڈرو، مگر ان لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ف۷۲ ہر گروہ اسی ٹکڑے پر مگن (اور مست)

فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ

ہے جو اس کے پاس ہے ف۷۳ پس تم چھوڑ دو ان کو ان کی مدہوشی میں (کہ یہ اسی میں پڑے رہیں) ایک وقت تک ف۷۴ کیا انہوں نے

اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي

یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں جو کچھ ترقی دیئے چلے جا رہے ہیں، وہ کوئی ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟

الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ

(ہرگز نہیں،) بلکہ یہ لوگ شعور نہیں رکھتے (اصل حقیقت کا) ف۷۵ بے شک (بھلائیوں میں سبقت کرنے والے لوگ وہ ہیں)

رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾

جو کہ اپنے رب کی (عظمت و) ہیبت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں، جو اپنے رب کی آیتوں پر (سچے دل سے) ایمان رکھتے ہیں،

۷۲ تفریق دین کے جرم کا ذکر۔ والعیاذ باللہ: ۔سو حضرات انبیائے کرام نے تو ایک ہی دین کی دعوت دی مگر ان کی امتوں نے اس کے باوجود اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو حضراتِ انبیاء و رسل کا دین بھی ایک تھا اور ان سب کی دعوت بھی ایک تھی۔ لیکن اس کے باوجود انکی امتوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا آپس میں اپنے دین کو۔ والعیاذ باللہ۔ سو جن کو حضراتِ انبیائے کرام نے ایک ہی دین و ملت کی تعلیم و تلقین فرمائی تھی انہوں نے آگے مختلف ناموں سے کئی دین بنا لئے۔ کوئی یہودی بن گیا، کوئی نصرانی، کوئی مجوسی اور کوئی کچھ اور۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو دینِ حق تو ایک ہی دین تھا اور ایک ہی ہے۔ اور حضراتِ انبیائے کرام نے اسی ایک دین کی دعوت دی تھی اور سب کو اسی کی طرف بلایا تھا۔ لیکن مختلف لوگوں اور ان کے نام نہاد مذہبی پیشواؤں نے اپنی مختلف اَہواء و اَغراض اور خواہشاتِ نفس کی بناء پر اس میں تفرقہ ڈالا اور اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور انہوں نے جانتے بوجھتے اور کھلے دلائل آ جانے کے باوجود ایسے کیا۔ محض اپنی اَہواء و اَغراض اور آپس کی ضد کی بناء پر۔ جیسا کہ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۱۳ میں اس کی تصریح فرمائی گئی۔ سو اس آیتِ کریمہ میں صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ سب لوگ ایک ہی امت اور ایک ہی طریقے پر تھے۔ پھر جب انہوں نے اپنی اہواء و اَغراض کے مطابق مختلف طریقے اور راستے اپنا لیے تو اللہ تعالیٰ نے انکی ہدایت کے لیے خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے رسول بھی بھیجے اور ان کے ساتھ اپنی کتابیں بھی اتاریں تا کہ اس طرح وہ لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ کر سکے۔ مگر ان لوگوں نے کھلے اور واضح دلائل آ جانے کے باوجود آپس میں ضد کی بنا پر اختلاف کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ان اختلافات کے بارے میں نورِ ہدایت سے نوازا جو ایمان لائے اسکے اذن سے۔ اور اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت سے نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔ (البقرۃ:

۲۱۳)۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

۷۳ ہر گروہ اپنے ہی ٹکڑے پرمست ہے: - سو اصل حقیقت تو یہی تھی اور یہی ہے کہ سب انبیائے کرام کی دعوت ایک ہی تھی۔ اور سب کا دین ایک ہی دین تھا۔ لیکن بعد میں لوگوں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کے نتیجے میں ہر گروہ اپنے اسی ٹکڑے پرمست ہے جو اسکے پاس ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ میں ٹھیک ہوں اور کامیابی کی راہ پر چل رہا ہوں۔ وہ اس بارے میں سوچنے اور غور وفکر سے کام لینے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا کہ حق اور حقیقت کیا ہے۔ تو پھر ایسوں کو حق اور ہدایت کا نور کیسے مل سکتا ہے؟ - والعیاذ باللہ - بعینہ یہی بات تمام انبیائے کرام کی دعوت کا حوالہ دینے کے بعد سورۂ انبیاء میں ارشاد فرمائی گئی۔ ملاحظہ ہو سورۂ انبیاء آیت نمبر ۹۲ تا ۹۳۔ سو اس حقیقت کو اس طرح تکرار و تاکید کے ساتھ بیان کر کے واضح فرما دیا گیا کہ سب انبیائے کرام کی دعوت ایک ہی دعوت اور سب کا دین ایک ہی دین تھا۔ لیکن بعد میں لوگوں نے اپنی اَہواء واَغراض کی بناء پر اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور ہر گروہ اپنے ٹکڑے پر ایسا مست و مگن ہو گیا کہ حق بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوتا - الا ماشاء اللہ والعیاذ باللہ - اور حق اور حقیقت بہر حال کل کی طرح آج بھی یہی ہے کہ دینِ حق ایک ہی دین تھا اور ایک ہی ہے۔ یعنی اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اور جو اس کائنات کا دین ہے۔ اور نجات کی راہ وہی ہے جو اس دین نے پیش فرمائی ہے اور بس - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - اللہ تعالیٰ ہر شائبۂ زیغ وضلال سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۷۴ ہٹ دھرموں سے منہ موڑنے کی ہدایت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم چھوڑ دو انکو انکی - غفلت و مدہوشی - میں ایک وقت تک"۔ یعنی انکی موت کے وقت تک کہ اس سے پہلے انکی آنکھیں کھلنے والی نہیں۔ سو اس وقت اصل حقیقت کھل کر ان کے سامنے آجائے گی اور یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیں گے اور ان کو پورا پتہ چل جائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون؟ اور اس وقت یہ لوگ اپنے کیے کرائے کا بھگتان پوری طرح بھگت کر رہیں گے۔ پس آپ اسکی فکر میں نہ پڑیں۔ ان کو انکے اپنے آخری انجام تک چھوڑ دیجئے۔ اور یہی طریقہ لائق ہے معاند اور ہٹ دھرم لوگوں کے۔ کیونکہ جو حق سننے ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے ان کو منہ لگانے اور ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، سوائے تضییع اوقات اور تکلیفِ نفس کے۔ کیونکہ پتھر پر جب جونک لگ سکتی ہی نہیں تو پھر اس کے لیے محنت کرنے اور مشقت میں پڑنے کا فائدہ ہی کیا؟ پس ایسے ہٹ دھرموں کو جو کہ حق بات سننے ماننے کو تیار ہی نہ ہوتے ہوں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں۔ سو ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے - والعیاذ باللہ - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۷۵ منکرین کے لیے ان کا مال و دولت کوئی خیر کی چیز نہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یعنی یہ شعور نہیں رکھتے۔ ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کو جو ان کے مال و اولاد میں بڑھاوا دے رہے ہیں کیا اس سے ہم ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ [نہیں اور ہرگز نہیں] بلکہ یہ لوگ شعور نہیں رکھتے اصل حقیقت کا۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ منکر لوگ اصل حقیقت کے احساس وشعور سے عاری اور محروم ہیں - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ شعور نہیں رکھتے حق اور حقیقت کا۔ اور اپنے سود وزیاں اور نفع ونقصان کا۔ اور یہ لوگ جانتے نہیں کہ یہ اِمہال واستدراج ہے۔ جس کا نتیجہ وانجام دائمی تباہی اور ابدی خسران ہے - والعیاذ باللہ - مگر یہ ہیں کہ استدراج کے اس پھندے کو اپنے لیے انعام کا تمغہ سمجھتے ہیں اور اس سے بچنے کی فکر کرنے کی بجائے الٹا اپنی گردنیں اس کیلئے اور بڑھائے جا رہے ہیں - والعیاذ باللہ - سو یہی نتیجہ ہوتا ہے اِمہالِ خداوندی اور اسکی چال کا کہ وہ بڑی ہی سخت اور انتہائی مضبوط ہوتی ہے۔ اس قدر کہ اس کا سمجھنا بھی ایسے لوگوں کے بس میں نہیں رہتا - والعیاذ باللہ - جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے تصریح فرمائی گئی - ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ - (القلم: ۴۴-۴۵) - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ

جو اپنے رب کے ساتھ کسی طرح کا شرک نہیں کرتے ۷۶ اور جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ دیتے ہیں (اللہ کی راہ میں) جو کچھ کہ ان کو دینا ہوتا

اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

ہے ۷۷ تو ان کے دل ڈر رہے ہوتے ہیں اس (عقیدہ و احساس کی) بنا پر، کہ ان کو بہر حال اپنے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے ۷۸

۷۶ **فائزین کی بعض خاص صفات کا ذکر و بیان:** سو اس سے کامیاب ہونے والوں کی بعض ان اہم صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و سرشار کرتی ہیں۔ سو کامیاب لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اسکی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے"۔ خواہ وہ شرک جلی ہو یا خفی۔ وہ ہر ایک سے بچتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ شرک سب سے بڑا اور نہایت ہولناک گناہ ہے۔ یہ بغاوت کے زمرے میں آتا ہے اور یہ ظلم عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو انسان کی اصل اور حقیقی عزت و عظمت اس کے اخلاق و کردار سے ہے اور عمدہ اور پاکیزہ صفات وہی ہوسکتی ہیں جن کی تعلیم و تلقین حق جل مجدہٗ اور اس کے رسول اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمائی ہو۔ ان میں جو جتنا آگے بڑھے گا اتنا ہی وہ بلند مرتبہ پائے گا۔ اللہ نصیب فرمائے اور ایسا کہ جو اس کی رضا و خوشنودی سے سرفراز کرنے والا ہو۔ اللہ نصیب فرمائے۔ وہو العزیز الوہاب سبحانہ، وتعالیٰ

۷۷ **اللہ والوں کی شانِ انفاق کا خاص اور امتیازی پہلو:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ اللہ کی راہ میں دیتے ہوئے بھی ڈرتے رہتے ہیں" خواہ ان کا وہ خرچ و انفاق فرض زکوٰۃ ہو یا کوئی نفلی صدقہ و خیرات کہ کلمہ ﴿ما﴾ کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ سو وہ اللہ کی راہ میں دیتے ہوئے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کا یہ دیا اللہ کی راہ میں قبول ہوگا یا نہیں۔ اور یہ اسکی شان اور اسکی رضا کے لائق ہے کہ نہیں۔ ام المومنین حضرتِ عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے حضورؐ سے اس آیت کریمہ کے مصداق کے بارے میں پوچھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ تو آپؐ نے ایسے لوگوں کی نشاندہی فرمائی۔ جیسا کہ اگلے حاشیے میں آرہا ہے۔ سو مومنِ صادق کی یہ خاص امتیازی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتے ہوئے بھی اس سے لرزاں و ترساں رہتا ہے کہ کیا پتہ کہ یہ اس خالق و مالک کے یہاں شرف قبولیت سے مشرف و سرفراز ہوسکے گی یا نہیں۔ اور یہ نتیجہ ہوتا ہے ان کی انابت و رجوع الی اللہ کا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرضی وعلی ما یحب ویرضی جل وعلا

۷۸ **انابت و رجوع الی اللہ صلاح و اصلاح کی اصل اساس و بنیاد:** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان کا خرچ و انفاق کسی دکھلاوے اور نمود و نمائش کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو بہر حال اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اور پتہ نہیں کہ وہاں کیا صورت پیش آئے گی۔ ہمارا دیا قبول ہوگا یا نہیں۔ حضرتِ حسنؒ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی کرکے بھی ڈرتا رہتا ہے اور منافق برائی کرکے بھی بے خوف رہتا ہے۔ اور مسندِ امام احمدؒ اور سننِ امام ترمذیؒ وغیرہ میں ام المومنین حضرتِ عائشہ۔ رضی اللہ عنہا۔ سے مروی ہے کہ آپؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسولؐ سے پوچھا کہ اس آیت کریمہ میں کن لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے؟ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو زنا اور چوری وغیرہ جیسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا "نہیں اے صدیق کی بیٹی، بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز روزہ کرتے اور صدقہ و خیرات دیتے ہیں مگر پھر بھی وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارے یہ اعمال قبول ہونگے یا نہیں"۔ لَا يَا ابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنْ هُوَ الرَّجُلُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ وَيَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُ وَيَخَافُ اَلَّا يُقْبَلَ مِنْهُ "۔ (ابنِ کثیر، ابنِ جریر، محاسن، صفوۃ اور مراغی وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو سچے پکے اور صدق و خلوص والے ایمان و یقین کا اثر و نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور بدرجہ تمام و کمال نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا

یہی لوگ ہیں جو دوڑتے ہیں بھلائیوں کی طرف، اور یہی ہیں سبقت کر کے ان کو پالینے والے، ہم کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے

نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ

زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے (یعنی ہر شخص کا نامۂ عمل) جو کہ (ہر ایک کا حال) ٹھیک ٹھیک بتادے گی،

بِالْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ

اور ان پر (ذرہ برابر) کوئی ظلم نہ ہوگا ف۷۹ مگر یہ لوگ ہیں کہ ان کے دل اس سے غفلت (اور مدہوشی) میں پڑے ہیں ف۸۰ اور اس (فسادِ

هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾

عقیدہ) کے علاوہ ان کے کچھ اور اعمال بھی ایسے ہیں جن کو یہ لوگ کرتے رہتے ہیں، (اور یہ لوگ ایسے ہی غفلت و مدہوشی میں پڑے رہیں گے)

حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾

یہاں تک کہ جب ہم عذاب میں پکڑیں گے ف۸۱ ان کے خوشحال (اور عیش پرست) لوگوں کو تو (ان کا سب نشہ ہرن ہو جائے گا اور) یہ چلانے لگیں گے،

لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ

(اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب) چلاؤ مت، کیونکہ ہماری طرف سے اب تمہاری کوئی مدد نہیں ہونے کی، (تم وہی تو ہو کہ اس

آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾

سے پہلے جب) میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم (اپنے کبر و غرور میں) الٹے پاؤں پھر جایا کرتے تھے ف۸۲ اپنی بڑائی کا

۷۹ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا: - بلکہ وہاں سراسر عدل و انصاف ہوگا۔ بلکہ عدل و انصاف سے بھی بڑھ کر فضل و کرم کا معاملہ ہوگا سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم کسی بھی شخص کو اسکی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے"۔ ہمارے پاس ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے جو سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتادے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ نہ ان کی کوئی نیکی کم کی جائے گی اور نہ کسی بدی کا اضافہ کیا جائے گا۔ سو نہ تو ایسا ہوگا کہ انکی کسی نیکی کا اجر و صلہ ان کو نہ ملے اور نہ ہی ایسا ہوگا کہ کوئی ناکردہ گناہ ان کے کھاتے میں ڈال دیا جائے اور اس کا بھگتان خواہ مخواہ ان کو بھگتنا پڑے۔ سو ایسی کوئی بھی صورت کامل عدل و انصاف کے اس دن میں نہیں ہوگی بلکہ وہاں پر ہر کسی کو اسکے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا صلہ و بدلہ ملے گا اور بس۔ کسی ظلم و زیادتی کا کوئی سوال نہیں ہوگا۔ ہر شخص کے کیے کرائے کا پورا ریکارڈ وہاں موجود ہوگا اور اس کے ساتھ ٹھیک

ٹھیک وہی معاملہ کیا جائے گا جس کا وہ اپنے عمل و کردار کی بناء پر مستحق ہوگا۔ کسی کے ساتھ ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور ظلم کیا معنیٰ وہاں تو عدل سے بھی بڑھ کر فضل کا معاملہ ہوگا۔ اور فضل بھی طرح طرح سے ہوگا۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ لوگ اس کے فضل و احسان کی راہ کو چھوڑ کر عذاب اور ہلاکت کی راہ کو اپنائیں اور دوڑ دوڑ کر جا کر ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں گریں؟ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۸۰ منکروں کے دل غفلت میں۔ والعیاذ باللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے دل اس سے غفلت میں پڑے ہیں۔ اور ان کو خیال و احساس تک نہیں کہ جو کچھ یہ کہہ اور کر رہے ہیں وہ کہیں درج ہو رہا ہے۔ اور یہ پورا ریکارڈ کل قیامت کے روز ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پس یہ مشرک اور محروم لوگوں کا حال اور ان کا وصف ہے نہ کہ ان سچے اہل ایمان کا جن کی صفات اوپر بیان ہوئیں۔ جیسا کہ بعض حضرات نے ایسے کہا کہ یہ قرآنِ پاک کے دوسرے نظائر کے خلاف اور ذوقِ سلیم کے بھی منافی ہے۔ (تفسیر القاسمیؒ وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے واضح فرما دیا گیا کہ ان منکر اور متکبر لوگوں کا اصل مرض غفلت اور لاپرواہی ہے۔ سو یہ غافل ہیں اپنی آخرت اور اپنے انجام سے۔ اور اسی بناء پر یہ لوگ پیغمبر کے انذار اور انکی تبلیغ پر کان نہیں دھرتے۔ اور ان امور کی طرف توجہ نہیں کرتے جو ان کو آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں کام آئیں گے۔ بلکہ انکی دلچسپی کے کام کچھ اور ہی ہیں جن میں یہ دن رات محو اور منہمک رہے ہیں۔ جن کا تعلق ان کی خواہشات کی تکمیل، دنیاوی مفادات کی تحصیل اور مادی فوائد و منافع سے ہوتا ہے اور بس۔ اور یہی حال ابنائے دنیا کا کل تھا اور یہی آج ہے کہ دنیا اور اسکی وقتی لذات ہی ان کیلئے سب کچھ ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ لوگ اپنی رفاہیت اور خوشحالی کو اپنی صداقت اور نیک مآلی کی دلیل سمجھے بیٹھے ہیں۔ سو یہاں پر اس اضراب کا تعلق ان متکبرین کے اسی مغالطے سے ہے۔ اوپر ان کی اس مغالطے کے ذکر کے بعد کلام کا رخ اہلِ ایمان کی طرف مڑ گیا تھا۔ اب پھر اسی سلسلۂ کلام کی طرف عود فرمایا جا رہا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے دل غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہ اپنی خرمستیوں میں اس طرح کھوئے ہوئے ہیں کہ ان کے لیے اہلِ ایمان کی ان عمدہ صفات اور اعمالِ خیر میں کوئی کشش نہیں جن کا ذکر اوپر آیات نمبر ۵۷ تا ۶۰ میں فرمایا گیا ہے۔ سو یہ ایسے ہی غافل اور خواہشاتِ بطن و فرج کے تقاضوں کے تحصیل و تکمیل میں محو و منہمک رہیں گے یہاں تک کہ ان کو خداوندِ قدوس کا وہ عذاب آ دبوچے گا جس کا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو اپنے اعراض و انکار اور عُجب و غرور کی بناء پر بنا دیا۔ اور اس طور پر کہ پھر ان کے لیے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ اور یہی ہے سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۸۱ عذابِ الٰہی کی مختلف شکلیں: ۔سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ منکرین و مستکبرین پر اللہ کا عذاب آتا ہے۔ اور مختلف شکلوں میں آتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے منکر اور مستکبر ایسے ہی غفلت اور مدہوشی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ اچانک آ پکڑے گا ان کو ہمارا عذاب۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس سے مابعد الموت کا عذاب مراد لیا ہے لیکن اکثر حضراتِ اہلِ علم اور جمہور مفسرینِ کرام کے نزدیک اس سے مراد دنیا ہی کا کوئی عذاب ہے۔ جیسے عذابِ بدر وغیرہ۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، روح، قرطبی، مدارک، خازن، صفوۃ البیان، اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ اور ایسے عذاب اس دنیا میں طرح طرح کی صورتوں اور شکلوں میں آتے رہتے ہیں تاکہ منکر اور باغی لوگ اپنے کئے کا بھگتان بھگتیں۔ والعیاذ

باللہ-اور جس نے سنبھلنا ہو وہ سنبھل جائے۔ سو کبھی یہ عذاب کسی طوفان اور زلزلے کی شکل میں آتا ہے۔ کبھی کسی آگ اور حادثے کی صورت میں اور کبھی کسی جنگ اور دوسری تباہی کی شکل میں اور کبھی کسی قحط سالی اور بھوک مری کی صورت میں وغیرہ وغیرہ-والعیاذ باللہ تعالیٰ- جیسا کہ ہمارے اس دور میں بھی اس کی طرح طرح کی مثالیں ہمارے سامنے وجود میں آتی رہتی ہیں اور وہ اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر لوگوں کو عبرت پذیری کی دعوت دیتی رہتی ہیں- چنانچہ اسکی ایک تازہ مثال جو ابھی چند ہی سال قبل ہمارے سامنے رونما ہوئی دنیا کی اپنے دور کی سب سے بڑی شیطانی سپر پاور روس جو کہ افغانستان میں ان نہتے مجاہدوں سے ٹکرا کے اب پاش پاش ہوگئی ہے جو کہ ظاہری اسباب و وسائل کے لحاظ سے خالی لیکن قوتِ ایمانی سے لیس اور سرشار تھے۔ یہاں تک کہ سابقہ سوویت یونین کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ پھر بچے کھچے روس میں قحط سالی اور بھوک مری سے یہ حالت ہوگئی کہ وہ دنیا ساری سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو گیا اور دنیا کے دوسرے کئی ملکوں کی طرح پاکستان جیسے محدود وسائل کے ترقی پذیر ملک کی طرف سے بھی اس کو اسی ہفتے دس ہزار ٹن چاول کی بھیک دی گئی۔ اور جیسا کہ روس ہی میں کچھ سال قبل چرنوبل کے ایٹمی پلانٹ سے رسنے والی گیس سے ایک ہولناک تباہی پھیلی۔ جس سے ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے اور ہزاروں اپاہج، معذور اور ہمیشہ کے لیے بیکار ہوگیے۔ اور جیسا کہ ایڈز کی بیماری کی صورت میں اسکی ایک اور مثال موجود ہے جس سے آج ساری دنیا خوف وہراس میں مبتلا ہے۔ سو ایسے ایسے عذاب قدرت کی طرف سے آتے رہتے ہیں تاکہ باغیوں اور سرکشوں کو اپنے کیے کا کچھ پھل ملے اور دوسروں کو عبرت ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے-﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾- (السجدۃ-۲۱) لیکن غافل دنیا پھر بھی عبرت نہیں پکڑتی-الا ماشاء اللہ- جبکہ منکروں کے لیے اصل عذاب تو آخرت میں ہوگا جو کہ بڑا ہی ہولناک اور انتہائی سخت ہوگا- والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے- اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۸۲ حق سے محرومی ہر چیز سے محرومی، والعیاذ باللہ: -سو حق سے محرومی ہر چیز سے محرومی، اور اللہ کی آیتوں سے الٹے پاؤں پھرنا محرومیوں کی محرومی ہے- والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں سے کہا جائے گا کہ ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں مگر تم لوگ ہماری آیتوں سے الٹے پاؤں پھر جایا کرتے تھے اور ان پر کان نہیں دھرتے تھے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اس کتابِ حکیم سے منہ موڑنا دراصل عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے- والعیاذ باللہ- اور طرح طرح کے ان عذابوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دنیاوی زندگی کی اس فرصتِ محدود میں قرآنِ پاک کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جائے۔ اس پر صحیح و سچا ایمان لے آئے اور اس کے ارشادات و ہدایات کے مطابق اپنا عقیدہ اور عمل درست کر لے۔ سو یہ کتابِ حکیم اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کو امن وامان کی نعمت و دولت سے سرشار کرتی ہے- اَللّٰهُمَّ زِدْنَا تَوْفِيقًا وَّ صِدْقًا وَّاِخْلَاصًا- بہرکیف غافل لوگوں نے ہمیشہ عذاب کے آنے پر چیخنا چلانا شروع کیا تو اسکے جواب میں ان کو اس طرح رسواء وذلیل کیا گیا۔ سو اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے اعراض وروگردانی اور ان سے الٹے پاؤں پھرنا محرومیوں کی محرومی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اور اس کے برعکس اس کتابِ حکیم پر سچا پکا ایمان اور اس سے دلی تعلق واشتغال، اس کو سیکھنا سکھانا اور اس کی تعلیماتِ مقدسہ کو صدقِ دل سے اپنانا اور ان پر عمل پیرا ہونا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ مایُحِبُّ ویرید بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا

گھمنڈ کرتے ہوئے اس (قرآن) کو مشغلہ بناتے ہوئے ۸۳ اور بکواس کرتے ہوئے ۸۴ تو کیا ان لوگوں نے کبھی اس کلام پر غور نہیں کیا ۸۵ یا

الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

ان کے پاس کوئی ایسی (انوکھی) چیز آ گئی ہے، جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی؟ یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا

۸۳ لفظِ "سامر" کا معنیٰ ومطلب؟:- "سامر" ایسے لوگوں کے گروہ کو کہا جاتا ہے جو رات کو باہم بیٹھ کر گپیں لگاتے ہیں۔ اسی بناء پر مشرکینِ مکہ بیت اللہ کے گرد جمع ہو کر قرآنِ حکیم پر طعنہ زنی اور طرح طرح کی باتیں اور اعتراضات کیا کرتے تھے۔ اور اس طرح وہ حق اور اہلِ حق سے اور دور ہوتے اور ان سے نفرت اور اپنی محرومی وہلاکت میں اضافہ کرتے۔ والعیاذ باللہ۔ (ابنِ کثیر، جامع، خازن اور صفوۃ وغیرہ)۔ اور "سامر" کے اس صیغہ کی وضع میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مصدر ہے جو کہ اسمِ فاعل کے وزن پر ہے۔ جیسے "عاقبۃ" اور "عافیۃ" وغیرہ۔ دوسرا یہ کہ یہ مفرد ہے جمع کے معنیٰ میں۔ یعنی "سامر" یہاں پر "سامرین" کے معنیٰ میں ہے۔ اور تیسرا یہ کہ یہ اسمِ جمع ہے جو کہ مفرد اور جمع سب کیلئے بولا جاتا ہے جیسے "حاج"، "راکب" اور "حاضر" وغیرہ۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ان منکرین ومستکبرین کے قول کا ایک حصہ ہو۔ یعنی یہ کہ تم لوگ اے منکرو، اللہ کے رسول کو "سامر" یعنی قصہ گو کہہ کر لوگوں کو ان سے روکنے اور دور رکھنے کی سعیِ مذموم کیا کرتے تھے۔ منکرین کے بعد جو "بـہ" کا صلہ آ گیا تو اس سے اس لفظ میں استہزاء کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ یعنی تم لوگ اپنے کبر وغرور کے گھمنڈ میں پیغمبر کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ہماری آیتوں سے تم لوگ الٹے پاؤں پھرا کرتے تھے۔ اور اللہ کے رسول کو قصہ گو قرار دے کر لوگوں کو ان سے متنفر کیا کرتے تھے۔ سو اب تمہارے چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم اپنے کیے کرائے کا مزہ چکھتے رہو۔ والعیاذ باللہ العظیم مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَّسُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ، بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ۔

۸۴ ﴿تَهْجُرُوْنَ﴾ کا معنیٰ ومطلب؟:- یعنی تم لوگ بکواس کرتے اور یاوہ گوئی سے کام لیا کرتے تھے۔ یعنی قرآن اور صاحبِ قرآن کے بارے میں۔ یہ لفظ "ھجر" سے مشتق ہے۔ یعنی "ہا" کے ضمہ کے ساتھ۔ جس کے معنیٰ یاوہ گوئی اور بکواس کرنے کے آتے ہیں۔ اسلئے اسکے معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ فحش الکلام یا القول الفاحش وغیرہ۔ اور وہ لوگ یعنی کفارِ قریش بیت اللہ کے باہر بیٹھ کر اس کتابِ حکیم کے بارے میں طرح طرح کی یاوہ گوئی سے کام لیتے تھے۔ کبھی وہ اسکو سحر اور جادو کہتے۔ کبھی اسکو شعر اور فرضی وخیالی باتوں والا کلام قرار دیتے۔ کبھی اس کو کہانت کہتے اور کبھی اسکو وہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں اور افسانے۔ "اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ"۔ قرار دیتے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس سب کی وجہ ان کا استکبار یعنی اپنی بڑائی کا وہ گھمنڈ تھا جو وہ بیت اللہ کے خادم اور مجاور ہونے کی وجہ سے اپنے اندر رکھتے تھے کہ چونکہ ہم بیت اللہ کے خادم اور مجاور ہیں اس لئے نہ ہم سے کوئی کسی طرح بڑھ سکتا ہے اور نہ وہ ہم پر کوئی غلبہ پا سکتا ہے۔ جیسا کہ یہاں پر ﴿مستکبرین بـہ﴾ "اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھتے ہوئے" اسی۔ بیت اللہ کی۔ کی بناء پر کہ اس ارشادِ ربانی سے ان کے اس مرض اور سببِ

مرض کی تشخیص فرمادی گئی جو کہ اس کا ایک اہم احتمال ہے۔ نیز یہ لفظ "تَھۡجُرُوۡن" "ھَجۡرَ" سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے جسکے معنٰی چھوڑنے اور ترک کرنے کے آتے ہیں۔ (ابن کثیر، ابن جریر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، قرطبی، اور مراغی وغیرہ) ۔اور اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں معنٰی آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ کیونکہ جو کوئی اس کتاب حکیم کے بارے میں اس طرح کی یاوہ گوئی اور بیہودہ کلامی کرے گا وہ لازماً اس سے دور اور محروم ہوجائے گا۔ اور وہ اس کتاب عزیز کی طرف سے دھتکار دیا جائے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف یہ دونوں معنٰی یہاں مراد لینا درست ہیں۔ اور کفار میں یہ دونوں ہی باتیں پائی جاتی تھیں۔ کل بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے۔ کچھ فرق اگر ہے تو وہ صرف انداز واسلوب کا ہے۔ قرآن حکیم پر طعنہ زنی اور ہرزہ سرائی کا مشغلہ اہل کفر وضلال کے یہاں کل بھی موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔ اور قرآن حکیم سے منہ موڑ کر طرح طرح کی ناولوں، ڈائجسٹوں اور قصوں کہانیوں وغیرہ میں وقت ضائع کرنے کی روش کل بھی زوروں پر تھی اور آج بھی اس کا یہی حال ہے۔ بلکہ اب اس کو فن اور آرٹ وغیرہ جیسے مختلف دلکش ناموں اور عنوانوں کے ساتھ رواج دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اسکے لئے آج کے نت نئے ذرائع نشر واشاعت سے بطور خاص کام لیا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین۔ یاذا الجلال والاکرام ویا اکرم الاکرمین

۸۵ قرآن حکیم کے بارے میں غور وفکر کی دعوت وتحریض: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہام کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا ان لوگوں نے کبھی اس کلام کے بارے میں غور نہیں کیا؟ تاکہ یہ اس کی حقیقت کو جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ۔ یعنی ان کو اس بارے غور وفکر سے کام لینا چاہئے۔ تاکہ اسکے نتیجے میں یہ نور حق وہدایت سے بہرہ ور و سرفراز ہوسکیں اور دائمی ہلاکت وتباہی سے بچ سکیں۔ سو اس ارشاد میں زجر وتخصیص ہے کہ یہ لوگ اس کلام حکیم میں غور وفکر سے کام لیں۔ آخر یہ لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان لوگوں کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں یا یہ اس سے اس لیے بدکتے ہیں کہ ان کے پاس وہ کچھ آگیا جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آیا۔ سو اگر ایسا ہے تو آخر یہ اپنی ناک سے آگے کیوں نہیں دیکھتے۔ یہ لوگ اپنے قریب کے ان آباؤ اجداد کو تو دیکھتے ہیں جو علم کی روشنی سے محروم ہونے کے باعث کفر وشرک کے اندھیروں میں ڈوبے پڑے تھے۔ لیکن یہ اپنے آباؤ اجداد کے مورث اعلیٰ اور جد امجد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو کیوں نہیں دیکھتے جو اسی دین فطرت اسلام پر قائم تھے۔ سو اگر یہ لوگ قرآن حکیم کی تعلیمات مقدسہ کو اپنے مشرک باپ دادا کی روایات کے خلاف سمجھ کر ان سے بدکتے ہیں تو یہ ان کی بڑی جہالت وحماقت اور ہٹ دھرمی ہے۔ باپ دادا کا طریقہ بجائے خود کوئی سند اور دلیل نہیں ہوتا بلکہ اس کو عقل ونقل کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور پھر یہ لوگ اپنے انہی باپ دادا کی لکیر کے فقیر کیوں بنے ہوئے ہیں جو دین سے بے خبر اور علم کی روشنی سے محروم تھے۔ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل جیسے باپ دادا کو کیوں نہیں دیکھتے جو ان کے جد امجد اور مورث اعلیٰ تھے اور جن کے ساتھ اپنے انتساب پر یہ فخر بھی کرتے ہیں۔ سو ان کو ان ہی کے نقش قدم پر چلنا چاہیے تاکہ ان کا بھلا ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ

تو (انجان ہونے کی وجہ سے) یہ اس کے منکر ہو رہے ہیں؟ ۸۶ کیا یہ لوگ (اتنی ظالمانہ اور احمقانہ بات) کہتے ہیں کہ اس شخص کو جنون ہو گیا

یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ

ہے؟ نہیں (ان میں سے کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی،) بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ رسول ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں، اور ان لوگوں

لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ

کی اکثریت کو حق (کا نور) ہی ناگوار ہے ۸۷ اور اگر (بفرضِ محال) کہیں حق ان کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگتا، تو کبھی کے تباہ (و برباد)

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ

ہو چکے ہوتے یہ آسمان اور زمین، اور وہ سب مخلوق جو کہ ان کے اندر موجود ہے ۸۸ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہم ان کے پاس ان کا ذکر

۸۶ منکرین کے دلوں پر ایک دستک: ۔سو منکرین کے دلوں پر ایک دستک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں؟ سو یہ بات بھی نہیں کہ یہ لوگ آپؐ کے حسب ونسب اور آپ کی صداقت وامانت سے پوری طرح واقف وآگاہ تھے اور ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان کا یہ انکار اور یہ مخالفت دراصل حسد کی اس آگ کی بناء پر ہے جس میں یہ لوگ جل رہے ہیں۔ اور اتباعِ ہوٰی کے اس سنگین روگ کے باعث ہے جس میں یہ مبتلا ہیں۔ اور حسد اور اتباعِ ہوٰی کے یہ دونوں روگ ایسے سنگین اور ہولناک روگ ہیں جو انسان کو حق کے نور اور ہدایت کی دولت سے محروم کر دیتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ان لوگوں کیلئے یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی آگہی اور ان پر اِتمامِ حجت کیلئے اپنا رسول بھیجتا ہے تو وہ مرحلہ اس قوم کیلئے بڑا اہم اور نہایت ہی نازک ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے بعثتِ رسول کی اس عظمت کو پہچانا اور وہ صدقِ دل سے اس پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ انکو اپنی خاص عنایات سے نوازتا ہے اور ان کو تمکین فی الارض کے شرف سے مشرف فرماتا ہے۔ اور اگر اس کے برعکس ان لوگوں نے کفر وانکار کا مظاہرہ کیا اور اس انتہائی نازک اور حساس معاملے میں لاپرواہی برتی اور لاابالی پن سے کام لیا تو انکو فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ سو اس قدیمی سنتِ الٰہی کی بناء پر نبی آخر الزماںؐ کی بعثت وتشریف آوری سے قریش کے لوگ بالخصوص اور دوسری قومیں بالعموم بڑے نازک اور فیصلہ کن موڑ پر آ گئیں۔ اگر یہ ایمان لائے تو عزت پا گئے ورنہ مارے گئے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس ارشاد میں قریش کے لیے انکی ناعاقبت اندیشی پر تنبیہ ہے کہ یہ ہوش کے ناخن لیں۔ اور اپنے رویے کی اصلاح کر لیں قبل اس سے کہ فرصتِ حیات ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ ہمیش کے لیے مبتلائے عذاب ہونا پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۷ لوگوں کی اکثریت کو حق ناگوار۔ والعیاذ باللہ: ۔سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ لوگوں کی اکثریت کو حق ناگوار ہے

۔کیونکہ حق کی پیروی سے ان کی نفس پرستی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے راستے بند ہوتے ہیں۔اس لئے ان کے اندر کا زیغ و ضلال ان کے لئے حق پرستی سے مانع ہے- والعیاذ باللہ-سو اس ارشادِ ربانی میں ایک بڑے اہم اور خطیر مرض کی تشخیص اور نشاندہی فرمادی گئی ہے جو کہ افراد کے اندر بھی رہا اور اقوام وملل کے اندر بھی۔جو کل بھی تھا اور آج بھی ہے۔بلکہ آج تو وہ پورے عروج پر ہے۔ اور وہ مرضِ خطیر ہے اِتباعِ ھوٰی کا مرض۔جسکے بعد اس مرض میں مبتلاء انسان کو حق کا سننا اور قبول کرنا گوارہ نہیں ہوتا اور اسکے لئے سب سے زیادہ گراں شے اور ناگوار چیز نورِ حق وہدایت ہی ہوتی ہے۔کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔اور آج یورپ وامریکہ وغیرہ تمام مشرق ومغرب کے مادہ پرست معاشرے کی اصل اساس وبنیاد یہی اِتباعِ ھوٰی ہے۔جسکو ان لوگوں نے اساس وبنیاد کے طور پر طے اور تسلیم کر رکھا ہے کہ ہر کوئی اپنی خواہش کی تکمیل جیسے اور جس طرح چاہے کرے۔اسکو اس سے کوئی نہیں روک سکتا سوائے اسکے کہ اسکی خواہش دوسرے کی خواہش پرستی میں حارج اور رکاوٹ بنے۔اور اس طرح یہ لوگ اِتباعِ ھوٰی کے ہولناک گڑھے میں گر کر خالص حیوان بن کر رہ گئے۔بلکہ اس سے بھی بدتر ہو گئے ہیں اور- ﴿اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾- کے کھلے اور صریح مصداق بن گئے ہیں جو کہ سب سے بڑا اور ہولناک خسارہ ہے۔آخر انسان اگر انسانیت کے منصۂ شرف سے گر کر گدھے ، بیل اور کتے ، خنزیز وغیرہ کی سطح پر آجائے بلکہ اس سے بھی نیچے پہنچ کر وہ اسفل السافلین بن جائے تو اس سے بڑھ کر ہولناک خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے؟-والعیاذ باللہ الّذی لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَلَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاہ- اور مزید یہ کہ ان کو اپنے اس خسارے کا احساس بھی نہ ہو۔اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔آمین

۸۸ کائنات کا وجود حق کا مرہونِ منت: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر بالفرض کہیں حق ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگتا تو آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان کی یہ ساری کائنات کبھی کی تباہ وبرباد ہو گئی ہوتی۔کیونکہ یہ سب کچھ حق کے وجود ہی سے قائم اور اسی سے وابستہ ہے۔اور اگر بفرضِ محال حق خود انکی خواہشات کا تابع ہو جائے تو پھر ان کے بچنے کا کیا سوال۔سو اس میں عقل وفکر رکھنے والوں کے لئے زبردست دعوت اور زوردار تلقین ہے اس امر کی کہ وہ خواہشاتِ نفس کے پیچھے چلنے کی بجائے صدقِ دل سے حق وہدایت کی پیروی کریں۔اور یہ توقع نہ رکھیں کہ حق ان کی خواہشات کی پیروی کریگا۔کیونکہ ایسا بالفرض اگر ہو جائے تو آسمان وزمین کا سارا نظام حق پر قائم ہے۔جبکہ تمہاری زندگی کا سارا معاملہ خواہشاتِ نفس کی تکمیل پر مبنی ہے۔اور خواہشاتِ نفس اور حق کے درمیان تو بعد المشر قین ہے۔اب اگر بالفرض حق ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگے تو خیر کی جگہ شر، عدل وانصاف کی جگہ ظلم وزیادتی، نیکی کی جگہ بدی اور امانت کی جگہ خیانت وبددیانتی کا دور دورہ ہو جائے اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ ایمان وتوحید کی جگہ کفر وشرک اور قیامت وآخرت کے عقیدۂ ویقین اور اس کے لیے تیاری کی بجائے انکارِ آخرت اور غفلت ولاپرواہی کا دور دورہ ہو جائے کہ اکثریت اور میجورٹی تو ایسے ہی لوگوں کی ہے۔سو اگر ان عظیم الشان حقائق کی بجائے ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی جانے لگے تو دنیا کی تمام اخلاقی قدریں اور ان پر مبنی مستحکم نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔اور اگر اس کے اندر شرک کے وجود کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ساری بنیاد ہی ختم ہو جائے کیونکہ شرک کے ساتھ اس کائنات کا نظام ایک دن بھی باقی نہیں رہ سکتا۔جیسا کہ آگے اسی سورۂ کریمہ کی آیت نمبر ۹۱ میں واضح فرمایا گیا ہے-سو اصل چیز حق اور اس کی پیروی ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-وعلٰی مایُحبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا

لائے ہیں ف۸۹ مگر یہ (ایسے بدبخت اور بے انصاف) ہیں کہ اپنے ذکر ہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں ف۹۰ کیا آپ اے پیغمبر۔ ان سے کوئی

فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ

اجرت مانگ رہے ہیں؟ تو (اس کا بھی کوئی سوال نہیں، کیونکہ) آپ کے رب کا اجر تو بہرحال سب سے بہتر ہے اور وہی ہے سب

لَتَدْعُوهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِيْنَ

سے بہتر دینے والا ف۹۱ اور آپ یقیناً بلا رہے ہیں ان لوگوں کو (حق و ہدایت کے) سیدھے راستے کی طرف ف۹۲ اور بلاشبہ جو لوگ (اپنی

لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ

دنیاوی لذتوں پر فریفتہ ہو کر) آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ قطعی طور پر سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ف۹۳ اور اگر ہم ان

رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

پر رحم کر کے ان سے وہ تکلیف دور کر دیں جو ان کو پہنچی ہوتی ہے، تو یہ یقیناً (شکر گزار بننے کی بجائے الٹا) اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے

۸۹ حق سے اعراض و روگردانی باعث ہلاکت و تباہی، والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ذکر و تذکیر خداوندی سے اعراض و روگردانی باعثِ ہلاکت و محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم تو ان کے پاس ان کے ذکر لائے اور انکی تذکیر و یاددہانی کا سامان کیا لیکن یہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ یعنی قرآنِ حکیم جو کہ ایک ایسی کامل اور بے مثال نصیحت ہے جس میں کسی نقص و کمی کا کوئی سوال و احتمال نہیں اور جس کا کوئی متبادل ممکن ہی نہیں اور جس کو اپنانے میں ان کی اپنی عظمت و ناموری بھی ہے اور حقیقی عزت اور رفعت بھی۔ سو یہ ان کے حصے کی تذکیر و یاددہانی ہے جو ہم ان کیلئے لائے ہیں۔ اور اس سے ان پر اتمامِ حجت کر دی گئی۔ اب اگر یہ اسکی قدر کریں گے اور صدقِ دل سے اس پر ایمان لا کر اسکی تعلیماتِ مقدسہ کی پیروی کریں گے تو یہ خود ان کیلئے بہتر ہوگا۔ دنیاوی زندگی کی اس عارضی اور محدود فرصت میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ ورنہ یہ بھی اپنے اس ہولناک انجام کیلئے تیار ہو جائیں جو اس کے پہلے سے منکروں کو پیش آ چکا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین، یا اکرم الاکرمین

۹۰ ہٹ دھرمی کا نتیجہ محرومی۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم تو ان کے پاس ان کے حصے کی تذکیر و یاددہانی لائے تاکہ ان کے لیے سعادتِ دارین کا سامان ہو سکے۔ مگر یہ لوگ اپنے اس ذکر ہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اور اس طرح دنیا و آخرت کی خیرات و برکات کے اس منبع و مصدر سے منہ موڑ کر یہ لوگ شقاوت و بدبختی اور حرمان نصیبی کی راہ پر چل رہے ہیں جو کہ نتیجہ ہے انکی ہٹ دھرمی کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو خداوندِ قدوس کے اتارے ہوئے ذکر اور اسکی ارشاد فرمودہ

تذکیر و یاد دہانی سے اِعراض برتنا اور اس سے منہ موڑنا بڑے ہی ہولناک خسارے کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جبکہ اس کو صدق دل سے اپنانا۔ اور اس کو وظیفۂ حیات اور حرز جان بنانا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لمایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ

۹۲ **اور اللہ ہی ہے سب سے بہتر روزی رساں**:۔ کہ سب خزانوں کا مالک و متصرف تنہا وہی وحدہٗ لاشریک ہے، جس کو جو چاہے اور جس قدر چاہے عطا فرماتا ہے۔ سو جس خوش نصیب کی نظر اس وحدہٗ لاشریک کی عطاء و بخشش پر ہو اس کے سامنے اس دنیائے دوں اور اس کے حطامِ زائل کی حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے؟۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو پیغمبر تم سے کچھ نہیں مانگتا بلکہ اس کا بھروسہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر ہے۔ تم کو تو وہ سب کچھ مفت دے رہا ہے تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ سو اس میں ایک طرف تو پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے اور دوسری طرف منکرین و معاندین کے لیے زجر و تنبیہ اور ملامت و توبیخ۔ کہ پیغمبر تمہارے سامنے حق و ہدایت کا جو پیغام و پروگرام پیش کر رہے ہیں وہ اس پر تم سے کوئی صلہ اور معاوضہ تو نہیں مانگتے کہ تم اس کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہو۔ انہوں نے تو جس طرح اس دولت کو مفت پایا اسی طرح اس کو آگے مفت بانٹ رہے ہیں۔ ان کا اجر تو اس خداوندِ قدوس پر ہے جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور سب سے بہتر روزی رساں ہے۔ اور اگر ان لوگوں نے اس نعمت کبریٰ کی قدر نہ کی تو اس میں خود ان ہی کا نقصان ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے کسی نقصان کا کوئی سوال نہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۹۳ **پیغمبر کی دعوت صراطِ مستقیم کی طرف**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ یقیناً انکو بلا رہے ہیں سیدھی راہ کی طرف"۔ جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اور جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و ہمکنار کرنے والا راستہ ہے۔ اور جو عظیم الشان و بے مثال راہ ہے۔ مگر آپ کا کام صرف بلانا اور اس راستے کی دعوت دینا ہے اور بس۔ آگے راہِ ہدایت پر ڈال دینا نہ آپ کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی یہ آپ کے بس میں ہے۔ اب یہ بات ان لوگوں کے اپنے اختیار اور انکی اپنی صوابدید پر ہے کہ یہ اس راہِ حق کو اپنا کر اپنے لیے سعادتِ دارین کا سامان کرتے ہیں یا اس سے منہ موڑ کر شقاوتِ دارین کی راہ کو اپناتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف پیغمبر کی دعوت صراطِ مستقیم کی اس عظیم الشان اور بے مثال شاہراہ کی طرف ہے جو انسان کو اس کی حقیقی منزل تک پہنچاتی اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و بہرہ مند کرنے والی واحد شاہراہ ہے۔ اور اس سے اِعراض و روگردانی دنیا و آخرت کی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۴ **عقیدۂ آخرت اصلاحِ احوال کی اصل اساس**:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ عقیدۂ آخرت اصلاح احوال اور سعادتِ دارین سے سرفرازی کے لیے اصل اساس اور شاہ کلید ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور تاکید در تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ قطعی طور پر سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور جو سیدھی راہ ہی سے محروم ہوں۔ ان کی اصلاح کی صورت اور اس کی توقع ہی کیا ہو سکتی ہے؟ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عقیدۂ آخرت انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی شہ کلید ہے۔ جبکہ عقیدۂ آخرت کے بغیر انسان کو نہ صحیح راہ مل سکتی ہے اور نہ ہی اس کی زندگی سدھر سکتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو آخرت پر ایمان و یقین دارین کی سعادت و سرخروئی کیلئے شہ کلید ہے اور سب سے اہم بنیاد ہے۔ یہ عقیدۂ آخرت ہی ہے جس کی بنا پر انسان اپنی ہوا و ہوس پر کنٹرول کرتا اور اپنی نقد لذتوں کی قربانی دیتا ہے۔ اور نفس کی آزادیوں پر پہرے بٹھاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ حدود و قیود کی پابندی کرنے والا ایک ذمہ دار اور پاکیزہ انسان بن جاتا ہے۔ ورنہ وہ لاپرواہ اور حیوانِ بے لگام بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا

برابر اسی میں لگے رہیں گے ۹۴ چنانچہ (اس حقیقت کا ایک شاہد یہ ہے کہ) ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا پھر بھی یہ نہ تو

لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا

اپنے رب کے سامنے جھکے، اور نہ ہی انہوں نے اس کے حضور عاجزی کی ۹۵ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر کھول دیا

عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع وَهُوَ

کوئی دروازہ کسی سخت عذاب کا ۹۶ تو اس وقت یکا یک کٹ کر رہ گئیں ان کی سب (آرزوئیں اور) امیدیں، اور وہ

الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا

(اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں، اور دل پیدا کئے، مگر تم لوگ

۹۴ سرکشوں کے لیے کوئی نشانی کارگر نہیں ہوتی:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ''سرکش لوگوں کا اپنی سرکشی ہی پر اصرار رہا جس کے نتیجے میں آخر کار وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے''- والعیاذ باللہ- اور مصیبت کے وقت توبہ اور اصلاح کے جو وعدے ان لوگوں نے کئے ہوتے ہیں ان سب کو یہ بھول جاتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اور اس طرح کی مصیبتوں سے جو کہ اصل میں انسان کو جھنجھوڑنے کیلئے ہوتی ہیں ان کی اکڑی ہوئی گردنوں میں کوئی خم نہیں آتا- اور یہ اپنے خالق و مالک کی طرف جھکنے اور راہِ حق وصواب کو اپنانے کی بجائے اپنی سرکشی اور بے راہ روی ہی پر اڑے رہتے ہیں اور طرح طرح کی منطق اور فلسفے بگھارنے لگتے ہیں کہ صاحب ایسے ہوتا رہتا ہے- اچھے برے حالات آتے رہتے ہیں اور ہمارے باپ دادا سے بھی ایسے ہوتا رہا- تو پھر ایسوں کو ہدایت ملے تو کیونکر؟- والعیاذ باللہ- سو سرکشوں اور اپنی سرکشی پر اصرار کرنے والوں کے لیے کوئی نشانی اور کوئی تنبیہ کارگر نہیں ہوتی- یہاں تک کہ ایسے لوگ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں- سو عناد و سرکشی محرومیوں کی محرومی اور ہولناک خسارے کا باعث ہے- والعیاذ باللہ العظیم- سو جو معاند اور ہٹ دھرم لوگ ایمان لانا ہی نہ چاہیں ان کے لیے کوئی نشانی اور تنبیہ کارگر نہیں ہوسکتی- جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾- (یونس:۱۰۱)- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین

۹۵ تنبیہی عذاب کا تقاضا اپنے رب کے حضور جھکنا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے ایسوں کو طرح طرح کے تنبیہی عذابوں میں پکڑا'' مگر ان کا حال یہ تھا کہ مصیبت آنے پر ایسے لوگ نہ اپنے رب کے حضور جھکے نہ عاجزی کی''- بلکہ یہ کفر و سرکشی کی اپنی سابقہ روش پر برابر اڑے رہے- والعیاذ باللہ- یہاں تک کہ یہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ

کرر ہے۔ تکلیفوں پر انسان کے اندر فروتنی اور عاجزی کا نہ پیدا ہونا اور اپنے رب کے حضور نہ جھکنا بڑے ہی خسارے کا سودا ہے۔ کہ اس سے انسان بالآخر اپنے اس ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتا ہے جس سے پھر بچنے اور واپسی کی کوئی صورت ممکن نہیں رہتی- والعیاذ باللہ- سو اوپر والی آیتِ کریمہ میں معاندین ومنکرین کی عناد و سرکشی والی جس روش کا ذکر فرمایا گیا اس ارشاد کے ذریعے گزشتہ قوموں کی تاریخ کے حوالے سے اس کی دلیل اور اس کا ثبوت پیش فرمایا گیا ہے کہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسی ٹیڑھی کھوپڑی والے اور اس قماش کے لوگ تنبیہات سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- یہاں پر ''استکانہ'' اور ''تضرع'' کے دو لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ سو ان دونوں میں ظاہر اور باطن کا فرق ہے۔ ''استکانہ'' دراصل اس شکستگی اور فروتنی کا نام ہے جو انسان کے قلب و باطن پر طاری ہوتی ہے اور اس کا اثر و نتیجہ ظاہری گریہ وزاری، آہ و بکا اور دعا و فریاد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ سو ان بدبختوں پر ایسے تنبیہی عذابوں سے نہ ظاہر کے اعتبار سے کوئی اثر ظاہر ہوا نہ باطن کے اعتبار سے۔ اس لیے یہ محروم کے محروم ہی رہے اور ایسے بدبخت لوگوں کا آج تک یہی حال ہے۔ آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح کے عذاب آتے ہیں اور آتے رہتے ہیں لیکن ایسے لوگ ان سے کوئی سبق نہیں لیتے نہ ان کی الٹی کھوپڑیاں سیدھی ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کی اکڑی ہوئی گردنوں میں خم آتا ہے۔ اور یہی سب سے بڑا خسارہ، بلکہ خساروں کا خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم-

۹۶ تمرد و سرکشی کا نتیجہ ہولناک و فیصلہ کن عذاب- والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے بدبخت اور متکبر لوگ اپنے تمرد و سرکشی اور کفر و انکار ہی پر اڑے رہے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر کسی سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا۔ اس سے مراد وہ فیصلہ کن عذاب ہے جو دستورِ خداوندی کے مطابق ایسی سرکش قوموں کا مقدر بن جاتا ہے- والعیاذ باللہ- یعنی جب یہ لوگ دنیا کے ان مختلف عذابوں میں سے کسی سے بھی باز نہ آئے اور انہوں نے ہوش کے ناخن نہ لئے تو ان کے لیے اس آخری اور فیصلہ کن سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا گیا جس سے یہ بدبخت اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہے اور ہر خیر سے قطعی طور پر محروم اور مایوس ہو گئے- والعیاذ باللہ- (ابن کثیر، جامع البیان، المراغی، ابوالسعود وغیرہ)۔ اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ عذابِ شدید کی تشدید اور تہویل کا مقتضا بھی یہی ہے کہ اس سے ان کا وہ آخری عذاب ہی مراد لیا جائے جس کی ہولناکی کا احاطہ وتصور بھی کسی بشر کے بس کا روگ نہیں۔ اور دوسرے اس لئے کہ '' ابلاس ''جس کا ذکر یہاں فرمایا گیا ہے اس کے معنیٰ ہیں انتہائی تحیر اور ہر خیر و امید سے مایوسی۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا پورا ظہور ایسے آخری اور فیصلہ کن عذاب ہی سے ہوگا کہ وہاں پر جب کفار ومنکرین کو اپنی توقعات کے بالکل برعکس اس ہولناک عذاب سے واسطہ پڑے گا جس کی ہولناکی کی کوئی حد و انتہاء نہ ہوگی- والعیاذ باللہ- اور جس سے بچنے اور بھاگ نکلنے کی اب کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہ ہوگی تب ان کی تمام امیدیں اور آرزوئیں کٹ جائیں گی۔ ان کے تمام خود ساختہ سہارے ختم ہو جائیں گے اور انکے سب مفروضے مٹ چکے ہوں گے۔ تو اس وقت ان کی محرومی اور مایوسی کی کوئی انتہاء نہ رہے گی- والعیاذ باللہ العظیم- اور قرآنِ حکیم کے بعض دوسرے مقامات سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے

کہ " ابلاس "اور مایوسی کا ان کا یہ حال آخرت ہی میں ہوگا۔ چنانچہ سورۂ روم میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾۔ (الروم:۱۲) اس لئے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس عذاب سے مراد آخرت ہی کا عذاب ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَهُوَ اَعْلَمُ بِمُرَادِ كَلَامِهٖ وَاَسْرَارِ نِظَامِهٖ - جبکہ دوسرا قول و احتمال اس سے متعلق یہ ہے کہ اس سے دنیا ہی کا کوئی عذاب مراد لیا جائے۔ جیسے قتل، قید اور قحط وغیرہ۔ چنانچہ حضرتِ مجاہد اور ابنِ عباس وغیرہ سے یہی مروی ہے کہ اس سے مراد معرکۂ بدر کی شکست ہے جس سے کفارِ ناہنجار کو دوچار ہونا پڑا تھا۔ بہت سے مفسرینِ کرام سے یہی قول مروی ہے اور ابنِ جریر وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اس کا سببِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب اہلِ مکہ شدید قحط کا شکار ہوئے تو ابوسفیان نے آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ میں رحمت اللعالمین ہوں۔ حالانکہ آپ نے اپنے باپ دادا کو تہ تیغ کر دیا اور ان کی اولادوں کو قحط کے ذریعے بھوکوں مار رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ سے دعا کریں کہ وہ اس قحط کو ہم سے دور فرما دے۔ تو آپ نے دعا فرمائی اور اس سے وہ قحط ان لوگوں سے ٹل گیا۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (جامع البیان، اسباب النزول، خازن وغیرہ)۔ لیکن ان حضرات اہلِ علم کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کے اعتراف اور احساس کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ یہ روایت اس لئے صحیح نہیں ہوسکتی کہ یہ سورۂ کریمہ بغیر کسی استثناء کے پوری کی پوری مکی سورہ ہے۔ اور تمام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے۔ جبکہ معرکۂ بدر مدنی دور میں پیش آیا۔ سو معرکۂ بدر کو اس کا مصداق اور سببِ نزول قرار دینے سے متعلق یہ روایت اور اس پر مبنی یہ قول تو صحیح نہیں ہوسکتا۔ الَّا یہ کہ یوں کہا جائے کہ قتل و قید بدر کی صورت میں کفارِ مشرکین کو ملنے والا وہ عذاب بھی منجملہ اس ارشادِ ربانی کے مصداق میں شامل اور داخل ہے۔ لیکن اس کے علاوہ قحط وغیرہ کے مذکورہ بالا کسی دنیاوی عذاب کو اس کا مصداق قرار دینے کی گنجائش بہرحال اس میں موجود ہے اور عذابِ شدید کی تنکیر کا تقاضا بھی یہی ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَهُوَ اَعْلَمُ بِمُرَادِ كَلَامِهٖ وَاَسْرَارِ نِظَامِهٖ كَمَآ اَسْلَفْنَآ اٰنِفًا وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ وَاِلَى الرُّشْدِ وَالصَّوَابِ الْمُنْعِمُ الْمِفْضَالُ الْعَزِيْزُ الْوَهَّابُ جل و علا شانہ – اور یوں اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو ان دونوں کے درمیان کوئی بنیادی فرق بھی نہیں بلکہ دونوں کا حاصل اور مآل ایک ہی نکلتا ہے۔ کیونکہ جن قوموں پر دنیا میں عذاب آیا ان کے حق میں قیامت کا عذاب بھی وہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے تو بہرحال پھر کبھی دنیا میں واپس نہیں آنا اور " من مات فقد قامت قیامته " کے اصول کے مطابق ان کے لیے قیامت کا عذاب بھی وہی ہے کہ ان کا وہی دنیاوی عذاب قیامت کے عذاب کے ساتھ مل کر ہمیشہ کا عذاب بن گیا۔ جیسا کہ قومِ نوح کے بارے میں فرمایا گیا کہ " وہ لوگ غرق ہوتے ہی دوزخ کے عذاب میں جا پہنچے "۔ ﴿ مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴾۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

مَّا تَشۡكُرُونَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمۡ فِي الۡأَرۡضِ وَ

(کم ہی شکر ادا کرتے ہو ۹۷ اور وہ (وحدہٗ لاشریک) وہی تو ہے جس نے پھیلا دیا تم کو ۹۸ (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے)

۹۷ شکرِ خداوندی کے لیے تحریض وترغیب: -سو لوگوں کی ناشکری کی شکایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "تم لوگ کم ہی شکر ادا کرتے ہو"۔ ورنہ تم سب کے سب دل وجان سے اس واہبِ مطلق کے حضور جھک جاتے جس نے تمہیں ان عظیم الشان نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور محض اپنے کرم واحسان سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے۔ اور بغیر تمہاری طرف سے کسی اپیل ودرخواست کے تم کو نوازا ہے- جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُه - اور اسکی ان نوازشات اور کرم فرمائیوں کا تقاضا یہ تھا کہ تم لوگ اسکی بخشی ہوئی ان عظیم الشان نعمتوں کو ان کے صحیح مصرف میں لگاؤ اور اس کے نتیجے میں تم اپنے اس خالق ومالک کی رضاء وخوشنودی کے شرف سے مشرف ہو جاؤ۔ اس نے تم کو کان دیئے تاکہ تم حق بات سنو اور مانو۔ اس نے تمہیں آنکھیں بخشیں تاکہ ان سے تم کائنات میں پھیلی بکھری ان نشانیوں کو دیکھو جو اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر تم لوگوں کو دعوتِ غور وفکر دے رہی ہیں۔ اس نے تم کو دل ودماغ دیئے تاکہ تم صحیح طریقہ سے غور وفکر کرو اور صحیح نتائج اخذ کر کے راہِ حق وصواب کو اپناؤ۔ مگر تم ہو کہ ان سب کے ان تقاضوں سے آنکھیں بند کر کے عذاب کا مطالبہ کرتے ہو اور دلیل کی تنبیہ کی بجائے اپنے لیے عذاب کا کوڑا مانگتے ہو۔ ایسے میں ایک انسان اور حیوان میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ سو تم لوگ کتنے اندھے اور کس قدر اوندھے ہوتے جا رہے ہو؟ - والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۹۸ توحید وقدرتِ خداوندی کی ایک عظیم الشان دلیل کا ذکر وبیان: -سو ارشاد فرمایا گیا "اور وہی ہے جس نے پھیلا دیا تم سب کو اس عبرتوں بھری زمین میں نہایت پُر حکمت طریقے سے"۔ توالد وتناسل کے ذریعے اور پھر تمہاری ضرورت کی چیزوں کو اس نے اس زمین پر اس حکیمانہ طریقے سے اور حیرت انگیز طور پر پھیلا اور بکھیر دیا کہ ان کے حصول کے لئے تم ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ہر طرف دوڑے بھاگے جا رہے ہو۔ جس سے زندگی کی یہ حرکت اور یہ عظیم الشان چہل پہل قائم ودائم اور جہد ومشقت کا یہ سلسلہ رواں دواں ہے۔ بلاشبہ اس سب میں اس وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ بے پایاں، عظمتِ بے نہایت، رحمتِ لامحدود، عطائے غیر متناہی اور حکمتِ بالغہ کے عظیم الشان مظاہر ہیں جو ہر طرف پھیلے اور بکھرے پڑے ہیں۔ اور ہر صاحبِ عقل کو دعوتِ غور وفکر دے رہے ہیں- ﴿ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ ؟﴾- اور جس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے تم کو اس زمین میں اس طرح پھیلا دیا وہی تم سب کو اکٹھا بھی کر سکتا ہے۔ سو جس طرح تمہارے اس انتشار اور پھیلاؤ میں تمہاری رضا ومرضی کا کوئی دخل نہیں، اسی طرح تم چاہو یا نہ چاہو اور مانو یا نہ مانو، بہرکیف تم سب کو بالآخر اکٹھے ہو کر اس کے یہاں حاضر ہونا ہے۔ اور وہاں پہنچ کر تم نے زندگی بھر کے اپنے کئے کرائے کا حساب دینا اور اسکا پھل پانا ہے۔ تاکہ اسطرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں اور بدرجۂ تمام وکمال پورے ہو سکیں۔ اور تخلیق کائنات کی غرض اور اسکی حکمت پوری ہو سکے۔ والحمد للہ جل وعلا

اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ

زمین میں، اور (آخرکار) تم سب کو اسی کے حضور لے جایا جائے گا اکٹھا کر کے ۹۹ اور وہ وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے ۱۰۰ اور موت دیتا

اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا

ہے ۱۰۱ اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے رات اور دن کا ادلنا بدلنا، تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۱۰۲ مگر (اس سب کے

مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

برعکس) یہ لوگ وہی کچھ کہتے ہیں جو کہ ان کے پیش رو کہتے آئے ہیں، یعنی یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر مٹی اور

وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا

ہڈیاں ہو جائیں گے، تو کیا ہمیں واقعی پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ یہ وعدہ تو ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے

۹۹ قیامت اور حشر کی تذکیر و یاددہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر تم سب کو اسی کے حضور لے جایا جائے گا اکٹھا کر کے"۔ سو خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ سب نے اس کے حضور بہر حال حاضر ہونا ہے۔ مخلص اور ایماندار تو بصد شوق و رغبت جائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ اور بے ایمان و بدبخت کو بجبر و اکراہ جانا ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ اور وہاں پہنچ کر تم نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا ہوگا اور اسکے مطابق ہر کسی کو اسکے اس صلہ و بدلہ سے نوازا جائے گا جس کا وہ اپنے ایمان و عمل کی بنا پر حقدار ہوگا۔ سو اس ارشاد سے قیامت اور حشر کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی ہے اور اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ تم لوگ کبھی اس طرح کی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ تم یہیں پیدا ہوئے اور یہیں مر کھپ کر ختم ہو جاؤ گے۔ سو ایسی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ اس کی نتیجے میں تمہارا راستہ بدل جائے گا اور تمہارا زاویہ نگاہ بگڑ جائے گا اور تم ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ تم کوئی برسات کے کیڑے مکوڑے نہیں ہو کہ یونہی مر مٹ کر ختم ہو جاؤ اور اس حقیقت کو تم لوگ اپنے سامنے رکھو کہ جب کوئی کسان اپنی زمین میں بیج ڈالتا ہے تو محض بکھیرنے اور ضائع کرنے کی خاطر نہیں ڈالتا بلکہ ایک دن وہ اس کو اکٹھا بھی کرتا ہے۔ سو اسی طرح جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ایک دن وہ تم سب کو اکٹھا کر کے لائے گا اور تم نے اس کے حضور حاضر ہو کر اپنے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحبّ و یرید، وعلیٰ ما یحبّ و یرید،

۱۰۰ زندگی بخشنا اللہ ہی کا کام اور اسی کی شان ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی زندگی بخشتا ہے۔ جو اس دنیا کی ایک عظیم الشان نعمت بلکہ سب نعمتوں کی اساس و بنیاد ہے۔ سو احیاء و اماتت۔ زندگی بخشنے اور موت دینے کی۔ یہ صفت اسی وحدہٗ لاشریک کی صفت ہے۔ اس میں کسی بھی اور ہستی کو حصہ دار ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے۔ جیسا کہ بعض جاہل لوگوں کا کہنا ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ یا پیر صاحب نے فلاں شخص کو یا اسکی کسی گائے بھینس وغیرہ کو مار دیا وغیرہ۔ والعیاذ باللہ۔ سو

مارنا اور جلانا اللہ پاک ہی کی صفت و شان ہے۔ وہ جس کو چاہے زندگی بخشے اور جب تک چاہے زندہ رکھے۔ اور جب چاہے موت طاری کردے کہ یہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں اور اسی کے علم وحکمت پر مبنی ہے۔ اس میں کسی بھی اعتبار سے اور کسی بھی درجے میں نہ کوئی اس کا شریک وسہیم ہے نہ ہوسکتا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے یکتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۱۰۱ اور موت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی موت دیتا ہے اور اسی کا کام ہے موت دینا۔ جو آخرت کی دائمی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی کا ذریعہ وسبب ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ ''اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ''۔ یعنی موت ایک ایسا پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔ سو اِحیاء واِماتت یعنی زندگی اور موت دینا اسی وحدہٗ لاشریک کا کام اور اسی کی شان ہے۔ جسکو وہ زندگی بخشنا چاہے اس کو کوئی نہیں مار سکتا۔ اور جس کو وہ موت دینا چاہے اسکو کوئی زندہ نہیں رکھ سکتا۔ اور اِحیاء واِماتت کا یہ پراسرار سلسلہ آج بھی جاری ہے اور برابر جاری رہے گا۔ ذرا دیکھو تو سہی کس طرح بے جان مٹی سے قسما قسم کی پیداواریں نکلتی ہیں۔ جن سے آگے انسان طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہوتا ہے اور ان کو کھاتا اور استعمال کرتا ہے۔ اور ان سے آگے نہایت ہی پرحکمت طریقے سے خون بنتا ہے اور اس سے مادۂ تولید بنتا ہے۔ اور اس سے آگے قسما قسم کی زندہ اور جاندار مخلوق وجود میں آتی ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی اس کائنات میں زندگی وموت کا سلسلہ لگاتار اور پیہم جاری وساری رہتا ہے جس میں کسی بھی انسان کا کوئی عمل دخل نہیں۔ جس سے ایک طرف تو یہ عظیم الشان حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اِحیاء واِماتت یعنی زندگی بخشنے اور موت دینے کا یہ سارا سلسلہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اس میں اور کسی کا بھی کوئی عمل دخل نہیں۔ اور دوسری طرف اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوجاتی ہے کہ یہ پوری کائنات ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم وتصرف میں ہے اور اس کا حکم وتصرف اس میں ہر لحظہ اور ہر لمحہ جاری رہتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ وہ کسی بھی لحظہ اس سے لاتعلق نہیں ہوسکتا۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۱۰۲ عقل سے صحیح کام لینے کی دعوت وترغیب: سو ارشاد فرمایا گیا اور تحریض وترغیب کے لیے بطور استفہام ارشاد فرمایا گیا ''کیا تم لوگ پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے؟''۔ کہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ان عظیم الشان نعمتوں اور اسکی قدرتوں کے ذریعے تم اپنے خالق ومالک کی معرفت اور اس کی رضا حاصل کرسکو؟ اور اس طرح تم نورِ حق وہدایت سے سرفراز وبہرہ ور ہوسکو۔ سو تم لوگ اگر صحیح طور پر ان چیزوں میں غور وفکر سے کام لو تو تمہیں طرح طرح کے سامانہائے عبرت وبصیرت سے سرفرازی نصیب ہو۔ مثلاً یہ کہ یہ تمام چیزیں اپنے اس خالق ومالک کے وجود باجود کا پتہ دے رہی ہیں جس نے ان کو ان کا وجود بخشا ہے۔ نیز یہ کہ ان سے اسکی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ تمام چیزیں باہم مختلف اور متضاد ہونے کے باوجود انسان کے بھلے اور اسکی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ جس سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ ان سب میں ایک ہی ارادہ وتصرف کارفرما ہے۔ سو اس اعتبار سے یہ توحید کی ایک اہم دلیل ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کا حکم وتصرف اس کائنات میں ہر لحظہ اور مسلسل ولگاتار جاری ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ یہ نہیں کہ اس کو بنا کر وہ اس سے علیحدہ ہوگیا۔ جیسا کہ کچھ ٹیڑھی کھوپڑی والوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ بلکہ اس میں حکومت وکارفرمائی بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی چلتی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ ہر لمحہ ولحظہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ

باپ دادا سے بھی (مدتوں سے) ہوتا چلا آیا ہے ۱۰۳ پس یہ اگلے لوگوں سے چلے آنے والے افسانوں کے سوا کچھ نہیں، آپ ان

لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

سے ذرا یہ تو پوچھو کہ کس کی ہے یہ زمین، اور جو کچھ کہ اس کے اندر ہے، اگر تم جانتے ہو؟ اس کے جواب میں یہ لوگ

لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ

ضرور بالضرور یہی کہیں گے کہ اللہ ہی کا ہے یہ سب کچھ کہو کیا پھر بھی تم لوگ ہوش میں نہیں آتے؟ ۱۰۴ (ان سے) کہو کہ کون ہے رب ساتوں

۱۰۳ **منکرین کا بعث بعد الموت پر اچنبھا:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ تو اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی ہوتا چلا آیا ہے مگر اب تک یہ پورا نہیں ہوا۔ سو یہ انسان کی تنگ نظری اور کوتاہ ظرفی کا ایک قدیم اور مشترکہ مظہر ہے۔ اسے یہ خبر نہیں کہ جس اللہ پاک کے یہاں ایک دن ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال کے برابر ہے اس کے یہاں ماضی کے ان سالوں کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے؟ نیز آخرت کی لا متناہی زندگی جس نے کبھی ختم نہیں ہونا اس کے مقابلے میں ماضی کی اس مدت کی کیا حیثیت ہے؟ کیونکہ یہ اگرچہ ہزاروں لاکھوں سالوں پر بھی محیط ہو تو بھی یہ محدود ہے۔ جبکہ آخرت کی وہ زندگی غیر متناہی اور لا محدود ہے۔ تو محدود کا غیر محدود سے کیا مقابلہ؟ سو محض اتنی بات پر کہ اس کا وعدہ ہمارے باپ دادا سے بھی ہوتا رہا مگر وہ نہیں آئی اسکے انکار کی دلیل نہیں بن سکتا اور محض اس بناء پر اس کا انکار کرنا - والعیاذ باللہ - بڑی حماقت اور جہالت ہے۔ آخر تم لوگوں سے یہ کس نے کہا کہ وہ اتنے عرصے کے بعد یا اتنے سالوں میں آجائے گی؟ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس کا وقت مقرر ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ اسکے لئے تیاری کی توفیق بخشے۔ آمین

۱۰۴ **منکرین کی تضاد فکری پر انکو تنبیہ اور توبیخ:-** سو منکرین کی تضاد فکری پر ان کو جھنجوڑتے ہوئے اور تنبیہ کرتے ہوئے اور ان کے قلب و باطن پر دستک کے لیے ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ کہو کیا تم لوگ پھر بھی ہوش میں نہیں آتے؟ کہ مقدمات تو سب مانتے ہو مگر ان پر مرتب ہونے والے نتائج کو تسلیم نہیں کرتے؟ سو جس نے ابتداءً یہ سب کچھ پیدا کر دیا اس کو دوبارہ پیدا کرنا آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ اور جس کا اس سب کے پیدا کرنے اور عطا فرمانے میں کوئی شریک و سہیم نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک و سہیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور جب یہ سب کچھ انسان کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ انسان کیلئے ہو اور خود انسان اور اس کی زندگی بے مقصد ہو؟ سو اس طرح غور و فکر سے کام لینے سے ان تمام نعمتوں میں توحید، رسالت اور آخرت سب کے لئے دلائل واضح ہو جاتے ہیں بشرطیکہ انسان ان سے متعلق صحیح طور پر غور و فکر سے کام لے اور ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرے۔ و باللہ التوفیق۔ بہر کیف مشرکین چونکہ آسمان و زمین کی اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ وہ اپنے خود ساختہ اور من گھڑت شریک بھی مانتے تھے۔ اس لیے ان کے اپنے مُسلّمات کی بنیاد پر ان پر حجت قائم کی گئی ہے اور ان کے قلب و ضمیر پر دستک دی گئی ہے۔ سو انسان اگر کائنات کی کھلی کتاب میں صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لے تو اس کو دین کی دعوت اپنی فطرت اور اپنے قلب و باطن کی پکار معلوم ہوگی۔ بشرطیکہ دل و دماغ ماؤف و معطل نہ ہو گئے ہوں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ أَفَلَا

آسمانوں کا، اور رب عرش عظیم کا؟ تو اس کے جواب میں بھی انہوں نے ضرور یہی کہنا ہے کہ (یہ سب کچھ) اللہ ہی کے لئے ہے کہو کہ کیا

تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ

پھر بھی تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ ۱۰۵ نیز پوچھو ان سے کہ کون ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں ہے باگ ڈور ہر چیز کی؟ وہ (جس کو چاہتا ہے) پناہ

وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ

دیتا ہے، اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو تو اس کے جواب میں بھی یہ لوگ ضرور یہی کہیں گے کہ

قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾ بَلْ أَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ

یہ سب کچھ اللہ ہی کی شان ہے، کہو (ظالمو!) پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جاتا ہے؟ ۱۰۶ (اور یہ پہلوں کے افسانے نہیں) بلکہ ہم تو ان کے پاس

لَكٰذِبُونَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ

حق لے کر آئے ہیں، اور یہ یقیناً پرلے درجے کے جھوٹے لوگ ہیں ۱۰۷ اللہ نے نہ تو کسی کو اپنی اولاد بنایا ہے، اور نہ ہی اس کے ساتھ دوسرا

مِنْ إِلٰهٍ إِذًا لَذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ

کوئی خدا ہے، (اگر ایسا ہوتا) تو اس صورت میں ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا ۱۰۸ اور ان میں سے ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا ۱۰۹

عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٩١﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ

اللہ پاک ہے ان سب باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں، ایک برابر جاننے والا نہاں وعیاں کا، وہ بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ

ع ٥ ١٥ ٥ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٩٢﴾ قُلْ رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي

کرتے ہیں، (اپنے رب کے حضور اے پیغمبر اس طرح) عرض کرو کہ، اے میرے رب! اگر تو دکھا دے مجھے (یعنی میرے جیتے جی

مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿٩٤﴾

لے آئے) وہ عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے، تو میرے رب (ایسی صورت میں) مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیو!!

۱۰۵ مشرکوں کے دل و دماغ پر ایک دستک:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا؟ اور کون

ہے رب عرش عظیم کا؟ تو اس کے جواب میں بھی انہوں نے ضرور یہی کہنا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔ تو ان سے کہو کہ کیا پھر بھی تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ سو اس ارشاد میں خدا سے ڈرنے اور اس کے عذاب سے بچنے کی دعوت و تحریک ہے۔ بہر کیف اس سے ان کے قلب و ضمیر پر دستک دیتے ہوئے اور ان کو جھنجھوڑتے ہوئے ان سے فرمایا گیا کہ "کیا تم لوگ پھر بھی ڈرتے نہیں؟"۔ اپنے اس خالق و مالک کے عذاب اور اس کی گرفت و پکڑ سے کہ اس کی کائنات میں رہتے بستے اور اس کی نعمتوں پر پلتے بڑھتے ہو اور پھر بھی اس کی بغاوت اور کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہو؟ - والعیاذ باللہ - کہ جب تم مانتے ہو کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب اور مالک اللہ ہی ہے تو پھر تم دوسروں کو اسکا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اور اس طرح شرک کے جرمِ عظیم کا ارتکاب کرتے ہو۔ سو اس ارشاد میں خداوندِ قدوس کی نافرمانی سے ڈرنے اور اس کی گرفت و پکڑ اور اس کے عذاب سے بچنے کے لیے دعوت ہے جو کہ انسان کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی و بہرہ مندی کا ذریعہ و وسیلہ ہے - وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید وھو الھادی الٰی سواء السبیل. اللہ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۰۶ ہر چیز کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے - سبحانہ، وتعالیٰ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ کون ہے وہ جس کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے ہر چیز کی؟ جو سب کو پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ سو بتاؤ اگر تم جانتے ہو ﴿ملکوت﴾ سے یہاں پر مراد زمامِ اقتدار و اختیار ہے۔ سو جب تم لوگ اس حقیقت کو بھی مانتے اور تسلیم کرتے ہو کہ ہر چیز کی باگ ڈور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی شان ہے کہ وہ ہر کسی کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا تو پھر تم پر کہاں سے جادو کیا جاتا ہے جو ان کھلے دلائل، واضح براھین اور خود تمہارے اپنے ایسے اعترافات کے باوجود تم لوگ شرک کی دلدل میں طرح طرح سے پھنستے ہو؟ - والعیاذ باللہ العظیم - سو تمہاری عقلیں کہاں کھو گئیں اور تمہاری مت کیسے ماردی گئی جو تم ان بنیادی اور ٹھوس حقائق کو جاننے اور ماننے کے باوجود شرک کا ارتکاب کرتے ہو اور بے حقیقت اور بے جان چیزوں کو اس قادرِ مطلق کا شریک ٹھہراتے ہو؟ اور تم لوگوں نے کس طرح اور کس بنیاد پر اپنی یہ مشرکانہ میتھالوجی تیار کر لی جو عقل و نقل کے تقاضوں کے یکسر خلاف اور ان کے معارض ہے؟ - اللہ فکر و نظر کے ہر انحراف سے ہمیشہ محفوظ اور ہمارے پناہ میں رکھے - اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۰۷ مشرکین و منکرین قطعی طور پر جھوٹے: - سو ارشاد فرمایا گیا اور تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ یقیناً پرلے درجے کے جھوٹے ہیں"۔ جو اس کلام حق و صدق کو پہلوں کے افسانے قرار دیتے اور شرک کے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں - والعیاذ باللہ - اور جب ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ یہ جو کچھ مانتے ہیں وہ خود انکے اپنے اعترافات کیخلاف ہے تو یہ اپنے آپ کو خود اپنے مونہوں سے جھٹلا دیتے ہیں۔ اس لیے انکی باتوں کا حق سے کوئی تعلق نہیں بلکہ حق وہ ہے جو ہم نے انکو قرآن کی صورت میں دیا ہے۔ اب اگر یہ اس کو صدقِ دل سے مانتے ہیں تو یہ خود انکے حق میں بہتر ہوگا ورنہ یہ خود اپنا ہی نقصان کریں گے - والعیاذ باللہ - بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ کفر و شرک والے اپنے عقیدوں، دعووں اور کافرانہ و مشرکانہ میتھالوجی میں قطعی طور پر جھوٹے ہیں۔ اور اس طرح اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں کر رہے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو ان کی ایسی باتوں کی نہ کوئی اساس ہے نہ بنیاد، محض من گھڑت ڈھکوسلے ہیں۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۱۰۸ ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے: - سو اسکی کائنات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ اور اگر بالفرض اسکے کوئی شریک ہوتے تو ایسی صورت میں ہر خدا اپنی مخلوق کو لیکر الگ ہو جاتا۔ تاکہ لوگوں کو اس کی قدرت اور سلطنت کا علم ہو۔ اور وہ اپنی مخلوق کو لے کر اپنی علیحدہ خدائی قائم کرے۔ تاکہ اس کی پیدا کردہ مخلوق اپنا الگ تشخص قائم کرے۔ مگر جب ایسے نہیں

ہوا اور یقیناً اور قطعاً نہیں ہوا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ معبودِ برحق ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک۔ (ابنِ کثیر، مراغی وغیرہ)۔ اور جب کسی ملک کے دو بادشاہ اور کسی ادارے کے دو سربراہ نہیں ہو سکتے تو پھر اس حکمتوں بھری کائنات کے دو مالک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اور ہر چھوٹی موٹی کمپنی کا الگ ٹریڈ مارک ہوتا ہے تا کہ اسکی مصنوعات دوسروں سے اپنی الگ شناخت رکھیں۔ تو دو خداؤں کی مخلوق باہم گھل مل کر کیسے رہ سکتی ہے؟ پس اس سے یہ ثابت اور واضح ہو گیا کہ اس تمام کارخانۂ ہست و بود کا خالق و مالک ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک۔ وہی اس کائنات کا خالق و مالک بھی ہے اور وہی اس میں حاکم و متصرف بھی نہ اس کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ اس کی حکومت و سلطنت میں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۱۰۹ شرک کا نتیجہ تصادم و تباہی۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو اس ارشاد سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نہ تو کوئی اولاد ہے، جیسا کہ مشرک لوگوں کا کہنا اور ماننا ہے اور انہوں نے اس لیے طرح طرح کی اولادیں گھڑ رکھی ہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ ورنہ ایسی کسی صورت میں ان میں سے ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ اور اس پر ہلّہ بول دیتا تا کہ اس کا غلبہ ظاہر ہو۔ پس جب ان میں سے کوئی بات بھی آج تک نہیں ہوئی اور قطعاً اور یقیناً نہیں ہوئی تو اس سے واضح ہو گیا کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف اور کارساز و کارفرما ایک ہی ذات ستودہ صفات ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ۔ ورنہ یہ کارخانہ ہست و بود کبھی کا تباہ و برباد ہو جاتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾۔ الآیة (الانبیاء:۲۲)۔ سو شرک کا نتیجہ باہمی تصادم اور ہلاکت و تباہی ہے۔ پس حکمتوں اور عجائب بھری اس کائنات کا صدیوں اور قرنوں سے اس طرح محفوظ چلے آنا اس بات کا قطعی واضح اور منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک جو کہ ہر قسم کے شرک اور اس کے ہر شائبہ سے پاک ہے ۔ اللّٰھم فزدنا ایمانا بک و بوحدانیتک المطلقة، وخذنا بنواصینا الٰی ما فیه حبک و رضاک بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاة، یا ذا الجلال والاکرام ۔ یا من بیده ملکوت کل شیء ۔ اللہ تعالیٰ کا ایک ایک لمحہ اپنی رضا کی راہوں پر صرف کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

۱۱۰ پیغمبر کے کمالِ عبدیت اور شانِ بندگی کا ایک نمونہ و مظہر: ۔ کہ آپ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ اپنے رب کے حضور اس طرح دعا کریں کہ اے میرے رب اگر آپ ان بدبختوں کو میری زندگی ہی میں عذاب دیں تو مجھے ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجیے۔ سو اس میں کمالِ عبدیت اور عبودیت کا اظہار ہے۔ اور اس میں خطاب اگرچہ آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کو ہے لیکن سنانا درحقیقت دوسروں کو ہے۔ ورنہ اللہ پاک کے رسولِ اکرم کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ بلکہ آپ کے وجودِ باجود کی برکت سے تو آپ کی زندگی میں یہ ظالم لوگ بھی عذاب سے بچے ہوئے تھے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ﴾ ۔ (الانفال:۳۳) سو یہ پیغمبر کی کمالِ عبدیت اور شانِ بندگی کا ایک عظیم الشان مظہر اور نمونہ ہے۔ اس لیے سننِ ترمذیؒ وغیرہ کی روایت کے مطابق آپ اللہ پاک کے حضور دعا فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ اگر تو کسی قوم کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے اس فتنے سے بچا کر اپنی طرف اٹھا لینا"۔ (ابنِ کثیر، مراغی اور معارف وغیرہ)۔ اور آپ کی اس مشہور و معروف دعا کے کلماتِ کریمہ اس طرح مروی ہیں " اذا اردت بقوم فتنة فتوفنی غیر مفتون" ۔ اخرجه الامام احمد والترمذی ۔ سبحان اللہ کیا کہنے اس شانِ عبدیت و انابت کے ۔ صلوات اللّٰه وسلامهٗ علیه وعلیٰ اٰله و صحبه ومن اهتدیٰ بهدیه ودعا بدعوته وسار علیٰ دربه الیٰ یوم الدین ۔ اللہ آپ کی سچی محبت اور اتباع و پیروی نصیب فرمائے ۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ

اور بلاشبہ ہم اس پر پوری طرح قادر ہیں کہ آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، (پر آپ یہی برتاؤ کیے جاؤ کہ)

هِىَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَ

برائی کو اس طریقہ سے دفع کرو جو سب سے اچھا ہو ۱۱۱ ہم خوب جانتے ہیں ان سب باتوں کو جو یہ لوگ بناتے ہیں نیز ۱۱۲ (اپنے رب کے حضور اس

قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ لا وَاَعُوْذُ

طرح) عرض کرو کہ اے، میرے رب، میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی اکساہٹوں سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اے میرے رب،

بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

اس سے کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں ۱۱۳ (یہ بدعقیدہ وبدکردار لوگ اسی طرح رہتے ہیں) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لا لَعَلِّىْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

آ پہنچتی ہے موت، تو (اس کی آنکھیں کھلتی ہیں اور) وہ کہنے لگتا ہے کہ اے میرے رب، مجھے واپس لوٹا دے، تاکہ میں نیک عمل کر سکوں اس

كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ

(دنیا) میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں، (ایسا) ہرگز (ہونے کا) نہیں، یہ تو محض ایک (حسرت بھری) بات ہوگی جسے وہ کہے جا رہا ہوگا ف ۱۱۴

بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ

اور ان کے آگے ایک پردہ حائل ہے ف ۱۱۵ اس دن تک جس میں یہ لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے، پھر (اس دن کی آمد پر) جب

۱۱۱ **برائی کے جواب میں اچھائی سے کام لینے کی تعلیم وتلقین:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ برائی کے جواب میں اس طریقے سے کام لیں جو سب سے اچھا ہو۔ جو کہ آپ کے اخلاقِ عالیہ کا تقاضا ہے۔ اور اس طرح آپ کے توسط سے آپ کی امت کے ہر مومنِ مخلص کے لئے بھی یہی درس عظیم ہے اور اس طرح دشمن بھی دوست بن جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ﴾ - یعنی اس طریقے کے نتیجے میں اور اس کی بنا پر آپ کا دشمن بھی ایسا موم ہو جائے گا کہ گویا کہ وہ جگری دوست ہے۔ بہرکیف آپ برائی کا جواب اچھائی ہی سے دیتے رہیں اور ان ظالموں کی شرانگیزیوں سے رنجیدہ اور دلگیر نہ ہوں۔ ان سے ہم خود نمٹ لیں گے۔ اور ان کی ہر شرارت اور شرانگیزی کا جواب ہم خود دیں گے۔ اور ان کو ان کے کیے کرائے کا مزہ ہم خود چکھا دیں گے۔ آپ کو ان کے رویے سے دل گیر اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلٰی ما یحب ویرید بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال۔

۱۱۲ **اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہو سکتی:** - کہ وہ ہر چیز کو اس کے ظاہر وباطن ہر اعتبار سے جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے۔

سو یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں ان باتوں کو جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ سو اس کے مطابق ہم ان سے خود نمٹ لیں گے اور ٹھیک ٹھیک نمٹ لیں گے۔ لہٰذا آپ کو ان کے درپے ہونے کی اور ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ انکی یہ حرکتیں جو یہ حق اور داعی حق کیخلاف کر رہے ہیں ہم سے مخفی نہیں۔ ہم ان کے ظاہر و باطن کو ایک برابر جانتے ہیں۔ اس لیے آپ ان کا معاملہ ہم ہی پر چھوڑ دیں۔ ہم ان کو ان کی ایک ایک شرارت اور شر انگیزی کا مزہ چکھا کر رہیں گے۔ اور ایسا چکھائیں گے کہ کوئی کسر باقی نہیں رہے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۱۲ شیاطین کی اکساہٹوں سے بچنے کا طریقہ: سو اس ارشاد سے شیطانوں کی اکساہٹوں اور شر انگیزیوں سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ انکی کسی بھی قسم کی ضرر رسانی اور شر انگیزی سے بچنے کے لئے اور ان کی ایذاء رسانیوں اور شر انگیزیوں سے حفاظت کے لیے آپ ہی پناہ دے سکتے ہیں اے ہمارے رب۔ خواہ وہ شیطان شیاطین جن میں سے ہو یا شیاطینِ انس میں سے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشاد سے صبر و استقامت سے سرفرازی اور عفو و درگزر کے حصول اور شیاطین کے شرور و فتن سے حفاظت کے لیے یہ عظیم الشان دعا تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ فالحمد للہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر مستقیم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، ویا اکرم الاکرمین

۱۱۴ اہلِ باطل کی بے وقت کی تمنا اور حسرت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنی شرارتوں اور شر انگیزیوں کے حصول میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آدبوچے گی اور عالمِ غیب کے مخفی حقائق اور وہاں کے حالات ان کے سامنے آجائیں گے تو اس وقت یہ لوگ رہ رہ کر تمنا کریں گے اور بڑی عاجزی اور لجاجت سے عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے دے تا کہ جو مال ومتاع میں وہاں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں جا کر کچھ نیکی کمالوں اور اخروی زندگی کے لیے سامان کرسکوں۔ مگر یہ محض ان کے مونہوں کی ایک بات ہوگی۔ جس کا نہ کوئی اثر ہوگا اور نہ کسی طرح کی کوئی شنوائی۔ بجز ان کے غم اور افسوس میں اضافے کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سبحان اللہ۔ قرآنِ حکیم کا یہ کس قدر عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے ایسے تمام ہولناک امور سے متعلق پیشگی خبر دے دی جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ اور اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ کہ کوئی خفاء وغموض باقی نہیں رہ جاتا۔ مگر انسان ہے کہ اس کے باوجود غافل ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے تمام ارشادات میں غافل انسانوں کیلئے بڑی تنبیہ و تذکیر اور بڑا سامانِ عبرت و بصیرت ہے کہ وہ بیدار ہو جائیں اور اپنے انجام کیلئے فکر و کوشش کریں، قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کیلئے کفِ افسوس ملنا پڑ جائے اور کچھ حاصل نہ ہو۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین، یا مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ۔

۱۱۵ اہلِ باطل کی محرومی و بے بسی کی ایک تصویر: سو ان اہل باطل کی محرومی اور بے بسی کی تصویر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ انکے آگے ایک پردہ حائل ہوگا۔ سو ایسے لوگ تو رہ رہ کر واپس لوٹنے کی تمنا کریں گے مگر ان کے آگے ایک بڑا ہی سخت پردہ حائل ہوگا جس کو پار کر کے واپسی اب ان کے لئے کسی بھی طرح ممکن نہ ہوگی۔ اور برزخ کا یہ پردہ اسی دن اٹھے گا جس دن کہ ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینے اور بدلہ پانے کیلئے ان کو رب العالمین کے حضور پیش کیا جائے گا۔ سو زندگی کی یہ فرصتِ محدود ہاتھ سے نکلنے کے بعد دوبارہ پھر کبھی بھی ملنے والی نہیں۔ پس دنیاوی زندگی کے بعد نہ کسی عمل اور کمائی کا کوئی موقعہ ہوگا اور نہ ہی اس دنیا میں پھر واپسی کا۔ پس عقل و نقل کا تقاضا ہے کہ انسان آج کمائی کرلے۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید۔ وعلٰی مایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ

صور میں پھونک ماردی جائے گی، تو (ہول وہیبت کے اس عالم میں) نہ تو ان کے درمیان کوئی رشتہ رہے گا، اور نہ ہی وہ آپس میں ایک

ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ

دوسرے سے کوئی حال ہی پوچھیں گے ف۱۱۶ پھر جس (کے ایمان واعمالِ صالحہ) کا پلڑا بھاری ہوگا، تو وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے ف۱۱۷

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

اور جس کا پلڑا ہلکا ہوا تو وہی ہوں گے وہ لوگ جنہوں نے خود دوخسارے میں ڈال دیا ہوگا

اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ

اپنی جانوں کو ف۱۱۸ ان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا ہوگا جہاں آگ جھلس رہی ہوگی ان کے چہروں کو، اور وہاں پر نہایت

النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى

بری طرح بگڑی ہوں گی ان کی شکلیں ف۱۱۹ (اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ) کیا تم وہی نہیں ہو کہ میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں،

۱۱۶ قیامت کی نفسانفسی کا ایک منظر: سو اس سے روز قیامت کی افراتفری اور نفسانفسی کی ایک تصویر سامنے آتی ہے کہ وہاں پر ہر کسی کو اپنی پڑی ہوگی اور وہ تمام رشتے اور تعلقات ختم ہو جائیں گے جن پر یہ لوگ دنیا میں بڑے ناز اور فخر کیا کرتے تھے۔ البتہ ایمان وتقوی کا پاکیزہ رشتہ وہاں بھی باقی اور سرفراز رہے گا اور کام آئے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾۔ (الزخرف: ۶۷)۔ سو یہ اس یوم عظیم کی نفسانفسی کی ایک تصویر ہے کہ کوئی وہاں پر نہ کسی کے کام آسکے گا اور نہ ہی کوئی کسی کے بارے میں پوچھنے ہی کی زحمت اٹھائے گا۔ سب رشتے ناطے کٹ جائیں گے اور ہر کسی کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ سو بڑے ہی خسارے میں ہیں وہ لوگ جو اس یومِ عظیم کو اور اسکے تقاضوں کو بھول کر غفلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس روز ہر کسی کو اپنی ہی پڑی ہوگی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾۔ (عبس: ۳۷) اور نہ صرف یہ کہ سب رشتے کٹ جائیں گے بلکہ انسان اپنے رشتہ داروں سے دور بھاگے گا۔ جیسا کہ سورۂ عبس میں آیت نمبر ۳۴ سے آیت نمبر ۳۶ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ہوگا کہ مجرم انسان اس دن یہ چاہے گا کہ اسکی اولاد اور بیوی بچوں سمیت سب رشتہ دار اس کی جگہ لگ جائیں اور وہ چھوٹ جائے۔ جیسا کہ سورۂ معارج کی آیت نمبر ۱۱ تا آیت نمبر ۱۴ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ سو اصل اور حقیقی رشتہ دین وایمان کا رشتہ ہے۔ جو اس دنیا کے بعد اس جہاں میں بھی کام آئے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحبّ ویرید، وعلٰی ما یحبّ ویرید۔

۱۱۷ **فالحین کی تعیین کی نشاندہی:** - سواس سے فالحین یعنی فلاح پانے والوں اور حقیقی کامیابی سے سرفراز ہونے والوں کی تعیین اور نشاندہی فرما دی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس روز جن لوگوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہی ہونگے فلاح پانے والے"۔ جن کو دوزخ کی آتشِ سوزاں سے بچا کر جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز کر دیا جائے گا۔ اور اس حقیقت کو دوسرے کئی مقامات کی طرح یہاں بھی حصر کے کلماتِ کریمہ کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اور بتا دیا گیا کہ کوئی مانے یا نہ مانے اور تسلیم کرے یا نہ کرے، حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ فلاح اور حقیقی و ابدی کامیابی بہر حال ایسے ہی خوش نصیب لوگوں کو نصیب ہوگی - جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنهُم بِمَحْضِ مَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ فَاِنَّهٗ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ وَاَكْرَمُ الْاَكْرَمِينَ - بہر کیف ارشادِ عالی سے واضح فرما دیا گیا ہے کہ وہاں حسب و نسب جیسی کوئی چیز کام نہیں آئے گی، بلکہ اپنا ایمان اور کردار ہی کام آئیگا۔ سو جن کے پلڑے بھاری ہوئے ہونگے وہی کامیاب ہونگے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوئے وہی ناکام ہونگے - والعیاذ باللہ - سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ سب سے بڑے خسارے والے اور ناکام و نامراد لوگ وہ ہونگے جو فیصلے کے اس یومِ عظیم میں ناکام و نامراد ثابت ہونگے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ اس ناکامی سے اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین

۱۱۸ **ناکام و نامراد لوگوں کی تعیین و نشاندہی:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جنکے پلڑے اس روز ہلکے ہونگے۔ سو وہی ہونگے جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہوگا - والعیاذ باللہ - سو انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہوگا ایمان و اطاعت کی راہ سے منہ موڑ کر۔ جو کہ ذریعہ ہے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی اور کامیابی کا - والعیاذ باللہ العظیم - اور متاعِ عمر کی جو پونجی انکو آخرت کی کمائی کیلئے دی گئی تھی اس کو انہوں نے کفر و انکار اور بغاوت و سرکشی میں گنوا دیا۔ اب اسکی واپسی کی کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ سو یہی ہے سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ جس کے تدارک و تلافی کی کوئی صورت پھر ممکن نہ ہوگی - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین۔ سو عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ آخرت کی کامیابی ہی کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ اسی کو مطمحِ نظر اور نصب العین بنایا جائے اور اصل کوشش اسی کے حصول اور اس سے سرفرازی کیلئے کی جائے۔ کہ اصل اور حقیقی کامیابی وہیں کی کامیابی ہے۔ جو کامل اور دائمی اور ابدی کامیابی ہے وباللّٰہ التوفیق لمایُحِبُّ ویرید، وعلٰی مایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال۔

۱۱۹ **دوزخیوں کی انتہائی بدحالی کی ایک تصویر:** - سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ وہاں پر نہایت بری طرح بگڑی ہوئی ہونگی ان لوگوں کی شکلیں۔ دانت ان کے نکلے ہوئے ہوں گے۔ اوپر کے ہونٹ سکڑ کر کھوپڑیوں سے جا ملے ہوں گے اور نیچے کے لٹک کر ان کے نافوں تک جا پہنچے ہوں گے۔ جیسا کہ سننِ ترمذیؒ وغیرہ میں حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرتِ ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ (ابنِ کثیر، جامع البیان، فتح القدیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ) - والعیاذ باللہ العظیم - اور دوزخ کی وہ ہولناک آگ ان کو جھلس رہی ہوگی۔ حضرتِ ابو داؤدؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آگ جب ان پر ایک جھٹکا مار یگی تو ان کے گوشت پگھل کر ان کی ایڑیوں پر آ گریں گے۔ (ابنِ کثیر، المراغی وغیرہ) - والعیاذ باللہ العظیم - سو جس کافر اور منکر کا انجام یہ ہونے والا ہو اس کو اگر دنیا ساری کی دولت بھی مل جائے تو بھی اسے کیا ملا؟ - والعیاذ باللہ العظیم۔

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ

پر تم لوگ ان کو جھٹلاتے ہی چلے جا رہے تھے؟ ۱۲۰ کہیں گے اے ہمارے رب، ہم پر غالب آ گئی تھی ہماری بدبختی، اور واقعی ہم گمراہ لوگ تھے ۱۲۱

عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

اے ہمارے رب، اب ہمیں یہاں سے نکال دے (اور دنیا میں پھر کام کرنے کی فرصت و مہلت عطا فرما دے) پھر اگر ہم دوبارہ قصور کریں

مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا

تو (جو مرضی سزا دے کیونکہ اس صورت میں) ہم بلا شبہ ظالم ہوں گے، ارشاد ہوگا پھٹکارے ہوئے پڑے رہو تم لوگ اسی (جہنم) میں

وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ

اور مجھ سے کوئی بات مت کرو، ۱۲۲ تم لوگ وہی تو ہو کہ میرے کچھ بندے

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

جب یوں کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے پس تو ہماری بخشش فرما دے، اور ہم پر رحم فرما، کہ تو ہی ہے

الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ

سب سے بڑا رحم کرنے والا، تو تم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان سے تمہارے اس مذاق نے تمہیں

ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ

میری یاد بھی بھلا دی تھی اور تم ان سے ہنسی ہی کرتے رہے ۱۲۳ (مگر انہوں نے صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، جس پر)

۱۲۰ تکذیبِ حق جرموں کا جرم - والعیاذ باللہ:۔۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آیاتِ خداوندی کی تکذیب جرموں کا جرم اور ہلاکت و تباہی کی جڑ بنیاد ہے - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب دوزخ میں پڑے یہ بدبخت چیخیں اور چلائیں گے تو ان کی تذلیل و تحقیر کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم لوگ وہی نہیں ہو جن کے سامنے میری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔ سو اب ہمیشہ کے لئے چکھتے رہو مزہ اپنے اس کفر و استہزاء اور تکذیب و انکار کا - والعیاذ باللہ - کہ یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہی کیے کرائے کا بدلہ و نتیجہ ہے - ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ - سو تکذیب و انکارِ حق خرابیوں کی خرابی اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے - والعیاذ باللہ - اللہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین

۱۲۱ منکروں کا بے وقت کا اقرارِ جرم:۔۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم پر غالب آ

گئی تھی ہماری بدبختی اور ہم واقعی گمراہ تھے، اے ہمارے رب۔ ہمیں یہاں سے نکال دے اور ایک مرتبہ پھر ہمیں دنیا میں کام کرنے کی فرصت ومہلت عطا فرمادے۔ پھر اگر ہم قصور کریں تو جو مرضی ہمیں سزادے کہ اس صورت میں بلاشبہ ہم پکے ظالم ہونگے۔ سو اس وقت مجرم لوگ اپنی گمراہی اور بدبختی کا اس طرح اِعتراف واِقرار کریں گے اور چیخ چیخ کر کریں گے۔ مگر بے وقت کے اس اِقرار واِعتراف سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے انکی حسرت وافسوس میں اضافہ کے۔ والعیاذ باللہ۔ سو قرآنِ حکیم کا دنیا پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے یہ سب کچھ پیشگی بتادیا تاکہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے اور کل یہ نہ کہے کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ اور اس وقت کے اِقرار واعترافِ جرم کا اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سوائے اسکی ذلت ورسوائی میں اضافے کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۲۲ دوزخیوں کی تحقیر وتذلیل کا ایک اور منظر:۔ کہ ان کی چیخ وپکار کے جواب میں ان کو دھتکارتے ہوئے ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے اور ہم سے کوئی بات مت کرو کہ تمہاری کسی بات کا کوئی فائدہ اب تم کو بہر حال نہیں پہنچ سکے گا۔ سو یہ اہلِ دوزخ کیلئے نہایت تذلیل وتحقیر کا جواب ہوگا۔ "اخسا" اصل میں کتے کو دھتکارنے کیلئے بولا جاتا ہے۔ سو انکو ایسی تحقیر سے کہا جائے گا کہ دفع ہو جاؤ کہ اب یہ عذاب نہ تم سے اٹھے گا نہ کم ہوگا۔ اس طرح ان کو ہمیشہ کے لئے اور قطعی طور پر مایوس کر دیا جائے گا۔ اور بعض سلف سے مروی ہے کہ اس کے بعد ان کا بولنا بھی بند ہو جائے گا۔ وہ بس محض گدھوں کی طرف ہنکتے ہوں گے یا کتوں کی طرح بھونکتے ہوں گے۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، روح، قرطبی، خازن، مدارک وغیرہ) ۔ والعیاذ باللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ غَیْرُہٗ وَلَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاہُ جل وعلا۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ وہ لوگ وہاں پر رہ کر اپنے جرم کا اِقرار واِعتراف کریں گے اور چیخ چیخ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا والتجاء کریں گے مگر ان کو ایسا ذلت اور رسوائی کا جواب ملے گا کہ جاؤ دفع ہو جاؤ اپنے اسی عذاب میں پڑے رہو جس میں تم لوگ پڑے ہوئے ہو۔ اور مجھ سے کوئی بات مت کرو کہ اب نہ تمہاری کسی بات کی کوئی شنوائی ہوگی اور نہ کسی بات کا کوئی اثر وفائدہ۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۲۳ اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا باعثِ ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ:۔ سو دوزخیوں کی تذلیلِ مزید کے لیے اور ان کی محرومی کے ایک اہم اور بنیادی سبب کو واضح کرتے ہوئے ان سے مزید کہا جائے گا کہ تم وہی تو ہو جو میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ کہ یہ کیسے بے وقوف لوگ ہیں کہ ان دیکھی آخرت اور خیالی جنت ودوزخ کے اعتقاد سے خواہ مخواہ دنیا کی ان لذتوں اور عیاشیوں سے محروم ہو رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس طرح یہ جواب اس خدائے غیور۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کی اس عبرت کا مظہر ہوگا جس کا اظہار وہ اپنے نیک بندوں کیلئے فرمائے گا۔ اور اس کی بناء پر وہ ان اتقیاء کو دھتکار کر ان سے فرمائے گا کہ تم مجھ سے بات مت کرو اور میرے سامنے زبان مت کھولو کہ تم وہی شقی اور بدبخت لوگ ہو جو میرے نیک بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے جبکہ وہ مجھ سے میری بخشش اور رحمت کا سوال کیا کرتے تھے۔ اور ان بندگانِ صدق وصفا سے مذاق اڑانے کے اس شغل میں تم لوگ اس قدر محو ومنہمک ہو گئے تھے کہ میری یاد اور میری گرفت وپکڑ کے خیال سے بھی تم لوگ محروم ہو گئے تھے اور تمہیں اس کا بھی کوئی خیال واحساس نہیں رہا تھا کہ تمہیں مجھ سے بھی کبھی سابقہ پڑنا ہے اور میرے یہاں بھی کبھی پیش ہونا ہے۔ سو اب اپنے اس کیے کرائے کا مزہ چکھو اور چکھتے رہو۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوٓا ۙ أَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ

آج میں نے ان کو ان کے صبر کا یہ پھل دیا کہ وہی ہیں کامیاب (اور فائز المرام، ۱۲۴ پھر اللہ ان سے پوچھے گا

لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ

(کہ اچھا یہ تو بتاؤ) کہ تم لوگ زمین میں کتنے برس رہے؟ ۱۲۵ تو اس پر وہ کہیں گے کہ ایک دن 'یا

بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا

دن کا بھی کچھ ہی حصہ ٹھہرے ہوں گے (کچھ صحیح یاد نہیں) ۱۲۶ پس آپ خود ہی پوچھ لیں گنتی کرنے والوں سے ۱۲۷ ارشاد ہوگا کہ (آخرت کے

لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ

مقابلے میں دنیا میں) تم لوگ واقعی بہت ہی کم ٹھہرے ہو ۱۲۸ کاش کہ تم لوگ (یہ حقیقت اس وقت) جان لیتے ۱۲۹ تو کیا تم لوگوں نے یہ

۱۲۴ صبر کا پھل نہایت عمدہ اور بے مثال: -سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ ان بدبختوں سے اس موقع پر کہا جائے گا کہ تمہاری طرف سے تمام تر ظلم وستم اور مذاق واستہزاء کے باوجود وہ سچے ایماندار راہ حق وہدایت پر مستقیم اور ثابت قدم رہے۔ سو آج میں نے ان کو ان کے اس صبر واستقامت کا یہ صلہ دیا کہ وہی ہیں حقیقی فوز وفلاح سے سرفراز ہونے والے۔ اور اس کے مقابلے میں تم جو دنیا میں اپنی عقل مندی اور چالاکی کے زعم میں ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے آج ناکام ونامراد ہو۔ سو اللہ کی راہ میں اللہ کی رضا وخوشنودی کا صلہ وبدلہ دائمی کامیابی کا بے مثال پھل اور ایسوں کا مذاق اڑانا ہولناک خسارے کا باعث ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۵ منکرین سے ان کی تذلیل کے لیے ایک اور سوال: -سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ جو لوگ دنیاوی زندگی کی اس فرصتِ محدود کو بہت بڑی چیز اور لمبی فرصت سمجھتے تھے اس روز وہ ان سے پوچھے گا کہ تم لوگ کتنے برس رہے ہو زمین میں؟- کیونکہ تم دنیا کی اس زندگی کو بہت بڑی چیز سمجھتے تھے اور تمہارا خیال تھا کہ ہم اسی میں ہمیشہ رہیں گے اور اسی طرح مزے لوٹتے اور عیش کرتے رہیں گے۔ اور جو لوگ تمہیں دنیا کی بے حقیقتی اور بے ثباتی اور اس کے فنا وزوال کے بارے میں بتاتے تھے تم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ اتنی دیر کے بعد آنے والی چیز کی بنا پر ہم اپنا عیش مکدر کیوں کریں۔ سو اب بتاؤ کہ تم دنیا میں کتنے برس رہے اور قبر وبرزخ میں کتنا عرصہ تم نے گزارا؟ سو یہ سوال ان لوگوں سے ان کی توبیخ اور تقریع وتذلیل کیلئے ہوگا۔ (المعارف، المراغی وغیرہ)- والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی اور اس کے انجام سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے- آمین- اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۶ اہل کفر وباطل کی آخرت میں بدحواسی کا ایک منظر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز یہ لوگ اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ ٹھہرے ہونگے۔ سو دنیاوی زندگی کی جس فرصت کو یہ لوگ بہت لمبی مدت سمجھتے تھے اس کے بارے میں اس روز یہ اس طرح کہیں گے۔ وہاں کے ہول اور خوف کی شدت کی بناء پر- کما قال ابن عباسؓ وغیرہ- (صفوۃ وغیرہ)- والعیاذ باللہ العظیم- سو وہاں کے اس ہول اور خوف کی بنا پر ان لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ ان کے ہوش اڑ جائیں گے اور ان کو دنیا کی اپنی وہ زندگی جس کو وہ بہت کچھ بلکہ سب کچھ سمجھا کرتے تھے اور اسی کیلئے وہ جیا اور مرا کرتے تھے اور اسی کے عارضی فائدوں اور وقتی مفادات ہی کو انہوں نے اپنا قبلہ مقصود بنا رکھا تھا آج وہ ان کو اتنی قلیل معلوم

ہوگی کہ اس کو وہ اس دن ایک دن یا اس سے بھی کم سمجھیں گے۔ کاش کہ ایسا وہ دنیا میں سمجھتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

۱۲۷ **منکرین کی ایک اور تذلیل کا ذکر و بیان:** ۔ سو منکرین کی ایک اور تذلیل و تحقیر کے ذکر و بیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر وہ کہیں گے سو آپ پوچھ لیں گنتی والوں سے۔ یعنی ان فرشتوں سے جو کہ بنی آدم کی عمروں کا حساب رکھتے اور ان کے اعمال لکھتے رہے تھے۔ (المعارف، المراغی وغیرہ)۔ اور ان لوگوں کی اس بدحواسی کی منظرکشی سورۂ طٰہٰ کی آیات نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۴ میں بھی فرمائی گئی ہے جہاں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم تو دنیا میں صرف دس روز ہی ٹھہرے ہو۔ جبکہ ان کا سب سے زیادہ دانا شخص کہے گا کہ تم تو دنیا میں صرف ایک ہی دن رہے ہو۔ سو اس سے ایک طرف تو ان لوگوں کی اس دن کی بدحواسی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف یہ کہ عقیدۂ آخرت سے محرومی کتنی بڑی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۸ **دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو جواب ملے گا واقعی تم لوگ دنیا میں بہت کم ٹھہرے تھے کہ دنیا کی زندگی بہرحال فانی اور محدود تھی جو کہ گزر چکی۔ جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور لامحدود ہے۔ اور محدود کی لامحدود کے مقابلے میں بہرحال کوئی نسبت ہی نہیں۔ مگر دنیا کے اس دارالامتحان میں جہاں کہ اصل حقائق پر پردہ پڑا ہوا ہے ان غفلت شعاروں کو نہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور نہ ہی یہ اس کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک اصل چیز مادہ و معدہ کے تقاضوں کی تکمیل ہی ہے اور بس۔ اور اسی کو یہ لوگ مقصدِ حیات بنائے ہوئے اور خوابِ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ورنہ اگر وہ دنیا میں آنکھیں کھول لیتے اور غور و فکر سے کام لیتے تو حقیقتِ حال ان کے سامنے واضح ہو جاتی اور یہ دھوکے میں نہ پڑتے۔ اور حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ محدود کو دنیا کے عارضی فوائد اور مادی منافع کی تحصیل میں ضائع نہ کرتے بلکہ آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کی آبادی اور وہاں کی کامیابی کے لیے کوشش کرتے۔ اور اسی کی کامیابی اور فائز المرامی کو اپنا اصل مقصد اور حقیقی نصب العین بناتے۔ سو عقیدۂ آخرت ایک انقلاب آفریں اور سعادتِ دارین سے سرفرازی کا کفیل وضامن عقیدہ ہے۔ اللّٰھم فزدنا ایمانا بالاٰخرۃ و یقینا بھا واستعداداً لھا یا ذا الجلال والاکرام بیدک الخیر وانت علی کل شیء قدیر۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۲۹ **علمِ حق کی روشنی سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت ان سے کہا جائے گا کاش کہ تم لوگ جان لیتے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو جبکہ تم دنیا کے دارالامتحان میں تھے اور تمہارے لئے کسب و عمل کا موقع موجود تھا۔ اگر ایسے ہوتا تو تم لوگ کبھی دنیا کی فانی زندگی اور وہاں کے وقتی اور عارضی فائدوں کو سمیٹنے کو ترجیح نہ دیتے اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی سے منہ موڑ کر اس دائمی خسارہ سے دوچار نہ ہوتے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو آشکارا فرما دیا گیا کہ علمِ حق کی روشنی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی روشنی ہے کہ اسی سے انسان کو حق اور حقیقت کی صحیح راہ کی معرفت اور پہچان نصیب ہوتی ہے۔ اور اسی سے وہ حق اور حقیقت کو اپنانے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ حضرتِ ایفع بن عبدالکلاعی سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اہلِ جنت سے خطاب کر کے ان سے فرمائے گا کہ تم لوگ دنیا میں کتنا عرصہ رہے ہو؟ تو وہ عرض کریں گے کہ ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے اس میں بڑی اچھی کمائی اور عمدہ تجارت کی کہ میری رضا اور جنت کے مستحق بن گئے۔ سو اب تم ہمیشہ اسی میں رہو۔ جعلنا اللہ منھم۔ اور پھر دوزخیوں سے یہی سوال کرے گا کہ تم لوگ دنیا میں کتنا عرصہ رہے ہو؟ تو وہ بھی کہیں گے ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم لوگوں نے اس میں بڑی بری کمائی کی کہ میری ناراضگی اور دوزخ کے مستحق ٹھہرے۔ پس تم ہمیشہ اسی میں رہو۔ (ابن کثیر اور مراغی وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ

سمجھ رکھا ہے ف۱۳۰ کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے کار پیدا کیا ہے؟ اور تمہیں ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آنا؟ ف۱۳۱ پس بڑا ہی بلند ہے ف۱۳۲ اللہ تعالیٰ جو کہ بادشاہ

الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ

حقیقی ہے ف۱۳۳ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، وہی مالک ہے عرش کریم کا ف۱۳۴ اور جو کوئی (اس سب کے باوجود) اللہ کے ساتھ

يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا

کسی بھی اور ایسے (خود ساختہ اور فرضی) معبود کو پکارے گا جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو سوائے اس کے نہیں کہ اس کا حساب

۱۳۰ انسان کی تخلیق بے مقصد و بے کار نہیں ہوسکتی:۔سو ارشاد فرمایا گیا اور تنبیہ و تخصیص کے لیے بطورِ استفہام ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے؟۔اے غافل و بے خبر لوگو! استفہام زجر و توبیخ اور تنبیہ و تذکیر کے لئے ہے۔ یعنی ایسا سمجھنا کہ ہم یونہی بے کار اور بے مقصد پیدا کئے گئے ہیں۔ سو ایسا سمجھنا بہت سنگین غلط فہمی اور ہولناک گمراہی ہے کہ اس سے پوری متاعِ زندگی ہی بے کار اور بے مقصد قرار پاتی ہے۔ اور اس کا انجام بڑا ہی بھیانک سخت اور انتہائی ہولناک ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ اس کائنات کی ایک ایک چیز تو بامقصد اور انسان کی خدمت میں مصروف ہو مگر خود یہ انسان جو اس ساری کائنات کا مخدوم و مطاع ہے یہ ایسا بیکار ہو کہ اسکی زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہو۔ سو اگر انسان صحیح طور سے اس بارے غور و فکر سے کام لے تو وہ پکار اٹھے گا اور دل کی گہرائیوں سے پکار اٹھے گا۔ مالک تو نے یہ سب کچھ یونہی بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا فرمایا۔﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾۔

۱۳۱ سب کا رجوع بہرحال اللہ ہی کی طرف:۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سب نے لوٹ کر اللہ ہی کے حضور حاضر ہونا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور تنبیہ و تخصیص کے لیے بطورِ استفہام ارشاد فرمایا گیا ''اور کیا تم نے لوٹ کر ہمارے پاس نہیں آنا؟ اور اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا حساب نہیں دینا اور بدلہ نہیں پانا؟ اور تم یونہی کیڑوں مکوڑوں اور برسات کے مینڈکوں کی طرح مر کھپ کر ختم ہو جاؤ گے اور بس؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ دنیا کی اس زندگی میں تمہارا وجود دراصل امتحان اور آزمائش کے لئے ہے۔ جو اس میں کامیاب ہوگیا، اس کے لئے آخرت کی سدابہار کامیابی اور دائمی نعمتیں ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ اور جو اس میں ناکام ہوگیا۔ والعیاذ باللہ۔ اس کے لئے دوزخ کا ابدی عذاب اور وہاں کا دائمی ٹھکانا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو جن لوگوں نے اپنی زندگیوں کے بارے میں یہ گمراہ کن تصور قائم کر رکھا ہے کہ ہمیں یونہی بیکار اور بے مقصد پیدا کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر اپنے کیے کرائے کی جوابدہی

نہیں کرنی اور اسکے یہاں سے کوئی بدلہ نہیں پانا تو وہ لوگ بڑے ہی ہولناک خسارے میں پڑے ہیں۔ اور ان کا یہ خسارہ کل قیامت کے اس یومِ فصل میں جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ حقائق کا دن ہوگا پوری طرح سامنے آجائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِکَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ ۔ (المومن: ۷۸) نیز فرمایا گیا ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (الجاثیة: ۲۷)۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۴۲ **عظمتِ خداوندی کا حوالہ و ذکر:**۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑا ہی بلند ہے اللہ یعنی ایسے تمام تصورات سے۔ یعنی اس سے کہ وہ اس کائنات کو یونہی بے مقصد و بیکار پیدا فرمادے اور انسان جیسی اشرف المخلوقات کو جو کہ اس ساری کائنات کا مخدوم و مطاع ہے اسکو یونہی بے مقصد اور بے کار چھوڑ دے۔ نہ اسکی زندگی کا کوئی مقصد ہو نہ کوئی مشن اور نصب العین۔ بلکہ یہ پوری کائنات سے زندگی بھر طرح طرح کے فائدے اٹھاتے رہنے کے بعد یونہی مرکھپ کر ختم ہو جائے۔ سو ایسا نہ ہے نہ ہوسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ہر تصور سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے کہ وہ کوئی ایسا کارِ عبث کرے اور حکمتوں بھری اس کائنات اور اسکے مخدوم و مطاع اس انسان کو یونہی بے مقصد اور بے کار پیدا کردے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید من القول والعمل بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاة یاذا الجلال والاکرام۔ ویا اکرم الاکرمین

۱۴۳ **بادشاہِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ:**۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑا ہی بلند و بالا اور عظمتِ شان والا ہے اللہ جو کہ بادشاہِ حقیقی ہے۔ اور جب ایک فانی اور مجازی بادشاہ بھی اس بات کو اپنی حکومت اور بادشاہی کے لوازم میں سے سمجھتا ہے کہ وہ اطاعت شعاروں اور فرمانبرداروں کو صلہ و انعام سے نوازے اور غداروں اور نافرمانوں کو قرارِ واقعی سزا سے تو پھر اس بادشاہِ حقیقی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کے بارے میں تم لوگ یہ گمان کس طرح کرسکتے ہو؟ کہ وہ نیک و بد، صالح و طالح، متقی و ایماندار اور بے ایمان و بدکردار سب کو ایک برابر رکھدے گا۔ یہ اس کی شانِ اقدس و اعلیٰ کے خلاف ہے۔ ﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ﴾ بَلٰی یَا رَبَّنَا وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ ۔ سو قیامت کے اس یومِ فصل کا آنا عقل و نقل دونوں کے اعتبار سے ضروری ہے۔ تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ ورنہ یہ سارا کارخانہ ہست و بود بیکار قرار پاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۱۴۴ **اللہ مالک ہے عرشِ عظیم کا:**۔ جو کہ اسکی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا ایک اور اہم اور انفرادی پہلو ہے۔ سو فرمایا گیا کہ وہی مالک ہے عرشِ کریم کا۔ جو کہ سب کائنات پر حاوی اور اس کو محیط ہے۔ پس وہ ساری کائنات کا رب اور اس کا مالک ہے۔ عَزَّ سُلْطَانُهٗ وَ جَلَّ بُرْهَانُهٗ ۔ سو جب وہ اس عرشِ کریم کا مالک ہے جو کہ اس پوری کائنات پر حاوی اور اس پر محیط ہے تو پھر کوئی بھی چیز نہ اسکے احاطۂ قدرت سے نکل سکتی ہے اور نہ اسکی گرفت و پکڑ سے باہر ہوسکتی ہے۔ نیز جو ایسی عظیم الشان کائنات کا خالق و مالک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ تو اسکی کوئی بھی بات اور اسکی کوئی بھی تخلیق نہ بیکار ہوسکتی ہے اور نہ حکمت و مصلحت سے خالی۔ تو پھر انسان جیسی عظیم الشان مخلوق کس طرح عبث اور بیکار ہوسکتی ہے؟ سو ایسا ہر تصور باطل ہے۔

حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ

اس کے رب کے یہاں ہی ہوگا ۱۳۵ ایہ قطعی (اور یقینی) امر ہے کہ کافر کبھی فلاح نہیں پاسکیں گے ۱۳۶ اور (اے پیغمبر!) آپ یوں کہا کریں کہ

رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۶

اے میرے رب، بخشش فرما، ۱۳۷ اور رحم فرما، کہ تو ہی ہے سب سے بڑا رحم کرنے والا ۱۳۸

۱۳۵ مشرک کا حساب اللہ تعالیٰ کے یہاں: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے اس سب کے باوجود اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارا۔ یعنی جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ اللہ کے سوا کسی بھی اور معبود کے لیے نہ کوئی دلیل ہے نہ ہوسکتی ہے۔ سو جس نے اس سب کے باوجود اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پوجا پکارا اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے یہاں ہی ہے۔ کہ یہ اتنا بڑا اور اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کی سزا وہی وحدہٗ لاشریک دے سکتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نُّشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَّعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُهٗ - بہر کیف اس میں مشرکوں کیلئے سخت تنبیہ ہے کہ ان کا جرم بڑا ہولناک اور نہایت سنگین ہے۔ اور ان کو اپنے رب کے یہاں بہر حال اس کا حساب اور جواب دینا ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے لوگ یا صحیح اور سچی توبہ کرلیں یا پھر اس کے یہاں کی جوابدہی کے لیے تیار ہوجائیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۱۳۶ کافر و منکر لوگوں کی فلاح ممکن نہیں۔ والعیاذ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ کبھی بھی فلاح نہیں پاسکیں گے۔ اس سورہ کریمہ کے شروع میں فرمایا گیا تھا۔ ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ - کہ فلاح پاگئے وہ ایماندار جن کی یہ اور یہ صفات ہیں۔ اور اب اس کے خاتمے پر فرمایا جارہا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ ﴾ - کہ یقینی طور پر کافر فلاح نہیں پاسکیں گے۔ سو اس سے یہ واضح ہوگیا کہ ایمان و یقین، کامیابی اور حقیقی کامیابی اور دارین کی فوز و فلاح کی اصل اور اساس متین ہے۔ اور اسکے مقابلے میں کفر وانکار دائمی خسران ونقصان کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس انسان کیلئے صحت وسلامتی کی راہ اور سبیل فوز وفلاح یہی ہے کہ وہ کفر وانکار کے تمام شوائب سے بچ کر صدقِ دل سے اپنے رب پر ایمان لے آئے۔ اسکے دینِ متین کی تعلیماتِ مقدسہ کو پوری طرح اپنائے اور اپنے اندر وہ سات صفات پیدا کرے جو اہلِ ایمان کے شایانِ شان اور ان کا طرّہ امتیاز ہیں اور جن کا ذکر اس سورہ کریمہ کے شروع میں فرمایا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکلّ حالٍ من الاحوال۔

۱۳۷ ایک عظیم الشان دعا کی تعلیم و تلقین: -سو ارشاد فرمایا گیا "اور کہو اے میرے رب میری بخشش فرما اور مجھ پر رحم فرما"۔ ان غلطیوں، کوتاہیوں اور خطاؤں کی جو راہِ حق میں ہم سے سرزد ہوجاتی ہیں۔ اور رحم فرما ہم پر۔ ہمیں صحیح اقوال اور صالح اعمال کی توفیق وعنایت سے نواز کر۔ سو مغفرت اور رحمت حضرت حق - جل مجدہٗ - کی دو ایسی عظیم الشان عنایتیں ہیں جو درحقیقت دارین کی سعادت اور فوز وفلاح کی شاہ کلید اور اسکی کفیل وضامن ہیں۔ اسی لئے اس آیت کریمہ میں آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کے ہر فرد کو ان دونوں کے مانگنے اور سوال کرنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ مغفرت وبخشش کا مقتضیٰ یہ ہے کہ گزشتہ وہ سب لغزشیں اور کوتاہیاں اور گناہ وقصور ہم سے معاف فرما

دیئے جائیں جو بتقاضائے بشریت اور نفس وشیطان کے اغواء وتغریر کی بناء پر انسان سے سرزد وصادر ہو جاتے ہیں۔ جبکہ رحمتِ خداوندی کا حاصل یہ ہے کہ انسان آئندہ کے لئے راہِ حق وصواب پر گامزن رہے اور اقوال واعمال میں سب صحت و درستی اور صلاح واصلاح سے شادکام اور فائز المرام رہے۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اور اس میں آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کو خطاب فرما کر اس کی تعلیم وتلقین فرمانے میں یہ خاص درس ہے کہ جب حضرتِ امام الانبیاء۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کو باوجود اس عظمتِ شان، رفعتِ مکان اور معصوم ہونے کے اس کا حکم وارشاد فرمایا جارہا ہے تو پھر آپ کی امت اور امت کا ہر فرد اس کا کس قدر محتاج ہے؟۔ (ابنِ جریر، روح، قرطبی، اضواء البیان، فتح القدیر، التحریر والتنویر اور المعارف وغیرہ)۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلٰی مایحب ویرید، بکل حال من الاحوال۔ اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۳۸ اللہ کی رحمت کا حوالہ وذکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور تو ہی ہے۔اے میرے مالک۔سب سے بڑا رحم فرمانے والا۔ ایسا مہربان اور اس قدر رحم فرمانے والا کہ اس کی رحمت کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس کی رحمت بہانہیں چاہتی، بہانے ڈھونڈتی ہے۔اور جس کی رحمت کے بعد کسی اور کی رحمت وعنایت کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔ فلک الحمد یا ربی ولک الشکر قبل کل شیء وبعد کل شیء ۔ انت ربنا ونحن عبید لک ۔انت المستعان و علیک التکلان ۔و لا حول و لا قوۃ الا بک وحدک ۔ وصل اللّٰھم وسلم علٰی نبیک وصفیک وخلیلک وحبیبک سیدنا محمد و علٰی اٰلہ الطیبین و اصحابہ الطاھرین ومن اھتدٰی بھدیہٖ ودعا بدعوتہٖ واستن بسنتہٖ و سار علٰی دربہٖ الٰی یوم الدین و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و انا عبدک العاصی ولعفوک ورحمتک الراجی ، محمد اسحٰق خان ۔غفر اللہ لہ ولوالدیہ و لأھلیہ و لاولادہٖ واساتذتہٖ و مشائخہٖ اجمعین ۔ انک انت السمیع القریب المجیب وعلٰی ما تشاء قدیر ۔

۞۞۞۞۞

☆۔۔۔۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۹۰ء بروز پیر، بوقت پانچ بجے شام، قُبَیْلَ المغرب بیتہ الکائن فی منطقۃ امِ ہریر بدبی، الامارات العربیۃ المتحدۃ،

☆۔۔۔نظر ثانی ۱۷ رجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۹۷ء بروز جمعہ پونے تین بجے شام بمکان خود سطوہ، دبی متحدہ عرب امارات

☆۔۔۔تکمیل دوسری پروف ریڈنگ ۱۵ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۲ مارچ ۲۰۰۰ء سوا بارہ بجے دن مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر پاکستان (دورانِ رخصت)۔والحمدللہ رب العالمین الذی لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ جل وعلا۔

☆۔۔۔تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۲۹ صفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۳ مئی ۲۰۰۱ء بروز منگل بوقت پونے نو بجے شب، جامع محمد بن مدیہ میدان بنی یاس دیرہ دبی، متحدہ عرب امارات، بموقع درس تفسیر بعداز نماز عشاء والحمدللہ رب العالمین

☆۔۔۔تکمیل چوتھی پروف ریڈنگ ۱۵ شوال ۱۴۲۳ مطابق ۱۹ دسمبر ۲۰۰۲ بروز جمعرات بوقت پانچ بجے شام بمکان خود سطوہ دبی۔والحمدللہ رب العالمین۔

☆۔۔۔اَلْلَّمَسَاتُ الاخیرۃ (Final Touches) ۵۔ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۷ جنوری ۲۰۰۴ء بوقت ساڑھے گیارہ بجے دن، بروز منگل، مدنی منزل، مارگلہ ٹاؤن، اسلام آباد پاکستان۔والحمدللہ رب العالمین۔

آیاتہا ۶۴ ۲۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رکوعاتہا ۹

سورۂ نور مدنی ہے اور اس کی چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے،

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ

یہ ایک عظیم الشان ف۱ سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، اور اس (کے احکام) کو بھی ہم ہی نے فرض کیا ہے ف۲ اور ہم نے اس میں صاف صاف آیتیں ف۳ نازل کیں

لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۱ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ

تاکہ تم لوگ سمجھو ف۴ زنا کرنے والی عورت، اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو

۱ سورۂ نور ایک عظیم الشان سورہ:- سو اس سورۂ کریمہ کے آغاز ہی میں واضح فرما دیا کہ یہ ایک عظیم الشان سورت ہے۔ یعنی سورۃ کی تنوین تفخیم و تعظیم کے لیے ہے۔ اور ترکیب میں یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اور اس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مجاہدؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا کہ مردوں کو سورۂ مائدہ سکھاؤ اور عورتوں کو سورۂ نور۔ اور حضرتِ حارث بن مضرب کہتے ہیں کہ حضرتِ عمر -رضی اللہ عنہ- نے ہماری طرف لکھ بھیجا کہ اپنی عورتوں کو سورۂ نساء، سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی تعلیم دو۔ (روح، فتح، قرطبی، مراغی، جمل اور معارف وغیرہ)۔ اور یہ اس لئے کہ یہ سورۂ کریمہ بطورِ خاص ایسی تعلیمات پر مشتمل ہے جن پر دارین کی سعادت اور دنیا و آخرت کی فوز و فلاح کا انحصار ہے۔ اس سے ایک طرف تو معاشرے کی تطہیر اور باہمی تعلقات کے بارے میں ایسی عمدہ تعلیم دی گئی ہے جس سے اَنساب و اَعراض کی حفاظت ہوتی ہے اور فتنہ و فساد کی راہیں بند ہوتی ہیں اور بہت سی ان بیماریوں سے پناہ ملتی ہے جو افراد اور معاشرہ کو تباہ کر دیتی ہیں- والعیاذ باللہ- اور دوسری طرف اس میں عقیدۂ توحید اور دین کے مبادی و اصول کو بھی نہایت عمدہ اور اچھوتے انداز میں سمجھایا گیا ہے - فالحمد للہ رب العالمین- سو اس کی عظمتِ شان کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کا خاص اہتمام کیا جائے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید- اللہ تعالیٰ زندگی کا ہر لحہ اپنی رضا میں صرف کرنے کی توفیق بخشے- آمین ثم آمین

۲ سورۂ نور کی عظمتِ شان کے دو خاص پہلوؤں کا ذکر و بیان:- سو اس کی عظمتِ شان کو مزید واضح کرنے کے لیے دو اور باتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک ﴿انزلناها﴾ کہ "اس کو ہم نے نازل کیا ہے" یعنی اس کو کوئی معمولی کلام یا کوئی ہوائی بات نہ سمجھنا۔ بلکہ یہ ہمارا اتارا ہوا کلام اور ہمارا فرمان واجب الاذعان ہے۔ اس لیے اس کے ہر حکم کی تعمیل ہمارے فرمانِ

واجب الاذعان کی حیثیت سے کی جائے اور دوسری بات اسکی عظمت سے متعلق یہ فرمائی گئی کہ "ہم نے اسکو فرض کیا ہے"۔ یعنی ان احکام وفرامین کو جو کہ اس میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ حیثیت کوئی سفارشات کی نہیں کہ جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے، بلکہ ان سب کو ہم نے فرض اور لازم قرار دیا ہے۔ جن کو ماننا اور اپنانا ہر مومن کے لئے ضروری ہے۔ اور جب ان کو نازل کرنے والے بھی ہم اور فرض قرار دینے والے بھی ہم ہی ہیں تو پھر ان کی عظمتِ شان اور رفعتِ مکان کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔ پس تم لوگ اس کو کوئی معمولی چیز نہ سمجھنا بلکہ اسکی ہر بات اور اسکے ہر حکم وفرمان کو ہمارے حکم واجب الاذعان کی حیثیت سے اپنانا۔ بے چون وچرا اسکی اطاعت کرنا اور خبردار رہنا کہ اس بارے کوئی سستی اور سہل انگاری ولاپرواہی راہ نہ پائے۔ اسی میں تمہارا بھلا اور سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ جبکہ اس سے اِعراض وروگردانی میں سراسر خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۲ **سورۂ نور کی آیاتِ بینات کا ذکر وبیان:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے اس میں کھلی اور صاف صاف آیتیں نازل کیں"۔ جو کہ ہماری وحدانیت اور دینِ حق کی عظمت کو پوری طرح اجاگر کرتی ہیں۔ تو گویا ﴿ فَرَضْنَاهَا ﴾ کا تعلق ان اوامر واحکام اور حدود وقیود سے ہے جو اس سورۂ کریمہ کے شروع میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔ اور ﴿ وَاَنْزَلْنَا فِیْهَا اٰیَاتٍ ، بَیِّنَاتٍ ﴾ کا تعلق توحید وقدرتِ خداوندی اور ان سے متعلق ان دلائل وبراہین سے ہے جو اس سورۂ کریمہ کے آخر میں ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ (المراغی، الکبیر وغیرہ)۔ سو اس سورۂ کریمہ کے شروع میں جن احکام وہدایات سے نوازا گیا ہے ان سے معاشرہ کے افراد کے درمیان تعلقات صحیح بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔ جس سے معاشرے کو سکون واطمینان کی دولت ملتی ہے۔ امن وامان کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اس میں گھروں میں داخلے اور باہم ملاقات اور گفتگو کے بارے میں عمدہ اور پاکیزہ ترین قواعد وضوابط ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ جس کے التزام وپابندی سے ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ پروان چڑھتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۳ **سبق لینے کی تعلیم وتلقین:** ۔سو ان احکام وہدایات کی غرض وغایت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ "تا کہ تم لوگ سمجھو اور سبق لو"۔ یعنی تا کہ تم حق اور حقیقت کو سمجھو۔ اس سے سبق لو اور اپنے لئے سعادتِ دارین کا سامان کرو۔ کیونکہ اس سورۂ کریمہ میں خاندان اور معاشرہ سے متعلق ایسی حدود اور تعزیرات کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے جن پر صالح اور پاکیزہ معاشرے کے قیام کا مدار وانحصار ہے۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جو گزشتہ امتوں کیلئے مزلۂ اَقدام ثابت ہوئی ہیں۔ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس امت پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اس کیلئے ان احکام کے ساتھ ساتھ ان کی خلاف ورزی کے نتائج سے بھی آگاہ فرما دیا گیا تا کہ لوگ ان نتائج سے بچنے کی فکر کریں اور بے حیائی وبدکاری کے نقصانات سے مطلع اور آگاہ ہو سکیں۔ اور ان سے محفوظ رہیں۔ سو ﴿ لعلکم تذکرون ﴾ سے اسی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید،

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ

سو سو کوڑے مارو، ۵ اور تمہیں ان کے بارہ میں اللہ کے دین کے معاملے میں کوئی

فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ

ترس نہیں آنا چاہیئے، ۶ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، ۷

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾ الزَّانِي

اور حاضر رہے ان کی سزا (کے اس موقع) پر ایک گروہ ایمان والوں کا (عبرت پذیری کے لئے)، ۸ بدکار

۵ حدِ زنا کا ذکر و بیان:- سو اس سے زنا کار مرد اور زنا کار عورت کیلئے سو کوڑوں کی سزا کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ وہ غیر محصن ہوں۔ کیونکہ زانی محصن کی سزا رجم ہے۔ جس کا ثبوت احادیث و روایات سے اس قدر واضح اور قطعی ہے کہ تواترِ معنوی کو پہنچا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ حضراتِ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ یہ تواتر ایسا قطعی اور واضح ہے جیسا کہ نماز کی رکعتوں کا ثبوت یا جیسا کہ حضرتِ علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت کا ثبوت وغیرہ۔ (روح وغیرہ) آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اپنی حیاتِ طیبہ میں خود حکمِ رجم پر عمل کروایا اور آپؐ کے بعد حضراتِ خلفائے راشدین کے دور میں بھی اس پر عمل ہوا۔ اور اس کے بعد دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی اس پر عمل فرمایا۔ اسی لئے حضرتِ عمر- رضی اللہ عنہ- نے اس بارے میں اپنے مشہور خطبے میں تاکید فرمائی کہ خبردار رجم کا حکم اسلام کا ایک قطعی حکم ہے جس میں کسی تغییر و تبدیل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی لئے سلف و خلف میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا سوائے خوارج کے۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، قرطبی، مراغی، محاسن، اضواء اور معارف وغیرہ وغیرہ)۔ بہر کیف سو کوڑوں کی سزا غیر محصن زنا کار کے لیے ہے۔ والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے- آمین- اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۶ دین کے بارے میں کسی پر ترس نہ کھانے کی ہدایت:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور تمہیں ان کے بارے میں اللہ کے دین کے معاملہ میں کوئی ترس نہیں آنا چاہیئے"۔ جس سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ان حدوں کو ٹالنے یا ان میں تخفیف کی جسارت کرنے لگو۔ کہ جس خدائے پاک نے ان حدود کو مقرر فرمایا ہے وہ تم سے کہیں بڑھ کر مہربان ہے اور اپنے بندوں سے جتنی محبت اور رحمت و شفقت وہ رب غفور و ودود رکھتا ہے اتنی کسی اور کی طرف سے کسی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہی سب کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ پس رحمت اصل میں اسی کی رحمت ہے۔ اور اس کے جملہ احکام و فرامین سراسر رحمت، نعمت، شفقت اور عینِ خیر و برکت ہیں- سبحانہ، وتعالیٰ- اور اس کے نازل کردہ اور مقرر فرمودہ ان احکام و فرامین کی بجا آوری اور ان پر عمل پیرا ہونے ہی میں تمہارا بھلا ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی جو اس دنیا کے بعد آنے والی ہے۔ اور یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے احکام و فرامین کے سوا

اور کسی کے احکام کیلئے ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔ پس تمہارا اے لوگو بھلا اسی میں ہے کہ تم اسکے احکام و فرامین کو صدقِ دل سے بجا لاؤ۔ اور جیسا اس کا حکم وارشاد ہو ویسے ہی اسکو بجا لاؤ۔ کہ اسی میں تم سب کا بھلا ہے دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی، اور اسکے بعد آنے والے ابدی جہاں میں بھی، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال۔

۷ ایمان کے ایک لازمی تقاضے کا ذکر و بیان: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان کا تقاضا صدقِ دل سے احکامِ خداوندی کی تعمیل ہے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ پر ایمان و یقین کا تقاضا اسکے احکام و فرامین پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہونا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تم لوگ اللہ کے احکام کو صدقِ دل سے بجا لاؤ کہ تمہارے اس ایمان و یقین کا تقاضا یہی ہے کہ تم ان احکام کو صدقِ دل سے تسلیم کرو اور ان کو پوری طرح بجا لاؤ۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ ان اسلامی حدود و احکام پر صدقِ دل سے ایمان نہیں رکھتے وہ مسلمان نہیں اگرچہ وہ زبانی کلامی طور پر بہت کچھ دعوے کرتے ہوں۔ والعیاذ باللہ۔ پس کیا خیال ہے آپ کا ان لوگوں کے بارے میں جو کہ ان اسلامی سزاؤں کو ماننے اور ان پر ایمان رکھنے کی بجائے ان کو وحشیانہ قرار دیں؟۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جیسا کہ اس طرح کی کفریہ باتوں کا ذکر و اظہار گاہ بگاہ، یہاں اور وہاں، ادھر اور ادھر، اعدائے حق اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے طرح طرح سے ہوتا رہتا ہے۔ ۔والعیاذ باللہ۔ اور کھلے دشمنوں کے علاوہ ان نام نہاد مسلمانوں کی طرف سے بھی اس طرح کی باتیں کی اور کہی جاتی ہیں جو کہ ایسے اسلام دشمن عناصر سے مرعوب و متاثر ہیں۔ جیسا کہ پچھلے دنوں ہمارے ملک پر مسلط اس نسوانی حکومت کی طرف سے سننے اور دیکھنے میں آیا جو کہ ہماری شامتِ اعمال کے نتیجے میں اور اس نام نہاد مغربی جمہوریت کے صلے میں ہمارے سروں پر مسلط کر دی گئی۔ جس میں انسانوں کو تولا نہیں گنا جاتا ہے۔ اور جس میں بڑی سے بڑی عالم فاضل شخصیت کا بھی ایک ووٹ ہوتا ہے اور عقل و فکر کی صلاحیتوں سے عاری ایک عام انسان اور ایک چرسی بھنگی کا بھی ایک ووٹ ہوتا ہے۔ لیکن اس طرح کے بیانات دینے کے کچھ ہی دنوں بعد نشۂ اقتدار میں مست و مگن اس نسوانی حکومت کو کرسی اقتدار سے پٹخ دیا گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

۸ عبرت پذیری کا درس: ۔سو عبرت پذیری کے لیے اجرائے حد کے موقعہ پر اہلِ ایمان کے ایک گروہ کی حاضری کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور حاضر رہے اس موقعہ پر اہلِ ایمان کا ایک گروہ"۔ تاکہ اس سے ایک طرف تو وہ دیکھنے والے عبرت پکڑیں اور دوسری طرف ان لوگوں کی مزید رسوائی ہو جن پر حد قائم کی جارہی ہوتی ہے۔ کیونکہ رسوائی کا خوف سزا سے بھی بڑھ کر جرائم کو روکنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں "اَلْفَضِيْحَةُ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا مِّنَ الْعَذَابِ"۔ بہرکیف اسلامی حدود و تعزیرات کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو عبرت اور نصیحت حاصل ہو تاکہ جرائم اور بے راہ روی کا قلع قمع ہو۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں ان کو "نَکَال" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کے معنی عبرتناک اور سبق آموز سزا کے آتے ہیں۔ سو اس مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سزائیں کھلے عام اور پبلک کے سامنے ہوں اور اہلِ ایمان کی ایک جماعت وہاں پر موجود رہے۔ اس لیے جیلوں کی کوٹھڑیوں میں چپ چپائے دی جانے والی سزاؤں سے یہ اہم مصلحت فوت ہو جاتی ہے جو کہ اصل مقصود ہے۔ سو دینِ حنیف کے احکامِ مقدسہ کے ہر پہلو میں عظیم الشان حکمتیں اور درس ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ

لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ

مرد نکاح نہیں کرتا مگر کسی بدکار یا مشرک عورت سے، اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا

اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

مگر کوئی بدکار یا مشرک شخص ۹ اور حرام کر دیا گیا اس کو ایمان والوں پر ۱۰

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ

اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو ۱۱ پھر وہ اس پر گواہ چار نہ

شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ

لا سکیں، تو ان کو تم لوگ اسی کوڑے مارو ۱۲ اور ان کی کوئی گواہی بھی کبھی

۹ زناکاری کے ایک طبعی میلان کا ذکر: سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ زناکار کا طبعی میلان زناکار ہی کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی یہ زنا و بدکاری کا طبعی نتیجہ و اثر بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اس منحوس عمل کا طبعی نتیجہ و اثر یہی ہوتا ہے کہ اس کا مرتکب شخص اس قابل نہیں رہتا کہ وہ کسی پاک دامن ایماندار عورت سے نکاح کرے اور نہ اس کو اس کی رغبت ہی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ اس قابل ہے کہ اپنے ہی جیسے کسی بدکار یا اس سے بھی بڑھ کر کسی مشرک عورت سے شادی کرے کہ اس نے اپنے آپ کو مقام عزو شرف سے گرا دیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کہتے ہیں "اَلْمَلِكُ لَا يَكْذِبُ"۔ "بادشاہ جھوٹ نہیں بولتا"، یعنی یہ بات اس کی شان کے لائق نہیں کہ وہ بادشاہ ہو کر جھوٹ بولے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی یہاں بھی ہے (روح وغیرہ)۔ پس یہ ارشاد ربانی نہی اور انشاء کے طور پر نہیں بلکہ نفی اور خبر کے معنٰی میں ہے۔ نیز اس سے نکاحِ مشرک کا جواز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ دوسری نصوص کی رو سے قطعی طور پر حرام ہے بلکہ اس سے دراصل جریمۂ زنا کی خطورت اور اس کی خساست کو آشکارا فرمایا گیا ہے کہ یہاں پر زنا اور شرک کو ایک ساتھ اور ایک برابر ذکر فرمایا گیا ہے۔ جبکہ دوسرا قول حضرات اہلِ علم کا اس بارے میں یہ ہے کہ یہاں پر نکاح سے مراد عقدِ نکاح نہیں بلکہ وطی اور مباشرت ہے۔ یعنی جس کو جرمِ زنا کی لت لگ جائے۔ والعیاذ باللہ۔ وہ کسی زانیہ یا اس سے بھی بڑھ کر کسی مشرک عورت سے ہی زنا کرے گا۔ یہ قول حضرت ابنِ عباسؓ سے بھی مروی ہے اور علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ پہلا قول صحیح نہیں۔ کیونکہ آیت کریمہ میں جو مشرک اور مشرکہ کا ذکر ہے وہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں پر نکاح سے عقدِ نکاح مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ مشرک سے کسی بھی حال میں درست نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یہاں پر یہ دونوں قول ہیں۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، قرطبی، مراغی، روح وغیرہ)۔ اور ان دونوں سے جریمۂ زنا کی سنگینی واضح ہو جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل مَوْطنٍ مِّن المواطن فی الحیاۃ۔

۱۰ ایمان کے ایک اہم تقاضے کا ذکر: --سو ارشاد فرمایا گیا اور حرام کر دیا گیا اس کو ایمان والوں پر یعنی زنا کو جب کہ ﴿ذالک﴾ کا مشار الیہ اسی کو قرار دیا جائے اور اس صورت میں یہ تحریم اپنے حقیقی معنوں میں ہوگی کہ زنا تو بہرحال اور قطعی طور پر حرام ہے۔ اور اگر ﴿ذالک﴾ کا مشار الیہ نکاحِ زانی کو قرار دیا جائے جیسا کہ ظاہر و متبادر ہے تو اس صورت میں اس تحریم سے مراد اس کے لغوی معنیٰ ہوں گے نہ کہ اصطلاحی۔ یعنی منع کر دینا۔ جیسا کہ ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ میں ہے۔ یعنی ایماندار و پاک دامن لوگوں کو طبعی طور پر اس سے منع کر دیا گیا کہ ان کو اس کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی۔ سو یہ بات مومن کی غیرتِ ایمانی کیخلاف ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو اپنے کفر اور اپنی بدکاری پر قائم ہو۔ کیونکہ اسلام کی نظر میں اصل چیز ہے پاکدامنی جو کہ مردوں میں ملحوظ ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ اور یہی وصف عورتوں میں بھی ملحوظ ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ﴾۔ اسی لیے امام نسفیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں دراصل اہلِ ایمان کو بدکار عورتوں سے نکاح کرنے سے نفرت دلانا مقصود ہے کہ ان کے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے اندر پاکدامن عورتوں کے سوا اور کسی طرف کوئی رغبت ہی نہیں ہونی چاہیئے۔ (المعارف، المدارک اور المحاسن وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔ دیا اکرم الاکرمین

۱۱ حدِ قذف کا ذکر و بیان: --سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو لوگ تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر" زنا و بدکاری کی اور اس طرح وہ ان کی عزت کو داغدار کرنے کے جرم کے مرتکب ہوں۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے اس الزام کے ثبوت کیلئے اس عورت پر زناکاری کیلئے چار گواہ پیش کریں۔ ورنہ اس پر قذف یعنی تہمت لگانے کی حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ مسلمان کی جان کی طرح اسکی عزت و آبرو بھی قابلِ احترام ہے۔ جس طرح اسکی جان پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں اسی طرح اس کی عزت و آبرو میں بھی ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں۔ سو جو لوگ شریف اور آزاد مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جرم کے چار عینی شاہد پیش کریں ورنہ ان کو قذف یعنی تہمت کی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و کید سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲ حدِ قذف اسّی کوڑے: --سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ایسوں کو اسّی کوڑے لگائے جائیں"۔ حدِ قذف کے طور پر۔ کہ اس نے پاک دامن عورت کو بے آبرو کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے ایک طرف تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی نظر میں مومن کی عزت و آبرو کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے اور دوسری بات یہ کہ اسلام نہیں چاہتا کہ اسلامی معاشرے میں زنا اور بدکاری کے چرچے ہوں کہ اس سے اشاعتِ فاحشہ کی راہ کھلتی ہے۔ لہٰذا جب تک کسی کے پاس ایسی بات کے چار گواہ نہ ہوں وہ کسی پر ایسی تہمت نہ لگائے۔ ورنہ اسکو اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور اس کو یہ ذلت آمیز سزا بھگتنا ہوگی۔ اور مزید یہ کہ ایسے لوگ مردودِ شہادت قرار پائیں گے۔ یعنی ان کی شہادت اور گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اسلامی معاشرے میں کسی کا مردودِ شہادت قرار پانا بڑی ہی سخت اور سنگین سزا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کی عرفی حیثیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس امت کا اصل مرتبہ و مقام اور منصب و امتیاز ہی شہداء اللہ فی الارض ہے۔ تو ایسے میں ایسا شخص گویا امت ہی سے کٹ گیا اور اس کا شرف و اعزاز ہی اس سے چھن گیا۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ اِلَّا الَّذِيْنَ

قبول مت کرو، اور یہی لوگ ہیں بدکار، ۱۳ سوائے ان لوگوں کے

تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

جو اس کے بعد توبہ کرلیں، اور وہ اپنی اصلاح بھی کرلیں تو (ان کا گناہ معاف ہوجائے گا کہ) بے شک اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا،

رَّحِيْمٌ ۝۵ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ

نہایت ہی مہربان ہے، ۱۴ اور جو لوگ تہمت لگائیں اپنی بیویوں کو، جب کہ ان کے پاس اس کے لئے کوئی

شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ

گواہ نہ ہوں، سوائے ان کی اپنی جانوں کے، تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (کی صورت) یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر

بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ

گواہی دے کہ وہ (اپنے اس الزام میں) قطعی طور پر سچا ہے، اور پانچویں مرتبہ وہ یوں کہے کہ اس پر اللہ کی

۱۳ اور ایسے لوگ فاسق و بدکار ہیں۔ والعیاذ باللہ:- کہ انہوں نے ناحق طور پر دوسروں کی عزت و آبرو کو خراب کرنا کیا اور فسق و فجور کی جس گندگی سے انہوں نے ان کو ملوث و آلودہ کرنا کیا، وہ خود ان پر آن پڑی۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس میں قاذف یعنی تہمت لگانے والے کیلئے تین سزاؤں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ ایسے شخص کو اسی کوڑوں کی حد لگائی جائے۔ دوسرے یہ کہ اسکو مردود الشہادۃ قرار دیا جائے۔ یعنی اسکی گواہی کبھی قبول نہ کی جائے گی۔ اور یہ اسلامی معاشرے میں ایک بڑی سخت سزا ہے۔ کیونکہ اس امت کا جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں گزرا ہے یعنی اصل امتیاز اور اعزاز ہی یہ ہے کہ یہ شہداء اللہ فی الارض کہ یہ امت اللہ کی اس زمین میں حق کی گواہ ہے۔ تو ایسے میں ایک شخص کو مردود الشہادۃ قرار دینے کا مطلب یہ ہوجاتا ہے کہ وہ اس شرف اور اعزاز سے محروم ہوگیا جو کہ اس کو امت کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے حاصل تھا۔ اور تیسری سزا یہ ہے کہ ایسا شخص فاسق اور بدکار قرار پائے گا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۴ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کی امید:- سو ارشاد فرمایا گیا اور کلمات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے"۔ سو سچی توبہ پر وہ سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ لہٰذا قاذف کا گناہ بھی معاف ہوجائے گا اور ایسا شخص آخرت کی پکڑ سے بھی بچ جائے گا اور فسق کا لقب بھی اس سے اٹھ جائے گا۔ مگر حد ساقط نہیں ہوگی۔ کہ وہ بندے کا حق ہے۔ اس بات پر تو سب کا اجماع و اتفاق ہے۔ البتہ اسکی شہادت اور گواہی کے قبول ہونے نہ ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق اس سے نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی گواہی توبہ کے بعد بھی قبول نہیں ہوگی۔ جبکہ امام شافعیؒ وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ بھی استثناء میں داخل ہے۔ لہٰذا توبہ کے بعد ان کے مردود الشہادۃ ہونے کی سزا بھی ان سے اٹھ جائے گی اور آئندہ ان کی گواہی قابل قبول ہوگی۔ (قرطبی، مراغی، ابن کثیر، معارف وغیرہ)۔ وَالْمَزِيْدُ مِنَ التَّفْصِيْلِ فِي الْمُفَصَّلِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تعالىٰ – وباللّٰه التوفيق لما يحب ويريد –

اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا

لعنت (و پھٹکار) ہوا گر وہ جھوٹا ہو (اپنے اس الزام میں) ۱۵ (اس کے بعد) اس عورت سے

الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ

سزا اس طرح ٹل سکتی ہے ۱۶ کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یوں کہے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں)

۱۵ لعان کے حکم کا ذکرو بیان:۔ یعنی تہمت لگانے والا شخص اگر چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کو مذکورہ طریقے کے مطابق قسمیں کھانا ہونگی اور اس طرح وہ حدِ قذف سے بچ جائے گا جو کہ گواہ نہ ہونے کے باعث اس تہمت کی بناء پر اس کو لگنا تھی۔ پس جب وہ شخص ایسا کہہ دے گا اور اس کی بیوی بھی اسکے جواب میں قسمیں کھائے گی تو اس لعان کے بعد اس کی وہ بیوی اس سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو جائے گی اور پھر اس سے کبھی بھی اس کا نکاح جائز نہیں ہوگا۔ بہر کیف شوہر کی قسموں کے بعد زنا کی تہمت اس کی بیوی کی طرف متوجہ ہوگی۔ جس کی سزا سے بچنے کے لئے اس کو بھی اس کے جواب میں چار قسمیں کھانا ہوں گی۔ جیسا کہ اگلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ (ابن کثیر، مراغی، معارف وغیرہ)۔ سو جب اس شخص نے اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائی تو اسکے لیے اسکو چار گواہ پیش کرنا ضروری تھا اور گھر کے معاملے میں چار گواہوں کا پیش کرنا چونکہ بہت مشکل معاملہ ہے اس لیے چار گواہوں کی جگہ خود شوہر کی چار قسموں کو اس کا قائم مقام قرار دیا گیا۔ اور پانچویں مرتبہ وہ اپنے بارے میں یہ کہے گا کہ اس پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہوا گر وہ اپنے اس اِلزام و اِتہام میں جھوٹا ہو۔ اور اسکو شریعت کی اصطلاح میں "لعان" کہا جاتا ہے جو کہ قتال کے وزن پر باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ جس کا معنی ہے ایک دوسرے کو یا ایک دوسرے کے جواب میں لعنت کرنا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۶ لعان والی عورت سے حدِّ زنا ٹالنے کا طریقہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ عورت اپنے آپ سے سزا کو اس طرح ٹال سکتی ہے کہ وہ یوں کہے۔ یعنی حد زنا کی سزا جو کہ خاوند کے الزام اور اس کی ان قسموں کی بناء پر اس کو لگنا تھی۔ اور جب بیوی بھی اس طرح قسمیں اٹھا لے گی تو ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لئے تفریق اور علیحدگی وجدائی ہو جائے گی اور اس کے بعد یہ دونوں کبھی بھی آپس میں رشتۂ ازدواج میں منسلک نہیں ہو سکیں گے۔ آگے اس جدائی اور تفریق کے بارے میں بعض حضرات اہلِ علم کا کہنا ہے کہ باہمی لعان کے نتیجے میں یہ تفریق وجدائی خود بخود واقع ہو جائے گی۔ جبکہ دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اس کے بعد خاوند کی طلاق سے واقع ہوگی یا پھر تفریقِ قاضی سے۔ بہر کیف اس سے ایک طرف تو شوہر حدِ قذف سے بچ جائے گا اور دوسری طرف دیوثی کے الزام واتہام سے بھی۔ ادھر ایسی عورت بھی ایک طرف حد زنا سے بچ جائے گی اور دوسری طرف ان طرح طرح کی خانگی پریشانیوں سے بھی جو آئندہ اس شوہر کے گھر رہنے سے اس کو لاحق ہو سکتی تھیں۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے قرآنی تعلیمات کی عظمتوں، باریکیوں اور عنایتوں کے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اس آیت کریمہ کے شانِ نزول کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ھلال بن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق اس کا نزول عویمر عجلانی کے قصہ میں ہوا۔ حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں یہ دونوں ہی قصے صحیح روایات میں وارد ہوئے ہیں اور دونوں ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہیں۔ سو یہ دونوں ہی اس کا شانِ نزول بن سکتے ہیں۔ (معارف وغیرہ)۔ اور ایسی بہت سی آیات کریمات کے بارے میں وارد و منقول ہے کہ ایک ہی آیتِ کریمہ کا نزول مختلف حوادث و وقائع سے متعلق قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کا مطلب دراصل یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ اور اس کا حکم و مضمون ان سب ہی واقعات پر چسپاں ہوتا ہے۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک کو اس کا مصداق قرار دیا جاتا ہے۔ سو یہ اسلاف کرام کا ایک انداز واسلوب ہے۔ اور اسکے نمونے جابجا پائے جاتے ہیں۔

الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ

اور پانچویں بار وہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے اگر قطعی طور پر جھوٹا ہے،

كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

یہ شخص سچا ہو (اپنے اس الزام واتہام میں) اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور

رَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ع اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ

اس کی رحمت نہ ہوتی، نیز یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا نہایت ہی حکمت والا ہے، (تو تمہیں کیا کچھ بھگتنا ن

بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ

بھگتنے پڑتے) ۱۷ بلا شبہ جو لوگ یہ طوفان گھڑ لائے ۱۸ وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے، تم اس کو اپنے لئے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ

تمہارے لئے بہتر ہی ہے، ۱۹ ان میں سے ہر شخص نے اپنے کئے کے مطابق گناہ سمیٹا ہے،

وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۱

اور ان میں سے جس نے اس کا بڑا حصہ اپنے سر لیا ۲۰ اس کے لئے بڑا عذاب ہے،

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ

یہ کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے اس کو سنا تھا، تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے بارے میں نیک

۱۷ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی یاد دہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اگر اللہ تعالیٰ کا تم لوگوں پر فضل و کرم نہ ہوتا تو تم سخت مشقت اور مشکل میں پڑ جاتے"۔ ترجمہ میں بین القوسین والی عبارت سے حرفِ شرط کا "لا" کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔ جو کہ تقاضائے بلاغت کی بناء پر محذوف ہے۔ اور اس میں بلاغت کا پہلو یہ ہے کہ یہ نتیجہ و اثر اتنا ہولناک ہے کہ گویا یہ بیان سے باہر ہے اور یہ کسی حد تک ظاہر بھی ہے۔ کیونکہ اگر ایسے نہ ہوتا تو شوہر کو حدِ قذف کے کوڑے برداشت کرنا پڑتے کہ اس کے پاس گواہ نہیں تھے۔ جبکہ قرائن اس کی تصدیق و تائید کر رہے ہوتے ہیں کہ اپنی شریکِ حیات پر کوئی شخص یونہی بے بنیاد الزام عائد نہیں کر سکتا کہ دونوں کی عزت مشترک ہوتی ہے۔ اور اس کی بات مان کر اگر عورت کو سزا دے دی جاتی تو اس کے حق کی رعایت نہ ہوتی اور آئندہ ہر کوئی اپنی ذاتیات یا معمولی رنجش وغیرہ کی

صورت میں عورت کے ساتھ اسی طرح کا ظالمانہ سلوک کرتا جس سے وہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں رہ جاتی۔ مگر اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت وعنایت بے غایت اور حکمت بے نہایت سے لعان کے اس حکم کے ذریعے ان تمام مفاسد اور سب خرابیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ پس بندے کو چاہیئے کہ وہ اپنے خالق ومالک کے احکام وارشادات کو صدق دل سے اپنائے کہ اس میں خود اسی کا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔ اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر موقع پر اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

۱۸ براءت ونزاہت سیدہ عائشہ صدیقہ کا بیان: سو ارشاد فرمایا کہ جو لوگ یہ طوفان گھڑ لائے وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہے۔ یعنی وہ طوفان جو کہ ام المومنین صدیقہ بنت صدیق حضرت عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ عنہا۔ پر تہمت کے بارے میں اشرار ومنافقین نے اپنے خبث باطن کی بناء پر باندھا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاد کے ایک سفر سے واپسی کے دوران آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے رات کو ایک موقع پر پڑاؤ کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ عنہا۔ بھی اس سفر میں آپؐ کے ہمراہ تھیں۔ صبح کے وقت جب قافلے کے کوچ کا اعلان ہو گیا تو حضرت عائشہ۔ رضی اللہ عنہا۔ اپنے ایک ہار کی تلاش میں باہر نکل گئیں۔ قافلے والوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ اپنے ہودج میں تشریف فرما ہیں۔ اس لئے انہوں نے کوچ کر لیا۔ آپؓ جب واپس پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے اور آپؓ کا ہار بھی وہیں پڑا ہے جہاں آپ کا اونٹ بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر آپؓ نے کمال سمجھداری سے کام لیتے ہوئے اس خیال سے کہ جب قافلے والوں کو میرے بارے میں معلوم ہوگا تو وہ تلاش کرنے کے لئے واپس یہیں آئیں گے آپؓ وہیں بیٹھ گئیں۔ اس کے کچھ ہی بعد حضرت صفوان بن معطل السلمیؓ جو کہ قافلے کا گرا پڑا سامان اٹھانے کے لئے پیچھے رہا کرتے تھے وہاں آپہنچے۔ اور حضرت ام المومنین۔ رضی اللہ عنہا کو وہاں پا کر فوراً۔ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾۔ پڑھا۔ اور ایک فرمانبردار اور باادب بیٹے کی طرح اپنے اونٹ کو لا کر آپؓ کے سامنے بٹھا دیا۔ آپؓ اس پر سوار ہو گئیں اور وہ آپؓ کو لے کر لشکر تک پہنچ گئے۔ اس پر منافقین نے تہمت والزام تراشی کا ایک ایسا طوفان بپا کر دیا کہ اس سے بعض سادہ لوح مخلص مسلمان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ حضرت عائشہ۔ رضی اللہ عنہا۔ کو تقریباً ایک ماہ تک اس کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس کے بعد پتہ چلنے پر آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ تین دن تک مسلسل آپؓ روتی رہیں۔ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بھی اس سے بہت پریشان رہے۔ مختلف صحابہ کرامؓ سے آپؐ نے اس بارے میں مشورے بھی فرمائے۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کی روایات میں موجود ہے۔ تا آنکہ سورۂ نور کے شروع کی یہ دس آیات کریمہ نازل ہوئیں تو ان سے آپؓ کی براءت فرما دی گئی۔ سو اس سب قصے سے جس کا اجمالی تذکرہ ہم نے یہاں صحیح روایات کی روشنی میں کر دیا ہے پتہ چلا کہ پیغمبر۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نہ تو عالم غیب تھے نہ مختار کل اور نہ ہر جگہ حاضر وناظر۔ جیسا کہ اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ نہ تو یہ واقعات رونما ہوتے نہ یہ صورت حال پیش آتی اور نہ ہی اس درجہ تشویش واضطراب کی نوبت آتی۔

پس اس واقعہ سے اہلِ بدعت کے ایسے تمام شرکیہ عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے۔ اور حق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے والحمدللہ رب العالمین۔ اللہ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۱۹ دشمن کی طرف سے اٹھائے گئے شر میں بھی خیر کا پہلو: - سو ارشاد فرمایا گیا دشمن ٹولے کی طرف سے اٹھائے گئے اس طوفان کو بھی تم لوگ اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ سو اس میں بہتری کے سب پہلوؤں کو تو اللہ ہی جانتا ہے مگر اس کے بعض اہم پہلو جن تک ہم جیسے کم سوادوں کی بھی رسائی ہو سکتی ہے یہ ہیں کہ اس ابتلاء و آزمائش سے کھرے کھوٹے کے درمیان تمیز ہوگئی اور اس کے نتیجے میں پیش آنے والی پریشانی سے تم لوگوں کو اجر و ثواب الگ ملا۔ اور یہ تشویش و پریشانی رفعِ درجات کا ذریعہ بنی۔ کھرے کھوٹے کی تمیز ہوگئی۔ معاشرتی اِصلاح سے متعلق ایسے عمدہ قوانین اور پاکیزہ قواعد وضوابط نازل ہوئے جو کہ ایک دنیا جہاں کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ اور ہمیشہ کے لئے امن وامان کا سامان بن گئے۔ اور حضرتِ صدیقہ طاہرہؓ کی عفت و پاک دامنی کا اعلان واظہار حضرتِ حق جل مجدہٗ کی طرف سے فرمایا گیا اور قرآنِ حکیم کی ان آیاتِ کریمہ کی صورت میں فرمایا گیا جو کہ قیامِ قیامت تک پڑھی جاتی رہیں گی۔ اور اس طرح آپؓ کی عصمت وعظمت کا اعلان مسلسل ہوتا رہے گا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا وَاَرْضَاھَا۔ نیز اس قصے سے منافقوں کے اس گروہ کا بھانڈہ بھی پھوٹ گیا جو کہ مارِ آستین کی طرح اندر ہی اندر گھس کر اسلام اور مسلمانوں کیخلاف زہر پھیلانے میں مصروف تھا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو سچ کہا کہنے والے نے کہ۔ عدوے شر برانگیز دکہ خیر در آن باشد۔ والحمدللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۲۰ بڑے مفتری کے لیے بڑا عذاب۔ والعیاذُ باللہ۔: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے اس کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی ابنِ ابی ملعون جو کہ اس فتنے کی جڑ بنیاد اور اس کا سرغنہ تھا۔ اور وہ اس کا اصل محرک اور اس کا بانی تھا۔ یہ شخص منافقوں کا لیڈر اور بڑا خبیث شخص تھا۔ اس کا کام ہی اسلام اور مسلمانوں کیخلاف فتنے پھیلانا اور شرارت کرنا تھا۔ یہ شخص اس سے پہلے بھی کئی فتنے پھیلا چکا تھا۔ اور اس کا کام ہی شرانگیزی تھا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ مسلمانوں کیلئے تو یہ فتنہ کئی اعتبار سے موجبِ خیر بنا لیکن منافقوں اور اشرار ومفسدین کیلئے باعثِ ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ۔ جس نے جس درجے کا اس میں حصہ لیا وہ اس کیلئے اسی درجے کے عذاب ونکال کا سبب بنا۔ اور جو اس فتنے کا اصل بانی مبانی تھا اس کیلئے دنیا کی ذلت ورسوائی اور ہمیشہ کی لعنت ملامت کے علاوہ آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو صدق واخلاص، ایمان ویقین، نیت وارادہ کی درستی اور قلب وباطن کی سلامتی انسان کے لیے ہر حال میں ہر اعتبار سے اور ہر موقعہ ومقام پر بہتری وبھلائی کی طرف راہنمائی اور خیر میں اضافے اور بڑھوتری کا ذریعہ بنتی ہے۔ جبکہ اس سے محرومی انسان کو ہر موقع پر مزید محرومی میں ڈالتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ صدق واخلاص اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم امین یارب العالمین۔

خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ

گمان کرتے، اور وہ سب یوں کہتے کہ یہ تو ایک کھلا ہوا بہتان ہے، ۲۱ یہ لوگ اس (الزام) پر

عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ

چار گواہ کیوں نہ لائے، پھر جب وہ گواہ نہیں لا سکے

فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ

تو اللہ کے نزدیک یہی ہیں جھوٹے، ۲۲ اور اگر تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ

اور اس کی رحمت نہ ہوتی ۲۳ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، تو یقینی طور پر تم لوگوں کو پہنچ کر رہتا،

اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ ۚ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ

ایک بہت بڑا عذاب، ان باتوں کی وجہ سے جن میں تم لوگ پڑ گئے تھے ۲۴ جب کہ تم لوگ اس (طوفان) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل

۲۱ <u>حسنِ ظن سے کام لینے کی تعلیم و تلقین</u>: سو اس سے مسلمانوں کو آپس میں حسنِ ظن سے کام لینے کی ہدایت و تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے۔ سو اس ارشاد سے یہ اہم اور بنیادی درس دیا گیا کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد باہمی اعتماد اور کامل حسنِ ظن ہی پر ہونی چاہیئے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا اور ایمانداروں کے دین و ایمان کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اس قصے کو سنتے ہی اسے افتراء و بہتان قرار دے دیتے۔ کیونکہ مومن کا دین اس کو یہی سکھاتا ہے کہ وہ دوسرے مومن کے بارے میں ہمیشہ حسنِ ظن ہی سے کام لے۔ پھر ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ عنہا۔ تو اس کی سب سے بڑھ کر حق دار تھیں۔ اسی لئے روایات میں وارد ہے کہ حضرتِ ابو ایوب ؓ کی بیوی نے جب ان سے کہا کہ آپ نے سنا نہیں کہ لوگ حضرتِ عائشہ ؓ کے لئے کیا کچھ کہہ رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے سنا ہے۔ مگر یہ سب جھوٹ ہے۔ بھلا بتاؤ تم ایسی حرکت کر سکتی ہو؟ اس نے کہا کہ "لا واللہ"۔ "نہیں، اللہ کی قسم" تو پھر آپ ؓ نے فرمایا کہ عائشہ ؓ تو تم سے کہیں بہتر ہیں۔ وہ اس طرح کی کسی حرکت کا ارتکاب کیسے کر سکتی تھیں؟۔ (ابنِ کثیر، ابنِ جریر، روح، قرطبی، مدارک، فتح وغیرہ)۔ سو اس میں یہ عظیم الشان تعلیم دی گئی کہ مسلمانوں کے باہمی تعلق کی بنیاد آپس کے اعتماد اور کامل حسنِ ظن پر ہونی چاہیئے۔ اور وہ اپنے کسی بھائی بہن کے بارے میں برائی کی کوئی بات سنے تو اس کو اس وقت تک قبول نہ کرے جب تک کہ اس کے بارے میں پوری تحقیق نہ کر لے۔ اس سے پہلے اس کو ایسی بات کو منہ پر لانا بھی درست نہیں۔ چہ جائیکہ وہ اس کو یونہی آگے پھیلائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرور و فتن سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۲ <u>اپنے الزام پر گواہ نہ پیش کرنے والے جھوٹے ہیں</u>: سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جب یہ لوگ اپنے

الزام پر حسبِ ضابطہ چار گواہ نہیں لا سکے تو یہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔ پس جو لوگ اپنی بات پر قانونی گواہی کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے وہی جھوٹے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کیلئے سخت زجر و توبیخ ہے جنہوں نے اس قصے کو سنتے ہی اسے افتراء و بہتان قرار دینے کی بجائے اس کا آگے چرچا کیا کہ جو شخص ایسے معاملے میں چار گواہ نہیں پیش کر سکے گا وہ قطعی طور پر جھوٹا ہے اگرچہ وہ واقعے کا عینی شاہد ہی کیوں نہ ہو۔ تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کے پاس نہ چار گواہ اور نہ ہی امرِ واقع کا ذاتی علم و مشاہدہ کہ اصل حقیقت اور واقعہ کے اعتبار سے وہاں ایسی کوئی بات سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی۔ یہ تو سراسر کچھ بدبختوں کا گھڑا اور بنایا ہوا کھلا ایک بہتان عظیم تھا۔ تو پھر اس سے متعلق کسی علم اور مشاہدہ کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا تھا؟ اور پھر معاملے کا تعلق بھی ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ عنہا۔ جیسی عفیفہ اور پاک دامن ہستی سے تھا۔ والعیاذ باللہ۔ پس جو لوگ اپنی بات پر قانونی گواہی کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے وہ سراسر جھوٹے ہیں۔ سو اس بہتان کے بارے میں ایسے لوگوں کی شرعی اور قانونی ذمہ داری یہ تھی کہ یہ اس پر چار گواہ پیش کرتے۔ اور جب یہ لوگ ایسا نہیں کر سکے تو خداوندِ قدوس کے قانون کی رو سے یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دینِ حنیف نے اہلِ ایمان کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے کیسی کیسی عظیم الشان اور حکمتوں بھری پیش بندیاں فرمائی ہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ پس ہمیشہ انہی حدود اور پیش بندیوں کی پیروی و پابندی کرنی چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید، بکل حالٍ من الاحوال۔

۲۱ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی تذکیر و یاد دہانی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اسکی رحمت نہ ہوتی تم لوگوں پر اور اس تواب و حکیم کی رحمت و عنایت کی برکت تم پر سایہ فگن نہ ہوتی تو یقیناً تمہارا حال بہت برا ہوتا اور تم لوگوں کو بہت بڑا عذاب پہنچ کر رہتا کہ اس معاملے میں تم لوگ جس روش پر چل نکلے تھے اس کا طبعی تقاضا اور لازمی نتیجہ یہی تھا کہ تم لوگ اس طرح کے کسی ہولناک عذاب میں مبتلا ہو جاتے لیکن چونکہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت و عنایت بھی دنیا و آخرت دونوں میں ہے اس لیے اس نے تم سے درگزر فرما لیا۔ سو اگر اس کی یہ رحمت نہ ہوتی۔ جو اس نے اپنے غفور و کریم اور رحمٰن و رحیم ہونے کی وجہ سے تم پر فرمائی اور تمہیں دنیا میں توبہ کی مہلت دی اور آخرت میں توبہ قبول کر کے تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیا۔ تبارَکَ وَتَعالیٰ۔ اگرچہ اس کمزوری اور لاپرواہی کا صدور سب لوگوں سے نہیں ہوا تھا بلکہ ان میں سے کچھ ہی افراد کی طرف سے ہوا تھا لیکن یہاں خطاب پورے معاشرے سے فرمایا جا رہا ہے کہ اس طرح کی کمزوریوں اور ایسے مفاسد کی نوعیت وبائی امراض کی سی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں سب ہی لوگوں کو آگاہ اور محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ایسے مفاسد عام وباء کی شکل اختیار کر لیں اور پھر پورا معاشرہ انکی لپیٹ میں آ کر خدا تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و انحراف سے ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۲ بہتان بازی کے خوفناک نتیجے کا ذکر اور اس سے تحذیر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت و عنایت نہ ہوتی دنیا و آخرت دونوں میں۔ تو یقیناً تم لوگوں کو پہنچ کر رہتا بہت بڑا عذاب۔ تمہاری ان باتوں کی بناء پر جن میں تم لوگ کھو گئے تھے۔ کہ ان باتوں کی خطورت اور سنگینی کا تقاضا یہی تھا۔ مگر اللہ پاک نے اپنے کرم و احسان سے تمہیں اس سے بچا لیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو تم لوگوں کو اللہ کے اس فضل و کرم کی قدر کرنی چاہیئے تاکہ آئندہ بچے رہو تم لوگ اس طرح کے ہر فتنے اور اس کے نتائج بد سے۔ اور مسلم معاشرہ اس طرح کے مہالک و مفاسد سے محفوظ رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ سو انسانی عظمت و حرمت کی دینِ حنیف کی تعلیمات مقدسہ میں جس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ ان ارشادات سے کیا جا سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال، وعلیٰ سبیل الدوام والتابید۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ فانہ، ہو العزیز الوہاب جل وعلا

تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ

کرتے جا رہے تھے ۲۵ اور تم اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہتے جا رہے تھے، جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا، اور تم اس کو معمولی چیز

هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝١٥ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ

سمجھ رہے تھے، مگر اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی، ۲۶ اور یہ کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے اس کو سنا تھا

قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا

تو تم (سنتے ہی) یوں کہہ دیتے ۲۷ کہ ہمیں تو ایسی بات منہ سے نکالنا بھی زیب نہیں دیتا، اللہ تو پاک ہے،

بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝١٦ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا

یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے، اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم پھر کبھی ایسا نہ کرنا

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٧ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ

اگر تم ایماندار ہو، ۲۸ اور اللہ کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنے احکام (وفرامین)، اور

۲۵ بغیر تحقیق کے بات کو آگے پھیلانے کی سنگینی وخطورت کا ذکر و بیان: -سو اس جرم کی سنگینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور اس کی یاد دہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم لوگ اسکو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرتے جا رہے تھے۔ اور اس طرح بغیر کسی تحقیق و پرواہ کے تم اسے آگے پھیلاتے جا رہے تھے۔ حالانکہ تمہارا دین تمہیں یہ سکھاتا اور بتاتا ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو آگے چلتا کر دینا جھوٹ ہے۔ "كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ" -ایسے لوگوں نے اسکو ایک معمولی بات سمجھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ ایک بڑی سنگین اور انتہائی ہولناک بات تھی۔ سو نقد و درایت کی کسوٹی پر پرکھے بغیر ہر کان پڑی بات کو آگے چلتا کر دینا ایک سنگین جرم ہے کہ اس سے معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ افواہ طرازی کی مہلک روش جنم لیتی ہے اور شیطان کا بچھایا ہوا جال آگے پھیلتا جاتا ہے جس کے فتنے میں عام معاشرے کے ساتھ ساتھ ایسے افواہ طراز لوگ بھی الجھتے اور پھنستے چلے جاتے ہیں اور معاشرہ ایسے فتنوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ سو اس ارشاد سے مسلمانوں کو اسی خطرے سے آگہی بخشی گئی ہے تاکہ معاشرہ افواہ طرازی اور اس سے متعلق دوسرے فتنوں سے محفوظ رہ سکے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ تو اس کو ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے لیکن اپنے عواقب ونتائج کے اعتبار سے یہ بڑی خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۶ بہتان بازی اور الزام تراشی کی خطورت کا ذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ تو اسکو ایک معمولی بات

سمجھ رہے تھے لیکن اللہ کے یہاں یہ بہت بڑی بات تھی۔ کہ اس میں ہتکِ عزت تھی ایک عفیفہ اور پاک دامن خاتون کی اور وہ بھی خاندانِ نبوت کی خاتون کی۔ اور دلآزاری تھی نبیوں کے امام کی اور اس بناء پر یہ دلآزاری تھی آپ کی امت کے ہر مومنِ صادق کی۔ تو اس سے بڑھ خطرناک بات اور کیا ہوسکتی ہے،؟ - والعیاذ باللہ العظیم - سو الزام تراشی اور بہتان بازی کو کبھی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ بہت بڑی چیز ہے اور معاشرے کے فساد و بگاڑ کے ساتھ اس کا بڑا گہرا اور بنیادی تعلق ہے۔ جیسا کہ اس کا کچھ ذکر ابھی اوپر گزرا۔ سو اس کو ایک معمولی چیز سمجھ کر نظر انداز کر دینے کی بجائے اسکے مفاسد کو پیشِ نظر رکھ کر اس سے ہمیشہ دور اور نفور رہنے کی کوشش کرنی چاہیے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید - بکل حالٍ من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۲۷ ایمان کے ایک اور اہم تقاضے کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا بہتان طرازی کی فوری تردید کرنا ہے۔ سو اہلِ ایمان کو ان کے اس ایمانی تقاضے کی تذکیر و یاددہانی کراتے ہوئے ان سے بطورِ تحریض و تحریک ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں نے سنتے ہی ایسے بہتان کی تردید کیوں نہ کی کہ تمہارے دین و ایمان اور خانۂ نبوت کے تقدس اور اس کی طہارت و قداست اور عظمتِ شان کا تقاضا یہی تھا کہ ایسی بات سنتے ہی تم یوں کہہ دیتے کہ ''اللہ کی پناہ یہ تو ایک بڑا بہتان ہے'' ایسی بات تو ایک عام مومن عورت کے بارے میں بھی نہیں کہی جاسکتی تو پھر ام المومنین کے بارے میں ایسی بات منہ سے نکالنا بھی کیسے روا ہوسکتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس سے یہ اصولی اور بنیادی تعلیم دی گئی کہ مومنِ صادق کو ایسی پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں اس طرح کے کسی الزام و بہتان کو سنتے ہی اور فوری طور پر تردید کر دینی چاہیے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ

۲۸ حضرتِ عائشہ کو برا کہنے والا مرتد اور واجب القتل - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر تم سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہ ہونے پائے۔ سو ایمانداری کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ایسے امور سے ہمیشہ بچ کر رہے کہ ایمانِ صادق کا تقاضا یہی ہے کہ اس طرح کے ہولناک طوفان و بہتان سے ہمیشہ اور ہر طرح سے بچا جائے اور جو ایمان والا نہیں اس کا معاملہ الگ ہے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد بھی جو شخص ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ - رضی اللہ عنہا - کو تہمت لگائے اور برا کہے وہ مومن نہیں کافر ہے۔ چنانچہ حضرتِ امام مالک - رحمۃ اللہ علیہ - سے مروی ہے کہ جو کوئی حضرتِ ابوبکرؓ و عمرؓ کو برا کہے اس کی تادیب کی جائے گی۔ اور جو کوئی حضرتِ عائشہؓ کو برا کہے اس کو قتل کیا جائے گا کہ وہ اس آیت کا منکر اور مرتد واجب القتل ہے - والعیاذ باللہ - (ابنِ جریرؒ، ابنِ کثیرؒ، قرطبیؒ، التحریر والتنویر لابنِ عاشورؒ اور المعارف وغیرہ)۔ تو پھر وہ لوگ کس طرح مومن قرار پاسکتے ہیں جو حضرتِ عائشہ صدیقہؓ پر طرح طرح سے زبان درازی کرتے اور آپ کی شانِ اقدس میں ایسی مغلظات بکتے ہیں جو ایک سچا مسلمان زبان پر بھی نہیں لاسکتا - والعیاذ باللہ العظیم - سو حضرتِ امام مالک جیسے اساطینِ امت کے اس فتنے کی روشنی میں ایسے لوگ اپنے بارے میں خود سوچ اور دیکھ لیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ظالموں کو ہدایت بخشے یا پھر ان کا بیڑا غرق کر دے۔ تاکہ اللہ کی دھرتی ان کے ناپاک وجود سے پاک ہوجائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ

اللہ سب کچھ جانتا، بڑا ہی حکمت والا ہے،۲۹ بلاشبہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے

فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

ان کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،۳۰

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ

اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے اور اگر تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ ع يٰٓاَيُّهَا

ع ۸/۱۰ النصف

اور اس کی رحمت نہ ہوتی' اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا ہی نرمی کرنے والا نہایت مہربان ہے' (تو تم بھی اس وعید سے نہ بچتے)۳۱ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ

وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پیروی نہ کرنا شیطان کے نقش قدم کی،۳۲ اور جو کوئی پیروی کرے گا

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ

شیطان کے نقش قدم کی، تو یقیناً (وہ اپنا ہی نقصان کرے گا کہ بے شک) وہ تو بے حیائی اور برائی ہی سکھاتا ہے،

۲۹ اللہ تعالیٰ کے احکام وارشادات کا بدیل ممکن نہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی علم والا نہایت ہی حکمت والا ہے۔ وہ جو بھی کچھ کہتا فرماتا ہے وہ کمالِ علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اسی کے احکام اور فرامین وارشادات ایسے ہیں جو کہ سراسر خیر اور حقیقی کامیابی کے کفیل وضامن ہیں۔ کیونکہ وہ کامل علم اور عینِ حکمت پر مبنی ہیں اور ان سے انسان کی بہتری وبھلائی اور دارین کی سعادت وسرخروئی ہی مطلوب ومقصود ہے۔ ان کے واضع اور مقنن کے یہاں نہ کسی ذاتی خواہش ومقصد کا کوئی شائبہ وامکان ہوسکتا ہے اور نہ کسی سے کسی ذاتی پرخاش ورنجش کا کوئی سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ وہ ذاتِ اقدس واعلیٰ اس طرح کے ہر شائبہ سے پاک اور برتر وبالا ہے -سبحانہ، وتعالیٰ- اور یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے احکام وقوانین کے سوا اور کسی بھی وضعی اور انسانی ساختہ پرداختہ قانون کے لئے ممکن نہیں۔ سو جس طرح حضرتِ حق -جل مجدہ- کی ذاتِ اقدس واعلیٰ بے مثل و بے مثال ہے اسی طرح اس کے احکام وقوانین بھی بے مثل اور بے مثال ہیں -جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ وَتَبَارَكَ اسْمُهٗ وَتَعَالٰى جده- پس اسکے احکام اور فرامین وارشادت کو تم لوگ صدقِ دل سے اپناؤ اور ان کو حرزِ جان بناؤ کہ اسی میں تمہارا بھلا ہے دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی- وباللہ التوفیق- اور اس کے احکام

وارشادات کا کوئی بدیل ومتبادل نہ ممکن ہے نہ ہوسکتا ہے۔ اور سعادت دارین انہی پر عمل کرنے میں موقوف ومضمر ہے۔

۳۰ بے حیائی پھیلانے والوں کے لیے دردناک عذاب۔ والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اہل ایمان کے اندر بے حیائی پھیلانے والوں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اہل ایمان کے اندر بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ کیونکہ دنیا میں ان کو حد کی سزا اور تذلیل ورسوائی اور دوسری طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے واسطہ پڑے گا اور آخرت میں دوزخ کا ہولناک عذاب بھگتنا پڑے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو برائی اور بے حیائی کے چرچے کرنا اور اہل ایمان کے درمیان اسکو پھیلانے اور عام کرنے کی کوشش کرنا ایک سنگین جرم اور ہولناک گناہ ہے۔ منافقین اور یہود مدینہ اس دور میں اسی سنگین جرم کے درپے تھے۔ کیونکہ ان کو مسلمانوں کا اخلاقی تفوق جو دوسرے لوگوں کے دلوں میں گھر کیے جارہا تھا برداشت نہیں ہورہا تھا۔ اور اسی بنا پر انہوں نے افک کا بہتان گھڑا۔ افسوس کہ اشاعت فاحشہ کا یہ سنگین جرم اور ہولناک گناہ آج کے مسلم معاشروں میں اپنے عروج وشباب پر ہے اور ٹی وی، وی سی آر وغیرہ جدید ذرائع ووسائل کے توسط سے ایسے فحش مناظر اور پروگرام دن رات پیش کیے جاتے ہیں کہ شریف انسان آنکھیں بند کرکے رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ رسائل وجرائد اور دوسرے قسما قسم کے شیطانی طریقوں سے برائی وبے حیائی کو ایسے نت نئے طریقوں سے پھیلایا جارہا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا گھر اور گھرانہ ہو جو اس وبائے وبیل اور اس کے آثار ومفاسد سے محفوظ ہو۔ اور اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ اس کے آثار ومفاسد نے معاشرے کو ایسا زہر آلود کردیا ہے کہ لوگوں کے اندر اس کی برائی وبے حیائی کا احساس ہی ختم ہوگیا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور یہ بیماریوں کی بیماری اور تنزل وگراوٹ کی حد وانتہاء ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم والی اللہ المشتکی وهو المستعان فی وجه کل شر و طغیان وفی کل حین وآن۔

۳۱ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی تذکیر ویاد دہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم لوگوں پر نہ ہوتا اے مسلمانو اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا ہی نرمی کرنے والا انتہائی مہربان ہے تو تم کو ایسا دردناک عذاب آپکڑتا۔ لیکن اس نے اپنی رحمت وعنایت سے ایسے نہیں کیا۔ بلکہ تمہیں تنبیہ فرمائی اور توبہ واستغفار کا موقع دے دیا۔ اور ایسا کوئی عذاب تم پر نازل نہیں فرمایا۔ پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ دل وجان سے اپنے اس خالق ومالک کے اس فضل وکرم کا شکر ادا کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال۔ اللہ تعالیٰ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۳۲ شیطان کی پیروی سے ممانعت: سو ارشاد فرمایا گیا ایمان والو، شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہیں کرنا کہ اسکی پیروی تمہارے لیے ہلاکت وتباہی کا باعث بنے گی۔ اس سے کسی خیر کی توقع ہو ہی نہیں سکتی کہ اس نے تمہیں گمراہ کرنے اور دوزخ کی راہ پر ڈالنے کا کھلم کھلا اعلان کر رکھا ہے۔ اور وہ تم لوگوں کو علم اور حق کی روشنی سے محروم کرکے ظن وگمان اور اوہام وخرافات کے اندھیروں میں دھکیلنا چاہتا ہے۔ پس تم اسکی پیروی نہ کرنا۔ بے حیائی پھیلا کر اور برائی کو فروغ دے کر۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ برائی اور بے حیائی کی تلقین کرتا ہے۔ سو جو اسکے نقش قدم پر چلا وہ ہلاک ہوگیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ زندگی کا ہر لحہ ولحظہ اپنی رضا کی راہوں میں صرف کرنے کی توفیق بخشے۔ اور ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین، یا رب العالمین، ویا اکرم الاکرمین

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، ۳۳ تو تم میں سے کوئی بھی، کبھی بھی

اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

پاک صاف نہ ہوتا، ۳۴ لیکن اللہ جسے چاہے پاک کر دیتا ہے، ۳۵ اور اللہ (ہر کسی کی) سنتا

عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ

(سب کچھ) جانتا ہے، اور تم میں سے جو لوگ فضل اور کشائش والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ ۳۶ کھا بیٹھیں،

يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ

کہ وہ اپنے رشتہ داروں محتاجوں، اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں، کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ

مدد نہیں کریں گے، انہیں معافی اور درگزر ہی سے کام لینا چاہیئے، کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں

اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ

معاف کر دے؟ اور اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا نہایت ہی مہربان ہے، جو لوگ تہمت لگاتے ہیں

الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

پاک دامن، بھولی بھالی، ایماندار عورتوں کو، ان پر لعنت (اور پھٹکار) ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، ۳۷

۳۳ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی یاد دہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ کا فضل وکرم اور اسکی رحمت تم لوگوں پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا۔ سو اس نے تمہیں فوراً نہیں پکڑا۔ بلکہ توبہ کی مہلت دی اور استغفار کی توفیق بخشی۔ جس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ان کی میل اتر جاتی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ۔ پس تم لوگوں کو چاہیئے کہ تم اس کے اس فضل وکرم کی قدر کرو اور ہمیشہ اسی کی رضاء وخوشنودی ہی کو پیش نظر رکھو کہ اس کی رضاء و خوشنودی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید،

۳۴ اللہ تعالیٰ کی توفیق کی بغیر کوئی بھی پاک نہیں ہو سکتا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا کہ بندہ اس وحدہٗ لاشریک کی توفیق وعنایت کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِهٖ جَلَّ وَعَلَا۔ پس جو لوگ دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو پاک صاف سمجھتے ہیں اور دوسروں سے متعلق وہ ہر نئی

سنائی بات کو یونہی چلتا کر دیتے ہیں اور اپنی پاکیزگی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ بڑی غلط روش پر ہیں۔ ان کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیئے اور اپنی اس روش سے باز آ جانا چاہیے۔ اور اگر ان کے اندر کوئی خوبی اور پاکیزگی موجود ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان سمجھ کر اسکے حضور ہدیہ تشکر امتنان پیش کرے۔ نہ یہ کہ اسکی بناء پر وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اپنی ہلاکت کا سامان کرے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کے شرور وفتن سے ہمیشہ پاک محفوظ اور اپنی عنایت و پناہ کے سائے میں رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۳۵ اللہ جسے چاہے پاک کرے: ۔ کہ اسکی مشیت جو اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے ہر چیز پر حاوی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جسے چاہے پاک کر دیتا ہے۔ گناہوں کی میل سے۔ جو کہ ظاہری اور حسی میل سے کہیں بڑھ کر خطرناک ہے۔ اور جن کی معافی اور صفائی حضرت حق۔ جل مجدہٗ۔ کی تعلیمات مقدسہ کی اتباع و پیروی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ سو بندہ کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اسی سے اپنی عصمت اور پاکدامنی کی دعاء و درخواست کرتا رہے کہ طہارت و پاکیزگی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اسکی توفیق وعنایت اگر شاملِ حال نہ ہو تو کوئی بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ پس کسی کو اپنی طہارت و پاکیزگی اور اپنے تقویٰ و پاکدامنی کا اتنا زعم و گھمنڈ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھنے لگے اور دوسروں کے بارے میں بغیر کسی تحقیق کے ہر قسم کی باتیں آگے پھیلانے لگے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

۳۶ عفو و درگزر سے کام لینے کی تعلیم و تلقین: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے فضل و کشائش والے لوگ غریبوں اور رشتہ داروں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں۔ "یَاْتَلِ"، "اِئْتِلا" سے ماخوذ ہے جو کہ "اَلِیَّۃ" سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ قسم کے آتے ہیں۔ اور جس کی جمع "الایا" آتی ہے۔ جیسے "سبجیۃ" کی جمع "سجایا"۔ روایات میں ہے کہ حضرت مسطح بن اثاثہؓ جو کہ حضرتِ ابوبکر صدیق ۔ رضی اللہ عنہ۔ کے رشتہ دار تھے اور ان کی محتاجی و ناداری کی وجہ سے حضرتِ صدیق اکبرؓ ان کو خرچہ دیا کرتے تھے، قصہ افک کے موقع پر جب حضرتِ مسطح بھی کچھ دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کی طرح منافقین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس میں شریک ہو گئے تو حضرتِ صدیق اکبر ۔ رضی اللہ عنہ۔ نے آپؓ کی مالی امداد بند کر دی۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو آپؓ نے ان کی امداد پھر جاری فرما دی اور اس آیتِ کریمہ میں جو یہ ارشاد وارد ہے۔ ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ۔ "کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟" ۔ تو اس پر حضرتِ صدیق اکبر ۔ رضی اللہ عنہ۔ نے فرمایا ۔ ﴿بَلٰى وَاللّٰهِ نُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا رَبَّنَا﴾ ۔ "ہاں قسم بخدا ہم ضرور چاہتے ہیں کہ تو ہماری بخشش فرما دے اے ہمارے رب" ۔ سو اس ارشاد میں عفو و درگزر سے کام لینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۳۷ پاکدامن ایماندار عورتوں پر تہمت لگانا باعث لعنت و پھٹکار ۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ پاکدامن بھولی بھالی ایماندار عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر لعنت و پھٹکار ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں پر لعنت و پھٹکار ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیے گئے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو پاکدامن بھولی بھالی ایماندار عورتوں پر تہمت لگانا ایسا سنگین جرم ہے کہ اسکے مرتکب نہ یہاں دنیا میں کوئی عزت و احترام پائیں گے نہ آخرت میں۔ دنیا میں تو عنقریب ہی ان کی جڑ کٹ کر رہے گی اور آخرت میں ان کیلئے عذابِ عظیم مقرر ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ چنانچہ حضرتِ عائشہؓ پر عیب لگانے والے ان منافقین کی اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد جڑ کٹ کر رہ گئی اور ان کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا ۔ والحمد للہ ۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار کا باعث اور موجب ہر عمل اور اسکے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے ۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ

اوران کے لئے بہت بڑا عذاب ہے، جس دن ان کے خلاف گواہی دیں گی خود ان کی اپنی زبانیں، و۳۸

وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ

اوران کے اپنے ہاتھ اور پاؤں، ان کاموں کی جو یہ لوگ کیا کرتے تھے، اس دن

يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ

اللہ انہیں ان کا وہ بدلہ پورے کا پورا دے گا جس کے وہ مستحق ہیں و۳۹ اور انہیں قطعی طور پر خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی ہے

الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ

حق (اور حقیقت کو) کھول دینے والا، خبیث عورتیں، خبیث مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور، خبیث مرد،

لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ

خبیث عورتوں کیلئے، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہوتی ہیں، اور پاکیزہ مرد، پاکیزہ عورتوں کیلئے و۴۰

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ

یہ ان باتوں سے پاک ہیں جو بنانے والے بناتے ہیں، و۴۱ ان کے لئے بخشش بھی ہے و۴۲ اور عزت کی روزی

۳۸ **یوم حساب کی تذکیر و یاد دہانی:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاد رکھیں یہ لوگ اس یوم عظیم کو جس دن کہ انکی اپنی زبانیں ان کیخلاف گواہی دیں گی"۔ یعنی اس روز ان کی زبانیں ان کے ارادہ ومرضی کے مطابق نہیں بلکہ حق کے مطابق بولیں گی۔ اور سچ سچ حقیقتِ واقعہ بیان کر دیں گی۔ جس کے بعد ان کے لئے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی- والعیاذ باللہ العظیم- اسی طرح ان کے ہاتھ پاؤں بھی انکے خلاف گواہی دیں گے۔ سو اس روز ان کے جرائم کے اثبات کیلئے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ خود انکے اندر کی یہ گواہیاں ان کے جرائم کے اثبات کیلئے کافی ہونگی۔ سو آج یہ لوگ حق اور اہلِ حق کے خلاف جن سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں لگے ہوئے ہیں ان سے باز آ جائیں اور اپنی روش کی اصلاح کرلیں ورنہ اپنے ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں- والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۳۹ **اعمال کا پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس دن اللہ ان کو ان کا پورا بدلہ دیگا۔ نہ استحقاق سے کم نہ زیادہ۔ ہاں جس سے وہ فضل وکرم کا معاملہ فرمائے تو وہ دوسری بات ہے جو اس کی مشیت ورضا پر موقوف ہے۔ سو

لفظِ دین یہاں پر جزاء وبدلہ کے معنیٰ میں ہے۔ سوانکو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور اعمال کا پورا بدلہ انسان کو آخرت ہی میں مل سکے گا جو کہ دارالجزاء ہے۔ اور اسی کی وسعت ایسی ہے کہ انسان کو اپنے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ مل سکے۔ جبکہ دنیا اول تو دارالجزاء نہیں دارالابتلاء والعمل ہے۔ اور دوسرے اس میں اتنی گنجائش ہی سرے سے موجود نہیں اور نہیں ہوسکتی کہ انسان کو اس کے تمام اعمال کا بدلہ اس میں مل سکے۔ سوانسان کو اس یوم عظیم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید،

۴۰ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے:- پس عائشہ صدیقہ- رضی اللہ عنہا وارضاھا- قطعی طور پر عفیفہ، پاک دامن اور طیبہ وطاہرہ ہیں۔ اور جو بہتان ان پر باندھا گیا ہے وہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے۔ کیونکہ آپؓ کا رشتۂ زوجیت اس ذاتِ اقدس سے وابستہ ہے جس جیسی پاکیزہ ہستی اللہ پاک کی پوری مخلوق میں نہ کوئی ہوئی، نہ ہوگی۔ بہرکیف اس ارشاد سے اس اہم حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ پاکیزہ اخلاق عورتوں کا تعلق ولگاؤ پاکیزہ اخلاق مردوں ہی سے ہوسکتا ہے۔ اور خبیث عورتوں کا تعلق اور لگاؤ خبیث مردوں ہی کے ساتھ ہوگا اور اسی بنا پر کل قیامت کے اس یوم حساب میں جہاں پر- ﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾- کے مطابق نفوس کی درجہ بندی ہوگی۔ وہاں پاکیزہ عورتوں کا جوڑا پاکیزہ مردوں سے اور خبیث عورتوں کا خبیث مردوں سے قائم ہوگا- اللہ ہمیشہ عفت وپاکبازی کی راہوں پر قائم رکھے- اور نفس وشیطان کے ہرمکروفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۴۱ پاکیزہ لوگوں کی براءت کا ذکر وبیان:- سواس سے پاکیزہ لوگوں کے دشمنوں کی الزام تراشیوں سے براءت کا اظہار واعلان فرمایا گیا ہے۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ پاک اور بری ہیں ان باتوں سے جو یہ بدبخت لوگ انکے بارے میں بناتے ہیں۔ ان کی پاکیزہ ہستیوں کو داغدار بنانے کے لئے- والعیاذ باللہ- سوایسے لوگ ان پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں گندی باتیں بنانے اور پھیلانے سے ان کا تو کچھ نہیں بگاڑسکیں گے البتہ خود اپنے لیے محرومی اور عذاب کا سامان ضرور کرتے ہیں جس کا بھگتان ان کو بہرحال بھگتنا ہوگا- والعیاذ باللہ- سواس ارشاد سے ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ کی براءت ونزاہت کو اور پکا اور منقح فرمادیا گیا۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ ایسی پاکیزہ صفات ہستیاں ان تمام خرافات اور بکواسات سے پاک اور بری ہیں جو بدطینت اور بدبخت لوگ ان کے خلاف بناتے اور پھیلاتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۴۲ پاکیزہ لوگوں کے لیے بخشش کی خوشخبری:- سوارشاد فرمایا گیا ''ان کیلئے عظیم الشان بخشش بھی ہے''۔ یعنی ان کی ان چھوٹی موٹی کوتاہیوں اور لغزشوں پر جوان سے بتقاضائے بشریت اس سے پہلے صادر ہوگئی ہوں گی- سبحان اللہ- جب صدقِ ایمان اور اخلاصِ عمل کی دولت نصیب ہو تو پھر کیا چاہیے۔ اور جب اس بناء پر ان کیلئے ایسی ایسی بشارتیں ہیں تو پھر انکے دشمن ان کا کیا بگاڑسکیں گے؟ اور یہ دو لفظ یعنی مغفرت وبخشش اور رزقِ کریم یعنی عمدہ اور عزت کی روزی دراصل آخرت کی تمام نعمتوں کی جامع تعبیر کے طور پر آتے ہیں جیسا کہ حضراتِ اہلِ علم نے اسکی تصریح وتوضیح فرمائی ہے- اللہ نصیب فرمائے اور علیٰ وجہ التمام والکمال نصیب فرمائے- اور محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے اور نفس وشیطان کے ہرمکروفریب سے ہمیشہ اور ہرطرح سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۳ع۹ كَرِيۡمٌ ؏ ﴿٢٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ

بھی ۴۳ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں

بُيُوۡتِكُمۡ حَتّٰى تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَهۡلِهَا ؕ ذٰلِكُمۡ

داخل نہ ہوا کرو یہاں تک کہ تم اجازت نہ لے لو اور (اجازت لینے سے پہلے) گھر والوں کو سلام نہ کر لو، ۴۴ یہ

خَيۡرٌ لَّكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿٢٧﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ

تمہارے لئے بہت بہتر ہے، تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو، پھر اگر تم کو ان گھروں میں کوئی (اجازت دینے والا) نہ ملے

اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ

تو تم ان میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم کو اجازت دے دی جائے، اور اگر (کبھی) تم سے کہہ دیا جائے

لَكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡكٰى لَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

کہ واپس چلے جاؤ، تو تم واپس چلے جایا کرو، ۴۵ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، اور اللہ پوری طرح

تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿٢٨﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا

جانتا ہے ان سب کاموں کو جو تم لوگ کرتے ہو ۴۶ تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسے مکانوں

بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا

میں (بلا اجازت) داخل ہو جاؤ، جن میں کوئی بستا نہیں، (اور) تمہیں بھی ان کے برتنے کا حق ہے ۴۷ اور اللہ کو (ایک برابر) معلوم ہے وہ

۴۳ پاکیزہ لوگوں کے لئے رزقِ کریم کی بشارت: ــ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور ان کیلئے رزقِ کریم بھی ہے۔ یعنی جنت (تفسیر القاسمی وغیرہ)۔ پس اس میں حضرتِ عائشہ صدیقہ ـ رضی اللہ عنہا ـ کے جنتی ہونے کی بشارت ہے۔ یہاں تک واقعۂ افک کا بیان پورا ہو گیا۔ اب اس کے بعد معاشرہ کی اصلاح سے متعلق بعض خاص احکام اور قواعد و ضوابط ارشاد فرمائے جاتے ہیں۔ تاکہ اس طرح اسلامی معاشرے سے ہر طرح کی برائیوں کا سد باب ہو سکے۔ بہر کیف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں کا یہ جوڑا اگرچہ اس دنیا میں بھی موجود ہے لیکن اس کا کامل ظہور آخرت میں ہی ہوگا جبکہ نفوس کی درجہ بندی ایمان و عقائد اور اعمال و اخلاق کی بناء پر ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ﴾ ـ (تکویر: ۷)۔ سو ایمانِ صادق اور عملِ صالح دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے اور اس درجے میں اور اس طور پر جو اس کو پسند ہو۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۴۴ سلام و استیذان کی تعلیم و ہدایت: ــ سو اس سے دوسروں کے گھر میں داخلے کے وقت سلام و استیذان کی تعلیم و

ہدایت فرمائی گئی ہے۔سو اس میں اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ تم اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔یعنی تم تہذیب اور شائستہ طریقے سے اور یوں کہو" السلام علیکمءَ اَدْخُلُ " " تم پر سلام ہو، کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" اور یہ اجازت تین مرتبہ تک مانگے۔اگر تین بار اجازت مانگنے پر بھی داخلے کی اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائے اور داخلے کی یہ اجازت ہر گھر والا دوسرے گھر میں داخلے کے وقت مانگے۔خواہ وہ گھر اپنی ماں یا بیٹی ہی کا کیوں نہ ہو کہ استئذ ان کے مصالح اور حکمتوں کا تقاضا یہی ہے۔جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔(ابن کثیر، جامع البیان، محاسن، صفوہ وغیرہ)۔سو اس طریقے کی پابندی میں سب کے لیے آرام وراحت کا سامان ہے۔وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید، وعلیٰ مایحِبُّ ویرید،

۲۵ اجازت نہ ملنے کی صورت میں واپسی کا حکم وارشاد:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم کو ان گھروں کے اندر کوئی نہ ملے جو تمہیں داخلے کی اجازت دے سکے کہ یا تو ان میں سرے سے کوئی موجود ہی نہ ہو یا اجازت دینے کے قابل نہ ہو۔جیسے کوئی بچہ وغیرہ تو تم ان گھروں کے اندر داخل نہ ہوا کرو۔یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے۔اور اگر کبھی کوئی کہے کہ واپس ہو جاؤ تو تم واپس ہو جایا کرو۔اس کے بعد خواہ مخواہ دروازوں کے اوپر جم کے بیٹھ جانا اور اجازت کی انتظار کرنا یا دروازوں کے سوراخوں سے جھانک کر دیکھنا سب غلط اور تہذیب کے خلاف ہے۔سبحان اللہ۔کیسی کیسی باریکیاں اور نزاکتیں ہیں اسلام کی ان مقدس تعلیمات میں۔فالحمد للہ رب العالمین۔اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین

۲۶ دین کی پیروی میں سراسر خیر ہے:۔سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی پیروی سراسر خیر ہے۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ چیز تمہارے لیے بہتر اور سراسر خیر ہے۔کہ اس سے نہ تو تم پر کوئی حرف آئے اور نہ اگلے کو تمہاری وجہ سے کوئی تکلیف اور پریشانی لاحق ہو وغیرہ وغیرہ۔اور پتہ نہیں کہ صاحبِ خانہ کس حال میں ہیں جو اجازت نہیں دے رہے اور ان کو کیا مجبوری درپیش ہے کہ وہ تمہارے استئذ ان کا کوئی جواب نہیں دے رہے۔پس تم لوگوں کو ایسے مواقع پر اس طرح کی کسی بات کو اپنے وقار کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیئے بلکہ صاحبِ خانہ کے مصالح و مفادات کو زیادہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔اسی میں سب کا بھلا اور شیطان کے فتنوں سے امان ہے۔اور اللہ تمہارے سب کاموں کو پوری طرح سے جانتا ہے۔اس لیے تم لوگ ہمیشہ اسی کی کوشش کیا کرو کہ اس سے تمہارا معاملہ صحیح رہے۔سو دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی اِتباع و پیروی میں انسان کے لیے بہر حال اور ہر اعتبار سے خیر ہی خیر ہے کہ یہ سب اس ذاتِ علیم وخبیر اور رحمان ورحیم کی طرف سے ہیں جس کے علم وحکمت اور رحمت وعنایت کا کوئی کنارہ نہیں۔اس لیے اس کے کسی بھی حکم وارشاد کا کوئی بدیل ومتبادل ممکن نہیں۔سبحانہ، وتعالیٰ۔وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ مایحب ویرید، بکل حال من الاحوال۔

۲۷ بیوتِ غیر مسکونہ سے مقصود ومراد؟:۔یعنی ایسے مکانات جو رہائشی مقاصد کیلئے نہ بنائے گئے ہوں اور ان میں کسی کے بال بچے نہ رہتے ہوں کہ وہ ہوتے ہی سب کے لئے ہیں۔جیسے ہوٹل، مسجد اور دکان وغیرہ کہ ایسی جگہوں میں داخلے کیلئے اذنِ عام ہوتا ہے۔اس لیے ان میں داخلے کیلئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ان میں آدمی بغیر اذن کے بھی جا سکتا ہے۔﴿فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ﴾۔کی قید سے واضح فرما دیا گیا کہ وہ ایسے مکانات ہوں جن میں دوسروں کی طرح تمہاری بھی منفعت کا سامان ہو۔جیسے دکانیں، سرائے اور ہوٹل وغیرہ۔سو ایسے عمومی اور غیر رہائشی مکانوں میں داخلے کی لیے استئذ ان کی ضرورت نہیں۔ان میں آدمی بغیر اذن کے بھی جا سکتا ہے کہ ان کی حیثیت الگ ہے۔اور ان کا معاملہ دوسرے معاملوں سے مختلف ہوتا ہے۔

تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾ قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوۡا

سب کچھ جو تم لوگ ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو ۴۸ کہہ دو ایماندار مردوں سے (اے پیغمبر!) کہ وہ بچا کر رکھیں

مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَيَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَزۡكٰى

اپنی نگاہوں کو ۴۹ اور حفاظت کریں اپنی شرم گاہوں کی (حرام سے) ۵۰ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے

لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ

بلاشبہ اللہ کو پوری خبر ہے ان سب کاموں کی جو یہ لوگ کرتے ہیں اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو

يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ

کہ وہ بچا کر رکھیں اپنی نگاہوں کو اور حفاظت کریں اپنی شرم گاہوں ۵۱ کی

۴۸ اللہ تعالیٰ کے کمال علم کی تذکیر و یاد دہانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ایک برابر جانتا ہے وہ سب کچھ جو تم لوگ ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ پس اس وحدہ لاشریک کے ساتھ ظاہری اعمال کے ساتھ ساتھ اپنے دلوں اور نیتوں کا معاملہ بھی درست رکھو کہ اس کے یہاں صرف ظاہر داری نہیں چل سکتی۔ بلکہ وہاں ظاہر سے پہلے انسان کے باطن کا معاملہ صحیح ہونا چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَسۡأَلُ التَّوۡفِيۡقَ وَالسَّدَادَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرۡضٰى ۔ سو اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا استحضار ہی وہ اصل چیز ہے جو انسان کے قلب و باطن اور اس کے ہر زاویۂ نگاہ کو درست کر سکتی ہے۔ ورنہ وہ طرح طرح کے حیلوں حوالوں سے اپنے لیے گریز و فرار کی راہیں نکال سکتا ہے۔ اسی لیے یہاں پر اس وحدہٗ لاشریک کے کمالِ علم کے اس پہلو کے ذکر سے تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ تمہارا معاملہ اپنے اس خالق و مالک سے ہے جس سے تمہارے ظاہر و باطن کی کوئی حالت مخفی نہیں رہ سکتی۔

۴۹ حفظِ نظر اور غضِ بصر کی ہدایت و تعلیم:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایماندار مردوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہوں کو بچا کر رکھیں کہ کہیں وہ غلط جگہ پڑ کر ان کے لئے لغزش اور گناہ کا باعث نہ بن جائیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو حفظِ نظر اور غضِ بصر کی یہ ہدایت بڑی اہم ہدایت ہے۔ کیونکہ نگاہ ہی درحقیقت مرد اور عورت کے درمیان اولین قاصد اور بنیادی رابطے کا کام دیتی ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا اور خوب کہا۔ برقِ نگاہِ یار میرا کام کر گئی۔ اور حدیث میں اس کو ابلیس کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے دینِ حنیف نے اسکی حفاظت کیلئے بڑی اہم اور پاکیزہ تعلیمات دی ہیں۔ اور ایسی کہ اگر صدقِ دل سے ان پر عمل کیا جائے اور ایمانداری کے ساتھ اپنی نگاہوں پر پہرہ بٹھا دیا جائے تو شیطان کے بہت سے فتنوں سے امن و امان نصیب ہو جاتا ہے اور یہاں پر اس ہدایت کا آغاز۔ ﴿قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾۔ کے کلماتِ کریمہ سے فرمایا گیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایمانداری کا تقاضا یہ ہے کہ انسان حفظِ نظر، غضِ نظر اور حفظِ فروج کا بطورِ خاص اہتمام کرے کہ نظرِ بد برائی کی ابتداء ہے اور فرجِ حرام اسکی انتہاء۔ والعیاذ باللہ۔ عربی کے

مشہور شاعر احمد شوقی مرحوم نے کیا خوب کہا -- نظرة فابتسامة ثم سلام ثم کلام واللقاء - یعنی پہلے نظر پڑتی ہے، پھر مسکراہٹ آتی ہے، پھر سلام ہوتا ہے، پھر بات چلتی ہے اور پھر ملاقات کا مرحلہ آتا ہے - والعیاذ باللہ - اور عربی کا ایک اور شاعر کہتا ہے - کل الحوادث مبداٴھا من النظر - ومعظم النار من مستصغر الشرر - یعنی تمام حوادث ومصائب کا آغاز نظر ہی سے ہوتا ہے اور بڑی آگ چھوٹی سی چنگاری ہی سے بھڑکتی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اسی لیے حضورؐ نے حضرتِ علیؓ سے فرمایا کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر نہیں ڈالنا کہ پہلی جو غیر اختیاری طور پر ہوگی وہ تمہیں معاف ہے لیکن دوسری معاف نہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۵۰ مومن مردوں کو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم وارشاد: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کہو ایماندار مردوں سے کہ وہ حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی"۔ ہر اس موقعہ اور اس صورت سے جس کو دینِ حق نے حرام قرار دیا ہو۔ نیز اس سے بھی کہ ان پر کسی کی نظر پڑے کہ حفاظت کا حکم ان دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے۔ اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے ننگیز کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے۔ اس لیے اسلام ایسے لباس کی تعلیم وتلقین کرتا ہے جو شرم وحیا کے تقاضوں کی پاسداری کرتا ہو۔ سو جو لباس ستر کے تقاضے پورے نہ کرتا ہو وہ اسلام کی نظر میں لباس نہیں بلکہ ننگا پن ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں ایسی عورتوں کو جو بظاہر لباس پہنے ہوں مگر وہ سترِ عورت کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے ننگی ہوں، دوزخی قرار دیا گیا ہے اور انکو کاسیات عاریات فرمایا گیا ہے۔ یعنی "جو لباس پہننے کے باوجود ننگی" ہونگی - والعیاذ باللہ جل وعلا

۵۱ مومن عورتوں کو بھی اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم وارشاد: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کہو ایماندار عورتوں سے کہ وہ حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی"۔ ہر طرح کی غلط کاری سے۔ نیز اس طرح کہ ان کو مستور ومحفوظ رکھیں تاکہ کسی دوسرے کی نظر بھی ان پر نہ پڑنے پائے۔ سو اس ارشادِ عالی سے واضح فرمادیا گیا کہ صرف یہی بات کافی نہیں کہ مرد اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، بلکہ مردوں کی طرح عورتوں کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، تاکہ ان کی نگاہ کسی اجنبی اور غیر محرم شخص پر نہ پڑے۔ اور وہ بھی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں ہر طرح کی بدکاری سے۔ سننِ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ام المومنین حضرتِ ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں اور میمونہ دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ اتنے میں حضرتِ عبداللہ بن ام مکتوم - مشہور نابینا صحابی - آگئے تو حضورؐ نے ہم دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں پردے میں ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا وہ تو نابینا ہیں۔ ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم دونوں تو اندھی نہیں ہو کہ تم ان کو نہ دیکھ سکو۔ سو غضِ بصر اور حفظِ فروج مومن مردوں اور مومن عورتوں دونوں سے مطلوب ہے۔ اور اس ضمن میں غضِ بصر یعنی اپنی نگاہوں کی حفاظت کی ہدایت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ نگاہ ہی درحقیقت مرد اور عورت کے درمیان اولین قاصد کا کام دیتی ہے۔ اگر اس کی پوری حفاظت کی جائے اور ایمانداری کے ساتھ اس پر پہرہ بٹھا دیا جائے تو شیطان کے بہت سی مداخل بند ہو جاتے ہیں اور انسان اسکے فتنوں سے امن وامان میں ہو جاتا ہے - وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلٰی ما یحب ویرید، بکُلِّ حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاة، وھو الھادی الٰی سواء السبیل جَلّ وعلا -

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ

اور ظاہر نہ کریں اپنی زینت کو، مگر جو خود ظاہر ہو جائے، ۵۲ اور اپنی اوڑھنیوں

بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ

(کے آنچلوں) کو وہ اپنے سینوں پر ڈال دیا ۵۳ کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں

إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ

مگر اپنے خاوندوں کے سامنے، یا اپنے باپوں کے سامنے، یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے سامنے، یا

أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ

اپنے بیٹوں کے سامنے، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے سامنے، یا اپنے بھائیوں کے سامنے، یا

بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا

اپنے بھتیجوں کے سامنے، یا اپنے بھانجوں کے سامنے، یا اپنی (دین شریک) ۵۴ عورتوں کے سامنے، یا ان

۵۲ ایماندار عورتوں کو ابداءِ زینت کی ممانعت: سو ارشاد فرمایا گیا ''اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو جاتا ہو''۔ جیسے ان کے لباس کے اوپر والا ظاہری حصہ۔ یا یہاں پر زینت سے مراد مواضعِ زینت ہیں۔ یعنی وہ اپنی زینت کی جگہوں کو بھی چھپا کر رکھیں اور ان میں سے بھی کسی جگہ کو ظاہر نہ کریں بجز ان مواضع کے جو خود بخود ظاہر ہو جائیں کہ زینت کی ایسی جگہوں کو ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں جو خود بخود ظاہر ہو جائیں۔ اور ان کے ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہو جیسے چہرہ اور ہاتھ وغیرہ۔ مگر اس بارے میں دو باتیں بطورِ خاص قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق حجاب سے نہیں ستر سے ہے۔ جس کا تعلق اندرونِ خانہ اور اپنے محرم افراد سے ہوتا ہے۔ جبکہ حجاب جس کا تعلق اجانب سے ہوتا ہے اس کا ذکر سورۂ احزاب میں فرمایا گیا ہے۔ اور دوسری بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ ابداء و اظہارِ زینت کی یہ اجازت بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس سے کسی طرح کے فتنے اور فساد کا خدشہ و اندیشہ نہ ہو۔ ورنہ اس کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ پس اگر فتنے کا اندیشہ و خوف ہو تو پھر چہرہ وغیرہ کو ننگا کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ (روح، مدارک، مراغی، ابنِ کثیر، خازن، معارف للکاندھلویؒ و معارف للدیوبندیؒ)۔ مگر یہ سب اس صورت پر مبنی ہے جبکہ زینت سے مواضعِ زینت مراد لیے جائیں۔ جیسا کہ بعض اہلِ علم نے کہا۔ جو کہ اس کا مجازی معنی ہے۔ جبکہ اصل یہ ہے کہ لفظ کو مجازی نہیں بلکہ اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ زینت دراصل کہا ہی اس چیز کو جاتا ہے جو کہ اعضائے زینت کے علاوہ اور ان سے زائد چیز ہو۔ مواضعِ زینت کو زینت کہنا اصل وضع اور لغت کیخلاف ہے۔ سو اس اعتبار سے چہرے کو زینت کا مصداق قرار دینا ہی سرے سے غلط

ہے۔ لہٰذا چہرے کو پردے سے مستثنیٰ قرار دینا درست نہیں۔ اور اصل حقیقت کے اعتبار سے فتنے کا مدار تو اصل میں چہرے ہی پر ہے۔ تو اسکو اگر ستر وحجاب سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو پھر پردے کے حکم کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۵۳ ایماندار عورتوں کو اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالنے کا حکم وارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا "اور ان کو چاہیئے کہ وہ اپنی اوڑھنیوں۔ کے آنچلوں۔ کو اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں"۔ تاکہ اس سے ان کی عزت وحشمت کا بھی اظہار ہو۔ ان کے سینے کے ابھار بھی ظاہر نہ ہونے پائیں اور ان کی زینت اور مواضعِ زینت بھی مستور رہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ۔ رضی اللہ عنہا۔ فرماتی ہیں کہ مہاجر خواتین پر اللہ کی رحمتیں ہوں کہ انہوں یہ حکم نازل ہوتے ہی اپنی چادروں کو پھاڑ کر اپنے سینوں پر ڈال دیا۔ (روح، ابنِ کثیر، مدارک، فتح وغیرہ)۔ سو اسلام کی ان مقدس تعلیمات کو بھی سامنے رکھا جائے اور آج کی ان ماڈرن مسلمان عورتوں کے اطوار کو بھی دیکھ لیا جائے جو کہ اپنے ایمان واسلام کے بلند وبانگ دعووں کے باوجود عریانیت کے طرح طرح کے مظاہر پیش کرتی اور دوسروں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔ اور پھر فیصلہ کیا جائے کہ اسلام کیا کہتا ہے اور کیا چاہتا ہے اور ایسی حیاباختہ عورتوں کا حال کیا ہے؟ انہوں نے تو اپنی اوڑھنیوں کے آنچلوں کو اپنے سینوں پر ڈالنے کی بجائے ان کو اپنے سروں ہی سے اتار دیا۔ اور مزید یہ کہ انہوں نے اپنے سینوں کو ننگا کر کے لوگوں کے سامنے رکھنے کیلئے ایسے نت نئے طریقے اپنائے اور برابر اپنائے جا رہی ہیں کہ اس سے وہ "کاسیات عاریات" کا مصداق بن گئیں۔ اور وہ چھاتی تان کر سینہ کس کر عریانیت کے نت نئے طریقوں کو اپنا کر اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر اجنبی اور غیر محرم مردوں کے سامنے ایسے بیٹھیں گی کہ گویا وہ خواتین نہیں کچھ اور ہی مخلوق ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ وَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى۔ بہر کیف اس ارشادِ ربانی سے ایک طرف تو یہ بات ظاہر اور واضح ہو جاتی ہے کہ اوڑھنی اور دوپٹہ مسلمان خواتین کے لباس کا ایک اہم اور ضروری جزء ہے اور دوسری بات اس ارشاد سے یہ معلوم ہوئی کہ مسلمان خواتین کسی غیر محرم کی موجودگی میں اپنے سر اور اپنی کمر کی طرح اپنے سینوں کو بھی ڈھانپ لیں اور اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال دیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال

۵۴ ﴿نسائهن﴾۔ (انکی اپنی عورتوں) سے مراد؟: سو اس سے مراد دین شریک اور ایماندار عورتیں ہیں۔ پس غیر مسلم اور بدکردار عورتوں کے سامنے ابداءِ زینت جائز نہیں کہ وہ اجنبی مردوں کی طرح ہیں۔ جیسا کہ ﴿نسائهن﴾ کی قید کا مقتضیٰ ہے۔ اور جیسا کہ حضرتِ مکحول، عبادہ ابنِ نسی اور حضرتِ عمرؓ وغیرہ اکابرِ اہلِ علم وفضل نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور حضرتِ عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرتِ ابو عبیدہ کو لکھا تھا کہ ذمی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمامات میں داخل ہونے سے منع کر دو (روح، قرطبی، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو ہر طرح کی بے حیا اور بداخلاق اور بے دین عورتوں کے سامنے اپنی زینت کو ظاہر کرنا فتنے اور خطرے سے خالی نہیں۔ پس سلامتی اس سے بچ رہنے ہی میں ہے۔ پتہ نہیں وہ کس فتنے میں بتلا کر دیں۔ اسی لیے حضرتِ عمرؓ، ابنِ عباس اور مجاہدؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ کافرہ عورت مسلمان عورت کے حق میں بمنزلہٗ اجنبی مرد کے ہے۔ اسی لیے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مسلمان عورت کو کافر عورت سے پردہ کرنا واجب ہے۔ (معارف وغیرہ)۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی رو سے مسلمان عورت کا مقام کتنا اونچا ہے۔ اور اس کے مرتبہ ومقام اور اسکی عزت وعظمت کی حفاظت کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے۔ سو انکی پابندی ہی میں لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی۔ اور آخرت کے اس ابدی جہان میں بھی۔ وباللہ التوفیق

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ

مملوکوں ۵۵ کے سامنے جن کے مالک ہو چکے ہوں ان کے داہنے ہاتھ یا ان ماتحت مردوں کے سامنے جنہیں عورتوں کی

مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ

حاجت نہ ہو ۵۶ یا ان لڑکوں کے سامنے جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف

النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ

نہ ہوں ۵۷ اور وہ زمین پر (اس طرح زور سے) پاؤں مارتی ہوئی نہ چلا کریں، کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی

۵۵ مملوکوں کے استثناء کا ذکر و بیان: -سو ارشاد فرمایا گیا ان کے اپنے مملوکوں کے سامنے- ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ سے مراد بعض کے نزدیک صرف باندیاں ہیں۔ کیونکہ غلام اجنبی مردوں کی طرح ہیں۔ جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ عام ہے۔ باندی کی طرح غلام کو بھی شامل ہے۔ جبکہ وہ نیک دین دار ہو۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ لیکن جب یہاں پر ''امائهن'' کی بجائے ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں تو اس سے ظاہر یہی ہے کہ اس حکم میں غلام اور باندی دونوں ہی داخل ہیں- والعلم عند اللہ تعالیٰ- سو ان کے سامنے ابداءِ زینت میں کوئی حرج نہیں- تا کہ اسطرح اہل ایمان کسی تنگی میں نہ پڑیں اور ان کو مشکل پیش نہ آئے، والحمد للہ۔

۵۶ غیر اولی الاربۃ کے استثناء کا ذکر و بیان: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ یا ان مردوں کے سامنے جن کو عورت کی حاجت نہ ہو- بلکہ ان کو صرف اپنے کھانے پینے سے غرض ہو اور بس۔ یا تو اس لیے کہ ان کو فطری طور پر عورتوں کی خواہش نہیں ہوتی یا اس لیے کہ وہ اپنی کبرسنی وغیرہ دوسرے عوارض کی بناء پر اس عمر سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ جیسے بڑے بوڑھے نابینا وغیرہ وہ معذور لوگ جو جنسی جذبات و احساسات سے عاری ہو چکے ہوں۔ وہ اگر کسی کی کفالت پر ہوں تو اسی کی کفالت و سرپرستی میں اسکے گھر میں رہتے سہتے ہیں۔ سو وہ بھی ان پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں جو دوسروں کے بارے میں اوپر بیان ہو چکی ہیں کہ ان سے کسی ناشدنی کا کوئی خطرہ نہیں۔ اس لیے ان کے بارے میں اس رعایت کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہی تقاضا ہے اس دین فطرت کا جو کہ دین یُسر ہے والحمد للہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال۔

۵۷ بے شعور بچوں کے استثناء کا ذکر و بیان: -سو ارشاد فرمایا گیا ''یا ان بچوں کے سامنے جو ابھی تک عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں''۔ اپنی صغرسنی کی وجہ سے۔ یعنی وہ بچے جن کے اندر ابھی تک جنسی شعور نہ پیدا ہوا ہو۔ اور وہ عورتوں کے صنفی اعضاء کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے ان کو ایک مرد دیکھتا ہے۔ سو ایسے بے سمجھ بچوں کے سامنے بھی ابداءِ زینت میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں جب یہ بچے سمجھدار اور بڑے ہو جائیں تو ان کا یہ حکم بھی بدل جائیگا۔ لیکن اس سے پہلے ان کا حکم الگ ہے ان کی صغرسنی کی بنا پر۔ کہ صغیر السن اور کبیر السن کے لوگوں کے حالات میں فرق ایک بدیہی امر ہے۔

زِينَتِهِنَّ ؕ وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ

ہو وہ ظاہر ہونے لگے، ف۵۸ اور تم سب توبہ کرو اللہ کے حضور، اے ایمان والو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِينَ

تاکہ تم فلاح پا سکو، ف۵۹ اور نکاح کرا دیا کرو تم لوگ ان کے جو تم میں

مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ؕ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ

سے بے نکاح ہوں ف۶۰ اور اپنے ان غلام اور لونڈیوں کے بھی جو صالح ہوں ف۶۱ اگر وہ محتاج ہوں گے، تو اللہ ان کو غنی (و مالدار) بنا دے گا

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ

اپنے فضل (وکرم) سے، اور اللہ بڑی ہی کشائش والا، سب کچھ جانتا ہے، ف۶۲ اور جو لوگ نکاح کی

الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ

قدرت نہیں رکھتے ان کو چاہیئے کہ وہ پاک دامن رہیں، یہاں تک کہ اللہ ان کو غنی (اور مال دار) بنا دے اپنے

فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ

فضل (وکرم) سے، ف۶۳ اور تمہارے مملوکوں میں سے جو لوگ مکاتب ہونے کی

۵۸ زینت کی آواز کے اظہار کی بھی ممانعت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ زمین پر اس طرح پاؤں مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ ان کی مخفی زینت کا اس طرح اظہار ہو" کہ زینت کی آواز بعض اوقات زینت سے بھی بڑھ کر شہوانی جذبات کو انگیخت کرنے والی ہوتی ہے۔ کَمَا قَالَہُ الزجاج وغیرہ ۔ (معارف، صفوۃ، ابنِ کثیر وغیرہ)۔اس لیے ایماندار عورتوں کو اس کی ہدایت فرمائی گئی کہ ان کو اپنے گھروں کے اندر بھی اگر کبھی غیر محرموں کی موجودگی میں جانا پڑے تو اس طرح زمین پر زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ انکی زینت ظاہر ہو اور انکے زیورات کی جھنکار سنائی دے۔ کہ اس طرح کرنے سے ان کے جنسی جذبات میں کوئی ہیجان پیدا ہو۔ کہ اس سے آگے کئی طرح کے مفاسد جنم لیتے ہیں۔ والعیاذُ باللہ جلّ وعلا

۵۹ اہلِ ایمان کو توبہ کا حکم وارشاد: ۔سو اس سے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی ہدایت اور تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔سو ارشاد فرمایا گیا "اور تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو اے ایمان والو تا کہ تم فلاح پا سکو"۔ کیونکہ یہ انسان ضعیف البنیان خطاء و تقصیر کا پتلا ہے۔ اس لئے کوتاہیوں سے بچنا اس کے لئے بہت مشکل ہے۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ ۔ اس لئے توبہ و استغفار سے گناہوں کے ازالہ و صفائی کا سامان کرتے رہا کرو اور اللہ پاک سے قبولیت اور فلاح کی امید رکھو کہ وہ

بڑا ہی کرم والا ہے۔ یہ ہدایات چونکہ پورے مسلم معاشرے کی اصلاح کیلئے دی جا رہی ہیں اس لیے سب کو خطاب کر کے رجوع الی اللہ کی دعوت دی گئی ہے کہ سب مل کر اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کرو اور زندگی گزارنے کا وہ طریقہ اختیار کرو جسکی دعوت تمہیں قرآن دے رہا ہے۔ اور یہی راستہ اور طریقہ ہے فوز و فلاح سے سرفرازی کا۔ اللہ توفیق بخشے اور ایسی کہ جو اس کی رضا کا ذریعہ و وسیلہ ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحبّ ویرید، وعلیٰ ما یحبّ ویرید سبحانہٗ وتعالیٰ

۶۰ بے نکاحوں کے نکاح کرنے کا حکم وارشاد:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور نکاح کرا دیا کرو تم اپنے میں سے بے نکاحوں کے"۔ "اَیَامٰی" جمع ہے "ایم" کی جس کے معنی بے نکاح کے آتے ہیں۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ چنانچہ "ایم" اس مرد کو بھی کہا جاتا ہے جس کی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو بھی جس کا شوہر نہ ہو۔ اور خواہ اس نے سرے سے نکاح کیا ہی نہ ہو یا ہونے کے بعد کسی وجہ سے ختم ہو گیا ہو۔ (روح، ابن جریر، قرطبی، مراغی اور محاسن وغیرہ)۔ سو اس سے اسلام کی تعلیمات مقدسہ کا مزاج واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی روشنی میں مسلم معاشرے میں کسی مرد یا عورت کا بے نکاح رہنا ایک معیوب امر ہے۔ کیونکہ اس سے آگے طرح طرح کے مفاسد جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ جب معاشرے میں بے نکاح مرد اور بے نکاح عورتیں زیادہ ہوں تو ہاں ناجائز تعلقات کے امکانات بھی زیادہ ہو جاتے ہیں اور شریر قسم کے لوگوں کو تہمتیں پھیلانے کے مواقع بھی زیادہ ملتے ہیں۔ اور عام اور سادہ لوح قسم کے لوگ اس طرح کے ماحول میں تہمتیں پھیلانے والے ایسے لوگوں کی الزام تراشی کی مہم اور تہمتیں پھیلانے کی گرم بازاری سے متاثر بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے مفاسد کے راستے روکنے اور ان کے دروازے بند کرنے کے لیے بے نکاحوں کے نکاح کرنے کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم وارشاد میں خیر ہی خیر ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۶۱ صالح غلام اور باندیوں کے نکاح کا حکم وارشاد:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اپنے ان غلام باندیوں کے نکاح بھی کرا دو جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں"۔ اور صلاحیت شرعی لحاظ سے یا جسمانی اعتبار سے دونوں کو شامل ہے۔ تاکہ وہ حقوق زوجیت صحیح طور پر ادا کر سکیں۔ خود بھی پاکیزہ زندگی گزار سکیں اور اپنی اولاد کی بھی صحیح طور پر نگہداشت کر سکیں۔ (روح، کبیر، مراغی وغیرہ)۔ کیونکہ جس معاشرے کے اندر بہت سے مرد بیویوں سے محروم ہوں اور بہت سی عورتیں شوہروں سے محروم ہوں اس معاشرے میں اخلاقی مفاسد کے پھیلنے اور شیطان کی دراندازیوں کے درآنے کیلئے ایک وسیع دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس میں ناجائز تعلقات کے پھیلنے بڑھنے کے امکانات اور خدشات بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔ شریر قسم کے لوگوں کو تہمتیں پھیلانے کے مواقع ہاتھ لگ جاتے ہیں اور اس سے آگے اور طرح طرح کے مفاسد اور فتنے پھیلنے لگتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں بھی اس بارے میں گزر چکا ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین۔

۶۲ بے نکاحوں کے نکاح پر ان کے لیے مالداری کا وعدہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم لوگ اپنے میں سے بے نکاحوں کے نکاح کرا دیا کرو۔ اگر وہ محتاج ہونگے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے مالدار بنا دے گا۔ اور اس وعدہ کو مزید مؤکد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے "واسع" اور "علیم" کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی وسعت والا سب کچھ جانتا ہے۔ کہ نہ اس کے خزانوں کی کوئی حد ہے اور نہ اس کی عطاء و بخشش کی کوئی انتہاء۔ مگر وہ اپنے علم محیط و کامل کی بناء پر جانتا ہے کہ کس کے لئے کیا مفید ہے اور کس طور پر۔ اس لئے وہ ہر ایک کے ساتھ اسی کے مناسب معاملہ فرماتا ہے۔ جل شانہٗ وعزّ سلطانہٗ۔ پس تم لوگ اے ایمان والو، غربت اور ناداری کو کسی کے نکاح کیلئے رکاوٹ اور آڑ نہ بننے دو۔ بے

نکاحوں کے نکاح کر دیا کرو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان دونوں کے حالات کو خیر اور بہتری سے بدل دے گا۔ یہ اس کا وعدہ وارشاد بھی ہے اور ان طبعی و فطری خواص کا اثر و نتیجہ بھی جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرد اور عورت کے اندر ودیعت فرما رکھے ہیں۔ کیونکہ بیوی کے بغیر انسان ایک قسم کا خانہ بدوش سا اور غیر ذمہ دار شخص بنا رہتا ہے۔ اور اسکی بہت طبعی اور فطری صلاحیتیں سکڑی اور دبی ہوئی رہتی ہیں۔ اس طرح عورت بھی جب تک شوہر سے محروم رہتی ہے اس کی حیثیت اس بیل کی سی ہوتی ہے جو سہارا نہ ملنے کے باعث پھیلنے اور پھلنے پھولنے سے محروم ہوتی ہے۔ لیکن جب یہ دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں تو ان دونوں کی وہ فطری اور دبی ہوئی صلاحیتیں ابھرنے لگتی ہیں اور ان دونوں کی مشترکہ جدوجہد کو اللہ تعالیٰ ایسی بابرکت بنا دیتا ہے کہ انکے حالات بدل جاتے ہیں۔ اور تجربہ و مشاہدہ اس کا شاہد ہے۔ حضرتِ ابن عباس فرماتے ہیں کہ تم لوگ اپنے بے نکاحوں کے نکاح کراؤ۔ اللہ تعالیٰ اس پر مالدار کرنے کے اپنے وعدے کو پورا فرمائے گا۔ اور حضرتِ ابنِ مسعود نے اسی آیتِ کریمہ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "التمسوا الغنى فى النكاح"۔ یعنی "تم لوگ مالداری کو نکاح میں تلاش کرو" اور حضرتِ ابوبکر نے فرمایا کہ تم لوگ اللہ کے حکم کو پورا کرو یعنی بے نکاحوں کے نکاح کراؤ۔ وہ مالدار کرنے کے اپنے وعدے کو پورا فرمائے گا۔ اور حضرتِ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ پر ان کا حق ہے۔ ان میں سے ایک کے بارے میں فرمایا "الناكح الذى يريد العفاف" یعنی "وہ شخص جو پاکدامنی کی خاطر نکاح کرتا ہے"۔ رواہ الترمذی واحمد وغیرہم۔ (ابنِ کثیر اور مراغی وغیرہ)۔ سبحان اللہ۔ کیسی عظیم الشان تعلیمات ہیں اس دینِ حنیف کی جو فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ اور جنکی پیروی و پابندی میں انسان کیلئے سراسر خیر ہے۔ والحمد للہ

۶۳ بے نکاحوں کو پاکدامن رہنے کی ہدایت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور جو لوگ نکاح کی قدرت نہیں رکھتے ان کو چاہیئے کہ وہ پاکدامن رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ انکو غنی بنا دے اپنے فضل سے اور وہ شادی کرنے کے قابل ہو جائیں۔ واضح رہے کہ یہاں پر قدرت نہ رکھنے سے مراد ہے مالی اعتبار سے قدرت و طاقت نہ رکھنا۔ جیسا کہ ظاہر اور واضح ہے۔ اور اکثر حضراتِ اہلِ علم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ غنی اور مالدار بنا دینا بھی حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ ہی کی شان اور اسی کا کام ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر حصر و تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى﴾۔ (النجم:۴۸)۔ سو کس قدر بہکے بھٹکے اور بگڑے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اس کے سوا اوروں کے آگے جھکتے اور جگہ جگہ جھک کر اور جھک مار کر اپنی تذلیل کا سامان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اوپر والی آیتِ کریمہ میں معاشرے کے ذمہ دار لوگوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی تھی کہ اپنے میں کے بے نکاحوں کے نکاح کر دیں۔ اور اب یہ ہدایت براہِ راست ایسے بے نکاح افراد کے لیے ہے کہ وہ اپنی عفت و پاکدامنی کی حفاظت کریں کہ افراد کی اخلاقی ذمہ داری تو بہر حال انہی پر ہے۔ سو کوئی شخص اگر نکاح کی قدرت نہیں پا رہا اور اس کو اس کے لیے ضروری وسائل میسر و دستیاب نہیں تو اس کا یہ مطلب بہر حال نہیں ہو سکتا کہ یہ چیز اس کے لیے بدکاری کا عذر اور وجہِ جواز بن گئی۔ والعیاذ باللہ۔ پس ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے اوپر کنٹرول کرے اور ضبطِ نفس سے کام لے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا انتظار کرے۔ اور جو کوئی اپنے ایمان و اخلاق کی حفاظت کے لیے ایسا جہاد کرے گا اور صبر و استقامت سے کام لے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے لیے آسانی کی راہیں کھولے گا کہ اس کا اپنا صاف وصریح اور واضح وقطعی ارشاد ہے۔ ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾۔ (الانشراح:۵-۶)۔ والحمد للہ جل وعلا

اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّ اٰتُوۡہُمۡ

خواہش کریں، تم ان کو مکاتب بنا دیا کرو، اگر تم ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ ۶۴ اور ان کو اللہ کے

مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ لَا تُکۡرِہُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ

اس مال میں سے دیا کرو، جو اس نے تم کو عطا فرما رکھا ہے ۶۵ اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر

عَلَی الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ

مجبور نہ کیا کرو، (بالخصوص) جب کہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں ۶۶ (اور تم یہ ذلیل حرکت محض اس لئے کرو) کہ تم دنیا کا

الدُّنۡیَا ؕ وَ مَنۡ یُّکۡرِہۡہُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاہِہِنَّ

کچھ مال حاصل کر سکو، پھر (یاد رکھو کہ) ۶۸ جو کوئی ان کو مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور ہونے کے بعد (ان کی بخشش فرمادے گا) ۶۷ کہ

۶۴ مکاتبت سے متعلق حکم و ارشاد: — سو اس سے مکاتبت کے خواہاں غلاموں کو مکاتب بنا دینے کا حکم و ارشاد فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب بننا چاہیں ان کو مکاتب بنا دیا کرو اگر تم ان کے اندر بھلائی دیکھو۔ یعنی اگر تم دیکھو کہ وہ اس کے بعد معاشرے میں نیک اور صالح افراد بن کر رہیں گے۔ نیز وہ ایسی صلاحیت کے حامل ہوں کہ دیانت و امانت سے کام لیں گے۔ اور بدلِ کتابت اپنے وعدہ و قرار کے مطابق ادا کر دیں گے۔ (روح، معالم، مدارک، خازن، صفوہ، معارف، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ تو ایسی صورت میں تم ان کو مکاتب بنا دو۔ کتاب اور مکاتبت ایک شرعی اصطلاح ہے جس کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے اس بات کا خواہاں ہو کہ اگر وہ اتنی مدت کے اندر اس کو اتنی رقم ادا کر دے یا فلاں معین خدمت انجام دے دے تو وہ اس کو آزاد کر دے۔ ایسے غلام کو مکاتب کہا جاتا ہے اور اس معاملے کو مکاتبت یا کتابت۔ اور اس مال وغیرہ کو بدلِ کتابت۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہارے غلاموں میں سے کوئی مکاتب بننا چاہے تو تم اس کو مکاتب بنا دیا کرو۔ عام علماء کے نزدیک یہ حکم مندوب و مستحب کے حکم میں ہے لیکن حضرتِ عمر ابنِ سیرین اور داؤد وغیرہ نے اس کو وجوب کے معنی میں لیا ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے انہی حضرات کے قول کو ترجیح دی ہے۔ والعلم عند اللہ۔ جو بھی ہو بہرکیف اس میں ایسے غلاموں کو مکاتب بنا دینے کا ارشاد فرمایا گیا ہے۔ تاکہ اسطرح ان کی آزادی کی راہ ہموار ہو۔ والحمد للہ جل وعلا

۶۵ ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی ترغیب و تحریض: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تم لوگوں کو عطاء فرما رکھا ہے"۔ محض اپنے کرم اور عنایت سے کہ اس کی شان ہی عطاء و بخشش اور کرم فرمانا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اس میں تمہارے لئے سخت ابتلاء و آزمائش بھی ہے کہ اگر تم نے اس کے بخشے ہوئے اس مال و دولت کو اس واہبِ مطلق کی رضاء و خوشنودی کے حصول کے لئے وجوہِ خیر میں خرچ کیا تو یہ تمہارے لئے خیر و برکت اور جنت کی سدا بہار نعمتوں کا ذریعہ بن جائے گا۔ اور بصورتِ دیگر یہ تمہارے لئے باعثِ وبال ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ یہاں پر یہ ارشاد

اگر چہ مکاتب کی امداد کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے لیکن اپنے الفاظ وکلمات کے عموم کے مطابق یہ خیر کے ہر موقعہ ومحل کو شامل ہے۔ اور ﴿مِنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتَاكُمْ﴾ کے کلماتِ کریمہ کے تحریض وترغیب کے کئی پہلو ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ سب مال و متاع اللہ تعالیٰ ہی کا دیا بخشا اور اسی کا عنایت فرمودہ ہے۔ اس بناء پر یہ سب اسی کے لیے اور اسی کا مال ہے۔ مگر وہ تم لوگوں سے اس کا کچھ ہی حصہ خرچ کرنے کو کہتا ہے نہ کہ سب کا سب۔ اور پھر اس کے نام پر اور اس کی رضا کے لیے خرچ کیا جانے والا مال تم ہی لوگوں کو کام آئے گا جو اس کھاتے میں جمع ہونے کے بعد تمہارے لیے محفوظ ہو جائے گا اور کئی گنا بڑھا کر تم لوگوں کو واپس دیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ مایُحِبُّ ویرید، بِکُلِّ حالٍ من الاحوال،

۶۶ بدکاری پر مجبور کرنے کی ممانعت: ۔ سو اس سے اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''تم لوگ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور مت کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں''۔ یعنی اس صورت میں جبکہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں ان کو بدکاری پر مجبور کرنا اور بھی زیادہ برا اور سخت جرم ہوگا۔ ورنہ برائی پر جبر و اکراہ ہر صورت میں اور بہر حال برا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ روایات میں وارد ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی چھ باندیاں تھیں جن سے وہ کسب کرایا کرتا تھا مُعاذۃ، مُسیکۃ، اُمَیمۃ، عمرہ، اروی اور قتیلہ۔ ان میں سے مسیکہ اور امیمہ نے اس بارے آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے شکایت کی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (ابن کثیر، مدارک، صفوہ اور فتح وغیرہ)۔ بہر کیف اس ارشاد سے فحبہ گری اور باندیوں سے کسب کرانے کی ممانعت فرمادی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فواحش ومنکرات کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

۶۷ بدکاری پر مجبور کرنے کے جرم کی سنگینی کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے باندیوں کو بدکاری پر مجبور کرنے کے جرم کی سنگینی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جو کوئی ان کو مجبور کرے گا تو بے شک اللہ ان کے مجبور کرنے کے بعد بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ اس لیے وہ اپنے فضل وکرم سے ان کے گناہ کو معاف فرمادے گا۔ کیونکہ ان سے مجبور کر کے جرم کرایا گیا۔ اسی لئے روایات میں وارد ہے کہ حضرت حسن بصری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ جب اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرماتے تو کہتے ''لَهُنَّ وَاللّٰهِ لَهُنَّ وَاللّٰهِ'' ہاں قسم بخدا اللہ ضرور ان مجبور کردہ عورتوں کے گناہ کو بخشنے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے۔ (محاسن، ابن کثیر، مراغی وغیرہ)۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ اکراہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ ان باندیوں کی تو بخشش فرمادے گا کہ وہ مجبور ولاچار تھیں مگر وہ لوگ اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لیں جو ان کی عفت کے ساتھ اس طرح کا گھناؤنا کھیل کھیلتے ہیں اور وہ فحبہ گری اور کسبِ حرام کی اس خبیث کمائی سے اپنے پیٹ کے جہنم کو بھرنے کی سعیِ نامراد کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۸ پاکدامن لاچاروں کیلئے بخشش کی بشارت: ۔ سو اس سے پاکدامن مجبور ولاچاروں کے لیے مغفرت و بخشش خداوندی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ جن پاکدامن باندیوں کو اس برائی پر مجبور کیا گیا تو اللہ ان کی بخشش فرمادے گا کہ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ اتنا بڑا کہ نہ اسکی مغفرت وبخشش کی کوئی حد و انتہاء ہے اور نہ ہی اسکی رحمت وعنایت کی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ پس بندے کا کام ہمیشہ اسکی طرف رجوع رہنا اور اس سے اسکی مغفرت وبخشش کی دعا و درخواست کرنا ہے۔ سو بندہ اپنے بس کی حد تک برائی سے بہر حال بچے اور جو امر بس سے باہر ہوگا اس کی اللہ بخشش فرمادے گا۔ کہ وہ بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ فَاغْفِرْلِیْ یَا رَبِّیْ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ

بیشک اللہ) بڑا ہی بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے، اور بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف کھلے کھلے احکام بھی اتار دئے ؏۶۹ (اے لوگو!)

وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمَوۡعِظَةً

اور کچھ عبرت انگیز واقعات بھی، ان لوگوں کے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، ف۷۰ اور ایک عظیم الشان نصیحت بھی

لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۴﴾ ع اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ

پرہیزگاروں کے لئے، ف۷۱ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، ف۷۲ اس کے نور کی

ع ۱۰/۸

۶۹ **ہدایاتِ قرآنی کو اپنانے کی تعلیم و تلقین:** - سو اس سے قرآنِ حکیم کی واضح ہدایات کو اپنانے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے- سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم نے اتارے تمہارے لیے کھلے کھلے احکام"۔ تا کہ ان پر عمل کر کے تم لوگ پاکیزہ زندگی گزار سکو۔ اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکو کہ ان کھلے اور واضح احکام کے ذریعے تم لوگ اپنے خالق و مالک کا حق پہچان سکو گے۔ صحیح اور غلط اور طیب و خبیث کے درمیان فرق و تمیز کر سکو گے اور اسکے نتیجے میں تم خبیث اور غلط سے بچ کر صحیح اور طیب کو اپنا سکو گے۔ اور اس طرح تم لوگ طیب اور پاکیزہ انسان بن کر دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہو سکو گے۔ سو اس ارشاد میں احسان و امتنان کا پہلو بھی ہے کہ تم کو ایسی عظیم الشان نعمت سے نوازا گیا ہے اور اس میں تنبیہ و تہدید بھی ہے کہ جو اس سے منہ موڑیں گے وہ خود اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان کریں گے اور سخت خسارے میں مبتلا ہونگے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین

۷۰ **عبرت گیری کی تعلیم و تلقین:** - سو اس ارشاد سے قرآن حکیم کے درسہائے عبرت و بصیرت سے سبق لینے کی ہدایت اور تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے اس میں عبرت انگیز واقعات بھی اتارے تا کہ تم لوگ ان سے عبرت حاصل کرو"، اور اپنی عقل و فکر کی غذا کا سامان کر سکو۔ اور تم یہ دیکھ کر سبق حاصل کر سکو کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے والے آخر کار کس انجام سے دوچار ہوئے۔ سو قرآنِ حکیم میں ایسی عظیم الشان آیات بھی ہیں جو ان احکام و آداب کو کھول کر بیان کرتی ہیں جن کی تم لوگوں کو اپنی زندگی میں ضرورت ہے اور اس میں ایسی امثال و اخبار بھی ہیں جن میں بڑا سامانِ عبرت و بصیرت ہے۔ اور اسی حقیقت کو حضرتِ علی سے مروی و منقول اس مشہور اثر میں بیان فرمایا گیا ہے جس میں آپ نے فرمایا" فیه حکم ما بینکم و خبر ما قبلکم و نبا ما بعدکم وهو الفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه الله و من ابتغی الهدیٰ من غیره اضله الله" - (ابنِ کثیر، المراغی اور المحاسن وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین یا اکرم الاکرمین

۷۱ تقوی و پرہیزگاری ذریعۂ نجات و سرفرازی: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ تقوی و پرہیزگاری سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے کہ اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو متقی و پرہیزگار ہیں۔ ورنہ یہ عظیم الشان و بے مثل نعمت سب لوگوں کے لئے عام ہے اور حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کا کرم سب ہی کے لئے ہوتا ہے۔ مگر جو اسکی طرف رجوع ہی نہ کریں اور وہ حق بات سننے اور ماننے کو تیار ہی نہ ہوں تو انکو ان سے کوئی فائدہ بھلا کس طرح اور کیونکر پہنچ سکتا ہے۔ سو تقوی و پرہیزگاری اور خوفِ خداوندی اور رجوع الی اللہ اِصلاحِ احوال کی سب سے اہم اور اصل بنیاد ہے۔ اور یہ سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور اس سے محرومی - والعیاذ باللہ - دارین کی سعادت سے محرومی ہے - والعیاذ باللہ - سو ایسے لوگ جن کے سینے خوفِ خداوندی سے خالی ہوں - والعیاذ باللہ - اور وہ تقوی و پرہیزگاری کی دولت سے محروم ہوں ان میں پند و نصیحت اور نصح و خیر خواہی کی کوئی بھی بات اثر نہیں کرسکتی - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ تقوی و پرہیزگاری سے سرشار رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۷۲ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا: - کہ اسی نے اپنے کرمِ لامتناہی، رحمتِ بے نہایت اور قدرتِ لامحدود سے ان کو خلعتِ وجود سے نوازا۔ سو وجود نور ہے اور عدم ظلمت و اندھیرا۔ پھر اسی نے اپنی قدرتِ بے پایاں سے زمین و آسمان کی اس مخلوق میں ظاہری و باطنی اور حسی و معنوی نور اور روشنیوں کے طرح طرح کے سامان رکھ دیئے جن میں سب سے بڑی سب سے اہم اور سب سے عظیم الشان روشنی ایمان و یقین کی وہ روشنی ہے جو دلوں کی دنیا کو روشن کرنے والی اور انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے سرفراز کرنے والی ہے۔ اس لئے اللہ پاک کے نور کے ذکر کے بعد اسی کا ذکر فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا - ﴿ مَثَلُ نُوْرِهٖ ﴾ - اسی لئے حضراتِ اہلِ علم اس کی تشریح و توضیح میں فرماتے ہیں - ''مَثَلُ نُوْرِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ'' - (ابنِ کثیر، ابنِ جریر، روح، قرطبی، معالم وغیرہ)۔ اور ﴿نورہ﴾ کی ضمیر میں دو احتمال اور دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع اللہ ہے جو کہ آیتِ کریمہ کے شروع میں مذکور و موجود ہے۔ تو اس صورت میں معنیٰ ہوگا - ''اَیْ مَثَلُ هُدَاهُ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ'' - یعنی اس کے اس نورِ ایمان و ہدایت کی مثال جو کہ اس نے قلبِ مومن میں ودیعت فرمایا ہے یہ ہے کہ جیسے ایک طاقچہ ہو وغیرہ۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ اس کا مرجع مومن ہو جو کہ سیاقِ کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو آگے اسی نورِ مومن کی تشریح و توضیح ہے۔ سو اللہ پاک - سبحانہ، و تعالیٰ - نے آسمان و زمین کی اس عظیم الشان کائنات کو نورِ وجود سے نواز کر اس میں طرح طرح کی ایسی عظیم الشان حسی اور معنوی روشنیاں اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے رکھ دیں جو اس کی وحدانیت و یکتائی، اس کے کمال و جمال اور اسکے عطاء و نوال اور اس کی عنایتوں اور کارسازیوں اور تصرف و تدبیر کی پکار پکار کر گواہی دیتی ہیں۔ اور اسی نے اپنی ان آیاتِ کونیہ کے ساتھ ساتھ آیاتِ قرآنیہ بھی نازل فرمائیں جو اس کی معرفت و رضاء اور اس تک وصول اور حقیقی فوز و فلاح کی راہیں کھولتی ہیں - سبحانہ، وتعالیٰ - سو اس مثال سے واضح فرمادیا گیا کہ ایمان نور اور روشنی بلکہ روشنیوں کی روشنی اور کفر اندھیرا بلکہ اندھیروں کا اندھیرا ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ۔

نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

مثال ف٤٣ ایسی ہے جیسے کہ ایک طاق ہو ف٤٤ اس میں ایک چراغ ہو، وہ چراغ ایک فانوس میں ہو،

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

وہ فانوس ایسا کہ گویا کہ وہ موتی جیسا چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے، ف٤٥ وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا

زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ

جاتا ہو، جو نہ مشرقی ہو نہ مغربی ف٤٦ اس کا تیل بھی ایسا (صاف وشفاف ہو کہ وہ خود بخود بھڑکا پڑتا ہو، اگرچہ

٤٣ نورِ ایمان کی تمثیل اور اس کی عظمت شان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسکے نور کی مثال یعنی اس کے اس نورِ حق وہدایت کی مثال جس سے وہ اپنے بندۂ مومن کو اپنے کرم سے نوازتا ہے۔ اَیْ مَثَلَ هُدَاهُ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ۔ (ابنِ جریر، قرطبی، ابنِ کثیر وغیرہ) اور یہ اس لئے کہ نورِ ہدایت ہی اصل اور سب نوروں سے بڑھ کر نور ہے۔اور یہی اس واہبِ مطلق کی وہ سب سے بڑی عنایت وعطاء ہے جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔ کیونکہ نورِ حق وہدایت سے اس کیلئے اسکی زندگی کی سب راہیں روشن ہوجاتی ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آغاز وانجام اور مقصدِ حیات اور طریقِ حیات اور آدابِ زندگی، سب سے پوری طرح واقف وآگاہ ہوجاتا ہے۔اسکے نورِ ایمان کی برکت سے ہر چیز اور اس کا ہر پہلو اسکے لیے روشن اور واضح ہوجاتا ہے۔جیسا کہ نبی اکرمؐ نے اپنی امت کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ ''میں تم لوگوں کو ایک ایسی واضح شاہراہ پر چھوڑ چلا ہوں جس کی رات بھی اسکے دن کی طرح روشن اور واضح ہے۔اور اس سے منحرف نہیں ہوگا مگر وہی شخص جسکے نصیب میں ہی ہلاکت لکھی ہے''۔ جبکہ نورِ ایمان سے محروم انسان کیلئے یہ پوری کائنات ہی عالمِ ظلمات ہے۔ نہ اسکو اپنی زندگی کے آغاز وانجام کا کچھ پتہ نہ اپنے خالق ومالک کی معرفت کی کچھ خبر اور نہ ہی اس کو اپنی زندگی کے مقصد اور نصب العین سے کچھ آگاہی۔ بلکہ وہ ان تمام امور سے غافل ولاپرواہ حیوانِ محض بن کر رہ جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں برا اور بدتر۔ والعیاذ باللہ العظیم۔سو نورِ حق وہدایت سے محروم ایسا انسان اس اندھے بھینسے کی طرح ہوجاتا ہے جو اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہلاکت وتباہی کے کسی گڑھے میں گر کر اپنے انجام کو پہنچ کر رہتا ہے۔ جبکہ مومنِ صادق کے لیے اس کائنات کی ایک ایک چیز اس کے نورِ ایمان میں اضافے کا ذریعہ بنتی جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید،

٤٤ نورِ ایمان کی عظمت شان کی توضیح وتمثیل: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جیسا کہ ایک طاقچہ ہو کہ اس کی روشنی مجتمع اور یکجا ہونے کی وجہ سے خاص طور پر زیادہ زوردار اور تیز ہوتی ہے۔ سو مشکوٰۃ سے مراد مومن کا دل ہے جس کو چراغ رکھنے کے طاق یا چراغ داں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ چراغ کیلئے عام قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ اسکو گھر میں کسی اونچے مقام اور طاقچہ وغیرہ میں رکھا جاتا ہے تاکہ اس کی روشنی پورے گھر کے اندر پھیلے اور انسان کے اندر دل ہی ایسی عظمت

اور بلندی والی چیز ہے کہ اس کی روشنی انسانی جسم کے ظاہر اور باطن سب پر پھیل جاتی ہے اور انسان کا یہ خاکی پتلہ کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ اس لیے ایمان ویقین کی قندیل کے لیے دل کے اس طاقچے ہی کو چنا گیا اور دل کی اسی اہمیت کی بنا پر صحیح اور مشہور حدیث میں دل کی زندگی کو انسانی جسم کی زندگی اور اس کی موت کو۔ والعیاذ باللہ۔ انسانی زندگی کی موت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ''جسم کے اندر گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہوا تو سارا جسم ٹھیک اور اگر وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑ گیا۔ آگاہ رہو کہ وہ ٹکڑا دل ہے''۔ ''الا وہی القلب''۔ اللہ تعالیٰ سلطنتِ دل کو ہمیشہ اپنی یادِ دلشاد سے شاد و آباد، اور معمور و منور رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۴۵ نورِ ایمان کے لیے بے مثال اور عظیم الشان فانوس کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ فانوس ایسا ہو جیسا کہ ایک چمکتا ہوا ستارہ۔ اپنی غایت درجہ کی صفائی اور ستھرائی کی وجہ سے۔ اور یہی مثال ہے بندۂ مومن کے قلبِ صافی کی۔ سو وہ طاقچہ بھی عظیم الشان اور بے مثال اور اس کا شیشہ بھی عظیم الشان اور بے مثال۔ کیونکہ شیشہ اگر صاف نہ ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ روشنی میں کوئی اضافہ نہیں کرتا بلکہ وہ اس کیلئے حجاب بن جاتا ہے۔ سو اس طرح ایمان کی روشنی قلبِ مومن کو ہر قسم کی کثافت سے پاک کر کے ایسے بے مثال آئینے کی طرح صاف کر دیتی ہے۔ سو جب روشنی اس طرح کے فانوس کے اندر ہوتی ہے تو وہ ہوا کے جھونکوں سے متاثر نہیں ہوتی۔ اور ایسے چراغ کی لو ہوا کے جھونکوں سے منتشر نہیں ہونے پاتی بلکہ ایک مرکز پر مرتکز رہتی ہے جس سے اسکی تابانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی حال قلبِ مومن کا ہوتا ہے کہ فیضِ ایمان سے اس کی تابانی میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ ڈانواں ڈول ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ خواہ کیسے ہی حالات پیش آئیں وہ ہر حال میں راضی اور مطمئن رہتا ہے۔ ایسے ہی دل کو قرآنِ حکیم میں نفسِ مطمئنہ سے تعبیر فرمایا گیا۔ اور یہ سب سے بڑی دولت ہے جس سے انسان کو اسکے ایمان کی بدولت نوازا جاتا ہے۔ اور جس سے نوازے جانے کے بعد انسان کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حال من الاحوال

۴۶ عظیم الشان چراغ کیلئے عظیم الشان تیل:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس بے مثال چراغ کا تیل بے مثال و مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ چراغ زیتون کے ایسے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ بلکہ ایسی کھلی اور بلند جگہ پر ہو جہاں اس کو سورج کی روشنی اور گرمی صبح سے شام تک برابر پہنچتی ہو کہ ایسے درخت کا تیل خاص طور سے زیادہ صاف ستھرا، پاکیزہ اور عمدہ ہوتا ہے۔ سو یہی مثال ہے مومنِ صادق کے شجرۂ صدق و اخلاص کی کہ وہ نہ مشرقی ہوتا ہے نہ مغربی۔ بلکہ وہ جنت کا ایک ایسا عمدہ اور پاکیزہ درخت ہوتا ہے جو ہر وقت ہرا بھرا اور ترو تازہ رہتا ہے اور ہر وقت پاکیزہ پھل دیتا رہتا ہے۔ ﴿تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾۔ (ابراہیم: ۲۵)۔ سو اس طرح نورِ ایمان ان لوگوں کے سینوں کو اپنا نشیمن بناتا ہے جن کی فطرت ہر قسم کے فساد اور بگاڑ سے پاک اور محفوظ ہوتی ہے اور انکی فطرت کا تیل غیر فطری ملاوٹوں سے ایسا پاک اور صاف ہوتا ہے کہ دعوتِ حق کی ذرا سی رگڑ سے بھڑک اٹھتا ہے۔ اور اس طرح فطرت کے نور کے اوپر ایمان اور ہدایت کے نور سے مومن کا سینہ نور علیٰ نور ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ زیتون کے عمدہ درخت کا عمدہ تیل اپنی صفائی کی بنا پر آگ کے چھوئے بغیر ہی بھڑک اٹھتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ

آگ نے اس کو چھوا تک بھی نہ ہو ۷۷ (بس) نور پر نور ہے، ف۷۸ اللہ اپنے اس نور کی طرف ہدایت (کی توفیق و عنایت) سے

يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے ف۷۹ اور وہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے طرح طرح کی (اور عمدہ عمدہ) مثالیں ف۸۰ اور اللہ ہر چیز کا پورا

۷۷ بے مثال چراغ کا تیل بھی بے مثال:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس چراغ کا تیل بھی ایسا عمدہ اور پاکیزہ کہ خود ہی بھڑک پڑتا ہے۔ اگرچہ اسکو آگ نے چھوا بھی نہ ہو۔ اپنی پاکیزگی اور صفائی و ستھرائی کی وجہ سے۔ سو یہی مثال ہے مومن کی فطرتِ سلیمہ اور حسنِ استعداد کی اس عظیم و بے مثل اور پاکیزہ دولت کی جو حضرتِ واہبِ مطلق -جل وعلاشانہ- کی طرف سے اس کو عطا فرمائی جاتی ہے اور جس کو- ﴿ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾- (الروم: ۳۰) کے ارشادِ ربانی اور ''كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ '' کے فرمانِ نبوی میں بیان فرمایا گیا ہے کہ یہی فطرتِ سلیمہ اور حسنِ استعداد اس کے چراغِ معرفت کی اصل اساس ہے۔ اور اپنے اسی نورِ فطرت کی بنا پر مومن بسا اوقات اپنی داخلی شہادت اور فطری پکار کی بناء پر نورِ حق و معرفت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اگرچہ ابھی تک اس کو نورِ وحی و ہدایت کا علم نہ پہنچا ہو۔ پھر نورِ وحی سے یہ نورِ فطرت دو وجدان اور بھی چمک اٹھتا ہے- سبحان اللہ- حضرت خالق -جل مجدہٗ- نے کیا کیا عجائب و غرائب رکھ دیئے اس انسان میں اور اس کون و مکان میں۔ اور اپنے اس عالی شان کلام حق ترجمان میں۔ سو انسان کو اللہ پاک نے اپنے کرمِ بے پایاں سے دو عظیم الشان نوروں سے نوازا ہے۔ ایک وہ نورِ فطرت جو اس کی طبیعت و جبلت میں ودیعت و پیوست فرمایا گیا ہے اور دوسرا وہ نورِ حق و ہدایت جس کو وہ وحی کے ذریعے عنایت فرماتا ہے۔ جس سے اس نورِ فطرت کی چمک دمک دوچند ہو جاتی ہے۔ ورنہ انسان کی غفلت سے نورِ فطرت کا اصل سرمایہ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم- اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾- (ھود: ۱۷)۔ سو نورِ ایمان کی فیض رسانی سے مومنِ صادق کا دل ڈانواں ڈال ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس پر خواہ کیسے ہی حالات آئیں وہ راضی و مطمئن رہتا ہے۔ اور ایسے ہی دل کو قرآنِ حکیم میں نفسِ مطمئنہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور یہ سب سے بڑی دولت ہے جو انسان کو ایمان کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ سو ایمانِ صادق کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنی والی واحد دولت ہے۔ والحمد للہ جل وعلا

۷۸ نورٌ علیٰ نور کا مصداق؟:- سو یہ نورٌ علیٰ نور یعنی نور پر نور کا مصداق ہے کہ ایک تو وہ اصل نورِ فطرت جو انسان کی فطرت و جبلت میں قدرت نے اپنی فیاضیوں سے ودیعت فرمایا ہوتا ہے اور دوسرا نورِ حق و ہدایت جو وحی خداوندی کے ذریعے انسان کو عطا فرمایا جاتا ہے۔ جس سے اس نورِ فطرت کو مزید جلا ملتی ہے۔ اور تیسری طرف وہ نورِ خداوندی جو انسان کو اس کائنات میں ہر طرف پھیلی بکھری آیاتِ تکوینیہ و تشریعیہ میں صحیح غور و فکر سے ملتا ہے۔ جس سے اس کی قوتِ ایمان و یقین کو مزید جلا ملتی اور قوت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ حق کو اس کے اظہار و بیان سے پہلے ہی پہچان لیتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا ''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ '' (المراغی وغیرہ)۔ اور اس طرح مومنِ صادق اپنے ایمان و یقین کی لذت سے ہمیشہ فیضیاب اور شادکام ہوتا رہتا ہے اور اس کے پاکیزہ پھلوں سے وہ برابر اور لگاتار مستفید ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ تُؤْتِىْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾- اور یہاں پر اس کی توضیح و تشریح کے لئے جو یہ عظیم الشان مثال بیان فرمائی گئی ہے اس

میں بھی اس کی پوری وضاحت اور بیان ہے کہ جیسے ایک چراغ ہو عمدہ قسم کا جس میں تیل جلتا ہو زیتون کے مبارک درخت کا اور یہ درخت بھی ایسا عمدہ ہو کہ جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ سورج کی دھوپ وگرمی اور تازہ ہوا اس کو برابر ملتی ہو۔ پھر وہ چراغ بھی ایسے عمدہ فانوس اور قندیل میں ہو جو ایک چمکتے دمکتے تارے کی مانند ہو۔ جس میں اس کی روشنی اور تیز ہو جاتی ہے اور وہ فانوس اور قندیل بھی ایسے طاقچے میں رکھا ہو جہاں اسکی روشنی مجتمع اور یکجا ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ تیز اور روشن ہو جاتی ہو تو ایسے نور اور روشنی کی عظمتوں کے کیا کہنے؟ کیا نورٌ علیٰ نور کی اس سے بڑھ کر کوئی اور مثال ہو سکتی ہے؟ (ابن جریر، ابن کثیر، روح، قرطبی، کبیر، معارف اور صفوہ وغیرہ)۔ سو مومنِ صادق قلب وباطن ہر اعتبار سے منور اور نورِ ایمان ویقین سے سرفراز وسرشار ہوتا ہے۔ فالحمد للہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال۔

۷۹ نورِ ہدایت کی دولت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اپنے نور کی طرف ہدایت سے نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے کہ وہی ہے جو پوری طرح جانتا ہے کہ کس کی صلاحیت واستعداد کیا ہے۔ اسکے خبایا ونوایا کیا ہیں؟ کون کس لائق ہے اور کون اپنے اندر حق وہدایت کے لئے طلبِ صادق رکھتا ہے اور کون طلبِ صادق کی اس دولت سے محروم ہے- والعیاذ باللہ- سو اس واہبِ مطلق کے یہاں کی تقسیم کوئی اندھی بانٹ نہیں بلکہ وہ نہایت ہی کامل علم وحکمت پر مبنی ہوتی ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- ہدایت کا صلہ جب دل پہ آجاتا ہے جیسا کہ یہاں پر ہے تو اس وقت یہ لفظ توفیق اور فیض بخشی کے معنیٰ کو بھی متضمن ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنے ترجمے کے اندر اس مفہوم کو بین القوسین کے لفظوں سے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے- والحمد للہ- سو جو لوگ ہدایتِ فطرت کی قدر اور اسکی حفاظت کرتے ہیں اور وہ صدقِ دل سے نورِ حق وہدایت کے طالب اور متلاشی ہوتے ہیں، اللہ پاک- سبحانہ، وتعالیٰ- اپنی فیض بخشی سے ان کو نورِ حق وہدایت سے نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے۔ اور اسکے برعکس جو لوگ اس سے اِعراض برتتے، منہ موڑتے اور اسکی ناقدری کرتے ہیں انکا نورِ فطرت بھی بجھ کر رہتا ہے۔ جسکے نتیجے میں ایسے لوگ نورٌ علیٰ نور کے منصبِ شرف سے گر کر- ﴿ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾- کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوب کر رہ جاتے ہیں۔ اور اسکی واضح مثال یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے دینِ حق کے قبول کرنے سے انکار واعراض کیا۔ اور اس پر ہٹ دھرمی سے کام لیا جس کے نتیجے میں یہ لوگ قبولِ اسلام کی سعادت اور نورِ حق سے سرفرازی میں نمونہ اور قدوہ بننے کے شرف سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو گئے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر مستقیم وثابت قدم رکھے اور اپنی رضا وخوشنودی سے سرفراز ومالامال فرمائے- اور ہر حال میں اپنا اور صرف اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۸۰ توضیحِ حق کے لیے ضرب الامثال کا اہتمام: -یعنی توضیحِ حق کے لیے تمثیلوں کا اہتمام چونکہ ادب وبلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے اس لیے قرآنِ حکیم میں بھی اس کا اہتمام فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ لوگوں کیلئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ تاکہ معاملہ پوری طرح واضح ہو جائے اور اس طرح لوگ حق اور حقیقت تک رسائی حاصل کر سکیں اور معنوی وغیر محسوس چیزوں کو ان کے لئے ایسی مثالوں کے ذریعے ممکنہ حد تک محسوسات کے قریب اور سمجھنے کے لئے آسان کر دیا جائے۔ اور ایسی مثالیں وہی وحدہٗ لاشریک بیان فرما سکتا ہے کہ وہی ہے جو حقائقِ اشیاء سے پوری طرح واقف اور آگاہ ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- سو وہ طرح طرح کی ایسی عظیم الشان مثالیں بیان فرماتا ہے جس سے لوگ حق اور حقیقت کو پہچان سکیں تاکہ وہ ایمان ویقین کے نور سے منور ہو کر اپنے لیے سعادتِ دارین کا سامان کر سکیں۔ سو تمثیلیں حق اور حقیقت کو واضح کرنے کا سب سے عمدہ اور مؤثر وکارگر طریقہ ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کے بعد بھی حق کو قبول کرنے اور اپنی اصلاح کے لیے آمادہ اور تیار نہیں ہوتے وہ بڑے ہی محروم اور بدبخت لوگ ہوتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳۵﴾ فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ

پورا علم رکھتا ہے ف۸۱ (وہ نور ملتا ہے) ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے ف۸۲ اور ان میں

فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ﴿۳۶﴾

اس کا نام لیا جائے ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں ف۸۳

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ

ایسے لوگ جنہیں اللہ کی یاد، اقامت نماز، اور ادائیگی زکوٰۃ سے

اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ

نہ کوئی سوداگری غفلت میں ڈال سکتی ہے اور نہ ہی کوئی خرید و فروخت ان کے آڑے آسکتی ہے ف۸۳ وہ ڈرتے رہتے ہیں ایک ایسے ہولناک

فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿٭ۙ۳۷﴾ لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا

دن سے جس میں الٹ دیئے جائیں گے دل، اور پتھرا جائیں گی آنکھیں ف۸۴ (اور یہ اس لئے کہ) تاکہ اللہ ان کو بہترین بدلے سے

۸۱ کمالِ علم اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ: -اس لیے کہ وہی وحدہٗ لاشریک سب کا خالق اور مالک ہے۔اس لیے وہی پوری طرح جانتا ہے۔سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔اس لئے اسی کی بیان فرمودہ مثالیں غیبی حقائق اور معنوی امور کی صحیح طور پر ترجمانی اور عکاسی کرسکتی ہیں۔اور وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے اور کس کو کتنا اور کس درجے تک نوازا جائے اور اسکی مشیت اسکے علم و حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔وہ ہر ایک کے ظاہر اور باطن کو پوری طرح اور ایک برابر جانتا ہے۔اور وہ ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ فرماتا ہے جس کا وہ اہل اور مستحق ہوتا ہے۔اور یہ شان چونکہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے اسکے سوا اور کسی کیلئے ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔اس لیے اس وحدہٗ لاشریک کے کسی حکم و ارشاد کی دوسری کوئی نظیر و مثال اور اس کا کوئی متبادل ممکن ہی نہیں۔سو کمالِ علم اللہ تعالیٰ ہی کی صفت و شان ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور محض اپنے فضل و کرم سے نورِ معرفت سے مالا مال فرمائے۔اور زیغ و ظلمت کے ہر شائبے پاک محفوظ رکھے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۸۲ نورِ ایمان سے سرفرازی کے مواقع کی نشاندہی: -سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ ایمان و یقین کا یہ نور ملتا ہے ایسے گھروں میں جنکی تعظیم کا حکم اللہ نے دیا ہے۔مرادِ ان گھروں سے مسجدیں ہیں جن کو حدیث میں ''اَحَبُّ الۡبُقَاعِ اِلَی اللّٰہِ''۔ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پاکیزہ اور مقدس جگہیں'' فرمایا گیا ہے۔اور جن کے بارے میں حضرتِ ابنِ

عباس -رضی اللہ عنہما- فرماتے ہیں کہ وہ آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتی ہیں جس طرح کہ زمین والوں کے لئے آسمان کے ستارے۔ (ابن کثیر، صفوۃ اور مراغی وغیرہ)۔ یعنی ایمان کا یہ نور ہر قلب میں نہیں بلکہ قلوب سلیمہ میں پایا جاتا ہے۔ اور قلب سلیم قلب مومن ہی ہو سکتا ہے جو نور ایمان سے منور و معمور ہوتا ہے۔ اور قلب سلیم ہر قالب میں نہیں پایا جاتا بلکہ خاص خاص قوالب میں پایا جاتا ہے۔ اور ایسے قوالب سلیمہ ہر جگہ نہیں مل سکتے۔ بلکہ ان کے ملنے کی اصل جگہ وہ مساجد اور مراکز ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اسکی عبادت و بندگی ہوتی ہے۔ (المراغی، الکشاف وغیرہ)- وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید- اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۸۳ نور ایمان سے منور و معمور خوش نصیبوں کا ذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسی مساجد و معابد میں ایسے بندگان خدا مصروف ذکر و فکر رہتے ہیں جنکو کوئی بھی چیز اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ ان کی قوت ایمان و یقین کی بنا پر۔ کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ دنیا کی ان عارضی اور فانی نعمتوں کی آخرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت اور حقیقت ہی نہیں۔ اور زندگی اصل میں آخرت ہی کی زندگی ہے- ﴿ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾- اور اس ایمان و یقین کی قوت کی بناء پر ان بندگان صدق و صفا کی زندگی کی راہیں دوسروں سے الگ ہو جاتی ہیں۔ اور ان کو ہر موقع پر اور ہر حال میں خدا کی یاد ہی سب سے زیادہ مطلوب و مرغوب ہوتی ہے۔ اور ایسی اور اس حد تک کہ دنیاوی مشاغل میں سے کوئی بھی چیز ان کیلئے اس راہ میں رکاوٹ اور آڑ نہیں بن سکتی اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اس کی یاد دلشاد میں محو اور مست و مگن رہتے ہیں۔ اور اس طرح ابدی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی راہ میں آگے بڑھتے رہتے ہیں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید-

۸۴ خوف و خشیت خداوندی بندگان خدا کی خاص صفت: -سو ان بندگان صدق و صفا کی خاص صفات کے بیان کے ضمن میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ڈرتے رہتے ہیں ایک ایسے ہولناک دن سے جس میں الٹ دیئے جائیں گے دل اور پتھرا جائیں گی آنکھیں۔ اس کے شدت ہول کی وجہ سے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا- ﴿ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ﴾- سو ایسے حضرات باوجود اس قدر عبادت و بندگی کے کسی عجب اور خود پسندی کا شکار نہیں ہوتے بلکہ وہ اس دن کی ہولناکی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ اس میں اٹھ کر اپنے رب کے یہاں حساب دینا ہے۔ سو اس ہولناک دن کے خوف کی بناء پر ایسے حضرات کی زندگیاں دوسرے غافل لوگوں سے یکسر مختلف ہوتی ہیں اور ایسے اور اس حد تک کہ یہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی آخرت کے باسی بنے ہوتے ہیں۔ اور اس بناء پر یہ ہمیشہ اپنے خالق و مالک کی یاد دلشاد میں محو و مگن ہوتے ہیں اور کوئی بھی چیز اس راہ میں انکے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اور اس طرح یہ بہتر سے بہتر کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ سو ایمان و یقین کی دولت مٹی کو بھی سونا بنا دینے والی دولت ہے- فالحمد للّٰہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان و الیقین- اللّٰھم فزدنا منہ و ثبتنا علیہ یا ذا الجلال والاکرام- اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر مستقیم و ثابت قدم رکھے- اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے آمین

عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن

نوازے ف۸۵ ان کے (زندگی بھر کے) کئے (کرائے) پر اور مزید برآں وہ ان کو سرفراز فرمائے (اپنی شان کریمی کی بناء پر) اپنے خاص

يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ

فضل (وکرم) سے اور اللہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے بغیر کسی حساب کے ف۸۶ اور (اس کے برعکس) جو لوگ اڑے رہے ہوں گے اپنے

كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ

کفر (وباطل) پر ان کے اعمال کی مثال ف۸۷ کسی چٹیل میدان میں چمکنے والی اس ریت کی سی ہے جسے پیاسا شخص پانی سمجھ رہا ہو یہاں تک کہ

لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ

جب وہ (پانی کی امید میں چلتا ہوا) اس کے پاس پہنچے تو اس کو وہاں (پانی وانی تو) کچھ بھی نہ ملے البتہ وہاں وہ اللہ (کی طرف سے

وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ

آنے والی موت) کو پالے اور وہ اس کا حساب چکا دے کہ اللہ کو تو حساب چکاتے کوئی دیر نہیں لگتی ف۸۸ یا جیسے کسی گہرے سمندر کے ایسے

۸۵ اہل ایمان کیلئے بہترین بدلے کی بشارت: سو اس سے ایمان والوں کے لیے آخرت کے بہترین بدلے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے سچے ایماندار جو کچھ کرتے ہیں آخرت کے اندیشے کی بنا پر اور اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ ان کو نوازے انکے اعمال کے بہترین بدلے سے کہ ایک نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا اور اس سے بھی بڑھ کر سات سو گنا تک اور اس سے بھی زیادہ اور پھر ان کو ایسی ایسی نعمتوں سے نوازے گا جو نہ کہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے سنی ہوں گی اور نہ کسی دل پر ان کا گزر ہی ہوا ہوگا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور دیدار الٰہی کے شرف سے سرفرازی کی جو معنوی اور روحانی نعمتیں انکو حاصل ہوں گی وہ ان سب سے کہیں بڑھ کر ہوں گی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ سو ایسے لوگ جو یوم آخرت کے اس ہولناک دن کے خوف کی بناء پر اور اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کیلئے عمل کرتے ہیں وہ بڑے خوش نصیب اور راست رو لوگ ہیں۔ اور یہ اپنی اس نیک نیتی اور صحیح روش کی بنا پر اور اس کی نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اور اس کی طرف سے بہترین صلہ و بدلہ سے سرفراز و سرشار ہونگے۔ سو ﴿لیجزی﴾ کا لام علت کے لیے نہیں بلکہ یہ عاقبت وانجام اور نتیجہ کے لیے ہے۔ جیسا کہ ﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا﴾۔ الآیۃ (القصص: ۸) میں ہے یعنی "آل فرعون نے حضرت موسیٰ کو اٹھا لیا تاکہ انجام کار وہ ان کے لیے دشمن اور باعث غم بنے۔" سو دولت ایمان دائمی سعادت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ والحمد للہ جل و علا، الذی شرّفنا، لھذہ النعمۃ، نعمۃ الایمان، اللّٰھُمَّ فزدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

۸۶ اللہ تعالیٰ کی عطاء و بخشش بے حساب: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے عطاء فرماتا ہے بغیر حساب کے۔ کہ نہ اس کے خزانوں کی کوئی حد و انتہاء ہے اور نہ اس کی عطاء و بخشش کی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ عز سلطانہ، وجل برہانہ۔ بغیر حساب کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حساب کا لفظ اپنے معروف معنیٰ میں ہو تو اس وقت اس کا معنیٰ و مطلب یہ ہوگا کہ اللہ جس کو وہاں کے اجر سے نوازے گا انکو ناپ تول کر بالکل برابر برابر نہیں دے گا بلکہ اسکے استحقاق سے کہیں بڑھ کر دے گا کہ اس کی طرف سے معاملہ صرف عدل اور برابری کا نہیں ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر فضل اور احسان کا ہوگا۔ جیسا کہ یہاں پر اسی آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا۔ یعنی اللہ ان کو اپنے فضل سے بھی نوازے گا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حساب کے لفظ کو یہاں پر حسبان کے معنیٰ میں لیا جائے۔ تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے اسکے سان و گمان سے بھی کہیں بڑھ کر عطا فرماتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ نصیب فرمائے اور اپنی شانِ کرم کے مطابق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۸۷ اہلِ کفر و باطل کے اعمال کی مثال: - سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ ان کے اعمال کی مثال صحرا کے سراب کی سی ہے۔ یعنی ان کے ان اعمال کی مثال جن کو وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔ جیسے غریبوں کی امداد کرنا۔ شفاخانے اور سرائے وغیرہ تعمیر کرانا۔ سڑکیں اور راستے بنانا وغیرہ وغیرہ کہ انکی مثال صحرا کے سراب کی سی ہے۔ سو جیسے وہ سراب پیاسے کو دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتا اسی طرح کفار کو اپنے اعمال سے قیامت کے روز حسرت و افسوس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔ اور جیسا کہ سراب کو پانی سمجھ کر پیاسا پانی کی آس و امید میں وہاں پہنچتا ہے تو آگے اسکو کچھ بھی نہیں ملتا اسی طرح یہ کفار و منکرین جو اپنے ایسے اعمال کو بہت کچھ سمجھتے ہیں اور ان کے صلہ و بدلہ اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے جب آخرت کے اس جہاں اور فیصلے کے اس مقام پر پہنچیں گے تو وہاں انکو کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا اور ان کا وہ سب کیا کرایا تتر بتر ہو کر ہو جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾۔ اور یہ اس لئے کہ اعمال کے قبول عند اللہ اور آخرت کے اجر و ثواب کیلئے اولین شرط اور بنیادی تقاضا ایمان و اخلاص ہے۔ اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں۔ سو ایمان و اخلاص سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اس سے سرفرازی و شادکامی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی و شادکامی ہے۔ فالحمد للہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِھٰذا۔ اللّٰھم فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و صواب پر ثابت قدم رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۸۸ آخرت کے حساب کی تذکیر و یاد دہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ تعالیٰ کو حساب چکانے میں کوئی دیر نہیں لگتی کہ وہ ایسا نہیں کہ ایک کے حساب میں مشغول ہو کر دوسرے سے غافل ہو جائے۔ جیسا کہ بشر کا حال ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ایسی ہر کمزوری اور اس طرح کے ہر قصور سے پاک و بالا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس سے ان احمق لوگوں کی غلط فہمی کو رفع فرما دیا گیا ہے جو یہ سمجھتے اور ایسا کہتے ہیں کہ آخرت اور حساب کتاب اگر ہے بھی تو یہ اتنی دور کی بات ہے کہ اس کیلئے ابھی سے پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسے لوگوں کا خیال دراصل یہ ہوتا ہے کہ اتنی بڑی دنیا اور اس قدر بیشمار اشخاص و افراد کے اعمال و اقوال کا حساب کون کر سکتا ہے؟ سو یہ ایسے تنگ ظرف انسانوں کی اپنی تنگ ظرفی اور تنگ نظری کا نتیجہ ہے ورنہ حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کیلئے ایسی کسی مشکل و دشواری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اسکی شان۔ ﴿عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾۔ کی شان ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ سو وہ پل بھر میں سب کا حساب چکا دے گا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

يَغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ

ہولناک (اور گھمبیر) اندھیرے ہوں جہاں موج پر موج چھائے جا رہی ہو اور اس کے اوپر بادل ہو

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ

غرضیکہ طرح طرح کے گھٹاٹوپ اندھیرے ایک دوسرے پر اس طرح مسلط ہوں کہ آدمی جب اپنا ہاتھ نکالے

يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ

تو اسے بھی دیکھنے نہ پائے ۸۹ اور جسے اللہ نور سے نہ نوازے، اس کے لئے

مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ ع ۵

(کہیں سے بھی) کوئی نور نہیں ہو سکتا ۹۰ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین

وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ

میں ہیں اور پرند بھی اپنے پر پھیلائے ہوئے ہر ایک نے اچھی طرح جان (پہچان) رکھا ہے اپنی نماز، اور

تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

اپنی تسبیح کو اور اللہ کو پوری طرح علم ہے ان سب کاموں کا جو یہ لوگ کر رہے ہیں ۹۱ اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی

۸۹ اہلِ کفر و باطل کے باطنی اندھیروں کی تمثیل: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ایسے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے کہ اگر اپنا ہاتھ نکالے تو اسکو بھی دیکھنے نہ پائے۔ جس کا دیکھنا عام حالات میں سب سے زیادہ سہل اور آسان ہوتا ہے کہ وہ اس کی نگاہوں کی دسترس سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سو جب وہ اس کو بھی نہیں دیکھ سکتا تو اور کس کو دیکھے گا؟ اسی طرح کافر و منکر اپنے باطن کے طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے۔ حضرتِ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کافر تین اندھیروں میں غرق رہتا ہے۔ عقیدہ و باطن کا اندھیرا۔ قول و قرار کا اندھیرا اور عمل و کردار کا اندھیرا۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اور حضرتِ قتادہؒ اور ابی بن کعبؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ کافر پانچ اندھیروں میں غرق رہتا ہے۔ اس کا کلام اندھیرا، اس کا کام اندھیرا، اس کا آنا اندھیرا، اس کا جانا اندھیرا اور اس کا انجام اندھیرا در اندھیرا۔ اور پھر دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ۔ والعیاذ باللہ۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، محاسن، مراغی اور معارف وغیرہ)۔ سو ان دونوں میں سے پہلی مثال ان کفار کی ہے جو فی الجملہ سزا و جزاء کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے طور پر کچھ نہ کچھ نیک اعمال بھی اپنے حساب سے کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ کل ان کو کام آئیں گے۔ مگر ان کا انجام وہی ہوگا جو سراب کو پانی سمجھنے

والے کا ہوتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اور دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جو ایسا کوئی عقیدہ بھی نہیں رکھتے بلکہ وہ نفسانی خواہشات ہی کے لئے جیتے اور انہی کیلیے مرتے ہیں اور وہ ان ہی میں مستغرق رہتے ہیں - والعیاذ باللہ - سو ایسے لوگوں نے حق وہدایت کے نورِ مبین سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو طرح طرح کے اندھیروں کے گہرے سمندر اور ایسے ہولناک غار میں دھکیل دیا ہے جہاں اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ کفر و باطل کا اندھیرا، ظلم وجہل کا اندھیرا، شک وریب کا اندھیرا، ہوٰی وہوس کا اندھیرا وغیرہ وغیرہ۔ (المحاسن وغیرہ)۔ سو دینِ حق سے اِعراض وسرتابی اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ باطن کا بھی اندھیرا، ظاہر کا بھی اندھیرا۔ انکے دل بھی سیاہ چہرے بھی سیاہ اور ان کی زندگی کی راہیں بھی اندھیروں سے اٹی اور ڈھکی ہوئی - والعیاذُ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۹۰ ایمان کی روشنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مل سکتی ہے: - اور اللہ تعالیٰ اس نور سے ان ہی کو نوازتا ہے جو اس کے لیے اپنے اندر طلبِ صادق رکھتے ہیں۔ اور جو طلب صادق سے محروم ہوتے ہیں وہ ایمان ویقین کی اس دولت سے بھی محروم رہتے ہیں کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے دستور کے اور اس کی سنت اور قانون کی زد میں آئے ہوتے ہیں۔ اسی حقیقت کو یہاں پر اس طرح بیان فرمایا گیا اور جس کو اللہ نور سے نہ نوازے اس کیلیے کہیں سے بھی کوئی نور نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ کا نور یعنی نورِ ایمان ویقین انہی خوش نصیبوں کو ملتا ہے جن کی فطرت صحیح اور سالم ہوتی ہے اور وہ طلبِ صادق اور رجوع الی اللہ کی دولت سے سرشار اور مالا مال ہوتے ہیں۔ اور ایسے ابنائے کفر و باطل جب اس واہبِ مطلق - جل وعلا - کی طرف سے منہ موڑ کر - والعیاذ باللہ - اپنے کفر و باطل ہی پر اڑے رہتے ہیں تو پھر ان کو حق وہدایت کی روشنی آخر کیسے اور کیونکر نصیب ہو سکتی ہے؟ ایسے لوگ تو اپنے اس اعراض وروگردانی کی بناء پر اپنے نورِ فطرت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح یہ تہ در تہ اندھیروں میں ڈوب کر رہ جاتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو انسان کی صلاح وفلاح اور اس کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن اور اسکے ارادہ ونیت ہی سے ہوتا ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ -

۹۱ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ومنہمک ہے: - سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ومنہمک ہے اور اللہ پوری طرح جانتا ہے ان تمام کاموں کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہو سکتی۔ سو اپنے اسی علمِ کامل ومحیط کی بناء پر وہ ہر کسی کو اس کی اس سزا وجزا سے نوازے گا جس کا وہ مستحق ہوگا۔ (ابنِ کثیر، صفوۃ، معارف، بیان القرآن وغیرہ)۔ سو انسان کو ہمیشہ اسی بات کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اس خالقِ کل، مالکِ مطلق، ربِّ کائنات کے ساتھ میرا معاملہ صحیح ہو - وباللہ التوفیق - بہر کیف ارشاد فرمایا گیا اور تخصیص وتحریک کے لیے استفہامیہ انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کے لیے تسبیح کرتا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین کی اس وسیع کائنات میں موجود ہے۔ اور یہ پرندے بھی جو صف بستہ اڑتے پھرتے ہیں اس فضا میں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کی نماز کو بھی جانتا ہے اور اسکی تسبیح کو بھی۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عنایت وبندگی اور اسکی تسبیح وتقدیس سے مشرف وسرفراز ہیں اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات انکی ہمنوا اور ہم سفر ہے۔ اور جو اپنے اس خالق ومالک سے منہ موڑے ہوئے ہیں وہ اس کائنات سے ٹکرانے کی راہ پر گامزن ہیں جس سے ان کی زندگی کٹھن اور سخت گھٹن میں مبتلا رہتی ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ

آسمانوں کی اور زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے (سب کو) ؀۹۲ کیا تم دیکھتے نہیں

اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ

کہ اللہ (کس طرح) بادل کو چلاتا ہے، پھر اس (کی مختلف ٹکڑیوں) کو آپس میں جوڑ دیتا ہے، پھر اس کو تہ بر تہ کر (کے

رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ

ایک کثیف بادل بنا) دیتا ہے، پھر تم بارش کو دیکھتے ہو کہ وہ اس کے بیچ میں سے نکل نکل کر برستی ہے ؀۹۳ اور وہ آسمان سے یعنی

السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ

ایسے پہاڑوں سے جن میں اولے ہیں، ؀۹۴ اولے برساتا ہے، پھر ان کو وہ جس پر چاہتا

مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ

ہے گرا دیتا ہے ؀۹۵ اور جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، (اور حال یہ ہوتا ہے کہ) قریب ہے کہ اس کی بجلی کی کوند

۹۲ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف: - سو اس ارشاد سے اس اہم حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہوگی اور بالآخر سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ مانے یا نہ مانے۔ تسلیم کرے یا نہ کرے۔ ایسا بہرحال ہو کر رہے گا۔ اور ہر کسی کو لوٹ کر اللہ پاک کے پاس بہرحال جانا ہے تاکہ وہاں پہنچ کر وہ اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا بھرپور صلہ و بدلہ پا سکے جس کے بعد کامیاب ہونے والے خوش نصیبوں کو جنت کی سدا بہار اور ابدی نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ اور ناکام ہونے والے بدبختوں کو دوزخ میں جانا ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ نہ اس کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام میں کسی اور کا کوئی عمل دخل ہے اور نہ اس کے بعد آخرت کے اس ابدی جہاں میں اس کے سوا اور کوئی مرجع و ماویٰ بن سکتا ہے۔ تو جب یہاں اور وہاں سارا اختیار و اقتدار اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا ہے تو پھر تسبیح و عبادت اس کے سوا اور کسی کی کس طرح ہو سکتی ہے؟ سو ہر قسم کی عبادت و بندگی اور تسبیح و تحمید اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے - سبحانہ، وتعالیٰ -

۹۳ باران رحمت میں دعوتِ غور و فکر: - سو اس ارشاد سے آسمان سے برسنے والی باران رحمت اور اس کی کرشمہ سازی کی طرف التفات و توجہ اور اس میں غور کا درس دیا گیا ہے۔ جس سے تمہیں طرح طرح کے فوائد و منافع حاصل ہوتے ہیں۔ پس اس میں اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے عظیم مظاہر بھی ہیں اور اس کی بے پایاں رحمت و عنایت کے عالی شان نمونے بھی - سبحانہ، وتعالیٰ - سو اسکی رحمت بھی اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے اور اسکی نقمت بھی۔ وہ

جب اور جیسے چاہے کسی کو اپنی نعمت اور رحمت سے سرفراز فرمادے یا کسی پر اپنی نقمت اور عذاب کا کوڑا برسا دے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو وہی ہے جو مردہ پڑی زمین کی زندگی اور اس کی سرسبزی وشادابی اور اپنے بندوں اور دوسری طرح طرح کی مخلوق کے لیے قسما قسم کے فوائد ومنافع کو وجود میں لانے کے لیے اپنی ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو ہانک کرلاتا ہے اور ان کے مختلف ٹکڑوں کو باہم جوڑ کر اور ان کو تہ بہ تہ کر کے کثیف بادلوں کی شکل دے دیتا ہے۔ پھر ان سے ابرِ رحمت کو برساتا اور ساری زمین کو جل تھل کر دیتا ہے جس سے خشک اور مردہ پڑی زمین پھر سے جی اٹھتی ہے۔ اسی طرح وہ وحی کی بارانِ رحمت سے دلوں کی مردہ کھیتی کو زندگی بخشتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ جسکے نتیجے میں دلوں کی کھیتی گل وگلزار بن جاتی ہے

۹۴ رحمت کے ساتھ ساتھ نقمت کی طرف توجہ: ۔ سو اس کی رحمت کے ساتھ ساتھ اس کی نقمت بھی اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سو وہی بادلوں کے پہاڑوں سے اولے برساتا ہے۔ یعنی بادلوں سے جو کہ پہاڑوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ اور وہ پانی کے ذخائر کے ذخائر لئے فضاؤں میں اڑے پھرتے ہیں۔ جو کہ عظیم الشان مظہر ہے قدرت وعنایت اور حکمت ورحمتِ خداوندی کا۔ (ابن کثیر، فتح القدیر، روح، اور قرطبی وغیرہ)۔ سو انہی بادلوں سے وہ جن کیلئے چاہتا ہے بارانِ رحمت برساتا ہے۔ جس سے ساری زمین جل تھل ہو جاتی ہے اور لوگوں کو طرح طرح کے فوائد و منافع حاصل ہوتے ہیں۔ اور انہی سے وہ جس کیلئے چاہتا ہے اولوں کے پہاڑوں سے سنگ باری کر کے ان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس فضائے بسیط میں اڑتے پھرتے ان بادلوں میں اس کی رحمت ونقمت کے دونوں پہلو موجود ہیں۔ وہ جس کے لیے چاہے ان سے بارانِ رحمت برسا کر طرح طرح کے فوائد ومنافع کا سامان کر دے اور جس کے لئے چاہے ان کے اندر سے اولوں کے پہاڑ برسا کر ان کی ہلاکت وتباہی کا سامان کر دے۔ والعیاذ باللہ۔ سو انسان ہمیشہ اس کی امید بھی رکھے اور اس کی گرفت وپکڑ سے ڈرتا بھی رہے۔ واللہ التوفیق لما یحب ویرید،

۹۵ نفع ونقصان اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا وہ ان کو جن پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے۔ جس سے ان کو طرح طرح کے نقصانات اٹھانا پڑتے ہیں اور جس کو چاہتا ہے اس سے محفوظ رکھتا ہے اپنی رحمت وعنایت سے۔ سو نفع ونقصان سب اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور کائنات کی ہر چیز اپنے نفع وضرر میں اسی کے حکم وارشاد کے تابع ہے۔ وہ جس چیز کو جس کیلئے چاہے رحمت ونعمت بنا دے اور جس کے لیے چاہے باعثِ نقمت اور عذاب بنا دے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اس کے سوا کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ ایسی کسی آفت سے اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو بچا لے۔ سو اس میں موسم سرما کے ان بادلوں کی طرف اشارہ ہے جو تیز وتند ہواؤں، شدید گرج و چمک اور ہولناک ژالہ باری کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں اور جن سے ہونے والی ژالہ باری سے بستیوں کی بستیاں ڈھک جاتی ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی جبکہ راقم آثم یہ سطور تحریر کر رہا ہے۔ یعنی ۲۴ دسمبر ۲۰۰۲ اس وقت چین کے شمالی علاقے ایسی ہولناک ژالہ باری میں دبے ہوئے ہیں کہ جن کی مثال کہتے ہیں کہ گزشتہ پچاس برسوں میں نہیں ملتی۔ اور جہاں آدھے آدھے کیلو کا ایک ایک اولہ گر رہا ہے اور عین اسی وقت برازیل کے بعض علاقوں میں شدید بارشوں کے نتیجے میں مٹی کے تودے گرنے سے کتنے ہی لوگ زندہ دفن ہو گئے ہیں اور جن کی لاشوں کو نکالنے کا کام جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے امن وعافیت میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین ویا ارحم الراحمین

يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ

(اور چمک) اچک لے اس کی نگاہوں کو، اللہ ہی ادلتا بدلتا ہے رات اور دن کو ۹۶ (نہایت پرحکمت طریقے سے)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ

بلاشبہ اس (سارے نظام) میں بڑا بھاری سامان عبرت ہے، آنکھوں والوں کیلئے ۹۷ اللہ ہی نے

خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى

پیدا فرمایا ہر جاندار کو پانی (کے جوہر عظیم) سے، ۹۸ پھر ان میں سے کچھ

بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ

پیٹ کے بل چلتے ہیں، ۹۹ اور کچھ دو پاؤں پر چلتے ہیں، ۱۰۰ اور کچھ

۹۶ دن رات کا بدلنا قدرت کا ایک اور حیرت انگیز کرشمہ: ۔سو قدرت کے اس عظیم الشان اور حیرت انگیز کرشمے میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "وہی ادلتا بدلتا رہتا ہے رات اور دن کو"۔ کہ ایک آ رہا ہے اور دوسرا جا رہا ہے۔اور کبھی یہ چھوٹا وہ بڑا اور کبھی اس کے برعکس۔اور یہ سب کچھ کمالِ حکمت وعنایت کے ساتھ ہو رہا ہے۔سو کتنے غافل اور بے انصاف ہیں وہ لوگ جو ان ہمہ وقتی نشانہائے قدرت میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے اور وہ اس واہبِ مطلق ۔جل وعلا۔ کے حضور جھکنے اور دل وجان سے جھکنے کے شرف سے مشرف نہیں ہوتے جس نے ان کو محض اپنے فضل وکرم سے ان عظیم الشان نعمتوں اور عنایتوں سے سرفراز و مالا مال فرمایا ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔سو غور وفکر سے کام لینے والوں کے لیے سلسلۂ شب وروز میں عظیم الشان دلائلِ قدرت وحکمت موجود ہیں۔ایسے عظیم الشان دلائل جن سے حق وہدایت کی راہیں پوری طرح روشن ہو جاتی ہیں وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید،

۹۷ سامانِ عبرت وبصیرت کی نشاندہی: ۔سو اس سے آنکھوں والوں کے لیے سامانِ عبرت وبصیرت کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں بڑا سامانِ عبرت ہے آنکھوں والوں کیلئے۔یعنی ان کیلئے جو آنکھیں کھول کر ان عظیم الشان مظاہرِ قدرت کو دیکھتے ہیں اور وہ اپنی عقل وفکر سے صحیح طرح سے سوچتے ہیں کہ وہ کون ہے جو رات اور دن کے اس عظیم الشان اور حکمت بھرے نظام کو اس قدر پابندی اور باقاعدگی سے چلا رہا ہے۔وہ کیسا قادرِ مطلق، کیسا حکیم مطلق اور کس قدر وہاب وکریم ہے اور اس کا ہم پر کیا حق ہے؟ سو ایسے لوگ اس سے اس وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ بے پایاں، رحمتِ بے نہایت اور وحدانیتِ مطلقہ اور حکمتِ بالغہ پر استدلال کرتے ہیں اور گوہرِ مقصود تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور اپنی مادی اور روحانی دونوں ضرورتوں کی تکمیل

کرتے ہیں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال۔

۹۸ ہر جاندار کا وجود نشانِ عبرت وبصیرت: -سوارشاد فرمایا گیا کہ "اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہر جاندار کو پانی -کے جوہر عظیم- سے" اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے۔ سو پانی کے اس ایک جوہر سے جو کہ ہر جگہ اور ہمیشہ ایک ہی رہا ہے ایسی بے حد وحساب اور مختلف انواع واقسام کی ان مخلوقات اور قسما قسم کے ان جانوروں کو پیدا فرمانا اور ان کو مختلف النوع وجود بخشا کس قدر عظیم الشان خلاقی ہے اس قادرِ مطلق اور واہبِ مطلق کی- جل وعلا شانہ- پھر اس پانی سے وہ نطفہ بھی مراد ہو سکتا ہے جس سے ہر جاندار کی براہِ راست تخلیق ہوتی ہے۔ سو یہ بھی اسکی عظیم الشان قدرت اور حکمت کی ایک عظیم الشان نشانی ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، خازن وغیرہ)۔ اور ان مختلف انواع واقسام کی تخلیق وپیدائش جہاں اسکی بے مثال قدرت اور بے نہایت حکمت کی نشانی ہے وہیں یہ اسکی وحدانیتِ مطلقہ اور یکتائی کا ثبوت بھی ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- سو اگر صحیح طریقہ سے دیکھا جائے اور غور وفکر سے کام لیا جائے تو نظر آئے گا کہ ہر جاندار کا وجود قدرت کا ایک عظیم الشان نشانِ عبرت وبصیرت ہے۔ جسمیں بڑے چشم کشا درسہائے عبرت وبصیرت ہیں

۹۹ جانوروں کی مختلف قسموں میں غور وفکر کی دعوت: -سوارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان میں سے کچھ پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ مچھلی اور دوسرے مختلف حشرات۔ پھر ان میں بھی آگے مختلف انواع واقسام ہیں۔ ان میں سے کچھ کے پاؤں سرے سے ہوتے ہی نہیں اور کچھ کے نظر نہیں آتے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے چلنے کا انداز الگ، انکی خوراک مختلف، ان کی زندگی کے تقاضے، ان کے رہنے کی جگہیں اور طریقے مختلف وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ اس قادرِ مطلق- سبحانہ، وتعالیٰ- کی کتنی عظیم الشان قدرت اور کیسی بے مثال حکمت ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- سو اس ارشاد سے جانوروں کی ان مختلف قسموں میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے جو عموماً انسان کی نگاہوں کے سامنے رہتے ہیں- اور جن میں غور وفکر سے کام لینے کے نتیجے میں بڑے چشم کشا اور بصیرت افروز درس ملتے ہیں وباللہ التوفیق لما یحب ویرید- وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید

۱۰۰ دو پاؤں پر چلنے والے جانوروں میں سامانِ غور وفکر: -سوارشاد فرمایا گیا اور کچھ دو پاؤں پر چلتے ہیں- جیسا کہ انسان اور پرندے جبکہ وہ زمین پر چل رہے ہوتے ہیں۔ سو اس سب میں اسی وحدہٗ لاشریک کا ارادہ واختیار کارفرما ہے۔ کسی کی مجال نہیں جو اس میں دم مار سکے۔ وہ مالکِ مختار جو چاہے کرے۔ اور ان مختلف جانوروں کے وجود میں بالواسطہ یا بلاواسطہ انسان کے لیے طرح طرح کے فوائد ومنافع پائے جاتے ہیں جن میں سے کچھ کو انسان جانتا ہے ور کچھ ابھی تک اسکے علم میں نہیں آسکے ہیں۔ سو حیوانات اور طبیعیات کے ماہرین ان کے ایسے ایسے خواص اور آثار بیان کرتے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سو انسان سوچے کہ آخر یہ سب کچھ کس کی قدرت وحکمت اور رحمت وعنایت کا نتیجہ وثمرہ ہے؟ سو وہی ہے اللہ رب العالمین جو اس ساری کائنات کا خالق ومالک ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- سو غور کرنے والوں کے لیے جانداروں کی ان مختلف قسموں میں بڑے سامانِ عبرت وبصیرت ہیں۔ والحمد للہ جل وعلا

مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

چار پر ۱۰۱ اور (اس کے علاوہ بھی) اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے ۱۰۲ بے شک اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ

چیز (کے خلق وابداع) پر پوری قدرت رکھتا ہے ۱۰۳ بلاشبہ ہم ہی نے اتاریں (حق اور حقیقت کو) کھول کر بیان کرنے والی عظیم الشان آیتیں ۱۰۴

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

اور اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے سیدھے راستے کی طرف ۱۰۵ اور (کہنے کو تو یہ منافق) لوگ یوں کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ

کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور ہم نے اطاعت قبول کی (مگر حال ان کا یہ ہے کہ) پھر انہی میں کا ایک گروہ اس کے بعد

مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ

پھر جاتا ہے (راہ حق وصواب سے) اور (حقیقت یہ ہے کہ) یہ لوگ ایماندار ہیں ہی نہیں ۱۰۶ اور (ان کا حال یہ ہے کہ) جب ان کو بلایا جاتا

اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا

ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف، تاکہ فیصلہ فرمائے رسول ان کے درمیان، تو ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے (حق وصواب

۱۰۱ چار پاؤں پر چلنے والے جانوروں میں سامانِ غور وفکر: سو ارشاد فرمایا گیا اور کچھ چار پر یعنی کچھ جانور ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ جیسے اونٹ، گائے، بیل اور گھوڑے وغیرہ دوسرے مختلف درند چرند۔ سو جب یہ سب اپنے وجود اور اپنی تخلیق وتکوین میں اسی وحدہٗ لاشریک کے ارادہ واختیار اور اسی کی مشیت ومرضی کے تابع ہیں تو انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں بھی اسی کے ارادہ ومشیت کے تابع ہو۔ خاص کر اس اعتبار سے کہ حضرتِ انسان کو عقل کے جس جوہرِ امتیاز سے نواز کر ایک ارادہ واختیار کی آزادی دی گئی ہے اس کا تقاضا یہی ہے۔ اور اسی میں اس کا سارا امتحان ہے کہ وہ دل وجان سے اور بارادہ واختیار خود اپنے اس خالق ومالک کے حضور جھک جائے جس نے اس کو طرح طرح کی ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا ہے اور دوسری تمام مخلوق طرح طرح سے اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ سو اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان باقی مخلوق سے طرح طرح کے فائدے اٹھا کر اس کے شکر میں اپنے خالق ومالک کے سامنے جھک جائے اور اس طرح اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرے کہ یہ سب کچھ انسان

کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور انسان اپنے خالق و مالک کی عبادت و بندگی اور اس کی رضاء و خوشنودی کے لیے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ-

۱۰۲ اِبداع وتخلیق اللہ تعالیٰ ہی کی صفت وشان: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے"۔ اپنی حکمت وعنایت کے مطابق کہ نہ اس کی قدرت کی کوئی حد و انتہاء ہے اور نہ اسکے عطاء و نوال کی۔ ہر لحظہ اس کی عطاء بے حساب جاری وساری ہے- ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ﴾- سبحانہٗ و تعالیٰ- سو وہ اس کے علاوہ ایسے جاندار بھی پیدا کرسکتا ہے جن کی ٹانگیں چار سے بھی زیادہ ہوں اور بالفعل پیدا کرتا بھی ہے جیسے مکڑی، ہشت پا اور کنکھجورا وغیرہ وغیرہ۔ اور اسکے علاوہ اور بھی وہ کیا کچھ پیدا کرتا ہے؟ کیا پیدا کرسکتا ہے؟ اور کیا کچھ پیدا کرے گا؟ اس کا علم و احاطہ بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کیلئے ممکن نہیں- جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾- یعنی وہ پیدا فرمائے گا۔ وہ کچھ جو تم لوگ نہیں جانتے (النحل: ۸)۔ فالحمد للہ رب العالمین

۱۰۳ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کا حوالہ وذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا" اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔ پس وہ جو چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے کرے- جل جلالہ، وعم نوالہ- اس کیلئے نہ کچھ مشکل ہے اور نہ اسکی قدرت سے باہر۔ بلکہ سب کچھ اسکے احاطہ قدرت اور دائرہ علم کے اندر ہے۔ آسمان وزمین کی اس پوری کائنات میں سے ذرہ کے برابر کوئی چیز بھی اسکے علم سے مخفی اور اسکی قدرت سے باہر نہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (سبا: ۸)۔ سو اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی کو بھی اسکی عبادت و بندگی میں شریک جاننا کتنا بڑا ظلم ہے- والعیاذ باللہ العظیم- سو جس خداوندِ قدوس کی قدرتِ مطلقہ اور اس کے احاطہ علم کا عالم یہ ہو اس کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اس کے لیے مختلف خود ساختہ وسیلے اور واسطے گھڑنا جس طرح کہ اہلِ بدعت کرتے ہیں کتنا بڑا ظلم اور کس قدر ناانصافی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

۱۰۴ آیاتِ بینات اور ان کا تقاضا؟: -سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "بلاشبہ ہم نے اتاریں کھول کر بیان کرنے والی عظیم الشان آیتیں"۔ جو پوری طرح واضح کر دیتی ہیں حق و باطل اور صحیح وغلط کو، اور ہماری قدرتِ کاملہ، وحدانیت وانفراد اور حق وصواب کو۔ سو ہم نے تو حق کو واضح کر دینے والی ایسی آیاتِ بینات اتار دیں جو آنکھیں کھولنے والی اور راہِ حق وصواب کو پوری طرح واضح کر دینے والی ہیں۔ لیکن آگے ان سے حق و ہدایت کی دولت سے سرفراز ہونے کیلئے معاملہ بندوں کے اپنے اوپر ہے۔ پس جو اس نعمت کی قدر کریں گے اور نورِ حق و ہدایت کے طالب بن کر اسکی طرف رجوع کریں گے، انکو حق و ہدایت کی روشنی سے سرفرازی نصیب ہوگی اور جو اسکی ناقدری کر کے اس سے اعراض و روگردانی کا رویہ اپنائیں گے وہ محروم ہو کر اندھیروں میں ڈوبتے چلے جائیں گے- والعیاذ باللہ العظیم- سو ان آیاتِ بینات کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ لوگ صدقِ دل سے ان پر لبیک کہتے اور ان پر ایمان لا کر اور ان کے مقتضیٰ پر عمل کر کے اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مندی اور سرخروئی کا سامان کرتے۔ مگر انہوں نے اعراض و روگردانی سے کام لے کر

اپنے خسارے میں اضافے کا سامان کیا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۰۵ ہدایت سے سرفرازی کا انحصار مشیت خداوندی پر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت سے نوازتا ہے'' - کہ وہ لوگوں کی نیتوں اور دلوں کی دنیا سے واقف ہے اور پوری طرح جانتا ہے کہ کس کے دل میں حق و ہدایت کے لئے طلبِ صادق موجود ہے اور کس کے دل میں نہیں - اسی کے مطابق وہ نوازتا ہے اور اپنا فیصلہ فرماتا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - سو جو لوگ طلبِ صادق سے محروم ہوتے ہیں وہ حق و ہدایت کی دولت سے بھی محروم ہوتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو نورِ حق و ہدایت سے نوازنا اور صراطِ مستقیم سے سرفراز فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے - اور یہ اسی کی مشیت پر موقوف ہے - اور اسکی مشیت اسکی حکمت پر مبنی ہوتی ہے - پس جو نورِ حق و ہدایت کے طالب ہونگے اور وہ صدقِ دل سے اس واہبِ مطلق - جل جلالہٗ - کی طرف رجوع کریں گے ان کو ہدایت کی اس نعمتِ عظمیٰ سے نوازا جائے گا - جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ - ۱۳) اور جو راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑے گا اسکو ادھر ہی دھکیل دیا جائے گا - جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا - ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ - (النساء: ۱۱۵) - سو اس ارشاد سے ہدایت و ضلالت کے بارے میں سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کو بیان فرما دیا گیا ہے کہ راہِ حق و ہدایت کو واضح کرنے والی آیاتِ بینات اتار دی گئی ہیں - انسان کو عقل کی روشنی سے نواز کر کائنات کی اس کھلی کتاب کو اس کے سامنے رکھ دیا گیا ہے - اب جو ہدایت کے لیے اپنے اندر طلبِ صادق رکھتے ہوں گے اور اپنی عقل و فکر سے صحیح طریقے سے کام لیں گے ان کو نورِ حق و ہدایت سے سرفراز فرمایا جائے گا اور جو اس سے اِعراض و روگردانی برتیں گے وہ محروم رہیں گے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس سے یہ حقیقت ایک مرتبہ پھر واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے بناؤ بگاڑ اور اس کی صحت و فساد کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے اور معاملے کا دار و مدار انسان کے اپنے ارادے اور اس کی نیت سے ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید بکل حال من الاحوال -

۱۰۶ منافقانہ ایمان نہ ہونے کے برابر - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ '' ایسے لوگ حقیقت میں ایماندار ہیں ہی نہیں'' - کہ ان کا یہ طرزِ عمل ایمان اور اس کے تقاضوں کے منافی ہے - اور ایمان صرف زبانی جمع خرچ کا نام نہیں بلکہ وہ عبارت ہے دل کی تصدیق و یقینِ جازم اور زبان سے اس کے اظہار و اقرار کا - اور اسکے مطابق سچے عمل و کردار سے - اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - تو پھر یہ ایمان دار کیونکر قرار دیے جا سکتے ہیں؟ - والعیاذ باللہ - سو ایمان کا حق صرف زبانی کلامی دعوے کر لینے اور کلمہ پڑھ لینے سے ادا نہیں ہوتا - اور محض اتنی بات سے کوئی شخص مومن قرار نہیں پا سکتا - بلکہ ایمان کیلئے شرطِ لازم اللہ اور اسکے رسول کی صدقِ دل سے اور بے چون و چرا اطاعت ہے - پس جو کوئی اس شرط کو پورا نہیں کرتا بلکہ وہ محض زبانی کلامی ایمان کا دعوٰی کر لیتا ہے اور بس تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا اور پکا منافق ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے،

فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ

سے) ۱۶۷ منہ موڑے ہوتا ہے، اور اگر (کہیں) حق ان کو پہنچتا ہو تو یہ آپ کے پاس گردن جھکائے (دوڑے) چلے آتے ۱۶۸، ہیں کیا ان لوگوں کے دلوں میں روگ

يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ

ہے (کفر و نفاق کا)؟ یا یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو اس بات کا خوف (و اندیشہ) لاحق ہے کہ (کہیں) ظلم (اور بے

ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ

انصافی) کر دے گا، ان پر اللہ (پاک) اور اس کا رسول؟ (نہیں ان میں سے کچھ بھی نہیں) بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی

۱۶۷ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے سے منہ موڑنا کفر و نفاق ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ "اللہ اور اسکے رسول کے حکم و فیصلے سے کنی کترانے والے منافق ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے لوگ اللہ اور اسکے رسول کی بارگاہِ رسالت میں حاضری و دادخواہی سے کنی کتراتے ہیں۔ جس سے ایسے لوگوں کے دعوائے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ روایات کے مطابق یہ آیتِ کریمہ ایک یہودی اور منافق کے باہمی جھگڑے کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس میں یہودی حق پر تھا۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ ہم یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس لے جائیں۔ کیونکہ اس جھگڑے میں وہ حق پر تھا۔ اور آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پر ایمان نہ لانے کے باوجود اس یہودی کو یہ یقین تھا کہ وہاں فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ کیونکہ میں حق پر ہوں۔ اور حضور کے یہاں فیصلہ یقینی طور پر حق و صداقت اور عدل و انصاف کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ جبکہ اس نام نہاد مسلمان۔ منافق۔ کا کہنا تھا کہ ہم اپنا معاملہ یہود کے سردار کعب بن اشرف کے پاس لے جائیں کہ اس کو یہ امید تھی کہ وہاں جا کر میں اپنی چالاکی اور چرب لسانی اور دوسرے ذرائع و وسائل سے فیصلہ اپنے حق میں کروالوں گا۔ جبکہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی بارگہِ عدل و انصاف میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (روح، ابن کثیر، جامع البیان، خازن، اور فتح القدیر وغیرہ وغیرہ)۔ لیکن الفاظ کا عموم قیامت تک پیش آنے والے ایسے ہر معاملہ کو شامل ہے اور یہ قرآنِ حکیم کی ایک امتیازی اور اعجازی شان ہے کہ اسکے الفاظ اور کلماتِ کریمہ قیامت تک پیش آنے والے اس نوعیت کے تمام واقعات کو عام اور شامل ہوتے ہیں۔ سو اللہ اور اسکے رسول کے حکم سے منہ موڑنا اور کنی کترانا مومن کا کام نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ منافق کی نشانی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ نفاق کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۶۸ دولتِ ایمان سے محروم لوگوں کے لئے متاعِ دنیا ہی سب کچھ: ۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ایسے لوگوں کے نزدیک اصل چیز دنیاوی مفاد ہی ہے اور بس۔ یہ اپنے دنیاوی مفاد اور اغراض نفس کی خاطر ہی جیتے اور اسی کے لیے مرتے ہیں کہ یہی کچھ ان لوگوں کا اصل مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔ اس کے سوا حق و ہدایت کی طلب و تلاش ان کے یہاں سرے سے ہوتی ہی نہیں یا دوسرے درجے میں ہوتی ہے بلکہ ایسے لوگ دنیائے فانی کیلئے ہی جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین

ع ٦ ١٢ الثلثة

بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ

ظالم (اور بے انصاف لوگ) ف۱۰۹ (اس کے برعکس سچے) مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ

طرف' تاکہ فیصلہ فرمائے ان کے درمیان اللہ کا رسول' تو وہ (برضا و رغبت) یوں کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا' (اپنے اللہ اور اس کے

يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

رسول کے حکم کو) اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ف۱۱۰ اور (عام ضابطہ و قانون ہمارے یہاں یہ ہے کہ) جو بھی کوئی (صدق دل سے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ

اطاعت و) فرمانبرداری کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی' اور وہ ڈرتا رہے گا اللہ (کی گرفت و پکڑ) سے' اور بچتا رہے گا اس (کی

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

نافرمانی) سے' تو ایسے ہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے' ف۱۱۱ اور (منافقوں کے بارے میں مزید سنو کہ) یہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں اللہ

لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

کے (پاک) نام کی بڑے زور و شور سے ف۱۱۲ کہ اگر آپ ان کو (گھر بار چھوڑ دینے کا بھی) حکم دیں تو یہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے ف۱۱۳ (سو ان سے) کہو کہ

۱۰۹ <u>ایسے لوگ ظالم ہیں - والعیاذ باللہ</u> - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ایسے لوگ ظالم ہیں"۔ سو حق سے منہ موڑنا ظلم اور بے انصافی ہے۔ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے حق میں کہ انہوں نے اسکے بندے ہونے کے باوجود اس کے احکام صدق ترجمان سے منہ موڑا۔ حالانکہ حقِ عبدیت و بندگی کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ بندہ صدقِ دل سے اپنے خالق و مالک کے آگے جھک جائے۔ نیز یہ ظلم ہے اس کے رسولِ صدق و صفا کے حق میں کہ انہوں نے اس کی اِطاعت و اِتباع سے منہ موڑا جو کہ اس رسولِ صادق و امین کا حق ہے اسکی امت کے ہر فرد پر کہ وہ سچے دل سے اسکی اطاعت و اِتباع کرے۔ نیز یہ ظلم ہے خود انسان کے اپنے حق میں کہ اس طرح اس نے اپنے آپ کو عذابِ الیم و شدید کا مستحق بنا دیا - والعیاذ باللہ العظیم - نیز یہ ظلم ہے اس پوری کائنات کے حق میں کہ اپنے خالق و مالک کی اس کائنات میں رہنے بسنے کے باوجود یہ اسکے اوامر و ارشادات سے منہ موڑتا ہے اور اسکی طرح طرح کی اور بے حد و حساب نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوصف اس نے بغاوت و سرکشی کی راہ کو اپنایا۔ اور اس طرح وہ اس کے دمار و خراب اور تباہی و فساد کا سبب بنا - کیونکہ کفر و انکار اور ظلم و عصیان کا نتیجہ و انجام بہر حال برا، اور بڑا ہولناک ہوتا ہے وَالعیاذ باللّٰہِ العظیم مِنْ کُلِّ شَآئِبَۃٍ مِّنْ شَوَآئِبِ الظُّلْمِ وَالْاِنْکَارِ

۱۱۰ سچے مسلمانوں کی صفت وشان: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سچے مسلمانوں کی شان سمع و اطاعت کی شان ہوتی ہے۔ اس سے واضح فرما دیا گیا کہ منافقوں کے برعکس سچے مسلمانوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ جب انکو کسی معاملے کے فیصلے کیلئے اللہ اور اسکے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ صدقِ دل سے کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا۔ سو ایسے ہی سچے مسلمان فوز و فلاح پانے والے ہیں جو اپنے پختہ ایمان ویقین اور سچے عمل و کردار کی بنا پر دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں- اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُم بمحض منک و کرمک یا ارحم الراحمین - اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۱۱ سچے مسلمانوں کا اِنعام فوز وفلاح سے سرفرازی: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے کہ یہ دوزخ سے بچ گئے اور جنت کی سدا بہار نعمتوں سے بہرہ ور و سرفراز ہو گئے ۔ اور رضائے خداوندی کے شرف سے مشرف ہو گئے۔ اور یہی ہے حقیقی اور سب سے بڑی کامیابی۔ روایات میں ہے کہ اس آیتِ کریمہ کو سن کر روم کے بعض پادری اسلام میں داخل ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اس میں تورات اور انجیل کی سب تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کر دیا گیا۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو ایسی سچی اور حقیقی کامیابی ہی کو مسلمان اصل مقصد اور اپنا نصب العین بنانا چاہیئے- ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾- اللہ نصیب فرمائے- اور ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے اور نفس وشیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے امین

۱۱۲ منافقوں کی ایک عمومی نشانی جھوٹی قسمیں کھانا - والعیاذ باللہ: -سو اس سے منافقوں کی نفسیات کا ایک عمومی مظہر و نمونہ سامنے آتا ہے۔ یعنی زور وشور سے قسمیں کھانا- والعیاذ باللہ- سو یہ منافق لوگوں کی نفسیات کا ایک عمومی مظہر ہے کہ وہ قسمیں زیادہ کھاتے ہیں کہ وہ اپنے اندرونی نفاق کی وجہ سے خود اپنے آپ کو بے اعتبار اسمجھتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- سو ایسے لوگ پیغمبر کے سامنے بڑی زوردار اور کڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ آپؐ اگر ہمیں جہاد کیلئے نکلنے کو اور اپنا گھر بار چھوڑنے کو کہیں گے تو ہم ضرور بالضرور نکل کھڑے ہونگے۔ مگر جب جہاد میں نکلنے کا موقعہ آتا تو یہ لوگ اپنی ایسی کڑی اور سخت قسموں کے باوجود جھوٹے نکلتے۔ سو ایمان ویقین سے محرومی اور منافقت- والعیاذ باللہ- ہر خیر سے محرومی ہے۔ ایسے لوگ خود اپنی نظروں میں بھی جھوٹے ہوتے ہیں- والعیاذ باللہ- اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۱۳ منافقوں کے منافقانہ دعووں کا ایک نمونہ ومظہر: -سو ان لوگوں کا دعوٰی تھا کہ اگر آپ ہمیں گھر بار چھوڑنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور نکل کھڑے ہونگے۔ روایات میں ہے کہ جب منافقین کے اس کردار اور اعراض کا حال بیان ہوا تو انہوں نے آکر آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کے سامنے قسمیں کھانی شروع کر دیں کہ صاحب! ہم ایسے نہیں بلکہ ہم تو ایسے اور ایسے ہیں کہ اگر آپؐ ہمیں حکم دیں تو ہم اپنے گھروں اپنے مال ودولت اور اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر نکل پڑیں گے۔ اور اگر جہاد کا حکم ہوگا تو ہم سب سے بڑھ کر اس میں حصہ لیں گے۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی، ابن کثیر، فتح القدیر وغیرہ)۔ تو اسکے جواب میں ان سے فرمایا گیا کہ زیادہ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں بلکہ اصل مقصود سچی اطاعت وفرمانبرداری ہے۔ وہ اگر نہیں تو محض زبانی کلامی دعوے کرنے اور جھوٹی قسمیں کھانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ خالی خولی اور جھوٹی قسمیں کھا کر آخر تم لوگ کب تک اپنے عمل وکردار پر پردہ ڈالے رہ سکو گے؟ اور اس طرح تم لوگ اپنی منافقت کو کب تک چھپائے رکھ سکو گے؟- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ کفر ونفاق کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ

قسمیں نہ کھاؤ، فرمانبرداری کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ف۱۱۴ بلاشبہ اللہ کو ان سب کاموں کی پوری خبر ہے جو تم لوگ کر رہے ہو ف۱۱۵ (ان سے) کہو کہ

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

کہا مانو تم لوگ اللہ کا اور اس کے رسول کا، پھر اگر تم لوگ پھر گئے تو

عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ

(خوب سمجھ لو کہ) رسول کے ذمے بس وہی ہے جو ان پر ڈالا گیا ف۱۱۶ اور تمہارے ذمے وہ ہے جو تم پر ڈالا گیا ف۱۱۷ اور اگر تم لوگ رسول کی اطاعت کرو

تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

گے تو تم خود ہی ہدایت پاؤ گے، ورنہ رسول کے ذمے صاف صاف پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ف۱۱۸

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ، جو (صدق دل سے) ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کئے،

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ

کہ وہ ان کو ضرور بالضرور نوازے گا اس زمین میں خلافت (وحکمرانی کے شرف) سے جیسا کہ وہ نواز چکا ہے خلافت (وحکمرانی کے اس شرف) سے

قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ

ان لوگوں کو جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے، اور وہ ضرور بالضرور مستحکم (ومضبوط) فرما دے گا ان کے لئے ان کے اس دین کو جس کو اس نے

۱۱۴ **اصل مقصود اطاعت وفرمانبرداری ہے:** - اور سچی اطاعت وفرمانبرداری کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ سو اخلاص والی جو اطاعت وفرمانبرداری مطلوب ہے وہ بھی سب کو معلوم ہے اور منافقت والی جس اطاعت کا دعویٰ واظہار تم لوگ کر رہے ہو وہ بھی سب پر عیاں ہے۔ اس لئے جھوٹی قسمیں کھا کر یقین دلانے کی ضرورت نہیں بلکہ تم لوگ اپنے عقیدہ وباطن کی اصلاح کرو جو کہ اصل مطلوب ہے۔ ورنہ قسمیں عمل کا متبادل نہیں ہوسکتیں۔ اور سچی اطاعت وفرمانبرداری میں خود تمہارا ہی بھلا ہے کہ یہ چیز انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی ہے ورنہ ڈانواں ڈول اطاعت اور دورخی پالیسی پر عمل کرنے والے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بیک وقت دو کشتیوں پر سوار ہونا چاہتا ہے۔ اور ایسے شخص کا انجام بہرحال ہلاکت و غرقابی ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ فکر وعمل کے ہر انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۱۵ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی عمل چھپ نہیں سکتا: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ پوری طرح باخبر ہے تمہارے ان کاموں سے جو تم لوگ کر رہے ہو۔ کہ تمہارے خبایا ونوایا میں سے کوئی بھی چیز اس سے اوجھل نہیں ہے۔ پس تم جھوٹی قسمیں کھانے کی بجائے اس سے اپنا معاملہ ٹھیک کرو کہ یہی اصل مقصود ہے کہ وہاں محض ظاہرداری کسی بھی طرح نہیں چل سکے گی۔ سو جھوٹی قسمیں کھا کر تم لوگ دنیا والوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہو مگر اس علام الغیوب سے اپنے عمل و کردار کو کس طرح چھپا سکو گے جو تمہارے ظاہر و باطن کو ایک برابر جانتا ہے۔ اور اپنے کیے کرائے کا حساب تم نے اسی کے یہاں دینا ہے۔ اور یہ ایک ایسی اہم اور بنیادی حقیقت ہے کہ اگر یہ صحیح طور پر انسان کے قلب و باطن میں راسخ و جاگزیں ہو تو اس کی زندگی میں خود بخود انقلاب آسکتا ہے اور وہ بہتر سے بہتر کی طرف بڑھتا اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق و ہدایت پر ثابت و مستقیم رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا اکرم الاکرمین

۱۱۶ رسول کے ذمے صرف تبلیغ حق اور بس: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "رسول کے ذمے بس وہی کچھ ہے جسکی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی"۔ یعنی حق کی تبلیغ جو کہ انہوں نے فرما دی۔ اور اپنی ذمہ داری سے وہ پوری طرح سبکدوش ہو گئے۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔ سو تم لوگ اگر سچے دل سے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہوگا۔ اور اگر تم نے اِعراض و روگردانی سے کام لیا تو خود اپنا ہی نقصان کرو گے۔ رسول کا بہرحال اس میں کوئی نقصان نہیں کہ انکے ذمے تبلیغِ حق کا جو کام تھا وہ انہوں نے پورا کر لیا۔ اب اگر تم لوگوں نے رسول کی اطاعت نہ کی تو خدا تعالیٰ کے یہاں جوابدہی تم ہی لوگوں کو کرنی ہے کہ تم نے رسول کی بات کیوں نہ مانی اور ان کی اطاعت کیوں نہ کی۔ تبلیغ کے بعد راہِ حق پر ڈال دینا نہ رسول کے ذمے ہے اور نہ ہی انکے بس میں۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

۱۱۷ بندوں کی ذمہ داری خود ان پر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تمہارے ذمے ہے وہ کچھ جسکی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی"۔ یعنی حق کو سننے اور ماننے کی ذمہ داری۔ اگر تم نے اس کو پورا کیا تو خود تمہارا ہی بھلا ہے کہ یہی چیز درحقیقت مفتاح اور کنجی ہے دونوں جہانوں کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی اور حقیقی کامیابی کی۔ اور اگر تم نے اس سے اِعراض برتا اور روگردانی کی تو اس کا نقصان بھی خود تم ہی لوگوں کو ہوگا۔ سو ماننے یا نہ ماننے کا نفع و ضرر جو بھی کچھ ہے وہ تمہاری ہی طرف لوٹتا اور تم ہی لوگوں کو پہنچتا ہے۔ اب تم لوگ اپنے بارے میں خود ہی دیکھ اور سوچ لو کہ تم ان دونوں میں سے کونسا طریقہ اپناتے ہو۔ نفع کا یا نقصان کا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۱۸ رسول کے ذمے پہنچا دینا ہے اور بس: - سو ارشاد فرمایا گیا اور نفی اور اثبات کے حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ رسول کے ذمے تو صاف طور پر پہنچا دینا ہے پیغامِ حق و ہدایت کو اور بس۔ کہ تبلیغِ حق ہی انکی اصل ذمہ داری ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر لوگوں سے حق بات کو منوا لینا نہ ان کے بس میں ہے اور نہ ہی ان کی ذمہ داری ہے۔ پس پیغمبر کی اطاعت میں تمہارا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہے کہ اس سے تمہیں ہدایت جیسی نعمت سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ اور اس سے منہ موڑنے میں خود تمہارا اپنا ہی نقصان ہے کہ اس طرح تم لوگ حق و ہدایت کے نورِ مبین کی دولتِ بے مثال ولازوال سے محروم ہو گے جو کہ سب سے بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اگر تم لوگ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو دولتِ حق و ہدایت سے بہرہ ور و سرفراز ہو جاؤ گے۔ ورنہ اپنے اعراض و روگردانی کا خمیازہ خود تم لوگوں کو بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا

پسند فرمایا ہے، ۱۱۹ ان (کی صلاح وفلاح) کے لئے اور وہ ضرور بالضرور بدل دے گا ان کے خوف (وہراس) کو امن (وامان کی نعمت) سے، ۱۲۰

يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ

(بشرطیکہ) وہ میری عبادت (وبندگی) کریں (صدق واخلاص سے) اور میرے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی شرک نہ کریں، اور جس نے

۱۱۹ **اہلِ حق سے دینِ حق کی تمکین وسربلندی کا وعدہ:** - یعنی دینِ اسلام کو جو کہ اللہ کا پیارا وپسندیدہ دین ہے اور جو کہ عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اور انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا کفیل وضامن دین ہے۔ اور اس کے سوا اور کسی دین کا اس وحدہٗ لاشریک کے یہاں کوئی وزن اور اعتبار ہی نہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾ - (آلِ عمران: ۱۹)۔ اس لئے اسلام کے سوا اور کوئی بھی دین اسکے یہاں قبول نہیں ہوسکتا۔ اور ایسا ہر شخص قطعی طور پر خسارے میں ہوگا۔ جیسا کہ اسی سورۂ کریمہ کے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ ﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ - (آلِ عمران: ۸۵)۔ اور یہی دینِ حنیف اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ دین ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح فرمائی گئی۔ ﴿ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدہ: ۳)۔ سو اس دینِ حنیف کے بارے میں تمکین کا وعدہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسی پسندیدہ دین کو غلبہ عطا فرمائے گا اور اسی کو اس سرزمین میں تمکن واستحکام بخشے گا۔ اور اسی کا حکم وقانون اس ملک پر لاگو ہوگا۔ اور اسی کی اساس پر نظامِ اجتماعی قائم ہوگا۔ اور اسکے سوا کسی اور دین کو اس ملک میں غلبہ واقتدار حاصل نہیں ہوسکے گا۔ وہ اسکے حاملین کی خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا جیسا کہ خلفائے راشدین کے عہدِ سعید میں بالفعل اور فی الواقع ہوا۔ اور اس کے سچے پیروکاروں کی اس کے دشمنوں کے دلوں میں ہیبت قائم ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ والحمدللہ رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سامنے رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۰ **اہلِ حق کے لیے غلبہ وتمکین کی بشارت:** - سو اس میں دینِ حق کے سچے پیروکاروں کیلئے غلبہ وتمکین کی عظیم الشان بشارت وخوشخبری ہے کہ وہ انکی حالتِ خوف کو امن وامان سے بدل دے گا اور اس طرح یہ وعدہ اگرچہ قیامت تک کے سب مسلمانوں کے لئے عام ہے کہ الفاظ وکلماتِ قرآنی کے عموم وشمول کا مقتضیٰ یہی ہے۔ مگر اس کا اولین مصداق اور کامل مظہر دورِ نبوت کے اواخر اور خلافتِ راشدہ کے اس دورِ سعید ومبارک میں دنیا نے دیکھا جو اپنی مثال آپ تھا۔ اور اس میں ان تمام وعدوں کی تکمیل دنیا جہان نے بچشمِ سر دیکھی۔ چنانچہ حضرتِ ربیع بن انسؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے مکی دور کے دس سال بڑی عسرت وتنگ دستی اور خوف وخطر کے عالم میں گزارے۔ وہ لوگوں کو اللہ پاک کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف بلاتے تو ڈرتے ڈرتے اور خوف وہراس کے عالم میں اور چھپ چھپا کر بلاتے۔ جنگ وجہاد، کفار اشرار سے مقابلہ کرنے کی ان کو

اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد جہاد کی اجازت ملی تو مسلمانوں کو خوف و ہراس کے عالم میں دن رات ہتھیار بند رہنا پڑتا۔ سو جتنا عرصہ اللہ پاک کو منظور ہوا انہوں نے ایسی ہی مشکلات میں گزارا۔ پھر حضراتِ صحابۂ کرامؓ میں سے ایک شخص نے آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کی خدمت میں عرض کیا۔"أَ أَبَدَ الدَّهْرِ نَحْنُ نَكُوْنُ خَائِفِيْنَ هٰكَذَا ؟"۔"کیا ہم ہمیشہ کے لئے اسی طرح خوف و ہراس کے عالم میں رہیں گے؟"۔اَمَا يَأْتِيْ عَلَيْنَا يَوْمٌ نَأْمَنُ فِيْهِ وَنَضَعُ عَنَّا سِلَاحَنَا؟ "۔"کیا ہم پر کوئی ایسا دن نہیں آئے گا کہ ہم اپنے ہتھیاروں کا یہ بوجھ اتار کر امن وامان کی فضا میں رہ سکیں؟"۔اس کے جواب میں نبیٔ اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔نے ان سے فرمایا تم تھوڑا سا عرصہ مزید صبر کرو۔عنقریب ہی وہ وقت آ کر رہے گا کہ جب تم میں سے ایک شخص کھلی فضا میں ایسے امن وسکون سے بیٹھا ہوگا کہ اس پر ہتھیار نام کی کوئی چیز بھی نہ ہوگی تو اس پر یہ آیتِ کریمہ۔﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾۔ نازل ہوئی۔سو اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد یہ پیشینگوئی پوری ہو کر رہی۔ چنانچہ آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کی حیاتِ طیبہ ہی میں مکہ مکرمہ اور پھر خیبر اور بحرین وغیرہ کی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ یہاں تک کہ پورا جزیرۃ العرب اور یمن آپؐ کے زیرِ نگیں ہوگیا۔ مجوسِ ہجر و شام کے کچھ علاقوں کا جزیہ آپ نے خود وصول فرمایا اور مختلف بادشاہوں نے آپکو ہدایا پیش کئے۔ پھر آپؐ کے وصال کے بعد حضرتِ ابوبکرؓ کے دور میں اس میں مزید توسیع ہوئی۔ پھر آپؓ کے بعد خلافتِ عمر فاروقؓ کے دور میں وہ وہ فتوحات ہوئیں کہ چشمِ فلک نے ان کی نظیر نہ اس سے پہلے کبھی دیکھی اور نہ اس کے بعد۔ یہاں تک کہ عثمانی دورِ حکومت میں خلافتِ عثمانیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور حضرتِ عثمان غنی۔رضی اللہ عنہ۔کے پاس مشرق و مغرب سے خراج کے خزانے پہنچنا شروع ہو گئے جو کہ دراصل آپؐ کی خدمتِ قرآن کی برکت اور اس کا صلہ وثمرہ تھا۔(ابنِ کثیر، ابنِ جریر، روح، قرطبی، خازن، مراغی، معارف اور صفوہ وغیرہ)۔سو اس ارشادِ ربانی کا اولین اور اہم مصداق اگرچہ خلافتِ راشدہ کا یہی دورِ سعید ہے مگر اپنے الفاظ وکلمات کے عموم وشمول کے اعتبار سے یہ وعدۂ خداوندی قیامت تک کے سب مسلمانوں کو شامل اور عام ہے کہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی سچے مسلمان صدق وصفا کے ساتھ دینِ حق کی ان تعلیماتِ مقدسہ کو اپنا کر اور ان کو مشعلِ راہ بنا کر چلیں گے، اللہ پاک۔سبحانہ، وتعالیٰ۔ان کو ان عنایات سے نواز دے گا کہ ان کے یہاں دینِ حق کو مضبوط و مستحکم فرما دے گا۔ وہ اسکے گہرے اور مقدس سائے کے نیچے فراغت واطمینان کے ساتھ رہیں گے۔ اور ان کو امن وامان کی نعمت نصیب ہوگی۔ اور آج ہم اس کا ایک تازہ اور نقد نمونہ پڑوسی ملک افغانستان میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جہاں طالبان کی اسلامی حکومت نے ان تعلیمات کو صدقِ دل سے اپنایا اور قرآنِ حکیم کو اپنا راہنما بنایا تو مشرق و مغرب کی تمام دنیائے کفر کی مخالفت، شرانگیزی اور اسلام دشمنی کے باوجود وہاں ایسا مثالی امن وامان قائم ہے کہ ایک دنیا کی دنیا انگشت بدنداں ہے۔ اللہ ان کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین و یاارحم الراحمین وبمحض منک و کرمک یا اکرم الاکرمین ویا ذا الجلال والاکرام۔

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ

کفر (وناشکری) کا ارتکاب کیا اس (نعمت سے سرفرازی) کے بعد، تو ایسے ہی لوگ ہیں فاسق (وبدکار) ۱۲۱ اور تم قائم رکھو نماز کو اور ادا

وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ

کرتے رہا کرو (فریضہ) زکوٰۃ کو اور (صدق دل سے) اطاعت (وفرمانبرداری) کرو اللہ کے رسول کی، تاکہ تم کو نوازا جائے اسکے رحم (وکرم)

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ

سے اور کبھی تم ان لوگوں کے بارہ میں یہ گمان بھی نہ کرنا جو کہ اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (وباطل) پر، کہ وہ عاجز کر دیں گے (اللہ کو

وَ لَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۵۷﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ

ع ۷ ۱۳

اس کی) اس زمین میں ۱۲۲ اور ان سب کا (آخری) ٹھکانا تو بہر حال دوزخ ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ ۱۲۳ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو،

الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ

تمہارے مملوکوں اور ان لڑکوں کو جو ابھی بلوغ کی حد کو نہیں پہنچے (تمہارے پاس آنے کے لئے) تین وقتوں میں

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ

اجازت لینی چاہیے، یعنی صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کے وقت، جب تم لوگ اپنے

ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ

کپڑے اتار دیتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد، (کیونکہ) یہ تینوں وقت

عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ

تمہارے پردے کے وقت ہوتے ہیں ۱۲۴ ان کے علاوہ (انکے بلا اجازت آجانے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر،

۱۲۱ **کفر و ناشکری باعث محرومی - والعیاذ باللہ:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو اسکے بعد بھی کفر و ناشکری کا ارتکاب کریں گے وہ پرلے درجے کے بدکار ہیں"۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے نکلنے والے ہیں - والعیاذ باللہ - اس کا سب سے پہلا مصداق تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان - رضی اللہ عنہ - کو شہید کیا۔ اور اس طرح انہوں نے اللہ پاک کی عظیم الشان نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی۔ اور ایک طویل فتنہ وفساد کی داغ بیل ڈالی - والعیاذ باللہ - اور اسکے بعد آئندہ بھی جو کوئی ایسوں کے نقش قدم پر چلے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔ یہاں کفر سے مراد یہی ناشکری اور کفران نعمت

ہے۔ (مدارک، صفوہ اور معارف وغیرہ وغیرہ) - والعیاذ باللہ - اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت وحکومت جس میں تمکینِ دین یعنی غلبہ اسلام کی نعمتِ عظمٰی بھی حاصل ہو اور اہلِ ایمان کو کامل امن وامان بھی نصیب ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ اور وہی خلافتِ راشدہ کہلاتی ہے۔ اور اس کا حاکم وسربراہ خلیفۂ راشد ہوتا ہے۔ سو ایسی نعمتِ کبرٰی کی بے قدری و ناشکری کرنا بڑا کفرانِ نعمت اور کھلا فسق وفجور ہے جسکے مرتکبوں کو اسکا خمیازہ بہر حال بھگتنا ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے - اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۲ <u>کافر اور منکر لوگ اللہ کی گرفت وپکڑ سے کبھی باہر نہیں ہو سکتے</u>: - سو ارشاد فرمایا گیا ''اور کافروں کے بارے میں تم کبھی یہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ ہمیں عاجز کریں گے ہماری اس زمین میں''۔ کہ وہ ہماری گرفت اور پکڑ سے بھاگ نکلیں گے۔ ہر گز نہیں۔ ہم جب چاہیں اور جہاں اور جیسے چاہیں ان کو پکڑ سکتے ہیں۔ ہماری گرفت اور ہماری قدرت کی حدود سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا۔ ہم نے جو ان کو ڈھیل دے رکھی ہے تو وہ ہماری حکمت کا تقاضا ہے تاکہ اسطرح ایسے لوگ اپنے پیمانہ جرم کو لبریز کریں اور اسکے نتیجے میں یہ بالآخر اپنے آخری اور ہولناک انجام کیلئے تیار ہو جائیں اور اپنے کیے کرائے کا پورا بدلہ پا کر رہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا - ﴿وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ﴾ - ''اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں بے شک میری چال بہت مضبوط ہے'' (الاعراف: ۱۸۳، والقلم: ۴۵)۔ نیز ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ - (آلِ عمران: ۱۷۸)۔ یعنی ''کافر لوگ کبھی یہ گمان نہ کریں کہ ان کو ہم جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ ہم تو ان کو یہ ڈھیل اس لیے دے رہے ہیں کہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے جائیں اور ان کے لیے ایک بڑا رسوا کن عذاب ہے''۔ مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ یہ ہماری سنت کا مقتضٰی ہے کہ ایسے لوگ ہماری طرف سے دی گئی مہلت کو غلط استعمال کر کے اپنے گناہوں کے انبار میں اضافہ کرتے جاتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے - اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے محفوظ رکھے۔ آمین

۱۲۳ <u>کافروں کا انجام بہت ہی بُرا - والعیاذُ باللہ</u> - : سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ''۔ اتنا برا کہ اس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا - والعیاذ باللہ العظیم - سو ایسے فاسق وبدکار لوگ اس دنیا میں بھی ہماری گرفت وپکڑ سے باہر نہیں۔ اور اگر ان کو یہاں پر ہماری حکمت کے تقاضوں کے مطابق ڈھیل اور چھوٹ ملی ہوئی ہے تو اس سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ ان کیلئے آخرت کے اس ابدی جہاں میں دوزخ کا عذاب بہر حال طے اور مقرر ہے جس سے ان کے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ اور وہ بڑا ہی برا اور انتہائی ہولناک ٹھکانا ہے جہاں اس طرح کے لوگوں نے بہر حال لوٹ کر پہنچنا ہے اور اپنے کفر وانکار کی پاداش میں ہمیشہ کے لیے وہاں رہنا ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۲۴ <u>مملوکوں اور نابالغوں کے لیے خاص ہدایت</u>: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے غلاموں اور نابالغ بچوں کیلئے تین اوقات میں اجازت لینا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تینوں وہ خاص اوقات ہیں جن میں انسان تخلیہ اور تنہائی سے کام لیتا ہے۔ اوپر آیت نمبر ۳۱ میں ارشاد فرمایا گیا کہ گھروں میں داخلے کیلئے اجازت لینے کی جو شرط عائد کی گئی ہے اس سے نابالغ بچے اور تمہارے اپنے غلام مستثنٰی ہیں۔ اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ان تین وقتوں میں یہ بھی بغیر اجازت لیے گھر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ اوقات خاص تخلیے کے اوقات ہوتے ہیں - سبحان اللہ - دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ میں دوسروں کے آرام وراحت اور انکی سہولت وآسانی کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے اور کس قدر باریکیوں پر مبنی تعلیمات سے نوازا گیا ہے؟ - فالحمد للہ رب العالمین - سو اساس وبنیاد جملہ مکارم کی یہ ہے کہ آپ سے دوسروں کو آرام پہنچے، نقصان نہ پہنچے۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید۔

طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ

(کیونکہ) تمہیں آپس میں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا جانا ہوتا ہے (تو ہر وقت اجازت لینے میں حرج ہوتا ہے) اسی طرح

یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۸﴾

اللہ کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنے احکام اور اللہ سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمت والا ہے ۱۲۵

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا

اور جب تمہارے لڑکے بلوغ کی حد کو پہنچ جائیں ۱۲۶ تو ان کو بھی اسی طرح

كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ

اجازت لینی چاہیئے جس طرح کہ ان کے بڑے اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ

۱۲۵ اللہ تعالیٰ کے کمال علم وحکمت کا ذکر اور اس کا تقاضا: سو ارشاد فرمایا گیا "اور اللہ بڑا ہی علم والا نہایت ہی حکمت والا ہے"۔ اس لیے اس کا ہر حکم وارشاد کمال علم وحکمت پر مبنی ہے۔ پس اس کے احکام وارشادات میں تمہارے لئے سراسر خیر اور بھلائی ہے۔ اور اس کے احکام وفرامین کا کوئی بدل ممکن نہیں کہ وہ کامل علم اور حکمت ورحمت پر مبنی ہیں۔ پس اس علیم وحکیم خدائے ذوالجلال کے اوامر وارشادات کو صدقِ دل سے اپنانے اور ان کو حرزِ جان بنانے اور ان پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہونے ہی میں انسان کی بھلائی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ سو جب وہ ذاتِ اقدس واعلیٰ کمالِ علم وحکمت سے موصوف ومتصف ہے اور یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی نہ ہے نہ ہو سکتی ہے تو اس کے کسی بھی حکم وارشاد کا کوئی متبادل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ سو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کے ہر حکم وارشاد کو صدقِ دل سے اپنایا اور روبعمل لایا جائے کہ اسی میں انسان کا بھلا ہے دنیا کی اس عارضی اور محدود زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ جبکہ اس سے اعراض وروگردانی میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۶ بلوغ کے بعد بچوں کے لیے بھی بڑوں کا حکم: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اور جب تمہارے وہ نابالغ لڑکے حدِ بلوغ کو پہنچ جائیں"۔ یعنی جب وہ بالغ ہو جائیں یا بلوغ کے قریب پہنچ جائیں تو اس وقت ان کیلئے بھی وہی عام احکام ہیں جو کہ دوسرے بالغ مردوں کیلئے ہیں۔ اور محض اس بنا پر کہ یہ بچپن میں آیا جایا کرتے تھے ان کیلئے کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ اور یہ اجازت لینے کی قید سے مستثنیٰ صرف اسی وقت تک تھے جب تک کہ یہ چھوٹے اور نابالغ تھے اور بس۔ بالغ ہو جانے کے بعد ان پر بھی وہ تمام پابندیاں عائد ہو جائیں گی جو دوسروں کے لیے مذکور ہوئی ہیں۔ ان میں ان کے لیے کسی طرح کا کوئی استثناء نہیں ہوگا۔ کہ بڑے ہو جانے کے بعد ان کا حکم بھی بڑوں ہی کا ہے۔ اور ان کے بچپنے کی بناء پر ان کو جو خاص رعایات حاصل تھیں بلوغ کے بعد ختم ہو گئیں جو کہ ایک طبعی امر ہے کہ بالغوں کیلئے بالغوں ہی کے احکام ہوں۔

اللّٰهُ لَكُمُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ

کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے اپنے احکام ف۱۲۷ اور اللہ سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمت والا ہے، اور وہ خانہ نشیں

مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ

بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو، ان پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں

جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ

کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار کر رکھ دیں، ف۱۲۸ بشرطیکہ وہ کسی زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں،

وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

اور (اس رخصت کے باوجود) اگر وہ بھی بچ کر رہیں، تو یہ ان کے حق میں بہر حال بہتر ہے ف۱۲۹ اور اللہ ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ

نہ اندھے پر کوئی حرج (و تنگی) ہے اور نہ لنگڑے پر،

وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَنْ

اور نہ ہی نہ بیمار پر، ف۱۳۰ اور نہ خود تم پر اس بات میں

تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ

کہ تم لوگ کھاؤ پیؤ اپنے گھروں سے، ف۱۳۱ یا اپنے باپوں کے گھروں سے، یا اپنی

اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ

ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے،

اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ

یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے

۱۲۷ دینِ حنیف کے احکام کی انفرادی اور امتیازی حیثیت: ـ سو اس سے دینِ حنیف کے احکام و اوامر کی امتیازی

حیثیت اور انفرادی نوعیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اس طرح کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لیے اپنے احکام۔ تاکہ تم لوگ ان پر عمل کر کے دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکو۔ کیونکہ یہ احکام اس خدائے رحمٰن ورحیم کی طرف سے ہیں جس کا علم بھی کامل اور اسکی حکمت بھی کامل ہے۔ اس لیے ان کا کوئی بھی متبادل ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔ سو اس سے دینِ حنیف کے احکام واوامر کی امتیازی حیثیت اور انفرادی نوعیت واضح ہو جاتی ہے کہ انکی وضع و ترتیب میں کسی انسانی فکر وعمل کا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کے تعلیم کردہ اور ارشاد فرمودہ ہیں۔ اور یہ اس کے کمالِ علم وحکمت پر مبنی ہیں۔ اور انسان کے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا مدار وانحصار انہی پر ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اپنے احکام کو۔ اور اللہ بڑا ہی علم والا اور کمال حکمت والا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۱۲۸ بوڑھی عورتوں کے لیے خاص ہدایت: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بوڑھی خانہ نشین عورتوں پر زائد کپڑے اتار دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کہ اس میں عموماً ان کے لئے کسی فتنے اور فساد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا جو کہ پردے کے احکام سے اصل مقصود ہے۔ سو وہ اگر اپنے گھروں میں اوڑھنیوں وغیرہ کا اہتمام نہ کریں جو دوسری عورتوں سے مطلوب ہے تو ان پر اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں کہ وہ اب نکاح کی عمر سے گزر چکی ہیں۔ سو اوپر آیت ۳۱ میں عورتوں کے لیے جو خاص ہدایت فرمائی گئی تھی کہ وہ اپنے گھروں کے اندر بھی کسی غیر محرم کی موجودگی میں اپنے دوپٹوں کے آنچلوں سے اپنے گریبانوں کو ڈھانک لیا کریں تو اس حکمِ عام سے یہاں پر ان بوڑھی خانہ نشین عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جو اَب نکاح کی عمر سے گزر چکی ہوں۔ اور یہ ان کے اس حصۂ عمر کا طبعی تقاضا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا

۱۲۹ بوڑھی عورتوں کے لیے بہتر صورت کی نشاندہی: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسی بوڑھی عورتیں اگر اپنی اوڑھنیوں کے بارے میں ایسا اہتمام نہ کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ اس سے بچ کر رہیں تو یہ ان کیلئے بہرحال بہتر ہے۔ کہ اس میں ان کی عزت وحشمت اور وقار بھی ہے اور تہمت کے مواقع سے حفاظت واجتناب بھی۔ کہ عربی کی مشہور مثل "لِكُلِّ سَاقِطٍ لَاقِطٌ" کے مطابق لغزش کا خطرہ بہرحال رہتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو بڑی بوڑھیوں کیلئے یہ ایک رعایت ہے جو ان کی سہولت اور آسانی کیلئے ان کو دی گئی ہے لیکن اس میں بھی فتنے کا ایک پہلو بہرحال موجود رہتا ہے۔ کیونکہ جس طرح بعض مردوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بوڑھے ہونے کے باوجود ان کی پرانی عادتیں نہیں بدلتیں اور انکی ناک لگی ہی رہتی ہے اسی طرح بعض عورتوں کا حال بھی یہ ہوتا ہے کہ بوڑھی ہو جانے کے باوجود ان کے اندر سے زیورات کی نمائش اور اپنی دولت وثروت کی شوبازی کا شوق پوری طرح سے نکلتا نہیں بلکہ بعض اوقات تو بڑھاپے میں ایسے خدشات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ عربی کہاوت میں کہا گیا ہے۔ "لكل ساقطة لاقطة"۔ سو اسی بنا پر خالقِ فطرت نے اپنے کلامِ حکمت التیام میں یہاں پر اس بارے تنبیہ فرما دی۔ تاکہ اس رخصت سے وہ کوئی غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔ والعیاذ باللہ من کل سوء وشر۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر ثابت قدم رکھے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین

۱۳۰ معذوروں کے لیے رخصت ورعایت کا ذکر وارشاد: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اندھے، لنگڑے اور بیمار پر کوئی حرج نہیں"۔ اس بات میں کہ وہ صحت مند لوگوں کے ساتھ مل کر کھائیں۔ جیسا کہ حضرتِ ابن عباس۔ رضی اللہ عنہما۔ سے مروی ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ۔ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾۔ (البقرۃ: ۱۸۸) نازل ہوئی تو صحابہ

کرامؓ نے ان معذور حضرات کے ساتھ مل کر کھانے میں حرج محسوس کیا۔ کہ اس طرح کہیں ان معذوروں کا حق نہ مارا جائے کہ اندھا بیچارا اپنی معذوری کی بناء پر دیکھ نہیں سکتا۔ لنگڑا اپنے عذر کی بنا پر حسب رغبت ہاتھ بڑھا کر اپنی مرغوب چیز لے نہیں سکتا۔ اور مریض اپنی بیماری کے باعث پورا کھا نہیں سکتا۔ ادھر ان معذور حضرات کو بھی یہ خیال گزرنے لگا کہ کہیں ہماری وجہ سے دوسرے ساتھیوں کو تکلیف نہ پہنچتی ہو کہ اندھے کا ہاتھ اپنی معذوری کی بناء پر کہیں دوسرے کے آگے اور اس کے حصے میں نہ پہنچ جاتا ہو۔ اور لنگڑا شخص اپنے عذر کی بنا پر زیادہ جگہ لینے کا محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔ اور بیمار سے کچھ لوگوں کو طبعی طور پر گھن محسوس ہوتی ہے اور اس طرح ان حضرات نے خوف وخشیتِ خداوندی کی بنا پر باہم مل کر کھانے پینے میں حرج اور کوفت محسوس کی۔ تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں اور ان میں بتایا گیا کہ ایسے تمام حضرات کے باہم مل کر کھانے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ آیتِ کریمہ کا یہ مفہوم سیاق وسباق سے ظاہر وواضح ہے۔ اور اسی کو اختیار کیا ہے طبریؒ اور رازیؒ وغیرہ نے۔ جبکہ دوسرا مطلب اس کا بعض حضراتِ اہلِ علم نے یہ بیان کیا ہے کہ ان حضرات اعذار کے جہاد وغیرہ میں شریک نہ ہونے میں ان پر کوئی گناہ نہیں کہ یہ سب لوگ معذور ہیں۔ اور یہ قول حضرت حسنؒ، عطاء اور زید بن اسلم وغیرہ کا ہے۔ اور اسی کو صاحب بحر اور کشاف نے اختیار کیا ہے۔ سو ان حضرات کے نزدیک یہ آیتِ کریمہ توبہ کی آیت نمبر ۹۱۔ ﴿لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ﴾۔ نیز سورۂ فتح کی آیت نمبر ۱۷ کی طرح ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ ﴿لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ﴾۔ (روح، ابنِ جریر، ابنِ کثیر، خازن، محاسن اور مراغی وغیرہ)۔ الفاظِ قرآنی بہر حال عام ہیں جو دونوں صورتوں کو محتمل اور ان کو شامل ہیں۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى۔ یہاں سے اس امر کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب انسان کا دل خوف وخشیتِ خداوندی سے معمور وسرشار ہوتا ہے اس وقت انسان کیسا ہوتا ہے۔ کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں بھی اپنے خالق ومالک سے ڈرتا ہے۔ اور جب وہ اس سے محروم ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ تو اس وقت اس کا حال کیا ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْاِیْمَانِ وَلَذَّتِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے اصحابِ اعذار کے لیے خاص رعایت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

۱۳۱ باہمی اکل وشرب سے متعلق بعض آداب کا ذکر وبیان: سو ارشاد فرمایا گیا ''اور تم لوگوں پر اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ پیو''۔ یعنی اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کے گھروں سے کہ وہ بھی اصل میں تمہارے ہی گھر ہیں۔ اور ان کا مال بھی تمہارا ہی مال ہے (المراغی، المحاسن، ابنِ کثیر، صفوہ وغیرہ)۔ کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔ ''اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ''۔ ''کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ ہی کی ملکیت ہے''۔ نیز فرمایا گیا ''اِنَّ اَطْیَبَ مَا یَاْکُلُ الرَّجُلُ مِنْ کَسْبِهٖ وَاِنَّ وَلَدَهٗ مِنْ کَسْبِهٖ'' یعنی ''سب سے پاکیزہ روزی جو انسان کھاتا ہے وہ اس کی اپنی کمائی کی روزی ہے، اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی میں سے ہے''۔ (المراغی، ابنِ کثیر، المحاسن وغیرہ)۔ سو اپنے گھروں میں اپنے اہل وعیال اور آل واولاد کے گھر بھی آ گئے۔ (المعارف وغیرہ)۔ پس ایسے گھروں میں کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ بھی اصل میں تمہارے اپنے ہی گھر ہیں۔ سو دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ اور آدابِ عالیہ کا مقصد معاشرتی تعلقات وروابط کو کاٹنا نہیں بلکہ ان کو جوڑنا اور ان کو صحیح خطوط پر استوار کرنا ہے۔ تاکہ سب کے لیے سکون واطمینان اور آرام وراحت کا سامان ہو۔

اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ

ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے ۱۳۲ یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے حوالے ہوں، ۱۳۳

اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا

یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، ۱۳۴ (پھر اس میں بھی) خواہ تم سب مل کر کھاؤ، یا الگ الگ، ۱۳۵

جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا

تم پر کوئی حرج (اور تنگی) نہیں، پھر (یہ بھی یاد رہے کہ) جب تم داخل ہونے لگو گھروں میں، تو (سب سے پہلے)

عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً

سلام کیا کرو اپنے لوگوں کو، اللہ کی طرف سے (تعلیم فرمودہ) ایک حیات آفرین، بابرکت

طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

اور پاکیزہ دعاء کے طور پر، ۱۳۶ اسی طرح اللہ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے اپنے احکام، تاکہ تم لوگ

۱۳۲ رشتہ داروں کے یہاں سے کھانے پینے کی اجازت و آزادی: -''اور اپنے رشتہ داروں کے گھروں سے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں''۔ کہ ان سب لوگوں کے ساتھ تمہارے خاص رشتے اور تعلق ہیں۔ اور یہ تمہارے کھانے پینے سے تنگ بھی نہیں ہوتے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد ان گھروں سے بلا اجازت کھانا ہے۔ (الکبیر، المراغی وغیرہ)۔ سو استئذان یعنی اجازت لیکر اور سلام کر کے گھروں میں داخل ہونے کی پابندی سے یہ مقصد نہیں کہ تمہارے اپنے ان رشتہ داروں سے تعلقات و روابط منقطع ہو جائیں، بلکہ استئذان کی اس پابندی سے مقصود معاشرے کی بہتری اور اصلاح ہے۔ تاکہ نہ کسی پر کوئی حرج اور تنگی ہو اور نہ کسی فتنے و فساد کا کوئی خدشہ و اندیشہ۔ ورنہ اپنے ان رشتہ داروں کے گھروں میں جانے کی کوئی ممانعت نہ ہے اور نہ ان کے یہاں سے کھانے پینے کی کوئی پابندی۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جب تم ان گھروں میں داخل ہوا کرو تو اجازت لیکر اور سلام کر کے داخل ہوا کرو جو کہ ایک بڑی مبارک دعا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کو تعلیم و ارشاد فرمائی گئی ہے تاکہ تم اس کی خیرات و برکات سے مستفید و مالا مال ہو سکو۔ اور یہ طریقہ تمہارے لیے خیر و برکت سے سرفرازی کا ذریعہ بنے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۱۳۳ زیر تولیت گھروں کے استثناء کا ذکر و بیان: -سو ارشاد فرمایا گیا ''اور نہ ہی ان گھروں کے بارے میں تم پر کوئی حرج اور تنگی ہے جنکی چابیاں تمہارے حوالے ہوں''۔ کیونکہ چابیاں تمہارے حوالے کرنے سے ظاہر ہے کہ ان کو تمہارا کھانا پینا ناگوار نہیں۔ ایسے گھروں کا مصداق وہ گھر ہیں جو کسی شخص کی تولیت اور اسکی نگرانی میں ہوں۔ جیسے کوئی کسی گھر کا متولی و نگران ہو۔ سو ایسے شخص کو

وہاں سے کوئی پھل وغیرہ کھا لینے میں یا وہاں کے کسی جانور کا دودھ پی لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن نہ تو وہاں سے کچھ اٹھا کر اپنے گھر لے جائے اور نہ ہی اسکو اپنے لیے ذخیرہ کرے۔ اور یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ وہ اس نگرانی اور تولیت پر کوئی اجرت نہ لیتا ہو۔ ورنہ اس کیلئے یہ بھی جائز نہیں۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ سبحان اللہ۔ دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ میں کیسی کیسی باریکیوں کا خیال رکھا گیا ہے تا کہ نہ کسی کا کسی طرح کا کوئی نقصان ہو نہ کسی کا کوئی حق مارا جائے اور نہ کسی کے لیے کوئی مشکل پیدا ہو۔ بلکہ باہمی الفت وتر ابط میں استحکام پیدا ہو۔ فالحمد للہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال۔

۱۳۷ دوستوں کے گھروں کا استثناء: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور نہ ہی تمہارے دوستوں کے گھروں کے بارے میں اس طرح کی کوئی ممانعت اور پابندی ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جب تم اپنے دوست کے گھر داخل ہو گئے تو اس کے گھر سے بلا اجازت کچھ کھا پی لینے سے تم پر کوئی گناہ نہیں۔ (ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے گھروں سے کچھ کھا پی لینے پر کوئی حرج اور تنگی نہیں اگر چہ وہ وہاں پر موجود نہ ہوں جبکہ انکی طرف سے اسکی رضامندی کا علم ہو جائے۔ خواہ صریح لفظ سے خواہ کسی قرینے سے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو ان لوگوں کے گھروں سے کھا پی لینے میں بھی تم پر کوئی تنگی اور حرج نہیں۔ اور اس طرح کا کوئی کھانا پینا اس کا حق کھانے پینے کی زمرے میں نہیں آتا جس کی۔ ﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾۔ کے ارشادِ خداوندی میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ سو اللہ پاک۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ نے اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت وعنایت سے ان آیاتِ کریمات کے ذریعے واضح فرما دیا کہ ان صورتوں میں تم پر کوئی تنگی اور حرج نہیں بلکہ آزادی واباحت ہے۔ فالحمد للہ۔

۱۳۸ انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں کھانے پینے کی اجازت: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور تم پر اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ"۔ کہ ان میں سے ہر صورت جائز ہے۔ اور مل کر کھانے میں تم اس بات کا اندیشہ نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ۔ اور مل کر کھانے میں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے خاص برکت ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم سب اکٹھے مل کر کھایا کرو۔ الگ الگ نہ ہوا کرو کہ برکت یقیناً جماعت کے ساتھ ہے۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو جماعت کے ساتھ اور مل کر کھانا اگر چہ زیادہ اچھا اور بہتر ہے کہ یہ زیادہ خیر وبرکت کا باعث ہے لیکن اکیلا کھانا بھی جائز ہے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

۱۳۹ باہمی سلام کی تعلیم وتلقین: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جب تم لوگ گھروں میں داخل ہونے لگو تو سب سے پہلے سلام کہا کرو کہ باہمی سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حیات آفریں اور مبارک طریقہ ہے"۔ "تحیہ" جس میں امن وسلامتی کی دعا بھی ہے اور اگلے کے لئے خوشی وانبساط کا سامان بھی۔ اور باہم ملنے کے وقت تمہارے رب کی جانب سے یہ ایسی عمدہ اور پیاری دعا تلقین فرمائی گئی ہے جس کا دوسرا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ سو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑا مبارک اور پاکیزہ طریقہ تحیۃ و سلام ہے۔ جس سے باہمی تعلقات کی خوشگواری میں اضافہ ہوتا ہے اور خیر وبرکت کی دعائیں ملتی ہیں۔ اور یہ طریقہ حسنات اور نیکیوں میں اضافے کا ایک بڑا اہم ذریعہ ہے۔ جیسا کہ بزاز نے حضرتِ انسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے جو خاص وصیتیں فرمائی تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ جس سے بھی ملو اس کو سلام کرو۔ اس سے تمہاری نیکیاں بڑھیں گی۔ نیز فرمایا کہ تم جب اپنے گھر میں داخل ہوؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کہا کرو۔ اس سے تمہارے گھر کی خیر وبرکت میں اضافہ ہوگا۔ (ابنِ کثیر، مراغی وغیرہ)۔ سو اس طرح گھروں میں داخل ہونا باعثِ خیر وبرکت بھی ہے اور موجبِ فرحت وانبساط بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

(سمجھو اور) عقل سے کام لو، ۱۳۷ مومن تو حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو (دل و جان سے) ایمان لائے اللہ

وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ

اور اس کے رسول پر، اور جب وہ کسی اجتماعی کام میں رسول کے ساتھ ہوں،

يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

تو اس وقت تک نہ جائیں جب تک کہ وہ ان سے اجازت نہ لے لیں، ۱۳۸ (اے پیغمبر!) جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں،

۱۳۷ عقل سے کام لینے کی دعوت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اللہ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو''۔ اپنے رب کے ارشاد فرمودہ ان پاکیزہ احکام و آداب کے بارے میں اور ان مقدس ہدایات و ارشادات کو سچے دل سے اپنا کر تم دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوسکو۔ اور تم لوگ عقل سے کام لو اور سوچو کہ خداوند قدوس کی طرف سے ارشاد و تعلیم فرمودہ یہ احکام کس قدر اہم اور کتنے پاکیزہ ہیں اور انکی پابندی میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ سو اس تنبیہ سے واضح فرما دیا گیا کہ جن لوگوں نے ان ہدایات کو ناروا پابندیوں پر محمول کیا - والعیاذ باللہ - انہوں نے اپنی عقل سے صحیح طور پر کام نہیں لیا ورنہ وہ اس طرح کی حماقت کا ارتکاب نہ کرتے۔ سو جو اس بارے عقل سے صحیح طور پر کام لیتے ہیں ان پر ان احکام کی افادیت اور ان کی برکات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہیں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - ہمیشہ اور ہر حال میں اور اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۳۸ آنے کی طرح جانے کے لیے بھی استئذان کی تعلیم: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر جب وہ اللہ کے رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں''۔ جیسے جنگ یا نماز یا باہمی مشاورت وغیرہ۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ تو ایسے کسی موقعہ پر سچے اہلِ ایمان منافقوں کی طرح چپکے سے کھسک نہیں جاتے بلکہ ضرورت پڑنے پر وہ اجازت لیکر جاتے ہیں۔ سو اس میں اہلِ ایمان کا یہ طریقہ بتایا گیا اور اس کی ہدایت فرمائی گئی کہ جب وہ آتے ہیں تو بھی اجازت لے کر حاضر ہوتے ہیں اور جب جاتے ہیں تو بھی اجازت لے کر جاتے ہیں۔ اور یہی صحیح اور صدق و اخلاص والا طریقہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جب تم لوگ مجلس میں آؤ تو سلام کر کے آؤ اور جب جاؤ تو سلام کر کے جاؤ - '' فلیست الاولی باحث من الاخرة ''- یعنی پہلی مرتبہ کا سلام دوسری مرتبہ کے سلام سے زیادہ اہم نہیں۔ سو یہ دینِ حنیف اور اس کی مقدس تعلیمات اول تا آخر سلامتی ہی سلامتی ہیں۔ فالحمدللہ جل وعلا

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۚ فَإِذَا

بلاشبہ وہی ہیں جو ایمان (ویقین) رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر ف۱۳۹ پس جب

ٱسْتَـْٔذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ

یہ لوگ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت مانگا کریں تو آپ ان میں سے جس کے لئے چاہیں اجازت

مِنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمُ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾

دے دیا کریں ف۱۴۰ اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعاء بھی کیا کریں، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ع۳

لَّا تَجْعَلُوا۟ دُعَآءَ ٱلرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُم

(ایمان والو! خبردار کہیں) تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح

بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ

نہ سمجھ لینا ف۱۴۱ یقیناً اللہ (پوری اور اچھی طرح) جانتا (پہچانتا) ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے کھسک جاتے ہیں

لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ أَن

آنکھ بچا کر، سو ڈرنا (اور اپنے ہولناک انجام سے بچنا) چاہیے ان لوگوں کو جو خلاف ورزی کرتے ہیں، اس

تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَآ

(وحدہ لاشریک) کے حکم (وارشاد) کی اس بات سے کہ (کہیں اچانک اس دنیا ہی میں) آن پڑے ان پر کوئی ہولناک آفت یا آ پکڑے

إِنَّ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَآ

ان کو (آخرت کا) دردناک عذاب ف۱۴۲ آگاہ رہو کہ بے شک اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے ف۱۴۳ وہ پوری طرح

۱۳۹ استئذان کا ذکر ایمان کی علامت ونشانی کے طور پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں اے پیغمبر وہی ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر"۔ سو یہ ایمان کی ایک نشانی ہے۔ یعنی یہ ان کے ایمان و یقین اور صدق وصفا کی نشانی اور علامت ہے۔ سو اللہ اور اس کے رسول پر سچا پکا ایمان ہی اصل بنیاد اور شاہ کلید ہے دارین کی سعادت وسرخروئی کی۔ یہاں پر "انما" کے کلمہ حصر سے بیان فرمایا گیا کہ مومن لوگ اصل میں یہی ہیں جو اجتماعی

کاموں کے موقعہ پر اجازت لیے بغیر وہاں سے نہیں جاتے۔ پس جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ مومن نہیں ہیں۔ کہ ان کا عمل تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، یا اکرم الاکرمین

۱۶۰ **اذن و اجازت کا دار و مدار پیغمبر کی مرضی پر:** ۔سو ایسے لوگوں کو اجازت دینا پیغمبر پر ضروری نہیں بلکہ یہ چیز آپ کی مرضی پر ہے۔ یعنی اجازت دینا یا نہ دینا آپ کی مرضی اور آپ کے اختیار پر ہے۔ اور یہ معاملہ آپ کی صوابدید پر موقوف ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ۔ کیونکہ آپ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس اجتماعی کام کی نوعیت کیسی ہے اور اسکی اہمیت کس درجے کی ہے۔ اور اجازت مانگنے والے کا عذر کس درجے کا ہے اور کیا وہ اجازت کا مستحق ہے یا نہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اپنی کسی مجبوری اور ضرورت کی بنا پر آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیا کریں۔ اور ایسوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش کی دعا بھی کیا کریں۔ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی بخشش اور رحمت کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۶۱ **پیغمبر کی دعاء و پکار کے بارے میں اہلِ ایمان کو ایک خاص ہدایت و تنبیہ:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم لوگ اے ایمان والو رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہ سمجھنا"۔ کہ جس طرح تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو ایسے حضور کو صریح نام کے ساتھ نہ پکارنا۔ یعنی آپ کو "یا محمد" "یا" "یا عبد اللہ" کہہ کر نہ پکارنا۔ (ابن کثیر، محاسن، صفوہ وغیرہ) کہ اس طرح آپ کو نام لیکر پکارنا درست نہیں۔ بلکہ آپ کو کسی وصف کے ساتھ پکارا کرو۔ جیسے "یا رسول اللہ" "یا نبی اللہ" وغیرہ کے صریح نام کے ساتھ پکارنا ایک طرح کا گنوار پن اور ادب کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ چنانچہ پورے قرآنِ حکیم میں کہیں ایک بار بھی آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو نام کے ساتھ نہیں پکارا گیا۔ یعنی "یا محمد" نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ۔ ﴿یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ﴾۔ ﴿یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ﴾۔ ﴿یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ﴾ اور ﴿یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ﴾ وغیرہ جیسے اوصاف و القاب سے پکارا گیا ہے۔ سو قرآنِ پاک کی اس نورانی تعلیم اور ربانی ہدایت کو دیکھو اور پھر ہمارے پنجاب کے بدعتی ملاں کو دیکھو کہ وہ اس کے برعکس دھڑلے سے کہتا ہے کہ "اسیں یا محمد کہندے رہناں" ۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ نیز اس ارشادِ ربانی کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب پیغمبر تمہیں کسی کام کے لئے بلائے تو تم اس کو عام لوگوں کی پکار کی طرح نہیں سمجھنا کہ چاہے مان لیا جائے اور چاہے نہ مانا جائے۔ سو ایسا نہیں کرنا بلکہ پیغمبر کی دعوت و پکار کو سننا اور ماننا لازم اور ضروری ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ﴾۔ (الانفال: ۲۴)۔ نیز اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیغمبر کی دعا کو آپس کی دعا کی طرح نہ سمجھنا کہ پیغمبر کی دعا تو بہر حال مقبول و مستجاب ہے۔ لہٰذا ہمیشہ محتاط رہنا کہ کہیں کسی کو آپ کی بددعا نہ لگ جائے جس سے وہ ہلاک اور تباہ و برباد ہو جائے۔ والعیاذ باللہ۔ بلکہ اسکے برعکس ہمیشہ اس فکر اور کوشش میں رہو کہ آپ کی دعائیں تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ملیں کہ وہ بہر حال ایک عظیم الشان سرمایہ ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ۔ (روح، قرطبی، ابن کثیر، مدارک، محاسن، مراغی اور صفوہ وغیرہ)۔ سو آیتِ کریمہ کے الفاظ میں ان تینوں معنوں کی گنجائش ہے۔ اور تینوں ہی مراد ہو سکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مطلوب ہے اور ان میں باہم کوئی تضاد بھی

نہیں۔ اور اپنی جگہ یہ تینوں ہی صحیح اور مقصود و مطلوب ہیں۔ اور ان تینوں میں سے ہر قول واحتمال ایک عظیم الشان درس اور تعلیم پر مشتمل ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے قرآنِ حکیم کی اس عظمت اور جامعیتِ شان کے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اور کیا کہنے پیغمبر کی عظمتِ شان کے۔ اللہ اس کو پہچاننے اور اس کا حق ادا کرنے کی توفیق بخشے اور ہمیشہ اپنی تعلیمات وہدایت کی اتباع و پیروی نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۶۲ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے تنبیہ وتحذیر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے اس بات سے کہ آپہنچے ان پر کوئی ہولناک آفت یا کوئی دردناک عذاب۔ اور حرف یا کی یہ تردید بطور منعِ خلو کے ہے۔ پس ان دونوں سزاؤں کا اجتماع بھی ہوسکتا ہے۔ (خازن، معارف وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ یعنی ان دونوں عذابوں میں سے کوئی ایک بھی تم کو پہنچ سکتا ہے اور یہ دونوں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ سو جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد کی خلاف ورزی اور اس سے گریز وفرار کی راہ اختیار کرنے کا نتیجہ وانجام بہت برا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یہاں پر ﴿یخالفون﴾ کے فعل کے بعد جو "عن" کا صلہ آیا ہے اس سے اس میں گریز وفرار کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے۔ سو اس خالق و مالک کے اوامر وارشادات سے گریز وفرار کی راہ اختیار کرنے کا طریقہ بھی بہت سنگین جرم ہے۔ اور یہاں جن منافقین کا ذکر ہوا ہے ان کے جرم کی نوعیت بھی اسی گریز وفرار ہی کی تھی۔ اور اللہ کے حکم کی طرح اللہ کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا بھی یہی حکم ہے کہ رسول کا حکم بھی اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول جو بھی کہتے اور کرتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم وارشاد سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی گئی کہ رسول اللہ کے حکم کے بغیر بولتے بھی نہیں۔ ان کا ہر قول وقرار اللہ تعالیٰ کی وحی کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ۳-۴)۔ سو خیر سب کی سب اتباع میں ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحبُ ویرید، وعلی ما یحبُ ویرید،

۱۶۳ کائنات سب اللہ ہی کی: ۔سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اس کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تنبیہ وتخصیص کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "آگاہ رہو کہ بیشک اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے"۔ کہ اس سب کا خالق و مالک بھی وہی ہے اور اس میں حکم وتصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے۔ پس عبادت و بندگی بھی خالص اسی کا حق ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور جب آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق وایجاد اور اسکے حکم وتصرف میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ سو اس ارشاد میں ایک طرف تو یہ درس ہے کہ جب زمین وآسمان کی یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ومملوک اور اس میں حکم وتصرف بھی اسی کا اور صرف اسی کا چلتا ہے، تو پھر اس خالق و مالک کی اس کائنات میں رہنے بسنے کے باوجود اس کے حکم وارشاد کی مخالفت وخلاف ورزی کرنا اور بغاوت وسرکشی سے کام لینا کتنا بڑا ظلم اور کیسی حماقت و بے انصافی ہے۔ اور دوسری طرف اس میں یہ درسِ عظیم بھی ہے کہ اس کے باوجود اس خالق و مالک کی طرف سے ملنے والی ڈھیل اس کا کتنا بڑا کرم واحسان ہے جو اتنا بڑا اور اس قدر عظیم الشان کرم واحسان ہے کہ اس کی دوسری کوئی نظیر ومثال ممکن ہی نہیں ہوسکتی۔ اور تیسری طرف اس میں یہ درسِ عظیم بھی موجود ہے کہ ایسے لوگ اسکی گرفت وپکڑ سے کبھی بچ نہیں سکیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ‌ؕ وَيَوۡمَ يُرۡجَعُوۡنَ اِلَيۡهِ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا

جانتا ہے اس حال کو جس پر تم لوگ ہو ف۱۴۴ اور (یاد رکھو اس دن کو) جس دن کہ ان سب کو اسی کی طرف پھیر لایا جائے گا ف۱۴۵ پھر وہ ان کو وہ

عَمِلُوۡا‌ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝٦٤ ع

رکوع ۹/۱۵

سب کچھ (ٹھیک ٹھیک) بتادے گا' جو انہوں نے (زندگی بھر) کیا (کرایا) ہو گا' اور اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے ف۱۴۶

۱۴۴ اللہ کے بندے ہر حال میں اس کے سامنے:- ان کی کوئی بھی حالت اور کیفیت اس سے مخفی نہیں ہوسکتی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''وہ پوری طرح جانتا ہے ہر اس حال کو جس پر تم لوگ ہوتے ہو''۔ سو تمہارے ظاہر اور باطن کی کوئی بھی کیفیت اس سے پوشیدہ نہیں۔ تمہارا ایمان واخلاص اور نفاق وریا وغیرہ سب کچھ اس کے سامنے ہے۔ اور وہ سب کو پوری طرح جانتا ہے۔ لہٰذا ریاء ونمود سے کام لینے اور محض ظاہر داری پر زور دینے کی بجائے تم اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ اپنے باطن کا معاملہ درست رکھو۔ سو دنیا والوں سے تو انسان اپنے کرتوتوں کو اپنی چالاکی اور چرب لسانی کی بناء پر چھپا سکتا ہے اور چھپا لیتا ہے مگر اللہ پاک کے حضور اور اسکے سامنے ایسا کرنا کسی کیلئے ممکن نہیں۔ وہاں سچائی ہی کام دے سکے گی۔ سو یہی ایک حقیقت اگر بندے کے سامنے رہے اور وہ ہر موقعہ پر اس کو دھیان میں رکھے تو اس کی بگڑی بن سکتی ہے اور اس کی اصلاح آپ سے آپ ہوتی جاتی ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل -

۱۴۵ یوم حشر ومعاد کی تذکیر و یاددہانی:- سو اس یوم عظیم کی تذکیر و یاددہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ''اور جس دن کہ ان سب کو لوٹا کر لایا جائے گا اسکے حضور''۔ اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا حساب دینے اور اس کا بدلہ پانے کے لئے۔ تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہوسکیں۔ سو وہاں ہر ایک کو جانا ہوگا۔ خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ مومن مخلص تو خوشی خوشی جائے گا اور کافر ومنافق گرفتاری کی حالت میں- والعیاذ باللہ العظیم- اسی لیے یہاں پر ﴿ يُرۡجَعُوۡنَ ﴾ کا صیغۂ مجہول اختیار فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب کو بہر حال لوٹ کر وہاں جانا اور اسکے حضور حاضر ہونا ہوگا۔ پس ہر کسی کو ہر حال میں اس اہم اور بنیادی حقیقت کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ میں وہاں کیلئے کیا سامان کر رہا ہوں؟ کیونکہ اس یوم عظیم کیلئے کمائی کی فرصت یہ دنیوی زندگی ہی ہے۔ اسکے بعد اس کیلئے کوئی موقع نہیں ہوگا- وباللہ التوفیق- سو اس روز انسان کو وہ سب کچھ بتادیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ (القیامہ: ۱۳) اور اس روز ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کو اپنے سامنے حاضر اور موجود پائے گا جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا‌ ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴾ (الکہف: ۴۹) اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۴۶ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی:- کہ وہ وحدہٗ لاشریک اس کو اور اس کے ہر پہلو کو پوری طرح جانتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے'' کہ سب اسی کی مخلوق اور ملکیت ہے۔ اور وہ خالق کل اور

مالکِ کل ہونے کے ساتھ ساتھ علام الغیوب بھی ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔تو وہ ہر چیز کو پوری طرح کیوں نہ پہچانے؟ بھلا خالق سے بھی کوئی چیز یا کسی چیز کا کوئی پہلو کبھی مخفی ومستور رہ سکتا ہے؟ ۔﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾۔ سو انسان دنیا والوں سے اپنے کیے کرائے کو جتنا اور جس طرح چاہے چھپائے مگر وہ اپنے اس خالق و مالک سے اپنی کسی بھی بات کو کبھی نہیں چھپا سکتا۔سبحانہ وتعالیٰ۔ پس ہمیشہ اور ہر حال میں اور ہر کام اور ہر چیز کے بارے میں اس کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھنے کی ضرورت ہے۔ وبـالله التوفيق لما يحب و يريدو علىٰ ما يحب ويريد وهو الهادى الىٰ سواء السبيل بكل حال من الاحوال وفى كل موطن من المواطن فى الحياة يا ذا الجلال والاكرام ، يا من بيده ملكوت كل شىء ،وهو يحبو لا يجار عليه،

❁❁❁❁❁

☆—— ۲۴ رجب ۱۴۰۳ھ الموافق ۶ فبرائر ۱۹۹۱ء والساعۃ اثنتين الا الربع ظهرا ببيتي الكائن بمنطقة ام هرير، بر دبي۔الامارات العربيۃ المتحدہ

☆—— نظر ثانی ۱۰ رجب ۱۴۱۵ھ ۱۰ نومبر ۱۹۹۷ بروز پیر بوقت دس بجے شب۔سطوہ دبی، متحدہ عرب امارات والحمدللہ رب العالمین

☆—— تکمیل پہلی بار پروف ریڈنگ 14 جمادی الاولی 1420ھ مطابق 24 اگست 1999ء بروز بدھ بوقت ساڑھے چھ بجے شام (قُبَیلَ المغرب) سطوہ۔دبی۔ والحمد لله رب العالمين الذى لاتتم الصالحات الا بتوفيق منه سبحانهٗ و تعالىٰ

☆—— تکمیل دوسری بار پروف ریڈنگ ۱۵ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ ۲۳ مارچ ۲۰۰۰ء بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) آزاد کشمیر پاکستان (دوران رخصت) والحمدللہ رب العالمین بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ

☆—— تکمیل تیسری بار پروف ریڈنگ ۶ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۹ مئی ۲۰۰۱ء بروز منگل بوقت پونے نو بجے شب جامع مسجد عید مدیہ میدان بنی یاس دیرہ دبی متحدہ عرب امارات (بموقع درس اسبوعی) والحمدللہ رب العالمین، سبحانہٗ وتعالیٰ،

☆—— تکمیل چوتھی بار پروف ریڈنگ ۲۲ شوال ۱۴۲۳ ہجری مطابق ۲۶ دسمبر ۲۰۰۲ بروز جمعرات بوقت پونے دو بجے دن (قُبَیلَ الغداء) سطوۃ، دبی،۔والحمدللہ رب العالمین۔الذی بیدہ ازمۃ التوفیق والعنایۃ

☆—— اَللَّمَسَاتُ الاخيرة (Final Touches) ۶۔ذوالحجہ ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۲۸ جنوری ۲۰۰۴ء بروز بدھ، بوقت ایک بجے شب (بعد از نصف شب) مدنی منزل، مارگلہ ٹاؤن، اسلام آباد، پاکستان۔والحمدللہ رب العالمین۔

اللھم اجْعَلْهُ خالصًا لوجهك الكريم واجعله اخلص ما يكون، واحب ما يكون، وانفع ما يكون واوسع ما يكون بيدك الخير وانت الجواد الكريم الذى لا يرد السائلين.

آیاتہا ۷۷ ۲۵ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ رکوعاتہا ۶

سورۂ فرقان مکی ہے اور اس کی ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے،

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ

بڑی ہی برکت والی ہے ف۱ وہ ذات جس نے نازل فرمایا (اپنے کرم بے پایاں سے) اس فیصلہ کن کتاب کو اپنے بندۂ خاص پر تاف۲ کہ وہ

لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

خبردار کرنے والا ہو دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے، جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ

اور زمین کی، جس نے نہ کسی کو اولاد ٹھہرایا ف۳ اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اس کی بادشاہی میں،

فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾

اور اس نے (بلاشرکتِ غیرے) پیدا فرمایا ہر چیز کو اور اس کو (نہایت حکمت کے ساتھ) ایک خاص انداز ے پر رکھا ف۴

۱ ﴿تبارک﴾ کا معنیٰ ومفہوم؟: - ﴿تبارک﴾ کا مادہ "ب ر ک" ہے۔ جس کے معانی میں اس قدر عموم اور وسعت ہے کہ ایک لفظ تو درکنار کسی ایک جملے سے بھی اس کو ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس مادہ سے مصدر "برکة" بھی آتا ہے جس کے معنیٰ کثرت، بہتات اور زیادتی وغیرہ کے آتے ہیں۔ اور "بروک" بھی آتا ہے جس میں لزوم، ثبات اور دوام وغیرہ کا مفہوم بھی شامل ہوجاتا ہے۔ اسی لئے اونٹ کے بیٹھنے کو "بروک الابل" کہا جاتا ہے۔ اور اسی مادہ کو جب بابِ تفاعل میں لے جایا گیا تو اس میں مزید مبالغہ آ گیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "تَبَارَكَتِ النَّخْلَةُ" - "کھجور کا درخت بہت بڑا ہوگیا"۔ اور اصمعیؒ کہتے ہیں میں نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر دوسروں سے کہہ رہا ہے "تَبَارَكْتُ عَلَيْكُمْ" - "میں تم سب سے اونچا ہوگیا ہوں"۔ اور اللہ پاک کے لئے یہ لفظ اپنے تمام معانی کے لحاظ سے اور ان کے اعلیٰ مفاہیم کے اعتبار سے ثابت ہے۔ سو آپ دیکھئے کہ اربوں کھربوں انسان اور دوسری طرح طرح کی اور بے شمار مخلوق اس کی کس قدر نعمتوں سے مستفید ہوتی رہی ہے اور برابر مستفید ہورہی ہے۔ اور اس کا ایک ایک لمحہ کس قدر متنوع نعمتوں میں بسر ہوتا ہے۔ اور اس کی ان تمام مخلوقات کے لئے طرح طرح کے سامانِ حیات اور قسما قسم کے اسبابِ زیست اس کثرت اور

فراوانی سے اور اتنے حیرت انگیز طریقے سے اس پوری کائنات میں اس قدر وسعت اور اس درجہ کثرت سے پھیلے بکھرے ہیں کہ ہر ایک کو اپنی طبیعت ومنشا کے مطابق اپنی ضروریاتِ زندگی سے متعلق ہر چیز ہر جگہ ملتی ہے۔اور اس قدر ملتی ہے کہ اس کو شمار کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ یہ سلسلہ کب سے جاری ہے اور کب تک چلتا رہے گا۔ یہ تو ہوئیں مادی اور ظاہری نعمتیں۔ اور جہاں تک اس کی عطا فرمودہ باطنی اور معنوی نعمتوں کا تعلق ہے تو وہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں اور ان میں سب سے بڑی اور عظیم الشان نعمت ہدایت کی نعمت ہے جس سے سرفرازی درحقیقت دارین کی سعادت وسرخروئی کی کفیل وضامن اور اس کا ذریعہ وسامان ہے۔ سو اللہ پاک نے اپنے بندوں کو اس نعمت سے سرفراز فرمانے کے لئے بھی بے مثال انتظام فرمایا اور ہمیشہ سے فرمایا۔ اور جس کی آخری اور کامل شکل یہ قرآنِ حکیم ہے جو گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کی جامع، ان کی جملہ اصولی اور بنیادی تعلیمات کی حامل ومحافظ اور ان سب کتابوں کیلئے "مھیمن" و نگران اور صحیح اور غلط کے مابین اور جائز اور ناجائز کے درمیان اور حلال وحرام کے درمیان فرق وتمیز کرنے والی کتاب حکیم ہے۔ اور اس قدر کمال جامعیت کے ساتھ کہ اس کی دوسری کوئی نظیر ومثال نہ آج تک کبھی ہوئی اور نہ قیامت تک کبھی ممکن ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ هٰذَا الْكِتَابِ وَبِالْاِیْمَانِ بِهٖ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْنَا مِنْهُ و ثبتنا علیه یا ذا الجلال والاکرام۔ اللہ ہمیشہ راہ حق وصواب پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲ نعمتِ قرآن کی عظمت کی تذکیر ویاد دہانی: ۔ سو نعمت قرآن اور اس کی عظمتِ شان کی تذکیر ویاد دہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے اتارا اس فیصلہ کن کتاب کو اپنے بندۂ خاص پر۔ یعنی ﴿عبده﴾ کی اضافت تعظیم وتشریف کے لئے ہے۔ اور مراد اس سے وہ عبد کامل اور بندۂ خاص ہیں جو کہ عبدیتِ کاملہ کے کامل نمونہ اور عظیم مظہر تھے۔ ایسا کامل نمونہ اور عظیم مظہر کہ اس کی کوئی نظیر ومثال پوری تاریخ بشریت میں نہ اس سے پہلے کبھی پائی گئی اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی پائی جا سکے گی۔ یعنی نبی امی محمد عربی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور جن کی تعلیماتِ مقدسہ کے صدقے اور ارشاداتِ عالیہ کے طفیل آپ کے بعد آپ کی امت میں بھی عبدیت وعبودیت کے بے شمار ایسے کامل نمونے دنیا میں پائے گئے جن پر نوری فرشتے بھی رشک کریں اور حاملینِ عرش بھی ان کے لئے دعائیں کریں۔ اور آپ کا یہ سلسلۂ فیض۔ ان شاء اللہ العزیز۔ قیامت تک جاری رہے گا جو کہ دراصل نُبُوّتِ مُحَمَّدِیَہ۔ عَلٰی صاحِبِهَا اَلْفُ اَلْفُ تَحِیَّة ۔ کا ایک امتیازی وصف اور اعجازی پہلو ہے۔ اور عبدیت میں کمال ہی اللہ پاک کے یہاں اصل میں مطلوب ومحمود ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں جابجا اس کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے مگر اس کے باوجود آج کے کچھ جاہلوں کو پیغمبر کی اس عبدیت وبشریت کا انکار ہے۔ اور اس کے انکار کے لئے وہ صریح نصوص تک میں طرح طرح کی تاویلات سے کام لیتے اور تحریفات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے منکرینِ نبوت ورسالت کے شبہات کا جواب بھی دے دیا گیا اور یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ جس ہستی پر قرآنِ حکیم کے اس فرقانِ کامل وبے مثال کو نازل فرمایا گیا اسکی صداقت وحقانیت کو جانچنے پرکھنے کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ اور اسکے باوجود جو ان کو ماننے اور ان پر ایمان لانے میں پس وپیش سے کام لیتے ہیں وہ بڑے ہی حرمان نصیب ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ امین

۳ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں سبحانہ وتعالیٰ: -سوارشاد فرمایا گیا کہ "جس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں ٹھہرایا"۔ واضح رہے کہ یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں- "لَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ"- بلکہ یوں فرمایا کہ اس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا- ﴿لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا﴾- کیونکہ ایسا تو شاید ہی کوئی گمراہ شخص ہوا ہو جس نے یہ کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی طرح کوئی اولاد ہوتی ہے جس طرح کہ اس کی مخلوق کے یہاں ہوتی ہے۔ بلکہ اصل گمراہی اس بارے میں لوگوں کے اندر شیطان کے اغواء و اضلال اور اس کی دھوکہ دہی کی بناء پر ہمیشہ یہ رہی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کچھ ہستیوں کو ان کی محبت و تعلق وغیرہ کے باعث اور انکی چاہت کی بناء پر اپنا بیٹا- اکلوتا بیٹا- اور شریک بنا دیا وغیرہ۔ چنانچہ ایسے ہی مفروضوں کی بناء پر ابنیت مسیح اور ابنیت عزیر جیسے شرکیہ عقیدے گھڑے گئے۔ اور اسی بناء پر امت محمد یہ کے بھی بہت سے گمراہ لوگوں نے نبی اکرم-صلی اللہ علیہ وسلم- اور آپ کی امت کی مختلف پاکیزہ اور بزرگ ہستیوں کے بارے میں اس طرح کے شرکیہ عقیدے گھڑے اور ان کو حاجت روا و مشکل کشا اور خدا جانے کیا کچھ مانا۔ اور کچھ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے خود ساختہ ائمہ کو معصوم قرار دے کر نبیوں کے برابر، بلکہ ان سے بھی افضل و اعلیٰ قرار دیا کہ یہ سب ہستیاں چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پیاری ہستیاں ہیں، اس لئے جو چاہیں کرا سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ- والعیاذ باللہ- سو حضرت خالق- جل مجدہٗ- کا یہ ارشاد کہ اس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا ایسے تمام شرکیہ عقائد اور مفروضوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ پس خالق کے ساتھ اس کے بندوں کا رشتہ خالق و مخلوق اور عابد و معبود کا رشتہ ہے اور بس۔ اس کے سوا اور کوئی بھی رشتہ و علاقہ ان کے درمیان ماننا عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی - والعیاذ باللہ العظیم- اس نے نہ کسی کو اپنی اولاد بنایا اور نہ ہی اسکی کوئی اولاد ہو سکتی ہے۔ وہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- اسی وحدہٗ لاشریک خداوند قدوس نے اپنے بندۂ خاص پر یہ فرمان حمید اتارا- **فلہ الحمد ولہ الشکر قبل کل شیءٍ و بعد کل شیءٍ اھل للحمد فی الاولیٰ والآخرۃ۔**

۴ ہر چیز کی تخلیق ایک خاص اندازے پر: -سوارشاد فرمایا گیا کہ "اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس کو ایک خاص اندازے پر رکھا"۔ سو ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور اس پر حکم و تصرف بھی اسی کا چلتا ہے۔ اور اسی نے ہر چیز کو ایک خاص اندازے پر اور خاص دائرے میں رکھا۔ ہر کسی کو ایک خاص حد تک آزادی دی۔ ہر ایک کی عمر، ترقی اور سعی کو ایک خاص حد تک محدود کر دیا۔ وہ اس کے اذن کے بغیر اس سے کبھی بھی اور کسی بھی طرح باہر نہیں نکل سکتی۔ بلاشبہ یہ سب اسی اور صرف اسی قادر مطلق کی شان ہو سکتی ہے۔ پس ہر طرح کی عبادت و بندگی بھی اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- سو یہ اسکی توحید اور یکتائی کی ایک کھلی دلیل اور واضح برہان ہے۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اس طرح ایک خاص اندازے پر ٹھہرا دیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ بال برابر اس اندازے سے کم و بیش کر لے یا آگے پیچھے ہو سکے۔ انسان کو پیدا فرمایا تو اسکی پیدائش، اسکی موت، اسکی جسامت، اسکی رنگت اور اسکی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو ایک خاص اندازے پر رکھا۔ اور ان میں سے ہر چیز کی ایک حد مقرر فرما دی۔ کوئی اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ سورج چاند وغیرہ سیارے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص دائرے کے اندر محو گردش ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی ذرہ بھی ادھر سے ادھر ہو جائے۔ والحمد للہ رب العالمین

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا

مگر (اس کے باوجود) لوگوں نے اس کے سوا ایسے (خودساختہ) معبود بنا رکھے ہیں، جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے،

وَّهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا

اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں ف۵ اور (پیدا کرنا تو درکنار) وہ خود اپنے لئے بھی نہ کسی نقصان (کو ٹالنے) کا اختیار رکھتے ہیں

وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَّلَا حَيَاةً وَّلَا

اور نہ کسی نفع (کو حاصل کرنے) کا، اور نہ وہ مرنے کا، کوئی اختیار رکھتے ہیں، نہ جینے کا، اور نہ ہی

نُشُورًا ﴿۳﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا

دوبارہ اٹھنے کا، اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو محض ایک من

إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۚ

گھڑت چیز ہے، جسے اس شخص (یعنی پیغمبر) نے خود ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام پر اس کی مدد کی ہے ف۶

فوائد

۵ غیر اللہ کے پجاریوں کی مت ماری کا ایک نمونہ و مظہر: - سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ "ایک طرف تو اس پوری کائنات کے خالق و مالک کی قدرت و حکمت اور اس کی عظمت شان کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف غیر اللہ کے پجاریوں کی مت ماری کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو کہ وہ اسکے سوا ایسے من گھڑت اور خود ساختہ معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور وہ خود اپنے لیے بھی نہ کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا اور نہ ہی وہ اپنی زندگی و موت کے مالک ہیں اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا۔ واضح رہے کہ یہاں پر "گھڑے جاتے ہیں" یا "بنائے جاتے ہیں" - "يَصْنَعُونَ" - نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ "پیدا کئے جاتے ہیں" - ﴿يُخْلَقُونَ﴾ - فرمایا گیا ہے۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ نہ زندگی اور موت کا کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ دوبارہ اٹھنے کا۔ پس معلوم ہوا کہ اس سے صرف لکڑی پتھر وغیرہ کے وہ بے جان اور مصنوعی بت ہی مراد نہیں جن کو مشرک و بت پرست لوگ اپنے ہاتھوں سے تراش خراش کر کے بناتے اور پوجتے تھے اور پوجتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں کے اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور اس طرح یہ لوگ مخلوق پرستی کا چور دروازہ اپنے لئے کھلا رکھنا چاہتے ہیں اور قرآن حکیم کی اس طرح کی آیات کریمہ کے بارے میں جو وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو بتوں کے بارے میں ہیں اور بس۔ سو - ﴿يُخْلَقُونَ﴾ - کے اس ایک لفظ سے ایسے لوگوں کی اس طرح کی تمام تاویلات و تحریفات کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیے گئے کہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ پاک کے سوا کسی بھی مخلوق کو پوجنا پکارنا شرک ہے خواہ وہ کوئی بھی ہستی اور کیسی ہی مخلوق کیوں نہ ہو؟ - سبحان اللہ - کیا کہنے اعجاز قرآنی کے کہ ایک ہی لفظ سے شرک کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - بہر کیف یہاں

پر خودساختہ اور فرضی معبودوں کے پجاریوں کی مت ماری اور ان کے اوندھے اور اندھے پن کے ایک نمونہ ومظہر کی نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ ایک طرف تو وہ خاص خالق ومالکِ حقیقی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرما کر اسکو ایک خاص اندازے پر رکھ دیا ہے۔ اور اس قدر باریکی، پابندی اور پختگی کے ساتھ کہ ان میں سے کوئی بھی چیز اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ اور وہ خالق ومالک ہر کسی سے اور ہر طرح سے غنی وبے نیاز ہے اور زندگی وموت کے تمام اختیارات اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہیں۔ اور ہر کسی کے نفع ونقصان کا مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور دوسری طرف عقل کے اندھے اور مت کے مارے ان مشرکوں کے یہ خودساختہ اور فرضی معبود ہیں جو کہ عاجز وبے بس اور خود مخلوق ہیں۔ اور غنی وبے نیاز ہونے کی بجائے وہ خود محتاج، بلکہ سراپا احتیاج ہیں۔ اور دوسروں کو نفع نقصان کیا پہنچاتے وہ خود اپنے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ اور کسی طرح کی زندگی وموت کا ان کو کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو کس قدر اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو ان معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جن کی عاجزی اور بے بسی کا یہ عالم ہے۔ والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف۔ فی کل موطنٍ من المواطن

۶ منکرین کی طرف سے قرآنِ حکیم پر افتراء ہونے کا الزام: ۔ سو اس طرح کفار کی طرف سے قرآنِ حکیم کے بارے میں من گھڑت اور افتراء ہونے کا سنگین الزام وافتراء لگایا گیا۔ اور یہ کفار نابنجار کا ایک بڑا افتراء وبہتان تھا جو وہ نبیٔ اکرم۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ پر لگاتے تھے۔ اور جس کو دانایانِ فرنگ اور مستشرقینِ غرب اب تک لگاتے چلے آرہے ہیں کہ یہ کلام اللہ کا نہیں بلکہ یہ محمدؐ کا اپنا ساختہ پرداختہ اور من گھڑت کلام ہے۔ جس میں کچھ دوسرے لوگوں نے بھی آپ کی مدد ومعاونت کی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور روایات کے مطابق اس ضمن میں یہ بدبخت کچھ لوگوں کے نام بھی لیتے تھے جو کہ اہلِ کتاب میں سے تھے اور مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ اور یہ تینوں آزاد کردہ غلام تھے۔ یعنی عباس جو کہ خویطب بن عبدالعزیٰ کا آزاد کردہ غلام تھا اور یسار جو کہ علاء بن الحضرمی کا آزادہ کردہ غلام تھا اور جبر جو کہ عامر بن ربیعہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ سو الزام لگانے والے ان کفار نابنجار کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان تینوں سے سیکھ کر یہ کلام بنالائے۔ والعیاذ باللہ۔ حالانکہ یہ تینوں غیر عرب تھے۔ ان کی اپنی زبان ہی عربی نہیں تھی جبکہ قرآنِ حکیم کا نزول عربی مبین میں ہوا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر اس حقیقت کو صاف وصریح طور پر واشگاف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾۔ پھر دل کے اندھے ان الزام تراشوں سے کوئی پوچھے کہ خود ان لوگوں میں سے یا ان کے ان مالکوں میں سے جن کے یہ غلام تھے کسی نے بھی اس طرح کی کوئی بات کیوں نہ کہی کہ محمد یہ کلام فلاں فلاں اشخاص سے سیکھ کر بناتے ہیں۔ پھر جس کلامِ معجز نظام کی کوئی نظیر ومثال تم لوگ سب مل کر بھی نہیں لاسکتے حالانکہ تمہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز بھی ہے اور قرآنِ حکیم تم کو بار بار اور پورے زور وشور سے چیلنج بھی دے رہا ہے۔ تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ چند ایسے اشخاص جن کی اپنی زبان بھی عربی نہیں وہ ایسا کلام بنا کر محمد۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ کو سکھلاتے ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حق سے منہ موڑنے اور نورِ ہدایت سے محروم ہوجانے کے بعد انسان کس قدر ڈھیٹ اور کتنا بے شرم اور ظالم بن جاتا ہے کہ وہ اس حد تک لچر اور بے ہودہ الزام عائد کرنے میں بھی کوئی شرم وحیا محسوس نہیں کرتا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ان منکروں کا یہ الزام اتنا واہی اور اس قدر لچر ہے کہ قرآنِ حکیم نے اس کی تردید اور اس کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ بس اتنا فرمادیا۔ ﴿فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا﴾ ۔ کہ اس طرح ان لوگوں نے ایک بہت بڑے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو اسکا بھگتان ان کو بہرحال بھگتنا پڑیگا۔ پس ان کو ملنے والی ڈھیل سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّ زُوۡرًا ۛ﴿۴﴾ وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ

بلا شبہ اس طرح ان لوگوں نے ارتکاب کیا ہے ایک بڑے ظلم اور نرے جھوٹ کا اور کہتے ہیں کہ یہ (قرآن)

الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ بُکۡرَۃً

تو بس کہانیاں ہیں، پہلے لوگوں کی، جن کو اس شخص نے (کسی سے) لکھوا لیا ہے پھر وہ اس کو صبح و شام پڑھ کر

وَّ اَصِیۡلًا ﴿۵﴾ قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ

سنائی جاتی ہیں، کہو اس (کلام حق) کو تو اتارا ہے اس ذات (اقدس و اعلیٰ) نے جو جانتی ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا

آسمانوں اور زمین کے بھیدوں کو، بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا،

رَّحِیۡمًا ﴿۶﴾ وَ قَالُوۡا مَالِ ہٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ

نہایت ہی مہربان ہے، ۸ اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا

الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ

کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، ۹ اس کے پاس

اِلَیۡہِ مَلَکٌ فَیَکُوۡنَ مَعَہٗ نَذِیۡرًا ۙ﴿۷﴾ اَوۡ یُلۡقٰۤی

کوئی ایسا فرشتہ کیوں نہ بھیج دیا گیا، جو اس کے ساتھ رہ کر (نہ ماننے والوں کو) ڈراتا دھمکاتا رہتا؟ یا اس کے لئے

۷ منکرین کا قرآن کو قصوں کہانیوں کا مجموعہ قرار دینا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کے قصوں کہانیوں کا مجموعہ ہے دن کو اس شخص نے کسی سے لکھوا لیا ہے جو اس کو صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ سو ظالموں نے بڑے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ سو ان کے اس کہنے کا مطلب یہ تھا کہ نہ تو اس کتاب میں کوئی ایسی حکمت ہے جس سے خواہ مخواہ مرعوب ہوا جائے اور نہ ہی اس کے پیش کرنے والے کا اس سے متعلق دعویٰ صحیح ہے کہ یہ آسمانی وحی اور خدائی کلام ہے جو بطورِ اضطرار اس پر نازل کیا جاتا ہے۔ سو ایسی کوئی بات نہیں بلکہ یہ تو محض قوموں اور ان کے پیغمبروں سے متعلق من گھڑت قصے اور کہانیاں ہیں جن کو اس شخص نے کسی سے لکھوا لیا ہے اور وہی صبح و شام ان کو پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے ہیں اور بس۔ سو یہ ان ظالموں کی ظلم، بے انصافی اور مت ماری کا ایک نمونہ اور مظہر ہے اور اس قماش کے نمونے جا بجا اور طرح

طرح سے پائے جاتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے- آمین

۸ قرآن حکیم سراسر نازل شدہ کلام: -سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ کلام حق سراسر اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام ہے۔ یعنی تم مانو یا نہ مانو- حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اس کلام معجز نظام کو اس ذات اقدس نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی باتوں کو جانتی ہے۔ اور تمہاری ان گستاخیوں پر اس نے تمہیں جو ڈھیل دے رکھی ہے تو وہ اس لئے کہ وہ بڑا ہی بخشنہار اور درگزر کرنے والا ہے۔ فوراً نہیں پکڑتا۔ بلکہ وہ ڈھیل پر ڈھیل دیئے چلا جاتا ہے تاکہ جس نے سنبھلنا ہو سنبھل جائے۔ نہیں تو پھر اپنا پیمانہ جرم اچھی طرح لبریز کر لے تاکہ اس کے مطابق وہ اپنے کیئے کا بھرپور بدلہ پا سکے۔ سو تم لوگ اگر اے منکرو اور باغیو! اب بھی باز آجاؤ تو اس کی رحمت بے پایاں تمہیں اب بھی اپنی آغوش میں لے سکتی ہے- سبحانہ، وتعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ- بہر کیف یہ کلام حق اس ذات اقدس واعلیٰ کا اتارا ہوا کلام ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کو جاننے والی ذات ہے۔ لہٰذا اس ذات اقدس واعلیٰ کو نہ تو اسکی کوئی ضرورت ہے کہ وہ اس کلام کی تالیف اور اسکے اتارنے کے سلسلہ میں کسی سے کوئی مدد لے اور نہ ہی دوسری کوئی ایسی ہستی ممکن ہو سکتی ہے جو اس ذات اقدس واعلیٰ کی کوئی مدد کر سکے۔ اور اس کتاب حکیم کی ایک ایک سطر سے واضح ہے کہ جس ذات نے اسکو اتارا ہے وہ اس کائنات کے تمام بھیدوں سے واقف و آگاہ ہے۔ اور اسکے آغاز و انجام اور اسکے ظاہر و باطن سب سے پوری طرح باخبر ہے- سبحانہ، وتعالیٰ-

۹ کفار کی طرف سے پیغمبر پر انکے بشری تقاضوں کی بنا پر اعتراض: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے"۔ سو ان اعجوبہ پرستوں کے لئے یہ بات سمجھنا بڑا مشکل تھا کہ کوئی شخص عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہو اور وہ نبی اور رسول بھی ہو جائے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی چیز ہو سکتی ہے۔ یعنی ان دونوں کے درمیان منافات ہے۔ اور یہی حال آج کے اعجوبہ پرستوں کا بھی ہے کہ ان دونوں چیزوں کی یکجائی کو یہ بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کل کے ان اعجوبہ پرستوں نے ان بشری خصائص کو دیکھتے ہوئے حضرات انبیائے کرام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور آج کے یہ اعجوبہ پرست نبوت و رسالت کے ماننے کے دعویدار بن کر ان کی بشریت کے منکر ہو رہے ہیں۔ بنیادی غلط فہمی دونوں کی اصل میں ایک ہی رہی ہے کہ نبوت اور بشریت دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جبکہ حقیقت اور امر واقعہ یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے بشر بلکہ کامل بشر ہوتے ہیں۔ اور اپنی صفت کے اعتبار سے وہ نبی و رسول اور نور حق و ہدایت کا مظہر ہوتے ہیں۔ مگر ان اعجوبہ پرستوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی ہوتا تو اس کیلئے وہ کسی ایسے فرشتے کو منتخب کرتا جو نوری مخلوق ہونے کے باعث نہ کچھ کھاتا نہ پیتا۔ نہ شادی بیاہ کرتا اور نہ اسکو اپنی ضرورتوں کیلئے بازاروں میں جانے کی ضرورت ہوتی۔ سو انسان کی اعجوبہ پرستی کا ہمیشہ یہی حال رہا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے- الا ماشاء اللہ- حالانکہ عقل و نقل دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ پیغمبر بشر اور بشر ہی میں سے ہو تاکہ وہ بشری تقاضوں کے ہر دائرے میں لوگوں کے لیے اسوہ اور نمونہ پیش کر سکیں اور لوگ ان کی اتباع اور پیروی کر سکیں۔ مگر جن کی مت ماردی جاتی ہے ان کو یہ صاف اور صریح بات سمجھ نہیں آتی- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے حفظ وامان میں رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اِلَیۡہِ کَنۡزٌ اَوۡ تَکُوۡنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاۡکُلُ مِنۡہَا ؕ

(غیب سے) کوئی خزانہ آپڑتا، یا اس کے پاس (کم از کم) کوئی ایسا باغ ہوتا جس سے یہ خود کھایا (پیا) کرتا، ف۱۰

وَ قَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۸﴾

اور یہ ظالم تو (مسلمانوں سے) یہاں تک کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس جادو کے مارے ہوئے ایک شخص کے پیچھے چلتے ہو،

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَکَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا

ذرا دیکھو تو سہی کہ ان لوگوں نے آپ کے لئے (اے پیغمبر!) کیسی کیسی مثالیں گھڑیں، سو (اس کے نتیجے میں)

فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۹﴾ ع تَبٰرَکَ الَّذِیۡۤ

یہ لوگ ایسے بھٹکے کہ ان کو کوئی راستہ ہی نہیں سوجھتا، ف۱۱ بڑی ہی برکت والی ہے وہ ذات

اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَکَ خَیۡرًا مِّنۡ ذٰلِکَ جَنّٰتٍ

جو اگر چاہے تو اس (دنیا میں ہی اور ان کی ان فرمائشوں) سے بھی کہیں بڑھ کر اچھی چیز آپ کو عطا فرما دے یعنی (ایک نہیں) کئی ایسے

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ وَ یَجۡعَلۡ لَّکَ

عظیم الشان باغ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور (اسی طرح) وہ بنا دے آپ کیلئے طرح طرح کے عظیم الشان

قُصُوۡرًا ﴿۱۰﴾ بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالسَّاعَۃِ ۟ وَ اَعۡتَدۡنَا

محل بھی، ف۱۲ (اور پھر ان لوگوں کا ایسے کہنا بھی کوئی طلب حق کے لئے نہیں) بلکہ یہ لوگ تو جھٹلا چکے ہیں قیامت کو

لِمَنۡ کَذَّبَ بِالسَّاعَۃِ سَعِیۡرًا ﴿۱۱﴾ ج اِذَا رَاَتۡہُمۡ

(پوری ہٹ دھرمی سے) اور جو کوئی قیامت کو جھٹلائے گا اس کے لئے ہم نے تیار کر رکھی ہے ایک بڑی ہی ہولناک (اور دہکتی) بھڑکتی

۱۰ <u>ابنائے دنیا کا مادہ پرستانہ معیارِ شرف وفضیلت</u>:- یعنی وہی مادہ پرستانہ معیار جس کو آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت بھی اپنائے ہوئے ہے کہ اگر یہ صاحب اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ان کے پاس خوب خوب دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ کیوں نہیں۔ ہٹو بچو کی صدا لگانے اور ڈرانے دھمکانے کے لئے کوئی فرشتہ ان کے ساتھ ہوتا یا اوپر سے کوئی خزانہ ان پر گرا دیا جاتا۔ یا کم از کم اپنے گزارے کے لئے ان کے پاس کوئی باغ تو ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہاں تو ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں۔ تو پھر ہم انہیں

دعوائے نبوت میں سچا کس طرح مان لیں حالانکہ مادہ اور معدہ کے ان بندوں کو یہ خبر نہیں کہ اللہ پاک کے نزدیک یہ چند چیزیں تو کیا اس ساری دنیا کی حیثیت بھی مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں۔ اگر اسکی اتنی بھی حیثیت ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پینے دیتا۔ جیسا کہ مختلف نصوص میں اس حقیقت کو طرح طرح سے واضح اور آشکارا فرمایا گیا ہے۔ تو پھر دنیا کی ان عارضی اور چندروزہ لذتوں اور فائدوں کو حق و باطل کا معیار آخر کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ تو محض اس دنیائے دوں کا چندروزہ سامانِ عیش وعشرت ہے اور بس۔ ﴿اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾۔ (الزخرف: ۳۵) مگر بندگانِ مادہ اور معدہ کے نزدیک یہی سب کچھ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ فکر ونظر کے ہر زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، ثم آمین یارب العالمین یا اکرم الاکرمین

۱۱ نورِحق وہدایت سے محرومی سب سے بڑی محرومی۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو نورِحق و ہدایت سے محرومی ایسی ہولناک محرومی ہے کہ یہ انسانوں کو اندھا اور اوندھا کر دیتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو نورِحق سے محرومی کے بعد ایسے لوگ کبھی پیغمبر کو ساحر کہتے ہیں کبھی مسحور۔ کبھی کاہن کبھی مجنون۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ سو یہ خود ان لوگوں کے مخبوط الحواس ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اپنی اس خبط الحواسی کے باوجود یہ لوگ دوسروں کو بھی پیغمبر کی اِتباع اور پیروی سے روکتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اس طرح کر کے تم لوگ ایک ایسے شخص کی پیروی کرو گے جس پر کسی نے جادو کر کے اسکی عقل ماردی ہے۔ جس سے وہ ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے جو ہماری عقل میں آنے والی نہیں ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور اس طرح یہ لوگ ستم در ستم اور ظلم بالائے ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اپنے اوپر ضلال کے ساتھ ساتھ اِضلال کا بوجھ بھی لاد رہے ہیں۔ لیکن انکو اسکا احساس ہی نہیں کہ اس طرح یہ لوگ کس قدر ہولناک خسارے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے نورِحق و ہدایت سے محرومی کا کہ اس سے انسان کی مت ماردی جاتی ہے اور وہ اندھا اور اوندھا ہو کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲ دنیا دارالامتحان ہے نہ کہ دارالانعام: ۔ اور دارالانعام آخرت ہے۔ اور اعمال کا پورا بدلہ وہیں ملے گا۔ اور وہیں مل سکے گا۔ دنیا میں پورا بدلہ نہ ملتا ہے نہ مل سکتا ہے کہ دنیا میں اسکی گنجائش ہی نہیں۔ پس کفار اشرار کا آپ پر اے پیغمبر یہ اعتراض کرنا اور اس طرح کے مطالبے کرنا ان کی اپنی کوتاہ نظری اور کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اللہ اگر چاہے تو آپ کو طرح طرح کے عظیم الشان باغات بھی دیدے اور محلات بھی۔ اللہ پاک کے لئے ایسا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ بلکہ وہاں تو محض ارادہ کرنے کی دیر ہے۔ مگر وہ ایسے کرتا اس لئے نہیں کہ یہ اس کی حکمت ومشیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے پھر امتحان کیسا اور آزمائش کیا ہوتی؟ پھر کھرے کھوٹے کی تمیز کس طرح ہوتی؟ اور پھر جنت ودوزخ کی سزا و جزا کے کیا معنیٰ باقی رہ جاتے ہیں۔ سو یہ دنیا "دارلجز" نہیں "دارالعمل" ہے۔ "دارالجز" اصل میں آخرت ہے جہاں کی زندگی حقیقی اور جہاں کا فیصلہ قطعی اور آخری ہے۔ سو اللہ پاک آپ کو۔ اے پیغمبر!۔ اور آپ کی امت کے ہر مومنِ صالح کو آخرت کے اس ابدی جہان میں اپنی خاص الخاص رحمتوں اور عنایتوں سے نوازے گا نہ کہ دنیا میں کہ یہ دارالامتحان ہے نہ کہ دارالانعام۔ سو دنیا کی غربت اور اسکی امارت وغیرہ کی ہر حالت امتحان اور ابتلاء وآزمائش کیلئے ہے۔ یہ صلہ وانعام کے لیے نہیں۔ اصل چیز ہے آخرت جو کہ دارالانعام اور دارالجزاء ہے۔ پس جو وہاں کامیاب ہو گیا وہی ہے اصل اور حقیقی کامیاب۔ اور اسکی کامیابی دائمی اور ابدی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اور جو وہاں ناکام ہوا وہی ہے سب سے بڑا ناکام اور حقیقی خسارے والا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ

(ایسی) دہکتی ہوئی آگ (کہ) جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے غیظ و غضب اور دھاڑنے کی

زَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

آوازیں سنیں گے اور جب ان کو ڈال دیا جائے گا ان (بدبختوں) کو اس کے کسی تنگ (و تاریک) مقام میں جکڑا (بندھا) ہوا تو

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا

تو یہ وہاں (بے اختیار) موت کو پکاریں گے (اور اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ) آج تم ایک موت کو

وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ

! نہیں بہت سی موتوں کو پکارو کہو (اب بتاؤ کہ) کیا یہ بہتر ہے

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ

یا وہ ہمیشہ کی جنت جس کا وعدہ متقی (اور پرہیزگار) لوگوں سے کیا گیا ہے جو ان کے لئے

لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ

(ان کے اعمال کا صلہ) بدلہ بھی ہوگا اور آخری ٹھکانہ بھی ان کو اس میں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے

۱۳ منکرین کا انجام دوزخ کی ہولناک آگ - والعیاذ باللہ: سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ منکرین و مکذبین قیامت کے لئے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ تیار ہے - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کو جھٹلانے والوں کیلئے ہم نے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی ہولناک آگ تیار کر رکھی ہے - والعیاذ باللہ - یعنی اصل بات یہ نہیں کہ یہ لوگ فی الواقع ایمان لانے کے لئے ایسے مطالبے کرتے ہیں۔ نہیں یہ تو محض ان لوگوں کے حیلے بہانے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت اور وہاں کی جزا و سزا کے تصور ہی کے منکر ہیں۔ ان کے سامنے تو بس یہی دنیا اور اس کی یہ عارضی اور فانی لذتیں ہی سب کچھ ہیں۔ یہ انہی کے لئے جیتے اور انہی کیلئے مرتے ہیں۔ اور ان کو اس کا پتہ نہیں کہ ہم نے ہر اس شخص کے لئے جو قیامت اور آخرت کا منکر ہوگا دوزخ کی ایسی دہکتی بھڑکتی ہولناک آگ تیار کر رکھی ہے جو اپنے اندر پڑنے والے ایسے دوزخیوں کو دور سے دیکھتے ہی چیخنے اور چنگھاڑنے لگے گی۔ اور جس کے غیظ و غضب اور جوش و خروش کی ایسی ہولناک آواز سنتے ہی بڑے بڑے شیر دلوں کے پتے پانی ہو جائیں گے - والعیاذ باللہ العظیم - سو قیامت اور آخرت کی تکذیب دراصل دارین کی ہلاکت و تباہی ہے - والعیاذ باللہ - کہ اس سے انسان غیر سنجیدہ، لاپرواہ اور بے فکر ہو کر اپنی متاعِ عمر و زندگی دنیاوی مشاغل اور وقتی منافع کے پیچھے

یونہی ضائع کر دیتا ہے جو کہ خساروں کا خسارہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم- کہ یہ ایسا خسارہ ہے جس کی پھر تدارک وتلافی کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ سو کتنے محروم اور کس قدر بدبخت ہیں وہ لوگ جو اس سب کے باوجود اس ہولناک خسارے کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور وہ کسی ناصح کی نصیحت کو سننے ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ الٹا اپنے ایسے خیر خواہوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اور ہر طرح سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۱۴ آتشِ دوزخ کی ہولناکی کی تصویر:- سو اس سے دوزخ کی آگ کی ہولناکی کی ایک جھلک اسکی ایک تصویر اور اسکے غیظ وغضب کا کچھ حال بیان فرمایا گیا ہے۔ سو دوزخ کی وہ آگ دنیاوی آگ کی طرح اندھی بہری آگ نہیں ہوگی کہ سب کے ساتھ ایک ہی سلوک کرے۔ بلکہ وہ دیکھتی سنتی اور جانتی پہچانتی ہوگی کہ مجرم کون ہے اور اس کا جرم کیا اور کس درجے کا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے- ﴿تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ﴾- یعنی "وہ جھانکتی ہوگی دلوں پر" تا کہ یہ دیکھے کہ کس دل پر کفر وبغاوت کی سیاہی کتنی پکی اور فسق وفجور کا زنگ کس قدر گہرا اور گاڑھا ہے۔ اور وہ پکار پکار کر اپنی طرف بلا رہی ہوگی ان لوگوں کو جنہوں نے راہِ حق وہدایت سے منہ موڑ کر بغاوت وسرکشی کی راہ کو اپنایا ہوگا اور انہوں نے حطام دنیا کے جوڑنے جمع کرنے ہی کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا ہوگا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ، وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ﴾ (المعارج: ۱۷-۱۸) - اللہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے محفوظ رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین. یا مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ

۱۵ دوزخیوں کی انتہائی ہولناک حالت کا ذکر- والعیاذ باللہ:- سو دوزخیوں کی انتہائی ہولناک حالت کی تذکیر و یاددہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان کو ڈال دیا جائے گا اسکے کسی نہایت تنگ مقام میں زنجیروں میں جکڑ کر- والعیاذ باللہ- یا تو اس طرح کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے جکڑے ہوئے ہوں گے۔ یا ایک ایک قسم کے مجرموں کو یکجا طور پر جکڑ دیا گیا ہوگا- یا مجرموں کو ان کے شیطانوں، گمراہ کن پیشواؤں اور گروؤں کے ساتھ جکڑا ہوا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب ہی احتمال اس میں موجود ہیں اور ممکن ہیں کہ تعذیب کی ان تمام قسموں کو بھی یکجا کر دیا جائے جن کا ذکر کتب تفسیر میں آیا ہے کہ وہ لوگ ان سب ہی سزاؤں کے مستحق ہوں گے- والعیاذ باللہ- سو اول تو دوزخ کی وہ آگ ہی ایسی ہولناک پھر اس میں بھی ان کو کسی تنگ اور نہایت تنگ جگہ میں ڈالا جائے گا اور وہ بھی اس حال میں کہ ان کو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر ہولناک انجام ہوگا ان لوگوں کا؟ اور کیسے بدنصیب اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو آخرت کو جھٹلا کر اور اسکی تکذیب کر کے اس ہولناک انجام کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین

۱۶ دوزخیوں کے موت کو پکارنے کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہاں پر ایسے لوگ موت کو پکاریں گے"۔ اور رہ رہ کر پکاریں گے تا کہ اس طرح اس ہولناک عذاب سے رہائی پا سکیں۔ یعنی وہاں پر "وا ثبوراہ" - "اے موت آکے ہمارا کام تمام کر دے"، ہی کی چیخ وپکار ہوگی کہ سخت مصیبت پر آدمی یونہی کہتا اور کرتا ہے۔ تا کہ اس مصیبت سے جان چھوٹ سکے۔ مگر اس کا موقع اب کہاں؟ - والعیاذ باللہ- کہ وہاں تو ایسے لوگ- ﴿لایموت ولا یحییٰ﴾- والی زندگی گزاریں گے۔ جس میں نہ زندگی ہوگی نہ موت۔ اور خوف اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ موت ان کو وہاں پر ہر طرف سے آتی دکھائی دیگی لیکن یہ مرنے نہیں پائیں گے تا کہ جان چھوٹ جائے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ﴾- (ابراہیم: ۱۷)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

خٰلِدِیْنَ ؕ کَانَ عَلٰی رَبِّکَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَ

(اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۱۷ یہ ایک وعدہ ہے واجب الاداء تیرے رب کے ذمہ (کرم) پر اور

یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(یاد کرو تم اے لوگو! اس ہولناک دن کو کہ) جس دن اللہ اکٹھا کر لائے گا ان سب کو بھی اور ان کے ان معبودوں کو بھی جن کو یہ پوجا (پکارا)

فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ

کرتے تھے اللہ کے سوا ۱۸ پھر وہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا

۱۷ جنت کی دو منفرد و بے مثال نعمتوں کا ذکر:- سو ہر خواہش کی تکمیل اور خلود و دوام جنت کی دو عظیم الشان اور منفرد و بے مثال نعمتیں ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جنتیوں کو وہاں پر ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اور ان کو وہاں پر ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا۔ سو جنت کی امتیازی صفات میں سے ان دو کو بطورِ خاص ذکر فرمایا جاتا ہے کہ ان دونوں سے جنت کی نعمتیں دنیا کی تمام نعمتوں سے ممتاز ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اہلِ جنت کی وہاں پر ہر خواہش پوری کی جائے گی۔ جبکہ دنیا میں یہ شان کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کی بھی نہیں ہو سکتی۔ ان کو بھی ہزار نعمتوں کے باوجود کتنی ہی ناگواریاں اور کسی قدر مشکلات اور پریشانیاں بہر حال پیش آتی ہیں۔ اور کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی شکل میں انکو مصیبتیں بھگتنا ہی پڑتی ہیں۔ جیسا کہ آئے دن ہم لوگ اس کا مشاہدہ یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ اہلِ جنت کی اس شاہانہ شان کا عالم یہ ہوگا کہ ان کی وہاں پر ہر خواہش پوری ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَ لَدَیْنَا مَزِیْدٌ﴾۔ (ق:۳۵)۔ اور دوسرے یہ کہ وہاں انکو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہنا نصیب ہوگا۔ جبکہ اس فانی دنیا میں دوام و خلود کسی کو بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں نہ کسی نعمت کو خلود و دوام نصیب ہو سکتا ہے اور نہ کسی انسان کو۔ جبکہ آخرت کی وہ نعمتیں بھی دائمی اور ابدی ہونگی اور جنت کے باسی بھی خلود و دوام کی نعمت سے مشرف و مالا مال ہونگے۔ اور بالآخر وہاں موت کو ایک دنبے کی شکل میں لا کر سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا۔ اور "خلود لاموت فیہ" کی خوشخبری سنا دی جائے گی۔ سو ہر خواہش کی تکمیل اور خلود و دوامِ جنت کی وہ منفرد اور عظیم الشان نعمتیں ہونگی جن کا اس دنیا میں پایا جانا ممکن ہی نہیں۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین یا اکرم الاکرمین

۱۸ مشرکوں کے ہولناک حشر کا ذکر و بیان:- سو اس سے مشرکوں کو حشر میں ان کے ہولناک انجام کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی ہے۔ سو مشرکوں کو حشر کی تذلیل اور وہاں کی ہولناکی کی تذکیر و یاد دہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ اس دن کو یاد کرو کہ جس دن وہ اکٹھا کر کے لائے گا ان سب کو بھی اور ان کے اُن جملہ معبودانِ باطلہ کو بھی جنکی پوجا پاٹ یہ لوگ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ اہلِ بدعت کا کہنا ہے کہ ﴿مَا یَعْبُدُوْنَ﴾ سے مراد صرف بت ہیں۔ تا کہ اس طرح ان

کے شرک کے مطلوبہ دروازے کھلے رہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہاں کلمہ "مــا" کا استعمال ہوا ہے جو کہ غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ مگران کا یہ کہنا سراسر مردود ہے۔ اول اس لئے کہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ کا کلمہ عام ہے جو ہر قسم کے معبودِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کو شامل ہے۔ دوم اس لئے کہ آگے جو سوال جواب ذکر فرمایا جارہا ہے وہ ذوی العقول ہی کے لئے مناسب ہے نہ کہ لکڑی پتھر وغیرہ کے بتوں کے لئے۔ سوم اس لئے کہ "مــا" کا "مــن" کی جگہ استعمال ہونا شائع وذائع ہے۔ جیسا کہ۔ ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا﴾۔ وغیرہ آیاتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان آیاتِ کریمہ میں کلمہ "مَا"۔ "مَنْ" ہی کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ چہارم اس لئے کہ دوسرے مقامات اور دوسری نصوص سے اسی مفہوم کی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عیسیٰؑ کے سوال وجواب وغیرہ میں مذکور ہے۔ پنجم اس لئے کہ جمہور مفسرینِ کرام نے اس سے عموم ہی مراد لیا ہے۔ بلکہ انہوں نے یہاں پر ذوی العقول کا مراد ہونا اصل قرار دیا ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔ "قَالَ الْجَمْهُوْرُ مَنْ عُبِدَ مِمَّنْ يَعْقِل وَمِمَّنْ لَمْ يَأمُر بِعِبَادِتِه كالملئكة وعيسٰى"۔ (بحر: ج۶ ص۴۸۸) "يُرِيْدُ الْمَعْبُوْدِيْنَ من الملئكة والمسيح" (مدارک: ج۳ ص۱۲۲) "كُلُّ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْمَسِيْحِ" (تفسیر المراغی: ج۱۸ ص۱۵۹ صفوۃ التفاسیر ج۲ ص۳۵۷) وغیرہ وغیرہ۔ رہ گئی یہ بات کہ اس کو "من" کی بجائے "ما" سے کیوں تعبیر فرمایا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ "ما" تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ خود اردو زبان میں بھی ایسا موجود اور معروف ہے کہ تحقیر کے لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کیا ہے؟ یا کیا چیز ہے؟ وغیرہ۔ اسی طرح یہاں پر "مــن" کی بجائے "مــا" سے تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ عظیم ہستیاں جن کی پوجا کی جارہی ہے مخلوق میں کتنے ہی بڑے مرتبے کی کیوں نہ ہوں، حق تعالیٰ شانہٗ اور اس کی ربوبیت کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ اور ان میں سے کسی میں بھی اس کا کوئی استحقاق نہیں کہ اس کو معبود قرار دیا جائے۔ چنانچہ نویں صدی ہجری کے مشہور عالم علامہ محمد بن عبدالرحمٰن الحسنی الشافعیؒ اپنی تفسیر جامع البیان میں لکھتے ہیں "ما هنا لاجرائهم مجرى غير ذوى العقول تحقيرًا لشأنهم لقصورهم عن معنى الربوبية" (جامع البیان: ج۲ ص۸۴)۔ اور ابنِ کثیر نے مجاہدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد عیسیٰ، عزیر اور فرشتے ہیں۔ (ابنِ کثیر: ج۵ ص۱۴)۔ سو ان تمام ثقہ اہلِ علم اور جمہور مفسرینِ کرام کی ایسی تصریحات سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ﴿مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کا تعلق صرف لکڑی پتھر وغیرہ کی بے جان مورتیوں سے نہیں۔ جیسا کہ اہلِ بدعت وغیرہ کا کہنا ہے۔ بلکہ اس کا عموم ان سب کو شامل ہے جن کی اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا پوجا کی گئی اور کی جارہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ درست اور بجا ہے کہ اللہ پاک کے سوا جن پاکیزہ ہستیوں کی پوجا کی گئی ان کا چونکہ اس میں کوئی قصور نہیں اور ان کی مرضی اس میں شامل نہیں بلکہ ایسا بعد کے لوگوں نے ان کی تعلیمات کیخلاف اور ان کی مرضی کے برعکس کیا۔ اور عشق ومحبت کے دعوے سے کیا اس لئے ان پر اس کا نہ کوئی الزام ہوگا نہ مؤاخذہ۔ وہ اس سے ہر طرح بری ہوں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾۔ (الانبیاء: ۱۰۱)۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر قسم اور شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ

یہ خود ہی بھٹک گئے تھے سیدھی راہ سے؟ ف۱۹ تو وہ (عاجزانہ اور دست بستہ) عرض کریں گے کہ پاک ہے آپ کی ذات (اے اللہ!)

يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ

ہمیں تو (کسی بھی طرح) یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ ہم آپ کے سوا کسی اور کو کارساز

اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا

بناتے ف۲۰ مگر آپ ہی نے جس آسودگی (اور خوشحالی) سے نوازا تھا ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادا کو (تو اس سے یہ لوگ مست و مگن ہو کر

الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ

کفرانِ نعمت میں پڑ گئے تھے) یہاں تک کہ انہوں نے بھلا دیا تھا آپ کی یاد (دلشاد) کو اور یہ لوگ شامت زدہ ہو کر رہ گئے تھے ف۲۱ سو وہ قطعی

بِمَا تَقُولُونَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ

(اور صریح) طور پر جھٹلا دیں گے تمہاری ان تمام باتوں کو (اے منکرو!) جو تم لوگ (آج ان کو شریک ٹھہرانے کے لئے گھڑتے) بناتے

۱۹ حشر میں مشرکوں کی تحقیر و تذلیل کے لیے سوال: -سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کے روز مشرکوں کے خودساختہ معبودوں سے سوال مشرکوں کی تحقیر و تذلیل کیلئے ہوگا۔ یہ سوال ان عابدین کی تذلیل و تحقیر کے لئے ہوگا۔ ورنہ اللہ پاک کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ان پوجنے والوں نے اپنے ان معبودوں کے ساتھ بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں کہ یہ مشکل وقت میں ہمارے کام آئیں گے۔ اس لئے وہ ان کے نام کی نذریں نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، دیگیں پکاتے، جھنڈے گاڑتے، اٹھتے بیٹھتے ان کو پکارتے، ان کو مشکل کشا و حاجت روا سمجھ کر ان کے نام جپتے اور ان کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ اور بڑے فخر و اطمینان سے کہا کرتے تھے کہ میں تو فلاں دربار کا کتا ہوں۔ میں نے تو اس کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال دیا ہے۔ میں تو فلاں سرکار کا غلام ہوں اور سگِ درگاہِ فلاں ہوں۔ میں نے فلاں حضرت کو اپنا ہاتھ دے دیا ہے۔ بس وہی مجھے کافی ہیں۔ میں تو فلاں کا ملنگ ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے اللہ پاک فصل و تمیز اور جزا و سزا کے اس دن میں ان کے سامنے ان کے معبودوں سے یہ سوال فرما کر دراصل ان مشرکوں کی تحقیر و تذلیل کا سامان فرمائے گا۔ اور اس طرح ان بدبختوں کی حسرتوں میں اضافے پر اضافہ ہوتا جائے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہ اس خدائے رحمٰن و رحیم کی بے پایاں رحمت و عنایت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ اس نے یہ سب کچھ پیشگی اور اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ اس دنیا میں ہی بتا دیا تاکہ جس نے سنبھلنا ہو وہ

سنبھل جائے اور جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے۔ اور تا کہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز مشرکوں کے ان خود ساختہ معبودوں سے یہ سوال کیا جائیگا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم لوگوں نے گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی راہِ حق سے بھٹک گئے تھے؟ تو وہ جواب عاجزانہ عرض کریں گے کہ ہمارے مالک تو پاک ہے ہر نقص و عیب اور ہر شائبہ شرک سے۔ ہمارے لیے یہ کس طرح روا ہو سکتا تھا کہ ہم تیرے سوا کسی اور کو اپنا یار اور دوست بنالیں اور کسی سے اپنی پوجا جیسے سنگین جرم کیلئے کہیں۔ سو ایسی بات نہ ہوئی اور نہ ہمارے لیے روا تھی۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ تو نے اے ہمارے مالک ان کو اور ان کے باپ دادا کو معیشت دنیا کی جو فراوانی عطا فرمائی تھی اس سے یہ مست و مگن ہو گئے تھے۔ اور یہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ ہمارا حق ہے اور ہمیں پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ ہم یونہی عیش کرتے رہیں۔ آخرت واخرت کچھ نہیں۔ بلکہ یہ دنیا ہی دنیا اور اسی کا عیش اور بس۔ اور آخرت اگر ہوئی بھی تو وہاں بھی ہمارے لیے اسی طرح عیش کے سامان ہونگے۔ اور یہ بڑی بڑی ہستیاں ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے وہاں بھی کافی ہونگی۔ ہماری انکے آگے اور انکی ان کے آگے وغیرہ وغیرہ۔ سو اسی غلط سوچ اور الٹی منطق نے ان کا راستہ غلط کر دیا۔ انہوں نے حق کو سن کر نہ دیا۔ اور اس طرح انہوں نے اس روزِ جزاء کو جھٹلا دیا جسکے نتیجے میں یہ ہلاک و برباد ہو کر رہے۔ سو اس سے ان مشرکوں کو جس تذلیل اور تحقیر کا سامنا ہو گا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ اور یہی بات حضرتِ عیسیٰ بھی اس روز فرمائیں گے۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں ارشاد فرمایا گیا۔ سو اس سوال و جواب سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں پر ان معبودوں سے لکڑی پتھر وغیرہ کے وہ بت مراد نہیں ہو سکتے جن کو مشرک لوگ پوجتے رہے ہیں کہ ان بے حس اور بے جان بتوں سے نہ اس طرح کے کسی سوال کی کوئی تک بنتی ہے اور نہ وہ اس طرح کا کوئی جواب دے سکتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ انبیاء، شہداء، صلحاء اور فرشتوں کی وہ پاکیزہ اور مقدس ہستیاں ہیں جن کی مشرک لوگوں نے از خود پوجا و پرستش کی اور ان کو حاجت روا اور مشکل کشا جان کر پوجا پکارا۔ (معارف، تدبر، تفہیم وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہی مضمون سورۂ سبا کی آیت نمبر ۴۰ تا ۴۱ میں بیان فرمایا گیا ہے بلکہ وہاں تو ملائکہ کی تصریح موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فکر و نظر کے ہر زیغ و انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۲۰ اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنانے والے سخت خسارے میں: ۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ یہ حضرات جن کو یہ مشرک لوگ دنیا میں پوجتے پکارتے رہے تھے اس روز حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کے اس سوال کے جواب میں صاف طور پر اس کا انکار کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارے لیے روا نہیں تھا کہ ہم آپ کے سوا کسی کو اپنا کارساز بناتے۔ یعنی ہم نے جب ساری زندگی اپنے لئے آپ کے سوا کسی کو کارساز نہیں بنایا تو ان کو ایسی کوئی بات ہم کس طرح کہہ سکتے تھے؟ اور دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ صرف یہی نہیں کہ وہ ان سے اس طرح اپنی براءت و بیزاری کا اعلان و اظہار کر دیں گے اور بس۔ نہیں بلکہ وہ الٹا ان کے دشمن بن جائیں گے۔ ﴿كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ ۔ (الاحقاف:۶)۔ نیز فرمایا گیا ۔ ﴿كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ

ضِدًّا ﴾- (مریم:۸۲)- نیز فرمایا گیا- ﴿ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ ﴾- نیز فرمایا گیا کہ وہ کہیں گے- ﴿ تَبَرَّاْنَآ اِلَیْکَ مَا کَانُوْٓا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ﴾- (القصص:۶۳)-تب یہ مشرک مارے افسوس کے اپنے ہاتھ کاٹ کھائیں گے کہ ہم نے اللہ کو چھوڑ کر ان کو اپنا معبود اور حاجت روا و مشکل کشا اور کارساز کیوں بنایا تھا؟ مگر بے وقت کے اس افسوس کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے انکی حسرت و یاس میں اضافے کے- والعیاذ باللہ العظیم- اور سورۂ سبا کی محولہ بالا آیاتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس روز اللہ ان سب کو جمع کرے گا۔ پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کرتے رہے تھے؟ تو فرشتے اس کے جواب میں عرض کریں گے پاک ہے تو اے اللہ۔ ہمارا تعلق تو آپ سے تھا نہ کہ ان سے۔ یہ لوگ تو اصل میں شیطانوں کی پوجا کرتے تھے اور ان میں کے اکثر انہی پر ایمان رکھتے تھے۔ (سبا:۴۰-۴۱) والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے حفظ و امان میں رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۱ ایمان و یقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی- والعیاذُ باللہ: -سو ایمان و یقین کی دولت سے محرومی کی صورت میں ملنے والا مال و متاع بھی باعثِ عذاب و ہلاکت ہے- والعیاذ باللہ- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ان کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہوا کہ اللہ پاک کی طرف سے اس دنیائے دوں کا ساز و سامان ان کو اور اس سے پہلے ان کے باپ داداؤں کو بھی خوب ملتا گیا۔ تو یہ مست و مگن ہوگئے اور انہوں نے اس کو اپنی حقانیت کی دلیل سمجھ لیا اور کہا کہ اگر ہم سچے نہ ہوتے، حق پر نہ ہوتے تو ہمیں یہ دنیا کیوں ملتی؟ لہٰذا حساب کتاب وغیرہ کچھ نہیں ہونا۔ بلکہ یہی دنیا اور اس کے یہ مزے ہی سب کچھ ہیں اور بس۔ اور اگر کوئی حساب کتاب ہوا بھی تو ہم کو فلاں فلاں ہستیاں چھڑا لیں گی۔ بس ہم انہی کا لڑ پکڑ لیتے ہیں کہ جہاں سے اونٹ گزرے گا اس کی دم بھی گزر جائے گی۔ اس لئے ہم ان ہستیوں سے وابستہ ہوکر ان ہی کو نذریں نیازیں دیتے رہیں گے۔ اور یہ ہمارا کام بنا دیں گی۔ سو اس طرح شیطان ان کو دھوکہ دیتا گیا اور یہ اس کا شکار ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ یہ شامت زدہ اور تباہ حال ہوکر رہے۔ اور فرصتِ عمر یونہی گزر گئی- والعیاذ باللہ- اور اسکے نتیجے میں یہ اس ہولناک خسارے میں مبتلا ہوکر رہے جسکی تلافی اور تدارک کی کوئی صورت اب ان کیلئے ممکن نہیں رہی۔ اور یہ ہمیشہ کیلئے ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے میں گر گئے۔ سو نورِ ایمان و یقین سے محرومی کی صورت میں مال دولت کا ملنا انسان کی ہلاکت و تباہی کا ایک بنیادی سبب ہے کہ ایسا شخص اسکو اپنی صداقت و حقانیت کی دلیل سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے کفر و باطل پر پکا ہوجاتا ہے- والعیاذ باللہ- جبکہ ایمان و یقین کی دولت سے سرفرازی و بہرہ مندی کے ساتھ ملنے والا مال و دولت انسان کیلئے خیر کی کمائی اور خیر و برکت میں اضافے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اور ایسا شخص نورٌ علیٰ نور کے شرف سے مشرف ہوجاتا ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں مال کو "خیر" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور حدیث میں اسکو ایک بڑی نعمت قرار دیا گیا ہے۔ سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے جس کے بعد دنیا ملے بھی تو خیر اور نہ ملے تو بھی خیر۔ جبکہ ایمان و یقین سے محرومی کی صورت میں دنیا ملے تو بھی عذاب اور نہ ملے تو بھی عذاب- والعیاذ باللہ العظیم بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال-

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿١٩﴾

ہو۲۲ پھر نہ تو تم عذاب کو ٹال سکو گے، اور نہ ہی (کہیں سے) کوئی مدد پا سکو گے اور جو بھی کوئی تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو مزہ چکھا کر

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ

رہیں گے ایک بہت بڑے عذاب کا، اور ہم نے جو بھی پیغمبر آپ سے پہلے بھیجے ان سب کی شان یہی تھی

اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي

کہ وہ کھاتے (پیتے) بھی تھے اور بازاروں میں

۲۲ مشرکوں کی تذلیل وتوبیخ مزید کا ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ مشرکوں کی تذلیل وتوبیخ کے لیے ان سے مزید کہا جائے گا کہ لو تمہارے ان معبودوں نے تم کو اے مشرکو جھٹلا دیا''۔ یعنی یہ بات ہوگی تو قیامت میں لیکن یہ ایسی یقینی ہے کہ گویا کہ ہو چکی ہے۔ اسی لئے اس کو ماضی کے صیغے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بات ان کو اس وقت کہی جائے گی کہ لو جن کا تمہیں تکیہ و آسرا تھا انہوں نے تمہیں اور تمہاری ان تمام خوش فہمیوں کو جھٹلا دیا جو تم نے ان سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ سو اب لوگ چکھو مزہ اپنے کیے کا - والعیاذ باللہ- بہر کیف قیامت میں وقوع پذیر ہونے والی اس حقیقت کو اسکے تحقق وقوع کی بناء پر بتقاضائے بلاغت یہاں پر ماضی کے صیغے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سو مشرکوں سے کہا جائے گا کہ لو جن کا تم لوگوں کو بڑا زعم اور گھمنڈ تھا۔ اور جن کو تم اپنا مشکل کشا و حاجت روا سمجھ کر پوجا پکارا کرتے تھے۔ اور تمہارا کہنا یہ تھا کہ یہ مشکل وقت میں ہمیں کام آئیں گے اور ہم جو بھی اور جیسے بھی اعمال کرتے رہیں یہ ہمیں چھڑا دیں گے۔ آج انہوں نے تمہیں صاف اور صریح طور پر جھٹلا دیا۔ تمہارا کہنا تو یہ تھا کہ ہم جو ان کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجتے پکارتے ہیں۔ یہ انہی کی ہدایت وتعلیمات کے مطابق کر رہے ہیں اور انکی رضا و خوشنودی حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن ان کا صاف اور صریح طور پر کہنا یہ ہوگا کہ ہماری طرف سے کسی کو اپنی عبادت کا حکم دینا تو درکنار ہم تو ایک لمحہ کیلئے بھی اس بات کے روادار نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا ولی و کارساز بنائیں۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر احسانِ عظیم ہے کہ غیب کے ان حقائق کو جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ انسان کیلئے ممکن ہی نہیں۔ ان سے دنیا کو اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ آگاہ کر دیا مگر دنیا ہے کہ پھر بھی خوابِ غفلت میں محو اور مست و مگن ہے۔ والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ شرک وغفلت اور ان کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ ہمیشہ اپنی یاد دلشاد سے سرشار اور اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر ثابت و مستقیم رکھے اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے- آمین ثم آمین وانہ، سبحانہ، وتعالیٰ سمیع قریب مجیب، وعلیٰ مایشاء قدیر-

اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ ط وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ط

چلتے پھرتے بھی تھے ۲۳ اور ہم نے تم سب کو (اے لوگو!) آپس میں ایک دوسرے کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے ۲۴

اَتَصْبِرُوْنَ ج وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

کیا تم لوگ صبر کرتے ہو؟ ۲۵ اور تمہارا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے

ع ۱۷ / ۱۱

۲۳ جملہ انبیاء و رسل بشر اور انسان ہی تھے: - سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ جتنے بھی انبیائے کرام آئے وہ سب بشر اور انسان ہی تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور نفی و اثبات کے ساتھ حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے آپ سے پہلے - اے پیغمبر! - جو بھی رسول بھیجے وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے''۔ یعنی وہ سب ہی بشر تھے جو کھانے پینے وغیرہ کے تمام بشری خواص و عوارض رکھتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں کا آپ کی بشریت اور ان بشری لوازم پر اعتراض کرنا باطل و مردود ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ - یعنی ''ان سے کہو کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں'' (الاحقاف: ۹)۔ مگر اس سب کے باوجود آج کے اعجوبہ پرستوں کی طرح کل کے ان اعجوبہ پرستوں کا کہنا بھی یہی تھا کہ ایک ایسا بشر رسول کس طرح ہو سکتا ہے جو کہ دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، بازاروں میں آتا جاتا ہو۔ اور دوسرے بشری تقاضے اور انسانی عوارض رکھتا ہو۔ وہ نبی و رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟ نبی تو وہ ہونا چاہیئے جو ان تمام بشری صفات اور انسانی عوارض سے ماوراء اور بالا کوئی آسمانی اور نوری قسم کی مخلوق ہو۔ یہی اشتباہ کل کے ان لوگوں کو بھی تھا اور یہی آج کے بہت سے اہلِ بدعت اور دوسرے اعجوبہ پرستوں کو بھی ہے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ کل کے ان اعجوبہ پرستوں نے انبیائے کرام کی بشری صفات پر نظر رکھتے ہوئے ان کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا اور آج کے یہ اعجوبہ پرست ان کی نبوت و رسالت پر ایمان کے دعویدار بن کر ان کی بشریت کے منکر ہو رہے ہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ نبی کو بشر کہنا ہی سرے سے جائز نہیں۔ یعنی کل کے ان اعجوبہ پرستوں نے عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ میں سے دوسرے جز کا انکار کیا تھا اور آج کے یہ اعجوبہ پرست اسکے پہلے جز کے انکاری ہو رہے ہیں - والعیاذ باللہ - جبکہ حق اور حقیقت یہ ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - بیک وقت بشر بھی ہوتے ہیں اور نبی و رسول بھی۔ بلکہ بشر وہ پہلے ہوتے ہیں اور نبی و رسول بعد میں بنتے ہیں۔ اسی لئے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کے سامنے جب ایک شخص نے رَسُوْلُهٗ وَعَبْدُهٗ کہا تو آپ نے اس کو فوراً ڈانٹ کر فرمایا کہ اس طرح مت کہو۔ بلکہ - ''عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' - کہو کہ میں بندہ و بشر پہلے تھا اور نبی و رسول بعد میں بنا - ''كُنْتُ عَبْدًا قَبْلَ اَنْ اَكُوْنَ رَسُوْلًا'' - بہر حال یہاں پر کفار کے اسی بیہودہ سوال کا جواب دیا گیا ہے اور یہ اعتراض و الزام دراصل ان لوگوں کی خود اپنی حماقت کی دلیل تھا اور ہے۔ کیونکہ عقل اور نقل دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھی انسانوں ہی میں سے ہو۔ تا کہ وہ زندگی کے

ہر شعبے میں ان کو عملی طور پر نمونہ دکھا سکے۔ اسی لئے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - اور آپ سے پہلے کے تمام انبیائے کرام بشر اور انسان ہی تھے - عَلٰی جَمِیْعِهِمِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ - بہرکیف اس آیتِ کریمہ سے کفارِ قریش کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو وہ حضورؐ پر آپؐ کی بشریتِ طاہرہ اور اسکے تقاضوں کی بنا پر کرتے تھے۔ اور اس اہم اور بنیادی حقیقت کو بھی واضح فرما دیا گیا کہ جتنے بھی انبیا آئے وہ سب بشر ہی تھے۔ اور یہی تقاضا ہے عقل سلیم اور فطرت مستقیم کا۔ کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جائے۔ فالحمد للہ رب العالمین

۲۴ سب لوگ ایک دوسرے کے لیے ذریعۂ ابتلاء و آزمائش: -- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے ذریعۂ ابتلاء و آزمائش ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے تم سب کو ایک دوسرے کیلئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے"۔ سب لوگوں کو خطاب ہے خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں۔ مگر اس کا اولین مصداق کفارِ قریش اور مسلمان ہیں۔ پس کافر مومن کے لئے اور مومن کافر کے لئے، موحد مشرک کے لئے اور مشرک موحد کے لئے، مال دار غریب کے لئے اور غریب مال دار کے لئے آزمائش کا ذریعہ ہے کہ یہ دنیا ہے ہی ابتلاء و آزمائش کا گھر۔ لہٰذا راہِ حق میں جو بھی دقت و دشواری پیش آئے اس پر صبر و استقامت ہی سے کام لو۔ اور تمہارا رب جب یہ کچھ خود دیکھ رہا ہے تو وہ ہر کسی کو اس کا وہ بدلہ دے گا جس کا وہ حق دار ہے۔ اس لئے اہلِ حق کو اپنے مستقبل و انجام کے لئے بہر حال مطمئن رہنا چاہیئے اور اہلِ باطل کو راہِ حق و صواب کو اپنانے کی فکر و کوشش کرنی چاہیئے قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود و معدود ان کے ہاتھ سے نکل جائے - وباللّٰهِ التوفیق لما یُحِبُّ وَیرید - سو اسی سنتِ ابتلاء و آزمائش کے مطابق مسلمانوں کی غربت کفارِ قریش کیلئے فتنہ بن گئی۔ جن کے مطابق ان لوگوں کا کہنا تھا کہ جب مال و دولت اور جاہ و اقتدار وغیرہ کی نعمتیں ہم لوگوں کو حاصل ہیں تو پھر اگر یہ دین بھی کوئی خدائی دین ہوتا تو یہ بھی ہم ہی لوگوں کو ملتا نہ کہ ان مسلمانوں کو جو کہ قلاش ہیں۔ اور اگر اللہ نے انسانوں ہی میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجنا ہوتا تو وہ اس کیلئے مکہ اور طائف کے سرداروں میں سے کسی کو اس کیلئے چنتا نہ کہ محمدؐ جیسے غریب شخص کو وغیرہ وغیرہ۔ سو اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے ذریعۂ ابتلاء و آزمائش بنایا - اللہ تعالیٰ اس ابتلاء و آزمائش کے ہر مرحلے پر کامیابی اور سرخروئی نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۲۵ مسلمانوں کو صبر کی تلقین: -- سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہام تحریض کے طور پر فرمایا گیا کہ "کیا تم لوگ صبر کرتے ہو؟" یعنی جب آزمائش کے اس امتحان میں کفارِ قریش ناکام ہو گئے اور انہوں نے مال و دولت جیسی نعمتوں پر اللہ کا شکر کرنے کی بجائے الٹا انہی کی بنا پر اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر حق کا انکار کر دیا اور وہ حق کے دشمن بن گئے اور استکبار کے نشے میں انہوں نے حق کی صداقت و حقانیت اور اسکی معقولیت میں غور و فکر کرنے کی بجائے الٹا انہوں نے دعاۃِ حق کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ سو اب تمہاری آزمائش ہے اے مسلمانو کہ تم لوگ انکے طعن و تشنیع اور مخالفت و عداوت کے مقابلے میں ثابت قدم رہتے ہو کہ نہیں۔ اور استفہام یہاں پر تحریض و تشویق کیلئے ہے۔ یعنی تم لوگوں کو ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ سو اس میں مسلمانوں کیلئے صبر و استقامت کی تعلیم و تلقین ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علیٰ ما یحب و یرید - بکل حالٍ من الاحوال۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اور کہتے ہیں وہ لوگ (پوری ڈھٹائی اور بے باکی سے) جو امید (و اندیشہ) نہیں رکھتے ہمارے حضور پیشی کا کہ کیوں نہیں اتار دیئے گئے

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

ہم پر فرشتے ۲۶ یا ہم خود (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے اپنے رب کو ۲۷ سو ان لوگوں نے بڑی چیز سمجھا اپنے آپ کو اپنے دلوں میں

۲۶ عقیدۂ آخرت سے محرومی، محرومیوں کی محرومی - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو لوگ ہمارے حضور پیشی کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتار دیئے گئے"۔ یعنی بشر کی بجائے نوری فرشتوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوتا یا یہ کہ اس رسول کے ساتھ فرشتے اتار دیئے جاتے تاکہ وہ نہ ماننے والوں کو ڈراتے، دھمکاتے اور خبردار کرتے رہتے۔ جیسا کہ پہلے اسی سورۂ کریمہ کی آیت نمبر ۷ میں فرمایا گیا۔ ﴿فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا﴾۔ اور منکروں کی طرف سے یہ سب ہی باتیں کہی جاتی تھیں جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر بیان ہوا ہے۔ کبھی وہ کہتے کہ کیا ایک بشر ہی کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجنا تھا؟ اور کبھی کہتے کہ جو فرشتے پیغمبر پر نازل ہوتے ہیں وہ ہم پر کیوں نہیں آتے؟ اور کبھی کہتے کہ ان صاحب کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں موجود نہیں جو خبردار کرتا رہتا؟۔ سو یہ سب کچھ ایمانِ آخرت سے محرومی کا نتیجہ تھا۔ پس عقیدۂ آخرت سے محرومی، محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ محرومیوں اور ان کے جملہ شوائب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر ہی چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۷ استکبار باعثِ محرومی، والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ محرومی اور فساد کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو منکرین نے اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہونے کے باعث کہا کہ "یا ہم خود دیکھ لیں اپنے رب کو"۔ یعنی وہ بے حجاب ہو کر خود ہمارے سامنے آجائے اور ہم اسکو کھلی آنکھوں دیکھ لیں۔ اور وہ ہم سے خود ان صاحب کو رسول ماننے کے بارے میں کہتا یا یہ کہ جو پیغام ان رسولوں کے ذریعے ہمیں دیا جا رہا ہے وہ براہِ راست خود ہمیں دیا جائے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کا یہ قول اس طرح نقل فرمایا گیا ہے۔ ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ -الآیۃ (الانعام:۱۲۴)۔ سو جب انسان پیغامِ حق کو سننے اور اسکے ماننے کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہوتا تو اس کا زاویۂ نگاہ اسی طرح الٹا ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ان لوگوں کا یہ مطالبہ چونکہ محض کبر و غرور اور ان کی حماقت و سفاہت پر مبنی تھا اس لیے قرآنِ حکیم نے انکی اس احمقانہ بات کا جواب دینے کی بجائے ان کے اسی کبر و غرور پر ضرب لگائی اور فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھ لیا جو خدا اور فرشتوں کو دیکھنے کا مطالبہ لیکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سو استکبار یعنی اپنی بڑائی کا زعم اور گھمنڈ منبع شر و فساد اور محرومی کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو بندے کی اصل کامیابی اور حقیقی عزت و عظمت اس کے کمالِ عبدیت و عبودیت میں ہے۔ اللہ نصیب فرمائے، اور محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید، بکل حالٍ من الاحوال

وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى

اور انہوں نے ارتکاب کیا ایک بہت بڑی سرکشی کا ف۲۸ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے' اس دن ایسے مجرموں کے لئے

يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٢٢﴾ وَقَدِمْنَآ

خوشی کا کوئی موقع نہیں ہوگا وہ ف۲۹ (الٹا گھبرا کر) پکاریں گے کہ کوئی مضبوط پناہ ف۳۰ کر دی جائے (بچنے کے لئے) اور (اس روز) ہم

اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾ اَصْحٰبُ

متوجہ ہوں گے ان کے ان تمام اعمال کی طرف' جو انہوں نے (اپنی دنیوی زندگی میں) کئے (کرائے) ہوں گے' پھر ہم ان کو اڑا دیں گے

الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ

غبار پریشان کی طرح ف۳۱ جنت والوں کا اس دن ٹھکانا بھی سب سے اچھا ہوگا اور ان کی آرام گاہ بھی سب سے عمدہ ہوگی' اور جس دن

تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾

پھٹ پڑے گا آسمان بادل کے ساتھ' اور اتار دیا جائے گا فرشتوں کو پرے پر پرے کے طور پر' ف۳۲

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى

حقیقی (اور سچی) بادشاہی اس روز (خدائے) رحمٰن ہی کی ہوگی' ف۳۳ اور کافروں پر وہ دن بڑا ہی

۲۸ **استکبار کا نتیجہ تمرد و سرکشی - والعیاذ باللہ:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "انہوں نے بہت بڑی سرکشی کا ارتکاب کیا" اور اس سے بڑھ کر سرکشی اور حد سے بڑھ جانے کی صورت اور کیا ہوگی کہ کوئی بندہ عام اور عاجز بندہ ہونے کے باوجود حضرت حق - جل مجدہٗ - کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کو اپنی ان مادی، مخلوق اور قاصر آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کرے جس کے نورِ بے کیف کی ایک جھلک نے کوہِ طور کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اور حضرتِ موسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - جیسے اولوا العزم رسول اور جلیل القدر پیغمبر بھی بے ہوش ہو کر گر گئے تھے۔ اور جس کے بارے میں حضرتِ ابو موسیٰ اشعریؓ کی مرفوع روایت کے مطابق ارشاد فرمایا گیا کہ اگر وہ اپنے نورِ مطلق سے پردہ اٹھا دے تو سب کچھ جل جائے - " لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ شَیْءٍ - " یعنی اس کے وجہ انور کی تجلیات سے ہر چیز جل کا راکھ ہو جائے - سبحانہٗ وتعالیٰ - ﴿فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ - سو اس کو ظاہری اور مادی آنکھوں کی بجائے دل کی اور باطنی آنکھوں سے دیکھا جائے اور اس کو ویسے مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اسکے وہ رسول بتائیں جن کے پاس اسکی طرف سے وحی آتی ہے۔ یہی صحیح راستہ اور سلامتی والا طریقہ ہے معرفتِ خداوندی سے سرفرازی کا۔ اور یہی تقاضا ہے عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا۔ اور اسی کی تائید و تلقین عقل و نقل دونوں

سے ہوتی ہے۔ ورنہ اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۲۹ مجرموں کے لیے ایک تنبیہ وتہدید: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں کے لیے فرشتوں کے دیکھنے سے کوئی خوشی نہ ہوگی"۔ "مجرم لوگوں کے لئے خوش خبری نہ ہوگی" کے اس ارشادِ ربانی سے معلوم ہوا کہ ایمان والے صالحین کے لئے خوشخبری ہوگی۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ ﴿ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ ۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۰) اور اس کا مظاہرہ موت کے وقت بھی ہوگا اور قیامت میں بھی۔ فَشَرِّفْنَا اللّٰهُمَّ بِهَا يَا مَن بيده ملكوت كل شئ - بہرکیف یہاں پر ارشاد فرمایا گیا کہ آج تو یہ لوگ فرشتوں کے دیکھنے کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس دن ان کیلئے خوشی کا کوئی موقعہ نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ ان کیلئے ذلت ورسوائی کا موقعہ ہوگا۔ سو ان کو فرشتے موت کے وقت نظر آئیں گے تو وہ ان کیلئے خوشی کی بجائے عذاب کا پیغام لائیں گے۔ اور وہ ان کے مونہوں اور انکی پیٹھوں پر ماریں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾ ۔ (الانفال: ۵۰) ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۳۰ ﴿ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾ کا معنی ومطلب؟: -سو "حجر" کے معنیٰ ہیں "پناہ" اور "رکاوٹ" کے۔ اور "محجور" اسی سے اسمِ مفعول ہے بمعنیٰ "روکی ہوئی چیز"۔ یعنی "پناہ در پناہ" اور "مضبوط پناہ" وغیرہ۔ یعنی آج تو یہ لوگ فرشتوں کے اترنے اور دیکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں مگر اس روز یہ چیخ چیخ کر ان سے پناہ مانگ رہے ہوں گے کہ ہمیں ان سے دور اور محفوظ رکھا جائے۔ آج کی ان کی یہ ساری غفلت شعاری اور لاپرواہی اس وقت ہرن ہو جائے گی۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ یہ قول فرشتوں کا ہوگا۔ یعنی وہ فرشتے ان سے اس دن کہیں گے کہ اب تم سے جنت اور اس کی نعمتوں کو بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ (محاسن، معارف وغیرہ)۔ اور وجہ اسکی ظاہر ہے کہ جنت کو کمانے اور حاصل کرنے کا موقع تو دنیاوی زندگی اور اسکی فرصت میں تھا۔ جس کو انہوں نے کفر وانکار کی حالت میں ہی گزار دیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے منکر اور محروم انسان کیلئے ہمیشہ کی محرومی ہوگی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ان کفار ومنکرین کیلئے صحت وسلامتی کی راہ یہ ہے کہ یہ فرشتوں کے اترنے جیسے مطالبات کے بجائے ایمان لاکر اپنے اس ہولناک انجام سے بچنے کی فکر وکوشش کریں اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے تیاری کریں قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود ان کے ہاتھوں سے نکل جائے اور پھر ان کو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۳۱ اعمال کا وزن ایمان واخلاص سے: -اس لئے اہلِ کفر وباطل کے اعمال بے وزن وبے حقیقت ہیں۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اہل کفر کے اعمال کو اس روز غبارِ پریشان کی طرح اڑا دیا جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی ان کے ایسے اعمال جو انہوں نے اپنے طور پر نیکی سمجھ کر کئے کرائے ہوں گے۔ مثلاً غریبوں کی پرورش، یتیموں کی خبرگیری، محتاجوں کو کھلانا پلانا، سڑکیں بنانا، ہسپتال قائم کرنا، فلاحی ادارے قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سو انکے ان تمام کاموں کو اس دن روزنِ دیوار سے داخل ہونے والی دھوپ میں اڑتے ہوئے نظر آنے والے ان بے وزن اور بے قدر وقیمت ذروں کی طرح غبارِ پریشان کر کے ضائع کر دیا جائے گا۔ اور یہ وہاں پر ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکیں گے۔ کیونکہ کفر وشرک کے باعث ایسے اعمال کسی بھی درجہ میں وہاں پر قابلِ قبول اور لائق اعتناء نہیں ہوں گے کہ قبولیتِ عند اللہ کے لئے ایمان وتوحید کی شرط بنیادی شرط اور

اولین اساس ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ ان اعمال کو راکھ کے اس ڈھیر سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو ایک سخت زوردار ہوا اڑا کر "کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ" کردے۔ اس پر یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ پھر اللہ پاک کے اس عدل وانصاف کا ظہور ان کے حق میں کس طرح ہوگا جس کے مطابق ہر عمل پر بدلہ دیئے جانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ کسی کا عمل ضائع نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر اس کی تصریح فرمادی گئی ہے کہ ایسے لوگوں کے اس طرح کے تمام اعمال کا بدلہ ان کو اسی دنیا میں دے دیا جائے گا اور بس۔ چنانچہ دنیاوی مال ومنال، جاہ وجلال، صحت وعافیت، سیادت وقیادت حکومت واقتدار اور شہرت وناموری وغیرہ کی طرح طرح کی نعمتوں کی شکل میں ان لوگوں کو جو نوازا جاتا ہے ان کے ذریعے ان کا حساب کتاب یہیں چکا دیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ چنانچہ اس بارے میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ ، اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾۔ (ہود: ۱۶-۱۵)۔ سو آخرت میں اعمال کی قبولیت اور ان کے نافع ہونے کے لئے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایمان ویقین، صدق واخلاص اور اِتباعِ ھدیٰ۔ وباللہ التوفیق۔ ورنہ وہاں پر کسی عمل کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

۳۲ قیامت کے آغاز اور ظہورِ ملائکہ کا ذکر: ۔ سو اس یوم عظیم کی تذکیر ویاد دہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "جس دن آسمان پھٹ پڑیگا اور فرشتوں کو اتار دیا جائے گا پرے کے بعد پرے"۔ سب سے پہلے آسمانِ دنیا کے فرشتے اتریں گے جو کہ روئے زمین پر موجود تمام جن وانس سے زیادہ ہوں گے۔ وہ تمام کے تمام صف بنا کر سب لوگوں کو میدانِ حشر میں اپنے گھیرے میں لے جائیں گے۔ پھر دوسرے آسمان کے فرشتے اتریں گے جو ان سے بھی زیادہ ہوں گے اور وہ ان کے گرد گھیرا ڈال لیں گے۔ اور اسی طرح باقی سب آسمانوں کے فرشتے۔ جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے۔ (ابن کثیر، الجمل، الروح وغیرہ)۔ سو اس روز فرشتے اتریں گے اور اس کثرت سے اتریں گے مگر اس روز ان لوگوں کیلئے خوشی کا کوئی موقع نہیں ہوگا جو آج اس یومِ حساب کا انکار کررہے ہیں۔ اور یہ اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا بدلہ پانے کیلئے سب کے سب وہاں پر حاضر وموجود ہونگے۔ اور ان کے یہ خودساختہ معبود جن کا انکو بڑا ناز اور گھمنڈ ہے ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکیں گے۔

۳۳ قیامت کے روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی سبحانہ، وتعالیٰ: ۔ سو اس سے اس امر کی تصریح فرمادی گئی کہ حقیقی بادشاہی اس روز خدائے رحمٰن ہی کی ہوگی۔ یعنی یہ آج دنیا میں جو عارضی وقتی اور فانی قسم کی حکومتیں اور بادشاہتیں جابجا نظر آتی ہیں اس دن ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گی اور خدائے رحمٰن کی حقیقی بادشاہی ہی اپنی پوری عظمت شان اور تمام تر جلوہ افروزیوں کے ساتھ سب پر سایہ فگن ہوگی۔ سو حقیقی بادشاہی اور حکومت واختیار اگرچہ آج اور اس دنیا میں بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے لیکن دنیا کے اس دارالامتحان میں آج چونکہ اس حقیقت پر پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے آج بہت سے ناداں غلط فہمی کا شکار ہیں اور وہ اپنی خدائی کا ڈنکا بجانے کے خبط وخمار میں مبتلا ہیں۔ لیکن کل قیامت کے اس عالمِ مشاہدہ میں یہ سب پردے ہٹ جائیں گے اور جملہ حقائق اپنی اصل شکل میں سامنے آجائیں گے۔ اس لیے وہاں پر یہ حقیقت جو کہ حقیقتوں کی حقیقت ہے سب کے سامنے پوری طرح واضح ہوجائے گی کہ سارا زور اور حقیقی اختیار اللہ ہی کا ہے۔ اور کسی کو بھی زور واختیار حاصل نہیں۔ اور یہ کہ بادشاہِ حقیقی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اور حکومت اسی کی حکومت ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللّٰھم فکن لنا واجعلنا لک یا ذا الجلال والاکرام، بکل حالٍ من الاحوال، فانک انت الاعز الاکرم وانت المستعان فی کل حین وان۔

الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ

(بھاری اور) سخت ہوگا، اس دن ظالم انسان مارے افسوس اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا،

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى

(اور) کہے گا اے کاش میں نے اپنایا ہوتا رسول کے ساتھ (حق و ہدایت کا) راستہ ۳۴ہائے میری کم بختی،

لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ

میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا ۳۵ اس نے مجھے بہکا دیا نصیحت

الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ

(کی دولت) سے، اس کے بعد کہ وہ میرے پاس پہنچ چکی تھی، اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر)

خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا

دھوکہ دینے والا (اور اس سے کنارے ہو جانے والا) ہے اور (اس دن) رسول کہے گا ۳۶ اے میرے رب، بے شک میری قوم نے

۳۴ ظالموں کی انتہائی یاس وحسرت کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا''۔ اور کہے گا کہ کاش میں نے رسول کا راستہ اپنایا ہوتا۔ شانِ نزول کے اعتبار سے اگرچہ یہ آیتیں عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جس نے آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے ارشاد پر ایمان قبول کر لیا تھا لیکن بعد میں اپنے دوست ابی بن خلف کے کہنے پر وہ مرتد ہو گیا تھا۔ لیکن یہ ارشاد عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو ان الفاظ کے عموم میں آ سکتا ہے۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس ہولناک دن سے ڈریں اور اس کو اور اسکے تقاضوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں جس دن کہ ظالم لوگ حسرت کے ساتھ اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائیں گے اور کہیں گے کہ کاش کہ ہم نے رسول کی دعوت و ہدایت کے مطابق ان کے ساتھ راستہ اپنایا ہوتا اور اسکے مطابق زندگی گزاری ہوتی تو آج ہمیں یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔ مگر کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کے اس دن کے اس افسوس سے ان کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوگا سوائے آتشِ یاس وحسرت میں اضافے کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۳۵ صحبتِ بد باعثِ محرومی ۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو اس ارشاد سے صحبتِ بد سے احتراز اور صحبتِ صالح کو اپنانے کی ضرورت کو واضح فرما دیا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ظالم شخص اس روز کہے گا کہ کاش کہ میں نے رسول کا راستہ اپنایا ہوتا اور فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔'' کہ اس کی دوستی نے مجھے نورِ حق و ہدایت سے محروم کر دیا۔ سو بروں سے دوستی اور غلط

لوگوں سے تعلقداری انسان کو ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں ڈال دیتی ہے - والعیاذ باللہ - اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ "انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا ہر انسان کو اچھی طرح دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی لگا رہا ہے"۔ "اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَّنْ یُّخَالِلُ" - (رواہ ابوداؤد والترمذیؒ) - نیز اچھے اور برے ساتھی کی صحبت اور اس کی تاثیر اور دونوں کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لئے آپ نے حامل مسک - کستوری کی خوشبو اٹھائے ہوئے انسان - اور "نافخ الکیر" یعنی "بھٹی کی آگ دھنکنے والے شخص" کی مثال سے بیان فرمائی - کہ جلیسِ صالح یعنی اچھے ساتھی کی مثال حاملِ مسک کی طرح ہے کہ وہ یا تو تمہیں خوشبو یونہی دے دے گا یا تم اس سے خرید سکو گے یا کم سے کم بات یہ ہے کہ تمہیں اس کی خوشبو ہی ملتی رہے گی - جبکہ برے ساتھی کی مثال "نافخ الکیر" جیسی ہے کہ یا تو وہ تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تمہیں اسکی میل کچیل یا گندی ہوا ہی پہنچے گی - (متفق علیہ عن ابی سعید الخدری) نیز ابو سعید خدری - رضی اللہ عنہ - ہی سے مروی ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری صحبت اور ہمنشینی مومن ہی کے ساتھ ہونی چاہیئے اور تمہارا کھانا متقی اور پرہیزگار انسان ہی کھائے - "لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ" - (ابوداؤد، ترمذی) - وباللہ التوفیق، لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، اللہ تعالیٰ ہمیشہ اچھی صحبت نصیب فرمائے اور بری صحبت سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین -

۳۶ رسول کی اپنے رب کے حضور شکایت کا ذکر و بیان: - سو اس سے رسول کی اپنے رب کے حضور اپنی قوم کے بارے میں شکایت کا ذکر فرمایا گیا ہے - یعنی "قَالَ" ماضی یہاں پر مضارع کے معنیٰ میں ہے - سو رسول کا یہ فرمانا اگرچہ قیامت کے روز ہوگا لیکن تحققِ وقوع یعنی اس کے یقینی اور قطعی ہونے کے اعتبار سے یہ بات ایسی ہے کہ گویا یہ واقع ہو چکی ہے - اسلئے اسکو ماضی کے صیغے سے تعبیر فرمایا گیا ہے - یعنی "قَالَ" کے ساتھ - جبکہ دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ پیغمبر کا یہ شکوہ اور فرمان وارشاد آخرت میں نہیں بلکہ اسی دنیا میں ہوا ہے - اور یہیں پر آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اپنی قوم قریش کے اعراض اور ان کی بے رخی پر یہ شکوہ اپنے رب کے حضور کیا تھا - اور اپنے دکھ اور درد بھرے انداز میں اس طرح فرمایا تھا - حضراتِ اہلِ علم سے یہ دونوں قول مروی ومنقول ہیں - کسی نے پہلے قول کو اختیار کیا اور اسی کو ترجیح دی اور کہا کہ چونکہ سیاق وسباق میں ذکر آخرت ہی کا ہو رہا ہے اس لئے یہی قول یہاں پر مناسب ہے - جبکہ اس کے برعکس دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ دوسرا قول زیادہ مناسب ہے - کیونکہ لفظ ماضی کا تقاضا یہی ہے - (روح، ابن کثیر، محاسن التاویل خازن، مدارک، جلالین، فتح القدیر اور الفتوحات الالٰہیۃ وغیرہ) - احتمال بہرکیف دونوں موجود ہیں - ہمارے نزدیک راجح - قابلِ ترجیح - قول پہلا ہے کہ پیغمبر اپنے رب کے حضور آخرت ہی میں ایسا عرض کریں گے جو کہ ان کفار و منکرین کے تابوت میں آخری کیل کی طرح ہوگا - اور اس کے بعد یہ بدبخت ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے - والعیاذ باللہ العظیم - وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَهُوَ اَعْلَمُ بِمُرَادِ كَلَامِهٖ جَلَّ وَعَلَا - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین -

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ

اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا ۳۷ اور (اے پیغمبر! ان لوگوں کی یہ دشمنی کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ) ہم نے اسی طرح

۳۷ رسول کی طرف سے قرآن کو پسِ پشت ڈالنے کا شکوہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبر کہیں گے "اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو پسِ پشت ڈال رکھا تھا"۔ جس کے ساتھ آپ نے مجھے مبعوث فرمایا اور جس میں خود ان کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ سو لوگوں کا حال ہمیشہ یہی رہا کہ ان میں کے اکثر نہ اس کے سننے ماننے اور اس پر ایمان لانے کے روادار ہیں اور نہ ہی یہ اس سے متعلق غور و فکر اور فہم و تدبر کی ضرورت سمجھتے ہیں اور نہ ہی یہ اس کی ہدایت و راہنمائی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور اس نورِ حق سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر یہ دوسری مختلف چیزوں اور لایعنی مشاغل میں مشغول و منہمک ہوتے ہیں۔ کہیں شعر و شاعری کا شغل ہے اور کہیں افسانوں اور ناولوں میں انہماک و اشتغال ہے اور کہیں گانے بجانے کا کاروبار اور کہیں تصویر کشی اور مجسمہ سازی جیسے لایعنی بلکہ گناہ کے کاموں کا وہ دور جن کو آرٹ اور فن کا نام دے کر اپنایا اور گلے لگایا جا رہا ہے۔ اور طرح طرح کے شرکیات کو فن پاروں کا نام دے کر اور ثقافت کا حصہ قرار دے کر گلے لگایا جا رہا ہے۔ اسی طرح طرح طرح کی خرافات کے لئے طرح طرح کے پاپڑ بیلے جاتے ہیں۔ ان سب لایعنی بلکہ ممنوع کاموں کے لئے ان کے پاس وقت بھی ہے اور محنت و روپیہ پیسہ بھی۔ اور اسکے لئے ذرائع و وسائل بھی بے دھڑک صرف کئے جاتے ہیں۔ لیکن قرآنِ حکیم کو سیکھنے پڑھنے اور اس میں غور و فکر سے کام لینے کے لئے نہ ان کے پاس وقت ہے نہ فرصت اور نہ ذرائع نہ وسائل - الا ماشاءاللہ - سو لوگوں کا حال کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى - سو آیتِ کریمہ کے الفاظ کا عموم ہجر اور ترک کی ان سب ہی صورتوں کو عام اور شامل ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، معارف، مراغی وغیرہ) یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ یہ لفظ یعنی "مہجور"، "ہجر" سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے جس کے معنیٰ چھوڑنے اور ترک کرنے کے ہیں۔ اور اس صورت میں آیتِ کریمہ کا یہ مطلب ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ جبکہ اس میں دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ ہجر سے مشتق ہو جس کے معنیٰ یاوہ گوئی اور بکواس کے آتے ہیں۔ اس صورت میں اس لفظ کے دو معنیٰ و مطلب ہوں گے۔ ایک یہ کہ ان بدبختوں نے اس کلامِ حق و ہدایت کو بکواس اور یاوہ گوئی سمجھا - والعیاذ باللہ - اور دوسرا یہ کہ انہوں نے اس کتابِ حکیم کے خلاف بکواس اور یاوہ گوئی سے کام لیا۔ اور اس طرح انہوں نے خود اپنی محرومی اور ہلاکت و تباہی کا سامان کیا - والعیاذ باللہ العظیم - بہر کیف قرآنِ حکیم سے اعراض و لاپرواہی اور غفلت و روگردانی بڑے ہی سخت خسارے کا باعث ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

ہر نبی کے دشمن بنائے مجرم لوگوں میں سے' اور کافی ہے آپ کا رب ہدایت دینے کو' اور مدد کرنے کو' ف۳۸

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتار دیا گیا اس (شخص) پر یہ قرآن ایک ہی

وَّاحِدَةً ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ مع

بار؟ ہاں اسی طرح (ہم نے اس کو بتدریج نازل کیا) تاکہ اس کے ذریعے ہم ثابت (ومضبوط) رکھیں آپ کے دل کو

تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ

(اے پیغمبر!) اور (اسی لئے) ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا' ف۳۹ اور یہ لوگ نہیں لاتے آپ کے پاس کوئی مثال (اے پیغمبر!) مگر ہم اس

تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ ؕ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى

کے مقابلے میں لے آتے ہیں آپ کے پاس حق اور (اس کی) نہایت عمدہ تفسیر ف۴۰ جن لوگوں کو ان کے مونہوں کے بل گھسیٹ کر دوزخ

۳۸ **ایک سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کا ذکر و بیان:** ۔سو اس سے حضرات انبیاء و رسل کے بارے میں ایک سنتِ الٰہی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ ہر پیغمبر کیلئے دشمن رہے ہیں مجرموں سے۔سو اس ارشاد سے ایک سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔یعنی اس آیتِ کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ ہم از خود اور یونہی خواہ مخواہ جان بوجھ کر مجرموں کو نبیوں کا دشمن بناتے رہے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی دشمنی کرنے والے ایسے مجرم لوگ ہمیشہ رہے ہیں اور ''ہم بناتے رہے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی مشیت کے مطابق ان کو ایسے کرنے دیا۔اور یہ ہمارا قانون و دستور ہے کہ دنیا کے اس دار الابتلاء میں جو جدھر چلے گا ہم اسکو ادھر ہی چلنے دیں گے۔ورنہ اگر ہم چاہتے تو ان کو فوراً ہی حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتے۔مگر ہماری مشیت نے یہ نہ چاہا کہ اس میں بھی چند در چند حکمتیں مضمر تھیں۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس جہانِ ابتلاء کا مقتضی ہی یہ تھا۔ لہٰذا آج جو دشمنانِ حق آپ کے مقابلے میں آ رہے ہیں اے پیغمبر یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے اور گزشتہ انبیائے کرام کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوتا آیا ہے۔لہٰذا آپ صبر و استقامت ہی سے کام لیں اور یہ دشمنیاں اور دشواریاں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں ان کی پرواہ نہیں کرنا کہ تمہارے رب کی ہدایت و راہنمائی اور اس کی نصرت و امداد ان کے مقابلے میں تمہارے لئے کافی ہے۔لہٰذا اسی پر بھروسہ رکھتے ہوئے آپ راہِ حق پر گامزن رہیے اور ان کی پرواہ نہ کیجئے۔سو اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ راہِ حق میں مجرم لوگوں کی طرف سے دشمنیِ حق گوئی کا ایک طبعی تقاضا ہے۔اور جب حضراتِ انبیائے کرام کی قدسی صفات ہستیاں اور ان کے امام و پیشوا حضرت محمد رسول اللہ بھی اس سے نہیں بچ سکے تو اور کون بچ سکتا ہے؟ پس راہِ حق کے

راہی کو بھی اسکی توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ میرا کوئی مخالف اور دشمن نہیں ہوگا کہ ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ پس اسکی بجائے کوشش اسکی ہو کہ میرا قدم راہِ حق سے ڈگمگانے نہ پائے اور میرا معاملہ میرے خالق و مالک کے ساتھ صحیح اور درست ہو۔ اسکے بعد جو بھی ہو اس میں خیر ہی خیر ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر ثابت قدم رکھے اور نفس وشیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین

۳۹ قرآنِ حکیم کو بتدریج نازل کرنے کی بعض حکمتوں کا ذکر وبیان: ۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو یکبارگی کیوں نہ اتار دیا گیا۔ جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے جان کر تھوڑا تھوڑا اتارنے کا یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ اس میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں کہ اس طرح ایک طرف تو وحی کے ذریعے آپ ﷺ کا اپنے رب کے ساتھ رشتہ برابر تازہ ہوتا رہے گا جس سے آپ کے دل کی تثبیت وتقویت ہوتی رہے گی۔ نیز اس طرح آپ ﷺ کیلئے اس کو سمجھنا سیکھنا آسان ہوگا۔ نیز ہر موقعہ اور ضرورت پر اترنے سے اس کے معانی ومطالب پختہ تر ہوتے چلے جائیں گے۔ نیز اس طرح بار بار اترنے والی آیاتِ کریمہ سے اس کلامِ حکیم کے اعجاز کی تائید وتصدیق ہوتی رہے گی۔ نیز اس سے ایک اور بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ تیئس (۲۳) سال کے طویل عرصے میں مختلف ٹکڑوں اور حصوں کی شکل میں اترنے کے باوجود اس میں کسی بھی قسم کے اختلاف کا نہ پایا جانا خود اس کی حقانیت کی ایک زبردست دلیل کے طور پر سامنے آتا رہے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ ۔ اور اس کے علاوہ اور کتنی ہی ایسی حکمتیں ہونگی جن کا احاطہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو آپ ﷺ کے تحمل وبرداشت اور امت کی تعلیم وتفہیم کے دو اہم اور بنیادی مقصد ہیں جن کی بناء پر قرآنِ حکیم کو پورے کا پورا اور یکبارگی نہیں نازل فرمایا گیا۔ کیونکہ اگر اسکو کامل طور پر ایک ہی بار نازل کردیا جاتا تو نہ آپ اس کا تحمل کرسکتے اور نہ امت اس کو سمجھ سکتی۔ نیز یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ پہلی آسمانی کتابوں کے بارے میں یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ وہ یکبارگی نازل ہوئی تھیں۔ جیسا کہ محققین نے اسکی تصریح کی ہے۔ سو اس بارے مروی ومنقول قولِ مشہور بے بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ راہ حق وصواب پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۰ مثل سے مقصود ومراد؟: ۔ ''مثل'' سے مراد ہیں ان لوگوں کے ایسے سوالات جن کے عجیب وغریب اور نہایت الٹے سیدھے ہونے کے باعث ان کو ''مثل'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور حق اور احسن تفسیر سے مراد ان کے ایسے سوالات کے ٹھیک ٹھیک جوابات اور صحیح مطالب ہیں جو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے ارشاد فرمائے گئے۔ بہرکیف معترضین کے اعتراضوں کا دلنشین جواب دینے کے بعد اب پیغمبر کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ مطمئن رہیں کہ یہ لوگ جو بھی کوئی اعتراض آپ پر کریں گے اس کا جواب ہم دیں گے۔ اور ہم اس سے متعلق بہترین توجیہ وتفسیر آپ پر نازل کریں گے۔ لہٰذا آپ اس بارے مطمئن رہیں۔ بہرکیف ضرب مثل کا محاورہ جیسا کہ اس سے پہلے اسی سورۂ کریمہ کی آیت نمبر ۹ کے تحت گزر چکا ہے اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سو جس طرح یہ لفظ کوئی تمثیل بیان کرنے یا حکمت کی بات کہنے کے لیے آتا ہے اسی طرح یہ لفظ پھبتی چست کرنے اور اعتراض کے معنی میں بھی آتا ہے۔ سو یہاں پر یہ اسی مفہوم میں آیا ہے اور اس آیت کریمہ میں اسکے بالمقابل لفظِ حق استعمال ہوا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں پر اس سے مراد اعتراضِ باطل ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ

کی طرف لایا جائے گا، وہ اپنے ٹھکانے کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور اپنے راستے کے اعتبار سے بھی سب سے (بدتر و) گمراہ۴۱

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو بھی وہ کتاب (ہدایت) دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو بھی وزیر بنایا۴۲ پھر ہم نے ان دونوں کو حکم دیا

۴۱ دوزخیوں کے حال بد کی ایک تصویر:- سو اس سے دوزخیوں کی تذلیل وتحقیر اور انکی بدحالی کی ایک تصویر پیش فرمائی گئی ہے۔ سو انکی تذلیل وتحقیر اور بدحالی کی تصویر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "ان کو ان کے مونہوں کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ انکا ٹھکانا بھی بہت برا اور ان کا راستہ بھی سخت گمراہی کا"۔ یعنی جس طرح دنیا میں یہ لوگ حق کے مقابلے میں الٹے اور اوندھے ہو کر چلتے رہے تھے اسی طرح وہاں یہ الٹے اور اوندھے کر دیئے جائیں گے اور ان کو پاؤں کی بجائے مونہوں کے بل چلا کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے جب اس بارے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ مونہوں کے بل کس طرح چلیں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ جس ذات نے ان کو پاؤں پر چلایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ان کو مونہوں کے بل چلا دے- والعیاذ باللّٰہِ الْعَزِیْزِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ غَیْرُہٗ- سو اس ارشادِ ربانی میں ﴿اضل سبیلا﴾ سے اس طرف اشارہ فرما دیا گیا کہ گمراہوں کو اپنی اصل منزل کا پتہ نہیں ہوتا اور ان کو اس حقیقت کا احساس وادراک نہیں ہوتا کہ جس راہ پر وہ چل رہے ہوتے ہیں وہ سیدھی دوزخ کو جا رہی ہے۔ اور آخرت میں جب ان کی اصل منزل یعنی دوزخ انکے سامنے آجائیگی تب ان کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کس راہ پر چل رہے تھے اور اس کا انجام کیا تھا۔ مگر بے وقت کے اس افسوس سے ان کو فائدہ نہیں ہوگا سوائے آتشِ یاس وحسرت میں اضافے کے- والعیاذ باللہ- سو راہِ حق وہدایت سے محرومی کا نتیجہ وانجام بہرحال دوزخ اور وہاں کا ہولناک ٹھکانا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۲ حضرتِ ہارون کی وزارت کا ذکر وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے موسیٰ کے ساتھ انکے بھائی ہارون کو بھی ان کا وزیر بنایا"۔ "وزیر" - "وزر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی بوجھ کے آتے ہیں۔ تو "وزیر" کے معنی ہوئے بوجھ اٹھانے والا۔ ہاتھ بٹانے والا وغیرہ۔ انسان جتنا بھی قوی ہو اس کو بہرحال مدد ومساعدت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے حضرتِ موسیٰ کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنایا گیا تاکہ وہ ادائے رسالت کے عظیم الشان کام میں ان کی مدد ومعاونت کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک کا کوئی وزیر نہیں ہو سکتا کہ اس کو کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ ہر کسی سے اور ہر طرح سے بے نیاز ہے- سبحانہ وتعالیٰ- اور یہ ایک ایسی واضح اور جلی حقیقت ہے جس کو اہلِ بدعت کے بعض بڑوں کو بھی تسلیم کرنے سے انکار نہیں۔ اور ان کے بعض بڑوں نے اس موقعہ پر اپنے حواشی میں بھی اس بات کو درج کیا ہے لیکن اس کے باوجود اہلِ بدعت اپنی خانہ ساز منطق اور فلسفہ طرازیوں کی بنا پر طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف حضرتِ ہارون کو حضرتِ موسیٰ کے ساتھ انہی کی دعا ودرخواست کی بنا پر ان کا وزیر اور معاون بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ راہ حق میں ان کا ساتھ دیں۔ اور یہ حضرت موسیٰ اور ہارون کی ایک انفرادی اور امتیازی شان ہے۔

وَزِيرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا

کہ جاؤ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پھر (تنبیہ وانذار کے بعد بھی جب وہ لوگ باز نہ آئے تو) ہم

بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا

نے ان سب کو (دائمی) تباہی کے گھاٹ اتار دیا نہایت بری طرح ۴۳ اور قوم نوح کو بھی ہم نے غرق کر دیا جب کہ انہوں نے جھٹلایا

الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا

ہمارے رسولوں کو ۴۴ اور ان کو ہم نے ایک نشانی بنا دیا لوگوں (کی عبرت) کے لئے، اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ایسے

۴۳ تکذیبِ حق موجب ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ:۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق کی تکذیب وانکار کا نتیجہ ہلاکت وتباہی ہے والعیاذ باللہ۔ سو حضرتِ موسیٰ اور ہارون دونوں کو فرعونیوں کی طرف بھیجا گیا تا کہ وہ ان کو حق کا پیغام پہنچا سکیں مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان دونوں کو جادوگر کہہ کر ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ جس کے نتیجے میں آخر کار ان کو ہلاکت وتباہی کے گھاٹ اتار کر ہمیشہ ہمیش کے لیے مٹا دیا۔ اور ایسا مٹایا کہ دنیا میں غرقابی کے بعد ان کو ہمیشہ ہمیش کے لیے دوزخ کا ایندھن بنا دیا گیا۔ والعیاذ باللہ۔ پس جو قومیں حق کو جھٹلاتی ہیں اور وہ داعیانِ حق کے مقابلے میں کفر وانکار ہی سے کام لیتی ہیں ان کا آخری انجام بہرحال ہلاکت اور ہمیشہ کی تباہی اور بربادی ہی ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس میں حضرتِ امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے تسلی کا سامان ہے اور ساتھ ہی کفارِ قریش کیلئے تنبیہ وتذکیر بھی ہے کہ اگر وہ اپنے کفر وانکار سے باز نہ آئے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو اس سے پہلے کے کفار ومنکرین کا ہو چکا ہے کہ اللہ کا قانون سب کیلئے ایک اور بے لاگ ہے۔ سو ایسوں کو اس سے درسِ عبرت وبصیرت لینا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحبّ ویرید

۴۴ قومِ نوح کی ہلاکت وتباہی کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور قومِ نوح کو بھی ہم نے ہلاک کیا جبکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کے رسولوں کو" کہ تکذیبِ حق کا نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہی ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور انہوں نے جھٹلایا اگرچہ ایک نوح کو ہی تھا مگر یہاں صیغہ جمع کا۔ یعنی۔ الرسل۔ لایا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب دراصل سب کی تکذیب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تمام انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی دعوت ایک ہی ہوتی ہے اور اصولِ دین میں وہ سب مشترک اور باہم متفق ہوتے ہیں۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہم اجمعین۔ سو اس طرزِ تعبیر میں جرم کی سنگینی کا بیان اور یہ درسِ عبرت ہے کہ رسول کی تکذیب کا معاملہ بڑا ہی ہولناک ہے۔ اس لیے اس جرم کے مرتکب دیکھ لیں کہ وہ کس انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو قدرت کے قانونِ امہال کی بنا پر جو مہلت ملتی ہے اس سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ وہ خواہ کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو وہ بہرحال ایک مہلت ہوتی ہے جس نے اپنے وقتِ مقرر پر بہرحال ختم ہو جانا ہوتا ہے۔

لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّ ثَمُوْدَاْ وَاَصْحٰبَ

ظالموں ۴۵ کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب (آخرت میں)' اور عاد ثمودؔ اور کنوئیں والوں ۴۶ اور ان کے درمیان کی

الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ

دوسری بہت سی قوموں کو بھی (ہم نے ملیامیٹ کر دیا) ان میں سے ہر ایک (کو سمجھانے کے) لئے پہلے تو ہم نے (بڑی موثر اور بلیغ)

الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْیَةِ

مثالیں بیان کیں' اور (آخر کار نہ ماننے پر) ہم نے ان سب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا' اور یقینی طور پر ان لوگوں کا گزر اس بستی پر بھی ہوتا

الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ

ہے جس پر ایک بڑی بری بارش برسائی جا چکی ہے ۴۷ تو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں (نگاہ عبرت و بصیرت سے) ۴۸ بلکہ (اصل بات یہ

۴۵ ظالموں کیلئے دردناک عذاب - والعیاذ باللہ: - سو ظالموں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب تیار ہے - والعیاذ باللہ - جو بھی ظالم ہو - مگر ظلم کا سب سے بڑا مصداق شرک ہے - جیسا کہ فرمایا گیا - ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴾ - سو ظلم کا نتیجہ وانجام بہت ہولناک ہے اور ان کیلئے دنیا کے عذاب ہی پر بس نہیں بلکہ ان کیلئے اس کے ساتھ آخرت کا دردناک عذاب بھی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اور ارتکاب ظلم پر ملنے والی ڈھیل پر کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ وہ بہر حال ایک ڈھیل اور مہلت ہی ہے جس نے بہر حال گزر کر اور ختم ہو کر رہنا ہے - والعیاذ باللہ - سو دینِ حق سے منہ موڑنے والے حق کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں - اور ایسا نقصان کہ اسکے تدارک و تلافی کی بھی کوئی صورت ان کے لیے اس جہاں میں ممکن نہ ہوگی - مگر ابتلاء و آزمائش کے اس جہاں میں جہاں کہ اصل حقائق پر پردے پڑے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی - اور ان کی غفلت کی بناء پر ناصح کی کوئی نصیحت موثر اور کارگر نہیں ہوتی - والعیاذ باللہ

۴۶ اصحاب الرس یعنی کنوئیں والوں سے مراد؟: - ان کنوئیں والوں کی تعیین کے بارے میں مفسرینِ کرام کے مختلف اقوال ہیں مگر - ''اَبْهِمُوْا مَا اَبْهَمَهُ الْقُرْاٰن '' - کے ضابطہ عام کے مطابق اس بارے میں زیادہ زور لگانے کی ضرورت نہیں - بس اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ بھی کفار نابکار ہی کی کوئی ایسی قوم تھی جو اپنے کفر و انکار کی بناء پر تباہ ہوئی - رَس کے معنی پرانے کنوئیں یا اندھے کنوئیں کے آتے ہیں - سو یہ لوگ کسی ایسے ہی کنوئیں کے پاس رہتے تھے - اور ان بدبختوں نے اپنے پیغمبر کو اس کنوئیں میں ڈال کر یا اس میں لٹکا کر ہلاک کر دیا - اور اس کے نتیجے میں ان کو تباہ کر دیا گیا - علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر میں ان سے متعلق لکھتے ہیں - ''قَوْمٌ اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ مَنْ اَرْسَلَ اِلَیْهِمْ'' - یعنی یہ کوئی ایسی قوم تھی جس نے اپنے رسول کی تکذیب اور انکا انکار کیا - جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسکو ہمیشہ کیلئے ہلاک

کر دیا۔ یہاں پر ان کا ذکر عاد اور ثمود کے ساتھ فرما کر اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ ان لوگوں نے بھی عاد اور ثمود کی کافر قوموں کی طرح اپنے رسول کی تکذیب کی جس کے نتیجے میں ان کو بھی اسی طرح ہلاک و برباد کر دیا گیا جس طرح عاد اور ثمود کو کیا گیا تھا۔ سو انکار و تکذیب حق کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہے، والعیاذ باللہ جل وعلا،

۴۷ قوم لوط کی بستی سے درس عبرت لینے کی تعلیم و تلقین: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور یقیناً ان لوگوں کا گزر اس بستی پر بھی ہوتا ہے جس پر بڑی بری بارش برسائی گئی ہے"۔ اس سے مراد قوم لوط کی وہ تباہ شدہ اور الٹی ہوئی بستیاں ہیں جسکے باشندے اپنے خلاف وضع فطری فعل کے ارتکاب کی بنا پر اس ہولناک اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ اور اہل مکہ اپنے تجارتی سفروں کے دوران ان کی ان تباہ شدہ بستیوں پر سے گزرا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو اس طرح دعوت غور و فکر دی گئی ہے کہ یہ لوگ دوسری قوموں کے حالات سے اگر ناواقف و نابلد ہیں تو کیا یہ اس بدبخت قوم کے انجام سے بھی ناواقف ہیں جو کہ ان سے زیادہ دور بھی نہیں؟ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴾ یعنی وہ بستی آج کے ان ظالموں سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ (ھود: ۸۳) اور اپنے تجارتی سفروں کے دوران یہ لوگ ان کے کھنڈرات اور ان کے آثار و نشانات پر سے رات دن گزرتے رہتے ہیں۔ تو پھر یہ ان کے اس انجام سے درس عبرت کیوں نہیں لیتے۔ مگر غافلوں کی غفلت کا ہمیشہ یہی حال رہا کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہونے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی غفلت سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۸ کیا یہ لوگ اسکو دیکھتے نہیں؟: ۔ یعنی اس میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے تاکہ ان کو درس عبرت مل سکے۔ سو صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھنا کافی نہیں کہ یہ دیکھنا تو حیوانوں کا دیکھنا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کو بھی حاصل تھا۔ کیونکہ ایسا دیکھنا نہ مقصود ہے نہ مطلوب۔ بلکہ مقصود و مطلوب وہ دیکھنا ہے جو دل کی آنکھوں سے اور عبرت و بصیرت کی نگاہ سے ہو جو کہ اس بارے غور کرنے کے لیے ہو کہ یہ کون لوگ تھے جن کے یہ کھنڈرات موجود و مشاہد ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ حشر و انجام آخر کیوں ہوا؟ کس نے کیا؟ اور اس میں ہمارے لئے کیا درس عبرت و بصیرت ہے؟ وغیرہ۔ مگر انسان کی غفلت شعاری اور بے حسی کل بھی ایسے ہی تھی اور آج بھی ایسے ہی ہے کہ وہ ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا اور کوئی دھیان نہیں کرتا۔ الا ماشاء اللہ۔ سو کل کی طرح آج بھی آثار قدیمہ کی حفاظت کے نام و عنوان سے گڑھے مردے تو جگہ جگہ سے کھود کھود کر نکالے جاتے ہیں اور اس پر بڑے بڑے اخراجات کے بوجھ بھی اٹھائے جاتے ہیں مگر عبرت گیری اور درس آموزی کے اصل مقصد سے دنیا آج بھی اسی طرح غافل ہے جس طرح کل تھی۔ بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ و العیاذ باللہ العظیم۔ سو آخرت کے عقیدہ و یقین سے محرومی کے بعد انسان کی زندگی بے مقصد، لایعنی، حرارت سے خالی اور بجھ کر رہ جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور جس قدر اس بارے میں کسی کا ایمان و یقین پکا پختہ اور صحیح ہوگا اسی قدر اس کی زندگی سنجیدہ با مقصد اور فعال ہوگی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْاِيْمَانِ وَالْيَقِيْنِ۔ اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَ ثَبِّتْنَا عَلَيْهِ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و زلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر ثابت و مستقیم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾ وَإِذَا رَاَوْكَ إِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

ہے کہ) یہ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید (اور توقع) ہی نہیں رکھتے ف۴۹ اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں (اے پیغمبر!) تو

إِلَّا هُزُوًا ۖ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿٤١﴾ إِنْ كَادَ

ان کا اس کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا کہ آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں ف۵۰ (اور کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہیں وہ صاحب، جن کو اللہ نے رسول بنا

۴۹ عقیدۂ آخرت سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم: - سو ان کے اصل مرض کی تشخیص کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید نہیں رکھتے۔ اس لیے یہ غیر ذمہ دار اور لا پرواہ ہو کر رہ گئے۔ انکی نگاہیں دنیائے دوں کے عارضی فائدوں اور وقتی لذتوں میں اٹک کر اور کھو کر رہ گئیں اور فانی دنیا کے عارضی اور فانی فائدوں ہی کو انہوں نے اپنا مقصد بنا لیا ہے۔ یہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ اس سے آگے دیکھنے اور سوچنے کیلئے یہ تیار ہی نہیں ہوتے۔ اور حق اور حقیقت کو دیکھنے اور جانچنے پرکھنے کیلئے یہ آنکھیں کھولتے ہی نہیں جس سے یہ اپنے قصد و اختیار سے اندھے اور اوندھے بن کر رہ گئے - والعیاذ باللہ - سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آدمی کی نگاہوں کے اندر بصیرت کی روشنی آخرت کے تصور ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر یہ چیز نہ ہو تو اسکی نگاہوں کو ٹک ٹک دیکھنے کے باوجود حق اور حقیقت کی کوئی چیز نظر نہیں آتی اور وہ دل کا اندھا بن کر رہ جاتا ہے۔ اور دل کا اندھا ہو جانا ہلاکت و تباہی کا باعث ہے - والعیاذ باللہ - جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا - ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ - (الحج: ۴۶) سو "آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں" - والعیاذ باللہ العظیم -

۵۰ حق اور اہلِ حق کا مذاق اڑانا محرومیٔ دارین کا باعث - والعیاذ باللہ - سو ان کے اس سنگین مرض اور اس میں اضافے کے بیان کے ضمن میں ارشاد فرمایا گیا اور درسِ عبرت و بصیرت لینا اور نورِ حق و ہدایت سے سرفراز ہونا تو در کنار یہ لوگ تو مرض کی اس انتہاء کو پہنچ چکے ہیں کہ الٹا ہادیٔ برحق اور حضرتِ امام الرسل - علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام - کا مذاق اڑاتے ہیں کہ ان صاحب کو دیکھو اور ان کے دعوائے رسالت کو دیکھو۔ کیا اس منصب کے لئے بس یہی رہ گئے تھے وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر ایسے بدنصیبوں کو دولتِ حق و ہدایت نصیب ہو تو کس طرح اور کیونکر؟ سو اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ حق اور دعوتِ حق کی تحقیر و توہین بڑا خطرناک جرم اور سنگین مرض ہے جس کی سزا میں انسان ہدایت کی دولت اور اسکی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو حق و ہدایت کی دولت سے محروم ہو گیا وہ دنیا و آخرت کی سعادت و سرخروئی سے محروم ہو گیا جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں ہر طرح کے شرور و فتن سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا رب العالمین -

لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ

[illegible] اس شخص نے تو ہمیں اپنے معبودوں سے ہٹا ہی دیا تھا اگر ہم (مضبوطی سے) ان پر جم نہ گئے ہوتے ۵۱ اور عنقریب (موت

يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

کا جھٹکا لگتے ہی) جب کہ یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو ان کو خود (اچھی طرح) معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ بھٹکا ہوا (اور گمراہ) ہے ۵۲

۵۱ منکرین کے اضطراب و بوکھلاہٹ کا نمونہ و مظہر: - سو اس سے منکرینِ حق کے انکار اور انکی بوکھلاہٹ و اضطراب کا ایک مظہر و نمونہ سامنے آتا ہے۔ سو اس سے ان لوگوں کی بوکھلاہٹ اور انکے نفسیاتی اضطراب کی کیفیت ذرا ملاحظہ ہو۔ ادھر مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا یہی صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجنا تھا اور ادھر آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی تاثیرِ کلام کے احساس واعتراف کا یہ عالم ہے کہ خود کہتے ہیں کہ اگر ہم پوری بے شرمی اور ہٹ دھرمی سے اپنے ان ٹھاکروں اور معبودانِ باطلہ پر جمے اور ڈٹے نہ رہتے تو یہ شخص محض اپنی قوتِ تاثیر سے ہمیں اس سے بھٹکا دیتا۔ سو حق وصداقت کے انکار اور اسکی راہ میں ہٹ دھرمی برتنے کا نتیجہ و انجام ایسا ہی ہوتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - کہ انسان اپنی ہٹ دھرمی اور محرومی پہ افسوس کرنے کی بجائے الٹا اس پر فخر کرنے لگتا ہے اور اس طرح وہ ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس طرح اور اس طور پر کہ اس کو اس کا احساس و شعور بھی نہیں ہوتا جو کہ خساروں کا خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال -

۵۲ نتیجہ و انجام کے انتظار کی ہدایت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "عنقریب ہی ان کو معلوم ہو جائیگا کہ راہِ حق سے بھٹکا ہوا کون تھا؟" - یعنی دلائل و بیان کی حد تک تو حق کی توضیح میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی۔ اب بھی اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو پھر قیامت کے روز اور جب حقائق کھل کر سامنے آ جائیں گے اور یہ لوگ اپنے انجام اور عذاب کو خود دیکھ لیں گے تو ان کو خود معلوم ہو جائے گا کہ حق اور ہدایت کی راہ پر کون تھا اور گمراہ کون؟ مگر اس وقت کے اس علم اور بے وقت کے اس پچھتاوے سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا سوائے حسرت و افسوس میں اضافے کے - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ آج تو یہ لوگ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں لیکن کل قیامت کے اس یومِ فصل میں جب یہ اپنے اس انجام اور عذاب سے دوچار ہونگے جسکا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو بنالیا ہے تو ان کو پتہ چل جائے گا کہ پیغمبر نے ان کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کو اس راہِ حق و ہدایت کی دعوت دی تھی جو انسان کو سعادتِ دارین سے سرفراز کرنے والی راہ ہے۔ اور اس سے محرومی کا نتیجہ دائمی عذاب ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو ہٹ دھرموں کے لیے آخری جواب یہی ہے - کہ اسی میں سلامتی اور حفاظت کا سامان ہے، اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین -

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ

کیا آپ نے اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی نفسانی خواہش ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہو؟ ۵۳ کیا آپ اس (کو ہدایت پر لانے)

وَكِیْلًا ۟ۙ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ

کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟ ۵۴ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ ۵۵

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۟۠ اَلَمْ تَرَ

یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر گمراہ، ۵۶ کیا تم نے دیکھا نہیں

اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ

کہ تمہارے رب نے کس طرح پھیلا دیا سائے کو؟ اگر وہ چاہتا تو اسے (ہمیشہ ایک ہی حالت پر) ٹھہرائے رکھتا،

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ۟ۙ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا

پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنا دیا، ۵۷ پھر ہم اسے آہستہ آہستہ

۵۳ اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا دینے والوں کا حال: سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہام کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا تم نے اس شخص کے حال پر بھی کبھی غور کیا جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنا رکھا ہو؟"۔ یعنی نفس کی خواہش نے جو چاہا وہی کیا۔ جائز و ناجائز اور حرام و حلال کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور وہ شترِ بے مہار کی طرح آزادانہ اپنی خواہشات کے پیچھے ہی چلا۔ جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباس۔ رضی اللہ عنہما۔ سے مروی ہے کہ کفار قریش کو جب کوئی عمدہ اور چمکتا پتھر نظر آتا تو وہ اسی کا بت بنا کر پوجنے لگتے۔ اور جب اس سے دوسرا کوئی اچھا اور چمکیلا پتھر مل جاتا تو اس کو چھوڑ کر اس کو پوجنے لگتے۔ جس طرح آج کل کے بہت سے کلمہ گو مشرکوں اور جاہل مسلمانوں کا حال ہے کہ جو کوئی بڑا درخت یا پتھر نظر آیا یا کوئی گری پڑی قبر مل گئی وہیں جھنڈے گاڑ دیئے اور شرک کا کاروبار شروع کر دیا۔ "توڑی شاہ" "لسوڑی شاہ"، "کھٹے شاہ" "میٹھے شاہ"، "کانواں والی سرکار" "بلیوں والی سرکار" وغیرہ وغیرہ کوئی سا نام رکھ لیا۔ اس پر چڑھاوے چڑھوانے، نذریں منوانے اور طرح طرح کی رنگ رلیاں منانے کا کام شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اونے کے پونے ہو گئے۔ چاندی بکھرنے لگی اور خزانے جڑنے لگے۔ اور جو کوئی اللہ کا بندہ شرک کے اس کاروبار کے خلاف آواز اٹھائے اس پر گستاخ ہونے کی پھبتی کس دی اور حسبِ خواہش جو فتوای چاہا جڑ دیا۔ اور ایسے لوگ اس طرح عوام الناس کی کالی بھیڑوں کی اون برابر مونڈتے چلے گئے۔ نہ خدا کا خوف نہ آخرت کی فکر۔ نہ قرآنی تعلیمات کا پتہ نہ سنتِ رسول سے مس۔ اور اگر کسی کو کچھ شدبدھ ہے بھی تو وہ الٹا نصوصِ قرآن و سنت کی تحریف و تغییر کے درپے ہو گیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور بجائے اسکے کہ وہ جاہل دنیا کو اس کاروبارِ شرک سے روکتا اور ان کو اس پر ٹوکتا وہ الٹا ان کیلئے جواز کے دلائل گھڑنے میں لگ گیا۔ اور اس طرح ایسے کاروبارِ شرک میں شریک و شامل ہو گیا جس کا نتیجہ و انجام ہولناک تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۵۴ ہٹ دھرموں اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں: -سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہام انکاری کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا آپ ایسے شخص کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟"۔ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی آپ ایسے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی یہ آپ کے بس میں ہے۔ معلوم ہوا کہ خواہشاتِ نفس کی پرستش و پیروی اور ہٹ دھرمی خرابی اور فساد کی وہ جڑ ہے جس کے بعد پند و نصیحت کی کوئی بات اثر نہیں کرتی خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہستی کی طرف سے کیوں نہ ہو کہ اصل چیز ہے طلب صادق جس پر نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی کا مدار و انحصار ہے۔ اور اس سے ایسے لوگ محروم ہوتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- سو بطن و فرج کی خواہشات کی تکمیل کو اپنا مقصد بنا لینا بیماریوں کی بیماری اور محرومیوں کی محرومی ہے- والعیاذ باللہ- انسان کے اندر راہنمائی کا چراغ اسکی عقل ہے۔ اور اسکی روشنی کو درجۂ کمال تک پہنچنے کیلئے ہدایتِ وحی کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے انسان کا باطن بھی روشن ہو جاتا ہے اور وہ نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن کر حق و ہدایت کی اس شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و سرفراز کرتی ہے۔ لیکن جب بد بخت انسان نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑے اور اپنی عقل کے جوہرِ منیر کو معطل کر کے اپنے نفس کی باگ ڈور اپنی خواہشات کے ہاتھ میں پکڑا دے تو پھر اسکی اصلاح اور کس طرح ہو سکتی ہے اور آپ اس کی ہدایت و اصلاح کے ذمہ دار کس طرح ہو سکتے ہیں؟ سو انسان کے بناؤ بگاڑ کا تعلق اسکے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۵۵ لوگوں کی اکثریت حق کو سننے سمجھنے سے عاری- والعیاذ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہام انکاری کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟"۔ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ایسے نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ اور جب یہ سنتے سمجھتے ہی نہیں اور انہوں نے اپنے کانوں اور دلوں کو حق کے سننے اور سمجھنے سے بند کر رکھا ہے تو پھر ان سے کسی خیر کی توقع ہی کیا اور کیسے ہو سکتی ہے؟ اور پھر ان کی ایذاء رسانیوں اور حق دشمنیوں سے صدمہ اور دکھ ہی کیا؟ پس ضد اور عناد و ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ ایسے ضدی عناصر کو چھوڑ دو یہ اپنے انجام کو خود پہنچ جائیں گے- ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾- (الانعام:۱۱۳)۔ سو قصور آپ کی دعوت و تبلیغ کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا اپنا ہے کہ انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی اور خواہش پرستی کی بنا پر اپنے کانوں کو سماعِ حق اور اپنے دلوں کو قبولِ حق سے بند اور اپنی عقلوں کو صحیح غور و فکر سے ماؤف کر رکھا ہے۔ تو پھر ان کو حق و ہدایت کی روشنی اور دولت ملے تو کیسے اور کیونکر؟ نیز یہاں سے یہ حقیقت بھی ایک مرتبہ پھر واضح ہو گئی کہ عوام کی اکثریت کی رائے کا کسی امر کے حق میں یا اسکے خلاف ہو جانا اسکے حق یا باطل اور صحیح یا غلط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے پرستاروں کا کہنا ہے اور جس طرح کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے کہ فلاں فلاں بدعات چونکہ عوام کی اکثریت میں پائی جاتی ہیں لہٰذا یہ ٹھیک ہیں۔ سو ایسا کہنا اور ماننا غلط ہے، کہ عوام کی اکثریت اس طرح کی نصوصِ صریحہ کے مطابق نہ سنتی ہے نہ سمجھتی ہے۔ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ تو پھر ایسوں کی اکثریت کا آخر کیا وزن اور اعتبار ہو سکتا ہے؟۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر قائم رکھے۔ آمین

۵۶ نورِ حق و ہدایت سے محروم لوگ چوپایوں سے بھی بدتر- والعیاذ باللہ: -سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ نورِ حق و ہدایت سے محروم لوگ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر گمراہ ہیں- والعیاذ باللہ- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ایسے لوگ تو محض چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر گمراہ ہیں"۔ کہ جانوروں اور چوپایوں کو تو عقل ہی نہیں دی گئی تھی اس لئے وہ احکام و شرائع کے مکلف ہی نہیں۔ جبکہ ان کو عقل و فکر کی دولت سے نواز کر مکلف بنایا گیا تھا۔ جانور تو اپنے مالک و محسن کو پہچانتے ہیں اور اس سے اُنس و

محبت رکھتے ہیں جبکہ یہ اپنے رب کے احسانات سے غافل اور اس کے ناشکرے ہیں۔ جانور تو اپنے دشمن کو پہچان کر اس سے دور و نفور رہتے ہیں مگر ایسے لوگ اپنے اس دشمن سے محبت رکھتے اور اس کے پیچھے چلتے ہیں جو ان کو جہنم کی طرف لے جا رہا ہے۔ جانور اگر کسی کو نقصان پہنچائے تو بس وہیں تک جہاں تک کہ ان کے سینگ پہنچ سکیں یا لات مار سکیں یا اپنے دانتوں سے کاٹ سکیں وغیرہ۔ جبکہ انسان جب جانوروں کی راہ پر چلتا ہے تو سب سے بڑا درندہ بن جاتا ہے اور اس کی تباہ کاریوں اور ہلاکت سامانیوں سے ساری دنیا اپنے آپ کو آگ کے منہ میں تصور کرتی ہے۔ اور یہ ایسے ایسے آلات ایجاد کرتا ہے کہ ہزاروں، لاکھوں بے گناہوں کی جان لینے میں بس ایک بٹن دبانے کی دیر رہ جاتی ہے۔ پھر چوپایہ جانور کسی کو راہِ حق و ہدایت سے نہیں روکے گا جبکہ یہ بہکا بھٹکا انسان دوسروں کو بھی راہِ حق و صواب سے روکنے اور ان کو نورِ ہدایت سے محروم کرنے کے لئے طرح طرح کے حیلے حوالے اور ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس طرح کے ان امور سے یہ امر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ انسان جب نورِ حق و ہدایت سے محروم ہوتا ہے تو یہ سب سے بڑھ کر گمراہ - اضل - اور سب نیچوں سے نیچ - اسفل سافلین - بن جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - بس ایسے لوگ اگر حق کو قبول نہیں کرتے تو اس سے نہ کسی کو کوئی تعجب اور اچنبھا ہونا چاہیے اور نہ ہی کوئی صدمہ و افسوس کہ یہ انسان نہیں حیوان ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ تو پھر ایسوں سے قبولِ حق کی امید اور خیر کی کوئی توقع کیسے رکھی جا سکتی ہے؟ - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین

۵۷ سورج اور سائے میں سامانِ غور و فکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم نے دیکھا نہیں کہ کس طرح تمہارے رب نے پھیلا دیا سائے کو۔ اگر وہ چاہتا تو ہمیشہ اس کو [ایک ہی حالت پر] ٹھہرا رکھتا۔ پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنا دیا۔ سو انسان کے اپنے پیش پا افتادہ سائے میں غور و فکر کی دعوت ہے۔ سو اس ارشاد سے انسان کو سائے اور سورج کی عظیم الشان نشانی میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ سو یہ سایہ جس سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اور جو تمہاری ایک ناگزیر ضرورت ہے اسے تمہارے رب نے کس طرح پھیلا دیا؟ پھر یہ تمہارے سامنے برابر گھٹتا بڑھتا اور سکڑتا پھیلتا رہتا ہے۔ جس میں تمہارے لئے طرح طرح کے درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔ سو ذرا سوچو کہ اگر ہمیشہ سایہ ہی سایہ ہوتا تو تمہاری زندگی کس قدر مشکلات کا شکار ہو جاتی۔ کیونکہ حیوانات اور نباتات کے لئے دھوپ اور گرمی کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر اسکے برعکس یہ سایہ بالکل ہی نہ ہوتا بلکہ ہمیشہ دھوپ ہی دھوپ ہوتی تو تم لوگ جل کر ختم ہو جاتے۔ مگر اس قادرِ مطلق اور رحمن و رحیم ذات کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ نے تمہارے لئے سائے کی اس عظیم الشان نعمت کا انتظام فرمایا ہے۔ اور تم ایک نہایت ہی مستحکم اور حکیمانہ نظامِ عمل کے تحت دھوپ اور سائے کی ان دونوں نعمتوں سے مستفید و متمتع ہوتے ہو۔ اور جس طرح سورج کی اس ظاہری روشنی سے دنیا کے ظاہری اور حسی اندھیرے چھٹتے اور سائے مٹتے رہتے ہیں اسی طرح آفتابِ ہدایت کے نورِ مبین سے کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے بھی چھٹ کر رہیں گے اور راہِ حق و ہدایت کا نور غالب ہو کر رہے گا۔ اور پھر جس ذاتِ اقدس و اعلیٰ نے تمہاری جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کا اس طرح انتظام فرمایا ہے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان نہ کرے؟ جبکہ اصل ضرورتیں تو روح کی ضرورتیں ہی ہیں کہ روح ہی سے اس قالبِ خاکی کی بقا وابستہ ہے۔ اور اسی پر اس کی قدر و قیمت کا مدار و انحصار ہے۔ پھر تمہارا اپنا سایہ جو ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور ہمیشہ بنتا مٹتا رہتا ہے اور ہمیشہ تمہارے سامنے زمین پر پڑا رہتا ہے وہ تمہیں ہمیشہ اپنی زبانِ حال سے ایک طرف عاجزی اور فروتنی کا درس دیتا ہے اور دوسری طرف فنا و زوال کا۔ اور تیسری طرف اس قدرتِ مطلقہ کی کارفرمائی کا جو کہ غیب سے اسکو بناتی اور مٹاتی رہتی ہے - سبحانہ و تعالیٰ - اور چوتھی طرف یہ کہ وہ دوسروں کیلئے آرام و راحت کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید

قَبۡضًا يَّسِيۡرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِبَاسًا

اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں ف۵۸ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو ایک عظیم الشان لباس بنا دیا،

وَّالنَّوۡمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِىۡۤ

اور نیند کو ایک کامل سکون کی چیز، اور اس نے بنایا دن کو دوبارہ اٹھنے کا وقت ف۵۹ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جو

اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ بُشۡرًۢا بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ

(اپنی رحمت بے پایاں اور کرم بے نہایت سے) اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے، خوشخبری دینے کو اور ہم نے (ایک

السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا ۙ‏ ﴿۴۸﴾ لِّنُحۡیِۦَ بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا وَّنُسۡقِيَهٗ

نہایت ہی حکیمانہ نظام کے تحت) اتارا آسمان سے پاک پانی ف۶۰ تاکہ زندہ کردیں ہم اس کے ذریعے کسی مردہ پڑی ہوئی زمین کو اور تاکہ

مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّاَنَاسِىَّ كَثِيۡرًا‏ ﴿۴۹﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنٰهُ

(اس طرح) ہم سیرابی کا بندوبست کریں اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کے لئے ف۶۱ اور بلاشبہ ہم نے اس کو ان کے

بَيۡنَهُمۡ لِيَذَّكَّرُوۡا ۖ فَاَبٰٓى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا‏ ﴿۵۰﴾ وَلَوۡ

درمیان طرح طرح سے پھیرا ہے، تاکہ لوگ سبق لیں، مگر لوگوں کی اکثریت (ایمان ویقین سے متعلق ہر اچھے رویئے کا) انکار ہی کرتی

۵۸ سائے کے سمٹنے سکڑنے میں دعوت غور وفکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر اسکو ہم آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں"۔ اپنی طرف سمیٹنے سے مراد ہے کہ اسے ہم مٹاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ جو چیز مٹ جاتی ہے وہ اسی کی طرف لوٹتی ہے کہ مرجع ومنتہیٰ سب کا وہی وحدہ لاشریک ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿وَاِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰى﴾۔ (العلق:۸)۔ ورنہ اللہ پاک کی ذات جہت ومکان سے پاک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور سایہ کے اس بتدریج سمٹنے میں بھی کئی حکمتیں کارفرما ہیں۔ سو تمہارے پیش افتادہ اس سائے میں ایک طرف تو پیدا ہونے اور مٹتے رہنے اور فنا وزوال کا درس عظیم ہے اور دوسری طرف یہ اپنے خالق ومالک کے حضور جھکنے اور سربسجود ہونے اور عجز وانکسار کا درس عظیم بھی ہوتا ہے۔ تیسری طرف یہ سایہ سورج کی الٹی سمت جھک کر شرک کی تردید اور توحید خداوندی کا درس بھی دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے سورج کو اس کی دلیل بنایا۔ سو جس طرح کسی چیز کی دلیل سے وہ چیز کھلتی اور واضح ہوتی ہے اسی طرح سورج اور اسکی روشنی سے سائے کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ اسکے کم وکیف کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنا چھوٹا یا بڑا ہے۔ پھر اسی سائے کی ایک بڑی اور کامل شکل رات کا وہ مہیب اندھیرا ہے جو ایک دنیا کی دنیا پر چھا اور پھیل جاتا ہے۔

پھر یہ سورج کا کُرہ اور اسکی تیز روشنی ہی ہے جو رات کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے کو چیر کر اس سے سپیدۂ سحر کی چمک لاتا ہے۔ اسکے نتیجے میں دنیا کیلئے طرح طرح کی راہیں کھلتی ہیں اور ان کی انواع واقسام کی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان ہوتا ہے۔ ورنہ اگر دنیا تاریکیِ شب کے اسی ہولناک اور گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوبی رہتی تو اس کا کیا بنتا؟ اسکو بے در کے اس گنبد میں کوئی راہ نہ سوجھتی۔ سو یہ سب کچھ ایک طرف تو اس قادرِ مطلق کی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا ایک عظیم الشان مظہر و ثبوت ہے اور دوسری طرف یہ عظیم الشان درسِ عبرت وبصیرت بھی ہے کہ سورج اور چاند وغیرہ کے یہ عظیم الشان کُرے انسان کے خادم ہیں نہ کہ اسکے مخدوم ومعبود۔ سو کس قدر بہکے بھٹکے اور اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو اپنے ان خادموں کو اپنا معبود قرار دے کر انکی پوجا کرتے ہیں اور اس طرح وہ اپنی تذلیل وتحقیر اور ہلاکت وبربادی کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے کر رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۵۹ رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں دعوتِ غور وفکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو ایک عظیم الشان لباس بنا دیا۔ سو اس نے رات کو ایک ایسا عظیم الشان اور ممتاز لباس بنایا کہ اس کی دوسری کوئی نظیر ومثال موجود نہیں۔ سو ذرا دیکھو کہ کس طرح ایک سیاہ چادر سارے عالم پر تان دی جاتی ہے۔ ایک سناٹا ہے جو چار سو چھا جاتا ہے اور سکون وراحت کے لئے ایک نہایت ہی پرسکون اور مناسب ماحول مہیا فرما دیا جاتا ہے۔ اور نیند کا آرام ایک ایسا آرام ہے کہ اس کا دوسرا کوئی بدل نہیں۔ چنانچہ انسان جب سو کر اٹھتا ہے تو ایک نئی قوت وتوانائی سے سرشار ہوتا ہے اور پھر دن کا وہ بے مثال اجالا کر دیا جاتا ہے جس میں انسان اٹھتے ہی اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتا ہے۔ کیا ہزار ہا سال سے چلنے والا یہ اس قدر مستحکم اور مربوط نظام کسی قادرِ مطلق کی قدرت وفرمانروائی کے بغیر از خود یونہی چل سکتا ہے؟ نیز اس میں یہ درسِ عبرت بھی ہے کہ جس طرح تم لوگ روزانہ رات کی خاموشی میں سو جاتے ہو اور موت سے ملتی جلتی کیفیت سے دوچار ہو جاتے ہو اور صبح کی روشنی میں اٹھ کر پھر اپنی اپنی چلت پھرت میں لگ جاتے ہو اسی طرح موت کے بعد بھی تم لوگ دوبارہ اٹھ کھڑے ہوؤ گے۔ سو اس طرح روزمرہ کا تمہارا یہ سونا جاگنا تمہارے لئے طرح طرح کی ظاہری اور جسمانی فوائد کے علاوہ آخرت کی تذکیر اور یاددہانی کا بھی ایک عظیم الشان ذریعہ ہے تاکہ اس طرح تم لوگ آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کے لئے تیاری کر سکو قبل اس سے کہ فرصتِ عمر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اور اس طرح تم اپنی آخرت کو ہمیشہ یاد رکھو جو کہ اصل بنیاد ہے فرد اور معاشرے کی اصلاح کی۔ اسی لئے نبی اکرم ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے سونے کے بعد اٹھنے کے موقع پر اپنی امت کو جو دعا تلقین فرمائی ہے اس میں بھی اسی کا تذکرہ ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ''۔ یعنی شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں زندگی بخشی اسکے بعد کہ اس نے ہمیں موت سے ہمکنار کر دیا تھا اور اسی کی طرف جانا ہے دوبارہ زندہ ہو کر۔ سبحان اللہ۔ کس قدر عظیم الشان اور کتنی مقدس اور پاکیزہ ہیں دینِ متین کی یہ تعلیماتِ مقدسہ جو عام طبعی امور کو بھی نیکی اور عبادت بنا دیتی ہیں۔ کہاں مومن کا یہ سونا اور جاگنا جس میں اس قدر عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں، اور کہاں ایمان سے محروم کافر ومنکر انسان کا وہ سونا، جو خالص ایک حیوان کا سونا اور جاگنا ہے۔ جس میں ایسے کسی درسِ عبرت وبصیرت کا کوئی سوال ہی نہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ سو ایمان ویقین کی دولت مٹی کو سونا بنا دینے والی ایک عظیم الشان وبے مثال اور انقلاب آفریں دولت ہے سو شکر اس اللہ وحدہٗ لاشریک کا جس نے

ہمیں ایمان ویقین کی اس دولت بے مثال سے سرشار وسرفراز فرمایا، اور محض اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت وعنایت سے سرفراز فرمایا، اللہ اس پر قائم اور ثابت قدم رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۶۰ ماءِ طہور میں غور وفکر کی دعوت: ۔ سو اس سے آسمان سے اتارے جانے والے ماءِ طہور میں دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم ہی نے اتارا آسمان سے پاک صاف پانی"۔ جو کہ پاک صاف ہوتا ہے ہر طرح کی گندگی اور آمیزش سے۔ اور جو کہ طاہر ومحفوظ ہوتا ہے ہر قسم کے زہریلے مادوں اور جراثیم سے۔ اور جو کہ صرف پاک ہی نہیں ہوتا بلکہ پاک کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ یعنی طاہر کے ساتھ ساتھ وہ مطہر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ طہور کے معنیٰ ہیں طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ۔ جیسے وضو کے معنیٰ ہیں وضو کرنے کا ذریعہ اور "وقود" کے معنیٰ ہیں جلانے کا ذریعہ۔ یعنی "ایندھن"۔ سو اس پانی سے طرح طرح کی نجاستوں اور گندگیوں وغلاظتوں کو دھویا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پانی کا یہ حیات آفریں اور زندگی بخش جوہر ایسا عظیم الشان جوہر اور قدرت کا اس قدر جلیل القدر تحفہ اور عطیہ ہے کہ اس سے انسانوں، حیوانوں اور نباتات وغیرہ سب کی زندگی اور ان کی بقاء وابستہ ہے۔ اور یہیں سے تم لوگ یہ بھی سوچو کہ جس قادرِ مطلق اور حکیم مطلق نے تمہاری جسمانی اور مادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اس قدر حکیمانہ انتظام فرمایا ہے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے کوئی انتظام نہ فرمائے؟ جبکہ جسم وجان کے اس مجموعے میں اصل چیز روح ہی ہے۔ سو تمہاری ان روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اس نے وحی ورسالت کا انتظام فرمایا جس کی آخری اور کامل شکل اب قرآنِ حکیم کی صورت میں تمہارے سامنے موجود ہے۔ سو اس خالق ومالک ربِ رحمٰن ورحیم کی ان عظیم الشان نعمتوں اور جلیل القدر احسانات کے باوجود اس سے اعراض وروگردانی اختیار کرنا اور اسکے حقِ بندگی سے غفلت برتنا کس قدر ظلم اور کتنی بے انصافی ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا، بکل حالٍ من الاحوال

۶۱ پانی ذریعۂ حیات وبقا اور وسیلۂ سیرابی: ۔ سو اس ارشاد میں پانی کی اس عظیم الشان اور حیات آفریں نعمت میں اس اعتبار سے غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ اس سے یہ مردہ زمین حیاتِ تازہ اور ایک نئی زندگی پاکر تمہارے لئے طرح طرح کی چیزیں اگاتی اور پیدا کرتی ہے اور یہ پاکیزہ پانی دریاؤں، نہروں، ندیوں اور نالوں اور تالابوں وغیرہ کے علاوہ زمین کے اندرونی سوتوں کی شکل میں محفوظ ہوجاتا ہے۔ جس سے چوپائے اور انسان وغیرہ سب مستفید وفیضیاب ہوتے اور اپنی طرح طرح کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ سو یہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ بے پایاں کا ایک کرشمہ اور اس کی رحمتِ بے نہایت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور جس طرح اس نے تمہاری ظاہری اور مادی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے پانی کی اس عظیم الشان نعمت کا اس حیرت انگیز اور حکمت بھرے طریقے سے انتظام فرمایا۔ اسی طرح اس نے تمہاری معنوی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے وحی کی اس معنوی بارش کا بھی انتظام فرمایا جو تمہارے دلوں کی زندگی اور انکی آبادی کا ذریعہ ہے۔ سو اسکے حقِ معرفت وبندگی سے اعراض وروگردانی برتنا جہاں اس واہبِ مطلق۔ جل وعلا شانہ۔ کی حق تلفی ہے وہیں یہ اپنے دلوں کی دنیا کو اجاڑنے اور ویران کرنے کا باعث بھی ہے۔ جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے خسارے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ

رہی (اور انہوں نے نہیں اپنایا مگر) کفر اور ناشکری ہی ۶۲ کو اور اگر ہم چاہتے تو (آپ کی زندگی ہی میں اے پیغمبر!) ہر بستی میں اٹھا کھڑا

وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ

کرتے ایک نذیر ۶۳ پس کبھی کافروں کا کہنا نہیں ماننا اور ان سے جہاد کرو اس (قرآن) کے ذریعے بہت بڑا جہاد ۶۴ اور وہ وہی تو ہے جس

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ

نے ملا رکھا ہے دو سمندروں کو (اس حیرت انگیز اور پر حکمت طریقے سے کہ) ان میں سے ایک تو نہایت لذیذ و شیریں اور دوسرا انتہائی

اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

تلخ و شور اور ان دونوں کے درمیان اس نے حائل کر رکھا ہے (اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے) ایک عظیم الشان پردہ اور ایک

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ

نہایت ہی مضبوط (اور مستحکم) آڑ ۶۵ اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے پیدا فرمایا انسان (جیسی عظیم الشان مخلوق) کو پھر (مزید کرم یہ فرمایا

۶۲ **حکمتِ تصریف کی توضیح وتشریح**:۔ سو اس سے قرآنِ حکیم کو مختلف اسالیب میں بیان کرنے کے احسان کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "بلاشبہ ہم نے اسکو انکے درمیان طرح طرح سے پھیرا ہے تاکہ لوگ سبق لیں"۔ یعنی ہدایت کے اس مضمون کو ہم نے طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ سبق لیں اور نصیحت حاصل کر لیں۔ اور ہدایت کے نور سے اپنے باطن کو منور کریں کہ اس میں ان کی سعادت و کامرانی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور یہ تفسیر مبنی ہے اس قول واحتمال پر کہ ﴿ صرفناہ ﴾ کی ضمیرِ مفعول کا مرجع قرآن ہے۔ جیسا کہ بعض اہلِ علم نے اس کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ اس میں دوسرا قول واحتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر کا مرجع بارش ہی ہو۔ یعنی ہم اس بارش کو پھیر پھیر کر برساتے ہیں۔ کبھی کہیں کبھی کہیں۔ کہیں کم کہیں زیادہ۔ اور کہیں مسلسل و لگاتار اور کہیں بالکل نہیں وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباس۔ رضی اللہ عنہما۔ سے مروی ہے کہ بارش کسی سال کم یا زیادہ نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کے اعمال کے مطابق اس کو پھیرا کر کبھی کہیں اور کبھی کہیں کسی جگہ کم اور کسی جگہ زیادہ برسایا جاتا ہے۔ جس سے کسی پر انعام کرنا اور کسی کو عذاب دینا مقصود ہوتا ہے وغیرہ۔ تو یہ اس کی قدرتِ بے نہایت اور رحمت وعنایتِ بے غایت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ مگر لوگوں کی اکثریت ہے کہ اس میں غور کرنے اور سبق لینے کی بجائے کفر و ناشکری ہی کی راہ پر چلی جا رہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف یہ قدرت کی رحمت وعنایت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ جس میں صحیح طور پر غور و فکر سے کام لیکر انسان اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکتا ہے۔ لیکن ٹیڑھی کھوپڑی اور الٹی سمجھ والے لوگ اپنی کج فکری اور الٹی روش کی بنا پر الٹا اس سے اپنی ہلاکت و محرومی کا سامان کرتے

ہیں۔ کوئی اس کو اپنی دیویوں اور دیوتاؤں کی کارستانی کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ کوئی اس کو ستاروں کی طرف منسوب کرتا ہے اور کوئی کسی اور طرف۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ نورِ معرفت وبصیرت سے سرشار وسرفراز رکھے۔ آمین ثم آمین

۶۳ حضرت امام الانبیاءؑ کی بعثت عامہ کا ذکر و بیان: سو اس سے حضرتِ خاتم الانبیاء کی عظمتِ شان کے ایک خاص پہلو کا ذکر فرمایا گیا ہے یعنی یہ کہ آپ کی نبوت ورسالت کا فیضان قیامت تک کے سب زمانوں اور جملہ انسانوں کے لیے جاری وساری ہے۔ ورنہ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک نذیر اٹھا کھڑا کرتے۔ مگر چونکہ آپ کا درجہ ومرتبہ اور اجر وثواب بڑھانا اور آپ کا مقام سب۔ سے بڑا اور سب سے بلند کرنا مقصود تھا اس لئے آپ ہی کی نبوت کو سب کے لئے عام کر دیا کہ آفتاب عالمتاب کے ہوتے ہوئے ستاروں کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ سو جس طرح ایک آفتابِ عالمتاب کی روشنی سب دنیا جہاں کیلئے کافی ہے اسی طرح آپ کا آفتابِ نبوت بھی قیامت تک کی سب دنیا کی ہدایت وراہنمائی کیلئے کافی ہے۔ تا کہ اس سب کا اجر وثواب آپ ہی کو ملتا رہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾۔ (الفرقان:۱)۔ نیز جیسا کہ دوسرے مقام پر یہ فرمایا گیا ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾۔ (الاعراف:۱۵۸)۔ پس اسکے صلے وبدلے اور اسکے شکر میں آپ راہِ حق میں مزید استقامت وثابت قدمی سے کام لیں اور ان کے انکار واعراض کی پرواہ نہ کریں۔ (المراغی، المحاسن، المعارف وغیرہ)۔ سو آپ کی نبوت اور آپ کا پیغام سب جہانوں اور جملہ انسانوں کے لیے ہے۔ اور یہ شان آپ کے سوا اور کسی بھی رسول کی نہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وَرَزَقَنَا حُبَّهٗ وَاتِّبَاعَهٗ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ۔

۶۴ قرآن کے ذریعے جہادِ کبیر کا حکم و ارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ان سے جہاد کرو اس قرآن کے ذریعے بڑا جہاد''۔ یعنی قرآنِ حکیم کے احکام ومضامین کی تبلیغ وتعلیم کے ضمن میں اپنے بس کی حد تک جہاں تک ممکن ہو سکے کوشش کرتے جایئے اور اس راہ میں جو رکاوٹیں اور مشکلات پیش آئیں انہیں عزم واستقامت اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتے جایئے کہ حق وصداقت اور کامیابی ونجات اور دارین کی فوز وفلاح کی راہ بہر حال یہی اور صرف یہی راہ ہے۔ اور یہ لوگ محض آپ کو زچ کرنے کیلئے نت نئے اور طرح طرح کے مطالبات پیش کرتے ہیں۔ انکی آپ کوئی پرواہ نہ کریں بلکہ ان کے مقابلے میں قرآنِ حکیم کے اسی عظیم الشان اور مقدس ہتھیار کے ذریعے لگاتار جہاد کرتے رہیں۔ اور یہ جہاد ہر چند کہ ہے بڑا کٹھن اور صبر آزما جہاد لیکن آپؐ اس قرآنِ حکیم کے ذریعے اس میں لگے رہیں۔ تا کہ ان پر اللہ کی حجت اچھی طرح پوری ہو جائے۔ اور جس کے اندر کوئی ادنیٰ رمق بھی قبولِ حق کیلئے موجود ہو وہ حق کو قبول کرلے اور کسی کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ سو یہ جہاد جہادِ کبیر بہت بڑا جہاد ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور زندگی کا ہر لمحہ اپنی رضا وخوشنودی کے لیے صرف کرنے کی توفیق بخشے اور اس کو اپنی بارگہ میں قبول فرمالے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین

۶۵ پانی کے دو عظیم الشان ذخیروں کی نعمت میں غور وفکر کی دعوت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''وہ اللہ وہی ہے جس نے ملا رکھا ہے پانی کے دو عظیم الشان ذخیروں کو''۔ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے۔ اور ان دو سمندروں سے مراد ایک تو میٹھے اور کھاری پانی کے دو ذخیرے ہیں جن میں سے ایک یعنی میٹھے پانی سے انسان اور حیوان پیتے اور دوسری طرح طرح کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں جو کہ چشموں، دریاؤں، نہروں اور تالابوں وغیرہ کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ اور دوسرا ذخیرہ

سمندروں اور خلیجوں وغیرہ کا وہ ذخیرہ ہے جس کا پانی کھارا اور تلخ ہوتا ہے۔ اور جو خشک زمین سے کہیں زیادہ ہے۔ اور جس سے تمہارے جہاز رانی، بحری نقل وحرکت اور مچھلیوں کے شکار وغیرہ کے بے شمار فوائد ومنافع وابستہ ہیں۔ اسی پانی کے ذخیرے سے وہ آبی بخارات بھی اٹھتے ہیں جس سے بارش برستی ہے۔ پانی کے اس عظیم الشان ذخیرے کو قدرت نے کھارا اور سخت تلخ و شور بنا دیا اور اس طرح اس میں مرنے سڑنے والے ہزاروں لاکھوں جانور اور دوسری طرح طرح کی غلاظتیں خود بخود بھسم ہو کر مٹی رہتی ہیں۔ اور اس میں کوئی بو یا سڑاند پیدا نہیں ہونے پاتی۔ ورنہ اگر پانی کا یہ حصہ بھی میٹھا ہوتا اور یہ ہزار ہا قسم کی جاندار چیزیں اور طرح طرح کی دوسری اشیاء اس میں مرتی اور گلتی سڑتی رہتیں تو یقیناً اس سے اس میں ایسا تعفن اور ایسی سخت بو اور سڑاند پیدا ہو جاتی کہ بنی نوع انسان کے لئے اس کرۂ ارضی پر زندگی گزارنا دوبھر ہو جاتا۔ ﴿ بحرین ﴾ کی تشریح وتفسیر سے متعلق اس قول کو جس کو راقم آثم نے یہاں اختیار کیا ہے اسکو ابن جریر طبریؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ مفسرین کرام نے بھی ترجیح دی ہے اور معارف القرآن وغیرہ میں بھی اس کو اختیار کیا گیا ہے۔ سو قدرت نے پانی کے ان دونوں ذخیروں کے درمیان ایسی مضبوط آڑ اور روک رکھ دی ہے کہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہو کر اس کے رنگ، مزے اور اثرات کو زائل نہیں کر سکتا۔ ورنہ اور کس کے بس میں تھا کہ وہ پانی کے ان دونوں عظیم الشان ذخیروں کو آپس میں ملنے سے روک دے؟ - فَسُبْحَانَهٗ مَآ اَعْظَمَ شَانُهٗ وَمَآ اَجَلَّ قُدْرَتُهٗ وَبُرْهَانُهٗ - اور اس کے علاوہ خود ان کھاری سمندروں کے اندر بھی میٹھے پانی کے چشمے اور ذخیرے پائے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود یہ دونوں قسم کے پانی آپس میں ملنے نہیں پاتے۔ اس سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقعہ پر اپنی تفسیر میں کچھ علماء کی شہادتیں بھی قلم بند کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ اراکان سے چاٹگام تک، ضلع باریسال کے اندر اور جنوبی ہند کے ضلع گجرات وغیرہ میں اس کے نظائر پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ترکی کے امیر البحر سید علی رئیس- کاتب رومی- نے اپنی کتاب ''مرآۃ اسیاہ'' جو کہ سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے میں خلیج فارس کے اندر کئی ایسے چشموں کا ذکر کیا ہے جن سے وہ خود اپنی ضروریات کے لئے پانی حاصل کیا کرتا تھا اور وہ خود اور اس کے بحری بیڑے کے تمام افراد اس سے اپنی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ اور خود دورِ حاضر میں ماضی قریب کے اندر ہی جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل کی تلاش شروع کی تو یہ لوگ ابتداء میں خلیج فارس کے انہی چشموں سے پانی لیتے تھے۔ یہاں تک کہ سعودی شہر ظہران کے پاس کنوئیں کھود کر ان سے پانی لیا جانے لگا۔ اسی طرح بحرین کے قریب بھی کھاری سمندر کے اندر میٹھے پانی کے چشمے ہیں جن سے کچھ عرصہ پہلے تک لوگ پانی لیا کرتے تھے۔ اور اس کے علاوہ اس کی بھی جگہ جگہ مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی خطے میں زمین کے اندر کھاری پانی کے سوتے بھی ہیں اور میٹھے پانی کے بھی۔ مگر اس سب کے باوجود ان میں آپس میں کوئی خلط یا آمیزش نہیں ہونے پاتی۔ بلکہ سطح سمندر پر بھی ان دونوں پانیوں کو الگ الگ محسوس کیا جاتا ہے جس سے سمندری سفروں کے دوران لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ مگر اللہ پاک کی قدرتِ کاملہ نے ان دونوں کے درمیان ایسا مضبوط پردہ حائل کر رکھا ہے کہ دونوں پانی ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ ﴿فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾- سو جس قادرِ مطلق کی عظیم الشان قدرت اور بے نہایت حکمت کے یہ عظیم الشان نشان تمہارے سامنے موجود ہیں وہی ہے اللہ- جل جلالہ- جو کہ معبودِ برحق ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- اللّٰھم فخذ بنواصینا الی ما فیه حبک ورضاک بکل حال من الاحوال - اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے۔ آمین ثم آمین۔

صِهْرًاؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ

کہ) اس کو نسب اور سسرال (کے دو الگ الگ سلسلوں) والا بنا دیا واقعی تمہارا رب بڑا ہی قدرت والا ہے ۶۶ مگر یہ لوگ (ہیں کہ اس

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْؕ وَكَانَ الْكَافِرُ

سب کے باوجود) پوجتے (پکارتے) ہیں ایسی (بے حقیقت) چیزوں کو جو ان کو نہ کچھ نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں اور (اس

عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ

سے بھی بڑھ کر یہ کہ) کافر تو اپنے رب کے مقابلے میں (ہر باغی کا مددگار و) پشت پناہ بنا ہوا ہے ۶۷ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے

نَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ

پیغمبر!) مگر خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر ۶۸ (ان سے) کہو کہ میں تم سے (تبلیغ حق کے) اس کام پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا ۶۹

۶۶ خلقت انسانی میں غور و فکر کا سامان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہی ہے جس نے انسان کو پیدا فرمایا پانی سے۔ پھر اسکو نسب اور سسرال والا بنا دیا"۔ ایک حقیر و بے جان پانی سے انسان جیسی اشرف المخلوقات کو پیدا کر دینا ہی کیا کچھ کم اعجوبۂ قدرت و عنایت تھا کہ اس نے اپنے کرمِ مزید سے اس کے لئے نسب وصہر کا ایک عظیم الشان اور حکمتوں بھرا سلسلہ بھی جاری فرما دیا۔ جس سے خاندانوں کے خاندان بنتے چلے گئے اور مسلسل ولگاتار بنتے چلے جا رہے ہیں۔ واقعی تمہارے رب کی رحمت اور اس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ سو کتنا بڑا ظالم اور کس قدر بے انصاف ہے وہ شخص جو اس خالق و مالک اور قادرِ مطلق سے منہ موڑے اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو تم لوگ ذرا سوچو تو سہی کہ کس طرح اس قادرِ مطلق نے پانی سے انسان کی تخلیق فرمائی اور پھر کس طرح اس سے اس کا جوڑا بھی پیدا فرما دیا۔ پھر ان دونوں کے اندر ایسے فطری داعیات ودیعت فرما دیئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوگا۔ اور اس حد تک کہ ہر ایک کی زندگی کی تکمیل اور اس کا سکون دوسرے کے وجود اور اسکے ارتباط پر موقوف ہو گیا۔ جسکے نتیجے میں انسان ایک طرف نسبی تعلقات کا حامل بن گیا اور دوسری طرف سسرالی روابط کے ساتھ جڑ گیا۔ اور اس طرح خاندانوں کی تکوین و تخلیق اور معاشرت و اجتماعیت کی تنسیق و تعمیر کے عظیم الشان اور حکمتوں بھرے سلسلے قائم ہو گئے۔ سو ایک ہی پانی اور مادۂ تخلیق سے اس طرح اَضداد کو وجود میں لانا اور پھر ان کو اس طرح ایک پر حکمت سلسلے میں پرو دینا اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا کس قدر عظیم الشان مظہر ہے۔ سو اس سے یہ امر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اس کائنات پر ایک ہی حکیم و قدیر خدائے پاک کا حکم اور اس کا تصرف کار فرما ہے۔ اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے کہ وہ ایک مادہ سے اضداد کو وجود میں لاتا ہے اور پھر اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے ان اَضداد کے اندر ایک پر حکمت وابستگی اور پیوستگی پیدا فرما دیتا ہے۔ سو وہی وحدہٗ لاشریک خالقِ کل، مالکِ مطلق اور معبودِ برحق ہے۔ اور ہر قسم کی عبادت اسی کا اور صرف اسی وحدہ لاشریک کا حق ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۶۷ کافر کی اپنے رب کے خلاف پشت پناہی: -سوارشاد فرمایا گیا کہ '' کافر اپنے رب کے مقابلے میں پشت پناہ بنا ہوا ہے''۔ یعنی ایسے زبردست نشانِ قدرت کے ہوتے ہوئے بھی اس مالکِ کل اور قادرِ مطلق کے سوا ایسوں کو پوجنا اور پکارنا جو نہ تو عبادت کرنے پر اپنے پجاریوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں اور نہ ترکِ عبادت پر انہیں کوئی نقصان دے سکیں۔ کیسا ظلم اور کتنی بڑی ناانصافی ہے؟ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کافر اپنے رب کے خلاف ہر باغی کا مددگار اور پشت پناہ بنا ہوا ہے۔ اور حق کو قبول کرنے اور اس کا ساتھ دینے کی بجائے وہ اس کے مخالفوں کا ساتھ دیتا ہے۔ سوایسوں کو اپنے کئے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا۔ یہ لوگ اللہ کے اِمہال سے دھوکے میں نہ پڑیں اور کافر سے یہاں پر مرادجنسِ کافر ہے۔ سوحق اور حقیقت تو وہی ہے جسکو اوپر بیان کر دیا گیا اور قطعی دلائل کی روشنی میں بیان کر دیا گیا مگر اسکے باوجود کافر لوگ اپنے رب پر ایمان لانے اور اسکے حضور جھکنے کی بجائے شیطان کے اور ہر باغی وسرکش کے مددگار اور پشت پناہ بنے ہوئے ہیں اور خدائے واحد کی عبادت و بندگی کی اس دعوت کی پوری قوت سے مخالفت کر رہے ہیں جو اللہ کے رسول ان کو دے رہے ہیں۔ اور معاصی وذنوب اور ارتکاب کفر وشرک پر دوسروں کی پیٹھ ٹھونکے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴾- (الاعراف:۲۰۲) (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ اہلِ حق کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں جس طرح کہ آج کی شیطانی سپر پاورز کا حال ہے کہ وہ پوری دنیا میں اہلِ حق پر عرصۂ حیات تنگ کئے ہوئے ہیں - جعل اللہ کیدھم فی نحورھم و اعاذ الاسلام والمسلمین من شرورھم - اللہ زندگی کا ہر لحہ حق کی خدمت واشاعت کے لیے صرف کرنے کی توفیق بخشے- اور راہِ حق پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین

۶۸ پیغمبر کا کام انذار اور تبشیر ہے اور بس: -یعنی حق کی تبلیغ کرنے پر ماننے والوں کو دارین کی فوز وفلاح کی خوشخبری دے دینا اور نہ ماننے والوں کو ان کے انجامِ بد سے خبردار کر دینا ہی آپ کا کام ہے اور بس۔ اس کے سوا آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ دلوں کو پھیرنا اور ان میں کلمۂ حق اتار دینا نہ آپؐ کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ کام آپؐ کے ذمے ہے۔ پس تبلیغِ حق کرتے جایئے اور اس کے بعد ان کا معاملہ اپنے خالق و مالک پر چھوڑ دیجئے۔ وہ خود ان سے نمٹ لے گا- سبحانہ، وتعالیٰ -سواس ارشاد میں ایک طرف تو پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ آپ کا کام تو صرف تبلیغِ حق اور انذار وتبشیر ہے اور وہ آپ نے پورا کر دیا۔ لہٰذا آپ کا ذمہ فارغ۔ اس سے آگے آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور دوسری طرف اس میں منکرین ومکذبین کے لیے تنبیہ وتہدید ہے کہ تم لوگوں نے اگر نہ مانا تو اب تم اپنے انجام کو پہنچ کر رہو گے کہ حق کا پیغام تم تک پہنچ گیا اور اب تمہارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا۔ لہٰذا اب تم لوگ اپنے انجام کے بارے میں خود دیکھ اور سوچ لو۔

۶۹ پیغمبر کی دعوت بالکل بے لوث: -سوارشاد فرمایا گیا کہ ''ان سے کہو کہ میں تم لوگوں سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا'' تو پھر تمہارے ماننے سے میرا کیا فائدہ اور تمہارے نہ ماننے سے میرا کیا نقصان؟ اور تمہیں خود یہ سوچنا چاہیئے کہ ایسے بے غرض و بے لوث شخص کی دعوت کے حق وصدق ہونے میں کسی شک وشبہے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے جو نہ تو کسی اجر ومعاوضے یا دنیاوی مفاد کا کوئی مطالبہ وسوال کرے اور نہ تم سے کچھ مانگے۔ بلکہ دعوتِ حق کی راہ میں سب کچھ قربان کر دے اور اپنے آرام وسکون تک کو تج دے۔ سوایسی دعوت سے منہ موڑنا کس قدر ظلم وزیادتی اور بے انصافی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- سو پیغمبر کی دعوت بالکل بےلوث اور سراسر اخلاص وللّٰہیت پر مبنی ہوتی ہے- اللہ ہمیں بھی اس کی توفیق بخشے- آمین ثم آمین یارب العالمین

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ

مگر (یہ کہ) جس کا جی چاہے اپنے رب (کی طرف جانے) کا راستہ اختیار کرلے ف۷ اور بھروسہ ہمیشہ اس زندۂ جاوید ہستی پر رکھو جس کو کبھی

مع بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ ۚ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

موت نہیں آنی ف۸ اور تسبیح کرتے رہا کرو اس کی حمد (وستائش) کے ساتھ، اور کافی ہے وہ (وحدہٗ لاشریک) اپنے بندوں کے گناہوں سے

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ

باخبر رہنے کو، جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام کائنات کو چھ دنوں میں ف۲ پھر وہ جلوہ فرما ہو گیا عرش پر، وہ بڑا ہی ف۳

ف۷ **پیغمبر کا کام راہِ حق کی راہنمائی**:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کی دعوت کا مقصد خدا کے راستے کی راہنمائی اور اس کو اپنانے کی تعلیم و تلقین ہے اور بس۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا مگر جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے"۔ سو اس کو اگر تم لوگ اجر اور مزدوری کہتے ہو تو بے شک کہو کہ یہ میرا فرضِ منصبی ہے کہ بندوں کو خدا تک پہنچانے کی سعی کی جائے۔ ان کو اس کی رضا نصیب ہو جائے۔ یہ اس کے راستے پر آجائیں اور وہ دارین میں سرخرو ہو سکیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ﴾ ۔الآیۃ (سبا:۴۷)۔ یعنی "جو کچھ بدلہ میں اس کام پر تم لوگوں سے چاہتا ہوں وہ خود تمہارے ہی لئے ہے" اور اس کا فائدہ خود تمہی لوگوں کو پہنچے گا۔ اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ سو اگر تم لوگ اپنے رب تک پہنچنے کی اس راہ کو اپناؤ گے تو خود تمہارا اپنا ہی بھلا اور فائدہ۔ نہیں تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہے۔ اور اس کا خمیازہ خود تم ہی لوگوں کو بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو پیغمبر کا کام سراسر اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں بھی ان کی اتباع و پیروی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ف۸ **بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر رکھنے کی ہدایت**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ بھروسہ ہمیشہ اسی زندۂ جاوید ہستی پر رکھو جس کو کبھی موت نہیں آتی"۔ کہ بھروسہ کرنے کے لائق وہی ذاتِ اقدس و اعلیٰ ہے جس کی قدرت بھی کامل ہے اور اس کی رحمت بھی عام اور شامل۔ جو کارساز و کارفرما بھی ہے اور ازلی و ابدی بھی۔ جو سب کائنات کی خالق بھی ہے اور مالک و متصرف بھی۔ جو شہ رگ سے بھی زیادہ انسان کے قریب بھی ہے اور جو ہر کسی کی سنتی بھی ہے اور ہر کسی کی حاجت روائی و مشکل کشائی کرنے والی بھی۔ جس کو نہ کبھی موت آسکتی ہے نہ فنا۔ اور جب اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے سوا یہ صفات اور کسی بھی ہستی میں نہ پائی جاتی ہیں نہ پائی جانی ممکن ہیں کہ اس کے سوا ہر ہستی بہر حال مخلوق، محدود اور فانی ہے۔ اور اس پر عدم و فنا نے بہر حال طاری ہونا ہے تو پھر اس کے سوا دوسری کوئی بھی ہستی دلی بھروسہ و اعتماد کے لائق آخر کس طرح ہو سکتی ہے؟۔ سبحان اللہ۔ کیسی جامع مانع اور واضح تعلیم ہے۔ مگر اس کے باوجود آج کا جاہل مسلمان کیسی کیسی شرکیات میں مبتلا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر کرنا چاہیے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کیلئے رہے گا کہ اس پر بھروسہ کرنے والے کبھی محروم اور نامراد نہیں

ہوتے۔ سو اس میں لطیف تعریض ہے ان مشرکوں پر جو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا ان خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو مردہ اور بے جان ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

۷۲ معبود برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ معبود برحق صرف اللہ ہے جو خالق کائنات ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جس نے پیدا فرمایا اس پوری کائنات کو چھ دنوں میں''۔ یعنی اتنی مقدارِ وقت میں۔ کیونکہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ظاہر ہے کہ یہ معروف دن رات تو تھے ہی نہیں جو کہ سورج کے طلوع و غروب سے بنتے ہیں کہ اس وقت تو سرے سے سورج ہی موجود نہیں تھا۔ تو پھر اس کے طلوع و غروب کا کیا سوال؟ اسی لئے محققین ان چھ دنوں سے چھ ادوار اور زمانے مراد لیتے ہیں۔ پھر اس کی قدرت تو یہ ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ فرمائے اس کو فرماتا ہے ''کن''، یعنی ''ہوجا''۔ تو وہ فوراً ہوجاتی ہے۔ مگر اس قدرت کے باوجود آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا فرمانے کا طریقہ دوسری حکمتوں کے پیشِ نظر اختیار فرمایا جن کا احاطہ وہی وحدہٗ لاشریک کرسکتا ہے۔ البتہ ایک بڑا سبق اس میں جو اس کے بندوں کے لئے موجود ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ تانی و تدریج سے کام لینا چاہیئے اور جلد بازی سے بچنا چاہیئے کہ یہ طریقہ انسان کے لئے سلامتی کا طریقہ ہے۔ بہر کیف چھ دنوں سے یہاں پر معروف چھ دن مراد نہیں بلکہ خدائی چھ دن مراد ہیں۔ جنکے طول و عرض اور انکی وسعت کو اللہ ہی جانے۔ اور اس میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ یہ کائنات کسی اتفاقی حادثے کے طور پر وجود میں نہیں آگئی بلکہ اسکے خالقِ حکیم نے اس کو نہایت اہتمام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ سو نہ یہ کائنات بے مقصد و بیکار ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس انسان کی تخلیق و پیدائش بے مقصد ہوسکتی ہے جو اس پوری کائنات کے مخدوم و مطاع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس سے ہر وقت طرح طرح سے مستفید و فیضیاب ہوتا ہے۔ سو جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ وہی اس لائق ہے کہ دل کا بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال وفی کل مواطن من موطن فی الحیاۃ۔ فانہ، ہو الخالق المالک، والحاکم المتصرف فی کونہ کلہ جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ راہ حق و صواب پر ثابت قدم رکھے۔ آمین

۷۳ ''استواء علی العرش'' کا ذکر اور اس سے مراد؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر وہ مستوی ہوا عرش پر'' جیسا کہ اسکی شان کے لائق ہے۔ یعنی ایسا استواء اور ایسی جلوہ فرمائی جو اس کی شانِ اقدس و اعلیٰ کے لائق ہے کہ وہ معبودِ برحق ہر تشبیہ و تمثیل سے پاک ہے۔ خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾۔ (الشوریٰ:۱۱) جیسا کہ حضراتِ سلفِ صالح سے مروی و منقول ہے کہ نصوص کو انکے ظواہر پر رکھا جائے اور معنی و مراد کو اللہ پاک ہی کے حوالے کیا جائے۔ اور مقصود اس ارشاد سے یہ بتانا ہے کہ ایسا نہیں کہ اس عظیم الشان کائنات کو پیدا فرما کر خود کہیں الگ جا بیٹھا ہو۔ جیسا کہ احمق لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر وہ ایسا کرتا تو یہ ایک کارِ عبث ہوتا۔ اور یہ اس مدبر و حکیم خالقِ کائنات کی شانِ حکمت کیخلاف ہے۔ سو ایسا نہیں بلکہ وہ اپنی اس کائنات کو پیدا فرمانے کے بعد اسکے عرشِ اقتدار پر مستوی و جلوہ افروز ہوا۔ جیسا کہ اسکی شانِ اقدس و اعلیٰ کے لائق ہے۔ اور وہی اس کا نظام چلا رہا ہے۔ اور اسی کا حکم و تصرف اس کائنات پر چلتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ

مہربان ہے، اس (کی شان) کے بارہ میں پوچھو کسی بڑے باخبر سے ف۴۷ اور (ان کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ

اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ اَنَسۡجُدُ

سجدہ ریز ہو جاؤ تم اس خدائے مہربان کے آگے تو یہ (پوری ڈھٹائی سے) کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ ف۵ کیا ہم ہر ایسی چیز کے آگے

لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا ﴿۶۰﴾ السجدۃ تَبٰرَكَ الَّذِىۡ جَعَلَ

سجدہ ریز ہو جایا کریں، جس کا آپ ہمیں حکم دیں؟ اور (اس طرح) اس سے ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوتا ہے، ف۶ بڑی ہی برکت والی ہے

ف۴۷ خدائے رحمان کے بارے میں بڑے باخبر سے پوچھنے کی ہدایت :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بڑا ہی مہربان ہے۔ اس کی شان کے بارے میں کسی بڑی باخبر ہستی سے پوچھو یعنی خود حضرتِ حق -جل مجدہٗ- سے کہ اپنی ذات وصفات کے بارے میں وہی بتا سکتا ہے (المراغی وغیرہ)۔ سو خدائے رحمان کو ویسے ہی مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا پھر اس کے بارے میں اس کے رسول بتائیں جن کے پاس خدائے رحمان کی طرف سے وحی آتی ہے۔ سو خدائے رحمان کے بارے میں اسکی مخلوق میں سب سے زیادہ جاننے والے امام الانبیاء حضرت محمدؐ ہی ہیں۔ سو مخلوق میں اسکے بارے میں سب سے بڑے باخبر اس کی پوری مخلوق میں امام الانبیاء حضرتِ محمد مصطفیٰ -صلی اللہ علیہ وسلم- ہی ہیں۔ لہٰذا خدائے رحمٰن کے بارے میں عقلی گھوڑے دوڑانے کی بجائے قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ کی طرف رجوع کیا جائے اور ان ہی کی پیروی کی جائے۔ صحت وسلامتی کی یہی ایک راہ ہے اور بس۔ اس کے بغیر حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی معرفت اور اس تک رسائی نہ ممکن ہے اور نہ انسان کے بس میں ہے کہ انسانی عقل جتنی بھی پرواز کر جائے اور جس قدر بھی مراتب ودرجاتِ عظمت وکمال طے کر لے وہ بہر حال مخلوق بھی ہے اور محدود بھی۔ جبکہ حضرتِ حق -جل مجدہٗ- خالق بھی ہے اور ہر طرح کی حدود سے پاک اور وراء الوراء بھی۔ اور اس کی عظمتِ شان کی وسعت بھی ناپیدا کنار ہے۔ اسی لئے جب بھی انسان نے وحی کے نور کے بغیر محض اپنی عقل وفکر کے ذریعے اس تک پہنچنے کی کوشش کی وہ طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوا اور ذلت وخواری کے عمیق گڑھوں میں جا گرا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہی جیسے انسانوں بلکہ اس سے بھی آگے وہ قسما قسم کے حیوانات تک کی پوجا پاٹ میں لگ گیا۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر نباتات، جمادات بلکہ اس سے بھی نیچے گر کر اس نے انسانی شرمگاہوں تک کو پوج ڈالا جو نام نہاد ترقی اور روشن خیالی کے اس دور میں بھی کی جا رہی ہے اور ہندوستان جیسے بڑے جمہوری ملک میں جس کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کا دعوٰی اور گھمنڈ بھی ہے۔ اس میں یہ شرمناک عمل ''لنگ پوجا'' کے نام سے آج بھی جاری ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف یہ اس ارشادِ ربانی کے معنیٰ ومطلب کا ایک احتمال ہے جسکو کئی حضراتِ اہلِ علم نے اختیار کیا ہے کہ خدائے رحمٰن کے بارے میں کسی باخبر ہی سے پوچھو۔ اور سب سے بڑے باخبر اس بارے میں حضراتِ انبیائے کرام ہی ہوتے ہیں جن کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اور ان میں سب سے بڑا مرتبہ حضرتِ محمد رسول اللہ کا ہے جو کہ سب انبیاء ورسل کے امام ہیں۔

لہٰذا خدائے رحمٰن کی صحیح معرفت انہی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ جبکہ دوسرا احتمال اس بارے میں یہ ہے کہ کائنات اور اسکے ان بڑے اور اہم مظاہر کے بارے میں خود خدائے رحمٰن سے پوچھو۔ ان اشیاء کے بارے میں صحیح جواب اسی سے مل سکتا ہے کہ وہی ان سب کا خالق ہے اور وہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ سو اس صورت میں خبیراً سے مراد حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ ہے۔ اور تنوین اس صورت میں تعظیم و تفخیم کیلئے ہوگی۔ پہلا احتمال ظاہر ہے اور دوسرا بھی بہرحال اس میں موجود ہے۔ (المراغی، المعارف، البحر، خازن وغیرہ)۔ اور مدعا و مآل ان دونوں احتمالوں کا بہرحال ایک ہی ہے۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حال

۷۵ منکرین کے عناد اور انکی ہٹ دھرمی کا ایک اور نمونہ و مظہر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم سجدہ کرو خدائے رحمان کو تو یہ لوگ کہتے ہیں رحمٰن کیا ہوتا ہے؟"۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ لوگ رحمٰن کے مفہوم سے نا آشنا تھے۔ یہ تو خالص عربی زبان کا لفظ ہے اور ان کے کلام میں مستعمل تھا۔ اس کا مفہوم ان کے یہاں واضح تھا۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ جیسا کہ فرعون نے کہا تھا۔ "اور کیا ہوتا ہے رب العالمین"۔ سو اگر ان کی یہ بات کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہوتی جس طرح کہ عام مفسرینِ کرام نے فرمایا ہے تو قرآنِ حکیم میں ان کو اس طرح ٹوکنے اور گرفت کرنے کی بجائے خدائے رحمٰن کے مفہوم و مطلب سے صاف اور سیدھے طریقے پر آگاہ کر دیتا۔ اس لئے عام طور پر اس بارے تفسیر کی کتابوں میں جو کہا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ بلکہ اصل بات یہی ہے کہ یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ایسا کہتے تھے۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور فتنہ و فساد کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے ان منکروں کے عناد اور انکی ہٹ دھرمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کائنات کے خالق و مالک کی سب سے بڑی صفت رحمان جس کی شہادت و گواہی کائنات کی ایک ایک چیز دے رہی ہے۔ اور اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر دے رہی ہے۔ اسی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے بارے میں اور اسکی اسی صفتِ رحمان کے بارے میں ان ظالموں کا کہنا تھا ﴿وما الرحمٰن﴾ "کہ رحمان کیا ہوتا ہے"۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نورِ حق و ہدایت سے محروم انسان کتنا اندھا اور کس قدر اندھا ہو جاتا ہے اور وہ کیسے ہولناک ہاویے میں گر جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۷۶ بدنیتی اور خبثِ باطن کا نتیجہ و انجام محرومی۔ والعیاذ باللہ العظیم: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بجائے اسکے کہ وہ اپنے معبود و مسجودِ حقیقی کی طرف راہنمائی سے خوش ہوں اور صدقِ دل سے اسکی قدر کر کے اپنے لیے سعادتِ دارین کا سامان کریں الٹا اس سے ان لوگوں کی نفرت ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ سو جب کسی کا معدہ اور نظامِ ہضم خراب ہو تو عمدہ سے عمدہ غذا بھی اس کیلئے زہر بننے لگتی ہے۔ اسی طرح شرک و کفر نے ان لوگوں کے باطن کو اس طرح بگاڑ دیا تھا کہ ہادیٔ برحق کی روشن تعلیمات اور نورانی ارشادات سے روشنی اور نورانیت کی بجائے ان کی جہالت و نفرت ہی میں اضافہ ہوتا تھا اور ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ حالانکہ یہ ساری کائنات خدائے رحمٰن کی رحمتِ بے پایاں کا مظہر اور اسکی عکاس و آئینہ دار ہے۔ پس اسی کا حق ہے کہ سجدہ و رکوع وغیرہ کی ہر عبادت اسی وحدہٗ لاشریک کیلئے بجالائی جائے۔ سو اس مطلوبِ حقیقی کی طرف سے اسکے حقِ عبودیت کی ادائیگی کیلئے اسکی طرف سے ملنے والی دعوت پر بجائے اسکے کہ یہ لوگ خوش ہوتے اور صدقِ دل سے اسکی قدر کرتے اور اسکی طرف رجوع کر کے اپنے لیے سعادتِ دارین کا سامان کرتے الٹا اس سے ان کی نفرت اور بیزاری میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو بدنیتی اور خبثِ باطن کا نتیجہ و انجام محرومی ہی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ اس مہلک مرض کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین

فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا

وہ ذات جس نے بنادئے آسمان میں عظیم الشان برج وکے اور رکھ دیا اس نے اس میں (اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے) ایک عظیم الشان

مُّنِيرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

چراغ و۸ے اور ایک (چمکتا دمکتا) روشن چاند اور وہ وہی ہے جس نے بنایا رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے (تاکہ

لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ

یہ سامان عبرت و بصیرت ہوں) ہر اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہے و۹ے اور (خدائے) رحمن کے

۷۷ اللہ تعالیٰ کی برکت کے بعض مظاہر میں دعوت غور و فکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''بڑی ہی برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں عظیم الشان برج بنائے''۔ ''برج'' کے معنی ''قلعہ''، ''قصر'' اور مستحکم عمارت وغیرہ کے آتے ہیں۔ ہیئت قدیم میں سورج کی رفتار کے اعتبار سے جو بارہ منزلیں مقرر کی گئی ہیں ان کو بھی برج کہا گیا ہے۔ اسی لئے بعض مفسرین کرام انہی کو اس ارشاد ربانی کا مصداق قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس سے مراد مختلف ستارے اور سیارے لئے ہیں۔ جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ ان برجوں سے مراد عالم بالا کے وہ مختلف اور محفوظ خطے ہیں جن میں سے ایک کی مخلوق کو دوسرے خطے تک پہنچنا بہت مشکل ہے وغیرہ۔ سو اس بارے یہ مختلف اقوال و احتمال موجود ہیں۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو آیت کریمہ کا اس طرح قطعی مصداق قرار دینا کہ دوسروں کی نفی اور انکار ہو جائے درست نہیں۔ ممکن ہے یہ سب ہی مراد ہوں یا ان میں سے بعض مراد ہوں لیکن قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَسْرَارِ كَائِنَاتِهِ ۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو یہ کائنات عظیم الشان نشانہائے قدرت سے بھری ہوئی ہے جو اپنی زبان حال سے پکار پکار کر دعوت غور و فکر دے رہے ہیں کہ اس کائنات کا خالق کس قدر عظمت والا اور اسکی ذات کتنی ہی بابرکت ذات ہے کہ اسکی عظمت شان اور اسکی رحمتوں اور برکتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ لیکن کمی اور قصور اس جذبہ وارادہ میں ہے جو انسان کو اس بارے غور و فکر کیلئے آمادہ کرتا اور ابھارتا ہے۔ ورنہ کائنات کا چپہ چپہ نشانیوں سے بھرا پڑا ہے۔ سو اگر انسان صحیح طور پر غور و فکر سے کام لے تو حضرت خالق۔ جل شانہٗ۔ کے شکر کے جذبات سے اس کا دل لبریز ہو جائے اور وہ دل و جان سے اسکے حضور جھک جھک جائے۔ وباللہ التوفیق۔ اور اس طرح اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا بنائے رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۷۸ سورج و چاند کے عظیم الشان نشان ہائے قدرت میں غور و فکر کا سامان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اسی نے اس میں رکھ دیا ایک عظیم الشان چراغ اور ایک چمکتا دمکتا روشن چاند''۔ ''سراج'' یعنی سراج سے مراد ہے سورج۔ جیسا کہ دوسری جگہ اس کی تصریح فرما دی گئی۔ ﴿وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾۔ (نوح:۱۶)۔ اور سورج کو ''سراج''۔ چراغ۔ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس سے دوسرے سب روشنی حاصل کرتے ہیں جس طرح کہ ایک چراغ سے کئی چراغ جلائے جاتے ہیں۔ تو جس ذات

اقدس واعلیٰ نے تمہاری جسمانی اور مادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سورج کے اس سراج وہاج کا انتظام فرمایا اسی نے اپنی رحمتِ لامحدود اور عنایتِ بیکراں سے تمہارے لئے قرآنِ حکیم کی صورت میں قلوب و بواطن کو منور و معمور کرنے والے اس سراجِ منیر کو نازل فرمایا جو کہ قیامت تک دنیا کے دلوں اور سینوں کو منور کرتا رہے گا۔ اور صراطِ مستقیم کی اس شاہراہ اعظم کو تمام بنی نوع انسان کیلئے پوری طرح روشن اور واضح فرماتا رہے گا۔ جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار کرنے والی راہ ہے۔ سو آسمان کا یہ ظاہری سورج تو لوگوں کو اس ظاہری اور حسی روشنی سے سرفراز و فیضیاب کرتا ہے مگر قرآنِ حکیم کا یہ سراج منیر ان کے دلوں کی روشنی اور باطن کے معنوی نور کی اس دولتِ بے مثال سے سرفرازی کا سامان کرتا ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے بہرہ ور کرتی ہے۔ نیز یہ ظاہری اور آسمانی سورج تو انسان کیلئے اس کے سر کی آنکھوں کی روشنی کا سامان کرتا ہے جبکہ قرآنِ حکیم کا یہ نورِ مبین اسکے دل کی آنکھوں کو روشن کرتا ہے جو کہ جسمِ انسانی کی فکر و فہم کی دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہے۔ نیز یہ ظاہری سورج تو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف دس بارہ گھنٹے یا اس سے کچھ کم و بیش روشنی دینے کے بعد ڈوب جاتا ہے اور پھر دس بارہ گھنٹے یا اس سے کم و بیش غائب رہنے کے بعد دوبارہ طلوع کرتا ہے۔ جبکہ قرآنِ حکیم کا یہ نورِ مبین دن رات کے چوبیس گھنٹے لگاتار و مسلسل ضیاباری اور فیض رسانی کرتا ہے -سبحان اللہ- کتنی عظیم الشان دولت ہے یہ قرآنِ حکیم کی دولت جس سے حضرتِ حق -جل مجدہٗ- نے اپنے کرمِ لامتناہی سے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ مگر کس قدر ناشکرے و بے انصاف اور محروم و بدبخت ہیں وہ لوگ جو اس نعمتِ عظمیٰ سے منہ موڑے ہوئے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اور کس قدر احسان ہے اس خالق و مالک کا ہم پر کہ ہمیں اپنی اس کتابِ حکیم پر ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز و مالا مال فرمایا۔ ہمیں اس سے تعلق کی سعادت و توفیق بخشی اور اسکی کچھ ٹوٹی پھوٹی خدمت کی عنایت سے نوازا- فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَللّٰھُمَّ زِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ سورج اور چاند کے ان دو عظیم الشان نشانہائے قدرت میں غور و فکر کا بڑا سامان موجود ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہے جو صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لیتے ہیں- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید

۷۹ تذکر و تشکر کی دو حیثیتوں کا ذکر و بیان: ---سو اس سے نشان ہائے قدرت میں تذکر و تشکر کی دو حیثیتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ سو تذکر اور تشکر کے دو لفظوں سے دراصل ان نشانہائے قدرت کی دو حیثیتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی ان سب نشاناتِ قدرت کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک طرف تو یہ اپنے خالق کی عظمتِ شان اور اسکی وحدانیتِ مطلقہ کے کھلے دلائل ہیں۔ اس لئے جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ آنکھیں کھول کر ان کو دیکھے اور ان میں غور و فکر کر کے اپنے ایمان و یقین کو پکا کرے۔ جبکہ دوسری طرف ان میں انسان کے لئے طرح طرح کے فوائد اور بے شمار منافع بھی ہیں۔ لہٰذا ان پر نظر کرتے ہوئے وہ اس وہابِ مطلق کا شکریہ ادا کرے اور اس کے حضور سراپا امتنان بن جائے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کو ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا ہے- اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الذّٰکِرِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ لَکَ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ- سو تذکر عقل کا فعل ہے اور شکر دل کا۔ پس انسان جب صحیح طور سے کائنات میں پھیلی بکھری اور ان عظیم الشان نشانیوں میں غور و فکر سے کام لیتا ہے تو اسکی عقل و فکر کی دنیا کو جلا ملتی ہے۔ اور اسکے دل کی دنیا جذباتِ شکر سے لبریز و معمور ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح یہ نشانہائے قدرت انسان کیلئے فائدے پر فائدے اور نور علیٰ نور کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ جبکہ اس صحیح زاویۂ نگاہ سے محرومی کی صورت میں- والعیاذ باللہ- انسان اندھا اور اوندھا ہو جاتا ہے۔ اور وہ انہی ظواہر اور مادیات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان کی پوجا کرنے لگتا ہے۔ اور اس طرح وہ اسفل السافلین کے ہاویۂ ذلت و ہلاکت میں گر کر رہتا ہے جو کہ خساروں کا خسارہ اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّ اِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ

بندے ۸۰ وہ ہیں جو زمین پر چلتے ہیں عاجزی والے ۸۱ (اور فروتنی) کے ساتھ اور جب ان سے الجھنے (اور جھگڑنے) لگیں جہالت والے ۸۲ تو یہ ان کے

قَالُوۡا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّہِمۡ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾

جواب میں سلامتی والی بات کہہ دیتے ہیں اور جو اپنی راتیں گزارتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ ریزیوں اور قیام کی حالت میں ۸۳ اور جو

وَ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَہَنَّمَ ٭ۖ اِنَّ عَذَابَہَا

دعائیں کرتے ہیں (اپنے رب کے حضور) کہ اے ہمارے رب، پھیر دے ہم سے جہنم کا عذاب، بے شک اس کا عذاب ایک بڑی ہی (ہولناک

۸۰ خدائے رحمٰن کے بندوں کی امتیازی صفات کا ذکر و بیان:- سو یہاں سے ختم سورت تک خدائے رحمٰن کے خاص بندوں کے امتیازی اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں کہ یہ اضافت تعظیم و تکریم کی ہے۔ تاکہ اس طرح ایک طرف تو اہل حق کے سچے نمونے سامنے آجائیں تاکہ جو ان کو اپنانا چاہے اپنا سکے۔ اور دوسری طرف ہر انسان اپنی سیرت و کردار کو اس کے مطابق استوار کر سکے۔ اور اس مقدس و مثالی زندگی کے اولین و کامل مصداق رسول اللہ- علیہ الصلوٰۃ والسلام- اور آپ کے صحابہ کرام تھے- رضوان اللہ علیہم اجمعین- اور ان کے بعد ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین اور اتباع تابعین اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن سب اس میں داخل ہیں۔ سو خدائے رحمٰن کے یہ خاص بندے وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو کائنات کی اس کھلی کتاب میں پھیلی بکھری نشانیوں میں صحیح طور سے غور و فکر کرتے ہیں کہ ان کے دل و دماغ زندہ و سلامت ہوتے ہیں اور وہ ان نشانیوں سے صحیح سبق لیتے اور اپنے خالق و مالک کی طرف سے نازل فرمودہ کتابِ حکیم کی آیاتِ بینات پر صدقِ دل سے ایمان لاتے اور اس کے آگے جھکتے ہیں۔ جس سے ان کی زندگیاں باقی تمام لوگوں سے الگ اور امتیازی شان کی ہو جاتی ہیں- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۸۱ عاجزی اور فروتنی کی صفتِ محمود کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ زمین پر چلتے ہیں عاجزی اور فروتنی کے ساتھ"۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی تصنع اور بناوٹ سے کام لیتے ہوئے کوئی خاص چال اپناتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر متکبرانہ انداز سے نہیں بلکہ تکبر سے خالی اللہ کے عاجز بندوں کی طرح شریفانہ اور فطری چال چلتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کے بارے میں شمائل میں مذکور ہے کہ آپ اس طرح قوت اور مضبوطی سے پاؤں رکھتے تھے جیسا کہ کسی نشیب میں اتر رہے ہوں۔ اور حضرت عمر- رضی اللہ عنہ- نے جب ایک آدمی کو مریل قسم کی چال چلتے دیکھا تو فرمایا کیا تم بیمار ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ تو آپؓ نے اپنا درہ اٹھا کر فرمایا کہ پھر سیدھے کیوں نہیں چلتے؟ یعنی تکلف اور بناوٹ سے کام لینے کی بجائے فطری چال چلنا چاہیئے؟ بہرکیف یہ خدائے رحمٰن کے بندوں کی پہلی صفت ہے جس کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ اکڑے ہوئے نہیں چلتے بلکہ خاکساری اور فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور انکی چال ڈھال سے کبر و غرور کی بجائے تواضع اور انکساری ٹپک رہی ہوتی ہے۔ اور یہ چال دراصل ان کے باطن کی کیفیت کا اظہار اور اس کا عکس ہوتا ہے۔ ان کے بواطن و قلوب پر خداوندِ قدوس کی عظمت و کبریائی کی ہیبت ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کا ظہور ان کے ہر اس قدم سے ہوتا ہے جو وہ زمین پر

رکھتے ہیں۔ انسان کی چال ڈھال دراصل اسکے باطن کی کیفیت کا عکس ہوتا ہے۔ متکبر انسان کا چلنا اور ہوتا ہے اور متواضع اور منکسر المزاج انسان کا اور۔ سو خدائے رحمٰن کے ایسے بندے حق کے سامنے اکڑنے کی بجائے اسکے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے عاجزانہ چلتے ہیں۔ جو انکی شانِ بندگی کا عکس اور ان کی تواضع کا تقاضا ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحبّ و یرید، وعلیٰ ما یحبّ و یرید

۸۲ جاہلوں کے ساتھ الجھاؤ سے اجتناب واحتراز کی صفتِ محمود کا ذکر: ۔سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ خدائے رحمٰن کے بندوں کی دوسری خاص صفت یہ ہے کہ وہ جاہلوں سے الجھتے نہیں۔ جاہل سے یہاں پر مراد صرف ان پڑھ نہیں بلکہ ہر وہ شخص مراد ہے جو جہالت کے کام پر اتر آئے۔ خواہ وہ کتنی ہی ڈگریاں اور سندیں کیوں نہ اٹھائے ہوئے ہو۔ اسی لئے ہم نے جاہلوں کا ترجمہ "جہالت والے" سے کیا ہے۔ اور "خَاطَبَ" سے مراد محض تخاطب اور ہم کلام ہونا نہیں بلکہ اس سے مراد ہے الجھنا اور جھگڑنا۔ جیسا کہ صیغہ مُفاعلہ کا تقاضا ہے۔ بہر حال جب کوئی بھی جہالت والا اللہ کے ان خاص بندوں سے الجھنے اور جھگڑنے لگے تو یہ جواباً الجھنے اور جھگڑنے کی بجائے امن وسلامتی والی بات کہہ کر معاملہ ٹال دیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ان کی اس روش کے بارے میں ان کا قول اس طرح بیان فرمایا گیا۔ ﴿ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِيْنَ ﴾۔ "ہم جاہلوں کو منہ نہیں لگاتے" اور جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ﴾۔ "اور کنارہ کشی کرلو جاہلوں سے"۔ سو جاہلوں کی طرف سے پیش آنے والی بدتمیزی اور انکے تمسخر و استہزاء کے جواب میں الجھنے کی بجائے سنتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے انکو سلام کر کے یہ ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور سلام کر کے کسی سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنے کا طریقہ بڑا مہذب، شائستہ اور بابرکت طریقہ ہے۔ اور اس طریقے کے ساتھ کسی سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنے میں خیر و برکت کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی کے اندر خیر کی کوئی رمق موجود نہ ہوگی تو وہ اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرے گا اور الجھنے الجھانے کی بجائے بات کو صحیح طریقے سے سننے اور ماننے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ اور اگر اس میں خیر کی کوئی رمق بھی نہیں ہوگی تو ایسے بے خبرے لوگوں کو منہ لگانا عباد الرحمٰن کی شان کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی ناشائستگی سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ایمان و یقین کی صفاتِ عالیہ سے بہرہ ور و سرشار رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۸۳ راتوں کے قیام اور سجدہ ریزیوں کی صفتِ محمود کا ذکر و بیان: ۔سو اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں۔ عباد الرحمٰن۔ کی صفاتِ محمودہ کے ذکر و بیان کے ضمن میں مزید ارشاد فرمایا گیا کہ "جو اپنی راتیں اپنے رب کے حضور قیام اور سجدہ ریزیوں کی حالت میں گزارتے ہیں"۔ یعنی وہ اپنے دن اس طرح گزارتے ہیں اور رات اس طرح اپنے رب کے حضور قیام و سجود یعنی نماز کی حالت میں۔ قیام و سجود کے ذکر سے رکوع کا ذکر خود بخود آ گیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اور یہی تینوں نماز کے سب سے بڑے اور اہم ارکان ہیں۔ یعنی خدائے رحمٰن کے یہ بندے اپنی راتوں کو اپنے رب کی عبادت و بندگی میں گزارتے ہیں اور اسی کی یادِ دلشاد میں مشغول رہتے ہیں۔ سو وہ اپنی راتیں دوسرے لوگوں کی طرح غفلت میں اور نرم و نازک بستروں پر نہیں گزارتے بلکہ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے رب کو یاد کرتے، اسکے حضور سجدہ ریز ہوتے اور دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ یہ اس خالق و مالک کا اس کے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں ان کا بھلا بھی ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی جہان میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل ۔

كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ

اور) چمٹ جانے والی شئے ہے ۸۴ بے شک وہ بڑا ہی برا ٹھکانا اور بری قیام گاہ ہے اور جو کہ جب خرچ

إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ کنجوسی ۸۵ بلکہ ان کا خرچ ان دونوں (انتہاؤں) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے

۸۴ اپنے رب سے عذاب دوزخ سے پناہ مانگنے کی صفت محمود کا ذکر و بیان:-سو عباد الرحمٰن - یعنی خدائے رحمان کے خاص بندوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ اپنے رب سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے پھیر دے دوزخ کے عذاب کو۔ یعنی اس سب کے باوجود ان میں کوئی غرور یا تکبر پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اسکے باوجود دوزخ کے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے رب کے حضور قیام کرتے اس کی جنابِ اقدس و اعلیٰ میں سجدہ ریز ہوتے اور عاجزانہ طور پر رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں کہ وہ محض اپنی رحمت و عنایت اور فضل و کرم سے ان سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے۔ اوپر ان کی جلوت کے بعض کام بتائے گئے ہیں اور اب یہ انکی خلوت کے بعض کام بتائے جا رہے ہیں۔ " غـــرام " کے معنٰی ہوتے ہیں لازم ہو جانے والی اور چپک کر رہ جانے والی چیز۔ سو جہنم کا عذاب ایک ایسی چپک کر رہ جانے والی چیز ہوگی جس سے جان چھڑانا ممکن نہیں ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم - سو آیت کریمہ کے آخر میں دوزخ کی ہولناکی کے اس بیان سے ان بندگانِ صدق و صفا کی اس روش کی تصدیق و تایید فرما دی گئی کہ اگر یہ لوگ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس طرح دعائیں کرتے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں تو بالکل صحیح کرتے اور اپنی عاقبت اندیشی کا ثبوت دیتے ہیں کہ جہنم کا وہ عذاب بڑا ہی سخت ہولناک اور ایسی چپک کر رہ جانے والی چیز ہے کہ اس سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں ہوگا۔ اور اس سے بچنے کے لیے جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ اسی دنیاوی زندگی میں اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور اسکی توفیق و عنایت ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

۸۵ خرچ کے سلسلے میں میانہ روی کی صفت محمود کا ذکر و بیان:-سو عباد الرحمٰن - کی خاص صفات کے بیان کے سلسلے میں مزید ارشاد فرمایا گیا کہ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ فضول خرچی اور اسی طرح کنجوسی کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان اپنا مال ناجائز کاموں میں صرف کرے یا جائز کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرے۔ یا حقوقِ واجبہ اور ضروریاتِ زندگی میں بھی کمی کرنے لگے وغیرہ۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ نیک کاموں میں جتنا بھی خرچ کرے وہ فضول خرچی میں نہیں آتا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے جب ایک دوسرے بزرگ کو کارِ خیر میں بہت مال خرچ کرتے دیکھا تو انہوں نے کہا۔ " لَا خَيْرَ فِي سَرَفٍ "۔ "فضول خرچی میں کوئی بھلائی نہیں" تو انہوں نے فوراً جواب دیا۔ " لَا سَرَفَ فِي خَيْرٍ "۔ "بھلائی میں خرچ کرنا کوئی فضول خرچی نہیں ہوتا" بہرحال اللہ والوں کے خرچ میں بھی توسط اور اعتدال ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف وارد ہوا ہے۔ " إِنَّ مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ قَصْدُهُ فِي مَعِيشَتِهِ "۔ یعنی "آدمی کی سمجھداری اور دانش مندی میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے"۔ (رواہ احمد والطبرانی) - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وعلیٰ سبیل الدوام والتابید

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ

اور جو نہ تو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو پکارتے ہیں، اور نہ وہ کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں

الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ

جس (کے قتل) کو اللہ نے حرام کر رکھا ہو، مگر حق کے ساتھ ۸۶ اور نہ ہی وہ زنا (وبدکاری) کا ارتکاب کرتے ہیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ

اَثَامًا ۝۶۸ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ

(اپنے کئے کرائے کی) سزا بہر حال پائے گا، بڑھایا جاتا رہے گا اس کے لئے عذاب ۸۷ قیامت کے دن، اور اس کو

فِيْهٖ مُهَانًا ۝۶۹ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

ہمیشہ رہنا ہوگا اس میں نہایت ہی ذلت وخواری کے ساتھ، مگر جو (سچی) توبہ کر لے، اور ایمان لے آئے اور وہ کام بھی نیک کرے

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا ۸۸ اور اللہ تو

۸۶ قتلِ ناحق سے بچنے کی صفتِ محمود کا ذکر و بیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اور وہ کسی شخص کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ"۔ اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی حدیث پاک میں تین بڑی اور خاص صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ زنا بعد احصان کی صورت میں اس کو رجم اور سنگسار کیا جائے۔ اور تیسرے یہ کہ ارتداد عن الدین کی صورت میں اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ مگر اس ضمن میں واضح رہے کہ یہ کام ہر ایرے غیرے کے کرنے کا نہیں بلکہ یہ کام وقت کی حکومت کے ذمے ہے۔ اور قاضی کی قضا اور اس کے فیصلے کے تابع ہے۔ جو قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بعد اس بارے میں فیصلہ کر دے کہ فلاں شخص پر فلاں جرم ثابت ہو گیا ہے۔ جس پر وہ فلاں سزا کا مستحق و مستوجب ہے۔ تب حکومت اس سزا کو نافذ کرے۔ بہر کیف یہاں پر شرک، قتل اور زنا کے جن تین جرائم کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلے کے سب سے بڑے جرائم ہیں۔ سو فرمایا گیا کہ خدائے رحمٰن کے بندے ایسے جرائم کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اسکے نتیجہ وانجام سے لازماً دوچار ہو کر رہے گا۔ "اثام" کے معنی جیسا کہ معتبر اور ثقہ اہلِ لغت نے لکھا ہے نتیجۂ گناہ کے ہیں۔ جیسا کہ ﴿سیلقون غیاً﴾ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ سو اس میں یہ درس پایا جاتا ہے کہ جرم و گناہ کی سزا در اصل اس جرم و گناہ کا ایک طبعی اور لازمی نتیجہ ہوتا ہے جو اس پر مرتب ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے گناہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین،

۸۷ دوزخیوں کے عذاب پر عذاب - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ دوزخیوں کے عذاب میں اضافے پر اضافہ ہوتا جائے گا اور ان کو اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کیلئے بڑھایا جاتا رہے گا اس کا عذاب''۔ بدعقیدگی کی سزا الگ ہوگی اور بدعملی کی الگ۔ پھر بدعملیاں بھی مختلف قسم کی ہیں۔ ہر ایک کی سزا الگ۔ اور یہ سلسلہ دائمی ہوگا اور بڑھتا ہی چلا جائے گا - والعیاذ باللہ العظیم - سو یہ اسی نتیجۂ جرائم اور انجامِ کردار کا بیان ہے جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی ان جرائم میں سے کسی کا مرتکب ہوگا - والعیاذ باللہ - تو اسکو اسکے نتیجے میں دوزخ کے اس ہولناک عذاب میں ڈالا جائے گا جہاں اسکی سزا میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ ایسوں کو کچھ سزا بھگتنے کے بعد چھوڑ دیا جائے یا ان کے عذاب میں کچھ تخفیف کر دی جائے۔ بلکہ ان کی سزا میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا اور ان کو ذلت و رسوائی کے ساتھ اس عذاب میں ہمیشہ پڑے رہنا پڑے گا - والعیاذ باللہ العظیم - یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ مضاعفۃ کے اصل معنیٰ کسی شے پر اضافہ کرنے کے ہیں۔ عام اس سے کہ یہ اضافہ دوگنا ہو یا اس سے زیادہ۔ اور اس کے مختلف استعمالات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اسکے اندر تدریجی ارتقاء کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے جس طرح کہ ﴿لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ میں ہے۔ اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ہم نے یہاں پر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ''بڑھایا جاتا رہے گا اس کے لیے عذاب کو'' - والعیاذ باللہ جل وعلا - اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۸۸ سچی توبہ کے عظیم الشان اثرات کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''سچی توبہ پر اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا''۔ اس طرح کہ گزشتہ گناہ تو توبہ سے صاف ہو گئے اور آئندہ نیکیوں کی توفیق ملتی گئی اور اسکی نیکیوں کا سرمایہ جمع ہوتا گیا اور یوں بھی کہ جب انسان کبھی اپنی گزشتہ خطا کاریوں کو یاد کر کے معافی مانگتا رہا تو وہ ہر گناہ کی جگہ نیکی کماتا رہا اور پھر دلوں کی کیفیت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کیا پتہ کس کی توبہ کس درجے کی ہے اور کس کا اخلاص کس مرتبے کا۔ اس کو دیکھتے ہوئے اللہ پاک اپنی رحمت سے اس کے تمام گناہوں کی جگہ اس کو نیکیاں ہی عطا فرما دے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے روز ایک آدمی پر جب اس کے صغیرہ گناہ پیش کئے جائیں گے اور وہ اپنے کبیرہ گناہوں کے بارے میں ڈر رہا ہوگا کہ اسکے بعد اس کا کیا حشر ہوگا تو اتنے میں حکم ہوگا کہ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دو تو اس پر وہ شخص کہے گا اے میرے رب میں نے کچھ اور گناہ بھی کئے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔ اس پر آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - اس قدر ہنسے کہ آپ کے دندانِ مبارک آشکارا ہو گئے۔ (رواہ مسلم عن ابی ذرؓ وغیرہ) (روح، ابنِ کثیر، صفوہ وغیرہ)۔ سو جب اس نے اپنی برائیوں کو ندامت اور شرمندگی سے بدلا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت سے اسکی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور قیامت کے دن وہ واہبِ مطلق - جل وعلا شانہ - اپنی شانِ کرم و عنایت سے اسکی ہر برائی کو نیکی میں بدل دے گا۔ جیسا کہ اوپر مسلم کی حدیث میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور دوسری متعدد احادیثِ صحیحہ میں بھی یہ مضمون وارد و منقول ہے۔ (المعارف، المراغی، ابنِ کثیر اور المحاسن وغیرہ) - اللّٰھم وفقنا لما تحب و ترضٰی من القول والعمل - اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٧٠ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهٗ يَتُوْبُ

بڑا ہی بخشنہار، نہایت ہی مہربان ہے ف۸۹ اور جو کوئی (سچی) توبہ کر لے اور وہ کام بھی نیک کرے تو یقیناً وہ صحیح معنوں میں

إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝٧١ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَإِذَا مَرُّوْا

پلٹ آئے گا اپنے رب (کی رحمت و عنایت) کی طرف ف۹۰ نیز (خدائے رحمٰن کے بندوں کی صفت یہ ہے کہ) وہ گواہ نہیں بنتے جھوٹ پر ف۹۱

بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝٧٢ وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

اور جب کسی بے ہودہ چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو وہ (نگاہیں پھیر کر) شریفانہ گزر جاتے ہیں، اور جب انکو نصیحت (و یاد دہانی) کی جاتی ہے

لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝٧٣ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

ان کے رب کی آیتوں کے ذریعے، تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں رہ جاتے ف۹۲ اور جو (اپنے رب کے حضور) عرض کرتے ہیں

۸۹ اللہ کی بخشش و رحمت کا حوالہ و ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی بخشنہار نہایت ہی مہربان ہے اور اس کی بخشش بیکراں کا یہ عالم کہ عمر بھر کا پاپی جب ایک مرتبہ سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ اپنے ربِ غفور و رحیم کے کرم سے گناہوں کی میل سے ایسا پاک صاف ہو جائے گا کہ گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ" ۔ اور اس کی وسعتِ رحمت کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ ﴿رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ ۔ سو وہ ہر کسی کو اپنی رحمت کی آغوش میں لینے کے لئے تیار ہے۔ پھر کسی مایوسی یا دل شکنی کا کیا سوال؟ پس مومنِ صادق کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اس ربِ غفور و رحیم کے حضور صدقِ دل سے جھک جائے اور سچی توبہ و استغفار کے ذریعے معاصی و ذنوب کے داغ دھبوں کو اپنے دامن سے اتار دے۔ فَاغْفِرْلِیْ یَارَبِّیْ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ سَمِیْعٌ مُّجِیْبُ الدَّعْوَاتِ ۔ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِیْنَ وَیَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۔ سو وہ غفور و رحیم سچی توبہ پر گناہوں کو بھی معاف فرما دیتا ہے خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اور عظیم الشان اجر و ثواب سے بھی نوازتا ہے کہ اسکی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ پس اس کے ساتھ اپنے ظاہر و باطن کا تعلق صحیح رکھنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید

۹۰ توبہ کا معنیٰ و مفہوم؟ اور اس پر عظیم الشان بشارت کا ذکر: سو سچی توبہ کرنے والوں کیلئے عظیم الشان بشارت و خوشخبری ہے اور توبہ کے اصل معنیٰ لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔ سو ایک انسان جب گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ تو وہ اپنے رب سے اور اس کی رحمتوں سے دور ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور پھر جب وہ سچی توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی طرف لوٹ آتا ہے اور اللہ پاک کی رحمت و عنایت بھی اس کی طرف عود کر آتی ہے۔ اور توبہ کا اصل تعلق دل سے ہے اور اس کی ظاہری نشانی اور ثبوت عملِ صالح ہے کہ توبہ کرنے والے کی بعد کی زندگی پہلی زندگی سے یکسر بدلی ہوئی محسوس ہونے لگے۔ اور اگر وہ زبانی کلامی توبہ کی رٹ لگانے کے باوجود گناہوں کی دلدل میں اسی

طرح پھنسا ہوا ہے تو یہ توبہ محض ظاہری اور نام کی توبہ ہے جسکی اسکی بارگاہِ اقدس واعلیٰ میں کوئی قدر و قیمت نہیں - والعیاذ باللہ - سو اس میں توبہ کرنے والوں کیلئے عظیم الشان بشارت اور خوشخبری ہے کہ وہ نہایت سرخروئی کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جو اس نور السمٰوات والارض کی طرف رجوع ہو گیا تو وہ مراد کو پا گیا اور اسکی ظلمتیں متبدل بانور ہو گئیں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

۹۱ لغویات سے پرہیز واجتناب کی صفتِ محمود کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ لغو و باطل سے دور رہتے ہیں"۔ یعنی وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے کہ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ وہ جھوٹ اور گناہ کی کسی مجلس میں حاضر نہیں ہوتے کیونکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو گناہ کا ہر کام زور ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ بدی اور گناہ پر ظاہری چمک دمک اور وقتی لذتوں کا جو پردہ پڑا رہتا ہے اسی کی وجہ سے انسان اس میں پھنستا ہے۔ ورنہ بدی اور برائی اگر اپنی اصل شکل میں موجود ہو تو کوئی اس کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائے۔ ترجمہ میں ان دونوں مفہوموں کی رعایت رکھنے کی کوشش کی گئی ہے - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِىْ لَا تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ بِتَوْفِيْقٍ مِّنْهُ جَلَّ وَعَلَا - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور نہ خلافِ شرع کاموں کی کسی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں۔ جیسے یہود و نصاریٰ کی عبادات اور ان کے میلوں میں شریک و شامل ہونا اور کسی نوحہ اور ماتم کی مجلسوں میں شریک ہونا یا ناچ گانے وغیرہ کی کسی محفل میں حصہ لینا۔ سو وہ بندگانِ خدا نہ خود گناہ کرتے ہیں اور نہ گناہ کی کسی محفل میں شریک و شامل ہوتے ہیں۔ (المعارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔

۹۲ آیاتِ قرآن میں غور و تدبر کی صفتِ محمود کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جب ان بندگانِ خدا کو آیاتِ قرآن کے ذریعے تذکیر و نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اللہ کی آیتیں سننے پر اندھے بہرے بن کر نہیں رہ جاتے"۔ "خرور" کے اصل معنی جھکنے اور گرنے کے آتے ہیں۔ مگر یہاں اس کے لغوی معنیٰ مراد نہیں بلکہ محاورہ کے معنیٰ مراد ہیں۔ یعنی ایسے حضرات اپنے رب کی آیتوں سے غفلت نہیں برتتے بلکہ وہ ان کو غور سے سنتے اور ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اردو میں کہا جاتا ہے کہ "فلاں شخص مکان کو آگ لگنے کی خبر سن کر بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا"۔ یا "اس نے حرکت تک نہ کی" وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی مثالوں میں لغوی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ محاورے کے معنیٰ مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی مراد یہ ہے کہ اللہ کے یہ خاص بندے اس کی آیتیں سن کر اندھے بہرے بن کر نہیں رہ جاتے کہ ٹس سے مس نہ ہوں۔ بلکہ وہ ان میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں، اور اس کے مطابق یہ اپنی اور پورے معاشرے کی اصلاحِ احوال کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس طرح یہ نیکی اور صلاحیت میں آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ بخلاف کفار و منکرین اور منافقین و متکبرین کے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو سننے اور ان میں غور کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اندھے بہرے بن کر رہ جاتے ہیں۔ نیز دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو سن کر اندھے، بہرے بن کر نہیں گرتے کہ ان کو سمجھیں ہی نہ اور ان سے متاثر ہی نہ ہوں۔ بلکہ یہ ان سے متاثر ہوتے ہیں اور دل و جان سے انکے آگے جھک جاتے ہیں۔ (المعارف، المراغی وغیرہ) - اللہ اپنی رحمت وعنایت سے اس کی توفیق بخشے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡيُنٍ وَّ

کہ اے ہمارے رب عطا فرما دے ہمیں اپنی بیویوں اور اور اپنی اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک ف۹۳ اور

اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ

بنا دے ہمیں امام (و پیشوا متقی اور) پرہیزگاروں کا ف۹۴ یہی ہیں وہ لوگ جن کو (جنت کی) وہ منزل بلند ف۹۵ نصیب ہوگی،

بِمَا صَبَرُوۡا وَيُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيۡنَ

اس لئے کہ انہوں نے (زندگی بھر راہ حق پر) صبر (واستقامت) سے کام لیا ف۹۶ ان کا وہاں پر دعا و سلام سے استقبال کیا جائے گا، وہ اس میں

۹۳ فکرِ آخرت کی صفتِ محمود کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان کے اندر اپنے ساتھ ساتھ اپنے اہلِ وعیال کی عاقبت کی فکر کی صفتِ محمود و مطلوب بھی پائی جاتی ہے۔ سو وہ بندگانِ خدا اپنے اہل وعیال کی آخرت کی بھی فکر کرتے ہیں اور ان کے لیے اپنے رب کے حضور دعائیں بھی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما۔ یعنی ہماری بیویوں اور اولادوں کو ایسا صالح اور نیک بنا دے کہ وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بن جائیں۔ کیونکہ ایک صالح اور حقیقت شناس انسان کے لئے دنیا سے بڑھ کر آخرت اور صورت سے بڑھ کر سیرت کی بہتری ہی موجبِ فرحت و سرور اور ذریعہ تسکین ہو سکتی ہے۔ سو خدائے رحمٰن کے یہ بندگانِ صدق وصفا اپنے اہل وعیال کی اِصلاح و بہتری کی ذمہ داری سے بھی غفلت نہیں برتتے بلکہ اس کا بھی برابر خیال رکھتے ہیں۔ اور وہ ان کیلئے اپنے خالق و مالک کے حضور دست بدعا رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہِ راست پر مستقیم رکھے۔ اور ان کو ایسی پاکیزہ زندگی عطا فرمائے جس سے وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہو سکیں۔ اور اس طرح انکی آنکھوں کی ٹھنڈک اور انکے دل کے قرار کا ذریعہ بن سکیں۔ اللہ اپنی توفیق و عنایت سے اس سے سرفراز فرمائے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۹۴ پرہیزگاروں کی امامت و پیشوائی اور ایک نہایت عبرت ناک واقعہ:- سو اس سے پرہیزگاروں کی امامت و پیشوائی کی دعا و درخواست کا ایک عمدہ نمونہ سامنے آتا ہے۔ سو اس کا مطلب بھی عرض کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں ایک نہایت ہی عبرتناک واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اپنے رب کے حضور یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ تو ہمیں پرہیزگاروں کا امام و پیشوا بنا دے۔ یعنی نیکیوں میں ہمیں اس قدر آگے بڑھنے کی توفیق و سعادت نصیب فرما کہ ہم پیشوائی کے درجے کو پہنچ جائیں اور لوگ ہماری اقتداء کریں۔ یہ دراصل منصب اور دنیاوی بلندی کی طلب نہیں بلکہ حقیقت میں یہ زیادہ سے زیادہ نیک بننے کی خواہش و درخواست ہے۔ اور یہ کہ جس جماعت اور معاشرے میں ہمیں رہنا سہنا ہو وہ متقی اور پرہیزگاروں پر مشتمل ہو۔ سو امامت و پیشوائی وہی مطلوب و مقصود اور ذریعہ نجات ہے جو متقی اور پرہیزگار لوگوں کی ہو کہ جو کوئی تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ میں ہمارے پیچھے چلا اور اس نے راہِ حق میں ہماری پیروی کی اس کا اجر و ثواب بھی ہم کو ملے گا۔ جیسا کہ مختلف نصوص میں اس امر کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ اور اس بارے میں یہ قاعدہ کلیہ مقرر فرمایا گیا ہے کہ جس نے کسی نیکی کی راہ ڈالی تو اس کو اس کا اجر بھی ملے گا اور جو کوئی آئندہ اس راہ پر چلے گا اس کا اجر و ثواب بھی اسی کا ملے گا۔ اور اسکے برعکس جس نے کسی برائی کی

راہ ڈالی اس پر اس کا اپنا گناہ بھی ہوگا اور آئندہ جو کوئی اس راہ پر چلے گا اس کا گناہ بھی۔ سو ایسوں کو آخرت میں تو اس کا بھگتان بھگتنا ہی ہوگا مگر اس سے پہلے اس دنیا میں بھی بعض اوقات ان کو ایسا بھگتان بھگتنا پڑتا ہے جو دنیا کیلئے نمونہ عبرت وبصیرت بن جاتا ہے۔ اسکی تازہ مثال آج ہمارے سامنے موجود ہے جو کہ صرف دو دن پہلے پیش آئی۔ اور ایسی کہ اس سے پہلے اسکی کوئی نظیر و مثال نہیں ملتی۔ اور وہ ہے نیپال کے شاہی خاندان کا اجتماعی قتل اور نہایت عبرتناک قتل۔ کہ پورا شاہی خاندان اپنے شاہی محل میں بیٹھا تھا کہ باتوں باتوں میں ان کا اپنا جوان بیٹا جوان کا ولی عہد بھی تھا اور اس کی عمر ۲۹ سال تھی کسی بات پر غصے ہوگیا اور یکدم جا کر کلاشنکوف اٹھا لایا اور ٹک ٹک فائرنگ شروع کردی۔ جس سے اس نے اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور چچاؤں وغیرہ میں سے جو بھی وہاں موجود تھے سب کو بھون ڈالا اور پھر خود اپنے سر میں بھی گولی ماردی۔ اور اس طرح شاہی خاندان کے دس آدمی وہیں ڈھیر ہوگئے۔ پورا شاہی خاندان ہمیشہ کیلئے موت کی نیند سو گیا۔ طویل زمانے سے چلی آنے والی بادشاہت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوگیا اور کل ان سب کی لاشوں کو آگ کے شعلوں کی نذر کردیا گیا۔ اور کفر پر مرنے کے باعث وہ سب فی النار والسقر ہوگئے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسی حکومت و بادشاہی اور سربراہی و پیشوائی کا کیا فائدہ؟ یہ تو نرا عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اس لیے اللہ کے بندے اللہ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمیں متقی اور پرہیزگار لوگوں کا امام و پیشوا بنا تاکہ وہ ہمارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بنے۔ ورنہ محض دنیاوی بادشاہی نہ مقصود و مطلوب ہے اور نہ مفید و دائم۔

۹۵ عبادالرحمٰن کے عظیم الشان صلے وبدلے کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہی لوگ ہیں جنکو۔ جنت کی۔ وہ منزل بلند نصیب ہوگی"۔ "غرفہ" کے معنی عام پر بالاخانے وغیرہ سے کئے جاتے ہیں۔ جس سے ذہن ایک عام دو منزلہ مکان کی طرف جاتا ہے۔ حالانکہ آخرت کی اس بے مثال منزل کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی عمارت، خواہ وہ آگرہ کا تاج محل یا امریکہ و یورپ کی دوسری کوئی اعجوبہ روزگار عمارت ہی کیوں نہ ہو ہیچ ہے۔ اور یوں بھی جیسا کہ حضرت ابن عباس۔ رضی اللہ عنہما۔ سے مروی ہے آخرت کی جس کسی چیز کا بھی ذکر یہاں کیا جاتا ہے وہ محض الفاظ اور اسماء ہیں۔ اس کی اصل اور حقیقت کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾۔ اسی لئے ہم نے "غرفہ" کا ترجمہ "بالاخانہ" کی بجائے "منزلِ بلند" سے کیا ہے کہ وہاں کے مکانات بہت ہی بلند شان والے ہوں گے۔ اور ایسے کہ انکی عظمتِ شان کو اللہ ہی جانے۔ سو ان حضرات نے دنیا میں جس عاجزی اور فروتنی کو اختیار کیا تھا اسکے صلے میں انکو جنت سے نوازا جائے گا۔ سو بندے کے لیے سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ عبدیت و بندگی کا کمال ہی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۹۶ صبر واستقامت کی اہمیت وعظمت شان کا ذکر: - یعنی کبھی کبھار نیکی کر دینا اور اس میں آگے بڑھ جانا تو آسان ہے لیکن عمر بھر صبر و استقامت کے ساتھ راہ حق پر گامزن رہنا کارے دارد۔ اسی لئے اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو ارشاد فرمایا۔ ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾۔ (ھود:۱۱۲) اور خود آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اپنے ایک جامع ارشاد میں فرمایا۔ "قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ"۔ یعنی "آمنت باللہ کہو اور پھر اس پر پکے ہوجاؤ"۔ سو معلوم ہوا کہ صبر و استقامت ہی اصل گوہر مقصود ہے۔ اسی لئے یہاں پر عبادالرحمٰن کی یہ تمام اعلیٰ صفات ذکر کرنے کے بعد فرمایا جارہا ہے کہ اہلِ جنت کو صبر و استقامت ہی کی بنا پر جنت کی اس منزلِ عالی شان اور اس کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ شَرِّفْنَا بِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔ سو فرشتے ان کو سلام کریں گے اور ان کو وہ اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا (الرعد۔۲۴۔۲۳)۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین۔

فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي

ہمیشہ رہیں گے وہ کیا ہی عمدہ ٹھکانا ہوگا، اور کیسی ہی خوب ابدی قیام کی جگہ ہوگی وہ ۹۷ (ان سے صاف) کہہ دو کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر

لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع

تم لوگ اس کو نہ پکارو ۹۸ اب تم قطعی طور پر جھٹلا چکے ہو سو عنقریب ہی یہ (تکذیب تمہارے لئے) ایک چمٹ کر رہ جانے والا عذاب بن جائے گی

۹۷ جنت کی عظمت شان کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا ہی عمدہ ٹھکانہ ہوگا وہ اور کیسی خوب ابدی قیامگاہ ہوگی وہ"۔ یعنی ایسی جگہ میں عارضی طور پر قیام کی توفیق و سعادت بھی اگر نصیب ہو جائے تو اسکے بھی کیا کہنے؟ چہ جائیکہ سدا رہنے کا ٹھکانہ مل جائے- فَشَرِّفْنَا بِهَا يَا اَللّٰهُ - نہ کبھی وہاں سے نکلنا ہوگا اور نہ ہی کبھی ان کو وہاں پر موت آئے گی۔ بلکہ وہ وہاں کی ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر فرمایا گیا- اللہ نصیب فرمائے- آمین۔ سو یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی جس کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی کے لیے محنت اور کوشش کرنی چاہیے- ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾- اور اسی کے حصول اور اس سے سرفرازی کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے- ﴿وَفِي ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾- اللہ نصیب فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے راہ حق و ہدایت پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے- آمین ثم آمین- اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر مستقیم و ثابت قدم رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین

۹۸ منکرین و مکذبین کے لیے تہدید و دھمکی:- سو اس سلسلۂ کلام کے آخر میں آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ان سے کہیں کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہو سکتی ہے اگر تم اسکو نہ پکارو۔ یعنی اگر تم اس کو نہ پکارو، اس کی عبادت و بندگی نہ کرو، تو پھر تمہارے درمیان اور ایک بیکار پڑے ہوئے اینٹ پتھر کے درمیان آخر کیا فرق رہ جائے گا؟ بلکہ ایسی صورت میں تم اس سے بھی کہیں گئے گزرے ہو جاؤ گے کہ تم نے عقل جیسی نعمت رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو ایسا گرا دیا اور اس قدر غیر ذمہ دار بنا دیا۔ ایسی صورت میں میرے رب کو تمہاری کیا پڑی ہے؟ اور اس کو تمہاری کیا پرواہ ہے کہ تم کیا ہو اور کس گڑھے میں گرتے ہو۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی اصل قدر و قیمت ایمان و اطاعت ہی سے ہے کہ وہی باطن کی خوراک اور روح کی غذا ہے۔ اور اسی پر دارین کی سعادت و سرخروئی کا مدار و انحصار ہے- وباللہ التوفیق- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ میرے رب کو تمہاری یا کسی بھی اور ہستی یا مخلوق کی کوئی پرواہ نہیں ہو سکتی خواہ وہ ہفت اقلیم کی مالک ہی کیوں نہ ہو۔ مقصود تو صرف حق کی دعوت دینا ہے تاکہ اس طرح تمہارا بھلا اور فائدہ ہو۔ سو اگر تم نے اس دعوت کو جھٹلا دیا تو تم اس کے انجام کے لیے تیار رہو کہ وہ لازمی ہے اور اس نے بہرحال واقع ہو کر رہنا ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

☆ــــ تکمیل نظر ثانی ۲ شعبان ۱۴۱۸ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز منگل، بوقت پانچ بجے صبح قبل از اذان فجر، والحمد للہ رب العالمین

☆ــــ تکمیل پروف ریڈنگ دوسری بار ۲۱ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۸ مارچ ۲۰۰۰ء، بروز منگل، بوقت دس بجے شب، مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر، پاکستان (جبکہ اس وقت باہر سخت جھکڑ اور بارش کا دور دورہ ہے)

☆ —— تکمیل پروف ریڈنگ تیسری بار ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۴ جون ۲۰۰۱ء بروز پیر بوقت اڑھائی بجے شام، سطوہ دبی متحدہ عرب امارات والحمدللہ رب العالمین، الذی بمنہ وکرمہ تتم الصالحات جل جلالہ وعم نوالہ

☆ —— تکمیل پروف ریڈنگ چوتھی بار ۲۴ شوال ۱۴۲۳ ہجری بمطابق ۲۸ دسمبر ۲۰۰۲ بروز ہفتہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے شب۔ سطوۃ، دبی - والحمدللہ رب العالمین - الذی لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ سبحانہٗ وتعالیٰ

☆ —— اَللَّمَسَاتُ الاخیرۃ (Final Touches) ۵-ذوالحجہ ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۲۹ جنوری ۲۰۰۴ء بروز جمعرات بوقت سوا چار بجے شام (بُعَیْدَ اذان العصر) مدنی منزل، مارگلہ ٹاؤن، اسلام آباد (دورانِ رخصت)۔ والحمدللہ رب العالمین۔

رب! اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی وان اعمل صالحا ترضاه وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین ،رب انت ربی وانا عبدک وابن عبدک ،وابن امتک وهذه ناصیتی بین یدیک ،فخذنی بها الی ما تحب و ترضٰی من القول والعمل،بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاة ،ولک الحمد حتی ترضی، و لک الحمد بعد الرضا،انت الحنان المنان وانت اکرم الاکرمین،وارحم الراحمین،لااله الاانت،ولا معبود بحق سواک،

ایاتھا ۲۲۷ — ۲٦ سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ ۴۷ — رکوعاتھا ۱۱

سورۂ شعرآء مکی ہے اوراس کی دوسوستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

طٰسٓمّٓ ۞ ۱ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞ ۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ

طا۔ سین میم یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی ۱ اس (عظیم الشان) کتاب کی، شاید آپ اپنی

نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۞ ۳ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ

جان ہی گنوا بیٹھیں گے (اس غم واندوہ میں) کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، ۲ اگر ہم چاہتے تو اتار دیتے ان پر

۱ قرآن اپنی صداقت وحقانیت کا گواہ خود: ۔سوارشاد فرمایا گیا کہ "یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی اس کتاب کی"۔اورایسی کھول کر بیان کرنے والی کتاب جس نے حق وباطل، صحیح وغلط، جائز وناجائز اور کامیابی وناکامی وغیرہ سب کو پوری طرح واضح کردیا اور سب کچھ اس طرح کھول کھول کر بیان کردیا ہے کہ اس کی دوسری کوئی نظیر ومثال نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی نہ آئندہ کبھی ممکن ہے۔لہٰذا اس قدر عظیم الشان نعمت اورایسی بے مثال کتاب کی ان آیاتِ کریمہ کو پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ اوردل کے کانوں سے سنو تاکہ تم لوگ اس کی برکات سے مالا مال ہوسکو۔نیز یہ ایسی فصیح وبلیغ زبان میں ہے کہ اس نے اپنی دعوت کے ہر پہلو کو گوناگوں اسلوبوں سے اس قدر واضح اور ایسا مدلل ومبرہن کردیا کہ اس میں کسی بھی طرح کا کوئی خفاو غموض باقی نہیں رہ گیا۔اوراس حد تک کہ یہ اپنی صداقت وحقانیت کی خود دلیل اور گواہ بن گئی۔اور ایسی کہ اس کے لیے کسی خارجی دلیل وشہادت کی کوئی ضرورت نہیں۔سواس کے باوجود جو لوگ کسی اور دلیل اور معجزے کا مطالبہ کرتے ہیں وہ محض ہٹ دھرم ہیں۔ورنہ اس کتاب حکیم کی یہ آیات بینات خوداس کی صداقت وحقانیت کا بین ثبوت ہیں۔والحمدللہ جل وعلا

۲ پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان: ۔نبی۔علیہ الصلوۃ والسلام۔کو اپنی امت سے جو شفقت وہمدردی تھی اس کے باعث آپ ہمیشہ اس فکرواضطراب میں رہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ راہِ حق وہدایت اختیار کرکے دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔اس لئے قرآنِ پاک میں جابجا آپ کو ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ آپ ان لوگوں کے ایمان کے پیچھے اس قدر فکرمند وپریشان نہ ہوں کہ اپنی جان عزیز کو بھی داؤ پر لگانے لگیں۔شفقت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔آپ صرف پیغامِ حق بلاکم وکاست ان کو پہنچادیں اور بس۔کہ یہی آپ کی اصل ذمہ داری ہے۔اس کے بعد ان کا معاملہ ہمارے حوالے کردیں۔ہم ان سے خود نمٹ لیں گے اور حق وانصاف کے عین مطابق نمٹیں گے۔﴿اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد:۴۰)۔سواس میں پیغمبر کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ آپ انکی اتنی فکر نہ کریں۔بلکہ تبلیغِ حق کے فریضے کے بعد آپ کا ذمہ فارغ۔علیہ الصلوۃ والسلام۔وہ خود ان سے ٹھیک ٹھیک نبٹ لے گا، سبحانہ، وتعالیٰ

مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾

آسمان سے کوئی ایسی عظیم الشان نشانی کہ (فوراً) جھک جاتیں اس کے آگے ان کی (اکڑی ہوئی) گردنیں، ف۳

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ

اور نہیں آتی ان کے پاس (خدائے) رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت، مگر (ان کا وطیرہ یہی ہوتا ہے کہ)

مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ

یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ف۴ سو یہ تو قطعی طور پر جھٹلا چکے اب ان کے سامنے (آپ ہی کھل کر آ جائے گی) حقیقت اس

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا

چیز کی جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے ف۵ کیا یہ لوگ (اپنی پیش پا افتادہ) اس زمین کو ہی نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کتنی ہی

فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا

(وافر مقدار میں) ہر طرح کی عمدہ چیزیں اگائی ہیں، ف۶ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے مگر

۳ جبری ایمان نہ مطلوب ہے نہ مفید: ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جبری ایمان نہ مفید ہے نہ مطلوب۔ بلکہ مطلوب و مفید وہ ایمان ہے جو کہ اپنے قصد و ارادہ سے اور اپنے نفس کی قناعت و اختیار سے ہو۔ ورنہ اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیتے کہ ان سب کی گردنیں اسکے آگے جھک جاتیں۔ اور یہ سب کے سب ایمان لے آتے۔ مگر ایسا جبری اور قہری ایمان تو ہماری مشیت و منشا ہے ہی نہیں۔ ورنہ اس کے لئے تو ایک اشارہ بھی کافی تھا۔ ہم تو چاہتے ہیں وہ ایمان جو کہ بندے کے اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے ہو نہ کہ جبری و اضطراری ایمان۔ ورنہ امتحان کاہے کا؟ اور ثواب و عقاب کیونکر؟ سو اب جبری ایمان اگر مطلوب ہوتا تو ہم اس کے لیے آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیتے جس کے آگے ان سب کی گردنیں جھک جاتیں اور یہ سب کے سب بلا چون و چرا فوراً ایمان لے آتے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہارے رب کی مشیت اس طرح کی ہوتی تو روئے زمین کے تمام لوگ ایک ساتھ ایمان لے آتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا﴾ ۔ (یونس: ۹۹)۔ مگر اس طرح کا جبری اور غیر اختیاری ایمان سرے سے مطلوب ہی نہیں۔ کہ اس سے ابتلاء و آزمائش کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

۴ اعراض و روگردانی محرومیوں کی محرومی۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انکے پاس جو بھی کوئی نصیحت آئی انہوں نے اس سے منہ ہی پھیرا۔ اور جب ان کا وطیرہ ہی یہ ہے تو پھر اللہ پاک کی نازل فرمودہ آیاتِ کریمہ سے

ان کو فائدہ پہنچے تو کس طرح؟ کہ اس کے لئے تو اولین شرط احتیاج اور طلب صادق ہے۔ پس جو سچے دل سے ہدایت طلب کرے گا اسی کو اس سے نوازا جائے گا۔ اور جو طلبِ صادق سے محروم ہوگا وہ نورِ حق و ہدایت سے محروم ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اعراض و روگردانی اور نورِ حق و ہدایت سے غفلت و لاپرواہی بیماریوں کی بیماری اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جبکہ حق کی طلب وتلاش اور اس کی طرف رجوع ذریعۂ سرفرازی ہے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین

۵ منکرین ومکذبین کے لیے آخری جواب، نتیجہ وانجام کا انتظار: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''عنقریب ہی آجائے گی انکے پاس حقیقت اس چیز کی جس کا یہ مذاق اڑاتے رہے تھے'' تب ان کو اپنے اعراض و انکار کا نتیجہ وانجام خود معلوم ہو جائے گا۔ یعنی جب آنکھ بند ہوتے ہی عالمِ آخرت کے وہ غیبی حقائق خود بخود روزِ روشن کی طرح ان کی آنکھوں کے سامنے آجائیں گے اور وہ سب کچھ یہ لوگ خود بخود اور بچشم سر دیکھ لیں گے تب ان کو پتہ چل جائے گا۔ اور اس وقت یہ خوب سنیں اور مانیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا﴾ (مریم:۳۸) ''کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے یہ لوگ اس دن جس دن کہ یہ ہمارے پاس پہنچیں گے''۔ مگر اس وقت کے اس دیکھنے سننے کا ان کو فائدہ نہیں ہوگا۔ سوائے حسرت وافسوس میں اضافہ کے۔ والعیاذ باللہ۔ سو انکے اس استہزاء کے نتیجے میں ان پر وہ عذاب بہرحال آکر رہے گا جس کا یہ مذاق اڑاتے رہے تھے۔ خواہ عذابِ عاجل کی صورت میں اسی دنیا میں یا پھر آخرت میں یا دونوں میں۔ والعیاذ باللہ۔ بہرحال اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ منکرین ومکذبین کے لیے آخری جواب یہی ہے کہ وہ اپنے نتیجہ وانجام کا انتظار کریں۔ وقت آنے پر حقیقت خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ اور ان کے انکار وتکذیب کا نتیجہ خود ان کے سامنے آجائے گا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین یا اکرم الاکرمین

۶ زمین کی نشانیوں میں نگاہِ عبرت ڈالنے کی دعوت: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''کیا ان لوگوں نے اس زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے کس طرح اس میں قسما قسم کی نفع بخش چیزیں اگائی ہیں'' تو کیا یہ ہماری اس قدرت کی کوئی کم نشانی ہے؟ بھلا اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کس کے بس میں ہے کہ وہ زمین سے اگنے والی طرح طرح کی ان عمدہ اور نفع بخش چیزوں میں سے کوئی ایک بھی اگا سکے؟ اور اگانا تو درکنار آج تک کوئی بڑے سے بڑا دہریہ بھی اس کا کوئی دعویٰ نہیں کرسکا اور نہ کبھی کرسکتا ہے کہ یہ کام اس نے یا اس جیسی کسی اور مخلوق نے کیا ہے۔ تو پھر وہ کون ہوسکتا ہے جو خداوندِ قدوس کی اس قدرت میں شرکت کا دم مار سکے؟ سو اس طرح قدرتِ خداوندی کے یہ کھلے دلائل اثباتِ توحید کے ساتھ ساتھ شرک کی بھی جڑ کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ والحمد للّٰہ رب العالمین۔ سو آخر یہ لوگ عذاب مانگنے کی بجائے انہی دلائل میں غور کیوں نہیں کرتے؟ ان کی عقلوں کو کیا ہوگیا؟۔ اور یہ اتنی واضح حقیقت کو پہچاننے اور اس کے فہم وادراک سے کیوں عاری ہوگئے؟ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

ان میں سے اکثر (پھر بھی) ماننے والے نہیں ف۷ اور (اس کے باوجود ان کو یہ چھوٹ؟) واقعی تمہارا رب بڑا ہی زبردست (ہونے کے ساتھ ساتھ)

الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾ ع وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ ع۹ ۵

انتہائی مہربان بھی ہے ف۸ اور (ان کو وہ داستانِ عبرت بھی سناؤ کہ) جب تمہارے رب نے موسیٰ کو پکار کر فرمایا کہ جاؤ تم ان ظالم

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ لا قَوْمَ فِرْعَوْنَ ط اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ

لوگوں کے پاس ف۹ یعنی فرعون کی قوم کے پاس، کیا یہ لوگ ڈرتے نہیں؟ ف۱۰ موسیٰ نے عرض کیا، اے

۷ اکثریت ہمیشہ بے ایمانوں ہی کی رہی: --- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ نشانیوں اور دلائل کی کوئی کمی نہیں۔ زمین کا چپہ چپہ ان سے مملو ومعمور ہے۔ مگر جو ماننا چاہتے ہی نہ ہوں ان کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔ سو آیات اور نشانیاں تو ہر طرف پھیلی بکھری ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے ہی نہیں حق اور صداقت کو۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اکثریت بے ایمانوں ہی کی ہوتی ہے۔ لہٰذا عوام کی اکثریت کو حقانیت کی دلیل قرار دینا جس طرح کہ آج مغربی جمہوریت کے پجاریوں اور آج کے اہلِ بدعت وغیرہ باطل پرستوں کا کہنا اور ماننا ہے وہ سراسر مردود ہے۔ پس حق و باطل کا مدار عوام کالانعام کی کثرت وقلت پر نہیں بلکہ دلائل و براہین پر ہے۔ عوام کالانعام کی اکثریت تو ہمیشہ غلط کاروں اور بے ایمانوں ہی کی رہی۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ تو پھر ایسوں کی کثرت وقلت کا کوئی اعتبار کس طرح ہوسکتا ہے؟ --- والعياذ باللہ من كل زيغ و ضلال --- اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق وحقیقت کے فہم وادراک اور اس کو اپنانے کی توفیق سے سرفراز رکھے۔ اور ہمیشہ راہِ حق پر چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین

۸ رب تعالیٰ کی صفتِ عزیز ورحیم کی تذکیر و یاد دہانی: --- سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "بے شک تمہارا رب بڑا ہی زبردست اور انتہائی مہربان ہے"۔ پس چونکہ وہ عزیز ہے اس لئے کوئی اس کی گرفت وپکڑ سے نکل نہیں سکتا۔ لیکن چونکہ مہربان بھی ہے اس لئے وہ سرکشوں کی فوری گرفت نہیں فرماتا بلکہ وہ ان کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جاتا ہے۔ اور صرف ڈھیل ہی نہیں بلکہ اسکی رحمت سامانیوں کا یہ عالم ہے کہ بڑے سے بڑا گنہگار بھی اگر سچے دل سے توبہ کر کے اس کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوجائے تو وہ اس کے عمر بھر کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے کہ وہ انتہائی زبردست ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مہربان بھی ہے۔ سو اسکے عزیز و غالب یعنی انتہائی زبردست ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ اس سے ڈرتا اور اسکی معصیت ونافرمانی سے بچتا رہے۔ لیکن اسکے رحیم یعنی انتہائی مہربان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اسکی رحمت وعنایت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ایمان خوف ورجاء یعنی امید وبیم کے درمیان ہے۔ یعنی چونکہ لوگوں کی گمراہی اور بے راہ روی کا ایک بڑا سبب ہمیشہ یہی رہا کہ انہوں نے حضرتِ حق --- جل مجدہٗ --- کی ان دو صفتوں کو اپنے سامنے نہیں رکھا جس سے وہ گمراہ ہوگئے۔ کچھ نے

اسکی صفتِ عزیز یعنی زبردست اور غالب ہونے کے پیشِ نظر یہ سمجھا کہ اب انکی بخشش اور جان بخشی ہوگی ہی نہیں۔ اس لیے وہ مایوسی کا شکار ہو کر توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ کی توفیق و سعادت سے محروم ہو گئے - والعیاذ باللہ - اور کچھ اسکی صفتِ رحیم کے پیشِ نظر دوسری انتہاء کو چلے گئے کہ ہم جو بھی کرتے جائیں کوئی پرواہ نہیں۔ وہ ہماری بخشش فرما دے گا کہ وہ بڑا رحیم اور مہربان ہے۔ جبکہ اصل یہ ہے کہ اسکے اندر یہ دونوں ہی صفتیں پائی جاتی ہیں اور دونوں ہی کو مستحضر رکھنا ضروری ہے۔ پس نہ کوئی اس سے غافل ولا پرواہ ہو جائے کہ وہ بڑا ہی عزیز و زبردست ہے اور نہ ہی کوئی اسکی رحمت و عنایت سے مایوس ہو جائے کہ وہ بڑا ہی رحیم اور انتہائی مہربان ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ توسط و اعتدال کی راہ پر رکھے اور افراط و تفریط کی ہر شکل و صورت سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۹ حضرتِ موسیٰ کی داستانِ عبرت کی تذکیر و یاد دہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ بھی یاد کرو کہ جب موسیٰ کو آپ کے رب کی طرف سے حکم ہوا کہ تم جاؤ ظالموں کے پاس" یعنی قومِ فرعون کے پاس۔ سو اس انداز و اسلوب سے معلوم ہوا کہ ظلم اور ظالمیت میں وہ لوگ اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ ظلم ان کا اصل لقب اور ٹائٹل بن گیا تھا۔ اس لئے پہلے ان کو ظالم فرمایا گیا اور پھر قومِ فرعون کہہ کر ان کی تعیین و تشخیص فرمائی گئی۔ اور ان کا یہ ظلم بھی ظلم بالائے ظلم تھا کہ ایک طرف تو وہ کفر و شرک کے ارتکاب سے خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے اور دوسری طرف وہ بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے تھے اور راہِ حق سے خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس سے روکتے اور محروم کر رہے تھے۔ بہر کیف جب حضرتِ موسیٰ کو مدین سے واپسی کے دوران وادیِ ذی طوٰی میں نبوت سے نوازا گیا تو انکو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ آپ فرعون اور اسکی قوم کے پاس جاؤ جو کہ ظلم کا نشان اور اس کا عنوان بن چکے ہیں۔ سو ان کے پاس جا کر ان کو پیغامِ حق پہنچاؤ تا کہ وہ ظلم سے باز آ جائیں۔ اور اس طرح یہ بچ جائیں انتہائی ہولناک انجام سے اور خلقِ خدا بھی ان کے ظلم سے راحت پا سکے کہ طغیان و سرکشی کا انجام، بہر حال بُرا ہے والعیاذُ باللہ۔

۱۰ ظالموں کے دلوں پر ایک دستک: - سو ظالموں کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان کے دلوں پر ایک دستک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تنبیہ و تحضیض کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ڈرتے نہیں؟ یعنی ظلم کے ہولناک انجام اور اپنے رب کی گرفت و پکڑ سے؟ استفہام یہاں پر تحضیض و ترغیب کے لیے ہے۔ یعنی ان لوگوں کو اپنی اس روش کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اصلاحِ احوال کی اصل بنیاد تقوٰی اور خوفِ خداوندی ہے۔ جب تک کسی شخص کے دل میں اپنے انجام کے بارے میں فکر اور خوف پیدا نہ ہو وہ سنجیدہ نہیں ہوتا۔ اور وہ سنجیدگی سے کسی بات کو سننے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ایسے میں اس پر کوئی وعظ و ارشاد اثر انداز نہیں ہو سکتا اور وہ ہر سنی کو ان سنی کر دیتا ہے۔ اور اس طرح وہ راہِ حق و ہدایت سے دور و نفور اور محروم تر ہوتا جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اس لیے یہاں پر اس ارشاد سے ان کے دلوں کو دستک دی گئی کہ کیا یہ لوگ ڈرتے نہیں؟ کیونکہ جب تک اصلاح کیلئے آمادگی نہیں پائی جائے گی کسی بات کا کوئی اثر اور فائدہ نہیں ہوگا۔ یعنی ان کو اپنے طرزِ عمل اور اپنے کیے کرائے کے نتیجہ و انجام سے ڈرنا اور بچنا چاہیے اور ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ ورنہ ہمیشہ کے پچھتاوے میں مبتلا ہونا پڑے گا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ۭ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا

میرے رب! مجھے اس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (میری بات سننے سے پہلے ہی) مجھے جھٹلا دیں گے، میرا سینہ گھٹتا ہے

يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝۱۳ وَلَهُمْ عَلَيَّ

اور میری زبان (بھی اچھی طرح) چلتی نہیں، سو آپ (اے میرے مالک!) ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج دیجئے، اور میرے ذمے ان

۱۱ **حضرتِ موسیٰ کی ایک دعا کا ذکر اور اہلِ بدعت کے ایک مغالطے کا جواب**:۔سو اس سے حضرت موسیٰ کی حضرت ہارون کے لئے ایک خاص دعا کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ آنجناب نے ان کو شرف وحی سے نوازنے کے لئے اپنے رب کے حضور عرض کی تھی۔ کہ میرے بھائی ہارون کو بھی کارِ رسالت کی ادائیگی کے لیے میرے ساتھ شریک کیا جائے۔ سو یہ حضرتِ موسیٰ کی طرف سے حضرتِ ہارون کو بھی پیغمبر بنائے جانے کی درخواست ہے۔ حضرتِ موسیٰ -علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اَعذار پیش کرنے کے بعد اپنے بھائی حضرتِ ہارون کی رسالت کے لئے بھی بارگاہِ خداوندی میں درخواست پیش کی تا کہ وہ ان کے معاون اور مددگار ہو سکیں۔ اور آپ کی اس دعا کو قبول بھی فرمالیا گیا۔ اہلِ بدعت کے بعض بڑوں نے اس سے غیر اللہ کی امداد کے ثبوت و جواز کی دلیل کشید کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ موصوف اس سلسلے میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں سے مدد لینا سنتِ انبیاء ہے۔ اسے حرام یا شرک کہنا سخت جہالت ہے۔ حالانکہ یہ مدد و امداد تو زندگی میں اور اسباب کے درجے میں تھی۔ اسے کون حرام یا شرک کہہ سکتا ہے؟ اس دنیا کا تو سارا نظام ہی اسباب پر چل رہا ہے۔ ہاں خلافِ اسباب یا کسی سے اس کی موت کے بعد مدد مانگنا بلاشبہ شرک بھی ہے اور حرام بھی۔ اور قرآن وسنت کی نصوص اس پر شاہدِ عدل ہیں۔ اس کے ثبوت کا تو یہاں کوئی سوال ہی نہیں۔ کیسی مت ماری جاتی ہے ایسے لوگوں کی کہ یہ ان دو کھلی ہوئی حقیقتوں کے درمیان موجود واضح فرق کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اور ان دونوں کو خلط ملط کر کے یہ لوگ ایسے غلط نتیجے نکالتے ہیں۔ سو ظاہری اسباب اختیار کرنا اور چیز ہے اور خلافِ اسباب یا مافوق الاسباب کسی سے مدد مانگنا بالکل ایک دوسری شے۔ پہلی صورت نہ صرف جائز بلکہ امرِ واقع اور حقیقت نفس الامری ہے کہ یہ دنیا ہے ہی دار الاسباب۔ جبکہ دوسری صورت کسی مخلوق کے اندر ماننا شرک اور بلاشبہ شرک ہے۔ جیسا کہ قرآن وسنت کی بے شمار نصوص اس کی شاہد ہیں کہ خلافِ اسباب یا مافوق الاسباب مدد کرنے کی یہ صفت خاصہ خداوندی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور ہر مومن اپنی ہر نماز کی ہر رکعت میں۔ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾۔ کے کلمۂ حصر کے ساتھ اسی حقیقتِ صادقہ کا اقرار و اظہار کرتا اور تاکید و تکرار کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اسی کی تعلیم و تلقین نبیٔ اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اپنی امت کو صاف وصریح طور پر اس طرح فرمائی ہے۔ ''اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ''۔ یعنی ''جب تمہیں مانگنا اور سوال کرنا ہو تو اللہ سے مانگو اور سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ ہی سے چاہو''۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ مگر اہلِ بدعت ہیں کہ اس سب کے باوجود اس طرح کی مغالطہ آمیزیوں سے کام لینے اور اس طرح کی تحریفات سے کام لیتے ہیں۔ آدمی حیران ہوتا ہے کہ یہ لوگ خوفِ خداوندی سے کس قدر عاری ہو جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

ذَنۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ يَّقۡتُلُوۡنِ ۝۱۴ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذۡهَبَا

ان لوگوں کا ایک گناہ بھی ہے، جس کے باعث میں ڈرتا ہوں ۱۲ کہ (کہیں تبلیغ رسالت سے قبل ہی) وہ مجھے قتل نہ کر دیں، فرمایا ہرگز نہیں،

بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ ۝۱۵ فَاۡتِيَا فِرۡعَوۡنَ فَقُوۡلَاۤ

پس جاؤ تم دونوں میری آیتوں کے ساتھ، بے شک ہم خود تمہارے ساتھ (سب ماجرا دیکھتے) سنتے رہیں گے ۱۳ پس تم دونوں فرعون کے

۱۲ **حضرتِ موسیٰ کے ایک طبعی خوف کا ذکر:** - سو حضرت موسیٰ نے اس موقع پر اپنے طبعی خوف کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ "ان لوگوں کا میرے ذمے ایک گناہ بھی ہے۔ اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں"۔ سو آنجناب کا یہ خوف ایک طبعی خوف تھا جو کہ نبوت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ سانپ بچھو وغیرہ سے ڈرنا ایک طبعی امر ہے۔ ایسے ڈر اور خوف کی بنا پر کسی پر کوئی سوال اور اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے بارگہِ خداوندی میں اپنے اس خوف واندیشہ کو پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ بھی ہے۔ یعنی ایک قبطی کا قتل۔ جسکو میں نے تادیب وسرزنش کیلئے ایک مکا مارا تھا جس سے اس کا کام تمام ہو گیا تھا۔ جیسا کہ آگے سورہ قصص میں اس کا قصہ تفصیلی طور پر آ رہا ہے۔ اس کی بنا پر حضرتِ موسیٰ نے عرض کیا کہ مجھے ان لوگوں سے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے دیکھتے ہی قتل نہ کر دیں۔ سو یہ خوف ایک طبعی خوف تھا جو ہر انسان کو پیش آ سکتا ہے اور پیش آتا ہے۔ اور حضرات انبیاء ورسل اور خود ہمارے رسول امام الانبیاء حضرتِ محمد (ﷺ) بھی اس طرح کا خوف رکھتے تھے۔ اور آپ کی حفاظت کے لیے خاص انتظام موجود تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی - ﴿واللہ یعصمک من الناس﴾ - (المائدۃ: ٦٧) (المراغی وغیرہ)۔ سو حضرات انبیائے کرام اپنی بے مثال عظمتِ شان کے باوجود طبعی عوارض اور بشری تقاضوں سے پاک اور مبرا نہیں نہیں ہوتے جس کا ثبوت ان کی پاکیزہ زندگیوں میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے ملتا ہے۔ ان کی اصل اور امتیازی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت ہدایت وتائید خداوندی سے سرشار وسرفراز ہوتے ہیں۔ اور ان کا ہر کام وحیِ خداوندی کی راہنمائی وروشنی میں ہوتا ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

۱۳ **حضرتِ موسیٰ کے لیے تسکین وتسلیہ:** - سو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ کے اس خدشے کے جواب میں آپ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ہرگز نہیں، کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔ اور جب اس قادرِ مطلق حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی معیت اور نصرت شامل حال ہو تو پھر خوف کا ہے کا؟ اور کیونکر؟ یہی وجہ ہے کہ حضرتِ موسیٰ تنِ تنہا اتنے بڑے جابر اور ظالم بادشاہ کو ڈنکے کی چوٹ حق کا پیغام سناتے ہیں۔ ساتھ میں صرف حضرتِ ہارون ہیں اور بس۔ سو یہ امر بذاتِ خود ایک بڑا معجزہ ہے کہ تنہا ایک شخص جسکے ساتھ دنیا کی کوئی مادی قوت اور کوئی ظاہری طاقت نہیں وہ وقت کے سب سے بڑے کافر اور سب سے بڑے ڈکٹیٹر اور مطلق العنان حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کا اعلان کرتا ہے اور اسکی سلطنت اور اسکی مصنوعی اور خود ساختہ خدائی کو چیلنج کرتا ہے۔ اور اس کے کسی ظلم وجبر کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اور وہ اس راہِ حق پر پوری طرح اور آخری وقت اور آخری حد تک قائم اور ثابت قدم رہتا ہے۔ اور وقت کا وہ سب سے بڑا طاغیہ اور اپنے دور کا سب سے بڑا ڈکٹیٹر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہاں تک کہ وقت کا وہ سب سے بڑا طاغیہ اور سرکش اور ظالم وکافر انسان ایسا ظالم وسرکش کہ اس کا نام ہی ظلم وعدوان کا عنوان بن گیا تھا۔ یعنی فرعون وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت غرقِ قلزم ہو کر ہمیشہ کیلئے فی النار والسقر ہو گیا - فالحمد للہ الذی بیدہ ازمۃ التوفیق - اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین

إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ

پاس جاکر (اس سے) کہو کہ ہم یقینی طور پر فرستادہ ہیں پروردگار عالم کے، (اور دعوت حق کے ساتھ ان کو یہ پیغام بھی دو کہ) تو چھوڑ دے

إِسْرَآءِيلَ ﴿١٧﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَّلَبِثْتَ

بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ (جانے کے لئے) و۱۴ (یہ سنتے ہی) فرعون بولا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں اپنے یہاں پالا پوسا نہیں اور

فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي

تم نے اپنی عمر کے کئی برس ہمارے درمیان نہیں گزارے؟ اور تم نے اپنا وہ کرتوت بھی کیا جو کہ تم نے کیا، و۱۵

فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿١٩﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا

اور تم بڑے ناشکرے ہو، موسیٰ نے جواب دیا وہ کام میں نے اس وقت کیا

مِنَ الضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ

جب کہ میں بے خبر تھا و۱۶ پھر جب مجھے تم سے (تمہاری پکڑ دھکڑ کا) اندیشہ ہوا تو میں تم سے بھاگ گیا، اس کے بعد میرے رب نے

لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ

مجھے حکم بھی عطا فرمایا، اور مجھے رسولوں میں بھی شامل فرما دیا، اور یہ کوئی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلا رہا ہے

۱۴ حضرتِ موسیٰ کا فرعون سے ایک اہم مطالبہ: ۔یعنی اس سے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ۔ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملکِ شام تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت کا شام موجودہ سوریا، اردن اور فلسطین سب ہی کو شامل تھا۔ حضرتِ یوسف کے دور میں یہ لوگ جاکر مصر میں آباد ہو گئے تھے۔ بعد میں فرعون نے ان کو اپنا غلام بنالیا تھا اور وہ ان کو اپنے وطن جانے کے لئے نہیں چھوڑتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں ملے ہوئے ان مفت کے غلاموں کو وہ اس طرح آسانی سے چھوڑتا بھی کیونکر؟ قرآنِ پاک میں پیغامِ موسیٰ کے ضمن میں زیادہ تر اسی کا ذکر آتا ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حضرتِ موسیٰ کا پیغام صرف یہی تھا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کرایا جائے اور بس۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا۔ سو نہیں ایسا نہیں بلکہ آپ کا اصل پیغام تو وہی تھا جو دوسرے سب انبیائے کرام کا تھا۔ یعنی توحیدِ خداوندی کی دعوت۔ جیسا کہ دوسری جگہ قرآنِ پاک میں خود اس کی تصریح موجود ہے۔ ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلٰٓى أَنْ تَزَكّٰى وَأَهْدِيَكَ إِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى﴾ ۔(النازعات: ۱۸، ۱۹)۔ اور خود پروردگارِ عالم کے رسول یعنی اسکے فرستادہ ہونے کے الفاظ بھی اسی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرتِ موسیٰ کی فرعونی دربار

میں دلائلِ توحید سے لبریز وبھرپور تقریر بھی اس کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ کا اصل مشن اور پیغام دوسرے انبیائے کرام کی طرح توحید ہی کا پیغام تھا۔ البتہ اس کے ساتھ آپ کا دوسرا بڑا کام اوراہم مشن وپروگرام بنی اسرائیل کوفرعون کے چنگل سے آزاد کرانا بھی تھا۔ اوران کوفرعون کی ذلت آمیزاوراذیت ناک غلامی سے نجات دلانا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۵ فرعون کا حضرتِ موسیٰ کو متکبرانہ فرعونی جواب: ۔سوارشادفرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ کے مطالبے کے جواب میں فرعون نے اپنے متکبرانہ اورفرعونی جواب میں کہا کہ ''کیاتم وہی نہیں ہو جس کو ہم نے بچپن میں اپنے یہاں پالاپوسا اورتم نے وہ کرتوت بھی کیا جوتم نے کیا اورتم بڑے ناشکرے ہو''۔ یعنی قبطی کا قتل جس کا قصہ آگے سورۂ قصص میں آرہا ہے۔ سواس طرح فرعون نے حضرتِ موسیٰ کو متکبرانہ اورتحقیرآمیزفرعونی جواب دیا کہ تم وہی نہیں ہو کہ ہمارے اندر رہے ہو؟ کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی اورتمہیں پالاپوسانہیں؟ اورتم کئی سالوں تک ہمارے درمیان نہیں رہے؟ اور پھرتم نے قبطی کے قتل کے اس جرم کا ارتکاب کیا جس کا ارتکاب تم نے کیا۔ اوراس فعل کی سنگینی کو ظاہر کرنے کیلئے اس نے اس بارے اس ابہام کا اسلوب اختیار کیا۔ سوفرعون کے اس تحقیرآمیزجواب سے اس کا مطلب یہ تھا کہ تم ہمارے مجرم ہو۔ تو پھرتم کس طرح نبوت کا دعویٰ کرکے ہم ہی کو چیلنج کرتے ہوئے ہمارے سامنے آگئے ہو۔ اور ہم سے بنی اسرائیل کے آزادکرنے کا مطالبہ لیکراٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ یعنی ایسے میں ہم تمہاری بات کواورتمہارے اس مطالبے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ سو یہ اسکی فرعونیت کا عکاس وغماز جواب تھا، والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۱۶ حضرتِ موسیٰ کا فرعون کو جوابِ حق ترجمان: ۔سوآپ نے فرعون سے کہا کہ ''میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جبکہ میں بےخبرتھا''۔ یعنی یہ علم وآگہی مجھے اس وقت حاصل نہ تھی جواب عطافرمائی گئی ہے۔ نیز مجھے اس کی کیا خبرتھی کہ وہ ایک مکے سے مرجائے گا۔ میں نے تو وہ مکا اسے قتل کی غرض سے نہیں صرف تادیب کے لئے مارا تھا۔ سوحضرتِ موسیٰ نے اپنے اس جوابِ حق ترجمان سے قتلِ قبطی کے قصورکا اقرارواعتراف کیا اوراس واقعے کا انکارنہیں فرمایا۔ لیکن یہ واضح فرمادیا کہ اس فعل کا صدورمجھ سے اس وقت ہوا جبکہ مجھے اپنے رب کی طرف سے علم وہدایت کا نورنہیں ملا تھا۔ بلکہ میں ابھی تک نورِعلم وہدایت کی طلب وتلاش میں محوِسرگشتہ تھا۔ چنانچہ اس فعل کے صدورپرجب مجھے تم لوگوں سے ظلم وزیادتی کا خوف وخدشہ لاحق ہوا تو میں یہاں سے نکل گیا۔ پھراسکے بعد مجھے میرے رب نے علم وحکمت کی روشنی سے نوازا اور مجھے حق اور باطل کے درمیان فرق وتمیز کے لیے قوتِ فیصلہ سے سرفرازفرمایا۔ اور مجھے رسولوں میں سے بنایا۔ سواب میں تم لوگوں کے پاس بالکل مختلف حیثیت سے آیا ہوں کہ اب میں خدا کا فرستادہ اوراس کا رسول ہوں۔ اور میرا پیغام دراصل اسی رب العالمین کا پیغام ہے۔ میری بات کو ماننا دراصل اسکی بات کو ماننا ہے اوراس سے اعراض وروگردانی اسکے حکم وارشاد سے روگردانی ہوگی۔ پس تم ان پرانی باتوں کو بھول کراب میری بات کواپناؤ تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ ورنہ حق کے انکاراوراس سے روگردانی کا بھگتان تم کو بھگتناپڑے گا کہ انکاروتکذیب حق کا جرم بڑاسنگین جرم ہے والعیاذ باللہ جل وعلا

نِعۡمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنۡ عَبَّدتَّ بَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ (۲۲) قَالَ

کہ تونے ہی تو (اپنے ظلم و جبر سے) جکڑ رکھا تھا بنی اسرائیل کو اپنی غلامی (کے پھندے) میں ۱۷ فرعون نے (پینترا بدل کر)

فِرۡعَوۡنُ وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ (۲۳) قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

کہا اور یہ رب العلمین (جس کا تم نے ذکر کیا ہے) کیا ہوتا ہے؟ ۱۸ موسیٰ نے جواب دیا وہ جو رب ہے آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ (۲۴) قَالَ لِمَنۡ

اور زمین کا اور اس (ساری مخلوق) کا جو کہ آسمان و زمین کے درمیان میں ہے، اگر تم لوگ یقین لانے والے ہو ۱۹ فرعون نے اپنے گردو

حَوۡلَهٗۤ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ (۲۵) قَالَ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ

پیش والوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں ہو؟ (کیا کہہ رہا ہے یہ شخص؟) موسیٰ نے مزید کہا وہ جو رب ہے تمہارا بھی، اور تمہارے ان آباؤ

الۡاَوَّلِيۡنَ (۲۶) قَالَ اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ الَّذِيۡۤ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ

اجداد کا بھی، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، اس پر فرعون نے (حاضرین سے) کہا کہ بے شک تمہارے یہ پیغمبر صاحب ۲۰ جو تمہاری

لَمَجۡنُوۡنٌ (۲۷) قَالَ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ

طرف بھیجے گئے ہیں، بالکل دیوانے ہیں، موسیٰ نے مزید فرمایا کہ وہ جو رب ہے مشرق و مغرب کا اور ان سب چیزوں کا جو ان دونوں

۱۷ فرعون کے اظہارِ احسان پر حضرتِ موسیٰ کا بلیغ جواب: ـ سو حضرتِ موسیٰ نے فرعون کی اس بات کے جواب میں فرمایا کہ یہ اسی بنا پر تو ہوا کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنی غلامی میں جکڑ رکھا تھا۔ یعنی یہ احسان جتلانے کا مقام ہے؟ یا تیرے لئے شرم کے مارے ڈوب مرنے کا؟ کیونکہ اس کی نوبت تو تیرے ان لرزہ خیز مظالم کی وجہ سے ہی آئی تھی جو تو بنی اسرائیل پر توڑ رہا تھا۔ اگر معصوم بچوں کے خونِ ناحق سے تیرے ہاتھ رنگین نہ ہوتے تو میری والدہ مجھے دریا کی موجوں کے حوالے کیوں کرتیں اور میں تیرے محل میں پہنچتا ہی کیوں۔ اور یہ نوبت آتی ہی کیوں؟ سو اس میں اس کے اس احسان کا انکار ہے۔ (المعارف، المحاسن اور المراغی وغیرہ)۔ اور بعض نے کہا کہ اس میں اسکے احسان کا اقرار ہے۔ یعنی تو نے مجھ پر احسان کیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو بنی اسرائیل کو غلام بنالے اور میری نبوت کا انکار کردے۔ (الجامع، الفتح وغیرہ)۔ کلماتِ کریمہ میں ان دونوں ہی مطلبوں کی گنجائش موجود ہے اور معنی و مطلب دونوں ہی صورتوں میں صحیح بھی بنتا ہے، اور موثر و وقیع بھی۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حال من الاحوال،

۱۸ فرعون کے تکبر کا ایک اور مظہر و نمونہ: - کہ اس نے کہا "یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟" اور اس طرح اس ملعون نے حضرتِ موسیٰ و ہارونؑ کے دعوائے نبوت و رسالت کا استہزاء و مذاق اڑایا۔ فرعونِ ملعون چونکہ اپنے سے بالا کسی ہستی - سپر پاور - (Super Power) کو ماننے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ اس کا کہنا تھا - ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ ﴾ - کہ "میں تم لوگوں کے لیے اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا"۔ نیز اس کا نعرہ تھا - ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ - کہ "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں"۔ اس لئے اس نے حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے جس کا تم اپنے آپ کو فرستادہ بتاتے ہو اور اس کا پیغام سناتے ہو۔ اور اس طرح اس لعین نے حضرتِ موسیٰ و ہارونؑ کے دعوائے نبوت و رسالت کا اور اس سے بھی بڑھ کر حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کا مذاق اڑایا اور کہا۔ "یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے" اور یہ بدبختی کی انتہاء ہے کہ کوئی شخص حضرت رب العالمین جل جلالہ کے بارے میں اسطرح کی ہرزہ سرائی کرے۔ والعیاذ باللہ العظیم -

۱۹ حضرتِ موسیٰ کا فرعون کو مسکت جواب: - کہ میرا رب وہ ہے جو کہ رب ہے اس پوری کائنات کا: - ظاہر ہے کہ آسمان و زمین اور ان کی درمیانی مخلوق کی خالقیت و مالکیت کا دعویٰ تو فرعون بھی بایں ہمہ استکبار و طمطراق نہیں کر سکتا تھا۔ ورنہ اس کو وہیں منہ پر جھٹلا دیا جاتا۔ وہ تو کہتا تھا کہ اس ملک پر جس پر میری حکمرانی ہے دوسری کسی ہستی کا حکم نہیں چل سکتا۔ یہاں سب کچھ میں ہی میں ہوں۔ اس لئے حضرتِ موسیٰ نے فرمایا خدا وہ ہے جو سب کا خالق سب کا مالک ہے اور ان ان صفات کا مالک ہے - جل جلالہٗ - سو حضرتِ موسیٰ کا یہ جواب جو بظاہر بڑا سادہ سا لگتا ہے اپنے اندر بہت جامعیت اور بڑی ہمہ گیر معنویت رکھتا ہے کہ جس نے تمہارے پاؤں کے نیچے بچھے ہوئے اس عظیم الشان فرش کو بچھا دیا اور تمہارے اوپر نہایت پر حکمت طریقے سے آسمان کے اس عظیم الشان چھت کو تن دیا اور زمین و آسمان کے درمیان کی اس عظیم الشان اور حکمتوں اور نعمتوں بھری کائنات کو وجود بخشا وہی رب العالمین ہے۔ پس تم لوگ اگر اپنے پاؤں کے نیچے بچھے زمین کے اس عظیم الشان فرش اور اپنے اوپر تنی ہوئی آسمان کی اس عظیم الشان چھت میں نگاہِ عبرت و بصیرت ڈالو اور آسمان و زمین کے درمیان پھیلی اس کائنات میں کسی بھی طرف نگاہِ عبرت ڈالو تو تم کو رب العالمین کے وجودِ باجود اسکی قدرت و حکمت اور اسکی رحمت و عنایت کے عظیم الشان نشانات چاروں طرف پھیلے بکھرے نظر آئیں۔ مگر عُجب و استکبار اور عناد و ہٹ دھرمی نے تم لوگوں کو اندھا، بہرہ اور اوندھا و ٹیڑھا کر کے رکھ دیا - والعیاذ باللہ - اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین

۲۰ فرعون کی بوکھلاہٹ اور اس کے طنز و استہزاء کا ایک نمونہ: - سو اس سے حضرتِ موسیٰ کے جواب کے نتیجے میں فرعون کی بوکھلاہٹ سامنے آتی۔ یعنی ﴿ رَسُوْلَكُمْ ﴾ اس ملعون نے طنز کے طور پر کہا۔ ورنہ وہ حضرتِ موسیٰ کو رسول تھوڑا ہی مانتا تھا۔ حضرتِ موسیٰ کے مسکت جواب سے اس کے کبر و غرور پر جو چوٹ لگی اس سے وہ تلملا اٹھا اور اپنے درباریوں اور دوسروں کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔ سنتے ہو یہ شخص کیا کہتا ہے؟ یہ تو دیوانہ ہے۔ سو حضرتِ موسیٰ نے جب ان کے آباء واجداد کی گمراہی کو واضح کر دیا تو اس سے فرعون کا پارہ اور چڑھ گیا تو اس نے غصے میں جھنجھلا کر ایسے کہا۔ اور غصے میں لال پیلے ہو کر کہا کہ تمہارا یہ رسول تو ایک دیوانہ شخص ہے جو ہمارے سامنے اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ جَلَّ وعلا

إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي

کے درمیان ہیں اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو۲۱ آخرکار فرعون نے (موسیٰ کو دھمکی دیتے ہوئے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کوئی اور معبود بنایا

لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ

تو (یاد رکھو کہ) میں تمہیں ان لوگوں میں شامل کر کے رہوں گا جو جیلوں میں پڑے (سڑ رہے) ہیں ۲۲ موسیٰ نے فرمایا اگرچہ میں لے آؤں

مُبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾

تیرے سامنے کوئی روشن چیز بھی؟ فرعون نے کہا اچھا تو تو لے آ اسے اگر تو سچا ہے اس پر موسیٰ نے

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ

ڈال دیا اپنے عصا کو (زمین پر) تو یکایک وہ ایک کھلم کھلا اژدہا بن گیا ۲۳ نیز آپ نے اپنا ہاتھ (اپنے گریبان یا بغل میں ڈال کر) باہر نکالا

فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ

تو یکایک وہ چمک رہا تھا دیکھنے والوں کے سامنے، اس پر فرعون (بوکھلا کر) اپنے گردوپیش کے سرداروں سے کہنے لگا

هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ

کہ یہ شخص تو یقینی طور پر ایک ماہر جادوگر ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ نکال باہر کرے تم سب کو تمہاری اپنی سرزمین سے اپنے جادو کے زور سے

بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ

سو اب تم لوگ کیا حکم دیتے ہو؟ ۲۴ انہوں نے کہا کہ مہلت دو اس کو بھی اور اس کے بھائی کو بھی، اور (دوسری طرف یہ کہ) بھیج دو ہرکارے

۲۱ فرعون کی فرعونیت پر ایک ضرب کاری :- سو اس سے حضرت موسیٰ کی طرف سے فرعون کی جھوٹی خدائی اور اسکی فرعونیت پر ایک اور ضرب کاری کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو حضرت موسیٰ نے اس کی بدتمیزی کا نوٹس لیے بغیر اسکی جھوٹی خدائی پر ایک ضرب کاری لگانے کے لیے مزید کہا کہ "جو رب ہے مشرق و مغرب کا اور ان تمام چیزوں کا جو کہ ان دونوں کے درمیان ہیں"۔ یعنی مجھے دیوانہ قرار دینے والو، تم اپنی عقل کی خبر لو اور مشرق و مغرب اور ان کے درمیان پھیلی ہوئی اس اتھاہ کائنات پر غور کر کے اس کے خالق و مالک اور اسکے رب کو پہچانو اور اس پر ایمان لاؤ۔ تاکہ تمہارا اپنا ہی بھلا ہو۔ سو حضرت موسیٰ نے فرعون کی بدتمیزی کا کوئی نوٹس لیے بغیر رب کی مزید صفات اس کے سامنے رکھ دیں۔ سو یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے فرعون کی خدائی پر آخری بڑی ضرب تھی کہ جس کو نہ مشرق پر کوئی اختیار ہے نہ مغرب پر۔ اس کو خدا ماننے والے اپنی عقلوں کی خرابی اور فتور میں مبتلا ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۲۲ فرعون کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کو دھمکی:۔ سو حقائق و دلائل کے مقابلے میں عاجز آ جانے کے بعد بوکھلاہٹ کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایسے موقعہ پر باطل پرست دھمکیوں پر اتر آتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل کے اہلِ ہویٰ اور باطل پرستوں کا بھی یہی طریقہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کہ ایسے لوگ جب دلائل و براہین کی دنیا میں ناکام ہو جاتے ہیں تو تشدد اور دھمکیوں کی زبان اپنا لیتے ہیں۔ بہرکیف فرعون نے جب دیکھا کہ حضرتِ موسیٰ آپ کی کسی بات کو لائقِ اعتناء نہیں سمجھتے بلکہ پوری بے خوفی کے ساتھ اپنی ایک سے بڑھ کر ایک بات پورے زور و قوت سے اسکے منہ پر کیے جا رہے ہیں اور اس کی خدائی پر ایک سے بڑھ کر ایک ضرب کاری لگا رہے ہیں تو وہ بوکھلا کر چلاّ اٹھا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی کو اپنا معبود مانا تو میں تم کو جیل کی کال کوٹھڑی میں پہنچا کر چھوڑوں گا۔ سو سرکش ظالموں کا وطیرہ ہمیشہ یہی رہا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۲۳ معجزۂ عصا کا ذکر و بیان:۔ سو اس سے تصریح فرمادی گئی کہ عصائے موسیٰ یکا یک اژدھا بن گیا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب فرعون نے حضرتِ موسیٰ کو نشانی پیش کرنے کے لیے کہا تو حضرتِ موسیٰ نے اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ اور اس کو زمین پر ڈالنا تھا کہ یکا یک وہ ایک اژدہا بن گیا۔ سو جسم کے اعتبار سے تو وہ ایک بڑے اژدھا کی طرح تھا لیکن پھرتی اور چستی میں پتلے باریک سانپ کی طرح۔ جیسا کہ دوسری جگہ اس کیلئے "جــان" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی پتلے اور باریک سانپ کے ہیں۔ یہ بھی حضرتِ موسیٰ کے اس معجزے کا ایک اہم اعجازی پہلو تھا۔ ورنہ دنیا کے عام سانپوں میں ایسا کوئی سانپ نہیں پایا جاتا جس میں یہ دونوں صفتیں جمع ہوں کہ جسم کے اعتبار سے وہ اژدھا ہو اور حرکت و سیر اور چستی و پھرتی کے اعتبار سے باریک سانپ کی طرح۔ بہرکیف فرعون نے حضرتِ موسیٰ کی دعوتِ توحید کے جواب میں جو کہ عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اور آفاق و انفس کے کھلے اور واضح دلائل پر مبنی تھی، حق کو ماننے کی بجائے حضرتِ موسیٰ کو قید کرنے کی دھمکی دی۔ اور پھر آپ سے نشانی اور معجزہ کا مطالبہ کیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس پر دلیل پیش کرو۔ تو اسکے جواب میں حضرتِ موسیٰ نے اسکو عصاء اور ید بیضا کے یہ دونوں واضح معجزات دکھلا دیئے۔ مگر اس پر اس متکبر اور ملعون انسان نے مان کر نہ دیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۲۴ معجزۂ موسوی کی ضربِ کاری اور فرعون کی عیاری:۔ سو یہ دونوں کھلے معجزے دیکھنے کے باوجود فرعون نے حق کو تسلیم کرنے اور اس کے آگے جھکنے کی بجائے اپنے حواریوں اور درباریوں سے کہا اور پوری ڈھٹائی سے کہا کہ یہ شخص تو یقیناً ایک بڑا ماہر جادوگر ہے جو اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے۔ تو تم لوگ کیا حکم دیتے ہو؟ سو یہاں پر حق کی ضرب کاری کا اثر و نتیجہ ملاحظہ ہو کہ کہاں فرعون کی وہ شوراشوری اور اکڑفوں کہ ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کے نعرے لگ رہے ہیں اور کہاں یہ خوفزدگی اور حواس باختگی کہ اپنے ماتحتوں اور درباریوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم مجھے کیا حکم دیتے ہو؟ پھر تضاد ملاحظہ ہو کہ ادھر حضرتِ موسیٰ کو جادوگر بتا رہا ہے اور ادھر یہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہ شخص اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے۔ کیا جادو کے زور سے بھی کبھی کسی نے کسی قوم کو اس کے ملک سے نکال باہر کیا ہے؟ سو اس سے فرعون کی بوکھلاہٹ اور اس کے اضطراب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہی خاصہ ہوتا ہے ایمان و یقین سے محرومی کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف معجزۂ موسوی کی ضرب کاری نے فرعون کے اندر کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اسکے خدائی کے دعوے میں زلزلہ بپا کر دیا تھا۔ مگر اس ملعون نے اپنے حواریوں کو اس کے اثر سے بچانے کیلئے اس چالاکی اور عیاری سے کام لیا کہ اس کو جادوگری کا اثر قرار دیا اور مزید یہ کہا کہ یہ شخص اور اس کا یہ کھیل تمہارے لیے بڑے خطرے کا باعث ہے کہ یہ اپنے جادو کے زور سے تم کو اس ملک سے نکال دینا چاہتا ہے اور تمہاری تہذیب کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اور اس طرح اس نے اپنے حواریوں کو حضرتِ موسیٰ کے خلاف اکسانا اور بھڑکانا چاہا۔ اور یہی طریقہ ہوتا ہے بازیگرانِ سیاست کا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ کہ وہ اپنی سیاسی دوکان چمکانے کے لئے ایسے ہی شوشے چھوڑتے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَأْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

(سب بڑے بڑے) شہروں میں، تاکہ وہ لے آئیں آپ کے پاس ہر بڑے ماہر جادوگر کو، چنانچہ

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ

(ملک کے طول وعرض سے) جمع کر دیا گیا ایسے جادوگروں کو، ایک مقرر دن کے وقت پر، ۲۵ اور (فرعون کی طرف سے) عام لوگوں کو بھی

لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ

کہہ دیا گیا کہ کیا تم لوگ اکٹھے ہوتے ہو؟ شاید کہ ہم سب جادوگروں ہی کی پیروی کریں

اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا

اگر وہ غالب رہیں، ۲۶ پھر جب آپہنچے وہ جادوگر،

لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

تو انہوں نے (چھوٹتے ہی) فرعون سے کہا کہ (اچھا صاحب!) کیا ہمارے لئے کوئی اجر (وصلہ) بھی ہوگا اگر ہم غالب رہے؟

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى

فرعون نے کہا جی ہاں (کیوں نہیں، مالی انعام کے علاوہ) یہ بھی کہ اس صورت میں تم لوگ یقیناً شامل ہو جاؤ گے مقرب لوگوں میں، ۲۷

اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

(پھر عین مقابلہ کے موقع پر جادوگروں کے سوال پر) موسیٰ نے ان سے کہا کہ ڈالو جو کچھ کہ تمہیں ڈالنا ہے ۲۸ اس پر انہوں نے پھینک

۲۵ **جادوگروں کے مقابلے کا ذکر وبیان:** — سو اس سے جادوگروں کے حق کے مقابلے میں جمع کرلانے کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور جمع کر دیا گیا جادوگروں کو وقت مقررہ پر"۔ یعنی ان کے جشن کے دن اور چاشت کے وقت۔ جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور اس کیلئے ایک بڑے کھلے میدان کا انتخاب کیا گیا۔ اور لوگوں کو وہاں حاضری کی ترغیب بھی دی گئی کہ یہ ہماری قومی سلامتی اور ہمارے اجتماعی وقار کا مسئلہ ہے۔ ہمارے ملک اور ہماری تہذیب کو اس وقت بہت بڑا خطرہ درپیش ہے۔ اس لیے ہم سب کا یہ فریضہ اور قومی اور اجتماعی فریضہ بنتا ہے کہ ہم پورے ذوق وشوق اور جوش و خروش سے وہاں جمع ہوں اور اپنے جادوگروں کی حوصلہ افزائی کریں۔ دوسری طرف قدرت کے غیبی ہاتھوں سے یہ انتظام کیا جا رہا تھا تاکہ اس طرح غلبۂ حق کا منظر سب لوگ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں اور حق کا غلبہ سب کے سامنے واضح ہو جائے۔ جیسا

کہ بعد میں بالفعل ہوا اور آناً فاناً ایک دنیا کی دنیا بدل گئی اور فرعون کی تدبیر نے خود اس کا کباڑا کر دیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۲۶ ڈکٹیٹروں کے کھوکھلے پن کا ایک نمونہ ومظہر: - سو اس سے ڈکٹیٹروں کے کھوکھلے پن کا ایک نمونہ ومظہر سامنے آتا ہے کہ فرعون نے اپنے مستقبل کی وابستگی جادوگروں کے کرتب اور انکی کامیابی سے کر دی تھی۔ سو فرعون نے اپنے مستقبل کو جادوگروں کے کرتب سے وابستہ کرتے ہوئے کہا کہ "شاید ہم جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہ غالب رہیں"۔ یعنی ظاہر ہے کہ ملک بھر کے ماہر جادوگروں کے مقابلے میں تنہا موسیٰ کیا ٹھہر سکے گا۔ جیت بہرحال ہماری ہی ہوگی۔ اس لئے ہم الزام اتارنے کے لئے سب لوگوں کے سامنے آسانی سے کہہ دیں گے کہ لو جی ہم تو حق ہی کی پیروی کرتے ہیں جو کہ اس مقابلے میں جادوگروں کی فتح کی صورت میں سامنے آ گیا۔ لیکن اس کو کیا خبر تھی کہ نتیجہ اس کے بالکل برعکس اور اُلٹ ہی صورت میں نکلے گا اور غلبہ حق ہی کا ہوگا اور ان کو ذلت اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بہرکیف اس کا خیال تھا کہ ملک بھر سے جمع ہونے والے یہ ماہر جادوگر بہرحال کامیاب ہونگے اور دنیا میں ہماری عظمت و بڑائی کے ڈنکے بجیں گے۔ اس لیے اس نے ایک طرف تو عام لوگوں کو جمع ہونے پر ابھارنے کے لیے ان سے بطور تحریض وتشویق استفہامیہ انداز میں کہا کہ کیا تم لوگ جمع ہونے والے ہو؟ یعنی تم سب کو ضرور جمع ہونا چاہیے۔ اور دوسری طرف اس نے۔ ﴿لعلنا نتبع السحرة ان كانوا هم الغالبين﴾ - سے ان لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ان جادوگروں کی کامیابی ہمارے قومی وقار اور ہمارے مستقبل کے تحفظ اور ہماری بقا کا مسئلہ ہے۔ اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو اس بات کا آرزومند رہنا چاہیے کہ اس مقابلے میں انکی فتح ہو اور انکی حوصلہ افزائی کے لیے ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ تاکہ ہمارا بھرم قائم رہ سکے، اور ہماری حکومت برقرار رہ سکے۔

۲۷ جادوگروں کے مطالبے اور فرعون کے جواب کا ذکر و بیان: - سو اس سے جادوگروں کے پیشہ ورانہ مطالبے اور فرعون کی طرف سے انعام کے وعدہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یعنی تمہیں دربار میں کرسی ملے گی۔ آؤ بھگت ہوا کرے گی اور تم درباری لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان ویقین کی دولت سے محروم لوگوں کے نزدیک اصل چیز دنیائے دوں کا متاعِ فانی اور اس کا حطامِ زائل ہی ہے۔ وہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ یہاں دیکھیے کہ ان لوگوں کا مقابلہ ان کے اپنے قول وقرار کے مطابق ان کے دین وایمان اور ملک وملت کا معاملہ ہے۔ اور ان کے اس مقابلے پر ایک لحاظ سے ان کے مستقبل کا دارومدار ہے۔ مگر اس سب کے باوجود جادوگر سب سے پہلے اپنے اسی مادی فائدے کا مطالبہ کرتے ہیں، اور فرعون انکو اسکی یقین دہانی کراتا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۲۸ حضرتِ موسیٰ کے اعتماد ووثوق کا مظہر ونمونہ: - کہ حضرتِ موسیٰ نے پورے اعتماد ووثوق سے کہا کہ "ڈال دو جو کچھ کہ تم لوگوں کو ڈالنا ہے" اور حضرتِ موسیٰ نے یہ بات جادوگروں کے پوچھنے پر ارشاد فرمائی کہ اس طرح حق کا غلبہ زیادہ نکھر کر سامنے آنے والا تھا۔ سو دیکھا آپ نے کہ حق پرستی انسان کو کس قدر قوت، ثابت قدمی اور اطمینانِ قلب سے بہرہ ور کر دیتی ہے کہ حضرتِ موسیٰ یکا وتنہا ہونے کے باوجود اتنے خوفناک اور رعب دار منظر میں بھی اپنے رب پر توکل کرتے ہوئے کامل اطمینان سے ان کو جواب دیتے ہیں۔ ﴿اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ - "ڈال دو جو کچھ کہ تم کو ڈالنا ہے"۔ سو اس پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں وغیرہ جو کچھ ڈالنا تھا وہ ڈال دیا اور ایک بڑا ہی ہولناک اور خوفناک جادو پیش کر دیا جس سے وہاں پر موجود سب لوگ خوف زدہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے۔ ﴿فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ﴾ - (الاعراف: ۱۱۶)۔

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى

دیں اپنی رسیاں اور لاٹھیاں، اور بولے فرعون کے اقبال کی قسم ۲۹ ہم ہی نے بہرحال غالب آکر رہنا ہے، پھر موسیٰ نے بھی ڈال دیا اپنی

مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِیَ

لاٹھی کو، تو اس نے یکا یک نگلنا شروع کر دیا اس سارے سوانگ کو جو ان لوگوں نے (بڑے طمطراق سے) رچایا تھا، اس پر وہ سب جادوگر

السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾

بے ساختہ (اپنے رب کے حضور) سجدے میں گر پڑے ۳۰ اور پکار اٹھے کہ ہم سب ایمان لے آئے پروردگار عالم پر، یعنی موسیٰ اور

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ

ہارون کے رب پر، ۳۱ فرعون (سیخ پا ہو کر) بولا کیا تم لوگ اس شخص (کے کہنے) پر ایمان لے آئے قبل اس سے کہ میں تم کو اس کی

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

اجازت دیتا؟ یقیناً یہ تمہارا استاذ ہے جس نے تم کو جادوگری کا یہ کاروبار سکھایا ہے ۳۱ سو تمہیں (اپنے کئے کا انجام) ابھی معلوم ہوا جاتا ہے

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۵ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

میں ضرور بالضرور کٹوا کر رہوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے، اور میں ضرور بالضرور پھانسی پر لٹکا کر چھوڑوں گا تم سب کو ایک

خِلَافٍ وَّلَاُوْصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ز

ساتھ، (مگر ایمان و یقین کی دولت سے مشرف ہو جانے والے) ان جادوگروں نے (بڑے اطمینان کے ساتھ) جواب دیا کہ کوئی

۲۹ جادوگروں کی ایک مشرکانہ قسم کا ذکر و بیان: — سو اس سے جادوگروں کی اپنے غلبے کے لیے ایک مشرکانہ قسم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جادوگروں نے فرعون کے اقبال کی قسم کھا کر کہا کہ ''یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے''۔ کیونکہ فرعون ان لوگوں کے یہاں دیوتا کی حیثیت رکھتا تھا۔ سو یہ ہے مشرکوں کا طرۂ امتیاز۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ میدان میں اترتے وقت وہ اللہ کی بجائے اس کی کسی مخلوق ہی میں سے کسی کا سہارا لیں گے اور اس کا نام لیں گے۔ سو ان جادوگروں نے فرعون کی عزت اور اس کے اقبال کا نعرہ لگایا تو آج کا کلمہ گو مشرک ''یا علی مدد''، ''علی مشکل کشا''، ''یا غوث دستگیر'' وغیرہ کے نعرے لگاتا ہے۔ اور بدعتی ملاں اور مشرک پیر اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہے کہ یہ سب ٹھیک ہے۔ اور یہ غیر اللہ سے مدد مانگنا نہیں کیونکہ خاصانِ خدا، خدا کے غیر نہیں ہوتے۔ مگر جب اہلِ توحید کی طرف

سے پوچھا جاتا ہے کہ غیر کیوں نہیں؟ جبکہ وہ خالق ہے اور یہ مخلوق؟ تو ان مشرکوں سے آئیں بائیں شائیں کے سوا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اور یہ لوگ اتنی موٹی بات بھی نہیں سوچتے کہ جو خود موت کے گھاٹ اتر گئے وہ دوسروں کے حاجت روا اور مشکل کشا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ بہر کیف وہ لوگ چونکہ فرعون کو دیوتا بلکہ مہا دیوتا اور سورج دیوتا سمجھتے اور مانتے تھے اس لیے انہوں نے اس کے اقبال کی قسم کھائی اور یہی حال ہمیشہ رہا ہے مشرکوں کا۔ والعیاذ باللہ۔ سو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ فرعون کے اقبال کی قسم غلبہ یقیناً ہمارا ہی ہوگا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۳۰ غلبۂ حق اور شکستِ باطل کا ایک بے مثال نمونہ و مظہر: ۔ سو اس سے غلبۂ حق اور شکستِ باطل کا ایک بے مثال نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا ”اور بے ساختہ سجدے میں گر گئے وہ سب جادوگر“۔ یہاں پر یوں نہیں فرمایا کہ جادوگر سجدے میں گر گئے بلکہ ”اُلْقِیَ“ کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے کہ وہ سجدے میں ڈال دیئے گئے۔ یعنی ان کے اندر سے ہی کوئی ایسی زبردست تحریک پیدا ہوئی اور یکدم ایسا جذبہ ابھرا کہ وہ سب کے سب بلا اختیار اور بے ساختہ طور پر سجدے میں گر پڑے۔ جیسا کہ ترجمہ بھی اسی طرح کیا گیا ہے۔ اور اس طرح فرعون اور اس کے حواریوں کی ساری دوڑ دھوپ خود ان کی توقعات کے بالکل برعکس حق کے غلبہ و اظہار کا ذریعہ بن گئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ سو جادو اور معجزہ کے درمیان فرق کو سب سے زیادہ ایک جادوگر ہی سمجھ سکتا ہے۔ سو اگر اس کے اندر حق کی رمق موجود ہو تو وہ معجزے کی صداقت کو جان کر اس کو اپنا سکتا ہے اور ان جادوگروں کے اندر وہ رمق چونکہ موجود تھی اس لیے وہ عصائے موسیٰ کے معجزے کو دیکھتے ہی اس کے آگے سرِ تسلیم خم ہو گئے۔ فوراً اپنے خالق و مالک کے آگے سجدہ ریز ہو گئے اور علی رؤس الاشہاد اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور اس تصریح کے ساتھ کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے یعنی اس مالک اور ربِ حقیقی پر جو کہ موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ کہ وہی خالق و مالک اور حقیقی رب ہے اور وہی معبود برحق اور اپنی اس کائنات میں بلا شرکت غیرے حاکم و متصرف ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۳۱ فرعون کی حد درجہ بوکھلاہٹ، اور جادوگروں پر سازش کا الزام: ۔ سو اس نے بوکھلا کر ایسی الزام تراشی کی یعنی اس نے نتیجہ اپنی توقعات کے برعکس پا کر ایسی باتیں کہیں جس سے اس کی بوکھلاہٹ اور پریشانی اور زیادہ آشکارا ہو جاتی ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ جادوگروں کو وہ خود سارے ملک سے اکٹھا کر کے لایا اور اب کہتا ہے کہ موسیٰ نے ہی تم کو یہ سب کچھ سکھایا اور تم نے مل کر یہ سازش تیار کی۔ اور اس پر اس نے ان جادوگروں کو جو ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز ہونے کے بعد ایک ہی جست میں کہیں سے کہیں پہنچ گئے تھے ایسی خوفناک دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حق و ہدایت سے محروم دنیا دار لوگ کس قدر ڈھیٹ، کتنے بے شرم اور کتنے ظالم لوگ ہوتے ہیں ۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف فرعون نے ان پر الزام لگایا کہ یہ سب تم لوگوں کی ملی بھگت اور سازش تھی جو تم نے مل کر رچائی تھی۔ تاکہ اس طرح تم اس شخص کیلئے اقتدار کی راہ ہموار کر سکو۔ سو اس طرح تم لوگوں نے بغاوت کا ارتکاب کیا ہے۔ لہٰذا تم سب کو تمہارے اس جرم کی وہ سزا دی جائیگی جو باغیوں کو دی جاتی ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا کر تم لوگوں کو درختوں کے تنوں پر لٹکا دیا جائیگا تاکہ اس طرح تم دوسروں کیلئے نشانِ عبرت بن جاؤ۔ اور ایسے باغیوں کا انجام کیا ہوتا ہے اور آئندہ کسی کو اس طرح کی حرکت کی کبھی جرأت نہ ہو، سو یہ ایک نمونہ تھا اسکی فرعونیت کا، والعیاذ باللہ العظیم

اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا

پرواہ نہیں، ہمیں تو بہر حال اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ۶۲ہم تو اس امید سے پوری طرح سرشار ہیں کہ ہمارا رب بخش دے گا

رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَيْنَآ

(اپنے رحم وکرم سے) ہماری خطاؤں کو، کہ (اس بھرے مجمع میں) سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت ہم ہی کو نصیب ہوئی ہے ۶۳ اور

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

(ادھر جب فرعون بنی اسرائیل کی آزادی پر آمادہ نہ ہوا تو) ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو کہ راتوں رات نکل جاؤ میرے بندوں کو لے کر،

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

بے شک تمہارا پوری طرح پیچھا کیا جائے گا، چنانچہ فرعون نے (غیظ وغضب کے عالم میں) بھیج دیئے ہرکارے سب (بڑے بڑے) شہروں

لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ

میں، کہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں تھوڑے سے لوگوں کی ۶۴ اور انہوں نے سخت غصہ دلایا ہے ما بدولت کو، اور

اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ

بلاشبہ ہماری بھاری جمعیت کو بہر حال چوکنا رہنا ہے ۶۵ سو (وہ سب اپنے لاؤ لشکر سمیت بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑے اس طرح)

۶۲ قوت ایمان ویقین کی انقلاب آفرینی کا ایک مظہر ونمونہ:۔ سو ان سچے ایمانداروں نے فرعون کی اس ہولناک دھمکی کے جواب میں پورے اطمینان سے کہا کہ تجھے جو کرنا ہے کر لے۔ ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمیں تو بہر حال اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ سو جب جانا بہر طور اسی کے پاس ہے تو اگر شہادت کے ذریعے جانا نصیب ہو جائے تو پھر اور کیا چاہیئے۔ سبحان اللہ۔ ایمان کی قوت انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ کہاں کفر کی حالت میں پہلے ہی قدم پر یہی جادوگر یہ سوال کرتے تھے کہ جیتنے پر ہمیں کیا صلہ وانعام ملے گا؟ اور کہاں ایمان ویقین کی دولت سے سرفرازی کے بعد اب یہی لوگ اپنی جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے اور موت کے پھندے کو گلے لگانے کے لئے بخوشی تیار ہو جاتے ہیں۔ کسی خوف واندیشے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ فَارْزُقْنَا اَللّٰهُمَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ وَقُوَّةَ الْيَقِيْنِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو فرعون نے تو ان کو اتنی سخت دھمکی دی کہ اس طرح یہ لوگ ڈر کر اپنے اس قول وقرار سے لوٹ آئیں گے۔ مگر لذت ایمان اور قوت یقین سے محروم اس بندۂ مادہ ومعدہ کو کیا خبر تھی کہ نور ایمان ویقین سے سرفرازی کے بعد یہ لوگ ایک ہی جست میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور نور ایمان کی ایک ہی جھلک نے ان کو عزت وعظمت کے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں اسکی سلطنت کی حیثیت ان کی نگاہوں میں بال مگس کے برابر بھی نہیں رہ گئی تھی۔ سو انہوں نے پوری بے خوفی اور کامل اطمینان کے ساتھ فرعون کی اس

سخت دھمکی کا جواب دیا کہ اگر تو نے یہ سزا ہم لوگوں کو دی جس کی دھمکی تو ہمیں دے رہا ہے تو نہ ہمیں اسکی کوئی پرواہ ہے اور نہ ہی اس میں ہمارا کوئی نقصان کہ ہم نے تو بہر حال اپنے رب ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ عام طبعی موت کی بجائے اگر شہادت کے ذریعے جائیں تو ہمیں اور کیا چاہیے-وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الٰی سواء السبیل-

۳۳ نورِ ایمان ویقین سے پُر جواب: -سوان مومنینِ صادقین نے فرعون کی اس دھمکی کے جواب میں اس سے کہا کہ ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمیں تو اپنے رب سے اپنی خطاؤں کی معافی کی امید ہے۔اور حسنِ ادب ملاحظہ ہو کہ کوئی شوخی یا تکبر نہیں بلکہ نہایت متواضعانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہمیں تو اپنے رب کی رحمت و ربوبیت سے قوی امید ہے کہ وہ ایمان میں پہل کرنے کی اس سعادت کے باعث جو ہمیں نصیب ہوئی ہے ہمارے گناہ معاف فرمادے گا-فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِنْ عَظَمَةِ الْاِیْمَانِ وَ هِدَایَتِهٖ- بہرکیف انہوں نے کہا کہ چونکہ ہم اپنی قوم یعنی قبط میں سے سب سے پہلے ایمان لانے کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں۔اس لیے اس سبق فی الایمان کی بنا پر اپنے رب سے امید ہے کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف فرمادے گا-سبحانہ، وتعالیٰ-سو تیرے نزدیک تو اے فرعون یہ ہمارا سب سے بڑا جرم ہے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے۔لیکن ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اسی سبق الی الایمان اور اسی پہل کی بنا پر ہمارے گناہوں اور ہماری خطاؤں کو معاف فرمادے گا۔سبحان اللہ۔کیسا عظیم الشان نور ہے یہ ایمان ویقین کا نور جو انسان کو بدل کر کیا بنا دیتا ہے اور اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے اور اس کے باطن کو کس قدر مجلّٰی اور متقی اور منور کر دیتا ہے۔جس کے نتیجے میں وہ حقائق کو ان کے صحیح رنگ اور حقیقی تناظر میں دیکھتا اور ان سے صحیح نتائج اخذ کرتا ہے۔فالحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان والیقین۔اللّٰھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ یا ذاالجلال والاکرام۔اللہ ہمیشہ راہ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔آمین ثم آمین

۳۴ عددی اکثریت کا فرعونی گھمنڈ: -سو یہ عددی اکثریت پر ناز کی فرعونی خصلت کا نمونہ ومظہر تھا کہ ہماری چونکہ جماعت بہت بڑی ہے اس لیے ہم ہی صحیح ہیں اور اپنی عددی اکثریت پر ناز کی یہ فرعونی خصلت کل کی طرح آج بھی جوں کی توں موجود ہے۔اور اہلِ ھوٰی کے یہاں اس کے مظاہر یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آتے ہیں۔بہرکیف قبطی لوگ چونکہ حضرتِ موسٰی کے کارناموں سے بہت متاثر اور مرعوب تھے اس لیے فرعون نے ان کے حوصلے بلند کرنے کیلئے اسرائیلیوں کیخلاف یہ پروپیگنڈا مہم شروع کی کہ ان لوگوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔یہ تو مٹھی بھر لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے جو ہمیں غصہ دلا رہے ہیں۔جبکہ ہم اتنی بڑی جماعت اور اس قدر قوت کے مالک ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۳۵ فرعون پر ضربِ حق کے اثر کا نتیجہ: -سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ضربِ حق کے اثر سے فرعون اپنے اندر سے ہل کر رہ گیا تھا مگر وہ اپنی قوم سے کہتا ہے کہ ہماری بھاری جمعیت کو بہر حال چوکنا رہنا ہے۔سو ایسا فرعون نے اپنی خفت کو مٹانے اور حواس باختگی پر پردہ ڈالنے کے لئے کہا کہ جمعیت تو ہماری بلاشبہ بہت بڑی ہے مگر ہمیں چوکنا رہنے کی ضرورت بہر حال ہے۔سو ہم ایک بھاری جمعیت ہیں جو ہر طرح کے ذرائع ووسائل اور اسبابِ قوت رکھتے ہیں۔لہٰذا ہم اس ''شرذمہ قلیلہ'' یعنی چھوٹے سے گروہ سے نمٹنے کیلئے پوری طرح چوکس اور تیار ہیں۔ہم ان کو کبھی یہ موقع نہیں دے سکتے کہ یہ ہمارے اس ملک میں گڑبڑ پھیلائیں اور ہمارے امن وامان کیلئے خطرہ بنیں اور ہمارے قابو سے باہر نکل جائیں۔سو یہ تو اس طاغیہ کی بڑھکیں تھیں جو وہ اپنے اندر کے خوف کو چھپانے اور اپنی قوم کے مورال کو اپ کرنے کیلئے مار رہا تھا۔لیکن اس کو نہیں پتہ تھا کہ اس طرح وہ اب آخری انجام کے قریب پہنچ گیا ہے-والعیاذ باللہ العظیم-سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حق کی ضرب کتنی سخت اور کس قدر کاری ہوتی ہے کہ اس کے اثر سے فرعون جیسا طاغیہ اپنے اندر سے ہل کر رہ جاتا ہے۔والعیاذ باللہ جل وعلا

عُیُوۡنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ کُنُوۡزٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿۵۸﴾ کَذٰلِکَ ؕ وَ

ہم نے ان کو نکال باہر کیا، باغوں اور چشموں سے، اور خزانوں و عمدہ مکانوں سے، ۳۶ یونہی کیا

اَوۡرَثۡنٰہَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۵۹﴾ فَاَتۡبَعُوۡہُمۡ مُّشۡرِقِیۡنَ ﴿۶۰﴾

اور ہم نے وارث بنا دیا ایسی چیزوں کا بنی اسرائیل (جیسی لٹی پٹی قوم) کو ۳۷ بہر کیف فرعونی لوگ آپہنچے ان کے پیچھے

فَلَمَّا تَرَآءَ الۡجَمۡعٰنِ قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰۤی اِنَّا لَمُدۡرَکُوۡنَ ﴿ۚ۶۱﴾

سورج نکلنے کے وقت، پھر جب آمنا سامنا ہوا ان دونوں گروہوں کا، تو چیخ اٹھے موسیٰ کے ساتھی کہ ہم تو بالکل پکڑے ہی گئے،

قَالَ کَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی

موسیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں، بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میرے لئے (نجات کی) کوئی راہ نکالے گا ۳۸ چنانچہ ہم نے

مُوۡسٰۤی اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡبَحۡرَ ؕ فَانۡفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ

موسیٰ کو وحی کی کہ مار دو اپنا عصا سمندر پر، پس (عصا کا مارنا تھا کہ) پھٹ پڑا سمندر، اور ہو گیا اس کا

فِرۡقٍ کَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ ﴿ۚ۶۳﴾ وَ اَزۡلَفۡنَا ثَمَّ الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿ۚ۶۴﴾ وَ

ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح، اور قریب لے آئے ہم اسی جگہ دوسرے گروہ کو، اور

اَنۡجَیۡنَا مُوۡسٰی وَ مَنۡ مَّعَہٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿ۚ۶۵﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا

بچا لیا ہم نے (اپنی قدرت و عنایت سے) موسیٰ کو، اور ان سب کو جو ان کے ساتھ تھے، ۳۹ پھر (وہیں) غرق کر دیا ہم نے

۳۶ دستِ غیب کی کارستانی کا ایک نمونہ ومظہر: سو اس سے خداوندِ قدوس کے دستِ غیب کی کارستانی کا ایک نمونہ ومظہر سامنے آتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں و عمدہ مکانوں سے۔ خداوندِ قدوس کو اپنے احکام و فرامین کی تنفیذ کے لئے دنیاوی بادشاہوں کی طرح ظاہری فوجوں اور پولیس وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اس طرح کام کرتا ہے کہ اگلوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾۔ (الحشر:۲) اور اس کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾۔ (المدثر:۳۱)۔ ذرا سوچئے کہ کیا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت بھی اس طرح کر سکتی ہے کہ اتنے بڑے لاؤ لشکر کو ان کے گھروں سے نکال کر اس طرح یکبارگی موت کے گھاٹ اتار دے؟ دنیاوی حکومتیں تو اپنے

مخالفوں کو کچلنے اور ان کو زیر کرنے کیلئے اندھا دھند بمباری اور وحشیانہ فائرنگ سے شہروں کے شہروں کو اجاڑ کر رکھ دیتی ہیں جس میں بے گناہ اور معصوم لوگوں کی جانیں جاتی ہیں۔ عصمتیں لٹتی ہیں۔ گھر اور عبادت گاہیں اجاڑ اور ویران ہو جاتی ہیں اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں۔ جیسا کہ آج جمہوریہ چیچنیا، بوسنیا، مقدونیہ اور کشمیر وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ لیکن اسکی کوئی مثال پوری تاریخ انسانیت میں کہیں نہیں مل سکے گی کہ کسی باغی اور سرکش حکومت کے باغی اور سرکش عناصر کو اس طرح چن چن کران کے کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہو کہ ظالموں کے سوا اور کسی کو کوئی گزند نہ پہنچی ہو۔ اور کسی کا نہ کوئی مکان ٹوٹا ہو اور نہ کسی کا کوئی مال لوٹا گیا ہو۔ سو یہ خدائے عزیز وقہار کی قدرتِ قاہرہ اور عدالت وحکمتِ باہرہ کا ایک زبردست اور منفرد نمونہ ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ فللّٰہِ الحمدُ جَلَّ وعلا۔

۳۷ بنی اسرائیل کی آزادی اور ان کی نعمتوں سے سرفرازی کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم نے وارث بنا دیا بنی اسرائیل کو ایسی ہی چیزوں کا''۔ یعنی انہی جیسی چیزوں کا جبکہ ان کو ایک آزاد قوم کی طرح فلسطین کی ارضِ مقدسہ میں آباد ہونے کا موقعہ ملا۔ اور یہ ہم نے اس لئے کہا کہ تاریخی اعتبار سے ان لوگوں کی مصر واپسی کے لئے کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا اگرچہ عام طور پر مفسرینِ کرام اس آیتِ کریمہ کے ظاہر مفہوم کے اعتبار سے یہی کہتے ہیں کہ یہ فلسطینی فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد واپس آ کر مصر میں ان چیزوں کے مالک بن گئے تھے۔ اور قرطبی وغیرہ نے اس بارے میں حضرتِ حسنؓ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ لیکن محققین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ ان کا تاریخی اعتبار سے واپس مصر لوٹنا کسی قطعی دلیل سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا اس لئے یہاں پر ﴿ اَوْرَثْنٰهَا ﴾ کی ضمیر سے مراد انہی جیسی اشیاء اور ایسی ہی نعمتیں ہیں جن سے ان لوگوں کو ارضِ فلسطین میں نوازا گیا تھا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ''اَیْ مُمَاثِلَةً لَّهَا فِیْٓ اَرْضِ الْمِیْعَادِ الَّتِیْ صَارُوْٓا اِلَیْهَا''۔ (المراغی وغیرہ) اور قرآنی ارشادات سے بھی اسی کی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ﴾۔ (الاعراف: ۱۳۷) یعنی ''ہم نے۔ اپنی قدرت وعنایت سے۔ مالک ووارث بنا دیا ان کمزور۔ اور گھٹے پٹے۔ لوگوں کو اس سرزمین کے مشارق ومغارب کا جس میں ہم نے طرح طرح کی برکتیں رکھی تھیں''۔ اور ارضِ مقدس اور ارضِ مبارک کے کلماتِ کریمہ سے قرآنِ حکیم میں ارضِ فلسطین ہی کو ذکر وموسوم فرمایا گیا ہے۔ اسی کو ارضِ میعاد کہا جاتا ہے اور اسی کا ان لوگوں سے وعدہ بھی فرمایا گیا تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ﴾۔ (القصص: ۵) اس لئے محققین کے نزدیک سورۂ شعراء کی اس آیتِ کریمہ میں وارد ﴿ اَوْرَثْنٰهَا ﴾ کی ضمیر سے مراد بعینہٖ یہی اشیاء اور نعمتیں نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد ان جیسی اور ان سے ملتی جلتی وہ نعمتیں ہیں جن سے ان کو فلسطین کی مبارک ومقدس سرزمین میں نوازا گیا تھا اور جہاں بعد میں حضرتِ داؤد اور حضرتِ سلیمن ۔ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام ۔ کی عظیم الشان حکومتیں قائم ہوئیں۔ اور جو مصر وغیرہ تک قرب وجوار کے مختلف علاقوں تک پھیل گئی تھیں۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَهُوَ اَعْلَمُ بِمُرَادِ كَلَامِهٖ وَاَسْرَارِهٖ وَغَوَامِضِهٖ جَلَّ وَعَلَا۔ سو ﴿واورثنا ھا ﴾ کی اس ضمیرِ منصوب کا مرجع ایسے ہی ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی اس آیتِ کریمہ کا ہے۔ ﴿ قَدْ

سَالَهَا قَوۡمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ﴾۔ (المائدۃ:۱۰۲)۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۸ انبیاء و رسل کا حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ ہی ہے:- سو حضرتِ موسیٰ کے اس اعلان و اظہار سے واضح فرما دیا گیا کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حضراتِ انبیاء و رسل اور حضرت موسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی اسی کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں۔ سو فرعون کے تعاقب اور بنی اسرائیل کے خوف کے اس نازک اور خوفناک موقعہ پر حضرتِ موسیٰ نے کہا کہ ''بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری راہنمائی کرے گا''۔ سو یہ ہوتی ہے شان اللہ پاک کے خاص بندوں کی کہ ان کا اعتماد و بھروسہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ پر اور صرف اللہ ہی پر ہوتا ہے۔ اور اللہ پاک کی یہ معیت بھی دو قسم پر ہے۔ معیتِ عامہ جو کہ سب کے ساتھ ہے جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿ هُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ﴾۔ اور یہ معیت اسکے علم و قدرت کے اعتبار سے ہے کہ تم لوگ جہاں کہیں بھی ہوؤ گے اس کے علم میں اور اس کی قدرتِ مطلقہ کے دائرے میں ہی ہوؤ گے۔ نہ اس کے دائرۂ قدرت سے باہر ہو سکتے ہو اور نہ اسکے علم سے۔ جبکہ اسکی دوسری معیت ہے معیتِ خاصہ جو کہ صرف اللہ کے خاص بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ جس کے معنیٰ نصرت و مدد کے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہے۔ یعنی موسیٰ نے کہا کہ میرے رب کی نصرت و عنایت میرے ساتھ ہے۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر سے ڈرانے کا کیا سوال؟ سو جب پیغمبر اور حضرتِ موسیٰ جیسے اولوا العزم اور جلیل القدر پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت و مدد کے محتاج و منتظر ہیں اور اسی پر آسرا و تکیہ رکھتے ہیں وہ بھی کسی حاجت روائی و مشکل کشائی کا دم نہیں بھر سکتے جبکہ آپ زندہ و سلامت موجود تھے۔ تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو دوسروں کا حاجت روا و مشکل کشا ہو سکے۔ اور وہ بھی مرنے اور اپنی قبر میں چلے جانے کے بعد؟ تو پھر کس قدر گمراہ اور کتنے بہکے بھٹکے اور راہِ حق سے پھرے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اوروں کو اپنا حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر ان کو بلاتے پکارتے ہیں۔ اور وہ بھی انکے مر چکنے کے بعد اور ان کے قبروں میں چلے جانے کے صدیوں بعد؟ - والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۹ نجات دہندہ سب کا اللہ ہی ہے:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حاجت روا و مشکل کشا اور سب کے نجات دہندہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے بچا لیا موسیٰ کو بھی اور ان سب کو بھی جو انکے ساتھ تھے کہ نجات دہندہ اور سب کے حاجت روا و مشکل کشا ہم ہی ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ بچانا اور نجات دینا صرف اور صرف اللہ پاک کا کام اور اسی کی صفت و شان ہے۔ نہ کہ کسی مخلوق کی۔ حضراتِ انبیاء و رسل کی پاکیزہ اور مقدس ہستیاں بھی اسی کی محتاج ہیں اور جب انبیاء و رسل اور موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اسی نجات دہندہ کے محتاج و منتظر ہیں تو پھر اور کون ہے جو دوسروں کا حاجت روا و مشکل کشا ہو سکے؟ - اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَدۡنَاسِ الشِّرۡكِ وَالۡاَوۡهَامِ - سو حاجت روا و مشکل کشا سب کے یہاں تک کہ حضراتِ انبیائے کرام کے بھی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہیں۔ پس بڑے گمراہ اور بڑے اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا مختلف فانی ہستیوں کو حاجت روا و مشکل کشا قرار دیکر پوجتے پکارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو شرک کے شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر ہی چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ

الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

دوسروں کو، بے شک اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ف۴۰ مگر اکثر لوگ (پھر بھی)

مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾ وَاتْلُ

ماننے والے نہیں، (اس کے باوجود ان لوگوں کو یہ مہلت؟) واقعی تمہارا رب بڑا ہی زبردست (ہونے کے ساتھ ساتھ) انتہائی مہربان

عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾

بھی ہے ف۴۱ اور ان کو ابراہیم کا (حکمتوں وعبرتوں بھرا) قصہ بھی سنادو، (خاص کر اس وقت کا کہ) جب ف۴۲ انہوں نے کہا اپنے باپ سے، اور

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ

اپنی قوم سے، کہ کیا ہیں یہ چیزیں جن کی پوجا تم لوگ کر رہے ہو؟ کہنے لگے ہم پوجا کرتے ہیں (اپنی پسند کے) کچھ بتوں کی، پھر ہم

یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾

انہی کے مجاور بنے رہتے ہیں ف۴۳ ابراہیم نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ تمہاری پکار کو سن سکتے ہیں جب تم ان کو پکارو؟ یا یہ تمہیں کوئی نفع یا

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا (نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے ہوئے پایا (تو

ف۴۰ نشانِ عبرت کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ہدایت: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک اس میں بڑی بھاری نشانی ہے - اللہ پاک کی قدرت وعنایت کی اور اس بات کی کہ فتح آخر کار حق اور اہلِ حق ہی کی ہوتی ہے - اور حق کا مقابلہ کرنے والوں کا انجام آخر کار تباہی اور ہلاکت ہی ہوتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - مگر ایسے درسہائے عبرت وبصیرت انہی لوگوں کو مل سکتے ہیں جو صحیح طور پر غور وفکر سے کام لیتے ہیں - اور جو ایسا نہیں کرتے وہ اندھے کے اندھے اور اوندھے کے اوندھے ہی رہتے ہیں - ان کو راہِ حق وہدایت سوجھ کے نہیں دیتی - یہاں تک کہ وہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں - والعیاذ باللہ - اور عقل کے ایسے اندھے ایسی بصیرت افروز نشانیوں میں غور وفکر سے کام لینے اور درسِ عبرت حاصل کرنے کی بجائے اپنی من پسند نشانیوں کے مطالبے ہی کرتے رہ جاتے ہیں اور بڑی سے بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود انکو متکبر وہٹ دھرم فرعونیوں کی طرح ایمان لانے کی توفیق نہیں ملتی - یہاں تک کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں - سو عناد وہٹ دھرمی اور غفلت ولاپرواہی محرومیوں کی محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ من الاحوال، وفی کُلّ مَوْطنٍ مِّن المواطن فی الحیاة،

۲۱ رب کی صفت عزت و رحمت کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک تمہارا رب بڑا ہی زبردست انتہائی مہربان ہے۔ اور زبردست اتنا کہ کوئی بھی اس کی گرفت و پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ مگر مہربان اتنا کہ بڑے سے بڑے مجرموں کو بھی مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے۔ اور اس کی رحمت کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے۔ فَلَکَ الْحَمْدُ یَارَبِّیْ کَمَا یَلِیْقُ بِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ۔ سو اسکی قوت و قدرت سب پر فائق اور سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ کہاں فرعون کا وہ طمطراق تھا اور وہ ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی﴾ کے دعوے کرتا اور اپنی خدائی کے نعرے بلند کرتا تھا۔ اور کہاں آج اس کا یہ انجام ہے کہ اسکو کوڑے کرکٹ کی طرح اپنے لاؤ لشکر سمیت غرقِ دریا کر دیا گیا۔ سو یہ اسی قادرِ مطلق و عزیز و قہار کی قدرت و کارستانی کا ایک نمونہ و مظہر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مہربان بھی اتنا بڑا ہے کہ سچی توبہ پر زندگی بھر کے گناہ یکسر معاف فرما دیتا ہے اور ان کو توبہ و رجوع الی اللہ کی مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنے ہولناک انجام سے بچ جائیں۔ بہرکیف یہ اس سرگزشت کے آخر میں ترجیع کی آیتِ کریمہ ہے جس کو اس سورۂ کریمہ میں بار بار دوہرایا گیا۔ سو اس میں بندوں کے لیے یہ درسِ عظیم ہے کہ ان کو اس ربِّ عزیز و قدیر کی گرفت و پکڑ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے کہ اس کی گرفت و پکڑ بڑی ہی سخت ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾۔ نیز اس کی رحمت و عنایت کی امید سے بھی ہمیشہ سرشار رہنا چاہیے کہ اسکی رحمت بڑی ہی وسیع ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾۔ اللہ ہمیشہ اپنی رحمت و عنایت کے سائے میں رکھے اور نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۲۲ قصۂ ابراہیم کی تذکیر و یاد دہانی کا حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا "ان کو ابراہیم کا قصہ بھی پڑھ کر سناؤ خاص کر ان کا اس وقت کا حال جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے خطاب کیا"۔ معلوم ہوا کہ اصل کام انبیائے کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ کا ان کی دعوت و تبلیغ کا وہ کام ہوتا ہے جس کیلئے ان کو مبعوث فرمایا جاتا ہے۔ اسی کو یاد رکھنے اور اپنانے کی اصل ضرورت ہوتی ہے نہ کہ یومِ پیدائش اور یومِ وفات منانے کی۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی دنیا کی طرف سے جاری کردہ ان رسموں میں سے کوئی رسم بھی خیر القرون میں نہیں اپنائی گئی۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے ادوارِ مشہود لہا بالخیر میں ایسے جشن منانے کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ کام ان قوموں کا تو ہو سکتا ہے جن کے پاس کوئی پیغام و پروگرام نہ ہو مگر جس قوم کے پاس اسلام جیسا عالمی دین اور جامع نظام اور مقدس تعلیمات اور اصلاحِ احوال کا عظیم الشان پروگرام ہو اس کو ایسے خود ساختہ جشن منانے کی فرصت و فراغت ہی کہاں ہو سکتی ہے؟ اسی لئے قرآنِ حکیم میں کسی بھی پیغمبر کی پیدائش اور اس کے بچپن کے حالات کا تذکرہ نہیں فرمایا گیا سوائے حضرتِ عیسیٰ اور یحییٰ کے کہ ان دونوں کی پیدائش معجزانہ طور پر اور عام حالات کیخلاف ہوئی تھی۔ اس لئے ان دونوں حضرات کے سوا کسی بھی پیغمبر کی میلاد اور پیدائش کا ذکر قرآنِ حکیم میں نہیں فرمایا گیا۔ اسی طرح حضرتِ آدم کی پیدائش کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ باقی جتنے بھی انبیائے کرام عام ضابطہ و قانون کے مطابق پیدا ہوئے ان میں سے کسی کی بھی میلاد

وغیرہ کا قرآنِ حکیم میں کہیں کوئی ذکر و تذکرہ نہیں ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کی تاریخ بھی میلادی نہیں، ہجری ہے۔ جو حضرتِ عمر۔ رضی اللہ عنہ۔ کے عہدِ خلافت میں صحابہ کرام کے مشورے اور ان کے اِجماع و اِتفاق سے مقرر فرمائی گئی تھی۔ اور اس طرح اگر پیدائش و وفات کے دن منانے لگ جائیں تو کم و بیش سوالاکھ انبیائے کرام، پھر اتنے ہی صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے بے شمار بزرگان دین اور محسنانِ ملت کے دن منانے پر ایک ایک منٹ میں کئی کئی جشن منانے کی ضرورت ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی اس کا کوئی قائل ہو سکتا ہے۔ اور جشن تو درکنار یہاں قصہ یہ ہے کہ معدودے چند انبیائے کرام کے سوا باقیوں کی زندگیوں اور ان کی قبروں کے بارے میں بھی کوئی اتہ پتہ نہیں۔ ہم ان پر محض اِجمالی ایمان رکھتے ہیں کہ جتنے بھی انبیاء و رسل اللہ پاک نے مبعوث فرمائے وہ سب سچے اور برحق تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام میں سے بھی ایک تھوڑی سی تعداد کے سوا باقیوں کی قبروں تک کا کوئی پتہ نہیں کیونکہ شخصیات تو بہر حال فانی ہوتی ہیں۔ اصل اور باقی رہنے والی چیز تو حق اور صرف حق ہے۔ لہٰذا اسی کے اِحیاء اور بقا اور تبلیغ و اشاعت کی کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ فانی شخصیات کے دن منانے کی۔ لیکن آج امتِ مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ ہے جو دینِ حنیف کی اصل اور حقیقی تعلیمات سے غافل ہو کر ایسی ایسی خرافات میں لگ گیا کہ جن کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ وجود۔ اور دین کے اصل تقاضوں کی اس کو کوئی پرواہ نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۴۳ مشرکوں کا حضرتِ ابرہیم کو مشرکانہ جواب:۔ یعنی وہ لوگ تیوری چڑھا کر بولے کہ تم ہمارے بتوں کا نام اس توہین آمیز طریقے سے لیتے ہو۔ ہم تو اپنی پسند کے ان ٹھاکروں کی پوجا پاٹ کرتے اور ان کے حضور آسن مارے بیٹھے رہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج کل کے کلمہ گو قبر پرستوں کو ان کی اس قبر پرستی اور شرک پر اگر ٹوکا جائے تو وہ سیخ پا ہو کر واہی تباہی بکنے اور اہلِ حق کے خلاف طرح طرح کے جھوٹ گھڑنے لگتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو قومِ ابراہیم کے ان مشرکوں اور بت پرستوں نے حضرتِ ابراہیم کو اپنی حمیتِ جاہلیت کے جوش اور غرور میں ڈوبا ہوا یہ مشرکانہ جواب دیا کہ یہ بت تو ہمارے اپنے خود ساختہ اور محبوب بت ہیں جن کو ہم پوجتے ہیں اور تمہارے علی الرغم پوجتے رہیں گے۔ تم خواہ کتنا ہی زور لگالو ان کو بہر حال کبھی اور کسی قیمت پر چھوڑنے والے نہیں۔ سو جاہلیتِ اولیٰ کے یہ مظاہر آج بھی برابر موجود ہیں اور آج تو ان کی حفاظت آرٹ اور فنونِ لطیفہ جیسے دلربا اور خوشنما ناموں سے کی جاتی ہے اور اسکو تہذیب کا تقاضا قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آج کل اسکی تازہ مثال افغانستان میں قائم طالبان کی اسلامی حکومت کی بت شکنی کی شاندار روایت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے کہ انہوں نے بامیان میں موجود صدیوں پرانے اور دیوہیکل بت کو پاش پاش کر کے اپنی جس غیرتِ ایمانی، قوتِ ایقانی اور دینِ حق سے سچی لگن اور دلی وابستگی کا ثبوت دیا اس پر پوری دنیائے کفر کے ساتھ ساتھ کئی اسلامی ملکوں میں بھی ایک ہنگامہ اور شور بپا ہے کہ انہوں نے اس قدیم بت کو پاش پاش کر کے تہذیب و ثقافت کے ایک بڑے نشان کو مٹا دیا وغیرہ وغیرہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق و صواب پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم امین یارب العالمین

اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۵﴾ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمُ

ہم بھی اسی راہ پر چل پڑے) ۴۴؎ اس پر ابراہیم نے فرمایا کیا تم لوگوں نے کبھی (آنکھیں کھول کر) ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی پوجا تم

الۡاَقۡدَمُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّہُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۷﴾

لوگ کئے جا رہے ہو؟ تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی؟ سو یہ سب قطعی طور پر دشمن ہیں میرے سوائے اس رب العٰلمین کے،

الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَہُوَ یَہۡدِیۡنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیۡ ہُوَ یُطۡعِمُنِیۡ وَ

جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری راہنمائی فرماتا ہے، جو مجھے کھلاتا اور

یَسۡقِیۡنِ ﴿۷۹﴾ وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَہُوَ یَشۡفِیۡنِ ﴿۸۰﴾ وَ الَّذِیۡ

پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے، جو

یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ

مجھے موت دے گا پھر وہی مجھے زندہ کرے گا ۴۵؎ اور جس سے میں یہ امید رکھتا ہوں ۴۶؎ کہ وہ معاف فرما دے گا

۴۴ باپ دادا کی اندھی تقلید کا قدیم مرض: - سو حضرت ابراہیم کے سوال کے جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا۔ اس لیے ہم بھی ایسے ہی کیے جا رہے ہیں۔ یعنی ہم تو لکیر کے فقیر ہیں اور بس۔ اپنے بڑے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ جہاں انہوں نے کبھی کوئی مکھی ماری تھی ہم بھی وہاں پر مکھی مارے چلے جا رہے ہیں۔ عقل و خرد کو اس میں دخل دینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یعنی بڑوں کی وہی اندھی تقلید جس میں آج کا کلمہ گو مشرک بھی گرفتار اور پوری اور بری طرح گرفتار ہے اور پوچھنے پر اس کا جواب بھی یہی ہوتا ہے کہ بڑوں نے ایسے کیا تھا اور بس - والعیاذ باللہ العظیم - سو کل کے ان کھلے مشرکوں کا کہنا اور ماننا بھی یہی کچھ تھا کہ ہمارے بڑے اور باپ دادا ایسے کرتے چلے آئے۔ لہٰذا ہم بھی ایسے ہی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے کہ یہ ہماری تہذیب و ثقافت اور قدیم روایت اور ماضی کا ورثہ ہے۔ اور آج کا جاہل مسلمان اور کلمہ گو مشرک بھی یہی کچھ کہتا ہے۔ اور اسی بنا پر وہ طرح طرح کی خرافات بلکہ شرکیات تک کو گلے لگائے ہوئے ہے۔ اور اس کو اسکی کوئی پرواہ تک نہیں کہ اس کا دین کیا کہتا ہے اور یہ لوگ کیا کر رہے ہیں - حق و ہدایت کے تقاضے کیا ہیں اور اور ان کے چلتن اور کرتوت کیا؟ والعیاذ باللہ العظیم -

۴۵ بعض اہم صفات باری کا ذکر و بیان: - سو اس سے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی بعض اہم صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے - سو حضرتِ ابراہیم نے ان لوگوں اور ان کے شرک اور شرکاء سے اظہار بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے اپنے

خالق و مالک کی بعض ایسی اہم صفات کا ذکر فرمایا جو سب دنیا کے سامنے موجود ہیں مگر دنیا توجہ نہیں کرتی۔ سو حضرتِ ابراہیم نے ان کو ذکر کر کے مشرکوں کے شرک کی جڑ نکال دی اور ان کے سامنے ضمیروں کو جھنجھوڑنے والا یہ سوال رکھ دیا کہ جب ان صفات میں سے کسی میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کس طرح ہوسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان صفات میں سے کسی صفت کو بھی مخلوق میں سے کسی کے لئے ماننا شرک ہے مگر افسوس صد افسوس کہ آج جہالت کے مارے کتنے ہی نام نہاد مسلمان ایسے ہیں جو ایسی شرکیات میں طرح طرح سے مبتلا ہیں۔ کوئی کسی قبر سے امید لگائے بیٹھا ہے اور کوئی کسی اور شئی سے۔ کوئی کسی آستانے پر سرِ نیاز جھکاتا ہے کوئی کسی اور پر۔ غیر اللہ کے نام کی نذریں مانی جارہی ہیں۔ نیازیں دی جارہی ہیں۔ چڑھاوے چڑھائے جارہے ہیں۔ مرادیں مانگی جا رہی ہیں۔ اور ''شیئاً للہ یا شیخ عبد القادر جیلانی'' جیسے وظیفے پڑھے جارہے ہیں۔ ان کے نام کے نعرے لگائے جا رہے ہیں اور طواف تک کئے جارہے ہیں۔ اور مارنے جلانے کے اختیار تک ان میں مانے جارہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور ظالموں نے یہاں تک مان رکھا ہے کہ حضرتِ شیخ جیلانیؒ نے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے بیڑے کو نکال کر باہر کیا تھا۔ اور اہلِ بدعت کے ایک بڑے نے تو اس جھوٹے اور من گھڑت قصے کو تفسیرِ قرآن کے نام سے قرآنِ حکیم کے حواشی میں لکھ دیا ہے۔ سو اس سے بڑی تحریف اور کیا ہوگی؟ ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۰۱ قیامت کے یومِ حساب کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سو حضرتِ ابراہیم نے قیامت کے یومِ حساب کی تذکیر و یاددہانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اور جس سے میں طمع رکھتا ہوں کہ وہ معاف فرما دیگا میری خطاؤں کو قیامت کے دن''۔ پیغمبرانہ شانِ ادب و تواضع ملاحظہ ہو کہ ذرہ برابر اور دور دور تک کہیں اپنی کسی بڑائی کا کوئی واہمہ و شائبہ تک نہیں۔ بلکہ اللہ رب العلمین کی بارگہِ صمدیت میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اپنی طمع و امید کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور ﴿خطیئہ﴾ سے مراد حقیقتاً گناہ نہیں کہ انبیا تو معصوم ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ خلافِ اولیٰ قسم کے امور ہیں جن کو وہ اپنی شانِ رفیع کے مقابلے میں ''خطیئہ'' اور گناہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ''۔ کہ نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کی برائیاں سمجھی جاتی ہیں کہ ان کی شان بڑی اور بلند ہوتی ہے۔ سو حضرتِ ابراہیم نے اپنی طرف سے صادر ہونے والی خلاف اولیٰ قسم کی چیزوں کو خطا قرار دیا۔ (المراغی وغیرہ) ۔ یہاں پر حضرتِ ابراہیم نے آخرت کے اس یومِ جزا کے ظہور کی خبر دیے بغیر اپنی خطاؤں کی بخشش کی طمع اور امید کا ذکر و اظہار فرمایا۔ جس میں یہ درس ہے کہ آخرت کے اس یومِ جزاء کا پیش آنا تو ایک قطعی اور بدیہی حقیقت ہے جسکو اپنے پیشِ نظر رکھ کر اپنے رب کی مغفرت و بخشش کی توقع اور امید رکھنی چاہیے۔ اور اس سے اسکی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ گناہوں کی بخشش اسکے سوا اور کوئی نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ۔ الآیۃ (آلِ عمران: ۱۳۵)۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید،

خَطِيٓـَٔتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِىْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِىْ

میری خطاؤں کو بدلے کے دن، (پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور میں اس طرح دعا میں لگ گئے کہ) میرے رب مجھے حکم عطا فرما ۴۷

بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّىْ لِسَانَ صِدْقٍ فِى

اور مجھے ملا دے (اپنے قرب خاص کے) سزاواروں کے ساتھ، اور نواز دے مجھے سچی ناموری سے

الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿٨٥﴾

پچھلوں میں، ۴۸ اور شامل فرما دے مجھے اس نعمتوں بھری جنت کے وارثوں میں، ۴۹

۴۷ قوتِ فیصلہ سے سرفرازی کی دعاء ودرخواست: سو اس سے حضرت ابراہیم کی اپنے رب سے قوتِ فیصلہ سے سرفرازی کی دعا ودرخواست کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو حضرتِ ابراہیم نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ "اے میرے رب مجھے حکم یعنی قوتِ فیصلہ سے سرفراز فرما دے"۔ یعنی علم وحکمت میں زیادتی اور ترقی واضافہ اور قوت فیصلہ۔ تاکہ حق وباطل اور صحیح وغلط کی تمیز میں کبھی کوئی کنجلک پیش نہ آئے۔ اور تاکہ اس طرح میں معرفت وبندگی میں کمال کو پہنچ سکوں۔ (المراغی، الصفوۃ وغیرہ)۔ اور اسکے نتیجے میں مجھے ہر فیصلہ کن موڑ پر صحیح فیصلہ کرنے اور صحیح سمت میں قدم اٹھانے کی توفیق نصیب ہو جائے۔ اور میں نے چونکہ تیری رضا وخوشنودی کی خاطر اپنی قوم اور قبیلے وغیرہ سب کو چھوڑ دیا ہے اور ان سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور ان سے اعلانِ براءت کر لی ہے اس لیے تو اپنی شانِ کرم سے مجھے ان بروں کی جگہ اچھوں کی معیت و رفاقت نصیب فرما۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور مجھے اپنی خاص توفیق وعنایت سے ایسے اعمال واخلاق کی توفیق و سعادت نصیب فرما جنکی بناء پر ایسے نیک اور صالح لوگوں کے ساتھ اور ان سے منسلک رہوں۔

۴۸ سچی ناموری سے سرفرازی کی دعاء ودرخواست اور اسکی بے مثال قبولیت: سو حضرتِ ابراہیم نے اپنے رب سے اپنی دعا ودرخواست کے ضمن میں مزید عرض کیا اور مجھے سچی ناموری عطا فرما پچھلوں میں۔ یعنی ایسے کمالِ علم وعمل سے سرفراز فرما جس کی بنا پر پچھلے میری اتباع وپیروی کریں۔ اور اس طرح میرے درجات ومراتب میں ترقی اور اضافہ ہوتا جائے۔ سو اللہ پاک نے اپنے خلیل کی اس دعا کو ایسے امتیازی طور پر شرفِ قبولیت عطا فرمایا جسکی پوری تاریخ انسانیت میں دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور آپ کو اس لسانِ صدق۔ سچی ناموری۔ سے نوازا گیا جس سے نہ کسی کو اس سے پہلے نوازا گیا نہ اس کے بعد۔ یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ عرب تک سب ہی ابراہیمی ہونے کے دعویدار ہیں اور ان سے انتساب کو اپنے لئے ذریعہ فخر ونجات سمجھتے ہیں۔ اور خود کو ابراہیمی کہلاتے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کے دین ومذہب کی اساس وبنیاد ہی ملتِ ابراہیمی پر ہے۔ اور امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو صاف وصریح طور پر ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾۔ (النحل: ۱۲۳)۔ اور خود آنحضرت

-صلی اللہ علیہ وسلم- نے اپنے آپ کو فخریہ طور پر دعائے ابراہیمی کا ثمرہ قرار دیا۔ اور ہر مسلمان اپنی دن رات کی ہر نماز میں درودِ ابراہیمی جو کہ سب سے افضل و اعلیٰ درود ہے کی صورت میں کتنی ہی بار حضرتِ ابراہیم اور آلِ ابراہیم کا نام لیتا ہے اور ان کیلئے دعاء کرتا ہے۔ اور نماز جیسی مقدس عبادت کے اندر یہ دعا کرتا ہے۔ پھر آپ کے تعمیر کردہ بیت اللہ کی زیارت اور اس کے طواف کے علاوہ دیگر مناسکِ حج کی ادائیگی کے ضمن میں آپ کی جن یادگاروں کو ملحوظ رکھا گیا ہے ان کے کہنے ہی کیا۔ اور اس طرح جو اجر و ثواب حضرتِ ابراہیم کو ملتا ہے اور لگاتار ملتا جا رہا ہے اس کا اندازہ ہی کون کر سکتا ہے سوائے حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کے۔ پھر قرآنِ حکیم میں آپ کا ذکر جگہ جگہ اور طرح طرح سے فرمایا گیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ﴿اذکر﴾ جیسے صاف و صریح اوامر اور ارشادات کے ذریعے حضرتِ امام الانبیاء ﷺ -کو اور آپ کے توسط سے آپکی امت کے ہر داعی اور ہر فرد کو حضرتِ ابراہیم کے تذکرے اور ذکرِ خیر کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ سو اس طرح دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ اور لحظہ ایسا نہیں گزرتا کہ پورے کرۂ ارض پر حضرتِ ابراہیم کا ذکرِ خیر کسی نہ کسی شکل میں نہ ہو رہا ہو۔ تو کیا اس ذکرِ خیر اور لسانِ صدق کی کوئی اور مثال کہیں پائی جاتی ہے؟ یا پائی جانی ممکن بھی ہو سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں- سبحان اللہ- کیا کہنے حضرتِ حق کی شانِ نوازش و عطا کے؟ -اللہ ہمیں بھی محض اپنے فضل و کرم اور اپنی خاص عنایت سے نوازدے- اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۷۹ جنت کے وارثوں میں شمولیت کی دعاء و درخواست:- سو حضرت ابراہیم نے اپنے رب کے حضور اپنی دعا میں مزید عرض کیا اور شامل فرما دے مجھے نعمتوں بھری جنت کے وارثوں میں۔ ''وراثت'' کے لفظ سے تعبیر بھی اپنے اندر بڑے وسیع مفاہیم رکھتی ہے۔ مثلاً یہ کہ وہاں سدا رہنا نصیب ہوگا کہ وراثت کی ملکیت قطعی اور دائمی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہاں سے نکالے جانے کا کوئی خوف و خطرہ نہ ہوگا۔ نیز وراثت اپنے کسی عمل کے بدلے میں نہیں ملا کرتی اسی طرح جنت بھی اپنے عمل کے بل بوتے پر نہیں بلکہ محض اللہ پاک کے فضل و کرم سے ملے گی۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ ہم اگر ساری زندگی بھی نیک عمل کریں اور مسلسل نیکیاں ہی کرتے اور کماتے رہیں تو اس سے ہم اللہ پاک کی ان بے شمار اور بے حد و حساب نعمتوں میں سے بھی کسی کا حقِ شکر نہیں ادا کر سکتے جو اس دنیا میں ہمیں میسر ہیں۔ تو پھر جنت کے کہنے ہی کیا۔ سو جنت محض اس واہبِ مطلق کا کرم و احسان ہوگا جس سے وہ اپنے بندوں کو نوازے گا۔ اسی طرح اس لفظ میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ مومن کو کفار کے بدلے میں جنت کی یہ نعمتیں ملتی جائیں گی اور وہ اس کی جگہ جہنم کی آگ میں جلتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس احساس و ادارک کے بعد جنت کی ان نعمتوں کا لطف اور بھی دوبالا ہو جائے گا- فَشَرِّفْنَا بِهَا يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ وَاِحْسَانِكَ- نیز یہ کہ جنت انسانوں کے جدِّ امجد حضرتِ آدم کی جگہ تھی جواب انکی اولاد کو انکے ایمان اور اعمال کی بناء پر ملے گی۔ اور وہ اپنے باپ کی میراث سے بھی مشرف ہو جائیں گے۔ والحمدُ للہ ربِّ العالمین

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ

اور بخشش فرمادے میرے باپ کی کہ بے شک وہ (بڑے بھٹکے ہوئے اور) گمراہ لوگوں میں سے تھا ۵۰ اور مجھے رسوا نہیں کرنا (اس دن)

یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا

جس دن کہ لوگوں کو (زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا، جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا نہ اولاد، سوائے

مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

اس کے جو حاضر ہوا اللہ کی بارگاہ (اقدس) میں سلامتی والے دل کے ساتھ ۵۱ اور قریب کر دیا جائے گا (اس روز) جنت کو

لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِیْلَ لَهُمْ

پرہیزگاروں کے لئے ۵۲ اور ظاہر کر دیا جائے گا دوزخ کو بھٹکے ہوئے لوگوں کے لئے ۵۳ اور کہا جائے گا (اس روز) ان سے

۵۰ حضرتِ ابراہیم کی اپنے باپ کی بخشش کے لیے دعاء: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "حضرتِ ابراہیم نے اپنی دعا کے دوران اپنے رب سے مزید عرض کیا" "اور بخشش فرمادے میرے باپ کی کہ بیشک وہ گمراہوں میں سے تھا"۔ یہ دعا حضرتِ ابراہیم نے اس وقت کی تھی جب کہ آپ کو اپنے والد کے ہدایت پانے کی امید تھی۔ ورنہ بعد میں جب آپؑ کو یقین ہو گیا کہ وہ ایمان لانے والا نہیں تو آپ نے اس سے اعلانِ بیزاری فرما دیا تھا۔ جیسا کہ دوسری جگہ اس کی تصریح موجود ہے۔ ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾۔ (التوبۃ: ۱۱۴) سو حضرتِ ابراہیم نے نہایت دلسوزی کے ساتھ اپنے باپ کیلئے دعا کر کے اس کا حق وفا ادا کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون چونکہ بے لاگ اور سب کیلئے یکساں ہے اس لیے حضرتِ ابراہیم کی اس دعا کو قبول نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ حضرتِ ابراہیمؑ کو اس سے منع فرما دیا گیا۔ اور حضرتِ ابراہیمؑ نے خود بھی اس سے اعلانِ براءت کر دیا۔ جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیتِ کریمہ میں تصریح فرمائی گئی۔ سو اس سے ایک بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ حضرتِ ابراہیم کا باپ کافر اور مشرک تھا۔ اور وہ کفر و شرک ہی پر مرا۔ اس لیے وہ دوزخ کے دائمی عذاب کا مستحق ہوا۔ پس کفر و شرک پر مرنے والوں کے لیے نجات اور دوزخ کے عذاب سے رہائی ممکن نہیں۔ خواہ وہ حضرتِ ابراہیم۔ علیہ السلام۔ جیسی عظیم الشان اور جلیل القدر ہستی کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسری بات اس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ دین و ایمان کا رشتہ سب سے بڑا اور سب سے مقدم اور فائق رشتہ ہے۔ اسی لیے حضرتِ ابراہیم کے سامنے جب یہ امر واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے صاف اور صریح طور پر اس سے اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان فرما دیا۔ جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۴ میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور تیسری بات اس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ماننا ہے۔ ورنہ ابوالانبیاء حضرتِ ابراہیم کا حقیقی باپ اس طرح دوزخ میں نہ جاتا۔ سو ہدایت و غوایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور اختیارِ کلی اسی وحدہٗ لاشریک کی صفت و شان ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسے ہر شائبے سے پاک ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم

۵۱ قلبِ سلیم سے مراد؟ اور اسکی عظمت و اہمیت: -یعنی جو سلامتی والا ہو کفر و شرک سے، زیغ و ضلال سے، الحاد و

انحراف سے اور شک وارتیاب سے۔ اور بدعت ومعصیت کی ظلمت سے۔ (ابن کثیر، مدارک، معالم، خازن اور صفوۃ وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز کسی کو نہ اس کا مال و دولت کچھ کام آسکے گا اور نہ ہی اسکی اولاد۔ صرف وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں باریاب، ہوسکیں گے جو قلبِ سلیم کے ساتھ حاضر ہونگے۔ اسکے بغیر اگر کسی کو اسکی اولاد کچھ نفع پہنچا سکتی تو ابراہیم کا باپ آزر دوزخ میں نہ جاتا۔ اور جب ابراہیم جیسا بے مثال بیٹا بھی اپنے باپ کے کچھ کام نہ آسکا تو پھر اور کون کام آسکتا ہے؟۔ سو جب تک اپنا ایمان وعقیدہ صحیح نہ ہو تو اس روز کسی کا کوئی رشتہ وقرابت کچھ کام نہیں آسکے گا۔ پس غلط کہتے اور سمجھتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم چونکہ ''صاحبزادے'' اور ''سیدزادے'' ہیں۔ اور فلاں ہستی کی آل اور اولاد ہیں۔ لہٰذا ہمیں کچھ پرواہ نہیں جو چاہیں کریں۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور جب امام الانبیاء حضرت محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اپنی لختِ جگر حضرتِ فاطمہ الزہراء سے صاف اور صریح طور پر فرماتے ہیں کہ تم دنیاوی مال و دولت سے جو چاہو مجھ سے مانگ لو لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جس کے بارے میں اس طرح کا عقیدہ قائم کیا جاسکے؟۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر قائم رکھے۔ آمین

۵۲ متقی اور پرہیزگار لوگوں کیلئے اِنعام واِکرام کا ذکر: ۔ سو متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے اللہ کی طرف سے تکریم وتشریف کے طور پر جنت کو ان کے قریب کر دیا جائے گا۔ سبحان اللہ۔ اکرم الاکرمین کا اکرام واعزاز ملاحظہ ہو کہ خود جنت کو اہلِ جنت کے قریب کر دیا جائے گا۔ ورنہ اس دنیائے دوں میں تو یہی ہوتا ہے کہ مہمان خود چل کر مہمان خانے میں جاتا ہے۔ ''اِزلاف'' کے معنیٰ قریب لانے اور نزدیک کرنے کے ہیں۔ سو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے متقی اور پرہیزگار لوگوں کیلئے خاص تکریم وتشریف ہے کہ جنت کو ان کے سامنے ایک پیشکش کے طور پر پیش کیا جائے گا اور دنیا میں ان حضرات نے نیکی کی جو کمائی کی تھی اسکے صلے میں جنت کو ان کے لیے پہلے ہی سے آراستہ وپیراستہ کرلیا ہوگا۔ اللہ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جنت کو اس روز متقی لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا۔ اس کے لیے ان کو وہاں پر کوئی سفر نہیں کرنا پڑے گا۔ اور یہ عنایت متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے ہوگی خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں۔ سو تقوی وپرہیزگاری دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب ویرید۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر ثابت قدم رکھے۔ آمین

۵۳ دوزخیوں کے برے انجام کا ذکر۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ظاہر کر دیا جائے گا اس روز دوزخ کو گمراہوں کیلئے''۔ والعیاذ باللہ۔ معلوم ہوا کہ دوزخ تیار وموجود ہے اور پاس ہی موجود ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ آج اس پر پردہ پڑا ہوا ہے اور اس روز یہ پردہ ہٹا کر اس کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ یعنی یہ برے اعمال خود ہی دوزخ کا عذاب ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو جس طرح جنت متقی اور پرہیزگار لوگوں کیلئے تیار ہے اسی طرح دوزخ بھی گمراہوں کیلئے تیار ہے۔ صرف پردہ ہٹانے کی دیر ہے بس۔ قیامت کے اس ہولناک دن میں جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا دن ہوگا یہ پردہ اس سے ہٹا دیا جائے گا جس سے وہ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ سب کے سامنے موجود ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى﴾۔ (النازعات:۳۶) تب منکروں کو معلوم ہو جائیگا کہ جسکو وہ بعید سمجھ کر اس سے بالکل نچنت اور بے فکر تھے وہ اس طرح تیار اور ان کے اسقدر قریب موجود تھی۔ صرف پردہ اٹھنے کی دیر تھی۔ والعیاذ باللہ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴾۔ (المعارج:۶۔۷)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ

(ان کی حسرت کی آگ کو اور بھڑکانے کے لئے کہ) کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی پوجا تم لوگ (دنیا میں) کیا کرتے تھے؟ ۵۴

اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ ۭ فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ

اللہ کے سوا کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ یا اپنا ہی کوئی بچاؤ کر سکتے ہیں؟ پھر ڈال دیا جائے گا اس (دوزخ) میں اوندھے منہ ان

اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ ۭ قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾

(معبودان باطلہ) کو بھی، اور ان گمراہوں کو بھی ۵۵ اور ابلیس کے لشکروں کو بھی سب کو (یکجا کر کے) وہاں یہ سب آپس میں جھگڑتے

۵۴ **مشرکوں کی تذلیل و توبیخ کا ایک منظر:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اس روز کہا جائیگا ان سے کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم لوگ پوجا کیا کرتے تھے اللہ کے سوا؟'' ۔کیا وہ تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہین یا وہ خود اپنی ہی کوئی مدافعت کر سکتے ہیں ۔اس سے مراد صرف لکڑی پتھر کے بت ہی نہیں جس طرح کہ اہل بدعت نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اس میں ہر وہ معبود باطل داخل ہے جس کی دنیا میں پوجا کی گئی ہو۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کے مصنوعی اور بے جان بت ہوں یا انسانوں وغیرہ کی شکل میں وہ ہستیاں جن کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجا گیا ہو۔ اس امید پر کہ کل یہ ہستیاں ہمارا کام بنا دیں گی۔ کیونکہ ایک تو کلمہ ﴿ مـا ﴾ عام ہے۔ جو تمام معبودانِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کو شامل ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کسی بھی نام و شکل کے ہوں۔ اور دوسرے اس لئے کہ من دون اللہ ۔اللہ کے سوا۔ کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اور تیسرا اس لئے کہ آگے آنے والا ﴿اَلْمُجْرِمُوْنَ ﴾ کا لفظ بھی اسی پر دال ہے۔ اس لئے اس کا اصل مصداق وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اپنے ارادہ و اختیار سے جرم کر اور کر سکتے ہوں۔ نہ کہ لکڑی پتھر کے وہ بے جان بت جو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ اللہ کے جن بندوں کی پوجا ان کی مرضی کے خلاف ہوئی ہوگی وہ یقیناً اس انجام سے مستثنیٰ اور بری ہیں۔ کہ ان کا تو اس شرک میں کوئی قصور نہیں جو بعد کے لوگوں نے ان کے نام سے کیا۔ جیسے حضرت عیسیٰ و عزیر ۔علیہما السلام ۔اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے بزرگانِ دین کہ ان کا اس شرک سے کوئی تعلق نہیں جو ان کی وفات کے بعد ان کے نام پر کیا گیا کہ وہ ایسی شرکیات سے قطعی بری اور بے قصور ہیں کہ وہ تو زندگی بھر اسی معبودِ برحق کی عبادت و بندگی کرتے رہے اور اسی کی عبادت و بندگی کی دعوت دوسروں کو دیتے رہے جو کہ ایک ہی معبود ہے۔ اور وہ اپنے قول و فعل اور ہر امکانی طریقے سے توحید خداوندی ہی کی دعوت دیتے اور تبلیغ فرماتے رہے۔ اس لئے ان کا معاملہ تو الگ ہے۔ جیسا کہ خود قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾ ۔ (الانبیاء: ۱۰۱) مگر جن لوگوں نے اپنے پیروؤں، چیلوں، چانٹوں اور معتقدوں سے خود اپنی پوجا پاٹ کرائی ہوگی ان کے سامنے ان کے مریدوں اور چیلوں نے ان کو سجدے کئے ہوں گے۔ ان کے آگے جھک جھک کر رکوع کئے ہوں گے اور انہوں نے اس پر اپنی رضا اور خوشی کا اظہار کیا ہوگا۔ نہ ان کو روکا ٹوکا اور نہ منع کیا ہوگا تو ان کا انجام بہر حال یہی ہوگا جو یہاں پر اس آیت کریمہ میں

بیان فرمایا جا رہا ہے۔ اور ان کے چیلے چانٹوں اور پیروؤں معتقدوں کے سامنے جب مشاہدہ وظہور کے اس جہاں میں حقیقت حال پوری طرح کھل کر واضح ہو جائے گی اور ان کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمیں اپنے بڑوں نے کہاں پہنچا دیا اور یہ خود کس انجام سے دوچار ہوئے ہیں؟ تو یہی پیرو اور معتقدان کو مجرم ٹھہرائیں گے اور ان پر لعنت برسائیں گے۔ اور خود اپنی حماقت پر رہ رہ کر افسوس کریں گے مگر اس وقت کے اس پچھتاوے کا نہ کوئی فائدہ ہوگا نہ کوئی اثر ونتیجہ۔ سوائے ان کی یاس وحسرت میں اضافے کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ قرآن حکیم میں عالم آخرت کا یہ عبرتناک منظر کئی مقامات پر مختلف انداز میں پیش فرمایا گیا ہے تاکہ اندھی تقلید میں مبتلا لوگوں کی آنکھیں کھل سکیں اور وہ آخرت کے اس ہولناک انجام سے پہلے ہی راہ حق وصواب کو اپنا کر اپنے بخشنے کا سامان کرلیں اور اپنا قبلہ درست کرلیں۔ مثلاً سورۂ اعراف آیت نمبر ۳۸، سورۂ احزاب آیت نمبر ۶۷، ۶۸ اور سورۂ حٰم السجدہ آیت نمبر ۲۹ وغیرہ میں۔ سو اس موقع پر چیلے اپنے بڑوں اور اپنے گرؤوں کے بارے میں صاف اور صریح طور پر اور چیخ اور چلا کر کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے ان بڑوں نے ہمیں گمراہ کیا اور انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے محروم کیا۔ پس تو اے ہمارے مالک ان کو دوہرا عذاب دے۔ ﴿ربنا ھؤلاء اضلونا فآتھم عذابا ضعفا من النار﴾۔ مگر افسوس کہ دنیا کی اکثریت اس کے باوجود قرآن حکیم کی ان نعمتوں بھری تعلیمات سے غافل اور اپنی انہی غلط اور ٹیڑھی راہوں پر چلی جارہی ہے جو ان کو اس ہولناک انجام سے دوچار کرنے والی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ والی اللہ المشتکی وھو المستعان فی کل حین وآن۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۵۵ مشرکوں کے نہایت ہولناک انجام کا ذکر۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا ان کو بھی اور ان گمراہوں کو بھی اور ابلیس کے سب لشکروں کو بھی''۔ کیونکہ یہ سب مجرم تھے۔ پوجا پاٹ کرنے والے بھی اور کرانے والے بھی۔ اس لئے ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور معبودوں کو ان عابدوں سے پہلے اس میں اس لئے ڈالا جائے گا کہ ایک تو وہ ضلال کے ساتھ ساتھ اضلال کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور وہ اس ضلال وفساد کا اصل منبع و مصدر تھے۔ اور دوسرے اس لئے کہ اس طرح عابدوں کی وہ سب آرزوئیں اور تمام امیدیں ختم ہو کر رہ جائیں گی جو انہوں نے اپنے ان خود ساختہ معبودوں سے وابستہ کر رکھی تھیں کہ یہ ہمارے کام آئیں گے۔ سو اس طرح ان کو وہاں دوہرے صدمے سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (المراغی وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ لفظ ''کُبْ'' کے اصل معنی پچھاڑنے اور منہ کے بل گرا دینے کے ہیں۔ اسی سے ''کبکب'' بنا ہے۔ جس میں تکریر اور حروف کی زیادتی سے مبالغہ کے معنی پیدا ہوگئے۔ سو اس تفضیح اور رسوائی کے بعد ان شرک کے پجاریوں کو اور ان کے خود ساختہ معبودان باطلہ اور ان کے لیڈروں پلیڈروں کو ایک دوسرے کے ساتھ دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ جس سے ایک طرف ان کی آتش یاس وحسرت اور تیز ہوگی کہ جن کو ہم لوگ اپنا حاجت روا ومشکل کشا سمجھ کر پوجا پکارا کرتے تھے کہ ایسے مشکل وقت میں وہ ہمیں کام آئیں گے آج ان کو ہم سے بھی پہلے دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ میں ڈال دیا گیا۔ اور دوسری طرف یہ لوگ سب کے سب اکٹھے دوزخ کا ایندھن بن کر ایک دوسرے کی آگ کو بھڑکانے اور مزید تیز کرنے کا ذریعہ بنیں گے کہ دنیا میں یہ سب مل کر کفر وشرک اور ضلال و اضلال کے کاروبار کو چلانے اور پکا کرنے کا ذریعہ بنا کرتے تھے۔ ﴿وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾۔ (الانفال: ۳۷)۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ

ہوئے (حسرت ویاس کے عالم میں) کہہ رہے ہوں گے، اللہ کی قسم ہم سب قطعی طور پر کھلی گمراہی میں پڑے تھے ۵۶ جب کہ ہم تمہیں برابر

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۸﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا

ٹھہراتے تھے رب العالمین کے ساتھ، ۵۷ اور ہمیں گمراہی (کے اس گڑھے) میں نہیں ڈالا مگران بڑے مجرموں نے سو اب

مِنْ شَافِعِیْنَۙ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا

نہ تو کوئی ہمارا سفارشی ہے (کہ ہمیں چھڑا سکے،) اور نہ ہی کوئی مخلص دوست (جو کہ خالی اظہار ہمدردی ہی کر دے،) اب اگر ہمیں ایک

كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةًؕ

مرتبہ پھر (دنیا میں) لوٹ جانے کا موقع مل جائے تو ہم ضرور شامل ہو جائیں ایمانداروں میں، واقعی اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ۵۸

وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ

مگر اکثر لوگ (پھر بھی) ایمان نہیں لاتے، بلاشبہ تمہارا رب ہی ہے جو بڑا زبردست

الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ع كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ۚ اِذْ قَالَ

(ہونے کے ساتھ ساتھ) انتہائی مہربان بھی ہے، نوح کی قوم نے بھی جھٹلایا رسولوں کو، جب کہ ان سے

۵۶ دوزخ میں گرؤوں اور ان کے چیلوں کے باہمی جھگڑے کا ذکر: سو اس سے دوزخ میں بڑے لیڈروں گرؤوں اور ان کے پیرؤوں اور چیلوں کے درمیان باہمی جھگڑے اور تو تکار کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ گمراہوں کے چیلے اس موقع پر قسمیں کھا کر کہیں گے کہ یقیناً ہم کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔ یعنی ایسی گمراہی میں جس کے گمراہی ہونے میں کسی لبس وخفاء اور شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ مگر بے وقت کے اس اعتراف و اقرار سے ان کو وہاں کوئی فائدہ نہ ہوگا سوائے افسوس وصدمے میں اضافے کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف یہ گمراہ اور مشرک پیرو اپنے لیڈروں سے کہیں گے کہ ہمیں تمہاری پیروی میں یہ روز بد دیکھنا پڑا تو کیا تم لوگ آج کے اس مشکل وقت میں ہمارے کچھ کام آسکو گے؟ تو اس پر ان کے وہ لیڈر ان سے کہیں گے کہ ہم تو جیسے خود تھے ایسا ہی تم کو بنایا۔ تم تو خود شامت زدہ تھے جو تم نے ہماری پیروی کی۔ تم ایسا کیوں کرتے تھے۔ سو قصور خود تمہارا اپنا ہے۔ تب پیرو اپنے سر پیٹ کر رہ جائیں گے اور اپنے لیڈروں سے کہیں گے کہ یقیناً ہم کھلی گمراہی میں پڑے تھے جو ہم نے تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہرا رکھا تھا اور تمہارے احکام واوامر کی ہم بلا چوں چرا اسی طرح اطاعت کرتے تھے جیسا کہ رب العالمین کے اوامر وارشادات کی کی جاتی ہے۔ علامہ ابن کثیر۔ ﴿اِذْ نُسَوِّیْكُمْ

بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾- کی تفسیر میں لکھتے ہیں- "ای نجعل امرکم مطاعا کما یطاع امر رب العالمین"- یعنی ہم لوگ تمہارے حکم کی اسی طرح بلاچون وچرا اطاعت کیا کرتے تھے جس طرح کہ رب العالمین کے حکم وارشاد کی اطاعت کی جاتی ہے- سواللہ اوراس کے رسول کے حکم کے خلاف کسی کی اطاعت کرنا دراصل اس کو رب اوررب العالمین کے مساوی قرار دینا ہے (ابن کثیر وغیرہ)- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہ حق پر گامزن رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین

۵۷ پیروؤں کا اپنی گمراہی کا کھلا اور صاف اقرار واعتراف:- سواس سے تصریح فرمادی گئی کہ ایسے پیروکار وہاں پر اپنی گمراہی کا کھلا اقرار واعتراف کریں گے مگر وہ بے سود اور لاحاصل ہوگا- بہرکیف اس سے تصریح فرمادی گئی کہ اس موقع وہ مشرک پیرو کہیں گے کہ ہم کھلی گمراہی میں تھے جبکہ ہم نے تم لوگوں کو رب العالمین کے برابر ٹھہرا رکھا تھا- یعنی اس کے حق عبادت وبندگی میں- سوہم تمہاری اسی طرح تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے جیسے اس معبود برحق کی کی جاتی ہے جو کہ اصل اور حقیقی حقدار ہے ہرقسم کی عبادت کا- یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک- سبحانہ، وتعالیٰ- اور تمہاری اطاعت بھی ہم لوگ بے چون وچرا اسی طرح کیا کرتے تھے جیسا کہ اس وحدہ لاشریک کی کی جاتی ہے- سو یہی مراد ہے رب العالمین کے ساتھ اس تسویہ اور برابری سے- جیسا کہ ابھی اوپر والے حاشیے میں بھی اس بارے قدرے تفصیل سے گزرا- ورنہ وہ لوگ زمین وآسمان کی اس ساری کائنات کا خالق ومالک اور مدبر وکارفرما، روزی رساں اور بارش برسانے والا وغیرہ وغیرہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو جانتے اور مانتے تھے- جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسرے مختلف مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے- سومخلوق میں سے کسی کی ایسی تعظیم وتکریم کرنا جو حضرت حق -جل مجدہٗ- کے ساتھ خاص ہے دراصل اس کو خدا کے ساتھ شریک کرنا اور اسکے برابر ٹھہرانا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- (ابن کثیر، المراغی، الصفوۃ وغیرہ)- سواطاعتِ مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جو کہ معبودِ برحق ہے اوراطاعت وبندگی کی ہرقسم اور ہرشکل کا اصل حق دار وہی وحدہ لاشریک ہے- اوراس کے بعد اطاعت مطلقہ اللہ کے رسول کا حق ہے جن کے پاس اللہ کی وحی آتی ہے اور جن کی صفت وشان قرآنِ حکیم میں مطاع باذن اللہ بیان فرمائی گئی ہے- اس کے سوااطاعتِ مطلقہ کسی کی بھی جائز نہیں- ورنہ ایسا کرنے والا ان کو رب کے برابر قرار دینے کے جرم کا مرتکب قرار پائے گا- اللہ اوراس کے رسول کے بعد ہرکسی کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اللہ اوراسکے رسول کی اطاعت کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کے ماتحت اوراس کے مطابق ہو ورنہ شرک ہوگا- جیسا کہ قاعدۂ کلیہ کے طور پرارشاد فرمایا گیا "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق"، یعنی "کسی مخلوق کے لیے ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں حضرتِ خالق -جل مجدہٗ- کی معصیت اور نافرمانی پائی جاتی ہو- والعیاذ باللہ-

۵۸ نشانِ عبرت میں غور وفکر کی دعوت:- سوارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے- یعنی حضرتِ ابراہیم کی اس سرگزشت اوران کی اپنی قوم کے ساتھ اس مدلل کلام میں بڑی بھاری نشانی ہے جس میں عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں- مثلاً یہ کہ معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے- اس کے ساتھ کوئی بھی اس کا شریک نہیں- اور یہ ایسی ٹھوس اور واضح حقیقت ہے جو عقل ونقل اور فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے- (ابن کثیر، مراغی، صفوۃ وغیرہ)- سواس قصہ میں عقل وفکر کے دریچوں کو وا کرنے والی بڑی بھاری نشانی ہے جو واضح کرتی ہے کہ توحید خداوندی ہی اصل دین ہے جو عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے- اوراس کائنات کی ہر چیز اور خود انسان کا اپنا وجود اسی کی گواہی دیتا ہے- اور یہ کہ شرک کیلئے نہ کوئی دلیل ہے نہ اساس- اور یہ کہ مشرکوں اور منکروں کا انجام بڑا ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے- آمین

لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

ان کے بھائی ۵۹ نوح نے (ان کو جھنجھوڑتے ہوئے) کہا کہ کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ بلاشبہ میں تمہارے لئے (اللہ کا) رسول ہوں

اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ

امانت دار، ۶۰ پس تم لوگ ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو ۶۱ اور میں (تبلیغ حق کے) اس کام پر

۵۹ پیغمبر اپنی قوم اور اپنی امت کا بھائی ہوتا ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''وہ بھی یاد کرو کہ جب قوم نوح سے انکے بھائی نوح نے کہا'' یعنی وہ انکے بھائی تھے قومی اور نسبی اعتبار سے۔ کہ اس اعتبار سے عموماً ہر نبی اپنی قوم کا بھائی ہی ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں جابجا ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ - (الاعراف: ۶۵) - ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ - (الاعراف: ۷۳) - ﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا﴾ - (الاعراف: ۸۵) - ﴿وَاِخْوَانُ لُوْطٍ﴾ - (ق: ۱۳) وغیرہ۔ اور صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا - ''وَدِدْتُ لَوْ اَنَّا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا'' - الی آخر الحدیث - یعنی ''کاش کہ ہم نے اپنے بھائیوں کو دیکھا ہوتا'' یعنی اپنے بعد کے امتیوں کو وغیرہ۔ اور مشکوۃ کی روایت کے مطابق آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا - ''اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ'' - یعنی ''تم لوگ عبادت و بندگی اپنے رب کی کرو اور اپنے بھائی کی - یعنی میری - عزت کرو''۔ اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق - رضی اللہ عنہ - کو فرمایا ''اَنْتَ اَخِیْ فِی اللّٰهِ''۔ ''یعنی آپ میرے دینی بھائی ہیں''۔ اور حضرت عمر فاروق کو فرمایا ''لَا تَنْسَ اَخَاكَ فِیْ دُعَائِكَ'' - ''اپنے بھائی کو یعنی مجھے - اپنی دعا میں فراموش نہیں کرنا''۔ اس کے علاوہ سورۂ حجرات میں ارشاد ہے - ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ اور ظاہر ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - اس میں بطریقِ اولیٰ داخل ہیں کہ اول المومنین اور اکمل المومنین تو آپ ہی ہیں - صلی اللہ علیہ وسلم - لہٰذا برصغیر پاک و ہند کے اہلِ بدعت کا اس لفظ سے بدکنا اور شہید اسلام حضرتِ شاہ اسماعیل شہید - رحمہ اللہ علیہ - پر اس وجہ سے طرح طرح کی بہتان تراشی کرنا ان لوگوں کی اپنی حماقت و جہالت کا ثبوت اور بدنیتی کی دلیل ہے - والعیاذ باللہ - بہر کیف یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ پیغمبر اپنی قوم اور اپنی امت کا بھائی ہوتا ہے۔ جو اس پر ایمان لے آئیں گے وہ تو پیغمبر کے دینی اور ایمانی بھائی ہونگے اور جو ایمان نہیں لاتے وہ قومی اور نسلی اعتبار سے ان کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جو عقل و نقل دونوں کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اور جو لوگ اس سے بدکتے اور چڑتے ہیں وہ اس طرح اپنی جہالت اور حماقت کا ثبوت خود دیتے ہیں - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین - بہر کیف یہاں ارشاد فرمایا گیا کہ قوم نوح نے بھی جھٹلایا رسولوں کو جبکہ ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا کہ تم لوگ ڈرتے نہیں؟ اور راہ حق کو نہیں اپناتے؟ یعنی تمہیں ڈرنا اور راہ حق کو اپنانا چاہیے۔

۶۰ پیغمبر کا سب سے بڑا تعارف اسکی رسالت: - اس لیے حضرتِ نوح نے اپنی قوم سے سب سے پہلے یہی فرمایا کہ ''میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں امانتدار''۔ لہٰذا جو پیغام میں تمہیں دے رہا ہوں اس میں کسی خیانت یا

دھوکے بازی کا کوئی سوال نہیں۔ بلکہ یہ خالص اللہ کا پیغام ہے جس میں تمہارے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ میں اسکو بلا کسی کم وکاست، جوں کا توں تمہیں پہنچا رہا ہوں اور یہی میرا فرضِ منصبی ہے اور بس۔ سو معلوم ہوا کہ داعیٔ حق کی اپنی زندگی مثالی ہونی چاہیئے۔ تاکہ وہ اسے نمونہ کے طور پر دوسروں کے سامنے پیش کر سکے۔ حضراتِ انبیائے کرام -علیہم الصلوٰۃ والسلام- کی مقدس و پاکیزہ زندگیاں دعوتِ حق کے ایسے ہی سچے، پاکیزہ اور سب سے عمدہ نمونے تھے۔ اور خود ہمارے آقا و مولیٰ حضرتِ محمد -صلی اللہ علیہ وسلم- تو مکارمِ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ کبھی ہوئی ہے۔ اور نہ آئندہ کبھی ممکن ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ - کے بدترین دشمن اور کفارِ قریش تک بھی آپ ﷺ - کو صادق و امین کے لقب سے پکارا کرتے تھے -صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ- بہر کیف حضرتِ نوح نے اپنی قوم کے سامنے اپنا یہی تعارف پیش فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ لہٰذا جو پیغام میں تم لوگوں کو پہنچا رہا ہوں یہ میرا نہیں بلکہ اللہ کا پیغام ہے۔ اور اس کو ماننے اور اپنانے میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔ اور اگر تم نے اس سے منہ موڑا تو تم لوگ اپنی ہی ہلاکت و تباہی کا سامان کرو گے -والعیاذ باللہ- سو اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کا اصل حقیقی اور سب سے بڑا تعارف یہی ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور یہی وہ سب سے بڑا شرف و اعزاز ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نوازتا ہے -سبحانہ، وتعالیٰ- جسکے بعد ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہو جاتا ہے۔ والحمدُللہ جَلّ وعلا

۶۱ اصلاح کی اولین اساس تقویٰ و پرہیزگاری: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ تقویٰ و پرہیزگاری اور اطاعت و فرمانبرداری اِصلاحِ احوال کی سب سے اہم اور اولین اساس ہے۔ اسی لیے حضرتِ نوح نے اپنی قوم سے یہ ارشاد فرمایا کہ "پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو"۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک کا تقویٰ اور خوفِ خداوندی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی اور فوز و فلاح کی اصل اساس اور بنیاد ہے۔ اور تقویٰ و خوفِ خداوندی اور اسکی اطاعت و فرمانبرداری پیغمبر کی اطاعت و فرمانبرداری کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے حضرتِ نوح نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ بلکہ پیغمبر کی اطاعت ہی دراصل اللہ کی اطاعت کا معیار و مدار ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا -﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾- (النساء:۸۰) "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی"۔ اسی لئے حضرتِ نوح اپنی قوم کو بتاکید و تکرار اللہ سے ڈرنے کی اور اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی تعلیم و تلقین فرماتے ہیں۔ اور عام طور پر حضراتِ انبیائے کرام -علیہم الصلوٰۃ والسلام- نے اپنی قوموں کو سب سے پہلے اسی بات کی دعوت دی۔ کیونکہ خوفِ خداوندی کے بغیر انسان کے اندر سنجیدگی نہیں پیدا ہوتی۔ اور وہ پیغامِ حق پر کان دھرنے اور اس کو غور سے سننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتا۔ تو پھر اسکو حق و ہدایت کی دولت کیسے اور کیونکر نصیب ہو سکتی ہے؟۔ سو تقویٰ اور خوفِ خداوندی اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعتِ مطلقہ اِصلاحِ احوال کی اصل اساس اور بنیاد ہے- وباللّٰہ التوفیق لمایحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید -

مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا

تم سے کوئی صلہ (وبدلہ) نہیں مانگتا، میرا صلہ (وبدلہ) تو بس رب العالمین ہی کے ذمے ہے، ف۶۲ پس تم لوگ ڈرو

اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

اللہ سے اور میرا کہا مانو (حضرت نوح کی اس حکمت بھری اور پرسوز تقریر کے) جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ کیا ہم

الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

تجھ پر ایمان لے آئیں، جب کہ تیری پیروی ان ہی لوگوں نے اختیار کر رکھی ہے جو کہ سب سے گھٹیا ہیں؟ ف۶۳ نوح نے فرمایا مجھے کیا لگے

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا

کہ (ذاتی طور پر) یہ لوگ کیا کام کرتے ہیں، ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے، کاش کہ تم لوگ سمجھتے، اور میں بہرحال

بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا

اپنے سے دور نہیں کر سکتا ایسے سچے ایمانداروں کو، میں تو صاف طور پر خبردار کرنے والا ہوں اور بس ف۶۴ (آخر اس پر وہ لوگ دھمکی پر

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾

اتر آئے اور) کہنے لگے کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور بالضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے،

۶۲ پیغمبر کی دعوتِ خالص اللہ کے لیے: - اس میں دنیاوی مفاد کا کوئی شائبہ شامل نہیں ہوتا بلکہ وہ خالص اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت نوح نے اپنی قوم سے فرمایا "اور میں تم لوگوں سے اس کام پر کوئی اجر نہیں مانگتا"۔ ﴿مِنْ اَجْرٍ﴾ فرمایا گیا ہے۔ جس میں نکرہ تحت النفی کے عموم کے علاوہ من جارہ کا اضافہ بھی فرما دیا گیا ہے۔ جس سے مزید تعمیم آ گئی۔ کیونکہ عربی میں "رجل" اور "من رجل" کے درمیان معنوی اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ اس لئے اب اس کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ "میں تم سے کسی بھی قسم کا اجر اور کوئی صلہ و معاوضہ اور بدلہ نہیں مانگتا" نہ ووٹ نہ نوٹ۔ نہ صلہ نہ ستائش وغیرہ وغیرہ۔ میں تو بس تمہاری بھلائی و خیرخواہی اور اپنے اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔ اور دعوتِ حق کی دولت اتنی عظیم الشان دولت اور اس قدر بڑی نعمت وسعادت ہے کہ اس کا اجر و صلہ تو بس اللہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہی دے سکتا ہے جس کی عطاء و بخشش لامحدود اور جس کا فضل و کرم بے انتہاء ہے۔ ورنہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اس کا صلہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ جو بھی کچھ دے گا اس کا تعلق اسی دنیائے فانی اور اس کے حطام زائل ہی سے ہوگا اور بس۔ اور یہ دنیا تو بہرحال زائل و فانی اور ایک آنی جانی چیز ہے۔ سو اس میں داعیٔ حق کے لئے ایک بہت بڑا اور بنیادی درس ہے کہ وہ دعوتِ حق پر کسی دنیاوی اجر و صلہ کی کوئی توقع اہل

دنیا سے نہ رکھے۔ بلکہ رب العلمین ہی سے اس کا طالب ہو جو اس کو اس کے وہم وگمان سے بھی کہیں بڑھ کر عطا فرمائے گا۔ اس دنیا میں بھی قلبی راحت وسکون، حقیقی عزت وآبرو اور سچی ناموری اور حیاتِ طیبہ۔ پاکیزہ زندگی۔ کی صورت میں اور آخرت کی اس حقیقی زندگی اور وہاں کے اس ابدی جہان میں بھی حقیقی اور ابدی کامیابی کی صورت میں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے نصیب فرمائے اور ہمیشہ اپنی خاص رحمت وعنایت کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربّ العالمین

۶۳ ابنائے دنیا کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا ایک نمونہ ومظہر: ۔ سو قومِ نوح کے ان متکبر منکروں نے اپنے متکبرانہ انداز میں حضرتِ نوح کی اس مخلصانہ اور پرسوز دعوت کے جواب میں کہا کہ ہم آپ کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ آپ کی پیروی کرنے والے ایسے گھٹیا لوگ ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو ابنائے دنیا کا کل کی طرح آج بھی یہی حال اور یہی شیوہ ہے کہ وہ سعادت وشقاوت کو دنیاوی دولت وثروت کے مادی معیار پر جانچتے پرکھتے ہیں۔ اور محنت وعمل کو وہ باعثِ رذالت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ پاک کے یہاں اس کا مدار ومعیار تقوی وکردار ہے۔ سو اس بارے اس کا اصولی ارشاد اپنی کتابِ حکیم میں اس طرح صاف وصریح طور پر موجود ہے۔ ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ ۔ (الحجرات:۱۳)۔ پس مدار تقوی ہے نہ کہ دنیاوی مال ودولت کہ اس سب کی تو اللہ کے یہاں مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی حیثیت نہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ تو پھر اسکے معیارِ فضیلت قرار پانے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے۔ سو حضرتِ نوح کی دعوتِ حق کے جواب اور اسکی تردید کیلئے قومِ نوح کے ان متمرد اور سرکش لوگوں کے پاس تو کوئی بات نہ تھی اور حق کے مقابلے کیلئے کسی کے پاس کوئی دلیل یا کوئی تردید ممکن ہی کس طرح ہوسکتی ہے۔ تو ان لوگوں نے یہ بات نکالی کہ ہم لوگ جو اعیان واشراف ہیں، ان لوگوں کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے ہیں جو نوح پر ایمان لاتے ہیں کہ یہ اراذل اور گھٹیا لوگ ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ لہٰذا نوح کو اگر ہماری تائید کی ضرورت ہے تو وہ اپنے ان پیروکاروں کو اپنے پاس سے ہٹا دے کہ ان کے ساتھ اور انکے برابر بیٹھنا ہماری توہین ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی طرح کا مطالبہ مشرکینِ مکہ حضرتِ امام الانبیاء۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے کرتے تھے۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے۔ آمین

۶۴ پیغمبر کا اصل کام انذار اور بس: ۔ سو حضرتِ نوح نے ان لوگوں کے اس متکبرانہ مطالبے کو ٹھکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں ایسے ایمانداروں کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا۔ میرا کام تو صرف خبردار کر دینا ہے کھول کر یعنی حق اور حقیقت کو واضح کر کے۔ سو اس سے آنجناب نے واضح فرما دیا کہ دار شرافت تقوی وطہارت اور عمل وکردار ہے نہ کہ دنیاوی مال ودولت اور جاہ ومنصب۔ سو حضرتِ نوح نے اپنے جواب سے اپنی پوزیشن اور اپنے فرضِ منصبی کو بھی واضح فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ شرافت اور رذالت کا مدار انسان کے عمل وکردار پر ہے نہ کہ دنیاوی مال ودولت پر۔ یعنی میرے یہاں تو اصل اعتبار دولتِ ایمان کا ہے اور وہ ان خوش نصیبوں کے پاس موجود ہے جن کو تم لوگ اراذل۔ گھٹیا ترین۔ قرار دیتے ہو۔ لہٰذا میں تو کسی قیمت پر بھی ان کو اپنے سے دور کرنے کو تیار نہیں ہوسکتا۔ رہ گئی بات ان کی نجی زندگی اور انکے شخصی اعمال کی تو میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں کہ اس کا حساب کتاب تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمے ہے جو کہ ظاہر وباطن کی ہر چیز کو ایک برابر جانتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ ان کا ماضی کیا تھا؟ ان کے خاندان کیسے تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس سے مجھے کیا واسطہ؟ ان کے ماضی کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے۔ میرے ساتھ تو ان کا حاضر اور حال ہے جو انکے ایمان وعقیدہ اور عمل وکردار پر مبنی اور اس کا عکاس وآئینہ دار ہے۔ اور کسی کی شرافت اور رذالت کا دار ومدار اسکے عمل وکردار ہی پر ہوتا ہے نہ کہ ان کے نسب اور دنیاوی مال ودولت پر۔ لہٰذا میں انکو نہیں ہٹا سکتا۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِیۡ کَذَّبُوۡنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافۡتَحۡ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَہُمۡ

(آخر کار) ۶۵ نوح نے دعا کی کہ اے میرے رب میری قوم نے مجھے قطعی طور پر جھٹلا دیا پس اب تو فیصلہ فرما دے، میرے اور ان

فَتۡحًا وَّ نَجِّنِیۡ وَ مَنۡ مَّعِیَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنۡجَیۡنٰہُ

لوگوں کے درمیان، کھلا فیصلہ اور نجات دے دے مجھے بھی اور ان ایمان والوں کو بھی جو میرے ساتھ ہیں ۶۶ سو ہم نے (ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے)

وَ مَنۡ مَّعَہٗ فِی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ

نجات دے دی ان کو بھی، اور ان سب لوگوں کو بھی جو ان کے ساتھ تھے اس بھری کشتی میں ۶۷ پھر اس کے بعد ہم نے غرق کر دیا

الۡبٰقِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ

سب باقی رہنے والوں کو، بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ۶۸ مگر اکثر لوگ (پھر بھی)

۶۵ حضرتِ نوح کی دعا اپنے رب کے حضور: - سو آخرکار حضرت نوح نے اپنے رب کے حضور فیصلے کی دعا و درخواست کی۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ ان کی دھمکی پر فوراً ہی حضرتِ نوح نے یہ دعا کر دی۔ جیسا کہ ایجازِ کلام کی وجہ سے بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے۔ بلکہ یہ دراصل صدیوں پر محیط اس طویل قصے کا اجمال و اختصار ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تفصیل وتصریح موجود ہے کہ حضرتِ نوحؑ نے ان کے درمیان ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ حق فرمائی۔ اور ان لوگوں کو ہر طرح سے سمجھایا۔ اس طویل جدوجہد کے بعد جب یہ امر واضح ہو گیا کہ اب یہ لوگ راہِ راست پر آنے والے نہیں اور وحی کے ذریعے آپ کو بتا دیا گیا کہ اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ پس جو ایمان لا چکے وہ لا چکے۔ تب آپؑ نے یہ دعا فرمائی تا کہ جسدِ انسانیت سے یہ عضوِ مسموم ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور اللہ پاک کی زمین ایسی بدبخت اور ناہنجار قوم کے بوجھ سے ہمیشہ کیلئے پاک اور صاف ہو جائے۔ کیونکہ اب ان کے اندر خیر کی کوئی رمق باقی نہیں رہی۔ اور اب ان کے باقی رہنے کی صورت میں مزید فاسق اور بدکار لوگ پیدا ہونگے اور خدا کی دھرتی پر ایسے فسادی عناصر کا مزید بوجھ پڑے گا۔ لہٰذا اب ان کو مٹا دے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ نوح نے عرض کیا کہ ''اے میرے رب اب زمین پر ان کافروں سے کوئی زندہ نہ چھوڑ۔ کیونکہ اب اگر تو نے ان کو زندہ چھوڑ دیا تو ان سے فاجر اور کافر لوگ ہی جنم لیں گے''۔ (نوح: ۲۶-۲۷)۔ والعیاذ باللہ جلّ وعلا۔

۶۶ حضرتِ نوحؑ کی دعا اپنی قوم کے بارے میں: - سو حضرتِ نوح نے اپنی دعا میں اپنے رب کے حضور کہا کہ ''ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا۔ پس تو فیصلہ فرما دے اے میرے مالک میرے اور ان کے درمیان''۔ یعنی عملی طور پر دو ٹوک فیصلہ فرما دے جسکے مطابق یہ لوگ اپنے آخری انجام اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر رہیں۔ ورنہ دلائل کی حد تک فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اور معاملہ روزِ روشن کی طرح پہلے ہی واضح ہو چکا ہے۔ اور نجات دے دے مجھے بھی اور ان ایمان

والوں کو بھی جو میرے ساتھ ہیں۔ سو یہاں سے پھر یہ امر واضح ہو گیا کہ پیغمبر بھی مشکل وقت میں اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ مجبور و بے کس کی پکار کو سننا صرف اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا کام ہے۔ اور مشکل کشا وہی ہو سکتا ہے جو خود مشکل میں نہ پھنسے۔ اور حاجت روا بھی وہی ہو سکتا ہے جو خود ہر حاجت و ضرورت سے پاک ہو۔ اور وہ اللہ اور صرف اللہ ہے۔ سبحانہ، و تعالیٰ۔ پس اس کے سوا کسی اور کو حاجت روا و مشکل کشا ماننا شرک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُه وَلَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاهُ فَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِيَّاهُ جَلَّ وَ عَلَا شَانُهٗ۔ بہر کیف قوم کی ہٹ دھرمی اور اسکے اس آخری اور فیصلہ کن اعلان اور دھمکی کے بعد کہ اگر تم باز نہ آئے تو یقیناً تم کو سنگسار کر دیا جائے گا، حضرت نوح نے ان سے مایوس ہو کر حضراتِ انبیاء و رسل کی معروف سنت کے مطابق اپنے رب کے حضور یہ دعا کی کہ اے میرے رب چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے اور یہ اپنی ہٹ دھرمی پر اڑ گئے ہیں۔ اور اب انہوں نے ایمان نہیں لانا۔ لہٰذا اب تو میرے اور ان کے درمیان اپنا آخری اور قطعی فیصلہ صادر فرما دے۔ ان کو اپنے آخری اور منطقی انجام تک پہنچا دے اور مجھے اور میرے ایماندار ساتھیوں کو نجات سے سرفراز فرما دے کہ سب کچھ تیرے ہی قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ تبارکْتَ وتعالیت،

۶۷ حضرتِ نوح کے نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے نجات دی نوح کو بھی اور ان کے ساتھیوں کو بھی''۔ سو حضراتِ انبیاء و رسل کے نجات دہندہ اور حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اور جب پیغمبر اور حضرتِ نوح جیسے عظیم الشان اولوا العزم اور جلیل القدر پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کا نجات دھندہ بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو مافوق الاسباب طور پر دوسروں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کا دم بھر سکے؟ یا اس کے لائق ہو سکے؟ پس بڑے گمراہ ہیں وہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر اس کی عاجز مخلوق کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے اور ان کو پوجتے پکارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ حاجت روا و مشکل کشا سب کا بہر حال اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ حضراتِ انبیاء و رسل کی مقدس اور پاکیزہ ہستیاں بھی اسی کی محتاج ہیں۔ وہ بھی اسی کے حضور دستِ دعا و سوال دراز کرتے ہیں اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی اللہ ہی فرماتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین

۶۸ نشانِ عبرت میں دعوتِ غور و فکر: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے۔ اس پر کہ کفر و باطل کا آخری انجام بہر حال تباہی اور ہلاکت ہے۔ خواہ اس کے لئے ان کو کتنی ہی ڈھیل اور مہلت کیوں نہ ملے۔ اور آخری غلبہ اور کامیابی حق اور اہلِ حق ہی کے لئے ہے خواہ اس کے لئے ان کو ابتلاء و آزمائش کی کتنی ہی بھٹیوں سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾۔ نیز فرمایا گیا۔ ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾۔ پس مومن کی شان اور اس کا کام یہ اور صرف یہ ہے کہ وہ راہِ حق و صواب پر ثابت قدم و مستقیم رہے۔ اور بھروسہ ہمیشہ اپنے رب ہی پر رکھے کہ حق کہتا پکارتا اور حق و ہدایت کی دعوت دیتا رہے۔ آخرِ کار کامیابی بہر حال اسی کی اور صرف اسی کی ہوگی۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔ مگر لوگوں کی اکثریت پھر بھی ایمان لانے والی نہیں۔ اور تیرے رب کی شان ہے کہ وہ انتہائی زبردست ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی مہربان بھی ہے۔ اسی لیے اس نے انکو ڈھیل دے رکھی ہے ورنہ انکو کبھی کا ختم کر دیا گیا ہوتا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس میں اس بات کی نشانی ہے کہ دعوت الی اللہ کے لیے کس قدر صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔ اور حضرتِ نوح نے اس راہ میں کس قدر صبر و استقامت سے کام لیا۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وباللہ التوفیق لما یحبُ ویرید،

مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾ کَذَّبَتْ

ایمان لانے والے نہیں اور بلاشبہ تمہارا رب بڑا ہی زبردست انتہائی مہربان ہے، قوم عاد نے بھی

عَادُ ࣙالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ ھُوْدٌ اَلَا

جھٹلایا رسولوں کو، ف۶۹ جب کہ کہا ان سے ان کے بھائی ہود نے (ان کو جھنجوڑتے ہوئے) کہ کیا

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ

تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ بلاشبہ میں تمہارے لئے رسول ہوں (اللہ کا) امانت دار، پس تم ڈرو اللہ سے، اور

اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ

میرا کہا مانو، اور میں (تبلیغ حق کے) اس کام پر تم لوگوں سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میری مزدوری

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً

تو بس رب العلمین کے ذمے ہے، ف ک کیا تم لوگ (محض اپنی دولت وشوکت کی نمود کے لئے) ہر اونچی جگہ پر ایک

تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

یادگار بناڈالتے ہو بغیر کسی (ضرورت و) مقصد کے؟ و ا ک اور طرح طرح کے محل بناتے چلے جاتے ہو گویا تم نے (اس دنیا میں) ہمیشہ کے

۶۹ ایک رسول کی تکذیب سب کی تکذیب - والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "قوم عاد نے بھی جھٹلایا رسولوں کو"۔ سو جھٹلایا تو ان لوگوں نے اصل میں اپنے رسول حضرت ہودؑ ہی کو تھا مگر حضرات انبیائے کرام کی بعثت اور تشریف آوری کا اصل مقصد چونکہ ایک ہی اور مشترک مقصد ہوتا ہے۔ یعنی توحید اور عبودیت خداوندی کی دعوت۔ اس لئے ایک پیغمبر کی تکذیب دراصل سب ہی انبیاء ورسل کی تکذیب قرار پاتی ہے۔ اس لئے یہاں پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے سب رسولوں کی تکذیب کی تھی - والعیاذ باللہ العظیم - حضرت ہود کے تذکرہ کے ضمن میں یہاں پر فرمایا گیا۔ سو اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت ہود ان کیلئے کوئی اجنبی شخص نہ تھے جو کہیں باہر سے یا اچانک ان کے اندر آ گئے ہوں۔ اور یہ لوگ انکی شخصیت سے واقف نہ ہوں۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بلکہ وہ ان کے اندر سے ہی اور ان کے اپنے قومی اور نسبی بھائی تھے جن کی زندگی اور ان کا پاکیزہ اور بے داغ ماضی ان لوگوں کے سامنے تھا۔ اس کے باوجود انکی تکذیب کو ان لوگوں کی بدبختی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ لوگوں کی بدبختی ہے کہ وہ اللہ کی نعمت کو نقمت اور اس کی رحمت کو عذاب سمجھنے لگتے ہیں اور اسطرح وہ خیر محض کو بھی شر محض بنا دیتے ہیں، والعیاذ باللہ العظیم۔

۷۰ پیغمبر کی دعوت قطعی طور پر بے لوث: -سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کی دعوت بے غرضانہ اور ہر قسم کے لوچ سے پاک اور قطعی طور پر بے لوث ہوتی ہے-سو حضرت ہود نے ان لوگوں سے کہا کہ "میں تم سے دعوت وتبلیغ کے اس کام پر کوئی اجر نہیں مانگتا- اجر تو میرے رب ہی کے ذمے ہے"- کہ میری یہ سب کوشش ومحنت اسی کی رضا کے لئے ہے- سو اس میں ہر داعیِ حق کے لئے یہ ایک اہم اور بنیادی تعلیم ودرس ہے کہ وہ اپنی دعوت وتبلیغ کے کام پر کسی دنیاوی مفاد کی طمع نہ رکھے- اس طرح ایک تو اس کا اجر وثواب محفوظ رہے گا اور دوسرے اس سے دنیاوی مشکلات اس کے لئے حوصلہ شکنی کا باعث نہیں بنیں گی- کیونکہ اس نے مخلوق سے ایسی کوئی توقع رکھی ہی نہیں ہوتی- اس لئے ایسی مشکلات اور مصائب اس کے لئے نئے نہیں ہوتے- اور تیسرے اس طرح اسے لوگوں کے درمیان ایک خاص عزت وعظمت بھی نصیب ہوگی- جیسا کہ حدیثِ پاک میں بھی ارشاد فرمایا گیا کہ دنیا سے آس توڑ دو تو اللہ پاک کے یہاں سب سے محبوب اور پیارے بن جاؤ گے- اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے آس توڑ دو تو لوگوں کے یہاں بھی سب سے محبوب ہو جاؤ گے- سبحان اللہ- "زُہد فی الدنیا" اور "زُہد عمّا فی اَیدِی النّاس" کیا عمدہ نسخہ اور کتنی عظیم دولت ہے جس کی نبیِ اُمّی نے تعلیم وتلقین فرمائی ہے- کہ یہ انسان کو خدائے ذوالجلال کی بارگاہِ اقدس واعلیٰ میں بھی محبوب بنا دیتی ہے اور لوگوں کی نظروں میں بھی- اور خدا کی کروڑوں رحمتیں ہوں اس نبیِ اُمی- فداہ روحی وجسدی- پر جنہوں نے ایسی مقدس وبے مثال تعلیم سے اپنی امت کو مالا مال فرمادیا- فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ اللّٰهُمَّ التَّوفِیْقَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ عِلْمًا وَّفَهْمًا وَّعَمَلًا وَّتَطْبِیْقًا- اس ضمن میں اسی سورۂ کریمہ کے حاشیہ نمبر ۶۲ پر بھی ایک مرتبہ پھر نظر ڈال لی جائے جہاں پر حضرتِ نوح کے اسی طرح کے ارشاد پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے- والحمدللہ جل وعلا بکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال-

۷۱ بے مقصد عمارتیں اور یادگاریں بنانا تمدن کے فساد کی نشانی: -سو "عبث" کے معنیٰ بے مقصد اور بے ضرورت کے ہوتے ہیں- سو وہ لوگ محض عیاشی کی بنا پر بغیر ضرورت ومقصد کے یونہی نمود ونمائش کے لئے ایسی عمارتیں بنایا کرتے تھے- اسی لئے ان کی مذمت کی گئی- سو اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت ومقصد کے تحت عمارت بنانا مذموم وممنوع نہیں البتہ بغیر کسی مقصد اور ضرورت کے اور یونہی فخر وریا اور نمود ونمائش کے لئے ایسی عمارتیں بناتے چلے جانا بلاشبہ تباہی اور ہلاکت کا راستہ ہے- کہ اس سے ایک طرف تو روپیہ پیسہ اور وقت دونوں ضیاع کا شکار ہوتے ہیں اور دوسری طرف اس سے آخرت اور اس کے لئے تیاری کے اصل مقصد سے غفلت پیدا ہوتی ہے جو کہ جڑ بنیاد ہے آگے طرح طرح کی خرابیوں اور مفاسد کی- والعیاذ باللہ العزیز- (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)- سو بے مقصد عمارتیں بنانا اور یادگاریں تعمیر کرنا تمدن کے فساد وبگاڑ کی نشانی ہے- اور اس فساد وبگاڑ کا شکار ہونے کے بعد انسان اپنی آخرت کی حقیقی اور ابدی منزل کو بھول کر دنیاوی زندگی کی اس عارضی فرصت کے وقتی مفادات کو ہی سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور اس گزرگاہ کو اپنی منزل مقصود بنالیتا ہے- جس سے محرومیوں کا شکار ہو جاتا ہے- اور اس سے آگے طرح طرح کے مفاسد پیدا ہوتے اور بگاڑ جنم لیتے ہیں اور مادہ پرستانہ ذہنیت کی یہی بیماری کل تھی اور یہی آج ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر گامزن رکھے- اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی پناہ میں رکھے- آمین

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

لئے رہنا ہے، اور (سختی و بے رحمی کا یہ عالم ہے کہ) جب تم گرفت کرتے ہو تو بڑے (سنگ دل و) بے رحم بن کر گرفت کرتے ہو، پس

اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

ڈرو تم لوگ اللہ سے اور میرا کہنا مانو، اور تم ڈرو اس ذات (اقدس و اعلیٰ) سے جس نے نوازا ہے تم کو طرح طرح کی ان نعمتوں سے جن کو

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ

تم خود جانتے ہو، یعنی طرح طرح کے چوپایوں اور بیٹوں سے، اور قسما قسم کے باغوں اور چشموں سے، ف۲ مجھے

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ

سخت ڈر ہے تمہارے بارے میں ایک بڑے (ہی ہولناک) دن کے عذاب کا ف۳ ان لوگوں نے اس کے جواب میں کہا

عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ

کہ ہمارے لئے سب یکساں ہے، خواہ تم نصیحت کرو یا تم واعظ نہ بنو، یہ تو محض

اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ

گھسی پٹی کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی، ف۴ اور ہمیں بہر حال کوئی عذاب نہیں ہونا، سو جب انہوں نے

فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پیغمبر کی تکذیب ہی پر کمر باندھ لی تو آخر کار ہم نے ہلاک کر دیا ان سب کو بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے، مگر اکثر لوگ (پھر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ كَذَّبَتْ ع ۱۸ ۱۱

بھی) ماننے والے نہیں، اور بے شک تمہارا رب بڑا ہی زبردست، نہایت ہی مہربان ہے، قوم ثمود نے بھی

۲ اللہ کی نعمتوں کی تذکیر و یاددہانی اور ان کے شکر کی تعلیم و تلقین:۔ سو اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاددہانی اور انکے شکر کی تلقین و تعلیم فرمائی گئی ہے۔ سو حضرتِ ہود نے ان کو ملنے والی بعض عظیم الشان نعمتوں کی تذکیر و یاددہانی فرما کر ان کے ضمیروں کو جھنجھوڑا کہ تم لوگ مانو یا نہ مانو بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ تمہارے پاس اور اس دنیا میں جس کسی کے پاس بھی کوئی نعمت ہے وہ اللہ اور صرف اللہ ہی کی عطا فرمودہ ہے۔ لہٰذا ان نعمتوں کے شکریے میں تم اللہ سے ڈرو اور میرا

کہا مانو کہ اس خالق و مالک کو راضی کرنے کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- سو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ تم ان کی بنا پر اکڑ جاؤ اور جبار بن کر لوگوں پر ظلم وستم ڈھانے لگو۔ بلکہ ان کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان کو اپنے خالق و مالک کا عطیہ واحسان سمجھ کر اس کا شکر بجالاؤ- تا کہ اس طرح یہ نعمتیں تمہارے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ بن سکیں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید.-

۷۳ کفر وانکار پر سخت عذاب کا خدشہ- والعیاذ باللہ:- سو حضرتِ ہود نے ان لوگوں کو تنبیہ وتذکیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے کفر وانکار ہی پر اڑے رہے تو مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے ہی ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ جس کا بھگتان تم لوگوں کو بہر حال بھگتنا پڑے گا۔ اگر تم لوگ اڑے رہے اپنے کفر وانکار پر اور تم نے حقِ شکر ادا نہ کیا اللہ پاک کی بخشی ہوئی ان عظیم الشان نعمتوں کا۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، المراغی وغیرہ)- والعیاذ باللہ العظیم- سو کفر وانکار پر سخت عذاب کا آنا ایک طبعی امر ہے۔ کیونکہ رسول کی تکذیب کی بنا پر ایسے عذاب کا آنا اللہ پاک کی سنت کا مقتضیٰ ہے۔ سو حضرتِ ہود نے ان لوگوں کو اس اہم اور بنیادی حقیقت سے آگاہ فرمایا کہ جس مالک الملک نے تم لوگوں کو طرح طرح کی ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے اس نے یہ نعمتیں تمہیں اس لیے نہیں دیں کہ تم آخرت اور وہاں کی جوابدہی کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر اللہ کی زمین میں جبار اور سرکش بن کر پھرو۔ بلکہ اس نے تم لوگوں کو ان نعمتوں سے اس لیے نوازا ہے کہ ان کے شکر میں تم اس کے فرمانبردار بندے بن کر رہو۔ ورنہ یاد رکھو کہ ایک بڑے ہی ہولناک دن کا عذاب تم پر آیا چاہتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر قائم رکھے۔ آمین

۷۴ منکر ومتکبر قوم کا حضرتِ ہود کو کافرانہ اور متکبرانہ جواب:- سو حضرتِ ہود کی اس ناصحانہ اور مخلصانہ تقریر کے جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ یہ تو محض کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی۔ جو ہمیں سنائی جا رہی ہیں۔ اور منکر لوگوں کا وطیرہ ہمیشہ یہی رہا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے میں فرمایا گیا- ﴿ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴾- (الفرقان: ۵)۔ جبکہ دوسرا مطلب اس آیتِ کریمہ کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں پر خلق سے مراد ان لوگوں کا اپنا وہ دین و مذہب اور طور طریقہ ہے جس پر وہ چل رہے تھے اور ان کا اس بارے میں بطورِ فخر و مباہات کہنا یہ تھا کہ یہ ہمارے بڑوں اور بزرگوں کا طریقہ ہے جس کو ہم لوگ اپنائے ہوئے ہیں اور ہم اس کو چھوڑنے والے نہیں۔ (روح، ابنِ کثیر، مدارک، محاسن، مراغی، صفوۃ، معارف اور کبیر وغیرہ)۔ بہر کیف ان کے پیغمبر نے جب ان کو اس عذاب سے ڈرایا اور ان کو انکے برے انجام سے خبردار کیا تو انہوں نے بجائے ہوش میں آنے کے انکو جواب دیا کہ یہ عذاب کے جو ڈراوے تم ہمیں سنا رہے ہو یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ پرانی اور گھسی پٹی باتیں ہیں جو اس سے پہلے لوگ بھی سناتے رہے ہیں۔ سو ایسا عذاب نہ پہلے آیا اور نہ اب ہم پر آنے والا ہے۔ لہٰذا ہم اس طرح کے فرضی اندیشوں اور ڈراووں سے ڈرنے والے نہیں۔ اور یہی حال ہوتا ہے ایسی بدبخت قوم کا جس کے مقدر پھوٹ چکے ہوتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا

جھٹلایا رسولوں کو، جب کہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کہ کیا

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

تم ڈرتے نہیں ہو؟ بلاشبہ میں تمہارے لئے رسول ہوں (تمہارے رب کی طرف سے) امانت دار، پس تم لوگ ڈرو اللہ سے اور

اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

میرا کہا مانو، اور میں اس کام پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میری

اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا

مزدوری تو بس رب العلمین ہی کے ذمے ہے، ۵ کیا تم لوگوں کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا

هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّ

ان نعمتوں میں جو تم کو یہاں میسر ہیں امن وچین کے ساتھ؟ یعنی طرح طرح کے باغوں اور چشموں میں، قسما قسم کی کھیتیوں اور

نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا

ایسے نخلستانوں میں جن کے خوشے گندھے ہوئے اور رس بھرے ہیں، اور کیا تم (یونہی) پہاڑوں کو تراش تراش کر فخریہ طور پر

فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ

عمارتیں بناتے رہو گے؟ ۶ پس ڈرو تم لوگ اللہ سے اور میرا کہا مانو، اور حد سے نکلنے والے ان لوگوں کا

الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا

کہا نہ مانو، جو فساد مچاتے ہیں (اللہ کی) زمین میں، اور وہ

۵ حضرتِ صالح کی مخلصانہ دعوت کا ذکر و بیان: سو اس سے حضرتِ صالح کی اپنی قوم کے سامنے بے لوث، مخلصانہ اور ناصحانہ دعوت کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو حضرتِ صالح نے ان لوگوں سے کہا کہ میں دعوت و تبلیغ کے اس کام پر تم لوگوں سے کسی طرح کا کوئی اجر اور بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ و بدلہ تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کی دعوت بھی ایک اور انکا اسلوب اور طریق کار بھی ایک۔ یہاں آپ دیکھتے جائیے کہ ان تمام انبیائے کرام کی دعوت

بھی ایک ہی ہے اور طریقِ کار اور اندازِ تخاطب بھی ایک ہی۔ کہ حق بہر حال ایک ہی ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت کے تینوں بنیادی عقیدے سب ہی پیش فرما رہے ہیں کہ بندگی اللہ کی کرو۔ میرا کہنا مانو۔ یعنی رسالت پر ایمان و یقین لاؤ۔ اور اپنے انجام و آخرت کی باز پرس سے ڈرو۔ اور یہ کہ ہم یہ کام خالص اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ تم سے اس پر کسی بھی قسم کا کوئی بدلہ نہیں مانگتے۔ اس کے مقابلے میں اہلِ کفر و باطل کا رویہ بھی سب انبیائے کرام کے ساتھ ایک ہی رہا ہے کہ کھڑ پینچ اور دنیا دار قسم کے لوگ ہر جگہ حق کو قبول کرنے کی بجائے اس کی تکذیب کرتے اور اس پر ایک ہی طرح کے اعتراضات و شبہات پیش کرتے ہیں۔ اس طرح اہلِ حق اور اہلِ باطل کے یہ دونوں رنگ اور دونوں نمونے بار بار دہرا کر یہ درس دیا جا رہا ہے کہ راہِ حق کے قافلے کو کن حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ اور ان کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ اور اہلِ حق کی راہ میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۴۷ حضرتِ صالحؑ کی طرف سے ان کی قوم کے دلوں پر ایک دستک: ۔ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ حضرتِ صالحؑ نے ان لوگوں کے قلوب و ضمائر کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان پر دستک دیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ "کیا تم لوگ ہمیشہ ان نعمتوں میں ہی رہو گے؟" اور کیا تم لوگ اسی طرح پہاڑوں کو تراش تراش کر فخریہ عمارتیں بناتے رہو گے؟۔ یہ معنیٰ اس صورت میں ہے جبکہ یہ بابِ "سَمِعَ" سے ہو۔ "فَرِہَ۔ اَیْ اَشِرًا وَبَطِرًا" اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ یہ بابِ "کَرُمَ" سے ہو۔ فَرَاھَۃً وَّفَرَاھِیَۃً اَیْ حَذَقَ (صفوۃ البیان، جامع البیان، ابن کثیر، محاسن التاویل اور المراغی وغیرہ) تو اس صورت میں معنیٰ ہوں گے مہارت اور چابکدستی۔ سو یہاں پر اس لفظ کے یہ دونوں معنیٰ بن سکتے ہیں اور دونوں ان لوگوں پر پوری طرح چسپاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی اس تراش خراش میں بڑے ماہر اور مشّاق بھی تھے۔ اور یہ سب کچھ وہ اپنی نمود و نمائش وغیرہ ہی کے لئے کرتے تھے نہ کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے۔ سو یہ چیز تباہی کی علامت اور زبردست خسارے کی نشانی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو حضرتِ صالحؑ نے ان کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ کیا تم لوگ اس طرح عیاشیاں کرتے رہو گے اور ان ہی عیاشیوں میں مشغول رہو گے اور تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ اور تم سے طرح طرح کی ان نعمتوں کے بارے میں کوئی باز پرس نہیں ہو گی؟۔ نہیں ایسے نہیں۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ نعمت اور رفاہیت کے یہ سامان دراصل ابتلاء و آزمائش کے مختلف پرچے ہوتے ہیں۔ ہر نعمت کے ساتھ اس کا حقِ شکر واجب ہوتا ہے جس سے وہ نعمت خیر بنتی ہے۔ ورنہ ناشکری کی صورت میں وہ عذاب کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ﴿ فی ما ھھنا ﴾ سے اسی رفاہیت اور خوشحالی کی طرف اشارہ ہے جو ان لوگوں کو حاصل تھی اور جس میں وہ محو و مگن تھے۔ سو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے ملنے والی ہر نعمت و رفاہیت ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ ہوتی ہے اور ہر نعمت اپنے حقِ شکر کے اعتبار سے اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ انسان اس کے بارے میں برابر چوکنا رہے کہ مبادا اسکے حقِ شکر کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے کہ انسان کو ملنے والی کوئی بھی نعمت اس کا حق نہیں ہوتی۔ بلکہ حضرتِ واہبِ مطلق۔ جل وعلا شانہٗ۔ کی طرف سے ایک امانت ہوتی ہے جو اسکی تحویل میں دی جاتی ہے۔ جس سے مقصود اسکی آزمائش ہوتی ہے۔ ﴿ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ ﴾۔ اللہ ہمیشہ اپنے شکر کے شرف سے مشرف رکھے۔ اور بے قدری و ناشکری کے ہر شائبہ سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین ویا اکرم الاکرمین،

يُصۡلِحُونَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوٓا۟ إِنَّمَآ أَنتَ مِنَ ٱلۡمُسَحَّرِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ أَنتَ

اصلاح نہیں کرتے، (مگر اس ساری تقریر کے جواب میں) ان لوگوں نے (پوری ڈھٹائی سے) کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو

إِلَّا بَشَرٞ مِّثۡلُنَا فَأۡتِ بِـَٔايَةٍ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿۱۵۴﴾

کر دیا ہے ۷۷ تم تو ہم ہی جیسے ایک بشر (اور انسان) ہو ۷۸ پس لاؤ کوئی نشانی اگر تم سچے ہو،

قَالَ هَٰذِهِۦ نَاقَةٞ لَّهَا شِرۡبٞ وَلَكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٖ مَّعۡلُومٖ ﴿۱۵۵﴾

صالح نے فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے ۷۹ جس کے لئے ایک مقرر دن میں پانی پینے کی باری ہے، اور ایک دن تمہارے لئے مقرر ہے، اور اس کو کسی برے

۷۷ پیغمبر کو ان کی قوم کی طرف سے نہایت گستاخانہ اور دلآزار جواب: سو حضرت صالح کو ان کی اس متکبر اور سرکش قوم نے یہ جواب دیا کہ "تم تو محض جادو کے مارے ہوئے شخص ہو"۔ "مسحور" نہیں "مسحّر" قرار دیا۔ جس میں مبالغہ اور زیادتی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ یعنی تم پر ایسا سخت جادو کر دیا گیا کہ تمہاری عقل ہی ماردی گئی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ لہٰذا تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہاری بات پر کان دھرا جائے۔ والعیاذ باللہ۔ (مدارک، ابن کثیر، جامع البیان، المراغی، صفوۃ وغیرہ وغیرہ) سو ان بدبختوں نے اللہ کے نبی کی دردمندانہ تنبیہ پر کان دھرنے اور اسکی طرف متوجہ ہونے کی بجائے الٹا ان کو ایسا بیہودہ اور اس قدر دلآزار جواب دیا کہ تم تو ایک ایسے جادو زدہ شخص ہو جس پر سخت جادو کر دیا گیا ہو۔ جس سے اسکی عقل خراب ہو گئی ہے۔ اور اسکے نتیجے میں تم کو ہماری تہذیب و تمدن اور ترقی و عروج میں ہر طرف خطرے ہی خطرے محسوس ہوتے اور خرابیاں ہی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ سو یہی حال ہوتا ہے ایسی قوم کا جو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ لیتی ہے کہ اسکی مت ماردی جاتی ہے اور وہ ناصح مشفق یہاں تک کہ حضراتِ انبیائے کرام کی ہدایت و تلقین پر بھی کان دھرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اور ان کی بات کو سننے اور ماننے کی بجائے وہ الٹا ان کی توہین کرتے اور ان کو ایسی اور ایسی دلآزار باتیں کہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۷۸ پیغمبر کی نبوت کا انکار انکی بشریت کی بنا پر۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے کہا کہ تم تو ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔ تو پھر تم نبی اور رسول کس طرح ہو سکتے ہو؟ یعنی ان کے یہاں نبوت اور بشریت میں منافات تھی کہ یہ دونوں صفتیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔ پس جو بشر ہو گا وہ نبی نہیں ہو سکتا اور جو نبی ہو گا وہ بشر نہیں ہو سکتا۔ اور یہی غلط فہمی آج بھی بہت سے لوگوں میں موجود ہے۔ اور بہت سے جاہل مسلمان بھی یہی سمجھتے اور ایسا کہتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک بھی رسالت اور بشریت دونوں صفتیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ کل کے ان لوگوں نے بشریت کو دیکھتے ہوئے انبیائے کرام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور آج کے یہ لوگ نبوت و رسالت کے ماننے کے دعویدار بن کر ان کی بشریت کے منکر ہو رہے ہیں۔ جبکہ حق اور حقیقت یہ ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بیک وقت نبی و رسول بھی ہوتے ہیں اور بندے و بشر بھی۔ اور ان میں یہ دونوں وصف یکجا ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بشر اور انسان پہلے ہوتے ہیں اور نبی و

رسول بعد میں بنتے ہیں۔ اسی لئے ہر مسلمان اپنی التحیات میں دن رات میں کتنی ہی بار۔ "عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ کے الفاظ سے اس حقیقت کا اعادہ وتکرار کرتا ہے۔ اور فقہ وعقائد کی کتابوں میں جہاں بھی نبی ورسول کی تعریف کی گئی ہے وہاں یہی بتایا گیا ہے کہ وہ ایسے انسان ہوتے ہیں جن کو اللہ پاک اپنے احکام کی تبلیغ اور پیغام رسانی کے لئے چن لیتا ہے۔ "هُوَ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِتَبْلِيْغِ اَحْكَامِهٖ"۔ جمہور اہلِ علم اور حضرات اسلاف کرام سے ایسے ہی منقول ہوتا آیا ہے۔ مگر اس کے باوجود اہلِ بدعت کے بعض بڑے تحریف پسندوں کا کہنا ہے کہ "خیال رہے کہ انبیائے کرام کو بشر یا تو رب نے فرمایا ہے یا خود پیغمبر نے یا کفار نے۔ اب جو انہیں بشر کہے وہ رب تو ہے نہیں نہ رسول لہٰذا کافر ہی ہوگا"۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کیسی بکواس ہے جو اس ظالم بدعتی ملاں نے بکی اور کیسی تحریف وسینہ زوری ہے جس کا ارتکاب اس محرف نے کیا۔ اور وہ بھی قرآنِ پاک کے حواشی پر۔ خذلھم اللہ وقاتلھم انّٰی یؤفکون۔ اتنا بڑا ظلم اور اس قدر مکابرہ اور اہلِ حق سے اس قدر بغض وعناد؟ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے؟۔ یہود کو شرما دینے والی ایسی تحریف کا ارتکاب اور پھر بھی دعویٰ وزعم بڑے عالم اور مفسر ہونے کا؟ اتنا بڑا ظلم اور اس قدر مکاری وسینہ زوری؟ اور وہ بھی قرآنِ حکیم کے حواشی پر؟۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ بھلا اس بدعتی ملاں سے کوئی پوچھے کہ جس حقیقت کا ذکر وبیان حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ خود فرمائے۔ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بھی واضح اور صریح طور پر اس کا اِقرار واِعتراف کریں اور اس کو طرح طرح سے اس حد تک واضح کردیں کہ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ اور ایسی واضح حقیقت جسکے ماننے پر کفار بھی مجبور ہوں۔ سو ایسی حقیقتِ صادقہ کے انکار کی آخر کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ اور جو کوئی ایسی حقیقتِ واقعیہ کا انکار کرے وہ خود دیکھ لے کہ وہ کہاں اور کس جگہ کھڑا ہے؟ اور اس پر کون سا فتویٰ چسپاں ہوتا ہے؟۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۷ ناقۂ صالح کی نشانی کا ذکر وبیان: ۔ سو اس بدبخت قوم نے جب ایمان لانے کی بجائے حضرتِ صالح سے نشانی کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ اونٹنی ایک نشانی ہے تمہارے لیے۔ قرآن پاک میں اس اونٹنی کی پیدائش کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا گیا۔ مگر تفسیری روایات کے مطابق وہ خرقِ عادت اور معجزے کے طور پر ایک پہاڑی سے پیدا ہوئی تھی جس کا ان لوگوں نے مطالبہ کیا تھا۔ تو اس پر حضرتِ صالح نے حضرتِ جبریلِ امین سے اشارہ پاکر دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اسی پہاڑی سے جس کیلئے ان لوگوں نے کہا تھا دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکل آئی۔ جس نے ان کے سامنے بچہ دیا۔ (روح المعانی ، ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، حاشیہ بیضاوی وغیرہ)۔ مگر ایسی روایات کے بارے میں جیسا کہ محقق مراغیؒ وغیرہ نے کہا یقین کرنا اس وقت تک ضروری نہیں جب تک کہ ان کا ثبوت کسی صحیح روایت سے نہ مل جائے۔ اور آیتِ کریمہ کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عام اونٹنی تھی جو کہ ہوسکتا ہے کہ حضرتِ صالح کی اپنی ہی اونٹنی ہو۔ بہرکیف حضرتِ صالح نے ایک عام اونٹنی کو ان لوگوں کے عذاب کیلئے ایک نشانی کے طور پر مقرر فرمادیا کہ یہ اونٹنی تمہارے لیے عذاب سے بچاؤ کیلئے ایک بند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے خبردار اسکو چھیڑنا نہیں ورنہ تم کو پہنچ کر رہے گا بہت بڑا عذاب۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور یہی ہے کہ جب کوئی قوم رسول کے مقابلے میں طغیانی وسرکشی کی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اسکی مقرر کردہ نشانیوں پر بھی ہاتھ ڈالنے لگتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہولناک عذاب میں گرفتار ہوکر رہتی ہے۔ سو اس طرح اس بدبخت قوم نے اپنے لئے خود مصیبت مانگ لی۔ اور اسکے نتیجے میں وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہی۔ والعیاذُ باللہ

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

ارادے سے ہاتھ بھی نہ لگانا، کہ اس کے نتیجے میں آ پکڑے تم کو عذاب ایک بڑے (ہولناک) دن کا مگر ان لوگوں نے (اس سب کے باوجود)

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ط

کاٹ ڈالیں اس کی کونچیں جس سے وہ ہوگئے ہمیشہ کی ندامت اٹھانے والے ف۸۰ چنانچہ آ پکڑا ان کو اس عذاب نے (جس سے ان کو خبردار کیا گیا تھا)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَ

بے شک اس میں بڑی بھاری نشانی ہے، مگر اکثر لوگ (پھر بھی) ماننے والے نہیں، اور

اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ ع ۱۹

بے شک تمہارا رب بڑا ہی زبردست، نہایت ہی مہربان ہے، قوم لوط نے بھی جھٹلایا

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ ج صلے اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ ج

رسولوں کو، جب کہ کہا ان سے ان کے بھائی لوط نے (ان کو جھنجھوڑتے ہوئے) کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟

۸۰ جرم پر رضاء اس میں اشتراک کے برابر۔ والعیاذ باللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے پھر بھی اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ یعنی رسول کی تنبیہ وتحذیر کے باوجود انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ یہ کام کیا تو اگرچہ ان میں سے ایک شخص نے تھا مگر باقیوں کی رضا چونکہ اس میں شامل تھی۔ اس لئے اس کی نسبت سب کی طرف کی گئی ہے کہ کسی فعل پر رضا مندی اس کے ارتکاب کے مترادف ہوتی ہے۔ سو اس کے نتیجے میں وہ لوگ سخت نادم ہوئے کہ برائی بہرحال برائی ہے اور اس کا نتیجہ وانجام بہرحال برا ہوتا ہے۔ مگر پھر ان لوگوں کی یہ ندامت وشرمندگی توبہ کے لئے نہیں بلکہ اپنے کئے کے وبال وانجام کے خیال سے تھی۔ اس لئے اس کا ان کو کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اور یوں بھی عذاب آ جانے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی - والعیاذ باللہ العظیم - یعنی بالآخر ان کو اپنے کیے پر پچھتانا پڑا۔ قرآنِ حکیم کی دوسرے مقامات پر فرمائی گئی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اس جرم کے ارتکاب کے بعد تین دن کی مہلت ملی۔ جس کا مطلب ظاہر ہے یہی تھا کہ اگر اب بھی ان کو اپنے جرم کا احساس ہو جائے اور یہ سچے دل سے توبہ کر کے حق کی طرف رجوع کر لیں تو ان کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔ اور سچی توبہ واستغفار سے یہ اپنے بچاؤ کا سامان کر سکتے ہیں۔ مگر انہوں نے اس مہلت سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا کہ جن کے مقدر پھوٹ جاتے ہیں انکی مت اسی طرح ماری جاتی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾

بلاشبہ میں تمہارے لئے (اللہ کا) رسول ہوں امانت دار، پس تم لوگ ڈرو اللہ سے، اور میرا کہا مانو

وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ

اور (میں تبلیغ حق کے) اس کام پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میری مزدوری تو بس رب العلمین کے

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ

ذمے ہے، کیا تم لوگ مردوں کے پاس آتے ہو (اپنی شہوت رانی کے لئے) سب جہاں میں سے، ۸۱ اور

تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

چھوڑتے ہو تم اپنی ان (پاکیزہ اور حلال) بیویوں کو جن کو پیدا فرمایا ہے تمہارے لئے تمہارے رب نے (اپنی عنایت ورحمت بے نہایت سے)،

قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ

دراصل تم ہو ہی حد سے بڑھنے والے لوگ، ان لوگوں نے (دھمکی دیتے ہوئے) کہا لوط! اگر تم باز نہ آئے تو یقیناً تم ان لوگوں میں

الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ

شامل ہو کر رہو گے جن کو نکال باہر کیا گیا (ہماری بستیوں سے،) ۸۲ لوط نے کہا بے شک میں ان لوگوں میں سے ہوں جو کڑھ رہے ہیں

نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ

تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے، ۸۳ (پھر لوط نے اپنے رب کے حضور عرض کیا) اے میرے رب بچا دے مجھے بھی اور میرے گھر والوں کو بھی

۸۱ قوم لوط کے اوندھے پن کا نمونہ ومظہر: ـ سو حضرت لوط نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ مُردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ یعنی یہ کام تم سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا۔ یعنی اس سے پہلے کوئی قوم من حیث القوم اس فعل قبیح اور جرم شنیع کی مرتکب نہیں ہوئی۔ سو تم لوگ حدود انسانیت سے نکل کر حضیض حیوانیت میں گر گئے ہو۔ بلکہ اس سے بھی کہیں نیچے پہنچ گئے ہو۔ کیونکہ تم اس فعل خبیث کا ارتکاب کرتے ہو جس کا ارتکاب کوئی حیوان بھی نہیں کرتا کہ تم لوگ ایسے بگڑ گئے ہو کہ تم اس مخلوق کو جو کہ اس غرض کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ یعنی عورت۔ اس کو چھوڑ کر تم مُردوں کو اختیار کرتے ہو جو کہ تمہارے مسوخ الفطرت ہونے کی دلیل ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ وہ لوگ امرد پرستی کے مرض میں ایسے مبتلا ہو گئے تھے کہ یہ چیز ان کے معاشرے کا ایک اجتماعی روگ اور قومی فیشن بن گئی تھی۔ اور کوئی قوم اگر دیوثی کے اس روگ میں من

حیث الجماعت مبتلا ہوجائے تو وہ گندگی اور غلاظت کا ایک ڈھیر بن کر رہ جاتی ہے۔ جسکے بعد اللہ تعالیٰ اپنی دھرتی کو ان لوگوں کے وجود اور اس اجتماعی گندگی اور غلاظت سے پاک فرما دیتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو قومِ لوط مجموعی طور پر اور قومی حیثیت سے اس مرض میں مبتلا ہو کر اپنے اندھے اور اوندھے پن کی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ تو حضرتِ لوط نے ان کو تنبیہ فرمائی اور اس سے خبردار کیا مگر انہوں نے پرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ پوری قوم اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہی۔ اور وہ ایسے ہولناک عذاب میں مبتلا ہوئی جس کی دوسری کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبہ سے محفوظ رکھے اور ہمیشہ راہِ حق وصواب پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۸۲ قومِ لوط کی طرف سے اپنے پیغمبر کو دھمکی: ۔ سو ان لوگوں نے اس طرح اپنے آخری انجام کو دعوت دے دی۔ سو پیغمبر کی آواز پر کان دھرنے اور اس سے سبق لینے کی بجائے الٹا اس بدبخت قوم نے اپنے پیغمبر کو دیس نکالا دینے کی دھمکی دے دی۔ اور ان سے صاف اور صریح طور پر کہہ دیا کہ اگر تم اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو تم یقیناً ان لوگوں میں شامل ہو کر رہو گے جن کو نکال باہر کیا گیا۔ سو اس تنبیہ وتذکیر پر قومِ لوط کی طرف سے حضرتِ لوط کو اپنی بستی سے نکال باہر کرنے کی دھمکی دی گئی۔ کہ ایسے پاکباز بننے والوں کو ہمارے شہر میں رہنے کا حق نہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴾۔ ''نکال باہر کرو اپنی بستی سے ان لوگوں کو کہ یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں''۔ سو اپنے اس بیہودہ جواب سے ان لوگوں نے یہ واضح کر دیا کہ ان کا یہ معاشرہ گندگی کے ایسے کیڑوں کا معاشرہ بن گیا ہے جس میں کسی نیک اور پاکیزہ شخص اور کسی صالح عنصر کی اب کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اب وہ اس لائق ہیں کہ ان کے خبیث وجود سے اللہ کی دھرتی کو اسی طرح پاک اور صاف کر دیا جائے جس طرح کہ کسی جگہ کو کوئی کیڑے مار دوائی چھڑک کر گندگی کے کیڑوں سے صاف کر دیا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۸۳ قوم کی فیصلہ کن دھمکی پر حضرتِ لوط کا بھرپور جواب: ۔ سو قوم کی طرف سے اس فیصلہ کن دھمکی کے جواب میں حضرتِ لوط نے اپنے جواب میں بھرپور اندازِ بیان میں بدبختوں سے فرمایا کہ ''میں تمہارے اس عمل سے شدید بغض اور نفرت رکھتا ہوں''۔ یعنی تمہاری ان دھمکیوں سے۔ نہ میں راہِ حق سے ہٹنے والا ہوں اور نہ حق کو چھوڑ سکتا ہوں۔ اور تمہارے کرتوت ایسے بد اور برے ہیں کہ مجھے ان کی بنا پر بہر حال سخت کڑھن اور گھٹن ہے۔ اور یہ ایسے برے ہیں کہ ہر اس شخص کو ان سے نفرت ہو گی جسکی فطرت سلیم اور اسکی عقل مستقیم ہو گی۔ اور میں ایسے ہی بغض رکھنے والوں میں سے ہوں۔ '' قَالِیْ '' کے معنی شدید نفرت اور بغض کے ہیں۔ سو حضرتِ لوط نے اپنے اس پرزور جواب سے ان لوگوں پر واضح فرمایا کہ اگر تم لوگوں کو مجھ سے عناد اور بیزاری کا سبب یہ ہے کہ میں تمہارے اس عمل پر تمہیں ملامت کرتا ہوں تو تم لوگ یاد رکھو کہ تمہاری یہ دھمکی مجھے نہ اس سے روک سکتی ہے اور نہ ہی مجھے اس بارے ذرہ برابر نرم کر سکتی ہے۔ تم لوگ کان کھول کر سن لو کہ میں تمہارے اس عمل سے شدید بغض رکھتا ہوں۔ پس تم لوگ میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہو کر لو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میرا بھروسہ اپنے رب پر ہے۔ وہ بڑا ہی زبردست اور کامل حکمت والا ہے، سبحانہ وتعالیٰ

أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغٰبِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِينَ ﴿١٧٢﴾

ان کاموں (کے وبال) سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں ۸۴ سو (عذاب آنے پر) ہم نے بچا دیا ان کو بھی، اور ان کے گھر والوں کو بھی سب کو، سوائے

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ

ایک بڑھیا ۸۵ کے جو پیچھے رہ گئی تھی، پھر تہس نہس کر ڈالا ہم نے دوسروں کو، اور برسا دی ہم نے ان پر ایک بڑی ہی (ہولناک) بارش، سو بڑی ہی

فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ

بری بارش تھی ان لوگوں کی جن کو خبردار کر دیا گیا تھا، بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے مگر اکثر لوگ (پھر بھی) ماننے والے نہیں، بے شک

۸۴ حضراتِ انبیائے کرام کے تعلق مع اللہ کا ایک نمونہ: - حضراتِ انبیائے کرام کا اللہ پاک سے تعلق اور غلبہ حضور ملاحظہ ہو کہ حضرت لوط اپنی بدکار قوم کو یہ دوٹوک جواب دیتے ہی فوراً اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے اس کے حضور عرض والتجا پیش کرنے لگے کہ سب کا حاجت روا اور مشکل کشا وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - یعنی قوم کے اس گستاخانہ جواب سے حضرتِ لوط کو اندازہ ہو گیا کہ اب یہ بدبخت قوم اپنی بدبختی کی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ جس پر سنتِ الٰہیہ کے مطابق عذاب آیا ہی چاہتا ہے۔ اس لیے آپ نے اپنے لیے اور اپنے متعلقین کیلئے اس طرح دعا کی۔ بہر کیف حضرتِ لوط کو جب قوم کی اس دھمکی سے یہ اندازہ ہو گیا کہ اب یہ لوگ عناد اور ہٹ دھرمی کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں اور اب یہ بہرحال ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس لیے آپ نے اپنے رب کے حضور اس طرح عرض کیا کہ اے میرے رب بچا دے مجھے بھی اور میرے سب متعلقین کو بھی اس عذاب سے جو ان لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں آنے والا ہے۔

۸۵ حضراتِ انبیاء ورسل کے نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر ہم نے بچا لیا لوط کو بھی اور ان کے تمام متعلقین کو بھی سوائے ایک بڑھیا کے"۔ یعنی حضرتِ لوطؑ کی بیوی کے کہ وہ کافرہ تھی۔ اور وہ کافروں ہی کے ساتھ ہلاک ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے نہ کہ پیغمبر کے اختیار میں۔ ورنہ حضرتِ لوطؑ کی بیوی کا یہ حشر اور انجام کیوں ہوتا؟۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اپنا ایمان وعقیدہ اگر صحیح نہ ہو تو کسی کی قرابت ورشتہ داری کوئی کام نہیں دے سکتی۔ خواہ وہ کسی پیغمبر کی قرابت ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسری طرف اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ حضراتِ انبیائے کرام بھی اسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے محتاج ہیں۔ اور جب حضرتِ لوط جیسے پیغمبر بھی کسی کے حاجت روا ومشکل کشا نہیں ہو سکتے تو پھر اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو مافوق الاسباب کسی کی حاجت روائی ومشکل کشائی کر سکے؟ سو مشکل کشا اور حاجت روا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حضراتِ انبیاء ورسل بھی اسی کے محتاج ہیں۔ سو بڑے ہی بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے طرح طرح کی مخلوق کو بغیر کسی سند اور دلیل کے از خود اپنا حاجت روا ومشکل کشا قرار دے رکھا ہے اور اس طرح وہ اپنی ہلاکت وتباہی کا سامان اپنے ہاتھوں خود کرتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ زیغ وضلال کے ہر شائبہ سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾ كَذَّبَ أَصْحَابُ لْـَٔيْكَةِ

تمہارا رب بڑا ہی زبردست، انتہائی مہربان ہے، بن والوں نے ۸۶ بھی جھٹلایا

الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

(اللہ کے) رسولوں کو، جب کہ کہا ان سے شعیب نے کہ کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾

بلا شبہ میں تمہارے لئے رسول ہوں (اللہ کا) امانت دار، پس تم لوگ ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو، ۸۷

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ

اور میں (تبلیغ حق کے) اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو بس رب العلمین کے

الْعَالَمِينَ ﴿١٨٠﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾

ذمے ہے، (جب تمہیں ناپنا ہو تو) پورا ناپو اور مت بنو خسارہ دینے والوں میں سے،

وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

اور (جب تم تولو تو) تولو صحیح (اور سیدھے) ترازو کے ساتھ، اور مت دو تم لوگوں کو ان کی چیزیں

أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ وَ

کم کرکے، اور مت پھرو تم (اللہ کی) زمین میں فساد مچاتے ہوئے، اور

اتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا

ڈرو تم لوگ اس (اللہ) سے جس نے پیدا کیا تم کو بھی اور اگلی تمام مخلوق کو بھی، ۸۸ ان لوگوں نے بھی جواب میں یہی کہا

۸۶ اصحاب الأیکۃ کا ذکر اور ان سے مراد؟: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بن والوں نے بھی جھٹلایا رسولوں کو"۔ "ایکہ" درخت کو یا درختوں کے ایک جھنڈ کو کہتے ہیں۔ جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی طرف حضرتِ شعیبؑ کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔ یہ اصحابِ مدین ہی ہیں۔ یا کوئی دوسری قوم؟ اس بارے میں مفسرینِ کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے ان کو دو علیحدہ قومیں قرار دیا۔ مگر بعض محققین کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی قوم تھے۔ مگر یہاں چونکہ ان کی نسبت ایکہ کی طرف کی گئی ہے جس

کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس لحاظ سے حضرتِ شعیبؑ کا چونکہ ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے یہاں " اخوھم" نہیں فرمایا گیا۔ اور جہاں ان کو مدین کی نسبت سے ذکر فرمایا گیا ہے وہاں " اخوھم " کی نسبت بھی ذکر فرمادی گئی ہے کہ قومی لحاظ سے حضرتِ شعیبؑ ان کے بھائی اور انہی میں سے ایک تھے۔ بہرکیف حضرتِ شعیبؑ نے اپنی قوم کو ایمان و توحید کی دعوت دی اور ان کے خاص قومی مرض یعنی ناپ تول میں کمی پر آپ نے ان کو بطورِ خاص ٹوکا۔ (طبری، ابن کثیر، مدارک، محاسن، مراغی، جامع، صفوۃ وغیرہ)۔ یہ قوم ایک تجارت پیشہ قوم تھی اور اس میدان میں انہوں نے بڑا نام کمایا تھا۔ پھر ان کا محلِ وقوع بھی خاص اہمیت کا حامل تھا۔ یہ لوگ اپنے دور کی ان دو بڑی شاہراہوں پر آباد تھے جو بین الاقوامی تجارت کا بڑا اہم ذریعہ تھیں۔ جن میں سے ایک یمن سے شام کی طرف جاتی تھی اور دوسری خلیج فارس سے مصر کی طرف۔ ان دو عظیم الشان تجارتی شاہراہوں کے سنگم پر واقع ہونے کے باعث یہ لوگ خوب کمائی کرتے۔ ایک طرف یہ ان تجارتی قافلوں سے مرضی کے مطابق بھاری ٹیکس وصول کرتے اور دوسری طرف یہ لوگ راہزنی اور ڈاکہ زنی کرتے۔ اور تیسری طرف یہ لوگ ناپ تول میں کمی کرتے۔ اس طرح ہوسِ زر نے ان لوگوں کو ہلاکت و تباہی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ جس سے ایسے معاشرے میں بے ایمانی اور چور بازاری وغیرہ کے طرح طرح کے امراض پھیل رہے تھے۔ اور اخلاقی اعتبار سے یہ قوم تباہی کے دھانے پر پہنچ گئی تھی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۷ حضرتِ شعیب کی دعوت و تبلیغِ حق کا ذکر و بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ شعیب نے بھی اپنی قوم کو یہی دعوت دی کہ تم "اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو"۔ یہ ارشاد ہر پیغمبر کی تقریر میں بطورِ قدرِ مشترک خاص طور پر شامل رہا ہے۔ کیونکہ یہ درحقیقت پورے دین کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اس میں اصول و فروع سب آ گئے۔ اللہ سے ڈرنا اور تقوی اختیار کرنا اصل الاصول اور دین کی سب سے اہم بنیاد ہے۔ اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ پیغمبر کی تعلیمات کی پیروی کی جائے۔ اسی سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام کی مخالفت فساد فی الارض اور ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ اسی لئے حضرتِ شعیبؑ نے ان کو اس بارے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔ یعنی اللہ کے احکام کے خلاف ورزی نہ کرو کہ یہی فساد فی الارض ہے۔ اور اس کے احکام کی پیروی دین و دنیا کی اصلاح ہے کہ اسی سے خالق کے حقوق بھی ادا ہوتے ہیں اور مخلوق کے حقوق بھی۔ وباللہ التوفیق۔

۸۸ تاریخ سے سبق لینے کی تعلیم و تلقین: ۔سو حضرتِ شعیب نے ان سے فرمایا "اور ڈرو تم لوگ اس سے جس نے پیدا فرمایا تم کو بھی اور پہلوں کو بھی"۔ یہ چیز بیک وقت اس کی عظیم الشان نعمت کی دلیل بھی ہے اور بے مثال قدرت کی نشانی بھی۔ اس لئے اس سے تم لوگ اس کی وحدانیت کی دلیل بھی پکڑو اور دل و جان سے اس کا شکر بھی ادا کرو کہ حقِ شکر ادا کرنے سے نعمت بڑھتی ہے۔ جبکہ کفرانِ نعمت عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾۔ (ابراہیم: ۷)۔ نیز اس سے حضرتِ شعیب نے ان کو تاریخ سے سبق حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی کہ جس خالق نے اگلوں کو پیدا کیا اسی نے تم کو بھی پیدا فرمایا ہے۔ اور اگر اس نے اگلوں کو ان کے فتنہ و فساد برپا کرنے پر اور تمدن و معاشرت کو خراب کرنے پر نیست و نابود کر دیا تو کوئی وجہ نہیں کہ تمہارے معاملے میں اسکی یہ سنت بدل جائے اور تمہارے اس معاشی اور معاشرتی فساد پر وہ تم کو سزا نہ دے کہ اس کا قانون سب کیلئے ایک اور بے لاگ ہے۔ اسکے یہاں سب کیلئے ایک ہی ترازو اور ایک ہی باٹ ہے۔ پس تم اس سے ڈرو اور اپنی اس روش کی اصلاح کرو۔ تاکہ تم لوگ اللہ کی گرفت و پکڑ اور اس کے اس عذاب سے بچ سکو جو فساد بپا کرنے والوں کو پہنچ کر رہتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

إِنَّمَآ أَنتَ مِنَ ٱلْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَآ أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

کہ سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ تم پر بھی کوئی بھاری جادو کر دیا گیا ہے ف۸۹ اور تم بھی تو ہم ہی جیسے ایک بشر (اور انسان) ہو (پھر تم نبی کیونکر؟)

وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ ٱلْكَٰذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا

اور ہم تو تمہیں بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں، ف۹۰ پس تم گرا دو ہم پر کوئی ٹکڑا

مِّنَ ٱلسَّمَآءِ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّىٓ

آسمان کا اگر تم سچے ہو (اپنے دعوے میں،) ف۹۱ شعیب نے کہا میرا رب

أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ

خوب جانتا ہے وہ سب کچھ جو تم لوگ کر رہے ہو ف۹۲ پس جب وہ لوگ شعیب کی تکذیب ہی کرتے گئے، تو آخرکار آپکڑا ان کو

۸۹ قوم کا اپنے پیغمبر کو بیہودہ اور متکبرانہ جواب: - سو حضرتِ شعیب کی دردمندانہ تنبیہ و تذکیر پر قوم نے انکو بیہودہ اور متکبرانہ جواب دیا۔ سو ان لوگوں نے اس کے جواب میں شعیب سے کہا کہ "تم پر کسی نے بڑا جادو کر دیا ہے"۔ جبھی تو تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ لہٰذا ہم تمہاری کوئی بات ماننے کے نہیں۔ یعنی حضرتِ شعیب کی دردمندانہ تنبیہ پر کان دھرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی بجائے ان لوگوں نے حضرتِ شعیب کو وہی جواب دیا جو دوسرے انبیائے کرام کی قوموں کے منکروں نے ان کو دیا کہ سوائے اسکے نہیں کہ تم پر کسی نے بڑا جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے تم کو ہماری ترقی میں کامیابی کی بجائے ہلاکت نظر آ رہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہی حال ہوتا ہے ایسی بدبخت قوموں کا جن پر مادیت کی چکاچوند غالب آ جاتی ہے اور وہ مادہ اور معدہ کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں کہ ان کے تقاضوں کی تکمیل کو ہی وہ اصل مقصود اور بہت کچھ سمجھنے لگتی ہیں۔ اور وہ کسی ناصحِ مخلص کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۰ بشریتِ پیغمبر کی بنا پر انکی نبوت کا انکار - والعیاذ باللہ: - سو ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کی بشریت کی بنا پر ان کی نبوت کا صاف اور صریح طور پر انکار کر دیا اور ان سے کہا کہ "تم تو ایک بشر - اور انسان - ہی ہو"۔ پھر تم کو ہم رسول کیسے مانیں۔ یعنی وہی غلط فہمی جو ٹیڑھی سمجھ کے لوگوں کی ہمیشہ رہی اور جس کا ذکر بار بار ہو چکا ہے۔ اور جو اہلِ بدعت وغیرہ کو آج بھی لاحق ہے کہ نبوت اور بشریت دونوں چیزیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں یکجا ہوتی بھی ہیں اور ان کا یکجا ہونا عین مطابقِ عقل و فطرت اور قرینِ قیاس بھی ہے۔ اس لئے ہر مسلمان اپنی ہر نماز میں بار بار - "عبدہٗ ورسولہٗ" - کہہ کر اپنے اس عقیدے کی تجدید اور اس بنیادی حقیقت کا اظہار کرتا ہے جس میں پہلے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی عبدیت و بشریت کا اقرار ہے اور پھر آپ ﷺ - کی رسالت و نبوت کا بعد میں۔ اور اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - نے قرآنِ حکیم میں حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کی عبدیت و بشریت کا ذکر جا بجا اور طرح طرح سے فرمایا ہے۔ اور حضراتِ

انبیائے کرام-علیہم الصلوٰۃ والسلام- نے خود بھی اپنی بشریت کا بار بار اور صراحت وتاکید کے ساتھ اظہار و اقرار فرمایا ہے۔ اور زندگی کے ہر موڑ پر انہوں نے اس کا عملاً ثبوت دیا۔ آپ کے اصحاب ورفقاء نے بھی ہمیشہ اسی حقیقت پر ایمان ویقین رکھا اور اس کا ذکر واعلان فرمایا ہے۔ مگر اس سب کے باوجود اہلِ بدعت کو اس حقیقتِ صادقہ کا انکار ہے۔ اور ان کے ایک بڑے صاحب نے تو اسکے اقرار کو کفر کا کام بتایا ہے۔ سو اس سے بڑھ کر ظلم اور تحریف کی مثال اور کیا ہوگی؟ - والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ زیغ وضلال کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ راہ حق وصواب پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین

۹۱ قوم شعیب کی طرف سے عذاب کا مطالبہ: -سو انہوں نے حضرتِ شعیب کی دعوت پر کان دھرنے اور اس کو قبول کرنے کی بجائے ان سے کہا کہ "تم ہم پر آسمان کے کچھ ٹکڑے گرادو اگر تم سچے ہو اپنے دعوے میں"۔ یعنی ہم نے تمہاری دعوت کو بہر حال نہیں ماننا۔ پس تم آسمان کے کچھ ٹکڑے ہم پر گرادو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ جیسا کہ کفارِ مکہ نے کہا تھا- ﴿اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾- (الانفال:۳۲)۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان سے محروم انسان کس قدر اندھا اور اوندھا ہو جاتا ہے کہ وہ عافیت کی بجائے ہلاکت اور تباہی کی دعا مانگنے لگتا ہے۔ جیسا کہ اہلِ مکہ نے کہا تھا اور جیسا کہ اس سے پہلے ان لوگوں نے حضرتِ شعیب سے کہا۔ "کِسَف" جمع ہے "کسفہ" کی۔ جس کے معنیٰ ٹکڑے کے ہیں۔ یعنی اگر تم سچ مچ اللہ کے رسول ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے، اور اگر ہم نے تمہاری بات نہ مانی تو ہم پر آسمان گر پڑے گا۔ تو پھر تم آسمان کے کچھ ٹکڑے ہم پر گرا کر دکھاؤ۔ جیسا کہ دوسرے مقامات پر ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ شعیب نے اپنی قوم کو خبردار فرمایا تھا کہ اگر تم لوگوں نے میری بات نہ مانی تو تم پر بھی اسی طرح کا کوئی عذاب آکر رہے گا جیسا کہ عاد، ثمود اور قوم لوط وغیرہ پر آچکا ہے۔ تو آپؑ کے اس انذار کے جواب میں قوم نے آپؑ سے یہ مطالبہ کر دیا- اور اس طرح انہوں نے اپنی شامت کو خود دعوت دی۔ والعیاذ باللہ

۹۲ تفویض الی اللہ کا درسِ عظیم: - حضرتِ شعیب کی طرف سے تفویض الی اللہ کے درسِ عظیم کا عمدہ اور پاکیزہ نمونہ سامنے آتا ہے۔ سو ان لوگوں کی طرف سے مطالبۂ عذاب کے جواب میں تفویض الی اللہ سے کام لیتے ہوئے حضرتِ شعیب نے فرمایا کہ آسمان سے ٹکڑے گرادینا نہ میرا کام ہے اور نہ میرے اختیار میں۔ بلکہ یہ میرے رب ہی کے اختیار میں ہے اور میرا رب خوب جانتا ہے وہ سب کام جو تم لوگ کر رہے ہو۔ یعنی عذاب لانا یا آسمان کے ٹکڑے گرادینا نہ تو میرے بس میں ہے اور نہ ہی میں نے کبھی اس کا کوئی دعویٰ ہی کیا ہے۔ میرا کام تو بس اتنا ہے کہ اللہ کا پیغام بلا کم وکاست تمہیں پہنچا دوں۔ مانو گے تو تمہارا اپنا فائدہ، نہیں تو تمہارا اپنا نقصان۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ تم پر وہ عذاب کب اور کس شکل میں آئے گا جس کے تم اپنے کیے کی پاداش میں مستحق ہو چکے ہو؟ تو اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے۔ وہی ہے جو پوری طرح اس کا علم بھی رکھتا ہے اور اس پر قدرت بھی۔ اور وہی جانتا ہے کہ تم پر عذاب کب آئے؟ کس شکل میں آئے؟ اور تم کو کتنی اور کیسی سزا دی جائے؟ کیونکہ وہی ہے جو تمہارے ان تمام کرتوتوں سے پوری طرح واقف وآگاہ ہے جو تم لوگ کر رہے ہو۔ اور وہی ہے مالکِ مطلق اور مختارِ کل- سبحانہ وتعالیٰ- ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ آخر کار تم لوگوں کو وہ عذاب بہر حال بھگتنا ہوگا اگر تم باز نہ آئے اپنی اس روش سے۔ وہ تمہاری کارستانیوں سے پوری طرح واقف وآگاہ ہے اور وہی جانتا ہے کہ تم کو کب تک ڈھیل دے۔ اسکی حکمت کا جو بھی تقاضا ہوگا وہ ظاہر ہو کر رہے گا اور ٹھیک وقت پر ظاہر ہوگا۔ سو عقل ونقل کا تقاضا اس عذاب سے بچنے کی فکر کرنا ہے نہ کہ اس کا مطالبہ کرنا کہ عذاب الٰہی کا مطالبہ اندھے اور اوندھے پن کا ثبوت ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۸۹ اِنَّ

سائبان والے دن کے عذاب نے، ف۹۳ بے شک وہ عذاب تھا ایک بڑے (ہی ہولناک) دن کا، بلاشبہ

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۹۰

اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ف۹۴ مگر لوگوں کی اکثریت (پھر بھی) ایمان لانے والی نہیں،

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۹۱ ع وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ

اور بے شک تمہارا رب بڑا ہی زبردست، انتہائی مہربان ہے، اور بلاشبہ یہ قرآن اتارا ہوا ہے ف۹۵

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۹۲ ۭ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝۱۹۳ ۙ عَلٰى

رب العالمین کا، اس کو روح الامین (جیسا عظیم الشان فرشتہ) لے کر اترا ہے، ف۹۶ آپ کے دل

۹۳ قوم شعیب پر یوم الظلہ کا عذاب :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آخر کار آ پکڑا ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے"۔ روایات کے مطابق ان لوگوں پر سخت گرمی مسلط کر دی گئی جس سے یہ لوگ بلبلا اٹھے۔ اس کے بعد ان کے اس جنگل پر ابر کا ایک سائبان قدرت کی طرف سے تن دیا گیا جس کے درختوں کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ اور اس کے سائبان کے نیچے ایک ٹھنڈی ہوا چلا دی گئی جس سے یہ سب کے سب گھروں سے نکل نکل کر وہاں جمع ہو گئے۔ تب اس بادل سے ان پر ایک ایسی خوفناک آگ برسائی گئی جس نے ان سب کو ان کے باطل معبودوں سمیت بھسم کر دیا اور ان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ (روح المعانی، ابن کثیر، جامع، محاسن، مدارک، مراغی اور صفوہ وغیرہ)۔ سو اس سے پھر صاف اور واضح ہو گیا کہ حضرات انبیائے کرام ورسل اور ان کی دعوت کی تکذیب اور انکار کا آخری نتیجہ بہرحال ہلاکت اور دائمی تباہی ہے۔ پس اس سلسلے میں ملنے والی ڈھیل اور عذاب کی تاخیر سے کبھی کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی اور ہر طرح کے عذاب اور گرفت وپکڑ سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اور ہر حال میں صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۹۴ نشانی عبرت میں غور وفکر کی دعوت :- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے اس پر کہ حق اور اہل حق کی مخالفت اور دشمنی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اور اس پر کہ اللہ پاک جب کسی قوم پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرما دیتا ہے تو اس کے لئے وہ کس طرح ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ قوم بغیر کسی ظاہری فوج اور پولیس کے خود بخود چل کر وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں ان لوگوں کے لئے عذاب طے کیا گیا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اللہ پاک کے لشکروں اور اس کے عذاب کے طریقوں کو کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس وحدہٗ لاشریک کے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو۔ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾۔ (المدثر: ۳۱)۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے

کہ ظاہر پرست وظاہر بیں انسان اور قاصر ومحدود اور خطا کار نگاہیں کس طرح بعض اوقات ایک چیز کو اپنے لئے نعمت سمجھ کر اس کی طرف لپکتی ہیں۔ مگر وہ نہیں دیکھتیں اور جانتیں کہ اس کے نیچے اور اس کے پیچھے ان کے لئے اللہ پاک کی کیسی گرفت اور اس کا کیا عذاب پوشیدہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اس لئے صرف ظاہر پر اکتفاء کرنے کی بجائے ان اصل اور بنیادی حقائق پر نظر رکھی جائے جو اس کے پیچھے کارفرما ہوتے ہیں۔ اور جن کی صحیح طور پر نشاندہی اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات ہی سے ہوسکتی ہے۔ اس لیے بندے کو ہمیشہ ہر حال میں اور ہر موقعہ پر اللہ پاک سے اسکی پناہ کی درخواست ہی کرتے رہنا چاہیئے کہ ہر چیز کا نفع ونقصان اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور اسکی کائنات میں جو بھی کچھ ہوتا ہے اسی کی مشیت کے ماتحت ہوتا ہے وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال،

۹۵ قرآنِ حکیم ربّ العالمین کا کلام: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ادواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ یہ قرآنِ مجید اتارا گیا ہے رب العالمین کی طرف سے۔ یہاں پر "منزل" نہیں "تنزیل" فرمایا گیا ہے جو کہ مصدر ہے یعنی یہ کتاب حکیم۔ زَادَنَا اللّٰهُ بِهٖ حُبًّا وَّ اِیْمَانًا۔ ایسی منزل من اللہ کتاب ہے جس میں تنزیل کے سوا دوسرے کسی حرف یا حرکت یا شوشہ وشائبہ تک کا کوئی دخل واحتمال نہیں۔ اور مصدر بھی اِنزال کی بجائے تنزیلی لایا گیا ہے کہ اس کے اتارے جانے کی تکمیل بھی بتدریج تیئس (۲۳) سال کے طویل عرصے میں ہوئی۔ سو اس کلام مجید میں کسی کہانت یا شیطانی مداخلت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ منکرین ومخالفین کا کہنا ہے۔ بلکہ یہ خالصتاً رب العالمین کی طرف سے اتارا جانے والا کلامِ مجید ہے۔ جس کو خاص اہتمام سے اتارا گیا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ اس نعمتِ بے مثال کی صدقِ دل سے قدر کر کے اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کریں۔ اور اسکی تکذیب کر کے اپنی شامت کو دعوت نہ دیں۔ والعیاذ باللہ العظیم بکُلّ حالٍ مّنَ الاحوال۔

۹۶ قرآنِ حکیم کا نزول روح الامین کے ذریعے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کو روح الامین لے کر اترے ہیں"۔ مراد ہیں جبریلِ امین جو ہمیشہ اللہ پاک کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے نورِ وحی لانے کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ اور قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر آپ کو ان دونوں وصفوں "روح" اور "امین" کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ وحی روح کی غذا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾۔ (الشورٰی:۵۲)۔ سو اسی لئے اس کو لانے والے فرشتے۔ جبریل۔ کو بھی "روح" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور "امین" اس لئے کہ آپ نے وحیِ خداوندی کی اس امانت کے لانے میں پوری دیانت وامانت سے کام لیا۔ اس میں کسی طرح کی کوئی خیانت نہیں کی۔ سو یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ وحی کے نور سے محروم ہیں وہ دراصل زندہ نہیں مردہ ہیں۔ اگرچہ وہ فضاؤں میں اڑتے اور سمندروں کی تہوں میں اترتے ہوں۔ بہرکیف اس کلامِ مجید کو "روح الامین" لیکر اترے ہیں۔ اس لیے اس میں کسی طرح کی کسی مداخلت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہود اور روافض نے۔ نعوذ باللہ۔ حضرتِ جبریل پر خیانت کا الزام لگایا۔ (تدبرِ قرآن)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ

پر ف۹۷ (اے پیغمبر!) تاکہ آپ ہو جائیں خبردار کرنے والوں میں سے ف۹۸ (فصاحت و بلاغت سے لبریز) ایک (واضح اور) روشن عربی

مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ

زبان میں، ف۹۹ اور بلاشبہ یہ (قرآن) پہلی کتابوں میں بھی ہے، ف۱۰۰ کیا ان لوگوں کے لئے

لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ

یہ کوئی نشانی نہیں ہے کہ اس کو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں؟ ف۱۰۱ اور (ان

۹۷ قرآن حکیم کا نزول پیغمبر کے قلب مطہر پر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس کو اتارا ہے آپ کے دل پر"۔ سبحان اللہ۔ دنیا والوں کے یہاں تو برس ہا برس کی تعلیم و محنت کے بعد جا کر کوئی چیز دل میں اترتی اور رسوخ حاصل کرتی ہے۔ مگر تعلیم نبوت کا آغاز ہی دل کے رسوخ سے ہوتا ہے۔ یہاں سے پھر وہ حقیقت واضح ہوتی ہے جس کا اظہار ہم نے بارہا کیا ہے کہ عقل اور اہل عقل کی پرواز جہاں ختم ہو جاتی ہے وحی اور نبوت کی حدود کا وہاں سے آغاز ہوتا ہے۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نور وحی کا مہبط قلب پیغمبر ہے۔ جو کہ انسانی وجود کا سب سے اعلیٰ اور اشرف حصہ ہے۔ بس اس میں کسی وسوسۂ شیطانی یا دغدغۂ انسانی کا کوئی امکان نہیں۔ سو یہ کلام حکیم نہایت پاکیزہ اور بے مثال مصدر فیض سے نکلا اور نہایت پاکیزہ اور امانتدار ذریعے سے نازل ہوا۔ اور یہ پاکیزہ ترین محل میں مستقر ہوا۔ اور ایسی پاکیزہ اور بے مثال شان سے کتاب حکیم کے سوا دوسری کوئی بھی کتاب نہ کبھی نازل ہوئی ہے نہ قیامت تک کبھی ہونا ممکن ہے۔ سو کتنے بڑے بدبخت اور کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو اسکی تکذیب کرتے اور اس سے اعراض و روگردانی سے کام لیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ اعراض و انکار کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۹۸ قرآن پاک کے اتارنے کا اصل مقصد انذار: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تاکہ آپ - اے پیغمبر - ہو جائیں خبردار کرنے والوں میں سے"۔ پوری قوت اور اطمینان کے ساتھ۔ کیونکہ دل ہی سلطنت جسم کی پوری قلمرو کا حاکم و بادشاہ ہے۔ اس کی ہر اچھی بری حالت، خوبی خرابی اور قوت وضعف کا اثر دوسرے تمام اعضاء وجوارح پر پڑتا ہے۔ فَنَوِّرِ اللّٰهُمَّ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ الْمَعْرِفَةِ وَالْاِيْمَانِ۔ بہرکیف یہ قرآن حکیم کے نازل فرمائے جانے اور اس اہتمام و شان کے ساتھ اتارے جانے کا مقصد اور اسکی غرض و غایت بیان فرمائی گئی تاکہ اس طرح آپ ان لوگوں کو خبردار کر سکیں جو اپنے خالق و مالک کے حق معرفت و بندگی اور اپنی عاقبت و انجام سے غفلت و لاپرواہی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ تاکہ وہ غفلت سے چونک کر اپنے انجام کی فکر اور اس کیلئے تیاری کریں قبل اس سے کہ فرصت حیات کی یہ مدت محدود ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ غفلت و لاپرواہی کی ہر شکل سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۹۹ قرآن حکیم واضح عربی زبان میں: - سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ قرآن حکیم روشن - و واضح - عربی زبان میں ہے۔ جس میں نہ کوئی اونچ نیچ ہے نہ کجی و ٹیڑھ اور نہ کسی طرح کا کوئی زیغ و ابہام۔ اور عربی زبان کے سوا دوسری کوئی زبان

ایسی تھی ہی نہیں اور ہے ہی نہیں جو قرآنِ حکیم کے معانی و مطالب اور اسکے مضامین و معارف کو اپنے الفاظ و تراکیب اور محاورے و زبان میں ادا کر سکے۔ یہ عربی زبان ہی کی عظیم الشان وسعتیں اور حیرت انگیز باریکیاں اور وجد آفریں لطافتیں اور نزاکتیں ہیں جو قرآنی علوم و معارف کو سمیٹ سکتی ہیں۔ مگر افسوس کے آج کا مسلمان اس زبان کی ان عظمتوں اور باریکیوں سے غافل و بے خبر ہے۔ اِلا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ بہر کیف یہ اہلِ عرب پر قدرت کا ایک عظیم الشان احسان ہے کہ اس کتاب حکیم کو انہیں کی لغت اور زبان میں اتارا گیا۔ سو یہ چیز ان کیلئے باعثِ شرف بھی ہے اور اس میں ان پر اِتمام حجت بھی ہے۔ اب ان کیلئے اس عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ یہ اسکے سمجھنے سے قاصر تھے۔ سو اسکے باوجود اگر انہوں نے اسکی قدر نہ کی تو اسکی ذمہ داری انہی لوگوں پر ہوگی۔ اور اس کا نتیجہ و انجام بڑا سخت اور ہولناک ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ من الاحوال۔

۱۰۰ قرآن حکیم پہلی کتابوں میں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ یہ۔ قرآن۔ پہلی کتابوں میں بھی ہے۔ یعنی اسکی خبر اور اس کا ذکر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود و مذکور ہے۔ (روح، ابن کثیر، مدارک، کشاف وغیرہ)۔ نیز اس کے اہم مطالب اور بنیادی مضامین بھی وہی ہیں جو پہلی کتابوں میں پائے جاتے تھے۔ اس لئے کہ آسمانی کتابوں کی بنیادی تعلیمات ایک ہی تھیں۔ کیونکہ توحید کی دعوت، آخرت پر ایمان اور سزا و جزاء وغیرہ کی تعلیم و تلقین سب ہی میں موجود تھی۔ (روح، ابن کثیر، مدارک، مراغی اور معارف وغیرہ)۔ اسی لئے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی﴾۔ (الاعلیٰ:۱۸)۔ پس نہ یہ کتاب کوئی نئی اور انوکھی چیز ہے اور نہ اس کو لانے والے پیغمبر۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾۔ الآیۃ (الاحقاف:۹)۔ تو پھر اس پر بدکنے اور اچنبھا کرنے کی کیا وجہ؟ سو پہلی آسمانی کتابوں میں اسکے بارے میں جو پیشینگوئیاں موجود تھیں ان کی بناء پر اہلِ کتاب آخری پیغمبر اور اس پر نازل فرمائی جانے والی کتاب کے منتظر تھے۔ اور مشرکینِ مکہ ان کے پاس اس بارے جاننے اور معلومات حاصل کرنے کیلئے جایا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مشرکینِ مکہ نے اس بارے معلومات حاصل کرنے کیلئے ایک وفد یثرب کے اہلِ کتاب کے پاس بھیجا تو انہوں نے اس کی کچھ نشانیاں ذکر کیں اور کہا کہ انکا وقت آگیا ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ لیکن جب وہ نورِ مبین ان کے پاس پہنچ گیا تو یہ ظالم اسکے منکر اور دشمن ہوگئے اور اس کے نتیجے میں یہ اللہ کے غضب اور محرومی کے ساتھ لوٹے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال،

۱۰۱ قرآنِ حکیم سے متعلق ایک عظیم الشان نشانی کا ذکر: سو اس سے لوگوں کے لیے قرآنِ حکیم کے بارے میں ایک عظیم الشان نشانی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہام تقریری کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا ان لوگوں کیلئے یہ نشانی کافی نہیں کہ اسکو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں؟"۔ اور وہ اس کا اِقرار و اِعتراف کرتے ہیں کہ یہ وہی کتابِ حکیم ہے۔ جس کی خبر و پیشینگوئی پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر اس سے ظاہر ہے کہ اہلِ کتاب کے وہی منصف مزاج علماء مراد ہوسکتے ہیں جو ضد اور ہٹ دھرمی کی بیماریوں سے پاک ہوں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ اور اسی بنا پر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اسلام کے حظیرۂ قدس میں داخل ہوگئے تھے۔ اور اہلِ عرب دینی معاملات میں اہلِ کتاب کی برتری تسلیم کرتے تھے۔ اور ان کے علم و فضل کے وہ معترف اور اس سے متاثر تھے کہ وہ اہلِ کتاب اور اہلِ علم تھے اور یہ اُمّی اور ان پڑھ۔ اس لیے اس ارشاد سے انکے ضمیر کو دستک دی گئی کہ کیا ان کیلئے یہ نشانی کافی نہیں کہ اس قرآن اور اس پیغمبر کو اہلِ کتاب کے علماء بھی جانتے ہیں۔ مگر حضور کی مخالفت کے جوش میں وہ اتنے اندھے ہوگئے تھے کہ اس واضح دلیل اور نشانی کی طرف توجہ کرنے کی بھی انہوں نے کوئی ضرورت نہ سمجھی۔ سو ہٹ دھرمی اور عناد محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا

لوگوں کی ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ) اگر ہم اتار دیتے اس (قرآن) کو کسی عجمی پر، پھر وہ اسے ان کے سامنے پڑھ کر سنا بھی دیتا'

كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ

تب بھی انہوں نے اس پر ایمان نہیں لانا تھا، ف۱۰۲ اسی طرح ہم نے ڈال دیا اس کو مجرم

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ

لوگوں کے دلوں میں، ف۱۰۳ یہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ یہ خود دیکھ لیں

الْاَلِيْمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾

اس دردناک عذاب کو، سو وہ ان پر ایسے اچانک آپڑے گا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی،

فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ اَفَبِعَذَابِنَا

اس وقت یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟ف۱۰۴ کیا یہ لوگ ہمارے

يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ

عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟ف۱۰۵ بھلا تم دیکھو تو (اور غور تو کرو) اگر ہم انہیں برسوں عیش کرنے کی مہلت بھی دے دیں، پھر

۱۰۲ ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں: ۔سو اس ارشاد سے اس مضمون کو واضح فرمایا گیا کہ اب تو ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ قرآن بھی عربی اور قرآن کو پیش کرنے والا بھی عربی۔ ہمیں کیا پتہ یہ خود بنا کر لاتا ہو لیکن اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر بھی اتار دیتے تو انہوں نے پھر بھی نہیں ماننا تھا۔ یعنی اب تو یہ منکر لوگ یوں کہتے ہیں کہ نبی بھی عربی اور قرآن بھی عربی۔ کیا پتہ یہ خود ہی لکھ کر لا رہا ہو لیکن اگر ہم اسے کسی غیر عربی پر نازل کر دیتے اور وہ ان کو پڑھ کر سنا بھی دیتا تو انہوں نے پھر بھی نہیں ماننا تھا۔ اس صورت میں یہ لوگ ماننے کی بجائے دوسرے شکوک و شبہات پیش کر دیتے۔ کیونکہ ان کا انکار کسی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض ضد و عناد اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔ اور اس کا کوئی علاج نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا (حم السجدۃ: ۴۴) سو اس میں پیغمبر کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ قصور آپ کا نہیں بلکہ جو چیز مانع ہے وہ ان لوگوں کا عناد اور انکی ہٹ دھرمی ہے۔ (المعارف، المراغی وغیرہ)۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰۳ منکروں کے دلوں کے فساد و بگاڑ کی نشاندہی۔ والعیاذ باللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح ہم نے اسکو ڈال دیا مجرموں کے دلوں میں۔ یعنی ان کے کفر و انکار کو یعنی ہمارا قانون یہی ہے کہ جو ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے وہ صدق و صواب

سے محروم ہو جاتا ہے۔ سو ان کے عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ کفر و انکار ان کے دلوں میں پکا ہو گیا جو ان کی جان نہیں چھوڑے گا۔ یہاں تک کہ یہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ ضمیر منصوب کا مرجع قرآن حکیم ہو۔ یعنی یہ لوگ قرآن حکیم کی صداقت اور حقانیت کو اچھی طرح جانتے ہیں مگر ضد اور ہٹ دھرمی اور دنیائے دوں کے کچھ وقتی اور عارضی فائدوں کی وجہ سے یہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾۔ (النمل: ۱۴) اور اس طرح یہ قرآن کانٹا بن کر ان کے دلوں میں کھٹک رہا ہے۔ ﴿فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾۔ (التوبۃ: ۴۵)۔ پس ایسے ہٹ دھرموں کے ایمان نہ لانے پر کوئی افسوس نہیں کرنا چاہیئے کہ ایسوں کا کوئی علاج نہیں اور یہ اپنے کیئے کی سزا خود بھگت رہے ہیں اور بھگتیں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف ﴿سلکناہ﴾ کی ضمیر منصوب منفصل کے مرجع میں یہ دونوں احتمال موجود ہیں کہ اس کا مرجع تکذیب و انکار ہو یا قرآن حکیم۔ حضرات مفسرین کرام سے یہ دونوں قول مروی و منقول ہیں۔ اور معنیٰ و مطلب دونوں صورتوں میں واضح ہے۔ کَمَا بَيَّنَّا وَالْاَوَّلُ اَظْهَرُ۔ (روح، ابن کثیر، معالم، مدارک، محاسن، مراغی اور صفوۃ وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ عناد اور ہٹ دھرمی کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے کہ یہ محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰۴ منکروں کی حسرت اور بے وقت کی آرزو کا ذکر: سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ "ان لوگوں نے چونکہ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی سے اپنی فطرت کو مسخ کر دیا ہے۔ اس لیے اب یہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے"۔ یہاں تک کہ یہ اس دردناک عذاب کو دیکھ لیں جو بالآخر ایسے ہٹ دھرموں پر آ کر رہتا ہے۔ تو اس وقت یہ لوگ نہایت حسرت سے کہیں گے کہ کیا ہمیں کوئی مہلت مل سکتی ہے تاکہ ہم اپنی اپنی اصلاح کر لیں۔ مگر اس وقت ایسی کوئی مہلت کہاں اور کیونکر؟ اس کا وقت تو بہر حال گزر چکا ہوگا۔ اور یہ لوگ ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو چکے ہونگے۔ جس سے گلوخلاصی اور رہائی کی پھر کوئی صورت ان کے لیے ممکن نہ ہوگی۔ اور یہی ہے سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ۔ ذالک ھو الخسران المبین۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تب یہ لوگ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے۔ مگر فرصت عمر ختم ہو جانے کے بعد نہ ایمان لانے کا کوئی فائدہ اور نہ ہی کسی مہلت کے ملنے کا کوئی سوال۔ بھلا چڑیوں کے کھیت چگ لینے کے بعد اس پر آنسو بہانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ تب ان کا یہ افسوس ان کیلئے مزید کڑھن جلن اور عذاب میں اضافے کا باعث ہوگا۔ اور اس سے نکلنے اور بچنے کی کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر شکل اور اس کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، ویا اکرم الاکرمین

۱۰۵ عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کو جواب: سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہامیہ انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کیلئے جلدی مچاتے ہیں؟"۔ جیسا کہ ان کا مطالبہ تھا۔ ﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾۔ (صٓ: ۱۶)۔ سو ایسا کرنا ان کی حماقت اور بدبختی ہے کہ یہ عافیت کی بجائے عذاب مانگ رہے ہیں۔ اور وہ عذاب ان پر اپنے وقت پر بہر حال آ کر رہے گا۔ اور جب آ جائیگا تو پھر اس سے بچنے کی کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ اس لیے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اس کیلئے جلدی مچانے کی بجائے اس سے بچنے کی فکر کریں۔ بہرکیف ایسے غافل اور بدبخت لوگوں کی تنبیہ و تذکیر کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ بھلا دیکھو تو سہی اور سوچو اور غور تو کرو کہ جب ان پر وہ عذاب آ جائے گا جس سے ان کو خبردار کیا جا رہا ہے اور برسوں کی مہلت اور عیش و عشرت کے بعد آ جائے گا تو اس وقت ان کا یہ مال و متاع اور دنیاوی جاہ و اقتدار کس کام آئے گا؟ جس پر آج یہ لوگ بدمست و مگن ہیں؟ ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

آ پہنچے ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے، تو ان کے کس کام آ سکتا ہے وہ سامان عیش

يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾

جوان کو دیا جاتا رہا ہے ۱۰٦ اور (ہمارا دستور عام یہ ہے کہ اس سے پہلے) ہم نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر (اس حال میں کہ) اس

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ مع

کے لئے خبردار کرنے والے رہے ہوں، نصیحت کرنے کے لئے اور ہم ظالم نہیں ہیں، اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں اترتے ۱۰۷

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ

نہ تو وہ اس کام کے لائق ہیں، اور نہ ہی وہ ایسا کر سکتے ہیں، ۱۰۸ ان کو تو اس کے سننے سے بھی

لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ

قطعی طور پر دور کر دیا گیا ہے ۱۰۹ پس کبھی (پوجنا) پکارنا نہیں اللہ (وحدہٗ لاشریک) کے ساتھ کسی بھی اور (من گھڑت) معبود کو،

۱۰٦ متاعِ دنیا عذابِ الٰہی کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آ سکے گا: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دنیاوی مال و متاع عذابِ الٰہی کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ "جب ان پر وہ عذاب آ جائے گا تو ان کے کچھ کام نہیں آ سکے گا وہ سامانِ عیش جو ان کو دیا جا رہا ہے"۔ سو اس وقت کچھ بھی انکے کام نہیں آ سکے گا۔ نہ مال و دولت نہ جاہ و جلال اور نہ ہی پارٹی و اولاد۔ اس لئے ان فانی چیزوں پر فخر کرنے کی بجائے اس عذاب سے بچنے کی فکر و کوشش کرو۔ قبل اس سے کہ فرصتِ عمر تمام ہو جائے اور وہ عذابِ الیم تمہیں آ دبوچے جس نے آنے کے بعد پھر ٹلنا نہیں - والعیاذ باللہ - اور اس سلسلے میں جو ڈھیل تم لوگوں کو مل رہی ہے اس سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے - وہ بہرحال ایک ڈھیل ہے جس نے اپنے وقتِ مقررہ پر بہرحال ختم ہو کر رہنا ہے۔ سو اس تاخیر سے جو کہ اسکی حکمت کا تقاضا ہے، نچنت اور بے فکر ہو جانا اور اس عذاب سے بچنے کی فکر کرنے کی بجائے اسکا مذاق اڑانا اور اس کیلئے جلدی کا مطالبہ کرنا پرلے درجے کی حماقت اور نہایت بدبختی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ زیغ و ضلال کی ہر شکل اور اس کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین

۱۰۷ شیاطین کا اس کتابِ حکیم سے کچھ تعلق نہیں ہو سکتا: - سو ارشاد فرمایا گیا اور اس - کتابِ حکیم - کو شیاطین لے کر نہیں اترے"۔ جیسا کہ ان لوگوں کا کہنا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ جب کچھ عرصہ کے لئے وحی رک گئی تو کفارِ قریش کی ایک عورت نے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کے لئے کہا - "قَدْ وَدَّعَهٗ شَيْطَانُهٗ" - "اس کو اس کے شیطان نے چھوڑ دیا" کہ اب وحی کا آنا بند ہو گیا - والعیاذ باللہ العظیم - سو جو بات اور پر ثبت انداز میں ارشاد فرمائی گئی

تھی اسی کو اب منفی انداز میں ارشاد فرمایا جارہا ہے تاکہ مضمون مزید مؤکد اور پختہ ہو جائے۔یعنی پہلے مثبت انداز میں ارشاد فرمایا گیا تھا کہ یہ کلام رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے جس کو کہ جبریلِ امین نے آپ کے قلبِ مبارک وامین پر نازل فرمایا۔اب ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اس کلام حکیم کو شیاطین لے کر نہیں اترے جیسا کہ ان منکرین ومکذبین کا کہنا ہے۔جو کہتے ہیں کہ یہ قرآن جن اور شیاطین کے القاء کا نتیجہ ہے۔والعیاذ باللہ۔یعنی جس طرح شیاطین کاہنوں پر القاء کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح کا کلام ہے۔(المعارف، المراغی وغیرہ)۔والعیاذ باللہ العظیم۔اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔اور ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم وثابت قدم رکھے۔آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین

۱۰۸ قرآنِ حکیم کی عظمتِ شان اور علوِ مرتبہ ومقام کا تقاضا:۔سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ قرآنِ حکیم ایک ایسی عظیم الشان اور عالی مرتبت کتاب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہوسکتا ہے۔شیاطین نہ تو اس کام کے لائق ہیں اور نہ ہی وہ ایسا کرسکتے ہیں۔بھلا شیطان جن کے کام کا طرۂ امتیاز ہی اغواء واضلال ہے ان کو ایسا کلام ہدایت نظام لانے اور پیش کرنے سے مناسبت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ اور وہ اس قابل ہی کہاں کہ ایسا کرسکیں؟ کہ شیاطین تو منبعِ شر وفساد ہے۔اور یہ کلامِ حکیم مصدرِ خیر وبرکت اور نور وہدایت۔اور یہ آباد دنیا میں خیر پھیلانے اور شر مٹانے کیلئے۔تو پھر اسکو شیاطین سے نسبت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ اور جب یہ ایسا کلامِ معجز نظام ہے کہ اسکے چیلنج، اور زور دار اور مکرر چیلنج کے باوجود دنیا ساری اسکی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی بنالانے سے عاجز ہے تو پھر شیطانوں کیلئے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ از خود اسکو گھڑ کر لاسکیں۔سو کتنے ظالم اور کس قدر بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس کلامِ حکیم کو شیطانوں کا کلام قرار دیتے ہیں۔والعیاذ باللہ۔بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ قرآنِ حکیم کا یہ کلامِ معجز نظام نہ اس لائق ہے کہ یہ شیاطین کا کلام ہو نہ شیطان ایسا کرسکتے ہیں اور نہ ہی یہ ان کے لائق ہوسکتا ہے۔یہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور اس سے کہیں اعلیٰ وبالا ہے۔اور یہ خالص اللہ تعالیٰ کا کلام معجز نظام ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔

۱۰۹ شیاطین کے سماعِ قرآن سے عزل وطرد کا ذکر وبیان:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ شیطانوں کو تو اسکے سننے سے بھی معزول ومطرود اور بے بہرہ کردیا گیا ہے کہ اس کلام مقدس کے اترنے کے وقت ان کو شہابوں سے مار کر عالم بالا سے ہی بھگا دیا گیا۔اور اس دنیا میں بھی قرآنِ پاک کی تلاوت سے قبل ان کو۔اعوذ باللہ۔کے ذریعے بھگا دیا جاتا ہے۔اور یوں بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ کی دولت رکھنے والوں پر شیاطین کا کوئی زور نہیں چل سکتا۔ان کا کوئی زور اگر چلتا بھی ہے تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو کہ ان سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہیں۔﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ . اِنَّمَا سُلْطَانُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴾ (النحل:۹۹-۱۰۰)۔سنن ترمذیؒ وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ پہلے جن اور شیاطین آسمان پر جایا کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات سن گن لیتے تو اس میں سو جھوٹ اور ملا کر اسکو اپنے کاہنوں وغیرہ کو بتاتے اور اسکو چلتا کردیتے۔مگر بعد میں جب حضورؐ کو مبعوث فرمایا گیا اور آپؐ پر قرآنِ مجید نازل ہونا شروع ہوا تو ان کا آسمان پر جانا بند ہوگیا اور اسکے بعد ان میں سے جو آسمان پر جاتا تو اسکو شہابوں کے ذریعے مار بھگایا جاتا۔جیسا کہ سورۂ جن کی آیت نمبر ۸ اور ۹ میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔تو ایسے میں ان منکروں کا اس کلامِ حکیم کو شیطانوں کا کلام قرار دینا کتنا بڑا ظلم اور کس قدر ناانصافی ہے۔والعیاذ باللہ العظیم۔سو ایسا کہنا ان لوگوں کی اپنی ہی حماقت کا ثبوت ہے۔والعیاذ باللہ جل وعلا۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔آمین ثم آمین

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾

کہ اس کے نتیجے میں تم شامل ہو جاؤ ان لوگوں میں جن کو عذاب ہوتا ہے ۱۱۰ اور خبردار کرو (سب سے پہلے) اپنے قریب ترین

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾

رشتہ داروں کو (اے پیغمبر!) ۱۱۱ اور جھکائے رکھو اپنا بازوئے (شفقت و فروتنی) ان ایمانداروں کے لئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں، ۱۱۲

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَ تَوَكَّلْ

پھر اگر یہ لوگ نافرمانی ہی کئے جائیں تو (ان سے صاف طور پر) کہہ دو کہ بے شک میں قطعی طور پر بری (اور بے زار) ہوں ان تمام کاموں سے

عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَ

جو تم لوگ کرتے ہو، اور بھروسہ (ہمیشہ) اسی ذات (واحد) پر رکھو جو انتہائی زبردست، نہایت مہربان ہے ۱۱۳ جو دیکھتی ہے آپ کو اس وقت بھی

۱۱۰ **اللہ کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے کی ممانعت:** -سو ارشاد فرمایا گیا پس اللہ کے ساتھ کسی بھی اور معبود کو نہیں پکارنا''۔ یعنی جب یہ اتنی عظیم الشان کتاب آپ کو خداوند قدوس کی طرف سے بذریعہ وحی عطا فرمائی گئی ہے تو اس کے شکرانے میں اس کو دل و جان سے اپناؤ۔ ایمان کے اعتبار سے بھی کہ اس پر سچے دل سے ایمان لاؤ اور علم و عمل کے لحاظ سے بھی کہ تمہارا ہر عمل اس کی تعلیمات مقدسہ کے مطابق ہو۔ اور اللہ- جل جلالہ،- کے سوا کسی بھی اور معبود کو کسی بھی قیمت پر کبھی پکارنا پوجنا نہیں کہ یہ اس کتاب عظیم کی سب سے بڑی سب سے اہم اور سب سے بنیادی تعلیم ہے۔ ورنہ تم عذاب پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ یہاں پر خطاب اگرچہ بظاہر رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- کو ہے لیکن سنانا دراصل دوسروں کو مطلوب ہے۔ جیسا کہ بلاغت کا تقاضا ہے۔ (مدارک، معالم، صفوۃ وغیرہ)۔ اور اس میں یہ عظیم الشان درس بھی ہے کہ جب آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کو بھی باوجود اس قدر عظمت شان کے یہ ہدایت فرمائی جا رہی ہے تو پھر دوسروں کو اس کی کتنی زیادہ ضرورت ہوگی؟ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اصل حقیقت یہی ہے جو تم پر واضح فرما دی گئی کہ معبود برحق بہرحال ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی اللہ- جل جلالہ،- اس لیے تم مخالفوں کے علی الرغم اس موقف حق پر جمے اور ڈٹے رہنا۔ اور کبھی بھی اور کسی بھی حال میں اور کسی بھی قیمت پر اللہ کے ساتھ کسی بھی اور معبود کو نہیں پکارنا کہ اسکے نتیجے میں تم عذاب پانے والوں میں سے ہو جاؤ- والعیاذ باللہ- مگر افسوس کہ ان صاف و صریح تعلیمات کے باوجود آج کا جاہل مسلمان اللہ کے ساتھ بلکہ اللہ کو چھوڑ کر طرح طرح کی فرضی اور من گھڑت ''سرکاروں'' وغیرہ کو پکارتا اور طرح طرح کے شرکیہ نعرے لگاتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ زیغ و ضلال کی ہر قسم اور ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے- اور ہمیشہ راہ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین

۱۱۱ **اپنے قریبی رشتہ داروں کے انذار کا حکم وارشاد:** -سو ارشاد فرمایا گیا ''اور خبردار کرو اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو''۔ یعنی اس دعوت حق کا آغاز سب سے پہلے اپنے گھرانے سے کرو تاکہ یہ امر دوسروں کے لئے نمونہ اور درس ہو۔ چنانچہ صحیح

حدیث کے مطابق اس حکم کے بعد آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے سب کو ایک ایک کر کے پکارا اور خبردار فرمایا- چنانچہ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا ''اے قریش والو، بچاؤ اپنے آپ کو اللہ پاک کے عذاب سے۔ میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکوں گا۔ اے عبد مناف کی اولاد، اے عباس بن عبدالمطلب، اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ، اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی فکر کرو، میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکوں گا''۔ یہاں تک کہ اپنی لختِ جگر حضرتِ فاطمۃ الزہراءؓ کو فرمایا کہ دنیاوی مال و دولت میں سے جو چاہو مجھ سے مانگو- جہاں تک ہو سکا میں تم کو دوں گا- لیکن آخرت میں میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکوں گا۔ لہٰذا اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی خود فکر کرو- سبحان اللہ! - کیا پیاری اور کیسی ستھری اور کس قدر صاف وشفاف نکھری نکھری اور بے غبار تعلیم ہے جو اللہ کے نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اپنی امت کو دی۔ مگر اس کے باوجود آج کا کلمہ گو مشرک کہتا ہے کہ مجھے فلاں فلاں ہستیاں چھڑا دیں گی۔ نماز روزے کی کوئی ضرورت نہیں کہ میں نے اس کا دامن تھام لیا ہے۔ اس کا لڑ پکڑ لیا ہے۔ پس وہ مجھے کافی ہے۔ میں اسی کی نذر و نیاز دیتا رہوں گا وغیرہ وغیرہ۔ اور بدعت پرست ملاں اور پیٹ کا پجاری بیر اس پر اس جاہل کی پیٹھ ٹھونکے جا رہا ہے۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا کہ تم اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو خبردار کرو ان کے انجام سے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحبُ ویرید

۱۱۲ ایمان والوں کے لیے خاص شفقت و عنایت کا حکم و ارشاد: -سو اس سے ایمان والوں کے لیے بازوئے شفقت جھکائے رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اور جھکائے رکھو اپنے بازوئے شفقت ان ایمانداروں کیلئے جو آپکی پیروی کریں''۔ یعنی اپنے پرائے کا معیار و امتیاز ایمان و اتباع پر ہے اور بس۔ جس نے ایمان لا کر میری اطاعت و اتباع کی وہ اپنا۔ خواہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ حبشہ کا بلالؓ ہو یا روم کا صہیبؓ۔ عرب کا خبابؓ ہو یا فارس کا سلمانؓ۔ اور جس نے اس کے خلاف کیا وہ پرایا اور بیگانہ ہے۔ خواہ وہ قریش کا سردار ابوجہل اور خود اپنا چچا ابولہب ہی کیوں نہ ہو۔ مگر افسوس کہ اس کے باوجود آج مسلمان طرح طرح کے فرقوں، ٹکڑوں اور گروہوں اور گروپوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اور اس حد تک اور اس قدر شدت کے ساتھ کہ ان کے درمیان جگہ جگہ اور طرح طرح سے سر پھٹول ہو رہی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں کے نیچے چھپائے رکھتی ہے اس طرح آپ ان لوگوں کو اپنے بازوئے شفقت کے نیچے چھپائے رکھو کہ ان میں سے کوئی غفلت و بے خبری کے سبب اس عذاب کی زد میں نہ آ جائے جس کی خبر ان کو دی جا رہی ہے- والعیاذ باللہ- اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۱۳ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم و تلقین: -سو ارشاد فرمایا گیا ''اور بھروسہ ہمیشہ اسی پر رکھو جو انتہائی زبردست نہایت مہربان ہے''۔ لہٰذا اس کی کوئی پرواہ نہ کرو کہ کون ساتھ دیتا ہے اور کون مخالف بنتا ہے۔ اور بھروسہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھو کہ اس عزیز و رحیم کی حمایت ہر لحاظ سے کافی ہے- جَلَّ شَانُهُ وَعَزَّ بُرْهَانُهُ- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم بھروسہ ہمیشہ اسی عزیز و رحیم ذات پر رکھو کہ اس عزیز و زبردست کی نصرت و حمایت اور مدد جب شامل حال رہے گی تو پھر کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور وہی رحیم و مہربان ہے جو اپنے بندوں کو اپنی رحمت و عنایت سے نوازتا ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- مگر افسوس کہ آج کے جاہل مسلمان کا بھروسہ طرح طرح کے خودساختہ سرکاروں اور فرضی و وہمی سہاروں پر ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے- اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

نَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ

کہ جب آپ کھڑے ہوتے ہیں ۱۱۴ اور (جو نگاہ رکھے ہوئے ہے) آپ کی نقل و حرکت ۱۱۵ پر سجدہ ریزوں میں، بلاشبہ وہی ہے ہر کسی کی سنتا

اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ

سب کچھ جانتا، (لوگو!) کیا میں تم کو یہ بات (نہ) بتادوں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں؟ ۱۱۶ وہ اترا کرتے ہیں ہر

۱۱۴ اللہ تعالیٰ کی عنایت و نگرانی کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بھروسہ ہمیشہ اسی عزیز و رحیم خدائے مہربان پر رکھو "جو دیکھتا ہے آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں"۔ یعنی جب آپ رات کو اٹھتے ہیں یا دن کو سو کر اٹھتے ہیں۔ یا کسی مجلس سے دعوت الی اللہ کی غرض سے اٹھیں۔ یا اور کسی کام کے لئے۔ اس کی عنایت و رحمت بھری نظریں بہرحال آپ ﷺ - پر ہوتی ہیں کہ ﴿حِيْنَ تَقُوْمُ﴾ کا عموم ان سب ہی صورتوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ - (الطّور: ۴۸)۔ کہ بے شک آپ ﷺ - ہماری نگاہِ عنایت میں ہوتے ہیں۔ اور جب اس عزیز و رحیم کی نگاہ آپ پر اور آپ کے ساتھ ہے تو پھر آپ کو کسی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے؟ سو تم بھروسہ ہمیشہ اسی خدائے عزیز و رحیم پر رکھو جسکی نگاہ کرم و عنایت ہمیشہ اور ہر حال میں تم پر رہتی ہے اور خاص کر جب تم رات کے اندھیروں میں اٹھ کر اسکے حضور دعا و التجا کرتے اور اسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہو۔ وہ یقیناً تمہاری تمام دعاؤں کو سنتا اور تمہاری جملہ اداؤں کو دیکھتا اور تمہارے اعمال و افعال کو جانتا ہے۔ پس تم بھروسہ و اعتماد ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھو۔ اور وہی بھروسہ و اعتماد کے لائق ہے کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۱۵ ﴿تقلب فی الساجدین﴾ کا معنی و مطلب؟: - سو ارشاد فرمایا "اور جو نگاہ رکھے ہوئے ہے آپ کی نقل و حرکت پر سجدہ کرنے والوں کے درمیان"۔ خواہ یہ نقل و حرکت دوسرے نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھنے اور رکوع و سجود وغیرہ کرنے کی شکل میں ہو یا ان کی نگرانی اور ان کے حالات معلوم کرنے کی غرض سے۔ سو آپ کا رب اور آپ کا خالق و مالک آپ کو ہر وقت اور ہر حال میں دیکھتا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - سو یہ ارشادِ ربانی ایسے ہی ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی مشہور حدیث میں فرمایا گیا۔ "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرٰكَ"۔ یعنی "احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی ایسے کرو جیسے تم اسکو دیکھ رہے ہو۔ سو اگر تم اسکو نہیں دیکھ سکتے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے" (تفسیر المراغیؒ وغیرہ)۔ یہی مطلب اس آیتِ کریمہ کا تمام ثقہ اہلِ علم اور جمہور مفسرینِ کرام نے بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر طبری، ابنِ کثیر، قرطبی، صفوۃ التفاسیر، روح المعانی اور المراغی وغیرہ وغیرہ۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد آپ ﷺ - کا اَصلابِ آباء و اُمہات میں منتقل ہوتے رہنا ہے۔ اور ہمارے

اہلِ بدعت جو علمِ صحیح کی روشنی سے محروم اور ایسی ہی گری پڑی اور شاذ و نادر قسم کی روایات کی تلاش میں رہتے ہیں انہوں نے اسی قول کو اپنایا ہے۔ اور اسکو اپنے مزعومات کے مطابق خوب مرچ مسالہ لگا کر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو یہ اللہ پاک کے اسی وسیع اور بے مثال علم کی عکاسی کرتی ہے کہ وہ آپ کو ہر حال میں دیکھتا اور جانتا ہے اور بس۔ مگر یہ روایت سند کے لحاظ سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ اور خود لفظِ تقلب میں بھی اسکے ضعف پر دلالت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ تقلب اصل میں اس نقل و حرکت کو کہا جاتا ہے جو انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اَصلابِ آباء و اُمہات میں کی جانے والی نقل و حرکت میں انسان کے اپنے ارادہ و اختیار کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اسی لئے علامہ آلوسیؒ جیسے محققین اس روایت کو اس آیتِ کریمہ کا مصداق قرار دینے کیلئے تیار نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ میں اس روایت اور اس پر مبنی اس تفسیر پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ (روح المعانی: ج ١٩ ص ١٣٨)۔ نیز اس تفسیر کے اختیار کرنے پر کچھ اور تکلفات بھی کرنے پڑتے ہیں جو لوگوں کیلئے کئی اور مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر ایسے لوگوں نے حضرتِ ابراہیمؑ کے باپ آزر کے آپؑ کا باپ ہونے سے انکار کیا کہ وہ مشرک تھا۔ اس لئے ان کو یہ کہنا پڑا کہ اس سے مراد ابراہیم کے باپ نہیں انکے چچا ہیں۔ حالانکہ یہ بلا وجہ کا تکلیف اور خروج عن الظاہر ہے جس کا ارتکاب ایسے لوگوں کو خواہ مخواہ اور اسی روایت کی بنا پر کرنا پڑا۔ والعیاذ باللہ۔ بہرحال آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو ہر حال میں دیکھتا ہے اور آپ ہمیشہ اس کی نظرِ عنایت کے زیرِ سایہ رہتے ہیں تو بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھئے۔ اس کا بھروسہ آپ کے لئے ہر لحاظ سے کافی ہے۔ پھر آپ کو کسی کی کیا پرواہ؟ وہ ہر حال میں آپ کو دیکھتا اور آپ کی نگرانی فرماتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ طور میں ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا﴾ (طور: ٤٨) یعنی ''آپ یقیناً ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں''۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ والحمدللہ رب العالمین

١١٦ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ :- سو ارشاد فرمایا گیا ''کیا میں تم لوگوں کو نہ بتادوں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟''۔ اوپر فرمایا گیا تھا کہ اس کتابِ مبارک کو نہ شیطان لا سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اس قابل ہیں۔ اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ شیطان کس قماش کے لوگوں پر اترا کرتے ہیں۔ وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں اور ان کی امتیازی صفات کیا ہوتی ہیں؟ کافر لوگ حضورؐ کیخلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ آپؐ۔ نعوذ باللہ۔ کاہن ہیں۔ اور جس طرح کاہنوں پر ان کے شیاطین غیب کی باتیں القاء کرتے ہیں اسی طرح آپؐ پر بھی یہ شیاطین اس کلام کا القاء کرتے ہیں جس کو یہ صاحب وحی کے نام سے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تو اس پر ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم لوگ یہ جاننا چاہتے ہو کہ شیاطین کس طرح کے لوگوں پر اترتے ہیں تو آؤ میں تم کو بتاتا ہوں کہ وہ کون اور کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ سو وہ ان لوگوں پر اترتے ہیں جو جھوٹے، دھوکے باز اور گناہوں میں لتھڑے ہوتے ہیں کہ مکھی گندگی پر بیٹھتی ہے۔ اسلئے ایسے گندوں کا جوڑ اور تعلق گندوں ہی سے ہو سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ مِّنَ الاحوال

اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

بہتان باز (اور جعل ساز و) بدکردار پر ف۱۱۷ وہ سنی سنائی باتیں ف۱۱۸ ان کے کانوں میں پھونکتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں،

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ

رہے شاعر، تو ان کے پیچھے تو گمراہ لوگ ہی چلا کرتے ہیں، ف۱۱۹ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ (کس طرح)

وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾

بھٹکتے پھرتے ہیں ہر وادی میں، ف۱۲۰ اور وہ کہتے وہ کچھ ہیں جو خود کرتے نہیں ف۱۲۱

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ

بجز ان کے جو ایمان (ویقین) کی دولت سے مالا مال ہوں، اور وہ کام بھی نیک کریں، اور وہ یاد کریں اللہ کو

۱۱۷ **افّاکٍ کا معنیٰ ومطلب؟**:۔ ''اَفَّاکٍ''، ''اِفَک'' سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اور ''افک'' کے اصل معنیٰ پلٹنے اور الٹا کر دینے کے آتے ہیں۔ پس ''افّاک'' وہ شخص ہے جو سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھائے۔ اور جب شیطان اس قسم کے جعل ساز لوگوں پر اترتے ہیں تو پھر سید الاولین والآخرین اور ازکی الازکیا فی العالمین۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔ پر ان کے اترنے کی تک ہی کیا ہو سکتی ہے؟ بس یہ الزام سراسر افتراء و بہتان اور ان افتراء پردازوں کی خرد باختگی کا ثبوت و نشان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ''اَفَّاکٍ'' ایسے دروغ باز، جعل ساز اور مکار شخص کو کہا جاتا ہے جو سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنانے کیلئے طرح طرح کے جھوٹ گھڑتا ہے اور اسکو طرح طرح کی ملمع سازیوں اور تلبیسات کے ذریعے ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور خاص کر ان کو رام کرنے کیلئے یہ انکو انکے سامنے اس دعوے کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ یہ سب باتیں غیب کی ہیں۔ جو پردۂ غیب سے اس پر القاء ہوئی ہیں۔ سو یہ ایسے لوگوں کی جن پر شیاطین اترتے اور ان پر وحی کرتے ہیں پہلی صفت بیان ہوئی کہ یہ لوگ ''اَفَّاکٍ'' اور جعل ساز لوگ ہوتے ہیں۔ اسکے ساتھ ان کی دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ یہ ''اثیم'' وبدکار رہوتے ہیں۔ یعنی اخلاقی لحاظ سے یہ لوگ بہت گرے ہوئے اور ہر قسم کے گناہوں سے آلودہ اور ان کی میل سے بری طرح ملوث ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ مردار خور جانور وہیں اکٹھے ہوتے ہیں جہاں ان کو مردار ملتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر ہی چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۱۸ **جعل سازوں اور ان کے کام کی نشاندھی**:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جعل سازوں کا کام سنی سنائی باتوں کو آگے پھیلانا اور جعل سازی ہی کے لیے کان لگائے رکھنا ہوتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''وہ سنی سنائی باتیں ان کے

کانوں میں پھونکتے ہیں''۔ یعنی ''سمع'' کو یہاں پر ''مسموع'' کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''سمع'' یہاں پر آلۂ سمع - کان - کے معنی میں ہو کہ شیاطین آسمان سے عالمِ بالا کی خبریں سننے کے لئے کان لگاتے ہیں۔ مگر مار بھگائے جاتے ہیں۔ اور حدیثِ صحیح کے مطابق جب وہ اس طرح کی کوئی ایک آدھ بات سن لیتے ہیں تو اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر اپنے چیلوں کو سناتے ہیں۔ اور اس طرح جھوٹ کی ترویج کی جاتی ہے۔ نیز اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جھوٹ سننے کے رسیا اور عادی ہوتے ہیں۔ اور وہ اسی کو سننے اور پانے کیلئے کان لگائے رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے دوسرے ہم مشرب یہود اور منافقین کے بارے میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾- نیز اس کا ایک اور مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے اور یہی زیادہ واضح اور یہاں پر چسپاں ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا طریقۂ واردات یہ ہوتا ہے کہ احمق لوگ جب ان کے پاس کسی معاملے میں غیب کی خبر معلوم کرنے کیلئے جاتے ہیں تو ایسے لوگ کچھ سفلی عملیات کیلئے مراقبہ کرتے ہیں۔ اور پھر کوئی مقفٰی و مسجع قسم کی عبارت ان کے سامنے بجالاتے ہیں جو کہ بالکل بے معنی یا ذو معنی قسم کی ہوتی ہے۔ اور اسکو یہ لوگ ان کے سامنے اپنے الہام کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ان پر یہ بات غیب سے فلاں جن نے القاء کی ہے۔ اور اپنے اس کاروبار کے سلسلے میں لوگوں کو دکھانے اور ان کو اپنا معتقد اور گرویدہ بنانے کیلئے ایسے جعل ساز اپنے مراقبے میں اس طرح بیٹھتے ہیں کہ گویا ہاتفِ غیبی سے کوئی بات سننے کیلئے کان لگائے ہوئے ہیں۔ اسی کو یہاں پر القاءِ سمع سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور مراقبہ کا یہ طریقہ مشرک قوموں کے اندر قدرِ مشترک کے طور پر ہمیشہ موجود رہا۔ انکے کاہن، پروہت، جوگی، عامل اور قبروں کے مجاور لوگ اسی طرح کی نمائش کرتے ہیں۔ پہلے بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ سو ﴿يُلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ کے کلماتِ کریمہ کا عموم ان سب ہی مطالب و مفاہیم کو شامل ہے۔ سبحان اللہ- کیا کہنے اس جامعیت اور وسعت کے- فالحمد للہ رب العالمین- اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ حکیم کے معانی و مطالب اور اسرار و رموز سے مزید از مزید آگہی سے مشرف فرمائے، اور ہر قسم کے شرور و فتن اور ہر شائبۂ زیغ وضلال سے اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ محفوظ رکھے- اور اپنی مرضیات پر قائم و دائم رہنے کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۱۹ بے دین شعراء کے پیچھے چلنا گمراہوں کا کام- والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''شعراء کے پیچھے گمراہ لوگ ہی چلتے ہیں''۔ جب کہ محمد رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- کے پیروکاروں اور آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کی تربیت و تعلیم سے فیضیاب ہونے والے پاکیزہ نفوس کی کوئی مثال انبیائے کرام کے بعد چشمِ فلک نے نہ اس سے پہلے کبھی دیکھی اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھ سکے گی۔ تو پھر اس کلامِ معجز نظام سے کسی شیطانی تاثیر کا آخر تعلق ہی کیا ہوسکتا ہے؟- چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک- یہاں پر شعراء کی تعریف اور ان کا تعارف ان کے پیروکاروں سے کرایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی کے بارے میں معلوم کرنا ہو کہ وہ کیسا ہے تو اس کے رفقاء اور پیروکاروں کو دیکھ لیا جائے کہ جیسے وہ ہونگے ایسا ہی وہ شخص ہوگا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا اور خوب کہا- لَاتَسْأَلْ عَنِ الْمَرْءِ وَاسْئَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ- فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ- یعنی جب تمہیں کسی آدمی کے بارے میں جاننا ہو کہ وہ کیسا ہے تو اسکے بارے میں مت پوچھو بلکہ اسکے ساتھیوں کے بارے میں پوچھو کہ اسکے ساتھی کون اور کیسے لوگ ہیں؟ اور اسکا بیٹھنا کن اور کیسے لوگوں کے ساتھ ہے؟ کیونکہ ہر شخص

اپنے ساتھی کے طریقہ ہی کی اقتداء وپیروی کرتا ہے اور اسی کی راہ پر چلتا ہے۔

۱۲۰ شعراء کا کام ہر وادی میں بھٹکنا - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں"۔ وادی سے یہاں پر مراد وادیٔ کلام ہے - "اَیْ مِنْ اَوْدِیَةِ الکلام" - (جامع البیان: ج ۲ ص ۱۰۷)۔ یعنی ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ کبھی وہ کلام کی کسی وادی میں بھٹک رہے ہوتے ہیں اور کبھی کسی وادی میں۔ سو کبھی وہ کسی کی تعریف کر کے اس کو آسمان پر چڑھا دیں گے اور سورج وچاند کی صفات اس میں ثابت کر دیں گے۔ اور پھر موڈ بدلا تو اس کو نقائص ومعائب کے ایسے گڑھے میں ڈال دیں گے کہ دنیا بھر کے عیوب اس میں جمع کر دیں گے۔ کہ شعر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس میں جتنا جھوٹ اور مبالغہ زیادہ ہو گا اتنا ہی اس کو عمدہ تصور کیا جائے گا۔ سو معلوم ہوا کہ شاعر لوگوں کے سامنے نہ کوئی پاکیزہ مقصد ہوتا ہے نہ کوئی متعین راستہ۔ بلکہ وہ ہمیشہ خواہشات اور اَہواء واَغراضِ نفس کے پیچھے بہتے چلے جاتے ہیں۔ جبکہ محمد رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کا مقصد ونصب العین سب سے اعلیٰ وارفع اور اس کا طریق بھی واضح ومتعین اور نہایت صاف وستھرا اور مقدس وپاکیزہ ایسا اور اس قدر کہ اسکی دوسری کوئی نظیر ومثال ممکن ہی نہیں۔ یعنی حق وصدق کی خود پیروی کرنا اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا۔ اللہ کی طرف بلانا۔ آخرت کی ترغیب دینا اور دنیا سے بے رغبتی سکھانا اور اس کی حقیقت کو واضح کرنا۔ تاکہ راہِ حق کا کوئی راہرو دھوکے کا شکار نہ ہو جائے۔ انسان کو حیوانیتِ محضہ کے قعرِ مذلت سے نکال کر شرفِ انسانیت کے منصبِ عالی پر بٹھانا اور اس کو اسکے خدا سے ملانا۔ تو ایسے میں آپ کے پیش فرمودہ اس کلامِ حق ترجمان کو بھلا شاعری سے کوئی نسبت ہی کس طرح ہو سکتی ہے؟۔ یہ تو سراسر ہدایت، نری رحمت، اور منبع خیر وبرکت ہے۔ والحمد للہ جلّ وعلا، الّذی شرّفنا بہ ایمانًا بہ وتصدیقًا

۱۲۱ شعراء کا کام کہنا کچھ اور کرنا کچھ - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شاعروں کی خاصیت یہ ہے کہ کہنا کچھ اور کرنا کچھ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ کہتے ہیں وہ کچھ جو خود کرتے نہیں"۔ جبکہ محمد رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کا اسوۂ حسنہ اسکے بالکل برعکس یہ ہے کہ آپ ﷺ - نے جو فرمایا اس پر سب سے پہلے خود عمل کیا۔ اور اپنوں کو اس راہ پر چلایا۔ دنیا کے سامنے سب سے پہلے خود اپنا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ اور نمونہ بھی ایسا کامل واکمل کہ ساری دنیا کے لئے مینارۂ نور اور نشانِ رشد وہدایت ہے - علیہ الصلوٰۃ والسلام - جبکہ شاعر جیسا کہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں نہ کہ عمل وکردار کے۔ وہ اپنے شعروں میں تو بہت کچھ کہیں اور لکھیں گے لیکن عمل وکردار کے اعتبار سے صفر ہونگے۔ وہ خیالی دنیا میں رہتے ہیں اور ان کی رزم وبزم باتیں سب خیالی ہوتی ہے۔ جن مکارم اخلاق کی تعریف میں وہ آسمان اور زمین کے قلابے ملاتے ہیں خود ان پر عمل کے اعتبار سے کورے ہوتے ہیں۔ جبکہ پیغمبر جو فرماتے ہیں اس پر عمل کا نمونہ وہ سب سے پہلے اپنی ذات سے پیش کرتے ہیں۔ اور ان کا عمل وکردار سب کے لیے اسوہ اور قدوہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو شاعروں کو ان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟۔ سو صلاح وفلاح کی راہ ہدایاتِ دین کی پیروی واتباع ہے، اسکے سوا ہر راستہ محرومی کا ہے، والعیاذ باللہ

كَثِيرًا وَّانْتَصَرُوا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۭ وَسَيَعْلَمُ

بہت و۱۲۲ اور وہ بدلہ لیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا جائے و۱۲۳ (کہ ان کا معاملہ دوسرا ہے،) اور عنقریب خود ہی جان

الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ع (۲۲۷)

لیں گے وہ لوگ جو ظلم کرتے رہے کہ کس انجام سے دوچار ہونا ہے ان کو و۱۲۴

ع ۱۱ / ۱۵

۱۲۲ **ایماندار اور سچے شاعروں کا استثناء:**۔ سو بیکار و بدکار شاعروں سے سچے اور ایماندار شاعروں کا استثناء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا "مگر جو ایمان اور عملِ صالح کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں اور وہ اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں"۔ اللہ پاک کو یاد کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کا ذکر کیا کریں اور یہ بھی کہ اپنے شعر و کلام سے بھی اس کی تعریف کریں۔ اور اس کی عظمت کو بیان کریں۔ اور اس کی عظمتِ شان اور ذات و صفات کا ایسا استحضار ہو کہ انسان ہمیشہ اسی کا ہو کر رہ جائے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيقَ لِذَالِكَ وَالسَّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَيْهِ وَخُذْ بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ فِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ وَبِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَال ۔ يَا مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ۔ جیسا کہ دربارِ رسالت کے شعرائے کرام تھے کہ وہ دولتِ ایمان سے سرشار و سرفراز تھے۔ اس بناء پر انکی شاعری عام شاعرانہ لغویات سے پاک اور ایک بامقصد شاعری تھی۔ اور ان کا ہر شعر حق کی حمایت اور اسکے دفاع میں ہوتا تھا۔ وہ صرف گفتار کے غازی نہیں تھے بلکہ عمل و کردار کے بھی دھنی اور غازی تھے۔ اور وہ تقویٰ کی دولت سے مالا مال تھے۔ اور اس کے بعد اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں جو مختلف شعرائے کرام پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی درد و سوز بھری سچی شاعری کے ذریعے اسلام کی مقدس اور پاکیزہ تعلیمات کو پھیلانے، عام کرنے اور ان کو لوگوں کے دلوں میں اتارنے کے لیے عظیم الشان اور بڑا مفید و موثر کردار ادا کیا۔ اور انہوں نے اپنے آفاقی شاعری کے ذریعے ایک دنیا کے دلوں کو گرمایا اور ان کو حیاتِ تازہ بخشی۔ سو مذموم شاعری وہ ہے جو ایمان و یقین کے نور سے محروم اور محض اوہام و تخیلات پر مبنی ہو۔ اور جس کا مقصد اتباع ہویٰ ہو، اور یہ ہلاکت و تباہی کی راہ ہے، والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال،

۱۲۳ **ظلم کے بعد بدلہ لینے کی اجازت:**۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ بدلہ لیتے ہیں اسکے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا ہوتا ہے"۔ یعنی اسلامی تعلیمات کے مطابق ظلم کا بدلہ لینا جائز ہے۔ اسلام مسیحیت محرفہ کی طرح یہ نہیں سکھاتا کہ کوئی اگر ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم دوسرا بھی اس کے آگے رکھ دو۔ سو اسلام میں ایسے نہیں بلکہ اس میں بدلہ لینے کی جبکہ وہ جائز حدود کے اندر ہو اجازت ہے۔ بلکہ اگر معاملہ ذاتی اور شخصی نوعیت سے بڑھ کر حرماتِ دین کے انتہا کا ہو تو اس وقت بدلہ لینا واجب ہو جاتا ہے۔ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ مومن اپنی جان سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی تلوار و زبان سے بھی۔ اور خود آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شاعرِ اسلام حضرتِ حسان بن ثابت۔ رضی اللہ عنہ۔ کو مسجد نبوی کے منبر پر بٹھا کر فرمایا کرتے تھے۔ اُهْجُهُمْ وَجِبْرِيْلُ مَعَكَ ۔ یعنی تم ان کفار کی ہجو اور مذمت کرو جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف شعر کہتے اور

یاوہ گوئی کرتے ہیں اور جبریلِ امین تمہارے ساتھ ہیں۔ نیز فرماتے "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تمہارے یہ اشعار تیروں سے بھی بڑھ کران کو ضرب لگاتے ہیں" -اَشَدُّ عَلَيۡهِمۡ مِنۡ رَشۡقِ النَّبۡلِ"- مگر نبی رحمت -علیہ الصلوۃ والسلام- کا عدل وانصاف ملاحظہ ہو کہ آپ شعرائے اسلام کو انتصار اور بدلہ لینے کی اس اجازت کے ساتھ ساتھ یہ تعلیم وتلقین بھی فرماتے تھے کہ تم اپنے شعروں میں حق وانصاف کے خلاف کوئی بات نہیں کہنا۔ اور مخالفین کے ماں باپ کا ذکر نہ کرنا۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو مظلوم کو اپنی مظلومیت کیخلاف آواز اٹھانے اور ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ وہ حدود کے اندر رہو اور ظلم وطغیان کے ارتکاب سے بچ کر ہو،

۱۲۴ ظالموں کے لیے تنبیہ وتذکیر: -سو ارشاد فرمایا گیا "ظالموں کو عنقریب خود معلوم ہو جائے گا کہ ان کو کیا بھگتان بھگتنا ہے"- والعیاذ باللہ: -﴿ظَلَمُوۡا﴾ کے ضمن میں ظالموں کا جو اجمالی ذکر آ گیا اس پر اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ عنقریب ان کو خود معلوم ہو جائے گا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اور انہیں کس انجام سے دوچار ہونا ہے۔ مگر وقت گزرنے کے بعد اس جاننے کا انکو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا۔ اور ظلم کی سب سے بڑی شکل کفر وشرک ہے۔ اور اس کے بعد ہر گناہ ونافرمانی بھی اسی کے ذیل میں آتی ہے۔ مگر اپنے اپنے درجات کے مطابق- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہر ظلم اور ظلم کی ہر شکل سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے- آمین یارب العالمین۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ظالموں کو عنقریب خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ جس ظلم کا ارتکاب انہوں نے کیا تھا اس کا بھگتان انکو بھگتنا پڑے گا- والعیاذ باللہ- سو اس ارشاد میں ظالموں کے لیے بڑی تنبیہ وتذکیر ہے تاکہ وہ بچ جائیں اپنی بری روش اور برے انجام سے- والعیاذ باللہ العظیم-

---

☆——تکمیل نظر ثانی سورۂ شعراء بروز پیر، بتاریخ ۸ شعبان ۱۴۱۸ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۹۷ء بوقت اڑھائی بجے مکان خود سطوہ، دبی والحمد للہ رب العالمین، الذی لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ سبحانہٗ وتعالیٰ

☆——تکمیل پروف ریڈنگ دوسری بار ۲۲ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق یکم اپریل ۲۰۰۰ء بروز ہفتہ بوقت سوا ایک بجے دن مدنی منزل، معمورۂ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر پاکستان (دوران رخصت) والحمد للہ رب العالمین قبل کل شیء وبعد کل شیء

☆——تکمیل پروف ریڈنگ تیسری بار ۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۹ جون ۲۰۰۱ء بروز ہفتہ بوقت سوگیارہ بجے شب سطوہ دبی والحمد للہ رب العالمین فانہ ھو الاھل للحمد فی الاولیٰ، والاخرۃ، وھو علی کل شیء قدیر۔

☆——تکمیل پروف ریڈنگ چوتھی بار ۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۳ ہجری بمطابق ۸ جنوری ۲۰۰۳ بروز بدھ بوقت ساڑھے پانچ بجے شام- سطوہ، دبی- والحمد للہ رب العالمین- بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ،

☆——تکمیل پروف ریڈنگ پانچویں بار ۱۴- رمضان المبارک ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۹- نومبر ۲۰۰۳ء، بروز اتوار بوقت سوا ایک بجے دن (بعد از نماز ظہر) مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان- والحمد للہ رب العالمین-

اٰیَاتُهَا ۹۳ — ۲۷ سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ۴۸ — رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ نمل مکی ہے اور اس کی ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے،

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱

طا سٓ، یہ آیتیں ہیں اس عظیم الشان قرآن کی، یعنی کھول کر بیان کر دینے والی ایک ایسی کتاب کی، وا

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

جو سراسر ہدایت، اور عظیم الشان خوشخبری ہے ان ایمان والوں کے لئے، وا۲ جو نماز قائم کرتے،

۱ قرآن اپنی صداقت وحقانیت کی دلیل خود: سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے۔ یعنی یہ عطف تفسیری ہے اور تنکیر وتنوین تعظیم کے لئے ہے۔ یعنی کتاب مبین سے یہاں پر مراد یہ قرآن حکیم ہی ہے۔ اور یہ عطف عطفِ صفت بر صفت کے قبیل سے ہے۔ (روح، مراغی، مدارک، فتح اور محاسن وغیرہ)۔ سو یہ قرآنِ حکیم ایک ایسی کتابِ مبین ہے جو دنیا وآخرت اور خود انسان کی زندگی، اسکے آغاز وانجام اور اسکے مقصدِ حیات وغیرہ سے متعلق بنیادی حقائق کو کھول کر بیان کرتی ہے۔ اور اس طور پر کہ کسی امر کے بارے میں کوئی خفاو غموض باقی نہیں رہ جاتا۔ نیز یہ کتاب اس امر کو بھی کھول کر بیان کرتی ہے کہ یہ خالص تنزیل اور اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اور اس کے ثبوت کیلئے کسی خارجی دلیل اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ منکرین اور مخالفین مطالبہ کر رہے تھے۔ بلکہ یہ اپنے اوپر خود ہی دلیل ہے۔ سو یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے جسکی قدر نہ کرنا سخت محرومی کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال

۲ قرآنِ حکیم سراسر ہدایت وخوشخبری: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قرآنِ حکیم ایمان والوں کے لیے سراسر ہدایت اور عظیم الشان خوشخبری ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ سراسر ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کیلئے"۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اس کتابِ حکیم سے استفادے کی پہلی بنیاد اور اولین شرط ایمان ہے۔ اور ایمان بھی محض زبانی کلامی اور خالی خولی نہیں۔ بلکہ وہ سچا پکا اور صحیح ایمان جس کے نور سے دل منور ہوں۔ اور انکے اعمال وافعال سے اس کی تصدیق وتائید ہوتی ہو کہ ایسے ہی دل قرآنِ حکیم کے علوم ومعارف اور اسکے انوار وتجلیات سے مستفید وفیضیاب ہوتے ہیں، اور ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی گزر چکا ہے۔ اور یہ ایک طبعی اور معقول چیز ہے کہ اس سے مستفید وفیضیاب وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ایمان لانا اور مستفید ہونا چاہیں۔ جبکہ اس سے اعراض کرنے اور روگردانی برتنے والوں کے لیے ان کی محرومی میں اضافہ ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ﴿ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴾۔ اللہ تعالیٰ اعراض وروگردانی کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ

زکوۃ دیتے، اور آخرت پر (پورا پورا) یقین رکھتے ہیں، ف۳

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ

(اس کے برعکس) جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بلاشبہ ان کے لئے ہم نے ان کے اعمال کو ایسا خوشنما بنا دیا ہے کہ وہ

يَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

بھٹکتے ہی چلے جا رہے ہیں، ف۴ یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے (قیامت سے پہلے بھی) برا عذاب ہے، اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ

آخرت میں بھی یہی لوگ سب سے زیادہ خسارے والے ہوں گے ف۵ اور (گو یہ منکر لوگ نہ مانیں مگر) اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ

یہ قرآن ایک ایسی ذات کی طرف سے دیا جا رہا ہے جو بڑی ہی حکمت والی، سب کچھ جانتی ہے ف۶ (اور وہ عبرتوں بھرا قصہ بھی یاد کرو کہ)

۳ ایمان بالآخرت کی خاص اہمیت: ـ سو آخرت پر ایمان و یقین کو بطورِ خاص ذکر فرمانے سے اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا اجمالی ذکر اس سے پہلے مطلق ایمان کے ضمن میں آچکا ہے کہ عقیدۂ آخرت ہی دراصل وہ اہم اور بنیادی نقطہ ہے جس پر انسان کے بناؤ بگاڑ کا مدار و انحصار ہے۔ کہ اسی ایمان و یقین سے اس کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ غور و فکر سے کام لیتا ہے۔ ورنہ اس سے محرومی کی صورت میں انسان لایعنی اور غیر ذمہ دار انسان بلکہ محض ایک حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ لوگ چاہے اس کتابِ حکیم کی قدر کریں یا نہ کریں حق اور حقیقت بہرحال یہی ہے کہ یہ کتابِ حکیم ایمان والوں کے لیے سراسر ہدایت اور عظیم الشان بشارت بن کر نازل ہوئی ہے۔ سو اس سے ان کو راہِ حق و ہدایت کی راہنمائی بھی ملتی ہے اور دارین کی سعادت اور فوز و فلاح سے سرفرازی بھی ـ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید و علی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۴ برے اعمال کی خوشنمائی ایک مستقل عذاب ـ والعیاذ باللہ: ـ سو منکرین و معاندین کے لیے ایک سزا یہ ہے کہ ان کے برے اعمال کو ہی خوشنما بنا دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ اپنے برے عمل کو چھوڑنے کے لیے ہی تیار نہیں ہونگے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ ہلاکت و تباہی کی راہ پر بڑھتے چلے جائیں گے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ نورِ ایمان سے محروم لوگوں کیلئے سنتِ الٰہیہ یہی ہے کہ انکے لیے انکے برے اعمال ہی کو مزین کر دیا جاتا ہے ـ والعیاذ باللہ ـ یعنی ایسے لوگوں کے دلوں میں چونکہ حق کی طلب و تلاش ہوتی ہی نہیں۔ وہ اسی دنیائے دوں کے وقتی اور عارضی فائدوں کے حصول

ہی کو اصل کامیابی اور اس کی تکلیفوں اور ناداریوں کو ہی وہ اصل ناکامی سمجھتے ہیں۔ اور وہ اسی کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے انہی اعمال کو سب سے اچھا سمجھتے ہیں جو وہ اس دنیا کی کمائی کے لئے کرتے ہیں۔ اس لئے وہ ہدایت کے نور سے محروم رہ کر گمراہیوں کی تاریکیوں میں ہی بھٹکتے رہتے ہیں۔ ''اور ہم نے ان کے برے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا'' کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو شخص ہدایت سے منہ موڑے گا وہ اس سے اسی طرح محروم رہ جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔ اور جب کسی کے برے اعمال کو اسکے لیے مزین کر دیا جاتا ہے تو وہ انہی کو اچھا سمجھ کر ان میں مشغول ہو جاتا ہے اور اسکو حق و ہدایت کی طرف رجوع کی توفیق بھی نہیں ملتی جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو برے اعمال کو اچھا سمجھنا ایک نقد اور فوری سزا ہے جو دستورِ خداوندی کے مطابق ایسے لوگوں کو ملتی ہے۔ اور اس کے باعث وہ نورِ حق و ہدایت سے محروم اور دور سے دور تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۵ سب سے بڑے خسارے والے لوگ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ایسے لوگوں کے لیے بڑا برا عذاب ہے اور ایسے لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہونگے''۔ اس سے بڑا اور برا خسارہ اور کیا ہوگا کہ دائمی عذاب کے مستحق بن گئے۔ اور آخرت کی کمائی کے لئے عمرِ دنیا کی جو فرصت انکو ملی تھی اسکو انہوں نے یونہی ضائع کر دیا۔ اب نہ اس عذاب سے چھٹکارا اور نہ دنیاوی زندگی کے دوبارہ ملنے کا کوئی سوال و امکان۔ سو بڑے ہی ناکام و نامراد ہیں وہ لوگ جو نورِ ایمان اور فکرِ آخرت کی دولت سے محروم اسی دنیا کے لئے جی رہے ہیں۔ خواہ وہ اس دنیا میں ظاہری اور مادی اعتبار سے کتنی ہی کچھ ترقی کیوں نہ کر لیں۔ اور ابنائے دنیا کے نزدیک وہ کتنے ہی بڑے سمجھدار اور ترقی یافتہ کیوں نہ شمار کئے جاتے ہوں۔ اور فلاح و کامیابی کی راہ یہی ہے کہ انسان ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز ہو کر اپنی اس دنیاوی زندگی میں آخرت کیلئے تیاری کرے۔ وباللہ التوفیق۔ اور اپنے خالق و مالک کی ارشاد فرمودہ اور اسکی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلے اور اپنی آخرت کی کامیابی اور وہاں کی فوز و فلاح ہی کو اپنا اصل مقصد بنائے۔ اسی میں اسکی دنیا و آخرت دونوں کا بھلا ہے۔ ورنہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے خسارے سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۶ قرآنِ حکیم کی عظمتِ شان کے ایک اہم پہلو کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''یقیناً یہ قرآن آپ پر بڑی ہی حکیم و علیم ذات کی طرف سے اتارا جا رہا ہے''۔ جس کی نہ حکمتِ بے پایاں کا کوئی کنارہ و انتہاء اور نہ اس کے علم کی کوئی حد و نہایت۔ پھر اس کی طرف سے عطا فرمائے جانے والے اس قرآنِ حکیم کی عظمتوں کا کیا ٹھکانا۔ اس لئے آپ منکرین کی پرواہ کئے بغیر اپنا کام جاری رکھیں اور نظر ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک کی رحمتوں عنایتوں اور کرمفرمائیوں پر رکھیں۔ اور ان محروم القسمت لوگوں کی کرتوتوں کی پرواہ مت کریں۔ جس ذات نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے وہ آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گی۔ اور جب اس کی نصرت و عنایت اور اِمداد و حمایت آپ کو حاصل ہے تو پھر آپ کو کسی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ وہ ہر قدم پر آپکی نصرت فرمائیگی اور آپکو منزلِ مقصود تک پہنچا دے گی۔ سو اس ارشاد سے جہاں ایک طرف قرآنِ حکیم کی بے پایاں عظمتِ شان کے ایک اہم پہلو کو اجاگر فرمایا گیا ہے وہیں دوسری طرف اس میں پیغمبر کے لیے تسلیہ و تسکین کا عظیم الشان سامان بھی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے آپ کی امت کے لئے بھی سامانِ تسکین ہے، والحمد للہ۔

إِنِّيٓ ءَانَسۡتُ نَارٗا سَـَٔاتِيكُم مِّنۡهَا بِخَبَرٍ أَوۡ ءَاتِيكُم

جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے ایک آگ سی نظر آرہی ہے، میں ابھی وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر یا کوئی

بِشِهَابٖ قَبَسٖ لَّعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُونَ ۝٧ فَلَمَّا جَآءَهَا

انگارا چن لاتا ہوں تاکہ تم گرمی حاصل کرسکو، ۷ پھر جب موسیٰ وہاں پہنچے

نُودِيَ أَن بُورِكَ مَن فِي ٱلنَّارِ وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَ

تو انہیں ایک آواز آئی کہ برکت ہو ان پر بھی جو اس آگ کے اندر ہیں، اور اس پر بھی جو اس کے آس پاس ہے ۸ اور

سُبۡحَٰنَ ٱللَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝٨ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّهُۥٓ أَنَا ٱللَّهُ

(یہ نور ذات خداوندی نہیں کہ) اللہ جو پروردگار ہے سب جہانوں کا پاک ہے (ہر حد بندی سے،) اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں (جو کہ یہ کلام

۷ سرگزشت موسیٰ کے ایک اہم حصے کی تذکیر و یاددہانی:۔۔سو یہاں سے حضرتِ موسیٰ کی سرگزشت کے اہم حصے کو سبق آموزی کیلئے ذکر فرمایا جارہا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ کی سرگزشت کے اس حصے کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے ایک آگ سی نظر آرہی ہے۔ میں جاتا ہوں تاکہ میں وہاں سے تمہارے لیے کوئی خبر لے آؤں یا کوئی انگارہ اٹھا لاؤں تاکہ تم آگ تاپ سکو۔ یعنی اگر وہاں کوئی آدمی مل گیا تو اس سے راستہ کے بارے میں معلومات حاصل کرسکوں گا۔ نہیں تو کم از کم آگ کا کوئی انگارا ہی لے آؤں گا تاکہ تم آگ سینک سکو۔ بہرکیف یہاں سے حضرتِ موسیٰ کی سرگزشت کا بیان شروع ہو رہا ہے کہ اس میں بڑے درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔ اس میں حضور ﷺ کیلئے سامانِ تسکین و تسلیہ بھی ہے اور مخالفین کیلئے عبرت و بصیرت بھی۔ لیکن یہ ان کے لیے ہے جو اس کے طالب و متلاشی ہوں۔

۸ حضرتِ موسیٰ کیلئے ایک صدائے خیر و برکت:۔ یعنی حضرتِ موسیٰ جب وہاں پہنچے تو انکو آواز آئی کہ "برکت ہو اس پر جو آگ کے اندر ہے اور اس پر بھی جو آگ کے پاس ہے"۔ "جو آگ کے اندر ہے"، یعنی فرشتے۔ اور "جو آگ کے پاس ہے" یعنی موسیٰ۔ اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت ہو بہرحال یہ امر قطعی ہے کہ اللہ پاک کی ذاتِ بے ہمتا جس کے نورِ مطلق کی یہ ایک تجلی تھی وہ خود اس میں نہیں تھی کہ وہ بے مثال ذات ایسی تمام حدود و قیود سے پاک اور وراء الوراء ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اسی لئے آیتِ کریمہ کے آخر میں فرمایا گیا۔ ﴿وَسُبۡحَٰنَ ٱللَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ﴾۔ یعنی اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی مخلوق یا کوئی زمان و مکان اس کا احاطہ کر سکے۔ (المراغی، المحاسن، جلالین، مدارک اور خازن وغیرہ)۔ بہرکیف وہاں پہنچنے پر حضرتِ موسیٰ کو اس صدائے خیر و برکت سے نوازا گیا اور شرفِ نبوت سے مشرف و سرفراز فرمایا گیا۔ سو اس سے یہ امر واضح فرما دیا گیا کہ شرفِ نبوت خالصتاً خداوند قدوس کا ایک عطیہ اور احسان ہوتا ہے۔ اس میں بندے کے کسی کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ نبوت سے پہلے پیغمبر کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اس قصہ سے آشکارا و عیاں ہے۔

الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۹﴾ وَاَلْقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ

بے کیف تم سے کر رہا ہوں) اللہ ہی ہوں، سب پر غالب بڑا ہی حکمت والا، اور پھینک دو اپنی لاٹھی کو، پھر جونہی موسیٰ نے اس کو دیکھا

كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰى

تو وہ اس طرح بل کھا رہی تھی جیسے کوئی سانپ ہو، تو بھاگ کھڑے ہوئے موسیٰ (خوف کے مارے) پیٹھ پھیر کر اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، ؈۹

لَا تَخَفْ ۚ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِلَّا

(ارشاد ہوا) اے موسیٰ ڈرومت کہ میرے حضور پیغمبر ڈرا نہیں کرتے ؈۱۰ مگر جس نے ظلم کیا ہو، پھر اس (کے بارے میں بھی قانون یہ ہے

مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ

کہ اگر اس) نے برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا، تو میں (اس کو بھی معاف کر دوں گا ؈۱ کیونکہ میں) یقینی طور پر بڑا ہی بخشنے والا،

رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ

نہایت ہی مہربان ہوں، ؈۱۱ اور ڈال دو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں (پھر دیکھو کہ کس طرح) وہ چمکتا ہوا نکلتا ہے

مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۟ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ

بغیر کسی عیب (اور بیماری) کے ؈۱۲ (یہ دونشانیاں ان) نو نشانیوں میں سے ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف (لے جانے کیلئے)

۹ خوفِ موسیٰ اور درسِ عبرت: سو حضرتِ موسیٰ کے اپنی لاٹھی سے خوف کھا کر بھاگنے میں بھی کئی اہم درسہائے عبرت وبصیرت ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب موسیٰ نے اللہ کے حکم وارشاد پر اپنی لاٹھی کو زمین پر پھینک دیا اور دیکھا کہ وہ یکایک اس طرح بل کھا رہی ہے جیسے وہ کوئی سانپ ہو۔ تو اس سے موسیٰ مارے خوف کے اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ ڈرومت کہ ہمارے یہاں رسول ڈرا نہیں کرتے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عالم الغیب ہوتا ہے اور نہ ہی مختارِ کل۔ ورنہ حضرتِ موسیٰ اس موقعہ پر اپنے عصا کے اس انقلاب کی بناء پر اس طرح خوف نہ کھاتے۔ اور جب معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا تو کرامت بزرگ اور ولی کے اختیار میں کس طرح ہو سکتی ہے؟ بلکہ جب تک خداوند قدوس کی طرف سے ان کو آگاہ نہ کیا جائے ان کو اس کی حقیقت کا علم تک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ یہاں پر آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرتِ موسیٰ کو اس وقت تک حقیقت حال کا پتہ نہ چل سکا جب تک کہ خدائے پاک نے انہیں خود نہیں بتا دیا۔ حالانکہ یہاں قصہ خود حضرتِ موسیٰ کی اپنی اس لاٹھی کا ہے جو آپؑ کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ اور آپؑ اللہ کے پیغمبر اور اولوا العزم رسول تھے۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جب حضرتِ موسیٰ جیسے

عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی غیب کا علم نہیں رکھتے تو کسی بزرگ وولی کی یہ ہستی کیسے اور کہاں ہو سکتی ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہو؟ سو کس قدر بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ بزرگوں کو اپنی قبروں میں بیٹھے ہوئے پرندوں کے بارے میں یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ وہ نر ہے یا مادہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف جب حضرتِ موسیٰ اپنی لاٹھی کو سانپ کی شکل میں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت دلنواز آواز میں تسلی دی گئی کہ ڈرو نہیں کہ میرے یہاں رسول ڈرا نہیں کرتے۔ پس آپ اے موسیٰ اس سے ڈرو نہیں کہ اس میں خوف اور خطرے کی کوئی بات نہیں بلکہ یہ ایک معجزہ ہے جو آپ کے ہاتھ پر اس طرح ظاہر کیا گیا ہے جو کہ آپ کی صداقت وحقانیت کا ثبوت ہے۔ علٰی نبینا وعلیہ افضل الصلوات واتم التسلیمات وَرَزَقَنَاحُبَّهُمْ وَالْاتِّبَاعِ۔

۱۰ توبہ سے خطاؤں کی بخشش کی خوشخبری: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جس نے ظلم کیا لیکن اس کے بعد اس نے برائی کو اچھائی سے بدل دیا تو یقیناً میں بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہوں''۔ سو جب ہمارا قانونِ عام یہ ہے تو پھر آپ کے کیا کہنے کہ آپ کا تو قصہ ہی اور ہے۔ پھر خوف کاہے کا؟ اللہ تعالیٰ کے نیک اور سلیم الفطرت بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی اندیشے کی کوئی صورت پیش آتی ہے تو ان کا ذہن فوراً اپنی کسی غلطی اور خطاء کی طرف جاتا ہے کہ کہیں یہ اسی غلطی اور خطا کا نتیجہ اور خمیازہ نہ ہو۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ حضرتِ موسیٰ کا ذہن اس موقعہ پر قبطی کے قتل کے اس واقعے کی طرف منتقل ہوا ہو جو شروع میں بطورِ خطا آپ سے سرزد ہو گیا تھا۔ اگرچہ آپ نے اس پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ بھی کر لی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ توبہ قبول بھی فرمالی تھی۔ لیکن حضراتِ انبیاء ورسل اور صالحین کی طبیعتیں چونکہ اس بارے بڑی حساس ہوتی ہیں اور اپنے محاسبے کیلئے یہ حضرات بڑے محتاط ہوتے ہیں اس لیے آپ کا ذہن اس طرف منتقل گیا ہو تو اس بنا پر آپ کو اس بشارت سے نوازا گیا۔ بہرکیف اس سے توبہ کی عظمتِ شان واضح ہو جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحبُّ ویرید،

۱۱ اللہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے: سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ''بے شک میں بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہوں''۔ پس ہمارے یہاں سے صرف بخشش ہی نہیں ہوتی بلکہ اس سے بڑھ کر مزید رحمتوں سے بھی نوازا جاتا ہے۔ فَاغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ۔ بہرکیف اس سے حضرتِ موسیٰ کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ جو کوئی خطا وقصور کے سرزد ہو جانے کے بعد سچے دل سے توبہ کرتا ہے میں اسکی خطا وقصور کو معاف کر دیتا ہوں کہ میں بڑا غفور ورحیم ہوں۔ اور اس بات کو یہاں پر عام صیغے میں بیان فرما کر اس کے فیض کو ہمہ گیر کر دیا گیا کہ یہ معاملہ صرف تمہارے ہی لیے خاص نہیں بلکہ میں ہر بندے کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہوں۔ فَاغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ یَا رَبِّیْ۔

۱۲ معجزۂ ید بیضاء کا ذکر و بیان: سو اس سے حضرتِ موسیٰ کیلئے یدِ بیضا کے دوسرے عظیم الشان معجزے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے موسیٰ سے کہا کہ تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی بیماری کے''۔ یعنی ایسا نہیں جیسا کہ برص وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو جاتا ہے بلکہ یہ تو ہماری طرف سے ایک خاص عنایت، اعزاز واکرام اور معجزہ وبرہان کے طور پر ہے۔ اور پھر اس میں کسی بیماری وعیب یا تکلیف کا کوئی سوال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ ﴿مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ﴾ کے عموم میں یہ سب ہی کچھ داخل ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم وشمول کا فائدہ دیتا ہے۔ بہرکیف یدِ بیضا کا یہ معجزہ دوسرا بڑا معجزہ تھا جس سے حضرتِ موسیٰ کو معجزۂ عصا کے بعد نوازا گیا۔ اور یہ من جملہ ان نو نشانیوں کے ہے جن سے آنجناب کو نوازا گیا تھا کہ ان سے مسلح ہو کر جاؤ فرعون کے پاس تبلیغ حق کے لیے۔ اور اس طرح پوری قوت سے اس کے سامنے کلمۂ حق پیش کرو۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا

بلاشبہ وہ بڑے ہی بدکردار لوگ ہیں، ۱۳ پھر جب پہنچ گئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں

مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا بِهَا

آنکھیں کھول دینے والی، تو ان لوگوں نے (چھوٹتے ہی) کہا کہ یہ تو جادو ہے کھلا ہوا، اور انہوں نے ان کا انکار کر دیا

وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ

ظلم اور تکبر کی بناء پر، حالانکہ ان کے دل ان کا یقین کر چکے تھے، ۱۴ سو دیکھ لو کہ کیسا ہوا

۱۳ موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم وارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ان معجزات سے لیس ہو کر جاؤ تم فرعون اور اسکی قوم کی طرف کہ وہ بڑے ہی بدکردار لوگ ہیں''۔ کہ کفر و شرک سے بڑھ کر وہ خدائی کے دعوے کرتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم بھی ڈھاتے ہیں۔ اور وہ راہِ حق و ہدایت سے اس قدر دور اور ایسے محروم ہو چکے ہیں کہ کہیں وہ لوگ فرعون کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔ ﴿يَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ﴾۔ یعنی کیا آپ موسیٰ کو اسی طرح ڈھیل دیئے جائیں گے کہ یہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دے؟ جس سے ان کے شرک و بت پرستی کا ثبوت ملتا ہے۔ تو کہیں اس کا نعرہ ہے۔ ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾۔ جس سے ان کے خدائی دعوؤں کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس پر مزید یہ کہ خدائی نشانیوں اور پیغمبر کے معجزوں کو کھلا جادو قرار دیا جا رہا ہے وغیر ذالک۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ کو نو نشانیوں سے مسلح فرما کر حکم دیا گیا کہ اب جاؤ فرعون اور اسکی قوم کے پاس اور ان کو ان کے ظلمِ بد اور کردارِ بد سے خبردار کر دو کہ وہ بڑے ہی بگڑے اور بدکردار لوگ ہیں۔ شروع میں حضرتِ موسیٰ کو عصا اور ید بیضا کی ان دو نشانیوں سے نوازا گیا جو کہ اصل ہیں۔ اور باقی نشانیاں دراصل انہی سے متفرع اور انہی کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ سب معجزات آنجناب کی صداقت و حقانیت کے واضح دلائل و براہین تھے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱۴ فرعونیوں کی طرف سے موسیٰ کے معجزات کا انکار: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے ان معجزات کا انکار کر دیا جبکہ ان کے دل ان کی صداقت و حقانیت کا یقین کر چکے تھے۔ سو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تعصب و عناد، ظلم و تکبر اور عناد و ہٹ دھرمی وغیرہ کس قدر بری چیزیں ہیں کہ حق کے پوری طرح واضح ہو جانے کے باوجود انسان کو اس سے محروم کر دیتی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض دل سے ماننا اور یقین کر لینا کافی نہیں جب تک کہ زبان سے بھی اس کا اقرار و اعلان نہ ہو۔ بہر کیف فرعونیوں نے حضرتِ موسیٰ کے ان معجزات کا جانتے بوجھتے اور دل میں انکو حق سمجھنے کے باوجود ان کا انکار کر دیا۔ محض ظلم اور تکبر کی بنا پر۔ ظلم سے مراد یہ ہے کہ وہ دوسروں کے حق مار کھانے کے عادی ہو گئے تھے۔ اس لیے اس سے وہ کسی قیمت پر دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ اور دینی تعلیمات ان پر جو قدغنیں عائد کرتی تھیں انکو یہ لوگ ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔ اور غلو سے مراد یہ ہے کہ انکے اندر کبر و غرور کا مرض ایسا پکا ہو گیا تھا کہ یہ حق بات کو ماننے اور کسی بڑے سے بڑے حق کے آگے جھکنے کیلئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ سو ایسے مفسدین کا انجام ہولناک تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ

انجام فساد مچانے والوں کا، اور بلاشبہ ہم نے داؤد

وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا

اور سلیمانؑ کو بھی ایک عظیم الشان علم بخشا۱۵ اور ان دونوں نے (اس پر شکر کے لئے) کہا کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾ وَوَرِثَ

ہمیں فضیلت (و بزرگی) بخشی اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر ہو۱۶ اور وارث بنے۱۷

سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ

سلیمانؑ داؤد کے، اور انہوں نے (اظہار تشکر اور تحدیث نعمت کے طور پر) کہا اے لوگو، ہمیں سکھائی گئی ہے

الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ

بولی پرندوں کی، اور ہمیں عطا فرمائی گئی ہے (ضرورت کی) ہر چیز۱۸ بے شک یہ کھلا ہوا فضل (اور مہربانی) ہے

الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ

(ہمارے خالق و مالک کی طرف سے،) اور سلیمانؑ (کی عظمت و شان کا یہ عالم تھا کہ ان) کے لئے جمع کئے جاتے لشکر جنوں،

۱۵ حضرت داؤد و سلیمان کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو بھی ایک عظیم الشان علم بخشا"۔ تنوین یہاں پر تعظیم کے لئے ہے۔ یعنی ایک عظیم الشان علم۔ اور حضرت داؤد اور سلیمانؑ کو نبوت اور حکومت و جہانبانی دونوں کا علم بخشا گیا تھا۔ چنانچہ ان حضرات کی حکمرانی بھی اپنی مثال آپ تھی اور دیگر کئی عظیم الشان خصوصیات سے بھی ان کو نوازا گیا تھا۔ (ابن کثیر، مراغی وغیرہ)۔ سو اس علم کی بنا پر انہوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ سو ان دونوں حضرات کو جس عظیم الشان علم سے نوازا گیا تھا اس میں حکمت و معرفت کا وہ علم بھی شامل تھا جس کا مظہر اور نمونہ "زبور" اور "امثال" ہیں۔ اور اس میں سائنس کا وہ معجزانہ علم بھی شامل تھا جس کی بنا پر انہوں نے بحری اور بری قوت کے اعتبار سے اپنے زمانے کی سب سے زیادہ مضبوط اور طاقتور سلطنت قائم کی تھی۔ اور انہوں نے دین و دنیا کے اجتماع اور بادشاہی میں فقیری اور انابت و رجوع الی اللہ کی ایسی عظیم الشان مثال قائم کی تھی جس کا دوسرا کوئی نمونہ اس سے پہلے نہ کہیں مل سکا تھا اور نہ اس کے بعد ۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۱۶ شکر نعمت کا درس اور نمونہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ نعمت علم سے سرفرازی کے بعد ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ "شکر اس اللہ کا جس نے ہمیں فضیلت۔ و بزرگی۔ بخشی ہے اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر"۔ بہت سے مومن بندوں پر نہ کہ سب

پر۔ کہ سب پر فضیلت و بزرگی تو اس واہبِ مطلق نے اپنے ایک ہی بندے کو بخشی ہے۔ جس کو "عَبْدِہٖ"، "عَبْدِنَا" اور "عَبْدُ اللّٰہِ" کی خصوصی اضافت ونسبت سے اس کتابِ حکیم میں جا بجا ذکر اور یاد فرمایا گیا تھا۔ اور وہ بندۂ خاص اور عبدِ کامل ہیں حضرت محمد رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ پھر حضرتِ داؤد وسلیمٰن کا یہ کہنا بھی فخر کے طور پر نہیں تھا بلکہ شکرِ خداوندی اور تحدیثِ نعمت کے طور پر تھا۔ جیسا کہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی شان اور ان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ اور جو کہ بندوں سے مطلوب ہے۔ سو یہ ہوتی ہے اللہ والوں کی شان کہ اتنی بڑی سلطنت کے باوجود ان کے اندر کوئی گھمنڈ نہیں پیدا ہوا۔ بلکہ اسکو اللہ تعالیٰ کا کرم واحسان سمجھ کر اسی کے شکر سے رطب اللسان ہو گئے۔ علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام۔

۱۷ میراثِ داؤدی کا ذکر اور اس سے مقصود؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور وارث بنے سلیمٰن داؤد کے"۔ اور یہ وراثت مال و دولت کی نہیں بلکہ علم وحکمت کی وراثت تھی۔ کیونکہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوۃ والسلام۔ کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ "نحن معشر الانبیاء لا نَرِث وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ"۔ سو انبیائے کرام کی اصل دولت علم ہوتی ہے نہ کہ مال۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِحَظٍّ وَافِرٍ ۔ اور یہاں اس وراثت سے وراثتِ مال مراد نہ ہونے کا ایک واضح قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرتِ داؤد کے روایات کے مطابق اٹھارہ بیٹے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر یہاں مال و دولت کی وراثت مراد ہوتی تو آپ کے دوسرے بیٹوں کا بھی ذکر ہوتا نہ کہ صرف حضرتِ سلیمٰنؑ کا کہ اس میراث کا حصہ سب کو برابر ملتا نہ کہ اکیلے کسی ایک بیٹے کو۔ اس لئے جمہور علماء ومفسرین کرام کے نزدیک یہاں پر وراثت سے مراد علم وحکمت اور حکومت وسلطنت کی وراثت ہے۔ (ابن کثیر، روح، مراغی، صفوۃ، خازن، اور مدارک وغیرہ)۔ سو حضرتِ داؤد کی میراثِ علم وحکمت حضرتِ سلیمان ہی کو ملی۔ جو ایک عظیم الشان اور بے مثال میراث ہے۔ جو کہ انسان کو سعادت دارین سے سرفراز کرنے والی واحد میراث ہے۔ والحمد للہ جل وعلا

۱۸ تحدیثِ نعمت برائے شکرِ نعمت: ۔ سو اس سے اللہ کی نعمتوں کا ذکر تحدیث وشکرِ نعمت کی غرض سے کرنے کا درس دیا گیا ہے۔ سو حضرتِ سلیمان نے کہا "اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی کا علم عطا فرمایا گیا اور ہمیں ہر چیز عطاء فرمائی گئی"۔ یعنی آپ کو ہر اس ساز وسامان سے نوازا گیا تھا جس کی آپ کو اپنی شانِ نبوت اپنی گزران اور اپنے نظامِ حکومت کو چلانے کے لئے ضرورت تھی۔ یعنی "کل" سے مراد یہاں پر مطلق عموم واستغراق نہیں بلکہ وہ کثرت و بہتات ہے جس کی آپ کو ضرورت تھی۔ اور یہ ایک عام عقلی اور فطری امر ہے جسکی مثالیں ہر زبان میں پائی جاتی ہیں۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ "فلاں شخص کو ہر کوئی چاہتا ہے" یا "اس کو ہر کوئی جانتا مانتا ہے" یا "وہ ہر جگہ حاضر وموجود ہوتا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں ہوتا کہ اس کو دنیا کا ہر شخص چاہتا ہے یا اسکو دنیا کا ہر کوئی جانتا ہے۔ یا وہ دنیا بھر کی سب چیزوں کو جانتا ہے یا وہ پوری روئے زمین پر ہر جگہ موجود ہوتا ہے وغیرہ۔ بلکہ اس کا تعلق خاص کسی حلقے اور دائرے سے ہوتا ہے۔ سو ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے ۔ "عُمُوْمُ كُلِّ شَيْءٍ مَّا يُنَاسِبُه"۔ یعنی ہر چیز کے عموم سے وہی معنی و مفہوم مراد ہوتا ہے جو اسکے مناسب ہوتا ہے۔ (روح، ابن کثیر، مدارک، خازن، صفوۃ وغیرہ)۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اہلِ بدعت جو اس طرح کے عمومی کلمات کے عموم سے علمِ غیب کلی وغیرہ جیسے اپنے شرکیہ عقائد کیلئے استدلال کرتے ہیں وہ باطل ومردود ہے کہ ایسے کل سے مراد استغراقِ کلی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی ہوتا ہے جو اس موقع ومحل کے مناسب ہوتا ہے۔

الْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا

انسانوں اور پرندوں کے، پھر (نظم و ترتیب کے لئے) ان کو روکا جاتا یہاں تک کہ (ایک مرتبہ چلتے چلتے) جب وہ

عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ

چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے آواز دی کہ اے چیونٹیو!

ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ

گھس جاؤ تم اپنے اپنے بلوں میں ۱۹ کہیں ایسا نہ ہو کہ روند ڈالیں تم کو سلیمٰن اور ان کے لشکر،

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ

درآنحالیکہ ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو تو اس پر سلیمٰن مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اس (اس ننھی منی چیونٹی) کی اس بات کی بناء پر،

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ

اور (فوراً اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو کر) عرض کیا اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں شکر ادا کر سکوں تیری ان (عظیم الشان)

عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

نعمتوں کا، جن سے تو نے (طرح طرح سے اور محض اپنی رحمت و عنایت سے) نوازا ہے مجھے بھی، اور میرے ماں باپ کو بھی اور یہ کہ میں ایسے نیک

۱۹ چیونٹی کا دوسری چیونٹیوں سے سبق آموز خطاب: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ تم سب اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تم کو روند ڈالے جبکہ ان کو اسکی خبر بھی نہ ہو"۔ سو اگر طبیعت صحیح اور مزاج درست ہو تو حقیقت ہر کسی کو واضح نظر آتی ہے۔ ورنہ بڑی بڑی عقلوں پر بھی پردے پڑ جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو چیونٹی جیسی ایک چھوٹی اور ننھی منھی سی مخلوق بھی یہ جانتی اور مانتی ہے کہ نہ نبی غیب جانتا ہے نہ اس کے ساتھی اور صحابی۔ چنانچہ وہ نصِ قرآنی کے مطابق صاف اور صریح طور پر دوسری چیونٹیوں سے کہتی ہے کہ تم اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کے ساتھ کے لشکر تمہیں روند ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ لیکن جب باطن میں خبث و فساد اور نیت میں خرابی و بگاڑ ہو تو عقل و خرد رکھنے والے ڈھائی ڈھائی من کے بڑے چیونٹوں کو بھی یہ بات سمجھ نہیں آتی اور وہ کہتے ہیں کہ نبی عالمِ غیب اور مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ کا عالم ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف چیونٹی کے اس خطاب میں بڑے درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔ لیکن ان لوگوں کیلئے جو صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لیں۔

وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِكَ فِیۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ

کام کروں جو تجھے پسند ہوں، اور داخل فرما دے مجھے (اے میرے مالک!) اپنی رحمت سے اپنے ان خاص بندوں میں، جو سزاوار ہیں (تیرے

تَفَقَّدَ الطَّیۡرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَی الۡهُدۡهُدَ ۖ اَمۡ كَانَ

قرب خاص کے) ف۲ اور (ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ) سلیمان نے جائزہ لیا پرندوں (کے لشکر) کا تو (ہدہد کو نہ پا کر) کہا کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا

مِنَ الۡغَآئِبِیۡنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیۡدًا اَوۡ لَاَاذۡبَحَنَّهٗۤ

کیا (میری نگاہ چوک رہی ہے یا) وہ کہیں غیر حاضر ہے، ف۲۱ (اگر ایسا ہے تو) میں اس کو سخت سزا دوں گا، یا اسے ذبح کر ڈالوں گا،

اَوۡ لَیَاۡتِیَنِّیۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیۡرَ بَعِیۡدٍ

یا وہ پیش کرے میرے سامنے کوئی کھلی سند (اور معقول عذر)، پھر کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی

فَقَالَ اَحَطۡتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ

کہ ہدہد نے (حاضر ہو کر) عرض کیا کہ میں وہ معلومات لایا ہوں جو جناب کے علم میں بھی نہیں ہیں ف۲۲ میں جناب کے پاس سبا کے

۲۰ حضرتِ سلیمان کی شانِ انابت ورجوع الی اللہ کا ایک نمونہ ومظہر: - سو چیونٹی کی اس بات پر حضرتِ سلیمان فوراً اللہ کی طرف رجوع ہو کر اسکی حمد وثنا اور شکر وانابت میں محو ہو گئے اور اللہ والوں کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ ہر موقع پر توجہ الی اللہ سے سرشار ہوتے ہیں اور وہ کسی نعمت پر اِترانے اور تکبر کرنے کی بجائے فوراً اللہ پاک کی بارگاہِ اقدس کی طرف متوجہ ہو کر اس کا شکر بجالاتے ہیں کہ مولیٰ! یہ تیری اور صرف تیری ہی عنایت ہے۔ پس تو ہمیں اپنے کرم سے اس کے شکر کی توفیق عطا فرما۔ چیونٹی کی آواز تو آج تک شاید ہی کسی نے سنی ہو۔ مگر حضرتِ سلیمٰن نے نہ صرف یہ کہ اسکی آواز سنی بلکہ اسکے معنیٰ و مطلب اور اسکے پیغام کو بھی سنا اور سمجھا۔ مگر اسکے باوجود آپ کے اندر اس قدر بڑے معجزے سے بھی کسی عجب وکبر کا کوئی شائبہ تک پیدا نہیں ہوا۔ اور اس پر اپنے لئے کسی طرح کے کبر وغرور کا دعوٰی کرنے کی بجائے آپ فوراً عاجزانہ طور پر اپنے خالق ومالک کے حضور جھک گیے اور اس سے توفیقِ شکر مانگنے لگ گئے - صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ وَعلٰی سَائِرِ الانبِیَاء والمرسلین خصوصًا علٰی افضلھم وَخَاتَمِھم نبینا محمد وعلٰی الہ وصحبہٖ اجمعین - بہرکیف چیونٹی کی یہ آواز سنتے ہی حضرتِ سلیمٰن اپنے خالق ومالک کی طرف رجوع ہو گئے اور اس کا شکر ادا کرنے کی توفیق مانگنے لگے۔ اور یہی تقاضا ہوتا ہے ہر نعمت کا کہ بندہ اس سے مشرف وسرفراز ہونے پر اپنے خالق ومالک کے حضور دل وجان سے جھک جائے اور صدقِ دل سے اس کا شکر بجالائے جس سے وہ نعمت اس کے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ بن جاتی ہے - وباللّٰہ التوفیق لمایحب ویرید، وعلٰی مایحب

ویرید، بکل حالٍ من الاحوال، وھو الھادی الٰی سواء السبیل -

۲۱ حضرتِ سلیمان کا اپنی فضائی فوج کا جائزہ اور ہدہد کا قصہ عبرت و بصیرت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایک موقعہ پر سلیمان نے پرندوں کی اپنی فضائی فوج کا جائزہ لیا تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ ہدہد نظر نہیں آ رہا۔ وہ کہیں غائب تو نہیں۔ سبحان اللہ۔ اللہ۔ جل جلالہ،۔ دکھانے پہ آئے تو عالمِ بالا کے حقائق تک دکھادے۔ اور نہ دکھائے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ ہدہد یہاں موجود ہے یا کہیں غائب ہے۔ سو اصل بات یہ ہے کہ معاملہ سب کا سب اللہ پاک ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ بہرکیف حضرتِ سلیمٰن نے جب اپنی فضائی فوج ۔ پرندوں کی فوج ۔ کا جائزہ لیا تو ہدہد کو وہاں پر موجود نہ پا کر فرمایا کہ ''کیا بات ہے مجھے ہدہد کہیں نظر نہیں آ رہا''؟ کیا وہ یہیں کہیں موجود ہے اور نظروں سے اوجھل ہے یا کہیں غائب ہے۔ سو وہ اپنی اس غیر حاضری کیلئے کوئی معقول عذر پیش کرے، ورنہ میں اسکو کوئی سخت سزا دونگا یا اسکو ذبح کر ڈالونگا۔ سلطان مبین سے یہاں پر مراد ایسی واضح دلیل اور حجت ہے جس سے ہدہد کی غیر حاضری کا جواز ثابت ہو جائے ورنہ اس کو اپنی غیر حاضری کی سزا بھگتنا ہو گی۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرتِ سلیمان کی فوج میں باقاعدہ تربیت یافتہ پرندوں کی فوج بھی شامل تھی جس سے وہ پیغام رسانی، سراغ رسانی اور دریافتِ احوال جیسی مہمات میں کام لیتے تھے اور آپ چونکہ پرندوں کی بولی بھی سمجھتے تھے اس لیے آپ موجودہ دور کے سائنسدانوں سے کہیں زیادہ بہتر طریقے سے اور اعلیٰ پیمانے پر کام لیتے تھے۔ پیغام رسانی اور دریافت احوال وغیرہ کے سلسلے میں پرندوں سے کام لینے کا طریقہ موجودہ زمانے میں بھی موجود ہے اور قدیم زمانے میں بھی پایا جاتا تھا۔ سو پرندوں کی تربیت کا فن بہت قدیم ہے اور کبوتر کی نامہ بری تو ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے۔ بہرکیف حضرتِ سلیمان نے ہدہد کے بارے میں اس طرح کا اظہار کیا۔ جس میں بڑے درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔

۲۲ ہدہد کا جواب اور اس میں موجود اہم درسہائے عبرت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہدہد نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں وہ کچھ لایا ہوں جس کے علم کا احاطہ جناب بھی نہیں کر سکے۔ سو اس سے بھی اوپر والی بات کی تاکید و تائید ہو رہی ہے کہ معاملہ سب کا سب اللہ پاک ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پیغمبر کو وہی کچھ معلوم ہوتا ہے جو اسکو اللہ پاک کی طرف سے بتایا جاتا ہے اور بس۔ سبحان اللہ۔ ایک پرندہ حضرتِ سلیمٰنؑ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر سے کہہ رہا ہے کہ میں آپ کے پاس ایسی معلومات لایا ہوں جو آپ کے علم میں بھی نہیں۔ اور آگے حضرتِ سلیمٰنؑ اس کو روکنے ٹوکنے کی یا اس کی کوئی تغلیط و تکذیب کرنے کی بجائے یہ کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے اور پتہ کرتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے یا جھوٹ۔ حالانکہ حضرتِ سلیمٰنؑ کی حکومت بحر احمر کے اس سرے پر فلسطین میں قائم ہے جبکہ ملکہ سباء کی حکومت اسی بحرِ احمر کے اس کنارے پر یمن میں قائم ہے۔ لیکن حضرتِ سلیمٰنؑ اس کو نہیں جانتے۔ سو اس سے ایک بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتا ہے نہ ہر جگہ حاضر و ناظر۔ اور دوسری بات یہ بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرتِ سلیمٰنؑ کی حکمرانی کے بارے میں لوگوں نے جو زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں وہ بھی صحیح نہیں۔ سو ہدہد کے اس جواب کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ حضرتِ سلیمان قوم سبا اور ان کی حکومت سے بالکل ہی بے خبر تھے کہ حضرتِ سلیمان کا بحری بیڑہ تو دور دور تک کے ممالک تک سفر کرتا تھا۔ بلکہ ہدہد کے اس جواب کا اصل مطلب یہ تھا کہ میں جناب کے پاس اس ملک اور اس قوم کے بارے میں وہ تازہ اور تفصیلی رپورٹ لایا ہوں جو جناب کے علم میں نہیں۔ سو پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ مختارِ کل۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت و شان ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

يَّقِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ

بارے میں ایک اہم یقینی خبر لایا ہوں، (تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ) میں نے وہاں ایک عورت کو پایا جو ان لوگوں پر حکومت کرتی ہے اُسے

مِنْ كُلِّ شَىْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا

ہر قسم کا ۲۳ ساز و سامان حاصل ہے، اور اس کے پاس ایک عظیم الشان تخت بھی ہے میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم

يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ (وحدہٗ لاشریک) کو چھوڑ کر، اور خوشنما بنا دیا ہے شیطان نے ان کے لئے

اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾

ان کے کاموں کو ۲۴ سو اس نے روک رکھا ان کو راہ (حق و صواب) سے پس وہ نہیں آتے سیدھی راہ،

۲۳ ﴿اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ﴾ **کا مطلب؟:** - یعنی اس عورت کو ہر وہ چیز دی گئی جس کی اس کو ضرورت تھی۔ ورنہ ملک یمن کی حکومت کے سوا اس عورت کے پاس نہ تو کوئی اور حکومت تھی اور نہ ہی رجولیت۔ نبوت اور اسلام جیسی عظیم الشان نعمتوں میں سے کوئی نعمت اسے حاصل تھی۔ اسی لئے حضرات اہل علم کہتے ہیں۔ "عُمُوْمُ كُلِّ شَىْءٍ حَسَبَ طَبِيْعَتِهٖ" - یعنی "ہر چیز کا عموم وہی معتبر ہوتا ہے جو اس کی طبیعت اور شان کے مناسب ہو"۔ جیسا کہ اسکی کچھ مزید تفصیل ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۱۸ میں بھی گزری ہے۔ پس اہل بدعت جو لفظ "کل" جیسے الفاظ کے عموم سے اپنے مختلف شرکیہ عقائد کیلئے استدلال کرتے ہیں وہ سب باطل و بے بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ہدہد نے کہا کہ حکومت کو چلانے اور ملک و قوم کی رفاہیت و ترقی کے سلسلے میں جن ذرائع و وسائل کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب اس کو حاصل ہیں۔ اور ملکہ کی عظمت سے متعلق اس نے اپنی اس رپورٹ میں مزید کہا کہ اس کے پاس ایک بڑا عظیم الشان تخت بھی ہے۔ ﴿وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ﴾ - سو کل شیء سے یہی مراد ہے۔

۲۴ **تزیین شیطانی کا ذکر و بیان:** - سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ شیطان نے ان کیلئے ان کے اعمال کو خوشنما بنا دیا۔ جس کے باعث ان کو اپنی برائیاں بھی اچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ اور یہی حال ہر باطل پرست کا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ وہ اپنے باطل کو ہی حق سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ حق کی طلب و تلاش سے محروم اور لاپرواہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ راہ حق پائے تو کس طرح پائے؟ جیسا کہ آج کل کے اہل بدعت اور دوسرے باطل پرستوں کا حال ہے۔ اور شیطان کی اس تزیین اور دھوکہ دہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو عام اور کھلی حقیقت ہدہد جیسے پرندے کو بھی فوری طور پر اور اپنی پہلی ہی نظر میں معلوم ہو گئی وہ بگڑے ہوئے انسان کو بڑی بحث کے بعد بھی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ وہ الٹا اپنی اسی گمراہی کو حق اور صدق ثابت کرنے کیلئے زور لگانے اور دلائل پیش کرنے لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل شیء انحراف وَزَيْغٍ وَ ضَلَالٍ - بہرکیف ہدہد نے اپنی رپورٹ میں اس قوم کی مذہبی اور اخلاقی حالت کے بارے میں بتایا کہ یہ لوگ مشرک ہیں سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ اور شیطان نے انکی آفتاب پرستی اور ان کے اس شرک کو ان کے لیے ایسا مزین اور خوشنما بنا دیا کہ یہ لوگ اپنے اس کفر و شرک ہی کو درست سمجھتے ہیں۔ اور توحید اور خدا پرستی کی راہ ان کو سجھائی ہی نہیں دے رہی اور یہی نتیجہ ہوتا ہے خبث باطن، مت ماری اور برے ماحول کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَ

(آخر) وہ اس اللہ ہی کو سجدہ کیوں نہیں کرتے، جو نکالتا ہے چھپی چیزیں کو آسمانوں

الْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ

اور زمین کی، اور وہ (ایک برابر) جانتا ہے تمہاری ان باتوں کو بھی جو تم لوگ چھپاتے ہو اور ان کو بھی جن کو تم ظاہر کرتے ہو اللہ وہ

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۩ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ

ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں اور وہ مالک ہے عرش عظیم کا، ف۲۵ سلیمان نے کہا ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں

أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اذْهَبْ بِكِتَابِي

کہ تو نے سچ کہا یا تو ان لوگوں میں سے ہے جو جھوٹ بولتے ہیں، یہ میرا خط لے جا کر ان

هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا

لوگوں کی طرف ڈال دے پھر ان سے ذرہ ہٹ کر ف۲۶ دیکھنا کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں،

يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ

(چنانچہ ہدہد نے ایسے ہی کیا اور اس پر) اس عورت نے (اپنے درباریوں سے) کہا اے درباروالو! میری طرف ایک بڑا اہم ف۲۷ خط ڈالا گیا ہے،

كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ

یہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے، اور اسے اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے شروع

۲۵ کائنات کی گواہی خالق کی وحدانیت پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔ اور وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ یہاں تک کے اس کلام کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اللہ پاک نے اپنی طرف سے ہدہد کے کلام پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ہدہد کے کلام کا ہی تتمہ ہو۔ اور اللہ پاک اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ایک پرندے کی زبان سے ایسی معقول باتیں کرانے پر پوری طرح قادر ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف آسمان وزمین کی یہ پوری کائنات اس خالق و مالک کی عظمت شان اور اسکی وحدانیت مطلقہ کی گواہی دے رہی ہے۔ اور یہ پوری کائنات اور اس کے اندر موجود ہر چیز اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس کا خالق یکتا اور

وحدہ لاشریک ہے۔ تو پھر اس سب کے باوجود یہ لوگ شرک کیوں کرتے ہیں۔ اور اسی وحدہ لاشریک کے حضور کیوں نہیں جھکتے جس نے حکمتوں اور عجائب بھری اس کائنات کو وجود بخشا۔ اور جو زمین و آسمان کی تمام مخفی چیزوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ سو معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور ہر قسم کی عبادت و بندگی کا حقدار بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو مالک ہے اس عرشِ عظیم کا جو آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات پر حاوی و محیط ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ اور زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۲۶ حضرت سلیمانؑ کا خط ملکۂ سبا کے نام:- سو اس سے حضرت سلیمان کے اس خط کا ذکر فرمایا گیا ہے جو انہوں نے سلیمان کے ملکہ سبا کے لیے ہدہد کو پرکھنے کی غرض سے لکھا تھا۔ سو حضرتِ سلیمان نے ہدہد سے فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو یا جھوٹے۔ سو تم میرا یہ خط لے جاؤ اس کو ان کے آگے ڈال دو اور پھر ان سے ذرا ہٹ کر دیکھنا کہ وہ کیا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات آداب کے خلاف ہے کہ خط دینے کے بعد تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔ سبحان اللہ۔ کس طرح ایسے باریک آداب کی رعایت رکھی گئی ہے جس سے آج بھی بہت سی دنیا غافل و بے خبر ہے اور بڑے بڑے تیس مار خان بھی ان سے محروم ہیں۔ بہرکیف حضرتِ سلیمٰن نے ہدہد کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم یہ خط لے جا کر ان تک پہنچا دو اور پھر ان سے ذرا ہٹ کر دیکھنا کہ وہ کیا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا۔ روایات کے مطابق جب وہ خط لیکر وہاں پہنچا تو اس وقت ملکہ سو رہی تھی۔ اس نے ایک دریچے میں داخل ہو کر وہ خط اسکے سینے پر رکھ دیا اور حسبِ ہدایت خود ایک طرف ہو گیا۔ ملکہ نے بیدار ہونے پر جب اس کو سر بمہر دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئی اور خوف میں مبتلا ہو گئی۔ اور پھر خط کو پڑھنے کے بعد اپنے درباریوں کی میٹنگ بلائی جس میں اس بارے صلاح مشورہ کیا گیا۔ اور ملکہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم لوگ مجھے بتاؤ اور مشورہ دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے (ابنِ کثیر، المعارف، المراغی وغیرہ)۔ سو باہمی صلاح مشورہ سے اس بارہ انہوں نے اگلا فیصلہ کیا۔

۲۷ مکتوبِ سلیمانی کی عظمت شان:- سو ملکہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میری طرف ایک عظیم الشان خط ڈالا گیا ہے۔ بیانِ اہمیت و عظمت واضح ہو کہ اول تو کتاب کو نکرہ لایا گیا پھر اس پر تنوین تعظیم کی۔ اور پھر کریم کی صفت بھی۔ یعنی تاکید در تاکید۔ اور یہ اس لئے کہ ایسا رعب و جلال والا اور اس قدر مختصر و مؤثر خط جو اللہ پاک کے نام مبارک سے شروع کیا گیا ہو اور اس میں بغیر کسی لاگ لپٹ کے صاف و صریح طور پر ایسا سخت حکم دیا گیا ہو اپنی نوعیت کا یہ ایک یکتا و واحد اور منفرد خط تھا۔ اور شاید ہی کبھی کسی حکمران نے کسی دوسرے حکمران کو اس طرح کا کوئی خط لکھا ہو۔ بہرکیف اس سے یہ بات ایک مرتبہ پھر واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ ہر جگہ حاضر و ناظر۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو حضرتِ سلیمان کو نہ تو ہدہد کو نامہ و پیغام کے اس طرح ملکہ سبا کے پاس بھیجنے کی ضرورت ہوتی اور نہ ہی یہ کہنے کی کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ سو حضراتِ انبیاء و رسل عالمِ غیب نہیں ہوتے۔ ان کو غیب کی وہی خبریں معلوم ہوتی ہیں جو ان کو وحی کے ذریعے بتائی جاتی ہیں اور بس علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ع قَالَتْ ع ۱۷ / ۱۷

کیا گیا ہے، (اور مضمون اس کا یہ ہے) کہ میرے مقابلے میں تم لوگ سرکشی نہیں کرنا اور حاضر ہو جاؤ تم سب میرے پاس فرمانبردار ہو کر، ۲۸

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً

کہنے لگی اے دربار والو! مجھے مشورہ دو میرے اس (اہم) معاملے میں کہ میں کسی بھی اہم معاملے کا قطعی فیصلہ

اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا

نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس حاضر نہ ہو (اور اپنی رائے پیش نہ کر دو) انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو بڑے طاقتور

بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾

سخت لڑنے والے لوگ ہیں (اس لئے خوف کی تو کوئی بات نہیں) آگے آپ کی مرضی آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم دینا ہے، ۲۹

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ

کہنے لگی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو (ان کا وطیرہ یہی ہوتا ہے کہ) وہ اسے بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں، اور اس کے

جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾

(باشندوں میں سے) عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، اور (خدشہ ہے کہ) یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے، ۳۰

۲۸ مکتوب سلیمانی کا اختصار اور اسکی جامعیت: سو مختصر ترین خط ہونے کے باوجود اس مکتوبِ گرامی کی عظمتِ شان اور جامعیت ملاحظہ ہو کہ اپنا صرف نام لکھا کہ یہ خط سلیمٰنؑ کی طرف سے ہے اور بس۔ نہ اپنی بے مثال بادشاہی وحکمرانی کا کوئی ذکر وتذکرہ اور نہ کسی طرح کی عظمتِ شان کی طرف کوئی اشارہ یا کوئی اظہار۔ بلکہ کمالِ عبدیت وبندگی کا بیان واظہار اور اپنے خالق ومالک کے بابرکت نام اور اس کی توحید ووحدانیت کا ذکر وتذکرہ اور مکتوب الیہم کو یہ پرعظمت دعوت وپیغام کہ ہوٰی وہوس کی پیروی ترک کر کے حق وہدایت کی پیروی اختیار کر لو اور بے چون وچرا فرمان بردار بن کر حاضر ہو جاؤ۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے اس شانِ عظمت وجامعیت اور اختصار کے۔ قدیم زمانے کے خطوط بالعموم اسی طرح مختصر اور "قلّ ودلّ" کی شان کے حامل اور اسی نوعیت کے ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضورؐ کے نامہ ہائے مبارکہ سے بھی اسی کی شہادت ملتی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرتِ سلیمٰن کا خط قدرے مفصل اور طویل ہو مگر ملکہ نے

اختصار کے ساتھ اسکے اسی حصے کا ذکر کیا ہو جس کا تعلق اسکے معاملہ سے تھا۔ یہاں پر اس خط کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو کہ ملکہ کو اس طرح کسی ظاہری واسطے کے بغیر ملنے والے خط سے نہ کوئی تعجب ہوا نہ پریشانی۔ نہ اس کو اور نہ اس کے درباریوں کو۔ سو اس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں پرندوں کے ذریعے خطوط بھیجنے اور بھجوانے کا طریقہ عام تھا۔ کم از کم بادشاہوں کے یہاں یہ طریقہ معروف تھا۔ اس لیے ان لوگوں نے اس طرح بغیر کسی ظاہری قاصد کے ملنے والے اس خط پر کسی قسم کے تعجب کا کوئی اظہار نہیں کیا ورنہ اس کا ذکر ضرور کیا جاتا۔ سو یہ عام رواج و معمول کے مطابق تھا۔ بہرکیف حضرت سلیمٰن کا یہ عظیم الشان خط جو جلالِ سلیمانی کا عکاس و آئینہ دار تھا ملکۂ سبا کے پاس پہنچ گیا۔

۲۹ درباریوں کا مشورہ اور ملکہ کو رائے :۔سو ان لوگوں نے ملکہ سے کہا کہ ''ہم بڑے طاقتور اور جنگجو لوگ ہیں آگے آپ کی مرضی''۔ یعنی ہمارا کام رائے دینا نہیں، مرنا مارنا ہے۔ رائے قائم کرنا اور فیصلہ دینا تو آپ کا اپنا کام ہے۔ ہم تو بس حکم کے منتظر ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کسی سے دبنے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم بڑے طاقتور اور سخت لڑنے والے جنگجو لوگ ہیں۔ ہمارے پاس وسائل جنگ بھی وافر مقدار میں موجود ہیں اور رجالِ کار کی بھی کوئی کمی نہیں۔ لہٰذا اگر جنگ کی نوبت آئی تو ہم حریف سے پیچھے ہٹنے والے نہیں۔ سو ﴿اولوا قوۃ﴾ سے انہوں نے اپنی عددی قوت و کثرت اور وسائلِ جنگ کی فراوانی کی طرف اشارہ کیا اور ﴿اولوا باس شدید﴾ سے اپنی جنگی مہارت و بصیرت اور جرأت و بسالت کی طرف۔ اور جنگ میں یہی دو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ سو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درباریوں کا رجحان جنگ کی طرف تھا اور اس طرح انہوں نے اپنا یہ رجحان مدلل طور پر ملکہ کے سامنے پیش کر دیا۔ لیکن آگے حتمی فیصلے اور آخری رائے کا معاملہ اسی کے حوالے کر دیا اور اس کو اس بارے پورا اختیار دے دیا گیا۔ اور یہی طریقہ ہوتا ہے دربارِ شاہی میں اپنی رائے پیش کرنے کا۔ اور یہی تقاضا ہوتا ہے ادب و احترام کا۔

۳۰ جنگ سے احتراز کی پالیسی کا فیصلہ :۔سو اس سے ملکہ سبا کے جواب اور جنگ سے احتراز کی پالیسی کے فیصلے کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی اس نے واضح کر دیا کہ لڑنا مرنا تو میری رائے میں درست نہیں کہ اس کا انجام ہولناک تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ کہ حکمران لوگ جب کسی ملک پر قبضہ کرتے ہیں تو اس کا نظام تہ و بالا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اور اس کے عزت دار اور سر برآوردہ لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے خلاف کوئی آواز اٹھانے کے قابل نہ رہے اور ان کا رعب اور دبدبہ دلوں پر چھا جائے۔ سو اگر جنگ کی صورت میں یہ لوگ غالب آگئے تو یہ بھی ہمارے ملک میں اور ہمارے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کریں گے۔ اس لیے جنگ کی راہ کو اپنانا مجھے صحیح نہیں لگتا ہے کہ اس میں فساد و خرابی کا خدشہ و اندیشہ بہرحال زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے احتراز ہی بہتر ہے۔ کہ جنگ کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہوتا ہے، والعیاذ باللہ جل وعلا۔

وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ

اس لئے (سر دست تو) میں ان کے لئے کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ

جواب لے کر پلٹتے ہیں، ۳۱ چنانچہ جب وہ (قاصد سامان لے کر) سلیمٰن کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ

بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ج بَلْ اَنْتُمْ

مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ تو (سن لو کہ) جو کچھ اللہ نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے، ۳۲

بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ

تمہارا یہ ہدیہ تم ہی لوگوں کو مبارک ہو، تم ان کے پاس واپس چلے جاؤ ہم خود ہی ان پر ایسے

بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً

لشکر لے کر پہنچ رہے ہیں جن کا وہ کسی طرح کوئی مقابلہ نہیں کر سکیں گے، اور ہم ان کو وہاں سے ایسا ذلیل کر کے

وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ

نکالیں گے کہ وہ پست ہو کر رہ جائیں گے، ۳۳ (پھر) سلیمٰنؑ نے کہا کہ دربار والو! تم میں سے کون ہے

یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ

جو لے آئے میرے پاس اس کے تخت کو قبل اس سے کہ وہ لوگ میرے پاس آ پہنچیں فرمانبردار ہو کر؟ ۳۴ تو اس پر ایک قوی ہیکل جن نے

عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ

عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں لا حاضر کروں گا قبل اس سے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں ۳۵ اور بلاشبہ مجھے اس پر پوری قوت بھی ہے

۳۱ ملکہ کا مصالحانہ رویہ اور ہدیہ بھیجنے کا فیصلہ: — سو ملکہ نے کہا کہ میں فی الحال انکی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ اس کا کیا جواب آتا ہے۔ اگر انہوں نے ہدیہ قبول کر لیا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کوئی دنیا دار شخص ہے جسے دنیاوی لالچ سے راضی کر کے زیر کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر قبول نہ کیا تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا مطمحِ نظر دنیا نہیں عقیدہ و دین ہے۔ ایسی صورت میں اس کا مقابلہ نہ ہم سے ہو سکتا ہے اور نہ ہمیں ایسا کرنے کے لئے سوچنا ہی چاہیئے کہ اس کا

واسطہ مافوق الاسباب طاقت سے ہے۔ اور وہ یقیناً اللہ کا نبی ہے جس کی ہمیں پیروی کرنی چاہیئے۔ (صفوۃ، مراغی وغیرہ)۔ اس ہدیے کی تفصیلات بعض تفسیری روایت میں بیان کی گئی ہیں اور ہمارے اہلِ بدعت جن کا گزارہ ہی ایسی واہی تباہی روایات پر ہوتا ہے وہ ان کو خوب مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب اسرائیلی روایات کے قبیل سے ہیں۔ اور ہم جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہتے ہیں کہ جب قرآنِ حکیم نے اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی تو ہمیں بھی اس کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ قرآن نے ﴿ ھدیۃ ﴾ کے لفظ نکرہ کے ذریعے واضح فرمادیا کہ وہ ہدیہ ایسا عظیم الشان ہوگا جو ان کی عظمتِ شان کے لائق ہوگا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ملکہ سبا بڑی زیرک عورت تھی۔ روایات میں ہے کہ اس نے کہا کہ اگر سلیمان نے ہدیہ قبول کرلیا تو اس سے ظاہر ہوجائے گا کہ وہ ایک عام دنیاوی بادشاہ ہیں۔ لہٰذا تم ان سے لڑنا۔ اور اگر انہوں نے ہدیہ قبول نہ کیا تو اس سے واضح ہوجائے گا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ لہذا تم ان سے جنگ کرنے کی بجائے ان کی پیروی کرنا۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے اسکی سلامت روی اور عافیت بینی کا پتہ چلتا ہے کہ جنگ وجدال سے اجتناب واحتراز کی پالیسی ہی بہتر ہے کہ یہ سلامتی کی راہ ہے۔ اور اسی میں سب کیلئے امن وعافیت ہے۔

۳۲ حضرتِ سلیمٰن کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار:۔ سو حضرتِ سلیمان نے اپنے جواب میں ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ مال کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ سو تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے تمہارے مال کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم لوگوں کو دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دین ودنیا کی جن نعمتوں سے اللہ پاک نے حضرتِ سلیمٰن کو نوازا تھا ملکہ بلقیس کی محض دنیاوی کروفر کی اس کے مقابلے میں حیثیت ہی کیا تھی؟۔ بہرکیف حضرتِ سلیمٰن نے ان کے ہدیہ کو قبول کرنے سے صاف انکار فرمادیا اور ان کو بتادیا کہ میرا مطالبہ تم لوگوں اور تمہاری ملکہ سے دنیاوی ساز وسامان اور مال ومتاع کا نہیں کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے جس قدر نوازا ہے وہ تمہارے مال ومتاع سے کہیں بڑھ کر ہے۔ بلکہ میرا مطالبہ تو تمہاری ملکہ اور تمہاری حکومت سے اطاعت وفرمانبرداری کا ہے کہ میرے پیشِ نظر اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ سو میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوں کہ تمہارے ان تحفوں اور ہدیوں سے خوش ہوکر کفر و شرک کے اقتدار کو خدا کی زمین پر جائز تسلیم کرلوں۔ سو ایسی چیزوں سے تم ہی لوگ خوش ہوسکتے ہو کہ تمہارے نزدیک دنیا اور اس کے یہ دنیاوی مفادات ہی سب کچھ ہیں۔ جبکہ میرے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ میرے سامنے اصل مقصد خدا کی زمین میں خدا کی حکمرانی کا قیام ہے کہ حاکم حقیقی بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ

۳۳ حضرتِ سلیمان کی طرف سے فوج کشی کا فیصلہ:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ سلیمان کی طرف سے قومِ سبا کیخلاف فوج کشی کا فیصلہ واعلان کردیا گیا۔ سو حضرتِ سلیمان نے کہا کہ ہم اپنی فوج کے ذریعے انکو ذلیل کرکے وہاں سے نکالیں گے۔ یعنی اس طرح کہ حکومت واقتدار سے بھی محرومی ہوگی اور قید وبند کی ذلتیں بھی اٹھانی پڑیں گی۔ اور کوئی ان کو اس انجام سے بچا نہ سکے گا اگر انہوں نے اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ نہ اپنایا۔ سو

ہمارے لشکر کا ان کی طرف سے کوئی مقابلہ نہیں ہو سکے گا اور ہم اپنی قوتِ بازو سے ان علمبرداروں کو وہاں سے ایسا نکال باہر کریں گے کہ یہ خود اپنی نظروں میں بھی ذلیل ہو کر رہیں گے۔ بہر کیف حضرتِ سلیمان کو جب اپنے قاصد کے ذریعے یہ علم اور اندازہ ہو گیا کہ ملکہ سبا کے درباریوں کو اپنی قوت اور اپنے اسباب و وسائل اور اپنی شجاعت و بسالت پر بڑا ناز ہے تو آپ نے ان کو آگاہ فرمادیا کہ ہم ان پر ایسی فوج چڑھا لائیں گی جن کا ان سے کوئی مقابلہ نہیں ہو سکے گا۔ اور ہم ان کو وہاں سے اس طرح نکال باہر کریں گے کہ یہ اپنی نظروں میں خود ذلیل و خوار ہونگے۔ سو محض دنیاوی ترقی، اور مادی اسباب و وسائل کی کوئی حیثیت نہیں کہ یہ سب کچھ عارضی فانی ہوتا ہے،

۳۴ تختِ بلقیس کو حاضر کرنے کا حکم وارشاد: -سو اس سے سلیمان کی طرف سے تختِ بلقیس کو حاضر کرنے کے حکم و ارشاد کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بیچ میں سلسلۂ کلام کا یہ تمام حصہ حذف کر دیا گیا کہ بلقیس کے قاصد حضرتِ سلیمٰنؑ کا یہ پیغام لے کر اس کے پاس واپس پہنچے اور سارا ماجرا ملکہ کو سنا دیا۔ جس سے اس کو اندازہ ہو گیا کہ یہ کوئی دنیاوی بادشاہ نہیں بلکہ بادشاہت اور نبوت دونوں کی جامع ہستی ہے۔ اس لئے اس سے مقابلہ و معارضہ کی کوئی صورت اپنانے کی بجائے اطاعت و فرمانبرداری کا طریقہ اپناتے ہوئے اس کے حضور حاضری دینی چاہیئے۔ اور اپنے اس ارادے اور پروگرام کی ملکہ بلقیس نے حضرتِ سلیمٰنؑ کو اطلاع بھی کر دی۔ تب اس موقع پر حضرتِ سلیمٰنؑ نے یہ ارشاد فرمایا۔ (ابنِ کثیر، مراغی، صفوۃ، اور معارف وغیرہ)۔ سو حضرتِ سلیمان نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو اس ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں فرمانبردار ہو کر۔ تا کہ اس طرح وہ پوری طرح مرعوب ہو جائیں اور اپنی محض مادی قوت کے بل بوتے پر اکڑنے اور اترانے سے باز آجائیں۔ اور حق کے آگے دل و جان سے جھک جائیں۔ اور ان کو معلوم ہو جائے کہ ایمان و یقین کی قوت کے سامنے مادی قوت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

۳۵ ایک قوی ہیکل جن کی دربارِ سلیمانی میں ایک پیشکش: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایک قوی ہیکل جن کی طرف سے تختِ بلقیس کو مجلسِ سلیمانی کی برخاستگی سے قبل لا کر حاضر کرنے کی پیشکش کی گئی۔ یعنی قبل اس سے کہ آپ انھیں اپنی مجلس اور دربارِ عام سے۔ جس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ صبح سے ظہر تک ہوتا تھا۔ جس میں حضرتِ سلیمٰنؑ اپنی رعایا کی شکایات و مشکلات سنا کرتے تھے۔ (ابنِ کثیر، مراغی، معارف وغیرہ)۔ سو اس قوی ہیکل جن نے حضرتِ سلیمٰن کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حضور یہ خدمت میرے سپرد فرما دیں تو میں ان کی مجلس کی برخاستگی سے قبل تختِ بلقیس کو لا کر آپ کے سامنے پیش کر دونگا۔ حضرتِ سلیمان کو چونکہ اللہ پاک نے ایسا علم بھی عطا فرمایا تھا جس کے ذریعے آپ نے بہت سے جنوں کو مسخر کر کے مختلف قسم کی خدمات میں لگا رکھا تھا۔ اس لیے جب آپ نے اپنے دربار میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو اس کی تعمیل کے لیے سب سے پہلے ایک دیو ہیکل جن نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کیں کہ میں آپ کی مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے پہلے اس کو لا کر آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے طور پر یہ واقعی ایک بڑی پیشکش تھی مگر دوسرے دن کی پیشکش اس سے بھی بڑھ کر تھی۔ جیسا کہ اس کا ذکر اسکے بعد آتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا

مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ

اور میں امانتدار بھی ہوں ۳۶ (اس کے برعکس) اس شخص نے جس کے پاس علم تھا ۳۷ کتاب الٰہی کا، اس نے کہا کہ میں تو اسے آپ کے پاس

مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ

آپ کی پلک جھپکنے سے بھی پہلے لائے دیتا ہوں، چنانچہ جب سلیمٰن نے (پل بھر میں) اس کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا ۳۸ تو وہ (خوشی و

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۚ

مسرت میں جھوم ۳۹ کر شکر نعمت کے طور پر) پکار اٹھے کہ یہ سب کچھ فضل (وکرم) ہے میرے رب کا، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر

۳۶ **جن کی طرف سے اپنی دیانت وامانت کی یقین دہانی:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس دیو ہیکل جن نے اپنی اس پیشکش کو مزید پکا کرنے کے لیے کہا کہ میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور میں امانتدار بھی ہوں۔ کوئی خیانت نہیں کرونگا۔ سو میں قوی ہوں اس لئے اس کا اٹھالانا میرے لئے کوئی مشکل نہیں۔ اور میں امین ہوں اس لئے اس میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کروں گا۔ (کذا قال ابن عباس، ابن کثیر)۔ لہٰذا حضور اس بارے مجھ پر اعتماد فرمائیں۔ میں یہ کام بآسانی کر بھی دونگا اور اس سلسلے میں کسی خیانت کا ارتکاب بھی نہیں کرونگا۔ مگر حضرت سلیمان نے فرمایا کہ مجھے اس تخت کو اس سے بھی پہلے یہاں لانا منظور ہے۔ تو اس پر وہ شخص بولا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اس کو پلک جھپکنے سے بھی پہلے لاکر حاضر کرونگا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور فعلاً اس نے ایسا کر بھی دیا۔ تو اس کی پیشکش اس سے بھی کہیں بڑھ کر اہم اور مقدم تھی۔

۳۷ **علم کتاب رکھنے والے کی پیشکش اور اس کا کارنامہ:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس پر وہ شخص بولا جس کے پاس کتابِ الٰہی کا علم تھا"۔ یہ شخص کون تھا اور اس علم کتاب سے کیا مراد ہے؟ اس میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد خود حضرت سلیمٰن ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ مگر قول مشہور کے مطابق یہ شخص حضرت سلیمٰن کا وزیر آصف بن برخیا تھا۔ اور اس علم سے مراد اللہ پاک کا وہ اسم اعظم ہے۔ جس کے ساتھ جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض کے نزدیک اس نے - "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" - کہا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں اس نے - "یا ذا الجلال والاکرام" - کہا۔ اور زہریؒ کے نزدیک اس شخص نے اس طرح دعا کی - "یَآ اِلٰهَنَا وَاِلٰهَ كُلِّ شَیْءٍ اِلٰهًا وَّاحِدًا لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ائْتِنِیْ بِعَرْشِهَا" - (ابن کثیر، جامع البیان، صفوۃ وغیرہ)۔ بہر کیف لانے والا خود وہ شخص نہیں تھا بلکہ اللہ پاک تھا۔ جس کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ اور وہ ﴿عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اور جس کی قدرتِ بے پایاں کے ایک کرشمے کے طور پر زمین کا یہ عظیم الشان کرہ آج کی سائنس کے مطابق ایک ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کے حساب سے رواں دواں اور مصروف کار ہے۔ اس کیلئے آخر یہ امر کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے کہ وہ تختِ بلقیس جیسی معمولی شی کو پل بھر میں بلکہ اس سے بھی کہیں پہلے بحر احمر کے اس کنارے سے اس کنارے تک پہنچادے - سبحانہ وتعالیٰ - بہر کیف جب اس قوی ہیکل جن نے وہ پیشکش کی جس کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا کہ میں اس تخت کو اس سے بھی پہلے آپ کے سامنے حاضر

کردوں گا کہ آپ اپنی مجلس سے اٹھیں تو اس پر دربار میں موجود علم کتاب رکھنے والے ایک شخص کی غیرت جوش میں آ گئی اور اس نے کہا یہ کیا بات ہوئی کہ دربار کے برخاست ہونے تک تخت کو لانے کا وعدہ کیا جائے۔ میں تو آپ کی پلک جھپکتے ہی اس کو آپ کے سامنے پیش کیے دیتا ہوں اور بالفعل اس نے یہ عظیم الشان کارنامہ کر کے بھی دکھا دیا۔ چنانچہ حضرت سلیمان دیکھتے ہیں کہ اسی وقت وہ تخت ان کے سامنے موجود ہے۔ اور جو کچھ وہ چاہتے تھے وہ انکی خواہش کے مطابق پورا ہو گیا۔

۳۸ تختِ بلقیس حضرتِ سلیمان کے سامنے: - سو علمِ کتاب رکھنے والے ان صاحب کے اس اعلان کے بعد ملکہ سبا کا تخت اسی لمحے حضرتِ سلیمٰن کے پاس پہنچ گیا۔ یعنی اس نے پہلے شخص کی طرح صرف دعوٰی ہی نہیں کیا بلکہ عملی طور پر اس تخت کو حضرتِ سلیمٰنؑ کے پاس پہنچا بھی دیا۔ اور یہ خداوندِ قدوس کی قدرتِ مطلقہ کا ایک کرشمہ تھا کہ ادھر اس شخص نے دعا کی اور ادھر بلقیس کا تخت مآرب کے دار الحکومت سے بیت المقدس میں حضرتِ سلیمٰنؑ کے پاس پہنچ بھی گیا۔ رہ گئی یہ بات کہ اتنا بڑا تخت پل جھپکنے کی دیر میں مآربِ یمن سے بیت المقدس کس طرح پہنچ گیا؟ جبکہ ان دونوں کے درمیان دو ہزار میل سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہوگا اور پھر ملکہ کے اس عظیم الشان تخت کی حفاظت و پہرہ داری کے لئے یقیناً خاص انتظامات بھی ہوئے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ سب اشکالات وسوالات صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں جبکہ اس سارے کام کو کسی انسانی کوشش کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ لیکن جب اسے خداوندِ قدوس کی قدرتِ بے پایاں کے آئینے میں دیکھا جائے تو کسی تعجب کا کوئی سوال نہیں کہ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں۔ اور تعجب کیونکر ہو جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود ہماری اس زمین کا یہ کُرّہ جس پر ہم لوگ رہ بس رہے ہیں اور اس سے بھی بڑے بڑے کُرّے جیسے سورج جس کے بارے میں آج کی سائنس وتحقیق کا کہنا ہے کہ وہ اس زمین سے تین لاکھ پینتس ہزار گنا بڑا ہے۔ سو یہ اتنے بڑے بڑے کُرّے جب منٹوں سیکنڈوں میں لاکھوں میل کا سفر طے کرتے ہیں اور یہ سب کچھ بالفعل ہو رہا ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب سے ہو رہا ہے اور مسلسل اور لگاتار ہو رہا ہے تو پھر تختِ بلقیس جس کا ان عظیم الشان کروں کے سامنے کوئی وزن ہی نہیں اسکی اس نقلِ سریع پر کسی کو کیا اور کیونکر تعجب ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ یہ کام آصف بن برخیا نے خود نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے تو اس کے لئے اللہ پاک کے حضور دعا کی تھی۔ اور اسی دعا کی بنا پر اس کو انہوں نے اپنی طرف منسوب بھی کر دیا۔ ﴿اَنَا اٰتِیْکَ بِه﴾ - ورنہ کرنے والی ذات تو اللہ پاک کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ ہی ہے۔ اور اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ وہ سب پر حاوی اور ہر چیز پر قادر ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہرکیف یہاں سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب و شریعت ایک عظیم الشان دولت اور بے مثال نور ہے۔ اَللّٰهُمَّ فزدنا منه بلطفک و کرمک۔

۳۹ حضرتِ سلیمٰن کا اظہارِ مسرت و شادمانی: - سو حضرتِ سلیمان اظہارِ مسرت کے طور پر پکار اٹھے کہ یہ سب کچھ میرے رب کے فضل و کرم سے ہے کہ میرے ایک ساتھی اور وزیر کے ہاتھ پر اللہ نے اس قدر بڑی کرامت ظاہر فرما دی۔ اور ظاہر ہے کہ کسی ماتحت اور شاگرد کی کسی خوبی وکمال کا کریڈٹ اس کے بڑے اور استاذ ہی کو جاتا ہے۔ خاص کر جبکہ اس نے وہ کام کیا بھی اسی کے حکم کی تعمیل میں ہو۔ بہرکیف جب حضرتِ سلیمٰن کے پاس وہ تخت پہنچ گیا تو آپؑ کو اس سے خاص مسرت و شادمانی نصیب ہوئی کہ فی الواقع ملکہ سبا کا تخت میرے سامنے پہنچ گیا۔ اور وہ بھی اس طور پر کہ نہ مجھے اسکے لیے کوئی محنت ومشقت اٹھانا پڑی اور نہ ہی کسی جن اور شیطان وغیرہ سے کوئی مدد لینا پڑی۔ بلکہ میرے اپنے دربار کے ایک عالمِ کتاب نے اللہ تعالیٰ کے نام اور اسکے کلمات کے ذریعے اور ان کی برکت سے اتنا بڑا کارنامہ کر دکھایا۔

لِيَبْلُوَنِىٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۗ وَمَنْ شَكَرَ

کرتا ہوں، یا ناشکری ف۴۰ اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے شکر کرتا ہے، اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو (وہ بھی اپنا ہی نقصان

فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىْ

کرتا ہے کیونکہ) میرا رب تو قطعی طور پر (اور ہر طرح سے) بے نیاز اور بڑا ہی کرم والا ہے، ف۴۱ (اس کے بعد) سلیمٰن نے حکم دیا کہ کچھ

غَنِىٌّ كَرِيْمٌ ﴿٤٠﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ

تبدیلی کر دو اس (کی آزمائش) کے لئے اس کے تخت میں، تاکہ ہم دیکھیں کہ اسے پتہ لگتا ہے یا اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں

اَتَهْتَدِىْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٤١﴾ فَلَمَّا

پتہ نہیں لگتا ف۴۲ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) پھر جب وہ پہنچ گئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ تو

جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۗ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ

گویا وہی ہے ف۴۳ اور (یہ معجزہ دکھانے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ) ہمیں تو اس سے پہلے ہی (اس سب کا) علم ہو گیا تھا اور ہم نے سر

۴۰ نعمت سے سرفرازی ذریعۂ ابتلاء و آزمائش:۔ سو اس پر حضرت سلیمٰن نے بارگہ ایزدی میں اظہار تشکر کے طور پر فرمایا کہ یہ سب کچھ میرے رب کی طرف سے ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری۔ وہی بات کہ اللہ والے اللہ پاک کی عطا کردہ کسی نعمت پر اترانے اور فخر کرنے کی بجائے اسے اللہ پاک کی عنایت سمجھ کر اس پر اس کا شکر بجالاتے ہیں۔ جو کہ اصل نعمت سے بھی بڑھ کر نعمت ہے۔ اس طرح وہ نعمت در نعمت سے فیضیاب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہمیشہ ان کے پیش نظر ہوتی ہے کہ اس طرح ہماری آزمائش ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ! ۔ کتنی بڑی اور کس قدر عظیم الشان اور عجیب ہے ایمان و یقین کی دولت جو انسان کو بدل کر کہیں کا کہیں پہنچا دیتی ہے ۔ فالحمد للّٰہ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٖ بِمَحْضِ مَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ ۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ۔ بہر کیف تخت بلقیس کو اس طرح پل بھر کے اندر اپنے سامنے موجود دیکھنے سے نہ حضرت سلیمان کے دل میں کسی طرح کے غرور کا کوئی شائبہ پیدا ہوا اور نہ کسی طرح کی خودستائی کا۔ بلکہ وہ فوراً پکار اٹھے کہ یہ سب کچھ میرے رب کے فضل و کرم ہی سے ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ میری آزمائش کرے کہ میں اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو کوئی شکر کرے گا تو اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچے گا۔ اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کا نقصان بھی خود اسی کو ہوگا کہ میرا رب تو بہر حال بڑا ہی غنی اور بے نیاز ہے۔ اس کی کسی کی بھی کسی بھی درجے میں نہ کوئی ضرورت ہے نہ حاجت، وہ ہر اعتبار سے بے نیاز ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۱ رب کی بے نیازی اور اس کے کرم کا حوالہ:۔ سو حضرت سلیمان نے کہا کہ بے شک میرا رب بڑا ہی بے

نیاز نہایت ہی کرم والا ہے۔ اس لئے وہاں نہ تو کسی کے شکر سے کسی فائدے کا کوئی سوال اور نہ کفرانِ نعمت سے کسی نقصان کا کوئی احتمال۔ یہ شکر و کفر جو بھی کچھ کوئی انسان کرتا ہے وہ سب اپنے اور صرف اپنے ہی لئے کرتا ہے کہ شکر کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور کفر و ناشکری کا نقصان و وبال بھی خود اسی کو ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾۔ (لقمٰن:۱۲)۔ بہرکیف اس معجزانہ کارنامے سے حضرت سلیمٰن کے اندر نہ کوئی غرور اور گھمنڈ پیدا ہوا اور نہ کسی طرح کا کوئی عجب و خود پسندی۔ بلکہ آپ جذبۂ تشکر و امتنان سے مملو و معمور ہوکر پکار اٹھے کہ یہ سب میرے رب کا فضل و کرم اور اس کا انعام و احسان ہے۔ تاکہ اس طرح وہ میرا امتحان لے کہ میں اس کا شکر گزار و فرمانبردار بندہ بنتا ہوں یا ناشکرا۔ والعیاذ باللہ۔ ورنہ میرا رب تو ہر طرح سے اور ہر کسی سے ہر اعتبار سے غنی و بے نیاز اور نہایت ہی کرم والا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس لیے اس غنیِ مطلق کو کسی کے شکر سے کوئی فائدہ نہیں کہ وہ ہر کسی سے غنی و بے نیاز ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ نہایت ہی کرم والا اور مہربانِ مطلق بھی ہے۔ اس لیے وہ اپنے بندوں کو اپنے کرم سے بھی نوازتا ہے اور طرح طرح سے اور لگاتار نوازتا ہے۔ اس لیے جو اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اسکے خلاف بغاوت و سرکشی میں استعمال نہیں کرتے ان کو وہ اپنی نعمتوں اور عنایتوں سے محروم نہیں کرتا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ محض اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت و عنایت کی راہوں پر گامزن رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۲ ملکۂ سبا کے امتحان کے لیے ایک ترکیب:۔ سو حضرت سلیمان نے ملکہ سبا کے امتحان و اختبار کیلئے اسکے تخت کو بدل دینے کی ہدایت فرمائی تاکہ اس طرح اس کی آزمائش ہو جائے کہ وہ کس قدر زیرک و عقل مند ہے۔ چنانچہ اس کے جواب سے واضح ہوگیا کہ وہ واقعی بڑی زیرک اور عقل مند عورت تھی۔ مگر ماحول کے اندھیروں نے اس کو راہِ حق و صواب سے محروم کردیا تھا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف حضرتِ سلیمٰن نے چاہا کہ ملکہ اور اسکے اعیانِ سلطنت کے سامنے اس علمِ حق اور اسکی سطوت کا مظاہرہ کریں جس سے قدرت نے اپنی فیاضیوں سے آپ کو نوازا تھا۔ اس لیے آپؑ نے اپنے کارندوں سے فرمایا کہ اسکے تخت کی ہیئتِ کذائیہ میں فی الجملہ کچھ ایسی تبدیلی کردیں کہ اسکی آزمائش کی جائے اور ہم اس سے پوچھیں کہ جس تخت پر آپ فروکش ہوئی ہیں کیا وہ اسی طرح کا ہے یا اس سے کچھ مختلف ہے۔ اور اس طرح ملکہ کا خود اپنا تخت اس کیلئے ایک پہلی آزمائش بن جائے تاکہ ہم دیکھیں کہ کیا وہ اسکے بوجھنے میں کامیاب ہوتی ہے یا ناکام۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید،

۴۳ ملکہ کے فہم و فراست کا ایک ثبوت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ملکہ نے کہا یہ تو گویا وہی ہے۔ سو نہ تو اس نے یہ کہا کہ یہ بالکل وہی ہے اور نہ یہ کہ یہ وہ نہیں۔ بلکہ کہا "گویا کہ یہ وہی ہے" اور امرِ واقع بھی ایسے ہی تھا۔ سو اس سے اس کی زیرکی اور عقل مندی کا پتہ چلتا ہے کہ ذاتی طور پر وہ واقعی بڑی ذہین فطین عورت تھی۔ مگر کفر و شرک کے ماحول اور اس کی نحوست کی بنا پر اس کی مت ماردی گئی تھی اور وہ راہِ حق و ہدایت سے محروم ہوگئی تھی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف حضرتِ سلیمٰن کے اس معجزے کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں اور پھر صاف اور صریح لفظوں میں اعتراف اور اقرار کیا کہ ہمیں سلیمان کی عظمتِ شان آپ کے مرتبہ و مقام اور آپ کے کارناموں کا علم اس سے پہلے ہی ہوگیا تھا اور ہم قلبی طور پر آپ کے مطیع و منقاد ہوگئے تھے۔ بہرکیف اس سے اسکے فہم و فراست کا ایک ثبوت ملتا ہے۔ اور اسکی زیرکی اور عقلمندی واضح ہوجاتی ہے۔

أُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾ وَصَدَّهَا

اطاعت وتسلیم جھکا دیا تھا، مگر (اس قدر عقل مند عورت ہونے کے باوجود) اسکو روک رکھا تھا (راہ حق وصواب سے،) اس کے ان (خود

مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ

ساختہ) معبودوں نے جن کی وہ پوجاپاٹ کرتی تھی اللہ کے سوا، کہ تھی تو وہ بہر حال ایک

كَافِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ

کافر قوم ہی میں سے ۴۴ (اس کے بعد) اس سے کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ تم اس محل میں، سو اس نے جو اس (کے صحن) کو دیکھا

حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ

تو اسے پانی کا ایک حوض سمجھ کر اپنے پائنچے اٹھا لئے، ۴۵ اس پر سلیمٰن نے فرمایا

صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ

(کہ پائنچے اٹھانے کی ضرورت نہیں کہ یہ پانی نہیں بلکہ) یہ تو ایک محل ہے جس (کے صحن) میں (بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں، تب وہ

ع ۳ ۱۸ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾ ع

بے ساختہ پکار اٹھی کہ اے میرے رب، بے شک میں نے (اب تک نور حق وہدایت سے دور رہ کر) بڑا ظلم ڈھایا اپنی جان پر، اور اب میں نے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ

سر تسلیم خم کر دیا سلیمٰن کے ساتھ ۴۶ اللہ کے لئے جو کہ پروردگار ہے سب جہانوں کا، اور بلاشبہ ہم نے ثمود کی طرف بھی ان کے بھائی ۴۷ صالح کو

۴۴ **ماحول کے اثرات کا نتیجہ:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ تھی تو کافر قوم ہی میں سے یعنی خود ذاتی طور پر تو وہ اگرچہ بڑی زیرک اور سمجھدار عورت تھی لیکن اس نے جب سے آنکھ کھولی وہ یہی بت پرستی اور مظاہر پرستی دیکھتی رہی۔ تو اس قدر سمجھ دار ہونے کے باوجود ماحول اور گرد وپیش کا یہ اثر اس پر چھا گیا اور اصل حقیقت اس سے گم ہوگئی۔ سو اس سے ماحول کے انسانی بناؤ وبگاڑ میں اثر اندازی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ- صحبتِ صالح ترا صالح کند -صحبتِ طالح ترا طالح کند- کہ "اچھی صحبت تم کو اچھا اور صالح انسان بنا دے گی اور بری صحبت تم کو بگاڑ کر رکھ دے گی" - والعیاذ باللہ العظیم- سو ملکہ سبا اس قدر زیرک ہونے کے باوجود اور حضرتِ سلیمن کی عظمتِ شان اور آپ کے کارناموں سے آگہی رکھنے کے باوصف اپنے گندے ماحول اور برے گرد وپیش کی بنا پر کفر وشرک کی دلدل ہی میں پھنسی

رہی اور بتوں کی پوجا و پرستش میں مبتلا رہی کہ تھی تو وہ ایک کافر قوم ہی میں سے کہ روایات اور علاقائی قومی روابط کے بندھنوں کو توڑنا اور ان سے آزادی اور گلو خلاصی حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ اور یہ مشکل یوں تو ایسے ہر شخص کو پیش آتی ہے جو اس طرح کے ماحول میں پھنسا ہو لیکن جن لوگوں کو سیادت اور قیادت کا منصب حاصل ہوتا ہے ان کیلئے یہ مشکل دوچند ہو جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ اپنے ماحول اور ایسی روایات کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ دعویٰ تو ان کا حکومت اور پیشوائی کا ہوتا ہے لیکن ہوتے وہ عوامی خواہشات و روایات کے غلام ہیں۔ اور ان کے بندھنوں سے رہائی پانا ان کے بس میں نہیں رہتا۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۵ حضرت سلیمٰن کے شیش محل کے اندر ملکۂ سبا کی حیرانی: - سو اس نے محل کے صحن کو پانی کا حوض سمجھ کر اپنے پائینچے اٹھا لیے۔ تاکہ اس کے پائینچے پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ تو اسے بتایا گیا کہ یہ پانی نہیں بلکہ چمکتے شیشے کا ایک محل ہے۔ روایات میں ہے کہ جب حضرت سلیمٰن نے ملکہ بلقیس کا محل دیکھا تو جنوں کو حکم دے کر فوری طور پر شیشے کا ایک عظیم الشان محل بنوا دیا۔ اور اس کے صحن میں جس سے گزر کر محل کے اندر حضرت سلیمٰن کے پاس جانا پڑتا تھا ایک عظیم الشان اور سفید قسم کا شیشہ لگوا دیا جو نظر نہیں آتا تھا اور اس کے نیچے پانی کا انتظام کر دیا جس میں مچھلیاں بھی چھوڑ دی گئی تھیں۔ یہاں پر بعض اسرائیلی روایات میں جو کہ بعض تفسیروں میں بھی نقل ہوگئی ہیں یہ بھی آیا ہے کہ چونکہ حضرت سلیمٰن اس عورت سے شادی کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے یہ طریقہ اپنایا تاکہ اس کو دیکھ سکیں۔ اور اہل بدعت کے بعض بڑوں نے جو کہ اس طرح کی گری پڑی روایات کی تلاش میں رہتے ہیں، اس من گھڑت قصے کو نقل کر کے اس سے بزعم خود مخطوبہ کے دیکھنے وغیرہ کے مسائل بھی مستنبط کرنے شروع کر دیئے۔ مگر جبکہ اس طرح کی روایات ہی محققین کے نزدیک بناوٹی اور اسرائیلیات میں سے ہیں اور جو عصمت انبیاء کے اجماعی اور بنیادی عقیدے کے خلاف ہیں تو پھر ان سے استنباط مسائل کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیر جیسے محققین نے ایسی روایات کے بارے میں کہا کہ یہ اوہام ہیں۔ نیز انہوں نے ان کو منکر قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، فتح القدیر، صفوۃ التفاسیر اور جواہر وغیرہ)۔ سو ایسے نہیں بلکہ حضرت سلیمٰن نے ایسا اس لئے کیا تھا تاکہ اس طرح اس عورت پر سلطنت سلیمانی کا رعب قائم ہو جس سے متاثر ہو کر وہ صدق دل سے اسلام قبول کر لے اور عذاب دوزخ سے بچ جائے۔ جیسا کہ جمہور اور ثقہ مفسرین کرام نے لکھا ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں جب اس عورت پر حضرت سلیمٰن کی عظمت شان پوری طرح واضح ہوگئی تو اس نے اپنے ایمان و اسلام کا اعلان کر دیا اور کہا کہ میں بڑی غلطی پر تھی اور گمراہی میں پڑی ہوئی تھی جو اب تک اس دین حق سے محروم رہی۔ اور جس طرح میں نے شیشے کو پانی سمجھ کر اپنے پائینچے اٹھا لئے اسی طرح میں بے حقیقت چیزوں کو معبود سمجھ کر پوجنے کی زبردست غلطی کرتی رہی۔ سو اس سے حضرت سلیمٰن کے فن تعمیر کے کمال کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ملکہ سبا جیسی زیرک اور صاحب تاج و تخت عورت بھی اسکو دیکھ کر دنگ رہ گئی اور اسکے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور اس سے بے ساختہ ایک ایسی حرکت صادر ہوگئی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس کو زندگی میں یہ منظر پہلی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اور اس طرح ملکہ سبا اس دیہاتی شخص کی طرح ہوگئیں جو پہلی مرتبہ کسی بڑے متمدن اور ترقی یافتہ شہر کے ایوانوں اور اسکے محلوں کے اندر داخل ہوتا ہے۔

۴۶ ملکہ سبا کا اِعتراف تقصیر اور اعلان حق :- سو اس نے کہا کہ ''اب میں نے سرِ تسلیم خم کردیا سلیمان کے ساتھ''۔ ''سلیمٰن کے ساتھ '' کہا۔ کیونکہ وہ بھی آخر اپنے ملک کی ملکہ اور حکمران تھی نہ کہ کوئی ماتحت وزیر دست شخصیت ۔ اس لئے اس نے کہا کہ میں نے سلیمٰن کے ساتھ سرِ تسلیم خم کردیا اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کیلئے جو کہ سارے جہانوں کی خالق و مالک اور پروردگار ذات ہے۔ قرآنِ حکیم نے یہ قصہ یہیں تک بیان فرمایا ہے۔ آگے حضرتِ سلیمٰن کے ساتھ اس کے نکاح وغیرہ کے بارے میں نہ تو قرآنِ پاک نے کچھ بتایا اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس کا کوئی ذکر و ثبوت موجود ہے۔ البتہ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ایک اثر میں اس سے نکاح کا ذکر کیا گیا ہے مگر ابنِ کثیر نے اس کو منکر اور سخت غریب بتایا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ روایتیں ان اسرائیلیات میں سے ہیں جو کعب احبار اور وہب بن منبہ وغیرہ کے ذریعے اسلام میں منتقل ہوگئی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کچھ ایسی ہیں جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متصادم ہیں اور کچھ مبدل و منسوخ اور کچھ محرف وغیرہ۔ جبکہ اللہ پاک نے ہمیں قرآن و سنت کی سچی اور پاکیزہ تعلیمات سے نواز کر ایسی تمام چیزوں سے بے نیاز کردیا ہے اور قرآن و سنت کے یہ علوم اصح و اثبت بھی ہیں اور انفع و ابلغ بھی۔ (مراغی، خازن، کبیر، جامع البیان، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہرکیف اس عظیم الشان شیش محل کو دیکھ کر اور عظمتِ سلیمانی سے متاثر ہوکر ملکہ سبا نے اپنے قصور اور اپنی تقصیر کا اعتراف بھی کیا کہ میں نے آج تک کفر و شرک کے اندھیروں میں مبتلا رہ کر اپنی جان پر بڑا ظلم ڈھایا اور ساتھ ہی یہ اعلانِ حق کردیا کہ میں نے اپنے آپ کو پروردگارِ عالم کے حوالے کردیا۔ اور اس طرح وہ اسلام کے حظیرۂ قدس میں داخل ہوگئی۔ سو اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ شیش محل اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھی جسکے ساتھ عبدیت و انابت اور شکرگزاری اور رجوع الی اللہ کی وہ روشنی شامل تھی جو حضرتِ سلیمان کے اندر موجود تھی کہ اس سے خلقِ خدا کو راہنمائی ملتی ہے۔ اور ایسی صورت میں اس طرح کا محل آنکھوں کو خیرہ کرنے کی بجائے ان کو بصیرت بخشتا ہے۔ اور اگر معاملہ اسکے برعکس ہو تو وہ کبر و غرور کا نشان اور ایک ظلم خانہ ہوتا ہے اگرچہ دنیا اس کو قصرِ ابیض (White House) ہی کیوں نہ کہتی ہو۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

۴۷ پیغمبر اپنی قوم کے بھائی :- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور بلاشبہ ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا پیغمبر بنا کر''۔ پہلے داؤد و سلیمٰن کا ذکر تھا جن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ اب یہ حضرتِ صالح کا ذکر فرمایا جاتا ہے جن کا تعلق عربوں سے تھا۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ انبیائے کرام خواہ عرب ہوں یا غیر عرب ان سب کی دعوت بہرحال ایک ہی رہی ہے۔ اور وہ ہے اللہ پاک کی وحدانیت کو اپنانا اور کفر و شرک سے بچنا کہ ان سب حضرات نے ہمیشہ یہی پیغام دیا۔ اور بھائی سے مراد ہے قومی اور نسبی بھائی۔ اور انبیائے کرام کی شان ہمیشہ یہی رہی ہے کہ وہ اپنی قوموں کے قومی اور نسلی و نسبی اعتبار سے بھائی ہی رہے ہیں۔ لہٰذا نبی کو اپنی امت کا بھائی کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ اور اسی بنا پر ان لوگوں نے حضرتِ شاہ اسماعیل شہید۔ رحمہ اللہ۔ کے خلاف ایک طوفانِ بدتمیزی بپا کیا۔ سو یہ سب کچھ ان لوگوں کی اپنی جہالت، حماقت اور عناد و ہٹ دھرمی کا ثبوت ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ورنہ اصل حقیقت واضح اور بے غبار ہے۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

(یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ تم سب لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو، تو وہ لوگ یکایک دو گروہ بن کر ۴۸ آپس میں جھگڑنے لگے،

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ

صالح نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! تم کیوں جلدی مچاتے ہو برائی کے لئے

الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

بھلائی سے پہلے، ۴۹ تم لوگ اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے؟ تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ

ان لوگوں نے کہا ہم تو نحوست کا شکار ہو گئے تمہاری وجہ سے، اور ان لوگوں کی وجہ سے جو تمہارے ساتھ ہیں، صالح نے فرمایا کہ

عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي

تمہاری نحوست تو ۵۰ (تمہارے اپنے کفر کی بدولت) اللہ کی طرف سے ہے، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے ۵۱

الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا

اور اس شہر میں نو ایسے سرغنے رہتے تھے جو فساد مچاتے تھے (اللہ کی) زمین میں، ۵۲ اور وہ

۴۸ دعوتِ حق کا نتیجہ وثمرہ حق و باطل کی تفریق و تمیز: ۔سو دعوتِ حق کا نتیجہ وثمرہ تھا کہ وہ کافر و منکر قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا" اور انہوں نے ان کو دعوتِ حق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم سب لوگ ایک اللہ ہی کی بندگی کرو تو اس پر یکایک وہ لوگ گروہوں میں بٹ کر آپس میں جھگڑنے لگے۔ ایک وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہا۔ دوسرے وہ جو اپنے کفر پر رہے۔ اور یہ دونوں گروہ باہم برسرِ پیکار ہو گئے۔ حالانکہ حضرتِ صالحؑ کی دعوت بالکل صاف اور واضح تھی۔ مگر وہ لوگ باہمی عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر دو گروہوں میں بٹ گئے۔ والعیاذ باللہ۔ سو حضرتِ صالح کی دعوت سراسر حق تھی۔ جس میں کسی نزاع و اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اور حق و ہدایت کی اس دعوتِ صادقہ کا تقاضا یہ تھا کہ لوگ آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کرتے اور صدقِ دل سے اس پر لبیک کہتے۔ لیکن ہوا یہ کہ اس پر وہ لوگ بٹ گئے۔ کچھ نے اس کو قبول کیا اور کچھ اسکی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور پوری قوم دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ حق والا، دوسرا کفر و باطل والا، والعیاذ باللہ

۴۹ حضرتِ صالح کا ان لوگوں سے درد بھرا خطاب: ۔سو حضرتِ صالح نے اپنے درد بھرے خطاب میں ان سے فرمایا کہ تم لوگ اچھائی سے پہلے برائی کے لیے جلد بازی کیوں کرتے ہو۔ یعنی تم لوگ عافیت سے پہلے عذاب کیوں مانگتے

ہو۔ کیونکہ ان کا مطالبہ تھا۔ ﴿اِئْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ﴾ "لا دکھاؤ ہمیں وہ عذاب جس کی دھمکی آپ ہمیں دے رہے ہیں"۔ سو منکر اور بدبخت قوموں کا وطیرہ ہمیشہ یہی رہا کہ انہوں نے دعوتِ حق کو ماننے اور قبول کرنے کی بجائے الٹا پیغمبر سے عذاب لانے کا مطالبہ کر دیا۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف حضرتِ صالح نے ان سے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو خدا کی رحمت کی دعوت دے رہا ہوں اور تم ہو کہ رحمت کی بجائے عذاب کا مطالبہ کرتے ہو۔ تم لوگ خداوندِ قدوس کی رحمت کی بجائے اس کی نقمت مانگتے ہو۔ تم لوگ اپنے جرائم کی معافی کیوں نہیں مانگتے تا کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ سو یہ نورِ حق و ہدایت سے محروم اور بگڑے ہوئے انسان کی بدبختی ہے کہ وہ الٹا سوچتا ہے۔ اور وہ خیر کی بجائے شر مانگنے لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۰ بُرے آدمی کی نحوست خود اس کے ساتھ۔ والعیاذ باللہ: سو حضرتِ صالح نے ان سے کہا کہ تمہاری نحوست تو خود تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ حضرتِ صالح کی تکذیب کی وجہ سے وہ لوگ قحط سالی کا شکار ہو گئے تھے۔ تو اس بنا پر ان لوگوں نے حضرتِ صالح سے کہا کہ ہم تو تمہاری وجہ سے نحوست کا شکار ہو گئے۔ سو نحوست سے انکی یا تو یہی مراد تھی یا اس سے مراد ان لوگوں کی یہ تھی کہ تمہاری وجہ سے ہم لوگ دو حصوں میں بٹ گئے اور باہم سر پھٹول ہو رہا ہے۔ اور اس طرح ان بدبختوں نے اپنی بدبختی کو پہچاننے اور اس پر توجہ دینے کی بجائے الٹا حضرتِ صالح جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستی کو نحوست کا باعث قرار دے دیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو انسان کی نحوست دراصل اس کا اپنا کفر و باطل اور اپنا برا عمل و کردار ہے۔ لیکن یہ انسان کی ہمیشہ کی غلط روش رہی کہ وہ اپنی غلطی اور کوتاہی کو ماننے اور اس کی اصلاح کرنے کی بجائے الٹا اپنا قصور بھی دوسروں پر ڈالنے اور ان کے ذمے لگانے کی کوشش کرتا ہے جو بذاتِ خود ایک بڑی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۱ ایک سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کا ذکر و بیان: سو اس سے بعثتِ پیغمبر کے بعد قوموں کی ابتلاء و آزمائش کے دستورِ خداوندی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو حضرتِ صالح نے ان سے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔ یعنی تمہاری آزمائش ہو رہی ہے تا کہ کھرا کھوٹا نکھر کر سامنے آ جائے۔ جیسا کہ فرمایا۔ ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾۔ (الانبیاء: ۳۵)۔ سو اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور یہ ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام کی بعثت کے بعد اور لوگوں کے انکار کے باعث ان قوموں کو مصائب و مشکلات میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ تا کہ انکی اکڑی ہوئی گردنوں میں خم پیدا ہو اور وہ حق کے آگے جھک کر اپنے ہولناک انجام سے بچ سکیں۔ مگر جن لوگوں پر انکی بدبختی غالب آ جاتی ہے وہ اس سے راہِ حق کی طرف مڑنے کی بجائے الٹا اپنی شقاوت و بدبختی میں اور پکے ہو جاتے ہیں۔ سو کبھی وہ اسکو ان پیغمبروں کی نحوست قرار دیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں یہ اچھے برے حالات یونہی آتے جاتے رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح وہ لوگ اپنی بیماری کے علاج اور اپنے بگاڑ کی اصلاح کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ اور سدھرنے کی بجائے بگڑتے ہی چلے جاتے ہیں اور اپنے ہولناک انجام کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۵۲ قومِ صالح کے نو فسادی سرغنوں کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس شہر میں نو ایسے سرغنے رہتے تھے جو فساد مچاتے تھے۔ یعنی جس شہر میں حضرتِ صالح کو مبعوث فرمایا گیا تھا اور جس کا نام قرآن پاک کی تصریح کے مطابق "حجر" تھا۔ اور اسی مناسبت سے ایک سورۂ کریمہ کا نام بھی سورۂ حجر ہے۔ اور یہ بستی مدینہ منورہ کے شمال میں خیبر کے آگے واقع ہے جسکے کھنڈرات اب تک جوں کے توں موجود ہیں۔ اور اب یہ علاقہ مدائنِ صالح کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ سو حضرتِ صالح کی دعوتِ حق جو ان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن تھی اسکو قبول کرنے اور اپنانے کی بجائے ان بدبختوں نے الٹا اسکو گل کرنے کی ٹھان لی اور آخر کار اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ من الاحوال

يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَ

اصلاح نہیں کرتے تھے، ۵۳ انہوں نے آپس میں کہا کہ تم سب اللہ کی قسمیں کھا کر عہد کرو ۵۴ کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر

۵۳ اصلاحِ احوال کے دشمن گروہ کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ نو جتھے دار اللہ کی زمین میں فساد مچاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے"۔ واضح رہے کہ یہاں پر اشخاص نہیں "رھط" فرمایا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ جماعت اور گروہ کے آتے ہیں۔ یعنی نو ایسے سرغنے اور جھتے دار تھے جن کے ساتھ فسادیوں کا ایک ٹولا تھا اور ان کا کام ہی فساد مچانا تھا۔ اور کرائے کے ایسے ٹٹو اور شر انگیز عناصر ہمیشہ اور ہر جگہ رہے ہیں۔ اور کل کی طرح آج بھی جگہ جگہ موجود ہیں جو طرح طرح سے فتنہ و فساد بھڑکاتے رہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ جھتے دار اصلاح نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کا کام ہی فساد مچانا تھا۔ اس لیے یہ حضرتِ صالح کے جانی دشمن بن گئے۔ کیونکہ اِصلاح کی اساس و بنیاد خداوندِ قدوس کی عبادت و بندگی اور اسکی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنانا ہے۔ جو پیغمبر کی اِطاعت و اتباع ہی سے نصیب ہو سکتی ہے۔ اس لیے ان بدبختوں نے حضرتِ صالح کے وجودِ خیر و ہدایت ہی پر شبخون مارنے کی ٹھان لی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس شہر میں رہنے بسنے والے وہ نو جتھے دار برابر فساد میں سرگرم تھے۔ اور وہ کسی قیمت پر اِصلاح قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور اِصلاح کا راستہ جیسا کہ ابھی اوپر بھی گزرا خداوندِ قدوس کی عبادت و اطاعت ہی سے مل سکتا ہے۔ اور حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ اس لیے اس دعوت کی مخالفت اِفساد فی الارض ہے۔ اور ایسے لوگ مفسد ہیں۔ خواہ وہ اپنے طور پر کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۵۴ منکرین کی بدبختی کی انتہاء: سو اس سے منکرین کی بدبختی کی انتہاء سامنے آتی ہے کہ انہوں نے حضرتِ صالح پر شب خون مارنے کا پروگرام بنا لیا، والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان بدبختوں نے باہم قسمیں کھا کر حضرتِ صالح پر شبخون مارنے کا پروگرام بنایا"۔ یہ ترجمہ صیغہ ماضی کا ہے۔ یعنی جبکہ ﴿تقاسموا﴾ کو فعلِ ماضی قرار دیا جائے۔ اور دوسرا احتمال اور قوی احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ ﴿تقاسموا﴾ امر کا صیغہ ہو۔ تب معنیٰ ہوں گے کہ انہوں نے آپس میں کہا کہ تم قسمیں کھاؤ کہ ہم یہ شبخون ماریں گے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کیا تھا۔ تو حضرتِ صالح نے ان سے فرمایا کہ اب تین دن کے اندر تم لوگوں پر ایک انتہائی ہولناک عذاب آکر رہے گا۔ اس پر انہوں نے باہم یہ منصوبہ بنایا کہ ہم اس سے پہلے صالح ہی کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ تب اللہ پاک نے اپنے فرشتوں کے ذریعے پہلے ان کا کام تمام کیا پھر ان کی قوم کا۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے بدنیتی اور بدبختی کا۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف ان بدبختوں نے آپس میں یہ منصوبہ بنایا اور قسمیں کھا کر یہ عہد کیا کہ ہم صالح پر رات کے اندھیرے میں یکبارگی حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں گے۔ اور بعد میں ان کے وارثوں میں سے کوئی مدعی اگر کھڑا ہوا تو اسکو ہم اطمینان دلا دیں گے کہ ہمارا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ بعینہ اسی طرح کا منصوبہ کفارِ قریشِ مکہ نے اپنے "دار الندوہ" میں بیٹھ کر حضور ﷺ کے خلاف بنایا تھا۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ بہر کیف اَشرار نے ہمیشہ ایسی ہی شر انگیزیوں سے کام لیا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ

شبخون ماریں گے پھر (اگر تحقیق کی نوبت آئی تو) ہم اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر

اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا

موجود ہی نہیں تھے، اور ہم بالکل سچے ہیں، تو انہوں نے ایک سازش کی اور ہم نے ان کی سازش کا توڑ

مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اس طرح پیش کیا کہ انہیں پتہ تک نہ چلا، ۵۵ سو دیکھو کیسا ہوا

عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

انجام ان کی سازش کا، کہ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو بھی اور ان کی پوری قوم کو بھی سب کو،

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

سو یہ ہیں ۵۶ ان کے گھر ویران پڑے ہوئے اس ظلم کی پاداش میں جو کہ وہ لوگ کرتے رہے تھے بلاشبہ اس میں

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ۵۷ اور ہم نے نجات دے دی (اپنی رحمت وعنایت سے) ان لوگوں کو جو ایمان

كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ

لائے تھے اور وہ بچتے رہے تھے (اپنے رب کی نافرمانی سے ۵۸) اور لوط کو بھی (ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا سو یاد کرو) جب کہ انہوں نے

۵۵ مفسدین کی چال کے مقابلے میں اللہ کی چال: - یعنی انہوں نے تو اپنی چال کے ذریعے اللہ کے نبی کو ختم کرنا چاہا مگر اللہ پاک نے اس کے نتیجے میں ان کو اس طرح پکڑا کہ ان کو اسکی خبر تک نہ ہونے پائی۔ اور یہ لوگ ہمیشہ ہمیش کیلئے مٹ مٹا کر قصۂ پارینہ بن کر رہ گئے۔ والعیاذ باللہ۔ سو انہوں نے تو آپس میں مل کر اللہ کے پیغمبر پر شبخون مارنے اور دھاوا بولنے کی تدبیر کی۔ اور ان کا خیال یہ تھا کہ انکی اس چال کیخلاف کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ مگر اس کیخلاف جس چال کا فیصلہ ہم نے کیا تھا اس کا مقابلہ تو درکنار انکو اس کا پتہ بھی نہیں چلا۔ سو دیکھ لو اے دیدۂ عبرت وبصیرت رکھنے والو کہ کیسا ہوا ان کا انجام کہ انکو ہمیشہ ہمیش کیلئے تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو حق کا انکار اور اس کی تکذیب کا آخری نتیجہ وانجام بہر حال ہلاکت وتباہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ فکر وعمل کے ہر زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا

وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین یا اکرم الاکرمین

۵۶ درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین: - سو اس سے ہلاک شدہ قوموں کے کھنڈرات سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''یہ ہیں ان کے ویران پڑے ہوئے گھر ان کے اپنے ظلم کی بناء پر''۔ جن کو تم لوگ اے عربو! اپنے سفروں کے دوران دن رات دیکھتے ہو۔ اور مدائنِ صالح کے نام سے ان کے یہ کھنڈرات تب تک سامانِ عبرت بنے ہوئے تھے اور اب تک بنے ہوئے ہیں۔ لیکن غافل لوگ کل کی طرح آج بھی اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں اور وہ اس بارے میں نہ کوئی غور کرتے ہیں اور نہ توجہ دینے کی کوئی ضرورت سمجھتے ہیں کہ آخر یہ کون لوگ تھے؟ جو اس ہولناک انجام کو پہنچے؟ اور وہ کیا عوامل واسباب تھے جن کی بنا پر ان بدبخت لوگوں کو اس ہولناک انجام اور ابدی ہلاکت وتباہی سے دوچار ہونا پڑا؟ اور اس میں ہمارے لئے کیا درسِ عبرت اور سامانِ بصیرت ہے؟ - الا ماشاء اللہ - سو ان بدبختوں کی یہ داستان کوئی دور کی داستان نہیں بلکہ ان کے کھنڈرات تمہاری راہ میں پڑے اور تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر تمہیں دعوتِ غور وفکر دے رہے ہیں کہ - دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو - لیکن افسوس کہ دنیا والوں کی نگاہِ عبرت ہی سب سے نادر ونایاب چیز ہے - الا ماشاء اللہ جل وعلا - اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۵۷ علم والوں کے لیے بڑی بھاری نشانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''بے شک اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں''۔ یعنی اس قصے میں حق وباطل کے درمیان فرق وتمیز اور ان دونوں کے مآل وانجام سے متعلق اس میں نشانی تو بہت بڑی موجود ہے لیکن اس سے کام وہی لے سکتے ہیں اور فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو علمِ صحیح کی دولت رکھتے ہوں۔ سو اس سے نورِ علم وحکمت کی عظمت واہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ﴿یعلمون﴾ کا ایک مطلب اور ایک احتمال ہے۔ یعنی اس سے مراد ہے کہ یہ نشانی ان لوگوں کیلئے ہے جو علم کی روشنی رکھتے ہیں (المراغی وغیرہ) جبکہ دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ یہاں پر علم سے مراد ارادۂ علم ہو۔ فعل بول کر ارادۂ فعل مراد لینا بلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے۔ سو اس صورت میں معنیٰ ومطلب یہ ہوگا کہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو جاننا چاہتے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ جو جاننا چاہتے ہی نہ ہوں ان کیلئے کسی نشانی کا کوئی فائدہ نہیں خواہ وہ کتنی ہی بڑی نشانی کیوں نہ ہو - کیونکہ ایسے اندھوں بہروں کو راہ راست پر لانا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا، سو دلوں کا اندھا پا بڑا ہی تباہ کن ہوتا ہے

۵۸ نجات دہندہ سب کا اللہ ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم نے نجات دے دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے''۔ ''ہم نے نجات دے دی'' سے پھر اسی بنیادی حقیقت کی تاکید فرما دی گئی کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اور صرف اسی ذاتِ حق کا کام ہے۔ لہٰذا کسی مخلوق کو اس میں شریک اور حصہ دار ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم اور سب سے بڑا گناہ ہے - والعیاذ باللہ - نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نجات کے لئے بنیادی سبب دو ہی ہیں۔ ایمان اور تقویٰ - اللہ نصیب فرمائے - آمین۔ سو حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ انبیاء ورسل اور اولیاء وصلحاء سب اسی کے محتاج ہیں اس کا کوئی بھی شریک وسہیم نہیں - سبحانہ وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ

اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم لوگ دیدہ ودانستہ اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو؟ کیا تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس

شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾

شہوت رانی کے لئے آتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ سخت جہالت کا کام کرتے ہو، ف٥٩

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ

ان کی قوم کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ نکال دو لوط کے ساتھیوں کو

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ

اپنی بستی سے، یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں، ف٦٠ آخر کار (اس قوم پر عذاب نازل ہوا اور)

وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَ

ہم نے بچالیا لوط کو بھی، اور ان کے تمام متعلقین کو بھی، سوائے ان کی بیوی کے اس لئے کہ ہم نے مقدر کر دیا تھا (اس کے کفر وانکار کی بناء پر)

ع ٤/١٥ أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٥٨﴾ ع

کہ اس کو بھی رہنا ہے ان لوگوں کے ساتھ جن کو پیچھے رہنا تھا، ف٦١ اور برسادی ہم نے ان پر ایک بڑی ہولناک بارش، سو بڑی ہی بری بارش تھی

٥٩ حضرتِ لوط کا اپنی قوم سے درد بھرا خطاب:- سو اس سے حضرت لوط کے درد بھرے خطاب کا نمونہ پیش فرمایا گیا ہے۔ اس کو دیکھئے اور دورِ حاضر کے ایک جمہوری ملک کا ایک حیا باختہ کردار بھی ملاحظہ کیجیے۔ سو حضرتِ لوط نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''تم لوگ آنکھوں دیکھتے ہوئے ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو؟''۔ جس کو شریف انسان کیلئے زبان پر لانا بھی مشکل ہے؟۔ اور کیا تم لوگ ایک ایسا شرمناک اور بے ہودہ کام کرتے ہو جو ایک جانور بھی نہیں کرتا اور جو تمہارے لئے دنیا وآخرت اور ایمان وغیرت سب کی تباہی کا باعث ہے۔ مگر یہاں پر ذرا رک کر اس فعلِ شنیع کی شناعت وقباحت کو بھی دیکھئے اور اس سے متعلق دورِ حاضر کی روشن خیال دنیا کا رویہ بھی دیکھئے کہ دورِ حاضر میں روشن خیالی کی سب سے بڑی دعویدار برطانوی حکومت کی پارلیمنٹ بھرے اجلاس میں اور تالیوں کی گونج میں بھاری اکثریت سے یہ قانون پاس کرتی ہے کہ مرد مرد سے بدفعلی کرسکتا ہے۔ کہ یہ اس کی آزادی کا تقاضا ہے۔ یہ ہیں اس مادر پدر آزاد جمہوریت کے کرشمے اور اس کے زہریلے اثرات وثمرات جس کا چاردانگ عالم میں ایک شور بپا ہے۔ کیا ایسی جمہوریت کا اسلام سے کوئی تعلق اور جوڑ ہوسکتا ہے؟ اور کیا اسلام جیسا دینِ حق اس طرح کی کسی بے غیرتی اور دیوثی

کو کسی بھی درجے میں کبھی برداشت کرسکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف حضرتِ لوط نے اپنی قوم کے ان بدبختوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے ان سے یہ دردوسوز بھرا خطاب فرمایا کہ تم لوگ کیسے اندھے اور اوندھے ہوگئے ہو کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز حضرتِ خالق - جل مجدہ - کے احکام کی خلاف ورزی اور فطرت کے تقاضوں کے خلاف جنگ ہے۔ اور اس کا نتیجہ وانجام بڑا برا۔ اور نہایت ہولناک ہے - والعیاذ باللہ العظیم بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال -

۶۰ قوم لوط کے بیہودہ اور متکبرانہ جواب کا ذکر: - سو اس سے حضرتِ لوط کو ان کی قوم کی طرف سے ملنے والے بیہودہ اور متکبرانہ جواب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ حضرتِ لوط کو اپنی قوم کی طرف سے یہ جواب ملا کہ نکال باہر کرو لوط کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے کہ یہ لوگ بڑے پاک باز بنتے ہیں"۔ تو ایسے پاک بازوں کو ہمارے معاشرے میں رہنے کا کیا حق؟ سو اس طرح انہوں نے گویا اپنی ہلاکت کے وثیقہ پر خود دستخط کردیئے۔ کیونکہ ٹوکرے میں جب کوئی ایک آدھ دانہ بھی صحیح نہیں رہتا تو ظاہر ہے کہ ایسے میں اس پورے ٹوکرے کو فوراً اٹھا کر اور دور لے جا کر گندگی کے کسی ڈھیر میں یا آگ کے کسی الاؤ میں پھینک دیا جاتا ہے تاکہ تعفن نہ پھیلنے پائے - والعیاذ باللہ العظیم - سو قوم لوط نے اپنے اس جواب سے صاف کردیا کہ اب ان میں خیر کی کوئی رمق باقی نہیں اور اب یہ باقی رہنے کے قابل نہیں۔ اور ان کی بدبختی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے حضرتِ لوط کے خلاف اپنی قوم کے جذبات کو ابھارنے کے لیے کہا کہ یہ لوگ ہم سب کو اور ہماری پوری قوم کو غنڈوں اور بدمعاشوں کی قوم قرار دیتے ہیں۔ اور خود بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ اور جب کوئی برائی کسی معاشرے میں وبا کی شکل اختیار کرلیتی ہے تو وہاں پر حق اور داعیِ حق کی آواز کے خلاف لوگوں کو ابھارنا اور دعوتِ حق کا راستہ روکنا کچھ مشکل نہیں رہ جاتا۔ آج اگر کسی نے اس کا تجربہ کرنا ہو تو آج کی بے پردہ بیگمات کی کسی محفل میں بے پردگی کے خلاف دو کلمات کہہ کر دیکھ لے۔ اس کو خود معلوم ہوجائے گا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے - والعیاذ باللہ - اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنے حفظ وامان میں رکھے - آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین

۶۱ نجات دہندہ سب کا اللہ ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے بچالیا لوط کو اور انکے متعلقین کو سوائے انکی بیوی کے"۔ کہ وہ بھی دوسرے کافروں کی طرح اپنے کفر کے انجام کو پہنچ کر رہی۔ اور حضرتِ لوط جیسے عظیم الشان پیغمبر کے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہونا اس کے کچھ کام نہ آسکا کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم اور شرک کی غلاظتوں سے آلودہ تھی - والعیاذ باللہ - سو اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے نہ کہ نبی کے ہاتھ میں۔ اور دوسرے یہ کہ اگر اپنا ایمان و عمل صحیح نہ ہو تو کوئی بڑے سے بڑا رشتہ و تعلق بھی کام نہیں آسکتا۔ اور تیسرے یہ کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو حضرتِ لوط کی اپنی بیوی ایمان ویقین کی دولت سے محروم نہ رہتی اور بالآخر اس ہولناک انجام سے دوچار نہ ہوتی - والعیاذ باللہ العظیم - نیز ﴿انجیناہ﴾ "ہم نے نجات دی ان کو" کے ارشاد سے اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر واضح اور آشکارا فرمادیا گیا کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے - سبحانہ، وتعالیٰ -

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ

ان لوگوں کی جن کو خبردار کیا جا چکا تھا کہو سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جن کو اس نے چن لیا

اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ ﴿۵۹﴾

(اپنی نبوت ورسالت کے لئے) و ۶۲ کیا اللہ بہتر ہے، یا وہ (معبودان باطلہ) جنہیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں؟ و ۶۳

۶۲ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے - سبحانہ، وتعالیٰ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کہو تعریفیں سب کی سب اللہ ہی کے لیے اور سلام اسکے چنے ہوئے بندوں پر"۔:- سو اس سے تصریح فرمادی گئی کہ "کہو سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں اور سلام ہو اسکے چنے ہوئے بندوں پر"۔ یعنی ماقبل کے قصوں کے ذیل میں جن نعمتوں اور اہم بنیادی حقائق کا ذکر ہوا ان پر "الحمدللہ" کہو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور آگے جو مسئلہ توحید اور اس کے دلائل کا ذکر شروع ہو رہا ہے اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو۔ سو یہ اس سے پہلے حمد وسلام پر مشتمل خطبہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے تاکہ یہ تعلیم ودرس ہو کہ ہر قول وفعل کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے ہونا چاہیئے۔ سو اس طرح یہ پیچھے اور آگے کے مطالب کے درمیان نہایت خوبصورت حلقہ اتصال ہے اور چنے ہوئے بندوں سے مراد انبیائے کرام ہیں - علیہم الصلوٰۃ والسلام - (مراغی وغیرہ)۔ نیز یہاں سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ صلوٰۃ وسلام کا تعلق حضرات انبیائے کرام سے ہے۔ ان کے سوا کسی بھی اور ہستی کیلئے "علیہ السلام" کہنا درست نہیں۔ جیسا کہ بہت سے لوگ ایسا کہتے رہے ہیں کہ اب یہ ایک اصطلاح بن گئی ہے۔ اس لئے اس کو اپنے مخصوص موقعہ ومحل ہی میں استعمال کیا جائے گا۔ یعنی حضرات انبیاء ورسل ہی کیلئے۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ کی اس پر حکمت کائنات میں جو بھی کوئی خوبی وکمال موجود ہے یا موجود تھا یا آئندہ وجود میں آئے گا وہ سب اللہ ہی کی طرف سے تھا۔ اسی کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف سے ہوگا۔ نیز اس کا یہ بھی ایک احسان اور بہت بڑا احسان ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر برابر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ ورنہ یہ شر وفساد سے بھر جاتی۔ اس لیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اور ہر تعریف اور خوبی وکمال کا اصل حقدار وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ لہٰذا اس کا پیغام صلاح واصلاح اور رشد وہدایت اسکی مخلوق کی طرف اس کے رسولوں ہی کے ذریعے پہنچتا ہے۔ جس کے ذریعے ان کے فوز وفلاح کی راہیں روشن ہوتی ہیں۔ ورنہ اندھیرے ہی اندھیرے ہیں - والعیاذ باللہ - اس لیے اس کے رسول ہی سلام کے مستحق ہیں - اللہ ہمیشہ ان ہی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۶۳ مشرکوں کے دلوں پر ایک دستک: - سو اس سے مشرکوں کے دلوں پر ایک دستک کے طور پر۔ اور ان کے جھنجھوڑنے کیلئے ان سے ایک سوال کیا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنکو یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں؟" اس میں ان کی انتہائی تجہیل و تقبیح ہے ایسے مشرک لوگوں کیلئے کہ اللہ پاک کے سامنے تمہارے ان معبودوں کی حقیقت وحیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اور تم کتنے احمق ہو جو ان کی پوجا کرتے ہو۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس طرح ان مشرک لوگوں کے دلوں پر دستک دی گئی ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور اسکی نعمتوں اور عنایتوں کے یہ مظہر ہیں اور دوسری طرف تمہارے یہ من گھڑت اور خود ساختہ معبود ہیں جو نہ اپنے لیے کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ اپنے پجاریوں کیلئے۔ سو اب تم ہی بتاؤ اے مشرکو کہ ان دونوں میں سے بہتر کون ہے۔ اور عبادت و بندگی کے لائق کون ہو سکتا ہے؟ تو اس طرح ان کے دلوں پر دستک دے کر ان کو جھنجھوڑا گیا ہے تاکہ یہ ہوش کے ناخن لیں۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ

بھلا کون ہے وہ جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین (کی اس حکمتوں بھری کائنات) کو اور اتارا اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی'

السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ

پھر اگائے ہم نے اس کے ذریعے طرح طرح کے بارونق باغات' تمہارے بس میں تو یہ بھی نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو ہی اگا سکو ۶۴ تو کیا

لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

(ایسی ایسی قدرتوں والے) اللہ کے ساتھ دوسرا کوئی معبود (شریک) ہوسکتا ہے؟ (کوئی نہیں) بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ سیدھے

يَّعْدِلُوْنَ ۞ ۶۰ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ

راستے سے ہٹ کر چل رہے ہیں (اس کی قدرت کے دلائل مزید سنو) بھلا کون ہے وہ جس نے اس زمین کو جائے قرار بنایا ۶۵ اس کے اندر

أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ

دریا رواں کردیئے' اس کیلئے (پہاڑوں کے) عظیم الشان لنگر بنادیئے اور (میٹھے و کھاری) پانی کے ان دونوں عظیم الشان ذخیروں کے

حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ۶۱ أَمَّنْ

درمیان آڑ بنادی ۶۶ کیا (ایسی عظیم و بے مثال قدرتوں والے) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود (شریک) ہوسکتا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ

يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ

اکثر لوگ علم نہیں رکھتے (حق اور حقیقت کا) ۶۷ بھلا کون ہے وہ جو دعا (و پکار) سنتا ہے مجبور (و لاچار) شخص کی جب کہ وہ پکارتا ہے اس

۶۴ نباتات میں غور و فکر کی دعوت: سو نباتات میں غور و فکر کی دعوت و تحریک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ لوگ تو اس کا کوئی درخت بھی نہیں اگا سکتے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے بس میں تو یہ بھی نہیں تھا کہ تم ان کے کسی درخت کو ہی اگا سکو۔ تو پھر سوچو کہ ان طرح طرح کے خوشنما باغوں کو کس نے اگایا اور اس طرح وجود بخشا۔ اور جب تمہارے بس میں ایک درخت کو اگانا بھی نہیں تو پھر ان میں پھل پھول لگانا تو دور کی بات ہے۔ تم سے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ تم ایسے کسی درخت کو ہی اگا سکو۔ اور تمہارے خود ساختہ معبود تو تم سے بھی گئے گزرے ہیں۔ پھر کس قدر ظلم و ناانصافی اور کتنی بڑی نمک حرامی و ناشکری ہے کہ تم اس خالق حقیقی اور واہب مطلق سے منہ موڑو۔ اور اس کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کا شریک ماننے لگو جس نے محض اپنے فضل و کرم سے تم کو ان طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے اور برابر نوازے جا رہا ہے۔ اور تمہاری طرف سے بغیر کسی اپیل و درخواست

کے محض اپنے فضل وکرم اور اپنی شانِ ربوبیت سے تم کو ان طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے۔ سو کس قدر مہربان اور رحمٰن ورحیم ہے وہ خالقِ کل اور مالکِ مطلق۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور کس قدر ظالم اور بے انصاف ہے وہ انسان جو اس سب کے باوجود اس سے منہ موڑ کر طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے؟۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۶۵ بچھونۂ ارضی میں غور وفکر کی دعوت وتحریک: ۔ سو انسان کے قدموں تلے بچھے ہوئے اس عظیم الشان اور حکمتوں بھرے بچھونے میں غور وفکر کی دعوت وتحریک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ بھلا وہ کون ہے جس نے جائے قرار بنا دیا اس زمین کو۔ اپنی بے پایاں قدرت وعنایت سے تاکہ تم لوگ سکون واطمینان کے ساتھ اس میں رہ بس سکو۔ اس کو ڈولنے سے بچایا۔ اور تمہاری ضرورت کے ہر سامان سے اس کو آراستہ وپیراستہ فرما دیا۔ محض اپنی رحمت وعنایت اور فضل وکرم سے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس خدائے ذوالجلال کی معرفت کیلئے تمہیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے لیے تم لوگ اپنی پیش پا افتادہ اسی زمین کے بارے میں غور کر لو جس پر تم لوگ رہتے بستے اور چلتے پھرتے ہو۔ سو ذرا سوچو کہ اس کو تمہارے لیے اس طرح جائے قرار وسکون کس نے بنایا؟ کیا تمہارے ان خودساختہ اور من گھڑت معبودوں، دیویوں اور دیوتاؤں اور خودساختہ "سرکاروں" میں سے کسی کا اس میں کوئی عمل دخل ہو سکتا ہے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ سب کچھ آخر کس نے کیا؟ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک جو کہ معبودِ برحق ہے اور ہر قسم کی عبادت وبندگی اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اسکی کسی بھی شکل وصورت میں کسی کو اس کا شریک ماننا ظلم عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۶۶ پانی کے دو عظیم الشان اور بے مثل ذخیروں کا انتظام: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اور اسی نے رکھ دی پانی کے ان دو ذخیروں کے درمیان ایک عظیم الشان آڑ"۔ جس سے وہ دونوں ایک دوسرے میں ملنے نہیں پاتے۔ سو ذرا تم لوگ سوچو تو سہی کہ آخر کس کے بس میں تھا اور کس کے بس میں ہو سکتا ہے کہ وہ پانی کے ان دو عظیم الشان ذخیروں کے درمیان ایسی عظیم الشان آڑ رکھ سکے۔ سو کتنا مہربان اور کس قدر قادرِ مطلق اور حکیمِ مطلق ہے تمہارا وہ رب جس نے اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے تمہاری زندگی اور تمہاری گزران کیلئے یہ طرح طرح کے عظیم الشان انتظامات فرمائے۔ اور کتنا بڑا ظلم ہے اس سے اعراض وروگردانی؟۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ فرقان حاشیہ نمبر ۶۴۔ بہرکیف میٹھے اور کھاری پانی کے ان عظیم الشان ذخیروں کو اس طرح وجود بخشنا اور ان دونوں کے درمیان اس طرح ایک حدِ فاصل قائم کر دینا کہ ان میں سے ایک دوسرے کے اندر اثر انداز ہو کر اس کے اثرات کو زائل نہ کر دے۔ اور انسان اور دوسری گوناگوں مخلوق کی زندگیوں کی ضروریات میں سے کوئی چیز متاثر نہ ہو اس قادرِ مطلق خدائے مہربان کی کتنی بڑی عنایت اور کس قدر بڑی رحمت ومہربانی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو وہی وحدہٗ لاشریک معبود برحق ہے، سبحانہ، وتعالیٰ

۶۷ منبع شر وفساد کی نشاندہی: ۔ سو منبع شر وفساد کی نشاندہی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اصل بات یہ ہے کہ "اکثر لوگ علم نہیں رکھتے حق وحقیقت کا جس سے وہ اندھیروں میں پڑے ہیں"۔ اور اسکے نتیجے میں وہ ان دلائل سے کام لے کر اس کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔ اور اس کی صفات میں دوسروں کو بھی شریک مانتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو حق اور حقیقت کا علم ہی وہ نورِ مبین اور عظیم الشان روشنی ہے جس سے انسان کیلئے راہِ حق وصواب واضح ہوتی ہے۔ ورنہ وہ اندھیروں میں ہی بھٹکتا رہتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور حق وحقیقت کا علم ملتا ہے وحیِ خداوندی سے ہے۔ جس سے یہ لوگ بے بہرہ ومحروم اور دور ونفور ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں یہ طرح طرح کی گمراہیوں اور قسما قسم کی شرکیات میں مبتلا وملوث ہیں۔ سو بیماریوں کی بیماری اور محرومیوں کی محرومی نورِ علم وہدایت سے محرومی ہے۔ اور یہی ہے منبع ہر شر وفساد کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ ﴿۶۲﴾

(وحدہٗ لاشریک) کو اور کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے ۶۸ اور (وہ کون ہے) جو تمہیں زمین میں نائب بناتا ہے؟ کیا (ایسے قادر مطلق) اللہ

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَنْ

کے ساتھ کوئی اور معبود (شریک ہونے کے لائق) ہوسکتا ہے؟ بہت ہی کم سبق لیتے (اور نصیحت حاصل کرتے) ہو تم لوگ ۶۹ (اور سنو) بھلا

۶۸ مضطر کی فریاد رسی اسی وحدہٗ لاشریک کی شان:- سو ارشاد فرمایا گیا "بھلا کون ہے وہ جو مجبور ولاچار کی پکار سنتا ہے جبکہ وہ اس کو پکارتا ہے اور وہ اسکی تکلیف کو دور کرتا ہے؟"۔ یعنی جب سب سہارے توڑ کر اور سب رشتے چھوڑ کر کوئی اس اکرم الاکرمین کی بارگہِ اقدس میں حاضری دیتا ہے اور اپنی تکلیف پیش کرتا ہے تو وہ اسے اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے اسکو نوازتا ہے اور عجز وانکسار اور بے چارگی ودرماندگی جس قدر زیادہ ہوگی اس کی رحمتوں کا نزول اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اس سے مانگتے وقت رویا کرو۔ اور رونا اگر نہ آئے تو رونے کی شکل ہی بنالیا کرو۔ نیز بیماروں، عاجزوں اور مسکینوں محتاجوں سے دعا کرانے کی ترغیب دی گئی ہے کہ ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں- سبحان اللہ- کیا کہنے اس شان کرم کے؟- سبحانہ، وتعالیٰ- سو وہ معبود برحق ہی ہے جو ایسے مضطر اور مجبور ولاچار لوگوں کی دعا وپکار کو سنتا اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتا ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- آگے جیسا اس کی حکمت ومشیت کا تقاضا ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہے۔ کبھی کسی کو وہی مل گیا جو اس نے مانگا اور کبھی اسکی بجائے اور عنایت سے نواز دیا گیا۔ اور کبھی اس کی بجائے کسی اور موقعہ پر اس کو سرفراز فرمادیا گیا۔ اور کبھی اس کو اسکی آخرت کے لیے محفوظ کر دیا گیا کہ وہی رب رحیم وکریم جانتا ہے کہ اس کے بندے کے لیے کیا بہتر ہے۔ اور یہ کہ اسکی دعا کو کس شکل میں پورا کیا جائے۔

۶۹ غفلت ولاپرواہی باعث محرومی- والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ محرومی کی ایک بڑی وجہ غفلت ولاپرواہی ہے- والعیاذ باللہ- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بہت ہی کم سبق لیتے ہو تم لوگ"۔ ورنہ تم نور حق وہدایت سے محروم ہو کر کفر وشرک کی دلدل میں نہ پھنستے۔ اور تمہاری اسی غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے کہ تم لوگ ان تنبیہات اور آزمائشوں سے بھی کام نہیں لیتے جو تم کو زندگی میں بار بار اور طرح طرح سے پیش آتی ہیں۔ ان آزمائشوں اور مصیبتوں کے دوران تو تم لوگ خدا خدا پکارتے ہو لیکن جب وہ گزر جاتی ہیں تو تم لوگ خدا کو بھول کر اپنی انہی خدا فراموشیوں میں لگ جاتے ہو جن میں اس سے پہلے محو تھے اور تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ تم نے کبھی خدا کو بھی پکارا تھا۔ اور اس سے بھی کوئی قول وقرار کیا تھا۔ اور اس کا بھی تم پر کوئی حق ہے- سبحانہ، وتعالیٰ- والعیاذ باللہ جل وعلا- اور قلت کا لفظ عدم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی تم لوگ سبق لیتے ہی نہیں ہو اور نصیحت قبول کرتے ہی نہیں ہو ورنہ تمہارا یہ حال نہ ہوتا۔ تم لوگ تو حیوانوں کا جینا جیتے ہو۔ اور حیوانی تقاضوں سے آگے تم سوچنے سمجھنے کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ تو پھر تم کو نور حق وہدایت ملے تو کیسے اور کہاں سے ملے اور یہ چیز محرومیوں کی محرومی اور خساروں کا خسارہ ہے- والعیاذ باللہ جل وعلا- اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ

کون ہے وہ جو تم کو راستہ دکھاتا ہے خشکی اور تری کے (گھٹاٹوپ) اندھیروں میں؟ اور کون ہے ۸۱ وہ جو چلاتا ہے ہواؤں کو اپنی (باران)

اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ

رحمت سے پہلے خوشخبری دینے کو؟ ۸۲ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود (ایسا ہو سکتا) ہے؟ بہت بلند (و بالا) ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ

کرتے ہیں، بھلا کون ہے وہ جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے؟ پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کر دے گا ۸۳ اور کون ہے جو تمہیں روزی دیتا ہے آسمان

مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور زمین سے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود (ایسا ہو سکتا) ہے؟ (ان سے) کہو کہ لاؤ تم لوگ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو (اپنی شرکیات میں) ۸۴

۸۰ **بحر و بر میں راہنمائی کی رحمت و عنایت کا ذکر:** سو اس سے خشکی اور تری میں راستہ دکھانے اور راہنمائی کی نعمت کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "بھلا وہ کون ہے جو تمہیں راہ دکھاتا ہے خشکی اور تری کے اندھیروں میں؟"۔ دریاؤں، نہروں، پہاڑوں اور دروں وغیرہ کے طرح طرح کے نشانات کے علاوہ آسمانی ستاروں اور سورج و چاند کے ذریعے۔ اور جب اس نے تمہارے لئے ان دنیاوی راستوں کی راہنمائی کا اس قدر انتظام و اہتمام فرمایا ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری ابدی سعادتوں کے لئے راہنمائی کا کوئی انتظام نہ فرمائے؟ نیز انہی راستوں سے تم لوگ اسکی بارگہ اقدس و اعلیٰ تک رسائی حاصل کر سکتے ہو کہ جس نے اس قدر پر حکمت طریقے سے ہمارے لیے قسما قسم کے ان راستوں کا انتظام فرمایا وہی ہمارا رب ہے۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا۔ ﴿ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ، وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴾ (النحل: ۱۵-۱۶)۔ سو اس خالق و مالک خدائے مہربان سے اعراض و روگردانی کتنا بڑا ظلم اور کس قدر بے انصافی اور ناشکری ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ مالک الملک، یہ ہماری پیشانیاں تیرے سامنے حاضر و موجود ہیں۔ ان سے پکڑ کر ہمیں ہر لحظہ اور لمحہ اپنے ذکر و شکر میں مشغول و منہمک اور شاد و آباد رکھ۔ اور غفلت و لاپرواہی اور اعراض و روگردانی کی ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور امان میں رکھ۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ و یا اکرم الاکرمین

۸۱ **بارانِ رحمت کے بارے میں غور و فکر کی دعوت:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کون ہے وہ جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو چلاتا ہے"۔ یعنی بارش سے پہلے ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوائے تازہ کے

بھونکے لاتا ہے اپنی رحمت وعنایت سے۔ جو بارانِ رحمت کے نزول کی نوید جانفزا سناتے ہیں۔ پھر وہ ہوائیں بادلوں کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑتی جمع کرتیں اور ان کو تہ بہ تہ کر کے گھرے بادل بنا دیتی ہیں جس سے وہ جہاں چاہتا ہے بارش برسا دیتا ہے۔ سو کیا اس میں اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کا کوئی عمل دخل ہو سکتا ہے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر معبودِ برحق بھی اسکے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اس میں اور کسی کو بھی کسی بھی درجے میں شریک ماننا ظلم بلکہ ظلمِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ظلم کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین

۷۲ ابداءِ خلق اور اعادۂ خلق کے بارے میں دعوتِ غور و فکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "بھلا کون ہے وہ جو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا"۔ تو جو پہلی بار پیدا کرتا ہے وہی دوبارہ پیدا کرتا ہے اور کریگا۔ سو قیامت کے روز بھی وہ سب کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور اس سے پہلے اس دنیا میں اور آج بھی۔ اِحیاء و اِماتت کا یہ سلسلہ مختلف شکلوں میں برابر جاری و ساری ہے جو اسکی قدرت و عنایت اور رحمتِ بے نہایت کا ایک عظیم الشان اور کھلا مظہر ہے۔ سبحانہ، و تعالیٰ۔ سو تم لوگ ذرا سوچو اور اس بارے غور و فکر سے کام لو کہ کون ہے جو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے؟ کیا تمہارے ان خودساختہ فرضی اور من گھڑت معبودوں میں سے کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر معبودِ برحق بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اور کیونکر ہو سکتا ہے؟ نیز اسی سے تم لوگ یہ بھی سوچو کہ جو پہلی مرتبہ پیدا کر سکتا ہے اور بالفعل پیدا کرتا ہے اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ سو وہ دوبارہ پیدا کرے گا اور ضرور کریگا تاکہ اس پر حکمت کائنات کی تخلیق کا مقصد پورا ہو سکے۔ ورنہ یہ سارا کارخانۂ ہست و بود بیکار اور بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ اس طرح کی عبث اور اس کے ہر شائبہ سے پاک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۷۳ مشرکین سے دلیل کا مطالبہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ لاؤ تم لوگ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو اپنے دعوے میں"۔ یعنی اگر توحید کے ان واضح اور ٹھوس دلائل کے مقابلے میں تم کوئی دلیل رکھتے ہو تو پیش کرو۔ مگر کہاں اور کیسے؟ ۔ ﴿ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ﴾ ۔ (المومنون: ۱۱۷)۔ شرک پر کوئی دلیل ہو ہی کیسے سکتی ہے؟ ۔ سو یہ ساری چیزیں جن کا ذکر ہوا اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ان کا ایک خالق ہے جو نہایت ہی حکیم، انتہائی مہربان اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ سب کچھ تنہا اسی کی قدرت و حکمت اور ارادۂ مطلقہ کا رہینِ منت ہے۔ کسی اور کے ارادے اور اسکی مشیت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور کائنات اور اسکی ہر چیز کی اس گواہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدائے حی و قیوم اور اسکی وحدانیت و یکتائی کا ثبوت و وجود برہانِ قطعی پر مبنی ہے۔ اس لیے اس کو ماننا اور اس پر ایمان لانا اور یقین کرنا عقل و نقل اور بداہتِ فطرت سب کا صریح اور واضح تقاضا ہے۔ اور اسکے خلاف جو بھی کچھ ہے وہ سب اوہام و خرافات ہیں۔ جن کو اپنانا سراسر خسارہ ہے، والعیاذ باللہ جل وعلا۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا

کہو کوئی بھی غیب نہیں جانتا آسمانوں اور زمین میں سوائے ایک اللہ کے ۶۴ ؎ اور انہیں تو اس کی بھی خبر نہیں کہ یہ خود کب اٹھائے

اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ

جائیں گے ۶۵ ؎ بلکہ نیست ہو گیا ان کا علم ۶۶ ؎ آخرت (کی حقیقت اور عظمت شان) کے بارے میں، بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ کہ) یہ

۶۴ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''کہو کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے''۔ ''لا'' اور ''الا'' کے حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ آسمان و زمین میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اس میں فرشتے، انبیاء اور اولیاء وغیرہ سب ہی آ گئے۔ سو اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا عالم غیب اور کوئی بھی نہیں۔ پس جس طرح کلمہ طیبہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' میں ''لا'' اور ''اِلَّا'' کے حصر کی بنا پر اللہ پاک کے سوا کوئی کسی بھی طرح معبود اور خدا نہیں ہو سکتا اسی طرح یہاں کے اس حصر سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی کسی بھی طرح عالم غیب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر کوئی کسی نبی یا ولی کو اللہ تعالیٰ کے سوا عالم غیب مانے گا خواہ وہ عطائی وغیرہ کسی تاویل سے ہی کیوں نہ ہو وہ اس ارشاد ربانی کی صریح خلاف ورزی کرے گا۔ اور وہ اللہ پر افتراء اور جھوٹ باندھنے کا مرتکب قرار پائے گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت مسروق ام المومنین حضرت عائشہ۔ رضی اللہ عنہا۔ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؓ نے فرمایا کہ جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ حضرت محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کل کی خبر رکھتے ہیں یقیناً اس نے بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ پھر آپ نے اس کی تائید میں سورۂ نمل کی یہی آیت کریمہ بطور استشہاد پیش فرمائی۔ ''من زعم أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلم ما فی غد فقد اعظم الفریة علی اللّٰہ تعالٰی یقولُ تعالٰی ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''الاٰیة۔ (روح المعانی، قرطبی، ابن کثیر، مراغی، فتح القدیر، مدارک التنزیل، خازن، جامع البیان اور جواہر وغیرہ)۔ اور جس طرح کلمہ طیبہ میں اسی نفی و اثبات والے حصر کے بعد کسی بھی قسم کا کوئی الٰہ ماننا جائز نہیں اسی طرح یہاں بھی اللہ کے سوا کسی اور کو بھی عالم غیب ماننا جائز نہیں۔ جیسے وہاں کسی بھی قسم کا معبود ماننا شرک ہے اسی طرح یہاں بھی ایسا ماننا شرک ہوگا۔ باقی حضرات انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کو غیب کے وہ علوم دیئے گئے جن کی ان کو اپنے منصب نبوت و رسالت کے لئے ضرورت تھی۔ جس طرح کہ ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾۔ الاٰیة (آل عمران: ۱۷۹) میں۔ اور ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾۔ الاٰیة (جن: ۲۷) میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور اس ضمن میں سب سے زیادہ علم سید الاولین والآخرین امام الانبیا والمرسلین ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ کو عطا فرمایا گیا ہے کہ آپ ؐ اپنی ہر صفت میں دوسرے تمام انبیائے کرام سے ممتاز ہیں۔ مگر اس سب کے باوجود عالم الغیب ان میں سے کسی کو بھی کہنا جائز نہیں کہ ان تمام علوم کو اللہ پاک کے علم غیر متناہی سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرہ کو سمندر سے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ قصہ

موسیٰ و خضر میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اسی لئے حضرات انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے ان اخبار و علوم کو ﴿مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ﴾ ۔"غیب کی کچھ خبریں" فرمایا گیا ہے۔ الحمد للہ۔ کہ اس مسئلہ پر علمائے حق نے مستقل اور بڑی عمدہ اور وقیع کتابیں لکھی ہیں۔ خاص کر برصغیر پاک و ہند کے علمائے کرام نے۔ اور اس مسئلہ کو پوری طرح اور ہر اعتبار سے واضح اور مبرہن کر دیا گیا۔ اس ضمن میں خاص کر شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب۔ مدظلہم۔ نے اپنی عظیم الشان کتاب "ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب" میں اس موضوع سے متعلق ہر پہلو کو پوری طرح نکھار کر اور واضح کر کے بیان فرمادیا ہے۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا۔ جو کوئی اس موضوع سے متعلق ہر پہلو سے آگہی حاصل کرنا چاہے وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ ایک اور بات یہ بھی واضح رہنی چاہیئے کہ یہاں علم سے مراد قطعی اور یقینی علم ہے نہ کہ ظنی اور غیر یقینی۔ جیسا کہ ہمارے یہاں محکمہ موسمیات والے موسم کے بارے میں پیشنگوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ جو کبھی سچی نکل جاتی ہیں اور کبھی نہیں۔ اسی طرح بزرگوں کے کشوف والہامات وغیرہ بھی۔ سو یہ سب ظنی چیزیں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی چیز مدار اور معیار نہیں بن سکتی۔ اس لئے فقہائے کرام نے ان پر کسی مسئلہ کی بنا رکھنے کو جائز نہیں سمجھا۔ روایات کے مطابق یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب کہ کفارِ قریش نے آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے قیامت کا وقت دریافت کیا کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ تو اس سے ان کو جواب دیا گیا کہ اس کا تعلق تو غیب سے ہے۔ اور غیب علم کا آسمان وزمین میں صرف اللہ پاک ہی کے پاس ہے۔ اور ﴿مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا عموم فرشتوں، نبیوں اور ولیوں وغیرہ سب ہی کو شامل ہے کہ ان میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ اور یہ بھی عامۃ الناس کے خیال کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک جو بھی کچھ موجود ہے وہ آسمان وزمین ہی میں پایا جاتا ہے۔ ورنہ اللہ پاک کی کائنات تو اس سے بہت وسیع ہے۔ اور اس کی وسعتوں کا احاطہ و ادراک بھی اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ (جامع البیان، خازن، مدارک وغیرہ)۔ سو اس کی اس پوری کائنات میں کوئی غیب نہیں جانتا سوائے اس وحدہٗ لاشریک کے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ جو لوگ اسکے باوجود غیر اللہ کیلئے علمِ غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ اپنے بارے میں خود سوچ لیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں اور کدھر جارہے ہیں۔ اور دیکھ لیں کہ نصوصِ کتاب وسنت کی تصریح اور انکا تقاضا کیا ہے۔ بہر کیف عالم غیب صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۷۵ غیر اللہ کیلئے غیب دانی کے دعویداروں کیلئے ایک تازیانہ: ۔ سو غیر اللہ کیلئے غیب دانی کے دعویداروں کیلئے ایک اور تازیانے کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں کہ خود ان کو کب اٹھایا جائے گا۔ یعنی غیب کا علم رکھنا تو دور کی بات ہے آسمان وزمین کے ان باشندوں کو یہ تک پتہ نہیں کہ وہ خود کب اٹھائے جائیں گے۔ کیونکہ قیامت کی وہ گھڑی غیب کے ان علوم میں سے ہے جن کا پتہ اللہ پاک۔ وحدہٗ لاشریک۔ کے سوا اور کسی کو بھی نہیں۔ اور وہ بالکل اچانک آئے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً﴾ ۔ (الاعراف: ۱۸۷) (ابن کثیر، مراغی وغیرہ)۔ سو جب ان کو خود اپنے بارے میں بھی یہ پتہ نہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا تو ان کے عالم غیب ہونے کا کیا سوال؟ اور جب ان کو خود اپنے اٹھائے جانے کی بھی خبر نہیں

تو ان کی شفاعت پر بھروسہ کرنا اور ان کو معبود مان کر ان کی پرستش کرنے کے کیا معنیٰ؟ اور یہی بات سورۂ نمل کی بیسویں اور اکیسویں آیت میں ارشاد فرمائی گئی۔ چنانچہ وہاں ارشاد فرمایا "اور جن کو یہ لوگ پوجتے پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ وہ مردہ ہیں نہیں زندہ ہیں۔ ان کو یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کو کب دوبارہ اٹھایا جائے گا"۔ (النمل: ۲۱-۲۰)۔ سو اس سے اس حقیقت کو مزید مؤکد اور واضح فرما دیا گیا کہ آسمان و زمین کی اس پوری کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب کو جاننے والا نہیں۔ اور جن ہستیوں کو کچھ لوگ عالمِ غیب سمجھتے ہیں ان کو خود اپنے بارے میں کوئی پتہ نہیں کہ ان کو کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ سو عالمِ غیب اللہ- وحدہٗ لاشریک- ہی ہے۔ ہر قسم کا غیب اسی کا اختصاص ہے اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں- سبحانہ، وتعالیٰ-

٧٦ ﴿اِدّٰرَکَ عِلْمُھُمْ﴾ کا معنیٰ و مطلب؟:- یعنی نیست ہو گیا ان کا علم آخرت کے بارے میں۔ اور یہ ﴿ادارک﴾ کا ایک معنیٰ ہے- "ای فنی واضمحل علمھم فی الاخرۃ"- (ابن کثیر، مدارک، کبیر، جواہر، معارف وغیرہ)۔ یعنی یہ لوگ چونکہ آخرت کے بارے میں لاپرواہ اور بے فکر ہیں اس لیے یہ اس کیلئے سوچنے اور غور کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ اور یہ بطن و فرج کی شہوات میں ایسے مشغول و منہمک ہیں کہ محض حیوان بن کر رہ گئے ہیں۔ اور بطن و فرج کی خواہشات کی تکمیل کے سوا اور کسی بات کیلئے یہ سوچنے کو بھی تیار نہیں ہوتے۔ اس لیے آخرت کے بارے میں ان کا علم مٹ گیا۔ ﴿ادارک﴾ اصل میں "تدارک" ہے۔ جیسے "اثاقل" اصل میں "تثاقل" ہے۔ تعلیل اور اِدغام کے معروف قاعدے کے مطابق یہ "ادارک" بن گیا۔ اور "تدارک القوم" کے معنیٰ ہوتے ہیں کہ قوم کے آگے پیچھے سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ باہم مل گئے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿حتی اذا ادارکوا فیھا جمیعا﴾- (الاعراف: ۳۸)۔ یعنی "یہاں تک کہ جب وہ سب اس میں- یعنی دوزخ میں- اکٹھے ہو جائیں گے"۔ اور یہیں سے اس میں اختلاط اور گڈمڈ ہونے کے معنیٰ پیدا ہو گئے۔ تو اس اعتبار سے معنیٰ ہونگے کہ یہ لوگ قیامت کے بارے میں الجھن میں پڑے ہیں۔ کسی واضح عقیدے پر قائم نہیں۔ کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ اور۔ اور اس کے معنیٰ "تَکَامَلَ وَاسْتَحْکَمَ" کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی اسباب و دلائل اس کے لئے سب جمع کر دئے گئے۔ اب اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو یہ ان کی ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حق پوری طرح واضح ہو گیا ہے۔ نیز ان کے پاس ایمان و یقین کا تحقق و وقوع اپنی کامل اور آخری شکل میں اس وقت ہو گا جبکہ یہ لوگ اس عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اس لئے اس ماضی کو مضارع کے معنیٰ میں لیا گیا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا- ﴿اَسْمِعْ بِھِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا﴾- (مریم: ۳۸) یعنی "کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہونگے یہ لوگ اس دن جس دن کہ یہ ہمارے یہاں حاضر ہونگے"۔ مگر اس وقت کا یہ جاننا اور ماننا ان کو کچھ کام نہ دے گا۔ (جامع البیان، ابن کثیر، فتح القدیر وغیرہ) کہ وہ ایمان، ایمان بالغیب نہیں ہو گا۔ بلکہ وہ ایمان بالمشاہدہ ہو گا۔ جبکہ اصل مطلوب ایمان بالغیب ہے نہ کہ علمِ مشاہدہ۔ کہ ابتلاء و آزمائش کا مقتضیٰ یہی ہے۔

فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

اسکے بارے میں شک میں پڑے ہیں، بلکہ (اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ) یہ لوگ اس کے بارہ میں اندھے ہیں وے اور کہتے ہیں وہ

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا

لوگ جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، کہ کیا ہم جب (مرکر) مٹی ہو جائیں گے ہم بھی اور ہمارے باپ دادا بھی، تو

لَمُخْرَجُونَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ

کیا واقعی ہمیں (پھر زندہ کر کے قبروں سے) نکالا جائے گا؟ اس کا وعدہ تو ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ

بھی ہوتا چلا آیا ہے، یہ تو محض کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی وے (ان سے) کہو کہ تم لوگ چلو پھرو (اللہ کی عبرتوں بھری) اس زمین

فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

میں، پھر دیکھو کہ کیسا ہوا انجام مجرموں کا؟ وے اور نہ غم کھاؤ آپ ان لوگوں پر اور نہ کسی تنگی (اور گھٹن) میں پڑو ان کی ان چال

وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا

بازیوں کی بناء پر، جو یہ لوگ (حق اور اہل حق کے خلاف) کرتے ہیں ف۸۰ اور کہتے ہیں کہ کب پوری ہوگی تمہاری یہ دھمکی اگر تم

٧٧ انکارِ حق کی اصل علت کی نشاندہی:۔ سو حق سے اعراض اور اس کی تکذیب پر اصل علت کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ نہیں بلکہ یہ لوگ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ اور جس طرح اندھے کو کچھ دکھتا سوجھتا نہیں اسی طرح ان کو بھی آخرت کے بارے میں کچھ نہیں سوجھتا۔ اور حق کی صاف اور سیدھی راہ ان کو نظر نہیں آتی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں پر ضد اور ہٹ دھرمی کی پٹی باندھ رکھی ہے۔ اور حق کے سننے سے اپنے کانوں کو انہوں نے بند کر رکھا ہے جس کا لازمی اثر اور طبعی نتیجہ یہی محرومی اور اندھا پن ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور آخرت کو ماننے کے نتیجے میں چونکہ ان پر پابندیاں عائد ہوتی ہیں جس کیلئے یہ تیار نہیں اس لیے یہ دلائل و براہین میں غور و فکر سے کام لینے کی بجائے آخرت اور اسکے تقاضوں سے اندھے بن گئے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ احقاقِ حق اور اثباتِ باطل کے ان کھلے اور روشن دلائل کے باوجود اگر یہ لوگ حق کو ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو اس لیے نہیں کہ ان کے لیے اس بارے کسی شک و شبہے کی کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے۔ بلکہ یہ لوگ آخرت کے بارے میں سخت ذہنی الجھن میں مبتلا ہیں۔ بلکہ یہ اسکے بارے میں شک میں پڑے ہیں۔ بلکہ یہ اسکی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں تاکہ یہ لوگ عقیدۂ آخرت کے نتیجے میں عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے بچ کر خالص حیوانی زندگی گزار سکیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۷۸ منکرین کی بدبختی اور محرومی کا ایک نمونہ: --سو منکرین کی بدبختی اور محرومی کے ذکر و بیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ قرآن حکیم کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو محض کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی- یہی تعجب اور یہی منطق آج بھی بہت سے لوگوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ مگر یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ پاک کے یہاں ایک قانون مہلت و امہال ہے۔ اور ہر چیز کا اس نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اللہ چاہے تو سب کچھ فوراً کر سکتا ہے۔ مگر اس کا قانون اور دستور یہ ہے کہ ہر چیز کا تحقق و وقوع اس کے وقت مقرر کے ساتھ مربوط ہے۔ جس طرح شادی کے بعد بچے کا پیدا ہونا۔ پھر اس کا جوانی اور بڑھاپے کو پہنچنا۔ دن رات کا اپنے اپنے وقت پر آنا جانا، سورج کا چڑھنا ڈوبنا، ہر درخت اور پودے کا بڑھنا اور پھل پھول دینا وغیرہ وغیرہ ہر چیز اپنے وقت مقرر کے ساتھ مربوط ہے اس سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قیامت کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ وہ اس سے پہلے نہیں آ سکتی۔ اور اس کے اس وقت کا علم اللہ پاک ہی کو ہے۔ پھر ایسے لوگ اس کے لئے یہ مطالبہ آخر کیوں کرتے ہیں کہ اس کو اپنے وقت سے پہلے ابھی لا کر دکھاؤ جبکہ دنیا ساری میں اس کا قانونِ امہال و تاجیل ہر طرف جاری و ساری ہے۔ بہر کیف ان منکرین کا کہنا تھا کہ اول تو قیامت کا بپا ہونا ہی بعید از قیاس ہے۔ بھلا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو ہم دوبارہ کس طرح اٹھائے جائیں گے۔ اور دوسری بات یہ کہ ایسا اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی کہا جاتا رہا لیکن یہ وعدہ اب تک پورا نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ ایسی کہانیاں ہیں جو پہلوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور بس۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے عناد اور ہٹ دھرمی کا- والعیاذ باللہ العظیم-

۷۹ درس عبرت لینے کی تعلیم و تلقین: --سو اس سے مجرموں کے انجام سے درسِ عبرت لینے کی ہدایت اور تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ --سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ چل پھر کر دیکھو کہ کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔ سو جس طرح ان کے انجام کے بارے میں انبیائے کرام کی خبریں سچی ثابت ہوئیں اسی طرح قیامت کے بارے میں بھی یقیناً سچ ثابت ہوں گی۔ سو یہ ان لوگوں کے اندھے پن کا علاج بیان فرمایا گیا ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ یعنی تم لوگ عبرتوں بھری اس زمین میں چل پھر کر دیکھو اور پچھلی قوموں کے آثار و انجام پر نگاہِ عبرت ڈالو کہ اللہ کے رسولوں نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا تھا وہ کس طرح ان پر آ کر رہا۔ سو اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس عذاب سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے وہ اگلوں کے افسانے نہیں بلکہ قطعی حقیقت ہے۔ جس نے اپنے وقت پر بہر حال ظاہر ہو کر رہنا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے مجرموں کے انجام سے درسِ عبرت و بصیرت لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ مجرم لوگوں کو ڈھیل جتنی بھی ملے وہ بہر کیف ایک مہلت اور ڈھیل ہی ہوتی ہے جس نے اپنے وقت پر بہر حال ختم ہو کر رہنا ہوتا ہے۔ سو عقل و خرد کا تقاضا ہے کہ مجرموں کے انجام سے درسِ عبرت لیا جائے اور اپنے فساد و بگاڑ کی کوشش کی جائے قبل اس سے کہ موقع ہاتھ سے نکل جائے- والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۸۰ پیغمبر کو تسلیہ و تسکین کی تلقین: --سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ "نہ ان پر غم کھاؤ اور نہ انکی چالبازیوں سے تنگی میں پڑو"۔ یعنی نہ تو آپ فرطِ شفقت کی وجہ سے ان کے بارے میں غم میں پڑیں کہ آپ نے نصیحت و خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور نہ ان کی سازشوں اور شرارتوں کی وجہ سے آپ دل تنگ ہوں کہ یہ لوگ اپنے کیے کرائے کے انجام کو بہر حال پہنچ کر رہیں گے۔ بہر کیف اس میں حضور کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ آپ ان کیلئے بھلا کر رہے ہیں اور یہ برا مانگ رہے ہیں۔ آپ ان کیلئے خیر چاہتے ہیں اور یہ شر مانگتے ہیں۔ آپ ان کو روٹی دے رہے ہیں اور یہ پتھر مانگتے ہیں۔ سو یہ ان کی اپنی بدبختی اور محرومی ہے۔ آپ اپنا فرض ادا کر کے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ یہ اپنے انجام کو خود پہنچ کر رہیں گے بقول اکبر الہ آبادی مرحوم- آگ ان کی خود ہی دے گی ان کو بھون- ﴿لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾- سو ان کی چالبازیاں اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے باہر نہیں ہو سکتیں۔ اور انہوں نے اس کا نتیجہ و انجام بہر حال بھگت کر رہنا ہے۔

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ ٧١ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ

سچے ہو؟ کہو ہوسکتا ہے کہ قریب ہی آ لگا کچھ حصہ اس (ہولناک انجام وعذاب) کا جس کے لئے تم لوگ جلدی مچاتے ہو (اور

لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۞ ٧٢ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ

جس کے تم مستحق ہو) ف٨١ اور بے شک تمہارا رب بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے لوگوں پر ف٨٢ لیکن لوگوں کی اکثریت ہے کہ وہ پھر بھی

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۞ ٧٣ وَاِنَّ رَبَّكَ

(اس کا) شکر نہیں ادا کرتے، اور بلاشبہ تمہارا رب پوری طرح (اور ایک برابر) جانتا ہے ان سب باتوں کو جن کو یہ لوگ

٨١ منکرین کے لیے تنبیہ وتحذیر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہوسکتا ہے کہ تمہارے اس عذاب کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آ لگا ہو جس سے تم لوگ جلدی مچاتے ہو"۔ سو اس ارشاد میں منکرین کے مطالبہ عذاب کا جواب بھی ہے اور ان کو اس پر تنبیہ بھی ہے۔ جیسا کہ مختلف عذابوں کی شکل میں پہلے بھی ہوتا رہا اور آج بھی ہو رہا ہے اور جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہو رہا ہے۔ اور پھر ہر آدمی کی قیامت تو اس کی اپنی موت ہے۔ اور وہ پتہ نہیں کب آ پکڑے۔ جیسا کہ مختلف حوادث وغیرہ کی شکل میں آئے دن یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے اسکے نمونے اور مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔ سو تم پر اس عذاب کا کچھ حصہ کبھی بھی اور کسی بھی شکل میں آسکتا ہے۔ اس لیے تمہارے اندر اگر عقل کی کچھ بھی رمق باقی ہے تو تم اس کیلئے جلدی مچانے کی بجائے اس سے بچنے کی فکر کرو۔ ورنہ اپنے ہولناک انجام کیلئے تیار رہو۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر گامزن رکھے اور فکر وعمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین۔

٨٢ عذاب کیلئے جلد بازی باعث تعجب وافسوس:۔ سو اس سے عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کے حال پر اظہارِ تعجب وافسوس فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بے شک تمہارا رب بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے لوگوں پر"۔ اور یہ اسی کا فضل وکرم ہے کہ ایسی ایسی باتوں پر بھی نہ صرف یہ کہ اس نے ایسے لوگوں کو چھوٹ اور ڈھیل دے رکھی ہے بلکہ وہ انہیں اس دنیا کی طرح طرح کی نعمتوں سے بھی نوازے جا رہا ہے۔ مگر ان منکروں کی بے قدری اور ناشکری کا یہ عالم ہے کہ یہ اس کا شکر بجالانے کی بجائے الٹا اس سے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سو وہ تو اپنے اسی بے پایاں فضل وکرم سے لوگوں کو ڈھیل دے رہا ہے تاکہ یہ لوگ عذاب سے بچ کر اسکی رحمت کے مستحق بنیں مگر یہ ہیں کہ اسکی اس ڈھیل اور مہلت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے الٹا اسکو اسکے رسول کے جھوٹا ہونے کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ اور اس طرح جہاں سے انکو رحمت لیکر اٹھنا چاہیئے تھا وہاں سے یہ اس کا غضب لیکر لوٹتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد میں ان لوگوں کے حال پر اظہارِ افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان کو اپنے فضل وکرم سے نوازنا چاہتا ہے اور یہ لوگ اس سے منہ موڑ کر انکے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور خیر کی بجائے شر مانگتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

لِيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ

چھپائے رکھتے ہیں، اپنے سینوں میں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں، ۸۳ اور کوئی چھپی بات ایسی نہیں

فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٧٥﴾ إِنَّ هَٰذَا

آسمان اور زمین میں جو (ثبت اور مندرج) نہ ہو ایک عظیم الشان کھلی کتاب میں، بیشک یہ

الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ

قرآن حقیقت بتاتا ہے بنی اسرائیل کو اکثر ان باتوں کی جن کے بارے میں یہ لوگ

يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ إِنَّ

خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں ۸۴ اور بلاشبہ یہ (قرآن) قطعی طور پر عین ہدایت، اور سراسر رحمت ہے (دولت) ایمان رکھنے

رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾

والوں کیلئے ۸۵ یقیناً تمہارا رب (عملی طور پر) فیصلہ فرما دے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے اور وہی ہے سب پر غالب سب کچھ جانتا ۸۶

۸۳ اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ و ذکر: ۔سو اس سے اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا بیان اور پیغمبر کیلئے تسلیہ و تسکین کے سامان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ پوری طرح اور ایک برابر جانتا ہے ان سب باتوں کو جن کو یہ لوگ چھپائے رکھتے ہیں اپنے سینوں میں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں"۔ تو جس رب کی یہ شان ہے اس سے کوئی کس طرح چھپ سکتا ہے؟ اور اس کی گرفت و پکڑ سے کس طرح بچ کر نکل سکتا ہے؟ سو اس ارشادِ عالی میں ایک طرف تو حضور کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ یہ لوگ اپنے سینوں میں جو مخفی منصوبے رکھتے ہیں اور جن شر انگیزیوں کا برملا اعلان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا اور ایک برابر اور پوری طرح جانتا ہے۔ اس لیے وہ ان کے ہر فتنے کے تدارک کا سامان خود فرما لے گا۔ لہٰذا آپ کو انکے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسطرح یہ ارشاد اوپر والے مضمون کی تاکید اور اس کا اعادہ و تکرار ہے۔ اور دوسری طرف اس میں منکرین و معاندین کیلئے تنبیہ و تذکیر کا سامان بھی ہے کہ تم لوگ اپنی روش کی اصلاح کرلو اور اس سے باز آ جاؤ۔ ورنہ اپنے ہولناک انجام کیلئے تیار ہو جاؤ کہ تمہاری ظاہری اور باطنی کوئی بھی کیفیت اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۸۴ قرآن حکیم کے ایک احسان عظیم کا ذکر و بیان: ۔سو اس سے قرآنِ پاک کے بنی اسرائیل پر ایک احسان عظیم کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بے شک یہ قرآن حقیقت بتاتا ہے بنی اسرائیل کو اکثر ان باتوں کی جن کے بارے میں یہ لوگ اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں"۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے قصہ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ سو یہ اس کتابِ مقدس کی عظمت و صداقت کی ایک زبردست دلیل ہے کہ اہل کتاب جنہیں اپنے علم کا بڑا زعم اور گھمنڈ تھا اور جن

سے اہلِ عرب بری طرح مرعوب تھے ان کے اختلافات کا قطعی دوٹوک اور صحیح فیصلہ یہ کتابِ عظیم کر رہی ہے جو کہ نبی امی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پر نازل ہوئی۔ سو اس کتابِ عظیم پر ایمان لانا خود انہی لوگوں کے لئے سعادتِ دارین کا ذریعہ ہے۔ ورنہ محرومی ہی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو جس کے پیش کرنے والے نبی امی نے کبھی کسی سے ایک حرف تک نہیں سیکھا پڑھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسکی طرف سے اس کتابِ معجز نظام کو پیش کرنا کس قدر بڑا معجزہ ہے اور اس سے بڑھ کر ان کی صداقت و حقانیت کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟۔ صلوات اللّٰه و سلامه علیه۔ سو یہ اس قرآنِ پاک کا عظیم الشان احسان ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر فرمایا۔ اسکے باوجود اگر یہ لوگ اس سے منہ موڑتے ہیں تو یہ انکی بڑی ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔ اور اس میں خود انکی اپنی محرومی ہے۔ یہاں پر جس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا گیا اس سے مراد وہ اختلاف ہے۔ جس سے اہلِ کتاب اور خاص کر بنی اسرائیل نے اپنے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور ایسا اور اس حد تک کہ حق اور ناحق کے درمیان فرق و تمیز کرنا ہی ممکن نہیں رہا تھا۔ تورات کے بارے میں یہ حقیقت واضح رہنی چاہیے کہ اس میں صرف یہی نہیں کہ اس میں تحریف کی گئی تھی اور بس۔ نہیں بلکہ اس کو ایسی متناقض اور متضاد روایات و اقوال کا مجموعہ بنا دیا گیا تھا کہ اس میں یہ پتہ چلانا بھی ممکن نہیں رہا تھا کہ اس میں حق کیا اور کتنا ہے اور باطل کیا اور کتنا؟ سو تورات کے اس طرح اور اس حد تک مسخ ہو جانے کے باعث یہودی حق اور ہدایت کی روشنی سے محروم ہو کر بالکل تاریکی میں ڈوب کر رہ گئے تھے۔ ایسے میں قرآنِ پاک نے ان کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانا چاہا جو کہ حق تعالیٰ کا ان پر ایک عظیم الشان اور بے مثل انعام و احسان تھا۔ مگر ان لوگوں نے اس کی قدر کرنے اور اس کو اپنانے کی بجائے الٹا اس کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھانا چاہا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا من کل زیغ وضلال۔

۸۵ قرآنِ حکیم سے استفادے کیلئے اولین شرط ایمان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ یہ قرآن قطعی طور پر عینِ ہدایت اور سراسر ہدایت و رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔ سو یوں تو اس کا فیض سب کے لئے عام ہے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھا سکے گا جو اس پر ایمان رکھتا ہوگا۔ سو اس سے یہ حقیقت ایک مرتبہ پھر آشکارا ہو جاتی ہے کہ قرآنِ حکیم سے صحیح معنوں میں استفادے کیلئے اولین شرط اس پر ایمان رکھنا ہے۔ سو یہ کتابِ حکیم ایمان والوں کیلئے عظیم الشان ہدایت اور سراسر رحمت ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اور ہدایت و رحمت یہ دونوں صفتیں ابتداء اور انتہاء کے اعتبار سے ہیں۔ یعنی ایمان لانے کو پہلے تو یہ کتاب اپنی ہدایت اور راہنمائی سے نوازتی ہے جس سے انکو صراطِ مستقیم کی وہ راہِ حق و صواب نصیب ہوتی ہے جو دارین کی سعادت و سرخروئی کرنے والی واحد راہ ہے۔ اور پھر اس کے نتیجے میں وہ اس ابدی رحمت سے سرفراز ہوتے ہیں جس کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء۔ اللہ محض اپنے فضل و کرم سے اس سے سرفراز و سرشار فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین و یا ذا الجلال والاکرام۔

۸۶ رب کے آخری اور عملی فیصلے کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ تمہارا رب ہی فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے"، یعنی عملی اور آخری فیصلہ۔ اور فیصلہ کے بارے میں غلطی یا تو ناقص العلمی کی وجہ سے ہوتی ہے یا پھر قوت و قدرت کے نقص کے سبب سے اس کی تنفیذ نہیں کرائی جاسکتی۔ سو عزیز و علیم کی ان دو صفتوں کے ذکر و بیان سے ان دونوں باتوں کی نفی فرما دی گئی کہ نہ تو اس کے فیصلے میں کسی خطا و قصور کا کوئی احتمال ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کے یہاں سے کسی کیلئے بچنے اور بھاگ نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہوسکتی ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ آج تو معاملہ ان لوگوں کے ارادہ و اختیار پر ہے۔ سو اگر انہوں نے آج اس قرآن کی قدر نہ پہچانی اور اس کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی میں صحیح راہ نہ اپنائی تو یہ لوگ یاد رکھیں کہ آخر کار وہ یوم حساب بھی آنے والا ہے۔ جس میں وہ اپنے حکمِ ناطق کے ذریعے ان کے درمیان آخری اور عملی فیصلہ فرما دے گا۔ جس کے نتیجے میں ان کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ اور اس طور پر اور اس شکل میں کہ پھر ان کے لیے اس سے گلوخلاصی اور رہائی کی کوئی صورت ممکن نہ رہے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

بس آپ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں کہ بلاشبہ آپ قطعی طور پر صریح حق پر ہیں، آپ نہ تو مُردوں کو کسی قیمت پر سنا سکتے ہیں ۸۷ اور نہ

الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾

ہی ان بہروں تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں، جو پھر جائیں (حق سے) پیٹھ دے کر، اور نہ ہی آپ اندھوں کو راہ (حق و ہدایت) پر

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا

پھر لا سکتے ہیں، ان کو گمراہی (کی دلدل) سے نکال کر آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ایمان رکھتے ہوں ہماری آیتوں پر،

مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ

وہی فرمانبردار ہوں گے ۸۸ (اپنے ایمان ویقین کی برکت سے،) اور جب پوری ہو جائے گی ان پر ہماری بات تو ہم نکال کھڑا کریں گے

عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ

ان کے لئے ایک (عجیب وغریب قسم کا) جانور زمین سے جو ان سے باتیں کرے گا (اور ان کو بتائے گا) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین

ع ١٩ ٢ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ

نہیں کرتے تھے ۸۹ اور (یاد کرو اے لوگو! اس ہولناک دن کو کہ) جس دن ہم گھیر لائیں گے ایک فوج ان لوگوں میں سے

۸۷ مُردوں کو سنانا کسی کے بس میں نہیں: سو پیغمبر کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ۔ اے پیغمبر! ۔مُردوں کو نہیں سنا سکتے"۔ یہاں پر کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اسی طرح ان کفار کو بھی سنانا اور حق قبول کرادینا آپ کے بس میں نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جبکہ مردے نہ سنتے ہوں۔ ورنہ اس تشبیہ کا کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتا۔ لہٰذا اہلِ بدعت کی یہ خوش فہمی یا مغالطہ آفرینی پادر ہوا ہو جاتی ہے کہ اس سے سماعِ موتی کی نفی نہیں ہوتی۔ مگر واضح رہے کہ یہاں پر ﴿ تسمع ﴾ فرمایا گیا ہے۔ یعنی "آپ نہیں سنا سکتے"۔ تو اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ اگر سنانا چاہے تو سنا سکتا ہے کہ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جیسا کہ قلیبِ بدر میں حضور کا مُردوں سے خطاب فرمانا یا قرعِ نعال والی حدیث وغیرہ سے ثابت ہے کہ یہ سب خرقِ عادت اور معجزے کے قبیل میں سے ہے۔ فلا يَقاس عليه و ظاهر نفى سماع الموتى العموم فلا يُخصّ منه اِلّا ما ورد بدليل - (المراغی: ج ۲۰ ص ۱۹)۔ مسئلہ بہر حال اختلافی ہے۔ سلف میں بھی اور خلف میں بھی۔ کسی نے ایک رائے کو ترجیح دی اور کسی نے دوسری کو۔ والتفصیل فی المطولات۔ ہمارے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ جہاں پر روایات میں ثابت ہے وہ ثابت ہے۔ اور اس کے علاوہ محض قیاس ورائے سے ثابت کرنا

درست نہیں- وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَھُوَ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ فِیْ کُلِّ بَابٍ- سو اس آیت کریمہ میں پیغمبر کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ اگر یہ لوگ نہیں مانتے اور دعوتِ حق کو قبول نہیں کرتے تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ بلکہ قصور سب کا سب انہی لوگوں کا ہے کہ انہوں نے حق کو ماننے اور قبول کرنے کے سب راستے اپنے لیے بند کر دیئے۔ اور یہ اندھے اور بہرے بن کر رہ گئے۔ اور اندھوں بہروں کو سنانا اور ان کو کفر و باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر حق و ہدایت کی شاہراہ پر لے آنا اور نورِ حق و ہدایت سے منور و سرشار کرنا آپؐ کے بس میں نہیں۔ آپ تو انہیں کو سنا سکتے ہیں اور راہِ حق پر لا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لانے کیلئے تیار ہوں اور وہ بات ماننے والے ہوں- وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید وعلٰی سبیل الدوام والتابید -وھو فعال لما یرید- سبحانہٗ و تعالٰی

٨٨ ﴿دابۃ الارض﴾ سے مقصود و مراد؟:- اس جانور کے بارے میں تفسیری روایات میں بہت کچھ مروی ومنقول ہے۔ مگر ان کا زیادہ تر تعلق اسرائیلیات سے ہے۔ قرآنِ حکیم اور صحیح احادیث میں اس سے متعلق جو کچھ ثابت ہے اس کا خلاصہ اس قدر ہے کہ قربِ قیامت کے وقت خرقِ عادت کے طور پر یہ جانور مکہ مکرمہ یا کسی اور مقام پر زمین سے ظاہر ہوگا اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اور آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ارشاد کے مطابق قربِ قیامت کے وقت جن دس بڑی نشانیوں کا ظہور ہوگا ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ یعنی خروجِ دابہ، جو اس وقت ظاہر ہوگا جب کہ سورج مغرب سے طلوع کرے گا۔ اور ان دونوں میں سے جو بھی نشانی پہلے ظاہر ہوگی دوسری اس کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ اور اس کے بعد نہ کسی کا ایمان معتبر ہوگا نہ توبہ قبول ہوگی۔ (روح، ابنِ کثیر، فتح وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ اگر یہ لوگ پیغمبر کی تعلیم وتذکیر اور انذار وتبشیر سے نہیں مان رہے اور نشانی عذاب کا مطالبہ کرتے جا رہے ہیں تو ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ سنتِ الٰہیہ کے مطابق جب ان کی مدت اور مہلت ختم ہوجائے گی تو ہم ان کیلئے زمین سے ایک جانور اٹھا کھڑا کریں گے۔ جو اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں پر یقین کرنے والے نہیں۔ اس لیے اب یہ قہرِ الٰہی کے مستحق ہیں۔ تب ان لوگوں کیلئے اپنے اس ہولناک انجام سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر مستقیم وثابت قدم رکھے- آمین ثم آمین۔

٨٩ منکرین کیلئے جانور کے ذریعے اتمام حجت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وقت آنے پر ہم ان کے لیے زمین سے ایک ایسا جانور نکال لائیں گے جو ان سے باتیں کرے گا اور ان کو بتائے گا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے یہ خرقِ عادت دکھا کر ان پر حجت تمام کردی جائے گی کہ جس حق کی گواہی ایک جانور بھی دے رہا ہے اس کے قبول کرنے کی ہمت اور توفیق تم کو نہ ہوسکی اے منکرو۔ اور اس میں ان کی اس طرح سخت تحقیر وتذلیل بھی ہوگی کہ جن حقائق کو تم لوگوں نے پیغمبروں کے کہنے پر نہیں مانا تھا اب ان کو تم ایک جانور کے کہنے پر مانو اور تسلیم کرو۔ سو اس طرح وہ لوگ ان حقائق کو ایک جانور کے کہنے پر تسلیم کرلیں گے جو انہوں نے حضراتِ انبیائے کرام -علیہم الصلوٰۃ والسلام- اور ان کے وارثان اور نائبین یعنی علمائے حقانیین کے کہنے پر نہیں مانے تھے۔ مگر بے وقت کے اس ماننے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ نہ ان کی توبہ قبول ہوگی اور نہ ان کا ایمان معتبر ہوگا کہ اس کا موقعہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہوگا- والعیاذ باللہ- (روح، قرطبی، ابنِ کثیر، التحریر والتنویر، صفوۃ التفاسیر اور معارف وغیرہ)۔ سو منکرین کیلئے بہتری اور خیر اسی میں ہے کہ وہ پیغمبر کی دعوتِ حق کو صدقِ دل سے قبول کرکے اپنی اصلاح کرلیں، ورنہ اس آخری اور ہولناک انجام کیلئے تیار ہوجائیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ زیغ وضلال کی ہر قسم اور ہر شکل سے محفوظ اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر مستقیم وگامزن رکھے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى

جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو، پھر ان کو روکا جائے گا ۹۰ یہاں تک کہ جب وہ سب (موقف میں) آ پہنچیں گے تو (ان کا رب

اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا

ان سے) پوچھے گا کہ کیا تم نے جھٹلایا تھا میری آیتوں کو حالانکہ تم ان کا کسی طور پر علمی احاطہ بھی نہیں کر سکے تھے؟ ۹۱ یا (پھر تم خود ہی بتاؤ

اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا

کہ) اور کیا تھے وہ کام جو تم لوگ کرتے رہے تھے؟ اور (وعدہ عذاب کے بارے میں) ہماری بات ان پر اس طرح ثابت ہو کر

ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ

رہے گی ان کی ظلم کے بنا پر کہ وہ کچھ بول بھی نہ سکیں گے، کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے (کس طرح ان کے لئے) رات کو

لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

(اندھیری) بنایا، تاکہ یہ اس میں سکون حاصل کر سکیں اور دن کو (روشن اور) آنکھیں کھولنے والا، (تاکہ اس میں یہ کام کر

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ

سکیں،) بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ۹۲ اور (کیا گزرے گی اس دن) جس

۹۰ روزِ حشر کی تذکیر و یاددہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یاد رکھو تم اے لوگو اپنے اس ہولناک دن کو کہ جس دن ہم گھیر لائیں گے ایک فوج کی فوج ان لوگوں کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو۔ پھر ان کو روکا جائے گا"۔ یعنی اگلوں کو روکا جائے گا تاکہ پچھلے بھی ان تک پہنچ کر ان میں شامل ہو جائیں۔ اور سب یکجا ہو کر اس تقریع و تفضیح کو سن سکیں جو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے ان کو وہاں سنائی جائے گی اور جس کا ذکر و بیان اسکے بعد فرمایا جا رہا ہے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور مراغی وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشادِ عالی سے روزِ حشر کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی ہے۔ تاکہ غفلت میں پڑے لوگ چونک جائیں اور اپنے لیے اِصلاحِ اَحوال کی فکر کر لیں قبل اس سے کہ فرصتِ حیات ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے اور ایسا کہ اس سے نکلنے کی پھر کوئی صورت ان کے لیے ممکن نہ ہو گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۱ تکذیبِ حق کے مجرموں سے ایک سوال: سو ارشاد فرمایا گیا کہ میدانِ حشر میں حق تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم لوگوں نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا جبکہ تم نے علمی اعتبار سے ان کا احاطہ نہیں کیا تھا۔ یا تم خود ہی بتاؤ کہ تم لوگ کیا کرتے رہے تھے؟ یعنی یہ نہیں کہ تم ان کی تہ اور حقیقت تک پہنچ گئے تھے اور اپنی تحقیق کی بنا پر ان کی تکذیب کے لئے

تمہیں کوئی جواز مل گیا تھا۔ نہیں بلکہ سوچے سمجھے بغیر اور غور وفکر کئے بدوں تم نے محض اپنی خواہشات کی پیروی میں اور دوسری اَغراض اور دنیوی اسباب کے پیشِ نظر ایسے کیا تھا۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ حشر کے روز جب مجرموں کو اکٹھا کرلیا جائے گا تو حق تعالیٰ ان سے سوال فرمائے گا کہ کیا تم لوگوں نے میری آیتوں کی تکذیب کی تھی درآنحالیکہ تم نے ان کا علمی احاطہ نہیں کیا تھا یا بتاؤ کہ تم لوگ کیا کرتے رہے تھے؟ سو جب تم لوگوں نے دنیا میں میرے انبیاء ورسل کی طرف سے پیش کی جانے والی دعوتِ حق اور ہدایت کو جھٹلا دیا، بغیر اسکے کہ تمہارے پاس تمام اسرارِ کائنات کا علمِ محیط ہو۔ تم نے میری آیتوں کی تکذیب کی اور میری طرف سے ملنے والی طرح طرح کی تنبیہات پر بھی کان نہ دھرا اور اپنی متاعِ حیات کو تم نے کفر وتکذیب کی اس باغیانہ روش میں گزار دیا تو بتاؤ اب تمہارے پاس کیا عذر ہوسکتا ہے؟ سو اگر تم لوگوں نے حشر ونشر اور جزا وسزا کے اس یومِ عظیم کو محض اس بنا پر جھٹلایا تھا کہ تمہارے پاس کائنات کے تمام اسرار کا علم آ گیا تھا تو تمہارے اس موقف کا کوئی جواز ہوسکتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ کائنات کے تمام اَسرار کا علم واِحاطہ کسی بشر کے لیے اور خاص کر عامۃ الناس کے لیے ممکن ہی نہیں۔ سو اس طرح کا علمِ محیط نہ رکھنے کے باوجود اگر تم لوگوں نے میری آیات اور تنبیہات کی تکذیب کی تو اب تمہارے لیے کسی عذر ومعذرت کی آخر کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ سو آفاق وانفس کے اندر موجود دلائلِ عقل وفطرت کے باوجود کسی حقیقت کا محض اس بنا پر انکار کرنا کہ اس کے تمام اَطراف وجوانب ہمارے اِحاطہ علمی میں نہیں آسکے قطعاً غلط ہے کہ کائنات کے جملہ اَسرار ورموز کا علم نہ کسی کو حاصل ہے اور نہ ہوسکتا ہے کہ کائنات کے جملہ اَسرار ورموز کا علم فاطرِ کائنات کے سوا اور کسی کے لیے ممکن ہی نہیں۔ اور انسان کو جو بھی اور جتنا بھی علم ملے وہ بہرحال بہت کم اور محدود ہے۔ ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً﴾۔ علم سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے جو ہر چیز کو محیط اور اس پر حاوی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین

۹۲ دن اور رات کے ادلنے بدلنے میں سامانِ غور وفکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "دن رات کے ادلنے بدلنے میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ایمان والوں کیلئے"۔ سو دن رات کے اس نہایت پُرحکمت اور مضبوط نظام میں صحیح غور وفکر سے ایک طرف تو یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ وہ خالق ومالک۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کتنی عظیم الشان قدرت، کس قدر محیر العقول حکمت اور کمالِ علم کا مالک ہے۔ اور دوسری طرف اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر کس قدر مہربان، کتنا بڑا فیاض و وہاب اور کس قدر کرم فرما ہے کہ ایسی عظیم الشان نعمتوں سے انسان کو اس کی نافرمانیوں کے باوجود نوازا اور برابر نوازے اور بہرہ مند فرمائے جا رہا ہے۔ نیز دن رات کے اس ہیر پھیر اور ادل بدل میں حیات بعد الممات کے لئے عظیم الشان رہبر سل اور یاددہانی بھی ہے جو انسان کو برابر کرائی جاتی ہے۔ تاکہ وہ آخرت کی اپنی حقیقی اور ابدی زندگی کے لئے تیاری کرسکے۔ قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ وَبِاللّٰهِ الْعِيَاذُ وَالتَّوْفِيْقُ۔ مگر یہ سب کچھ انسان کو تب ہی نصیب ہوسکتا ہے جبکہ اس کا باطن نورِ ایمان سے منور ہو۔ ورنہ اس انسان میں اور ایک حیوان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر گمراہ ہوجاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا ہے ﴿لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی "یہ نشانیاں ان لوگوں کیلئے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں"۔ سو ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اور جہاں نہ ایمان ہو اور نہ ایمان لانے کا ارادہ اور اس کی چاہت ہو وہاں ان کو کوئی فائدہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ط

دن کہ پھونک دیا جائے گا صور ۹۳ میں، جس سے دہل کر رہ جائیں گے وہ سب جو کہ آسمانوں میں ہیں، اور وہ سب

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا

بھی جو کہ زمین میں ہیں، مگر جسے اللہ چاہے ۹۴ اور سب حاضر ہوں گے اس کے حضور دبے جھکے، اور تم دیکھتے ہو ان (عظیم

جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ

الشان) پہاڑوں کو اور ان کو خوب جما ہوا سمجھتے ہو حالانکہ یہ رواں دواں ہیں (یا رواں دواں ہوں گے اس روز) بادلوں کی

۹۳ **ہولِ قیامت کی تذکیر و یاد دہانی:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جس دن پھونک دیا جائے گا صورِ اسرافیل میں"۔ اور اس کے نتیجے میں تہس نہس ہو کر رہ جائے گا یہ سارا نظامِ عالم۔ نفخ صور کے بارے میں مفسرین کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ مگر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ نفخ تین بار ہوگا۔ پہلی بار جس سے ہوش اڑ جائیں گے اور یہ نفخ فزع ہوگا۔ دوسری بار نفخ صعق ہوگا جس سے سب لوگ مر جائیں گے۔ اور تیسری بار نفخ قیام و احیا ہوگا۔ اور جبکہ بعض کا کہنا ہے "فزع" اور "صعق" سے مراد ایک ہی ہے۔ اس لئے نفخ صور دو ہی مرتبہ ہوگا۔ یہ حضرات مفسرین کرام - عَلَيْهِمُ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوَان - کے ان مختلف اقوال کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جو اس بارے میں مختلف تفاسیر میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً روح، قرطبی، مراغی، ابن کثیر، مدارک، صفوۃ، تفسیر التحریر والتنویر وغیرہ۔ بہر کیف صور پھونکنے کا یہ عمل دراصل اعلان و اظہار ہوگا اس بات کا کہ دنیا کی امتحان و آزمائش کی فرصت ختم ہوگئی ہے اور اب اس کے بعد نتائج اور دائمی فیصلوں کا اعلان ہونا ہے اور ہر انسان نے اپنی زندگی بھر کی کمائی کا پھل پانا ہے۔ دائمی جنت یا ہمیشہ کا عذاب - والعیاذ باللہ العزیز الرحمٰن - بہر کیف اس ارشاد سے قیامت کے اس ہولِ شدید کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی ہے تاکہ غافل دنیا چونک کر اس کے لیے فکرمند ہو جائے اور اس کے لیے تیاری میں لگ جائے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید - اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۹۴ **ہولِ قیامت کی شدت کی تصویر:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جس روز دہل کر رہ جائیں گے وہ سب جو کہ آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو کہ زمین میں ہیں مگر جسے اللہ چاہے"۔ اور اس استثناء سے مراد فرشتے، انبیاء اور شہداء ہیں۔ (ابن کثیر، صفوہ وغیرہ)۔ یا جبرائیل، اسرافیل، میکائیل اور ملک الموت مراد ہیں۔ (جامع البیان وغیرہ) - وفیہ اقوال اخریٰ - بہر کیف نفخ صور کے وقت سب مر مرا کر ختم ہو جائیں گے سوائے ان کے جن کو اللہ باقی رکھنا چاہے گا - سبحانہ، وتعالیٰ - بہر کیف اس سے قیامت کے اس ہولناک دن کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی ہے کہ وہ بڑا ہی ہولناک دن ہوگا۔ اس لیے اس کو کوئی آسان اور معمولی چیز نہ سمجھا جائے کہ وہ ایسا ہولناک دن ہوگا جب صور پھونکا جائے گا تو اسکے ہول سے سب لوگ گھبرا اٹھیں گے سوائے ان کے جنکو اللہ تعالیٰ امن میں رکھے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا - الا من شاء اللہ - کہ وہ اس ہول اور خوف سے محفوظ ہونگے - اللہ تعالیٰ ہمیں انہی لوگوں میں کرے جو قیامت کے اس ہولِ شدید سے محفوظ ہونگے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ بہر کیف اس سے ہولِ قیامت کی شدت کی تصویر پیش فرما دی گئی۔ تاکہ غافل ولاپرواہ لوگ خوابِ غفلت سے چونک جائیں - وباللہ التوفیق -

كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝٨٨ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

طرح ﴿٩٥﴾ کارستانی ہے اس اللہ (جل جلالہ) کی، جس نے استوار کیا ہر چیز کو نہایت حکمت (اور مضبوطی) کے ساتھ، بے شک وہ

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝٨٩

پوری طرح باخبر ہے ان سب کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو، جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کو اس سے کہیں بڑھ کر اچھا بدلہ

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ

ملے گا ﴿٩٦﴾ اور ایسے لوگ اس دن کے ہول سے امن میں ہوں گے، اور جو کوئی برائی لے ﴿٩٧﴾ کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو اوندھے منہ

تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٩٠ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ

ڈال دیا جائے گا آگ میں، (اور ان سے کہا جائے گا کہ) تمہیں تو انہی کاموں کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم خود کرتے رہے تھے

٩٥ قیامت کے روز پہاڑوں کا حال: سو اس سے ہولِ قیامت کی مزید تفصیل فرما دی گئی کہ اس روز دوسری چیزوں کا تو ذکر ہی کیا پہاڑوں جیسی ٹھوس اور مستحکم مخلوق کا بھی اس روز حال یہ ہوگا کہ یہ بظاہر ٹکے ہوئے اور جمے ہوئے نظر آئیں گے مگر حقیقت میں یہ بادلوں کی طرح اڑے جا رہے ہونگے۔ عام طور پر حضرات علماء و مفسرین کا کہنا ہے کہ اس ارشاد کا تعلق قیامت سے ہے اور یہ کہ یہ وہی مضمون ہے جسے دوسری مختلف آیاتِ کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے جیسے۔ ﴿وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾۔ (الانبیاء:٢٠)۔ ﴿وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾۔ (المرسلات:١٠) وغیرہ۔ لیکن بعض محققین کا کہنا ہے کہ اس کو قیامت سے متعلق ماننا صحیح نہیں۔ ﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾۔ اس پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتا۔ کیونکہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا تعلق "صنع" سے نہیں۔ بلکہ ہلاک وفساد اور دمار و خراب سے ہوگا۔ دوسرے اس لئے کہ قیامت کے اس منظر کو جو دیکھے گا وہ جان لے گا کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر اور اکھڑ کر چل رہے ہیں کہ یہ اس روز دھنکی ہوئی روئی ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ کی طرح ہو جائیں گے۔ جبکہ یہاں پر ان سے متعلق فرمایا جا رہا ہے۔ ﴿تَحْسَبُهَا جَامِدَةً﴾۔ کہ "تم ان کو اپنی جگہ جامد و ساکن دیکھتے ہو"۔ اس لئے ان حضرات کا کہنا ہے کہ پہاڑوں کا یہ چلنا اسی دنیا میں موجود ہے جو کرۂ ارضی کے ساتھ ساتھ گھوم رہے ہیں اور اس طرح یہ دورانِ ارضی کی ایک واضح اور کھلی دلیل ہوگی اور قرآنِ حکیم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہوگا۔ (تفسیر التحریر والتنویر لابن عاشورؒ، تفسیر القاسمیؒ وغیرہ)۔ ترجمے میں دونوں قولوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ وَالتَّفْصِيْلُ فِي الْمُطَوَّلِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ لیکن راجح قول جمہور ہی کا لگتا ہے اور سیاق و سباق بھی اسی کی تصدیق و تائید کرتا ہے۔ اور ﴿صنع اللّٰه الذي اتقن كل شيء﴾ کا ارشاد بھی اس پر منطبق ہوتا ہے۔ یعنی یہ اسی خدا کی کاریگری ہوگی جس نے ہر چیز کو محکم اور مضبوط بنایا ہے۔ سو جس طرح اس نے ہر چیز کو محکم بنایا ہے اسی طرح اسکی قدرت کا یہ نمونہ اور مظہر بھی سامنے آئیگا کہ یہ پہاڑ بظاہر جمے ہوئے نظر آئیں گے مگر یہ ہوا میں اڑتے بھی پھر رہے

ہونگے۔ اور یہ شروع میں ہوگا بعد میں ان کو کوٹ کوٹ کر ریزے ریزے کر دیا جائے گا۔ اور پھر یہ ریگِ رواں کے ٹیلے بن کر رہ جائیں گے۔ سو ان کے یہ مختلف حالات مختلف اوقات، کے اعتبار سے ہونگے۔ اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہوگا۔ (المراغی، المعارف اور الکبیر وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی خاص رحمت وعنایت کے سائے میں رکھے، امین

۹۶ نیکی کے کئی گنا اجر وثواب کا وعدہ وبشارت: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے کہیں بڑھ کر بہتر اجر ملے گا"۔ کیونکہ وہ اکرم الاکرمین صرف عدل اور برابری نہیں، بلکہ فضل واحسان کا معاملہ فرمائے گا۔ اور بدلہ بھی اپنی شانِ کریمی کے مطابق عطا فرمائے گا نہ کہ ہمارے اعتبار سے۔ فَشَرَّفْنَا بِهَا يَا مَنْ تَقَدَّسَ وَ تَعَالٰى عَنْ كُلِّ مَا نَتَصَوَّرُ ۔ پھر اس خیر۔ اچھے بدلے۔ کی بھی کوئی حد نہیں بیان فرمائی گئی کہ وہ بدلہ وجزا کس قدر بہتر ہوگا۔ کم سے کم دس گنا اور اس کے آگے کتنے ہی گنا بڑھا کر دے گا۔ یعنی ایمان کی قوت اور صدق واخلاص کی دولت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اسکی بخشش بھی بڑی اور زیادہ ہوگی کہ یہی چیز اصل میں مدار ومعیار ہے اور وہ دلوں کی دنیا اور باطن کے خبایا ونوایا کو پوری طرح جانتا اور سینوں کے بھیدوں سے بھی پوری طرح واقف وآگاہ ہے۔ بعض نے اس کی تجدید بھی کی ہے مگر اصل یہ ہے کہ اس کو عام ہی رکھا جائے تا کہ ہر نیکی کو شامل ہو۔ پس ایمان واخلاص کے ساتھ جو بھی کوئی نیکی کی جائے گی وہ اس میں داخل ہے۔ کیونکہ ایمان واخلاص کے بغیر اس کی جنابِ اقدس واعلیٰ میں کوئی بھی نیکی قابلِ قبول نہیں۔ اور ایمان واخلاص کے ساتھ جو بھی نیکی کی جائے گی اس کا بدلہ وہ کہیں زیادہ بڑھا چڑھا کر دے گا کہ اس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جو نیکی کما کر اس دن حاضر ہونگے ان کو اس سے کہیں زیادہ بہتر بدلہ سے بھی نوازا جائے گا اور وہی خوش نصیب ہونگے جو اس دن کی گھبراہٹ میں امن میں ہونگے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۹۷ بُروں کے بُرے انجام کا ذکر وبیان۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو اس سے اس دن برائی کے ساتھ حاضر ہونے والوں کا معاملہ وانجام بیان فرما دیا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو ایسوں کو اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا دوزخ کی آگ میں"۔ ﴿سیئہ﴾ یعنی "برائی" کا لفظ اگرچہ عام اور ہر برائی کو شامل ہے مگر اکثر اہلِ علم کے نزدیک یہاں پر اس سے مراد کفر وشرک کی برائی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی عمل قابلِ قبول نہیں۔ اور آگے جو سزا بیان فرمائی گئی ہے وہ اسی کفر وشرک ہی کی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ (جامع، ابن کثیر وغیرہ)۔ اسی لئے کہ شرک دراصل بغاوت ہے اور بغاوت کا جرم ناقابلِ معافی جرم ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کو ظلمِ عظیم فرمایا گیا ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمن: ۱۳)۔ بہر کیف جو لوگ اس روز نیکی کی بجائے برائی کے ساتھ حاضر ہونگے انکو اوندھے منہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ دنیا میں حق وہدایت اور اسکی عظمتوں سے منہ موڑ کر اوندھے ہوگئے تھے۔ اس لیے ان کو وہاں اوندھے منہ دوزخ میں ڈالنے کی وہ سزا دی جائیگی جو انکے جرم کے عین مناسب ہوگی۔ اور اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے ان ہی اعمال کا بدلہ ہے جو تم لوگ زندگی بھر کرتے رہتے تھے۔ سو اس طرح ان کا وہ عذاب اور بھی سخت اور دوگنا ہو جائے گا۔ اور یہ لوگ رہ رہ کر اپنے ماضی کی بے راہ روی پر افسوس کرینگے والعیاذ باللہ العظیم۔

رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ز

مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں بندگی کرتا رہوں اس شہر (مکہ) کے رب کی، جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے ۹۸ اور ہر چیز

وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ج

اسی کی ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے اس بات کا کہ میں ہو رہوں فرمانبرداروں میں سے ۹۹ اور یہ کہ میں پڑھ کر سناتا رہوں یہ قرآن

فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ

پھر جو کوئی راہ پر آ گیا تو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے راہ پر آئے گا، اور جو کوئی گمراہ ہوا تو یقیناً (اس میں میرا کوئی نقصان نہیں کہ)

اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ

میں تو صرف خبردار کرنے والوں میں سے ہوں ۱۰۰ اور بس، اور کہو (ان سے) کہ تعریف اللہ ہی کے لئے ہے ۱۰۱ وہ عنقریب تمہیں

اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ط وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ع ﴿۹۳﴾ ع ۱۱/۲

اپنی نشانیاں اس طرح دکھا دے گا کہ تم انہیں خود پہچان لو گے، اور تمہارا رب کچھ بے خبر نہیں ہے ان کاموں سے جو تم لوگ کر رہے ہو ۱۰۲

۹۸ پیغمبر کے مبارک مشن کی وضاحت: سو ارشاد فرمایا گیا اور پیغمبر کی زبان پر ارشاد فرمایا گیا کہ "مجھے تو بس اسی بات کا حکم دیا گیا کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کرتا رہوں جس نے اس کو حرمت والا بنایا ہے"۔ کہ وہاں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ گھاس پھوس کاٹنے کی بھی اجازت نہیں۔ کوئی گری پڑی چیز نہیں اٹھا سکتے سوائے اس کے کہ اسکو تعریف کی نیت سے اٹھایا جائے۔ وہاں شکار نہیں کر سکتے وغیرہ۔ پس وہاں پر ہر طرح سے امن ہی امن ہے جو علامت اور دلیل ہے اللہ پاک کی بے پایاں رحمت اور عظمت و قدرت کی۔ پس عبادت بھی صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ بہرکیف اس میں پیغمبر کے مبارک مشن کی وضاحت ہے اور اس میں آپؐ کے مقصدِ دعوت کو فیصلہ کن انداز میں واضح فرما دیا گیا ہے کہ میرا کام اور میرا مشن تو صرف اس معبودِ برحق کی عبادت کرنا اور اسی کی عبادت و بندگی کی دعوت دینا ہے جس نے اس شہر کو حرمت والا بنایا تاکہ اس کے بعد جس نے سنبھلنا ہو وہ سنبھل جائے۔ نہیں تو وہ اپنے ہولناک انجام کیلئے تیار ہو جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۹ رب کی فرمانبرداری کا حکم وارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا اور پیغمبر کی زبان پر ارشاد فرمایا گیا کہ "مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں"۔ اور جب خاتم الانبیاء۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو بھی یہ حکم ہے تو پھر اور کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ پس ہر کسی کے لئے صحت و سلامتی اور امن و نجات کی راہ ایک اور صرف ایک ہی ہے کہ وہ ہر طرح کی بندگی اسی وحدہٗ لاشریک کے لئے کرے اور اسی کا فرمانبردار بن کر رہے کہ اطاعت و بندگی کا اصل حقدار وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سرزمین جس کو میرے رب نے محترم ٹھہرایا اور خانہ کعبہ کیلئے اس کو منتخب فرمایا ہے اور اسکو اپنے

مقامِ توحید کا مرکز بنایا اس سرزمین کے رب کی عبادت و بندگی اور اسی کی اطاعت و فرمانبرداری ہی میرا مقصد اور مشن و نصب العین ہے۔ اسی مقصد کیلئے مجھے منتخب و مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اس لیے تم لوگ میری مخالفت میں جتنا بھی زور لگاؤ مجھے اس سے نہیں پھیر سکتے۔ اور یہ سرزمین اس ملتِ ابراہیمی کا مرکز ہے جسکے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اس لیے میری دعوتِ توحید ہی وہ اصل کام ہے جو یہاں ہونا چاہئے اور وہی میں کر رہا ہوں۔ اور اس گھر میں جو اس کے سوا دوسروں کی پرستش ہو رہی ہے وہ بالکل ناروا ہے۔ اور میں اس سے قطعی طور پر بری ہوں۔ بہر کیف مجھے اسی کا حکم وارشاد ہوا ہے کہ میں اسی معبودِ برحق کی اطاعت کرنے والوں میں سے بنوں اسکے سوا کسی کی اطاعت نہ کروں۔ اور دنیا کو بھی اسی کی دعوت دوں کہ یہی ہے اصل فرض اور حقیقی مقصدِ زندگی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۰۰ پیغمبر کا کام اِنذار و تبلیغ اور بس: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور پیغمبر کی زبان پر ارشاد فرمایا گیا کہ میرا کام تو بہرحال یہی ہے کہ میں اس شہر کے اس رب کی ہی عبادت و بندگی کرتا رہوں جس نے اس کو حرمت والا بنایا ہے اور یہ کہ میں فرماں برداروں میں سے رہوں اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن سناتا جاؤں۔ سو اس کے بعد جس نے راہِ حق و ہدایت کو اپنایا اس کا اپنا ہی بھلا اور جو بھٹک گیا اس کی ذمہ داری خود اسی پر۔ میرا کام تو صرف خبردار کردینا ہے اور بس۔ اور وہ میں اپنے بس کی حد تک کر چکا۔ اس سے آگے میری کوئی ذمہ داری نہیں۔ حق کو منوانا اور تمہارے دلوں میں اسکو اتار دینا نہ میرے بس میں ہے اور نہ ہی یہ میری ذمہ داری ہے۔ اور قرآنِ حکیم جو کہ رب العالمین کا پیغام ہے اور اسی کی روشنی میں اس کے بندے اسکا حق اطاعت و بندگی ادا کر سکتے ہیں وہ پڑھ کر سنانا میرا کام اور وہی میری اصل ذمہ داری ہے۔ اور وہ میں کر رہا ہوں اور کرتا رہونگا۔ اسکے بعد جو اس پر ایمان لائے گا وہ اپنے ہی بھلے کا سامان کرے گا اور جو اس سے منہ موڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کریگا۔ والعیاذ باللہ۔ سو پیغمبر کا کام صرف اِنذار و تبلیغ ہے اور بس۔ پس جو اس کو قبول کریں گے ان کا اپنا بھلا اور جو منہ موڑیں گے ان کا اپنا نقصان۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

۱۰۱ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ تعریف سب اللہ ہی کیلئے ہے"۔ کیونکہ جو بھی کوئی خوبی جہاں بھی کہیں پائی گئی یا پائی جاتی ہے یا پائی جائے گی وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے۔ پس تعریف کا اصل حقدار وہی اور صرف وہی ہے۔ اور وہی وحدہٗ لاشریک ہے جس نے مجھے شرفِ نبوت سے مشرف فرمایا اور قرآن جیسی نعمتِ عظمیٰ مجھ پر اتاری۔ اب اگر تم لوگ اس نعمت کی قدر نہیں کرو گے اور مجھ سے نشانیوں ہی کا مطالبہ کرتے جاؤ گے تو عنقریب ہی جب تمہیں وہ اپنی نشانیاں دکھائے گا تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور تمہارا بھلا کس میں تھا۔ اور تمہیں کس قدر عظیم الشان نعمت سے نوازا گیا تھا مگر تم نے اسکی قدر نہیں کی تھی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر شکل سے محفوظ اور ہمیشہ اپنی امان میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۱۰۲ غافل لوگوں کے لیے آخری تنبیہ: ۔ سو غافل لوگوں کو آخری تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "تمہارا رب غافل نہیں ان کاموں سے جو تم لوگ کر رہے ہو"۔ پس ہر کوئی اپنے کیئے کرائے کا بدلہ اپنے وقت پر بہرحال پا کر رہے گا۔ لہٰذا ہر کوئی خود دیکھ لے کہ اس نے کیا کمائی کی ہے اور وہ کس کی امید رکھتا ہے۔ پس کوئی کبھی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس سے وہ بے خبر ہے اور اسکی کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کوئی ایسا مت سمجھے وہ ہر چیز سے پوری طرح

باخبر ہے۔ تمہارے کیے کرائے کا پورا ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ ہر چیز کا بہر حال ایک وقت مقرر ہے۔ اس وقتِ مقررہ پر ہر کسی کو اپنا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

❁❁❁❁❁

☆ —— تکمیل نظر ثانی ۱۵ شعبان ۱۴۱۸ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز ہفتہ بوقت پونے دس بجے رات منطقہ ام ہریر دبی متحدہ عرب امارات۔ والحمدللہ رب العالمین الذی بیدہ ازمۃ التوفیق والعنایۃ

☆ —— تکمیل پروف ریڈنگ دوسری بار ۲۴ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲ اپریل ۲۰۰۰ء بروز اتوار بوقت پانچ بجے شام مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر پاکستان (دورانِ رخصت) والحمدللہ رب العالمین اھل للحمد فی الاولیٰ والاخیرۃ

☆ —— تکمیل پروف ریڈنگ تیسری بار ۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۲ جون ۲۰۰۱ء بروز منگل بوقت نو بجے شب جامع محمد بن مدیۃ (بموقع ہفتہ واری درس قرآن) دیرہ دبی متحدہ عرب امارات، والحمدللہ رب العالمین، الذی شرفنی بھذا العمل الجلیل

☆ —— تکمیل پروف ریڈنگ چوتھی بار ۱۰۔ شوال ۱۴۲۳ ہجری بمطابق ۱۴ جنوری ۲۰۰۳ بروز پیر بوقت سوا دس بجے شب، سطوۃ، دبی، متحدہ عرب امارات۔ والحمدللہ رب العالمین۔ الذی لاتتم الصالحات الا بتوفیق مہ جل وعلا

☆ —— اَللَّمَسَاتُ الاخیرۃ (Final touches) ۸۔ ذوالحجہ ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۳۱ جنوری ۲۰۰۴ء بروز ہفتہ بوقت ایک بجے دن، مدنی منزل، مارگلہ ٹاؤن، اسلام آباد، پاکستان۔ والحمدللہ رب العالمین۔ بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ وھو العزیز الوھاب،

اللہ! میرے اللہ! جس طرح تو نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے اس بندہ ظلوم وجہول کو اپنی کتاب حکیم کی تفسیر کے اس عظیم الشان شرف سے نوازا، اور سرفراز فرمایا ہے، اسی طرح اپنی شانِ کریمی سے اسکو قبولیت کے شرف سے بھی نواز دے، اور سرفراز فرمادے اور اسکو ایسا قبول عام نصیب فرمادے کہ اس کا نور دنیا ساری میں پھیل جائے، اسکے نتیجے میں کفر و شرک کی ظلمتیں چھٹ جائیں، اور توحید و سنت کے نور سے دنیا ساری جگمگا اٹھے، امین ثم امین یارب العالمین ویاارحم الراحمین، واکرم الاکرمین،

آیاتہا ٨٨ | ٢٨ سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ٤٩ | رکوعاتہا ٩

سورۂ قصص مکی ہے اور اس کی اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے،

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ

طا سیٓم میٓم یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی اس کتاب (عظیم) کی ف۱ ہم ٹھیک ٹھیک بتاتے ہیں آپ کو ف۲ کچھ احوال موسیٰ اور

مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③

فرعون (کی داستان عبرت) کا، ان لوگوں (کی راہنمائی) کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ف۳ حقیقت یہ ہے کہ فرعون نے بڑی

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا

سرکشی اختیار کر لی تھی (اللہ کی) اس زمین میں ف۴ اور اسکے باشندوں کو اس نے مختلف گروہوں میں بانٹ رکھا تھا ف۵ ان میں سے

۱ قرآن حکیم کی عظمتِ شان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی اس کتابِ عظیم کی" جس کی عظمت کا کوئی کنارہ نہیں۔ اور جو منبع و مصدر ہے ہر خوبی و کمال کا اور سرچشمہ ہے حق و ہدایت کا۔ جس نے کھول کر بیان کر دیا حق و حقیقت کو اور صدق و صفا کو۔ اور جس نے پوری طرح تفریق و تمیز کر دی حق و باطل کے درمیان۔ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے درمیان۔ یہاں پر سورۂ نمل کی پہلی آیت کے حواشی پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔ سو یہ اس شان کی ایک ہی کتاب ہے اور یہ ایسی عظیم الشان اور بے مثال نعمت ہے جس جیسی دوسری کوئی نعمت نہ ہوئی ہے نہ آئندہ کبھی ممکن ہے۔ لہٰذا اس نعمتِ عظمیٰ کی دل و جان سے قدر کرنی چاہیئے کہ اس سے اِعراض و روگردانی بڑی بے انصافی اور سخت ناشکری ہوگی جو دارین کے ہولناک خسارے کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

۲ قصہ موسیٰ و فرعون کا ذکر عبرت گیری کیلئے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں آپ کو کچھ حصہ موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت کا"۔ یعنی "مِنْ" یہاں پر تبعیضیہ ہے۔ یعنی اس قصے کا وہی حصہ بیان کیا جاتا ہے جس کا اِظہار و بیان اس کتاب کے موضوع و مقصد کے اعتبار سے ضروری ہے۔ اور جو تعلیمِ حق اور اِصلاحِ خلق کے لئے مفید ہے۔ کیونکہ قرآنِ حکیم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں کہ اس میں محض داستان سرائی کے طور پر اور تاریخی ترتیب کے ساتھ پورا قصہ بیان کر دیا جائے بلکہ یہ کتاب عزیز کتابِ حق و ہدایت ہے۔ جس کا اصل موضوع و مقصود راہِ حق کی راہنمائی کرنا اور بندگانِ خدا کو فوز و فلاح کے راستے پر ڈالنا ہے۔ ﴿بالحق﴾ کی تصریح سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرتِ موسیٰ کی یہ سرگزشت بالکل صحیح صحیح بیان ہوگی اور اس طور پر کہ عبرت و عظمت کا پہلو واضح ہو۔ تورات میں موسیٰ اور فرعون کی جو سرگزشت بیان ہوئی ہے اس میں یہ دونوں ہی

چیزیں مفقود ہیں۔ نہ ہی وہ سرگزشت صحیح بیان ہوئی ہے اور نہ ہی اس سے عبرت وعظمت کا وہ مقصد سامنے آتا ہے جو کہ اس قصے کی اصل روح ہے۔ اس لیے ﴿بالحق﴾ کی تصریح سے واضح فرمایا دیا گیا کہ یہ سرگزشت بالکل مطابق واقعہ اور صحیح ہوگی۔

۳ ایمانِ صلاح وفلاح کی اصل بنیاد: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت سناتے ہیں حق کے عین مطابق ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں''۔ سو اس کا بیان تو سب کے لئے عام ہے مگر اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکیں گے جو اس پر ایمان رکھتے ہوں یا ایمان لانا چاہتے ہوں۔ ورنہ ہٹ دھرموں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ سو یہ اسی حقیقت کا اعادہ و تکرار ہے جو اس سے قبل مختلف مقامات پر گزر چکی ہے اور مختلف انداز سے اس کی توضیح وتاکید فرمائی گئی ہے کہ اس کتابِ حکیم سے استفادہ کی شرطِ اولین اس پر سچا پکا ایمان ہے نہ کہ محض زبانی جمع خرچ۔ فزدنا اللّٰهم ایمانا به ویقینا وحبا فیه وخدمة واشتغالا۔ سو اس سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ ایمان ویقین کی دولت صلاح وفلاح کی اصل بنیاد ہے اور دوسری طرف یہ بات کہ عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب وباطن اور ارادہ ونیت سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۴ فرعون کی سرکشی کا ذکر وبیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرعون بڑا سرکش ہوگیا تھا اس سرزمین میں کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کرلیا تھا اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کا نعرہ لگا دیا تھا جو کہ طغیان وسرکشی کی حد وانتہا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کیونکہ بندے کا اصل مرتبہ ومقام اور اس کی حدودِ اربعہ یہ ہے کہ وہ بندہ بن کر رہے اور اس کائنات کے خالق ومالک کے اوامر وارشادات کی پابندی اور پاسداری کرے۔ اور اسکے برعکس اگر وہ اس سے غافل ہوکر اپنی من مانی کرنے لگے اور بندگی کی حدود کو پھلانگ کر اپنی خدائی کا دعویدار بن جائے۔ والعیاذ باللہ۔ اور لوگوں کو خدا کی اطاعت وبندگی کی طرف بلانے کی بجائے ان سے اپنی بندگی اور غلامی کرانے لگے تو اس سے بڑھ کر علو اور سرکشی اور کیا ہوسکتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ اور اس کے بعد کی دو آیتوں کے ذریعے اس غایت اور مقصد کو واضح فرما دیا گیا ہے جس کی یہ سرگزشت سنائی جا رہی ہے۔ اور یہ قرآنِ حکیم کا ایک خاص اسلوب ہے جس کو مختلف مقامات پر اختیار فرمایا گیا ہے کہ کوئی سرگزشت سنانے سے پہلے اس مدعا ومقصد کو مختصر الفاظ میں قاری اور سامع کے سامنے رکھ دیا جائے جو اس کے سنانے سے اصل مقصود ہوتا ہے تاکہ سرگزشت کے پھیلاؤ میں اصل حقیقت قاری اور سامع کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید

۵ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی فرعونی سیاست کا نمونہ ومظہر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرعون نے اپنے ملک میں لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا''۔ تاکہ اس طرح وہ ''فَرِّقْ تَسُدْ'' (Devide and Rule) یعنی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے مشہور سیاسی ہتھکنڈے سے کام لے کر اپنی مقصد برآری کرتا رہے۔ اور اس مقصد کیلئے اس نے ایک طبقے کو دبا کر غلام بنا رکھا تھا اور دوسرے طبقے کو ہر طرح کے انعامات سے نوازا جا رہا تھا۔ اور یہی فرعونی طریقہ آج تک دنیا کی مختلف استعماری قوتوں اور سیاسی طالع آزماؤں نے جگہ جگہ اور طرح طرح سے اپنا رکھا ہے۔ اور اس سے وہ اپنی مقصد برآری اور اغراضِ خبیثہ کی تحقیق وتکمیل کے لئے کام لیتے اور اللہ کی زمین میں طرح طرح سے فساد پھیلاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ چنانچہ اس دور کی سب سے بڑی شیطانی سپر پاور امریکہ نے پوری دنیا میں کمزور ملکوں اور خاص کر مسلمانوں کو طرح طرح کے مصائب وآلام میں مبتلا کر رکھا ہے اور وہ ان پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اور دوسری طرف وہ اسرائیل جیسے اپنے بغل بچوں کو طرح طرح قوت ومدد اور انعام واکرام سے نواز رہا ہے۔ وجعل اللّٰه کیدھم فی نحورھم۔

يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ط

ایک جماعت کو تو اس نے بری طرح دبا کر رکھا ہوا تھا' ان کے لڑکوں کو وہ چن چن کر ذبح کراتا تھا، اور ان کی عورتوں کو وہ زندہ

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى

رکھ چھوڑتا ۶ بلاشبہ وہ فساد پھیلانے والے لوگوں میں سے تھا، اور ہم چاہتے تھے کہ ہم احسان (ومہربانی) کریں ان لوگوں پر

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ

جن کو دبا کر (اور ذلیل بنا کر) رکھا گیا تھا اس ملک میں، اور (مہربانی بھی اس طرح کہ) ان کو ہم پیشوا بنا دیں ۷ اور ان کو

الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ

وارث بنا دیں، اور (پیشوائی و وراثت بھی اس طرح کہ) ان کو حکومت (واقتدار) دے دیں ۸ زمین میں، اور دکھا دیں فرعون

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ وَ

اور ہامان اور اس کے لشکروں کو ان (مظلوموں) کی طرف سے وہی کچھ جس سے وہ لوگ ڈرتے تھے، اور (آغاز اس سکیم کا

اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ

اس طرح ہوا کہ) ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کے ذریعے بتا دیا ۹ کہ تم اس کو دودھ پلاتی رہو، پھر جب تمہیں اس کی جان کے

عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ج اِنَّا

بارے میں خطرہ محسوس ہونے لگے، تو تم اس کو (بے کھٹکے) دریا میں ڈال دینا، اور (اس بارہ) نہ کوئی خوف رکھنا اور نہ اندیشہ،

۶ فرعون کے بنی اسرائیل پر ہولناک مظالم کا ذکر و بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ انکے بچوں کو چن چن کر ذبح کرتا اور انکی عورتوں کو زندہ رکھ چھوڑتا"۔ تاکہ ان سے وہ طرح طرح کی خدمتیں لے سکے اور فائدے اٹھا سکے۔ نیز اس لئے کہ اس صنفِ نازک اور مخلوقِ ضعیف سے ان کی حکومت کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ سو یہ ظلم و ستم اور جبر و عدوان کی ایک واضح مثال تھی جو فرعون اور قبطیوں کی طرف سے بنی اسرائیل پر ڈھایا جا رہا تھا اور جس میں نبیوں کی نسل سے تعلق رکھنے والی یہ قوم ایک زمانے تک پستی رہی تھی۔ بہرکیف فرعون جو خود خدا بن بیٹھا تھا اس نے بنی اسرائیل کو غلاموں کی حیثیت دے رکھی تھی اور اپنی قبطی قوم کو اس نے یہ اختیار دے رکھا تھا کہ وہ بنی اسرائیل سے غلاموں کی طرح کام لیں۔

۷ بنی اسرائیل کو پیشوا بنانے کا خدائی فیصلہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اور ہم چاہتے تھے کہ انکو پیشوا بنا دیں"۔ یعنی

فرعون اور اسکی قوم کی پوری کوشش تو یہ تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو کسی بھی صورت ابھرنے نہ دیں لیکن ہمارا فیصلہ یہ تھا کہ ہم ان کو پیشوا بنا دیں۔ یعنی دین و دنیا میں تاکہ یہ حق و ہدایت کے مطابق لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کریں۔ اور لوگ ان کی اقتداء و پیروی کریں۔ امامت و پیشوائی اپنے عموم کے ساتھ اگرچہ دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی پیشوائی کو عام اور شامل ہے لیکن یہاں پر چونکہ وراثت کا ذکر آگے آرہا ہے جس کا تعلق یہاں دنیاوی وراثت و پیشوائی ہی سے ہے اس لیے یہاں پر امامت و پیشوائی سے مراد وہی پیشوائی ہے جو حضرتِ موسیٰ کی بعثت کے بعد بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی۔ سو فرعون تو ان لوگوں کو دبا کر رکھنا چاہتا تھا مگر ہم ان کو منصبِ امامت پر فائز کرنا چاہتے تھے۔ یعنی ان پر احسان کر کے ان کو امامت و پیشوائی کے منصب پر فائز کریں اور ظالموں کو مٹا کر ان مظلوموں کو ان کی وراثت و خلافت عطا کریں۔ سو ﴿نجعلھم ائمۃ﴾ کے ارشاد سے اشارہ انکی اس دینی امامت و پیشوائی کی طرف ہے جو ان کو حضرتِ موسیٰ کی بعثت کے بعد حاصل ہوئی۔ اور ﴿ونجعلھم الوارثین﴾ سے وہ حکومت اور خلافت مراد ہے جو ان کو ارضِ فلسطین میں ملی اور جس کی حدود حضرتِ سلیمان کے عہد میں بہت وسیع ہوگئی تھیں۔ یہاں تک کہ مصر کی حکومت بھی ان کی ایک باج گزار ریاست بن گئی تھی۔ سو قدرت کی عنایتوں نے ان کو غلامی سے نکال کر تختِ حکمرانی پر بٹھا دیا۔ والحمدللہ جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۸ فرعونی تدبیر اور اسکے مقابلے میں خدائی تقدیر:۔ یعنی فرعون اور فرعون والے تو ان کو دبا کر رکھنا چاہتے تھے اور بالفعل انہوں نے ان کو غلامی کی زنجیروں میں بری طرح جکڑ بھی رکھا تھا اور وہ ان کے مٹانے کے درپے تھے مگر ہم اس کے علی الرغم ان مظلوموں کو اپنی عنایات سے نواز کر ان کو حکومت و اقتدار سے سرفراز کرنا چاہتے تھے۔ آخر ہوا وہی جو اللہ چاہتا تھا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کہ وہ جو چاہے کرے۔ کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾۔ (یوسف:۲۱)۔ سو بندے کی تدبیر خدائی ارادہ و تقدیر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اگرچہ وہ تدبیر فرعون جیسے کسی ایسے ڈکٹیٹر کی تدبیر کیوں نہ ہو جو اپنے دور کی سب سے بڑی متمدن حکومت کے جملہ وسائل پر بھی قابض و متمکن کیوں نہ ہو۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ و قوت اور اپنی قدرت و حکمت سے بالآخر فرعون اور اس کے سب حواریوں کو غرقاب کر کے ہمیشہ کیلئے نیست و نابود اور فی النار والسقر کر دیا اور بنی اسرائیل کو ان کا وارث و جانشین اور بعد کے لوگوں کا امام و پیشوا بنا دیا۔ سو معاملہ سب کا سب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔

۹ امِ موسیٰ کی وحی و الہام کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کے ذریعے بتا دیا کہ تم اس بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ پھر جب اس کے بارے میں خطرہ محسوس ہونے لگے تو تم اس کو دریا میں ڈال دینا" اور یہ الہام یا خواب میں فرمایا گیا تھا یا فرشتے کے ذریعے یا یونہی دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ ﴿اوحینا﴾ کا مفہوم ان سب ہی صورتوں کو عام اور شامل ہے۔ بہرحال یہ وحی نبوت و رسالت کی وحی نہیں تھی کہ والدۂ موسیٰ نبیہ بہرحال نہیں تھیں۔ اور علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی خاتون نہ کبھی نبی ہوئی نہ ہو سکتی ہے بلکہ اس شرف سے ہمیشہ مردوں ہی کو نوازا گیا ہے۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ کی والدہ ماجدہ کو وحی و الہام کے ذریعے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ وہ اپنے اس بچے کو دودھ پلاتی رہیں۔ اور جب انکے بارے میں فرعونیوں سے خوف محسوس کریں تو انکو دریا میں ڈال دیں اور انکے بارے میں کوئی فکر و اندیشہ نہ کریں۔ ہم انکی حفاظت کریں گے۔ اور ہم اس کو واپس تمہارے پاس لے آئیں گے۔ اور ہم اس کو رسولوں میں سے کر دیں گے۔ اس لیے تم اس کے بارے میں مطمئن رہنا اور کسی طرح کا فکر و اندیشہ اپنے دل میں نہ رکھنا۔ اور بعد میں وعدۂ خداوندی کی مطابق ایسے ہی ہوا۔

رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ

یقیناً ہم اسے واپس لے آئیں گے تمہارے پاس، اور (اس سے بھی بڑھ کر خوشخبری یہ کہ) ہم اسے رسولوں میں سے بنانے

اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ

والے ہیں، چنانچہ (ایسے ہی کیا گیا اور آخرکار) اس (بچے) کو اٹھا لیا فرعون والوں نے، تاکہ انجام کار وہ ان کے لئے دشمن

هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ

اور (دائمی) غم کا باعث بنے ۱۵ بے شک فرعون، ہامان، اور ان دونوں کے لشکر (سب ہی) بڑے خطا کار تھے ۱۱ اور فرعون کی بیوی

فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰٓى اَنْ

نے اس سے کہا کہ یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے بھی ۱۲ اور تیرے لئے بھی اسے کہیں قتل نہیں کر دینا کیا عجب کہ یہ (بڑا

۱۰ موسیٰ کی پرورش کا محیر العقول غیبی انتظام: - سو حضرت موسیٰ کی پرورش فرعون کے ذریعے قدرت کی کرشمہ سازی کا ایک عظیم الشان مظہر و نمونہ تھا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس بچے کو اٹھا لیا فرعون والوں نے تاکہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے دائمی غم کا باعث بنے"۔ سو فرعون کے ہاتھوں اسکے دشمن کی پرورش کا انتظام قدرت کی کرشمہ سازی کا ایک عظیم الشان مظہر اور نمونہ تھا۔ ﴿ لیکون ﴾ کا یہ لام لامِ عاقبت ہے۔ یعنی انہوں نے اگرچہ موسیٰ کو اس غرض کیلئے نہیں اٹھایا تھا لیکن ان کے اس فعل کا انجام بہرحال یہی ہونا تھا کہ موسیٰ بالآخر ان کے دشمن ہونگے اور ان کیلئے باعثِ غم اور سببِ ہلاکت و تباہی بنیں گے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "فلاں شخص نے چوری اس لئے کی تاکہ اس کے ہاتھ کاٹے جائیں"۔ یعنی اس کی چوری کا انجام و نتیجہ یہی ہونا تھا یا جیسے کہا جاتا ہے۔ " لدوا للموت وابنوا للخراب "۔ یعنی "جنو موت کے لیے اور بناؤ خرابی و بربادی کے لیے"۔ بہرکیف اس طرح حضرتِ موسیٰ شاہی محل میں پہنچ گئے اور آپ کی تربیت و پرورش کا انتظام شاہی وسائل و ذرائع سے ہونے لگا۔ اور اس طرح قدرت کا یہ کرشمہ سامنے آیا کہ جس موسیٰ کے قتل کیلئے فرعون نے کتنے ہی معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اسی موسیٰ کی پرورش خود کرنے لگا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ کی والدہ نے اپنے بچے کو جس صندوق میں رکھ کر دریا کی موجوں کے حوالے کر دیا تھا اور وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل تک جا پہنچا تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھا لیا۔ دیکھا کہ اس میں ایک موہنا سا بچہ پڑا ہوا ہے۔ تو بادشاہ اور ملکہ کے حکم سے اس کو شاہی محل میں لایا گیا۔ سو انہوں نے تو اس بچے کو اس لیے اٹھایا تھا کہ وہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بنے گا جیسا کہ آگے آنے والے ملکہ کے قول سے واضح ہو جاتا ہے لیکن تقدیر الٰہی کا یہ بھید ان کے علم میں نہیں تھا کہ آئندہ چل کر یہی بچہ فرعونی اقتدار کے ہمیشہ کے خاتمے کا ذریعہ بنے گا۔ اور اسی کے ہاتھوں وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت ہمیشہ کے لیے فی النار والسقر ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ والحمد للہ الذی بیدہ

ازمۃ الامور - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۱ فرعونیوں کی مت ماری کا ذکر و بیان: - سو اس سے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کی مت ماری اور خطا کاری کا نمونہ سامنے آتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بلاشبہ فرعون و ہامان اور انکے لشکر بڑے ہی خطا کار تھے"۔ جنہوں نے اپنی حماقت اور مت ماری سے یہ سمجھ رکھا تھا کہ سب کچھ ان ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے جس کی بنا پر پہلے تو انہوں نے بندگی سے بڑھ کر خدائی کے دعوے کر لئے۔ پھر ملکی قانون میں عدل و انصاف اور برابری کی بجائے تقسیم و تفریق کا ظلم کیا۔ پھر نبیوں کی اولاد - بنی اسرائیل - کو غلامی کی زنجیروں میں بری طرح جکڑ دیا۔ پھر "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے شیطانی اصول پر ان کی قوت کو مزید پارا پارا کیا۔ پھر تدبیر کے ذریعے تقدیر کو ٹالنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اور اس طرح کتنے ہی بے گناہوں کے خون سے انہوں نے اپنے ہاتھوں کو رنگا۔ اور اس سب کے باوجود جس بچے نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجانا تھی اور انکے اقتدار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دینا تھا اسے خود اٹھا کر اپنے ہاتھوں پرورش کرنے لگے۔ سو اس طرح یہ لوگ خطا در خطا کے مرتکب ہوتے چلے گئے۔ اور یہی حال اور انجام ہوتا ہے ان لوگوں کا جو حق کو قبول کر کے اپنے خالق و مالک کے آگے جھکنے کی بجائے الٹا حق سے منہ موڑ کر اس کا راستہ روکنے کیلئے اور اپنے خالق و مالک کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان کی مت مار کر رکھ دی جاتی ہے - والعیاذ باللہ - سو ایسوں کو جتنی بھی مہلت اور ڈھیل حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے مل جائے ان کا انجام بہر کیف دائمی ہلاکت اور ابدی تباہی ہوتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲ فرعون کی بیوی کی رحم دلی کا ایک مظہر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہیں کرو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اس کو ہم اپنا بیٹا ہی بنا لیں"۔ بعض روایات میں ہے کہ اس پر فرعون نے اپنی بیوی سے کہا - "لکِ لا لِیْ" - یعنی یہ آنکھوں کی ٹھنڈک تیرے لئے ہوگا میرے لئے نہیں۔ سو تقدیر نے یہ الفاظ اس کے منہ سے کہلوا دیئے۔ اور ایسے ہی ہوا کہ موسیٰ اس کے اقتدار کے دائمی خاتمے اور اس کی دائمی اور ابدی ہلاکت و تباہی کا ذریعہ اور باعث بن گئے۔ اور فرعون آپؑ کے وجودِ باجود سے رحمت و ٹھنڈک پانے کی بجائے ہمیشہ کے لئے فی النار والسقر ہو گیا اور آتشِ دوزخ کا ایندھن بن گیا - والعیاذ باللہ العظیم - جبکہ اسکی وہ نیک طینت اور ایماندار بیوی جنت کے باسیوں میں شامل ہو کر ابدی رحمت و سعادت اور دائمی فوز و فلاح سے ہمکنار و سرفراز ہو گئی۔ بہر کیف فرعون کی بیوی نے اس سے کہا کہ ایسی موہنی صورت والا بچہ قتل کے لائق نہیں پالنے کے قابل ہے۔ یہ تو میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے۔ امید ہے کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے گا یا ہم اسکو بیٹا ہی بنا لیں۔ پس تم اسکو قتل کرنے کی سنگدلی کا ارتکاب کرنے کی بجائے اسکی حفاظت و پرورش کا سامان کرو۔ روایات کے مطابق وہ بڑی نیک بخت اور رحمدل خاتون تھیں اور فرعون کے رویئے سے وہ سخت بیزار تھیں۔ اور اسی بنا پر وہ فرعون کے گھر میں رہنے اور اسکی بیوی ہونے کے باوجود جنت کی باسی بن گئیں۔ اور ایسی عمدہ اور پاکیزہ زندگی سے سرفراز ہو گئیں کہ انکی زندگی اہلِ ایمان کیلئے ایک نمونہ اور مثال بن گئی۔ جیسا کہ سورۂ تحریم کی آیت نمبر ۱۱ میں اسکی تصریح فرمائی گئی۔ سو یہ فرعون کی اس ایماندار اور نیک بیوی کی رحمدلی کا ایک مظہر و نمونہ تھا۔ والحمد للہ جل و علا بکل حالٍ من الاحوال

يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَ اَصْبَحَ

ہو کر) ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں، اور وہ لوگ نہیں جانتے تھے (کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے) ادھر

فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَآ

موسیٰ کی ماں کا دل اڑا جا رہا تھا (اور اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا، یہاں تک کہ) قریب تھا کہ وہ اس کے راز کو فاش کر

اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠﴾ وَ

بیٹھتی، اگر ہم نے پختہ (اور مضبوط) نہ کر دیا ہوتا ۱۳ اس کے دل کو، (اور اس کی ڈھارس نہ بندھا دی ہوتی،) تا کہ وہ برقرار رہے

قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ

ایمان (ویقین) والوں میں، اور اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ (تم اسکے پیچھے پیچھے چلی جاؤ اس کا حال جاننے

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١١﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ

کیلئے) چنانچہ وہ (چلی گئی اور) اس کو دور سے اس طرح دیکھتی رہی کہ ان لوگوں کو پتہ نہ چلنے پائے، اور ہم نے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں

۱۳ اُمِّ موسیٰ کی بے قراری کا ذکر و بیان: -سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اُمِّ موسیٰ کی بے قراری اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ادھر موسیٰ کی والدہ کا دل اڑا جا رہا تھا اور اس قدر کہ قریب تھا کہ وہ اس راز کو فاش کر بیٹھتیں اگر ہم نے انکے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا"۔ معلوم ہوا کہ معاملہ سب اللہ پاک ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے نہ کہ کسی ولی و بزرگ کے ہاتھ میں کہ حضرتِ موسیٰ کی والدہ جن کے لئے وحی و الہام کی تصریح قرآنِ مجید میں موجود ہے، ان کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے دل کو بھی اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا تو وہ بھی قریب تھا کہ اس راز کو فاش کر بیٹھتیں۔ سو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت نے انکو سنبھالا دے دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی اور راز فاش نہیں کیا۔ ورنہ انسان بہر حال انسان ہے اور ایک ماں کیلئے یہ کام کوئی آسان کام نہ تھا کہ وہ اپنے جگر گوشے کو خود اپنے ہاتھوں دریا کی موجوں کے حوالے کر دے اور پھر مطمئن ہو کر بیٹھ جائے۔ سو یہ امتحان کوئی معمولی امتحان نہیں تھا بلکہ ایک نہایت کڑی آزمائش تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کا دستور اور اسکی سنت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں اور بندیوں میں سے جن کو امتحان میں ڈالتا ہے ان کو سنبھالا بھی دیتا ہے۔ اور ان کو اپنی رحمت و عنایت سے بھی نوازتا ہے۔ جس سے ان کے اندر حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایسی کڑی آزمائشوں اور سخت امتحانوں میں بھی پورے اترتے ہیں۔ پس بندے کیلئے کامیابی اور سلامتی کی راہ یہ ہے کہ وہ دل کا بھروسہ اپنے اسی خالق و مالک پر رکھے اور اس سے اپنا تعلق و معاملہ صحیح رکھے -وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایُحِبُّ ویرید، بِکل حالٍ مِّن الاحوال، وھو الھادی الی سواء السبیل - جَلَّ جَلَالُهٗ وَ عَمَّ نَوَالُهٗ

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ

(کی چھاتیوں) کو پہلے ہی حرام کر دیا تھا ۱۴ تو اس (کی بہن) نے کہا کیا میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پتہ (نہ) بتا دوں، جو تمہارے لئے

وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ

اس بچے کی پرورش کریں، اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں؟ سو (اس پرحکمت طریقے سے) ہم نے لوٹا دیا ان کو ان کی والدہ کی طرف،

عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

تاکہ ٹھنڈی ہو اس کی آنکھ اس کو کوئی اندیشہ نہ رہے اور وہ یقین جان لے کہ اللہ کا وعدہ قطعی طور پر حق (اور سچ) ہوتا ہے، لیکن اکثر لوگ

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى

جانتے نہیں (حق اور حقیقت کو) ۱۵ اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنی (جوانی کی بھرپور) قوتوں کو ۱۶ اور برابر ہو گئے وہ (عقل و فکر کے توازن و اعتدال

۱۴ اللہ تعالیٰ کی کارسازی کا ایک اور مظہر اور نمونہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں- کی چھاتیوں- کو پہلے ہی حرام کر رکھا تھا"۔ اس لیے آپ نے کسی دودھ پلانے والی کی چھاتی کو منہ نہیں لگایا۔ سو یہ ہے قدرت کی خفیہ کارستانیوں کا ایک نمونہ و مظہر۔ موسیٰ کسی دایہ کا دودھ نہیں پیتے۔ پورا شاہی خاندان اس بنا پر پریشان ہے کہ بچے کی پرورش کا کیا انتظام کیا جائے اور کس طرح کیا جائے کہ اتنے میں حضرتِ موسیٰ کی ہمشیرہ نے آگے بڑھ کر ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو اس مشکل کا حل میں تم کو بتا دوں۔ چنانچہ ان کی رضامندی کے بعد حضرتِ موسیٰ کی بہن جن کا نام روایات میں کلثوم بتایا گیا ہے اپنی والدہ کے پاس گئیں اور ان کو سارا ماجرا سنا دیا جس سے انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر شاہی انتظامات کے مطابق ان کو شاہی محل میں بلایا گیا اور شاہی دعوت پر جب آپ وہاں پہنچیں اور موسیٰ کو جونہی چھاتی سے لگایا تو انہوں نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا جس سے وہ سب لوگ خوش ہو گئے کہ مشکل حل ہو گئی اور پریشانی دور ہو گئی۔ پھر آپ کی والدہ نے کہا میں تو یہاں نہیں رہ سکتی بلکہ اپنے گھر ہی پر اس کی پرورش کروں گی۔ لہٰذا تم لوگوں کو اگر اپنے اس بچے کی پرورش مجھ سے کرانی ہے تو اس کو میرے گھر پہنچا دو۔ اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے اور حضرتِ موسیٰ کی والدہ کے لئے حکومت کی طرف سے دیگر کئی مراعات کے علاوہ ایک اشرفی یومیہ کے حساب سے وظیفہ بھی مقرر کر دیا گیا۔ سبحان اللہ۔ قدرت کے لطف و عنایت کے کرشمے ملاحظہ ہوں کہ جس موسیٰ کو قتل کرنے کے لئے فرعون نے کتنے ہی معصوم اور بے گناہ بچوں کو قتل کرا دیا اب اسی موسیٰ کی پرورش وہ خود اپنے شاہی انتظامات سے کرا رہا ہے اور شاہی اخراجات پر کرا رہا ہے۔ فَصَدَقَ اللّٰهُ الْقَائِلُ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف:۲۱)۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنی محنت و مزدوری اور اپنے عمل میں اخلاص و نیک نیتی سے کام لیتا ہے اس کی مثال موسیٰ کی والدہ جیسی ہے کہ اپنے بچے کو دودھ بھی پلائیں اور سرکار سے وظیفہ بھی لیں۔ پس امن و سلامتی کی راہ یہی ہے کہ انسان اللہ والا بن جائے اور اپنا سب کچھ اسی کے حوالے کر دے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ لِذٰلِكَ

وَالسَّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَيْهِ وَكُنْ لَّنَا وَاجْعَلْنَا لَكَ- یہاں پر اگر تھوڑا سا مزید غور کریں تو اللہ پاک کی قدرت وعنایت کے اور بھی کئی عظیم الشان مظہر نظر آئیں گے۔ مثلاً یہ کہ اس موقعہ پر ان لوگوں میں سے کسی کو بھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ لڑکی کون ہے جس نے موسیٰ کے دودھ پلانے سے متعلق ہماری اس طرح راہنمائی کی؟ اور یہ عورت کون ہے جسکا دودھ موسیٰ نے اس طرح فوراً اپنا شروع کر دیا؟ کہیں یہ موسیٰ ہی کی کوئی تعلقدار اور رشتہ دار نہ ہوں؟ کہیں یہ کوئی طے شدہ پروگرام اور کوئی سازش تو نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان لوگوں کی جو کہ خدائی کے دعویدار بنے ہوئے تھے مت ایسی ماری گئی اور ان کی عقلوں پر قدرت کی طرف سے ایسے پردے پڑ گئے کہ ان میں سے کسی کو بھی ایسی کسی بات کا خیال تک نہ آیا۔ سو یہ بھی قدرت کے غیبی ہاتھوں کی کارستانی کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ اس کو جب منظور ہوتا ہے تو وہ اسی طرح اگلوں کے دل ودماغ ماؤف کر دیتا ہے اور ان کی آنکھوں اور کانوں کو بند کر دیتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللّٰهم فكن لنا ولا تكن علينا۔ بکل حالٍ من الاحوال، یاذ الجلال والاکرام

۱۵ جہالت و بے علمی خرابیوں اور محرومیوں کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اکثر لوگ جانتے نہیں"۔ یعنی وہ جانتے نہیں حق اور حقیقت کو۔ اور وہ جانتے نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کی شانوں کو کہ وہ تو بس ظاہری اور مادی پہلوؤں ہی کو دیکھتے پرکھتے ہیں۔ اور وہ اپنے محدود پیمانوں ہی سے دیکھنے اور سوچنے کے عادی ہوتے ہیں اور بس۔ اکثر لوگ اپنی بلادت وسفاہت اور مظاہر پرستی کی بنا پر حق اور حقیقت کو جانتے نہیں۔ اس لیے وہ اپنے خالق و مالک کی ایسی عنایات سے محروم رہتے ہیں۔ وہ خدائی وعدوں کو اور اس طرح کی غیبی باتوں کو محض ہوائی باتیں اور خیالی اور فرضی چیزیں سمجھنے لگتے ہیں اور ان پر اعتماد کرنے کی بجائے الٹا وہ اس میں اپنا خسارہ اور نقصان سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کوئی وعدہ پورا ہوتا دیکھیں گے تو تب مانیں گے۔ حالانکہ دنیا کے اس دار الامتحان میں جہاں اصل حقائق پر پردے پڑے ہوئے ہیں اصل آزمائش یہی ہے کہ انسان اپنے رب کے وعدے پر ایمان اور اعتماد ہی پر اپنے ہر معاملے کی بنیاد رکھے اور اپنے رب کے انہی وعدوں پر جیے اور انہی پر مرے جن کی حقیقت ابھی سامنے نہیں آئی۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس ارشاد سے ایک حقیقت تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کی اکثریت حق اور حقیقت کے علم اور اس کی روشنی سے محروم و بے بہرہ ہے۔ اس لیے وہ اندھیروں کے اندر مستغرق اور غلطاں وپیچاں ہے۔ اور دوسری حقیقت اس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ جہالت اور بے علمی خرابیوں اور محرومیوں کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور علم سے مراد حق اور حقیقت کا وہی علم ہے جو نورِ وحی سے مستفاد ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم اسی سے واضح ہوتا ہے۔ ورنہ اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۱۶ ﴿اَشُدَّ﴾ اور ﴿استوٰی﴾ کا معنی ومطلب؟: - سو ﴿اشد﴾ جمع ہے "شدة" کی بمعنیٰ "قوة" جیسا کہ "انعم" جمع ہے "نعمة" کی۔ (المراغی، التحریر لابن عاشورؒ وغیرہ)۔ یعنی جب موسیٰ اپنی جوانی کی بھرپور توتوں کو پہنچ گئے اور عقل وفکر کے اعتبار سے کامل وبرابر ہو گئے۔ سو "اشد" سے مراد جوانی کی عمر اور اسکے ساتھ "استوٰی" سے مراد ہے عقلی، فکری اور مزاجی اعتبار سے اعتدال اور توازن کی عمر کو پہنچ جانا۔ کیونکہ صرف جوانی بجائے خود کوئی بڑی چیز نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ عقلی، فکری اور مزاجی اعتدال کا جمال شامل نہ ہو۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب موسیٰ اپنی عمر کے اس حصے کو پہنچے تو آپ کو حکم اور علم سے نوازا گیا۔ والحمد للہ جل وعلا العزیز الوہاب۔ اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَ

کے اعتبار سے،) تو نواز دیا ہم نے ان کو حکم اور علم (کی دولت) سے ف۱۷ اور ہم اسی طرح (نوازتے اور) بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو، اور

دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ

(ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ) موسیٰ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ اہل شہر غفلت میں (پڑے سو رہے) تھے ف۱۸ تو انہوں نے وہاں

فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ

دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے پایا، ایک تو ان کی اپنی جماعت کا تھا، اور دوسرا

عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ

ان کے دشمنوں میں سے ف۱۹ سو اس شخص نے جو کہ آپ کی جماعت میں سے تھا آپ کو اس شخص کے خلاف مدد کے لئے پکارا جو کہ اس کے

عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ

دشمنوں میں سے تھا اس پر موسیٰ نے اس کو ایک ایسا گھونسا رسید کیا کہ اس کا کام تمام کر دیا، (اس خلاف توقع حادثہ پر) موسیٰ نے کہا

عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ

یہ تو شیطان کی کارستانی سے ہو گیا، واقعی وہ بڑا ہی گمراہ کن کھلا دشمن ہے ف۲۰ (پھر نادم ہو کر آپ نے اپنے رب کی بارگاہ میں) عرض کیا

۱۷ حکم اور علم سے مقصود و مراد؟: سو حکم سے یہاں پر مراد نبوت نہیں بلکہ حکمت و دانائی ہے۔ کیونکہ نبوت تو آپؑ کو اس سے کئی سال بعد اس وقت عطا ہوئی تھی جبکہ آپ مدین سے واپس مصر تشریف لا رہے تھے۔ اور علم کا لفظ اگرچہ عام ہے دینی و دنیوی تمام علوم کو شامل ہے اور خود حضرتِ موسیٰ ۔علیہ الصلوۃ والسلام۔ کو بھی اپنے اَسلاف و اکابر کی علمی وراثت سے بھی بہت کچھ ملا ہوگا اور شاہی دربار میں آمد و رفت اور بود و باش کی بنا پر آپ کو شاہی آداب اور اصولِ حکمرانی سے متعلق سیکھنے جاننے کا بھی بہت کچھ موقعہ ملا۔ لیکن یہاں پر علم سے اصل مراد معرفتِ خداوندی کا وہ علم ہے جو کہ سب سے اعلیٰ و ارفع اور حقیقی علم ہے۔ اور جو اصل اساس و بنیاد ہے ہر قسم کی صلاح و فلاح کی۔ اس حکم و علم کے مختلف مدارج و درجات ہیں۔ اور اس کا سب سے اعلیٰ درجہ و مقام وہ ہے جو حضراتِ انبیائے کرام کو عطا فرمایا جاتا ہے۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ کو ان عنایات سے بطورِ خاص نوازا گیا کہ جو عظیم کام ان کو سونپا گیا تھا اس کا تقاضا یہی تھا۔ والحمد للہ جل وعلا۔ بکل حالٍ من الاحوال

۱۸ غفلت کے وقت سے مراد؟: "غفلت کے وقت" سے یہاں پر مراد دوپہر کا وقت ہے جبکہ وہ لوگ قیلولہ کر رہے تھے۔ اور اس مدینہ سے مراد بعض حضرات نے شہرِ مصر ہی لیا ہے۔ یعنی حضرتِ موسیٰ شاہی محل سے شہرِ مصر میں داخل ہوئے

جبکہ بعض دوسروں کے نزدیک اس شہر سے مراد منفس کا شہر ہے جو کہ اس زمانے میں ایک بڑا مشہور مرکز تھا۔ اور تورات میں اس کا نام "موف" کر کے آیا ہے جبکہ ہماری قدیم تفسیری روایات میں اس کو "منصف" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے جو موجودہ دارالحکومت قاہرہ سے کوئی بارہ کلومیٹر جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور اب اسے "مطرانیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ راقمِ آثم نے اپنے ساتھ کام کرنے والے ایک مصری عالمِ دین شیخ محمد عبد الحمید العدوی جو کہ ہمارے ساتھ مرکز الدعوۃ والارشاد، دبی کے رکن ہیں، سے اس شہر کے بارے میں ان امور سے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اس کی حرف بحرف تائید کی۔ البتہ انہوں نے کہا کہ یہ شہر "مطرانیہ" اب قاہرہ کی آبادی سے مل گیا ہے اور قاہرہ کی عمارات وہاں تک پہنچ گئی ہیں۔ بہرکیف مدینہ سے مراد شہر ہے جو کہ اعیان و شرفاء کا مرکز اور حکومت کا مستقر تھا۔ اور بنی اسرائیل کی حیثیت چونکہ غلاموں اور خدمتگاروں کی تھی اس لیے انکی بستی اصل بستی سے باہر کہیں بسائی گئی تھی۔ سو حضرتِ موسیٰ غفلت کے کسی وقت میں شہر میں داخل ہوئے تو اس وقت یہ قصہ پیش آیا جس کا ذکر یہاں پر فرمایا جارہا ہے۔ اور جس میں کئی درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔

۱۹ دو آدمیوں کی لڑائی کے قصے کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ نے وہاں پر دو آدمیوں کو لڑتے پایا۔ جن میں سے ایک سبطی ۔ اسرائیلی ۔ تھا جو کہ حضرتِ موسیٰ کی قوم تھی اور ایک قبطی ۔ مصری ۔ تھا جو کہ فرعون کی قوم تھی۔ اور یہ دونوں آپس میں کسی بات پر لڑ رہے تھے۔ سبطی یعنی اسرائیلی نے جب حضرتِ موسیٰ کو دیکھا تو آپ کو مدد کیلئے پکارا۔ حضرتِ موسیٰ اس پر آگے بڑھے اور چاہا کہ بیچ بچاؤ کر کے ان کا جھگڑا ختم کر دیں تو قبطی اپنی رعونت کی بنا پر اکڑ گیا اور آپ سے الجھ پڑا۔ اس پر حضرتِ موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا رسید کر دیا۔ حضرتِ موسیٰ کی پاکیزہ جوانی اور حمایتِ مظلوم کے جوش و جذبے کی بنا پر صادر ہونے والا آپ کا یہ مکہ ایسا کارگر ثابت ہوا کہ اس قبطی نے پانی بھی نہ مانگا اور وہ اپنی رعونت اور فرعونی خمار کے ساتھ وہیں کا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرتِ موسیٰ کا نہ تو قبطی کو قتل کرنے کا کوئی ارادہ تھا اور نہ ہی اس خلافِ توقع صورتحال کے پیش آنے کا کوئی گمان تھا۔ اس لیے آپ کو اس حادثے سے سخت پشیمانی ہوئی اور آپ فوراً اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس سے معافی مانگنے لگے۔ اور یہی شان ہوتی ہے اللہ والوں کی کہ فوراً اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

۲۰ حکمت موسوی کا ایک نمونہ و مظہر: ۔ سو اس سے حضرتِ موسیٰ کی علم و حکمت سے سرفرازی کا ایک نمونہ و ثبوت سامنے آتا ہے کہ اس قبطی کے اس قتل پر آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی کارستانی سے ہو گیا۔ واقعی وہ بڑا ہی گمراہ کن دشمن ہے۔ یعنی میرا مقصد اس کو جان سے مارنا نہیں تھا صرف تادیب مقصود تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ میرے ایک ہی گھونسے سے اس طرح ڈھیر ہو جائے گا۔ اور شاہی خاندان ۔ رائل فیملی ۔ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا غلام قوم کے ایک شخص کے ہاتھوں اس طرح قتل ہو جانا خدا جانے کیا کیا ستم ڈھائے گا۔ سو یہیں سے حضرتِ موسیٰ کی علم و حکمت سے سرفرازی کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے کہ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا اور وہ اس طرح ایک ہی گھونسے سے دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تو وہ اسکی اپنی جوانی و قوت اور اپنی شہ زوری کا ایک نمونہ اور ایک کارنامہ قرار دیتا۔ اور خاص کر کے ایک قبطی کو اس طرح قتل کر دینے کو تو اپنا تاریخی کارنامہ قرار دیتا۔ لیکن حضرتِ موسیٰ ہیں کہ اسکے برعکس اپنے کیے پر نادم اور پشیمان ہوتے ہیں اور فوراً اپنے رب سے معافی مانگتے ہیں۔ اور وہ انکو معاف فرما دیتا ہے ۔ سبحانہ، وتعالیٰ ۔ کیونکہ وہاں پر نفسانیت کی کوئی بات نہیں ہوتی بلکہ للّٰہیت ہی للّٰہیت ہوتی ہے ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ اللہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

کہ اے میرے رب میں نے تو واقعی ظلم کر لیا اپنی جان پر، پس مجھے معاف فرما دے ۲۱ تو اس نے اسکو معاف فرما دیا، بے شک وہ

الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ

بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، ۲۲ موسیٰ نے مزید عرض کیا کہ اے میرے رب! جیسا کہ آپ نے مجھ پر احسان فرمایا

۲۱ حضرتِ موسیٰ کی دعاءِ مغفرت کا ذکر و بیان: ۔سو اس سے حضرت موسیٰ کی اپنے رب کے حضور معافی کی دعا و درخواست کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو قبطی کے موسیٰ کے ہاتھوں اس طرح خلافِ ارادہ وتوقع ہلاکت پر حضرتِ موسیٰ کو سخت ندامت ہوئی تو آپ نے اپنے رب کے حضور فوراً عرض کیا کہ اے میرے رب بیشک میں نے ظلم کر لیا اپنی جان پر۔ بس تو میری بخشش فرما دے۔ ظلم سے مراد ظاہر ہے کہ یہاں پر گناہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرتِ موسیٰ نے اس شخص کو قصداً قتل نہیں کیا تھا مگر حضراتِ انبیائے کرام جو کہ معصوم ہوتے ہیں اور وہ نبوت سے پہلے بھی ہر قسم کے گناہ سے پاک ہوتے ہیں ان کی شان اتنی عظیم اور ان کی طبیعتیں اس قدر پاکیزہ ہوتی ہیں کہ وہ اپنے حق میں معمولی بات کو بھی بڑا سمجھتے ہیں۔ جبکہ کافر و منکر اور باغی انسان اپنے بڑے سے بڑے گناہ کو بھی ایک معمولی چیز سمجھ کر ٹال دیتا ہے۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ نے اپنے اس نادانستہ فعل کو بھی جرم اور ظلم قرار دے کر فوراً اس کے لئے بخشش اور معافی کی درخواست اپنے رب کے حضور پیش کر دی۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ سے یہ خطا چونکہ بلا کسی قصد و ارادے کے اچانک ہوگئی تھی۔ پھر آپ نے توبہ بھی فوراً اور دل سے کی تھی اس لیے حق تعالیٰ نے آنجناب کی اس خطا کو فوراً ہی معاف فرما دیا اور مغفرت و بخشش کی اس بشارت وخوشخبری سے آنجناب کو مطلع بھی فرما دیا گیا۔ اور اس طرح حضرتِ موسیٰ کو کرم بالائے کرم کی عنایت سے نواز دیا گیا۔ بلاشبہ وہ ربِّ مہربان بڑا ہی غفور اور رحیم ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنی مغفرت و بخشش سے سرفراز و مالا مال رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۲۲ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کا حوالہ و ذکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔ سو وہ صرف درگزر اور معافی ہی پر اکتفاء نہیں فرماتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رحم بھی فرماتا ہے جس کی بے شمار شکلوں میں سے ایک شکل یہ بھی ہے کہ حضرتِ موسیٰ کو اس معافی سے اِلہام وغیرہ کے ذریعے آگاہ بھی فرما دیا۔ جس سے ان کے دل کو اطمینان ہوگیا۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ کی اس غلطی کا صدور جیسا کہ ابھی اوپر والے حاشیے میں بھی گزرا چونکہ بلا قصد و ارادہ ہوا تھا اور پھر آپ نے بلا تاخیر اپنے رب سے اسکی معافی بھی فوراً مانگ لی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکو معاف فرما دیا۔ اور اس بخشش و معافی کی غیبی طور پر بشارت بھی ان کو دے دی گئی۔ واقعی اللہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے ۔ فاغفرلی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم ۔سو مغفرت اور رحمت کی ان دونوں صفتوں کی یکجائی میں یہ درس بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ لغزشیں اور خطائیں معاف فرما دے اور آئندہ اس طرح کی تقصیرات اور کوتاہیوں سے محفوظ اور ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ اللہ ہمیں بھی اپنی ان خاص عنایات سے نوازے اور ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین

أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿١٧﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ

میں بھی مددگار (اور پشت پناہ) نہیں بنوں گا ظالموں کے لئے ۲۳ پھر (دوسرے روز) موسیٰ ڈرتے ہوئے اس انتظار میں

خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ

کہ کیا ہوتا ہے، شہر میں داخل ہوئے تو اچانک دیکھتے کیا ہیں کہ وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی

يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾

آج پھر ان سے فریاد کررہا ہے، اس پر موسیٰ نے اس سے کہا کہ تو تو بڑا ہی کوئی بہکا ہوا آدمی ہے،

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا

اس کے بعد جب موسیٰ نے ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا اس شخص پر جو کہ دشمن تھا ان دونوں کا،

قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا

تو وہ (فوراً) بول اٹھا ۲۴ کہ اے موسیٰ کیا تو مجھے بھی اسی طرح قتل کر دینا چاہتا ہے، جس طرح کہ تو کل ایک شخص کو

بِالْأَمْسِ ۖ إِن تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي

قتل کر چکا ہے، تو تو اس ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتا ہے، اور تو یہ نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو، اور ایک

الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٩﴾ وَجَاءَ

شخص (جو موسیٰ کا خیر خواہ تھا) شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا (موسیٰ کے پاس) آیا اور کہا اے موسیٰ دربار والے آپ

رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ

کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں، پس آپ (جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں سے) نکل جائیں، میں یقینی

الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ

طور پر آپ کا بڑا خیر خواہ ہوں ۲۵ اس پر موسیٰ وہاں (یعنی مصر) سے نکل پڑے ڈرتے ہوئے، اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے (پھر

۲۳ حضرتِ موسیٰ کے عہد و پیمان کا ذکر: — سو اس سے حضرتِ موسیٰ کا اپنے رب کے حضور آئندہ کے لیے عہد و پیمان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آنجناب نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ اے میرے رب جیسا کہ آپ نے مجھ

پر احسان فرمایا میں کبھی ظالموں کے لیے مددگار اور ان کا پشت پناہ نہیں بنوں گا۔ چنانچہ تو نے اے میرے مالک! مجھے پیدائش سے لے کر آج تک طرح طرح کے احسانات سے نوازا۔ جس کی تازہ مثال معافی کا یہ کرم ہے جس سے تو نے اے میرے مالک اب مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ بس اس کے شکریئے میں، میں آئندہ کبھی مجرم لوگوں کا پشتیبان اور مددگار نہیں بنوں گا۔ یہ شاید اس لئے فرمایا کہ اس اسرائیلی کا بھی اس میں کچھ قصور رہا ہوگا۔ جیسا کہ اگلے دن کے واقعے سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔ نیز یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ میں آئندہ فرعونیوں کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ کیونکہ ظالموں کے ساتھ رہنا بھی فی الجملہ ان کی معاونت اور مساعدت ہے۔ (مراغی وغیرہ) - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۲۴ **قتل قبطی کے رازِ سربستہ کا اِفشاء:** -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرتِ موسیٰ نے سبطی کو ڈانٹا اور اسکے نتیجے میں اس نے قتل قبطی کے راز کا افشاء کر دیا۔ اور اس نے حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ موسیٰ کیا تم مجھے اسی طرح قتل کر دینا چاہتے ہو جس طرح کہ تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا؟ تم کوئی اِصلاح نہیں کرنا چاہتے بلکہ تم تو اس ملک میں جبار اور ظالم بن کر رہنا چاہتے ہو۔ سو حضرتِ موسیٰ نے ہاتھ تو اٹھایا تھا فرعونی کے خلاف مگر چونکہ اسرائیلی کو زبانی طور پر ڈانٹا تھا اس لئے وہ سمجھا کہ شاید آپ میری خبر لینے لگے ہیں۔ اس لئے اس شخص نے ڈر کے مارے اگلی بات کہہ دی جس سے گزشتہ کل کے قتل کا راز اِفشاء ہو گیا اور اس قبطی کو معلوم ہو گیا کہ گزشتہ کل جو ہمارا آدمی مارا گیا تھا اس کا قاتل یہی شخص ہے۔ اور اس طرح بات حکومت تک پہنچ گئی اور بالآخر حضرتِ موسیٰ کے قتل کا فیصلہ شاہی دربار میں کر دیا گیا۔ (خازن، ابنِ کثیر، مراغی، معارف وغیرہ)۔ سو اس سبطی یعنی اسرائیلی نے اس طرح چلا کر یہ بات کہی اور اپنی حماقت سے قبطی کے قتل کا راز فاش کر دیا۔ اس قبطی کے بارے میں یہاں پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿هو عدو لهما﴾ - کہ "وہ شخص ان دونوں کا دشمن تھا"۔ یعنی اس سبطی - اسرائیلی - کا بھی اور حضرتِ موسیٰ کا بھی۔ سبطی کے لیے اس کا دشمن ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اس سے اس وقت بالفعل لڑ رہا تھا لیکن حضرتِ موسیٰ سے اس کی دشمنی قومی اعتبار سے بھی تھی اور اس اعتبار سے بھی کہ وہ اپنی اصلاحی سرگرمیوں کی بنا پر تمام قبطیوں کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے تھے۔ بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ وہ شخص ان دونوں کا دشمن تھا۔

۲۵ **فرعونی دربار میں حضرتِ موسیٰ کے قتل کے مشورے:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ شہر کے اس کنارے سے ایک شخص حضرتِ موسیٰ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور آ کر ان سے کہا کہ موسیٰ دربار والے آپ کو قتل کر دینے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل جائیں۔ میں آپ کا پکا سچا خیر خواہ ہوں۔ روایات کے مطابق یہ آلِ فرعون کا وہی مومن شخص تھا جس نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا اور جس کا قصہ آگے خود قرآنِ پاک کی سورۃ المومن میں آ رہا ہے۔ سو اس شخص نے دوڑتے ہوئے اور بیچ کی گلیوں کے شارٹ راستے سے گزر کر آ کر حضرتِ موسیٰ کو یہ بات بتائی۔ تاکہ آپ اپنی جان کے بچانے کی فکر کر سکیں۔ سو اس نے حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ آپ کے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ اس لیے میرا آپ کو خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں۔ اور اس خیال سے کہ شاید موسیٰ اسکی بات کا اعتبار نہ کریں اور یہ سمجھیں کہ یہ فرعونی شخص یونہی خواہ مخواہ مجھے ڈرا دھمکا کر یہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے اس نے تاکیدی الفاظ میں موسیٰ سے ان کو یقین دلانے کیلئے کہا کہ میں یقینی طور پر آپ کا خیر خواہ ہوں۔ سو بدگمانی کی اس فضا میں جو اس وقت اسرائیلیوں اور قبطیوں کے درمیان پائی جاتی تھی کسی کی اس طرح کی کسی بات پر یقین کرنا بہت مشکل تھا۔ اس لیے اس شخص نے تاکید در تاکید کے الفاظ کے ساتھ حضرتِ موسیٰ کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ میں آپ کا سچا پکا خیر خواہ ہوں۔ لہٰذا آپ میری بات پر اعتماد و یقین کرتے ہوئے یہاں سے نکل جائیں۔ تاکہ آپ ان کی گرفت و پکڑ سے بچ سکیں۔ والعیاذ باللہ

النّٰصِحِیۡنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیۡ

اپنے رب کے حضور!) عرض کیا' اے میرے رب بچادے مجھے ان ظالم لوگوں سے ف۲۶ اور (مصر سے نکلنے کے بعد) جب

مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۱﴾ ع وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡیَنَ قَالَ ع ۸ ۵

آپ نے مدین کا رخ کیا ف۲۷ تو آپ نے کہا امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا ف۲۸ اور جب آپ مدین کے

عَسٰی رَبِّیۡۤ اَنۡ یَّهۡدِیَنِیۡ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ

پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو پانی پلاتے پایا' اور ان لوگوں سے ورے دو عورتوں کو پایا کہ وہ دونوں رو کے

مَآءَ مَدۡیَنَ وَجَدَ عَلَیۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسۡقُوۡنَ ۫ وَ

کھڑی ہیں (اپنے جانوروں کو،) موسیٰ نے ان سے پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ ف۲۹ انہوں نے جواب میں بتایا کہ ہم (اپنے

وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَیۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ

جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں' جب تک کہ یہ چرواہے اپنے جانوروں کو ہٹا کر نہ لے جائیں، اور (دوسرا کوئی

۲۶ حضرت موسیٰ کی دعاءِ نجات کا ذکر و بیان :- سو اس سے حضرتِ موسیٰ کی اپنے رب کے حضور نجات کی دعا و درخواست کا ذکر فرمایا گیا ہے- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر حضرتِ موسیٰ ڈرتے ہوئے وہاں سے نکل پڑے اور اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے بچالے ظالم لوگوں سے۔ سو یہ ہوتی ہے اللہ والوں کی شان۔ اور یہی ہے توکل کی حقیقت کہ اسباب اپنی طرف سے پورے اختیار کئے جائیں مگر بھروسہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہو۔ حضرتِ موسیٰ ان ظالموں کی گرفت سے بچنے کے لئے وہاں سے نکل تو پڑے مگر آپ کا بھروسہ اپنی تدبیر پر نہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد پر ہے۔ اور فوراً عاجزانہ طور پر اس کے حضور دست بدعا ہو جاتے ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضراتِ انبیائے کرام اور موسیٰ جیسے اولوا العزم انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- تک بھی اللہ ہی کے محتاج ہیں۔ اور ان کا حاجت روا و مشکل کشا بھی وہی وحدہ لاشریک ہے- جل جلالہ، وعز سلطانہ،- اور جب یہ قدسی صفت حضرات بھی حاجت روا و مشکل کشا نہیں بلکہ یہ بھی اللہ ہی کے محتاج ہیں تو پھر اللہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جسکو حاجت روا و مشکل کشا قرار دیا جا سکے؟ اور جب یہ جلیل القدر ہستیاں بھی حاجت روائی اور خود اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے اور وہ بھی اپنی زندگی میں یہ حضرات بھی اللہ ہی کو پکارتے اور اسی پر اعتماد کرتے اور بھروسہ رکھتے ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے کہ جو مافوق الاسباب طور پر دوسروں کا حاجت روا و مشکل کشا بن سکے۔ اور وہ بھی اپنی موت کے بعد۔ اور ان کے قبر میں اتر جانے کے بعد۔ سو غلط کہتے اور کرتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو فوت شدہ بزرگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں- والعیاذ

باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین

٢٧ راہیٔ حق کے لئے ایک اہم اور بنیادی درس: - سو اس سے حضرت موسیٰ کے قصد مدین کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اس میں راہ حق کے ہر راہی کیلئے ایک اہم اور بنیادی درس ہے - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر موسیٰ نے مدین کا رخ کیا" - کیونکہ مصر سے قریب ترین علاقہ جو فرعون کی قلمرو اور اس کی دسترس سے باہر تھا وہ یہی مدین کا علاقہ تھا - اس لئے حضرت موسیٰ نے اسی کی راہ لی - حضرت موسیٰ کے سامنے اس سلسلے میں نہ کوئی واضح منزل تھی نہ آپ اسکے راستے سے واقف تھے - نہ کوئی راہبر وہمسفر ساتھ تھا اور نہ ہی کچھ اسباب ووسائل آپ کے ساتھ تھے - مگر آپ اس سب کے باوجود محض توکل علی اللہ کے سہارے اس سفر پر نکل کھڑے ہوئے - اور اسی توکل علی اللہ نے آنجناب کی دستگیری وراہنمائی فرمائی - سو اس میں راہ حق کے ہر راہی کیلئے یہ عظیم الشان درس اور اہم سبق ہے کہ وہ بھروسہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ ہی پر رکھے - اور ہر قدم اسی توکل علی اللہ کی بنیاد پر اٹھائے - اس طرح اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نصرت وامداد اور تائید وعنایت سے نوازے گا - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایحبُ ویرید، بکل حالٍ من الاحوال، وھو الھادی الی سواء السبیل سبحانہٗ وتعالیٰ

٢٨ رب سے راہنمائی کی امید ودرخواست کا درس: - سو اس سے اپنے رب سے سیدھے راستے کی راہنمائی کی امید ودرخواست کا درس دیا گیا ہے - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے سیدھے راستے کی امید والتجا کرتے ہوئے فرمایا کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے سے نوازے گا - سو یہاں بھی وہی اللہ پاک سے مانگنے کی اور اسی پر تکیہ وآسرا رکھنے کی تعلیم ہے - پھر اللہ پاک نے آپ کی اس دعا کو ایسا قبول فرمایا کہ آپ کو نہ صرف مدین کے ان دیکھے راستے پر ٹھیک ٹھیک چلا دیا بلکہ اس کے بعد بھی ہر مرحلے پر کامل راہنمائی فرمائی - فَسُبْحٰنَ مَنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ عَنْہُ السُّوْءَ - سو مومن کو ہر حال میں، ہر موقعہ پر اور اپنے ہر معاملہ میں بھروسہ واعتماد اللہ - وحدہٗ لاشریک - ہی پر رکھنا چاہیئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - وباللہ التوفیق لمایحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل - اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے - آمین ثم آمین

٢٩ جذبۂ ہمدردی وخیر خواہی کا ایک نمونہ ومظہر: - سو اس سے حضرت موسیٰ کے جذبۂ ہمدردی وخیر خواہی کا ایک نمونہ ومظہر سامنے آتا ہے - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جب موسیٰ مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں پر لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو پانی پلاتے پایا اور دیکھا کہ ان سے ورے دو عورتیں اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں - تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟" - کہ تم اس طرح اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہو؟ - اور یہی شان ہوتی ہے حضرات انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کی کہ وہ ہر حال میں خلق خدا کی خدمت اور انکی بہتری اور بھلائی کا خیال رکھتے ہیں - یہاں تک کہ اپنی تکلیف اور پریشانی کو بھی فراموش کر کے دوسروں کا خیال رکھتے ہیں - بہرکیف حضرت موسیٰ کے پوچھنے پر ان لڑکیوں نے بتایا کہ ہم دوسرے چرواہوں کی موجودگی میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں - اس لیے انکی واپسی کے انتظار میں ان کو روکے کھڑی ہیں کہ جب یہ لوگ چلے جائیں گے تو اس کے بعد ہم انکو پانی پلا سکیں گی کہ ہم لوگوں کی بھیڑ اور انکے ہجوم کے اندر گھس کر اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں - ﴿تذودان﴾ کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان کے جانوروں کا گلہ گھاٹ پر پہنچ کر پانی پینے کے لیے آگے بڑھنے کے لیے زور لگا رہا تھا اور یہ بیچاری زور زبردستی کے ساتھ ان کو روکے کھڑی تھیں - جس سے انکی بے بسی کا بھی اظہار ہوتا ہے -

قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ سکتة وَاَبُوْنَا شَيْخٌ

اس کام کے لئے ہے نہیں کہ) ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں ف۳۰ اس پر موسیٰ نے (ترس کھاتے ہوئے) ان دونوں کے

كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ

جانوروں کو پانی پلا دیا ف۳۱ پھر آپؑ ہٹ کر ایک طرف سایہ میں جا بیٹھے، پھر (اپنے رب کے حضور) عرض کیا اے میرے رب

۳۰ بیانِ عذر اور ازالہ سوءِ ظن: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان دونوں لڑکیوں نے اپنی مجبوری کے ذکر و بیان کے سلسلہ میں کہا کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں- اس لئے ہمیں یہ سب کام خود ہی کرنے پڑتے ہیں۔ سو انہوں نے اپنی مجبوری بھی فوراً بیان کر دی کہ کسی کے دل میں کوئی غلط خیال نہ پیدا ہو جائے کہ بدظنی سے بچنا اور بچانا بھی اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک مطلوب و محبوب امر ہے۔ سو اس سے اس اہم فطری امر کا بھی اظہار اور اسکی تاکید ہوتی ہے کہ عورتوں اور مردوں کا دائرۂ کار الگ الگ ہے۔ اور عورتوں کو اگر باہر اور مردوں کے دائرہ میں کام کرنا بھی پڑے تو مردوں کے شانہ بشانہ نہیں بلکہ ان سے الگ اور مردوں کے اختلاط سے بچ کر کرنا چاہیئے۔ لہٰذا وہ بات غلط ہے جو ہمارے بعض خود ساختہ لیڈروں کی طرف سے کہی جاتی رہتی ہے کہ مردوں اور عورتوں کو ترقی کی اس دوڑ میں شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے کہ ایسا نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہونا چاہیے کہ یہ عقل و فطرت کے بھی خلاف ہے اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ سے بھی متصادم۔ اور مرد اور عورت دونوں کے دائرہ ہائے کار الگ الگ ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان قائم حدودِ فطرت کو مٹانا فطرت کے خلاف جنگ اور لعنت کا کام ہے۔ والعیاذُ باللّٰہ العظیم مِنْ زَیْغٍ وَّ ضَلَال

۳۱ پیغمبر کا جذبۂ خیر خواہی و خدمتِ خلق: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس پر موسیٰ نے ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا"۔ سو یہ ہوتی ہے اللہ والوں کی شان کہ اپنی تھکاوٹ اور پریشانی کے باوجود ان بے کس اور کمزور لڑکیوں کی مدد کئے بغیر آپ سے رہا نہ گیا۔ اور دینِ حنیف کی تعلیم بھی یہی ہے کہ "سب سے اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ اور نفع پہنچائے" - "خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ" اور پھر دوسروں کی خدمت بھی پورے اخلاص کے ساتھ اور بغیر کسی ذاتی غرض اور فائدہ کے کی جائے۔ یہاں دیکھئے کہ حضرتِ موسیٰ نے حمایتِ ضعیف کا حق تو فوری طور پر اور پوری مستعدی کے ساتھ ادا کر دیا لیکن اسکے بعد ان صاحبزادیوں کے سامنے ایک حرف بھی اپنی زبان سے ایسا نہیں نکالا جس سے آپ کی کسی پریشانی یا مسافرت یا ضرورت کا کوئی اظہار ہو۔ بلکہ جس سائے سے اٹھ کر ان کی حمایت و مدد کیلئے آئے تھے اسی سایے میں واپس جا کر بیٹھ گئے۔ اور اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب تو جو بھی کوئی خیر اس مرحلے پر میرے لیے نازل فرمائے میں اسکا بڑا ہی سخت محتاج ہوں۔ یہ دعا چونکہ بالکل صحیح وقت پر صحیح جذبے کے ساتھ اور صحیح الفاظ میں آنجناب کی زبانِ مبارک سے نکلی تھی اس لیے اس کا اثر و نتیجہ بھی فوری طور پر اور بغیر کسی تاخیر کے ظاہر ہوا۔ ان صاحبزادیوں نے حضرتِ موسیٰ کے اس احسان کا ذکر جا کر اپنے والد سے کیا۔ اور اس طرح حضرتِ موسیٰ کیلئے اس خیر کی راہ کھل گئی جس کیلئے انہوں نے اپنے رب کے حضور دعا و درخواست کی تھی- وباللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید- اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین

إِنِّي لِمَآ أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَآءَتْهُ إِحْدَىٰهُمَا

آپ جو بھی نعمت مجھے بھیج دیں میں اس کا سخت محتاج ہوں ۳۲ اتنے میں ان ہی دونوں لڑکیوں میں سے ایک شرم وحیا کے ساتھ

تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ

چلتی ہوئی آپ کے پاس پہنچی، کہنے لگی کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں، تا کہ آپ کو صلہ دیں

أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ

اس کا جو آپ نے ہمارے لئے پانی پلایا (ہمارے جانوروں کو، تو آپ چل پڑے) ۳۳ پھر جب آپ ان کے پاس پہنچ گئے، اور

الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِينَ ﴿٢٥﴾

ان کو اپنا پورا قصہ سنا دیا تو انہوں نے (آپ کو تسلی دیتے ہوئے) کہا کہ اب تم کوئی خوف نہ کرو کہ تم بچ گئے ان ظالم لوگوں

قَالَتْ إِحْدَىٰهُمَا يَٰٓأَبَتِ اسْتَـْٔجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ

سے، ادھر (ایک دن) ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے (اپنے والد سے) کہا کہ ابا جان' آپ ان کو اپنا نوکر رکھ لیجئے،

اسْتَـْٔجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ

کیونکہ سب سے اچھا شخص جس کو آپ نوکر رکھنا چاہیں وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور بھی ہو اور امانت دار بھی، (اور ان میں یہ

إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَٰتَيْنِ عَلَىٰٓ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَٰنِيَ حِجَجٍ ۖ

دونوں چیزیں موجود ہیں) اس پر اس (لڑکی کے باپ) نے (موسیٰ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں

۳۲ **اپنے رب سے خیر کی دعاء و درخواست کا درس:** سو اس سے حضرت موسیٰ کی اپنے رب کے حضور خیر کی دعا و درخواست کا ذکر فرمایا گیا ہے جس سے ہر خیر کے لیے اپنے رب کے حضور دعا و درخواست کا اہم اور بنیادی درس ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان دونوں لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد حضرت موسیٰ واپس آ کر اسی درخت کے سائے میں بیٹھ گئے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔ اور پھر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اس کے حضور عرض کیا کہ اے میرے رب تو جو بھی کوئی بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا سخت محتاج ہوں۔ آٹھ دن کا پیدل سفر اور اسکی تھکاوٹ۔ کھانا نہیں، پینا نہیں، سواری نہیں، آرام نہیں۔ روایات کے مطابق اس دوران میں حضرت موسیٰ نے درختوں کے پتوں پر گزارا کیا مگر اس کے باوجود مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں تو اسی واہب مطلق کے حضور نہ کہ کسی مخلوق کے آگے۔ کہ ہر کسی کی اور ہر جگہ سننے والا وہی

اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور ﴿مِنۡ خَيۡرٍ﴾ - ''کوئی بھی بھلائی'' کا عموم بھی ملاحظہ ہو۔ سو ہر چیز اسی سے مانگی جائے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جوتے کا تسمہ تک اگر مانگنا ہو تو وہ بھی اسی وحدہٗ لاشریک سے مانگو جو سب کو اور سب کچھ دینے والا ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - مگر اسکے باوجود آج کا جاہل مسلمان اور کلمہ گو مشرک جگہ جگہ جھکتا، ملنگوں، قبروں اور آستانوں سے مانگتا اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا اور ''یا علی مدد'' اور ''یا پیر دستگیر'' وغیرہ جیسے طرح طرح کے شرکیہ نعرے لگاتا ہے۔ اور اسکی زبان پر نہیں آتا تو اللہ کا نام نہیں آتا۔ اور اسکو ''یا اللہ مدد'' کہنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی - الا ماشاء اللہ - والعیاذ باللہ جل وعلا - اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار ولحاظ سے اپنا ہی بنائے رکھے آمین ثم آمین

۳۳ حضرتِ موسٰی کیلئے حضرتِ شعیب کے یہاں سے بلاوا: - سو اتنے میں آپ کو حضرتِ شعیب کی طرف سے بلاوا آ گیا جس کو آپ نے فوراً قبول کر لیا۔ اس لئے کہ ایک بزرگ ہستی کی طرف سے دعوت موصول ہوئی تھی جس کا قبول کرنا سنت ہے۔ مشہور قول کے مطابق ان بزرگوں سے مراد حضرتِ شعیبؑ ہی ہیں۔ مگر بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ بات بہت بعید ہے۔ کیونکہ حضرتِ شعیب کا زمانہ حضرتِ موسٰی سے بہت پہلے تھا۔ اس لئے انہوں نے کچھ اور نام لئے ہیں۔ بہر کیف قولِ مشہور حضراتِ اہلِ علم کے نزدیک یہی ہے کہ اس سے مراد حضرتِ شعیبؑ تھے۔ تو حضرتِ موسٰی اس لڑکی کے بلانے پر اس کے والد سے ملنے چلے گئے۔ روایات میں ہے کہ حضرتِ موسٰی نے اس لڑکی سے کہا کہ تم میرے آگے نہیں، پیچھے پیچھے چلو۔ اور پیچھے سے ہو کر مجھے اپنے گھر کا راستہ بتاتی رہو کہ مبادا کہیں ایسا ہو جائے کہ تمہارا کپڑا ہوا وغیرہ سے اڑ جائے اور تم بے پردہ ہو جاؤ اور میری نظر تم پر پڑ جائے۔ اور اس طرح آپ کمالِ ادب وحیا کے ساتھ حضرتِ شعیبؑ کے گھر پہنچے۔ سو حضرتِ موسٰی اور شعیب کے اس قصے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان نیکی تو اللہ پاک کی رضا وخوشنودی ہی کیلئے کرے نہ کہ کسی دنیاوی غرض ونفع کے لئے لیکن اگر اس کو اس کے بعد کوئی صلہ اس کے لالچ اور اشرافِ نفس کے بغیر ملے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھ کر اپنا لینا چاہیئے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرتِ عمر بن الخطاب - رضی اللہ عنہ - سے مروی ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ان سے فرمایا کہ جو مال تمہیں بغیر اشرافِ نفس اور سوال کے ملے اس کو تم لے لیا کرو۔ اور جو اس طرح نہ ملے اس کے پیچھے اپنے آپ کو مشقت میں مت ڈالو۔ اور یہاں پر ظاہر ہے کہ حضرتِ موسٰی کو اس صلہ وبدلہ کی جو پیشکش کی گئی تھی اس کے لئے نہ تو آپ نے کوئی سوال کیا تھا اور نہ ہی اس میں کوئی اشرافِ نفس تھا۔ بہر کیف حضرتِ موسٰی ان صاحبزادیوں کے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد ابھی واپس آ کر سائے میں بیٹھے ہی تھے۔ کہ ان دو میں سے ایک صاحبزادی شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی آپ کے پاس پہنچیں اور آپ سے عرض کیا کہ میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو اس کا اجر وصلہ دے سکیں کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا۔ تو حضرتِ موسٰی اسکو اپنی دعا کی قبولیت اور اس کا اثر ونتیجہ سمجھتے ہوئے انکے ساتھ چل دیئے کہ یہ وہی خیر ہے جس کیلئے میں نے اپنے رب سے دعا ودرخواست کی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز طبعی خوشی کا ذریعہ اور باعث ہے کہ میرے رب نے میری دعا کو قبول فرما لیا۔ اس لیے حضرتِ موسٰی حضرتِ شعیب کی دعوت پر ان سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے - علیہما الصلوٰۃ والسلام - سو یہ اللہ تعالیٰ کی غیبی عنایت کا ایک نمونہ ومظہر ہے، فالحمد للہ جلّ وعلا

فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ

سے ایک کا نکاح تم سے کردوں ۳۴ اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میرے یہاں ملازمت کرو اور اگر تم نے دس سال پورے کر دیئے تو

اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہوگا ۳۵ میں تم پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا، تم انشاء اللہ مجھے خوش معاملہ لوگوں میں سے پاؤ گے ۳۶

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ

موسیٰ نے جواب دیا کہ (چلو) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی، ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کردوں

فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع ۳

اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو، اور اللہ گواہ ہے اس (قول وقرار) پر جو ہم کر رہے ہیں،

۳۴ **حضرت موسیٰ کیلئے ایک اہم پیشکش کا ذکر و بیان**:۔ سو اس سے حضرت شعیب کی طرف سے حضرت موسیٰ کو ایک اہم پیشکش کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی حضرت شعیب کی طرف سے حضرت موسیٰ کو اپنی بیٹی سے نکاح کی پیشکش۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس لڑکی کے باپ نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کر دینا چاہتا ہوں۔ اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت موسیٰ کے پہنچتے ہی یہ سب باتیں ہوگئیں جیسا کہ بادی النظر میں خیال ہوتا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قرآن پاک چونکہ کتاب ہدایت ہے اس کا مقصد محض تاریخی واقعات کو نقل کرنا نہیں کہ ان کو تفصیل سے اور تاریخی تسلسل کے ساتھ بیان کرے۔ بلکہ اس کا مقصد تو بندوں کو راہ راست دکھانا ہے۔ اس لئے وہ قصوں میں سے انہی حصوں کو منتخب کرتا اور ان کا عطر اور نچوڑ پیش کرتا ہے جو اس مقصد کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اور بیچ کے وہ حصے وہ چھوڑ دیتا ہے جو خود سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اس لئے یہاں پر بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے کہ بیچ کی ان غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر مختصر طور پر اہم امور کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ورنہ اصل صورت اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ نے تشریف آوری کے بعد کچھ دن تو ان کے یہاں بطور مہمان قیام کیا ہوگا۔ اس دوران کسی وقت حضرت شعیبؑ کی ایک صاحبزادی نے یہ بات کہی ہوگی کہ ابا جان ان کو آپ اجرت پر رکھ لیں کہ ایسا قوت والا اور امانت دار شخص ہمیں بہت فائدہ دے گا۔ اس کے بعد حضرت شعیبؑ نے خیال کیا ہوگا کہ ایک نوجوان شخص کو یونہی گھر میں رکھنا درست نہیں۔ لہٰذا کیوں نہ ان کو اپنی ایک لڑکی شادی کر کے دے دوں تاکہ ان کا گھر میں رہنا بھی صحیح طریقے سے ہو اور یہ گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے گھر کے کام کاج بھی زیادہ بہتر طریقے سے کرسکیں۔ تب کسی موقعہ پر انہوں نے حضرت موسیٰ کو یہ پیشکش کی ہوگی۔ اور یہ بات چیت ہوئی ہوگی جو یہاں بیان فرمائی جارہی ہے اور آپؑ نے ان سے اپنی بیٹی کی شادی سے متعلق یہ پیشکش فرمائی ہوگی۔ اور لگتا ہے کہ آنجناب نے حضرت موسیٰ سے یہ پیشکش غیبی اشارے کی بنا پر فرمائی ہوگی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۲۵ نکاح موسوی کیلئے ایک شرط کا ذکر و بیان: - سو اس سے حضرت شعیب کی طرف سے حضرت موسیٰ کے نکاح کے لیے ایک شرط کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ میں آپ سے اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح کر دینا چاہتا ہوں اس شرط پر کہ تم آٹھ برس تک میری خدمت کرو گے۔ یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ شادی کے فوراً بعد تم اپنی بیوی کو لے کر چل پڑو کہ اس طرح تو ہمارا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ لہٰذا اس رشتے کے لئے شرط یہ ہے کہ تمہیں کم از کم اتنی مدت تک یہاں رہنا ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ کام اس نکاح کے لئے مہر ہے بلکہ یہ اس کے لئے ایک بنیادی شرط ہے جس کے ماننے کے بعد لڑکی کی تعیین اور مہر کا تقرر وغیرہ امور حسبِ ضابطہ بعد میں طے کئے جائیں گے۔ کیونکہ حضرت شعیب کا یہ قول نکاح نہیں تھا بلکہ نکاح کا محض وعدہ تھا۔ ورنہ اگر یہ نکاح ہوتا تو آپ کہتے " اَنکَحْتُھَا "۔ "میں نے اس کو تمہارے نکاح میں دے دیا"۔ رہ گئی یہ بات کہ کسی خدمت کو نکاح کا مہر مقرر کرنا درست ہے کہ نہیں؟ تو اس بارے حضرات اہلِ علم کا کہنا یہ ہے کہ یہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا جبکہ ہماری شریعت میں مہر کا مال ہونا ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ﴿ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ ﴾۔ (النساء: ۲۴) (الاساس، المدارک، المعارف وغیرہ)۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی بیٹی کے نکاح کی پیشکش کرنا کوئی معیوب چیز نہیں جس طرح کہ ہمارے معاشرے میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے اسلافِ کرام میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ خود ام المومنین حضرت حفصہؓ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ اور پھر حضرت عثمان غنیؓ سے آپؓ کے نکاح کی پیشکش کی تھی جس کا ذکر و بیان حدیث و سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے نکاح کے سلسلے میں یہ شرط بھی عائد کر دی۔

۲۶ خوش معاملگی کا وعدہ و یقین دہانی: - سو اس سے حضرت شعیب کی طرف سے حضرت موسیٰ کو خوش معاملگی کے وعدہ اور اس کی یقین دہانی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اگر تم نے آٹھ کی بجائے دس سال پورے کر دیئے تو یہ تمہاری طرف سے ایک احسان ہوگا۔ میں تم پر اس معاملے میں کوئی مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔ تم ان شاء اللہ مجھے خوش معاملہ لوگوں میں سے پاؤ گے۔ اور صرف یہی نہیں کہ دنیاوی معاملات میں تم مجھے ایسا پاؤ گے بلکہ میرے فیضِ صحبت سے خود تمہاری ایسی تربیت ہوگی کہ اللہ پاک کے یہاں بھی خاص مرتبہ پاؤ گے۔ چنانچہ اس فیضِ صحبت سے آپ شرفِ نبوت سے مشرف ہونے کے اہل بن گئے۔ بقول شاعر مشرق۔ اگر کوئی شعیب میسر آ جائے۔ شبانی سے کلیمی دو قدم ہے۔ سو مربی صالح کی صحبت بھی ایک عظیم نعمت ہے مگر افسوس کہ آج کا مسلمان اس بارے بھی بے حس اور لاپرواہ ہو گیا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ سو حضرت موسیٰ نے اس پیشکش اور شرط دونوں کو قبول فرما لیا اور فرمایا کہ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی مدت میں نے پوری کر لی اس کو کافی سمجھا جائے گا۔ مجھے اس کا اختیار ہوگا اور مجھ پر اس بارے کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یعنی جو قول و قرار آپس میں کر رہے ہیں اس پر اللہ ہمارا گواہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ سے بڑھ کر کسی کی گواہی ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے ہم اسی کو اپنے اس معاملے کے لیے گواہ بناتے ہیں۔ پس وہی ہمارا گواہ اور ہمارا کارساز ہے، سبحانہ، وتعالیٰ

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ

پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چل پڑے ف۳۷ تو (راستے میں

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ

ایک موقع پر) ان کو طور کی جانب سے ایک آگ سی دکھائی دی، تو آپؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ذرا ٹھہرو میں نے

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ

ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا کوئی انگارہ

مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ

(تمہارے لئے اٹھا لاؤں،) جس سے تم تاپ سکو، ف۳۸ مگر جب آپ وہاں پہنچے تو اس وادی کی

شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ

دائیں جانب اس مبارک خطے میں ایک درخت سے آپ کو آواز

الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَ

آئی کہ اے موسیٰ یقینی طور پر میں اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار، اور

اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى

ڈال دو اپنی لاٹھی کو (زمین پر اے موسیٰ!) پھر جب موسیٰ نے (زمین پر ڈالنے کے بعد) اس کو دیکھا تو وہ اس طرح بل کھا رہی

مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ قف

تھی جیسے کوئی باریک (پھرتیلا) سانپ ہو ف۳۹ تو آپؑ (مارے خوف کے) بھاگ کھڑے ہوئے پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر بھی نہ دیکھا ف۴۰

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ

(ارشاد ہوا) اے موسیٰ پلٹ آؤ اور ڈرو مت، بے شک تم امن والوں میں سے ہو ف۴۱ (اور مزید یہ کہ) ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان

۳۷ تکمیل مدت کے مرحلے کا ذکر و بیان: ــ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر لی ان کے

درمیان جو مقرر کی گئی تھی تو موسیٰ اپنے گھر والوں کو لے کر وہاں سے واپس چل دیے۔ اور روایات کے مطابق آپ نے بڑی مدت یعنی دس سال پورے کئے کہ یہی تقاضا ہے اس حسنِ خلق اور خوش معاملگی کا جس کی تعلیم دینِ حق دیتا ہے۔ اور جس کو قرآنِ حکیم نے اپنے اس ایک معجزانہ جملے میں سمو دیا ہے۔ ﴿ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ﴾۔ (البقرۃ: ۲۳۷) یعنی ''تم لوگ آپس میں احسان اور مہربانی کا معاملہ کرنے کی خو کو کبھی نہیں بھولنا''۔ سو حضرتِ موسیٰ نے دس سال تک حضرت شعیب کے پاس رہنے کے اور اتنا عرصہ گلہ بانی کرنے کے بعد اور دس سال کی اس صحبت سے مستفید ہونے کے بعد جب مجاہدہ و ریاضت کی مطلوبہ منزلیں طے کر لیں اور آپ چالیس کی عمر کو پہنچ گئے تو آپ نے واپس مصر کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ اور پروگرام بنالیا۔ تو راستے میں یہ مرحلہ پیش آیا جس میں حضرتِ واہبِ مطلق جل جلالہ، کی طرف سے آنجناب کو شرف نبوت و رسالت سے نوازا گیا جس کا قصہ یہاں ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور جس سے عطاءِ خداوندی کا ایک اور نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے جل جلالہ، وعم نوالہ۔ فله الحمد وله الشكر بكلِّ حالٍ مِنَ الاحوال

۳۸ حضرتِ موسیٰ کے سفر اور نبوت سے سرفرازی کا ذکر: ۔ سو اس سے حضرتِ موسیٰ کے مدین سے واپسی کے سفر اور اس دوران میں عطائے نبوت کے مرحلے کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو لیکر مدین سے چل پڑے۔ یعنی واپس مصر کی طرف کہ وہاں پر اپنے لوگوں سے مل سکیں۔ اور اتنی مدت میں فرعونی لوگ اس قبطی کے قتل کا قصہ بھی بھول چکے ہوں گے۔ اور اس لئے کہ دعوتِ حق اور اپنی قوم کو غلامی سے نجات دلانے کا عظیم الشان کام بھی آپ نے وہیں واپس جا کر انجام دینا تھا۔ سو آپ اپنے بال بچوں سمیت واپس مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ تو جب جبلِ طور کے قریب پہنچے، رات سخت اندھیری تھی۔ اس سخت اندھیرے میں راستے کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ تو اتنے میں طور کی جانب سے آگ کی ایک چمک سی دکھائی دی۔ تو آپ نے اپنے بیوی بچوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو میں وہاں جاتا ہوں جہاں یہ آگ دکھائی دے رہی ہے۔ شاید مجھے وہاں کوئی آدمی مل جائے تو اس سے راستہ پوچھ لوں یا وہاں سے کوئی انگارہ ہی لے آؤں تاکہ تم آگ تاپ سکو۔ اور اس طرح تمہارے لیے اس سردی سے حفاظت اور بچاؤ کا سامان ہو سکے سو اس طرح کہنے کے بعد حضرت ادھر چل پڑے۔

۳۹ حضرتِ موسیٰ کی معجزۂ عصا سے سرفرازی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ موسیٰ کو حکم ہوا کہ اپنی لاٹھی کو ڈال دو زمین پر۔ سو آپ نے اس کو زمین پر ڈال دیا۔ پھر یکایک عصائے موسوی ایسے بل کھا رہا تھا جیسے وہ کوئی باریک سانپ ہو۔ یعنی چلنے اور پھرتی میں تو وہ ﴿ جَآنٌّ ﴾۔ ''پتلے باریک سانپ'' کی طرح تھا مگر جسم میں خوفناک اژدھے کی طرح۔ جیسا کہ دوسری جگہ اسے ﴿ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴾ فرمایا گیا۔ اور ان دو متضاد صفتوں کو اس میں یکجا ہو جانا اس کی انفرادی شان ہی کا ایک پہلو تھا۔ بہر کیف یہ پہلا معجزہ تھا جس سے حضرتِ موسیٰ کو نوازا گیا کہ اللہ کے حکم و ارشاد سے آپ نے اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیا اور زمین پر پڑتے ہی وہ ایک باریک پھرتیلے سانپ کی طرح ادھر ادھر دوڑنے لگا اور یکایک اور خلافِ توقع یہ منظر دیکھنے پر حضرتِ موسیٰ سخت دہشت زدہ ہو گئے۔ اور اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے کہ پیچھے مڑنے کی ہمت بھی نہ کر سکے۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کو نبوت ملنے سے پہلے اس کا کوئی سان و گمان تک بھی نہیں ہوتا کہ ان کو اس شرف سے نوازا جائے گا۔ سو نبوت و رسالت خالص اللہ تعالیٰ کا عطیہ و احسان ہوتا ہے۔ اس میں بندے کے کسب و

اکتساب کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الآیۃ) یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے۔

۲۰ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل: ۔سو اس سے اس امر کی تصریح فرمائی گئی کہ عصائے موسوی کے سانپ بن جانے سے حضرت موسیٰ اس سے ایسے گھبرا اٹھے کہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ سو یہ طبعی خوف تھا جو شانِ نبوت کے منافی نہیں۔ یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت واضح اور آشکارا ہوگئی کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ مختارِ کل۔ جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ ورنہ حضرتِ موسیٰ اپنے ہاتھ کی لاٹھی سے نہ اس طرح ڈرتے، نہ خوف کھاتے۔ ان حضرات کو غیب کی بس وہی خبریں معلوم ہوتی ہیں جو ان کو حضرتِ حق۔جل مجدہٗ۔ کی طرف سے دی جاتی ہیں جو ان کے منصب کے لئے ضروری ہوتی ہیں اور بس۔ اور غیب کی ان خبروں کی اللہ پاک کے علم لا متناہی کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہیں جو ایک ذرہ کو سمندر سے ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ قصۂ خضر و موسیٰ کے ضمن میں اس کی تصریح بھی فرمائی گئی ہے۔ اور جب موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کا یہ حال ہے تو پھر کسی ولی و بزرگ کی غیب دانی کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ مگر اس قدر تاکید و تکرار کے باوجود اہلِ بدعت اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ نبیوں کیلئے "عالم ماکان و مایکون" ہونے کا شرکیہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ہر ولی بزرگ کو بھی عالمِ غیب مانتے ہیں۔ اور اس کے لئے وہ طرح طرح کے ڈھکوسلوں اور خود ساختہ مفروضوں سے کام لیتے اور قرآن وسنت کی نصوصِ طیبہ میں طرح طرح کی تحریفات و تلبیسات سے کام لیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ کے اس قصے سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ پس اختیارِ کل اور علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کا اختصاص ہے۔ اور اسکی کسی خاص صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوسکتا، سبحانہ، وتعالیٰ

۲۱ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کو تسلی: ۔سو اس موقعہ پر حضرتِ موسیٰ سے فرمایا گیا کہ "لوٹ آؤ اور ڈرو مت کہ بے شک تم امن والوں میں سے ہو"۔ یعنی ان لوگوں سے جو ہمیشہ امن میں رہیں گے اس دنیا میں بھی، موت کے وقت بھی اور عالمِ برزخ و آخرت میں بھی۔ کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ کیونکہ جملہ اسمیہ اختیار فرمایا گیا ہے جو کہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ بھی ﴿اِنَّ﴾ کی تاکید کے ساتھ۔ اور ظاہر ہے کہ جس کو اللہ پاک۔سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس طرح امن کی نوید سنائے جو کہ قادرِ مطلق اور مالکِ کل ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔ تو پھر اس کے لئے کسی خوف کا کیا سوال؟۔ بہرکیف اس طرح حضرتِ حق۔جل مجدہٗ۔ کی طرف سے حضرتِ موسیٰ کو تسلی دی گئی اور اپنی خاص رحمت و عنایت سے ان کو اطمینان دلایا کہ موسیٰ آگے بڑھو اور اسکو اٹھالو۔ اس سے ڈرو نہیں۔ تمہارے لیے اس میں خوف و خطر کی کوئی بات نہیں۔ تم تو ہر قسم کے خطرہ سے امن و امان میں اور بالکل محفوظ ہو۔ یہ خطرہ اگر ہے تو تمہارے دشمنوں کیلئے ہے۔ تم تو ہمارے رسول ہو اور ہمارے رسولوں کیلئے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ اور اپنے رسولوں کو ہم اس طرح کے خاص اسلحہ سے مسلح کرتے ہیں۔ سو ان سے جو خطرہ پیش آتا ہے وہ ہمارے دشمنوں کیلئے ہوتا ہے نہ کہ ہمارے رسولوں کیلئے۔ جیسا کہ سورۂ نمل میں فرمایا گیا۔ ﴿يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾۔ (النمل:۱۰) پس آپ اے موسیٰ مطمئن رہیں۔

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ

میں، وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی بیماری (اور عیب) کے ۴۲ اور سکیڑ لو اپنا ہاتھ اپنے گریبان (یا بغل) کی طرف خوف کو رفع کرنے

الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

کے لئے ۴۳ سو یہ دو بڑی سندیں ہیں آپ کے رب کی جانب سے ۴۴ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، بے شک وہ بڑے

مَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ

بدکار لوگ ہیں موسیٰ نے عرض کیا میرے مالک! (حکم سر آنکھوں پر، لیکن) میں نے تو ان کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے، جس سے

قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِىْ

میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ لوگ مجھے (دیکھتے ہی) قتل نہ کر دیں، اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ زبان آور ہیں، سو ان کو

هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً

بھی میرے ساتھ بھیج دیجئے (رسول بنا کر) میرے مددگار کے طور پر، تا کہ وہ میری تصدیق کریں ۴۵ مجھے سخت اندیشہ ہے کہ وہ

يُّصَدِّقُنِىْٓ ۫ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ

لوگ مجھے جھٹلا دیں گے ارشاد ہوا کہ ہم نے مضبوط کر دیا تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعے، اور ہم تم دونوں کو ایک ایسا

۴۲ **حضرت موسیٰ کے لیے ید بیضا کا معجزہ:** — سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی۔عیب اور۔اور بیماری کے"۔ ﴿من غیر سوء﴾ نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی کسی بھی قسم کا کوئی عیب نہیں ہوگا جیسا کہ برص وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے اور نہ ہی کسی درد تکلیف وغیرہ کا کوئی سوال ہوگا جیسا کہ کسی تبدیلی کے وقت عام طور پر ہو جاتا ہے۔ سو معجزۂ عصا کے بعد یہ ید بیضا کے دوسرے معجزے کا ذکر فرمایا گیا جس سے حضرت موسیٰ کو بطور خاص نوازا گیا تھا۔ اور طریقہ اس کا یہ بتایا گیا کہ مقابلہ اور خوف کے کسی ایسے موقعہ پر تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دو وہ سفید چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی قسم کی بیماری اور کسی طرح کے عیب کے۔ سو اپنے رب کی طرف سے بخشی گئی ان دو عظیم الشان نشانیوں اور معجزوں سے لیس ہو کر اپنے دشمن کے مقابلے میں نکلو۔ سبحان اللہ۔ حضرات انبیاء و رسل کو قدرت کی طرف سے جس طرح وہ خود دوسری تمام مخلوق کے مقابلے میں ممتاز و منفرد مرتبہ و مقام کے مالک ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے اسلحے اور ہتھیار بھی منفرد اور بے مثال ہوتے ہیں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ سو عصا اور ید بیضا حضرت موسیٰ کے دو بڑے معجزے تھے۔

۴۳ **خوف کو رفع کرنے کے طریقے کی ہدایت:** — سو ارشاد فرمایا گیا کہ اپنے ہاتھ کو اپنی طرف سکیڑ لیا کرو خوف کو رفع

کرنے کیلئے۔ یعنی تاکہ ہاتھ کے یکا یک اس طرح چمک اٹھنے سے پیدا ہونے والا خوف ختم ہو جائے۔ اور قرآن کی بلاغت کے قربان جائیں۔ یہاں "یدک" نہیں ﴿جناحک﴾ فرمایا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ "پر" کے آتے ہیں۔ کہ پرندہ جب خوف اور پریشانی میں ہوتو پر پھیلا دیتا ہے اور جب اطمینان وسکون میں ہوتو انہیں سکیڑ لیتا ہے۔ لہٰذا حضرتِ موسیٰ کو ارشاد فرمایا گیا کہ آئندہ بھی جب کبھی کسی خوف و پریشانی کا موقعہ ہوتو اپنے دل کی مضبوطی اور اطمینان کے لئے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ دیا کرو۔ اور عام مشاہدہ وتجربہ بھی یہی ہے کہ ایسے موقعہ پر آدمی خود بھی یونہی کرتا ہے۔ اور حضرتِ ابن عباسؓ سے بھی روایت ہے کہ جو بھی کوئی خوف کے وقت ایسا کرے گا اس کا خوف زائل ہو جائے گا اور اسے اطمینان وسکون نصیب ہو جائے گا۔ اور حضرتِ مجاہد سے مروی ہے کہ حضرتِ موسیٰ کا جب فرعون سے سامنا ہوتا تو آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر یوں دعا کرتے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَدْرِءُ بِکَ فِیْ نَحْرِہٖ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ"۔ "اللہ میں تیری مدد سے اس کو دفع کرتا ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔ اس سے نہ صرف حضرتِ موسیٰ کو اطمینان نصیب ہو جاتا بلکہ اس لعین پر بھی آپؑ کا ایسا رعب پڑتا کہ اسکا پیشاب نکل جاتا۔ (جامع البیان، المراغی، المحاسن، روح المعانی اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو یہ ہے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت و برکت کا کرشمہ مگر کلمہ گو مشرک پھر بھی غیروں کو پکارتا ہے۔ والعیاذ باللہ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۲۴ حضرتِ موسیٰ کے لیے دوسندوں کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ دوسندیں ہیں آپ کے رب کی طرف سے جن سے اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو نوازا ہے۔ اور جو اس بات کی کھلی سندیں اور واضح نشانیاں ہیں کہ آپؑ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں اور اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کو یہ دو عظیم الشان سندیں عطا فرمائی گئی ہیں کہ ان کے ساتھ مسلح ہو کر آپ فرعونیوں کے پاس جائیں کہ وہ بڑے بدکار لوگ ہیں۔ لہٰذا ان کے پاس جا کر ان کو کلمۂ حق کی دعوت دو اور ان کو پیغامِ حق پہنچاؤ۔ ان کو انکی سرکشی کے ہولناک انجام سے آگاہ کرو اور ان دونوں سندوں اور روشن دلیلوں سے ان پر حجت تمام کر دو تاکہ وہ باز آجائیں اپنی سرکشی اور طغیانی سے۔ نہیں تو آخری اور ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۵ راہِ حق میں معاون و مددگار کے لیے دعاء و درخواست: ۔ سو اس سے حضرتِ موسیٰ کی طرف سے اپنے رب کے حضور اپنے لیے ایک مددگار و معاون کی دعا و درخواست کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو حضرتِ موسیٰ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں اس عظیم الشان مہم پر روانگی کے لیے تیار ہو گئے لیکن اس کے ساتھ ہی اس بارے اپنے ایک خدشے کا بھی اظہار کیا کہ میں نے ان لوگوں کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے۔ جس کی بنا پر مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ وہ مجھے دیکھتے ہی قتل کر دیں گے۔ اور دوسری عرض اپنے رب کے حضور آپ نے یہ پیش کی کہ میرے بھائی ہارون چونکہ مجھ سے زیادہ فصیح ہیں اس لیے ان کو میرا معین اور مددگار مقرر فرمایا جائے تاکہ وہ میری معاونت کریں۔ اور ضرورت پڑنے پر اپنے زورِ بیان کو حق کی نصرت و تائید میں صرف کریں۔ اور اس طرح میرے کام میں میرے مددگار بنیں۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں بھی بیان فرمایا گیا۔ حضرتِ ہارون کو میرا معاون و مددگار بنا دیا جائے۔ تاکہ ہم دونوں مل کر تیری بہت بہت تسبیح کریں اور تیرا بہت ذکر کریں۔ ﴿کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا﴾۔ (طٰہٰ: ۳۳-۳۴) اس لیے آپ نے اپنے رب کے حضور اپنے بھائی ہارون کو بھی نبوت سے نوازنے کی درخواست کی جو قبول فرمالی گئی۔ اور حضرت ہارون کو آپ کا وزیر و معاون بنا دیا گیا۔

عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا

غلبہ بھی عطا کیے دیتے ہیں کہ وہ لوگ تمہارے (قتل وغیرہ) تک پہنچنے بھی نہیں پائیں گے ۴۶ ہماری نشانیوں کے سبب، (یا ہماری

يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا

نشانیوں کے ساتھ جاؤ تم دونوں فرعونیوں کی طرف) غلبہ بہرحال تم دونوں ہی کا اور انہی لوگوں کا رہے گا

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ

جو تمہاری پیروی کریں گے، پھر جب پہنچ گئے موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی نشانیوں کے ساتھ،

قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا

تو انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے گھڑا گیا، ۴۷ اور یہ کچھ تو ہم نے اپنے

۴۶ حضرتِ موسیٰ کو دعاء کی قبولیت کا مژدہ: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم تم دونوں کو ایسا غلبہ عطا کیے دیتے ہیں کہ وہ بدبخت تم دونوں تک پہنچنے ہی نہیں پائیں گے"۔ چنانچہ بعد کے حالات و واقعات نے اس وعدہ و پیشگوئی کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا کہ فرعون باوجود اتنے بڑے لاؤ لشکر کے اور اس قدر قوت و طاقت رکھتے ہوئے بھی حضرتِ موسیٰ کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے آپ کو غلبہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم دونوں میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ۔ غلبہ بہرحال تم دونوں کا اور تمہارے پیروکاروں ہی کا ہوگا کہ حق پر تم ہی ہو اور غلبہ حق ہی کا ہوتا ہے۔ سو اس طرح حضرتِ موسیٰ کو خوشخبری پر خوشخبری سے نوازا گیا کہ اس وحدہٗ لاشریک رب عزیز و کریم کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ اور ہمیشہ اور ہر سطح سے نوازنا سبحانہ، وتعالیٰ۔

۴۷ فرعونیوں کے کفر و انکار کا ذکر: — سو اس سے فرعونیوں کی طرف سے کفر و انکار اور معجزاتِ موسیٰ کو جادو قرار دینے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرعونیوں کی طرف سے جواب ملا کہ یہ تو ایک جادو ہے گھڑا گیا۔ جو یہ خود سیکھ اور بنا کر اور گھڑ کر لائے ہیں کہ ایسے ایسے کرتب دکھائیں اور شعبدہ بازیاں پیش کریں۔ البتہ ان میں تاثیر ضرور جادو کی سی ہے۔ سو حضرتِ موسیٰ جب حق و ہدایت سے متعلق کھلی اور روشن آیتیں لیکر ان لوگوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس کو قبول کرنے اور حق کی طرف رجوع کرنے کی بجائے الٹا ان کو ایک من گھڑت جادو قرار دیا اور کہا کہ اس جادو کے بارے میں رعب جمانے کیلئے یہ کہتے ہیں کہ یہ معجزات ہیں جو انہیں خدا کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور جس توحید کی دعوت یہ لوگوں کو دے رہے ہیں وہ تو ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب حضرتِ موسیٰ ان روشن دلائل اور ناقابلِ تردید نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے پاس پہنچے تو ان بدبختوں نے آنجناب کے معجزات کو تو جادو کا کرشمہ قرار دیا اور آپ کی دعوتِ توحید کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ ہمارے آباء و اجداد کی روایات کے خلاف ہے۔ اس لیے ہم ان کو کسی قیمت پر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ

اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی کبھی نہیں سنا ۴۸ اور موسیٰ نے جواب میں فرمایا کہ میرا رب خوب جانتا ہے

بِمَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

کہ کون ہدایت لے کر آیا اس کی طرف سے اور کس کے لئے ہے

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ

اچھا انجام (آخرت کے) اس (حقیقی اور ابدی) گھر کا، یہ امر بہرحال قطعی ہے کہ ظالم فلاح نہیں پا سکیں گے ۴۹ اور فرعون نے

فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ

(اپنے درباریوں سے) کہا اے درباریو میں اپنے سوا تمہارے لئے کسی خدا کو نہیں جانتا،

فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَي الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا

پس تم میرے لئے خاص طور پر اینٹیں پکواؤ اے ہامان، پھر (ان سے میرے لئے) ایک ایسا اونچا محل بنواؤ

لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ

کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو خود جھانک کر دیکھ سکوں، ۵۰ میں تو اس کو قطعی طور پر

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ

جھوٹا سمجھتا ہوں، اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہوا وہ بھی اور اس کے لشکر بھی، (اللہ کی)

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

زمین میں ناحق طور پر اور وہ (اپنی بدبختی کے باعث) یہ سمجھ بیٹھے کہ انہوں نے کبھی ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا،

۴۸ منکرین کی طرف سے دعوتِ حق پر اظہارِ تعجب: ۔سو اس سے منکرین کی طرف سے حضرت موسیٰ کی دعوتِ حق پر تعجب کے اظہار کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ کی دعوتِ حق و ہدایت کے بارے میں ان لوگوں نے کہا کہ یہ کچھ تو ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنا کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک بلا شرکتِ غیرے تنہا ایک ہی خدا ہے۔ اور یہ کہ ہم نے مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر اٹھنا ہے اور اپنے کئے کرائے کا

بدلہ پانا ہے۔ اور یہ کہ اس کے کوئی پیغمبر بھی ہوتے ہیں جن کو وہ مبعوث کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو یہی تینوں بنیادی مسائل پہلے بھی لوگوں کو سمجھنے مشکل تھے اور یہی آج بھی سمجھنے مشکل ہیں۔ یعنی توحید، رسالت اور آخرت جو کہ بنیادی عقائد ہیں اور جن کو اصول ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ بہر کیف انہوں نے کہا کہ یہ باتیں ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنیں۔ یہ ان کا بالکل اپنا گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے۔ (المراغی، المدارک، المعارف اور الخازن وغیرہ)۔ سو ان لوگوں نے دعوتِ حق کو اچنبھا قرار دیتے ہوئے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ یہ اور اس طرح انسان نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر ہلاکت و تباہی کے دائمی گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اس لیے ہم ان کی اس دعوت کو ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ایسے بدبختوں کا یہ قول اس طرح نقل فرمایا گیا ہے۔ ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ (ص: ۷)۔ سو یہ نتیجہ ہوتا ہے تکبر و سرکشی اور عناد و ہٹ دھرمی کا۔ کہ ایسے بدبختوں کو حق بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ جو کہ محرومیوں کی محرومی۔ اور خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم من کل زیغ و ضلال وسوءٍ وانحرافٍ۔ اللہ ہر طرح سے اپنے حفظ و امان میں رکھے، آمین

۴۹ ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکیں گے۔ سو حضرت موسیٰ نے ان کے جواب میں اور ان کے لیے چیلنج کے انداز میں فرمایا کہ تم لوگ مجھے مفتری قرار دے رہے ہو تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے یہاں سے ہدایت لے کر آیا اور کون جھوٹا اور مفتری ہے۔ اور یہ کہ انجامِ کار کامیابی کس کو حاصل ہونے والی ہے اور کون ناکام و نامراد ہو گا؟ سو حضرتِ موسیٰ نے اپنے اس جواب میں ایک بڑے بلیغ انداز اور شستہ اسلوب میں ان لوگوں کے سامنے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ میں اور میرے ساتھی ہی ان شاء اللہ غالب اور فائز المرام ہونگے۔ اور تم لوگ ذلیل و خوار ہو کر ہلاکت و تباہی کے انتہائی ہولناک اور دائمی گڑھے میں گرو گے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اصل حقیقتِ حال کو میرا رب خوب جانتا ہے اور اسی کا جاننا کافی ہے۔ بہر حال اتنی بات یقینی ہے کہ ظالم لوگ فلاح یعنی حقیقی کامیابی کبھی نہیں پا سکیں گے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی تکذیب کرتے اور اسکو جھٹلاتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ جو ظلم کرتے ہیں اپنے خالق و مالک کے حق میں۔ اسکے حقِ اطاعت و بندگی سے منہ موڑ کر۔ اور جو ظلم کرتے ہیں اپنے رسول کے حق میں انکی اطاعت و اتباع کے حق واجب سے منہ موڑ کر۔ اور جو ظلم کرتے ہیں خود اپنی جانوں پر کہ ان کو نورِ حق و ہدایت سے محروم کر کے دارین کی تباہی کی راہ پر ڈالتے ہیں۔ سو ایسے ظالموں کو ڈھیل جتنی بھی ملے وہ بہر حال ایک ڈھیل ہی ہوتی ہے۔ ایسے ظالم لوگ فلاح کبھی نہیں پا سکیں گے۔ انہوں نے بہر حال اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال۔

۵۰ فرعونی ذہنیت کا ایک نمونہ و مظہر: ۔ سو اس سے نورِ ایمان سے محروم فرعونی ذہنیت کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے اور اس سے فرعون کے استہزاء اور نورِ ایمان سے محروم لوگوں کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا ایک مظہر اور نمونہ سامنے آتا ہے کہ ایسے لوگ کتنے اندھے اور کس قدر اوندھے اور بد بخت ہوتے ہیں۔ سو اس طرح اس بد بخت نے

حق کے ساتھ استہزاء اور اپنی مادہ پرستانہ ذہنیت اور حماقت وسفاہت کا ایک اور ثبوت پیش کیا۔ سو یہی ہے منکرینِ حق مادہ پرستوں کی وہ مادہ پرستانہ ذہنیت جو آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے کے اس زمانے میں پائی جاتی تھی۔ اور یہی آج بھی جوں کی توں موجود ہے۔ اس میں انگشت کے برابر نہ فرق آیا نہ کمی واقع ہوئی۔ البتہ ان کے مادی ذرائع ضرور مختلف ہیں ورنہ تکنیک اور اساس ان دونوں کی ایک ہی ہے کہ اس دور کے وہ اندھے بے ایمان مادہ اور مادیت ہی کو سب کچھ سمجھتے اور اسی اعتبار سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر اس دور میں فرعون نے ایسا محل بنانے کیلئے کہا تاکہ اسکے ذریعے اوپر جا کر وہ خود حضرتِ موسیٰ کے خدا کو جو کہ حقیقی خدا اور اس کائنات کا خالق و مالک ہے اسکو وہ جھانک کر دیکھ سکے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اسی بنا پر آج کے روسی کمیونسٹ اپنے لیونک اور اسٹینک وغیرہ سیارے خلاء میں چھوڑنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہمیں خدا کہیں نظر نہیں آیا۔ سو ذہنیت دونوں کی ایک ہے مگر عقل کے ان اندھوں سے کوئی پوچھے کہ تم سے کس نے کہا کہ اہلِ ایمان جس خدا کو مانتے ہیں، اور جو کہ معبودِ برحق ہے وہ کوئی مادی وجود رکھتا ہے۔ اور چند ہزار یا چند لاکھ فٹ اوپر کہیں کسی مکان میں بیٹھا ہوا ہے؟ جو کوئی ایسا کہتا اور سمجھتا ہوگا وہ دراصل اپنے ذہن کے اندر موجود کسی بت کے بارے میں ایسا ہی کہتا اور سمجھتا ہوگا۔ اہلِ ایمان کا خدا جو کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک ہے وہ ایسے تمام تصورات سے بالاتر اور وراء الوراء ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اس کو تم صرف عقل اور دل کی آنکھوں سے اور اس کی قدرت کے ان نشانات سے دیکھ اور پاسکتے ہو جو اس کائنات میں چاروں طرف پھیلے اور بکھرے ہوئے ہیں۔ اور اللہ پاک کی ہستی کو اس دنیا میں اور ان مادی آنکھوں سے دیکھنا تو دور کوسوں دور کی بات ہے اور دائرۂ امکان سے خارج شے ہے۔ تم لوگ ذرا اپنی اس روح کو دکھا کر بتلا دو جو اس قادرِ مطلق کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور جو خود تمہارے اپنے جسموں کے اندر موجود ہے۔ جس سے تم لوگ خود زندگی کا دم بھرتے ہو۔ سارے قدیم و جدید کمیونسٹ اور دہریے مل کر اپنے جسم کے اندر موجود اس روح کے بارے میں بتادیں کہ وہ کیسی ہے؟ کس شکل و سائز کی ہے؟ اور جسم کے کس حصے میں رہتی بستی ہے؟ اور اگر وہ اپنے جسم کے اندر موجود اس حقیقت کے دیکھنے دکھانے اور اس کی تعیین و تحدید سے بھی عاجز و قاصر ہیں اور یقیناً عاجز وقاصر ہیں تو پھر وہ خداوندِ عالم کو دیکھنے کی بات کس برتے پر کرتے ہیں؟ ۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی ۔ بہر کیف خداوندِ قدوس مادیت اور اسکے ہر شائبہ سے پاک اور وراء الوراء ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اسکو صرف انہی تعلیمات کے ذریعے اور انہی کی روشنی میں مانا جاسکتا ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے اپنے بندوں کو دی ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور جو قرآن و سنت کی صورت میں آج تک موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں راہ حق پر قائم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ

آخرکار اپنی گرفت میں لے لیا ہم نے اس کو بھی اور اس کے سب لشکروں کو بھی پھر پھینک دیا ۵۱ ہم نے ان سب کو سمندر میں سو

كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ

دیکھو کیسا ہوا انجام ظالموں کا، اور ہم نے ان کو (ان کے اپنے سوءِ اختیار کی بنا پر) ایسے پیشوا بنا دیا تھا جن کا کام ہی

اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ

دوزخ کی طرف بلانا رہ گیا تھا ۵۲ اور (اس کے نتیجے میں) ان کو قیامت کے روز کوئی مدد نہیں مل سکے گی، اور ہم نے ان کے پیچھے لگا دی

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ

لعنت اس دنیا میں (تا قیامِ قیامت) اور قیامت کے روز یہ

الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ

بڑے ہی بدحال لوگوں میں سے ہوں گے اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو بھی وہ کتاب دی تھی اس کے بعد کہ

مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۤئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى

ہم نے ہلاک (وبرباد) کر دیا تھا پہلی قوموں کو، بصیرتوں کے سامان کے طور پر لوگوں کے لیے ۵۳ اور ہدایت دینے کے لئے

۵۱ فرعون اور اس کے لشکروں کے ہولناک انجام کا ذکر:۔ سو اس سے فرعون اور اس کے لشکروں کے انتہائی ہولناک اور عبرتناک انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آخرکار اٹھا کر پھینک دیا ہم نے فرعون کو بھی اور اسکے تمام لشکروں کو بھی سمندر میں"۔ جس طرح کوڑا کرکٹ اور کچرا اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور حق پرستی کے جوہر کے بغیر انسان کوڑا کرکٹ، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر گھٹیا اور فروتر ہے۔ اور وہ لوگ یوں بھی اس سزا کے زیادہ لائق اور مستحق تھے کہ انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی تھی اور اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھ رکھا تھا۔ اس لیے ان کو ایک ایسے ہولناک عذاب میں دھر لیا گیا جسکی کوئی نظیر ومثال نہیں مل سکتی۔ جبکہ اصل عذاب تو آخرت کا عذاب ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾۔ (القلم:۳۳)۔ یعنی "اسی طرح ہوتا ہے عذاب اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا کاش کہ یہ لوگ جان لیتے" اس حقیقت کو اپنے وقت پر۔ سو استکبار یعنی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں حق سے منہ موڑنے کا آخری نتیجہ وانجام بہرحال ہولناک تباہی اور دائمی ہلاکت ہے۔ پس تم دیکھو کہ کیسا ہوا انجام ظالموں کا کہ یہی اصل مقصد ہے ان قصوں کے سنانے اور بیان کرنے کا کہ ان سے انسان عبرت پکڑے اور راہِ حق وصواب کو اپنا کر خود اپنے بھلے کا سامان کرے۔ سو اس ارشاد میں حضرت امام الانبیاءؑ اور آپؐ کے توسط سے ہر داعیِ حق کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ انجامِ

کار کامیابی بہر حال حق اور اہلِ حق ہی کی ہے۔ نیز اس میں تنبیہ و تذکیر ہے وقت کے ان فرعونوں کیلئے جو حق کو قبول کرنے کی بجائے اس کا راستہ روکنے اور اسکو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ مخالفتِ حق کی اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو ان کا حشر و انجام بھی وہی ہوگا جو حضرتِ موسیٰ کا مقابلہ کرنے والے اس فرعون اور اسکے اعوان و انصار کا ہو چکا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کہ اللہ کا قانون بے لاگ اور سب کے لیے یکساں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۵۲ منکرینِ حق دوزخیوں کے امام و پیشوا۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے ان کو ایسے پیشوا بنا دیا تھا جو بلاتے تھے دوزخ کی طرف" اور "ہم نے بنایا" کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا قانون و دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ ہم ایسوں کو اسی طرح ڈھیل دیتے ہیں جس سے وہ اپنے کفر و سرکشی میں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ورنہ ہم اگر ان کو جبراً روکنا چاہتے تو روک دیتے کہ ہماری مشیت کے بغیر ہماری اس کائنات میں کوئی پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ مگر ایسا جبری ایمان و ہدایت تو ہماری مشیت کا تقاضا ہی نہیں کہ امتحان اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہر کسی کو ارادہ و اختیار کی آزادی حاصل ہو۔ سو ﴿جعلنا﴾ یہاں پر "امھلنا" کے مفہوم پر متضمن و مشتمل ہے۔ سو اس سے یہ لوگ بے فکر و لاپرواہ ہو گئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور اس سے وہ اتنے مست و مگن اور متکبر ہو گئے کہ دوزخ کی طرف بلانے والے لیڈر بن گئے اور اسکے نتیجے میں یہ خود دوزخیوں کے امام اور دوزخ کا ایندھن بن گئے۔ والعیاذ باللہ۔ وہاں انکی کوئی مدد نہیں ہوگی اور جن کے یہ امام و پیشوا بنے ہوئے تھے وہ سب ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ ہر ایک پر نفسا نفسی کی حالت طاری ہوگی۔ نہ لیڈر پیروؤں کے کچھ کام آسکیں گے اور نہ پیرو لیڈروں کے۔ سو اہلِ کفر و باطل کو جو مہلت اور ڈھیل ملتی ہے وہ ان کے لیے کوئی رضائے الٰہی کا سرٹیفکیٹ اور اس کی خوشنودی کا تمغہ نہیں ہوتا بلکہ وہ دراصل ان کے عذاب میں اضافے کا سامان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین

۵۳ کتابِ الٰہی بصیرتوں کا سامان اور ہدایت و رحمت کا ذریعہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پہلی قوموں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰ کو وہ کتاب عطا کی جو کہ لوگوں کے لیے بصیرتوں کا مجموعہ تھی سراسر ہدایت اور عین رحمت بنا کر تاکہ وہ لوگ سبق لیں اور اسکی روشنی میں اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان کریں"۔ سو بصیرتوں کے اس سامان پر اگر وہ لوگ غور کرتے اور اس کو سچے دل سے اپناتے اور قبول کرتے اور اس پر ایمان لے آتے تو اس سے ان کو حق کی وہ راہ ملتی اور ہدایت کی وہ روشنی نصیب ہوتی جس سے یہ دارین کی سعادتوں اور فوز و فلاح سے سرفراز اور مشرف ہوتے۔ مگر انہوں نے اس سے منہ موڑ کر اور حق کا انکار کر کے اپنے آپ کو دائمی ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں ڈال دیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو کتابِ الٰہی بہر حال بصیرتوں کا سامان ہوتی ہے۔ بصیرت باطن کی روشنی کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کے دل و دماغ روشن ہوتے ہیں۔ سو کتابِ الٰہی کی روشنی اور نورِ حق و ہدایت کی برکت سے انسان کے دل و دماغ کی صلاحیتوں اور تعقل و تفکر کی قوتوں کو جلا ملتی ہے۔ سو انسان جب جلا بخشنے والی ان آیتوں کو صدقِ دل سے اپناتا اور اختیار کرتا ہے تو کتابِ الٰہی اس کیلئے ہدایت اور نور بن جاتی ہے۔ اور وہ اس کیلئے راہِ حق کو روشن اور واضح کر دیتی ہے۔ اور پھر اسکو رحمت سے نوازتی ہے جس کی آخری صورت جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی ہے۔ سو بصیرت اور ہدایت و رحمت کی یہ تینوں صفتیں اپنے دور میں تورات میں بھی موجود تھیں۔ اور اب یہ اپنی آخری اور کامل شکل میں قرآنِ حکیم کی اس کتابِ کامل میں پائی جاتی ہیں۔ والحمد للہ۔ سو جو لوگ اس پر ایمان سے محروم ہیں وہ سراسر اندھیروں کے اندر ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال، سبحانہ، وتعالیٰ

وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ

اور رحمت کا ذریعہ بنا کر، تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں، اور آپ (اے پیغمبر!) اس وقت طور

الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ

کی مغربی جانب موجود نہ تھے، جب کہ ہم نے موسیٰ کی طرف اپنا فرمان بھیجا (وحی کے ذریعے اور اپنے احکام کی صورت

الشَّاهِدِينَ ﴿٤٤﴾ وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ

میں،) اور نہ ہی آپ سرے سے ان لوگوں میں ہی شامل تھے جو (اس زمانے میں) موجود تھے ۵۴ لیکن ہم ہی نے (اس

الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو

دوران) بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر بھی بہت زمانہ گزر گیا، اور نہ ہی آپ مدین والوں میں قیام پذیر تھے کہ ان لوگوں کو

عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنتَ

ہماری آیتیں (ٹھیک ٹھیک) سنا رہے ہوتے، بلکہ (یہ سب کچھ آپ کو ہماری وحی سے معلوم ہوا کہ) ہم ہی ہیں پیغمبر بنا کر بھیجنے

بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ

والے ۵۵ اور نہ ہی آپ طور کی جانب میں موجود تھے (اس وقت) جب کہ ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا لیکن (اس سب کا علم بھی آپ کو

لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ

اپنے رب کی ایک خاص رحمت کے سبب ہوا ۵۶ تاکہ آپ خبردار کریں (غفلت میں پڑے) ان لوگوں کو جن کے پاس آپ سے پہلے

۵۴ **پیغمبر ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے:-** سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ۔ اے پیغمبر! - اس وقت طور کی مغربی جانب موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کی طرف اپنا فرمان بھیجا۔ اور نہ ہی آپ سرے سے ان لوگوں میں ہی شامل تھے جو اس زمانے میں موجود تھے"۔ کہ اس بنا پر آپ وہاں کے اور ان لوگوں کے حالات دیکھ کر اس طرح بیان کرتے۔ کچھ نہیں بلکہ یہ سب کچھ آپؐ کو آپؐ کے رب نے وحی کے ذریعے بتایا جو آپؐ کی نبوت و رسالت کی واضح و صریح دلیل اور آپ کی حقانیت کا کھلا ثبوت ہے۔ (ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو بغیر کسی سے سیکھے پڑھے کے صدیوں پہلے کے ان واقعات کو اس قدر تفصیل اور اتنی باریکیوں کے ساتھ بیان کرنا بلاشبہ نبی اُمّی کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے جس سے حضرتِ حق -جل مجدہ- نے آپ کو نوازا ہے۔ اور بعض حضرات نے یہاں پر ﴿شاھدین﴾ سے وہ ستر اشخاص مراد لئے ہیں جو حضرتِ موسیٰ کے ساتھ کوہِ طور پر تحقیق کرنے کی غرض سے گئے تھے۔

(روح، المراغی وغیرہ)۔ مدعا اس صورت میں بھی وہی رہتا ہے کہ ان مشاہدین کے ساتھ اور اس موقعہ پر موجود نہ ہونے کے باوجود ان کے بارے میں اس طرح خبر دینا آپ کی نبوت و رسالت کا کھلا ثبوت اور قطعی دلیل ہے۔ سو اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر ہر جگہ موجود اور حاضر اور ناظر نہیں ہوتے۔ جس طرح اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ بلکہ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہونا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی صفت و شان ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۵۵ شرف رسالت سے نوازنا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت وشان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور ہم ہی ہیں رسول بھیجنے والے۔ سو ہم نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور یہ سب کچھ بذریعہ وحی آپ کو بتایا۔ ورنہ یہ قومیں تو کبھی کی ختم ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے آثار و نشانات بھی مٹ گئے اور ان کے بارے میں کچھ جاننے کے لئے کوئی قابلِ اعتماد ذریعہ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ تو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے حضرتِ خاتم الانبیاء۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو نبوت و رسالت کے شرف سے نوازا اور آپ کو اس عظیم منصب کے لئے منتخب فرمایا۔ اور آپ کو وحی کے ذریعے ان گزشتہ اقوام اور ان کے احوال و وقائع کی تفصیلات سے اس طرح آگاہ فرمایا۔ سو ان قصص و واقعات کے ذکر و بیان میں جہاں دیگر بہت سے دروسِ عبرت و بصیرت ہیں وہاں یہ آپ کی صداقت وحقانیت کی ایک کھلی دلیل اور واضح ثبوت بھی ہے۔ بہرکیف ہمیں چونکہ اپنی مخلوق کی ہدایت و راہنمائی اور انکی اصلاح کیلئے رسول بھیجنا ہی ہوتا ہے کہ ہدایت کو ہم نے اپنے وعدۂ کرم کے ذمے لے رکھا ہے اسی لیے جب ہم نے موسیٰ کے بعد بہت سی نسلیں پیدا کیں اور ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا اور لوگ ہماری اس کتاب کو بھلا بیٹھے جس کو ہم نے ان کیلئے ہدایت اور رحمت بنا کر اتارا تھا تو اب یہ امر ضروری ہو گیا تھا کہ ہم آپ کے ذریعے اس ہدایت کو از سرِ نو زندہ کر دیں۔ تو ہم نے آپ پر اپنی یہ آخری اور کامل کتاب اتاری اور اسکے ذریعے آپکو ان گزشتہ امتوں کے ان حالات سے خبردار کیا۔ ورنہ آپ نہ اس وقت طور کی غربی جانب میں موجود تھے جبکہ موسیٰ کو تورات دی گئی اور نہ ہی آپ مدین والوں کے اندر موجود تھے کہ شعیب کی دعوت اور انکی قوم کے انجام سے واقف ہوتے۔ اور موسیٰ کے اس دور کے حالات سے واقف و آگاہ ہوتے۔ بلکہ یہ سب کچھ ہم نے آپ کو اپنی وحی کے ذریعے بتایا جو آپکی صداقت وحقانیت کا ایک واضح ثبوت ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔ وانہ، ہو العزیز الوہاب۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین

۵۶ پیغمبر کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ نہ ہی آپ طور کے پاس موجود تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو پکارا۔ بلکہ آپ کو اس سب کا علم اپنے رب کی خاص رحمت کی بنا پر ہوا۔ چنانچہ ہم نے اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم اور اپنے انتخاب سے آپ کو اس منصب کے لئے چنا اور آپ کو وحی کے ذریعے ان تمام تفصیلات سے آگہی بخشی۔ ورنہ نہ تو ان گزشتہ واقعات کو صحیح طور پر اس طرح جاننے کا اور کوئی ذریعہ آپکے پاس موجود تھا اور نہ ہی آپ کے بس میں تھا کہ آپ از خود ان کو اس قدر تفصیلات اور ان باریکیوں کے ساتھ بیان کریں۔ سو یہ آپ کی حقانیت کی صاف وصریح دلیل اور قطعی ثبوت ہے۔ (روح، قرطبی، مراغی، محاسن، ابنِ کثیر، صفوہ، فتح اور معارف وغیرہ وغیرہ)۔ ان آیاتِ کریمات میں ﴿وَمَا كُنْتَ﴾ ﴿وَمَا كُنْتَ﴾ کے اعادہ و تکرار سے یہ حقیقت پوری طرح واضح اور مؤکد ہو جاتی ہے کہ پیغمبر ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ بلکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ اسی کی صفت ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ پس اس طرح کے ارشادات سے اہلِ بدعت کے حاضر و ناظر کے شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ والحمد للہ۔ مگر تعجب ہوتا ہے کہ اس قدر صاف وصریح نصوص کے باوجود اور عقل ونقل کے کھلے تقاضوں کے برعکس یہ لوگ اس طرح کے نامعقول عقیدوں کو کس طرح اپنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فکر و عمل کی ہر کجی اور ہر قسم کے انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر ثابت و مستقیم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَآ أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌۢ

کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۵۷ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان لوگوں کو آ پہنچتی کوئی مصیبت ان کے اپنے

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَآ أَرْسَلْتَ

کرتوتوں کے باعث، پھر یہ یوں کہتے کہ اے ہمارے رب تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی،

إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ ءَايَٰتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾

اور ہم ہو جاتے ایمانداروں میں سے (سو اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم ایسے ناشکرے اور ہٹ دھرموں کے پاس اپنا رسول بھیجتے ہی نہ) ۵۸

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا لَوْلَآ أُوتِيَ

مگر جب ان کے پاس آ گیا حق ہماری طرف سے ۵۹ تو یہ (ناشکرے لوگ اس کو ماننے کی بجائے یوں)

۵۷ پیغمبر کی بعثت کا بڑا اور اہم مقصد اِنذار: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ کو آپ کے رب نے اپنی وحی اور نبوت و رسالت کے اس شرفِ عظیم سے اس لیے نوازا کہ آپ خبردار کریں غفلت میں پڑے ان لوگوں کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تاکہ یہ لوگ سبق لیں اور اس کے نتیجے میں یہ کفر و انکار اور ہلاکت و تباہی کے راستے سے باز آ جائیں۔ یعنی آپ کے رب نے محض اپنی رحمتِ بے پایاں سے یہ قرآنِ حکیم نازل فرمایا جس میں پوری نوعِ انسانیت کی صلاح و فلاح اور دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ تاکہ یہ لوگ اس کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی میں اپنے لئے دارین کی فوز و فلاح اور سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکیں۔ مگر انہوں نے ناشکری اور بے قدری سے کام لے کر اس سے منہ موڑا اور اِعراض برتا۔ اور اس طرح انہوں نے خود اپنے لئے ہلاکت و تباہی کا سامان کیا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہر کیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل کرنے کا یہ اہتمام و انتظام اس لیے فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کو خبردار کریں ان کے انجام سے اور ان کو بتائیں کہ انکی زندگی کا اصل مقصد کیا ہے۔ ان کو کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے۔ انکی فلاح اور نجات کس میں ہے اور ہلاکت و تباہی کس میں ہے۔ سو یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک عظیم الشان رحمت اور بے مثال کرم ہے جس سے اس نے دنیا کو نوازا ہے۔ پس اگر یہ لوگ اس کی قدر نہیں کریں گے تو اس کا سخت بھگتان انکو بھگتنا ہوگا - والعیاذ باللہ من کل زیغ و ضلال و سوء وانحراف - اللہ ہمیشہ راہِ حق پر قائم اور ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۵۸ رسول کی بعثت اِتمامِ حجت کیلئے: - کہ ان لوگوں پر اگر کوئی مصیبت آ پہنچتی ان کے اپنے کرتوتوں کی بنا پر تو اس وقت یہ لوگ یوں کہنے لگتے کہ اے ہمارے رب تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم پیروی کرتے تیری

آیتوں کی اور ہم ہو جاتے ایمان والوں میں سے۔ سو اگر ایسی بات نہ ہوتی تو ہم ایسے ناشکرے اور ہٹ دھرم لوگوں کے پاس اپنا رسول بھیجتے ہی نہ کہ انہوں نے ماننا جب نہیں اور ہمیں اپنے علم ازلی و ابدی کی بنا پر پتہ تھا کہ انہوں ماننا نہیں تو پھر ان کے پاس رسول بھیجنے کا فائدہ ہی کیا؟ لیکن اس صورت میں ان کے لئے حیلے بہانے اور عذر کرنے کی گنجائش بہر حال باقی رہتی۔ اور یہ لوگ یوں کہتے کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول بھیجا جاتا تو ہم ضرور اس پر ایمان لے آتے اور اس کی اِتباع و پیروی کرتے۔ سو اب ان کے لئے اس طرح کے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ سو رسولوں کا بھیجنا دراصل اِتمامِ حجت اور قطعِ عذر کے لئے ہے کہ ماننے والے مان کر دارین کی سعادت اور فوز و فلاح سے فیضیاب و ہمکنار ہو جائیں اور نہ ماننے والوں کے لئے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا- ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾- (النساء:۱۶۵)۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہتے تو بغیر کسی رسول کی بعثت کے ان کو پکڑ لیتے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا تا کہ یہ لوگ یہ عذر نہ کر سکیں کہ اگر اللہ ہمارے پاس کوئی رسول بھیجتا تو ہم ضرور اللہ کی آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمانداروں میں سے ہو جاتے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فطرت کی جو روشنی بخشی ہے وہ بھی انسان کو گمراہی اور بدعملی کی زندگی سے روکنے کیلئے کافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ محض اس فطری ہدایت کی بنا پر لوگوں کو انکی گمراہی اور بدعملی پر سزا دیتا تو یہ بات عدل کے خلاف نہ ہوتی۔ لیکن اس نے قطعِ حجت کیلئے رسول بھی بھیجے اور صرف عقل و خرد کی روشنی پر اکتفاء نہیں فرمایا۔ سو یہ اس کا کرم بالائے کرم ہے- جو اس نے اپنی مخلوق پر فرمایا۔ سبحانہ، وتعالیٰ-

۵۹ انسان کی بے قدری اور ناشکری کا ایک نمونہ و مظہر: -سو حق تعالیٰ نے دنیا کو نورِ حق و ہدایت کی نعمتِ عظمیٰ سے نوازا لیکن لوگوں کی طرف سے اس کا انکار اور کفرانِ نعمت ہی سامنے آیا- الا ماشاء اللہ- یعنی ان کو کرم بالائے کرم سے نوازا گیا مگر انہوں نے اس کا جواب کفرانِ نعمت اور ناشکری ہی سے دیا- والعیاذ باللہ- کیونکہ حق و ہدایت کی روشنی جو سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے اس سے ان کو نوازا گیا۔ اور وہ بھی اس وقت اور ایسے دور میں جب کہ کتبِ سابقہ اور ان کی پاکیزہ تعلیمات کو مٹا اور مسخ کر کے کچھ کا کچھ بنا دیا گیا تھا۔ اور چار سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اور یہ لوگ خود کہا کرتے تھے اور رہ رہ کر کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی کتابِ حق و ہدایت ہوتی تو ہم ضرور اس کی پیروی کرتے۔ تو ایسی فضا اور اس طرح کی صورتِ حال میں جب نورِ حق و ہدایت اپنی کامل اور آخری شکل میں حضرتِ وھاب مطلق- جل وعلا- کی بے پایاں رحمت و عنایت سے ان لوگوں کے پاس خود پہنچ گیا تو انہوں نے اس کو ماننے اور اپنانے کی بجائے اس کے ساتھ کفر کیا۔ اور یہ الٹا اس کے راستے کو روکنے کے لئے کوشاں ہو گئے۔ اور اسکے لئے یہ اس طرح کی لایعنی باتوں اور فضول و بے مقصد حجت بازیوں سے کام لینے لگے۔ سو یہ کس قدر بے انصافی، کتنی بے قدری و ناشکری اور کس قدر ظلم ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ کفرانِ نعمت اور ناشکری سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر ثابت و مستقیم رکھے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین۔

مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ اَوَلَمْ یَکْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی

کہنے لگے کہ ان کو بھی وہی کچھ کیوں نہ دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا؟ ف۶۰ کیا یہ لوگ اس سے پہلے اس کا بھی انکار نہیں کر چکے

مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِکُلٍّ

جو کہ موسیٰ کو دیا گیا تھا؟ ف۶۱ اور انہوں نے (پوری ڈھٹائی سے) کہا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ف۶۲ اور

کٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِکِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ

کہتے ہیں کہ ہم (ان دونوں میں سے) ہر ایک کے منکر ہیں، (ان سے) کہو کہ اچھا تو تم خود ہی لے آؤ کوئی ایسی کتاب

اَهْدٰی مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ

اللہ کے یہاں سے جو ان دونوں سے بڑھ کر ہدایت بخشنے والی ہو، میں خود بھی اسی کی پیروی کرلوں گا اگر تم سچے ہو ف۶۳ پھر اگر

۶۰ منکرین کا پیغمبر پر ایک لچر اور بے معنی اعتراض: سو منکرین کا اعتراض یہ تھا کہ "اس پیغمبر کو وہی کچھ کیوں نہیں دیا گیا جو کہ موسیٰ کو دیا گیا تھا"، یعنی عصا اور ید بیضا وغیرہ کے معجزات اور تورات کی طرح قرآن پاک کا بھی یکجا طور پر نازل ہونا وغیرہ۔ (ابن کثیر، مراغی وغیرہ)۔ یہ اعتراض اگرچہ بظاہر کفار قریش کی طرف سے کیا جا رہا تھا لیکن اس کے پیچھے اصل میں یہودی ذہنیت کارفرما تھی۔ وہی ان کے اندر یہ پھونک مار رہے تھے کہ ان صاحب سے پوچھو کہ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو پھر آپ بھی وہی معجزات کیوں نہیں پیش کرتے جو اس سے پہلے موسیٰ نے پیش کیے۔ اور جب آپ اس طرح کے معجزات پیش نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے دعوائے نبوت میں سچے نہیں ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور کفار قریش یہود کے اکسانے سکھلانے پر یہ اعتراض آگے پھیلا رہے تھے۔ قرآن حکیم میں یہاں پر اسی کا جواب دیا گیا ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ "جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے تو انہوں نے کہا کہ اس پیغمبر کو بھی ویسا ہی کچھ کیوں نہیں دیا گیا جو کہ اس سے پہلے موسیٰ کو دیا گیا"۔ یہاں پر حق کا لفظ رسول اور کتاب دونوں پر مشتمل ہے کہ ان میں سے ہر ایک حق بھی ہے اور ایک دوسرے کو مستلزم بھی۔ ان میں سے ایک کا ماننا دوسرے کے ماننے کو مستلزم ہے اور ایک کا انکار دوسرے کے انکار کو۔ سو یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور ﴿من عندنا﴾ کا ارشاد اس کی عظمت شان کو واضح کرنے کے لیے ہے۔ سو ایسے میں ان لوگوں کا یہ اعتراض کرنا محض بہانہ بازی اور حیلہ جوئی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ زیغ وضلال کی ہر قسم اور ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

۶۱ منکرین کے اعتراض کا جواب: سو ان لوگوں کے اس اعتراض کی تردید اور اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا ان لوگوں نے اسکا انکار نہیں کیا جو کہ اس سے پہلے موسیٰ کو دیا گیا تھا؟"۔ یعنی آج تو یہ لوگ یوں کہتے ہیں

کہ اس پیغمبر پر وہی کچھ کیوں نہیں اترا جو اس سے پہلے موسیٰ پر اتر چکا ہے۔ گویا کہ اگر ایسے ہو جاتا تو یہ ضرور ایمان لے آتے۔ حالانکہ اس سے پہلے اس کا بھی ان لوگوں نے انکار کیا جو ان کے پیشرو تھے اور جن کے نقشِ قدم پر یہ لوگ آج چل رہے ہیں۔ سوانہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والے حق کا اسی طرح انکار کیا تھا جس طرح آج یہ کر رہے ہیں۔ تو انکارِ حق میں یہ سب شریک اور ہمرنگ ہیں۔ اس لئے ان موجودہ کفار سے فرمایا جا رہا ہے کہ کیا اس وقت کے کفار نے بھی حق کا انکار اسی طرح نہیں کیا تھا جس طرح کہ آج تم کر رہے ہو؟ - ﴿ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو آج کے ان منکروں کے دلوں میں بھی وہی رعونت ہے جو کل کے ان فرعونوں کے دلوں میں تھی۔ اور ان کا عمل بھی گویا انہی کا عمل ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا - اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے، امین

۶۲ ماضی کے منکرین کے حق پر اعتراض کا ذکر: - سو اس ماضی کے ان منکرین کے حق پر اعتراض کا ذکر فرمایا گیا ہے - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''انہوں نے کہا کہ یہ دونوں بڑے جادوگر ہیں جن کا باہم گٹھ جوڑ ہے''۔ اور ان دونوں میں ایک ہی کی طرح کی باتیں ہیں۔ یعنی تورات اور قرآن میں۔ جبکہ ﴿ سحران ﴾ کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے۔ اور اگر ''سحر'' کو ''ساحر'' کے معنیٰ میں لیا جائے۔ جیسا کہ دوسری قراءت میں ﴿ ساحران ﴾ ہی آیا ہے تو اس صورت میں اس سے مراد حضرتِ موسیٰ اور حضرت محمد ہوں گے۔ یا حضرتِ موسیٰ و ہارون - علیٰ جمیعہم الصلوٰۃ والسلام - (روح، ابنِ کثیر، معالم، مدارک، کبیر وغیرہ وغیرہ)۔ اور اس صورت میں ''سحر'' کا اِطلاق ''ساحر'' پر بطورِ مبالغہ ہوگا۔ جیسا کہ ''زید عدل'' میں پایا جاتا ہے۔ یعنی یہ دونوں بڑے جادوگر ہیں۔ نبوت و رسالت کی بات یہ دونوں محض اپنی دھونس جمانے کے لیے کہتے ہیں۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ اعتراض محض لچر اور بالکل بے حقیقت ہے۔ جس کی نہ کوئی اصل ہے نہ اساس سوائے حیلہ جوئی اور خواہ مخواہ کی حجت بازی کے - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر ثابت و مستقیم رکھے اور ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۶۳ منکرین سے قطعِ حجت کیلئے ایک فیصلہ کن مطالبہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ان سے کہو کہ اچھا تو پھر تم ہی کوئی ایسی کتاب اللہ کے یہاں سے لے آؤ جو ان دونوں یعنی قرآن اور تورات سے بڑھ کر ہدایت بخشنے والی ہو۔ میں بھی اسی کی پیروی کروں گا۔ اگر تم لوگ سچے ہو''۔ اپنے قول و قرار اور الزام و اتہام میں۔ تو تم ایسی کوئی کتاب ہدایت لے آؤ ہم بھی اسی کی پیروی کریں گے۔ کیونکہ اصل مقصد تو بہر حال حق و ہدایت کی پیروی ہی ہے۔ مگر ان کے لئے ایسا کرنا کہاں اور کیسے ممکن ہو سکتا ہے جبکہ اس کتابِ عظیم قرآنِ حکیم سے بہتر کوئی کتاب نہ موجود ہے نہ ممکن ہو سکتی ہے۔ بہر کیف اس سے قطعِ حجت کیلئے ان لوگوں سے یہ فیصلہ کن مطالبہ فرمایا گیا کہ اگر تمہاری اس بات کے اندر سچائی کا کوئی شائبہ بھی موجود ہے تو تم ایسی کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں یعنی قرآن اور تورات سے بڑھ کر ہدایت دینے والی ہو۔ میں اسی کی پیروی کرونگا۔ اور جب تم ایسا نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو پھر تم صدقِ دل سے اس قرآن پر ایمان لا کر اپنے لیے سعادتِ دارین سے سرفرازی کا سامان کرو۔ ورنہ ہمیشہ کی محرومی اور ہولناک انجام کیلئے تیار ہو جاؤ - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے - آمین ثم آمین۔ یا رب العالمین ویا ارحم الراحمین

يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ

یہ لوگ آپ کا یہ مطالبہ پورا نہ کرسکیں تو یقین جان لو کہ یہ لوگ محض اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اس سے

اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ

بڑھ کر گمراہ (اور بدبخت) اور کون ہوسکتا ہے؟ جو اپنی خواہشات ہی کے پیچھے چلتا ہو؟ بغیر اللہ کی کسی ہدایت کے،

ع ۵

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ

بے شک اللہ ہدایت (کی دولت) سے سرفراز نہیں فرماتا ایسے ظالم لوگوں کو، ف۶۴ اور بلاشبہ

وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

ہم پے در پے بھیجتے رہے اپنا کلام ان لوگوں کے (بھلے کے) لئے تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں ف۶۵ جن لوگوں کو ہم نے اس

النصف

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى

(قرآن) سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، ف۶۶ اور جب یہ ان کو

عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا

پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے، یہ تو قطعی طور پر حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو

۶۴ __ظالم نورِ حق و ہدایت سے محروم ۔ والعیاذ باللہ:__ ۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ظالم لوگ نورِ حق و ہدایت سے سرفراز نہیں ہوسکتے ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت کی دولت سے نہیں نوازتا ظالم لوگوں کو"۔ کیونکہ وہ ربِّ رحمٰن و رحیم ہدایت کی نعمتِ عظمیٰ سے نوازتا اسی کو ہے جس کے دل میں حق اور ہدایت کی طلب ہو ۔ اور وہ طلب ایسے ظالموں کے پاس ہوتی نہیں ۔ اس لئے یہ ہدایت کے نور سے سرفراز و فیضیاب نہیں ہوسکتے ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ تمہارے اس چیلنج کے جواب میں نہ کوئی ایسی کتاب پیش کرسکتے ہیں جو ان دونوں یعنی قرآن اور تورات سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو اور نہ ہی یہ ان دونوں کی پیروی کیلئے تیار ہوتے ہیں تو اس کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ یہ لوگ حق اور ہدایت کی پیروی کرنا چاہتے ہی نہیں ۔ بلکہ یہ اللہ کی ہدایت سے منہ موڑ کر محض اپنی خواہشات کی اِتباع اور پیروی کرنا چاہتے ہیں ۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور محروم شخص اور کوئی نہیں ہوسکتا جو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر محض خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے میں لگ جائے ۔ سو ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ نورِ حق و ہدایت سے سرفراز نہیں فرماتا ۔ سبحانہ، وتعالیٰ ۔ سو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو راہِ حق و ہدایت سے آگاہی بخشنے اور ان کو صراطِ مستقیم کی اس شاہراہِ اعظم سے نوازنے کی ہدایت کی روشنی نازل فرمائی

جو کہ انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی واحد راہ ہے۔ مگر لوگوں نے اس کے برعکس اس سے منہ موڑ کر اَہواء و خواہشاتِ نفس کی اس راہ کو اپنایا جو کہ انسان کو انسانیت کے منصبِ شرف سے گرا کر حیوانیتِ محضہ کے قعرِ مذلت میں ڈال دینے والی ہے۔ سو اس طرح ایسے لوگ ظالم بن کر نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو گئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۵ ہدایت کے تسلسل کا ذکر و بیان: سو ہدایت سے سرفرازی کے لیے قدرت کی طرف سے غیر منقطع انتظام فرمایا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کی خاطر اس بات کا خاص اہتمام فرمایا گیا کہ تعلیم و تذکیر کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہونے پائے۔ سو اسی بنا پر حضرتِ موسیٰ پر اتاری گئی کتاب یعنی تورات کو اس کے حاملوں نے فراموش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے نبی اُمّی پر اس کتابِ حکیم یعنی قرآنِ کریم کو نازل فرمایا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم پے در پے بھیجتے رہے لوگوں کے لیے اپنا کلام تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں۔ سو تورات کے بعد قرآنِ حکیم کو اتارا گیا۔ سو اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا گیا کہ ہم یہ قرآنِ حکیم پے در پے ان کے پاس بھیجتے رہے اور ان کو اپنے احکام سناتے رہے۔ اور ایک کے بعد دوسری آیت ان کے لئے اتارتے گئے تاکہ یہ ہدایت پا سکیں اور راہِ راست پر آ سکیں۔ اور حق کو ان کے لئے طرح طرح سے واضح کر دیا جائے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، زاد المسیر اور المراغی وغیرہ)۔ سو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کیلئے اپنے کلام مبارک کے اتارنے کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں فرمایا بلکہ اس تسلسل کو باقی اور قائم رکھا۔ تاکہ لوگ نورِ حق و ہدایت سے ہمیشہ سرفراز و فیضیاب ہوتے رہیں۔ اور راہ حق کو اپنا سکیں۔

۶۶ اہلِ کتاب کے صالح عناصر کے رویے کی تحسین: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جن لوگوں کو ہم نے اس۔ قرآن۔ سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں"۔ ان پانچ آیتوں کے شانِ نزول کے بارے میں روایات میں وارد ہے کہ نصاریٰ حبشہ کے عیسائی علماء کی ایک جماعت جس کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ بیس، چالیس، ستر یا کم و بیش۔ ان کو حبشہ سے مدینہ منورہ تحقیقِ حال کے لئے بھیجا گیا۔ یہاں پہنچ کر جب انہوں نے آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے قرآنِ پاک سنا اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں انہوں نے معلومات حاصل کیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دین بلاشبہ دینِ حق ہے۔ اس لئے وہ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے اور انہوں نے صحابہ کرام کے اِفلاس و غربت کو دیکھ کر اپنی طرف سے مالی اِمداد کی پیشکش بھی کی۔ اس پر ابو جہل وغیرہ سردارانِ قریش نے ان کو بہت کچھ برا بھلا کہا کہ تم جیسا احمق ہم نے کوئی نہیں دیکھا کہ تم کو تو بھیجا گیا تھا تحقیقِ حال کے لئے اور تم نے اس کی بجائے خود ہی اسلام قبول کر لیا۔ تو اس پر انہوں نے کہا کہ ہم نے جو کچھ کیا سوچ سمجھ کر اور ٹھیک کیا۔ تم لوگ اگر اس کو نہیں مانتے تو تمہیں اپنے اعمال پہنچے اور ہمیں اپنے۔ تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں۔ (ابنِ کثیر، المراغی، المحاسن اور المعارف وغیرہ)۔ سو یہ قرآنِ پاک کی صداقت اور اسکی حقانیت کیلئے ایک سند کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اگر لاخیرے اور ناشکرے قسم کے لوگ اس کتابِ حکیم پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ اہلِ کتاب کے ایسے صالح اور صدق شعار لوگ اس نعمتِ کبریٰ کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس پر ایمان لا رہے ہیں۔ اور وہ اسکو سن کر پکار اٹھتے ہیں کہ بیشک یہی حق ہے جو ہمارے رب کی طرف سے ہے اور ہم اس پر پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ پس جو لوگ اس کا انکار کرتے اور اس سے منہ موڑتے ہیں وہ اپنی ہی شامت کو دعوت دے رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ

اس سے پہلے ہی مانتے تھے، ف۶۷ ایسے لوگوں کو ان کا دوہرا اجر دیا جائے گا، ف۶۸

بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا

اس بناء پر کہ انہوں نے صبر (واستقامت) سے کام لیا اور یہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں، ف۶۹ اور جو کچھ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا

ہم نے ان کو دیا ہوتا ہے اس میں سے (ہماری رضا کے لئے) خرچ کرتے ہیں، اور جب بے ہودہ بات کان میں پڑ جائے تو یہ

عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ

اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم کو سلام ہے ف۷۰ ہم

۶۷ ایمان، سچے لوگوں کے دل کی پکار:- سو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کا کہنا تھا کہ ہم تو اسکو پہلے ہی مانتے تھے- یعنی ہمارا تو کام ہی حق کو ماننا اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کردینا ہے اور بس۔ سو جب پیغامِ حق وہدایت اس سے پہلے تورات وانجیل کی شکل میں ہمارے پاس آیا تو ہم نے اس کو قبول کرلیا تھا۔ اور اب جبکہ وہ قرآنِ پاک کے ابدی اور آخری پیغام کی شکل میں اترا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ نیز ہم پہلی کتابوں پر اپنے ایمان کے ضمن میں بھی اس پر پہلے سے ہی ایمان رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کتابوں کے اندر اس کا تذکرہ موجود تھا۔ اور یوں بھی تمام کتابوں کا مرکزی پیغام ہمیشہ ایک ہی رہا۔ یہودیت اور نصرانیت وغیرہ کے ناموں سے اس پر جو اضافے کئے گئے وہ لوگوں نے اپنی طرف سے بعد میں کئے۔ ورنہ اصل حقیقت یہی ہے کہ- ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾- کہ دینِ حق تو اللہ کے یہاں ہمیشہ ایک ہی رہا یعنی اسلام۔ اس لئے ہم پہلے قرآنِ حکیم پر ضمنی اور اجمالی طور پر ایمان رکھتے تھے اور اب اس پر صریح، واضح اور تفصیلی طور پر ایمان لے آئے ہیں۔ لفظ ﴿ مسلمین ﴾ سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہم پہلے سے ہی اپنے آپ کو اس کتابِ موعود اور اس رسولِ خاتم کے حوالے کردینے کے منتظر تھے۔ چنانچہ جب ہم نے ان کو پایا اور ان کو پرکھ کر دیکھا اور اطمینان کرلیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کے ہم منتظر تھے تو ہم فوراً اور بغیر کسی لیت ولعل کے ان پر ایمان لے آئے۔ اور یہی شان ہوتی ہے سلیم الطبع لوگوں کی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

۶۸ مومنین صادقین کیلئے دوہرے اجر کی بشارت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کو دوہرے اجر سے نوازا جائے گا- ایک اجر اس پر کہ وہ اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب پر ایمان لائے۔ اور دوسرا اس پر کہ وہ نبی آخر الزمان اور ان کی کتاب یعنی قرآنِ مجید پر بھی صدقِ دل سے ایمان لے آئے اور اپنے اس ایمان پر سچے دل سے قائم اور ثابت قدم رہے۔ اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات ومصائب کو انہوں نے استقلال واستقامت سے برداشت کیا اور اپنے سینوں اور اپنے بواطن کو نورِ ایمان ویقین سے منور ومعمور رکھا اور سعادتِ دارین سے سرفرازی وبہرہ مندی کا سامان کیا۔ سو ایمان وعقیدہ اور ثبات واستقامت ہی شاہ کلید

ہے صلاح وفلاح کی۔اور صحیح بخاری ومسلم کی روایات میں فرمایا گیا کہ تین شخصوں کو ان کے اعمال کا دوہرا اجر ملتا ہے۔ایک وہ اہلِ کتاب جو اپنی کتاب پر ایمان رکھتا تھا اور پھر قرآن پر بھی ایمان لایا۔دوسرا وہ غلام جو اپنے رب کا حق بھی ادا کرے اور اپنے آقا کا بھی۔اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس ایک ایسی باندی ہو جس سے وہ وطی کر سکتا تھا مگر اس نے اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔بہرکیف یہاں پر ان مومنین مخلصین کی ان بعض اہم صفات کو ذکر فرمایا گیا ہے جو ان کے اندر پائی جاتی ہیں اور جو ہر مومنِ صادق کے اندر پائی جانی چاہئیں۔جن میں سب سے پہلے جس صفت کو بیان فرمایا گیا وہ ہے صفتِ صبر جو کہ بمنزلہ اساس و بنیاد کے ہے۔اور بعد والی دوسری صفات دراصل اسی پر مبنی ومتفرع ہیں۔اس سے صبر واستقامت کی عظمت واہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔اسی لئے نبی اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔﴿قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ﴾۔کہ "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ" کہو اور پھر اس پر پکے رہو۔سو صدقِ ایمان اور استقامت اصل اور اساس ہے دارین کی فوز وفلاح کی۔اللہ نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین۔وباللہ التوفیق لمایحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل

۶۹ برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی تعلیم وتلقین:۔سو ایسے مومنین صادقین کی امتیازی صفات کے ذکر و بیان کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔کہ سب وشتم اور گالی گلوچ کے جواب میں صبر وبرداشت سے کام لیتے اور کلمہ حق وانصاف کہتے ہیں۔برائی کے بدلے میں بھلائی سے کام لیتے اور بدخواہی کے بدلے میں خیر خواہی کو اپنا شعار بناتے ہیں۔اور اس طرح یہ لوگ اپنے بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعے دنیا کے دلوں کو جیتتے ہیں۔اور یہی مسلمان کی شان ہے۔اللہ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین۔بہرکیف اہلِ کتاب کے ان مومنین صادقین نے جب اپنے قبولِ اسلام کا اظہار واعلان کیا تو ان کی اپنی قوم نے بھی ان پر طعن وتشنیع سے کام لیا اور ان کو اپنے آبائی دین کا دشمن اور ملت کا غدار قرار دیا۔اور دوسرے اعدائے حق نے بھی ان کو اپنے لعن طعن کا ہدف بنایا۔مگر ان مومنین مخلصین نے ان سب کے جواب میں مومنانہ شرافت اور کریمانہ عفوودرگزر ہی سے کام لیا۔وباللہ التوفیق۔بہرکیف برائی کا جواب اچھائی سے دینا ہے تو بڑا کٹھن اور مشکل کام لیکن اس کی آثار وثمرات بڑے عظیم الشان اور جلیل القدر ہیں۔اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے اور ہمیشہ ایسے مکارم سے سرفراز وسرشار رکھے۔آمین۔ بیده ازمة التوفیق وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۷۰ سلامتی کے بول کو اپنانے کی ہدایت کا ذکر:۔سو اس سے مخالفین کے طعن وتشنیع کے جواب میں سلامتی کے بول کو اپنانے کی ہدایت اور تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ مخالفین سے کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال"۔تم لوگوں کو سلام ہے اور یہ سلام سلامِ متارکت کہلاتا ہے۔یعنی تمہارا راستہ الگ ہمارا الگ۔(المحاسن، البحر وغیرہ)۔اور یہ بھی ان حضرات کے مکارمِ اخلاق کا ایک نمونہ ہے کہ جاہلوں سے الجھنے کی بجائے سلامتی کا کلمہ کہہ کر ان سے الگ ہو جاتے ہیں۔جیسا کہ حضرت ابراہیم نے کیا تھا کہ اپنے باپ کو پوری ہمدردی اور دلسوزی سے سمجھانے اور کلمہ حق پیش کرنے کے بعد جب دیکھا کہ وہ اپنے کفر وباطل کو ترک کر کے راہِ حق وہدایت کو قبول کرنے والا نہیں تو یہی سلامتی کا بول بول کر آپ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔سو ہٹ دھرم قسم کے لوگوں سے جان چھڑانے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنے کا یہ نہایت سنجیدہ، شائستہ، مہذب اور مبارک طریقہ ہے۔وباللہ التوفیق لمایحب ویرید وعلی مایحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔سبحانہ وتعالیٰ

عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿٥٥﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ

جاہلوں کو (منہ لگانا) نہیں چاہتے ۷۱ بے شک آپ (اے پیغمبر!) ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، بلکہ اللہ ہی

اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ

ہدایت (کی دولت) سے نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو ہدایت پانے والے ہوتے ہیں ۷۲ اور

اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ

کہتے ہیں یہ (ناشکرے) لوگ کہ اگر ہم نے ہدایت کی پیروی کی آپ کے ساتھ تو (اس کے نتیجے میں) ہمیں اچک لیا جائے گا

نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا

اپنی سرزمین سے ۷۳ کیا ہم نے ان کو ٹھکانا نہیں دیا ایسے پر امن حرم میں ۷۴ جس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں ہر قسم کے پھل (اور

۷۱ جاہلوں سے الجھاؤ سے احتراز و اجتناب کا درس:- سو ان بندگان صدق وصفا کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے کہ جاہلوں سے الجھنا ہمارا طریقہ اور شیوہ نہیں۔ اور جب ایسے لوگ ہماری بات سننے ماننے کو بھی تیار نہیں تو ان کے ساتھ گھل مل کر رہنا بھی ہماری شان نہیں کہ ان سے علیحدگی اور کنارہ کشی کی اس راہ میں ہی سکون و اطمینان ہے- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - بہرکیف ﴿لا نبتغی الجاهلين﴾ کا یہ جملہ ان حضرات کے باطن کی کیفیت کا عکاس و آئینہ دار اور انکے اعلانِ بیزاری کی تعبیر ہے۔ یعنی یہ حضرات اپنے دل میں یہ سوچتے اور سمجھتے ہیں کہ جب ایسے ہٹ دھرم لوگ کسی بات کو سننے اور ماننے ہی کیلئے تیار نہیں تو پھر ان سے بات کرنے اور ان سے الجھنے کا کیا فائدہ؟۔ لہٰذا یہ سوچ کر ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یہی سلامتی کی راہ ہے کہ اس طرح مومنِ صادق جاہلوں کی دلآزاریوں اور ان کی ایذا رسانیوں سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اپنے وقت کی متاعِ گرانمایہ کو بھی ضیاع سے بچالیتا ہے- وباللّٰه التوفيق لما يحب ويريد-

۷۲ راہِ حق و ہدایت پر ڈال دینا پیغمبر کے اختیار میں نہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بے شک آپ- اے پیغمبر!- ہدایت نہیں دے سکتے جسکو آپ چاہیں" بلکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ یہ آیتِ کریمہ آنخضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور کی خدمت تو بہت کی تھی اور ہمیشہ آپ کا ساتھ بھی دیا تھا مگر آپ پر ایمان لانے کی سعادت اور توفیق ان کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ آنخضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اپنی عظیم الشان ہمدردی اور شفقت کی بناء پر اس کی بہت کوشش فرمائی کہ کسی طرح آپ کے چچا کلمہ پڑھ کر اسلام کے حظیرۂ قدس میں داخل ہو جائیں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں۔ چنانچہ ان کی موت کے موقعہ پر آپ بذاتِ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور نہایت ہی ہمدردی کے ساتھ ان کو ایمان لانے کی دعوت دی تاکہ وہ مرتے وقت کلمہ پڑھ کر دوزخ کی آگ سے بچ سکیں اور آپ نے ان کی خدمت میں نہایت اخلاص و دلسوزی سے عرض کیا کہ چچا جان آپ ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیں تاکہ کل قیامت کے روز میں اس کو

اللہ کی بارگہ اقدس واعلیٰ میں پیش کرسکوں۔ چنانچہ ابوطالب اس کے لئے تیار ہوگئے مگر ابوجہل وغیرہ سرداران قریش نے جب انکو عار دلاتے ہوئے کہا کہ ہوں اب مرتے وقت بھتیجے کے کہنے پر کلمہ پڑھنے لگے ہو؟ اور اس کے اصرار پر اس کا دین قبول کر کے ہماری ناک کٹوانے لگے ہو؟ دنیا کیا کہے گی؟ وغیرہ۔ تو اس پر ابوطالب نے اس وقت بھی کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور کفر ہی کی حالت پر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اور اس پر اس نے وہ مشہور اشعار بھی پڑھے جو تفسیر و سیر کی کتابوں میں مسطور و مذکور ہیں۔ جن کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ "میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ محمدؐ کا لایا ہوا دین قطعی طور پر حق اور سچ ہے۔ لیکن میں کلمہ اس لئے نہیں پڑھتا کہ مجھے اپنے بارے میں ملامت اور بدگوئی کا خطرہ ہے کہ بعد میں لوگ مجھے برا کہیں گے اور مجھے طعنے دیں گے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں یقیناً کھلے دل سے کلمہ پڑھ لیتا"۔ روایات میں آتا ہے کہ اس نے آتش دوزخ کو اپنانا اور اختیار کر لینا تو پسند کر لیا لیکن عار کو برداشت نہ کیا۔ "اِخْتَارَ النَّارَ عَلَى الْعَارِ"۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں بتایا گیا کہ اے پیغمبر ہدایت آپؐ کے اختیار میں نہیں۔ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے اس سے نوازے۔ سب ہی مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کا شان نزول یہی قرار دیا ہے۔ اور احادیث میں بھی اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ (روح قرطبی، محاسن، ابن کثیر، الکبیر، جامع البیان، صفوۃ البیان، صفوۃ التفاسیر، خازن اور معارف وغیرہ)۔ لہذا جمہور اہل علم کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے۔ اور علامہ ابوحیان نے اپنی تفسیر "البحر المحیط" میں اس پر سب کا اجماع نقل کیا ہے اور مختلف روایات میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ بار بار ان کو کلمہ توحید پیش کرتے رہے مگر ابوطالب ان سرداران قریش کے کہنے پر اس کا انکار ہی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ آخری کلمہ جس پر انہوں نے جان دی یہ تھا۔ " اموت علیٰ ملة عبد المطلب "۔ یعنی "میں عبدالمطلب کے دین پر ہی مرتا ہوں" اور اس نے۔ ﴿لا الہ الا اللہ﴾۔ کہنے سے انکار کر دیا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اسباب النزول اور حدیث کی تمام کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے۔ جیسے صحیح بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ القصص، صحیح مسلم: کتاب الایمان، سنن ترمذی: کتاب التفسیر وغیرہ۔ اور علامہ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ اس بارے ناقلین و محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوطالب ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ کہ وہ آخری دم تک ایمان نہیں لائے۔ سو اس سب کے باوجود اگر کوئی ابوطالب کے ایمان لانے کا قائل ہوتا ہے تو دیکھ لیا جائے وہ کس قدر سینہ زوری اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے؟۔ والعیاذ باللہ۔ اور بعض صوفیہ وغیرہ سے جو ان کے ایمان لانے کے بارے میں مروی و منقول ہے وہ سب بے اصل ہے۔ اس کی نہ کوئی سند ہے نہ ثبوت۔ بلکہ ایسا کہنا اس آیت کے سراسر خلاف ہے۔ نیز محققین اہل حق کا کہنا ہے کہ اس سے زیادہ ابوطالب کے ایمان کے بارے میں بحث مباحثہ سے گریز ہی کرنا چاہیئے اور خواہ مخواہ اس کو نہیں چھیڑنا چاہئے۔ یہاں پر اس قصہ سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ہدایت اللہ پاک ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے نہ کہ پیغمبر کے اختیار میں۔ پیغمبر کا کام ہے راہ حق کی راہنمائی کرنا۔ اسکی دعوت دینا اور سیدھا راستہ دکھلا دینا اور بس۔ اس سے آگے کسی کو راہ حق پر ڈال دینا اور اس پر چلا دینا نہ آپ ﷺ کے بس اور اختیار میں ہے اور نہ ہی یہ آپؐ کی ذمہ داری ہے۔ نیز اس سے یہ بھی صاف اور واضح ہوگیا کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کی اس قدر کوشش کے باوجود ابوطالب اس طرح ایمان سے محروم نہ رہتے اور کلمہ توحید اور ملت ابراہیمی سے منہ موڑ کر ملت عبدالمطلب ہی پر دنیا سے رخصت نہ ہوتے۔ سو اللہ ہی ہدایت سے نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے کہ وہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے اور کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے۔ وہ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے اور اسی کا حکم و فیصلہ برحق ہے۔

سبحانہ، وتعالیٰ - سو ہدایت وغوایت کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ

۴۳ منکرین ومشرکین کی مت ماری اور ٹیڑھی منطق کا ایک نمونہ: - سو یہ منکرینِ حق اور مشرکینِ مکہ کی مت ماری کا ایک نمونہ ہے کہ اگر ہم نے حق کی پیروی کی تو ہمیں اپنی اس سرزمین سے اچک لیا جائے گا۔ کیونکہ ان کا کہنا اور ماننا یہ تھا کہ ہماری تمام تر خیرات وبرکات کا ذریعہ اور ہمارے حاجت روا ومشکل کشا ہماری یہ دیویاں اور دیوتا ہیں۔ سو اگر ہم نے توحید کی اس دعوت کو قبول کرلیا جو محمد پیش کر رہے ہیں تو ایک طرف تو ہماری یہ دیویاں اور دیوتا ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور دوسری طرف عرب کے تمام مشرک لوگ ہمارے خلاف ہو جائیں گے۔ پورا عرب ہمارے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا اور اس طرح ہمیں اس ملک سے اکھاڑ پھینکا جائے گا۔ سو یہ ان جاہلوں اور مشرکوں کا حق قبول نہ کرنے کے بارے میں ایک عذر لنگ تھا کہ اگر ہم نے آپؐ کے ساتھ - اے پیغمبر! - حق کو قبول کرلیا تو عرب کے تمام قبائل ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہمیں اپنے گھروں سے نکال باہر کردیں گے۔ چنانچہ حارث بن عثمان بن نوفل نے ایک مرتبہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے۔ اور ہمارے لئے دنیاوی سیادت اور اخروی سعادت کا ذریعہ ہے۔ لیکن ہمیں ڈر اور خطرہ اس بات کا ہے کہ اگر ہم اسکو قبول کرلیں اور آپ کی پیروی کرنے لگ جائیں تو تمام عرب ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہمیں اپنے گھروں سے نکال باہر کردیں گے۔ (روح، صفوۃ اور معارف وغیرہ)۔ تو اس کا جواب ان آیاتِ کریمہ میں دیا گیا۔ یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کافر ومشرک انسان جو ایک اللہ سے نہیں ڈرتا وہ ہر کسی سے اور ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اور اس پر خوف وخطر کے طرح طرح کے بادل چھائے رہتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے حفظ وامان میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۴۴ بیت اللہ کی بعض برکات اور ان کے تقاضے کا ذکر: - سو اس سے بیت اللہ کی بعض برکات کا ذکر فرمایا گیا اور منکروں ومشرکوں کے دلوں پر ایک دستک دی گئی۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور منکرین ومشرکین کے دلوں پر دستک دینے کے لیے بطورِ استفہام فرمایا گیا کہ کیا ہم نے انکو ایک نہایت پرامن حرم میں جگہ نہیں دی؟ یعنی ضرور دی۔ اور جب ہم نے تمہیں کفر وشرک کی حالت میں بھی حرم کی ان خیرات وبرکات سے محروم نہیں کیا تو کیا اب جبکہ تم ایمان ویقین کے حظیرۂ قدس میں داخل ہو جاؤ گے تو ہم تمہیں محروم کردیں گے؟ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ کیا ان بے خبرے ناشکروں کو اسکا پتہ اور علم نہیں کہ جب ابراہیم نے اپنی ذریت کو اس وادیِ بے آب وگیاہ میں بسایا تھا تو اس وقت نہ تو یہاں پر ضروریاتِ زندگی اور وسائلِ معیشت میں سے کچھ موجود تھا اور نہ کسی جان کیلئے کوئی امن وامان۔ مگر ابراہیم نے اللہ کی عبادت کیلئے اس گھر کو بسایا اور اسکے ساکنوں اور مکینوں کیلئے امن وامان اور رزق وروزی کی دعا کی۔ تو آپ کی اس دعا کے نتیجے میں اور اس مبارک گھر کی خیرات وبرکات کے سبب یہ خطہ امن وامان کا ایسا گہوارہ بن گیا جس کی دوسری کوئی نظیر ومثال پوری روئے زمین میں نہ کبھی پائی گئی اور نہ آئندہ تا قیامِ قیامت کبھی پائی جانی ممکن ہوسکتی ہے۔ اور دوسری طرف اس کیلئے دنیا بھر کے ہر خطے اور ہر علاقے سے ہر قسم کی پیداوار کھچی چلی آرہی ہے۔ تو کیا جس ابراہیم کی دعا کی برکت سے تم لوگوں کو یہ سب اور طرح طرح کی نعمتیں کفر وشرک کی حالت میں بھی ملیں اور برابر ملتی رہیں تو وہ اب تم کو ملنا بند ہو جائیں گی؟ اور تم سے چھن جائیں گی؟ جبکہ تم لوگ اسی ابراہیم کی ملت کی پیروی کرد گے جو اس قرآن کی صورت میں آج تمہارے سامنے ہے اور جس کی طرف یہ نبی آخر الزمان تمہیں بلا رہے ہیں۔ تو کیا اب تم کو تباہ کردیا جائے گا؟ تم لوگوں کو کیا ہوگیا؟ تمہاری مت کیوں ماردی گئی؟ اور تمہاری کھوپڑیاں کیوں اور کیسے اوندھی ہوگئیں؟ - والعیاذ باللہ العظیم -

يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ

پیداواریں)۷۵ اپنی طرف سے خاص روزی رسانی کے طور پر۷۶ (ارض حرم کے باشندوں کے لئے ،) لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ

(حق اور حقیقت کو ،)۷۷ اور کتنی ہی ایسی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر کے رکھ دیا جن کے باشندے بڑے نازاں تھے اپنے سامان

قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ

عیش وعشرت پر۷۸ سو یہ ہیں ان کے مکان (جو کھنڈرات کی صورت میں سامان عبرت بنے ہوئے موجود ہیں ،) جن میں ان کے

مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸

بعد کوئی رہا بسا نہیں ، مگر بہت تھوڑا ۷۹ اور آخر کار ہم ہی ان کے وارث ہو کر رہے ۸۰ اور آپ کا رب ایسا

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ

نہیں (اور یہ اس کی شان نہیں) کہ وہ ان بستیوں کو یونہی ہلاک کر دیتا جب تک کہ ان کے مرکز میں ۸۱ کوئی ایسا رسول نہ بھیج دے

اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي

جو ان کو پڑھ کر سنائے ہماری آیتیں (اور احکام ،) اور (اس کے بعد بھی فوراً ہی) ہم ان بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں

۷۵ ﴿ثمرات کل شیء﴾ سے مراد؟ :- سو واضح رہے کہ یہاں پر " ثمرات کل شجر "نہیں فرمایا گیا بلکہ ﴿ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ فرمایا گیا ہے ۔ جس سے معلوم ہوا کہ بات صرف درختوں کے پھلوں ہی کی نہیں ۔ جس طرح کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ ہر قسم کے پھل کو عام ہے ۔ کیونکہ پھل کے معنی نتیجہ وحاصل کے بھی آتے ہیں ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے " فلاں شخص تو اپنی محنت کا پھل کھا رہا ہے " ۔ " اپنی نیت کا پھل کھا رہا ہے " ۔ " اپنے کیئے کا پھل پا رہا ہے " وغیرہ وغیرہ ۔ اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ حرم پاک کی برکت سے وہاں پر دنیا بھر کی ہر عمدہ نعمت آج بھی میسر ہے اور ہمیشہ اور ہر موسم میں میسر ہے ۔ سو اس بے آب وگیاہ مقام اور وادی غیر ذی ذرع کو ایسا عمدہ اور اس قدر عظیم الشان اور بے مثال مرکز بنا دینا قدرت وعنایت خداوندی کا ایک عظیم الشان اور بے مثال مظہر ہے ۔ سبحانہ، وتعالیٰ ۔ سو یہ حرم امن صرف یہی نہیں کہ خود محفوظ وماموں ہے اور یہ دوسروں کی حفاظت کا محتاج نہیں بلکہ یہ خود دوسروں کا محافظ اور ان کو امن بخشنے والا ہے ۔ اللّٰھم فزده تعظیما و تشریفا و تکریما و زد من کرمه و شرفه حجه او اعتمره تعظیما و تشریفا و تکریما واجعلنا منهم یا ذا الجلال والاکرام ۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر قائم رہنے کی توفیق بخشے ، آمین ثم آمین

۷۶ روزی رسانی کے کرم و احسان کا ذکر: ۔سوارشاد فرمایا گیا کہ ''یہ سب کچھ ہم نے اپنی طرف سے خاص روزی رسانی کے طور پر کیا ''یعنی ﴿رِزْقًا﴾ نکرہ اور اس کی تنوین بھی تعظیم و تفخیم کے لئے ہے۔اور پھر ﴿مِنْ لَّدُنَّا﴾ ۔''اپنی طرف سے'' کے اضافے سے اس کی مزید عظمتِ شان کا اظہار فرما دیا گیا۔سو اس طرح حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ نے حرمِ پاک کے اس بقعۂ مبارکہ اور اس ارضِ بے آب و گیاہ کے باسیوں کے لئے روزی رسانی کا جو انتظام فرمایا ہے وہ واقعی بے مثل و لاجواب ہے۔فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یحییٰ بن سلام اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب تم لوگ میرا دیا ہوا رزق کھا کر دوسروں کی پوجا کرتے تھے تو میں نے تمہاری روزی بند نہیں کی تو اب جبکہ تم مجھ پر ایمان لا کر میری بندگی کرو گے میں روزی کیوں بند کر دونگا۔ (المراغی وغیرہ)۔سو روزی رساں سب کا اللہ۔وحدہٗ لاشریک۔ ہی ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔اس لئے عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے اسی رب خالق و رازق، کے حضور صدقِ دل سے جھک جائے۔اور ہمیشہ جھکا ہی رہے اور ہمیشہ اسی واہبِ مطلق کی طرف رجوع رکھے۔اور اسی کی رضا جوئی کو اپنا اصل مقصد اور حقیقی نصب العین بنائے رکھے۔وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ و یرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ و یرید، بکل حالٍ من الاحوال وفی کل موقفٍ من المواقف فی الحیاۃ

۷۷ اکثر لوگ جاہل۔ والعیاذ باللہ: ۔سوارشاد فرمایا گیا ''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں''۔اور ان کی محدود و قاصر نگاہیں ظواہر و اسباب ہی میں اٹک کر اور الجھ کر رہ جاتی ہیں اور وہ حقیقتوں کی حقیقت اور اس اصل الاصول تک رسائی نہیں حاصل کر سکتے کہ سب کچھ دراصل اس خالق و مالکِ حقیقی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔جس کا دستِ قدرت و عنایت ہی اسباب و ظواہر کے اس سلسلے کے پیچھے کارفرما ہے۔پس نگاہِ حقیقت کو ہمیشہ اسی چیز کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے اور بھروسہ اسی قادرِ مطلق اور مسبب الاسباب پر کرنا چاہیئے۔اور قوموں کی تاریخ سے انہیں اہم اور بنیادی حقائق کی تاکید و توثیق ہوتی ہے۔اور قرآنِ حکیم میں ان تاریخی واقعات کو اسی غرض کے لیے جابجا اور طرح طرح سے بیان کیا جاتا ہے مگر دنیا کی اکثریت ہے کہ اس سے غافل و لاپرواہ ہے۔وہ اس سے سبق لینے کی طرف متوجہ ہی نہیں۔سو اس ارشاد میں ایسے لوگوں کے اس رویے پر اظہارِ افسوس ہے۔والعیاذ باللہ۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین

۷۸ دنیاوی مال و دولت پر اترانا ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ: ۔سوارشاد فرمایا گیا کہ ''کتنی ہی ایسی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر کے رکھ دیا جو بڑی اترایا کرتی تھیں اپنے سامانِ عیش و عشرت پر''۔سو اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو دنیاوی مال و دولت کوئی فخر و ناز کی چیز ہے اور نہ ہی اس کا مل جانا حق و صداقت کی کوئی دلیل۔ورنہ ماضی کی یہ قومیں جن کو اپنے دنیاوی مال و متاع پر اتنا ناز اور اس قدر گھمنڈ تھا اور جنہوں نے دنیاوی اور مادی اعتبار سے واقعۃً ترقی بھی بہت کی تھی وہ اس طرح تباہ و برباد نہ ہوتیں اور صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح ہمیشہ کے لئے مٹا کر نہ رکھ دی جاتیں۔والعیاذ باللہ العظیم۔سو دنیاوی مال و دولت پر اترانا اور اسکی بنا پر حق سے منہ موڑنا ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔والعیاذ باللہ العظیم۔اللہ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین

۷۹ درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین: ۔سو اس سے ہلاک شدہ قوموں کے انجام سے درسِ عبرت لینے کی ہدایت اور تعلیم و تلقین فرمائی گئی۔سوارشاد فرمایا گیا کہ ''یہ ہیں ان قوموں کے کھنڈرات جن میں ان کے بعد کوئی نہیں ٹھہرا مگر بہت تھوڑا''۔یعنی کوئی چلتا مسافر یا راہ گیر کسی قدر ستانے کے لئے لمحہ بھر کیلئے ٹھہر گیا یا کوئی نگاہِ عبرت ڈالنے کے لئے کچھ رک گیا، تو رک گیا۔ورنہ ان قوموں کے ان تباہ شدہ کھنڈرات میں رہنے بسنے کے لئے کوئی قوم کبھی تیار نہ ہوئی۔بس کھنڈرات ہی کھنڈرات رہ گئے جو اپنی زبانِ حال سے دنیا کو درسِ عبرت و بصیرت سنا رہے ہیں تا کہ جس نے نصیحت پکڑنا ہو پکڑ لے۔

(ابن کثیر، صفوہ، مراغی وغیرہ)۔ سو یہ کفار قریش اور انکے بعد ہر دور کے ان منکرین کیلئے انذار و تنبیہ ہے جو دنیاوی مال و دولت پر اتراتے ہیں اور خداوند قدوس کے فضل و کرم کو بھول کر وہ اسکو اپنی عقل و تدبیر کا نتیجہ و ثمرہ قرار دیتے ہیں۔ سو ان کو یہ درس عبرت دیا جا رہا ہے کہ یہ رفاہیت جو تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصیب ہوئی ہے، اس پر اترانے اور تکبر کرنے کی بجائے اس واہب مطلق کا شکر ادا کرو جس نے تم کو اس سے نوازا ہے۔ ورنہ ان ہلاک شدہ قوموں کے عبرتناک انجام کو دیکھ لو جن کے یہ کھنڈرات تمہارے سامنے موجود ہیں۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ "جب وہ لوگ اپنے کیے کرائے کے نتیجے میں فنا ہو کر مٹ مٹا گئے۔ ان کی وہ دولت جس پر ان کو بڑا فخر و ناز تھا اور ان کے وہ اسباب عیش و عشرت جن پر یہ بڑے مست و مگن تھے اور انہی میں محو و منہمک رہتے تھے وہ سب کچھ یونہی دھرے کا دھرا رہ گیا۔ کوئی نہیں تھا جو انکی وراثت کا دعویٰ کر سکے۔ وہ سب کچھ ہماری ہی میراث میں آ گیا۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۸۰ سب کچھ اللہ ہی کیلئے سبحانہ، وتعالیٰ: - کہ سب کا خالق و مالک بھی وہی ہے۔ اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی اور آخر کار سب کچھ اللہ ہی کے لیے رہ جائے گا۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور آخر کار ہم ہی وارث بن کر رہے کہ ان میں سے کوئی بچا ہی نہ جو کہ ان کا وارث بن سکتا اور ان کا وہ تمام مال و متاع جس پر ان کو بڑا ناز اور گھمنڈ تھا یونہی پڑا رہ گیا۔ اور جب کسی چیز کا کوئی مالک نہ رہ جائے تو اس کو اللہ ہی کی میراث کہا اور قرار دیا جاتا ہے کہ سب کا مالک بہرحال وہی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اس لیے فرمایا گیا کہ ان سب کی میراث ہماری ہی طرف لوٹ آئی کہ آسمان و زمین کی اس پوری کائنات کے خالق و مالک اور وارث حقیقی ہم ہی ہیں۔ سو بڑے تنگ ظرف اور خطا کار ہیں وہ لوگ جو ہم سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۸۱ منکروں کی ہلاکت بعثت پیغمبر اور اتمام حجت کے بعد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ کا رب ایسا نہیں کہ ان بستیوں کو یونہی ہلاک کر دیتا۔ یہاں تک کہ وہ ان کے مرکز میں کوئی رسول نہ بھیج دے جو ان کو پڑھ کر سنائے ہماری آیتیں"۔ ﴿ام﴾ کے معنی "ماں"، "مرکز"، "اصل" اور "جڑ" وغیرہ کے آتے ہیں۔ اور مرکز میں بھیجنا اس لئے کافی ہوتا ہے کہ مرکز کے باشندے زیادہ سمجھدار اور معاملہ فہم ہوتے ہیں۔ اور اس طرح مرکز والے اگر حق کو قبول کر لیں اور اس کے آگے سر تسلیم خم کر لیں تو اس کے اثرات سب اطراف و جوانب پر پڑتے ہیں۔ اور یوں بھی اطراف و جوانب کے لوگ اپنے اہم امور کیلئے مرکز ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس مرکز میں رسول کا مبعوث ہونا اطراف و جوانب کے لئے مؤثر و بلیغ بھی ہوتا ہے اور کافی و شافی بھی۔ بہرکیف اس ارشاد ربانی میں اس سنت الٰہی اور دستور خداوندی کو بیان فرمایا گیا ہے جو قوموں پر فیصلہ کن عذاب نازل فرمائے جانے کے سلسلے میں اس کائنات میں جاری و کارفرما ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کسی بھی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس کی مرکزی بستی میں رسول بھیج کر ان کو حق سے پوری طرح آگاہ نہ کر دیا جائے۔ سو اب پورے عالم کی بستیوں کے مرکز یعنی مکہ مکرمہ میں اس عظیم الشان رسول کو مبعوث فرما دیا گیا ہے جو کہ تمام رسولوں کے امام اور انکے پیشوا ہیں۔ سو اس طرح اس سنت الٰہی اور دستور خداوندی کے پہلے حصے کی تکمیل کر دی گئی۔ یعنی لوگوں کو خبردار کرنے کیلئے رسول بھیج دیا گیا ہے۔ اب اسکے بعد اس سنت کے دوسرے حصے کا تعلق آگے ان لوگوں کے رویے سے ہے۔ اگر انہوں نے اس نعمت عظمیٰ کی قدر کی تو یہ لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہونگے اور اگر اسکے برعکس انہوں نے تکذیب و روگردانی سے کام لیا تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو دوسری مکذب اور منکر قوموں کا ہو چکا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد میں منکرین و مکذبین کے لیے سخت تنبیہ ہے کہ وہ ہوش کے ناخن لیں ورنہ ان کا انجام بہت برا ہوگا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا، بکل حال من الاحوال

الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ

مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظلم ہی پر کمر بستہ ہو جائیں، ۸۲ اور جو بھی کچھ تمہیں دیا گیا ہے (اے لوگو!)

فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ

تو وہ سب محض دنیاوی زندگی کا چند روزہ سامان اور اس کی زینت ہے ۸۳ اور بس، اور جو کچھ اللہ کے پاس (اس جہاں میں رکھا) ہے وہ

خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ

اس سے کہیں بڑھ کر اچھا بھی ہے، اور ہمیشہ رہنے والا بھی، تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۸۴ تو کیا وہ شخص جس سے ہم نے

وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ

وعدہ کر رکھا ہو عمدہ وعدہ، پھر وہ اس کو پانے والا بھی ہو ۸۵ کہیں اس وہ شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف دنیاوی زندگی کا

۸۲ ہلاکت ظالموں کے لیے - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اس صورت میں جبکہ اسکے باشندے ظالم ہوں''۔ یعنی پہلے تو ان کے لئے مرکز میں رسول بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے حق کو واضح کر دے۔ پھر ان کو کافی سے زیادہ مہلت بھی دی گئی کہ یہ اس حق کو قبول کر لیں۔ مگر اس سب کے باوجود جب وہ ظلم پر ہی کمر بستہ رہے تو آخر کار ہم نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان کو ان کے اس انجام تک پہنچا دیا جس کا مستحق انہوں نے خود اپنے آپ کو بنا دیا تھا۔ سو یہ حقیقت بہر حال اپنی جگہ اصل اور مُسلَّم ہے کہ ہم رسول بھیجے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتے - ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ - (بنی اسرائیل: ۱۵)۔ بہر کیف یہ اس سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کے دوسرے حصے اور دوسرے مرحلے کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ وہ ظلم ڈھانے والے نہ بن جائیں۔ یعنی جب وہ رسول کی تنبیہ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے باوجود اپنے کفر و شرک اور ظلم و بغاوت ہی پر اَڑے رہتے ہیں اور رسول کی تکذیب اور دینِ حق کا انکار کرتے جاتے ہیں تو ایک عرصہ تک مہلت اور ڈھیل دینے کے بعد ان کو انکے آخری عذاب میں دھر لیا جاتا ہے - والعیاذ باللہ - سو ایسے میں یہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہیں ہوتا بلکہ ایسے لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ سو پیغامِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا بہر حال باعثِ ہلاکت و تباہی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے - اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین و یا ارحم الراحمین

۸۳ متاعِ دنیا سب فانی اور عارضی: - سو ابنائے دنیا کو ایک صاف اور کھلی تنبیہ و تذکیر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی کچھ تمہیں دیا گیا ہے اے لوگو وہ سب اس دنیاوی زندگی ہی کا چند روزہ سامان ہے اور بس۔ سو کتنے کوتاہ نظر اور محروم و بدنصیب ہیں وہ لوگ جو دنیا کے اس چند روزہ سامانِ زیست اور اس کی عارضی اور فانی ٹیپ ٹاپ اور زیب و

زینت میں الجھ کر رہ جائیں اور اپنے انجام کو اور اپنی آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کو بھول جائیں۔ اور اس طرح وہ ابدی خسارے کا شکار ہو جائیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف ایسے لوگوں کو براہِ راست خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ دنیاوی مال و دولت اور رفاہت و خوشحالی جو بھی کچھ تمہیں حاصل ہے اے لوگو وہ اسی دنیائے فانی کا چندروزہ سامان ہے اور بس۔ سو اس متاعِ فانی اور عارضی زیب و زینت اور چہل پہل پر ریجھ کر اپنی آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی اور اسکے تقاضوں سے غافل ولاپرواہ نہ ہو جانا کہ یہ خساروں کا خسارہ اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۸۴ عقل سے کام لینے کی تعلیم و تلقین: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور غافلوں کے ضمیروں کو جھنجوڑنے کے لیے استفہام کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟"۔ کہ آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی اور اس کی بے مثل نعمتوں سے منہ موڑ کر اور ان کو بھول کر دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی ہی کے لئے جیتے اور اسی کے لیے مرتے ہو۔ اور اسی کے عیش و عشرت کو اپنا مقصدِ حیات بناتے ہو؟۔ والعیاذ باللہ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّزَیْغٍ ۔ حالانکہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ "خیر" بھی ہے اور "ابقٰی" بھی۔ یعنی وہ کم و کیف ہر اعتبار سے دنیاوی زندگی کی ان تمام نعمتوں سے کہیں بڑھ کر بہتر اور عمدہ بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والا بھی۔ پھر دنیا کی ان عارضی، فانی اور وقتی نعمتوں کی بنا پر اس سے غافل ولاپرواہ ہو جانا کتنے بڑے خسارے کا سودا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کیا کسی عقلمند کی عقل اگر وہ صحیح وسلامت ہو ایسے خسارے کو گوارہ کر سکتی ہے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر دنیا کو آخرت پر ترجیح کس طرح دی جا سکتی ہے؟۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل مَوطنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ

۸۵ مومنِ صادق کا مقام اور اسکی عظمتِ شان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا وہ شخص جس سے ہم نے وعدہ کر رکھا ہو عمدہ وعدہ پھر وہ اس کو پانے والا بھی ہو"۔ یعنی مومنِ صادق جس سے ہم نے جنت اور اس کی ان نعمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے ان کی حقیقت کو سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا کبھی گزر ہی ہوا۔ اور پھر اس عمدہ وعدے کو وہ پانے والا بھی ہے۔ کیونکہ یہ وعدہ کرنے والے ہم ہیں اور ہم کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ؟﴾۔ تو کیا ایسا شخص اور وہ شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جس کا ذکر آگے آرہا ہے؟۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس تم لوگ اپنے حال پر خود غور کر لو کہ تم کہاں کھڑے ہو؟ سو اس سے مومنِ صادق کی عظمتِ شان اور اسکے مقام بلند کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ایک تو وہ لوگ ہیں جن سے اللہ نے آخرت کی ابدی بادشاہی کا وعدہ فرما رکھا ہے اور یہ بادشاہی وہ بہر حال پا کر رہیں گے۔ کیونکہ اس کا وعدہ ان سے اس اللہ نے فرما رکھا ہے جو کہ سچوں کا خالق و مالک اور سب سے بڑھ کر سچا ہے۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کا ذکر آرہا ہے۔ کیا یہ دونوں باہم برابر ہو سکتے ہیں؟۔ بس بڑے ہی محروم ہیں وہ لوگ جو اپنے رَبّ سے منہ موڑے ہوئے ہیں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

سامان دے رکھا ہو، پھر قیامت کے روز وہ گرفتار شدہ لوگوں میں سے ہو؟ ۸۶ اور (یاد کرو لوگو، اس ہولناک دن کو کہ) جس دن

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

اللہ ان کو پکارے گا پھر وہ ان سے پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم بڑا دعویٰ رکھتے تھے؟ ۸۷ اس پر بول اٹھیں گے وہ لوگ جن

تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا

پر پکی ہو چکی ہو گی ہماری بات ۸۸ کہ اے ہمارے رب، یہی ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ

تھا جس طرح کہ ہم خود گمراہ تھے ۸۹ ہم آپ کے سامنے براءت کا اظہار کرتے ہیں، یہ لوگ ہماری بندگی نہیں کرتے تھے ۹۰ اور (اس

۸۶ ایمان سے محروم لوگوں کا انجام بد: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کا سامان دے رکھا ہو پھر وہ قیامت کے روز گرفتار شدہ لوگوں میں سے ہو اپنی بغاوت و سرکشی، اور زندگی بھر کی کمائی کی بدولت۔ اور جب یہ دونوں شخص باہم برابر نہیں ہو سکتے تو پھر کفر و اسلام مومن و کافر کیونکر برابر ہو سکتے ہیں؟ سو بڑی غفلت و بھول اور قطعی طور پر خسارے میں ہیں وہ لوگ جو اس کی پرواہ کیے بغیر حق سے محرومی کی زندگی گزار رہے ہیں- والعیاذ باللہ- ''احضار'' کا لفظ یہاں پر مجرموں کی طرح پکڑ کر حاضر کیے جانے کے مفہوم میں ہے۔ سو ایمان و یقین کی دولت سے محروم ایسے لوگوں کو مجرموں کی طرح پکڑ کر ذلت کے ساتھ گھسیٹ کر حاضر کیا جائے گا۔ سو سوچو تم لوگ اے عقل سلیم رکھنے والو کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے ابدی بادشاہی کا وعدہ کر رکھا ہو اور وہ اسکو پانے والے بھی ہوں کہ یہ وعدہ اللہ کا وعدہ ہے جس نے لازماً پورا ہو کر رہنا ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ جو حیات دنیا کے چند روزہ سامان ہی پر قانع ہو گئے اور پھر ان کو قیامت کے روز نہایت ذلت کے ساتھ پکڑ کر اور گھسیٹ کر اللہ تعالیٰ کی بارگہ اقدس واعلیٰ میں پیش کیا جائے گا۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر مومن صادق سے بڑھ کر خوش نصیب اور کون ہو سکتا ہے؟ اور کافر و بے ایمان سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہو سکتا ہے؟- والعیاذ باللہ- اور تم لوگ خود سوچ اور دیکھ لو کہ ان میں سے بہتر اور لازوال- ﴿خیر و ابقی﴾- انجام والا کون ہوگا؟- وباللہ التوفیق لمایحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید، بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ، وھو الھادی الی سواء السبیل - سبحانہ، وتعالیٰ-

۸۷ مشرکوں کی تذلیل کا ایک منظر اور ایک تحریف کا جواب: -سو اس سے مشرکوں کی تذلیل و تحقیر کے ایک منظر کو پیش فرمایا گیا ہے اور اس سے متعلق اہل بدعت کی ایک تحریف کا جواب بھی دیا جاتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''یاد کرو اس دن کو کہ جس دن اللہ ان کو پکار کر پوچھے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم لوگوں کو بڑا گھمنڈ تھا''۔ کہ وہ ہمیں عذاب سے

چھڑا دیں گے۔ ﴿شر کاء﴾ کا لفظ عام ہے۔ ہر شریک کو شامل ہے۔ خواہ اس کا تعلق بتوں اور بے جان مورتیوں سے ہو یا انسانوں، جنوں اور پیغمبروں، فرشتوں وغیرہ سے۔ جس کسی کو بھی کسی نے خدائی صفات و اختیارات میں شریک ٹھہرایا ہوگا وہ سب اس میں داخل ہیں۔ اور یہی قول جمہور مفسرینِ کرام کا قول ہے۔ مگر ہمارے دور کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے کہ اس قسم کی آیات میں ﴿شر کاء﴾ سے مراد صرف بت ہیں۔ تاکہ اس طرح ایسے لوگوں کے لئے کاروبارِ شرک و بدعت پر زد نہ پڑنے پائے اور ان کے لئے قبر پرستی اور مخلوق پرستی کے چور دروازے کھلے رہیں۔ اور ان کے بعض بڑوں نے خوفِ خدا سے عاری ہو کر اپنے تفسیری۔ بلکہ تحریفی۔ حواشی میں اس مقام پر یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ''دیوبند کے فضلاء اس جیسی تمام آیات کو اولیاء اللہ اور مشائخِ عظام پر چسپاں کرتے ہیں کہ ان کے مریدوں سے کہا جائے گا کہ اپنے پیروں کو بلا لو۔ حالانکہ یہ آیت بتوں سے اور مشرکوں سے متعلق ہے'' اب ذرا آپ یہاں پر چند حوالے بھی ملاحظہ فرمالیں کہ اسلافِ کرام اور جمہور مفسرین کا اس بارے کیا کہنا ہے اور یہ صاحب کیا کہتے ہیں؟ سو جمہور علماء و مفسرینِ کرام کی تصریحات اس بارے اس طرح ہیں۔ ''أَیْ شَیَاطِیْنَہُمْ وَسَادَتَہُمْ فِی الضَّلَالِ''۔ (جامع البیان: ج ۲، ۹۲۱)۔ أَیْ الْاَصْنَامُ وَالْاَنْدَادُ الَّذِیْنَ عَبَدْتُمُوْھُمْ مِنْ دُوْنِیْ۔ (صفوۃ: ج ۲، ۴۴۴ اور مختصر ابنِ کثیر ج ۲۱۳)۔ ''وَالْمُرَادُ کُلُّ مَنْ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ مَلَکٍ أَوْ جِنٍّ أَوْ إِنْسٍ أَوْ کَوْکَبٍ أَوْ صَنَمٍ أَوْ غَیْرَ ذَالِکَ''۔ (روح المعانی: ج ۲، ۱۰۰، البحر: ج ۲۰، ۱۰۰ اور المراغی ج ۲۰ ص ۸۱ وغیرہ)۔ ان مختصر حواشی میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں اگر اللہ پاک کی توفیق سے مفصل تفسیر لکھنے کی سعادت نصیب ہوگئی تو ان شاء اللہ وہاں پورے شرح و بسط سے اس کو بیان کیا جائے گا۔ بہر حال یہاں اتنا ہی کافی ہے۔ تو کیا صدیاں پہلے گزرنے والے یہ اَعلام المفسرین سب دیوبند کے فضلاء تھے؟ سو جب کوئی اپنی آنکھوں پر تعصب اور ہٹ دھرمی کی سیاہ پٹی باندھ لے تو اس کا حشر یہی ہوتا ہے جس کا نمونہ اہلِ بدعت کے ان بڑے صاحب نے اپنے ان تحریفی حواشی میں پیش کیا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف ثقہ مفسرینِ کرام کے ان حوالوں سے ظاہر اور واضح ہوگیا کہ ''شر کاء'' سے مراد عام ہے۔ جس کسی مخلوق کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پوجا پکارا جائے وہ سب اس میں داخل ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو اور کوئی بھی ہو۔ باقی رہ گئے وہ اللہ والے جن کی پرستش ان کی مرضی کے بغیر بلکہ اس کے خلاف کی گئی ہوگی جیسے حضرتِ عزیز اور حضرت عیسیٰ جن کو خدا کا بیٹا کہا گیا اور حضرتِ شیخ عبد القادر جیلانی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ جن کو اہلِ بدعت غوث۔ فریادرس۔ بلکہ غوثِ اعظم کہہ کر پکارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ تو ایسی تمام پاکیزہ ہستیاں بلاشبہ اس طرح کے ہر شرک سے بری اور پاک ہیں کہ ان کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اس لئے ان پر کوئی الزام نہیں۔ انہوں نے تو ساری عمر توحید ہی کا درس دیا اور سب کو ایک اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دی اور تبلیغ فرمائی۔ لیکن بعد میں ظالموں نے انہی کے نام پر طرح طرح سے شرک کا کاروبار کیا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۸۸ مشرکوں اور ان کے لیڈروں کے درمیان جوتا بازی کا ایک منظر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''تب بول اٹھیں گے وہ لوگ جن پر پکی ہو چکی ہوگی ہماری بات''۔ یعنی ہماری یہ بات کہ ہم نے جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھرنا ہے۔ ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾۔ یہاں پر اس سے مراد ہیں وہ مشرک لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عذاب صادر ہو چکا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز یہ مشرک لوگ اپنے آخری عذاب کے طور پر اپنے گمراہ کن لیڈروں کی طرف

اشارہ کر کے کہیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اگر یہ لوگ ہمیں گمراہ نہ کرتے تو ہم گمراہ نہ ہوتے۔ تو اس کے جواب میں ان کے وہ گمراہ کن لیڈر کہیں گے کہ ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ تھے۔ یعنی جو کچھ ہم خود تھے وہی کچھ ہم نے ان کو بتایا۔ لیکن اصل قصور ان کا خود اپنا ہے۔ یہ خود شامت زدہ اور بدبخت تھے جنہوں نے از خود ہماری بات کو مانا۔ یہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کا ایک احتمال اور قول ہے۔ اور یہ قول سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۳۸ اور ۳۹ کے مضمون کے مطابق ہے۔ جبکہ دوسرا قول و احتمال اس بارے یہ ہے کہ اس میں ﴿الذین حق علیھم القول﴾ سے مراد مشرک نہیں بلکہ ان کے لیڈر ہیں۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جنکو ہم نے گمراہ کیا تھا۔ کچھ مفسرین کرام نے اسی قول و احتمال کو اپنایا ہے۔ مآل اور مدعا کے اعتبار سے ان دونوں باتوں میں کوئی خاص فرق بہر حال نہیں پڑتا۔ بہر کیف اسکے بعد انکے وہ لیڈر کہیں گے کہ ہم تیرے حضور ان کے اعمال سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ خود اپنی خواہشات کی پوجا کرتے تھے۔ اور اسی بنا پر یہ ہمارے پیچھے چلتے تھے۔ اس لیے ہم پر انکی گمراہی کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنی گمراہی کے ذمہ دار یہ خود ہیں۔ اب ان کو اپنے کیے کا بھگتان بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ

۸۹ مجرموں کی طرف سے اقرار جرم کا ذکر و بیان: سو اس سے گمراہ کن لیڈروں کی طرف سے اپنے جرم ضلال و اضلال کے اقرار و اعتراف کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقعہ پر وہ گمراہ کن لیڈر اپنے جرم کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے صاف اور صریح طور پر کہیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔ جس طرح ہم خود گمراہ تھے اسی طرح ہم نے ان کو گمراہ کیا۔ یعنی جس طرح ہم لوگ اپنے ارادۂ و اختیار سے خود گمراہ ہوئے اسی طرح یہ لوگ بھی کسی جبر و اکراہ کے بغیر باختیار خود گمراہ ہوئے۔ پس ہم دونوں برابر ہیں۔ سوال ہوگا چیلوں سے اور بول پڑیں گے ان کے گرو کہ اپنے کیے کا انہیں خوب پتہ ہوگا۔ بہر کیف اس طرح وہ گرو اور لیڈر اپنے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کے جرم کا اقرار و اعتراف کریں گے جس کے نتیجے میں ان کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتنا ہوگا۔ سو قرآن حکیم کا یہ دنیا پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے غیب کے اس جہاں میں پیش آنے والے ان حقائق کو اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ اتنا پیشگی اس دنیا ہی میں بتا دیا جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ تا کہ جس نے بچنا ہو بچ جائے۔ لیکن ناشکری اور بے انصاف دنیا ہے کہ وہ اس کے باوجود خواب غفلت میں پڑی ہے۔ نہ اس کو اس کتاب حکیم کے اس احسان بے مثال کا کوئی احساس ہے اور نہ اپنے مآل و انجام کی کوئی فکر و پرواہ۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، ویا اکرم الاکرمین

۹۰ گمراہ کن لیڈروں کا اپنے پیرؤوں کی پرستش کا انکار: سو ارشاد فرمایا گیا کہ گمراہ کن لیڈر حق تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے کہ ہم تیرے حضور ان لوگوں کے اعمال سے اپنی براءت کا اظہار و اعلان کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ یہ سب اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے تھے۔ اور اپنی خواہشات کی تکمیل ہی کے لئے انہوں نے اس طرح کے ہتھکنڈے اختیار کر رکھے تھے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اپنی خواہشات کی تکمیل کا سامان چونکہ ان کو ہماری پیروی اور پوجا ہی میں ملتا تھا اس لیے یہ حق سے منہ موڑ کر ہمارے پیچھے چلتے اور ہماری پوجا کرتے تھے جو کہ اصل میں انکی اپنی ہی خواہشات کی پوجا اور پرستش تھی۔ لہٰذا ہمارے اوپر انکی کوئی ذمہ داری نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے جو کچھ کیا اپنی آزادی و مرضی اور اپنی خواہش اور پسند کے مطابق کیا۔ اس لیے اپنے کیے کرائے کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال

اِلَیْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ قِیْلَ ادْعُوْا

کے بعد) کہا جائے گا (مشرکوں سے ان کی تذلیل کے لئے کہ) اب پکارو تم اپنے شریکوں کو ف۹۱ چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے

شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ

پر وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے، اور یہ لوگ دیکھ لیں گے اس عذاب کو (جو ان کو ملنے والا ہو گا اور یہ رہ رہ کر افسوس کریں گے

لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ

کہ) کاش کہ انہوں نے راہ راست کو اپنایا ہوتا، اور (یاد دہانی کراؤ ان کو اس ہولناک دن کی) جس دن کہ وہ ان کو پکارے گا

مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ

پھر کہے گا (ان سے ان کی تذلیل و توبیخ کے لئے) کہ کیا جواب دیا تھا تم لوگوں نے (میرے بھیجے ہوئے) رسولوں کو؟ ف۹۲ سو اس دن گم ہو کر رہ

یَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ

جائیں گی ان کی یہ تمام سخن سازیاں (جن سے یہ لوگ آج کام لے رہے ہیں) پھر (نہ تو ان کو خود کچھ سوجھے گا اور) نہ ہی یہ آپس میں

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿۶۷﴾

ایک دوسرے سے کچھ پوچھ سکیں گے، البتہ جس نے (سچی) توبہ کی ہو گی اور اس نے (صدق دل سے) ایمان لا کر کام بھی نیک

وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ

کئے ہوں گے تو ایسا شخص امید ہے ف۹۳ فلاح پانے والوں میں سے ہو گا، اور تمہارا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے، اور چنتا (اور برگزیدہ کرتا)

۹۱ **مشرکوں کی تعجیز و تذلیل کا ایک اور منظر:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہا جائے گا کہ اب پکارو تم لوگ ان اپنے خود ساختہ شریکوں کو جن کا تم کو بڑا گھمنڈ اور زعم تھا کہ یہ بڑی پہنچیں ہوئی سرکاریں ہیں۔ ہماری بگڑی بنا دیں گی اور مشکل وقت میں ہمیں کام آئیں گی۔ سو اب ان کو پکار دیکھو۔ اس طرح مشرکوں کی مزید تذلیل ہو گی۔ سو یہاں سے اندازہ کیجئے کہ اس کتاب حکیم قرآنِ مجید کا دنیا پر کس قدر احسان ہے کہ اس نے عالمِ آخرت اور غیب کی یہ باتیں اس قدر صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس دنیا میں بتا دیں تا کہ لوگ اس انجام بد سے بچ سکیں جسکے جاننے کا اور کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ مگر دنیا ہے کہ پھر بھی خوابِ غفلت میں پڑی ہے اور اس کو پرواہ تک نہیں۔ الا ما شاء اللہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف اس سے مشرکوں کی تذلیل و تخجیل کا ایک اور منظر بیان فرمایا گیا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے لیڈروں اور اپنے بڑوں کے اس صاف اور

صریح اعلان براءت و بیزاری کو سن لیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تم لوگ اپنے ان خود ساختہ شریکوں اور معبودوں کو مدد کیلئے پکارو جن پر تم لوگوں کو بڑا گھمنڈ تھا۔ سو وہ ان لوگوں کو پکاریں گے مگر انکی طرف سے کوئی جواب نہیں ملے گا۔ تب انکی حسرت کی کوئی حد اور انتہاء نہیں ہوگی کہ عذاب ان کے سامنے ہوگا اور جنکی شفاعت و سفارش کی یہ آس لگائے بیٹھے تھے اور جنکی امیدوں پر یہ جئے اور مرے ان کو پکارنا صدا بصحرا ثابت ہوا۔ اور جو عذاب ان کو اپنے کئے کرائے کے نتیجے میں بھگتنا ہو گا وہ ان کے سامنے ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۹۲ مشرکوں کی تذلیل و تخجیل کے ایک اور منظر کا ذکر: ۔ سو اس سے قیامت کے روز مشرکوں کی تذلیل و تخجیل کا ایک اور منظر پیش فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاددہانی کراؤ ان کو قیامت کے اس ہولناک دن کی جس دن کہ اللہ ان لوگوں کو پکار کر پوچھے گا کیا جواب دیا تھا تم نے اپنے رسولوں کو۔ جن کو تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے دنیا میں بھیجا جاتا رہا۔ تاکہ وہ تمہارے سامنے حق و ہدایت کی اس راہ کو واضح کر سکیں جس پر چل کر تم لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہو سکو۔ سو اس روز ہر امت کو پکار کر اس سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگوں نے کیا جواب دیا تھا ہمارے بھیجے ہوئے رسولوں کو۔ اور ظاہر ہے کہ ان سے یہ سوال انکے جرم کی سنگینی کو ظاہر کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کیلئے کیا جائے گا کہ تمہارے رب نے جو تمہاری ہدایت و راہنمائی اور تمہاری بہتری اور بھلائی کیلئے یہ اہتمام فرمایا تھا کہ اپنے وہ رسول بھیجے جنہوں نے راہ حق و صواب کو تمہارے لیے واضح کر دیا۔ سو اب تم بتاؤ کہ تم نے اس عظیم الشان نعمت کی کیا قدر کی اور ان کو کیا جواب دیا تھا۔ سو اسکے جواب میں ان سے کوئی بات نہیں بن سکے گی۔ ان سب منکروں پر ایسا ہول طاری ہوگا اور اس قدر بدحواسی چھائی ہوگی کہ کسی سے کوئی بات بنائے نہ بن سکے گی اور وہ ایسی سراسیمگی میں مبتلا ہونگے کہ اس سوال کے جواب میں وہ کسی سے کچھ پوچھ پاچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ ﴿ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم امین

۹۳ ایمان والوں کیلئے فوز و فلاح کی بشارت: ۔ سو ﴿ عَسٰی ﴾ یعنی ''امید ہے'' کا یہ ارشاد ربانی یقین سے بھی کہیں بڑھ کر یقینی ہے۔ کیونکہ یہ ارحم الراحمین اور اصدق القائلین ۔ جل وعلا ۔ کے کلام صدق نظام میں واقع ہوا ہے۔ جہاں اتنی یقین دہانی بھی بہت بڑی چیز ہے۔ اور یوں بادشاہوں کے تکلم و تخاطب کا انداز بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ تو پھر بادشاہوں کے بادشاہ رب العالمین حضرت حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کی شان اقدس و اعلیٰ کے کہنے ہی کیا؟ اسی لئے مفسرین کرام کا کہنا ہے کہ ''التَّرجّي في القرآن بمعنى التحقيق لِاَنَّهٗ وَعْدٌ كَرِيْمٌ مِنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ وَّ مِنْ شَانِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَنَّهٗ لَا يُخْلِفُ وَعْدَهٗ'' ۔ (صفوۃ، مراغی، المحاسن وغیرہ)۔ سو حضرت حق ۔ جل جلالہ ۔ کے کلام صدق نظام میں جو ''عسی'' اور ''لعل'' جیسے کلمات ترجی سے امیدیں دلائی گئی ہیں وہ اس کے بندوں کے لئے بڑا سہارا ہیں۔ دوسری بات اس ضمن میں یہاں پر یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس سے ہمیں یہ سبق بھی مل رہا ہے کہ اپنے اعمال پر کبھی مست نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مومن صادق کو ہمیشہ ڈرتے ہی رہنا چاہیئے کیونکہ اس کا وعدہ تو بلاشبہ ہر لحاظ سے اور سب سے زیادہ پختہ و قوی ہے۔ مگر کیا ہمارے اعمال اس قابل ہیں بھی کہ اس کی بارگاہ اقدس و اعلیٰ میں شرف قبولیت پا سکیں؟ سو خطرہ اور خدشہ اگر ہے تو اسی اعتبار سے ہے۔ لہٰذا ہمیشہ اپنی نیت اور اپنے عمل کی اصلاح کی فکر میں لگے رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق و عنایت سے نوازے۔ آمین۔ بہرکیف اس ارشاد ربانی میں ان خوش نصیب لوگوں کیلئے فوز و فلاح کی عظیم الشان بشارت ہے جو اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایمان اور عمل صالح کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ وعلیٰ ما یحبُّ و یرید، بکل حالٍ من الاحوال

الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

ہے جس کو چاہتا ہے ف۹۴ یہ اختیار ان لوگوں کا کام نہیں اللہ پاک اور برتر ہے اس شرک سے ف۹۵ جو یہ لوگ کرتے ہیں،

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور تمہارا رب خوب (اور ایک برابر) جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ پوشیدہ ہے ان کے سینوں میں اور وہ سب کچھ جس کو یہ لوگ ظاہر کرتے

۹۴ خلق واختیار حق تعالیٰ ہی کی شان ہے :- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور تمہارا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور چنتا ہے جو چاہتا ہے''۔ پس جس طرح اس کی صفتِ خلق وایجاد میں کسی کا کوئی دخل واختیار نہیں وہ جو چاہے اور جیسا چاہے پیدا کرے اسی طرح اس کی صفتِ عطاء واختیار میں بھی کسی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوسکتا۔ وہ جو احکام چاہے صادر فرمائے اور جس کو چاہے شرفِ نبوت سے سرفراز فرمائے۔ لہٰذا کفارِ قریش کا نبوت محمدیہ پر یہ اعتراض بھی لغو اور باطل ہے کہ یہ نعمت مکہ اور طائف کے کسی سردار کو کیوں نہ بخشی گئی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾۔ (الزخرف:۳۱)۔ کیونکہ اللہ پاک سب کچھ خوب جانتا ہے کہ رسالت کے شرف سے کس کو نوازا جائے اور کون اسکے لائق اور اس کا اہل ہے۔ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾۔ (الانعام:۱۲۵)۔ سو فرشتوں کو یا کسی اور مخلوق کو جو بھی کوئی شرف ومرتبہ حاصل ہے وہ سب اسی کی عطاو بخشش سے ہے نہ کہ کسی کا کوئی ذاتی کمال یا شخصی استحقاق۔ سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو خدائی اختیارات میں شرکت یا حصہ داری کا کوئی حق حاصل ہوگیا۔ ایسوں کے لیے کوئی اختیار نہیں۔ سب اختیار اسی وحدہٗ لاشریک کو حاصل ہے۔ سو خلق واختیار حق تعالیٰ ہی کی شان اور اسی کا اختصاص ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۹۵ اللہ تعالیٰ کی شانِ تنزیہہ کا ذکر وبیان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اللہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں''۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ وہ پاک اور بالا وبرتر ہے ان تمام شریکوں سے جنہیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ مدعا ومقصود اور نتیجہ ومآل دونوں صورتوں اور دونوں تعبیروں کا بہرحال ایک ہی رہتا ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہر طرح کے شرک اور ہر قسم کے شریکوں سے پاک اور برتر ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ مانگو تو اسی سے مانگو اور رجوع کرو تو ہر حال میں اسی کی طرف کرو۔ جیسا کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اپنے ارشادات سے طرح طرح سے اس کی تصریح وتوضیح فرمائی ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ، علیہ۔ سو نہ کوئی اس کی ذات و صفات میں اس کا شریک وسہیم ہوسکتا ہے اور نہ ہی اسکے حقوق واختیارات میں۔ وہ ہر لحاظ سے یکتا اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے عبادت گزار بندے ہیں اور بس۔ کسی خدائی صفت میں انکی شرکت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہر لحاظ واحد واَحَد اور یکتا ہے سبحانہ، وتعالیٰ۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَ

اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کے لئے ہے ہر تعریف دنیا میں بھی، اور ہیں ۹۶ یہ

الْاٰخِرَةِ ز وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ

آخرت میں بھی ۹۷ اسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف بہرحال لوٹ کر جانا ہے تم سب کو (اے لوگو!) ۹۸ (ان سے) کہو

اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ

کہ کیا تم لوگوں نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ ۹۹ کے لئے تم پر رات ہی طاری

الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا

کردے تو پھر کون سا معبود ایسا ہوسکتا ہے اللہ کے سوا جو تمہیں روشنی کی ایک کرن لا دے؟ تو کیا

تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ

تم لوگ سنتے نہیں ہو؟ (نیز ان سے) کہو کہ کیا تم لوگوں نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ اگر اللہ

النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

قیامت تک ہمیشہ کے لئے تم پر دن ہی طاری کردے تو پھر کون سا معبود ایسا ہوسکتا ہے اللہ (وحدہٗ لاشریک) کے سوا

يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

جو لے آئے تمہارے پاس ایسی رات جس میں تم سکون حاصل کرسکو؟ کیا تم لوگوں کو کچھ سوجھتا نہیں؟

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا

اور اس نے اپنی رحمت (وعنایت) سے تمہارے لئے رات بھی بنائی اور دن بھی، تاکہ رات کو تو تم

۹۶ ابطال شرک علم الٰہی کے کمال کی رو سے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تمہارا رب خوب اور ایک برابر جانتا ہے وہ سب کچھ جس کو یہ لوگ پوشیدہ رکھتے ہیں اپنے سینوں کے اندر اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں"۔ اور جس اللہ کی یہ شان ہے اس کو دنیاوی بادشاہوں کی طرح سمجھ کر اور اس کو ان پر قیاس کرکے اسکے لئے خود ساختہ وسیلے ڈھونڈنا کس درجہ حماقت اور کتنی بڑی جہالت ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف اس کمال علمی کے بیان سے واضح ہوجاتا ہے کہ کوئی اس

کا شریک وسہیم نہ ہوسکتا ہے اور نہ اسکی کوئی ضرورت وحاجت ہے۔ کیونکہ وہ جب لوگوں کی ان باتوں کو پوری طرح اور ایک برابر جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں تو پھر اسکو اسکی ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ کسی کو اپنا شریک وسہیم ٹھہرائے؟۔سبحانہ، وتعالیٰ۔ نیز جب یہ شان اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کے اندر کی چھپی باتوں کو اور ان کی ظاہر کردہ باتوں کو ایک برابر جانتا ہے تو پھر اس کا کوئی شریک ہو ہی کس طرح سکتا ہے؟۔ سو وہ اپنی ذات وصفات اور اپنے حقوق واختیارات میں ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ ان میں دوسری کوئی بھی ہستی کسی بھی درجے میں اس کی شریک وسہیم نہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۹۷ ہر تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے۔سبحانہ، وتعالیٰ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کیلئے ہے ہر تعریف دنیا میں بھی آخرت میں بھی"۔ آخرت میں تو بہر حال اسی کی حمد وثنا کے غلغلے ہوں گے اس دنیا میں بھی جس کسی کی تعریف اس کی کسی خوبی کی بنا پر کی گئی یا کی جاتی ہے یا کی جائے گی، وہ سب بھی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے اسی وحدہٗ لاشریک کی تعریف ہے۔ کہ ہر خوبی وکمال اسی کو سزاوار، اسی کے لائق اور اسی کی طرف سے ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔ دنیا میں جو بھی کوئی نعمت کسی کو ملتی ہے یا ملے گی وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾۔ (النحل: ۵۳) یعنی "جو بھی کوئی نعمت تم لوگوں کو حاصل ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے"۔ اور آخرت میں بھی جو بھی کوئی نعمت کسی کو حاصل ہوگی وہ بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہوگی۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہر تعریف کے لائق اور اس کا مستحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر ایک کا فیصلہ اسی کے اختیار میں ہے اور ہر کسی نے لوٹ کر بہر حال اسی وحدہٗ لاشریک کے یہاں جانا اور اپنے کیے کرائے کا پھل پانا ہے۔ اور جب ہر نعمت اور خوبی اسی کی طرف سے ہے اور ہر تعریف کا حقدار بھی وہی ہے تو معبودِ برحق بھی وہی ہے اور عبادت وبندگی کی ہر قسم اور ہر شکل صرف اور صرف اسی کا حق ہے۔ جس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہوسکتا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

۹۸ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف۔سبحانہ، وتعالیٰ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو اے لوگو! تاکہ وہاں پہنچ کر ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پھل پا سکے"۔ اور اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے بھرپور طریقے سے پورے ہوسکیں۔ سو ہر کسی کو آخر کار اور بہر حال لوٹ کر اسی کے یہاں جانا اور اسکے حضور حاضر ہونا ہے۔ مومنِ صادق تو خوشی خوشی جائے گا تاکہ وہاں پہنچ کر اس کے یہاں کے بے مثال انعامات سے سرفراز ہوسکے۔ اور کافر بندھا بندھایا اور مجبور ولاچار ہوکر اس طرح جائے گا جس طرح کوئی قیدی اور مجرم قید خانے جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ تب ہر کسی کو معلوم ہوجائے گا کہ معبود وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور ہر قسم کی حمد وثنا اور تعریف وتوصیف کا حقدار وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو "تناسخ" اور "آواگون" کے قائل ہیں کہ ہم مرکر دوسرے جون میں آجائیں گے اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد یونہی کیڑے مکوڑوں کی طرح مٹ مٹا کر ختم ہوجائیں گے اور بس۔ سو اس

سے ایسے سب لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے اور یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ تم لوگ کوئی کیڑے مکوڑوں کی طرح عبث اور بیکار مخلوق نہیں ہو کہ تم یونہی مرمٹا کر ختم ہو جاؤ بلکہ تم لوگ ایک ذمہ دار اور کائنات کی مخدوم و مطاع مخلوق ہو۔ تم نے بہر حال دوبارہ اٹھ کر اور اپنے خالق و مالک کی بارگہِ اقدس واعلیٰ میں حاضر ہو کر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ سو تم لوگ چاہو یا نہ چاہو اور مانو یا نہ مانو ایسا بہر حال اور ہر قیمت پر ہو کر رہے گا۔ سو یہ ایک اہم اور بنیادی عقیدہ ہے جس سے زندگی کے دھارے بدل جاتے ہیں- وبالله التوفيق لمايحب ويريد، وعلى مايُحِبُّ ويريد، وهو الهادى الى سواء السبيل، سبحانهٗ و تعالىٰ

۹۹ سلسلۂ روز وشب میں سامانِ غور وفکر: -سو اس سے سلسلۂ روز وشب اور دن اور رات کی دو عظیم الشان نعمتوں کے بارے میں دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے- سو اس ارشاد سے دن رات کے ادلنے بدلنے میں قدرت کے بعض عظیم الشان دلائلِ قدرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ﴿ سرمد ﴾ کے معنیٰ ہیں ہمیشہ رہنے والا- ''الدائم المتصل'' -سو دن رات کے اس اختلاف اور ہیر پھیر میں اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور اس کی رحمت وعنایت کے عظیم الشان دلائل نظر آئیں گے۔ سو جب دائمی دن رات کو اللہ پاک کے سوا بدل دینے والا کوئی نہیں تو پھر اس کے سوا عبادت و بندگی کا حق بھی کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ (المراغی، ابنِ کثیر، صفوہ وغیرہ)۔ سو منکروں اور مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان کے دل ودماغ پر دستک دیتے ہوئے ان سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ سوچو تو سہی اور قدرت کے ان دو واضح نشانات کے بارے میں غور وفکر تو کرو۔ اگر وہ قادرِ مطلق خالقِ کل اور مالکِ مختار تم پر قیامت تک کیلئے سیاہ رات کی چادر تان دیتا اور تم اسکے سیاہ اندھیروں کے اندر ڈوب کر رہ جاتے تو پھر کون ہے جو تمہیں دن کی روشنی یا اسکی کوئی کرن دکھا سکے؟ جس میں تم لوگ دیکھ سکو اور اپنے کاروبار چلا سکو۔ اور اسی طرح اسکے برعکس اگر وہ تم لوگوں پر قیامت کے دن تک اجالا اور اسکی تیز روشنی مسلط کر دیتا تو پھر کون ہے جو تمہارے لیے اس سیاہ رات کا انتظام کر سکتا جس میں تم لوگ آرام وسکون کی نیند سوتے۔ سو جب کائنات کے اس تصرفات میں جن پر ساری مخلوق کی زندگی اور انکی بقا کا انحصار ہے ان میں تمہارے ان خود ساختہ معبودوں، دیویوں، دیوتاؤں اور فرضی ''سرکاروں'' کا کوئی عمل دخل نہیں۔ تو پھر تم لوگ ان کی خدائی کا دعویٰ آخر کس طرح کرتے ہو؟ اور ان کے آگے مراسمِ عبودیت کس طرح اور کیونکر بجا لاتے ہو؟ اور شرک کی دلدل میں آخر کیوں پھنستے اور اپنی تباہی کا سامان کرتے ہو؟ کیا تم لوگوں کو اتنی واضح حقیقت بھی سمجھ نہیں آتی؟ نیز تم لوگ سوچو کہ جس خالق و مالک کی ایسی عظیم الشان نعمتوں اور عنایتوں سے تم لوگ ہمیشہ ہر جگہ اور ہر حال میں مستفید وفیضیاب ہوتے رہتے ہو اس کا تم پر کیا حق ہے اور اس کا وہ حقِ واجب کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسے مالکِ مہربان اور ربِّ رحیم ورحمان سے منہ موڑنا اور روگردانی برتنا کتنا بڑا ظلم ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم- اللّٰهم فهٰذه نواصينا بين يديك فخذنا بها الى ما فيه حُبّك و رضاك بكل حالٍ من الاحوالُ وفى كل لحظة مِنَ اللحظاتُ فى الحياة يا ذا الجلال والاكرام - يا من بيده ملكوت كل شىء-

فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾

آرام کر سکو، ف۱۰۰ اور دن کو اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو، ف۱۰۱ اور تا کہ تم شکر ادا کر سکو (اسکی ان نعمتوں کا)

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ

اور (یاد دھانی کراؤ ان کو اس ہولناک دن کی) جس دن کہ وہ ان کو پکار کر فرمائے گا' کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک

۱۰۰ سلسلۂ روز و شب میں عظیم الشان دلائلِ قدرت و حکمت: سو رات اور دن کے یہ دونوں سلسلے اس وحدہٗ لاشریک کی قدرت و حکمت اور رحمت و عنایت کے دو عظیم الشان نشان ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے اپنی رحمت و عنایت سے تمہارے لیے رات بھی بنائی اور دن بھی۔ تو کیا جس ذاتِ اقدس و اعلیٰ نے تمہارے جسمانی آرام و سکون کا اس قدر انتظام فرمایا ہے کیا اس نے تمہارے لئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں فرمایا ہوگا؟ ضرور اور بالضرور فرمایا ہے۔ اور اسی لئے اس نے تمہیں دینِ حق کی اس نعمتِ عظمٰی سے نوازا ہے تا کہ اس کی روشنی میں تم لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہو سکو۔ پس تم پر لازم ہے اے لوگو کہ تم لوگ دل و جان سے اس کی قدر کرو اور اپنے آپ کو اس دینِ حق کے سانچے میں ڈھال کر دنیا و آخرت کی سعادت اور فوز و فلاح کا سامان کرو۔ سو رات اور دن کے یہ دونوں سلسلے اسکی قدرت و حکمت، رحمت و عنایت اور اسکی وحدانیتِ مطلقہ کے عظیم الشان نشان اور کھلے دلائل ہیں۔ لیکن ان سے مستفید و فیضیاب وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ان میں صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ جانوروں کے لیے ان میں کوئی سامانِ عبرت و بصیرت نہیں ہو سکتا۔ والعیاذ باللہ جل و علا بکل حال من الاحوال

۱۰۱ روزی اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا نتیجہ: - یہاں بھی روزی کو فضل - مہربانی - سے تعبیر فرمایا گیا ہے کہ یہ محض تمہاری سعی و کوشش کا نتیجہ و ثمرہ نہیں بلکہ اللہ پاک کی بخشش و عطا اور اس کی مہربانی و عنایت کا نتیجہ و ثمر ہے۔ پس تم لوگ روزی کے حصول کے لئے کوشش تو بے شک کرو مگر دل کا بھروسہ ہمیشہ اپنے خالق و مالک ہی پر رکھو کہ تمہیں ملے گا بہر حال وہی جو وہ واہبِ مطلق اپنے فضل و کرم سے تمہیں عطا فرمائے گا۔ پس روزی کے سلسلے میں تم لوگ دل کا بھروسہ بھی ہمیشہ اسی پر رکھو اور اس کے ملنے پر شکر بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا ادا کرو۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ دن اور رات کو اس پر حکمت طریقے سے لانا اسی قادرِ مطلق خدائے رحمان و رحیم کی قدرت و حکمت اور رحمت و عنایت کا نتیجہ ہے۔ نہ اس میں اور کسی کا کوئی عمل دخل ہے اور نہ تمہارا کسی طرح کا کوئی استحقاق۔ سو تم لوگ دیکھو کہ وہ کس قدر حکمت اور اہتمام سے تمہارے لیے رات لاتا ہے جو تمہارے لیے راحت و سکون کا ایک عظیم الشان بستر بچھا دیتی ہے۔ اور پھر وہی تمہارے لیے روزِ روشن کے طلوع کا سامان کرتا ہے جس سے تمہارے لیے تلاشِ رزق کے راستے کھل جاتے ہیں اور عظیم الشان میدان گرم ہو جاتا ہے تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید

كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا

جن کا تم لوگ دعویٰ (اور گھمنڈ) رکھتے تھے؟ ۱۰۲ اور نکال لائیں گے ہم (اس روز) ہر امت سے ایک گواہ، ۱۰۳

فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَ

پھر ہم کہیں گے لاؤ تم لوگ اپنی دلیل ۱۰۴ تب ان کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ حق تو قطعی طور پر اللہ ہی کے لئے ہے ۱۰۵ اور

ضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾ ع إِنَّ قَارُونَ

ع ۱۵ ۱۰

گم ہو کر رہ جائیں گے ان سے وہ سب جھوٹ جو یہ لوگ گھڑا کرتے تھے، بے شک قارون بھی

كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ص وَآتَيْنَاهُ

موسیٰ کی قوم میں سے تھا مگر اس نے (اپنے خبث باطن کی بناء پر) ان کے خلاف سرکشی کی، ۱۰۶ اور ہم نے اس کو

مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوأُ بِالْعُصْبَةِ

اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی چابیوں کو بھی ۱۰۷ ایک طاقتور جماعت کو اٹھانا

۱۰۲ **روزِ قیامت کی تذکیر و یاددہانی اور مشرکوں کو تنبیہ و تذکیر:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاددہانی کراؤ ان کو اس ہولناک دن کی جس دن وہ ان کو پکار فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم لوگ بڑا دعوٰی اور گھمنڈ رکھا کرتے تھے۔ کہ وہ ہمیں مشکل وقت میں کام آئیں گے اور ہمارا کام بنا دیں گے کہ یہ بڑی پہنچی ہوئی "سرکاریں" ہیں۔ "ہماری ان کے آگے اور ان کی اُس کے آگے" وغیرہ وغیرہ۔ قرآنِ حکیم آخرت کے اس ہولناک منظر کا ذکر جگہ جگہ اور طرح طرح سے فرماتا ہے تاکہ لوگ ایسے خود ساختہ مفروضوں اور من گھڑت ڈھکوسلوں سے بچ سکیں اور ان خود ساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ سے باز آجائیں اور ارتکابِ شرک سے اپنی تباہی کا سامان نہ کریں۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس ہولناک دن میں مشرکوں کو پکار کر اس طرح کہا جائے گا جس سے انکی تحقیر و تذلیل کا ایک اور منظر سامنے آئے گا - والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ من الاحوال

۱۰۳ **ہر امت سے ایک گواہ لانے کا ذکر:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور نکال لائیں گے ہم - اس روز - ہر امت سے ایک گواہ"۔ یعنی انکے نبی کو یا جو اس کے قائم مقام ہوگا جس نے انکو حق کا پیغام پہنچایا ہوگا۔ (فتح وغیرہ)۔ سو اس روز ہر پیغمبر اپنی امت پر گواہی دے گا کہ اس نے ان کو حق ہی کی دعوت دی تھی اور ان کو توحید ہی کی تعلیم و تلقین فرمائی تھی۔ اس طرح مشرکوں پر حجت قائم ہو جائے گی اور واضح ہو جائے گا کہ شرک کے ہولناک جرم کا ارتکاب ان لوگوں نے خود کیا تھا اور پیغمبر کی تعلیمات کیخلاف کیا تھا۔ اور ان کے نام پر کیا جانے والا کاروبارِ شرک انہوں نے انکے رخصت ہو جانے کے بعد کیا تھا۔ سو اس طرح ان لوگوں کا جرم ثابت اور مزید واضح ہو جائے گا اور اس حد تک اور اس طور پر کہ ان کے لیے کسی عذر و معذرت کی کوئی

گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ اور اس کے نتیجے میں ان کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کے بھگتان کے حوالے کر دیا جائے گا۔

۱۰۴ مشرکوں سے دلیل کا مطالبہ: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے کہ لاؤ تم لوگ اپنی دلیل اپنے ان عقائدِ باطلہ پر جن کو تم نے دنیا میں اپنا رکھا تھا اور جن کی بنا پر تم نے راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑ رکھا تھا اور فرصتِ عمر کو طرح طرح کی شرکیات کی نذر کر رکھا تھا۔ اور اپنی گمراہی اور بے راہ روی کے لئے تم لوگ طرح طرح کی حجت بازیوں اور سخن سازیوں سے کام لیا کرتے تھے۔ سو اب پیش کرو اپنی دلیل۔ یعنی پیغمبر نے تو اپنا موقف بیان کر دیا اور تمہاری شرکیات سے اپنی براءت و بیزاری کا اعلان کر دیا۔ اب تم لوگ بتاؤ کہ تمہارا موقف کیا ہے اور تمہارے پاس اپنے شرکیہ موقف کی سند اور اسکی دلیل کیا ہے؟ سو اس طرح ان لوگوں پر حجت قائم ہو جائے گی اور انکے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔ اور ان کو انکے ہولناک انجام میں دھر لیا جائے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۰۵ حق قطعی طور پر اللہ ہی کے لیے ہے: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت ان کے سامنے واضح ہو جائے گا کہ حق اللہ ہی کیلئے ہے اور یہ بات کھل کر ان کے سامنے آ جائے گی کہ مالک و مختار اور حاجت روا و مشکل کشا سب کا وہی اور صرف وہی ہے۔ اِنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ فِي الْاُلُوْهِيَّةِ لَا يُشَارِكُهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِيْهِ اَحَدٌ۔ (روح، ابنِ کثیر، مدارک، صفوہ وغیرہ)۔ سو اس وقت حق ان کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائے گا اور یہ اس کا صاف اور صریح طور پر اِقرار و اعتراف کریں گے۔ لیکن بے وقت کے اس اِقرار و اِعتراف سے ان کو کسی طرح کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا سوائے انکی آتشِ یاس وحسرت میں اضافے کے۔ اور ان کے وہ خود ساختہ مفروضے، من گھڑت فلسفے اور طرح طرح کے ڈھکوسلے سب کے سب ان سے کھو چکے ہونگے۔ جس کے بعد ان کیلئے کسی لب کشائی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ یہاں پر یہ امر ملحوظ رہے کہ ہر امت اور ہر گروہ اپنے کاروبارِ شرک و بدعت کی تائید میں اپنے نبیوں اور رسولوں اور اپنے بڑوں اور بزرگوں ہی کا حوالہ دیتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ انہی کی تعلیمات اور ہدایات کے مطابق کرتے ہیں۔ سو اس روز حضراتِ انبیاء و رسل اور شہدائے حق کی ایسی گواہی سے اصل حقیقت پوری طرح کھل کر سامنے آ جائے گی جس سے ایسے لوگوں پر حجت تمام ہو جائے گی جس کے بعد ان کے لیے کسی حیل و حجت، قیل وقال اور عذر و معذرت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی اور ان کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۰۶ قارون اور اسکی سرکشی کی داستانِ عبرت کا بیان: — سو یہاں سے طغیان و سرکشی کے دوسرے سبب یعنی دنیوی مال و دولت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جبکہ اس سے قبل اس کے پہلے عامل و باعث یعنی نشۂ اقتدار کو بیان فرمایا گیا ہے۔ روایات کے مطابق قارون حضرتِ موسیٰ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے اپنی قوم کے خلاف فرعون سے مل کر خوب خوب نفع اٹھایا۔ فائدے حاصل کئے اور دولت کمائی۔ پھر غرقِ فرعون کے بعد جب یہ حضرتِ موسیٰ کے ساتھ بچ نکلا تو بظاہر اگرچہ یہ مسلمان بنا ہوا تھا مگر اندر سے سامری کی طرح یہ بھی منافق اور منکر تھا۔ تا آنکہ جب حضرتِ موسیٰ نے بنی اسرائیل کو زکوٰۃ کا حکم سنایا تو یہ نفاق کے پردے سے نکل کر کھلے کفر کی شکل میں سامنے آ گیا۔ اپنے کچھ حواریوں کو جمع کر کے کہا کہ موسیٰ کی باتیں اس سے پہلے تو ہم سب مانتے اور برداشت کرتے رہے مگر اب تو اس نے ہم سے ہمارے مالوں کا مطالبہ بھی شروع کر دیا ہے۔ تو کیا تم لوگ اس

کی یہ بات بھی مان لو گے؟ ان ٹوڈیوں نے جواب دیا کہ جیسے جناب کی رائے ہو ہم ویسے ہی کریں گے۔ تو اس نے کہا میں تو کبھی بھی اس کے لئے تیار نہیں ہوں گا۔ انہوں نے کہا پھر ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ اس کے بعد اس نے ایک سازش تیار کی کہ ایک فاحشہ عورت کو بہت سارو پیہ پیسہ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ جب موسیٰ بھرے مجمع میں تقریر کر رہے ہوں تم اٹھ کر ان پر زنا کی تہمت لگا دینا۔ چنانچہ اس طے شدہ پروگرام کے مطابق اس فاحشہ عورت کو ایک ایسے مجمع میں لایا گیا جہاں حضرتِ موسیٰ نے خطاب فرمانا تھا۔ اور آپ نے دورانِ خطاب جب زنا کی سزا بیان فرمائی تو قارون نے کہا کہ موسیٰ یہ قانون سب کے لئے ہے؟ یا صرف ہمارے لئے؟ تو آپؑ نے فرمایا "نہیں سب کے لئے ہے"۔ تو اس نے کہا! اگرچہ آپ بھی کیوں نہ ہوں؟ حضرتِ موسیٰ نے فرمایا ہاں اگرچہ میں بھی کیوں نہ ہوں۔ اس پر اس ملعون نے کہا کہ لو اب سنو کہ فلاں عورت آپ کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ اس پر اس نے اس عورت کو مجمع میں کھڑا کر دیا۔ موسیٰ نے جب اس عورت کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھا تو وہ کانپ گئی۔ اور صاف بتا دیا کہ مجھے قارون نے بھاری لالچ کے عوض اس الزام و اتہام کے لئے تیار کیا تھا۔ اس کے بعد حضرتِ موسیٰ نے بارگاہِ خداوندی میں قارون کے لئے بددعا کی جس سے وہ ملعون اپنے مال و دولت سمیت زمین میں دھنس گیا اور ہمیشہ کے لئے فی النار والسقر ہو گیا۔ اور رہتی دنیا کے لئے درسِ عبرت بن گیا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (روح، قرطبی، ابن کثیر، خازن، معارف، مراغی، جامع اور فتح وغیرہ وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ ایسے اَشرار واَعداء کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ اور اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۱۷۲ قارون کے مال و دولت کا حال:- "مفاتیح"، "مفتح" کی جمع بھی ہو سکتی ہے جس کے معنیٰ خزانے کے آتے ہیں اور "مفتاح" کی جمع بھی جس کے معنیٰ چابی اور کنجی کے آتے ہیں۔ اس لئے بعض حضرات نے اگرچہ اس لفظ کو پہلے معنیٰ میں لے کر کہا کہ اس کے خزانے اتنے تھے کہ ایک طاقتور جماعت کے لئے بھی ان کا اٹھانا مشکل تھا۔ مگر اکثر کے نزدیک یہاں پر یہ لفظ مفتاح کی جمع ہے جس کے معنیٰ چابی کے آتے ہیں۔ یعنی اس کے خزانوں کی چابیاں اتنی تھیں کہ ایک طاقتور جماعت کے لئے بھی ان کا اٹھانا مشکل ہوتا تھا۔ اور سیاق و سباق کے اعتبار سے یہی قول راجح لگتا ہے کہ اس میں جو معنویت ہے وہ پہلے قول واحتمال میں نہیں۔ اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ امرِ واقع ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں خزانوں کی حفاظت کیلئے اس طرح کی تجوریاں، آہنی الماریاں اور سیف نہیں ہوتے تھے جس طرح کہ آج ہمارے اس دور میں پائے جاتے ہیں۔ اور نہ ہی اس زمانے میں اس طرح کے سیل کردہ قفل اور ایسی چابیوں کا رواج تھا جو آج ہمارے سامنے اور ہمارے اس دور میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اس زمانے کے سرمایہ دار بالعموم زمین دوز خزانے بناتے اور ان کی حفاظت کیلئے ان کے پھاٹکوں میں بڑے بڑے آہنی کنڈے لگا کر ان میں لوہے کے بڑے بڑے اڑنگے ڈال دیتے جو خاص انہی اَغراض و مقاصد کیلئے تیار کیے جاتے تھے۔ سو ان اڑنگوں کو پھنسانا، کھولنا، بند کرنا بڑا مشکل کام ہوتا تھا اور ان کے تمام لوازم مل ملا کر اتنے بڑے اور اس قدر بھاری بوجھ بن جاتے کہ ان کو ہٹانے یا اٹھانے کا کام ایک طاقتور جماعت کیلئے بھی ایک مشکل اور کٹھن امر ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس طرح کا طریقہ شہر پناہوں کی حفاظت اور قلعوں کے آہنی دروازوں کو بند کرنے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح کی یادگاریں اب بھی بعض مقامات پر پائی جاتی ہیں۔ سو آیتِ کریمہ میں اسی طرح کی کنجیوں کی طرف اشارہ ہے۔ سو جس طرح عربوں کے یہاں بڑی بڑی دیگوں کا پایا جانا انکی سخاوت وفیاضی کی دلیل سمجھا جاتا ہے اسی طرح بڑی چابیوں کو مالداری کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ بہر کیف وہ بدبخت اپنے دور کا بہت بڑا مالدار شخص تھا۔ اور اتنا کہ اس کی مالداری ضرب المثل بن گئی تھی۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

اُولِی الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ

مشکل ہوتا تھا، (اور وہ موقع یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ تو اترا نہیں، بے شک اللہ

لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ

پسند نہیں فرماتا اِترانے والوں کو، ۱۰۸ اور آخرت کے (حقیقی) گھر کو بنانے کی فکر کر اس (مال و دولت) سے

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

جو اللہ نے تجھے دے رکھا ہے، ۱۰۹ اور مت بھول اپنے حصے کو دنیا سے، ۱۱۰

۱۰۸ اکڑنے اترانے کی ممانعت: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جب اس بدبخت نے تمرد و سرکشی کی روش اختیار کی تو اس کی قوم کے دانش مند لوگوں نے اس سے کہا کہ تم اِتراؤ نہیں کہ اترانے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ یعنی نفسِ خوشی و مسرت کی ممانعت نہیں کہ وہ تو ایک طبعی اور فطری امر ہے بلکہ وہ تو ایک حد تک محمود و مطلوب بھی ہے۔ تاکہ اس سے اللہ پاک کی نعمتوں کی قدردانی ہو سکے اور ان کے حقِ شکر کی ادائیگی کی توفیق و سعادت نصیب ہو سکے۔ بلکہ اس فرح سے مراد وہ اکڑنا اِترانا اور حد سے بڑھنا ہے جو کہ انسان کے اندر تکبر اور غرور کی وہ صفاتِ ذمیمہ پیدا کر دے جن سے آگے طرح طرح کے مفاسد و مفاتن جنم لیتے ہیں اور قسما قسم کی وہ ہولناک برائیاں ابھرتی اور پھیلتی ہیں جو انسان کو دائمی ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دنیاوی مال و دولت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایسا انسان اسی کو اپنا مقصد بنا کر آخرت کو بھول جاتا ہے اور اسکے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے جو کہ خساروں کا خسارہ اور سب سے بڑا نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اسی لیے نبی اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی۔ "لا تتخذوا الضیعة فترغبوا"۔ یعنی "تم لوگ ضرورت سے زیادہ جائیدادیں بنانے کی پیچھے نہ پڑا کرو کہ پھر تم دنیا ہی کے ہو کے رہ جاؤ گے"۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف قارون کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ تم خداوندِ قدوس کی بخشی ہوئی نعمتوں کی بنا پر اور ان کے نشے اور غرور میں اسی کے خلاف اکڑنے اِترانے کی حماقت کا ارتکاب مت کرو کہ وہ اکڑنے اِترانے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ مگر مال و دولت کے باعث اکڑنے والے قارونی دماغ پر ایسی باتوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔ جسکے نتیجے میں وہ اپنے اس ہولناک انجام کو پہنچ کر رہا۔ والعیاذ باللہ

۱۰۹ مال و دولت کا صحیح مصرف اور حقیقی فائدہ: سو مال و دولت کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اس کو راہِ حق میں اور حق تعالیٰ کی تعلیمات و ارشادات کے مطابق خرچ کر کے اسے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ بنایا جائے۔ چنانچہ اس کی قوم کے ان دانش مندوں نے اس کو مزید نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ مال و دولت تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس سے تو آخرت کے اپنے اصل اور حقیقی گھر کو بنانے کی فکر کر۔ یہ ہے مال و دولت کا اصل مصرف کہ اس کو راہِ حق میں خرچ کر کے اس سے آخرت کی کمائی کا سامان کیا جائے۔ اور اس طرح اسے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس صورت میں وہ دولت ایک نعمت بن جائے گی۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا۔ "نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ"۔ "کہ

وہ مال جو نیک انسان کو نیک طریقے سے ملے وہ بڑی نعمت ہے"۔ اسی لئے قرآنِ پاک میں مال کو خیر کے لفظ سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ پس مال و دولت فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں، بلکہ اس کی اچھائی برائی کا مدار و انحصار دراصل انسان کی نیت و ارادے اور اس کے کسب و انفاق پر ہے۔ اگر وہ اس کو جائز اور حلال طریقے سے کما کر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور خلقِ خدا کی خدمت اور بہتری کے لیے خرچ کرے گا تو وہ اس کے لیے خیر ہی خیر اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ بنے گا۔ ورنہ وہ اس کے لیے دنیا و آخرت کی تباہی کا باعث ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم، بکل حالٍ من الاحوال

۱۱۶ اُخروی زندگی کی کامیابی کے لیے فکر و کوشش کا درس: - سو اس سے اپنی اُخروی زندگی کو یاد رکھنے اور اس کے لیے فکر و کوشش کرنے کے بارے میں ایک نہایت حکیمانہ تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا کہ "تم دنیا سے اپنے حصے کو مت بھولو"۔ عام طور پر مفسرینِ کرام نے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم اس دنیا میں بھی اپنا حصہ نظر انداز نہ کرو۔ یعنی اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے وغیرہ کی ضروریات ترک نہیں کرنا کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ اس صورت میں ﴿لاتنس﴾ بمعنی "لا تترک" ہوگا۔ اور یہ نہی کراہت تنزیہہ کے معنی میں ہوگی۔ عام طور پر حضراتِ مفسرین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے لیکن یہ بات کچھ دل کو لگتی نہیں کیونکہ دنیاوی فوائد و منافع حاصل کرنا کوئی ایسا مقصد نہیں کہ قرآنِ حکیم اس کے بارے میں اس طرح تاکیدی حکم دے۔ بلکہ یہ دنیا تو قرآن و سنت کی روشنی میں کسی اعتبار کے لائق ہے ہی نہیں کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ پس اس ارشاد کا مقصود و مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے آخرت کے لئے توشہ لے جانا نہیں بھولنا کہ یہ دنیا دراصل آخرت کی کمائی کے لئے مزرعہ اور کھیتی ہے۔ اور آج اس کا موقعہ ہے کہ انسان اپنی مرضی اور اپنے قصد و ارادے سے اسکو وجوہِ خیر میں صرف و خرچ کر کے آخرت کی اپنی اصل اور حقیقی زندگی کیلئے سامان کرے۔ ورنہ فرصتِ حیات کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اس کا کوئی موقعہ نہیں رہے گا۔ اور ﴿مِنَ الدُّنیَا﴾ "دنیا سے" کے کلمہ کریمہ سے بھی اسی مفہوم کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ ورنہ اوپر والا مفہوم جو کہ عام طور پر سمجھا اور بیان کیا جاتا ہے اس کے مناسب ﴿من الدنیا﴾ نہیں بلکہ "فی الدنیا" کی تعبیر ہے۔ اور یوں بھی ان ابنائے دنیا کو جو کہ دنیا ہی کیلئے جیتے اور مرتے ہوں اور جن کا مطمحِ نظر اور مقصودِ حیات ہی دنیاوی مال و دولت کے مزے لوٹنا اور تن و توش کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کرنا ہو ان کیلئے اس ہدایت و ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے کہ تم اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا کہ ان کا تو جینا مرنا ہی دنیا کیلئے ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس ارشادِ ربانی کا صحیح اور دل لگتا مفہوم و مطلب یہی ہے کہ اس دنیوی مال و دولت سے جو آج تمہیں میسر ہے اپنی آخرت اور وہاں کی حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے توشہ لے جانا نہ بھولنا۔ یہی مطلب وقیع بھی ہے اور دل کو لگنے والا بھی۔ اور آیت کے کلماتِ کریمہ سے ظاہر اور متبادر بھی۔ والحمد للہ الذی اَلھمَنِیہ۔ بہر کیف قارون کی قوم کے سمجھدار اور اسکے خیر خواہ لوگوں نے اس سے کہا کہ دنیاوی مال و دولت کی بنا پر اترانے کی بجائے اسکو اپنی آخرت کی کمائی کا ذریعہ بناؤ کہ اس دنیا کی ہر چیز فانی اور آنی جانی ہے۔ اسکی کسی بھی چیز کیلئے بقا اور دوام نہیں۔ اصل چیز ہے آخرت کی وہ زندگی جو کہ حقیقی بھی ہے اور دائمی اور ابدی بھی۔ سو اس دنیا میں تمہارے کام وہی چیز آئے گی جو تم اللہ کی راہ میں اور اسکی رضا کیلئے خرچ کرو گے۔ ورنہ تمہارا یہ مال و دولت تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا بلکہ یہ الٹا تمہارے لیے ہلاکت و تباہی کا باعث بن جائے گا۔ مگر اس نے اپنی بدبختی کی بنا پر نصیحت و خیر خواہی کی کسی بات پر کان نہ دھرا اور بالآخر وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ

اور بھلائی کر جس طرح کہ اللہ نے بھلائی کی ہے تجھ سے، اور تو فساد کے درپے نہ

فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ

ہو (اللہ کی اس) زمین میں، ۱۱۱ بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا فساد بپا کرنے والوں کو، تو اس نے

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ

جواب میں (اپنے تکبر بھرے انداز میں) کہا کہ یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھے حاصل ہے ۱۱۲ کیا اس کو یہ

۱۱۱ زمین میں فساد پھیلانے کی ممانعت: - زمین میں فساد مت پھیلاؤ - بے شک اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سو قارون کی قوم کے ان دانشمندوں نے اس بگڑے ہوئے انسان سے مزید کہا کہ تو زمین میں فساد مچانے کے درپے مت ہو اور اس میں فساد مت پھیلا اللہ کے حکم سے سرتابی کر کے اور اس کی عبادت و بندگی سے منہ موڑ کر کہ یہی چیز اصل میں فساد و بگاڑ اور ہلاکت و تباہی کی جڑ بنیاد ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اور اس کا باعث انسان کا وہ غلو و استکبار ہوتا ہے جس سے بندہ حدودِ بندگی سے نکل کر خدائی حدود اور اسکے حقوق میں مداخلت کرنے لگتا ہے جسکے نتیجے میں وہ دائمی ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے - والعیاذ باللہ - سو فساد فی الارض صرف چوری ڈکیتی اور راہزنی وغیرہ ہی کا نام نہیں۔ یہ تو اس کے محض بعض مظاہر ہیں۔ فساد فی الارض جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اصل میں علو و استکبار ہے جس سے انسان حدودِ بندگی سے نکل کر خداوندِ قدوس کی حدود اور اس کے حقوق میں مداخلت کرنے لگتا ہے۔ اور جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں وہ مفسدین فی الارض میں شامل ہیں خواہ وہ اصلاح و خیر خواہی کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ اور خواہ وہ اپنا کام کتنی ہی دانش فروشیوں سے کیوں نہ کرتے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو خداوندِ قدوس کیسے پسند کر سکتا ہے۔ سو ایسے فسادی عناصر کی حیثیت اس کے چمن میں خودرو جھاڑیوں اور اس کے خوانِ کرم پر ناخواندہ و ناپسندیدہ مہمانوں کی ہے۔ بالآخر وقت آنے پر وہ ان خودرو جھاڑیوں کو اکھاڑ پھینکے گا اور ان ناپسندیدہ عناصر کو بری طرح کھدیڑ دیا جائے گا - والعیاذ باللہ العظیم - بکل حالٍ من الاحوال

۱۱۲ قارون کا غرور و تکبر بھرا جواب: - سو قوم کے دانشمندوں کی ان مخلصانہ نصیحتوں کے جواب میں قارون نے کہا کہ یہ سب کچھ تو مجھے اپنے علم و ہنر کی بنا پر ملا ہے۔ سو یہ ہے مومن و کافر کے درمیان ایک واضح اور کھلا فرق کہ مومن اپنی ہر نعمت کو اللہ پاک کا فضل و احسان قرار دیتا ہے جبکہ کافر و منکر اسکو اپنی قابلیت اور محنت و کاوش کا نتیجہ و ثمرہ بتاتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ قابلیت جو مجھے ملی ہوئی ہے اور جس کا گھمنڈ میں رکھتا ہوں یہ مجھے بخشی کس نے؟ اور اس بخشنے والے کا مجھ پر حق کیا ہے؟ - تبارک و تعالیٰ - سو قارون نے اپنے کبر و غرور کے نشے میں کہا کہ یہ سب کچھ مجھے اپنے علم و ہنر، حسنِ تدبیر، قابلیت اور مہارتِ فن کی بنا پر ملا۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں۔ اس لیے مجھے کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور تمہارے اس وعظ کی میرے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں۔ پس تم جا کر یہ وعظ کسی اور کو سناؤ میں اس سے متاثر ہونے والا نہیں ہوں۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کا جن کا انجام بدقریب آلگا ہوتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین

اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ

معلوم نہیں تھا کہ اللہ اس سے پہلے بہت سی ایسی امتوں کو ہلاک کر چکا ہے، جو قوت میں بھی اس سے کہیں

اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ

زیادہ سخت تھیں، اور جمعیت کے اعتبار سے بھی اس سے کہیں بڑھ کر تھیں ۱۱۳ اور (اللہ تعالیٰ کے یہاں تو) مجرم لوگوں سے

عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ

ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا، ۱۱۴ پھر (ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی

۱۱۳ تاریخ سے درس عبرت لینے کی تعلیم و تلقین: -سو اس سے پہلی امتوں کی ہلاکت اور ان کی تاریخ سے درس لینے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور تحضیض و ترغیب کیلئے بطور استفہام ارشاد فرمایا گیا کہ کیا اس کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں بھی اس سے کہیں زیادہ سخت تھیں اور تعداد کے اعتبار سے بھی ان سے کہیں زیادہ تھیں مگر وقت آنے پر ان کی وہ مادی قوت، مال دولت کی وہ کثرت اور جمعیت وغیرہ ان کے کچھ کام نہ آ سکی۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی مال و دولت کا مل جانا اللہ پاک کے یہاں مقبول ہونے کی دلیل نہیں ورنہ ان لوگوں کا یہ حشر نہ ہوتا۔ اور اگر دنیاوی مال و دولت کا کسی کو مل جانا اس کے اللہ تعالیٰ یہاں محبوب و مقبول ہونے کی دلیل ہوتا تو یہ دولت قارون کی بجائے موسیٰ کو ملتی۔ بہرکیف اس ارشاد میں گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور ان کے انجام سے عبرت پکڑنے کے لیے تنبیہ و تذکیر ہے۔ تاکہ انسان اس سے سبق لے کر اپنی روش کی اصلاح کرے مگر غافل انسان اس سے لاپرواہ ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اللہ ہمیشہ راہ حق وصواب پر گامزن رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین

۱۱۴ مجرموں کیلئے ایک تنبیہ و تذکیر: -سو مجرموں کیلئے تنبیہ و تذکیر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی- سو ارشاد فرمایا گیا کہ مجرموں سے انکے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا کہ اس عالم الغیب والشہادۃ کے یہاں اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ اللہ پاک- سبحانہ، وتعالیٰ- سے ان کی کوئی چیز اور کوئی کیفیت مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ وہ ان کے سب کئے کرائے کو پوری طرح جانتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ ان کی نیتوں اور انکے دلوں کی چھپی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ اور اس کی شان ہے- "لَا تَخْفٰى عَلَيْهِ خَافِيَه" - سبحانہ، وتعالیٰ- سو قیامت کے روز مجرموں کے جرائم کے بارے میں کسی تحقیق و تفتیش کی ضرورت پیش نہیں آئیگی۔ ہر مجرم کی پیشانی اس کے ہاتھ پاؤں اور اسکے اعضاء و جوارح خود اسکے خلاف گواہی دیں گے۔ اور اس سے پہلے بھی جب اللہ تعالیٰ ان کے عذاب کا فیصلہ کر لیتا ہے تو ان کو اتنی مہلت نہیں دی جاتی کہ ان سے ان کے جرم کے بارے میں کچھ پوچھ لیا جائے اور ان کے پاس کوئی جواب ہو تو اس کو سن لیا جائے۔ بلکہ ایسوں کو ان کا عذاب فوراً دبوچ لیتا ہے اور قیامت کے دن بھی خدا تعالیٰ کو کسی کے جرائم کے بارے میں کسی تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ ہر مجرم کی پیشانی اور اس کے اعضاء و جوارح اسکے خلاف گواہی دیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾- (الرحمٰن: ۴۱)- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین یا رب العالمین

فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

پوری ٹھاٹھ میں نکلا تو وہ لوگ جو دنیوی زندگی ہی چاہتے تھے کہنے لگے

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ

اے کاش کہ ہمیں بھی وہی کچھ مل جاتا جو کہ قارون کو دیا گیا ہے، واقعی یہ شخص بڑے ہی

عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ

نصیبے والا ہے ۱۱۵ اور (اس کے برعکس) ان لوگوں نے جن کو علم (صحیح کی دولت) سے نوازا گیا تھا ۱۱۶ انہوں نے (ان)

ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا

سے کہا افسوس ہے تم پر (اے کوتاہ نظر لوگو!) اللہ کا ثواب تو اس سے کہیں بڑھ کر بہتر ہے ہر اس شخص کے لئے جو ایمان لائے

يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ

اور عمل بھی نیک کرے، اور یہ (شرف نصیب) نہیں ہوتا مگر صبر کرنے والوں کو، آخر کار ہم نے دھنسا دیا زمین میں اس کو بھی اور

الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ

اس کے گھر کو بھی، پھر نہ تو وہاں کوئی ایسی جماعت تھی جو اللہ کے مقابلے میں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

اس کی کوئی مدد کرتی، اور نہ ہی وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا،

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ

اور وہ لوگ جو کل اس کے مرتبے کی تمنا کر رہے تھے، پکار اٹھے

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

ارے افسوس (ہماری نادانی پر)، واقعی اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ

۱۱۵ قارون کے ایک بڑے جلوس کا ذکر:- سو قارون جب اپنی زیب و زینت کے اظہار اور دکھلاوے کے لیے

ایک جلوس کی شکل میں نکلا تو ان لوگوں نے جن کے سامنے دنیا اور اس کے مادی ٹھاٹھ باٹھ ہی سب کچھ ہیں انہوں نے قارون کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر کہا کہ کاش کہ ہمیں بھی وہ کچھ مل جاتا جو قارون کو ملا ہے۔ یقیناً وہ بڑا ہی نصیبے والا ہے۔ سو یہ ابنائے دنیا کی للچائی ہوئی نگاہوں کا ایک مظہر ہے۔ دنیاداروں اور دولت پرستوں کا یہی حال کل تھا اور یہی آج ہے کہ دنیا کی چمک دمک سے ان کی رال فوراً ٹپک پڑتی ہے اور ان کے منہ میں پانی بھر آتا ہے کہ بس یہی ٹھیک اور یہی سب کچھ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ وہ اسکو دیکھنے اور جاننے سے قاصر اور عاجز ہوتے ہیں کہ اس ظاہر کے پیچھے اصل حقائق کیا ہیں اور اس ظاہر کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اسی دوران قارون نے اپنی شان و شوکت کے اظہار اور اس کے مظاہرہ ونمائش کے لیے کوئی بڑا جلوس نکالا تا کہ اس طرح وہ موسٰی اور ان کے ساتھیوں کو مرعوب اور اپنی جمعیت میں اضافہ کر سکے۔ اور اس کے لیے اس نے اپنی دولت اور حشمت کا خاص طور پر مظاہرہ کیا جیسا کہ ﴿ فی زینتہ ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہی چیز عوام کالانعام کو سب سے زیادہ متاثر ومرعوب کرتی ہے۔ اور قارون کی یہ حرکت بعینہٖ اسی طرح کی حرکت ہے جس طرح کہ ہمارے ملک کے لیڈر صاحبان اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے اور عوام کے اندر اپنی مقبولیت دکھانے کے لیے مختلف شہروں اور قصبوں وغیرہ میں آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لیتے ہیں۔ اللہ نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین ویا اکرم الاکرمین ویاارحم الرّاحمین

۱۱۲ علم حقیقی کی روشنی ہی اصل روشنی ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں کو حق اور حقیقت کے علم کی روشنی بخشی گئی تھی انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ آخرت کا ثواب ایمان والوں کے لیے اس سے کہیں بڑھ کر بہتر ہے۔ سو وہ لوگ راہِ حق پر ثابت قدم رہتے ہیں اور کسی بھی لالچ یا خوف سے ان کے قدم ڈگمگانے نہیں پاتے۔ پس اصل علم وہی علم ہے جو انسان کو حق اور حقیقت سے آگہی بخشتا ہے اور اس علمِ حقیقی کی روشنی ہی وہ اصل اور حقیقی روشنی ہے جو انسان کیلئے اصل حقائق کو روشن کرتی اور اس کو مہالک سے آگہی بخشتی ہے۔ یہ علم اگر کسی کو حاصل نہ ہو تو وہ سراسر اندھیروں میں ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو بہت کچھ کہتا اور سمجھتا ہو اور خواہ دوسرے علوم میں وہ کتنا ہی ماہر اور شاطر کیوں نہ ہو۔ اور اس نے کتنی ہی بڑی ڈگریاں کیوں نہ اٹھا رکھی ہوں۔ بلکہ یہ علم الٹا اس کے لیے وبال اور اسکی محرومی میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ﴿ اولوا العلم ﴾ میں علم سے مراد علمِ حقیقی ہے۔ یعنی خداوندِ قدوس کی معرفت اور آخرت سے آگہی بخشنے والا علم۔ یہی وہ علم ہے جس سے انسان کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔ اور جن کو یہ علم حاصل نہیں وہ سراسر اندھیروں کے اندر ڈوبے ہوئے ہیں خواہ وہ روشنی اور علم وہنر کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ بلکہ وہ الٹا جہل مرکب میں مبتلا ہو کر اور بھی گہرے اندھیروں میں ڈوب جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ جَلّ وعلا بِکُلِّ حال مّن الاحوال

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ

کر دیتا ہے اور جسے چاہے نپا تلا دیتا ہے ۱۱۷ اگر اللہ نے ہم پر مہربانی نہ فرمائی ہوتی تو یقیناً وہ

بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ع ۸۲ تِلْكَ الدَّارُ ع ۱۱

ہمیں بھی (زمین میں) دھنسا دیتا، ہائے افسوس (ہمیں یہ بھی معلوم نہ رہا کہ) کافر لوگ کبھی فلاح نہیں پا سکتے ۱۱۸ آخرت کا یہ

الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي

عظیم الشان گھر ہم ان ہی لوگوں کو دیں گے جو نہ زمین میں اپنی بڑائی

الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۸۳

(اور تکبر) چاہتے ہیں ۱۱۹ اور نہ (کسی طرح کا) کوئی فساد (و بگاڑ)، اور (یہ بہر حال حقیقت ہے کہ کامیابی) انجام کار پرہیز

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ

گاروں ہی کے لئے ہے ۱۲۰ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے کہیں اچھا بدلہ ملے گا، ۱۲۱ اور جو کوئی

۱۱۷ روزی کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں: سو روزی کے بسط و قبض کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ روزی کی تنگی اور کشادگی کا معاملہ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہی بہتر جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے اور کس کو کیا اور کتنا دیا جائے؟ اور کب اور کس طرح دیا جائے؟ پس نہ تو رزق کی کشائش و فراوانی اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و مقبول ہونے کی دلیل و علامت ہو سکتی ہے اور نہ اس کی تنگی اس کے یہاں غیر مقبول ہونے کی نشانی۔ بلکہ اس ضمن میں اللہ پاک کی کچھ دوسری ہی حکمتیں اور مصلحتیں کارفرما ہوتی ہیں جن کا احاطہ و ادراک بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک عام اور بڑی حکمت یہ ہے کہ یہ سب کچھ آزمائش کے لئے ہوتا ہے۔ کسی کو وہ دنیا دے کر آزماتا ہے اور کسی سے دنیا چھین کر۔ کسی کے صبر کی آزمائش ہوتی ہے اور کسی کے شکر کی۔ لہٰذا اس کو معیارِ قبولیت اور فضیلت قرار دینا بالکل غلط اور بے بنیاد چیز ہے۔ سو جن لوگوں نے دنیائے دوں کے وقتی اور مادی فائدوں ہی کو سب کچھ سمجھ لیا وہ بڑے خطاکار ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر قسم اور ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۱۱۸ ابنائے دنیا کی خام خیالی اور زود پشیمانی کا ایک مظہر و نمونہ: سو قارون کے اس عبرتناک انجام سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کے سامنے واضح ہو گیا کہ دنیا کی عارضی اور چند روزہ نعمتوں سے متمتع ہو جانا اور بات ہے لیکن ہمیشہ کی اور اصل کامیابی کافروں کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتی جس کا ایک ثبوت قارون کا یہ انجام بھی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ابنائے دنیا

کی خام خیالی اور زود پشیمانی کا یہ ایک عام نمونہ ہے جو یہاں پر واضح فرمایا گیا ہے کہ وہ جب کسی دنیادار کے پاس مال و دولت اور اقتدار دیکھتے ہیں تو اس پر رشک سے مرنے لگتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔ اور اس کا یہ مال و دولت اور جاہ و اقتدار ہمیشہ رہے گا۔ انکو لاکھ سمجھاؤ کہ یہ سب کچھ فانی ہے وہ نہیں سمجھتے۔ تا آنکہ جب ایسا کوئی شخص اپنے ہولناک انجام کو پہنچتا ہے تو اس وقت یہ لوگ کہتے ہیں کہ اہلِ علم نے ٹھیک کہا تھا جنہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ رزق و فضل کا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ اور یہ کہ دنیاوی مال و دولت کا، مل جانا کسی کے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے کی علامت نہیں ہوسکتا۔ ورنہ قارون اس ہولناک انجام سے دوچار نہ ہوتا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۱۹ **دارِ آخرت کے حق داروں کا ذکر و بیان:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرت کا یہ گھر انہی لوگوں کیلئے ہے جو نہ زمین میں فساد چاہتے ہیں اور نہ ہی وہ استکبار سے کام لیتے ہیں۔ یعنی وہ تکبر اور اپنی بڑائی نہیں چاہتے بلکہ اللہ کی زمین میں اللہ ہی کی عظمت کے ذکر و احساس سے اس کے حضور دل کی گہرائیوں سے جھکے جھکے رہتے ہیں۔ اور تکبر و سرکشی کی بجائے وہ عبدیت و بندگی کے طور طریقوں کو اپنا شعار بنائے رکھتے ہیں۔ سو اس علو اور سرکشی سے مراد یہ ہے کہ کوئی حق سے سرکشی کرے اور دوسروں کو اپنے سے حقیر سمجھے ورنہ محض اچھا لباس پہننا وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ (ابن کثیر، معارف وغیرہ) کہ اچھا کھانا اور اچھا پہننا سرے سے تکبر میں داخل ہی نہیں جبکہ ایسا کرنا صحیح نیت کی بناء پر اور جائز حدود کے اندر ہو۔ بلکہ یہ اس اعتبار سے ایک درجہ میں مطلوب و محمود ہے تاکہ اس طرح انسان اپنے خالق و مالک کی بخشی ہوئی اور اسکی عطا فرمودہ نعمتوں پر اس واہبِ مطلق کا شکر ادا کرے جو کہ اصل مقصود ہے۔ اس امر کو مختلف نصوصِ کریمہ میں طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ دارِ آخرت کے مستحق اور اس کے حقدار وہی لوگ ہوں گے جو اللہ کی اس زمین میں نہ فساد چاہتے ہیں نہ سرکشی۔

۱۲۰ **انجام کار کامیابی پرہیزگاروں ہی کیلئے یعنی ان بندگانِ صدق و صفا کیلئے:** ۔ جو ڈرتے اور بچتے رہتے ہیں ہر اس کام سے جو ان کے خالق و مالک کی ناراضگی کا باعث ہو۔ والعیاذ باللہ۔ سو وہ اللہ کی زمین میں فساد و استکبار سے کام لینے کی بجائے اپنے خالق و مالک کے حضور عاجزی اور بندگی کرنے والے بندے بن کر رہتے ہیں۔ اسکی مقرر فرمودہ حدود کے اندر رہتے ہیں اور اللہ کی زمین میں اپنی اَہواء و اَغراض کے مطابق چلنے کی بجائے وہ اس نظامِ حق و عدل کے حامی و علمبردار بن کر رہتے ہیں جسکو انکے خالق و مالک نے اپنے بندوں کیلئے مقرر کیا اور پسند فرمایا ہے۔ سو یہی لوگ متقی و پرہیزگار ہیں اور انجام کار فوز و فلاح انہی لوگوں کیلئے ہے۔ سو انسان کے باطن کا استکبار کے جراثیم سے پاک ہونا اور اعمال کا فساد سے محفوظ رہنا حقیقی فوز و فلاح کی اصل اور اساس ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید، بکل حالٍ من الاحوال۔

۱۲۱ **نیکی کرنے والے کیلئے بہتر بدلے کا وعدہ:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس سے بہتر بدلہ ہے" اور وہ کتنا اچھا ہوگا؟ اس کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی گئی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ بدلہ اس سے کتنا اچھا ہوگا۔ دوسری نصوص میں اس کی تصریح اس طرح ہے کہ وہ کم سے کم دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہوگا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ سو نیکوکاروں کے ساتھ وہاں پر معاملہ صرف عدل و انصاف پر نہیں بلکہ فضل و کرم اور انعام و احسان کی بنیاد پر ہوگا کہ یہ بدلہ اکرم الاکرمین کی طرف سے ہوگا۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ

برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو جنہوں نے برے عمل کیے ہوں گے اتنا ہی بدلہ ملے گا

إِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ

جتنا کہ وہ عمل کرتے رہے تھے، ۱۲۲ بے شک جس ذات نے فرض کیا ہے

عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ إِلٰى مَعَادٍ ط قُلْ رَّبِّيْٓ

آپ پر اس قرآن (کی تعلیم و تبلیغ) کو، وہ ضرور پہنچا دے گی آپ کو عظیم الشان انجام تک ۱۲۳ (اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے)

أَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ

کہو کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا اور کون ہے وہ جو کھلی گمراہی میں

مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا أَنْ يُّلْقٰٓى إِلَيْكَ

(پڑا غوطے کھا رہا) ہے، اور آپ تو کوئی امید بھی نہ رکھتے تھے کہ آپ کی طرف اتارا جائے گا اس

الْكِتٰبُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا

کتاب (عزیز) کو ۱۲۴ مگر (اس کا نزول تو) محض آپ کے رب کی مہربانی سے ہوا، پس آپ (اس نعمت لازوال کے بعد)

۱۲۲ برائی کا بدلہ برابر برابر: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ برے اعمال والوں کیلئے برائی کا بدلہ اسی کے برابر ہوگا نہ کہ اس سے زیادہ سو نیکی کا بدلہ تو کم سے کم دس گنا مگر برائی کا بدلہ برائی کے برابر اور بس۔ اور یہ اس اکرم الاکرمین۔ جل جلالہٗ- کی شانِ کرم و احسان کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ نیکی کا بدلہ تو وہ دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی کہیں زیادہ عنایت فرماتا ہے مگر برائی کا بدلہ صرف اتنا ہی ہوتا ہے جتنی کہ وہ ہوتی ہے۔ سو یہ اس وہاب مطلق کے فضل و کرم۔ اور انعام و احسان کا ایک اور نمونہ و مظہر ہے- فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ عَلٰى كَرَمِهٖ وَإِحْسَانِهٖ جَلَّ وَ عَلَا شَانُهٗ- بہرکیف اس ارشاد سے نیکی اور بدی کے بارے میں وہ اصول بیان فرما دیا گیا ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ آخرت میں نیکوں اور بدوں کے ساتھ معاملہ فرمائے گا- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ، وھو الھادی الی سواء السبیل -

۱۲۳ لفظِ "معاد" سے مقصود و مراد؟: -اس "معاد" سے کیا مراد ہے؟ اس بارے حضرت علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس سے مراد ہے فتح مکہ یا موت یا آخرت اور قیامت۔ (ابن کثیر، قرطبی، معارف للکاندھلویؒ، معارف

للہ یوبندیٰ وغیرہ) اور "معاد" کے لفظ کا عموم ان سب ہی صورتوں کو عام اور شامل ہے۔ چنانچہ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ ﷺ - ایک خاص اعزاز اور شان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور اس کے بعد ہر موقعہ پر آپ کو خاص عنایات سے نوازا گیا اور نوازا جائے گا کہ آپ کے لئے ہر بعد والی حالت پہلی حالت سے اچھی ہی ہوگی۔ جیسا کہ آپ سے آپ کے رب کا صاف وصریح وعدہ ہے۔ ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾۔ سو معاد کے اصل معنی مرجع، غایت اور انجامِ کار کے ہیں۔ اور تنوین یہاں پر تعظیم اور تفخیم کیلئے ہے۔ یعنی شاندار انجام اور اعلیٰ مرجع اور اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو اس سے نوازا۔ بہرکیف اس سے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کو تسلی دی گئی ہے کہ اس قرآن کو آپ نے کوئی اپنے خدا سے مانگ کر تو نہیں لیا اور خود نہیں اتروایا بلکہ خداوندِ قدوس نے اس کو آپ پر خود اپنے کرم سے اور اپنے انتخاب کے مطابق اتارا ہے۔ اور اس کی تعلیم وتبلیغ کی ذمہ داری آپ پر عائد فرمائی ہے۔ سو آپ کو اس ذمہ داری کی فکر میں اس قدر تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں کہ آپ اس کی وجہ سے گھلے جائیں۔ بلکہ جس ذاتِ اقدس واعلیٰ نے اس کو آپ پر اتارا ہے وہی اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں آپ کی مدد فرمائے گی۔ اور وہی آپ کو کامیابی کی منزل تک پہنچائے گا۔ اس لیے آپ ان مخالفین کی ذرہ برابر پرواہ نہ کریں۔ اپنی دعوت پر جمے رہیں۔ یہ لوگ خواہ کتنا ہی زور لگائیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور نہ آپ کا راستہ روک سکیں گے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ اس لیے آپ اسی پر بھروسہ رکھیں اور اپنے موقف میں ذرہ برابر تبدیلی یا لچک نہ آنے دیں۔ آپ بہرحال حق پر ہیں۔ ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ، عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾۔ (یٰس:۳-۴)۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۲۲ نبوت خالص عطیۂ الٰہی اور موہبتِ ربانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ اس بات کی کوئی امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر اس کتاب کو اتارا جائے گا"۔ سو آپ کو جو شرفِ نبوت اور اس کتابِ عزیز کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا گیا تو یہ محض اللہ پاک کی رحمت اور اس کی عنایت کی بنا پر ہوا۔ ورنہ آپ کو تو اس سے پہلے اس کی کوئی امید تک نہ تھی۔ پس اس کے شکریے میں آپ کبھی کافروں کی پشت پناہی نہ کیجئے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ سے اس کا کوئی احتمال تھا نہیں بلکہ یہ دراصل آپ کو خطاب کر کے دوسروں کو سنانا مقصود ہے جس سے ان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب پیغمبر کو بھی کافروں کی پشت پناہی اور ان کا ساتھ دینے کی اجازت نہیں تو پھر تم لوگوں کو کیسے ہو سکتی ہے؟ اور کفار کو یہ بتلایا جا رہا ہے کہ تم لوگ جو پیغمبر کو اپنے آبائی دین کی طرف بلا رہے ہو تو تمہارا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ سو یہاں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نبوت خالصتاً اللہ پاک کا عطیہ واحسان ہوتا ہے۔ بندے کے کسی کسب واختیار کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اہلِ بدعت اور دوسرے محرفین کا یہ کہنا کہ آپ کو نبوت بچپن ہی سے مل گئی تھی، بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے، جو ارشاداتِ کتاب وسنت سے متعارض ومنافی ہے۔ قرآنِ پاک تصریح فرما رہا ہے کہ نبوت کا ملنا تو درکنار آپ کو ایسی کوئی امید بھی نہ تھی۔ ہاں اللہ پاک کے علم میں آپ کو خلقِ آدم سے بھی پہلے نبوت سے سرفراز فرما دیا گیا تھا۔ جیسا کہ - "كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ" - والی روایت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ لیکن خارج میں بالفعل آپ کو نبوت چالیس سال کی عمر شریف گذارنے کے بعد ہی ملی۔ جیسا کہ اس کا واقعہ مشہور ومعروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے پیغمبر کے ہاتھ پر جو خرقِ عادت قسم کے امور صادر ہوتے ہیں ان کو معجزہ نہیں کہا جاتا بلکہ انکو "ارہاصات" کہا جاتا ہے۔ بہرکیف شرفِ نبوت ایک خالص عطیہ الٰہی اور موہبتِ ربانی ہوتا ہے، جس سے اللہ پاک جسکو چاہتا ہے اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ

کافروں کے لئے پشت پناہ نہیں بن جانا، ۱۲۵ اور کبھی آپ کو روکنے نہ پائیں یہ لوگ اللہ کی آیتوں (کی تعلیم وتبلیغ) سے،

اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ

اس کے بعد کہ ان کو اتار دیا گیا آپ کی طرف، اور آپ بلاتے رہیں اپنے رب کی (راہ حق وصواب کی) طرف، اور

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

کبھی مشرکوں سے نہیں ہو جانا، ۱۲۶ اور پکارنا نہیں اللہ کے ساتھ کسی بھی اور (خودساختہ) معبود کو، ۱۲۷

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

کوئی معبود نہیں سوائے اس (وحدۂ لاشریک) کے، ۱۲۸ ہر چیز نے بہرحال ہلاک (اور فنا) ہو جانا ہے، بجز اس کی ذات

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

(اقدس واعلیٰ) کے۔ اسی کے لیے ہے حکم اور اسی کی طرف لوٹا جائے گا تم سب کو (اے لوگو!) ۱۲۹

۱۲۵ **دعوتِ حق پر استقامت اور ثابت قدمی کی ہدایت:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کبھی روکنے نہ پائیں یہ لوگ آپ کو اللہ کی آیتوں سے اس کے بعد کہ ان کو اتار دیا گیا آپ کی طرف۔ پس آپ ان بدبختوں کی کوئی بات نہیں ماننا اور ان کی کسی بات پر کبھی توجہ نہیں دینا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ کافروں اور منافقوں کی کوئی بات نہیں ماننا اور نہ انکی ایذاء رسانیوں کو خاطر میں لانا اور بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر رکھنا۔ اور اللہ کافی ہے کارسازی کے لیے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ (الاحزاب: ۴۸)۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ مخالفین خواہ کتنا ہی زور لگائیں انکی کسی بات پر کان نہیں دھرنا۔ اور یہ آپ کو اللہ کی ان آیتوں سے روکنے نہ پائیں۔ اور یہ بدبخت جن باتوں سے چڑتے ہیں ان کو برملا کہو اور ڈنکے کی چوٹ پر کہو۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو بات نازل ہو چکی ہے وہ اب نہ واپس ہوسکتی ہے اور نہ اسکو کسی طرح دبایا جاسکتا ہے۔ وہ بہرحال حق وصدق ہے اور اسی میں بھلا ہے لوگوں کا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ان کا کوئی متبادل ممکن نہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ بکل حالٍ من الاحوال

۱۲۶ **مشرکوں سے احتراز واجتناب کا حکم وارشاد:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ کبھی مشرکوں سے نہ ہو جانا"۔ خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے کہ آپ سے تو اس طرح کا کوئی احتمال ہی نہ تھا۔ بہرکیف وحیِ خداوندی کے اولین اور اصل مخاطب چونکہ آپ ہی ہیں اس لیے آپ سے ارشاد فرمایا گیا ہے

کہ "اپنے رب کی طرف بلاتے رہو اور مشرکوں سے نہیں ہو جانا" اور کفارِ قریش کو چونکہ زیادہ چڑ دعوتِ توحید ہی سے تھی اس لیے زیادہ زور اسی پر دیا گیا کہ اس میں مداہنت شرک ہو گی۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف مشرکین کو اصل چڑ چونکہ عقیدۂ توحید ہی سے ہوتی ہے۔ کل کے مشرکوں کا حال بھی یہی تھا اور آج کے مشرکوں کا حال بھی یہی ہے۔ اس لیے عقیدۂ توحید کے بیان ہی پر زیادہ زور دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۲۷ معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پکارنا نہیں اللہ کے ساتھ کسی بھی اور۔ خود ساختہ۔ معبود کو" کہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی بھی ہستی ایسی نہیں ہے۔ جس کو اس طرح کا کوئی حق پہنچتا ہو کہ معبودِ برحق بہرحال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا حق اور اسی کے ساتھ مختص ہے۔ سو اس طرح شرک کی تردید کیلئے یہ مزید تاکید فرما دی گئی کہ اسکے سوا کسی بھی اور معبود کو نہیں پکارنا تا کہ اس طرح مداہنت کی ہر قسم کا سدِ باب ہو جائے۔ مگر افسوس کہ اس قدر تاکید و تکرار کے باوجود غیر اللہ کے پکارنے کے اس ہولناک جرم کا ارتکاب آج تک کیا جا رہا ہے اور دھڑلے سے کیا جا رہا ہے۔ کھلے مشرکوں کے علاوہ کلمہ گو مشرک بھی اس جرم میں کھلے عام شریک اور ملوث ہیں۔ ان کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے اللہ کو پکارنے اور "یا اللہ مدد" کہنے کی توفیق نہیں ملتی۔ لیکن مخلوق میں سے طرح طرح کے خود ساختہ مشکل کشاؤں اور حاجت رواؤں کو وہ اعلانیہ پوجتے پکارتے ہیں۔ اور ان کو اس امر کا کوئی خیال و احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہلاکت و تباہی کے کس قدر گہرے کھڈے میں گر رہے ہیں

۱۲۸ کوئی معبود نہیں سوائے اس وحدہٗ لاشریک کے: ۔ جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ اسکے سوا اور کسی بھی ہستی کیلئے کسی بھی طرح کی عبادت بجالانا شرک ہو گا جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس قیام اسی کیلئے، رکوع و سجود اسی کیلئے، طواف اسی کیلئے، نذر و نیاز اسی کیلئے اور غائبانہ حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے پکارنا اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ معبودِ برحق بہرحال وہی ہے۔ پس بھروسہ و اعتماد ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہ لاشریک پر رکھو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴾۔ (المزمل: ۹)۔ یعنی وہی رب ہے، مشرق اور مغرب کا، کوئی معبود نہیں سوائے اس وحدہٗ لاشریک کے، پس تم ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کو اپنا وکیل اور کارساز بناؤ، وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید

۱۲۹ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر اور حصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب کو۔ اے لوگو۔ بہرحال اسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ آخرت میں تو ہر طرح سے اور اس دنیا میں بھی تکوینی امور میں اس کے سوا کسی کے حکم و فرمان کا کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا تشریعی امور میں بھی فرماں روائی کا حق اسی کا ہے۔ اگر کوئی اس کو نہیں مانے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ حاکم بہر کیف وہی اور صرف وہی ہے اور ہر چیز کا رجوع بہرحال اسی کی طرف ہے۔ اور ہر شے کی باگ ڈور اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اسی نے باقی رہنا ہے۔ اسکے سوا ہر چیز فانی ہے اور اس نے بہرحال اپنے وقت پر فنا کے گھاٹ اتر کر رہنا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾۔ (الرحمٰن: ۲۶-۲۷) اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ سب سے سچی بات وہ ہے جو لبید شاعر نے کہی۔ یعنی "اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی اور بے حقیقت ہے"۔ بہر کیف سب کو اس حی و قیوم

کے حضور لوٹ کر حاضر ہونا ہے اور وہاں پر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا صلہ وثمر اور بدلہ پانا ہے۔ لہٰذا ہر کوئی دیکھ لے کہ وہ وہاں کیلئے کیا کر کے جا رہا ہے اور وہ کس چیز کی توقع رکھ سکتا ہے؟ ۔ وباللہ التوفیق ۔ بہر کیف ﴿الیہ ترجعون﴾ کے اس مختصر سے جملے سے کئی اہم اور بنیادی حقائق کو واضح فرما دیا گیا ہے جس سے کفر وشرک سمیت ہر بد دینی اور بے دینی کے مداخل ومنافذ کو یکسر بند کر دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر مٹ کر یونہی ختم ہو جائیں گے کوئی حساب نہیں ہوگا۔ سو اس سے ایسے لوگوں کی اس گمراہی اور غلط فہمی کی جڑ نکال دی گئی کہ تم لوگ کوئی کیڑے مکوڑے یا برسات کی مینڈکیں نہیں ہو کہ یونہی مر مٹا کر ختم ہو جاؤ اور بس۔ بلکہ تم تو انسان اور ایک نہایت ذمہ دار مخلوق ہو۔ تم نے بہر حال دوبارہ اٹھ کر اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا اور بھگتان بھگتنا ہے۔ اسی طرح اس ارشاد سے ان لوگوں کی گمراہی کی جڑ بھی نکال دی گئی جو کہتے ہیں کہ ہم اس کے بعد نئے جون میں آ جائیں گے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نہیں یہ سب تمہاری اپنی من گھڑت باتیں اور خود ساختہ مفروضے ہیں جن کی نہ کوئی اساس ہے نہ بنیاد۔ تم سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اس کے سوا تمہارا نہ کوئی ماویٰ ہے نہ مرجع۔ پھر لفظ "رجوع" کے اندر اس کے لیے ایک دلیل بھی مخفی ومستور ہے۔ کیونکہ اس کے معنیٰ لوٹنے کے آتے ہیں۔ اور لوٹنا وہیں اور اسی کی طرف ہوتا ہے جہاں سے کوئی آیا ہوتا ہے۔ سو جب تم لوگ اسی وحدہٗ لاشریک کی تخلیق وتکوین کا نتیجہ وثمرہ ہو اور تمہارا وجود اسی کی تخلیق وعنایت کا نتیجہ ہے تو تم سب کو بالآخر اور بہر حال اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر ﴿ترجعون﴾ کا صیغہ بھی مجہول کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہو اور لوٹائے جاؤ گے۔ تم چاہو یا نہ چاہو ایسا بہر حال ہوتا ہے اور ہو کر رہے گا۔ سو جس طرح تمہارا اس دنیا میں آنا تمہاری اپنی مرضی اور اختیار سے نہیں تھا ایسے ہی تمہارا یہاں سے جانا اور اس کی طرف لوٹنا بھی نہ تمہاری مرضی پر ہے اور نہ تمہارے ارادہ واختیار کا اس میں کوئی عمل دخل ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ ۔ ﴿الیہ ترجعون﴾ کے اس مختصر سے اور سیدھے سادے جملے میں کتنے اہم اور کس قدر عظیم الشان درس ہیں ہر اس شخص کے لیے جس کا سینہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے فہم کے لیے کھول دے ۔ فالحمد للہ رب العالمین، الذی بیدہ زمام کل شیء سبحانہٗ وتعالیٰ

☆ ـــــ تکمیل نظر ثانی ۲۱ شعبان ۱۴۱۸ھ، مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز اتوار، بوقت ساڑھے دس بجے شب، بمکان خود، سطوہ دبی، متحدہ عرب امارات، والحمد للہ رب العلمین، الذی لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ،

☆ ـــــ تکمیل پروف ریڈنگ دوسری بار ۲۸ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۴ اپریل ۲۰۰۰ء بروز منگل بوقت سوا چھ بجے شام (قُبَیلَ المغرب) بمکان خود اسلام آباد (1-10/1) دوران اجازت ورخصت، والحمد للہ رب العالمین فی کل زمان ومکان،

☆ ـــــ تکمیل پروف ریڈنگ تیسری بار ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۹ جون ۲۰۰۱ء بروز منگل بوقت پونے نو بجے شام بمقام جامع محمد بن مُدَیَّہ دیرہ دبی (بموقع ہفتہ واری درس تفسیر) والحمد للہ رب العالمین الذی بیدہٖ ازمۃ التوفیق والعنایۃ،

☆ ـــــ تکمیل پروف ریڈنگ چوتھی بار ۱۷۔ شوال ۱۴۲۳ ہجری مطابق ۲۰ جنوری ۲۰۰۳ء بروز پیر بوقت تین بجے شام، سطوہ، دبی۔ والحمد للہ رب العالمین ۔ فانہ ھوالذی لاحد لجودہٖ وکرمہٖ واحسانہٖ سبحانہ وتعالیٰ۔

☆ ـــــ اَللَّمَسَاتُ الاخیرۃ (Final Touches) ۹ ذوالحجہ ۱۴۲۴ ہجری مطابق یکم فروری ۲۰۰۴ء، مدنی منزل، مارگلہ ٹاؤن، اسلام آباد، پاکستان ۔ والحمد للہ رب العالمین ۔ فی کل زمان ومکان، وبکل حال من الاحوال

آیاتھا ۶۹ — ۲۹ سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ ۸۵ — رُکُوْعَاتُھَا ۷

سورۂ عنکبوت مکی ہے' اس کی انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے،

الٓمّٓ ۚ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا

ا ل م — کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ محض اتنا کہہ دینے پر

اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ

کہ ہم ایمان لائے' اور ان کی کوئی آزمائش نہیں ہوگی؟ حالانکہ ہم نے ان لوگوں کی بھی کڑی آزمائشیں کیں

قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ

جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' سو اللہ کو ضرور دیکھنا ہے ف۱ ان کو جو سچے ہیں (ان کو آزمائش کی بھٹی سے گزار کر) اور اس نے ضرور دیکھنا ہے

الْكٰذِبِيْنَ ③ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ

ان کو بھی جو جھوٹے ہیں، کیا ان لوگوں نے جو برائیاں کرتے جا رہے ہیں یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے

يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ

نکل جائیں گے؟ بڑا برا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کر رہے ہیں، ف۲ جو کوئی اللہ سے ملنے کی توقع

اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤

رکھتا ہو تو (وہ اس کے لئے تیاری کرتا رہے کہ) بے شک اللہ کے (مقررہ کردہ) وقت نے بہرحال پھر آ کر رہنا ہے ف۳ اور وہی

۱ سنت ابتلاء و آزمائش کی تذکیر و یاد دہانی:۔ سو اس سے ابتلاء و آزمائش کی سنت خداوندی کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ "اللہ کو ضرور دیکھنا ہے ان کو جو سچے ہیں اور اس نے ان کو بھی ضرور دیکھنا ہے جو جھوٹے ہیں"۔ سو علم سے یہاں پر علم ظہور یعنی دیکھنا مراد ہے کہ اللہ پاک۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ کے علم ازلی سے تو کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں۔ مگر وہ فیصلہ صرف اپنے اسی ازلی اور ذاتی علم پر نہیں فرماتا بلکہ ہر فعل کے ظہور اور وقوع کے مطابق فرماتا ہے۔ اسی لئے وہ لوگوں کو اس دنیا میں ابتلاء و آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ کھرے کھوٹے کا فرق خود سامنے آ جائے ورنہ جہاں تک اسکے علم محیط کا تعلق ہے وہ

سب کچھ جانتا ہے اور ہر ایک کے ظاہر و باطن سے ایک برابر اور پوری طرح واقف و آگاہ ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ اور اسکو پوری طرح معلوم ہے کہ کون مخلص ہے اور کون منافق۔ مگر وہ لوگوں کے ساتھ جزاوسزا کا معاملہ محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر نہیں فرماتا بلکہ لوگوں کے عمل کی بنا پر فرماتا ہے۔ اس لیے وہ ہر ایک کو امتحان میں ڈال کر دیکھتا اور پرکھتا ہے کہ اسی سے کھرا کھوٹا سامنے آ جاتا ہے اور ہر ایک کے درجات متعین ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس آیت کریمہ میں اس سنت ابتلاء و آزمائش کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی ہے جس سے اللہ پاک۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ ان لوگوں کو آزماتا ہے جو ایمان و اسلام کا دعوی لیکر اٹھتے ہیں۔ تاکہ کھرا اور کھوٹا نکھر کر سب کے سامنے آجائے اور اس طور پر اور اس حد تک کہ کسی کیلئے کسی انکار یا قیل وقال کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید و علی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۲ ظالموں کیلئے تنبیہ وتذکیر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا برائیاں کرنے والوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے؟"۔ یعنی ان کے طرز عمل سے یوں ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ گویا ان کی کوئی باز پرس ہونی ہی نہیں اور محض ایمان کے زبانی کلامی دعوے ہی سے ان کا کام بن جائے گا۔ سو ایسا سمجھنا غلط ہے بلکہ کھرے کھوٹے کے درمیان فرق وتمیز کے لئے ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزرنا ضروری ہے۔ سو مومن کو اس کے لئے بہرحال تیار رہنا چاہیئے۔ سو اس ارشاد ربانی میں ان ظالموں اور شر انگیزوں کیلئے تنبیہ وتذکیر ہے جو کمزور مسلمانوں کو دباتے اور ان پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں۔ ان کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے اور ان کے دلوں پر دستک دینے کیلئے ان سے بطور سوال فرمایا جا رہا ہے کہ کیا یہ لوگ جو مظلوموں پر ظلم ڈھا رہے ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ ان کے اس ظلم وستم کی کوئی پوچھ نہیں ہوگی؟ اور یہ ہماری گرفت و پکڑ سے نکل جائیں گے؟ سو بڑا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اور ہماری ڈھیل کا یہ غلط مطلب لے رہے ہیں۔ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ انکی باز پرس بہرحال ہونی ہے اور انہوں نے اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگت کر رہنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۳ مخلصین کے لیے سامان تسلیہ وتسکین: - سو اس میں سچے ایمان والوں اور مظلوموں کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جو کوئی اللہ سے یہ توقع رکھتا ہو وہ اس کے لیے تیاری کرتا رہے کہ بے شک اللہ کے مقرر کردہ وقت نے بہرحال پہنچ کر رہنا ہے"۔ اور پتہ نہیں وہ کب اور کس حال میں آجائے اور انسان کو اس دنیائے دوں سے رخت سفر باندھنا پڑے۔ لہٰذا ہر وقت اس کیلئے تیاری کی فکر میں رہنا چاہیئے کہ دار آخرت کی اس حقیقی منزل اور ابدی زندگی کی تیاری کے لئے پھر کوئی موقع اس دنیاوی زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد میسر نہیں آسکے گا۔ سو اس ارشاد ربانی میں ایک طرف تو سچے مسلمانوں کو یوم حساب اور اسکے لیے تذکیر و یاد دہانی ہے کہ اسکو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھو اور دوسرے اس میں ان مظلوموں کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان بھی ہے جو اپنے ایمان وعقیدے کی بنا پر ظالموں کے ظلم کا شکار بنتے ہیں کہ تمہیں اس سب کا اجر وصلہ بہرحال ملے گا۔ اور ظالموں کو اپنے ظلم وعدوان کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ اپنے رب کے حضور حاضری کے موقعہ پر تم ہر اس محنت اور رحمت کا صلہ پاؤ گے جو تم نے اس کی خاطر جھیلی ہوگی۔ اللہ سمیع وبصیر ہے۔ کوئی بھی چیز اس کے احاطہ علم وقدرت سے باہر نہیں ہوسکتی۔ راہ حق میں اور حق کی خاطر تمہاری سرفروشیاں بھی اس کے سامنے ہیں اور تمہارے دشمنوں کی ستم رسانیاں بھی۔ تب ہر کسی کو اس کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ وبدلہ ملے گا۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید، وعلی مایحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔ اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ط إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ

ہے سننے والا (ہر کسی کی) اور) جاننے والا (سب کچھ) اور (واضح رہے کہ) جس نے محنت (ومشقت) کی تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ محنت

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(ومشقت) اپنے ہی لئے کرتا ہے ف۴ ورنہ) اللہ تو قطعی طور پر اور ہر لحاظ سے بے نیاز ہے سب جہانوں سے، اور جو لوگ ایمان لائے اور

لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ

انہوں نے کام بھی نیک کیے تو ہم ضرور مٹا دیں گے ان سے ان کی برائیاں، اور ان کو نہایت عمدہ بدلہ دیں گے ان کے ان کاموں کا جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

وہ کرتے رہے تھے (دنیا میں) ف۵ اور ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے اس کے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا، اور (ساتھ ہی

حُسْنًا ط وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ

یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ) اگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے کسی ایسی چیز کو جس کے بارے میں تجھے

بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ط اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا

کوئی علم نہیں ف۶ تو ان کا کہنا نہیں ماننا تم سب کو آخر کار لوٹ کر میری ہی طرف آنا ہے، تب میں بتا دوں گا تم کو وہ سب کچھ جو تم

۴ **ہر کسی کا عمل اس کے اپنے ہی لیے:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ”جس نے محنت و مشقت کی تو اس نے خود اپنے ہی بھلے کا سامان کیا“۔ کہ اس کا صلہ و بدلہ خود اسی کو ملے گا اور اس کا فائدہ براہِ راست اسی کو پہنچے گا ورنہ اللہ پاک -سبحانہٗ و تعالیٰ- تو اس سے ہر لحاظ سے غنی اور بے نیاز ہے۔ اس کو نہ کسی کی اطاعت و عبادت سے کسی طرح کا کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی کی معصیت و نافرمانی سے اس کے کسی ضرر و نقصان کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ ہر کسی سے، ہر طرح سے اور ہر اعتبار سے غنی و بے نیاز ہے۔ یہ سب کچھ ہر انسان اپنے ہی لئے کرتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾- نیز فرمایا گیا- ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا﴾- پس اپنے بھلے اور فائدے کے لئے جس قدر محنت و مشقت کر سکتے ہو کرو کہ پھر اس کا موقعہ ملنے کا نہیں کہ اس سب کا صلہ و بدلہ خود تمہی لوگوں کو ملے گا۔ اور اس راہ میں محنت کر کے تم لوگ اپنی آخرت سنوارتے اور اپنے ہی گھر کو بناتے ہو۔ کسی پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ اس لیے اسکو غنیمت سمجھو- وباللہ التوفیق- سو جس طرح ایک کسان اپنے

کھیت میں محنت مشقت کرتا ہے تو اس کا پھل وہی خود پائے گا اور اپنی بیجی ہوئی فصل خود کاٹے گا اور ایک دانے کے بدلے سو دانے حاصل کرے گا اسی طرح جو شخص راہِ حق میں مشقتیں اٹھاتا ہے وہ اپنی ہی منزلیں طے کرتا اور خود اپنی ہی آخری اور ابدی منزل کی آبادی کا سامان کرتا ہے۔ خداوندِ قدوس کے لیے اس سے کسی فائدے کا کوئی سوال نہیں۔ پس ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ اور سوچ لے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ وبالله التوفيق لما يحب ويريدُ وعلىٰ ما يحب ويريد بكل حال من الاحوال، وفي كل موطنٍ من المواطن فى الحياة ۔

۵ اہلِ ایمان کیلئے کرم و احسان کا وعدہ و خوشخبری: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے تو ہم ضرور مٹا دیں گے ان سے انکی برائیاں اور ان کو نہایت عمدہ بدلہ دیں گے ان کے ان کاموں کا جو وہ کرتے رہے تھے اپنی دنیاوی زندگی میں''۔ یعنی اصل نظر ان کے اعمال کے نقائص پر نہیں ہوگی کہ ان کی کمزوریاں چھانٹی جائیں بلکہ معاملہ اس اکرم الاکرمین کے کرم کے مطابق فرمایا جائے گا جس کے اِنعام و اِکرام اور فضل و احسان کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء۔ سو اس کے لئے اس کی طرف سے کرم کا معاملہ فرماتے ہوئے اعمالِ صالحہ کا بدلہ بہترین شکل میں دیا جائے گا۔ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ کی صورت میں عمل کرنے والے کے صدق و اخلاص اور قوت ایمان و یقین کی بنیاد پر۔ پس جس قدر ممکن ہو سکے اس کی رحمت و رضا کے لئے صدق و اخلاص سے کام کرتے جاؤ۔ اللہ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ سو اس ارشادِ ربانی میں ان خوش نصیبوں کیلئے بڑا عمدہ وعدہ اور عظیم الشان خوشخبری ہے جو ایمان اور عملِ صالح کی دولت سے سرفراز و مالا مال ہوتے ہیں۔ وبالله التوفيق لما يحب ويريد وعلىٰ ما يحب ويريد فى كل موقف من المواقف فى الحياة ۔

۶ خالق کی اطاعت سب سے مقدم اور سب پر فائق: ۔ سو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم و تلقین کے سلسلے میں اس بات کی بھی تصریح فرما دی گئی کہ اگر وہ تمہیں میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں تو ان کی یہ بات کبھی نہیں ماننی۔ سو اس سے اس اصول کو واضح فرما دیا گیا کہ خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ پوری کائنات میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو اس کی شریک ہو سکے۔ تو پھر اس کے بارے میں علم کا کیا سوال؟ سو یہ تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ میرے ساتھ کسی بھی چیز کو کسی بھی حال میں شریک ٹھہرانا جائز نہیں۔ سو ماں باپ کی ہر بات مانی جائے مگر ان کے کہنے پر کسی ناجائز بات کا ارتکاب نہ کیا جائے کہ اصول اور بنیاد بہر حال یہی ہے کہ خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی بھی مخلوق کی بات ماننا جائز نہیں۔ جیسا کہ حضرتِ نبیِ معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے اپنی اس اہم اور بنیادی تعلیم میں ارشاد فرمایا ہے۔ '' لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ '' ۔ کہ خالق کی اطاعت و فرمانبرداری سب سے مقدم اور سب پر فائق ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

لوگ (زندگی بھر) کرتے رہے تھے ۷ اور جو لوگ ایمان لائے ہوں گے، اور انہوں نے کام بھی نیک کیے ہوں گے، ان کو ہم

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ

ضرور داخل کر دیں گے (ان کی شان اور درجہ کے مطابق اپنے قرب خاص کے) سزاواروں میں، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ

(زبانی کلامی تو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، لیکن جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو وہ لوگوں کی اس

كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ

ایذا رسانی کو اللہ کے عذاب کے برابر قرار دینے لگتے ہیں ۸ اور اگر (کبھی مسلمانوں کو) تیرے رب کی جانب سے کوئی مدد پہنچ

اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ

جائے تو وہ زور دے کر کہتے ہیں کہ (صاحب!) ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ کو وہ سب کچھ پوری طرح معلوم نہیں جو

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ

جہان والوں کے دلوں میں ہے؟ ۹ اور اللہ کو تو ضرور دیکھنا ہے ان لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لائے اور اس نے ضرور دیکھنا ہے

الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ان کو بھی جو منافق ہیں (ابتلاء و آزمائش کے ذریعے)، اور وہ لوگ جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، وہ ایمان والوں

۷ **مخلوق کی اطاعت مشروط و محدود:** — سو ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری مشروط و محدود ہے۔ اور جب اس بارے ماں باپ کی بات بھی نہیں مانی جا سکتی تو پھر اور کسی کی کیونکر مانی جا سکتی ہے؟۔ جیسا کہ ''لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق'' — کے ارشادِ نبوی — علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم — میں بھی بتایا گیا ہے۔ روایات کے مطابق یہ آیتِ کریمہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے والدین کے بڑے ہی خدمت گزار اور فرمانبردار بیٹے تھے۔ جب اللہ پاک نے آپؓ کے دل کو ایمان کے نور سے منور فرمایا اور آپؓ ایمان لے آئے تو آپ کی مشرکہ والدہ نے کہا کہ جب تک تم اس دین سے واپس نہیں آؤ گے میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیئوں گی نہ سائے میں بیٹھوں گی یہاں تک کہ میں مرجاؤں گی۔ اور اس کے بعد لوگ تمہیں ''وا قاتل اُمّاہُ'' — ''اے اپنی ماں کے قاتل!'' کہہ کر پکاریں گے اور تمہیں ہمیشہ اس پر طعنے دیں گے۔

چنانچہ اس نے دو یا تین روز اسی حالت میں گزار دیئے۔ اور بعض روایات کے مطابق لوگ زبردستی اس کا منہ کھول کر اسکو کچھ کھلانے پلانے لگے۔ حضرتِ سعدؓ جیسے ایک فرمانبردار اور وفا شعار بیٹے کے لئے یہ ایک بڑی سخت اور کڑی آزمائش تھی مگر ایمان ویقین کی جس لذت وقوت سے وہ سرشار ہو گئے تھے اس نے ان کے دل کو مضبوط رکھا اور اس مشکل کو ان کیلئے آسان بنا دیا اور انہوں نے اپنی ماں کو صاف صاف کہہ دیا۔ ''لَوْ اَنَّ لَکِ مِائَةَ نَفْسٍ تَمُوْتِیْنَ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَکْتُ هٰذَا الدِّیْنَ''۔ کہ ''اگر تمہاری ایک چھوڑ کر سو جانیں بھی ہوں اور سب ایک ایک کر کے میرے سامنے نکلتی چلی جائیں تو بھی میں اس دین کو چھوڑنے والا نہیں ہوں''۔ حضرتِ سعدؓ کی والدہ نے جب اپنے بیٹے کا لذت وقوتِ ایمان سے بھرپور ولبریز یہ جواب سنا تو اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اپنی قسم توڑ دی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جس سے حضرتِ سعدؓ کے عمل کی تصویب ہو گئی لیکن اس کا حکم بہرحال عام ہے اور ایسے ہر موقعہ اور ہر صورت کو شامل ہے۔

۸ منافقوں اور کمزور ایمان والوں کا حال:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ایسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے اسلام وایمان کے بلند بانگ دعووں کے باوجود جب ان کو راہِ حق میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ایسے لوگ لوگوں کی ایذا رسانی کو اللہ کے عذاب کے برابر قرار دینے لگتے ہیں''۔ اور دنیاوی تکلیف کے مقابلے میں آخرت کے عذاب کو قبول کر لیتے ہیں حالانکہ آخرت کے عذاب کے مقابلے میں دنیا کی ان تکلیفوں اور عذابوں کی کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کہ دنیاوی تکلیف و پریشانی۔ والعیاذ باللہ۔ بہرحال فانی اور چند روزہ ہے جبکہ آخرت کا عذاب دائمی اور بڑا ہی ہولناک ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس میں ان منافقوں اور کمزور لوگوں کے ایمان کا حال بیان فرمایا گیا ہے جن کو ایمان میں رسوخ حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس طرح کی کسی ابتلاء وآزمائش سے فوری گھبرا اٹھتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ حالانکہ دنیاوی عذاب کی حیثیت ونوعیت اخروی عذاب کے مقابلے میں ایک ابتلاء وآزمائش سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اسی لیے یہاں پر اسکو عذاب کی بجائے فتنہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جبکہ آخرت کا عذاب بہرحال عذاب ہوگا۔ اس لیے اسکو عذاب کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین، یا اکرم الاکرمین

۹ اللہ سے کچھ چھپانا ممکن نہیں:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اگر مسلمانوں کو آپ کے رب کی طرف سے کوئی مدد پہنچ جائے تو ایسے لوگ بڑے زور وشور سے دعوے کرتے ہیں کہ صاحب ہم بھی تو آپ کے ساتھ تھے۔ تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''کیا اللہ وہ سب کچھ نہیں جانتا جو لوگوں کے سینوں کے اندر ہے؟''۔ یعنی دنیا والوں سے تمہارا دھوکہ اگر چل بھی جائے تو اللہ کے یہاں کیونکر چل سکتا ہے جو کہ دلوں کی باتوں اور چھپے رازوں کو جاننے والا ہے۔ سو استفہام یہاں پر تقریری ہے۔ یعنی ہاں اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے جو ان کے سینوں کے اندر ہے کہ اس سے کسی کے قلب وباطن کی کوئی حالت اور کیفیت کسی بھی طرح اور کسی بھی درجے میں چھپ نہیں سکتی۔ تو پھر عقل وخرد کا تقاضا یہ تھا اور ہے کہ دکھلاوے اور ظاہر داری کی بجائے ہمیشہ اور ہر حال میں اسکی کوشش کی جائے کہ اس ''علیم بذات الصدور'' سے ہمارا معاملہ صحیح رہے۔ جس سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی اور جسکے حضور حاضر ہو کر ہمیں زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا صلہ اور پھل پانا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ

سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے پیچھے چلو ہم تمہاری خطائیں اپنے اوپر لے لیں گے ۱۰ حالانکہ وہ ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی اپنے

مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ

اوپر لینے والے نہیں، وہ قطعی طور پر جھوٹے ہیں ہاں البتہ انہیں اپنے (گناہوں کے) بوجھ بھی اٹھانے ہوں گے اور کچھ اور

اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ

بوجھ بھی اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ، اور ان سے ضرور پوچھ ہو گی ان کی ان تمام افتراء پردازیوں سے

الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا ع ۱۳/۳

متعلق جو یہ لوگ (زندگی میں) کرتے رہے تھے ۱۱ اور بلاشبہ ہم ہی نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (رسول بنا کر،)

۱۰ نورِ ایمان سے محروم لوگوں کی لاپرواہی کا ایک نمونہ و مظہر: سوارشاد فرمایا گیا کہ "کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے پیچھے چلو ہم تمہاری خطائیں اپنے اوپر لے لیں گے"۔ یعنی قیامت اور حساب کتاب کی باتیں یونہی ہیں اور اگر ایسی کوئی بات ہوئی بھی تو تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھائیں گے۔ پس تمہیں اس بارے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم بس آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلتے رہو اور جو کچھ ہم کہیں، کریں، تم بھی وہی کہتے اور کرتے رہو۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آخرت کے ایمان و یقین سے محروم ہونے کے بعد انسان کس قدر غیر ذمہ دار اور کتنا لاپرواہ اور غلط کار ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ نورِ ایمان و یقین کی دولت سے محروم لوگوں کی لاپرواہی اور حرمان نصیبی کا ایک نمونہ و مظہر ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ محروم سے محروم تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور راہِ حق و ہدایت انکو سوجھ کے نہیں دیتی۔ والعیاذ باللہ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ ہولناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور یہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔ اور اس طرح یہ اپنی ہلاکت و تباہی کے سامان میں اضافہ کر رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ غفلت و لاپرواہی کی ہر شکل سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۱ محروم الایمان لوگوں کیلئے محرومی پر محرومی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان کو اپنے گناہوں کے بوجھ بھی اٹھانا ہونگے اور کچھ اور بوجھ بھی اپنے بوجھوں کے ساتھ"۔ یعنی ان ماتحتوں کو تو یہ لوگ ان کے بوجھوں سے سبکدوش نہیں کرا سکیں گے البتہ یہ بات ضرور ہوگی کہ ایسے گمراہ لوگوں کو ضلال کے ساتھ اضلال یعنی اپنی گمراہی کے ساتھ ساتھ دوسروں کو گمراہی میں ڈالنے کے بوجھ بھی اپنے کندھوں پر اٹھانے ہوں گے۔ اور یہ محرومی پر محرومی کا شکار ہونگے اور خسارے پر خسارہ اٹھائیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ اور ان سے ان کی ان تمام افترا پردازیوں کے بارے میں پوچھ ہوگی جو یہ دنیا میں کرتے رہے تھے اور جن کے لیے یہ دوسروں کو بھی مجبور کیا کرتے تھے اور ان کے عقاب و عذاب کو اپنے سر لینے کے دعوے کیا کرتے تھے۔ سو ان کی ایسی تمام باتوں کے بارے میں قیامت کے روز پرسش ہوگی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ

سو وہ ان کے اندر (دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے) ف۱۲ پچاس کم ایک ہزار برس تک رہے، (مگر ان لوگوں نے پھر بھی نہ مانا)

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ

آخرکار آ پکڑا ان کو اس (ہولناک) عذاب نے (جو ان کے لئے مقرر ہو چکا تھا) اور وہ ظالم تھے، پھر بچا لیا ہم نے نوح کو بھی ف۱۳

اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ

اور کشتی والوں کو بھی (اپنی رحمت و عنایت سے،) اور بنا دیا ہم نے اس کو ف۱۴ ایک عظیم الشان نشانی جہان والوں کے لئے، اور

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

ابراہیم کو بھی (ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا سو یاد کرو) جب کہ انہوں نے کہا اپنی قوم سے ف۱۵ کہ تم لوگ بندگی کرو (ایک) اللہ کی، اور

۱۲ حضرتِ نوح کی داستانِ عبرت کا حوالہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے نوح کو رسول بنا کر بھیجا انکی قوم کی طرف تو وہ انکے اندر پچاس کم ایک ہزار برس رہے"۔ چنانچہ حضرتِ نوح نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ فرمائی۔ یعنی یہ ساڑھے نو سو برس تو صرف وہ ہیں جو آپ نے تبلیغ میں گزارے ورنہ آپؑ کی مجموعی عمر تو اس سے کہیں زیادہ تھی۔ چنانچہ بعض روایات کے مطابق آپ کی کل عمر چودہ سو برس تھی۔ سو اس سے اہلِ حق کو صبر و ثبات کا سبق دیا جا رہا ہے کہ دیکھو حضرتِ نوحؑ نے کس قدر صبر و استقامت سے کام لیا۔ نیز اس میں جہاں اہلِ حق کیلئے یہ درسِ عظیم ہے اسی طرح اس میں منکرینِ حق کیلئے بھی یہ درس ہے کہ قدرت کی طرف سے ان کو خواہ کتنی ہی ڈھیل کیوں نہ مل جائے آخرکار ان کیلئے دائمی ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین

۱۳ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آخرکار عذاب آنے پر ہم نے بچا لیا نوح کو بھی اور کشتی والوں کو بھی"۔ "ہم نے بچا لیا" سے واضح فرما دیا گیا ہے کہ نجات دہندہ اور حاجت روا و مشکل کشا سب کے ہم ہی ہیں۔ حضراتِ انبیاء و رسل بھی ہماری ہی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے محتاج ہیں۔ اور جب حضرتِ نوح جیسے اولوا العزم رسول اور ان کے جلیل القدر ساتھیوں کو نجات دینا اور ان کو اس طوفان سے بچا نکالنا بھی ہمارا ہی کام ہے۔ اور جب ان عظیم الشان اور جلیل القدر ہستیوں کے نجات دہندہ اور مشکل کشا و حاجت روا اور دستگیر بھی ہم ہی ہیں تو پھر اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو ان صفات کا حامل اور مالک ہو سکے؟ پس اللہ پاک کے سوا کسی اور کو حاجت روا و مشکل کشا اور دستگیر ماننا شرک ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اس لیے دل کا بھروسہ ہمیشہ اسی پر ہو اور رجوع بھی اسی کی طرف کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے اور خالق و مالک اور حاکم و متصرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔

۱۴ قصۂ نوح سے متعلق عظیم الشان نشانِ عبرت کی تذکیر و یاد دہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے اس کو بنا دیا

ایک عظیم الشان نشانی''۔ یعنی حضرتِ نوح کی اسی کشتی کو جو ایک عرصہ تک ''جودی'' پہاڑی پر دنیا کیلئے سامانِ عبرت بنی رہی اور صدیوں تک بعد میں آنے والی نسلوں کو اپنی زبانِ حال سے یہ بتلاتی رہی کہ یہاں کوئی ایسا طوفان آیا تھا جس نے اس کشتی کو اس پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا دیا تھا۔ اور سورۂ قمر کی آیت نمبر ۱۳، ۱۴ میں بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ابنِ جریر نے اپنی تفسیر میں حضرتِ قتادہ سے نقل کیا ہے کہ جب مسلمان الجزیرہ کے علاقے میں گئے تو انہوں نے اس کشتی کو خود دیکھا اور موجودہ زمانے میں بھی گاہے گاہے اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں کہ کشتی نوح کی تلاش کے لئے مہمات بھیجی جا رہی ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ بعض اوقات جب ہوائی جہاز کوہِ اراراط کے اوپر سے گزرتے ہیں تو ان لوگوں کو اس پہاڑ کی چوٹی پر اس کشتی کے مشابہ ایک چیز دکھائی دیتی ہے۔ نیز ﴿جعلنا ها﴾ کی اس ضمیر کا مرجع قصہ نوح بھی ہو سکتا۔ ''اَیِ السَّفِیْنَۃُ اَوِ الْقِصَّۃُ''۔ (جامع البیان، روح، قرطبی، فتح القدیر وغیرہ)۔ سو حضرتِ نوح کا یہ قصہ بھی ایک بڑی عظیم الشان نشانی تھی جو اپنے اندر کئی درسہائے عبرت و بصیرت کو سمیٹے ہوئے تھی۔ مثلاً یہ کہ انکار اور تکذیبِ حق کا لازمی نتیجہ اور آخری انجام بہر حال ہولناک تباہی ہے اگر چہ اس کیلئے کسی قوم کو صدیوں اور قرنوں تک مہلت بھی کیوں نہ مل جائے اور نجات انہی کو نصیب ہو گی جنہوں نے اللہ کے رسول کے دامن میں پناہ کو پکڑا ہو گا اور صدقِ دل سے ان پر ایمان لا کر ان کی اِتباع و پیروی کی ہو گی۔ ایسوں کو ہی اللہ تعالیٰ اپنی خاص عنایات سے نوازتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہر کیف کشتی نوح بھی ایک عظیم الشان نشانِ عبرت تھی اور پورا قصۂ نوح بھی۔ اس لیے اسکی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی تا کہ جس نے عبرت پکڑنا ہو پکڑ لے اور اس کی روشنی میں اپنی اصلاح کر لے۔ قبل اس سے کہ فرصتِ حیات ہی ہاتھ سے نکل جائے اور اس کو ہمیشہ پچھتانا پڑے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۱۵ قصۂ ابراہیم کی تذکیر و یاد دہانی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابراہیم کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ یاد کرو جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو۔ سو پیغمبر کی زندگی میں اصل چیز انکی دعوت ہوتی ہے نہ کہ مولود و میلاد کے جشن منانا۔ اس لیے ذکر انکی دعوت کا فرمایا گیا ہے میلاد اور پیدائش کے قصے کا نہیں۔ سو ارشاد ہوا کہ حضرتِ ابراہیم کے اس مشن اور دعوت کو یاد اور بیان کرو جس کو دے کر انہیں مبعوث فرمایا گیا تھا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ میلاد خوانی اور جشن و جلوسِ میلاد کا نہیں۔ جس طرح کہ آج کل کے عام کلمہ گو مسلمان نے سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ اصل مقصد پیغمبروں کی دعوت اور ان کے مشن کو اپنانا اور آگے پہنچانا ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے اَسلاف و اَکابر نے دینِ حق کی اس دعوت کو عام کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش تو ہمیشہ کی اور ہر طرح سے کی لیکن میلاد منانے اور اس طرح کے جلوس نکالنے کا اہتمام کبھی نہیں کیا۔ اور پورے قرآنِ پاک میں جہاں بھی کہیں کسی پیغمبر کا ذکر آیا وہاں انکی دعوت و تبلیغ ہی کا ذکر فرمایا گیا۔ کسی کے بھی مولود یا میلاد کا ذکر نہیں فرمایا گیا سوائے حضرتِ یحییٰ اور حضرتِ عیسیٰ علیہما السلام کے کہ انکی ولادت عام اسباب کے خلاف معجزانہ طور پر ہوئی تھی۔ یا پھر حضرتِ آدم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انکو خالق نے بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا فرمایا اور پھر اپنے کلمہ ﴿ کن ﴾ سے انکو زندہ فرما دیا اور بس۔ اسکے سوا کسی بھی پیغمبر کی ولادت اور پیدائش کا کوئی ذکر پورے قرآن میں کہیں نہیں فرمایا گیا بلکہ انکی دعوت اور تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا۔ سو اصل چیز انکی دعوت اور تبلیغ ہے نہ کہ ان کے مولود و میلاد کے جشن منانا۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اسی سے ڈرو، یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانو ف۱۶ (اور یاد رکھو کہ) جن کی پوجا تم لوگ کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر، تو یہ محض کچھ

اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ

بت ہیں ف۱۷ (تمہارے خود تراشیدہ،) اور تم جھوٹ گھڑتے ہو ف۱۸ بے شک جن کو تم لوگ (پوجتے) پکارتے ہو اللہ کے سوا، وہ تو

دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

تمہارے لئے کسی رزق کا بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے ف۱۹ پس تم لوگ اللہ ہی سے رزق مانگو، اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر بجا لاؤ

الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾

(اور یہ یاد رکھو کہ) اسی کی طرف لوٹایا جائے گا آخر کار تم سب کو ف۲۰ اور اگر تم جھٹلاتے ہی گئے تو (حق کو جھٹلانے کی یہ کوئی نئی اور

۱۶ تقویٰ و عبادت فوز و فلاح کی اصل اساس و بنیاد: - اس لیے حضرتِ ابراہیم نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "تم لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو۔ یہ بہتر ہے تم لوگوں کے لیے اگر تم جانو"۔ سو "اللہ ہی کی بندگی اور اس کا تقویٰ ہی سب سے بہتر ہے اگر تم لوگ جانو"۔ اس حق اور حقیقت کو۔ کہ معبودِ برحق بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور ہر طرح کی عبادت و بندگی اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ اس کے سوا نہ کسی کے لئے سجدہ جائز، نہ رکوع، نہ قیام، نہ نذر، نہ نیاز اور نہ طواف پس عبادت کی یہ تمام شکلیں تم اسی وحدہٗ لاشریک کے لئے بجالاؤ کہ تمہاری کامیابی اور سلامتی کی راہ یہی اور صرف یہی ہے۔ اور اس کی بجائے اگر تم نے کسی اور کی بندگی و پوجا کی تو یہ تمہارے لئے سراسر ہلاکت اور تباہی کا سامان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی اور اس کا تقویٰ و خوف ہی وہ دولت ہے جو زندگی کا اصل مقصد بنائے جانے کے لائق ہے کہ اسی میں انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ بہر کیف حضرتِ ابراہیم نے اپنی قوم کو حق کی دعوت دیتے ہوئے ان سے کہا کہ تم سب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی عبادت و بندگی کرو کہ معبودِ برحق وہی اور صرف وہی ہے۔ تم اسکی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرو اور اس کے حقِ عبادت و بندگی میں دوسروں کو شریک کر کے اس کے غضب کو دعوت نہ دو۔ یہ سب سے بہتر نصیحت اور عمدہ موعظت ہے جو میں تم لوگوں کو ٹھیک وقت پر پہنچا رہا ہوں بشرطیکہ تم اس کو سمجھو اور اس کی صحیح طور پر قدر کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ وعلیٰ ما یحبّ و یرید، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یاذا الجلال والاکرام

۱۷ معبودانِ مِن دُونِ اللہ کی بے حقیقتی کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابراہیم نے ان سے کہا کہ "جن کی پوجا تم لوگ کر رہے ہو اللہ کے سوا وہ محض بت ہیں"۔ جن کو تم لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے گھڑ لیا ہے اور بس۔ بھلا تم ذرا سوچو تو سہی کہ بے حس اور بے جان پتھروں سے اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے یہ بت اور خود ساختہ و بے حقیقت یہ مورتیاں تم کو آخر کیا دیں گی؟ اور کیا دے سکتی ہیں؟ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ اور اتنی واضح حقیقت اور اس قدر موٹی بات بھی سمجھنے سے تم قاصر ہو؟ مگر جب کسی کی مت ماری جاتی ہے تو اس کا حال یہی ہو جاتا ہے اور اس کو اس قدر واضح حقائق بھی

سمجھ نہیں آ سکتے۔ جیسا کہ آج بہت سے کلمہ گو مشرکوں کا حال ہے کہ کوئی کسی قبر کی پوجا کرتا ہے کوئی کسی گھوڑے کی اور کوئی کسی آستانے کی وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کو یہ بات سمجھنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ میرا دین مجھ کو کیا سکھلاتا اور بتلاتا ہے اور میں کدھر جا رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر مستقیم و ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین ویا ارحم الراحمین

۱۸ شرک و بت پرستی نرا جھوٹ اور افتراء۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو حضرتِ ابراہیم نے اپنی مشرک قوم سے فرمایا کہ تم لوگ تو محض من گھڑت بتوں کی پوجا کرتے ہو۔ اور تم لوگ نرا جھوٹ گھڑتے ہو۔ جو ان خود تراشیدہ بتوں کو خدا مانتے اور ان کی پوجا پاٹ کرتے ہو اور ان میں جھوٹ موٹ کی خدائی صفات و اختیارات تسلیم کرتے ہو۔ حالانکہ ان کی سرے سے کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ سوائے اس کے کہ کچھ نام ہیں جو تم لوگوں نے اور تم سے پہلے تمہارے بڑوں نے از خود رکھ دیئے ہیں اور بس۔ ﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾۔ سو تمہارا یہ دعویٰ کہ خدا نے ان کو اپنی خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے محض ایک جھوٹ اور نرا بہتان ہے جو تم لوگ اس وحدہٗ لاشریک معبودِ برحق پر لگا رہے ہو۔ نہ اس نے کبھی ایسا فرمایا ہے اور نہ ہی تمہارے پاس اس کی کوئی سند اور دلیل ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند اور دلیل ہو سکتی ہے۔

۱۹ معبودانِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں: ۔ سو حضرتِ ابراہیم نے ان سے فرمایا کہ "جنکی پوجا تم لوگ کرتے ہو وہ تمہارے لیے کسی بھی طرح کی روزی کا کوئی اختیار نہیں رکھتے"۔ یعنی روزی جس کی وجہ سے انسان بسا اوقات اپنا ضمیر و ایمان بھی بیچ ڈالتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور جو انسان کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے اس کا بھی انہیں کوئی اختیار نہیں۔ تو پھر تم ان کی پوجا پاٹ آخر کیوں اور کس لئے کرتے ہو؟ تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا اور تمہاری مت آخر کہاں اور کیوں ماری گئی؟ اور تم ان کے آگے جھک کر اس طرح ذلیل و خوار کیوں ہو رہے ہو؟ اور اگر تم لوگوں کا یہ گمان ہے کہ تمہارے ان خود ساختہ معبودوں کا تمہاری روزی پر کسی طرح کا کوئی اختیار ہے۔ تو یہ محض تمہارا وہم ہے۔ ان کو تمہارے رزق و فضل پر کسی طرح کا کوئی اختیار نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے جو کہ خالقِ کل، مالکِ مطلق اور معبودِ برحق ہے۔ پس تم لوگ اگر رزق و فضل چاہتے ہو تو اللہ ہی سے مانگو جو کہ خالق و مالکِ حقیقی ہے اور جس کے قبضۂ قدرت و اختیار میں آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کے تمام خزانے ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین

۲۰ سب کا رجوع بہر حال اللہ ہی کی طرف: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اسی کی طرف لوٹایا جائے گا تم سب لوگوں کو"۔ پس مانگو بھی تم اسی سے کہ دینے والا وہی ہے جو سب کو دیتا ہے اور سب کچھ دیتا ہے۔ ہر وقت دیتا ہے اور ہمیشہ اور مسلسل و لگاتار دیتا ہے۔ بے حد و حساب دیتا ہے اور ضرورت کی نعمتیں وہ بغیر کسی سوال و درخواست کے دیتا ہے۔ اور عبادت و بندگی بھی اسی کی کرو کہ معبودِ حقیقی بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور شکر بھی اسی کا بجالایا کرو کہ شکر کا حق دار بھی دراصل وہی ہے۔ اور اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ تم نے خواہی نخواہی آخر کار اسی کے حضور حاضر ہونا ہے اور اسکے حضور حاضر ہو کر تم نے اپنے زندگی بھر کے کیئے کرائے کا حساب دینا اور بھرپور صلہ و بدلہ پانا ہے۔ پھر سوچ لو کہ تم اس کے حضور کیا لے کر حاضر ہو رہے ہو؟ اور اس کی بارگاہِ اقدس و اعلیٰ میں کیا جواب دو گے؟ اور فیصلہ اور جزاء کے اس ہولناک دن میں تمہارے یہ خود ساختہ معبود تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکیں گے جن کی پوجا تم لوگ آج کرتے ہو۔ اور ﴿ترجعون﴾ کے صیغۂ مجہول سے واضح فرما دیا گیا کہ تم سب کو بہر حال اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ تم چاہو یا نہ چاہو ایسا بہر حال ہو کر رہے گا۔ تمہارے بس اور اختیار کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى

انوکھی مثال نہیں بلکہ) تم سے پہلے بھی بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں (حق کو) اور رسول کے ذمے تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر

الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ

(حق اور حقیقت کو) اور بس ۲۱ (آگے منوا دینا نہ ان کے بس میں ہے اور نہ ان کی ذمہ داری) کیا ان لوگوں نے کبھی دیکھا

يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى

نہیں (اور غور نہیں کیا) اس امر میں کہ اللہ کس طرح پیدا فرماتا ہے اپنی مخلوق کو پہلی مرتبہ (بغیر کسی نمونہ و مثال کے،) پھر وہی

اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

اس کو دوبارہ زندہ کرے گا (اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے) بے شک یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے ۲۲ (ان سے) کہو

بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ

کہ تم لوگ چلو پھرو (اللہ کی) زمین میں، پھر دیکھو کہ کیسے پیدا فرمایا اس نے اپنی مخلوق کو پہلی بار، پھر وہی ان کو اٹھائے گا دوسری

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

اٹھان میں، بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۲۳ وہ جسے چاہے عذاب دے،

۲۱ رسول کے ذمے تبلیغ حق ہے اور بس: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "رسول کے ذمے تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر۔ حق اور حقیقت کو۔"۔ سو تبلیغ کی حد تک میں نے اپنا فریضہ پورا کر دیا اور کلمۂ حق تمہیں سنا اور پہنچا دیا۔ اس سے میری ذمہ داری تو پوری ہو گئی اور میں اپنے ذمے سے سبکدوش ہو گیا۔ آگے تمہاری مرضی۔ مانو گے تو خود تمہارا اپنا بھلا نہیں مانو گے تو تمہارا اپنا ہی نقصان اور بہت بڑا نقصان ہو گا۔ اور اتنا بڑا نقصان کہ پھر اسکی تلافی بھی ممکن نہ ہو گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ میرا بہر حال اس میں کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ میری اپنی ذات کی حد تک میرا کوئی مفاد تم سے وابستہ نہیں۔ اور میرے لئے صبر کا یہ سامان موجود ہے کہ مجھ سے پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام کو بھی ان کی قوموں اور امتوں کی طرف سے جھٹلایا گیا ہے۔ جیسے قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح وغیرہ کہ انہوں نے نہیں مانا بلکہ تکذیب ہی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ کر رہے اور نجات ان ہی کو ملی۔ اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور پکڑ سے وہی بچ سکے جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی اور ان کی دعوت کو قبول کیا۔ اور جنہوں نے ان کو جھٹلایا وہ ہمیشہ کے لئے مٹ گئے اور بعد والوں کے لئے نمونۂ عبرت و بصیرت بن گئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف یہ ایک اہم اور بنیادی حقیقت ہے کہ رسول کے ذمے پیغام

حق کو پہنچا دینا ہے اور بس۔ اس سے آگے ان کی کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ لوگ خود ذمہ دار ہونگے۔

۲۲ وجودِ خلق اعادۂ خلق کی دلیل وثبوت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا ان لوگوں نے کبھی اس بارے دیکھا اور غور نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا پھر وہی اس کو دوبارہ زندہ کرے گا"۔ بے شک یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ یعنی اس کی قدرتِ لامتناہی کے اعتبار سے تو اگرچہ خلق اور اعادۂ خلق دونوں ایک برابر ہیں کہ وہاں کسی سبب کی ضرورت نہیں ہوتی محض ارادے کی ضرورت اور اشارے کی دیر ہوتی ہے۔ مگر تمہارے نزدیک چونکہ یہ بڑی چیز ہے اسی لئے تم سے یوں کہا جا رہا ہے۔ سو یہ فرق خود تمہارے اپنے تجربے اور عادت کے اعتبار سے ہے جس کے مطابق دوبارہ بنانا پہلی مرتبہ بنانے کی بہ نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اور اس کی پہلی مرتبہ کی آفرینش اور اس کے طرح طرح کے مظاہر جب چاروں طرف تمہاری آنکھوں کے سامنے پھیلے بکھرے موجود ہیں تو پھر اس کے دوبارہ پیدا کرنے کے بارے میں تم لوگوں کو اس قدر تعجب اور اس کا انکار آخر کیوں ہے؟ سو جس نے ہر چیز کو عدم سے نکال کر خلعتِ وجود سے نوازا اور جو اپنی اس قدرت کا مشاہدہ کائنات میں برابر کرا رہا ہے اس کیلئے دوبارہ پیدا کرنا کیونکر مشکل ہوسکتا ہے؟ بہر کیف اس ارشاد سے بعث بعد الموت کے امکان اور اس کے وقوع کے یقین کے لیے کائنات کے مشاہدے اور اس میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ دیکھو اللہ کس طرح چیزوں کو پیدا کرتا ہے اور پھر ان کو فنا کر کے پھر لوٹا دیتا ہے۔ سو مردہ پڑی زمین کو اس کے خشک اور بے آب وگیاہ ہو جانے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کر کے از سرِ نو سرسبز وشاداب اور گل وگلزار کر دیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وجودِ خلق بذاتِ خود اعادۂ خلق کی دلیل ہے۔ اور یہ عظیم الشان دلائل قدرت وحکمت میں سے ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۲۳ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ بے پایاں کا حوالہ وذکر: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ یعنی ایسا کرنا اگر تمہیں اپنی عاجزی اور درماندگی کے اعتبار سے مشکل لگتا ہے تو بجا ہے کہ یہ تمہارے بس میں واقعی نہیں۔ مگر اللہ پاک کے لئے تو یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ وہ جو چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے کر سکتا ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہر چیز پر، ہر وقت اور ہر طرح سے پوری قدرت رکھتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو توحید، قیامت، بعث بعد الموت اور جزاء وسزا جیسے غیبی حقائق کو ماننے اور ان پر یقین کرنے اور دلیل لانے کیلئے تم لوگوں کو کہیں باہر اور دور جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ تمہارے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے، ہر چہار سو پھیلی بکھری اس حکمتوں بھری کائنات میں طرح طرح کے کھلے کھلے اور واضح اور روشن دلائل ہر طرف موجود ہیں۔ سو تم ذرا ان میں نگاہِ عبرت وبصیرت دوڑا کر دیکھو تو سہی۔ اس سے تمہیں تمہارے دل ودماغ کو روشن ومنور کرنے والے عظیم الشان دلائل ملیں گے۔ سو ذرا دیکھو تو سہی کس طرح وہ قادرِ مطلق اس کائنات کی ایک ایک چیز کو پیدا کرتا، اسکو وجود بخشتا اور پھر اسکو معدوم کر کے پھر موجود کر دیتا ہے۔ دن چڑھتا ہے پھر ڈوب جاتا ہے۔ اور پھر کچھ ہی گھنٹوں کے بعد وہ اپنی اسی آب وتاب کے ساتھ دوبارہ آموجود ہوتا ہے۔ رات آتی ہے پھر چلی جاتی ہے اور پھر کچھ ہی گھنٹوں کے بعد دوبارہ اپنی اسی شان کے ساتھ اور تاریکی کی اسی چادر اور خاموشی کے سناٹے کے ساتھ پھر آموجود ہوتی ہے۔ خزاں آتی ہے پھر اس کے کچھ ہی بعد اسکی جگہ بہار آجاتی ہے۔ اور اسی طرح اسکے برعکس ہوتا ہے۔ ایک قوم کو وہ قادرِ مطلق۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ وجود بخشتا ہے پھر اس کو ایک وقت میں مٹا کر اسکی جگہ دوسری قوم لے آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا ان تمام عظیم الشان حقائق کے مشاہدے سے تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں کہ وہی پیدا کرتا اور مٹاتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ

اور جس پر چاہے رحم فرما دے ۲۴ اور آخر کار تم سب کو بہر حال اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور تمہاری

بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

یہ جان نہیں ہے کہ تم لوگ (خدا کے) قابو سے کہیں نکل جاؤ، نہ کہیں زمین میں، اور نہ آسمان میں، اور (اس حال میں کہ)

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار، ۲۵ اور جن لوگوں نے کفر کیا

۲۴ عذاب کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر۔سبحانہ، وتعالیٰ:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جسکو چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم فرمائے''۔ کہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کون عذاب کے لائق ہے اور کون اس کی رحمت کا مستحق کہ اس سے کسی کی بھی کوئی حالت اور کیفیت مخفی اور پوشیدہ نہیں۔سبحانہ، وتعالیٰ۔سو اسکے قانونِ عدل وحکمت کے سوا کوئی بھی چیز اسکی مشیت اور قدرت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔قوموں کی تاریخ اس حقیقت کا ایک واضح اور ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔سو عبرتوں بھری اس دنیا اور چہار سو پھیلی اس کائنات کے ان طرح طرح کے حوادث وواقعات اور اس کی تاریخ کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ اپنی رحمت وعنایت اور اپنے عدل وحکمت کے تقاضوں کے مطابق جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے نوازتا ہے۔سبحانہ، وتعالیٰ۔اور اسی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ آخرت میں ثواب وعذاب کا تمام تر معاملہ اسی کے اختیار میں ہوگا۔کسی دوسری ہستی کے اس میں مداخلت کا کوئی امکان نہیں ہو گا۔وہی اپنے عدل وحکمت سے جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔والعیاذ باللہ۔اور جس کو چاہے گا اپنی مغفرت وبخشش اور رحمت وعنایت سے نوازے گا۔سبحانہ، وتعالیٰ۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔آمین ثم آمین

۲۵ اللہ کے مقابلے میں کوئی مددگار ممکن نہیں:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''تمہاری یہ جان نہیں کہ تم اللہ کے قابو سے نکل جاؤ نہ کہیں آسمان میں چڑھ کر اور نہ کہیں زمین میں چھپ کر۔اور تمہارے لیے اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار''۔ جو تمہیں اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے چھڑا سکے۔یا کم از کم زبانی کلامی طور پر ہی اظہارِ ہمدردی کر سکے۔اس لئے اس ربِّ عزیز وحکیم کی ناراضگی اور اسکی گرفت وپکڑ سے بےفکری اور لاپرواہی برتنا سب سے بڑا خسارہ ہے۔والعیاذ باللہ العظیم۔سو یاد رکھو کہ تم لوگ اس بل بوتے کے مالک نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت وپکڑ سے کہیں نکل بھاگو۔زمین میں کہیں چھپ کر یا کہیں آسمان میں چڑھ کر کہ زمین وآسمان کی یہ ساری کائنات اسی وحدہٗ لاشریک کی مخلوق اور اسی کی ملکیت ہے۔پھر بھی اسکی گرفت وپکڑ سے بےفکری ولاپرواہی بڑی حماقت اور انتہائی خسارے کا سودا ہے۔والعیاذ باللہ۔سو منکروں کیلئے آخرت میں نہ کوئی حمایتی ہوگا، نہ سفارشی، بلکہ معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہوگا، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا والامر یومئذ للہ، اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ یَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَ

اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور اس کے حضور حاضری کا، وہ مایوس ہو گئے میری رحمت (وعنایت) سے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ

اور ایسے (بدبخت) لوگوں کے لئے ایک بڑا ہی دردناک (اور انتہائی ہولناک) عذاب ہے ۲۶ پھر ابراہیم کی قوم کا جواب

اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ

اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ قتل کر دو اس کو یا جلا ڈالو اسے ۲۷ (چنانچہ انہوں نے جلانے کا سامان بھی کر دیا) مگر اللہ نے

النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ

بچا لیا ان کو اس آگ سے (اپنی عنایت کاملہ اور رحمت شاملہ سے،) بے شک اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو

اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

ایمان رکھتے ہیں، اور ابراہیم نے (ان سے یہ بھی) فرمایا کہ آج دنیا کی اس زندگی میں تو تم لوگوں نے بتوں کو اپنے درمیان محبت کا

بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ

ذریعہ بنا رکھا ہے اللہ کے سوا، ۲۸ مگر کل قیامت کے روز تم خود

بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ

ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت برساؤ گے، تم سب کا ٹھکانا

النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ

وقف لازم

دوزخ ہوگا، اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا، سو (اس سب کے باوجود) صرف لوط ہی آپ پر ایمان لائے (باقی کسی کو اس کی

وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ

توفیق نہ ہوئی) اور ابراہیم نے کہا میں ہجرت کرتا ہوں اپنے رب کی طرف ۲۹ بے شک وہی ہے (سب پر) غالب نہایت ہی حکمت

۲۶ کفر و باطل کا نتیجہ و انجام نہایت دردناک عذاب - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اہل کفر و

باطل کیلئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب مقرر ہے - والعیاذ باللہ- سوارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی آیتوں اور اس کے حضور حاضری و پیشی کے منکروں کے لیے اسکی رحمت سے مایوسی اور دردناک عذاب ہے۔ سو اہلِ کفر و باطل کے لیے اللہ کی رحمت سے کامل محرومی اور ان کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے- والعیاذ باللہ- کہ اللہ پاک کی رحمت کا اصل کامل اور ابدی ظہور تو جنت اور عالمِ آخرت ہی میں ہوگا- جیسا کہ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا کہ اس دنیا میں جہاں بھی کہیں رحمت کا کوئی مظہر موجود ہے یہ اللہ پاک کی رحمت کے اس سوویں حصے میں سے ہے جو اس نے اس دنیا کے لئے مقرر فرما رکھا ہے۔ بقیہ ننانوے حصے تو آخرت کے لئے مختص ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آخرت کی ان رحمتوں کا کیا عالم ہوگا- اب ظاہر ہے کہ جو لوگ آخرت کا عقیدہ نہیں رکھتے اور اس کو نہیں مانتے تو وہ اس رحمت سے یقیناً مایوس اور محروم ہوں گے- یہی وجہ ہے کہ آج کے اس مادہ پرست دور کا انسان ایک انتہاء درجے کے نفسیاتی خوف میں مبتلا ہے کہ یہ مادی سہولتیں اور آسائشیں ہمیں بے شک حاصل ہیں اور بدرجہ تمام وکمال حاصل ہیں لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ اور ہم کس انجام سے دوچار ہوں گے؟ اور اس بنا پر وہ ہمیشہ سے خوف میں مبتلا ہے- اس کے برعکس ایک مومنِ صادق جو عقیدۂ آخرت کے ایمان سے سرشار ہے وہ ہر حال میں شاداں وفرحاں اور مطمئن البال رہتا ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مجھے اپنے ایمان کی بدولت اپنے رب کے فضل وکرم سے آخرت کی وہ ابدی و دائمی نعمتیں ملنے والی ہیں جن کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا- اللہ نصیب فرمائے- آمین۔ بہرحال اہلِ کفر و باطل کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کامل محرومی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۷ حضرتِ ابراہیم کو اپنی قوم کی طرف سے نہایت ہولناک دھمکی:- سوارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ ابراہیم کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ قتل کردو اس کو یا جلا ڈالو اسے۔ سو اس طرح ان اہلِ کفر وشرک کی طرف سے حضرتِ ابراہیم کو قتل کی انتہائی ہولناک دھمکی دی گئی اور باطل پرستوں کی ہمیشہ یہی روش اور یہی تکنیک رہی ہے کہ وہ حجت ودلیل کے میدان میں عاجز آنے کے بعد اس طرح کی دھمکیوں پر اتر آتے ہیں- کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ چنانچہ آج کے قبر پرستوں، تعزیہ پرستوں اور دوسرے سب باطل پرستوں میں بھی یہ چیز قدرِ مشترک کے طور پر آپ کو ہر جگہ نظر آئے گی۔ بہرکیف حضرتِ ابراہیم کی دردمندانہ دعوت کا جواب آپ کی قوم نے آپ کو اس دھمکی کی صورت میں دیا کہ اس شخص کو قتل کردو یا اس کو جلا ڈالو اور بالآخر انہوں نے انکو جلا ڈالنے کی بات پر اتفاق کیا اور اپنے طے شدہ پروگرام اور ظالمانہ سکیم کے مطابق ان کو آگ میں ڈال بھی دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حضرتِ ابراہیمؑ کو ان اَشرار سے بچالیا- آگ آپ کیلئے گلزار بن گئی اور اَشرار خائب وخاسر ہوئے۔ سو اس قصے میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں اور جو ایمان لانا چاہتے ہیں جن میں سے ایک بڑی نشانی اور درسِ عبرت یہ ہے کہ ایمان والوں کو راہِ حق وہدایت میں سخت امتحانات اور کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرتِ ابراہیم جیسی جلیل القدر ہستی اور عظیم الشان پیغمبر کو بھی اس کے لیے آگ کے الاؤ سے گزرنا پڑا- دوسری نشانی اور درسِ عبرت اس میں یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں قوم قبیلے اور نسب ونسل وغیرہ کے سب رشتے ہیچ اور بے حقیقت ہیں۔ سو حضرتِ ابراہیم نے اس کی خاطر اپنے باپ اور اپنی قوم وغیرہ کے تمام رشتوں پر حق کے مقابلے میں لات ماردی اور اس کے لیے ہر قربانی پیش فرمائی- اور تیسری بڑی نشانی اور اہم درسِ عبرت اس میں یہ ہے کہ جو لوگ حق کو پسپا کرنے اور اس کو نیچا دکھانے کے لیے اپنا زور صرف کرتے ہیں اور اپنے اختیار واقتدار کی طاقت اسکے خلاف استعمال کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے قانونِ امہال و ابتلاء کے مطابق ایک حد تک ڈھیل

اگرچہ ملتی ہے لیکن بالآخر ان کو دنیا و آخرت دونوں کی ہولناک رسوائی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۲۸ اہلِ کفر و باطل کی دوستی و تعلق محض دنیا کے لیے: ۔ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ اہلِ کفر و باطل کی تمام دوستیاں اور تعلقات صرف اسی دنیاوی زندگی تک ہیں اور بس۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ ابراہیم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے ان من گھڑت اور خود ساختہ بتوں کو جن کو تم نے اپنے طور پر اپنا معبود بنا رکھا ہے اپنے درمیان دوستی اور تعلق کا ذریعہ بنایا ہوا ہے لیکن کل قیامت میں تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت برساؤ گے۔ سو گمراہ لیڈروں اور انکے گمراہ پیروؤں اور تمام اہلِ باطل کی دوستیاں اسی دنیاوی زندگی تک ہیں اور بس۔ سو فرمایا کہ اس بت پرستی کو تم لوگوں نے اپنے اجتماع اور اپنی سوسائٹی کی اساس و بنیاد بنا رکھا ہے۔ مگر کل قیامت کے دن کام دینے کی بجائے یہ رشتے اور تعلق الٹا تمہارے لئے وبال ہوں گے کہ وہاں پر ایک ہی تعلق اور ایک ہی رشتہ کام آئے گا جو کہ ایمان و تقویٰ کی اساس پر قائم ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ﴾۔ سو آج کے اہلِ باطل کو بھی آپ دیکھیں گے کہ وہ قبر پرستی، تعزیہ پرستی اور پیر پرستی وغیرہ وغیرہ جیسے مختلف امور کی بنیاد پر اپنے اپنے کاروبار چلاتے، انجمن سازی کرتے، جماعتیں بناتے، سوسائٹیاں قائم کرتے اور اجتماعات منعقد کرتے ہیں۔ اللہ پاک اہلِ حق کو صرف اور صرف حق اور تقویٰ کی بنیاد پر آپس میں ملنے کی توفیق و سعادت بخشے۔ آمین۔ بہر کیف حضرتِ ابراہیم نے ان سے فرمایا کہ تمہاری یہ دوستیاں بس اسی دنیاوی زندگی میں ہیں اور بس۔ کل قیامت کے روز جب اصل حقائق سامنے آئیں گے تو تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس روز چیلے چانٹے اور اَتباع و اَذناب اپنے بڑوں اور لیڈروں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارا بیڑا غرق کیا۔ اگر تم نہ ہوتے تو ہم گمراہ نہ ہوتے۔ اس پر ان کے وہ لیڈر اور گروان سے کہیں گے کہ نہیں قصور خود تمہارا اپنا ہے۔ تم ہمارے پیچھے لگے کیوں تھے۔ ہم تو جیسے خود تھے ایسے ہی تم کو بنایا کہ ہم خود گمراہ تھے اس لیے تم کو بھی گمراہی کے ہاویے میں ڈالا۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر اسکی تصریح اور تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، ویا ارحم الراحمین

۲۹ حضرتِ ابراہیم کا اعلانِ ہجرت: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "حضرتِ ابراہیم نے کہا کہ میں ہجرت کرتا ہوں اپنے رب کی طرف۔ بے شک وہی ہے سب پر غالب نہایت حکمت والا"۔ سو یہ حضرتِ ابراہیم کا اپنے رب کی طرف ہجرت کا اعلان تھا۔ سو انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں یعنی میں وہاں جا رہا ہوں جہاں اپنے رب کے حکم کے مطابق خود بھی زندگی گزار سکوں اور دوسروں کو بھی اسکی دعوت دے سکوں یعنی جہاں اس دعوت کا خاص اثر اور فائدہ ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے اس کے مطابق عراق سے فلسطین و شام کی طرف ہجرت فرمائی جو اس زمانے میں ایک ہی علاقہ شمار ہوتا تھا۔ سو حضرتِ ابراہیم نے جب دیکھا کہ یہ لوگ اب ماننے والے نہیں بلکہ ماننے اور قبول کرنے کی بجائے الٹا یہ انکی جان لینے کی کوشش میں لگ گئے ہیں تو آپ نے ہجرت کا اعلان فرما دیا۔ بہر کیف آپ نے جب دیکھا کہ یہ ظالم اور بدبخت قوم حق کو ماننے اور قبول کرنے والی نہیں بلکہ یہ لوگ میرے قتل اور تحریق کے درپے ہیں۔ اس لیے اب ان کے انذار کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا آپ نے اس بات کا عزم اور ارادہ فرمایا کہ اب میں ان کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ سبحانہ، وتعالیٰ

الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا

والا اور (ہجرت کے بعد) ہم نے ان کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) بھی عنایت فرمایا ف۳۰ اور (مزید برآں یہ کہ) ہم نے

فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي

نبوت و کتاب انہی کی اولاد میں رکھ دی، ف۳۱ اور ہم نے ان کو ان کا صلہ واجر دنیا میں

الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾ وَ

بھی دیا ف۳۲ اور بلاشبہ وہ آخرت میں بھی (ہمارے قرب خاص کے) سزاواروں میں سے ہیں اور

لُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ ۚ

لوط کو بھی (ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا اور یاد کرو کہ) جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ تم لوگ تو ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾ أَئِنَّكُمْ

جو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کی ف۳۳ کیا تم لوگ

۳۰ اللہ کی راہ میں قربانیوں پر عظیم الشان انعامات کی نوازش: ۔ سو حضرتِ ابراہیم نے جب اللہ کی راہ میں ہجرت کی تھی تو اس وقت حضرتِ لوط کے سوا کوئی آپ کی ہمنوائی کرنے والا نہ تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانیوں کے نتیجے میں آپ کو حضرتِ اسحاق جیسے عظیم الشان بیٹے اور حضرتِ یعقوب جیسے عظیم الشان پوتے کی نعمت سے نوازا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب سے نوازا''۔ معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے لئے کسی سوسائٹی کو خیر باد کہتا ہے اللہ پاک اس کو سوسائٹی کے لئے اس سے بہتر افراد عطا اور مہیا فرماتا ہے کہ اس کی تو شان ہی نوازنا اور عطا فرمانا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ بیٹوں اور پوتوں سے نوازنا اللہ۔ وحدہٗ لاشریک۔ ہی کی شان ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اور اس کی رضا وخوشنودی کے لیے عظیم الشان قربانیوں پر حضرتِ ابراہیم کو عظیم الشان اور بے مثال انعامات سے نوازا گیا کہ آپ کو حضرتِ اسحاق اور حضرتِ یعقوب جیسی عظیم الشان اولاد کی نعمت سے بھی نوازا گیا۔ اور دوسری طرف عظیم الشان نعمتوں سے بھی سرفراز فرمایا گیا۔ سو اللہ تعالیٰ انتہائی قدردان اور بڑا ہی مہربان ہے۔ فایاہ نسأل التوفیق لما یحب ویرضی وعلی ما یحب ویرضی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین، یارَبَّ العالمین، ویااکرم الاکرمین

۳۱ حضرتِ ابراہیم کے ایک خاص انعام کا ذکر: ۔ سو اس سے حضرتِ ابراہیم اور آپ کی اولاد کے لیے ایک

عظیم الشان انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ آئندہ کے لیے نبوت اور کتاب کو آپ کی اولاد ہی میں رکھ دیا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے نبوت اور کتاب کو انہی کی اولاد میں رکھ دیا"۔ چنانچہ آپ کے بعد جتنے اور جو بھی انبیائے کرام تشریف لائے وہ سب کے سب آپؑ ہی کی نسل میں سے تھے۔ اسی لئے آپ کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے۔ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور آپ کے بعد جملہ اہلِ ادیان آپ کی امامت اور پیشوائی پر متفق ہیں۔ اور یہ وہ منفرد خصوصیت ہے جو حضرتِ ابراہیم کے سوا اور کسی کو نہیں ملی۔ سو حضرتِ ابراہیم کو ان کے بے مثال صدق واخلاص اور عظیم الشان و بے مثال قربانیوں پر ان عظیم الشان انعامات سے نوازا گیا۔ بس صدق واخلاص ذریعۂ سرفرازی ہے واللہ التوفیق

۳۲ حضرتِ ابراہیم کے لیے دنیا و آخرت کی سرفرازی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہم نے انکو انکا صلہ دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں وہ ہمارے قربِ خاص کے سزاواروں میں سے ہونگے"۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے کیے کرائے کا صلہ و بدلہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اچھائی اور نیکی کا اچھا اور برائی کا برا - والعیاذ باللہ - مگر پورا اور کامل طور پر بدلہ آخرت ہی میں ملے گا جو کہ دارالجزاء ہے اور جس کی جزا اور اس کا بدلہ کامل اور ابدی ہے۔ جبکہ دنیا اصل میں دارالجزاء نہیں بلکہ دارالعمل ہے۔ مگر انسان کو اپنے اعمال کا کچھ نہ کچھ بدلہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ بہرکیف حضرتِ ابراہیم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو ہم نے ان کا اجر دنیا میں بھی دیا۔ سو کہاں وہ دور تھا کہ آپ کو آپ کی بدبخت قوم نے قتل کرنے اور جلا دینے کی دھمکی دی اور بالفعل آپ کو آگ کے ایک ہولناک الاؤ میں جھونک بھی دیا اور کہاں آج کا یہ دور ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ مکہ تک آپ کو اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں اور آپ سے اپنے انتساب پر فخر کرتے ہیں اور مسلمان تو ہیں ہی ملتِ ابراہیمی پر ہیں۔ اور آج چار ہزار برس سے زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود آپ کا نام زندہ و تابندہ ہے اور تاقیام قیامت اسی طرح زندہ رہے گا۔ اور جو اجر و ثواب آپ کو آخرت میں ملے گا اس کا اندازہ ہی کون کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۳۳ حضرتِ لوط کی اپنی قوم کی اخلاقی حِس پر چوٹ: - سو آپ نے ان سے فرمایا کہ "تم ایسے بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس کا ارتکاب تم لوگوں سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے نہیں کیا"۔ ﴿فاحشہ﴾ سے مراد امرد پرستی یعنی مرد کی مرد سے بدکاری وہ بے حیائی ہے جو اس سے پہلے کسی اور قوم نے نہیں کی۔ حضرتِ لوط کی قوم کے اندر اگرچہ وہ تمام برائیاں پائی جاتی تھیں جو دوسری مشرک قوموں میں پائی جاتی ہیں مگر ان کی سب سے بڑی اور قومی بیماری امرد پرستی کی وہ بیماری تھی جس کو انہوں نے من حیث القوم اپنا رکھا تھا۔ اس لیے حضرتِ لوط نے انکی اخلاقی حس کو بیدار کرنے کیلئے انکی اسی رگ پر چوٹ لگائی کہ تم لوگ ایسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس کا ارتکاب تم سے پہلے کسی قوم نے من حیث القوم نہیں کیا۔ اور روئے زمین پر تم ہی وہ قوم ہو جس نے سب سے پہلے اس خباثت کو فیشن کے طور پر اپنایا۔ ورنہ تم سے پہلے کسی بھی قوم نے اس فعلِ خبیث کو ایک قومی تہذیب اور فیشن کے طور پر نہیں اپنایا۔ لیکن ہمارے اس دور میں تہذیب و تمدن کے سب سے بڑے دعویدار اور جمہوریت کے علمبردار برطانیہ بہادر نے اس کے لیے اپنی پارلیمنٹ میں باقاعدہ قانون پاس کیا پھر بھی دعویٰ ہے تہذیب و تمدن کا - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ

مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو ۳۴ اور تم (خطرات کی راہ مارتے ہو) کلبوں

فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ

(اور بھری مجلسوں) میں برے کام کرتے ہو ۳۵ پھر ان کی قوم کے پاس بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا

اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ

کہ انہوں نے کہا کہ لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ

سچے ہو، اس پر لوط نے (اپنے رب کے حضور) عرض کیا کہ اے میرے رب، میری مدد فرما ان فسادی (اور سرکش)

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ ع ۳ ۸ ۱۵

لوگوں کے مقابلے میں ۳۶ اور جب پہنچ گئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس

۳۴ قطع سبیل سے مقصود و مراد؟: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ لوط نے ان سے مزید فرمایا کہ "تم لوگ راستے کاٹتے ہو"۔ یعنی ڈاکہ زنی کرتے ہو کہ یہ مرض بھی اس خبیث قوم کے اندر موجود تھا۔ اور دوسرا مطلب قطعِ سبیل۔ راستہ کاٹنے۔ کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ قضائے شہوت کے جائز اور فطری طریقے کو چھوڑ کر اس غیر فطری فعل کو اپناتے ہو۔ اور اس طرح تم لوگ قطعِ نسل کا ارتکاب کرتے ہو۔ (ابنِ کثیر، مراغی، خازن، فتح، معارف وغیرہ)۔ سو امرد پرستی دراصل فطرت کا راستہ کاٹنا ہے کہ اس فعلِ بد کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسے انسان کی عورتوں سے رغبت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح ایسی قوم اہلاکِ نسل کی راہ پر چل پڑتی ہے جو خالق کی منشا کے خلاف اور ہلاکت و تباہی کی راہ ہے۔ سو حضرتِ لوط نے اس مسوخ الفطرت قوم کے قلب و ضمیر پر دستک دیتے ہوئے ان سے کہا کہ بدبختو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو اور فطرت کی راہ مارتے ہو مگر جن کی مت ماری جائے ان پر ایسی کسی بات کا اثر تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ وہ تو اپنی سرکشی اور خرمستی ہی میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ من الاحوال

۳۵ فسادِ اخلاق کی حد اور انتہاء: — سو حضرتِ لوط نے ان بدبختوں کے اس فسادِ اخلاق پر ضرب لگاتے ہوئے ان سے فرمایا "اور تم لوگ اپنی بھری مجلسوں میں اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو"۔ یعنی ستم بالائے ستم یہ کہ تم لوگ اس شرمناک اور خلافِ وضعِ فطری فعل کے ارتکاب پر شرمندہ ہونے کی بجائے الٹا اس کا ارتکاب اعلانیہ اور فخریہ طور پر کرتے ہو۔ "اتیان الرجال فی مجالسھم یری بعضھم بعضا قالہ منصور ومجاھد و القاسم بن محمد و ابن

زیـد - (البحر: ج ۷ ص ۱۵۰) - اور اس کے علاوہ روایت میں ان کی اور بھی کئی خباثتوں کا ذکر آتا ہے۔ مثلاً راہ چلتے لوگوں پر سنگ باری کرنا۔ ان کا مذاق اڑانا اور آوازے کسنا وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ اتنی بڑی برائی و بے ہودگی تک کا ارتکاب اپنی بھری مجلسوں میں کر سکتے ہیں ان سے اور کیا بعید ہو سکتا ہے؟ اور ان کو ایسے کام کرنے میں کیا باک ہو سکتا ہے؟ سو برائی کا ارتکاب اعلانیہ طور پر اور سب کے سامنے کرنا اور بھی زیادہ برا ہے۔ اسی لئے اللہ پاک نے اس کی یہاں پر بطورِ خاص تصریح فرمائی ہے۔ مگر آج خود ہمارے دور میں اور ہمارے اسلامی ملکوں میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ سینماؤں، تھیٹروں اور کلبوں وغیرہ میں برہنہ اور نیم برہنہ ڈانس، گندی ننگی فلمیں، بے ہودہ و فحش گانے وغیرہ کیا کچھ نہیں ہو رہا - والعیاذ باللہ العظیم - واضح رہے کہ "نادی" کا جو لفظ اس آیتِ کریمہ میں وارد ہوا ہے آج کی عربی میں یہ لفظ بعینہٖ اسی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے یعنی "کلب" جیسے عرب لوگ کہتے ہیں "نادی النصر" اور "النادی الاھلی" وغیرہ۔ بہر کیف آج کتنی ہی برائیاں ایسی ہیں جو اس طرح اعلانیہ طور پر اور کھلم کھلا کی جاتی ہیں۔ لیکن ان پر نہ کوئی روک ہے نہ ٹوک بلکہ الٹا ان کی روک ٹوک کرنے والوں پر طعن و تشنیع کے تیر چاروں طرف سے اور نت نئے انداز میں برسائے جاتے ہیں - فَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکٰی - سو یہ فسادِ اخلاق کی حد اور انتہاء ہے۔ جس کے بعد انسان کہلانے والے لوگ حیوانوں سے بھی بدتر ہو کر رہ جاتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۳۶ حضرتِ لوط کی دعا اپنے رب کے حضور: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ لوط نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ "اے میرے رب ان لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما"۔ کہ میری تمام سعی اصلاح بے کار و بے سود ہو چکی ہے۔ اور ان کے ناپاک و نجس وجود کو ختم کر کے دھرتی کو اس نجاست و غلاظت سے پاک کر دے۔ اب ان میں خیر و فلاح اور رشد و ہدایت کی قبولیت کیلئے کوئی رمق باقی نہیں رہی۔ اور اب یہ لوگ تیری اس زمین پر ایک ناروا بوجھ بن کر رہ گئے ہیں جس سے اس کو پاک کر دیا جانا چاہیئے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرتِ نوحؑ نے اپنی قوم کیلئے صدیوں کے تجربے کے بعد بددعا کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور عرض کیا تھا کہ "مالک اب ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑ کہ اب اگر ان کو چھوڑ دیا گیا تو ان کی نسل سے آگے کافر اور فاجر ہی پیدا ہونگے" - ﴿اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا﴾ - (نوح: ۲۷)۔ یہاں پر بھی وہی درس دیا گیا ہے کہ نبی مختارِ کل نہیں ہوتا جس طرح اہلِ بدعت کا کہنا ہے بلکہ وہ ہر موقعہ پر اپنے خالق و مالک کا محتاج اور اسی کی نصرت و عنایت کا طالب اور اس کے حضور ہی دستِ دعا و سوال بلند کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرتِ لوط نے بھی اپنی قوم کے اس مطالبے کے جواب میں کیا۔ بہر کیف حضرتِ لوط نے جب دیکھا کہ یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اَڑ گئے ہیں اور حق کو قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے تو اب انکی اصلاح کے درپے ہونے کا کوئی فائدہ نہیں کہ جب انکی ہٹ دھرمی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ لوگ عذاب سے بچنے کی بجائے الٹا اسکے لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو اب ان کے باقی رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے حضرتِ لوط نے اپنے رب کے حضور یہ دعا فرمائی کہ اے میرے رب ان لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ سو اس کے بعد یہ بدبخت قوم اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہی - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہر قسم کے زیغ و ضلال اور فساد و انحراف سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی امان و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین ویاذا الجلال والاکرام -

بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ

(عطاء فرزند کی) ۳۷ خوشخبری کے ساتھ، تو (ابتدائی گفتگو کے بعد) کہا کہ بے شک ہم نے ہلاک کرنا ہے ۳۸ اس بستی کے باشندوں کو

۳۷ رحمت اور نقمت دونوں اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے''۔ یعنی ﴿البشریٰ﴾ میں الف لام عہد کا ہے۔ مراد ہے عطائے فرزند کی خوشخبری۔ جیسا کہ دوسری جگہ اسکی تصریح فرمائی گئی ہے کہ یہ بچہ آپ کو بڑھاپے میں اور بڑی تمناؤں اور دعاؤں والتجاؤں کے بعد ملا تھا۔ بہرکیف یہاں سے یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ رحمت اور نقمت دونوں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہیں کہ وہی فرشتے جو قوم لوط کیلئے عذاب کا تازیانہ لیکر آتے ہیں وہی حضرتِ ابراہیم کیلئے حضرتِ اسحاق جیسے بیٹے اور یعقوب جیسے پوتے کی خوشخبری لاتے ہیں۔ سو اللہ۔ وحدہٗ لاشریک۔ اپنے علمِ محیط اور حکمتِ کاملہ کے مطابق جسکو چاہے رحمت سے نوازے اور جسکو چاہے نقمت سے دوچار کرے۔ والعیاذ باللہ۔ جس طرح کہ ایک ہی بارش کسی کیلئے رحمت کا ذریعہ بنتی ہے اور کسی کیلئے نقمت اور عذاب کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے ان تمام مشرک قوموں کی تردید ہوجاتی ہے جو اس وہم میں مبتلا ہیں کہ خیر کا خالق الگ دیوتا ہے اور شر کا الگ۔ والعیاذ باللہ۔ سو رحمت و نقمت کی ہر حالت میں اللہ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یُحِبُّ و یرید۔

۳۸ قوم لوط کی ہلاکت کا کام :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتوں نے حضرتِ ابراہیم سے کہا کہ ''ہم نے ہلاک کرنا ہے اس بستی کے باشندوں کو'' کیونکہ ان فرشتوں کو خاص طور پر اسی مہم کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس لئے وہ اس کام کو مجازی طور پر اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جیسے بادشاہ کی طرف سے بھیجا جانے والا کوئی مبعوث کسی مہم کو اپنی طرف منسوب کر کے کہے کہ ہم نے یہ کام کرنا ہے۔ کیونکہ اس کو سرکاری طور پر یہ کام سونپا گیا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ مجازی طور پر اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ لہٰذا اس سے اللہ کے بندوں کے لئے خاص خدائی اختیارات ثابت کرنا اور ان کے لئے مافوق الاسباب متصرف ہونے کے شرکیہ عقیدے کا جواز ڈھونڈنا جس طرح کہ اہلِ بدعت کے بعض بڑوں نے کیا ہے، بالکل غیر منطقی اور بے بنیاد بات ہے کہ یہاں تو نصِ صریح سے ثابت ہے کہ ان فرشتوں کو یہ کام سونپا گیا تھا اور کسی کے لئے ایسی کوئی نص کہاں ہے؟ لہٰذا اس پر قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ بہرکیف ان فرشتوں نے اگرچہ حضرتِ ابراہیم کو بیٹے اور پوتے کی خوشخبری سے نوازا لیکن ان کا اصل کام قومِ لوط کو ہلاک کرنا تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ ''بیشک ہم نے اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنا ہے کہ یہ لوگ ظالم ہیں''۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ۝۳۱ قَالَ اِنَّ فِيۡهَا لُوۡطًا ؕ

کہ بے شک اس کے باشندے بڑے ہی ظالم ہیں ف۳۹ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں،

قَالُوۡا نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِيۡهَا ٙ لَـنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗۤ

فرشتوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں کہ اس میں کون کون ہیں ف۴۰ ہم ضرور بچالیں گے لوط کو بھی اور ان کے گھر والوں کو بھی ف۴۱

اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ۝۳۲ وَلَمَّاۤ اَنۡ

سوائے ان کی بیوی کے، کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی، ف۴۲ اور جب

۳۹ **ظلم کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی - والعیاذ باللہ:** - سو فرشتوں نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ "ہم نے اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنا ہے کہ یہ لوگ یقیناً بڑے ظالم ہیں"۔ سب سے بڑا ظلم جس میں وہ مبتلا تھے شرک تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا تھا۔ ﴿اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ﴾ - اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ لوگ دوسرے بھی طرح طرح کے مظالم میں ملوث ومستغرق تھے۔ پس ان کے آپریشن کا وقت آن پہنچا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت اور ڈھیل بھی ایک حد تک ہی ہوتی ہے۔ سو ظلم کا نتیجہ وانجام بہر حال ہلاکت وتباہی ہے اور ظالم کو خواہ جتنی بھی ڈھیل ملے اس نے آخر کار تباہی کے گھاٹ پر اتر کر رہنا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - بہر کیف - ﴿اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ﴾ - کے اس جملے سے فرشتوں نے قوم لوط کی ہلاکت کی علت بیان کر دی اور اس امر کو واضح کر دیا کہ ان کو ہلاک کیے جانے کا فیصلہ خود ان کے ظلم کے نتیجے میں کیا گیا۔ اور ان لوگوں کا یہ ظلم ان کے کفر وشرک کے عمومی جرم کے علاوہ فطرت کی راہ سے انحراف کے اس خاص جرم کی بنا پر بھی تھا جس کا ارتکاب یہ لوگ کھلم کھلا اور علی الاعلان کرتے تھے۔ اور جب اللہ کے رسول نے ان کو اس کے نتائج سے خبردار کیا تو انہوں نے ان کی بات کو ماننے اور ان کی تنبیہ وتحذیر اور نصیحت وموعظت پر کان دھرنے کی بجائے الٹا ان سے عذاب لانے کا مطالبہ کر دیا۔ سو اس قماش کے لوگوں پر اللہ کا جو عذاب آتا ہے وہ خود ان کے اپنے ظلم کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ اللہ ان پر کوئی ظلم نہیں کرتا - ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ﴾ - سو ظلم کا انجام برا - اللہ تعالیٰ ظلم کی ہر قسم اور شکل سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

۴۰ **حضرت ابراہیم کے لیے تسلیہ وتسکین:** - سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ فرشتوں کی طرف سے حضرت ابراہیم کو لوط کے بارے میں اطمینان دلایا گیا کہ آپ ان کے بارے میں فکرمند نہ ہوں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم کی اس بارے تشویش کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہیں۔ یعنی جب ہم کو انہیں عذاب دینے پر مامور کیا گیا ہے تو اس کے لازمی تقاضے کے طور پر ہمیں یہ بتا کر بھیجا گیا ہے کہ کون کون لوگ عذاب کے مستحق ہیں اور کون نجات کے۔ اور ہم نے اسی کے مطابق حکم بجالانا ہے۔ اور یہ ایک سیدھی سادی اور مطابق فطرت بات ہے۔ مگر جن لوگوں کو فطرت سے انحراف اور زیغ کی بیماری لگ جاتی ہے - والعیاذ باللہ - وہ ایسے مواقع سے اپنے خود ساختہ اور شرکیہ عقائد

کے لئے دلیل کشید کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں نے کیا۔ اور انہوں نے یہاں سے غیر اللہ کے لئے علمِ غیب کے اپنے خود ساختہ عقیدے کے لئے دلیل کشید کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ ملائکہ و رسل کے لئے وہ علم جو ان کے منصب کے لئے ضروری ہوتا ہے وہ نہ تو محلِ نزاع ہے اور نہ ہی اس کا کسی نے کبھی انکار کیا ہے کہ وہ تو ﴿مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ﴾ ۔ "غیب کی کچھ خبروں سے" کے قبیل سے ہے۔ اور عالم الغیب وہ ہوتا ہے جو مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم رکھے۔ اور وہ صرف اللہ پاک ہی ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ بہرکیف فرشتوں نے حضرتِ ابراہیم کو اطمینان دلایا کہ آپ مطمئن رہیں۔ ہم لوط اور انکے متعلقین کو خوب جانتے ہیں۔ ان کو ہم عذاب سے بچالیں گے۔ اور عذاب ان کی قوم کے ان بدبختوں ہی پر آئے گا جو اپنے کفر و انکار اور اپنی بدبختی پر اڑے ہی رہے۔ کہ ظلم پر اصرار کا نتیجہ و انجام یہی ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۴۱ لوط اور ان کے متعلقین کی نجات وحفاظت کا وعدہ: ۔ سو فرشتوں نے حضرتِ ابراہیم کی تشویش کے جواب میں کہا کہ "ہم بچالیں گے ان کو بھی اور ان کے سب متعلقین کو بھی سوائے انکی بیوی کے"۔ یعنی چونکہ ہمیں اللہ کے حکم و فرمان کے مطابق اس کام کو انجام دینا ہے اور اسی کام کے لئے ہمیں مامور فرمایا گیا ہے۔ اس لیے ہم اس کام کو پوری احتیاط اور ذمہ داری سے انجام دیں گے۔ لہٰذا اس پر قیاس کر کے اللہ کے بندوں کو مافوق الاسباب طور پر متصرف ماننا جس طرح کہ اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں نے کیا ہے انحراف پسند لوگوں کا ہی کام ہوسکتا ہے کہ اس کے لئے قرآن و سنت کی کوئی نص نہیں۔ بلکہ نصوصِ قرآن و سنت اس کے خلاف ناطق ہیں۔ سو اس کے باوجود ایسا عقیدہ رکھنا، کھلا مکابرہ اور صاف سینہ زوری ہے۔ والعیاذُ باللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ بہرکیف حضرتِ ابراہیم کو جب فرشتوں کی طرف سے اطمینان ہوگیا کہ ان کی یہ آمد ان کیلئے کسی خطرے کا باعث نہیں اور یہ کہ ان کی اصل مہم قومِ لوط کو انکے آخری انجام تک پہنچانا ہے تو اب حضرتِ ابراہیم کو لوط اور ان کے متعلقین کے بارے میں فکر لاحق ہوگئی کہ ان کا کیا بنے گا۔ تو انہوں نے اس بارے حضرتِ لوط سے متعلق سوال کیا کہ ان لوگوں کے اندر تو لوط اور اسکے متعلقین بھی رہتے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ تو اس پر فرشتوں نے ان کو یقین دلایا کہ ان کے بارے میں ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور انکو ہم بہرحال بچالیں گے۔ سو اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ نجات دہندہ سب کے اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ حضرات انبیاء و رسل بھی اسی کے محتاج ہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ

۴۲ لوط کی بیوی کی ہلاکت اور اس میں درسِ عبرت وبصیرت: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا "سوائے انکی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوجائے گی"۔ اور ان کے ساتھ وہ بھی ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں جاگرے گی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ یہاں سے چند اہم امور واضح ہوجاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر انسان ایمان کی دولت سے محروم ہو تو دوسرے کی صحبت اور رشتہ داری سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا خواہ وہ صحبت اور رشتہ داری کسی نبی ہی کی کیوں نہ ہو۔ اور خواہ وہ رشتہ زوجیت ہی کا کیوں نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے ورنہ حضرتِ لوط اپنی بیوی کو دولتِ ایمان سے محروم نہ رہنے دیتے۔ اور جب نبی کا یہ حال ہے تو پھر اور کسی ولی بزرگ کے لئے اس کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟ تیسرے یہ کہ اللہ پاک کے سوا حاجت روا و مشکل کشا کوئی نہیں ہوسکتا خواہ وہ کوئی نبی ہی کیوں نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ ہدایت وغوایت اللہ پاک ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ وہی جسے چاہے اس سے نوازے اور سرفراز فرمائے۔ جیسا کہ دوسری جگہوں پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے کہ وہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔ کیونکہ اس چیز کا دار و مدار انسان کے قلب و باطن پر ہے جس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔

جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَ

ہمارے بھیجے ہوئے (یہ فرشتے) پہنچ گئے لوط کے پاس، تو وہ سخت پریشان ہوگئے ان (کے آنے) کی وجہ سے، اور انکی وجہ سے ان کا دل

قَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ

تنگ ہوگیا ۴۳ اور (فرشتوں نے جو یہ دیکھا تو) انہوں نے کہا کہ آپ نہ کوئی خوف کھائیں نہ غم کریں، ہم (کوئی آدمی نہیں بلکہ

إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ

عذاب کے فرشتے ہیں، سو ہم) نے بچانا ہے آپ کو بھی، اور آپ کے سب گھر والوں کو بھی، بجز آپ کی بیوی کے، کہ وہ پیچھے رہ

أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا

جانے والوں میں ہوگی ۴۴ ہم نے اتارنا ہے اس بستی کے باشندوں پر ایک بڑا ہی ہولناک عذاب آسمان سے، ان کی ان

يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِقَوْمٍ

بدکاریوں کی بناء پر، جو کہ یہ لوگ (اب تک) کرتے چلے آئے ہیں ۴۵ اور ہم نے اس بستی سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی ان

۴۳ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے سخت پریشان ہوگئے اور ان کا دل بہت تنگ ہوگیا"۔ کیونکہ ابتلاء و آزمائش کے تقاضوں کی بناء پر وہ فرشتے خوبصورت نوجوان لڑکوں کی صورت میں حضرتِ لوط کے پاس آئے تھے اس لیے پریشان ہوگئے تھے۔ اور یہ ایک طبعی امر تھا۔ سو آپ پریشان ہوگئے تھے کہ ان معزز مہمانوں کی عزت اپنی بدبخت قوم کے ان اوباشوں اور بدبختوں سے کس طرح بچاؤں گا کیونکہ وہ فرشتے حضرتِ لوطؑ کے پاس خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے۔ اور اپنی قوم کی بدبختی کا حال آپؑ کو معلوم تھا۔ اس لئے آپ ان کے آنے کی وجہ سے سخت پریشان ہوگئے۔ تب فرشتوں نے اپنی اصل اور حقیقت سے آگاہ کر کے حضرتِ لوط کی اس پریشانی کو دور کر دیا۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ مختارِ کل۔ جس طرح کہ آج کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ ورنہ حضرتِ لوط اس طرح پریشان نہ ہوتے کہ ان کو شروع ہی سے یہ حقیقت واضح طور پر معلوم ہو جاتی کہ یہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔ ان کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ نیز اگر آپ مختارِ کل ہوتے تو اس بدبخت قوم سے خود ہی نمٹ لیتے۔ پریشان اور غمگین ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور جب پیغمبر بھی عالمِ غیب اور مختارِ کل نہیں ہوسکتے تو اور کسی کے لئے ایسا ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ سو علمِ غیب کلی اور اختیارِ کلی اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور اسی کا خاصہ ہے کہ اس میں دوسری کوئی بھی ہستی اس کی شریک نہیں۔ سبحانہ، وتعالیٰ۔ سو اس میں کسی اور کو

اس کا شریک ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال

۲۴ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا: - سواس سے واضح فرما دیا گیا کہ آخرت اور دین کے معاملے میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ سو فرشتوں نے کہا کہ "ہم بچالیں گے آپ کو بھی اور آپ کے متعلقین کو بھی"۔ وہی اسناد مجازی کہ ان کو اسی کام کے لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ فرشتے اس کام کے لیے اللہ کی طرف سے مامور اور مقرر تھے۔ لہٰذا اہل بدعت کا بندگان خدا کے متصرف فی الامور ہونے کے اپنے شرکیہ عقیدے پر اس سے دلیل پکڑنا ان کے اپنے زیغ اور انحراف کا ثبوت ہے کہ ان فرشتوں کو تو خاص طور پر بھیجا ہی اسی کام کے لئے گیا تھا۔ اور ان کے لئے اس بارے نص صریح موجود ہے۔ دوسری کسی بھی ہستی کے لئے ایسی کوئی نص کہاں ہے؟ یہاں پر حضرت لوط کی بیوی کے انجام کا ذکر دو مرتبہ فرمایا گیا ہے۔ جس سے مقصود دراصل اس حقیقت کو مؤکد کرنا ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ عورت ہو یا مرد ہر کسی کو اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑے گا۔ حضرت لوط کی بیوی ایک جلیل القدر پیغمبر کی بیوی تھی لیکن وہ چونکہ خود ایک نابجار عورت تھی اس لیے وہ عذاب میں گرفتار ہوئی اور حضرت لوط سے جو نسبت اس کو حاصل تھی وہ اسکے کچھ کام نہیں آسکی۔ سو انسان کی نجات اور کامیابی کا دارومدار اس کے ایمان وعقیدے اور عمل وکردار پر ہے۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید۔ وعلٰی مایُحِبُّ ویرید،

۲۵ قوم لوط پر ہولناک عذاب نازل کرنے کی خبر: - بہرکیف فرشتوں نے حضرت لوط کو نجات کی خوشخبری دینے کے بعد ان کو اس فیصلہ خداوندی سے بھی آگاہ کر دیا کہ ہم نے اس بستی والوں پر اب آسمانی قہر نازل کرنا ہے۔ ان کی ان بدکاریوں کی بنا پر جو یہ لوگ اب تک کرتے رہے ہیں۔ یعنی اس حقیقت سے ان کو مطلع کر دیا کہ ان بدبختوں کی مدت مہلت اب ختم ہو چکی ہے اور اب انہوں نے اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہنا ہے۔ معلوم ہوا کہ گناہوں کی اصل اور پوری سزا تو اگرچہ انسان کو آخرت میں ہی ملے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ - (آل عمران: ۲۵) مگر کبھی کبھی اور کچھ نہ کچھ سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے- والعیاذ باللہ- جیسا کہ دوسری بہت سی نصوص میں اس کی تصریح موجود ہے اور حکیم الامت حضرت تھانوی- نوراللہ مرقدہ- نے اپنے رسالے "جزاء الاعمال" میں ان نصوص کو جمع فرمادیا ہے- فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا- بہرکیف فرشتوں نے حضرت لوط کو بتایا کہ ہم نے ان لوگوں پر انکی بدکاریوں کی بنا پر ایک سخت عذاب اتارنا ہے اور اس عذاب کی ہولناکی واضح کرنے کیلئے ایک تو اسکو ﴿رجز﴾ کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا جس کے معنی دہلا اور تھرا دینے والے عذاب کے ہیں- والعیاذ باللہ- اور پھر اسکے ساتھ ﴿من السماء﴾ کی قید سے اسکی شدت کو اور سخت کر دیا گیا۔ جیسا کہ ہم لوگ اس بارے میں اپنے محاورے میں قہر الٰہی یا آسمانی عذاب کے الفاظ استعمال کرتے ہیں- والعیاذ باللہ- اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے- اور ہمیشہ راہ حق وصواب پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا

لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں، اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھی ۴۶ (ہم نے رسول بنا کر بھیجا) تو انہوں

فَقَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا

نے (بھی اپنی قوم سے) کہا کہ اے میری قوم (کے لوگو!) تم بندگی کرو (صرف) اللہ کی، اور امید رکھو قیامت کے دن کی،

تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ

اور مت پھر و تم زمین میں فساد مچاتے ہوئے ۴۷ مگر ان لوگوں نے جھٹلا دیا شعیب کو، سو آ پکڑا ان کو (اپنے وقت پر،) اس

الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَا

زلزلے نے (جو ان کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا،) جس سے وہ سب کے سب اوندھے منہ پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں،

وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَٰكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ

اور عاد و ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کیا) اور کھلی پڑی ہے تمہارے سامنے (اے لوگو!) ان کی تباہی ان کے مکانوں

الشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَ

(کے ان کھنڈرات) سے ۴۸ اور (ان کا حال بھی یہی تھا کہ) خوشنما بنا رکھا تھا ان کے لئے شیطان نے ان کے کاموں کو، سو

۴۶ **قصۂ شعیب کا حوالہ و ذکر:۔** سو ارشاد فرمایا گیا "اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا رسول بنا کر"۔ یعنی ان کے قومی بھائی کو کہ حضرات انبیائے کرام ۔علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مگر اہل بدعت کا اس سب کے باوجود کہنا ہے کہ نبی کو اپنی امت کا بھائی کہنے میں اسکی توہین ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ ان لوگوں کی جہالت یا تجاہل عارفانہ کا نتیجہ ہے ورنہ قرآن پاک جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس حقیقت کو واضح فرماتا ہے۔ بہرکیف قوم شعیب جس کے بارے میں پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے ایک بڑے اہم تجارتی سنگم پر واقع تھی اور یہ ایک بڑی تجارتی قوم تھی۔ خود تجارت پیشہ ہونے اور ایک خاص تجارتی سنگم پر واقع ہونے کے باعث ان لوگوں نے تجارت کے میدان میں بڑا نام کمایا اور خوب خوب فائدے حاصل کیے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے مال و زر کی ہوس میں مبتلا ہو کر ناپ تول میں کمی کرنا شروع کر دی۔ اور یہ مرض ان میں اتنا بڑھ گیا کہ ان کا قومی مرض اور اجتماعی روگ بن گیا۔ سو حضرت شعیب نے ان کو اس پر ٹوکا اور توحید کے ساتھ ساتھ ان کو ناپ تول میں کمی کرنے کے اس جرم کے ترک کرنے کی بھی تعلیم و تلقین فرمائی۔ مگر اس بدبخت قوم نے اس پر کان نہ دھرا اور کوئی توجہ نہ دی جس کے نتیجے میں بالآخر وہ ہلاکت و تباہی کے انتہائی ہولناک گڑھے میں گر کر اپنے اس

ہولناک انجام کو پہنچ کر رہی جس سے نکلنے اور بچنے کی اس کے بعد کوئی صورت ان کے لیے ممکن نہ رہی۔ تو کیا اس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ممکن ہو سکتا ہے؟ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے دعوتِ حق و ہدایت سے منہ موڑنے اور حق کو جھٹلانے کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۲۷ کفر و شرک کی راہ فساد فی الارض کی راہ۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ کفر و شرک کی راہ پر چلنا زمین میں فساد پھیلانا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو حضرتِ شعیب نے ان سے فرمایا کہ "تم لوگ زمین میں فساد مچاتے مت پھرو"۔ معلوم ہوا کہ کفر و شرک کی راہ پر چلنا فساد پھیلانا ہے کہ اس سے اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے اور اس سے طرح طرح کی مصیبتیں آتی اور ایسے عذاب نازل ہوتے ہیں جن میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور اصلاح کی صورت صرف یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر رہے اور زندگی کے ہر دائرے میں اسکی مقرر فرمودہ حدود کی پابندی کرے اور اس میں خود اس کا اپنا ہی بھلا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور اسکے بعد آخرت میں بھی۔ اور یہ چیز عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اصلاح احوال اصل اساس و بنیاد ہے حضرتِ خالق جل مجدہٗ کے ساتھ صحیح تعلق کی۔ اگر اس بنیاد کو چھوڑ دیا جائے۔ والعیاذ باللہ۔ تو سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ الآیۃ۔ یعنی اگر آسمان اور زمین کی اس کائنات میں دو خدا ہوتے تو یہ دونوں کبھی کے درہم برہم ہو گئے ہوتے۔ پس سلامتی و نجات کی راہ توحید و بندگی رب کی راہ ہے۔ اور جو لوگ عقیدۂ توحید کی خدمت اور اس کی حفاظت میں مشغول ہیں وہی اس کائنات کی بہتری اور اس کی اصلاح کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ اس لیے حضرتِ شعیب نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت و بندگی کرو قیامت کی امید رکھو اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو کہ فساد کا نتیجہ بُرا۔ والعیاذُ باللہ العظیم۔

۲۸ تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین: ۔ سو اس سے ہلاک شدہ قوموں کے انجام سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ سو اس ارشاد سے منکرین کو ہلاک شدہ قوموں کے انجام سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی کہ ان کی تباہی ان کے کھنڈرات اور آثار و نشان تمہارے سامنے کھلے پڑے ہیں جو تم اپنے شام اور یمن کے سفروں کے دوران خود دیکھتے ہو۔ مگر تم ان پر نگاہِ عبرت نہیں ڈالتے۔ اور ہمیشہ یہی حال رہا انسان کی غفلت اور بدبختی کا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے ان لوگوں کو یعنی قریش کے کفار و مشرکین کو جو کہ دعوتِ قرآنی کے اولین اور بلا واسطہ مخاطب تھے ان کو دعوتِ غور و فکر دی گئی ہے کہ وہ ان گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے انجام میں غور و فکر سے کام لیں اور اس سے درسِ عبرت لیں کہ یہ لوگ جو اپنے دور میں اس قدر ترقی اور عروج پر تھے آخر اس انجام سے کیوں دوچار ہوئے؟ ان کو کس نے اس ہولناک انجام سے دوچار کیا اور کیوں کیا؟ اور اس میں ہمارے لیے کیا درسِ عبرت و بصیرت ہے؟۔ سو ان کی بستیوں کے یہ کھنڈرات اپنی زبانِ حال سے ان سب سوالوں کا جواب دے رہے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ۔ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔ سو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ ۔ وباللہ التوفیق۔ مگر دنیا ہے کہ بطن و فرج کی خواہشات کے تقاضوں میں محو و منہمک ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے جوہرِ عقل کو بھی انہی کا غلام بنا کر رکھ دیا جو کہ خساروں کا خسارہ ہے کہ اس طرح انسان حیوانِ محض بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَ

(اس طرح) اس نے روک دیا تھا انکو راہِ (حق وصواب) سے، اور یوں وہ لوگ بڑے ہوشیار تھے ۴۹ اور قارون، فرعون، اور ہامان،

هَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

کو بھی (ہم نے ہلاک کیا) اور بلاشبہ ان کے پاس موسیٰ آئے تھے کھلی نشانیاں لے کر،

فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾

مگر ان لوگوں نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا ۵۰ (اللہ کی) زمین میں، اور وہ ایسے نہ تھے کہ نکل جائیں ہماری گرفت (اور پکڑ) سے،

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ

آخر کار ہم نے ان میں سے ہر ایک کو پکڑا اس کے گناہ کی بناء پر ۵۱ پھر ان میں سے کسی پر تو ہم نے پتھراؤ کرنے والی

حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

ہوا ۵۲ بھیجی، کسی کو آدبوچا ہولناک آواز نے، ۵۳ اور کسی کو

خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا

ہم نے دھنسا دیا زمین میں، ۵۴ اور کسی کو ہم نے غرق کر ڈالا، ۵۵ اور

۴۹ محض مادی ترقی نجات اور کامیابی کا ذریعہ نہیں بن سکتی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ لوگ بڑے ہوشیار تھے" یعنی اپنے دنیاوی معاملات کے اعتبار سے وہ لوگ بڑے تیز اور ہوشیار تھے۔ مگر دین کے معاملے میں اور راہِ حق کے سلسلے میں ان کی یہ سمجھداری الٹی ہی پڑ رہی تھی اور شیطان نے ان کے سامنے انکی حرکاتِ خبیثہ اور ان کے اعمالِ بد کو ایسا ملمع کر رکھا تھا کہ وہ اپنی ہی بات کو اچھا سمجھتے تھے۔ اور راہِ حق ان کو دکھائی نہ دیتی تھی۔ اور یہی حال آپ کو آج کے ان دنیاداروں کا بھی نظر آئے گا جنکو علمائے حق راہِ حق اور طریقِ فوز وفلاح کی دعوت دیتے ہیں مگر ایسے لوگ انکو اپنی سمجھداری کے گھمنڈ میں رجعت پسند، تاریک خیال اور تنگ نظر وغیرہ وغیرہ خدا جانے کیا کچھ قرار دیتے ہیں۔ اور اس طرح ایسے لوگ نورِ حق وہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اور اس طرح دنیاوی امور کے بارے میں ان کی ہوشیاری اور چالاکی ہی ان کی ہلاکت وتباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو مریض اگرچہ مختلف رہے ہیں مگر مرض ہمیشہ ایک ہی رہا اور وہ بعینہ آج بھی وہی ہے جو کل تھا۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ محض مادی ترقی اور دنیاوی ہوشیاری نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتی جب تک کہ دین وایمان کی روشنی سے سرفرازی نصیب نہ ہو۔ کیونکہ دین وایمان کی روشنی ہی وہ عظیم الشان اور بے مثال روشنی ہے جو انسان کے لیے حق وہدایت اور فوز وفلاح کی راہیں روشن کرتی ہے۔ ورنہ اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ والعیاذ

باللہ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۵۰ استکبار ہلاکت و تباہی کا باعث۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ قارون، فرعون اور ہامان وغیرہ سب نے استکبار سے کام لیا اور اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ ایسے نہ تھے کہ ہماری گرفت و پکڑ سے نکل جائیں۔ سو حق کے مقابلے میں تکبر کرنا اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اسے ٹھکرا دینا ہولناک اور دائمی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے مگر یہ ہولناک اور تباہ کن مرض کل کے باطل پرستوں میں بھی موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔ سو کتنے ہی لوگ آپ کو ایسے ملیں گے جو محض اپنی بڑائی کے زعم باطل اور گھمنڈ فاسد میں مبتلا ہو کر قبول حق کے شرف سے محروم رہتے ہیں۔ اور یہی دراصل خرابیوں کی خرابی اور ہلاکت و تباہی کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ عظمت اور بڑائی اللہ وحدہ لاشریک ہی کا حق ہے۔ بندے کی شان کے لائق عبدیت اور بندگی ہی میں کمال پیدا کرنا اور حق کے آگے صدق دل سے جھکنا ہے۔ و باللہ التوفیق۔ سو ہلاک شدہ قوموں کے ذکر کے بعد تاریخ کے بعض نمایاں متکبرین کو بطور نمونہ سامنے رکھ دیا گیا تا کہ ہر دور کے مستکبرین ان کے آئینے میں اپنا چہرہ خود دیکھ لیں۔ ان کے انجام سے سبق لیں اور اس کے مطابق اپنے حال اور مآل کا جائزہ خود لے لیں اور اپنی روش کی اصلاح کر لیں۔ ورنہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ غفلت و لاپرواہی کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۵۱ انکار حق کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار ہم نے ان میں سے ہر ایک کو پکڑا اس کے جرم و گناہ کی پاداش میں۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انکار حق تمام خرابیوں کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ﴿ ذنب ﴾ کو یہاں پر مفرد لایا گیا ہے حالانکہ ان لوگوں کے جرائم متعدد تھے۔ کیونکہ اصل اور بنیاد ان سب جرائم کی ایک ہی تھی۔ یعنی قبول حق سے اعراض و انکار۔ سو معلوم ہوا کہ حق کا انکار کرنا سب برائیوں کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس تکذیب اور انکار حق گناہوں کا گناہ اور خرابیوں کی خرابی ہے۔ اور اس کا آخری نتیجہ اور انجام بہر حال ہمیشہ کی ہلاکت و تباہی ہے۔ اور ایسے لوگوں کو ڈھیل جتنی بھی ملے وہ بہر حال ڈھیل اور مہلت ہی ہوتی ہے جس نے بہر حال اپنے وقت پر ختم ہو جانا ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد ایسے لوگوں نے بہر حال اپنے کفر و انکار کے انجام کو پہنچ کر رہنا ہوتا ہے۔ اس لیے منکرین و مجرمین کو ملنے والی ڈھیل سے کسی کو کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین

۵۲ ﴿حَاصِبٌ﴾ کے عذاب کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے کسی پر ہم نے ﴿ حاصب ﴾ کا عذاب بھیجا۔ جیسے قوم عاد اور قوم لوط پر کہ قوم عاد پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن ہوا کا ایسا ہولناک طوفان مسلط کر دیا گیا۔ (الحاقہ: ۷-۸) جس نے بڑے بڑے ڈیل ڈول کے ان لوگوں کو اس طرح اٹھا اٹھا کر اور پٹخ پٹخ کر مارا کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجور کے تنے پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿ کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴾۔ (القمر: ۲۰)۔ اور قوم لوط پر پتھروں کی بارش برسائی گئی اور ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا گیا۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ شعراء میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴾ (الشعراء: ۱۷۳)۔ یعنی "ہم نے ان پر ایک بڑی ہولناک بارش برسائی۔ سو بڑی ہی بری بارش تھی ان لوگوں کی جن کو خبردار کیا گیا تھا"۔ اور بعینہ یہی بات سورۂ نمل کی آیت نمبر ۵۸ میں ارشاد فرمائی گئی۔ ﴿ حاصب ﴾ سے مراد کنکر برسانے والی ہولناک ہوا ہے جس طرح کہ قوم عاد اور قوم لوط پر ایسی ہولناک ہوا کو مسلط کیا گیا۔ جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ والعیاذ باللہ۔ سو قوم عاد جسکو اپنی قوت کا بڑا زعم اور گھمنڈ تھا اور اس کا کہنا

تھا- ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾- کہ "ہم سے بڑھ کر طاقت اور قوت اور کس کی ہو سکتی ہے"۔ سو اسکو ہوا کے ایسے ہولناک عذاب سے تباہ کیا گیا کہ انکی وہ مزعومہ قوت انکے کچھ کام نہ آسکی اور وہ ہمیشہ کے لیے مٹ مٹا کر قصہ پارینہ بن کر رہ گئے- والعیاذ باللہ- سو اللہ کی عذاب اور اس کی پکڑ کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور سکت کسی میں نہیں ہو سکتی۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال

۵۳ ﴿صَیحَة﴾ کے عذاب کا ذکر- والعیاذُ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا "اور کسی کو آدبوچا ایک ہولناک آواز نے"۔ جس سے وہ تمام تر مادی ترقی وقوت کے باوجود وہیں کی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے جیسے قوم ثمود اور اہلِ مدین کہ ان کو اس ہولناک آواز نے اس طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیا کہ ان کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا گیا۔ سو انہوں نے بھی جب کفر و انکار اور تکذیبِ حق کے اس سنگین اور ہولناک جرم پر اصرار کیا اور اپنے پیغمبر کی آواز پر کان نہ دھرا اور ان کی دعوت کو قبول نہ کیا تو آخر کار ان کو ایک ایسی ہولناک آواز نے آپکڑا کہ وہ سب کے سب ہمیشہ کیلئے بجھ کر رہ گئے- والعیاذ باللہ- اور اپنی جس مادی قوت وترقی کا ان کو بڑا دعوٰی اور گھمنڈ تھا وہ ان کے کچھ کام نہ آئی- سو اصل قوت جسمانی قوت نہیں ایمانی قوت ہے۔ اور اصل ترقی مادی ترقی نہیں بلکہ قوت ایمان ویقین اور شان عبدیت ورجوع الی اللہ کی ترقی ہے۔ ورنہ اندھیرے ہی اندھیرے اور ہلاکت و بربادی میں ترقی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر مستقیم وثابت قدم رکھے اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا اکرم الاکرمین

۵۴ ﴿خسفِ ارض﴾ کے عذاب کا ذکر- والعیاذُ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا "اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا"۔ یعنی قارون، جس کو اس کے خزانوں سمیت پیوندِ خاک کر دیا گیا اور اسکا مال و دولت اُس کے کچھ کام نہ آسکا جس پر وہ پھولا نہیں سماتا تھا اور جس کی بناء پر وہ حق کا انکار اور اسکی تکذیب کرتا رہا تھا- والعیاذ باللہ- سو کامیابی اور فوز وفلاح کا وسیلہ و ذریعہ ایک اور صرف ایک ہے یعنی حق کو قبول کر کے صدقِ دل سے اسکے آگے جھک جانا۔ اور دارین کی سعادت و سرخروئی اور اسکی فوز وفلاح کا راز اسی میں مضمر ہے۔ ورنہ ہلاکت ہی ہلاکت ہے- والعیاذ باللہ جل وعلا- ایمان ویقین کے بغیر اور اپنے خالق ومالک کے حضور جھکے بدوں نہ انسان کو شرفِ انسانیت میسر آسکتا ہے اور نہ وہ سعادت و سرخروئی کی راہ پاسکتا ہے اور نہ وہ اپنے عمل کی پاداش اور اللہ پاک کی گرفت و پکڑ سے بچ سکتا ہے- والعیاذ باللہ- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب ویرید - اللہ نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۵۵ ﴿غرقابی﴾ کے عذاب کا ذکر و بیان- والعیاذُ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کسی کو ہم نے غرق کر دیا"۔ جیسے قومِ نوح جو طوفانِ نوح میں غرقاب ہوئی اور جیسے فرعون اور اس کی قوم جن کو قلزم میں غرق کیا گیا اور فرعون تو- ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾- کا دعوٰی کرتا تھا۔ اور جسکو یہ گھمنڈ تھا کہ مجھے مصر کی بادشاہی حاصل ہے- ﴿اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ﴾- (الزخرف:۵۱) یعنی "کیا یہ حقیقت نہیں کہ مجھے مصر کی بادشاہی حاصل ہے اور یہ نہریں میرے نیچے سے بہتی ہیں"۔ اور جس کا حضرتِ موسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے بارے میں کہنا تھا کہ "کیا میں اس شخص سے بہتر نہیں ہوں جو بے قدر اور بیان کرنے کے بھی قابل نہیں"- ﴿اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ﴾ (الزخرف:۵۲)۔ سو اپنی خدائی کا دعوٰی کرنے والے فرعون اور ایسے گھمنڈ رکھنے والے اور اس کے ساتھی ہامان کو ان کے لشکروں سمیت اکٹھے اور ایک ہی وقت میں غرق کر دیا گیا اور انکی وہ حکومت اور قوت انکے کچھ بھی کام نہ آسکی جس کا اس کو بڑا زعم اور گھمنڈ تھا اور جس کی بنا پر اس نے خدائی دعوٰی کر لیا تھا- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر کوئی ظلم کرتا مگر وہ (بدبخت) اپنی جانوں پر خود ہی

يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ

ظلم کرتے رہے تھے، ف۵۶ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کے سوا کچھ اور

اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ

کارساز بنا رکھے ہیں مکڑی کی سی ہے کہ وہ اپنا کوئی گھر بنالے

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا وقف لازم

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی ہی کا ہوتا ہے، ف۵۷ کاش کہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

یہ لوگ جان لیتے (حق اور حقیقت کو،) بے شک اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جس کو یہ لوگ (پوجتے) پکارتے ہیں

دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

اللہ کے سوا، ف۵۸ اور وہی ہے (سب پر) غالب نہایت حکمت والا، ف۵۹

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ

اور یہ مثالیں (یوں تو) ہم سب ہی لوگوں (کی فہمائش) کے لئے بیان کرتے ہیں مگر ان کو سمجھتے وہی لوگ ہیں

اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

جو علم (حق کی روشنی) رکھتے ہیں، اللہ ہی نے (تن تنہا) پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین (کی اس عظیم الشان کائنات) کو

بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۱۶

حق کے ساتھ، بے شک اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ایمان والوں کے لئے، ف۶۰

۵۶ انکار و تکذیب حق خود اپنی جانوں پر ظلم - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا مگر یہ

لوگ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے رہے تھے''۔ حق کا انکار اور اسکی تکذیب کر کے۔ سو جو کوئی حق کا انکار اور اس کی تکذیب کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو دینِ حق کا انکار اور اپنے خالق و مالکِ حقیقی کی اطاعت اور اسکی عبادت و بندگی سے منہ موڑنا ظلم اور سب سے بڑا ظلم ہے اور اس کا آخری نتیجہ اور انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ ایسے لوگوں کو قدرت کی طرف سے جو ڈھیل ملتی ہے اس سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ ظلم کا نتیجہ بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور ایسے لوگوں کو ملنے والی ڈھیل بہرحال ایک ڈھیل ہے جس نے بالآخر ختم ہو جانا ہے۔ اور ایسوں نے آخرِ کار اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہنا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا،

۵۷ شرک اور اہلِ شرک کی تمثیل مکڑی کے جالے سے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسے مکڑی نے ایک گھر بنایا'' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ سو جس طرح مکڑی کا جالا بظاہر بڑا پھیلا ہوا اور تنا ہوا ہوتا ہے اور وہ مکھی مچھر جیسی کمزور چیزوں کو پھانس بھی لیتا ہے مگر نہ وہ سردی گرمی سے بچا سکتا ہے اور نہ ہی باد و باراں وغیرہ کے اثرات سے۔ اور وہ ہوا کے ایک ہی جھونکے یا کسی معمولی ٹھوکر سے تار تار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے ان معبودانِ باطلہ اور کارسازانِ خود ساختہ کا حال ہے جن کو ان لوگوں نے اللہ پاک کے سوا از خود گھڑ رکھا ہے اور ان کو یہ لوگ حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجتے پکارتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل کے اہلِ بدعت کا حال ہے کہ ان کے آستانے اور دربار ظاہری طور پر اگرچہ بڑے سجے سجائے ہوں گے۔ دولت کی ریل پیل ہوگی۔ طرح طرح کی سریں اور دھنیں رقص کناں ہوں گی۔ ہر طرف سج دھج اور زرق برق کا سماں ہوگا۔ چیلے چانٹے خوب پھیلے بکھرے ہوں گے اور وہ جھوٹے قصے، جعلی کہانیاں اور بناوٹی کرامتیں سنا سنا کر لوگوں کو طرح طرح کی شرکیات کی ترغیب دے رہے ہوں گے مگر حقیقت میں ان کو خدائے پاک کی خدائی میں ذرا برابر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ ﴿مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾۔ کے ارشادِ ربانی کے مصداق کچھ بھی کرنے کے اہل نہیں ہوں گے۔ سو ایسوں کو پکارنے والے اپنے مالکِ حقیقی سے روگرداں ہو کر۔ ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ﴾۔ کا مصداق بنے ہوتے ہیں۔ ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی میں مکڑی کے جالے کی اس تشبیہ سے شرک کے ضعف اور اسکے بودے پن کو واضح فرمایا گیا ہے کہ جن جھوٹے سہاروں کو یہ لوگ بہت کچھ سمجھتے ہیں وہ مکڑی کے جالوں کی طرح ہیں۔ سو مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو طرح طرح کے سہارے گھڑ رکھے ہیں وہ سب اسی طرح جھوٹے اور بے حقیقت ہیں اور وہ دنیا کی طرح آخرت کے اس جہان میں بھی جھوٹے اور بے حقیقت ثابت ہونگے۔ کل قیامت کے روز جب خداوندِ قدوس کا قانونِ مجازات اور اس کا عدلِ بے لاگ ظہور میں آئے گا وہاں پر ان لوگوں کے یہ خود ساختہ و من گھڑت شفعاء و سفارشی ان کے کچھ کام نہ آسکیں گے جن پر یہ لوگ دنیا میں تکیہ کیے بیٹھے تھے۔ تب ان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ جن سہاروں کو یہ لوگ قلعے کی دیوار سمجھ رہے تھے انکی حقیقت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں تھی۔ والعیاذ باللہ العظیم، اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۵۸ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان اس کے احاطۂ علم کے اعتبار سے: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''بے شک اللہ پوری طرح جانتا ہے ان سب چیزوں کو جن کو یہ لوگ پوجتے پکارتے ہیں اللہ کے سوا''۔ تعمیم ملاحظہ ہو کہ اول تو ﴿شیء﴾ خود نکرہ ہے جو ہر چیز کو شامل ہے۔ پھر اس پر ﴿من﴾ استغراقیہ سے مزید تاکید۔ یعنی کوئی بھی چیز خواہ کوئی فرشتہ ہو یا انسان، شجر ہو یا حجر، بت ہو یا جن وغیرہ وغیرہ۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مافوق الاسباب کسی کو بھی پکارنا شرک ہے جو کہ سب سے بڑا گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے- والعیاذ باللہ- سو اب وہ لوگ دیکھ لیں جو اس وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر اس کی عاجز مخلوق کو پکارتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے ''یا رسول اللہ اغثنی'' کوئی کہتا ہے ''یا علی مدد'' اور کوئی کہتا ہے ''یا پیر دستگیر'' وغیرہ وغیرہ۔ سو ایسے لوگ خود دیکھ اور سوچ لیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں اور کس انجام کے مستحق ہیں- والعیاذ باللہ- ہاں اسباب کے درجے میں کسی دنیاوی حاکم کے سامنے کسی امر سے متعلق شکایت کرنا، ڈاکٹر یا حکیم سے علاج کرانا، دوا لینا وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ کہ شریعتِ مطہرہ نے دنیا کے اس دارالاسباب میں ان اسباب کو اختیار کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اجازت دی ہے۔ اور پیغمبر-ﷺ- نے خود اور آپ-ﷺ- کے بعد آپ کے صحابہؓ اور تابعین واتباع تابعین نے اپنی اپنی زندگیوں میں اس پر عمل کر کے دکھایا۔ لہٰذا ایسا کرنا نہ منع ہے اور نہ ہی اس پر مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو پکارنے کو اس پر قیاس کرنا صحیح ہے کہ مافوق الاسباب مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت اور اسی کا خاصہ ہے۔ اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو بھی اس میں شریک ماننا شرک ہے- والعیاذ باللہ- اور یہی بات جمہور مفسرینِ کرام نے کہی ہے اور کہتے ہیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں- ''اَیْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنَ الْاَوْثَانِ وَالْاَصْنَامِ وَالْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَاِنَّهَا لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ''- (المراغی: ج ۲۰ ص ۱۴۴)۔ یعنی اس کے سوا جس کو بھی یہ لوگ پکارتے ہیں خواہ وہ مورتیاں اور بت ہوں یا جنوں اور انسانوں میں سے کچھ ہستیاں کہ ان کے اختیار میں نہ نفع ہے نہ نقصان- ''اَیِ الَّذِیْ تَدْعُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ''- (جامع البیان: ج ۲ ص ۳۹)۔ یعنی ''اللہ کے سوا جس کسی چیز کو بھی تم لوگ پکارو گے وہ سب اس میں داخل ہے''- مِنْ مَّلَکٍ اَوْ بَشَرٍ اَوْ حَجَرٍ- یعنی ''خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا انسان یا درخت اور پتھر'' کہ ''شیء'' کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے۔ اور دعا کے لغوی معنیٰ ندا و پکار کے ہی آتے ہیں۔ لغت کی تمام کتابوں میں اس کے یہی معنیٰ مذکور ہیں۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں- ''الدعا النداء''- (مفردات: ص ۱۶۰)۔ اب ذرا اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں کی منطق ملاحظہ ہو، اور ان کی جہالت یا تجاہلِ عارفانہ کو دیکھئے کہ وہ موصوف اس موقعہ پر اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اس قسم کی آیات میں بعض فضلائے دیوبند ﴿یدعون﴾ کے معنیٰ پکارنے کے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یارسول اللہ'' اور ''یا غوث'' وغیرہ کہنا شرک ہے۔ مگر خود ہر حاجت پر امیروں حکیموں اور حاکموں کو پکارتے ہیں''۔ اب ان بدعتی تحریف پسندوں سے کوئی پوچھے کہ کیا صدیاں پہلے گزرنے والے یہ سب علماء و مفسرینِ کرام دیوبند کے فضلاء ہی تھے؟ سو یہاں سے یہ بھی اندازہ کیجئے کہ فضلائے دیوبند کا اعلانِ حق اہلِ بدعت کے دل و دماغ پر کس طرح سوار ہے کہ ان کو ہر طرف وہی نظر آتے ہیں۔ اور کیا اہلِ بدعت کے اس مفتی صاحب کو تحت الاسباب اور فوق الاسباب کا فرق بھی معلوم نہیں؟ اگر

معلوم نہیں اور پھر بھی دعوی ہے شیخ التفسیر اور مفتی ہونے کا تو اس سے بڑھ کر المیہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور اگر معلوم ہونے کے باوجود جان بوجھ کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو پھر معاملہ اور بھی افسوسناک اور سنگین ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ - وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِيْبَةُ اَعْظَمُ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ سُوْٓءٍ وَّشَرٍّ - بہرکیف ان مذکورہ بالا چند حوالوں سے واضح ہو گیا کہ یہ مسئلہ صرف فضلائے دیوبند کا نہیں جس طرح کہ ایسے اہل بدعت کا کہنا ہے۔ بلکہ یہ جمہور امت اور سلف و خلف کے تمام اہل علم و فضل کا قول ہے۔ اور علماء و فضلائے دیوبند بھی وہی کچھ کہتے ہیں جو کہ سلف امت سے ثابت و منقول ہے اور جو کہ مقتضی ہے نصوص کتاب و سنت کا - اللہ ہمیشہ راہ حق پر مستقیم و ثابت قدم رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین

۵۹ اللہ تعالیٰ کی صفت عزت و حکمت کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور انداز حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ''اور وہی ہے سب پر غالب نہایت حکمت والا''۔ لہٰذا اس کو نہ کسی معین و وزیر کی ضرورت ہے اور نہ کسی مساعد و مشیر کی۔ نہ اس کی گرفت سے کوئی بچ کر نکل سکتا ہے اور نہ اس کی پکڑ سے کوئی کسی کو چھڑا سکتا ہے کہ وہ عزیز و غالب اور نہایت ہی زبردست ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - اور وہ فوراً نہیں پکڑتا بلکہ زمانوں پہ زمانے ڈھیل دیئے چلا جاتا ہے کہ وہ حلیم بھی ہے اور حکیم و کریم بھی - جل وعلا شانہ، - سو عزیز اور حکیم کی ان دونوں صفتوں کے ذکر سے کئی اہم اور انقلاب آفریں درس ملتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جو صدق دل سے اسکی طرف رجوع کرے گا اور حقیقی معنوں میں اس کا بندہ بن کر رہے گا - وباللہ التوفیق - تو وہ عزت اور حکمت کی دولت سے سرفراز و مالا مال ہوگا۔ اور جو اس سے منہ موڑے گا اور اعراض و روگردانی کرے گا وہ محروم اور خائب و خاسر ہوگا - والعیاذ باللہ - کہ اس مالک الملک رب عزیز و حکیم سے منہ موڑنا سب سے بڑی محرومی اور حقیقی خسارہ ہے - والعیاذ باللہ - سو وہ سب پر غالب اور سب کی رسائی سے بالا و برتر ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - اور اس کا ہر کام اور ہر حکم نہایت علم و حکمت پر مبنی ہے۔ سو اس عزیز و حکیم کے کسی امر و ارشاد اور قضاء اور فیصلہ پر کسی کا اپنے زور سے خواہ وہ شخص کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اثر انداز ہونا ممکن نہیں۔ سو مشرک لوگوں نے جو اپنے خود ساختہ معبودوں کے بارے میں اس طرح کے تصورات قائم کر رکھے ہیں کہ وہ اسکے یہاں اثر انداز ہو کر انکی بخششیں کرا دیں گے وہ سب سراسر فراڈ اور فریب ہے۔ اور اس بنیاد پر جو وہ اپنی فرصت حیات کو داؤ پر لگائے ہوئے ہیں وہ نہایت ہی ہولناک خسارے میں پڑے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین